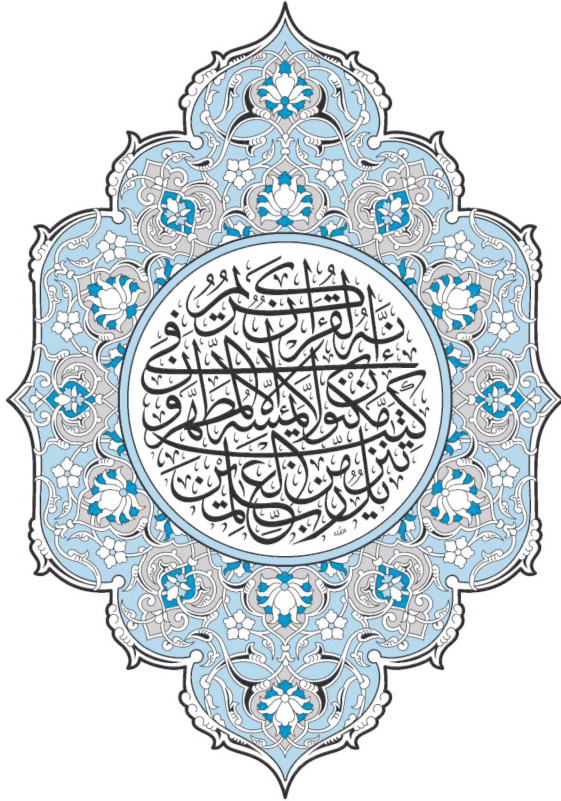


اَللّٰهُمَّ زَيِّنَا لِدُرَرِ الْاَذْكَارِ وَالْمَرْحَلِ الْفَضْلِ



قرآن شریف کے مطالب کے اس اردو ترجمہ کی طباعت کے حکم دینے کا شرف فرمانروائے
مملکت سعودی عرب خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبد العزیز آل سعود کو حاصل ہوا۔

تَرْجُمًا لِدُرَرِ الْاَذْكَارِ وَالْمَرْحَلِ الْفَضْلِ
خَلَّاصُ الْاَشْرَافِ الْمَلِكُ سَلْمَانُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ
مَلِكُ الْمَمْلُوكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُودِيَّةِ

وَقَفَّ لِلَّهِ تَعَالَى مَنْ خَادَمَ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ
الْمَلِكِ سَيِّدَمَانَ وَعَبْدَ الْعِزِّ زَالَ سَعُودَ
وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ
يُؤْتَى مَجَانًّا

تَرْجُمَةُ مَعَانِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ عَنْ إِلَى اللُّغَةِ الْأُرْدِيَّةِ

ترجمة: الشيخ محمد الجوناكرهي
والتعليقات التفسيرية للشيخ صلاح الدين يوسف

مُجَمَّعُ الْمَلِكِ فَهْدٍ طِبَاعَةُ الْمَصْحَفِ الشَّرِيفِ
بِالْمَدِينَةِ الْمَكُونَةِ

خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وقف ہے اس کا بیچنا جائز نہیں۔

مفت تقسیم کے لیے

قرآن شریف کے مطالب کا اردو ترجمہ

ترجمہ: مولانا محمد جونا گڑھی
تفسیری حواشی: مولانا صلاح الدین یوسف

شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس
مدینہ منورہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمة

بقلم معالي الشيخ الدكتور
عبد اللطيف بن عبد العزيز بن عبد الرحمن آل الشيخ
وزير الشؤون الإسلامية والدعوة والإرشاد
المشرف العام على المجمع

الحمد لله رب العالمين، القائل في كتابه الكريم:
﴿... قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾
والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد، القائل:
«خيركم من تعلم القرآن وعلمه».
أما بعد:

فإنفاذاً لتوجيهات خادم الحرمين الشريفين، الملك سلمان بن
عبد العزيز آل سعود - حفظه الله - بالناية بكتاب الله، والعمل على
تيسير نشره، وتوزيعه بين المسلمين، في مشارق الأرض ومغاربها،
وتفسيره، وترجمة معانيه إلى مختلف لغات العالم.

وإيماناً من وزارة الشؤون الإسلامية والدعوة والإرشاد بالملكة
العربية السعودية بأهمية ترجمة معاني القرآن الكريم إلى جميع لغات
العالم المهمة؛ تسهياً لفهمه على المسلمين الناطقين بغير العربية،
وتحقيقاً للبلاغ المأمور به في قوله ﷺ: «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً».

وخدمة لإخواننا الناطقين باللغة الأردنية، يطيب لمجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة المنورة أن يقدم للقارئ الكريم هذه الترجمة إلى اللغة الأردنية، التي قام بها الشيخ محمد جوناكرهي، وكتب حواشيها الشيخ صلاح الدين يوسف، وراجعها الدكتور وصي الله بن محمد عباس والدكتور أختر جمال لقمان.

ونحمد الله سبحانه وتعالى أن وفق لإنجاز هذا العمل العظيم الذي نرجو أن يكون خالصاً لوجهه الكريم، وأن ينفع به الناس.

إننا لندرك أن ترجمة معاني القرآن الكريم -مهما بلغت دقتها- ستكون قاصرة عن أداء المعاني العظيمة التي يدل عليها النص القرآني المعجز، وأن المعاني التي تؤديها الترجمة إنما هي حصيلة ما بلغه علم المترجم في فهم كتاب الله الكريم، وأنه يعترها ما يعترى عمل البشر كله من خطأ ونقص.

ومن ثم نرجو من كل قارئ لهذه الترجمة أن يوافي مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة النبوية بما قد يجده فيها من خطأ أو نقص أو زيادة؛ للإفادة من الاستدراكات في الطباعات القادمة إن شاء الله.

والله الموفق، وهو الهادي إلى سواء السبيل، اللهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

از قلم معالیٰ الشیخ الدكتور عبداللطیف بن عبدالعزيز بن عبدالرحمن آل الشیخ

وزیر اسلامی امور و دعوت و ارشاد

نگران اعلیٰ مجمع الملک فہد

الحمد لله رب العالمين، القائل في كتابه الكريم:

﴿...فَدَجَّاءٌ كُفُّوا مِنْ اللَّهِ نُورًا وَكَتَبُ مُبِينٌ﴾.

والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد، القائل:

«خيركم من تعلم القرآن وعلمه».

أما بعد:

خادم الحرمين الشريفين شاہ سلمان بن عبد العزيز آل سعود حفظہ اللہ نے کتاب الہی کی خدمت کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں ان میں قرآن مجید کی طباعت، وسیع پیمانے پر مسلمانان عالم میں اس کی تقسیم کے اہتمام اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ و تفسیر کی اشاعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔

”وزارة الشؤون الإسلامية والدعوة والإرشاد“ کی نظر میں عربی زبان سے ناواقف مسلمانوں کے لیے قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنے اور تبلیغ کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو رسول اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً» (میری جانب سے لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو) میں بیان کی گئی ہے، دنیا کی تمام اہم زبانوں میں قرآن مجید کے مطالب کو منتقل کیا جانا انتہائی ضروری ہے۔

خادم الحرمين الشريفین کی انہی ہدایت اور وزارت برائے اسلامی امور کے اسی احساس کے پیش نظر ”مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة المنورة“ اردو واں قارئین کے استفادہ کے لیے قرآن مجید کے مطالب کا یہ اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

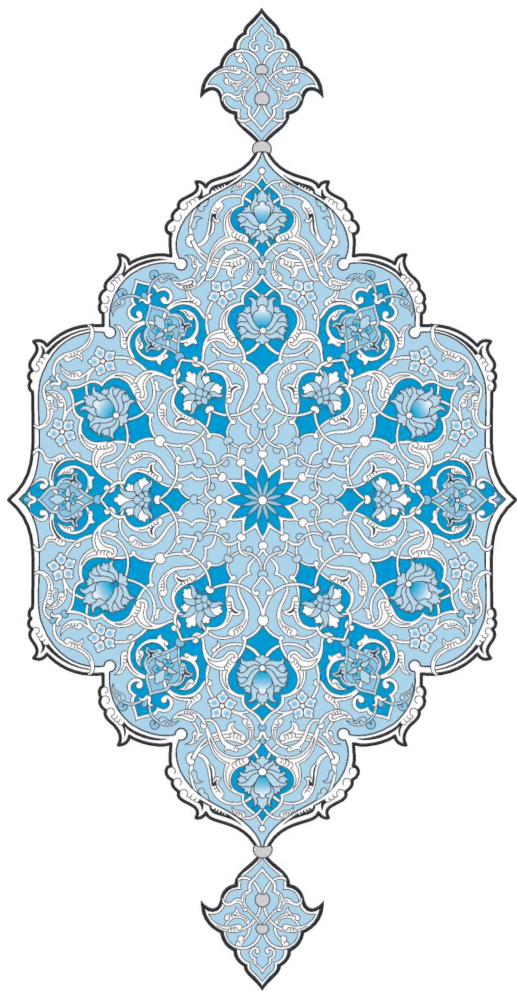
یہ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی کے قلم سے ہے اور تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف کے تحریر کردہ ہیں۔ مجمع کی جانب سے نظر ثانی کا کام ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس اور ڈاکٹر اختر جمال لقمان ہر دو حضرات نے انجام دیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خدمت قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے اسے نفع بخش بنائے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا کوئی بھی ترجمہ خواہ کیسی ہی دقت نظر سے انجام پایا ہو، ان عظیم معانی کو کما حقہ ادا کرنے سے بہر حال قاصر رہے گا جو اس معجزانہ متن کے عربی مدلولات ہیں۔ نیز یہ کہ ترجمہ میں جن مطالب کو پیش کیا جاتا ہے وہ دراصل مترجم کی قرآن فہمی کا حاصل ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر انسانی کوشش کی طرح ترجمہ قرآن میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان باقی رہتا ہے۔

اس بناء پر قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ انہیں اس ترجمہ میں کسی مقام پر کوئی فروگزاشت نظر آئے تو ”مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة النبوية“ کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان استدراکات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

والله الموفق، وهو الهادي إلى سواء السبيل، اللهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم.



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ ترجمہ معانی قرآن مجید

تمہید

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے الفاظ و معانی کے ساتھ اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لئے رحمت، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنایا، یہاں قرآن مجید اور اس کے پیغام کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

قرآن مجید کا عمومی تعارف

پہلا: قرآن مجید کا تعارف — اور اس کے اسماء و صفات کا بیان

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور اس کے الفاظ اور معانی کے ساتھ اس کی وحی فرمائی، جو مصحف (قرآن مجید کا لکھا ہوا نسخہ) میں لکھا ہوا ہے، تو اتر سے نقل کیا گیا ہے اور جس کی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے ہی اس وحی کو جسے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا قرآن کے نام سے موسوم فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْقُرْآنَ وَنُفْخُ فِيهِ الْحَيَاةَ﴾ (الدھر: ۲۳) (بے شک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے) اس لیے اس کا یہ حق ہے کہ اسے پڑھا جائے، اس کی تلاوت کی جائے اور اسے چھوڑا نہ جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے الکتاب کے نام سے بھی موسوم فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (النساء: ۱۰۵) (یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے) اس لئے کہ اس کا حق ہے کہ اسے لکھا جائے اور اس کے بارے میں لا پرواہی نہ برتی جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ صفات بھی بیان فرمائی کہ وہ فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والا)، ذکر (نصیحت)، ہدیٰ (ہدایت)، نور، شفاء، حکیم (حکمت سے بھرا ہوا) اور موعظۃ (وعظ) وغیرہ ہے۔ اور یہ ساری صفات قرآن مجید کی عظمت اور اس کے پیغام کی کاملیت کو ظاہر کرتی ہے۔

اور ”مصحف“ کا لفظ ان صحیفوں سے لیا گیا جن میں قرآن مجید لکھا گیا اور صحابہ نے یہ نام اس کتاب کا رکھا تھا جس کے صفحات پر قرآن مجید لکھا گیا تھا۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ وحی ہے جسے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہمارے نبی محمد ﷺ کے دل پر اتارا، ارشاد الہی ہے ﴿وَأَنزَلْنَاكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ * تَقْرَأُ بِهِ الزُّمُّرُ الْهَيْمُ * عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ * بِلسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵) (اور بے شک وشبہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے، آپ کے دل پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں، صاف عربی زبان میں ہے)۔

اور حضرت محمد ﷺ اس معاملے میں کوئی انوکھے نبی نہیں تھے بلکہ ان کے تمام پیغمبر بھائیوں علیہ السلام کے پاس بھی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس عظیم امانت کی خاطر جسے چاہے منتخب فرماتے ہیں، ارشاد باری ہے ﴿أَنزَلْنَاكَ بِلسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (الحج: ۷۵) (فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے) اور وہ جانتا ہے کہ اس ذمہ داری کے لئے کون موزوں ہیں اور کون ناموزوں، اس لئے کہ ساری مخلوق کو اس نے ہی پیدا کیا ہے، ارشاد ہے ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ (القصص: ۲۸) (اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے)۔

دوسرا: قرآن مجید کا نزول

رسول اللہ ﷺ پر ۱۷ رمضان ۶۱۰ء پیر کے دن مکہ مکرمہ کے ایک پہاڑ کے غارِ حراء میں وحی نازل ہونا شروع ہوئی جہاں جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس یہ آیتیں لے کر اترے ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

اَلَّذِي خَلَقَ * خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ * اِفْرَاوَرَبُّكَ الْكَافُرُ * الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ * عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق: ۱-۵) (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا، جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا) اس طرح رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کی یہ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

انہیں لے کر رسول اکرم ﷺ لرزاں و ترساں اپنے اہل خانہ کے پاس واپس تشریف لائے اور اپنی شریک حیات ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے پورا واقعہ بیان کیا اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان خطرے میں نظر آرہی ہے تو انہوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں (حقیقی یا معنوی) بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق کی مصیبتوں میں مدد فرماتے ہیں، پھر آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو دانا اور بصیرت مند تھے، ان سے فرمایا: چچا جان، اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ انہیں بتایا تو ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ یہ وہی ناموس^(۱) (فرشتہ وحی) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نازل ہوا تھا، کاش کہ میں اس وقت تک توانا رہوں، کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ بن نوفل نے فرمایا کہ ہاں، جب بھی کوئی شخص وہ پیغام لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو اس سے دشمنی کی گئی اور اگر میں آپ کا وہ دن پالوں تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا اور اس ملاقات کے تھوڑے وقفہ کے بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔

قرآن مجید گزشتہ انبیاء کی کتابوں کی طرح پورا ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ پر نازل نہیں ہوا بلکہ تینیس سال کے عرصے تک تھوڑا تھوڑا اترتا رہا، کبھی پوری سورت

۱. ناموس سے مراد جبرئیل امین علیہ السلام ہیں جو انبیاء کے پاس وحی لے جانے پر مامور ہیں۔

نازل ہوتی تو کبھی ایک سورت کی چند آیتیں، اور قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کے پیچھے یہ حکمت رہی ہے کہ وقتاً فوقتاً وحی لے کر جبرئیل علیہ السلام کے نزول کے ذریعہ آپ ﷺ کو دلجمعی، تقویت اور مدد حاصل ہو تاکہ اس طرح آپ ﷺ دور نبوت کے آغاز سے ہی مشرکین کی روگردانیوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوطی اور ثابت قدمی سے جے رہ سکیں، ارشاد الہی ہے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ (الفرقان: ۳۲) (اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارا کا سارا ایک ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا اسی طرح ہم نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا تاکہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سنایا ہے)۔

اسی طرح قرآن مجید کے بتدریج نازل ہونے میں تربیتی پہلو سے بھی ایک زبردست حکمت رہی ہے^(۱) اور وہ ہے اہل ایمان کو دینی احکام سے روشناس ہونے اور ان پر عمل کرنے میں تدریج کی سہولت عطا کرنا تاکہ وہ بہ آسانی اسے جان اور سمجھ سکیں اور جہالت اور کفر و شرک کے جن اندھیروں میں وہ تھے انہیں وہاں سے نکال کر بتدریج ایمان، توحید اور علم تک لایا جاسکے۔

تیسرا: تدوین قرآن

عبارتوں کی حفاظت کا سب سے اہم ذریعہ انہیں لکھ لینا ہے اور جو بات لکھی نہ جائے اس کے بھول جانے کا اندیشہ رہتا ہے چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت بنا کر نازل کیا گیا تھا لہذا اس کا لکھ لیا جانا ضروری تھا۔

قرآن مجید نبی کریم ﷺ کی زیر نگرانی و اہتمام لکھا جاتا رہا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کتابت کے لئے مشہور تھے قرآن مجید لکھنے کا حکم دیا اور انہیں کاتبین وحی بنایا، جن میں سب سے زیادہ مشہور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔^(۲)

۱. ملاحظہ ہو تفسیر طبری: ۱۰/۱۹ اور المرشد الوجیز ابو شامۃ المقدسی ص: ۲۸۔

۲. تفسیر طبری ص: ۲۸-۱۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی وحی نازل ہوتی تو آپ اسے یاد فرمالتے پھر کسی کاتب وحی کو بلا کر اسے لکھوا لیتے اور فرماتے ان آیتوں کو ان سورتوں میں رکھو جس میں فلاں باتیں مذکور ہیں^(۱) چنانچہ متعین سورت کو نامزد کر کے اس میں آیتیں لکھنے کا حکم دیتے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کے نازل شدہ حصوں کو سیکھنے اور یاد کرنے کا حکم دیتے چنانچہ اس طرح مکمل قرآن مجید خود آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں (چمڑے کی) دستاویزوں میں لکھ لیا گیا تھا۔^(۲)

جبریل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک دور فرماتے تھے اور جس سال نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا اس سال دو مرتبہ دور فرمایا، آیتوں اور سورتوں کی وہی ترتیب کے مطابق جیسی وہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود قرآن مجید میں ہے تاکہ اللہ کا یہ فرمان ثابت ہو جائے کہ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ * فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَآتِبْهُ قُرْآنَهُ﴾ (القیامۃ: ۱۸-۱۷) (اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں) اور یہ بھی ﴿سَنُقْرَأُكَ فَلَا تَنسَى﴾ (الأعلى: ۶) (ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا)۔

چوتھا: قرآن مجید کو صحیفوں میں جمع کرنا

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو مرتب صحیفوں (کاپیوں) میں جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ حافظوں کے وفات پاتے رہنے یا جن دستاویزوں میں قرآن مجید لکھا گیا تھا ان کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے قرآن مجید کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے اور یہ ذمہ داری حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دی اور ان صحیفوں پر نظر ثانی اور اس بات کے اطمینان کے بعد کہ وہ دستاویزوں میں لکھے اور سینوں میں محفوظ قرآن مجید کے عین مطابق ہیں ان صحیفوں کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں رکھا گیا، یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہیں حفاظت کی خاطر

۱. سنن ابی داود: ۸۶، سنن ترمذی: ۸۶۰۸۶ اور حاکم نے اسے مستدرک: ۳۳۲۵ میں ذکر کیا ہے، اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیعین (بخاری و مسلم) کی شرطوں پر پوری اترتی ہے اگرچہ کہ ان دونوں نے اسے ذکر نہ کیا ہو۔

۲. صحیح بخاری: ۳۵۹۲، ۳۵۹۳۔

دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر میں بطور امانت رکھا گیا اور ان کی وفات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے گھر میں محفوظ کیا گیا۔^(۱)

جب اسلام پھیلا تو مسلمانوں کو قرآن مجید کے نسخوں کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ وہ ان میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھ سکیں تب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت کے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ لوگوں کو ایک مثالی نسخے پر جمع کر دیا جائے جسے سب لوگ پڑھنے کے لئے استعمال کریں تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں قرآن مجید کے حافظوں کی ایک ایسی جماعت (ٹیم) کو جو لکھنا جانتے تھے یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ان ساری کاپیوں کو جن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید لکھا گیا تھا ایک نسخے میں جمع کریں، چنانچہ وہ سارے صحیفے (کاپیاں) ایک مصحف (نسخہ) میں جمع کر دیے گئے پھر اس مکمل مصحف کے کئی مکمل نسخے (نقلیں) بنائی گئیں اور سارے مسلم شہروں میں ایک ایک نسخہ روانہ کیا گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس سے نسخے (نقلیں) تیار کریں۔

آج دنیا میں قرآن مجید کے جتنے بھی نسخے ہیں چاہے وہ ہاتھوں سے لکھے ہوں یا پریس میں چھپے ہوئے ان سب کی اصل وہی پرانے نسخے ہیں جو نقل کئے گئے اور شہروں میں بھیجے گئے اور ان نسخوں کی عبارت میں کوئی اختلاف ہے نہ ترتیب میں۔

اور آج تک مسلمان قرآن مجید کی طباعت کا اہتمام کرتے ہیں اور طباعت کی جدید سہولتوں، آلات اور ٹیکنالوجی کو اس کے لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ قرآن مجید کی کتابت رسم (طریقہ تحریر) عثمانی - جیسے اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لکھا گیا تھا - کے مطابق بہترین، عمدہ ترین اور محفوظ ترین معیار پر کی جاسکے۔

اور شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس ایک نمایاں ترین دلیل ہے قرآن مجید سے تعلق اور اہتمام اور مملکت سعودی عرب کے حکمرانوں کی قرآن مجید سے دلچسپی، اس کی خدمت کے شوق اور ان کے اس جذبے کی کہ ہر مسلمان قرآن مجید کا ایسا نسخہ بہ آسانی حاصل

۱. صحیح بخاری: ۴۹۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۷۶۔

کر سکے جس کی نہ صرف طباعت دیدہ زیب اور جلد انتہائی معیاری ہو بلکہ جو ہر پہلو سے بہترین اور محفوظ ترین ہو۔

پانچواں: قرآن مجید کی ترتیب اور اس کے حصے

قرآن کریم سورہ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورہ ناس پر ختم ہوتا ہے، وہ ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے اور اس کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے یعنی نبی کریم ﷺ سے لی گئی ہے اور نزولی ترتیب کے مطابق نہیں ہے، اس لئے کہ سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی وہ سورہ العلق ہے حالانکہ اس کا نمبر ۹۷ ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آیتوں اور سورتوں کی اس ترتیب کو نبی کریم ﷺ کے پڑھنے سے معلوم کرتے تھے۔^(۱)

آج کل قرآن مجید میں ۳۰ پارے ہیں، ہر پارے کے دو حزب (آدھے پارے) ہیں اور ہر حزب چار چوتھائیوں پر مشتمل ہے، اس تقسیم کا غالب انحصار علماء کے اجتہاد پر ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کے لیے قرآن مجید کی تلاوت میں آسانی پیدا کرنا ہے۔

چھٹا: قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا

قرآن مجید جیسے رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا مسلمانوں نے اسی طرح اسے سیکھنے، اس کی تلاوت اور اس کی عبارت کی حفاظت کا پورا اہتمام کیا، چنانچہ حفاظ و قراء صحابہ نے تابعین کو اس کی تعلیم دی تاکہ وہ اس کی عبارت کو محفوظ کر لیں اور ہر آیت پر روک روک کر انہیں سمجھایا تاکہ اس کے معانی کو اچھی طرح سمجھ لیں، اس طرح انہوں نے علم اور عمل دونوں سیکھا پھر حفاظ تابعین نے قرآن مجید پڑھانے کے مدارس بنائے اور جو کچھ انہوں نے سیکھا تھا اس کی پابندی کی، چاہے وہ تلاوت کا پہلو ہو یا عبارت کی حفاظت، حروف اور کلمات کی گنتی، آیتوں اور سورتوں کی ترتیب اور اسے پڑھنے اور پڑھانے اور ترتیل کی کیفیت کے پہلو، چنانچہ قرآن مجید آج تک اسی طرح پڑھایا، حفظ کرایا اور تلاوت کیا جاتا ہے اور طالب علم اسے اپنے حافظ قاری شیخ سے زبانی فصیح ترین عربی زبان میں اسی طرح سیکھتا ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا۔

۱۔ اسے ابو عمرو الدانی نے المقتنع ص ۸ میں امام مالک بن انس سے نقل کیا ہے۔

قرآن کریم متعدد قراءات سے پڑھا جاتا ہے اور قراءات سے مراد قرآن مجید کے کلمات اور حروف کی ادائیگی کا طریقہ اور تلفظ کا ڈھنگ ہے جسے تابعین نے قراء صحابہ سے سیکھا جنہوں نے اسے نبی کریم ﷺ سے سیکھا اور جس کی انہیں آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، عصر حاضر میں ان قراءات میں سب سے زیادہ مشہور عاصم کی وہ قراءت ہے جسے ان کے شاگرد حفص بن سلیمان نے روایت کیا ہے اور نافع کی وہ قراءت جسے ان کے شاگرد عثمان بن سعید جن کا لقب ورش ہے نے روایت کی ہے اور ان مشہور ترین قراءت میں سے الدوری کی روایت سے ابو عمرو البصری کی قراءت اور قالون کی روایت کردہ نافع کی قراءت بھی ہے۔

ساتواں: قرآن مجید کی تفسیر

قرآن مجید کی تفسیر سے مراد اس کے معنوں کی وضاحت ہے^(۱) اور کسی بھی کلام کا مقصد اس کے معانی اور مفہوم کو سمجھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے والوں کو اس کے معانی اور مطالب سمجھنے کی ترغیب دلائی ہے، ارشاد ہے ﴿كَتَبْنَا الْقُرْآنَ إِلَيْكَ مُبْرَكًا لَّيْلًا نُّزُلًا إِلَيْهِ وَلَكِنَّكَ أَوَّلُ الْكُتَّابِ﴾ (ص: ۲۹) (یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور غفلت اس سے نصیحت حاصل کریں) اور غور و فکر سے مراد سمجھنا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن معانی کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی رسول اکرم ﷺ ان کی وضاحت فرمادیتے^(۲) لیکن ان کی زبان دانی اور قرآن مجید کے ان کی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے انہیں قرآن مجید کی آیتوں کے معانی کو سمجھنے میں زیادہ سوالات نہیں کرنے پڑے لیکن وقت کے ساتھ تفسیر کی ضرورت بڑھتی گئی۔

رسول اکرم ﷺ، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگرد تابعین عظام سے تفسیر کے باب میں جو کچھ نقل کیا گیا وہ علم تفسیر کی بنیاد بنا جسے تفسیر ماثور کہا گیا جو

۱. ملاحظہ ہو البرهان للزركشي ۱/۱۳۔

۲. ملاحظہ ہو تفسیر طبری ۱/۳ اور مقدمة في أصول التفسير شيخ ابن تيمية ص ۳۵۔

قرآن مجید کو سمجھنے کا سب سے اہم وسیلہ مانا جاتا ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ یہ جانا جاسکتا ہے کہ اولین نسلوں نے جو ایک طرف عربی زبان کے مزاج شناس تھے تو دوسری طرف قرآن مجید کے نزول کے زمانے کے حالات و واقعات کے گواہ و واقفِ حال تھے انہوں نے قرآن مجید کو کیسے سمجھا۔

۱- تفسیر کی قسمیں

مفسرین کی علمی دلچسپیوں کے تنوع کی وجہ سے ان کے تفسیری رجحانات میں تنوع رہا ہے چنانچہ بعض تفاسیر میں قرآن مجید کے لسانی پہلو کی وضاحت پر زور ہے تو بعض نے فقہی احکام پر زیادہ توجہ دی، اسی طرح کسی نے تاریخی پہلو سے زیادہ دلچسپی لی تو کسی نے عقلی پہلو یا اخلاقی پہلو وغیرہ سے، اور اس بناء پر علماء نے تفسیر کی دو قسمیں کی ہیں:

پہلی: تفسیر بالماثور: اس سے مراد وہ تفسیر ہے جو رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے منقول ہے۔

دوسری: تفسیر بالرأے یا بالاجتهاد: جو صحیح علمی بنیادوں پر مبنی ہو۔

۲- تفسیر کے سب سے اچھے طریقے اور اس کے ضوابط

قرآن مجید کو سمجھنے کا سب سے پہلا ذریعہ تفسیرِ ماثور ہے، اس لیے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین - جو قرآن مجید سے سب سے زیادہ واقف ہیں - سے منقول ہے، اگر قرآن مجید کی آیتوں کو سمجھنے میں مزید ایسی وضاحت کی ضرورت پیش آئے جو تفسیرِ ماثور میں نہ ہو تو مفسر کو ان ضوابط کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

۱- تفسیرِ ماثور سے آیتوں کے جو معانی سمجھ میں آتے ہیں ان کا لحاظ کرنا اور ان سے متعارض کوئی بات نہ کہنا۔

۲- تفسیرِ قرآن و سنت میں وارد عمومی مطالب سے ہم آہنگ ہو اس لیے کہ مفسر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی تفسیر کرے جو ان مطالب سے متصادم ہو؛ اس لیے کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں دیگر بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں ان سے متصادم نہیں، اسی طرح سنت بھی قرآن مجید کے اجمال کی وضاحت اور تفسیر کرتی ہے۔

۳- الفاظ کی دلالت، جملوں کی ساخت اور اظہارِ بیان کے پیرایوں میں عربی زبان کے مزاج و قواعد سے واقفیت، اس لیے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس کے قواعد کی روشنی ہی میں سمجھا جانا چاہیے۔

۴- اس کی متشابہ آیتوں کو سمجھنے کے لیے محکم آیتوں کی طرف رجوع کرنا، اس لیے کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں دیگر بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں اور قرآن مجید کی اکثر آیتیں محکم ہیں اور ان کے معانی واضح ہیں جبکہ بعض آیتیں متشابہات ہیں جن کے معانی سمجھنے میں بعض لوگوں کو التباس ہو سکتا ہے، محکم آیات کی طرف رجوع کرنے سے ان کے معانی اور مطالب واضح ہو سکتے ہیں، اور زیادہ آسانی سے سمجھ جاسکتے ہیں، ارشاد الہی ہے ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلَةٍ وَمَا يُعَلِّمُونَ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالْأُولَئِكَ فِي الْعِلْمِ بُهْلُونَ أَمْ يَقُولُونَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ رَبِّنَا وَمَا يَكُنُ لَكُمُ الْاُولَئِكَ الْكِتَابِ﴾ (آل عمران: ۷) (وہی اللہ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح اور مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں پس جن کے دلوں میں کبھی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے حالانکہ ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لایچکے یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں)۔

۵- تکوینی آیتوں کی تفسیر میں ثابت شدہ سائنسی حقیقتوں سے مدد حاصل کرنا اور سائنسی نظریات کو زبردستی قرآن مجید کی تفسیر میں نہ ٹھونسا، تاکہ قرآن مجید کی آیتوں کو وہ معنی نہ پہنایے جائیں جو ہیں نہیں۔

۶- ان غلط تاویلات سے اجتناب جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی کو شریعتِ مطہرہ کے حقائق سے دور کر دیں اور انہیں عربی زبان کے قواعد سے باہر کر دیں، چاہے وہ تحریف کے مقصد سے ہو یا عربی زبان اور اس کے قواعد اور اسالیب سے ناواقفیت کی وجہ سے، یا ایسے معانی تصور کر لینے کی وجہ سے جن سے اللہ تعالیٰ کا کلام منزہ اور پاک ہے۔

آٹھواں: قرآن مجید کا اعجاز

اصطلاح میں اعجاز کہتے ہیں کسی عمل یا تدبیر کو لے آنے کی قدرت سے بالاتر صفت کو، اور معجزہ نبیوں اور رسولوں کی نشانیوں کے لیے بعد میں وضع شدہ ایک اصطلاح ہے، یہ لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا بلکہ اس کے معنی میں آیت اور برہان وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے معانی میں وہ کاملیت اور اس کی آیتوں، الفاظ اور اسالیب میں وہ دلکشی ہے جسے لانے سے انسان عاجز ہے، ارشادِ الہی ہے ﴿الْقُرْآنُ الْحَكِيمُ إِنَّهُ فَضَّلَنَا مِنْ دُونِ حِكْمِهِمْ حَبِيرٌ﴾ (ہود: ۱) (الریہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے)۔

مشرکین نے مختلف شبہات پیدا کر کے طرح طرح جھوٹ تراش کر قرآن مجید کے مصدر میں شکوک پیدا کرنے اور لوگوں کو اس سے پھیرنا چاہا ^(۱) تو اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں نازل کیں جن میں انہیں چیلنج کیا گیا کہ اگر وہ سچے ہیں تو اس پورے قرآن یا اس کی دس سورتوں یا ایک سورت کے مانند کوئی کلام لے آئیں ^(۲) لیکن وہ بے بس ہو گئے، اور اس بات کا اعتراف کر لیا کہ قرآن مجید اگرچہ کہ عربی زبان میں ہے لیکن اس کی نقل کرنا یا اس کے مانند کوئی کلام پیش کرنا ممکن نہیں، ارشادِ باری ہے ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (یونس: ۳۸) (کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ تو پھر اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو بلاؤ اگر تم سچے ہو)۔

اور قرآن مجید نے ڈنکے کی چوٹ پر واٹگاف الفاظ میں یہ اعلان فرما دیا کہ سارے انسان اور ان کے بعد سارے جن بھی اس قرآن مجید کے مانند کلام لے آنے سے عاجز ہیں اگرچہ کہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کیوں نہ کریں

۱. آیتیں ملاحظہ ہوں الانعام: ۷، ۲۵، الانبیاء: ۵، سبأ: ۲۳، لیس: ۶۹، الصافات: ۳۶، ص: ۴، الطور: ۳۰۔

۲. آیتیں ملاحظہ ہوں البقرہ: ۲۳، یونس: ۳۸، ہود: ۱۳، الطور: ۳۴۔

﴿قُلْ لَّيْسَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۸) (کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں)۔

اور قرآن مجید معجزہ ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا کلام ہے کہ مخلوق کا کلام جس کے مشابہ نہیں ہو سکتا، اور وہ نشانی اور معجزہ ہے اپنے الفاظ میں، آیتوں میں، زبان میں، اور ان فصیح و بلیغ سورتوں میں جو اس میں ہیں، ان خبروں اور سچے واقعات میں جو اس نے ذکر کیے ہیں، ان احکام و مسائل میں جن پر وہ مشتمل ہے، اس کی شدید جذباتی اور نفسیاتی تاثیر میں، اور ان مبہوت کن سائنسی حقائق میں جن کا اس نے تذکرہ کیا ہے۔

سائنسی حقیقتوں اور تکنیکی اشاروں جن کا تعلق طبیعیاتی اور فلکیاتی علوم کے ماہر سائنسدانوں اور زندگی اور طب کے ماہرین سے ہے انھوں نے جب یہ دیکھا کہ ان مسائل سے متعلق قرآنی بیانات کتنے دقیق ہیں تو وہ اچنبھے میں پڑ گئے اس لئے کہ یہ بات تصور سے بالاتر ہے کہ اتنی دقیق باتیں ایک اُمتی رسول کہہ سکے جو خود ایک ناخواندہ امت میں مبعوث کیا گیا اور ایک ایسے وقت میں جب دنیا ان چیزوں سے یکسر نا بلد تھی اور نتیجہً وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اس لئے کہ وہ جان چکے تھے کہ قرآن مجید کے یہ بیان انسانی کلام نہیں بلکہ یہ یقیناً انسان اور کائنات کے خالق کا کلام ہے۔

اسی طرح قرآن مجید ایسی بے شمار آیتوں سے بھرا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عجیب و غریب کاریگری پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد ہے ﴿سُبْحَانَكَ يَا إِلَهَ الْآفَاقِ وَفِي آفَاقِهِمْ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ الْحَقِّ أَوَّلَ مَا يَكْفِي بِرَبِّكَ أَكْثَرُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (خم السجدة: ۵۳)۔ (عقرب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاقِ عالم میں دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں)۔

نواں: قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ

(کسی بھی) کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں^(۱) اور ترجمے کی اپنی دشواریاں ہیں، اس لیے کہ زبانی تعبیرات عبارت کا ایک اہم تکنیکی عنصر ہے اور کسی عبارت کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اس کے اسلوبِ تعبیر کی لسانی دلائلوں کا کماحقہ ادا کر پانا آسان نہیں ہوتا^(۲) اگر انسانی عبارتوں کے ترجمے کا یہ حال ہو تو قرآن مجید کے ترجمے میں تو یہ دشواری کئی گنا بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور جو اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ اللہ کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اور کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے تمام معانی سے واقف ہو چکا یا وہ اس کے الفاظ کو اسی طرح کے پیرائے میں ڈھال سکتا ہے جیسا کہ وہ عربی میں ہے، اور قرآن مجید کے ترجمے کی ان دشواریوں کے باوجود مسلم علماء نے قرآن مجید اور اس کے پیغام کو دنیا کی ساری قوموں تک پہنچانے کو اشد ضروری قرار دیا ہے، چاہے ان قوموں کی زبانیں جو بھی ہوں اور یہ ترجمے کے بغیر ممکن نہیں۔^(۳)

اور قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمہ:^(۴)

۱۔ یا تو صرف قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ ہوگا جو تفسیر کے بغیر ہو اور قرآنی آیتوں کے الفاظ و معانی کی وضاحت تک محدود ہو۔

۲۔ یا تفسیری ترجمہ ہوگا جو مثالوں اور اضافی وضاحتوں پر مشتمل ہو تو یہ عربی کے علاوہ دیگر کسی بھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگا۔

اور قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ چاہے جتنا دقیق ہو اور مترجم دونوں زبانوں میں چاہے جتنی دسترس رکھتا ہو اور آیتوں کے معانی سے چاہے جتنا واقف ہو لیکن وہ ترجمہ

۱. ملاحظہ ہو لسان العرب لاین منظور (ماہ ترجم و ترجم)۔

۲. دلالة الألفاظ إبراہیم ابنس م: ۱۷۱-۱۷۵، فن الترجمة محمد عوض محمد ص: ۱۹۔

۳. ملاحظہ ہو مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱۶/۳۔

۴. ملاحظہ ہو مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱۵/۳ اور ۵۳۲، اور التفسیر والمفسرون محمد حسین الذہبی ۱/۲۳۔

قرآن نہیں کہلائے گا، اس کے دو سبب ہیں:^(۱)

پہلا سبب: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو عربی زبان میں اتارا گیا ہے اور جو فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلند چوٹی ہے اور اس کی آیتوں کو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ڈھال دیں تو اس کا نام قرآن مجید نہیں رہ جائے گا۔

دوسرا سبب: ترجمہ قرآن مجید کے معانی کو مترجم نے جیسا کچھ بھی سمجھا ہے اس کا اظہار ہے اور وہ اس پہلو سے تفسیر کی طرح ہے تو جس طرح تفسیر کو قرآن مجید نہیں کہا جاتا اسی طرح ترجمہ بھی قرآن نہیں کہلا سکتا۔

اور قرآن کریم کے معانی کے ترجمے کے قابل قبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان قواعد کے مطابق ہو جو علماء نے قرآن مجید کے معانی کی وضاحت کے لیے طے کئے ہیں ساتھ ہی مترجم ترجمہ کو قرآن مجید کے تحریف شدہ معانی کی اشاعت، یا اسلام اور مسلمانوں کے شعائر اور مقدسات کی توہین کے لیے ڈھال نہ بنائے جیسا کہ مستشرقین کے ترجموں یا بہت سے نام نہاد اسلام کی طرف منسوب مترجموں کے ترجموں کا حال ہے جن کے فاسد عقائد دین اسلام کے عظیم اصولوں کو منہدم کر دیتے ہیں اور اس کے صحیح عقیدہ اور روشن شریعت کو داندرا کرتے ہیں اسی لیے شاہ فہد قرآن شریف کمپلیکس مدینہ منورہ نے قرآن مجید کے قابل اعتماد ترجموں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے تاکہ قرآن مجید کا عظیم پیغام اللہ کے سارے بندوں تک ان کی اصلی زبانوں میں پہنچایا جاسکے۔

والحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحابتہ أجمعین والتابعین

ومن تبعہم بإحسان إلى يوم الدين

سورۃ فاتحہ^(۱) مکی ہے،^(۲) اس میں سات آیتیں ہیں۔^(۳)

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

۱. شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔^(۴)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①

۱. سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتداء کے ہیں، اس لیے اسے الْفَاتِحَةُ یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ، السَّبْعُ الْمَثَانِي، الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ، الشِّفَاءُ، الرُّقِيَّةُ (دم) وَغَيْرَهَا مِنَ الْأَسْمَاءِ اس کا ایک اہم نام ”الصَّلَاةُ“ بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي» الحدیث (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) ”میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے“، مراد سورۃ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو ”نماز“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کردی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح البخاری و صحیح مسلم) ”اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔“ اس حدیث میں (من) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو پڑھنے میں دشواری پیش آنے لگی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا «لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ؛ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»۔ ”تم ایسا مت کیا کرو (یعنی ساتھ ساتھ مت پڑھا کرو) البتہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو، کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ - ثَلَاثًا - غَيْرَ تَمَامٍ» ”جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے“ تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ (امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ) (امام کے پیچھے تم سورۃ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو) (صحیح مسلم)۔ مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (الأعراف: ۲۰۳)، (جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو) یا حدیث وَإِذَا قُرَأَ فَأَنْصِتُوا (بشرط صحت) ”جب امام قراءت

کرے تو خاموش رہو" کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۃ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۃ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے تاکہ مقتدی بھی احادیث صحیحہ کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھ سکیں، یا امام سورۃ فاتحہ کے بعد اتنا سکتے کرے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ اس طرح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۃ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاتم بدین قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔ یک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَتَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا دیکھیے سورۃ اعراف، آیت ۲۰۴ کا حاشیہ (اس مسئلے کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "تحقیق الکلام" از مولانا عبد الرحمن مبارک پوری و "توضیح الکلام" مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ، وغیرہ)۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلف کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو تو نہ پڑھے اور اگر نہ سن رہا ہو تو پڑھے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۹۵/۲۳)

۲۔ یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (۱۳ نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، یا اس کے اطراف وجوانب میں، اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔ ۳۔ بسم اللہ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے؟ یا یہ صرف سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے؟ یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے؟ قراء مکہ وکوفہ نے اسے سورۃ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جبکہ قراء مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۃ نمل کی آیت ۳۰ کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جزو ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علماء نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

۴۔ بسم اللہ کے آغاز میں اقْرَأْ، اَبْدَأْ، یا اَتْلُوْا محذوف ہے یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا، یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ ہر اہم کام کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنا بھی ضروری ہے۔ ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (النحل: ۹۸) (جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو اللہ کی جناب میں شیطان رجیم سے پناہ مانگو)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

۲. سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے^(۱) جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔^(۲)

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۳. بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔^(۳)

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ

۴. بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے۔^(۴)

۱. الحمد میں ال، استغراق یا اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یا اس کے لیے خاص ہیں، کیوں کہ تعریف کا اصل مستحق اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ اللہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ یہ کلمہ شکر ہے۔ جس کی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو أَفْضَلُ الذِّكْرِ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ کو أَفْضَلُ الدُّعَاءِ کہا گیا ہے۔ (ترمذی، نسائی، دیگر) صحیح مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ مِيزَانٌ کو بھر دیتا ہے" اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحیح مسلم)

۲. رَبِّ، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ عَالَمِينَ عَالَم (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں، لیکن رَبِّ الْعَالَمِينَ سب کی ضروریات، ان کے احوال و ظروف اور طباع و اجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

۳. رَحْمَنُ بَرَوْنِ فَعْلَان اور رَحِيمٌ بَرَوْنِ فَعِيلٌ ہے۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، جن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رَحْمَن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے رَحْمَنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر و مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہوگا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہوگی۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ (آمین)۔

۴. دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزاء اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر وہی جواب دے گا: لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (صرف ایک غالب اللہ کے لیے) ﴿يَوْمَ لَا تَنفَعُكَ نَفْسُكَ لَتَفْسِدَ شَيْئًا وَالْآمُرُ يُؤَمِّرُ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (الانفطار: ۱۹) (اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا)۔ یہ ہوگا جزاء کا دن۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿١﴾

۵۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ

ہی سے مدد چاہتے ہیں۔^(۱)

۱۔ عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل و عاجزی اور کمال خشوع کا اظہار اور بقول ابن کثیر ”شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام ہے“ یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ عام عبارت ﴿نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِينُكَ﴾ (ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں) ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول کو فعل پر مقدم کر کے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی (ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سد باب کر دیا گیا ہے، لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ أَنْصَرَ إِلَى اللَّهِ﴾ (الصف: ۱۳) (اللہ کے دین کے لیے کون میرا مددگار ہے؟) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدہ: ۲) (ایک دوسرے کی مدد کرو) ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے، نہ شرک، بلکہ مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع و مضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا، اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے، جو بد قسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تینوں قسمیں بھی مختصر بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں۔ توحید ربوبیت، توحید الوہیت، توحید صفات۔

(۱) توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحظہ و مذاقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ”اے پیغمبر (ﷺ)! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے؟ یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

۶. ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔^(۱)

پیدا کرتا ہے؟ اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ“ (یعنی یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔ (سورہ یونس : ۳۱) دوسرے مقام پر فرمایا: اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ (الزم: ۳۸) ایک اور مقام پر فرمایا: ”اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کا مال ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔“ (المؤمنون : ۸۲-۸۹) وَعَیْرَهَا مِنَ الْآیَاتِ.

(۲) توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا کے لیے، یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ صرف یہی عبادت نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا والتجارت کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طبع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادت ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام وخواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادت کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں جو سراسر شرک ہے۔

(۳) توحید صفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں۔ مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا اس قسم کی اور صفات الہیہ یا ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائیں۔ اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ شرک ہوگا۔ افسوس ہے کہ قبر پرستوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انہوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے ہندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

۱. ہدایت کے کئی مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں ارشاد، توفیق، الہام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما، تاکہ ہمیں تیری رضا (منزل مقصود) حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی ”الإسلام“ ہے جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جو اب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَالضَّالِّينَ

۷۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا،^(۱) انکی نہیں
جن پر غضب کیا گیا (یعنی وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہچانا
مگر اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے)، اور نہ گمراہوں کی^(۲)
(یعنی وہ لوگ جو جہالت کے سبب راہِ حق سے برگشتہ
ہو گئے)۔

۱۔ یہ صراطِ مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے۔ جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ منعم علیہ گروہ
ہے انبیاء شہداء صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ہے ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ (النساء: ۶۹) (اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی
اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین،
شہداء، اور صالحین، اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے)۔ اس آیت میں یہ بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ انعام
یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی اور راستہ۔

۲۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ مَعْضُوبٌ عَلَيْهِمْ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور صَالِّينَ
(گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں
﴿لَا أَعْلَمُ خِلَافًا بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾: بِالْيَهُودِ وَ﴿وَالضَّالِّينَ﴾ بِالنَّصَارَى﴾ (فتح القدیر) اس
لیے صراطِ مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ
کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیاتِ الہی میں تحریف اور حیلہ
کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے، اپنے احبار و رہبان کو حرام و حلال کرنے کا
مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انہیں ابنُ
اللہ اور ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (اللہ کا بیٹا اور تین خدا میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی یہ گمراہیاں
عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و سورا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے، تاکہ ادبار و کبکیت
کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس لیے امام اور مقتدی ہر
ایک کو آمین کہنا چاہیے۔ نبی ﷺ (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، حتیٰ کہ
مسجد گونج اٹھتی (ابن ماجہ۔ ابن کثیر) بنا بریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ ہے۔ آمین کے
معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ «كَذَلِكَ فَلْيُكُنْ» (اسی طرح ہو) «لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا» (ہمیں ناامید نہ کرنا) «اللَّهُمَّ
اسْتَجِبْ لَنَا» (اے اللہ ہماری دعا قبول فرما لے)۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

سورہ بقرہ مدنی ہے^(۱) اور اس میں دوسو چھیالیس آیات اور چالیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اَللّٰہُ۔^(۲)

اَللّٰہُ

۲. اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں،^(۳) پر ہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔^(۴)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

۱. اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ؛ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفَرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تَقْرَأُ فِيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب صلاة النافلة في بيته...) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے البتہ اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبریں، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر)

۲. انہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ واللہ اعْلَمُ بِمُرَادِهِ۔ البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ میں نہیں کہتا کہ اَلَمْ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے اور ہر حرف پر ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فيمن قرأ حرفاً...)۔

۳. اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الجمعة: ۲)۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نبی ہے اُنّی: لَا تَرْتَابُوْا فِيْهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور معاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۴. ویسے تو یہ کتاب الہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے، لیکن اس چشمہ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے تلاشی اور خوف الہی سے سرشار ہوں گے۔ جن کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، جن کے اندر ہدایت کی طلب، یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہوگا تو انہیں ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ

۳. جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں^(۱) اور نماز کو قائم رکھتے ہیں^(۲) اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔^(۳)

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

۴. اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا،^(۴) اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ۝

۵. یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔^(۵)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

۶. یقیناً کافروں کو آپ کا ڈرانا، یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔^(۶)

۱. اُمُورٌ غَيْبِيَّةٌ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل و حواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ، وحی الہی، جنت، دوزخ، ملائکہ، عذاب قبر اور حشر اجساد وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل و احساس باتوں پر یقین رکھنا جزو ایمان ہے اور ان کا انکار کفر و ضلالت ہے۔

۲. اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے، ورنہ نماز تو منافقین بھی پڑھتے تھے۔

۳. اِئْتِافٌ کا لفظ عام ہے، جو صدقات واجبہ اور نفلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، بلکہ ماں باپ اور اہل و عیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔

۴. پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں، وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی (حدیث) پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔

۵. یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ و عمل اور عقیدہ صحیحہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الہی اور اس کی رحمت و مغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت و کامرانی مل جائے تو سبحان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں، بلکہ اس کا کفر و عناد اس انتہاء تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبول اسلام کی توقع ہی نہیں۔

۶. نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ ﷺ کو شش فرماتے، لیکن اللہ تعالیٰ

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى
أَبْصَارِهِمْ غَشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَيَأْتُونَ
الْخَيْرَ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

۷۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں
پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان
کے لیے بڑا عذاب ہے۔^(۱)

۸۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت
کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان
والے نہیں ہیں۔^(۲)

۹۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں،
لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں،
مگر سمجھتے نہیں۔

نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے
ابو جہل اور ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پھر پورا جزیرہ عرب
اسلام کے سایے میں آگیا۔

۱۔ یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر و معصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں
سے قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں
پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لاسکتے ہیں؟ ایمان تو انہی لوگوں کے حصے
آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفت کردگار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے
برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ”مومن جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں
سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ
توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ نقطہ سیاہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا:
”ہی وہ زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ﴿كَذَلِكَ يَمْحُو اللَّهُ النَّاسَ الَّذِيْنَ كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ (المطففين: ۱۳) یعنی (ان کے
کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے)۔ (ترمذی، تفسیر سورة المطففين) اسی کیفیت کو قرآن نے ”ختم“
(مہر لگ جانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بد اعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔

۲۔ یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے، مگر وہ اہل ایمان کو
فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب
ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے، اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحی
کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انہی کو
پہنچا کہ انہوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔

۱۰۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھادیا^(۱) اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۱۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

۱۲۔ خبردار! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں،^(۲) لیکن شعور (سمجھ) نہیں رکھتے۔

۱۳۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں،^(۳) خبردار ہو جاؤ! یقیناً یہی بیوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں۔^(۴)

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝۱۱

إِنَّا نَنهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ۖ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۲

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُفُوا كَمَا مَنِ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۖ أَلَا أَنهَمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۳

۱۔ بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

۲۔ فَسَادٌ، صَلَاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعت الہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدود الہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

۳۔ ان منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ”بے وقوف“ کہا، جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دولتِ ایمانی ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا، بیوقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ کچے مومن ہی نہیں، بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انہی کا معتبر ہو گا جو صحابہ کرام ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ ﴿وَإِنِ الْمُؤْمِنِينَ لَمَّا آمَنُوا بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة: ۱۳۷)

۴۔ ظاہر بات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار دینی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔

۱۴. اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں^(۱) تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔

۱۵. اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے^(۲) اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے۔

۱۶. یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا، پس نہ تو ان کی تجارت^(۳) نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے۔

۱۷. ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں

وَإِذْ الْقَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا أَقْلُوا أَمْكًا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَهُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ^(۱۷)

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ^(۱۸)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهَدْيِ فَمَا رِيحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ^(۱۹)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ^(۲۰)

۱. شیاطین سے مراد سرداران قریش و یہود ہیں جن کے ایماء پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، یا منافقین کے اپنے سردار۔

۲. ”اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزاء و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان سے ایسا ہی معاملہ کرتے ہوئے انہیں ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کو استہزاء سے تعبیر کرنا، زبان کا اسلوب ہے، ورنہ حقیقتاً یہ استہزاء نہیں ہے، ان کے فعل استہزاء کی سزا ہے جیسے ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوری: ۴۰) (برائی کا بدلہ، اسی کی مثل برائی ہے) میں برائی کے بدلے کو برائی کہا گیا ہے حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز فعل ہے۔ اسی طرح ﴿يُخَذِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء: ۱۴۲) ﴿وَمَكُرُوا وَكَرَّهُمُ﴾ (آل عمران: ۵۴) وغیرہ آیت میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزاء فرمائے گا۔ جیسا کہ سورہ حدید کی آیت (۱۳) ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ﴾ الآية میں وضاحت ہے۔

۳. تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے، جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھاٹے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھاٹا آخرت کا گھاٹا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا میں ہی اس گھاٹے کا انہیں علم ہو جائے۔ بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انہیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت دانا اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔

چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے۔^(۱)

۱۸. بہرے، گونگے، اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹتے۔

۱۹. یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔

۲۰. قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے، جب ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں^(۲) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بیکار کر دے۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَّرَعٌ وَاعْلَوْا يَصْحَقُونَ أَصَابَهُمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِنِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مِّنْ نُورٍ أَوِيَتْهُ إِذْ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

۱. حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، لیکن پھر جلد منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دفعاً وہ روشنی بجھ گئی، اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی (خ القدر)۔

۲. یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کی بابت وہ ریب و شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل ریب و تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوک، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دہشت انہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچاسکے گا، کیوں کہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں، لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گوگو کا شکار اور قبول حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔

۳. اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو سلب کر لے۔ اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور مواخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

۲۱۔ اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔
 ۲۲۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔^(۱)

۲۳۔ اور ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلاؤ۔^(۲)

۲۴۔ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے^(۳) تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں،^(۴) جو کافروں کے لیے تیار

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا
لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا أَوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا
بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ
دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾

وَإِنْ كُمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا ۚ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي
وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ إِذْ هِيَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

۱۔ ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمہاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے، تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔

۲۔ توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس کے منزل من اللہ ہونے میں اگر تمہیں شک ہے تو تم اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے، کلام الہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے، جو کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے۔

۳۔ یہ قرآن کریم کی صداقت کی ایک اور واضح دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو چیلنج دیا گیا، لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں اور یقیناً قیامت تک قاصر رہیں گے۔

۴۔ پتھر سے مراد بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما گندھک کے پتھر ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک پتھر کے وہ ”أَصْنَامٌ“ (بت) بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿لَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ﴾ (الانبیاء: ۹۸) (تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہوں گے)۔

کی گئی ہے۔^(۱)

۲۵۔ اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو^(۲) ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیے گئے تھے^(۳) اور ان کے لیے بیویاں ہیں صاف ستھری^(۴) اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔^(۵)

۲۶۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا، خواہ مجھڑ کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی

وَيَبْرِئُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنْ لَهُمْ حُجَّتٌ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ
رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ
مُتَسَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَعِجُ أَنْ يُضَرِّبَ مَثَلًا بَعْضُهُمْ فَمَا
فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

۱۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہنم اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے جو اس وقت بھی ثابت ہے۔ یہی سلف امت کا عقیدہ ہے۔ یہ تمثیلی چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین حدیث باور کراتے ہیں۔

۲۔ قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح ان دونوں کا چوٹی دامن کا ساتھ ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اور عمل صالح کیا ہے؟ جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الہی کی نیت سے کیا جائے۔ خلاف سنت عمل بھی نامقبول اور نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے کیے گئے عمل بھی مردود و مطرود۔

۳۔ مُتَسَابِهًا کا مطلب یا تو جنت کے تمام میوؤں کا آپس میں ہم شکل ہونا ہے، یا دنیا کے میوؤں کے ہم شکل ہونا۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے میوؤں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے میوؤں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث میں ہے: مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحجۃ) ”نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا، نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا (اور دیکھنا سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔“

۴۔ یعنی حیض و نفاس اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی۔

۵۔ خُلُود کے معنی تیشگی کے ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں رہیں گے اور خوش رہیں گے اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے اور مبتلائے عذاب رہیں گے۔ حدیث میں ہے۔ جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا ”اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت میں ہے، اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔“ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون ألفا، وصحیح مسلم کتاب الجنة)

چیز کی۔^(۱) ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اس کے ذریعہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے^(۲) اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔

۲۷۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد^(۳) کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔^(۴)

زَيْبُهُمْ ۚ وَآلَ الَّذِينَ كَفَرُوا قَتَلُوا مَا آذَىٰ أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٧﴾

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٨﴾

۱۔ جب اللہ تعالیٰ نے دلائل قاطعہ سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور کسی حکمت بالغہ کے پیش نظر تمثیلات کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اس میں حیاء و حجاب بھی نہیں۔ فَوْقَهَا جو مجھ کے اوپر ہو، یعنی پر یا بازو، مراد اس مجھ سے بھی حقیر تر چیز۔ یا فَوْقَ کے معنی، اس سے بڑھ کر، بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ”مجھ پر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز“ کے ہوں گے۔ لفظ فَوْقَهَا میں دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔

۲۔ اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جسے قرآن میں ﴿قَوْلُهُ مَا تَوَلَّى﴾ (النساء: ۱۱۵) (جس طرف کوئی پھر تارے، ہم اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں) اور حدیث میں «فَكُلُّ مَيْسَرٍ لِّمَا خُلِقَ لَهُ» (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ البیل) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فسق، اطاعت الہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ اس میں مومن کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔

۳۔ مفسرین نے عہد کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں۔ مثلاً (۱) اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے مخلوق کو کی۔ (۲) وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے آجانے کے بعد تمہارے لیے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ (۳) وہ عہد الست جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْكَ بَنِي إِدْرِمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ﴾ (الأعراف: ۱۷۲) نقص عہد کا مطلب عہد کی پرواہ نہ کرنا ہے۔ (ابن کثیر)

۴۔ ظاہر بات ہے کہ نقصان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ہی ہوگا، اللہ کا یا اس کے پیغمبروں اور داعیوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔

۲۸. تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا،^(۱) پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۲۹. وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا،^(۲) پھر آسمان کی طرف قصد کیا^(۳) اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان^(۴) بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَئًا
فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُوْبِكُمْ ثُمَّ يَحْيِيْكُمْ ثُمَّ
اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَبِيْعًا ثُمَّ
اَسْوَاى اِلَى السَّمَاءِ فَمَوْهِنٌ سَبْعَ سَبُوْتٍ وَهُوَ
بِحُجْلِ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

۱. آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی موت سے مراد عدم (نست یعنی نہ ہونا) ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ سے نکل کر موت سے ہمکنار ہونے تک ہے۔ پھر موت آجائے گی اور پھر آخرت کی زندگی دوسری زندگی ہوگی، جس کا انکار کفار اور منکرین قیامت کرتے ہیں۔ شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے کہ قبر کی زندگی (کَمَا هِيَ) دنیوی زندگی میں ہی شامل ہوگی (فتح القدیر) صحیح یہ ہے کہ برزخ کی زندگی، حیات آخرت کا پیش خیمہ اور اس کا سرنامہ ہے، اس لیے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔

۲. اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاء مخلوقہ کے لیے ”اصل“ حلت ہے۔ الا یہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو۔ (فتح القدیر)

۳. بعض سلف امت نے اس کا ترجمہ ”پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا“ کیا ہے (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص خاص مواقع پر آسمان دنیا پر نزول، اللہ کی صفات میں سے ہے، جن پر اسی طرح بغیر تاویل کے ایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح قرآن یا احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

۴. اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ”آسمان“ ایک حسی وجود اور حقیقت ہے۔ محض بلندی کو سماء سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان ۵۰۰ سال کی مسافت ہے۔ اور زمین کی بابت قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلُهَا﴾ (الطلاق: ۱۲) (اور زمین بھی آسمان کی مثل ہیں) اس سے زمین کی تعداد بھی سات معلوم ہوتی ہے جس کی مزید تائید حدیث نبوی سے ہو جاتی ہے: «مَنْ اَخَذَ شَيْئًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يَطْوِقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضَيْنِ» (صحیح البخاری، بدء الخلق، ما جاء في سبع أرضين) ”جس نے ظلماً کسی کی ایک بالشت زمین لے لی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔“ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق ہوئی ہے لیکن سورہ نازعات میں آسمان کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ (۳۰) (زمین کو اس کے بعد بچھایا) اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوئی ہے اور دَحَوُ (صاف اور ہموار کر کے بچھانا) تخلیق سے مختلف چیز ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد میں عمل میں آیا۔ (فتح القدیر)

۳۰۔ اور جب تیرے رب نے فرشتوں^(۱) سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں،^(۲) تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔^(۳)

۳۱۔ اور اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

۳۲۔ ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔

۳۳۔ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے بتادیے تو فرمایا کہ کیا میں

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّیْمَآءَ وَنَحْنُ سُبْحٰنٌ بِحَمْدِكَ وَنَقْدِسُ لَكَ قَالِ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۳۱

قَالُوْۤا سُبْحٰنَكَ لَعَلَّہُمْ اِلَآہًا عَمَّاۤ اَشْرَكُوْۤا اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۳۲

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِہِمۡ فَاَنۢبَاَہُمۡ بِاَسْمَآئِہِمۡ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ

۱۔ مَلَٰئِكَةً (فرشتے) اللہ کی نوری مخلوق ہیں، جن کا مسکن آسمان ہے، جو اوامر الہی کے بجالانے اور اس کی تمجید و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔

۲۔ خَلِیْفَۃً سے کیا مراد ہے؟ بعض اہل علم نے کہا کہ جب اللہ نے جنت کو زمین بدر کیا تو ان کی جگہ آدم علیہ السلام کو ان کا جانشین بنایا، حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال کے مطابق آدم علیہ السلام اللہ کے احکام کو اس کی مخلوق میں نافذ کرنے میں اللہ کے نائب ہیں۔

۳۔ فرشتوں کا یہ کہنا حسد یا اعتراض کے طور پر نہیں تھا، بلکہ اس کی حقیقت اور حکمت معلوم کرنے کی غرض سے تھا کہ اے رب اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے، جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے؟ اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام کے لیے ہم تو موجود ہیں، ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جو نئی مخلوق سے متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ مصلحت جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ جس کی بنا پر ان ذکر کردہ مفاسد کے باوجود میں اسے پیدا کر رہا ہوں، کیوں کہ ان میں انبیاء، شہداء و صالحین اور زہاد بھی ہوں گے۔ (ابن کثیر) ذریت آدم علیہ السلام کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس کا اندازہ انہوں نے انسانی مخلوق سے پہلے کی مخلوق کے اعمال یا کسی اور طریقے سے کر لیا ہو گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتلادیا تھا کہ وہ ایسے ایسے کام بھی کرے گی۔ یوں وہ کلام میں حذف مانتے ہیں کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً یَّفْعَلُ کَذَا وَکَذَا (فتح القدیر)۔

وَالْأَرْضِ ۖ وَأَعْلَمُ بِمَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ كَاتِبُونَ ﴿۳۱﴾

وَأَذِّنْ لِّلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِلْإِدْمَ فَسَجَدُوا إِلَّا
إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا
مِمَّا رَزَعْنَا أَمَّا جَدَّتْ شَيْئًا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ
فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۳﴾

نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمانوں کا
غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم
ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔^(۱)

۳۲۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام)
کو سجدہ کرو^(۲) تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس
نے انکار کیا^(۳) اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔^(۴)

۳۵۔ اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی
جنت میں رہو^(۵) اور جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو
لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا^(۶) ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔

۱۔ اسماء سے مراد مسمیات (اشخاص و اشیاء) کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاء والہام کے
ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھادیا۔ پھر جب ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام ان کے نام بتلاؤ تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان
کر دیا، جو فرشتے بیان نہ کر سکے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم علیہ السلام واضح کر دی۔ دوسرے
دنیا کا نظام چلانے کے لیے علم کی اہمیت و فضیلت بیان فرما دی، جب یہ حکمت و اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوئی، تو انہوں
نے اپنے تصور علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات
ہے، اللہ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے۔

۲۔ علمی فضیلت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی یہ دوسری تکریم ہوئی۔ سجدہ کے معنی ہیں خضوع اور تذلل کے، اس کی انتہا ہے
”زمین پر پیشانی کا ٹکادینا“ (خرطی)۔ یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
مشہور فرمان ہے کہ ”اگر سجدہ کسی اور کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“ (سنن ترمذی)
تاہم فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس سے ان کی تکریم و فضیلت فرشتوں پر واضح کر دی گئی۔ کیوں
کہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر۔ اب تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور رائدہ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحت قرآن جنات میں سے تھا، لیکن اللہ تعالیٰ
نے اسے اعزازاً فرشتوں میں شامل کر رکھا تھا، اس لیے بحکم الہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا، لیکن اس نے
حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب دنیائے انسانیت میں سب
سے پہلے کیا گیا اور اس کا مرتکب ابلیس تھا۔

۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر میں۔

۵۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت ہے جو جنت کو ان کا مسکن بنا کر عطا کی گئی۔

۶۔ یہ درخت کس چیز کا تھا؟ اس کی بابت قرآن وحدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس کو گندم کا درخت مشہور کر دیا

۳۶۔ لیکن شیطان نے ان کو بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا^(۱) اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو^(۲) اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

۳۷۔ (حضرت) آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں^(۳) اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

۳۸۔ ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔

فَازْلِهَ الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِنَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

گیا ہے جو بے اصل بات ہے، ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے۔

۱۔ شیطان نے جنت میں داخل ہو کر روبرو انہیں بہکایا، یا وسوسہ اندازی کے ذریعے سے، اس کی بابت کوئی صراحت نہیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ جس طرح سجدے کے حکم کے وقت اس نے حکم الہی کے مقابلے میں قیاس سے کام لے کر (کہ میں آدم سے بہتر ہوں) سجدے سے انکار کیا، اسی طرح اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم (وَلَا تَقْرَبَا) کی تاویل کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے میں کامیاب ہو گیا، جس کی تفصیل سورہ اعراف میں آئے گی۔ گویا حکم الہی کے مقابلے میں قیاس اور نص کی دور از کار تاویل کا ارتکاب بھی سب سے پہلے شیطان نے کیا۔ فَتَعَوَّذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا۔

۲۔ مراد آدم علیہ السلام اور شیطان ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام جب پشیمانی میں ڈوبے دنیا میں تشریف لائے تو توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی و دست گیری فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھا دیے جو ”سورہ اعراف“ میں بیان کیے گئے ہیں ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّا تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا﴾ (۲۲) الآیہ بعض حضرات یہاں ایک موضوع روایت کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش الہی پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا دیکھا اور محمد رسول اللہ کے وسیلے سے دعا لگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔ یہ روایت موضوع (من گھڑت) اور قرآن کے بھی معارض ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ براہ راست اللہ سے دعائیں کی ہیں، کسی نبی، ولی، بزرگ کا واسطہ اور وسیلہ نہیں پکڑا، اس لیے نبی کریم ﷺ سمیت تمام انبیاء کا طریقہ دعا یہی رہا ہے کہ بغیر کسی واسطہ اور وسیلے کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔

۳۹. اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔^(۱)

۴۰. اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔

۴۱. اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ^(۲) تم ہی

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

يَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا عَهْدِي الَّذِي آتَيْتُكُمْ عَلَيْهِمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَأَيَّايَ قَارِهُونَ ﴿۴۰﴾

وَالْمُؤَايِسَ أَنزَلْتُ مَصِيدًا لِّآلِمَائِكُمْ وَلَا تَحْزَنُوا أَوَّلَ كَادٍ فِيهِ وَكَانَتْ نُفُوسُ الْيَاسِينَ نَسْمًا قَلِيلًا

۱. قبولیت دعا کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کے بجائے دنیا میں ہی رہ کر جنت کے حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے تمام بنو آدم کو جنت کا یہ راستہ بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے میری ہدایت (زندگی گزارنے کے احکام و ضابطے) تم تک پہنچے گی، جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق، اور بصورت دیگر عذاب الہی کا سزاوار ہوگا۔ ”ان پر خوف نہیں ہوگا“ کا تعلق آخرت سے ہے۔ اُنَّ: فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَهُ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ۔ اور ”حزن نہیں ہوگا“ کا تعلق دنیا سے۔ عَلَيَّ مَا فَاتَهُمْ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا (جو فوت ہو گیا امور دنیا سے یا اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے) جس طرح دوسرے مقام پر ہے، ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هَٰذَا فَلَا يَصِلُوا إِلَى اللَّهِ﴾ (ط: ۱۴۳) (جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پس وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت)۔ (ابن کثیر) گویا ﴿فَلَا تَحْزَنُوا عَلَيْهِمْ وَلَا تَهْزِنُوا﴾ کا مقام ہر مومن صادق کو حاصل ہے۔ یہ کوئی ایسا مقام نہیں جو صرف بعض اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہو اور پھر اس ”مقام“ کا مفہوم بھی کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام مومنین و متقین بھی اولیاء اللہ ہیں ”اولیاء اللہ“ کوئی الگ مخلوق نہیں۔ ہاں البتہ اولیاء کے درجات میں فرق ہو سکتا ہے۔

۲. إِسْرَآئِيلُ (یعنی عبد اللہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ یہود کو بنو اسرائیل کہا جاتا ہے یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن سے یہود کے بارہ قبیلے بنے اور ان میں بکثرت انبیاء و رسل ہوئے۔ یہود کو عرب میں ان کی گزشتہ تاریخ اور علم و مذہب سے وابستگی کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اس لیے انہیں گزشتہ انعامات الہی یاد کرا کے کہا جا رہا ہے کہ تم میرا وہ عہد پورا کرو جو تم سے نبی آخر الزمان کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کر دو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا کہ تم سے وہ بوجھ اتار دیے جائیں گے جو تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے بطور سزا تم پر لا دیے گئے تھے اور تمہیں دوبارہ عروج عطا کیا جائے گا۔ اور مجھ سے ڈرو کہ میں تمہیں مسلسل اس ذلت و ادبار میں مبتلا رکھ سکتا ہوں جس میں تم بھی مبتلا ہو اور تمہارے آباء و اجداد بھی مبتلا رہے۔

۳. یہ کہ ضمیر قرآن کی طرف، یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ دونوں ہی قول صحیح ہیں کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور جس نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا (ابن کثیر)۔ ”پہلے کافر نہ بنو“ کا مطلب ہے کہ ایک تو تمہیں

وَالَّذِينَ قَاتَلُوا

پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر نہ فروخت کرو^(۱) اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُرُوا بِالْحَقِّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

۴۲. اور حق کو باطل کے ساتھ خط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔

وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

۴۳. اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

۴۴. کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟

وَأَسْبِغُوا بِالْمَاءِ الصَّلَاةَ وَرِثَاقَكُمْ كَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الْحَثِیْعِينَ

۴۵. اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو^(۲) یہ چیز شاق ہے، مگر ڈر رکھنے والوں پر۔^(۳)

جو علم ہے دوسرے اس سے محروم ہیں، اس لیے تمہاری ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ دوسرا مدینہ میں یہود کو سب سے پہلے دعوت ایمان دی گئی، ورنہ ہجرت سے پہلے بہت سے لوگ قبول اسلام کر چکے تھے۔ اس لیے انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ یہودیوں میں تم اولین کافر مت بنو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمام یہودیوں کے کفر و تجدد کا وبال تم پر پڑے گا۔ ۱. ”تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو“ کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الہی کا سودا کرلو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں بیچ اور شرم قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا استہان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لیے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔ (فتح القدیر)

۲. صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے بھتیار ہیں۔ نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا رابطہ و تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ صبر کے ذریعے سے کردار کی چنگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے ”إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ“ (احمد و ابوداؤد) ”نبی ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔“

۳. نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے، لیکن خشوع و خضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان بلکہ اطمینان اور راحت کا باعث ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ گویا قیامت پر یقین اعمال خیر کو آسان کر دیتا اور آخرت سے بے فکری انسان کو بے عمل بلکہ بد عمل بنا دیتی ہے۔

۳۶۔ جو جانتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

۳۷۔ اے اولاد یعقوب (عَلَيْهِمَا)! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔^(۱)

۳۸۔ اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ ہی اس کی بابت کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اس کے عوض لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔

۳۹۔ اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں^(۲) سے نجات دی جو

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۳۶﴾

يَذْكُرُ اسْرَآءِيلُ اذْكَرْتُ لِعَصْبَتِي الَّتِي اٰنَعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۸﴾

وَاِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنَ اِلٍ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ

۱۔ یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد کرائے جا رہے ہیں جو ان پر کیے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جا رہا ہے، جس دن نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ سفارش قبول ہوگی، نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا ہو سکے گا، نہ کوئی مددگار آگے آئے گا۔ ایک انعام یہ بیان فرمایا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی، یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی جو انہوں نے معصیت الہی کا ارتکاب کر کے گنوا لی اور امت محمدیہ کو خَيْرُ أُمَّةٍ کے لقب سے نوازا گیا۔ اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انعامات الہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں، بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں، اور ایمان و عمل سے محرومی پر سب کر لیے جاتے ہیں، جس طرح امت محمدیہ کی اکثریت بھی اس وقت اپنی بدعملیوں اور شرک و بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے ”خَيْرُ أُمَّةٍ“ کے بجائے ”شَرُّ أُمَّةٍ“ بنی ہوئی ہے۔ هَذَا هَا اللَّهُ تَعَالَى۔ یہود کو یہ دھوکہ بھی تھا کہ ہم تو اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اس لیے مواخذہ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا، اسی فریب میں امت محمدیہ بھی مبتلا ہے اور مسئلہ شفاعت کو (جو اہل سنت کے یہاں مسلمہ ہے) اپنی بدعملی کا جواز بنا رکھا ہے۔

نبی ﷺ یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا (احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے) لیکن یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ اِخْدَاثٌ فِي الدِّينِ (بدعات) کے مرتکب اس سے محروم ہی رہیں گے۔ نیز بہت سے گناہ گاروں کو جہنم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جہنم سے نکالا جائے گا، کیا جہنم کی یہ چند روزہ سزا قابل برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیہ کر کے معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں؟

۲۔ آل فرعون سے مراد صرف فرعون اور اس کے اہل خانہ ہی نہیں، بلکہ فرعون کے تمام پیروکار ہیں۔ جیسا کہ آگے ﴿وَأَعْرَفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ﴾ ہے (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا) یہ غرق ہونے والے فرعون کے گھروالے ہی نہیں تھے، اس کے فوجی اور دیگر پیروکار بھی تھے۔ گویا قرآن میں «آل» مُتَّبِعِينَ (پیروکاروں) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی مزید تفصیل ”سورۃ احزاب“ میں ان شاء اللہ آئے گی۔

تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے، اور اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی۔

۵۰. اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا چیر (پھاڑ) دیا ^(۱) اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔

۵۱. اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم نے اس کے بعد پچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے۔ ^(۲)

۵۲. لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا، تاکہ تم شکر کرو۔

۵۳. اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمہاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔ ^(۳)

سَوَّيْنَا الْعَذَابَ لِلْكَافِرِينَ أَنْبَاءَكُمْ وَسَمِعْتُمْ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ

وَاذْكُرْ فِتْنَةَ الْبَحْرِ فَانجَيْنَاكُم مِّنْ غَرَقْنَاهَا ۚ وَانظُرْ إِلَى الْعِجْلِ مِّنْ بَعْدِ ۚ وَانظُرْ إِلَى الْعِجْلِ مِّنْ بَعْدِ ۚ وَانظُرْ إِلَى الْعِجْلِ مِّنْ بَعْدِ ۚ

وَاذْكُرْ عِدَّتَنَا مَوْسَىٰ ابْنِ الْيَمِينِ ۖ كَيْفَ نَبَّأْتَهُ تَضَلُّعًا مِّنْ عِجْلٍ مِّنْ بَعْدِ ۚ وَانظُرْ إِلَى الْعِجْلِ مِّنْ بَعْدِ ۚ وَانظُرْ إِلَى الْعِجْلِ مِّنْ بَعْدِ ۚ

ثُمَّ عَقَوْنَا عَنكُم مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ

وَاذْكُرْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

۱. سمندر کا یہ پھاڑنا اور اس میں سے راستہ بنا دینا ایک معجزہ تھا جس کی تفصیل سورہ شعراء میں بیان کی گئی ہے۔ یہ سمندر کا مدو جزر نہیں تھا جیسا کہ سرسید احمد خان اور دیگر منکرین معجزات کا خیال ہے۔

۲. یہ گنو سالہ پرستی کا واقعہ اس وقت ہوا جب فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد بنو اسرائیل جزیرہ نمائے سینا پہنچے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے پیچھے لگ کر پچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انسان کتنا ظاہر پرست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اور نبیوں (حضرت ہارون و موسیٰ علیہ السلام) کی موجودگی کے باوجود پچھڑے کو اپنا ”معبود“ سمجھ لیا۔ آج کا مسلمان بھی شرکیہ عقائد و اعمال میں بری طرح مبتلا ہے، لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان مشرک مسلمانوں نے شرک کو پتھر کی مورتیوں کے پجاریوں کے لیے خاص کر دیا ہے کہ صرف وہی مشرک ہیں۔ جب کہ یہ نام نہاد مسلمان بھی قبروں اور قبوں کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو پتھر کے پجاری اپنی مورتیوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۳. یہ بھی بحر قلزم پار کرنے کے بعد کا واقعہ ہے (ابن کثیر) ممکن ہے کتاب یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو، کیوں کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے، یا معجزات کو فرقان کہا گیا ہے کہ معجزات بھی حق و باطل کی پہچان میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِمَوْعِدِكُمْ ظَلِمْتُمْ
أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى
بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
عِنْدَ بَارِيكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

وَإِذْ قُلْتُمْ يَبُوءُ لَنَا لَوْ أَنَّا كُنَّا نَرَى اللَّهَ
جَهَنَّمَ فَاَتَاكُمْ الضُّعْفُ وَأَنْتُمْ تُنظَرُونَ ﴿۵۵﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ مُوسَى نَارًا لَّكُمْ تُشْكِرُونَ ﴿۵۶﴾

وَوَهَبْنَا لَكُمْ الْعَمَامَةَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ
الْمَنِّ وَالسَّلَاطِي كُلَّوَمِنْ طَلَبْتَ مَا رَزَقْنَاكَ

۵۴۔ اور جب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی، وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔^(۱)

۵۵۔ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔^(۲)

۵۶۔ لیکن پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔

۵۷۔ اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا^(۳) (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ

۱۔ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے شرک پر متنبہ فرمایا تو پھر انہیں توبہ کا احساس ہوا، توبہ کا طریقہ قتل تجویز کیا گیا ﴿فَاَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ﴾ (اپنے کو آپس میں قتل کرو) کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری یہ کہ اگر تکاب شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ رہے تھے، انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے قتل کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر، دج القدر)

۲۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ستر (۷۰) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لیے ساتھ لے گئے۔ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) واپس آنے لگے تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس پر بطور عتاب ان پر بجلی گری اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ دیکھتے ہوئے بجلی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں جن پر بجلی گری، آخر والے اسے دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

۳۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر اور شام کے درمیان میدان تیبہ کا واقعہ ہے۔ جب انہوں نے حکم الہی سے اعراض کرتے ہوئے علاقہ کی ہستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بطور سزا بنو اسرائیل چالیس سال تک تیبہ کے میدان میں پڑے رہے۔ بعض کے نزدیک یہ تخصیص صحیح نہیں۔ صحرائے سینا میں اترنے کے بعد جب سب سے پہلے پانی اور کھانے

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۸﴾

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَؤَلَيْهَا كَذَبْتُ
شَيْئَكُمْ رَعَدًا إِذْ دَخَلُوا الْبَابَ سَجِدًا اوقُولُوا
حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَارِعُوا
إِلَى الْخَيْرَاتِ ﴿۵۹﴾

چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

۵۸۔ اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی^(۱) میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گزرو^(۲) اور زبان سے حطہ^(۳) کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

۵۹۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی^(۴) بدل ڈالی، ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب^(۵) نازل کیا۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ
قَاتِلُوا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رَجْعًا مِنَ السَّمَاءِ
يَبَاكَرُوا بِنُفُسِهِمْ ﴿۶۰﴾

کا مسئلہ درپیش آیا تو اسی وقت یہ انتظام کیا گیا۔

مَنْ، بعض کے نزدیک ترجمین ہے، یا اس جو درخت یا پتھر پر گرتی، شہد کی طرح بیٹھی ہوتی اور خشک ہو کر گوند کی طرح ہو جاتی۔ بعض کے نزدیک شہد یا بیٹھا پانی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ ”کھنبی مَنْ کی اس قسم سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا دقت بہم پہنچ جاتا تھا، اسی طرح کھنبی بغیر کسی کے بونے کے پیدا ہو جاتی ہے (تفسیر احسن التفسیر) سلویٰ بغیر یا چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھا لیتے۔ (فتح القدیر)

۱۔ اس بستی سے مراد جہور مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔

۲۔ سجدہ سے بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ جھکتے ہوئے داخل ہو اور بعض نے سجدہ شکر ہی مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الہی میں عجز و آنکساری کا اظہار اور اعتراف شکر کرتے ہوئے داخل ہو۔

۳۔ حِطَّةً اس کے معنی ہیں ”ہمارے گناہ معاف فرما دے۔“

۴۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں آتی ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں، لیکن وہ سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حِطَّةً کے بجائے حَبَّةً فِي شَعْرَةٍ (یعنی گندم بالی میں) کہتے رہے۔ اس سے ان کی اس سرتابی و سرکشی کا، جو ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی اور احکام الہی سے تسخر و استہزاء کا جس کا ارتکاب انہوں نے کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ پھر احکام الہیہ کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

۵۔ یہ آسمانی عذاب کیا تھا؟ بعض نے کہا غضب الہی، سخت پالا، طاعون۔ اس آخری معنی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔

۶۰۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے^(۱) اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

۶۱۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، کلڑی، گیہوں، مسور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا، بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو! اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔^(۲) اور ان پر ذلت اور مسکینی ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے^(۳) یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے

وَإِذْ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَايِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيقًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۶۰﴾

وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَىٰ لَنْ نُّصِيبَكَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا زَيْتًا يَخْرُجُ لَنَا مِمَّا تَنْثِثُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدُونَ الْكَافِرَ هُوَ أَذْنَىٰ يَأْتِي بِكُلِّ خَيْرٍ أَهَيُّوْا مَصْرًا فَإِن لَّكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ وَضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الدَّلِيلَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءَ وَبَعْضُ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّاتِ بَعْدَ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۶۱﴾

نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمہاری موجودگی میں کسی جگہ یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمہیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ۔“ (صحیح مسلم، کتاب السلام باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، حدیث ۲۴۱۸)

۱۔ یہ واقعہ بعض کے نزدیک تہ کا ہے اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے، وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

۲۔ یہ قصہ بھی اسی میدان تہ کا ہے۔ مصر سے مراد یہاں ملک مصر نہیں، بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔ مطلب یہ ہے، یہاں سے کسی بھی شہر میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کر کے اپنی پسند کی سبزیاں، دالیں اگاؤ اور کھاؤ۔ ان کا یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لیے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا ”تمہارے لیے وہاں تمہاری مطلوبہ چیزیں ہیں۔“

۳۔ کہاں وہ انعامات و احسانات جن کی تفصیل گزری؟ اور کہاں وہ ذلت و مسکنت جو بعد میں ان پر مسلط کر دی گئی؟ اور وہ غضب الہی کے مصداق بن گئے، غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفت ہے، جس کی تاویل ارادہ عقوبت یا نفس عقوبت سے کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا۔ کَمَا هُوَ شَانُهُ۔ (اپنی شان کے لائق)۔

تھے،^(۱) یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔^(۲)
۶۲۔ مسلمان ہوں، یہودی^(۳) ہوں، نصاریٰ^(۴) ہوں یا صابی^(۵) ہوں، جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی۔^(۶)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى
 وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ
 صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

۱۔ یہ ذلت و غضب الہی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور اللہ کی طرف بلانے والے انبیاء علیہم السلام اور داعیان حق کا قتل اور ان کی تذلیل و ہانت، یہ غضب الہی کا باعث ہے۔ کل یہود اس کا ارتکاب کر کے مغضوب اور ذلیل و رسوا ہوئے تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح معزز اور سرخرو ہو سکتے ہیں: اَئِنَّ مَا كَانُوا وَحَيْثُ مَا كَانُوا۔ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں؟

۲۔ یہ ذلت و مسکنت کی دوسری وجہ ہے۔ عَصَوًا (نافرمانی) کا مطلب ہے جن کاموں سے انہیں روکا گیا تھا، ان کا ارتکاب کیا اور (يَعْتَدُونَ) کا مطلب مامور بہ کاموں میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اطاعت و فرمانبرداری یہ ہے کہ مَنَهَات سے باز رہا جائے اور مَأْمُورَات کو اس طرح بجالایا جائے جس طرح ان کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہو۔ اپنی طرف سے کمی پیشی یا زیادتی (اعْتَدَاء) ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

۳۔ يَهُودَ هَوَادَّةٌ (یعنی محبت) سے یا تَهَوُّدٌ (یعنی توبہ) سے بنا ہے۔ گویا ان کا یہ نام اصل میں توبہ کرنے یا ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے پڑا۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے۔

۴۔ نَصَارَى، نَصْرَانُ کی جمع ہے۔ جیسے سَكَارَى سَكَرَانُ کی جمع ہے۔ اس کا مادہ نصرت ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑا، ان کو انصار بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا ﴿لَنَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ (النصف: ۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے جن کو عیسائی بھی کہتے ہیں۔

۵۔ صَابِئِينَ صَابِئُ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یقیناً ابتدائے دین حق کے پیرو رہے ہوں گے (اسی لیے قرآن میں یہودیت و عیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آگئی، یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لامذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔

۶۔ بعض جدید مفسرین سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی ہوئی ہے اور اس سے انہوں نے ”وحدت ادیان“ کا فلسفہ کشید کرنے کی مذموم سعی کی ہے۔ یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے عمل کرتا ہے، اس کی نجات ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سخت گمراہ کن ہے، آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں یہود کی بد عملیوں اور سرکشیوں اور اس کی بنا پر ان کے مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا تو ذہن میں اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ ان یہود میں جو لوگ صحیح کتاب الہی کے پیرو اور اپنے

۶۳. اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لاکھڑا کر دیا^(۱) (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تاکہ تم بچ سکو۔

۶۴. لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے، پھر اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۶۴﴾

پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے والے تھے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ یا کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمادی کہ صرف یہودی ہی نہیں، نصاریٰ اور صابی بھی اپنے اپنے وقت میں جنہوں نے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور عمل صالح کرتے رہے، وہ سب نجات اخروی سے ہمکنار ہوں گے اور اسی طرح اب رسالت محمدیہ پر ایمان لانے والے مسلمان بھی اگر صحیح طریقے سے ایمان باللہ والیوم الآخر اور عمل صالح کا اہتمام کریں تو یہ بھی یقیناً آخرت کی ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ نجات اخروی میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ وہاں بے لاگ فیصلہ ہوگا۔ چاہے مسلمان ہوں یا رسول آخر الزماں ﷺ سے پہلے گزر جانے والے یہودی، عیسائی اور صابی وغیرہم۔ اس کی تائید بعض مرسل آثار سے ہوتی ہے۔ مثلاً مجاہد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ان اہل دین کے بارے میں پوچھا جو میرے ساتھی تھے، عبادت گزار اور نمازی تھے (یعنی رسالت محمدیہ سے قبل وہ اپنے دین کے پابند تھے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ أَمْنًا وَالَّذِينَ هَادُوا﴾ (الآیۃ ابن کثیر) قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے مثلاً ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹) (اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے)۔ ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران: ۸۵) (جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہوگا، وہ ہرگز مقبول نہیں ہوگا) اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی، مثلاً فرمایا «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد ﷺ) ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس امت میں جو شخص بھی میری بابت سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ مر جائے اور مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت ادیان کی گمراہی، جہاں دیگر آیات قرآنی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے وہاں احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی مذموم سعی کا بھی اس میں بہت دخل ہے، اسی لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

۱. جب تورات کے احکام کے متعلق یہود نے از راہ شرارت کہا کہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو سانہان کی طرح ان کے اوپر کر دیا، جس سے ڈر کر انہوں نے عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

۶۵۔ اور یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ^(۱) کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔

۶۶۔ اسے ہم نے اگلوں پچھلوں کے لیے عبرت کا سبب بنادیا اور یرہین گاروں کے لیے وعظ و نصیحت کا۔

۶۷۔ اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے^(۱) تو انہوں نے کہا ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے رہا ہوں۔

۶۸۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کی ماہیت بیان کر دے، آپ نے فرمایا وہ کہتا ہے گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہو، نہ بچہ، بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہو، اب جو تمہیں حکم دیا گیا ہے بجا لاؤ۔

۶۹۔ وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے، چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے۔

۷۰۔ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجیے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے، اس قسم کی گائے تو بہت ہیں پتہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ
فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٥﴾

فَجَعَلْنَاهَا نَكَاحًا لِّلْبَاقِينَ يَدِيهَا وَمَا خَلَقَهَا
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢٩﴾

وَاذْ قَالِ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ
تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَالَتَنْتَحِدُ تَاهُذَا قَالَ
أَعُودُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿١٤﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِصٌ وَلَا يَكُونُ عَوْنٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَاعْبُدُوا مَا تَتْلُو صُورُهُ

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَا قَالَ
إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفَرَاءُ فَاقِعٌ لَوُهَا
تَسْرُّ النَّظِيرِينَ ﴿٩٩﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ
تَشْبَهُ عَيْنَاءِ وَإِنَّا لَنُشَاقِقُكَ فِيهَا وَنَكُونُ فِيهَا
كَالْجَمَلِ الْمَخْضِيِّ ۖ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ
تَشْبَهُ عَيْنَاءِ وَإِنَّا لَنُشَاقِقُكَ فِيهَا وَنَكُونُ فِيهَا
كَالْجَمَلِ الْمَخْضِيِّ ۖ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ

۱. سبت (ہفتہ) کے دن یہودیوں کو مچھلی کا شکار بلکہ کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے ایک حید اختیار کر کے حکم الہی سے تجاوز کیا۔ ہفتے والے دن (بطور امتحان) مچھلیاں زیادہ آتیں، انہوں نے گڑھے کھود لیے، تاکہ مچھلیاں ان میں پھنسی رہیں اور پھر اتار والے دن ان کو پکڑ لیتے۔

۲. بنی اسرائیل میں ایک لاولد مالدار آدمی تھا جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے لگے، بالآخر بات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا، گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا جس سے وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مرگ۔ (فتح القدیر)

نہیں چلتا، اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔

۷۱۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی زمین میں بل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں، وہ تندرست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا، اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے، لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کردی۔^(۱)

۷۲۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔^(۲)

۷۳۔ ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔^(۳)

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ أَذَلُّونَ تُبْشِرُ الْآرْضَ وَلَا تَشْقَى الْخَوْرَتُ مُسْلِمَةٌ لَا شَيْءَ فِيهَا قَالُوا لَنْ نَجِدَ بِالْحَقِّ قَدْ بَعُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا وَاللَّهُ مُخَبِّرٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِ مَا كُنَّا بِكَ يُعْطِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

۱۔ انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو حکم الہی پر عمل ہو جاتا، لیکن انہوں نے حکم الہی پر سیدھے طریقے سے عمل کرنے کی بجائے مین میخ نکالنا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرتا چلا گیا۔ اسی لیے دین میں تعق اور سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قتل کا راز فاش کر دیا، درآں حالیکہ وہ قتل رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ نیکی یا بدی تم کتنی بھی چھپ کر کرو، اللہ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے خلوت ہو یا جلوت ہر وقت اور ہر جگہ اچھے کام ہی کیا کرو تاکہ اگر وہ کسی وقت ظاہر بھی ہو جائیں اور لوگوں کے علم میں بھی آجائیں تو شرمندگی نہ ہو، بلکہ اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہی ہو، اور بدی کتنی بھی چھپ کر کیوں نہ کی جائے اس کے فاش ہونے کا امکان ہے جس سے انسان کی بدنامی اور ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

۳۔ مقتول کے دوبارہ جی اٹھنے سے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا اعلان فرما رہا ہے۔ قیامت کے دن دوبارہ مردوں کا زندہ ہونا منکرین قیامت کے لیے ہمیشہ حیرت و استعجاب کا باعث رہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان فرمایا ہے سورہ

۷۴۔ پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے،^(۱) بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں، اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں،^(۲) اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔

۷۵۔ (مسلمانو!) کیا تمہاری خوانش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں، حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر، عقل و علم والے ہوتے ہوئے، پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔^(۳)

ثُمَّ هَسَتْ فَلَوْ بَكُم مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ
كَالْحِجَارَةِ أَوَّشَدُ نَسْوًا وَّإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا
يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشْقُقُ
فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ
حَشِيَّةِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾
أَفَتَطْبَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِالْكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ
مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يَحْرِفُونَ مِنْ
بَعْدِ مَا عَقِلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ﴾ (البقرہ: ۵۶) میں گزر چکی ہے۔ دوسری مثال یہی قصہ ہے۔ تیسری مثال دوسرے پارے کی آیت نمبر ۲۴۳ ﴿مُؤْمِنُوا أَصْحَابُكُمْ﴾ چوتھی آیت نمبر ۲۵۹ ﴿فَأَمَّا تِلْكَ الْأُمَّةُ مِائَةً عَامًا تَحْبَتُّ﴾ اور پانچویں مثال اس کے بعد والی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طور اربعہ (چار پرندوں) کی ہے۔

۱۔ یعنی گزشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو گیا دیکھ کر بھی تمہارے دلوں کے اندر انابتاً اِلَی اللہ کا داعیہ اور توبہ و استغفار کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس کے برعکس تمہارے دل پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ دلوں کا سخت ہو جانا یہ افراد اور امتوں کے لیے سخت تباہ کن اور اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ دلوں سے اثر پذیری کی صلاحیت سلب اور قبول حق کی استعداد ختم ہو گئی ہے، اس کے بعد اس کی اصلاح کی توقع کم اور مکمل فنا اور تباہی کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے: ﴿وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ (الہید: ۱۶) (اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب دی گئی، لیکن مدت گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے)۔

۲۔ پتھروں کی سنگینی کے باوجود ان سے جو جو فوائد حاصل ہوتے اور جو جو کیفیت ان پر گزرتی ہے، اس کا بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھروں کے اندر بھی ایک قسم کا ادراک و احساس موجود ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿سُبْحَانَكَ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لِنُسَبِّحَنَّ بِحَمْدِكَ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) مزید وضاحت کے لیے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۴ کا حاشیہ دیکھیے۔

۳۔ اہل ایمان سے خطاب کر کے یہودیوں کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے، درآں حالیکہ ان کے پچھلے لوگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو کلام الہی میں جانتے بوجھتے تحریف (لفظی و معنوی) کرتا تھا۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دنیوی مفادات، یا حزبی

۷۶. اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں،^(۱) اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔

۷۷. کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتا ہے؟^(۲)

۷۸. اور ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔^(۳)

۷۹. ان لوگوں کے لیے ”ویل“ ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان

وَإِذْ الْقَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا أَتَوْا آلَهُمْ وَإِذْ أَخْلَا
بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُوعَدُونَ لَكَ بِمَا فَتَحَ
اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُخَاجِبَكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا
تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا
يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَخْتَصِمُونَ الْكِتَابَ الْاَلْمَانِيَّ
وَأَنْ هُمْ إِلَّا يَتُنَوِّنُونَ ﴿٧٨﴾

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ فَهُمْ
يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَ شَيْءٌ مِنْهُ نَبَأًا
قَلِيلًا قَوْلٍ لَهُمْ مِمَّا كُتِبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ

نقصات کی وجہ سے کلام الہی میں تحریف تک کرنے سے گریز نہیں کرتے، وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔ امت محمدیہ کے بہت سے علماء و مشائخ بھی بدقسمتی سے قرآن و حدیث میں تحریف کے مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جرم سے محفوظ رکھے۔ (دیکھیے سورۃ نساء آیت ۷۷ کا حاشیہ)۔

۱. یہ بعض یہودیوں کے منافقانہ کردار کی نقاب کشائی ہو رہی ہے کہ وہ مسلمانوں میں تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے، لیکن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جس سے رسول عربی کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ اس طرح تم خود ہی ایک ایسی حجت ان کے ہاتھ میں دے رہے ہو جو وہ تمہارے خلاف بارگاہ الہی میں پیش کریں گے۔

۲. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتلاؤ یا نہ بتلاؤ، اللہ کو تو ہر بات کا علم ہے اور وہ ان باتوں کو تمہارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر ظاہر فرما سکتا ہے۔

۳. یہ تو ان کے اہل علم کی باتیں تھیں۔ رہے ان کے ان پڑھ لوگ، وہ کتاب (تورات) سے تو بے خبر ہیں، لیکن وہ آرزوئیں ضرور رکھتے ہیں اور گمانوں پر ان کا گزارہ ہے، جس میں انہیں ان کے علماء نے مبتلا کیا ہوا ہے، مثلاً ہم تو اللہ کے چہیتے ہیں۔ ہم جہنم میں اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے اور ہمیں ہمارے بزرگ بخشوا لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے آج کے جاہل مسلمانوں کو بھی علماء و مشائخ نے ایسے ہی حسین جالوں اور پرفریب وعدوں میں پھنسا رکھا ہے۔

لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۵﴾

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتُخَذُ لَكُمْ عَهْدٌ عَلَيْهِ أَقْلٌ يَخْلِفُ اللَّهُ عَهْدَكُمْ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

كُلٌّ مِّنْ كِسَابٍ سَيِّئَةٍ وَأَخَاطَتْ بِهِ خِيَلَتُهُ
قَالُوا لَكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵﴾

کی کمائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے۔^(۱)

۸۰. اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جہنم میں رہیں گے، ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟^(۲) اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو^(۳) جنہیں تم نہیں جانتے۔

۸۱. یقیناً جس نے بھی برے کام کیے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔

۸۲. اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔^(۴)

۱. یہ یہود کے علماء کی جسارت اور خوف الہی سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلے گھڑتے ہیں اور بے باگ دہل یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ حدیث کی رو سے ”وَيْلٌ“ جہنم میں ایک وادی بھی ہے جس کی گہرائی اتنی ہے کہ ایک کافر کو اس کی تہ تک گرنے میں چالیس سال لگیں گے۔ (احمد، ترمذی، ابن حبان، المعجم، بحوالہ فتح القدیر)۔ بعض علماء نے اس آیت سے قرآن مجید کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ آیت کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لیے کلام الہی میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔ ۲. یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہیں گے اس حساب سے صرف سات دن جہنم میں رہیں گے۔ کچھ کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن مچھڑے کی عبادت کی تھی، چالیس دن جہنم میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے؟ یہ بھی استفہام انکاری ہے۔ یعنی یہ غلط کہتے ہیں، اللہ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد وہ بیان نہیں ہے۔

۳. یعنی تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اگر جہنم میں گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے تمہاری اپنی طرف سے ہے، اور اس طرح تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنا وہ اصول بیان فرما رہا ہے جس کی رو سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کو ان کی نیکی اور بدی کی جزاء دے گا۔

۴. یہ یہود کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے جنت و جہنم میں جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے نامہ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی، یعنی کفر و شرک (کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے اگر بعض اچھے عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی بے حیثیت رہیں گے) تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں اور جو ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے وہ جنتی، اور جو مومن گناہ گار ہوں گے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا، وہ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہ معاف فرما کر،

۸۳. اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابتداروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، اور نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔

۸۴. اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا (قتل نہ کرنا) اور آپس والوں کو جلاوطن نہ کرنا، تم نے اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے۔^(۱)

۸۵. لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسرے کی طرفداری کی، ہاں جب وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو تم نے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَوْبًا لِّوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
وَوَدَى الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا
مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا
تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ
وَأَنتُمْ شَاهِدُونَ ﴿۸۴﴾

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ
فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ
بِالْإِلْحَادِ وَالْعَدْوَانِ وَلَٰنَ يَأْتِيَنَّكُمْ أَلْسُنُ
نُفُذٍ وَهُمْ هُمُ الْمُحَرَّمُونَ عَلَيْكُمْ أَخْرَاجَهُمْ

یا بطور سزا کچھ عرصہ جہنم میں رکھنے کے بعد، یا نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا، جیسا کہ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

۱. ان آیات میں پھر وہ عہد بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا، لیکن اس سے بھی انہوں نے اعراض ہی کیا۔ اس عہد میں اولاً صرف ایک اللہ کی عبادت کی تاکید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے (جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۲۵ اور دیگر آیات سے واضح ہے) اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، اللہ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ کی عبادت بہت ضروری ہے اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں ان باتوں کی بھی بڑی تاکید ہے، جیسا کہ احادیث رسول ﷺ سے واضح ہے۔ اس عہد میں اقامت صلوٰۃ اور ایتانے زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عبادتیں پچھلی شریعتوں میں بھی موجود رہی ہیں جن سے ان کی اہمیت واضح ہے۔ اسلام میں بھی یہ دونوں عبادتیں نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار یا اس سے اعراض کو کفر کے مترادف سمجھا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے سے واضح ہے۔

ان کے فدیے دیے، لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا)، کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟^(۱) تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

۸۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، ان کے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔^(۲)

۸۷۔ اور ہم نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھیجے اور ہم نے (حضرت عیسیٰ

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ
فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خُزْنٌ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى آثَارِ
الْعَذَابِ وَمَا لِلَّهِ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۶﴾

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ
فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنصَرُونَ ﴿۸۷﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ
بِالرُّسُلِ وَإِذْ نَادَىٰ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَنِيَّةَ

۱۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ اسی طرح یہود مدینہ کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنو قریظہ اوس کے حلیف (ساتھی) اور بنو قینقاع اور بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے۔ جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں (ساتھیوں) کی مدد کرتے اور اپنے ہی مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے، اور انہیں جلاوطن کر دیتے۔ درآں حالیکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا۔ لیکن پھر انہی یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک بنالیا تھا، بعض چیزوں پر ایمان لاتے اور بعض کو ترک کر دیتے، کسی حکم پر عمل کر لیتے اور کسی وقت شریعت کے حکم کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا ان کی شریعت میں بھی حرام تھا، ان امور کا تو انہوں نے بے عذابا ارتکاب کیا، اور فدیہ دے کر چھڑالینے کا جو حکم تھا اس پر عمل کر لیا۔ حالانکہ اگر پہلے تین امور کا وہ لحاظ رکھتے تو فدیہ دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔

۲۔ یہ شریعت کے کسی حکم کے مان لینے اور کسی کو نظر انداز کر دینے کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی سزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ (جو مکمل شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے) ذلت و رسوائی اور آخرت میں ابدی نعتوں کے بجائے سخت عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض بعض باتوں کا مان لینا، یا ان پر عمل کر لینا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کا وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہودیوں کا بیان کیا گیا ہے؟

وَأَيُّدُهُمَا بَرُوحُ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِهَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرَّقْنَا
كَذِبَكُمْ وَفَرَّقْنَا لَقْمَلُونَ ۝

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
بِكُفْرِهِمْ فَفَعَّلْنَا آيَاتِهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝

ابن مریم (علیہ السلام) کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی۔^(۱) لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلادیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔^(۲)

۸۸. اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں،^(۳) نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے ملعون کر دیا ہے، ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے۔^(۴)

۸۹. اور ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پہلے یہ خود (اس کے ذریعہ) کافروں پر فتح چاہتے تھے^(۵) تو باوجود آجانے اور

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى
الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا

۱. ﴿وَقَفَّيْنَا مِّنْ بَعْدِ يَالِئْسَ﴾ کے معنی ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد مسلسل پیغمبر آتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ختم ہو گیا۔ ”بَیِّنَاتٌ“ سے معجزات مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو دیے گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور اندھے کو صحت یاب کرنا وغیرہ، جن کا ذکر سورہ آل عمران (آیت: ۴۹) میں ہے۔ ”رُوحُ الْقُدُسِ“ سے مراد حضرت جبریل (علیہ السلام) ہیں، ان کو روح القدس اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امر تکوینی سے ظہور میں آئے تھے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ”رُوحُ“ کہا گیا ہے، اور ”الْقُدُسُ“ سے ذات الہی مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح تر قرار دیا ہے، کیونکہ المائدہ (آیت: ۱۰) میں روح القدس اور انجیل دونوں الگ الگ مذکور ہیں (اس لیے روح القدس سے انجیل مراد نہیں ہو سکتی) ایک اور آیت میں حضرت جبریل (علیہ السلام) کو ”رُوحُ الْأَمِينِ“ فرمایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان بن علیؓ کے متعلق فرمایا: اللَّهُمَّ! أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (اے اللہ! روح القدس سے اس کی تائید فرما) ایک دوسری حدیث میں ہے ”وَجِبْرِيلُ مَعَكَ“ (جبریل (علیہ السلام) تمہارے ساتھ ہیں) معلوم ہوا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل (علیہ السلام) ہی ہیں، (فتح البیان، ابن کثیر، بحوالہ اشرف الخواشي)۔

۲. جیسے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو جھٹلایا اور حضرت زکریا و یحییٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا۔

۳. یعنی ہم پر اے محمد (ﷺ) تیری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر ہے ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي كُفْرٍ مِّمَّا لَدُنَّا عَنْكَ الْيَهُودُ﴾ (تم السجدة: ۵) (ہمارے دل اس دعوت سے پردے میں ہیں، جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے)۔

۴. دلوں پر حق بات کا اثر نہ کرنا، کوئی فخر کی بات نہیں، بلکہ یہ تو ملعون ہونے کی علامت ہے، پس ان کا ایمان بھی تھوڑا ہے (جو عند اللہ نامقبول ہے)، یا ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔

۵. ﴿يَسْتَفْتِحُونَ﴾ کے ایک معنی یہ ہیں غلبہ اور نصرت کی دعا کرتے تھے، یعنی جب یہ یہود مشرکین سے شکست

يَهْ فَلَكَرَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ⑤

باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔

يَسْمَا السَّيْرُ وَيَا اَنفُسَهُمْ اَنْ يَكْفُرُوا اِيْمًا
اَنْزَلَ اللَّهُ بَعِيًّا اَنْ يُكْرَلِ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى
مَنْ يَنْسَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُ وَيَعْصِبُ عَلَى
غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ⑥

۹۰. بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، وہ ان کا کفر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ، محض اس بات^(۱) سے جل کر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا، اس کے باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے^(۲) اور ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

وَإِذْ أَقْبَلُ لَهُمُ الْمُؤْمِنُ أَيْمًا اَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا
نُؤْمِنُ بِمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَنَكْفُرُ وَنَبَا
وَرَاءُ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ
فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ⑦

۹۱. اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر اتاری گئی اس پر ایمان ہے۔^(۳) اور جو اس کے بعد والی (کتاب) ہے اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے، اچھا ان سے یہ تو دریافت کریں کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟^(۴)

کھا جاتے تو اللہ سے دعا کرتے، یا اللہ آخری نبی جلد مبعوث فرما، تاکہ اس سے مل کر ہم ان مشرکین پر غلبہ حاصل کریں یعنی اسْتَفْتَحَ بمعنی اسْتَنْصَارَ ہے۔ دوسرے معنی خبر دینے کے ہیں۔ اَی: یُخْبِرُوهُمْ بِأَنَّهُ سَيَبْعُثُ یعنی یہودی کافروں کو خبر دیتے کہ عفریب نبی کی بعثت ہوگی۔ (فتح القدیر) لیکن بعثت کے بعد علم رکھنے کے باوجود نبوت محمدی پر محض حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

۱. یعنی اس بات کی معرفت کے بعد بھی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، وہی آخری پیغمبر ہیں جن کے اوصاف تورات و انجیل میں مذکور ہیں، اور جن کی وجہ سے ہی اہل کتاب ان کے ایک ”نجات دہندہ“ کے طور پر منتظر بھی تھے، لیکن ان پر محض اس جلن اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ نبی ﷺ ہماری نسل میں سے کیوں نہ ہوئے جیسا کہ ہمارا گمان تھا، یعنی ان کا انکار دلائل پر نہیں نسلی منافرت اور حسد و عناد پر مبنی تھا۔

۲. غضب پر غضب کا مطلب ہے بہت زیادہ غضب۔ کیوں کہ بار بار وہ غضب والے کام کرتے رہے جیسا کہ تفصیل گزری، اور اب محض حسد کی وجہ سے قرآن اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔

۳. یعنی تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں، یعنی اس کے بعد ہمیں قرآن پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴. یعنی تمہارا تورات پر دعویٰ ایمان بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر تورات پر تمہارا ایمان ہوتا تو انبیاء ﷺ کو تم قتل نہ کرتے،

۹۲. اور تمہارے پاس تو موسیٰ (علیہ السلام) یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی چمچڑا پوجا^(۱) تم ہو ہی ظالم۔

۹۳. اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو! تو انہوں نے کہا، ہم نے سنا اور نافرمانی کی^(۲) اور ان کے دلوں میں چمچڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی^(۳) بسبب ان کے کفر کے۔^(۴) ان سے کہہ دیجیے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے، اگر تم مومن ہو۔

۹۴. آپ کہہ دیجیے کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لیے ہے اللہ کے نزدیک، اور کسی کے لیے نہیں، تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو۔

۹۵. لیکن اپنے کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے^(۵) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا ثُمَّ اخْتَلَفْتُمْ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۹۲﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْمِعُوا قُلُوبُكُمْ فَأَسْمِعُوا عَصِيَانَ أَشْرَبُوا فَاذْكُرُوا يَوْمَ الْعِجْلِ يَكْفُرُهُمْ قُلُوبُكُمْ بِسَبَابٍ مُنْكُمْ يَوْمَ رِيبَانَاكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾

وَلَنْ يَتِمَّتْهُوَ أَبَدًا إِمَّا قَدَّمَتْ آيَاتُ يَوْمِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی تمہارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

۱. یہ ان کے انکار اور عناد کی ایک اور دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) آیات و اضمحلت اور دلائل قاطعہ اس بات کی لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن تم نے اس کے باوجود حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی تنگ کیا اور الہ واحد کو چھوڑ کر چمچڑے کو معبود بنالیا۔

۲. یہ کفر و انکار کی انتہاء ہے کہ زبان سے تو اقرار کہ سن لیا، یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے؟

۳. ایک تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنادیتی ہے۔ دوسرا اس کو اُشْرَبُوا (پلا دی گئی) سے تعبیر کیا گیا، کیوں کہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب دوڑتا ہے جب کہ کھانے کا گزر اس طرح نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر)۔

۴. یعنی عصیان اور چمچڑے کی محبت و عبادت کی وجہ وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

۵. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی یہودیوں کو کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ سے محبوبیت کے دعوے میں سچے ہو تو مباہلہ کرلو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار کر دے، یہی دعوت انہیں سورت جمعہ میں بھی دی گئی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے۔ لیکن چوں کہ یہودی بھی،

۹۶. اور بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی! ﷺ آپ انہیں کو پائیں گے۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں^(۱) ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے، گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

۹۷. (اے نبی! ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ جو جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہو جس نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے، جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے۔^(۲)

۹۸. (تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن خود

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمُنَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَتُؤَدُّهُمْ لَوْ يَعْزَرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُمْ بِمُزَحْزَجِهِ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّ يَعْزَرُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلِ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۷﴾

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾

عیسائیوں کی طرح، جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں ہی کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ یہ ہرگز موت کی آرزو (یعنی مہلہ) نہیں کریں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے (تفسیر ابن کثیر)

۱. موت کی آرزو تو کجا، یہ تو دنیوی زندگی کے تمام لوگوں حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں، لیکن عمر کی یہ درازی انہیں عذاب الہی سے بچا نہیں سکے گی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہودی اپنے ان دعووں میں یکسر جھوٹے تھے کہ وہ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے جہنمی، کیوں کہ فی الواقع اگر ایسا ہوتا، یا کم از کم انہیں اپنے دعووں کی صداقت پر پورا یقین ہوتا، تو یقیناً وہ مہلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے، تاکہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی۔ مہلے سے پہلے یہودیوں کا اعراض اور گریز اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ گو وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے تھے، لیکن ان کے دل اصل حقیقت سے آگاہ تھے، اور جانتے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہو گا جو اللہ نے اپنے نافرمانوں کے لیے طے کر رکھا ہے۔

۲. احادیث میں ہے کہ چند یہودی علماء نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ سے چند سوالات کیے اور کہا کہ اگر آپ ﷺ نے ان کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے، کیوں کہ نبی کے علاوہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ جب آپ ﷺ نے ان کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ پر وحی کون لاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل (علیہ السلام)۔ یہود کہنے لگے: جبریل (علیہ السلام) تو ہمارا دشمن ہے، وہی تو حرب و قتال اور عذاب لے کر اترتا رہا ہے۔ اور اس بہانے سے آپ ﷺ کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا۔ (ابن کثیر، دمع القدر)۔

(۱) اللہ ہے۔

۹۹. اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا۔

۱۰۰. یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔

۱۰۱. اور جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا، ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا، گویا جانتے ہی نہ تھے۔^(۲)

۱۰۲. اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت سلیمان علیہ السلام) کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان (علیہ السلام)

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا الْكَافِرُونَ^(۱)

أَوْ كَمَا عَصَيْتُمْ وَأَعِصُوا بَدَا لَهُمْ فِرْيَنٌ مِّنْهُمْ بَلَىٰ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ^(۲)

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ بَدَّ فِرْيَنُ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۚ كَذَّبَ اللَّهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^(۳)

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمَنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَنُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ

۱. یہود کہتے تھے کہ میکائل (علیہ السلام) ہمارا دوست ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں کسی ایک کا بھی دشمن ہے وہ اللہ کا بھی دشمن ہے۔ حدیث میں ہے: ”مَنْ عَادَى لِيٍّ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتَهُ بِالْحَرْبِ“ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع) ”جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی، اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا ہے“ گویا اللہ کے کسی ایک ولی سے دشمنی سارے اولیاء اللہ سے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری اور ان سے بغض و عناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ بونس، آیت ۶۲-۶۳، لیکن محبت اور تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبة بنائے جائیں، ان کی قبروں پر سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے، ان کے نام کی نذر و نیاز اور ان کی قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور انہیں حاجت رواء، مشکل کشا، نافع و ضار سمجھا جائے، ان کی قبروں پر دست بستہ قیام اور ان کی چوکھٹوں پر سجدہ کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ بدقسمتی سے ”اولیاء اللہ کی محبت“ کے نام پر یہ کاروبار لات و منات فروغ پذیر ہے۔ حالانکہ یہ ”محبت“ نہیں ہے، ان کی عبادت ہے، جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عبادت قبور سے محفوظ رکھے۔

۲. اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو بہت سی آیات بینات عطا کی ہیں، جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں خود ان کی کتاب تورات میں بھی آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے، لیکن انہوں نے پہلے بھی کسی عہد کی کب پرواہ کی ہے جو اس عہد کی وہ کریں گے؟ عہد شکنی ان کے ایک گروہ کی ہمیشہ عادت رہی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کی کتاب کو بھی اس طرح پس پشت ڈال دیا، جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے،^(۱) اور بابل میں ہاروت ماروت (نامی) دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا،^(۲) وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے^(۳) جب تک یہ

كُفَرُوا وَيَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا فَتْنَةٌ فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فَيَنْتَفِعُونَ مِنْهَا فَيَمُوتُوا بِهِ بَيْنَ يَدَيْهِمْ

۱۔ یعنی ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پرواہ نہیں کی، البتہ شیطان کے پیچھے لگ کر نہ صرف جادو ٹونے پر عمل کرتے رہے، بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے ہی حکومت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کا عمل نہیں کرتے تھے، کیوں کہ عمل سحر تو کفر ہے، اس کفر کا ارتکاب حضرت سلیمان علیہ السلام کیوں کر کر سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام ہو گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے سدباب کے لیے جادو کی کتابیں لے کر اپنی کرسی یا تخت کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان شیاطین اور جادو گروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا، بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و اقتدار کا راز یہی جادو کا عمل تھا اور اسی بنا پر ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی کافر قرار دیا، جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرمائی (ابن کثیر۔ وغیرہ) واللہ اعلم۔

۲۔ بعض مفسرین نے وَمَا أُنْزِلَ میں مَا نافیہ مراد لیا ہے اور ہاروت وماروت پر کسی چیز کے اترنے کی نفی کی ہے، لیکن قرآن کریم کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت وماروت کے بارے میں بھی تفاسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تفصیل کے نہایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے، ہمیں صرف اس پر اور اسی حد تک ایمان رکھنا چاہیے (تفسیر ابن کثیر) قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بابل میں ہاروت وماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد واللہ اعلم بالصواب یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے، جادو سے مختلف چیز ہے اور جادو یہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے۔ اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبہ باز سمجھنے لگے تھے۔ اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔

دوسرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی گراؤ کی نشاندہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے تھے جس سے ان کا مقصد ہنستے ہستے گھروں کو اجاڑنا اور میاں بیوی کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا تھا۔ یعنی یہ ان کی گراؤ، بگاڑ اور فساد کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توہمات اور اخلاقی گراؤ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۳۔ ایسے ہی ہے جیسے باطل کی تردید کے لیے، باطل مذاہب کا علم کسی استاد سے حاصل کیا جائے، استاد شاگرد کو اس یقین دہانی پر باطل مذہب کا علم سکھائے کہ وہ اس کی تردید کرے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے بعد وہ خود بد مذہب

نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں^(۱) تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند وہیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے،^(۲) یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔

۱۰۳۔ اور اگر یہ لوگ صاحب ایمان ممتی بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا، اگر یہ جانتے ہوتے۔
۱۰۴۔ اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) ”راعنا“ نہ کہا کرو، بلکہ ”انظرنا“ کہو^(۳) یعنی ہماری طرف دیکھیے، اور سنتے رہا کرو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

الْمَرْءُ وَرَوْحِهِ وَمَا لَهُمْ بِصَاحِبِ رِيَّةٍ مِنْ أَحَدٍ
إِلَّا يَأْذِنُ اللَّهُ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا
يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالُهُ
فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَوْ كُنْتَ تَتَذَكَّرُ
أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآتَقُوا أَلْمُتُوبَةَ لَإِنَّ عِنْدَ
اللَّهِ خَزَائِرَ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۴﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا
وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمِعُوا لِلْكَافِرِينَ
عَذَابَ الْكَبِيرِ ﴿۱۰۵﴾

ہو جائے، یا اس کا غلط استعمال کرے تو استاد اس میں قصور وار نہیں ہوگا۔

۱۔ اَيُّ: إِنَّمَا نَحْنُ ابْتِلَاءٌ مِّنَ اللَّهِ لِعِبَادِهِ ہم اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے آزمائش ہیں (بخ القدر)۔

۲۔ یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو۔ اس لیے اس کے سیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے، ہر قسم کی خیر کی طلب اور ضرر کے دفع کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں کہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات میں ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

۳۔ رَاعِنَا کے معنی ہیں، ہمارا لحاظ اور خیال کیجیے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا، لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدیلی اور ان کے جذبہ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلاً وہ کہتے رَاعِنَا (ہمارے چرواہے) یا رَاعِنَا (احق) وغیرہ، جیسے وہ السَّلام عَلَیْکُمْ کی بجائے السَّام عَلَیْکُمْ (تم پر موت آئے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ”انظرنا“ کہا کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ، جن میں تنقیص و اہانت کا شائبہ ہو، ادب و احترام کے پیش نظر اور سد ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے ساتھ افعال و اقوال میں مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے، تاکہ مسلمان «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: وقال الألبانی هذا إسناد حسن، بحوالہ حجاب المرأة ص: ۱۰۴) (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انہی میں شمار ہوگا) کی وعید میں داخل نہ ہوں۔

مَا يَدْعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا
الْمُشْرِكِينَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَيْهِمْ مِنْ خَبَرٍ
رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِمَّا أُو
مِلْهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

۱۰۵۔ یہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے اس حسد سے کیا ہوا) اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

۱۰۶۔ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں، یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں،^(۱) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۰۷۔ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا ملک اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

۱۔ نسخ کے لغوی معنی تو نقل کرنے کے ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں سنگے بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کر دیا گیا، وغیرہ، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ”الفوز الکبیر“ میں ان کی تعداد صرف پانچ بیان کی ہے۔ یہ نسخ تین قسم کا ہے۔ ایک تو مطلقاً نسخ حکم یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسرا ہے نسخ مع التلاوة، یعنی پہلے حکم کے الفاظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ہیں، ان کی تلاوت ہوتی ہے لیکن دوسرا حکم بھی، جو بعد میں نازل کیا گیا، قرآن میں موجود ہے، یعنی ناخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔ نسخ کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ یعنی قرآن کریم میں نبی ﷺ نے انہیں شامل نہیں فرمایا، لیکن ان کا حکم بانی رکھا گیا۔ جیسے «الشَّيْخُ وَالشَّيْبَةُ إِذَا زَنِيا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ» «شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو یقیناً انہیں سنگسار کر دیا جائے» اس آیت میں نسخ کی پہلی دو قسموں کا بیان ہے «مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ» میں دوسری قسم اور «أَوْ نُنسِهَا» میں پہلی قسم۔ نُنسِہَا (ہم بھلا دیتے ہیں) کا مطلب ہے کہ اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لیتے ہیں۔ گویا کہ ہم نے اسے بھلا دیا اور نیا حکم نازل کر دیا۔ یا نبی ﷺ کے قلب سے ہی ہم نے اسے مٹا دیا اور اسے نیا نیا کر دیا گیا۔ یہودی تورات کو ناقابل نسخ قرار دیتے تھے اور قرآن پر بھی انہوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھے کرے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو، اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے۔ یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ بعض قدیم گمراہوں (مثلاً ابو مسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کل کے بھی بعض متجددین نے یہودیوں کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو مذکورہ سطروں میں بیان کی گئی ہے، سلف صالحین کا عقیدہ بھی اثبات نسخ ہی رہا ہے۔

۱۰۸. کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تھا؟^(۱) اور (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔

۱۰۹. ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم بھی معاف کرو اور چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۱۰. اور تم نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس پا لو گے، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔^(۲)

۱۱۱. اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔^(۳)

۱۱۲. سنو! جو بھی آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے۔^(۴) بے شک اسے اس کا رب پورا بدلہ

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ
مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ
يَأْتِلْ إِلَهُانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝
وَكَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُوا نِعَمَ اللَّهِ
بَعْدَ إِيمَانِهِمْ لَأَقْبَحَ دِينَهُمْ ۚ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْبَثُونَ أَكْفَرُ ۚ فَاعْفُوا
وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَاقْبَحُوا الصَّلَاةَ وَالْزَّكَاةَ وَمَا
تُعَدُّوا لَأَنْفُسِكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا
أَوْ نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا
بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

بَلَىٰ ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

۱. مسلمانوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر ﷺ سے از راہ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشہ کفر ہے۔

۲. یہودیوں کو اسلام اور نبی ﷺ سے جو حسد اور عناد تھا اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی مذموم سعی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبر اور درگزر سے کام لیتے ہوئے، ان احکام و فرائض اسلام کو بجا لاتے رہو، جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

۳. یہاں اہل کتاب کے اس غرور اور فریب نفس کو پھر بیان کیا جا رہا ہے جس میں وہ مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

۴. ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ کا مطلب ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی سنت کے مطابق۔ قبولیت عمل کے لیے یہ دو بنیادی اصول ہیں اور نجات اخروی انہی

يَخْرُجُونَ ﴿١١٠﴾

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتْ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ
النَّصَارَى لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتَّبِعُونَ
الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ
قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا
كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١١﴾

دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا، نہ غم اور اداسی۔
۱۱۰۔ اور یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں^(۱) اور نصرانی
کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ
تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم
بھی کہتے ہیں۔^(۲) قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف
کا فیصلہ ان کے درمیان کر دے گا۔

۱۱۱۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ
کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کیے جانے کو روکے^(۳)
اور ان کی بربادی کی کوشش کرے؟! ایسے لوگوں کو خوف

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ
فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهِ ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانُوا
لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا وَلَا يَخْرُجُوا مِنْهَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى
الَّذِينَ

اصولوں کے مطابق کیے گئے اعمال صالحہ پر مبنی ہے، نہ کہ محض آرزوؤں پر۔

۱۔ یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے، لیکن اس
کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام
اور تورات کے مَنْ عِنْدَ اللَّهِ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے
دونوں فرقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

۲۔ اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین ان پڑھ (أُمِّيِّينَ) تھے، اس لیے انہیں بے علم کہا گیا، لیکن وہ بھی
مشرک ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح، اس زعمِ باطل میں مبتلا تھے کہ وہی حق پر ہیں۔ اسی لیے وہ نبی ﷺ کو
صابی یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔

۳۔ جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا، یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں:
ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہیں، جنہوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز
پڑھنے سے روکا اور اس کی تخریب میں حصہ لیا۔ ابن جریر طبری نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے
اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنہوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے
صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور یوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا۔ پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر
بھی یہی کردار دہرایا اور کہا کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے قاتلوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حالانکہ خانہ کعبہ
میں کسی کو عبادت سے روکنے کی اجازت اور روایت نہیں تھی۔

۴۔ تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے، بلکہ ان میں اللہ کی عبادت
اور ذکر سے روکنا، اقامت شریعت اور مظاہر شرک سے پاک کرنے سے منع کرنا بھی تخریب اور اللہ کے گھروں کو برباد کرنا ہے۔

خِزْيُ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ بِكَافِرُونَ ﴿۱۱۱﴾
وَجَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۱۱۲﴾

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ كُلِّ لَهٗ فِئْتُونَ ﴿۱۱۳﴾

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۴﴾

کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہیے،^(۱) ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔
۱۱۵۔ اور مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جدرہ بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔

۱۱۶۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے، آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے۔

۱۱۷۔ وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداء پیدا کرنے والا ہے، اور وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔^(۳)

۱۔ یہ الفاظ خبر کے ہیں، لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں تمکن اور غلبہ عطا فرمائے تو تم ان مشرکین کو اس میں صلح اور جزیے کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ آئندہ سال کعبہ میں کسی مشرک کو حج کرنے کی اور نیگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور جس سے جو معاہدہ ہے معاہدے کی مدت تک اسے یہاں رہنے کی اجازت ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیادتیاں کی ہیں، ان کے بدلے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جلد ہی یہ خوشخبری پوری ہو گئی۔

۲۔ ہجرت کے بعد جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا رخ تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں اس وقت نازل ہوئی جب بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا اور یہودیوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، بعض کے نزدیک اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے کہ سواری کا منہ جدرہ بھی ہو، نماز پڑھ سکتے ہو۔ کبھی چند اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے حکم کے لیے ایک ہی آیت نازل ہو جاتی ہے۔ ایسی آیتوں کے شان نزول میں متعدد روایات مروی ہوتی ہیں، کسی روایت میں ایک سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرے کا۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے۔ (فہم از احسن التفسیر)

۳۔ یعنی وہ اللہ تو وہ ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے، ہر چیز اس کی فرماں بردار ہے، بلکہ آسمان و زمین کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے۔ علاوہ ازیں وہ جو کام کرنا چاہے اس کے لیے اسے صرف لفظ کن کافی ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟

۱۱۸۔ اور اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟^(۱) اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے۔^(۲) ہم نے تو یقین والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دیں۔

۱۱۹۔ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی۔

۱۲۰۔ اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں،^(۳) آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے^(۴) اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔^(۵)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لَوْلَا إِلَهُكُمَا اللَّهُ
أَوْ تَارَيْنَا أَيْهَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ شَتَا بَهْتَ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا
وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَكْفِيَ
مِلَّةَهُمْ قُلْ إِنِ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهَادِيَ وَلَئِنْ
أَبْغَضَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَصِيٍّ ﴿۱۲۰﴾

۱۔ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا، یا کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں دکھا دیتا؟ جسے دیکھ کر ہم مسلمان ہو جائیں جس طرح کہ سورہ بنی اسرائیل (آیت: ۹۰-۹۳) میں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ یعنی مشرکین عرب کے دل، کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہو گئے۔ جیسے سورہ ذاریات میں فرمایا گیا ﴿كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنٌّ﴾ ﴿اَتَوَصَّيَاهُ عَنْهُمُ فَوَطَّاعُونَ﴾ ﴿۵۲﴾ (ان سے پہلے جو بھی رسول آیا، اس کو لوگوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی کہا۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر جاتے تھے؟ نہیں یہ سب سرکش لوگ ہیں) یعنی قدر مشترک ان سب میں سرکشی کا جذبہ ہے، اس لیے داعیان حق کے سامنے نئے نئے مطالبے رکھتے ہیں، یا انہیں دیوانہ گردانتے ہیں۔

۳۔ یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لے۔

۴۔ جو اب اسلام کی صورت میں ہے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، نہ کہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت۔

۵۔ یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان بر خود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جاتی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی

۱۲۱۔ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے ^(۱) اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں ^(۲) وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔ ^(۳)

۱۲۲۔ اے اولاد یعقوب! ^(عَلَيْهِمَا) میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تو تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی۔

۱۲۳۔ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی، نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

۱۲۴۔ اور جب ابراہیم ^(عَلَيْهِ) کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا ^(۴) اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا، عرض کرنے لگے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْهُ حٰقًّا تِلٰوَتِهٖ
اَوَّلٰىكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْحٰخِرُونَ ﴿٥﴾

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰءِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اٰتَيْتُ عَلَيْنَكُمْ
وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾

وَالَّذِيْنَ اِيْمٰنًا لَّا تُخْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا
يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا
هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧﴾

وَازْبِئْشٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٖ بِكَلِمٰتٍ قٰتِلٰتِهِنَّ قَالِ اِنِّىْ
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمٰمًا قَالَوْا وَمِنْ ذُرِّيَّتِكَ قَالَ لَا
يَتَّٰلُ عَهْدِيْ بِالظَّٰلِمِيْنَ ﴿٨﴾

خوشنودی کے لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں مداخلت اور بے جانتاویل کا ارتکاب کریں۔

۱۔ اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کے مذموم اخلاق و کردار کی ضروری تفصیل کے بعد ان میں جو کچھ لوگ صالح اور اچھے کردار کے تھے، اس آیت میں ان کی خوبیاں، اور ان کے مومن ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ ان میں عبد اللہ بن سلام ^(رضی اللہ عنہ) اور ان جیسے دیگر افراد ہیں، جن کو یہودیوں میں سے قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی۔

۲۔ ”وہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔“ کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جہنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ (۲) اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے دوسرے یہودی کرتے تھے)۔ (۳) اس میں جو کچھ تحریر ہے لوگوں کو بتلاتے ہیں، اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ (۴) اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، مشابہات پر ایمان رکھتے، اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتیں انہیں علماء سے حل کراتے ہیں (۵) اس کی ایک ایک بات کا اتباع کرتے ہیں (فتح القدیر) واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی مفہوم داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو مذکورہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

۳۔ اہل کتاب میں سے جو نبی ^(صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا، کَمَا فِي الصَّحِيْح (ابن کثیر)۔

۴۔ کلمات سے مراد احکام شریعت، مناسک حج، ذبح پسر، ہجرت، نار نمود وغیرہ وہ تمام آزمائشیں ہیں، جن سے حضرت ابراہیم ^(عَلَيْهِ) گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوا مانی اور سمجھی جاتی ہے۔

اور میری اولاد کو،^(۱) فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔

۱۲۵۔ اور ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن وامان کی جگہ بنایا،^(۲) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو،^(۳) ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔

۱۲۶۔ اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا، اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ

وَاذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَنُحْنِ وَأَمِنَ
مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّیْ وَنُحْنِ اِلٰی اِبْرٰهٖمَ وَاسْمٰعِیْلَ اَنَّ طَهَّرَا
بِیْنِنِیْ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَالْعِکِفٰیْنَ وَالْوُكُورَ الشُّجُوْرَ ۝

وَاذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْاَمْنَ وَالْاَمْنِ اَزْوَاقِ
اَهْلَکَ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ لِلّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اس خواہش کو پورا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہی ہے ﴿وَجَعَلْنٰی ذُرِّیَّتَیْهُ التُّبٰوۃَ وَالْکَنْبَ﴾ (التکوٰت: ۲۷) (ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا)۔ پس ہر نبی جسے اللہ نے مبعوث کیا اور ہر کتاب جو ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد نازل فرمائی، اولاد ابراہیم (علیہ السلام) ہی میں یہ سلسلہ رہا۔ (ابن کثیر) اس کے ساتھ ہی یہ فرما کر کہ ”میرا وعدہ ظالموں سے نہیں“ اس امر کی وضاحت فرمادی کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی اتنی اونچی شان اور عند اللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم (علیہ السلام) میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے، ان کی شقاوت و محرومی کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پیہر زادگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح نہیں، تو پیہر زادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہ الہی میں کیا حیثیت ہوگی؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (مَنْ بَطَأَ بِهٖ عَمَلُهُ لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسْبُهُ) (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء... باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن...) (جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا)۔

۲۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نسبت سے جو اس کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائیں: ایک ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ (لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ) دوسرے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے، دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی، بلکہ روز افزوں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت ”امن کی جگہ“ یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے اس احترام کو باقی رکھا، بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کی۔

۳۔ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تعمیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قدم کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی و معتمر طواف کے دوران پہ آسانی دیکھتے ہیں۔ ﴿وَالْحِجْنَ وَاَمِنَ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّیْ﴾ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزی دے۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پیچنے کی جگہ بری ہے۔

۱۲۷۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما، تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۱۲۸۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔

۱۲۹۔ اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج (۲) جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، اور انہیں کتاب و حکمت (۳) سکھائے اور انہیں پاک کرے،^(۴) یقیناً تو غلبہ

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَيُئْسِرُ الْمُصِيرُ ﴿۱۰۷﴾

وَاذْكُرْهُمْ اٰلَهُمْ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَالْاَسْعِلَ رَبَّنَا تَهْتَبِلْ وَمَا اَرَاكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۰۸﴾

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۹﴾

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۰﴾

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی یہ دعائیں قبول فرمائیں، یہ شہر امن کا گہوارہ بھی ہے اور وادی غیر ذی زرع (غیر کھیتی والی) ہونے کے باوجود اس میں دنیا بھر کے پھل فروٹ اور ہر قسم کے غلے کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت و تعجب میں ڈوب جاتا ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل (علیہ السلام) کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں“ (الفتح الربانی، ج ۳۰، ص ۱۸۱ و ۱۸۹)۔

۳۔ کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث ہے۔ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب و حکمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نفس تلاوت بھی مقصود اور باعث اجر و ثواب ہے۔ تاہم اگر ان کا مفہوم و مطلب بھی سمجھ میں آتا جائے تو سبحان اللہ، سونے پر سہاگہ ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ترجمہ و مطلب نہیں آتا، تب بھی اس کی تلاوت میں کوتاہی جائز نہیں ہے۔ تلاوت بجائے خود ایک الگ اور نیک عمل ہے۔ تاہم اس کے مفہیم اور مطالب سمجھنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

۴۔ تلاوت و تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ چوتھا مقصد ہے کہ انہیں شرک و توہمات کی آلائشوں سے اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں سے پاک کریں۔

والا اور حکمت والا ہے۔

۱۳۰۔ اور دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہے۔^(۱)

۱۳۱۔ جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا، فرمانبردار ہو جا، انہوں نے کہا، میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔^(۲)

۱۳۲۔ اور اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کو کی، کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنے۔^(۳)

۱۳۳۔ کیا (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب^(۴) انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم (علیہ السلام)

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ الْأَمَنِ سَفِهَةٌ
نُفْسُهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي
الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾

وَوَضَّيْ بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَيْنَهُ وَيَعْقُوبَ يَتِيمًا إِنَّ
اللَّهَ اصْطَفَىٰ لِمَنِ الدِّينُ فَلَا تَكُونُوا لِلْأَنفُسِ
مُتْسِلِينَ ﴿١٣٢﴾

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ
قَالَ لِبَنِيهِ مَا لَعْبُدُونَ مِنِّي قَالُوا نَعْبُدُ
إِلَهًا وَآلِهَةً لِّكُلِّ بَنِيهِمْ وَاسْمِعِيلَ الْوَسْطَىٰ
إِلَهُائِهِمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

۱۔ عربی زبان میں رَغَب کا صلہ عَنْ ہو تو اس کے معنی بے رغبتی ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی وہ عظمت و فضیلت بیان فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرمادی کہ ملت ابراہیم سے اعراض اور بے رغبتی بے وقوفوں کا کام ہے، کسی عقل مند سے اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ یہ فضیلت و برگزیدگی انہیں اس لیے حاصل ہوئی کہ انہوں نے اطاعت و فرمان برداری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

۳۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) و حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے الدِّین کی وصیت اپنی اولاد کو بھی فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہی ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے اور قرآن کریم میں دیگر متعدد مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئے گی۔ جیسے ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹) وغیرہ (اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے)۔

۴۔ یہود کو جز و تویح کی جارہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی، تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ موجود تھے تو یہ کذب و زور اور بہتان ہوا، اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا، کیوں کہ انہوں نے جو وصیت کی وہ تو اسلام کی تھی، نہ کہ یہودیت، یا عیسائیت یا وثنیت کی۔ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ”الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَاتٍ، أُمَمُهُمْ شَتَّىٰ، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ“ (صحیح البخاری مع الفتح ۶/۴۷۸، حدیث رقم: ۳۳۳۳) ”انبیاء کی جماعت علاقائی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف (اور باپ ایک) ہے اور ان کا دین ایک ہی ہے۔“

اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) کے معبود کی، جو معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔
۱۳۴۔ یہ جماعت تو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے، اور جو تم کرو گے تمہارے لیے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔^(۱)

۱۳۵۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں، اور ابراہیم (علیہ السلام) خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے۔^(۲)

۱۳۶۔ اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہ السلام)، اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) دیے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقُبُ لَآتَيْنَا مَا آتَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْكَسْبِطِ وَمِمَّا آتَيْنَا مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمِمَّا آتَيْنَا النَّبِيِّينَ مِنْ زَكَاةٍ لَا تُغْنِي بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَتَعْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۵﴾

قُولُوا أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمِمَّا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْكَسْبِطِ وَمِمَّا آتَيْنَا مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمِمَّا آتَيْنَا النَّبِيِّينَ مِنْ زَكَاةٍ لَا تُغْنِي بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَتَعْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾

۱۔ یہ بھی یہود کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے آباء و اجداد میں جو انبیاء و صالحین ہو گزرے ہیں، ان کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کا صلہ انہیں ہی ملے گا، تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے۔ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہی ہے، جو پچھلے صالحین کا بھی سرمایہ تھا، اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا بھی واحد ذریعہ ہے۔

۲۔ یہودی مسلمانوں کو یہودیت کی، اور عیسائی عیسائیت کی دعوت دیتے، اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے کہو: ہدایت ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی میں ہے جو حنیف تھا (یعنی اللہ واحد کا پرستار اور سب سے کٹ کر اسی کی عبادت کرنے والا)، اور وہ مشرک نہیں تھا۔ جب کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شرک کی آمیزش موجود ہے۔ اور اب بدقتی سے مسلمانوں میں بھی شرک کے مظاہر عام ہیں، اسلام کی تعلیمات اگرچہ بحمد اللہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہیں، جن میں توحید کا تصور بالکل بے غبار اور نہایت واضح ہے، جس سے یہودیت، عیسائیت اور شنویت (دو خداؤں کے قائل مذاہب) سے اسلام کا امتیاز نمایاں ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اعمال و عقائد میں جو مشرکانہ اقدار و تصورات در آئے ہیں، اس نے اسلام کے امتیاز کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ کیوں کہ غیر مذاہب والوں کی دسترس براہ راست قرآن و حدیث تک تو نہیں ہو سکتی، وہ تو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ کریں گے کہ اسلام میں اور دیگر مشرکانہ تصورات سے آلودہ مذاہب کے مابین تو کوئی امتیاز ہی نظر نہیں آتا۔ اگلی آیت میں ایمان کا معیار بتلایا جا رہا ہے۔

درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔^(۱)

۱۳۷۔ اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا،^(۲) اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

۱۳۸۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا؟^(۳) اور ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

۱۳۹۔ آپ کہہ دیجیے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے، اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، اور

فَإِنْ آمَنُوا بِبَعْضِ مَا آمَنَّا بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا
وَأَنْ تَوَكَّلُوا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ مِّمَّنْ يَبْتَغِي اللَّهَ
اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱﴾

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً
وَتَحْنُ لَهُ عَبْدٌ ﴿۲﴾

قُلْ إِنَّمَا جُؤُنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَكِنَّا
أَعْمَالُنَا وَأَعْمَالُكُمْ وَتَحْنُ لَهُ خَالِصُونَ ﴿۳﴾

۱۔ یعنی ایمان یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو کچھ بھی ملایا نازل ہوا سب پر ایمان لایا جائے، کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کو ماننا، کسی کو نہ ماننا، یہ انبیاء کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے۔ البتہ عمل اب صرف قرآن کریم کے ہی احکام پر ہوگا۔ پچھلی کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں پر نہیں کیوں کہ ایک تو وہ اصلی حالت میں نہیں رہیں، تحریف شدہ ہیں، دوسرا قرآن نے ان سب کو منسوخ کر دیا ہے۔
۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی مذکورہ طریقے پر ایمان لائے تھے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح اے صحابہ رضی اللہ عنہم! تم ایمان لائے ہو تو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اگر وہ ضد اور اختلاف میں منہ موڑیں گے، تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرنے والا ہے۔ چنانچہ چند سالوں میں ہی یہ وعدہ پورا ہوا اور بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک مصحف ان کی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ ﴿هَسْبِيَ اللَّهُ﴾ پر ان کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ دھار بھی۔
کہا جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

۳۔ عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پانی مقرر کر رکھا ہے جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی دیا جاتا ہے جس کو عیسائی بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس رسم کا نام ان کے ہاں ”بپتسمہ“ ہے۔ یہ ان کے نزدیک بہت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ کسی کو پاک تصور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے، اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں اور اللہ کے رنگ سے مراد وہ دین فطرت یعنی دین اسلام ہے، جس کی طرف ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی۔ یعنی دعوت توحید۔

ہم تو اسی کے لیے مخلص ہیں۔^(۱)

۱۴۰. کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟^(۲) اللہ کے پاس سے (آئی ہوئی) شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔^(۳)

۱۴۱. یہ امت ہے جو گزر چکی، جو انہوں نے کیا ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لیے، تم ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کیے جاؤ گے۔^(۴)

۱۴۲. عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے^(۵) وہ جسے چاہے

أَمْ يَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَ اللَّهِ وَمَنْ أَمَرَ اللَّهُ بِشَيْءٍ فَلْيَفْعَلْ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

بَلْ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهُ إِذِ اعْتَكَبَ عَلَيْهِمْ كَنْبَهُمْ فَازْدَحَجَّ الْجِبَالُ فَوَازَىٰ هَبْلًا وَقَالَ أَبْنَاءُ هَبْلِئِنَّا عَنْكُمْ وَعَنْ رَبِّنَا نَحْنُ بِكَبَابٍ ۝

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلِهِمُ الْمَثَبُ إِنَّا وَجَدْنَاهُمْ قَوْمًا شَرِكِينَ ۝ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

۱. کیا تم ہم سے اس بارے میں جھگڑتے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں؟ اسی کے لیے اخلاص و نیاز مندی کے جذبات رکھتے ہیں؟ اور اس کے اوامر کا اتباع اور زواجر سے اجتناب کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ ہمارا رب ہی نہیں، تمہارا بھی ہے اور تمہیں بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو ہم کرتے ہیں، اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمہارا عمل تمہارے ساتھ، ہمارا عمل ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی کے لیے اخلاص عمل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔

۲. تم کہتے ہو کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے۔ اب تم ہی تلاؤ کہ زیادہ علم اللہ کو ہے یا تمہیں؟۔

۳. تمہیں معلوم ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام یہودی یا عیسائی نہیں تھے، اسی طرح تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نشانیاں بھی موجود ہیں، لیکن تم ان شہادتوں کو لوگوں سے چھپا کر ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

۴. اس آیت میں پھر کسب و عمل کی اہمیت بیان فرما کر بزرگوں کی طرف انتساب یا ان پر اعتماد کو بے فائدہ قرار دیا گیا۔ کیوں کہ من بظاً بہ عمله لم یسرع بہ نسبه (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن) ”جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا“ مطلب ہے کہ اسلاف کی نیکیوں سے تمہیں کوئی فائدہ اور ان کے گناہوں پر تم سے مواخذہ نہیں ہوگا، بلکہ ان کے عملوں کی بابت تم سے یا تمہارے عملوں کی بابت ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (فاطر: ۱۸) (کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) ﴿وَأَنْ لِّیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (انجم: ۳۹) (انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی سعی اس نے کی)۔

۵. جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ۱۶، ۱۷ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ

سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔

۱۳۳۔ اور ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے ^(۱) تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں، جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول (ﷺ) کا سچا تابعدار کون ہے؟ اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے؟ ^(۲) گو یہ کام مشکل ہے، مگر جنہیں اللہ

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي
كُنْتُمْ عَلَيْهَا أَلَدًا لَّعَلَّكُمْ مِّنْ يَّكْبُرُ الرَّسُولَ وَمِنَ الْيَقْلَبِ
عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكُمُ الْكَيْدُ الْأَعْلَىٰ الَّذِي هَدَىٰ
اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّعِبْرَانَا نَكُذِّرُ إِنَّا لِلَّهِ يَالْثَّالِثِينَ
لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ

کر کے نماز پڑھتے رہے، درآں حالیکہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلہ ابراہیمی ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نظر بھی اٹھاتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دے دیا، جس پر یہودیوں اور منافقین نے شور مچادیا، حالانکہ نماز اللہ کی ایک عبادت ہے اور عبادت میں عابد کو جس طرح حکم ہوتا ہے، اس طرح کرنے کا وہ پابند ہوتا ہے، اس لیے جس طرف اللہ نے رخ پھیر دیا، اس طرف پھر جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت کرنی ہے مشرق و مغرب ساری جہتیں اسی کی ہیں، اس لیے جہتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہر جہت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس جہت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

۱۔ وَسَطٌ کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں، لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمہیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمہیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے ﴿يَكُونُ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج: ۷۸) (تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ)۔ اس کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت کے دن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے ہاں، محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ یہ امت گواہی دے گی۔ اس لیے اس کا ترجمہ عادل بھی کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) ایک معنی وسط کے اعتدال کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی امت معتدل یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے ہے کہ اس میں اعتدال ہے، افراط و تفریط نہیں۔

۲۔ یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے، مومنین صادقین تو رسول اللہ ﷺ کے اشارہ اہرو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لیے ان کے لیے تو ادھر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا، بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انہوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قبلتین (یعنی وہ مسجد جس میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبلہ میں بھی

مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں)، اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا^(۱) اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔ ۱۴۴۔ ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں، آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا منہ اسی طرف پھیرا کریں۔ اہل کتاب کو اس بات کے اللہ کی طرف سے برحق ہونے کا قطعی علم ہے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں۔

۱۴۵۔ اور آپ اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دیں لیکن وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے،^(۳) اور نہ آپ ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں،^(۴) اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے

قَدْ رَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَوْلِئِكَ قِبْلَةٌ تَرْضَاهَا قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾

وَلَيْنَ آتَيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِحُجَّتٍ مَّا تَتَّبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾

ہوا۔ لِنَعْلَمَ (تاکہ ہم جان لیں) اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تاکہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تاکہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں (بخ القدر)۔

۱۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے، یا ہم جتنے عرصے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں، یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، تمہیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب نماز اور دیگر احکام الہی کی پابندی ہوگی۔

۲۔ اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں خانہ کعبہ کے قبلہ آخر الانبیاء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں۔ اس لیے اس کا برحق ہونا انہیں یقینی طور پر معلوم تھا، مگر ان کا نسلی غرور وحسد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔

۳۔ کیونکہ یہود کی مخالفت تو حسد و عناد کی بنا پر ہے، اس لیے دلائل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ گویا اثر پذیری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا دل صاف ہو۔

۴۔ کیونکہ آپ ﷺ وحی الہی کے پابند ہیں، جب تک آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہ ملے آپ ان کے قبلہ کو کیوں کر اختیار کر سکتے ہیں۔

والے ہیں،^(۱) اور اگر آپ باوجودیکہ آپ کے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں تو بالیقین آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔^(۲)

۱۳۶۔ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔^(۳)

۱۳۷۔ آپ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، خبردار آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔^(۴)

۱۳۸۔ اور ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے^(۵) تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ
وَلَنْ فَرِّقَانًا لَهُمْ لِيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۶﴾

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۳۷﴾

وَلِكُلٍّ رُجُوهٌ لَهُمْ مَوْلَاهَا فَاَسْبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِنَّكُمْ
تَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا اِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ﴿۱۳۸﴾

۱۔ یہود کا قبلہ حخرہ بیت المقدس اور عیسائیوں کا بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب کے یہ دو گروہ بھی ایک قبلے پر متفق نہیں تو مسلمانوں سے کیوں یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ان کی موافقت کریں گے۔

۲۔ یہ وعید پہلے بھی گزر چکی ہے، مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے باوجود اہل بدعت کے پیچھے لگنا ظلم اور گمراہی ہے۔

۳۔ یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ ان میں ایک فریق عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق و صفائے باطنی کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوا۔

۴۔ پیغمبر پر اللہ کی طرف سے جو بھی حکم اترتا ہے وہ یقیناً حق ہے، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۵۔ یعنی ہر مذہب والے نے اپنا پسندیدہ قبلہ بنا رکھا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے اپنا ایک منہاج اور طریقہ بنا رکھا ہے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَهُدًى بَاجَا وَنُشَآءَ اللَّهُ لِيَجْعَلَ لَكُمْ اٰمَةً وَاٰحِدَةً وَلٰكِنْ يَّبْتَغِيْكُمْ فِيْ تَاٰلِثِكُمْ﴾ (المائدہ: ۴۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور ضلالت دونوں کی وضاحت کے بعد انسان کو ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی جو آزادی دی ہے، اس کی وجہ سے مختلف طریقے اور دستور لوگوں نے بنالئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستے یعنی ہدایت کے راستے پر چلا سکتا تھا، لیکن یہ سلب اختیارات کے بغیر ممکن نہ تھا اور اختیار دینے سے مقصود ان کا امتحان ہے۔ اس لیے اے مسلمانو! تم تو خیرات کی طرف سبقت کرو، یعنی نیکی اور بھلائی ہی کے راستے پر گامزن رہو اور یہ وحی الہی اور اتباع رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے جس سے دیگر اہل ادیان محروم ہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٌ وَجْهَكَ لِشَطْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَاللَّهُ يَبْغِضُ الْعَاثِمِينَ ۝

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٌ وَجْهَكَ لِشَطْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ لِشَطْرِهَا لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ۝ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَحْتَسِبُوهُمْ وَأَحْشَرُونِي وَلِرَبِّكُمْ بَعِثُكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ

۱۴۹۔ اور آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ (نماز کے لیے) مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

۱۵۰۔ اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو^(۱) تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے،^(۲) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے،^(۳) تم ان سے نہ ڈرو^(۴) مجھ ہی سے ڈرو، اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں، اور اس لیے بھی کہ تم راہ راست پاؤ۔

۱۵۱۔ جس^(۵) طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور

۱۔ قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے، یا تو اس کی تاکید اور اہمیت واضح کرنے کے لیے، یا یہ چونکہ نوح حکم کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلیان دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے، یا تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، وہاں اسے بیان کیا۔ دوسری علت، ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل مرکز کا وجود ہے، وہاں اسے دہرایا۔ تیسری علت، مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے، وہاں اسے بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)۔

۲۔ یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نماز یہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے ہیں۔ ۳۔ یہاں ظَلَمُوا سے مراد معاندین (عناد رکھنے والے) ہیں یعنی اہل کتب میں سے جو معاندین ہیں، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور عناد کہیں گے کہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر ﷺ بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ ۴۔ ظالموں سے نہ ڈرو۔ یعنی مشرکوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے ہمارا قبلہ تو اختیار کر لیا ہے، غفریب ہمارا دین بھی اپنائیں گے۔ ”مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔“ جو حکم میں دیتا رہوں اس پر بلا خوف عمل کرتے رہو۔ تمہیل قبلہ کو اتمام نعت اور ہدایت یافتگی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انعام و اکرام کا مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔

۵۔ كَمَا (جس طرح) کا تعلق ما قبل کلام سے ہے، یعنی یہ اتمام نعت اور توفیق ہدایت تمہیں اس طرح ملی جس طرح اس سے پہلے تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمہارا تزکیہ کرتا، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور جن کا تمہیں علم نہیں، وہ سکھاتا ہے۔

تَكُونُوا أَتَقْلَمُونَ ﴿۵۸﴾

فَأَذْكُرُوا فِي آذَانِكُمْ وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونَ ﴿۵۹﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْعَيْنُوا بِالصَّدَقَاتِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۶۰﴾

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْسِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمُوتَ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۶۱﴾

وَلَذِكْرُكُمْ بِهِمْ يَخْفَىٰ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّادِقِينَ ﴿۶۲﴾

تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔

۱۵۲۔ اس لیے تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا، اور میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔^(۱)

۱۵۳۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔^(۲)

۱۵۴۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو^(۳) وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے۔

۱۵۵۔ اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔

۱۔ پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر اور شکر کرو۔ کفرانِ نعمت موت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے، یعنی اس کی تسبیح، تہلیل اور تکبیر بلند کرو، اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔ خدا داد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، یہ اللہ کی ناشکر گزاری (کفرانِ نعمت) ہے۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ ﴿لَٰكِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَٰكِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم: ۷)۔

۲۔ انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام و راحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔ نعمت میں شکر الہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے: ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں“ (صحیح مسلم، کتاب الزهد والرفاق، باب المؤمن أمره كله خير، حدیث: ۲۹۹۹)۔ صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا احکام الہیہ کے بجالانے میں جو مشفقین اور تکلیفیں آئیں انہیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے: اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں، اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات و لذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔ (ابن کثیر)۔

۳۔ شہداء کو مردہ نہ کہنا ان کے اعزاز و تکریم کے لیے ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ زندگی علی قدر مراتب انبیاء و مومنین حتیٰ کہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (پاسینہ) میں جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے (ابن کثیر، نیز دیکھیے آل عمران: ۱۶۹)۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَّا
إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

۱۵۶۔ جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

۱۵۷۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔^(۱)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَبَّ الْبَيْتَ
أَوَاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرٌ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

۱۵۸۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں،^(۲) اس لیے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں^(۳) اور اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْمُهْذَبِ
مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ

۱۵۹۔ بے شک جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں

۱۔ ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ حدیث میں نقصان کے وقت ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کے ساتھ «اللَّهُمَّ أَجْزِنِي فِي مُصِيبَتِي، وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا» پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، حدیث: ۹۱۸)۔

۲۔ شَعَائِرُ شَعِيرَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں، یہاں حج کے وہ مناسک (مثلاً موقف، سعی، منحر، ہدی قربانی) کو اشعار کرنا وغیرہ) مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

۳۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حج کا ایک رکن ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا) (اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں) پھر اس کی شان نزول بیان فرمائی کہ انصار قبول اسلام سے قبل مناة طاعیہ (بت) کے نام کا تلبیہ پکارتے، جس کی وہ مشعل پہاڑی پر عبادت کرتے تھے اور پھر کہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الحج باب وجوب الصفا والمروة) بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت (اساف) اور مروہ پہاڑی پر (نائلہ) بت رکھا ہوا تھا، جنہیں وہ سعی کے دوران بوسہ دیتے یا چھوتے۔ جب وہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو، کیوں کہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور غلطی کو دور فرمادیا۔ اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (البر القایر)۔

يَلْعَنَهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿٥١﴾

کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔^(۱)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَإُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٢﴾

۱۶۰۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَّاؤُوا وَهُمْ أَكْثَرُ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٥٣﴾

۱۶۱۔ یقیناً جو کفار اپنے کفر میں ہی مرجائیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔^(۲)

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُونَ عَنْهُمْ عَذَابٌ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٥٤﴾

۱۶۲۔ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٥٥﴾

۱۶۳۔ اور تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں^(۳) وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاعْتِلَافِ الْيَبَلِ وَالنَّهَارِ وَاللَّيْلِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ مِمَّا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ

۱۶۴۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر، مردہ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں انہیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: «مَنْ سَتَلَ عَنْ عِلْمِ فَكَّتَمَهُ، أَلْجَمَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ» (ابوداؤد، کتاب العلم، باب کراهية منع العلم، وسنن ترمذي حديث: ۶۵۱ وقال حديث حسن) ”جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کا اس کو علم تھا اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آگ کی لگام اس کے منہ میں دے گا۔“

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے، لیکن ان کے علاوہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ گار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ ممکن ہے مرنے سے پہلے اس نے توبہ نصوح کر لی ہو، یا اللہ نے اس کے دیگر نیک اعمال کی وجہ سے اس کی غلطیوں پر قلم غفو پھیر دیا ہو، جس کا علم ہمیں نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتکبین کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ یہ لعنت والے کام کر رہے ہیں، ان سے اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو یہ بارگاہ الہی میں ملعون قرار پاسکتے ہیں۔

۳۔ اس آیت میں پھر دعوت توحید دی گئی ہے۔ یہ دعوت توحید مشرکین مکہ کے لیے ناقابل فہم تھی، انہوں نے کہا: ﴿اجْعَلِ الْإِلَهَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (سن: ۵) (کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنادیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے!)۔ اس لیے اگلی آیت میں اس توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

زمین کو زندہ کر دینا،^(۱) اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں غفلتوں کے لیے قدرت الہی کی نشانیاں ہیں۔

۱۶۵۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے^(۲) اور ایمان والے اللہ کی محبت

الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَيْنَ فُجَاءٍ مِنْ كُلِّ دَاكِكَةٍ
وَوَكَّافٍ رِيحِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَتَى لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳۶﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَكْفُرُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا
يُخَوِّفُهُمْ كَذِبَ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ
يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ

۱۔ یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے، جو کسی اور آیت میں نہیں۔

(۱) آسمان اور زمین کی پیدائش، جن کی وسعت و عظمت محتاج بیان ہی نہیں۔

(۲) رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کر دینا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی۔ پھر رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔

(۳) سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور ٹنوں کے حساب سے سامان رزق و آسائش بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔

(۴) بارش جو زمین کی شادابی و روئیدگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

(۵) ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، جو نقل و حمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام میں آتے ہیں اور انسانی خوراک کی بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔

(۶) ہر قسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی، گرم بھی، بار آور بھی اور غیر بار آور بھی، شرقی غربی بھی اور شمالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی اور ان کی ضروریات کے مطابق۔

(۷) بادل جنہیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تخلیق میں اور اس نظم و تدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود اور حاجت روا سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

۲۔ مذکورہ دلائل واضح اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے، انہوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا مامی و پلا اور قبلہ حاجت بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح کھلتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی، جس

يَلَهُ جِيبًا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٦﴾

میں بہت سخت ہوتے ہیں^(۱) کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔

إِذْ تَبَرَأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا رَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٧﴾

۱۶۶۔ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةٌ فَمَتَّ بَرَاءَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا وَأَمَّا كَذَبُ الْكَافِرِينَ اللَّهُ أَعْمَا لَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَأَمْ يَحْجِرُونَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٨﴾

۱۶۷۔ اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا ان کو حسرت دلانے کو، اور یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے۔^(۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٩﴾

۱۶۸۔ لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو،^(۳) وہ تمہارا کھلا

کا نقشہ اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے: ﴿وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَسْمَعُونَ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَسْمَعُونَ﴾ (الزمر: ۳۵) (اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل سکر جاتے ہیں، اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں)۔ اَسْمَعَتْ، دلوں کا ٹنگ ہونا۔

۱۔ تاہم اہل ایمان کو مشرکین کے برعکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر وغیرہ میں پھنس جاتے ہیں تو وہاں انہیں اپنے معبود بھول جاتے ہیں اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ ﴿فَإِذَا دُكِّرُوا نَفَى الْفَلَاحُ دَعَا اللَّهُ عَالِيَيْنَ لَهُ الدِّينَ﴾ (العنکبوت: ۲۵) ﴿وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَاجٌ كَافُظٌ دَعَا اللَّهَ عَالِيَيْنَ لَهُ الدِّينَ﴾ (القصص: ۳۲) ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ كَانُوا يَسْمَعُونَ دَعَا اللَّهَ عَالِيَيْنَ لَهُ الدِّينَ﴾ (یونس: ۲۲) ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین سخت مصیبت میں مدد کے لیے صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔

۲۔ آخرت میں پیروں اور گدی نشینوں کی بے بسی اور بے وفائی پر مشرکین حسرت کریں گے لیکن وہاں اس حسرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کاش دنیا میں ہی وہ شرک سے توبہ کر لیں۔

۳۔ یعنی شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام مت کرو۔ جس طرح مشرکین نے کیا کہ اپنے بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو وہ حرام کر لیتے تھے، جس کی تفصیل سورۃ الانعام میں آئے گی۔ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ

ہوا دشمن ہے۔

۱۶۹۔ یقیناً وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔

۱۷۰۔ اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔^(۱)

۱۷۱۔ اور کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں۔^(۲)

۱۷۲۔ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔^(۳)

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالشُّعْرِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَىٰ
اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾

وَإِذِ اقْبَلْ لَهُمْ الشَّيْعُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ قَالَوَابِلْ
نَبِيْعُهُمَ مَا لَفَيْنَا عَلَيْهِ أَبَاءَهُ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَدْعُو بِمَا لَا
يَسْمَعُ إِلَّا دَعْوًا وَهِيَ أَصْحَابُكُمْ عُمَىٰ قَهْمٌ
لَّا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ
وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾

نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا، پس شیطانوں نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ اس نے ان پر حرام کر دیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار)۔

۱۔ آج بھی اہل بدعت کو سمجھایا جائے کہ ان بدعات کی دین میں کوئی اصل نہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ رسمیں تو ہمارے آباء و اجداد سے چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ آباء و اجداد بھی دینی بصیرت سے بے بہرہ اور بدایت سے محروم رہ سکتے ہیں، اس لیے دلائل شریعت کے مقابلے میں آباء پرستی یا اپنے ائمہ و علماء کی اتباع غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالے۔

۲۔ ان کافروں کی مثال جنہوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل و فہم کو معطل کر رکھا ہے، ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے، وہ جانور آواز تو سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح یہ متقلدین بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں کہ حق کے دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید و سنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔

۳۔ اس میں اہل ایمان کو ان تمام پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم ہے جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے

۱۷۳۔ تم پر مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے^(۱) پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا

إِنْسَاحَهُ عَلَيْكُمْ الْهَيْبَةُ وَالذَّمُّ وَلَحْمُ الْخَنَازِيرِ وَمَا أَهْلُ بِهِ لَعَنَ اللَّهُ فَمَنْ أَصْطَفَىٰ غَيْرَ بَآءٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

کی تاکید ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں ہی پاک اور طیب ہیں، حرام کردہ اشیاء پاک نہیں، چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں (جیسے اہل یورپ کو سور کا گوشت بڑا مرغوب ہے)، دوسرا یہ کہ بتوں کے نام پر منسوب جانوروں اور اشیاء کو مشرکین اپنے اوپر جو حرام کر لیتے تھے (جس کی تفصیل سورۃ الانعام میں ہے) مشرکین کا یہ عمل غلط ہے اور اس طرح ایک حلال چیز حرام نہیں ہوتی، تم ان کی طرح ان کو حرام مت کرو (حرام صرف وہی ہیں جس کی تفصیل اس کے بعد والی آیت میں ہے)، تیسرا یہ کہ اگر تم صرف ایک اللہ کے عبادت گزار ہو تو ادائے شکر کا اہتمام کرو۔

۱۔ اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اسے کلمہ حصر (انما) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں، جب کہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں۔ اس لیے اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حصر ایک خاص سیاق میں آیا ہے، یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو صرف یہ یہ ہیں۔ اس لیے یہ حصر اضافی ہے، یعنی اس کے علاوہ بھی دیگر محرمات ہیں جو یہاں مذکور نہیں۔ دوسرے حدیث میں دو اصول جانوروں کی حلت و حرمت کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں، وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہئیں۔ درندوں میں ذوناب (وہ درندہ جو کچیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذومخالب (جو پنچے سے شکار کرے) حرام ہیں۔ تیسرے: جن جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے مثلاً لکڑھا، کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ اور دین میں حجت ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے، نہ کہ حدیث کو نظر انداز کر کے، صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے، جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی حادثے سے (جسکی تفصیل سورۃ المائدہ میں ہے) مر گیا ہو۔ یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو، مثلاً گلا گھونٹ دیا جائے، یا پتھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے، یا جس طرح آج کل مشینی ذبح کا طریقہ ہے جس میں جھکے سے مارا جاتا ہے۔ البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیے گئے ہیں۔ ایک مچھلی، دوسری مڈی، وہ اس حکم میتہ سے مستثنیٰ ہیں۔ خون سے مراد دم مسفوح ہے یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلتا اور بہتا ہے۔ گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے۔ یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں: بکچی اور تلی۔ خنزیر یعنی سور کا گوشت، یہ بے غیرتی میں بدترین جانور ہے، اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے، وَمَا أَهْلُ وہ جانور یا کوئی اور چیز جسے غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ جیسے مشرکین عرب لات و عزی وغیرہ کے ناموں پر ذبح کرتے تھے، یا آگ کے نام پر، جیسے مجوسی کرتے تھے۔

اور اسی میں وہ جانور بھی آجاتے ہیں جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت و محبت، ان کی خوشنودی و تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے، قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں، یا مجادین کو بزرگوں

اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

۱۷۴۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقیناً مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۷۵۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں۔

۱۷۶۔ ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب اتاری اور اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيُسْتَرُونَ بِهِ شِمًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْمُرُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الصَّلَاةَ يَاهْدَىٰ وَالْعَذَابُ يَلْمِغْفِرُ لَوْ كُنَّا صَبَرْنَا عَلَى النَّارِ

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَوَلَّى الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ

کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں مثلاً ”داتا“ صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یہاں جمع کرائے جائیں)، ان جانوروں کو، چاہے ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ حرام ہی ہوں گے۔ کیوں کہ اس سے مقصود، رضائے الہی نہیں، رضائے اہل قبور اور تعظیم لغیر اللہ، یا خوف یا رجا من غیر اللہ (غیر اللہ سے مافوق الاسباب طریقے سے ڈر یا امید) ہے، جو شرک ہے۔ اسی طریقے سے جانوروں کے علاوہ جو اشیا بھی غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی، حرام ہوں گی، جیسے قبروں پر لے جا کر یا وہاں سے خرید کر، قبور کے ارد گرد فقراء و مساکین پر دیگوں اور لنگروں کی، یا مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم، یا وہاں صندوقچی میں نذر و نیاز کے پیسے ڈالنا، یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا، یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں، کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی صورتیں ہیں اور نذر بھی نماز، روزہ وغیرہ عبادت کی طرح، ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے: ”مَلْعُونٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ“۔ (صحیح الجامع الصغیر و زیادۃ البانی - ج ۳ ص: ۱۰۳۳) ”جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا، وہ ملعون ہے۔“

تفسیر عزیزی میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری ہے: ”أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً، يُرِيدُ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ، صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ“۔ (تفسیر عزیزی ص: ۶۱۱ بحوالہ اشرف الجواہری) ”علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔“

لَيْسَ إِلَٰهٌ إِلَّا هُوَ يُقَدِّرُ الصَّاعِدَ وَالسَّاعِدَ
 وَالْمُعْرِبَ وَالْمُعْزِبَ وَلَٰكِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَآخِذٌ
 بِالْحَبَرِ ۚ إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَ خَاسِرٌ
 عَلَىٰ حُبِّهِ ۖ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّالِمِينَ
 وَأَبْنَاءَ السَّبِيلِ ۚ وَالسَّائِلِينَ ۖ فِي الرِّقَابِ
 وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَىٰ الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُقْرِنُونَ يُعَذِّبُهُمْ
 إِذَا عَلِمُوا سِوَا الطَّيِّبِينَ فِي الْبِئْسَاءِ
 وَالضَّرَاءِ ۚ وَجَنَّ الْبَائِسَ الْوَلِيدَ ۚ
 صَدَقُوا ۚ وَلِلَّهِ هُمُ الْمُنْفَعُونَ ﴿۷۰﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي
 الْقَتْلِ ۚ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ۚ وَالْأُنثَىٰ
 بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ

۱۷۷۔ ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں^(۱) بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قربت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگ دستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔

۱۷۸۔ اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، اور عورت عورت کے بدلے۔^(۲) ہاں جس کسی کو اس کے

۱۔ یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ ایک تو یہودی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مغربی حصہ ہے) اور نصاریٰ اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مشرقی حصہ ہے) بڑی اہمیت دے رہے تھے اور اس پر فخر کر رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تحویل قبلے پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے، جس سے بعض مسلمان بھی بعض دفعہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال و اخلاق کو اپنانا ہے جس کی تاکید اس نے فرمائی ہے۔ پھر آگے ان عقائد و اعمال کا بیان ہے۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اسے اپنی ذات و صفات میں یکتا، تمام عیوب سے پاک و منزہ اور قرآن و حدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی تاویل یا تعطیل یا تکفیف کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزاء ہونے، حشر و نشر اور جنت و دوزخ پر یقین رکھا جائے۔ الْكِتَابِ سے مراد تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام پیغمبروں پر یقین رکھا جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ عَلٰی حُبِّہ میں (۵) ضمیر مال کی طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ الْبِئْسَاءِ سے تنگ دستی اور شدت فقر، الضَّرَّاءِ سے نقصان یا بیماری اور الْبِئْسَ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر کرنا، یعنی احکامات الہیہ سے سرمو انحراف نہ کرنا نہایت کٹھن ہوتا ہے اس لیے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

۲۔ زمانہ جاہلیت میں کوئی نظم اور قانون تو تھا نہیں، اس لیے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے، ظلم و جور کا ارتکاب کر لیتے۔ ظلم کی ایک شکل یہ تھی کہ کسی طاقتور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کے

يَا بَعْزُوفٍ وَاذْكُرْ لِيَوْمِ يَأْتِيَنَّكَ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ رَبِّكَ وَرَحْمَةٌ مِّنْ أَعْتَدَ لِيَوْمِ يَأْتِيَنَّكَ ذَٰلِكَ فَكُلْهُ عَذَابٌ لِّكَ ۝

بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔^(۱) تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے^(۲) اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہو گا۔^(۳)

بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو، بلکہ بسا اوقات پورے قبیلے ہی کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قاتل ہو گا، قصاص (بدلے) میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدلے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدلے میں وہی غلام اور عورت ہے تو بدلے میں وہی عورت ہی قتل کی جائے گی، نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد، یا ایک مرد کے بدلے میں متعدد مرد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں کوئی عورت قتل کی جائے گی، یا عورت مرد کو قتل کر دے تو کسی مرد کو قتل کیا جائے گا (جیسا کہ ظاہری الفاظ سے مفہوم نکلتا ہے) بلکہ یہ الفاظ شان نزول کے اعتبار سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، چاہے مرد ہو یا عورت، طاقور ہو یا کزور۔ ﴿الْمُسْلِمُونَ تَتَكَفَّأُ دِمَآؤُهُمْ﴾ - الحدیث (سنن أبي داود، کتاب الجہاد، باب فی السریۃ ترد علی اہل العسکر) ”تمام مسلمانوں کے خون (مرد ہو یا عورت) برابر ہیں۔“ گویا آیت کا وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم کی دوسری آیت، ﴿النَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ (المائدہ: ۳۵) کا ہے۔ احتساب نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور علماء اس کے قاتل نہیں، کیوں کہ حدیث میں وضاحت ہے: ﴿لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ﴾ (صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب لا یقتل المسلم بالکافر) ”مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا“ (فتح القدیر مزید دیکھیے آیت ۳۵، سورۃ المائدہ)۔

۱. معافی کی دو صورتیں ہیں: ایک بغیر معاوضہ مالی یعنی دیت لیے بغیر ہی محض رضائے الہی کے لیے معاف کر دینا، دوسری صورت، قصاص کے بجائے دیت قبول کر لینا، اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جا رہا ہے کہ طالب دیت بھلائی کا اتباع کرے۔ ﴿وَاذْكُرْ لِيَوْمِ يَأْتِيَنَّكَ ذَٰلِكَ﴾ میں قاتل کو کہا جا رہا ہے کہ بغیر تنگ کیے اچھے طریقے سے دیت کی ادائیگی کرے۔ اولیائے مقتول نے اس کی جان بخشی کر کے اس پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے۔ ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرہمن: ۶۰)۔

۲. یہ تخفیف اور رحمت (یعنی قصاص، معافی یا دیت تین صورتیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل اہل تورات کے لیے قصاص یا معافی تھی، دیت نہیں تھی اور اہل انجیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی تھی، قصاص تھا نہ دیت۔ (ابن کثیر)۔

۳. قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کر دے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھگتنی ہوگی۔

۱۷۹۔ اور غفلندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اس کے باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے۔^(۱)

۱۸۰۔ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے،^(۲) پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔

۱۸۱۔ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا، واقعی اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

۱۸۲۔ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے^(۳) پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کر اے تو اس پر گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنكَرَ بَعْدَ الْكَيْدِ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوَصِّ جَفَاً أَوْ أَثَمًا فَاصْدَمْ بِهِمْ فَلَا تُؤْثَمُ عَلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾

۱۔ جب قاتل کو یہ خوف ہوگا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرات نہیں ہوگی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے، وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل و خونریزی سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جاسکتا ہے جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات الحمد للہ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو یہ پرسکون زندگی مہیا کر سکیں۔

۲۔ وصیت کرنے کا یہ حکم آیت موارثہ کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔ اب یہ منسوخ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے ”إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَىٰ لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِّوَارِثٍ“ (آخرجہ الترمذی) ”اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی ورثاء کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں“ البتہ اب ایسے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں، یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لیے کی جاسکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثلث (ایک تہائی) مال ہے، اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔ (صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب میراث البنات)

۳۔ جَفَاً (مائل ہونا) کا مطلب ہے غلطی یا بھول سے کسی ایک رشتہ دار کی طرف زیادہ مائل ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرے اور اِثْمًا سے مراد ہے جان بوجھ کر ایسا کرے (ایبرہہ التفاسیر) یا اِثْمًا سے مراد گناہ کی وصیت ہے جس کا بدلنا اور اس پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں عدل و انصاف کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ظلم کا ارتکاب، اس کے اخروی نجات کے نقطہ نظر سے سخت خطرناک ہے۔

۱۸۳۔ اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔^(۱)

۱۸۴۔ گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کر لے^(۲) اور اس کی طاقت رکھنے والے^(۳) فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں، پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لیے بہتر ہے^(۴) لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم با علم ہو۔

۱۸۵۔ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا^(۵) جو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

إِنَّمَا مَعَدُّهُ ذِكْرٌ لِّمَن كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ مَّن تَطَوَّعَ خَيْرٌ أَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۸۴﴾

شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى

۱۔ صِيَامٌ، صَوْمٌ (روزہ) کا مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ہم بستری کرنے سے، اللہ کی رضا کے لیے، رکے رہنا، یہ عبادت چونکہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے اسے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

۲۔ یہ بیمار اور مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان المبارک میں جتنے روزے نہ رکھ سکے ہوں، وہ بعد میں رکھ کر گنتی پوری کر لیں۔

۳۔ يُطِيقُونَهُ کا ترجمہ يَتَجَشَّسُونَهُ ”نہایت مشقت سے روزہ رکھ سکیں“ کیا گیا ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، امام بخاری نے بھی اسے پسند کیا ہے) یعنی جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری کی وجہ سے، جس سے شفا یابی کی امید نہ ہو، روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے، وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے، لیکن جمہور مفسرین نے اس کا ترجمہ ”طاقت رکھتے ہیں“ ہی کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزے کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے طاقت رکھنے والوں کو بھی رخصت دے دی گئی تھی کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔ لیکن بعد میں ﴿مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ کے ذریعے اسے منسوخ کر کے ہر صاحب طاقت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے، دائمی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں اور حَامِلَةٌ (حمل والی) اور مُرْضِعَةٌ (دودھ پلانے والی) عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ مریض کے حکم میں ہوں گی یعنی وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزے کی قضا کریں۔ (تحفة الأحوذي شرح الترمذی)۔

۴۔ جو خوشی سے ایک مسکین کی بجائے دو یا تین مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

۵۔ رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہو گیا، بلکہ یہ ہے کہ رمضان

لِلنَّاسِ وَبَيَّنَّتْ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا
أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ
لِتُكْبِرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵﴾

لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی
اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو
شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے، ہاں جو بیمار
ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی
چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی
کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ
کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس
کا شکر کرو۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا
بِئَنِّي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۶﴾

۱۸۶۔ اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ
سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب
ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے
قبول کرتا ہوں^(۱) اس لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ

کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بَيْتُ الْعِزَّةِ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات
۲۳ سالوں تک اترتا رہا۔ (ابن کثیر) اس لیے یہ کہنا کہ قرآن رمضان میں، یا لیلیۃ القدر، یا لیلیۃ مبارکہ میں اترتا۔ یہ سب
صحیح ہے کیوں کہ لوح محفوظ سے تو رمضان میں ہی اترتا ہے اور لیلیۃ القدر اور لیلیۃ مبارکہ یہ ایک ہی رات ہے یعنی قدر کی
رات، جو رمضان میں ہی آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی
وحی، جو غار حرا میں آئی، وہ رمضان میں آئی۔ اس اعتبار سے قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گہرا
تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا کرتے تھے اور جس
سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی آپ ﷺ نے رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا رمضان کی تین راتوں
(۲۳، ۲۴، ۲۵ اور ۲۷) میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو باجماعت قیام اللیل بھی کرایا، جس کو اب تراویح کہا جاتا ہے (صحیح
ترمذی و صحیح ابن ماجہ، البانی) یہ تراویح اٹھ رکعات مع وتر گیارہ رکعات تھیں جس کی صراحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (جو
قیام اللیل مروزی وغیرہ میں ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (صحیح بخاری) میں موجود ہے۔ نبی ﷺ کا ۲۰ رکعات
تراویح پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا
ثابت ہے اس وجہ سے محض نقل کی نیت سے بیس رکعتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھی جاسکتی ہیں۔

۱۔ رمضان المبارک کے احکام و مسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی
فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتلایا گیا ہے (مسند احمد،
ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بخاری ابن کثیر) تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن

میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

۱۸۷۔ روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال کیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا، اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے، تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔^(۱) پھر رات تک روزے کو پورا کرو^(۲) اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔^(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، تم ان کے قریب

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَكَلَّمَ عَلَيْكُمْ وَعَقَاكُمْ قَالِئْنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَبْكِينَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتَبُوا الصِّيَامَ إِلَىٰ الْكَلِيلِ وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَلَيْكُمْ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں: ایک اللہ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت و فرمانبرداری۔ اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع و خضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۔ ابتدائے اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشاء کی نماز یا سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ظاہر بات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اٹھالیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ الرَّفَثُ سے مراد بیوی سے ہم بستری کرنا ہے الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ سے صبح صادق، اور الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے۔ (ابن کثیر)

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں روزہ رکھا جاسکتا ہے، کیوں کہ فجر تک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ امور کی اجازت دی ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

۲۔ یعنی رات ہوتے ہی (غروب شمس کے فوراً بعد) روزہ افطار کرلو۔ تاخیر مت کرو، جیسا کہ حدیث میں بھی روزہ جلد افطار کرنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وصال مت کرو۔ وصال کا مطلب ہے ایک روزہ افطار کیے بغیر دوسرا روزہ رکھ لینا۔ اس سے نبی ﷺ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ (کتاب حدیث)

۳۔ اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ ﴿عَلَيْكُمْ فِي الْمَسْجِدِ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا ہے۔ اس لیے عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا صحیح نہیں۔ البتہ مسجد میں

بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ سمجھیں۔

۱۸۸۔ اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، اور نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔^(۱)

۱۸۹۔ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے اور (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں، بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ اور گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو^(۲) اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

۱۹۰۔ اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو،^(۳) اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
وَتَذْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا قَرِيبًا
مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِإِلَاحِهِمْ وَأَنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ
لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْكُلُوا
الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ
اتَّقَىٰ وَأَتَىٰ الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ
يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ

ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے، تاکہ مردوں سے کسی طرح کا اختلاط نہ ہو، جب تک مسجد میں معقول، محفوظ اور مردوں سے بالکل الگ انتظام نہ ہو، عورتوں کو مسجد میں اعتکاف کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے اور عورتوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک نفلی عبادت ہی ہے، جب تک پوری طرح تحفظ نہ ہو، اس نفلی عبادت سے گریز بہتر ہے۔ فقہ کا اصول ہے: دَرْءُ الْمَفَاسِدِ يُقَدِّمُ عَلَىٰ جَلْبِ الْمَصَالِحِ۔ مصالح کے حصول کے مقابلے میں مفاسد سے بچنا اور ان کو ٹالنا زیادہ ضروری ہے۔

۱۔ ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو، لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کر لے۔ یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔ یہ ظالم عند اللہ مجرم ہو گا۔ (ابن کثیر)

۲۔ انصار اور دوسرے عرب جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے اور پھر کسی خاص ضرورت کے لیے گھر آنے کی ضرورت پڑ جاتی تو دروازے سے آنے کی بجائے پیچھے سے دیوار بھلانگ کر اندر آتے، اس کو وہ نیکی سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے (البر القابیر)

۳۔ اس آیت میں پہلی مرتبہ ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں سے آمادہ قتل رہتے تھے۔ تاہم

کو پسند نہیں فرماتا۔

۱۹۱۔ اور انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے^(۱) اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو^(۲) کافروں کا بدلہ یہی ہے۔

۱۹۲۔ اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔
۱۹۳۔ اور ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے، اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔

۱۹۴۔ حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں اولے بدلے کی

لَا يُحِبُّ الْمُعَذِّبِينَ ۝

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ يَقْبَهُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

وَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ بِلَهُ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدَاوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ

زیادتی سے منع فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مثلہ مت کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو، اسی طرح درخت وغیرہ جلائے، یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مارڈالنا بھی زیادتی ہے، جن سے بچا جائے۔ (ابن کثیر) ۱۔ مکہ میں مسلمان چوں کہ کمزور اور منتشر تھے، اس لیے کفار سے قتال ممنوع تھا، ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ساری قوت مدینہ میں مجتمع ہو گئی تو پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ ابتداء میں آپ صرف انہی سے لڑتے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کرتے، اس کے بعد اس میں مزید توسیع کر دی گئی اور مسلمانوں نے حسب ضرورت کفار کے علاقوں میں بھی جاکر جہاد کیا۔ قرآن کریم نے اعتدائے (زیادتی کرنے) سے منع فرمایا، اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو تاکید فرماتے کہ خیانت، بدعہدی اور مثلہ نہ کرنا، نہ بچوں، عورتوں اور گرجوں میں مصروف عبادت و درویشوں کو قتل کرنا۔ اسی طرح درختوں کے جلانے اور حیوانات کو بغیر کسی مصلحت کے مارنے سے بھی منع فرماتے (ابن کثیر - بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ) ﴿حَيْثُ يَقْبَهُوهُمْ﴾ (جہاں بھی پاؤ) کا مطلب ہے تَمَكَّنْتُمْ مِنْ قِتَالِهِمْ ان کو قتل کرنے کی قدرت تمہیں حاصل ہو جائے (ابن القایم) ﴿وَمِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ﴾ یعنی جس طرح کفار نے تمہیں مکہ سے نکالا تھا، اسی طرح تم بھی ان کو مکہ سے نکال باہر کرو۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انہیں مدت معاہدہ ختم ہونے کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ فتنہ سے مراد، کفر و شرک ہے۔ یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ حدود حرم میں قتال منع ہے، لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔

يَوْمَئِذٍ مَا عَمَلْتُمْ عَلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ اللَّهُ
وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۵﴾

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تَقْلُوا يَدَيَكُمْ إِلَى
الْهَلَكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۶﴾

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا
اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِفُوا بِرُءُوسِكُمْ حَتَّى
يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ
أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَعِدَّتُهُ مِنْ ضَعْفٍ أَوْ صَدَقَةٍ

ہیں^(۱) جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل
زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو
اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

۱۹۵۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں
ہلاکت میں نہ پڑو^(۲) اور سلوک واحسان کرو، بے شک
اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۱۹۶۔ اگر حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو،^(۳) ہاں
اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کر ڈالو^(۴)
اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی قربان گاہ تک
نہ پہنچ جائے^(۵) البتہ تم میں سے جو بیمار ہو، یا اس کے

۱۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے، لیکن کفار مکہ نے انہیں
مکہ نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آسکیں گے۔ یہ
ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دوسرے سال مسلمان حسب معاہدہ اسی مہینے میں
عمرہ کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس
مہینے کی حرمت پھال کر کے (گزشتہ سال کی طرح) تمہیں مکے میں جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر
انداز کر کے ان سے بھرپور مقابلہ کرو۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدلہ ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو
بصورت دیگر تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ۔ (ابن کثیر)

۲۔ اس سے بعض لوگوں نے ترک انفاق، بعض نے ترک جہاد اور بعض نے گناہ پر گناہ کیے جانا مراد لیا ہے۔ اور یہ ساری
ہی صورتیں ہلاکت کی ہیں، جہاد چھوڑ دو گے، یا جہاد میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرو گے تو یقیناً دشمن قوی ہو گا اور
تم کمزور۔ نتیجہ تباہی ہے۔

۳۔ یعنی حج یا عمرے کا احرام باندھ لو تو پھر اس کا پورا کرنا ضروری ہے، چاہے نفلی حج و عمرہ ہو۔ (البر القاسم)

۴۔ اگر راستے میں دشمن یا شدید بیماری کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے تو ہدیٰ ایک کبری یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ جو بھی میسر ہو۔
وہیں ذبح کر کے سر منڈوا لو اور حلال ہو جاؤ، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہیں حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کی تھیں اور
حدیبیہ حرم سے باہر ہے (بخاری) اور آئندہ سال اس کی قضاء دو جیسے نبی ﷺ نے ۶ ہجری والے عمرہ کی قضاء ۷ ہجری میں دی۔

۵۔ اس کا عطف ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ﴾ پر ہے اور اس کا تعلق حالت امن سے ہے، یعنی امن کی حالت میں اس وقت تک سر
نہ منڈواؤ (احرام کھول کر حلال نہ ہو) جب تک تمام مناسک حج پورے نہ کر لو۔

أَوْسُكٍ إِذَا أَمِنْتُمْ مَنَّكُمْ يَأْتِيهِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَبَسَّرَ مِنَ الْهَدْيِ قَبْلَ أَنْ يَجِدَ قَبِيْلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْكُمْ عَشْرًا كَامِلَةً ذَلِكَ لِمَنْ كَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْقَوْلُ لِلَّهِ وَعَلَيْكُمْ أَوَّانٌ اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈوالے) تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے، خواہ قربانی کرے^(۱) پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے توج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں^(۲)، یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں،^(۳) لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

۱۹۷۔ حج کے مہینے مقرر ہیں^(۴) اس لیے جو شخص ان میں

الْحَجَّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ قَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ

۱۔ یعنی اس کو ایسی تکلیف ہو جائے کہ سر کے بال منڈوانے پڑ جائیں تو اس کا فدیہ ضروری ہے۔ حدیث کی رو سے ایسا شخص ۶ مہینوں کو کھانا کھلا دے، یا ایک بکری ذبح کر دے، یا تین دن کے روزے رکھے۔ روزوں کے علاوہ پہلے دو فدیوں کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کھانا اور خون مکہ میں ہی دے، بعض کہتے ہیں کہ روزوں کی طرح اس کے لیے بھی کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اسی رائے کی تائید کی ہے۔ (فتح القدیر)

۲۔ حج کی تین قسمیں ہیں: إفراد، صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ قِرَان، حج اور عمرہ دونوں کی نیت کر کے احرام باندھنا۔ ان دونوں صورتوں میں تمام مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔ حَجٌّ تَمَتُّعٌ، اس میں بھی حج و عمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے، لیکن پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ کر کے احرام کھول دیا جاتا ہے اور پھر ۸ ذوالحجہ کو حج کے لیے مکہ سے ہی دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے، تمتع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ گویا درمیان میں احرام کھول کر فائدہ اٹھالیا جاتا ہے۔ حج قرآن اور حج تمتع دونوں میں ایک ہدی (یعنی ایک بکری یا بھیر اونٹ یا گائے کے ساتویں حصے) کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس آیت میں اسی حج تمتع کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ تمتع حسب طاقت ۱۰ ذوالحجہ کو ایک جانور کی قربانی دے، اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے گھر جاکر رکھے۔ ایام حج، جن میں روزے رکھنے ہیں، ۹ ذی الحجہ (یوم عرفات) سے پہلے، یا ایام تشریق ہیں۔ (فتح القدیر)

۳۔ یعنی تمتع اور اس کی وجہ سے ہدی یا روزے صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، مراد اس سے حدود حرم میں یا اتنی مسافت پر رہنے والے ہیں کہ ان کے سفر پر قصر کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر)

۴۔ اور یہ ہیں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔ مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال میں ہر وقت جائز ہے، لیکن حج صرف مخصوص دنوں میں ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کا احرام حج کے مہینوں کے علاوہ باندھنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

مسئلہ: حج قرآن یا افراد کا احرام اہل مکہ، مکہ کے اندر سے ہی باندھیں گے۔ البتہ حج تمتع کی صورت میں عمرے کے احرام

فَلَا رَفْعَ وَلَا فَسْخَ وَلَا كَيْدَ إِلَّا فِي الْحَبِّ وَمَا تَعْلَمُونَ
مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزُودُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ
التَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا يَأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۸۹﴾

حج لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے،^(۱) تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے^(۲) اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔

۱۹۸۔ تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں^(۳) جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔^(۴)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا
اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوا كَمَا
هَدَىٰكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَيِّنَ
الصَّالِينَ ﴿۹۰﴾

کے لیے حرم سے باہر حل میں جانا ان کے لیے ضروری ہے۔ (فتح الباری، کتاب الحج وأبواب العمرة وموطأ إمام مالك) اسی طرح آفاقی لوگ حج تمتع میں ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے ہی احرام باندھیں گے۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک اہل مکہ کو عمرے کے احرام کے لیے حدود حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے وہ ہر طرح کے حج اور عمرے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔

تنبیہ: حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے صرف دو قسم کے عمرے ثابت ہیں۔ ایک وہ جو حج تمتع کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اور دوسرا وہ عمرہ مفردہ جو ایام حج کے علاوہ صرف عمرے کی نیت سے ہی سفر کر کے کیا جائے۔ باقی حرم سے جا کر کسی قریب ترین حل سے عمرے کے لیے احرام باندھ کر آنا غیر مشروع ہے۔ (الایہ کہ جن کے احوال و ظروف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے ہوں) (زاد المعاد - ج ۲، طبع جدید) نوٹ: حدود حرم سے باہر کے علاقے کو حل اور بیرون میقات سے آنے والے حجاج کو آفاقی کہا جاتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے «مَنْ حَجَّ لِلَّهِ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَقْسُقْ؛ رَجَعَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»۔ (صحیح البخاری، کتاب المحصر، باب قول الله عز وجل فلا رفث) "جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق و فجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔"
۲۔ تقویٰ سے مراد یہاں سوال سے بچنا ہے۔ بعض لوگ بغیر زاد راہ لیے حج کے لیے گھر سے نکل پڑتے اور کہتے کہ ہمارا اللہ پر توکل ہے۔ اللہ نے توکل کے اس مفہوم کو غلط قرار دیا اور زاد راہ لینے کی تاکید فرمائی۔

۳۔ فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔ ۹ ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا سب سے اہم رکن ہے، جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے۔ «الْحَجُّ عَرَفَةُ» (عرفات میں وقوف ہی حج ہے) یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے، بلکہ

۱۹۹۔ پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں^(۱) اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۰۰۔ پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ^(۲) بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

۲۰۱۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے^(۳) اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔

ثُمَّ أَفْبَحُوا مِنْ حَدِيثِ أَقَاصِ النَّاسِ
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

فَإِذَا أَقَضْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَادْكُرُوا
اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ إِشْرَافَكُمْ
النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعت (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے، کیوں کہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الہی کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے، فجر کی نماز عکس (اندھیرے) میں یعنی اول وقت میں پڑھ کر طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہا جائے، طلوع آفتاب کے بعد منیٰ جایا جائے۔

۱۔ مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عرفات جانا اور وہاں وقوف کر کے واپس آنا ضروری ہے، لیکن عرفات چونکہ حرم سے باہر ہے اس لیے قریش مکہ عرفات تک نہیں جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے، چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹ کر آتے ہیں وہیں سے لوٹ کر آؤ یعنی عرفات سے۔

۲۔ عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منیٰ میں میل لگاتے اور آباء و اجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے، مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ جب تم ۱۰ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، سرمٹ ڈالنے، طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منیٰ میں قیام کرنا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو، جیسے جاہلیت میں تم اپنے آباء کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

۳۔ یعنی اعمال خیر کی توفیق، یعنی اہل ایمان دنیا میں بھی دنیا طلب نہیں کرتے، بلکہ نیکی کی ہی توفیق طلب کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے۔ طواف کے دوران لوگ ہر چکر کی الگ الگ دعا پڑھتے ہیں جو خود ساختہ ہیں، ان کے بجائے طواف کے وقت یہی دعا ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھنا مسنون عمل ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳۰﴾

وَأَذْكُرُوا لِلَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ
تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا أَثْمَرَ عَلَيْهِ وَمَنْ
تَأَخَّرَ فَلَا أَثْمَرَ عَلَيْهِ لِمَنْ اشْتَأَىٰ
وَأَتِمُّوا اللَّهَ وَعَلِمُوا أَنَّكُمْ تُخَسَّرُونَ ﴿۳۱﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۳۲﴾

وَإِذْ أَتَىٰ سَعْيٌ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُجِبُ الْفُسَادَ ﴿۳۳﴾

وَإِذْ قِيلَ لَهُ اتَّبِعِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ
بِالْأَنفِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَيْسَ الْبُهَادُ ﴿۳۴﴾

۲۰۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ
ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

۲۰۳۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں (ایام
تشریق) میں کرو، ^(۱) دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی
کوئی گناہ نہیں، اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ
نہیں، ^(۲) یہ پرہیزگار کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو
اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

۲۰۴۔ اور بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو
خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ
کرتا ہے، حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔ ^(۳)

۲۰۵۔ اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد
پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں
لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔

۲۰۶۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر
اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، ^(۴) ایسے کے لیے
بس جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔

۱۔ مراد ایام تشریق ہیں، یعنی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ۔ ان میں ذکر الہی، یعنی باواژ بلند تکبیرات مسنون ہیں، صرف فرض
نمازوں کے بعد ہی نہیں (جیسا کہ ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر مشہور ہے) بلکہ ہر وقت یہ تکبیرات پڑھی جائیں «اللہ
اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا اِلهَ اِلَّا اللهُ، واللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ
تکبیر پڑھنی مسنون ہے۔ (نیل الاوطار - ج: ۵ - ص: ۸۶)

۲۔ رمی جمار (جرات کو کنکریاں مارنا) ۳ دن افضل ہیں، لیکن اگر کوئی دو دن (۱۱، ۱۲ ذوالحجہ) کو کنکریاں مار کر منیٰ سے
واپس آجائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

۳۔ بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت ایک منافق اخضر بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن صحیح تر
بات یہ ہے کہ اس سے مراد سارے ہی منافقین اور متکبرین ہیں، جن میں یہ مذموم اوصاف پائے جائیں جو قرآن نے
اس کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔

۴۔ ﴿أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْأَنفِ﴾ تکبر اور غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے۔ عزت کے معنی غرور و انایت کے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ سَؤُوفُ يُالْوَبَادِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي
السَّلَامِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

فَإِن زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَ نَصْرُكُمُ
الْبَيِّنَاتِ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝
هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي
ظُلْمٍ مِّنَ الْعُمَامِ وَالْبَلَاكَةِ وَقُضِيَ

۲۰۷. اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی
رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں^(۱)
اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔
۲۰۸. اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل
ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو^(۲) بے شک
وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

۲۰۹. اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آجانے کے بھی
پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

۲۱۰. کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس
خود اللہ تعالیٰ ابر کے سانبانوں میں آجائے اور فرشتے

۱. یہ آیت، کہتے ہیں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو کافروں
نے کہا کہ یہ مال سب یہاں کا کمایا ہوا ہے، اسے ہم ساتھ نہیں لے جانے دیں گے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے یہ سارا مال
ان کے حوالے کر دیا اور دین ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا ”صہیب نے
نفع بخش تجارت کی ہے“ دو مرتبہ فرمایا (بخ اللہ) لیکن یہ آیت بھی عام ہے، جو تمام مومنین، متقین اور دنیا کے مقابلے
میں دین کو اور آخرت کو ترجیح دینے والوں کو شامل ہے، کیوں کہ اس قسم کی تمام آیات کے بارے میں، جو کسی خاص
شخص یا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئیں یہ اصول ہے: (العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب) یعنی لفظ کے
عموم کا اعتبار ہوگا، سب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس اخضر بن شریق (جس کا ذکر پچھلی آیت میں
ہوا) برے کردار کا ایک نمونہ ہے جو ہر اس شخص پر صادق آئے گا جو اس جیسے برے کردار کا حامل ہوگا اور صہیب رضی اللہ عنہ
خیر اور کمال ایمان کی ایک مثال ہیں ہر اس شخص کے لیے جو ان صفات خیر و کمال سے متصف ہوگا۔

۲. اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمہاری مصلحتوں
اور خواہشات کے مطابق ہوں، ان پر تو عمل کر لو اور دوسرے حکموں کو نظر انداز کر دو۔ اسی طرح جو دین تم چھوڑ
آئے ہو، اس کی باتیں اسلام میں شامل کرنے کی کوشش مت کرو، بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ۔ اس سے دین
میں بدعات کی بھی نفی کر دی گئی اور آج کل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی، جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لیے
تیار نہیں، بلکہ دین کو عبادات، یعنی مساجد تک محدود کرنا، اور سیاست اور ایوان حکومت سے دبلس نکالا دینا چاہتا ہے۔
اسی طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انہیں چھوڑنے
کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جیسے مرگ اور شادی بہاہ کی مسرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ
شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، جو تمہیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا، اور
برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کراتا ہے، تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمین میں پھنسے رہو۔

الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۰﴾

سَلِّ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنَ آيَاتِنَا
بِكِتَابَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ
مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱﴾

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ
الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۲﴾

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ

بھی، اور کام انتہاء تک پہنچا دیا جائے، ^(۱) اللہ ہی کی طرف
تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

۲۱۱۔ بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کس قدر
روشن نشانیاں عطا فرمائیں ^(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ
جان لے) ^(۳) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے۔

۲۱۲۔ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی
ہے، وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں، ^(۴) حالانکہ
پرہیز گار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے،
اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ ^(۵)

۲۱۳۔ دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے، ^(۶) اللہ تعالیٰ نے

۱۔ یہ یا تو قیامت کا منظر ہے جیسا کہ بعض تفسیری روایات میں ہے۔ (ابن کثیر) یعنی کیا یہ قیامت برپا ہونے کا انتظار کر
رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں اور بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے آئے
اور فیصلہ چکائے، تب وہ ایمان لائیں گے۔ لیکن ایسا اسلام قابل قبول ہی نہیں، اس لیے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو
اور فوراً اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔

۲۔ مثلاً عصائے موسیٰ، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جادو گروں کا توڑ کیا، سمندر سے راستہ بنایا، پتھر سے بارہ چشمے
جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من و سلویٰ کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل
تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے احکام الہی سے اعراض کیا۔

۳۔ نعت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلے انہوں نے کفر اور اعراض کا راستہ اپنایا۔

۴۔ چونکہ مسلمانوں کی اکثریت غریب پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم تھے، اس لیے کافر یعنی
قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے۔

۵۔ اہل ایمان کے فقر اور سادگی کا کفار جو استہزاء و تمسخر اڑاتے، اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن یہی فقراء
اپنے تقویٰ کی بدولت بلند و بالا ہوں گے۔ ”بے حساب روزی“ کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں
کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقراء پر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیے، جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔

۶۔ یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام، یعنی دس صدیوں تک لوگ توحید پر، جس کی تعلیم انبیاء دیتے
رہے، قائم رہے۔ آیت میں مفسرین صحابہ نے فَاخْتَلَفُوا محذوف مانا ہے، یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے

نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ اور صرف ان ہی لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی، اپنے پاس دلائل آپکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا^(۱) اس لیے اللہ پاک نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی^(۲) اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔

۲۱۴۔ کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔^(۳) انہیں بیماریاں اور

الْحَمِيزِ مَبْشِرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ نَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا أَنْ تَخْلُوا فِي الْبُكَاءِ وَلَنْ يَأْتِيَكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَتَتَّهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَرَأَوْا كَأَنَّ الْيُسْرَىٰ يَقُولُ

ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاهر پرستی عام ہو گئی۔ فَبَعَثَ اس کا عطف فَاخْتَلَفُوا (جو محذوف ہے) پر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اور حق اور توحید کو قائم و واضح کریں۔ (ان کثیر)

۱۔ اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض و عناد بنتا ہے، امت مسلمہ میں بھی جب تک یہ انحراف نہیں آیا، یہ امت اپنی اصل پر قائم اور اختلافات کی شدت سے محفوظ رہی، لیکن اندھی تقلید اور بدعات نے حق سے گریز کا جو راستہ کھولا، اس سے اختلافات کا دائرہ پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا، تا آنکہ امت ایک ناممکن چیز بن کر رہ گیا ہے فَهَدَى اللَّهُ الْمُسْلِمِينَ۔

۲۔ چنانچہ مثلاً اہل کتاب نے جمعہ میں اختلاف کیا، یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعہ کا دن اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہود نے ان کی تکذیب کی اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھا، اس کے برعکس عیسائیوں نے ان کو اللہ کا بیٹا اور الہ بنادیا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے بارے میں صحیح موقف اپنانے کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے فرماں بردار بندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی انہوں نے اختلاف کیا، ایک نے یہودی اور دوسرے نے نصرانی کہا مسلمانوں کو اللہ نے صحیح بات بتائی کہ وہ ﴿حَنِيفًا مُسْلِمًا﴾ (آل عمران: ۶۷) تھے اور اس طرح کے دیگر کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن یعنی اپنے فضل سے مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھائی۔

۳۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں، منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی، جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور خود

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ
اللَّهِ الْكَارِهُ نَصْرُ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۵﴾

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ
خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْآقِرْبَيْنِ وَالْيَتَامَى
وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ
فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۶﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ
تَكُونُوا شِدَّةً وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا
شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

مُصِيبَتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول
اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد
کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔^(۱)

۲۱۵. آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ
دیجیے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتہ
داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے^(۲)
اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

۲۱۶. تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم
ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی
تمہارے لیے بھلی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز
کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لیے بری ہو، اور حقیقی
علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔^(۳)

نبی ﷺ نے بھی فرمایا ”تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سر سے لے کر پیروں تک آرے سے چیرا گیا اور لوہے کی کنگھی
سے ان کے گوشت پوست کو نوچا گیا، لیکن یہ ظلم و تشدد ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکا“ پھر فرمایا ”اللہ کی قسم،
اللہ تعالیٰ اس معاملے کو مکمل (یعنی اسلام کو غالب) فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار ضعاء سے حضر موت تک تنہا سفر
کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔“ (صحیح البخاری، کتاب الاکراه، باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی
الکفر) مقصد نبی ﷺ کا مسلمانوں کے اندر حوصلہ اور استقامت کا عزم پیدا کرنا تھا۔

۱. اس لیے کہ «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ»۔ (ہر آنے والی چیز قریب ہے) اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد یقینی ہے،
اس لیے وہ قریب ہی ہے۔

۲. بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کیے جا رہے ہیں، یعنی یہ سب سے زیادہ تمہارے مالی
تعاون کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے، زکوٰۃ سے متعلق نہیں۔ کیوں کہ ماں
باپ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔ حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا ”مال خرچ کرنے
کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سازگی کا ذکر ہے اور نہ چوٹی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے والے آرائشی پردوں کا“ مطلب یہ
ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا ناپسندیدہ اور اسراف ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ مسرفانہ اور ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی
کا اس طرح لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ اس میں کراہت کا کوئی پہلو ہی ہماری نظروں میں نہیں رہا۔

۳. جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمہیں وہ گراں

۲۱۷۔ لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے،^(۱) یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں^(۲) اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَسْتَوْفِرْ فَأُولَٰئِكَ صَبَّاتُ أَعْمَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ^(۳)

اور ناگوار ہی لگے۔ اس لیے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے اس میں تمہارے لیے بہتری ہو۔ جیسے جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح و غلبہ، عزت و سر بلندی اور مال و اسباب مل سکتا ہے، اسی طرح تم جس کو پسند کرو، (یعنی جہاد کے بجائے گھر میں بیٹھ رہنا) اس کا نتیجہ تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے، یعنی دشمن تم پر غالب آجائے اور تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

۱۔ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ یہ چار مہینے زمانہ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قتال و جدال ناپسندیدہ تھا۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مہینے میں ایک کافر قتل ہو گیا اور بعض کافر قیدی بنالیے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہو گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مہینے میں قتال بڑا گناہ ہے، لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرائم کے مرتکب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں کفر و شرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدھ قتل حرمت والے مہینے میں ہو گیا تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کے بجائے ان کو اپنا نامہ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

۲۔ جب یہ اپنی شرارتوں، سازشوں اور تمہیں مرتد بنانے کی کوششوں سے باز آنے والے نہیں تو پھر تم ان سے مقاتلہ کرنے میں شہر حرام (باحرمت مہینہ) کی وجہ سے کیوں رکے رہو؟

ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔^(۱)

۲۱۸۔ البتہ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الہی کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

۲۱۹۔ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے^(۲) اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔^(۳) آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجیے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَهُمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ
وَاللَّهُ عَفُورٌ ذَرِيعٌ ۝

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا
إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ
مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ
قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝

۱۔ جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی مرتد ہو جائے (اگر وہ توبہ نہ کرے) تو اس کی دنیوی سزا قتل ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب لا یُعَذَّبُ بعذاب اللہ) آیت میں اس کی اخروی سزا بیان کی جارہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حالت میں کیے گئے اعمال صالحہ بھی کفر و ارتداد کی وجہ سے کالعدم ہو جائیں گے اور جس طرح ایمان قبول کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کفر و ارتداد سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ تاہم قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ جب ائمال اسی وقت ہوگا جب خاتمہ کفر پر ہوگا، اگر موت سے پہلے تاب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہوگا، یعنی مرتد کی توبہ مقبول ہے۔

۲۔ بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔

۳۔ فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی و مستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آ جاتی ہے۔ جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی خرید و فروخت نفع بخش کاروبار ہے۔ جو میں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے، لیکن یہ فائدے ان نقصانات و مفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے بچھتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ”ان کا گناہ، ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔“ اس طرح اس آیت میں شراب اور جو کو حرام تو قرار نہیں دیا گیا، تاہم اس کے لیے تمہید باندھ دی گئی ہے۔ اس آیت سے ایک بہت اہم اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی بھی بری ہو، کچھ نہ کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً ریڈیو، ٹی وی اور دیگر اس قسم کی ایجادات ہیں اور لوگ ان کے بعض فوائد بیان کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا تقابل کیا ہے۔ خاص طور پر دین و ایمان اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے۔ اگر دینی نقطہ نظر سے نقصانات و مفاسد زیادہ ہیں تو تھوڑے سے دنیوی فائدوں کی خاطر اسے جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

حاجت سے زائد چیز،^(۱) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے، تاکہ تم سوچ سمجھ سکو۔

۲۲۰۔ دنیا اور آخرت کے امور کو۔ اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں^(۲) آپ کہہ دیجیے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، اور تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، بد نیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا،^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

۲۲۱۔ اور شرک کرنے والی عورتوں سے تا وقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو،^(۴) اور ایمان والی لونڈی بھی شرک

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَارْحَمُوا ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْفُسْأْدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ سَاءَ اللَّهُ لَكُنْتُمْ أَكْذَرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ تُؤْمِنَ وَلَكُمَا مَوَدَّةٌ ۚ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا

۱۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے، یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا، جس پر فرضیت زکوٰۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے، یا اس کے معنی میں مَاسَهْلٌ وَنَيْسَرٌ وَلَمْ يَشَقَّ عَلَى الْقَلْبِ (خ القدر) ”جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے“ اسلام نے یقیناً اتفاق کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے، اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع کیا ہے کہ کل کو تمہیں یا تمہارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

۲۔ جب یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کے لیے وعید نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور یتیموں کی ہر چیز الگ کر دی حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی، تو اسے بھی استعمال نہ کرتے اور وہ خراب ہو جاتی، اس ڈر سے کہ کہیں ہم بھی اس وعید کے مستحق نہ قرار پائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

۳۔ یعنی تمہیں بغرض اصلاح و بہتری بھی ان کا مال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتا۔

۴۔ مشرک عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیوں کہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے۔ البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہو سکتا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے (ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب و نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔“ (صحیح البخاری - کتاب النکاح، باب الکفء فی الدین - وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین) اسی طرح آپ ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: ”خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة“ (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة)

الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَدَّ الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا
مِّنْ مُّشْرِكِيهِمْ وَلَوْلَا إِعْجَبُكُمْ أَوَّلَ الْيَوْمِ لَكُنْتُمْ أَكْثَرًا
النَّارِ ۚ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْحَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ
يَا ذُرِّيَّةَ ۖ وَبَشِّرِ الْإِنسَانَ لَعَلَّهُ
يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٠٠﴾

کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے، گو تمہیں
مشرک ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں
کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان
نہ لائیں، اور ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو
مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے
ہیں اور اللہ جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے
حکم سے بلاتا ہے، وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرما
رہا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۲۰۲. اور آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں،
کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے، حالت حیض میں عورتوں
سے الگ رہو^(۱) اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے
قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں^(۲) تو ان کے پاس
جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے،^(۳) یقیناً اللہ

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۚ قُلْ هُوَ أَذًى
فَاغْتَابُوا لِنِسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ
يُطَهَّرْنَ ۚ فَإِذَا ظَهَرَنَ فَإْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ
اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٠١﴾

۱. بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خلاف
بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحاضہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کے لیے
نماز معاف ہے اور روزے رکھنے ممنوع ہیں، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ مرد کے لیے صرف ہم بستری
منع ہے، البتہ بوس وکنار جائز ہے۔ اسی طرح عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کر سکتی ہے، لیکن
یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا تھا، وہ اس کے ساتھ اختلاط اور کھانا پینا بھی جائز نہیں سمجھتے
تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت اتری، جس میں صرف جماع کرنے سے روکا
گیا۔ علیحدہ رہنے اور قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع سے ممانعت ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

۲. جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ”ایک خون بند ہو جائے“ یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک
ہیں، مرد کے لیے ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ علامہ البانی نے بھی اس
کی تائید کی ہے (آداب الزفاف ص: ۴۷) دوسرے معنی ہیں، خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ اس دوسرے
معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کر لے، اس سے مباشرت حرام رہے گی۔ امام شوکانی نے اس کو رائج قرار دیا
ہے (فتح القدیر) ہمارے نزدیک دونوں مسلک قابل عمل ہیں، لیکن دوسرا قابل ترجیح ہے۔

۳. ”جہاں سے اجازت دی ہے“ یعنی شرمگاہ سے۔ کیوں کہ حالت حیض میں بھی اسی کے استعمال سے روکا گیا تھا اور اب پاک
ہونے کے بعد جو اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب اسی (فرج، شرمگاہ) کی اجازت ہے، نہ کہ کسی اور حصے کی۔ اس سے یہ

توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔
۲۲۳. تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتوں
 میں جس طرح چاہو آؤ^(۱) اور اپنے لیے (نیک اعمال)
 آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو
 کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوش
 خبری سنا دیجیے۔

۲۲۴. اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا (اس طرح) نشانہ
 نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی
 اصلاح کو چھوڑ بیٹھو^(۲) اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔
۲۲۵. اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو
 پختہ نہ ہوں^(۳) ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے
 دلوں کا فعل ہو، اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے۔

۲۲۶. جو لوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے
 کی) قسمیں کھائیں، ان کے لیے چار مہینے کی

نِسَاءُكُمْ حُرَّتْ لَكُمْ فَإِنْ أَحْرَضْتُمْ إِلَىٰ شَيْءٍ
 وَقَدْ مَوَّلَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْفَعُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ
 مَلْفُوكَةٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا
 وَتَقِيمُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

لَا يُؤْخَذُ بِكُم بِالْعُفْوِ إِنْ أَيْمَانُكُمْ وَلَكِنْ
 يُؤْخَذُ بِكُم بِمَا كَسَبْتُمْ فَلَكُمْ وَاللَّهُ عَفْوٌ
 حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾

لِلَّذِينَ يُؤْذُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةٍ
 أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾

استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی دہر کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی مزید صراحت کردی گئی ہے۔

۱. یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر (مُذْبِرَةً) مباشرت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس
 کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح
 چاہو، جائز ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔ بعض لوگ اس سے یہ استدلال
 کرتے ہیں کہ (جس طرح چاہو) میں تو دہر بھی آجاتی ہے، لہذا دہر کا استعمال بھی جائز ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جب
 قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لیے یہ کہا جا رہا ہے کہ
 ”اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو، آؤ“ اور یہ کھیتی (موضع ولد) صرف فرج ہے نہ کہ دہر۔ بہر حال یہ غیر فطری فعل ہے
 ایسے شخص کو جو اپنی عورت کی دہر استعمال کرتا ہے ملعون قرار دیا گیا ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر وفتح القدر)

۲. یعنی غصے میں اس طرح کی قسم مت کھاؤ کہ میں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں سے نہیں بولوں گا، فلاں
 کے درمیان صلح نہیں کروں گا۔ اس قسم کی قسموں کے لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کھالو تو انہیں توڑ دو اور قسم

کا کفارہ ادا کرو۔ (کفارۃ قسم کے لیے دیکھیے: سورة المائدہ، آیت: ۸۹)

۳. یعنی جو غیر ارادی اور عادت کے طور پر ہوں۔ البتہ عمداً جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

مدت^(۱) ہے، پھر اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۲۷۔ اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں^(۲) تو اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

۲۲۸۔ اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں،^(۳) اور انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں،^(۴) اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو، اور ان کے خاوند

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

وَالْبَطْلَانَةُ بَيِّنَةٌ لِّأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ
وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي
أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَيُعَوِّلُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا

۱۔ اِنْلَاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے ایک مہینے یا دو مہینے (مثلاً) تعلق نہیں رکھوں گا۔ پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں، ہاں اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کی تعیین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعیین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں، یا پھر اسے طلاق دے دیں (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت میں اسے کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ وہ اس سے تعلق قائم کرے، یا طلاق دے، تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی از خود طلاق واقع نہیں ہوگی (جیسا کہ بعض علماء کا مسلک ہے) بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہوگی، جس پر اسے عدالت بھی مجبور کرے گی۔ جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔ (ابن کثیر)

۳۔ اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ نہ ہو (کیوں کہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے)، جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو وہ بھی نہ ہو (کیوں کہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے)، آئہ بھی نہ ہو، یعنی جن کو حیض آتا بند ہو گیا ہو (کیوں کہ ان کی عدت تین مہینے ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخلہ عورت کی عدت بیان کی جارہی ہے اور وہ ہے تین قروء۔ جس کے معنی طہریاتین حیض کے ہیں۔ یعنی تین طہریاتین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیے ہیں، اس لیے دونوں کی گنجائش ہے۔ (ابن کثیر دفع القدر)

۴۔ اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں، مثلاً کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، درآں حالیکہ اسے تینوں حیض آچکے ہوں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آچکے ہیں جب کہ واقعہ ایسا نہ ہو، تاکہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں، کیوں کہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اختلاط ہو جائے گا۔ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہو گا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ
بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّيْزِجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔^(۱) اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ۔^(۲) ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

۲۲۹۔ یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں،^(۳) پھر یا تو اچھائی سے روکنا^(۴)

الطَّلَاقِ مَرَّتَيْنِ وَمَا سَأَلَكَ بِمَعْرُوفٍ

۱۔ رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے ولی کو اس حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔
۲۔ یعنی دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں، تاہم مرد کو عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے، مثلاً فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت اور حاکمیت میں اور اختیار طلاق و رجوع (وغیرہ) میں۔

۳۔ یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر) رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بساتا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔ اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ”طَلَقَتَانِ“ (دو طلاقیں) نہیں فرمایا، بلکہ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (طلاق دو مرتبہ) فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انہیں بیک وقت نافذ کر دینا حکمت الہیہ کے خلاف ہے۔ حکمت الہیہ اسی بات کی متقاضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کیے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے، یہ حکمت ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے، نہ کہ تینوں کو بیک وقت نافذ کر کے سوچنے اور غلطی کا ازالہ کرنے کی سہولت سے محروم کر دینے کی صورت میں، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب مجموعہ مقالات علمیہ بابت ایک مجلس کی تین طلاق اور ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“)۔ نیز معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سے علماء ایک مجلس کی تین طلاقیں کے واقع ہونے ہی کا فتویٰ دیتے ہیں۔

۴۔ یعنی رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے بسانا۔

یا عہدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے^(۱) اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکے کا خوف ہو، اس لیے اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں^(۲) یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔

۲۳۰۔ پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں^(۳) بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ

أَوْ سَرِيحٌ يَأْتِيَانِ وَلَا يَحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يُنَاقِضَا الْأَيْقِيمَا حَدًّا وَدَلَّ اللَّهُ قُرْآنَ خِفَتُهُمَا لَا يُقِيمَا حَدًّا وَدَلَّ اللَّهُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳۰﴾

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَيْثُ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ طَلَّأَنَّ يُقِيمَا حَدًّا وَدَلَّ اللَّهُ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۱﴾

۱۔ یعنی تیسری مرتبہ طلاق دے کر۔

۲۔ اس میں خلع کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں خاوند عورت سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے۔ خاوند اگر علیحدگی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اگر وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔ گویا خلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔ دونوں صورتوں میں عدت ایک حیض ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، الحاکم۔ فسخ القدر) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو نبی ﷺ نے ایسی عورتوں کے لیے یہ سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

۳۔ اس طلاق سے تیسری طلاق مراد ہے۔ یعنی تیسری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح۔ البتہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے، یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد پہلے شوہر سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ لیکن اس کے لیے بعض ملکوں میں جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے، یہ لعنتی فعل ہے۔ نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں ہے، زنا کاری ہے۔ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

جاننے والوں کے لیے بیان فرما رہا ہے۔

۲۳۱۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ، یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو^(۱) اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لیے نہ روکو، اور جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ^(۲) اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے، اسے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

۲۳۲۔ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔^(۳) یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَعْنَنَ أَجَلَهُنَّ
فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَبْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا
لِنَفْسِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا
وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةَ يَعْلَمُكُمْ بِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَعْنَنَ أَجَلَهُنَّ
فَلَا تَعْصُوهُنَّ أَنْ يَنْبَحْنَ أَرْوَاجَهُنَّ إِذَا
تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ
يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

۱۔ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾ میں بتلایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ رجوع عدت کے اندر اندر ہو سکتا ہے، عدت گزرنے کے بعد نہیں۔ اس لیے یہ تکرار نہیں ہے جس طرح کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔

۲۔ بعض لوگ مذاق میں طلاق دے دیتے، یا نکاح کر لیتے، یا آزاد کر دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اللہ نے اسے آیات الہی سے استہزاء قرار دیا ہے، جس سے مقصود روکنا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذاق سے بھی اگر کوئی مذکورہ کام کرے گا تو وہ حقیقت ہی سمجھا جائے گا اور مذاق کی طلاق، یا نکاح یا آزادی نافذ ہو جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳۔ اس میں مطلقہ عورت کی بابت ایک تیسرا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد (پہلی یا دوسری طلاق کے بعد) اگر سابقہ خاوند بیوی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مت روکو۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر یہ آیت اتری (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لانکاح إلا بولی) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے سے روکا ہے۔ اس کی مزید تائید حدیث نبوی ﷺ سے ہوتی ہے: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّي» (ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں) (رواہ الخمسة إلا النسائي إرواہ الغلیل ج ۲ ص ۲۳۵۔ صحیحہ الألبانی) ایک اور روایت میں ہے۔ «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» (حوالہ مذکور و صحیحہ ایضاً الألبانی) (جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا،

وَالْيَوْمَ الْآخِرُ ۖ ذَٰلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَظْهَرُ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ
لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْعِمَ ۖ الرِّضَاعَةُ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ
رِزْقُهُنَّ وَكِوْنُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا يُكْفَىٰ نَفْسٌ إِلَّا
وُسْعَهَا ۚ لِرِضَاعِ الْوَالِدِ كُفْلٌ وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ

جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر
یقین وایمان ہو، اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲۳۳۔ اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں
جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا
ہو^(۱) اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا
ہے جو دستور کے مطابق ہو۔^(۲) ہر شخص کو اتنی ہی تکلیف

پس اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے... (حوالہ مذکور) ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری
نے بھی، دیگر محدثین کی طرح، صحیح اور حسن تسلیم کیا ہے۔ (فیض الباری، ج ۴، کتاب النکاح) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت
کے ویلوں کو بھی عورت پر جبر کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضامندی کو بھی ضرور
محفوظ رکھیں۔ اگر ولی عورت کی رضامندی کو نظر انداز کر کے زبردستی نکاح کر دے، تو شریعت نے عورت کو بذریعہ عدالت
نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے، کوئی ایک فریق
بھی من مانی نہ کرے۔ اگر عورت من مانے طریقے سے ولی کی اجازت نظر انداز کرے گی تو وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا اور
ولی زبردستی کرے گا اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے گا تو عدالت ایسے ولی کو حق ولایت
سے محروم کر کے ولی البعد کے ذریعے سے یا خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فریضہ انجام دے گی۔ «فَإِنْ اشْتَجَرُوا
فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَ لَهَا» (إرواء الغلیل)

۱۔ اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو
وہ دو سال پورے دودھ پلائے۔ ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے، دوسری بات
یہ معلوم ہوئی کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت
ہے: «لَا يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَّ الْأَمْعَاءُ فِي الثُّدِيِّ، وَكَانَ قَبْلَ الْفُطَامِ» (الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء أن
الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحولين) ”وہی رضاع (دودھ پلانا) حرمت ثابت کرتا ہے، جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو
پھارے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔“ چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی بچہ کسی عورت کا اس طریقے سے
دودھ پی لے گا، جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ رشتہ قائم ہو جائے گا، جس کے بعد
رضاعی بہن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہوگا جس طرح نسبی بہن بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔ «يَحْرُمُ
مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع المستفيض والموت
القديم) ”رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جائیں گے جو نسب سے ہوتے ہیں۔“

۲۔ مَوْلُودٌ لَهُ سے مراد باپ ہے۔ طلاق ہو جانے کی صورت میں شیرخوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ

دی جاتی ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے۔^(۱) اور وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے۔^(۲) پھر اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کردو،^(۳) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔

۲۳۴۔ اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے (دین) عدت میں رکھیں،^(۴) پھر جب مدت ختم کر لیں تو جواچھائی

يُولَدُ بِوَعْلٍ وَالْوَارِثُ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فَإِنْ آرَدْتُمْ أَنْ تَسْخَرُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ أَلَا تَكُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْتُمْ عَلِيمُونَ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ ذِي ذُرِّيَةٍ أَوْ لَا ذُرِّيَةٍ يَتَّبِعُونَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا إِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ

ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق مطلقہ عورت کے روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو، جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۱۔ ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، مگر مامتا کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے، یا یہ کہ بغیر خرچ کی ذمہ داری اٹھائے، اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے، یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا اس سے مالی مطالبہ کرے۔

۲۔ باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں بھی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں، تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو اور نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

۳۔ یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا ما و جب (معاوضہ) دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

۴۔ یہ عدت وفات ہر عورت کے لیے ہے، چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جوان ہو یا بوڑھی۔ البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴) (حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے)۔ اس عدت وفات میں عورت کو زیب و زینت کی (حتیٰ کہ سرمہ لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ مطلقہ رجوعی کے لیے عدت کے اندر زیب و زینت ممنوع

بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ يَمْتَعُونَ خَيْرٌ ﴿۲۷﴾

کے ساتھ وہ اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں^(۱) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔

۲۳۵۔ اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۂ کنایہ ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو، یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور ان کو یاد کرو گے، لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرلو^(۲) ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو^(۳) اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرو، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ

وَلَكِنَّا جَاءَكُمْ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةٍ
النِّسَاءِ أَوْ لَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عِلْمَ اللَّهِ أَنَّكُمْ
سَتَذَكَّرُونَ هُنَّ وَلَكِنْ لَنْتُمْ أَعْدُوهُنَّ سِرًّا لَأَنْ
تَقُولُوا أَوْلَى الْمَعْرُوفِ وَأَوْلَى عَقْدَةِ النِّكَاحِ
حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوا وَأَعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ عَفْوٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾

نہیں ہے اور مطلقہ بانہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر)

۱۔ یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب و زینت اختیار کریں اور اولیا کی اجازت و مشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے تم پر بھی (اے عورت کے دیو!) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کے عقد ثانی کو برا نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

۲۔ یہ بیوہ یا وہ عورت، جس کو تین طلاقیں مل چکی ہوں، یعنی طلاق بانہ۔ ان کی بابت کہا جا رہا ہے کہ عدت کے دوران ان سے اشارے کنایے میں تو تم نکاح کا پیغام دے سکتے ہو (مثلاً میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے، یا میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں، وغیرہ) لیکن ان سے کوئی خفیہ وعدہ مت لو اور نہ مدت گزرنے سے قبل عقد نکاح پختہ کرو۔ لیکن وہ عورت جس کو خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں، اس کو عدت کے اندر اشارے کنایے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں، کیوں کہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی، اس پر خاوند کا ہی حق ہے۔ ممکن ہے خاوند رجوع ہی کر لے۔

مسئلہ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل لوگ عدت کے اندر ہی نکاح کر لیتے ہیں، اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے اور اگر ہم بستری ہو گئی ہے تب بھی تفریق تو ضروری ہے، تاہم دوبارہ ان کے درمیان (عدت گزرنے کے بعد) نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان اب کبھی باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے ابداً حرام ہیں، لیکن جمہور علماء ان کے درمیان نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳۔ اس سے مراد بھی وہی تعریض و کنایہ ہے جس کا حکم پہلے دیا گیا ہے، مثلاً میں تیرے معاملے میں رغبت رکھتا ہوں، یا وہی سے کہے کہ اس کے نکاح کی بابت فیصلہ کرنے سے قبل مجھے اطلاع ضرور کرنا۔ وغیرہ، (ابن کثیر)

بخش اور حلم والا ہے۔

۲۳۶۔ اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوشحال اپنے انداز سے اور تنگدست اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔^(۱)

۲۳۷۔ اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں^(۲) یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے^(۳) تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَمْسُوهُنَّ فَرِيضَةً مِّمَّا مَعَهُنَّ عَلَى الْمُؤْسِرِ قَدْرُهُ وَعَلَى الْمُتَّقِرِ قَدْرُهُ مَتَاعًا بِأَلْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَوَضَعُوا مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُوَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُمَا عَقْدٌ أَلَّا يَكْفِرَ وَإِنْ تَعَفَّوْا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

۱۔ یہ اس عورت کی بابت حکم ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور خاوند نے خلوت صحیحہ یعنی ہم بستری کے بغیر طلاق بھی دے دی تو اسے کچھ نہ کچھ فائدہ دے کر رخصت کرو۔ یہ فائدہ (متعہ طلاق) ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ خوش حال اپنی حیثیت اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دے۔ تاہم محسنین کے لیے یہ ضروری ہے۔ اس متعہ کی تعیین بھی کی گئی ہے، کسی نے کہا، خادم۔ کسی نے کہا ۵۰۰ درہم۔ کسی نے کہا ایک یا چند جوڑے کپڑے، وغیرہ۔ بہر حال یہ تعیین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا ضروری ہے یا خاص اسی عورت کی بابت حکم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے لیے ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ اس حکم متعہ میں جو حکمت اور فوائد ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ تلقی، کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر، جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی و دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصوصیتوں کے سدباب کا نہایت اہم ذریعہ ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان و سلوک کے بجائے مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

۲۔ یہ دوسری صورت ہے کہ مساس (خلوت صحیحہ) سے قبل ہی طلاق دے دی اور حق مہر بھی مقرر تھا۔ اس صورت میں خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نصف مہر ادا کرے۔ الا یہ کہ عورت اپنا یہ حق معاف کر دے۔ اس صورت میں خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑے گا۔

۳۔ اس سے مراد خاوند ہے، کیوں کہ نکاح کی گرہ (اس کا توڑنا اور باقی رکھنا) اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نصف حق مہر معاف کر دے، یعنی ادا شدہ حق مہر میں سے نصف مہر واپس لینے کے بجائے، اپنا یہ حق (نصف مہر) معاف کر دے اور

بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

۲۳۸. نمازوں کی حفاظت کرو، اور بالخصوص درمیان والی نماز کی ^(۱) اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔

۲۳۹. اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی، ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمہیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔ ^(۲)

۲۴۰. اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں ^(۳) انہیں کوئی نہ نکالے، ہاں اگر وہ خود

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ
وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿۲۳۸﴾

وَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَآلًا أَوْ رُكْبَآلًا إِذْ أَمْسَكْتُمْ فَاذْكُرُوا
اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

وَالَّذِينَ يَتَوَقَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَذْوَاجًا
وَوَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ
إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

پورے کا پورا مہر عورت کو دے دے۔ اس سے آگے آپس میں فضل واحسان کو نہ بھولنے کی تاکید کر کے حق مہر میں بھی اسی فضل واحسان کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ملاحظہ: بعض نے ﴿يَذَرُونَ﴾ سے مراد عورت کا ولی مراد لیا ہے کہ عورت معاف کر دے یا اس کا ولی معاف کر دے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک تو عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدہ نکاح نہیں، دوسرے مہر عورت کا حق اور اس کا مال ہے، اسے معاف کرنے کا حق بھی ولی کو حاصل نہیں۔ اس لیے وہی تفسیر صحیح ہے جو آغاز میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) ضروری وضاحت: طلاق یافتہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں:

(۱) جن کا حق مہر بھی مقرر ہے، خاوند نے مجامعت بھی کی ہے ان کو پورا حق مہر دیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت ۲۲۹ میں اس کی تفصیل ہے۔ (۲) حق مہر بھی مقرر نہیں، مجامعت بھی نہیں کی گئی، ان کو صرف متعہ طلاق دیا جائے گا۔ (۳) حق مہر مقرر ہے، لیکن مجامعت نہیں کی گئی، ان کو نصف مہر دینا ضروری ہے (ان دونوں کی تفصیل، زیر نظر آیت میں ہے)۔ (۴) مجامعت کی گئی ہے، لیکن حق مہر مقرر نہیں، ان کے لیے مہر مثل ہے، مہر مثل کا مطلب ہے اس عورت کی قوم میں جو رواج ہے، یا اس جیسی عورت کے لیے بالعموم جتنا مہر مقرر کیا جاتا ہو۔ (نبیل الأوطار وعون المعبود)

۱. درمیان والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جس کو اس حدیث رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے جس میں آپ ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کو صلوٰۃ وُسطٰی قرار دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء علی المشرکین بالہزيمة وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال الصلوة الوسطی...)۔

۲. یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے، پیادہ چلتے ہوئے، سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو۔ تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھایا گیا ہے۔

۳. یہ آیت، گو ترتیب میں مؤخر ہے، مگر منسوخ ہے، ناسخ آیت پہلے گزر چکی ہے، جس میں عدت وفات ۴ مہینے ۱۰ دن

فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ﴿۳۱﴾

وَلَمْ يَطْلُبْ مَتَاعًا يَاسِعًا مَعْرُوفٍ حَقًّا عَلَى
الْمُتَّقِينَ ﴿۳۲﴾

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿۳۳﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ
حَدَّ الْأَمْوَاتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ
اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۴﴾

نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے
اچھائی سے کریں، اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔

۲۳۱۔ اور طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں
پر لازم ہے۔^(۱)

۲۳۲۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے
تاکہ تم سمجھو۔

۲۳۳۔ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد
میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے
نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ،
پھر انہیں زندہ کر دیا^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا
فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

بتلائی گئی۔ علاوہ ازیں آیت موارثت نے بیویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی
بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سکنی) کی اور نہ نان و نفقہ کی۔

۱۔ یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔ اس میں تفریق کے وقت جس حسن سلوک اور تطیب قلوب کا اہتمام کرنے
کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل کریں، جسے انہوں نے
بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ آج کل کے بعض ”مجتہدین“ نے مَتَاعٌ اور مَتَّعُوْهُنَّ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ کو اپنی جائیداد
میں سے باقاعدہ حصہ دو، یا عمر بھر نان و نفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ
سمجھ کر اپنی زندگی سے ہی خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہوگا؟

۲۔ یہ واقعہ کسی پچھلی امت کا ہے، جس کی تفصیل کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں کی گئی۔ تفسیری روایات میں اسے بنی
اسرائیل کے زمانے کا واقعہ اور اس پیغمبر کا نام، جس کی دعا سے انہیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرمایا، حزقیل عَلَيْهِ السَّلَام بتلایا گیا
ہے۔ یہ جہاد میں قتل کے ڈر سے، یا وہابی بیماری طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، تاکہ
موت کے منہ میں جانے سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مار کر ایک تو یہ بتلادیا کہ اللہ کی تقدیر سے تم بچ کر کہیں
نہیں جاسکتے۔ دوسرا یہ کہ انسانوں کی آخری جائے پناہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے
پر قادر ہے اور وہ تمام انسانوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا جس طرح اللہ نے ان کو مار کر زندہ کر دیا۔ اگلی آیت میں
مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے اس واقعے کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ جہاد سے جی مت چراؤ، موت
وحیات تو اللہ کے قبضے میں ہے اور اس موت کا وقت بھی متعین ہے جسے جہاد سے گریز و فرار کر کے تم نال نہیں سکتے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ
عَلَيْهِمْ

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ
أَصْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ لَمَّا كُنُوا عَلَى رَبِّكَ مُبْتَلًى
مُوسَى إِذْ قَالَ لِلَّهِ رَبِّي لَهَبِ لَنَا مَلَكًا فَنُفَاتِلْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

۲۴۴۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ
سننا، جانتا ہے۔

۲۴۵۔ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے (۱) پس
اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے، اور اللہ ہی تنگی
اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۲۴۶۔ کیا آپ نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد والی
بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا (۲) جب کہ انہوں
نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنادیتے (۳)

۱۔ قَرْضٌ حَسَنٌ سے مراد اللہ کی راہ میں اور جہاد میں مال خرچ کرنا ہے یعنی جان کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل
مت کرو۔ رزق کی کشادگی اور کمی بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ دونوں طریقوں سے تمہاری آزمائش کرتا ہے۔
کبھی رزق میں کمی کرے اور کبھی اس میں فراوانی کرے۔ پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تو کمی بھی نہیں ہوتی،
اللہ تعالیٰ اس میں کمی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحانی طور پر اس میں برکت ڈال کر اور
آخرت میں تو یقیناً اس میں اضافہ حیران کن ہوگا۔

۲۔ مَلَأَ کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل و عقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے
سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں مَلَأَ کے لغوی معنی (بھرنے کے ہیں) (ایسر التفاسیر) جن پیغمبر کا یہاں ذکر
ہے ان کا نام شومیل علیہ السلام بتایا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ عرصے تک تو ٹھیک رہے، پھر ان میں اخراجات آگیا، دین میں بدعات ایجاد کر لیں۔ حتیٰ
کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء ان کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے
میں اللہ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنہوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد
کو قیدی بھی بنالیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شومیل علیہ السلام نبی پیدا
ہوئے، جنہوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انہوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر
کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے
ہو، لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہیں رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

۳۔ نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت جائز نہ ہوتی تو
اللہ تعالیٰ اس مطالبے کو رد فرمادیتا، لیکن اللہ نے اس معاملے کو رد نہیں فرمایا، بلکہ طاوت کو ان کے لیے بادشاہ مقرر کر دیا،
جیسا کہ آگے آرہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اگر مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ احکام الہی کا پابند اور عدل و انصاف
کرنے والا ہے تو اس کی بادشاہت جائز ہی نہیں، بلکہ مطلوب و محبوب بھی ہے۔ مزید دیکھیے: سورۃ المائدہ، آیت: ۲۰ کا حاشیہ۔

تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو، انہوں نے کہا بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ اور ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۲۳۷۔ اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طاہرات کو تمہارا بادشاہ بنادیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اور اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو، اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے^(۱) بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

۲۳۸۔ اور ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق^(۲)

الْقِتَالِ الْأَنْفَعَالُودَ قَالُوا وَمَا لَنَا أَنْ نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجَنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَانَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۳۷﴾

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَأَلِيَّ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَ كَاسِبَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مَمْلَكَةً مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۸﴾

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ إِلَهَ مَلِكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

۱۔ حضرت طاہرات اس نسل سے نہیں تھے جس سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔ یہ غریب اور ایک عام فوجی تھے، جس پر انہوں نے اعتراض کیا۔ پیغمبر نے کہا کہ یہ میرا انتخاب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں قیادت و سیادت کے لیے مال سے زیادہ عقل و علم اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت ہے اور طاہرات اس میں تم سب میں ممتاز ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس منصب کے لیے چن لیا ہے۔ وہ واسع الفضل ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت و عنایات سے نوازتا ہے۔ علیم ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ بادشاہت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں ہے (معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں بتلایا گیا کہ یہ تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے انہوں نے مزید کسی نشانی کا مطالبہ کیا، تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں ایک اور نشانی کا بیان ہے۔)

۲۔ صندوق یعنی تابوت، جو توب سے ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ کیوں کہ بنی اسرائیل تبرک کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے (فتح القدیر) اس تابوت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، یہ تابوت بھی ان کے دشمن ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے سے حضرت

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ هُنَّ اَجْمَعُهُنَّ الْمَلَائِكَةُ اِنْ فِىْ ذٰلِكَ لَآيَةٌ لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون (علیہ السلام) کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

۲۳۹۔ جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر^(۱) سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔ لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا^(۲) (حضرت) طالوت مومنین سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔^(۳) لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ يَأْتِيهِمْ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍۭۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُۤ اِنَّهٗ اَخَذَ مِنْ يَدِّىْۤ اِلَّا الَّذِيْنَ اَعْرَفُوْهُۤۙ كَيْدًاۙ فَمَنْ يَّوْمُنَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُۥٓ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُۥ قَالُوْا الْوَاقِعَةُ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُوْدِهٖۚ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُوْنَ اَنَّهُمْ مُّلتَقَوْا اللّٰهَ كُمْ مِّنْ فِتْنَةٍۚ فَلَيْسَ كَۤىۤاۤفَكُمۡ فِتْنَةٌۚ كُنْتُمْ بِآٰيٰتِنَاۤ اِلٰذِنَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔ جسے دیکھ کر بنی اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی کے لیے منتخب اللہ نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لیے ایک اعجاز (آیت) اور فتح و سکینت کا سبب قرار دیا۔ سکینت کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز محرکہ آرائیوں میں جس سے بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ کانپ اٹھتے ہیں، اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور بیت سے خالی اور فتح و کامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان ہے۔ (ابن کثیر)

۲۔ اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دوچند، بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ دوسرے جنگ میں کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی اس دوران بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نہایت صبر اور حوصلے سے برداشت کریں۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لیے طالوت نے کہا کہ نہر پر تمہاری پہلی آزمائش ہوگی۔ جس نے پانی پی لیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن اس تنبیہ کے باوجود اکثریت نے پانی پی لیا۔ ان کی تعداد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ اسی طرح نہ پینے والوں کی تعداد ۳۱۳ بتلائی گئی ہے، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ ان اہل ایمان نے بھی، ابتداءً جب دشمن کی بڑی تعداد دیکھی تو اپنی قلیل تعداد کے پیش نظر اس رائے کا اظہار کیا، جس پر ان کے علماء اور ان سے زیادہ پختہ یقین رکھنے والوں نے کہا کہ کامیابی، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں، بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے اور اللہ کی تائید کے لیے صبر کا اہتمام ضروری ہے۔

پر یقین رکھنے والوں نے کہا، بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

۲۵۰۔ اور جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے، اور ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔^(۱)

۲۵۱۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتوں کو شکست دے دی اور (حضرت) داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے داود (علیہ السلام) کو مملکت و حکمت^(۳) اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔^(۴)

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا مِائِدَكَ وَابْنُتِ أَفْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَانْتَصَرَ إِلَهُ الْمَلِكِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَعَلَيْهِ مِمَّا يَتَذَكَّرُونَ وَلَوْ لَدَفَعَهُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

۱۔ جالوت اس دشمن قوم کا کمانڈر اور سربراہ تھا جس سے طاقت اور ان کے رفقا کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم علاقہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شہرت کے پیش نظر، عین معرکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الہی میں صبر و ثبات اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح و کامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبگار رہیں، جیسے جنگ بدر میں نبی ﷺ نے نہایت الحاح و زاری سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔

۲۔ حضرت داود علیہ السلام بھی، جو ابھی پیغمبر تھے نہ بادشاہ، اس لشکر طاقت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو شکست فاش دلوائی۔ ۳۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی۔ حکمت سے بعض نے نبوت، بعض نے صنعت آہن گری اور بعض نے ان امور کی سمجھ مراد لی ہے، جو اس موقعہ جنگ پر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

۴۔ اس میں اللہ کی ایک سنت الہی کا بیان ہے کہ وہ انسانوں کے ہی ایک گروہ کے ذریعے سے، دوسرے انسانی گروہ کے ظلم اور اقتدار کا خاتمہ فرماتا رہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور کسی ایک ہی گروہ کو ہمیشہ قوت و اختیار سے بہرہ ور کیے

تِلْكَ الْآيَاتُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ
وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۵﴾

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ
مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ
وَأَيُّنَا عَبَسَى ابْنُ مَرْيَمَ الْكَذِبُ وَإِنَّا لَهُ يَرْوِعُ
الْقُدْسُ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلَكُمُ الْكَافِرِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ
مَنْ يُبْعِدُ مَا جَاءَهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَفَوْا فَوَيْلٌ لَهُمْ
مَنْ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلُوا
وَلَكِنَّ اللَّهَ يُفَعِّلُ مَا يُرِيدُ ﴿۶﴾

۲۵۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ
آپ پر پڑھتے ہیں، اور بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں۔^(۱)
۲۵۳۔ یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض
پر فضیلت دی ہے،^(۲) ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے
اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند
کیے ہیں، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو معجزات عطا
فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔^(۳) اور اگر اللہ
تعالیٰ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجانے
کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے، لیکن
ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو مومن
ہوئے اور بعض کافر، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس

رکھتا تو یہ زمین ظلم و فساد سے بھر جاتی۔ اس لیے یہ قانون الہی اہل دنیا کے لیے فضل الہی کا خاص مظہر ہے۔ اس کا ذکر
اللہ تعالیٰ نے سورہ حج کی آیت ۳۸ اور ۴۰ میں بھی فرمایا ہے۔

۱۔ یہ گزشتہ واقعات، جو آپ ﷺ پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد (ﷺ) یقیناً
آپ کی رسالت و صداقت کی دلیل ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں، نہ کسی سے سنے ہیں۔
جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرما رہا ہے۔ قرآن کریم میں
متعدد مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کے بیان کو آپ ﷺ کی صداقت کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن نے ایک دوسرے مقام پر بھی اسے بیان کیا ہے ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۵) (ہم نے
بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے) اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے

«لَا تُخْبِرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ» (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورة الأعراف، باب ۱۳۵- مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل
موسیٰ علیہ السلام) ”تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو“ تو اس سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ
یہ امت کو انبیاء علیہم السلام کی بابت ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا، جن کی
بنیاد پر انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے۔ اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا
کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسر شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کی فضیلت
واشرافیت مسلمہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر للہامی)

۳۔ مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، مثلاً احیائے موتی (مردوں کو زندہ کرنا) وغیرہ۔ جس کی
تفصیل سورہ آل عمران میں آئے گی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

میں نہ لڑتے، ^(۱) لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
۲۵۴۔ اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت ^(۲) اور کافر ہی ظالم ہیں۔

۲۵۵۔ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آئے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا إِمَّاذَنْ أَنْتُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَنَّكُمْ يَوْمَ لَا يَبْعَثُ فِيهِ وَلَاحِلَةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَلَا كُفْرٌ وَهُمْ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٥﴾

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا

۱۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ مطلب اس کا یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین میں اختلاف پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس کی پسند (رضا) تو یہ ہے کہ تمام انسان اس کی نازل کردہ شریعت کو اپنا کر نار جہنم سے بچ جائیں۔ اسی لیے اس نے کتابیں اتاریں، انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم کیا تا آنکہ نبی کریم ﷺ پر رسالت کا خاتمہ فرمادیا۔ تاہم اس کے بعد بھی خلفاء اور علماء ودعاۃ کے ذریعے سے دعوت حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور اس کی سخت اہمیت و تاکید بیان فرمائی گئی۔ کس لیے؟ اسی لیے تاکہ لوگ اللہ کے پسندیدہ راستے کو اختیار کریں۔ لیکن چونکہ اس نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں کی نشان دہی کر کے انسانوں کو کوئی ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ بطور امتحان اسے اختیار اور ارادہ کی آزادی سے نوازا ہے، اس لیے کوئی اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اس اختیار و آزادی کا غلط استعمال کر کے کافر۔ یہ گویا اس کی حکمت و مشیت ہے، جو اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔

۲۔ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیسواؤں یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منواسکتے ہیں اور منوالیتے ہیں۔ اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اڑ کر بیٹھ جائیں گے، اور بخشوا کر اٹھیں گے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی وجود نہیں۔ پھر اس کے بعد آیت الکرسی میں اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے یہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی، مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ اجازت دے گا، اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیاء و رسل بھی، اور شہداء و صالحین بھی۔ مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے اس قدر لرزاں و ترساں ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ اڑ رہا ہوگا۔ ﴿وَلَا يَتَفَعَّلُونَ إِلَّا لِبَيْنِ اِدْقَاضِي وَهُمْ مِّنْ حَسْبِيَّتِهِمْ مُشْفَعُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۸) (اور وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو اور وہ تو خود ہیبت الہی سے لرزاں و ترساں ہیں)۔

الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ
إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتَ وَالْأَرْضَ
وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٦﴾

نہ نیند، اس کی ملکیت میں زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں
ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے
شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان
کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ
نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، ^(۱) اس کی کرسی کی وسعت ^(۲)
نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت
سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔
۲۵۶۔ دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت
ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، ^(۳) اس لیے جو شخص اللہ

لَا تُكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ
فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمَرْ بِاللَّهِ فَقَدِ

۱۔ یہ آیت الکرسی ہے جس کی بڑی فضیلت صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً یہ آیت قرآن کی اعظم آیت ہے۔ اس کے
پڑھنے سے رات کو شیطان سے تحفظ رہتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے وغیرہ (ابن کثیر) یہ اللہ تعالیٰ
کی صفات جلال، اس کی علو شان اور اس کی قدرت وعظمت پر مبنی نہایت جامع آیت ہے۔
۲۔ کُرْسِيِّ سے بعض نے مَوْضِعُ قَدَمَيْنِ (قدم رکھنے کی جگہ)، بعض نے علم، بعض نے قدرت وعظمت، بعض نے
بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ
اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے ان پر ایمان
رکھا جائے۔ اس لیے یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش سے الگ ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے، اس
پر وہ کس طرح بیٹھتا ہے؟ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔

۳۔ اس کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان
ہو گئے تو انہوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی بن چکے تھے، زبردستی مسلمان بنانا چاہا، جس پر یہ آیت
نازل ہوئی۔ شان نزول کے اس اعتبار سے بعض مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے یعنی مسلمان مملکت
میں رہنے والے اہل کتاب، اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انہیں قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ آیت حکم
کے اعتبار سے عام ہے، یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی
دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر واکراہ سے
مختلف چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس قوت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی
راہ میں روڑا بنی ہوئی ہو۔ تاکہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل
ہو جائے۔ چونکہ روڑا بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک
رہے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے «الْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ» (جہاد قیامت تک جاری رہے گا) خود نبی ﷺ نے

تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

۲۵۷. ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

۲۵۸. کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پاکر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔

اَسْتَسْكَ بِاَعْوَادِ الْاَوْثَقِ لَا تَنْفَصَامُ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵۷﴾

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی السُّوْرَةِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَوْ لٰیئَهُمْ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُم مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۸﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حٰجَبَ اِبْرٰهٖمَ فِی رَبِّہٖ اَنْ اُنۡشِئَ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِکَۃَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمَ رَبِّی الَّذِیْ یُعِیْ وَیُؤْمِیْتُ قَالَ اَنَا اِنۡجِی وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمَ فَاِنَّ اللّٰهَ یٰٓاٰتِی بِالسَّمٰوٰتِ مِنَ الْمَشْرِقِ قَالَتِ بِہَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا ہے اور فرمایا ہے۔ «اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْہَدُوْا» (صحیح البخاری کتاب الایمان، باب فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰۃَ) ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔“ اسی طرح سزائے ارتداد (قتل) سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ ایسا باور کراتے ہیں)۔ کیونکہ ارتداد کی سزا (قتل) سے مقصود جبر واکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہ جانے کی اجازت تو بے شک دی جاسکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس سے بغاوت و انحراف کی اجازت نہیں دی جاسکتی لہذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے۔ کیونکہ اگر یہ اجازت دے دی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی جو اسلامی معاشرے کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر، قتل، چوری، زنا، ڈاکہ اور حرابہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی۔ یہ جبر واکراہ نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارت گری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے۔ ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر و فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج اکثر اسلامی ممالک ان دونوں ہی مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجبنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں، محتاج وضاحت نہیں۔

اب تو وہ کافر بھونچکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۲۵۹. یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟^(۱) تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لیے، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ،^(۲) فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۳)

۲۶۰. اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے

أَوَكَلِّدُنِي مَوْعِدِي قَرِيبَةً وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ أَلْفٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ أَلْفٍ فَأَنْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ كَمْ يَتَسَنَّهٗ وَأَنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَأَنْظُرْ إِلَى السَّحَابِ كَيْفَ نُنْزِلُهَا ثُمَّ نَكْسُوهُمَا الْحَمِيمَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أُولَٰئِكَ ثُمُورٌ قَالَ بَلْ لَّكِن لِّيَبْطِلَ قَوْلُ الْفُلِيِّ

۱. اَوَكَلِّدُنِي مَوْعِدِي قَرِيبَةً (پہلے واقعہ کی طرح) اس شخص کے قے پر نظر نہیں ڈالی جو ایک بستی سے گزرا۔ یہ شخص کون تھا؟ اس کی بابت مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور حضرت عزیر کا نام ہے جس کے بعض صحابہ و تابعین قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس سے پہلے کے واقعہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام و نمرود) میں صالح یعنی باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس دوسرے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت احیائے موتی کا اثبات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اور اس کے گدھے کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا، حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ وہی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ جب وہ سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو ہزاروں سال کے بعد بھی زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔

۲. کہا جاتا ہے کہ جب وہ شخص مذکورہ مرا تھا، اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا اور جب زندہ ہوا تو ابھی شام نہیں ہوئی تھی، اس سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن گزر گیا ہے اور اگر یہ آج ہی کا واقعہ ہے تو دن کا کچھ حصہ ہی گزرا ہے۔ جب کہ واقعہ یہ تھا کہ اس کی موت پر سو سال گزر چکے تھے۔

۳. یعنی یقین تو مجھے پہلے بھی تھا لیکن اب عینی مشاہدے کے بعد میرے یقین اور علم میں مزید پختگی اور اضافہ ہو گیا ہے۔

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الظُّلُمِ الَّذِيْنَ لَكَ ثُمَّ
اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ
يَاٰدِيْنَكَ سَعِيًّا وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٦﴾

گا؟^(۱) (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔

۲۶۱۔ جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ

مَكَالَ الَّذِيْنَ يَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْتَبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِيْ كُلِّ سَبْكَةٍ
مِّائَةً حَبَّةً وَاللّٰهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ

۱۔ یہ احیائے موتی کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نہایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیے۔ بس یہ چار مختلف پرندے تھے۔ فَصَّرْهُنَّ کے ایک معنی اَمْلَهُنَّ کیے گئے ہیں یعنی ان کو ”ہلالے“ (مانوس کر لے) تاکہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان لے کہ یہ وہی پرندے ہیں اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ اس معنی کے اعتبار سے پھر اس کے بعد ثُمَّ قَطَّعْهُنَّ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) محذوف ماننا پڑے گا۔ دوسرے معنی قَطَّعْهُنَّ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) کیے گئے ہیں۔ اس صورت میں کچھ محذوف مانے بغیر معنی واضح ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر ان کے اجزاء باہم ملا کر رکھ دے، پھر تو آواز دے تو وہ زندہ ہو کر تیرے پاس آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعض جدید و قدیم مفسرین نے (جو صحابہ و تابعین کی تفسیر اور سلف کے منہج و مسلک کو اہمیت نہیں دیتے) فَصَّرْهُنَّ کا ترجمہ صرف ”ہلالے“ کا کیا ہے۔ اور ان کے ٹکڑے کرنے اور پہاڑوں پر ان کے اجزاء بکھیرنے اور پھر اللہ کی قدرت سے ان کے جڑنے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں، اس سے واقعے کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور مردے کو زندہ کر دھانے کا سوال جو ان کا توں قائم رہتا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت احیائے موتی اور اس کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ ایک حدیث میں ہے نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعے کا تذکرہ کر کے فرمایا ”نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ“ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر) ”ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں۔“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا، لہذا ہمیں ان سے زیادہ شک کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ بلکہ مطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مسئلے میں شک نہیں کیا اگر انہوں نے شک کا اظہار کیا ہوتا تو ہم یقیناً شک کرنے میں ان سے زیادہ حق دار ہوتے (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے فتح القدیر۔ للشوکانی)

وَأَسْمُ عَلَيْهِ ۝

جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے^(۱) اور اللہ تعالیٰ کسادگی والا اور علم والا ہے۔

۲۶۲۔ جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں،^(۲) ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ تو کچھ خوف ہے اور نہ وہ اداس ہوں گے۔

۲۶۳۔ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو^(۳) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَمْلًا وَلَا أَدًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ تَتَّبِعَهَا أَذًى وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَلِيمٌ ۝

۱۔ یہ اتفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاد میں خرچ کی گئی رقم کا یہ ثواب ہو گا اور اگر اس سے مراد تمام مصارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات و صدقات نافلہ کی ہوگی اور دیگر نیکیاں «الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَلِهَا» (ایک نیکی کا اجر دس گنا) کی ذیل میں آئیں گی۔ (بخ اللہ) گویا نفقات و صدقات کا عام اجر و ثواب، دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی اس اہمیت و فضیلت کی وجہ بھی واضح ہے کہ جب تک مسلمان واسطہ جنگ کا انتظام نہیں ہو گا، فوج کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی اور مسلمان اور اسلحہ رقم کے بغیر مہیا نہیں کیے جاسکتے۔

۲۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا، نہ زبان سے ایسا کلمہ تحقیق ادا کرتا ہے جس سے کسی غریب، محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا، ان میں ایک احسان جتلاتے والا ہے (مسلم، کتاب الإیمان، باب غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية)۔

۳۔ سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا یا دعا یہ کلمات (اللہ تعالیٰ تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے نوازے وغیرہ) سے اس کو جواب دینا قول معروف ہے اور مَغْفِرَةٌ کا مطلب سائل کے فقر اور اس کی حاجت کا لوگوں کے سامنے عدم اظہار اور اس کی پردہ پوشی ہے اور اگر سائل کے منہ سے کوئی نازیبا بات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی سائل سے نرمی و شفقت اور چشم پوشی، پردہ پوشی، اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں ذلیل و رسوا کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے «الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ» (صحیح مسلم کتاب الزکاة، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف) (پاکیزہ کلمہ بھی صدقہ ہے) نیز نبی ﷺ نے فرمایا «تم کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر مت سمجھو، اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو» «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنَّ تَلَقَّى

أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلِقٍ» (مسلم، کتاب البر، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء)۔

۲۶۴۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے نہ قیمت پر، اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے،^(۱) ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو (سیدھی) راہ نہیں دکھاتا۔

۲۶۵۔ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو^(۲) اور زوردار بارش اس پر برے اور وہ اپنا پھل دگنا لاوے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا صِدْقَكُمْ يَا لَيْسَ
وَالْأُدَىٰ كَالْإِذْيِ يُفْغِقُ مَالَهُ رِقْدًا تِلْكَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۚ الْأَقْيَدُ زِدْنَ
عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ ﴿٣٥﴾

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ اتِّغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَغْيِثِ أَمْوَالَهُمْ لِكَيْلَ
يَكُونُوا فِي سَبِيلِهِ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْهَا
ضُغَيْنٌ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ كَطَلٍّ وَاللَّهُ
بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٠﴾

۱۔ اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کر کے احسان جتانا اور تکلیف دہ باتیں کرنا، اہل ایمان کا شیوہ نہیں، بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو منافق ہیں اور ریاکاری کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ دوسرے، ایسے خرچ کی مثال صاف چٹان کی سی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس میں بیج بو دے لیکن بارش کا ایک جھکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پتھر کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی، اسی طرح ریاکار کو بھی اس کے صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

۲۔ یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کا خرچ کیا ہوا مال اس باغ کی مانند ہے جو پر فضا اور بلند چوٹی پر ہو، کہ اگر زوردار بارش ہو تو اپنا پھل دگنا دے ورنہ ہلکی سی پھوار اور شبنم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے نفقات بھی، چاہے کم ہوں یا زیادہ، عند اللہ کئی گنا اجر و ثواب کے باعث ہوں گے جَنَّةٗ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانک لیں یا وہ باغ، جس کے چاروں طرف باڑھ ہو اور باڑھ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے، جن اس مخلوق کا نام ہے جو نظر نہیں آتی، پیٹ کے نیچے کو جنین کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا، دیوانگی کو جنوں سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور جنت کو بھی اس لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور ہے۔ رَبَّوۃٌ اونچی زمین کو کہتے ہیں۔ وَاٰلَ تٰیۡرِ بَارَش۔

أَيُّوْ أَحَدَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ حَبَّةٌ مِّنْ حَبِّلٍ
وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِائِنٌ
كُلُّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّتٌ ضَعُفَاءٌ
فَأَصَابَهَا أَعْصَارٌ فَيَكُونُ نَارًا فَخَارَتْ فَتَكُنُ لَكَ
بَيْنَ يَدَيْكَ إِلَهٌ لَّكُمْ الْذَّيْلُ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥﴾

۲۶۶. کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں، اور اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو، اور اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ کو بگولا لگ جائے جس میں آگ بھی ہو، پس وہ باغ جل جائے،^(۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غورو فکر کرو۔

۲۶۷. اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو،^(۲) اور ان میں سے بری چیزوں کے خرچ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِمَّا
كَسَبْتُمْ وَمِمَّا آخَرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ
وَلَا تَتَّبِعُوا الْبَيْتَ مِنْهُ تَتَفَقَهُونَ وَلَسْتُمْ

۱. اسی ریاکاری کے نقصانات کو واضح کرنے کے اور اس سے بچنے کے لیے مزید مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح ایک شخص کا باغ ہو جس میں ہر طرح کے پھل ہوں (یعنی اس سے بھرپور آمدنی کی امید ہو)، وہ شخص بوڑھا ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں (یعنی وہ خود بھی ضعف پیری اور کبر سنی کی وجہ سے محنت و مشقت سے عاجز ہو چکا ہو اور اولاد بھی اس کے بڑھاپے کا سہارا تو کیا؟ خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو) اس حالت میں تیز و تند ہوائیں چلیں اور اس کا سارا باغ جل جائے۔ اب نہ وہ خود دوبارہ اس باغ کو آباد کرنے کے قابل رہا نہ اس کی اولاد۔ یہی حال ان ریا کار خرچ کرنے والوں کا قیامت کے دن ہو گا۔ کہ نفاق و ریاکاری کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت چلے جائیں گے جب کہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت و فرصت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا یہی حال ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، فتح القدیر، للشوکانی و تفسیر ابن جریر طبری)۔

۲. صدق کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ مَنْ وَأَذَى اور ریاکاری سے پاک ہو (جیسا کہ گذشتہ آیات میں بتایا گیا ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار (تجارت و صنعت) کے ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”خیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد مت کرو۔“ تو خیث سے ایک تو وہ چیزیں مراد ہیں جو غلط کمائی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ حدیث میں ہے «إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا» (اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک (حلال) چیز ہی قبول فرماتا ہے)۔ دوسرے خیث کے معنی ردی اور نکمی چیز کے ہیں، ردی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کی جائیں، جیسا کہ

يَا خِذْ يَدِي إِلَّا أَنْ تَعَصُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَمِيدٌ ۝

کرنے کا قصد نہ کرنا، جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں
اگر آنکھیں بند کر لو تو، ^(۱) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پردہ
اور خوبیوں والا ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ
وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

۲۶۸. شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی
کا حکم دیتا ہے، ^(۲) اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور
فضل کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم
والا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ
الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

۲۶۹. وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص
حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا ^(۳) اور
نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (آل عمران: ۹۷) کا بھی مفاد ہے۔ اس کی شان نزول کی روایت میں بتلایا
گیا ہے کہ بعض انصار مدینہ خراب اور کئی کھجوریں بطور صدقہ مسجد میں دے جاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح
القدیر۔ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ وغیرہ)۔

۱. یعنی جس طرح تم خود ردی بیڑیں لینا پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ کی راہ میں بھی اچھی چیز ہی خرچ کرو۔
۲. یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے۔ لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہو
تو ایسے اندیشوں کو نزدیک نہیں بھٹکنے دیتا۔ بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے
لیے خفیہ آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی رقم بے دھوک خرچ کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ
مسجد، مدرسے یا اور کسی کار خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دو سو کے لیے بار بار اپنے حساب کی
جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اور مانگنے والے کو بسا اوقات کئی کئی بار دوڑاتا اور پلٹاتا ہے۔ لیکن یہی شخص سینما، ٹیلی ویژن،
شراب، بدکاری اور مقدسے بازی وغیرہ کے جال میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے کسی قسم
کی ہچکچاہٹ اور تردد کا ظہور نہیں ہوتا۔

۳. حکمت سے بعض کے نزدیک، عقل و فہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے قرآن کے ناخ و منسوخ کا علم و فہم، قوت
فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب و سنت کا علم و فہم ہے یا سارے ہی مفہوم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے
ہیں۔ صحیحین وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ”دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے
راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔“

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة - مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلمہ ...)

۲۷۰۔ اور تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو^(۱) اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۲۷۱۔ اگر تم صدقہ خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

۲۷۲۔ انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔ اور تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا،^(۳) اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔

وَمَا أَفْقَرُ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذْرٍ مِّنْ تَنْذِرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَوَاسِدَ الَّذِينَ فِي الْأَنْصَارِ ۝

إِنْ تَبَدُّوا لِلصَّدَقَاتِ فَيَعْبَاهِي وَإِنْ تَخْفَوْهَا وَتُوْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِسْكُمْ وَمَا تُنْفِقُوا إِلَّا لِابْتِغَاءِ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝

۱۔ نَذْر کا مطلب ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں ابتلاء سے نجات مل گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نافرمانی یا ناجائز کام کی نذر مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ نذر بھی، نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے، جیسا کہ آج کل مشہور قبروں پر نذر و نیاز کا یہ سلسلہ عام ہے، اللہ تعالیٰ اس شرک سے بچائے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے کسی ایسی صورت کے کہ علانیہ صدقہ دینے میں لوگوں کے لیے ترغیب کا پہلو ہو۔ اگر ریاکاری کا جذبہ شامل نہ ہو تو ایسے موقعوں پر پہل کرنے والے جو خاص فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، وہ احادیث سے واضح ہے۔ تاہم اس قسم کی مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے صدقہ و خیرات کرنا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قیمت کے دن عرش الہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ صدقے میں اخفاء کی افضلیت کو بعض علماء نے صرف نفی صدقات تک محدود رکھا ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں اظہار کو بہتر سمجھا ہے۔ لیکن قرآن کا عموم صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں کو شامل ہے (ان کثیر) اور حدیث کا عموم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

۳۔ تفسیری روایت میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کی مدد کرنا جائز نہیں

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
لَا يَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَاقًا وَمَا
تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

۲۷۳۔ صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے، جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے^(۱) نادان لوگ ان کی بے سوا کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے،^(۲) اور تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔

سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر لگادینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تم لَوْجہ اللہ جو بھی خرچ کرو گے، اس کا پورا اجر ملے گا جس سے یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔ تاہم زکوٰۃ صرف مسلمانوں کا حق ہے یہ کسی غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی۔

۱۔ اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جو مکہ سے مدینہ آئے اور اللہ کے راستے میں ہر چیز سے کٹ گئے۔ دینی علوم حاصل کرنے والے طلباء اور علماء بھی اس کے ذیل میں آسکتے ہیں۔

۲۔ گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ تَعَفُّف (سوال سے بچنا) اختیار کرتے اور اِلْحَاف (چمٹ کر سوال کرنا) سے گریز کرتے ہیں۔ بعض نے الحاف کے معنی کیے ہیں، بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت عفت بیان کی گئی ہے (فتح القدیر) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح و زاری نہیں کرتے اور جس چیز کی انہیں ضرورت نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیشہ) لوگوں سے مانگے اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ”مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک، دو دو لقمے کے لیے در در پر جاکر سوال کرتا ہے۔ مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے“ پھر نبی ﷺ نے آیت ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَاقًا﴾ کا حوالہ پیش فرمایا (صحیح بخاری، التفسیر والزکوة)۔ اس لیے پیشہ ور گداگروں کے بجائے، مہاجرین، دین کے طلباء علماء اور سفید پوش ضرورت مندوں کا پتہ چلا کہ ان کی امداد کرنی چاہیے۔ جو سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی عزت نفس اور خود داری کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے کہ جس کے پاس مایغنی ہو (یعنی اتنا سامان ہو جو اس کو کفایت کرتا ہو) لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے گا، تو قیامت کے دن اس کے چہرے پر زخم ہوں گے۔ (رواہ أهل السنن الأربعة)۔ ترمذی، کتاب الزکوة) اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ ہمیشہ لوگوں سے سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الزکوة باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له)

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ يَأْكُلُ
وَالْتَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ﴿۲۷﴾

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا
يَقُومُ الَّذِينَ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْمَنِ

۲۷۔ جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے
خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب تعالیٰ
کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ
غمگینی۔

۲۸۔ سود خور^(۱) لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح
جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خطی

۱۔ ربوا کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اور شریعت میں اس کا اطلاق رَبَا الْفَضْلِ اور رَبَا النَّسَبَةِ پر ہوتا ہے۔ رَبَا الْفَضْلِ، اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیاء میں کی پیشی یا نقد وادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے)۔ مثلاً گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرا یَدَا بَیْدَ (ہاتھوں ہاتھ) ہو۔ اس میں کی پیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کی بجائے، ایک نقد اور دوسرا ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی سود ہے۔ رَبَا النَّسَبَةِ کا مطلب ہے کسی کو (مثلاً) ۶ مہینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا، کہ واپسی ۱۲۵ روپے ہوگی۔ ۲۵ روپے ۶ مہینے کی مدت کے لیے جائیں حضرت علیؓ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ (كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنَفَعَةً فَهُوَ رَبَاً) (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج ۵، ص ۲۸) (قرض پر لیا گیا نفع سود ہے) یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے دونوں قسم کے قرضوں پر لیا گیا سود حرام ہے اور زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا۔ شریعت نے بغیر کسی قسم کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضہ (جو عام طور پر بینک سے لیا جاتا ہے) اس پر اضافہ، سود نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بینک کو یا قرض دہندہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کی قباحت ان متجددین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں۔ مثلاً قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے۔ بلکہ، منافع تو کچھ اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بینک ہو یا کوئی ساہوکار) کا منافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگدلی اور خود غرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرے میں ضرورت مند، بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شتاوت و سنگدلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال سود مطلقاً حرام ہے چاہے ذاتی ضرورت کے لیے لیے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔

بنادے،^(۱) یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے،^(۲) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو گزرا^(۳) اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے،^(۴) اور جو پھر دوبارہ (حرام کی طرف) لوٹا، وہ جہنمی ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔

۲۷۶۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے^(۵) اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار سے محبت نہیں کرتا۔

۲۷۷۔ بے شک جو لوگ ایمان کے ساتھ (سنت کے مطابق) نیک کام کرتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے، اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے، نہ اداسی اور غم۔

۲۷۸۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ بچ ایمان والے ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اَلَيْسَ الْبَيْعُ مِثْلَ الْرِبَا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِدًا مَّوْعَظَةً مِّنْ رَّبِّهٖ فَاتَّبِعْهُ فَاِنَّهٗ لَمَسْلُوفٌ وَّ اَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ وَّمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

يَبْحَثُ اللّٰهُ الرِّبَا وَ الرِّبَا يُزِيْهِ الصَّدَقٰتِ وَاَللّٰهُ لَيُحِبَّ كُلَّ كَفَّارٍ اٰثِيْمٍ ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوْا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

۱۔ سود خور کی یہ کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان محشر میں ہوگی۔

۲۔ حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرا اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا ہے، جب کہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، علاوہ ازیں سچ کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟

۳۔ قبول ایمان یا توبہ کے بعد پچھلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔

۴۔ کہ وہ توبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے یا سوء عمل اور فساد نیت کی وجہ سے اسے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد دوبارہ سود لینے والے کے لیے وعید ہے۔

۵۔ یہ سود کی معنوی اور روحانی مضرتوں اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن معنوی حساب سے یا مال (انجام) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اب یورپی ماہرین معیشت بھی کرنے لگے ہیں۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ ۚ وَإِنْ تُبْتِغُوا فَكَلُومًا مِّنْ أَمْوَالِكُمْ
لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَإِنْ
صَدَقْتُمْ خَيْرَ لَّكُم ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ ۖ تَعْلَمُونَ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا اَيْنْتُمْ بِدِيْنٍ اِلٰى اٰحَدٍ
مِّنْكُمْ فَاَنْتَبِهُوْا وَلِكُلِّبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

۲۷۹۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ،^(۱) اور ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔^(۲)

۲۸۰۔ اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور صدقہ کرو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے،^(۳) اگر تم میں علم ہو۔

۲۸۱۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔^(۴)

۲۸۲۔ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا

۱۔ یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو، تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔ (ابن کثیر)

۲۔ تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہوگا اور اگر تمہیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔

۳۔ زمانہ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے مہلت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور پر رحمت نظام الہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت و افادیت کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔

۴۔ بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر)

کرو،^(۱) اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، اور کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا چاہیے اور جس کے ذمے حق ہو^(۲) وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمے حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو،^(۳)

وَلَا يَأْتِيَكُمُ الْبَيِّنَاتُ أَنْ يُكْتَبَ بِكُمُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ
وَلْيُبَيِّنِ لَكُمْ الْوَحْيَ وَلْيُكَلِّمِ اللَّهُ رَبَّهُ وَلَا
يَبْخُسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يَبَيِّنَ
فَلْيُكَلِّمِ لَكُمْ وَلْيُكَلِّمِ بِالْعَدْلِ وَالسَّاهِدَ وَالسَّاهِدَتَيْنِ
مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَأُمْرَأَتَانِ وَمَنْ تَرَضَوْا مِنْ الشَّهَادَةِ أَنْ
تَقُولَ أَحَدُهُمَا قَوْلَ الْآخَرِ وَلَا
يَأْتِ الشَّهَادَةُ إِذَا أَمَدَا عَوًا وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ
تَكْتُمُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ آخِرِهِ ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ
عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا

۱۔ جب سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقات و خیرات کی تاکید بیان کی گئی تو پھر ایسے معاشرے میں دیون (قرضوں) کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سود تو ویسے ہی حرام ہے اور ہر شخص صدقہ و خیرات کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر شخص صدقہ لینا پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر اپنی ضروریات و حاجات پوری کرنے کے لیے قرض ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا باعث بھی ہے۔ اس لیے اس آیت میں جسے آیۃ الذین کہا جاتا ہے اور جو قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں ضروری ہدایات دی ہیں تاکہ یہ ناگزیر ضرورت لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ مدت کا تعین کرلو، دوسرا یہ کہ اسے لکھ لو، تیسرا یہ کہ اس پر دو مسلمان مردوں کو، یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

۲۔ اس سے مراد مقروض ہے یعنی وہ اللہ سے ڈرتا ہوا رقم کی صحیح تعداد لکھوائے، اس میں کمی نہ کرے۔ آگے کہا جا رہا ہے کہ یہ مقروض اگر کم عقل یا کمزور بچہ یا مجنون ہے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھوالے تاکہ صاحب حق (قرض دینے والے) کو نقصان نہ ہو۔

۳۔ یعنی جن کی دین داری اور عدالت پر تم مطمئن ہو۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس نص سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ نیز مرد کے بغیر صرف اسکی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں، سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جب کہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھالے۔ فقہائے احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، جب کہ محدثین اس کے قائل ہیں، کیونکہ حدیث سے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے اور دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی جائز ہو گا۔ (فتح القدیر)

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُوتُهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا
تُكْتَبُوهَا وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ
وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَقَعُوا
فَأِنَّهُ مُسَوِّئٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُ
اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵﴾

تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلادے^(۱) اور
گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں
اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا
ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات
بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی
اور شک و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے،^(۲) ہاں یہ
اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو
آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ
لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کے وقت بھی
گواہ مقرر کر لیا کرو^(۳) اور (یاد رکھو کہ) نہ تو لکھنے والے
کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو^(۴) اور اگر تم یہ کرو تو
یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو،^(۵) اللہ
تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب
جاننے والا ہے۔

۱۔ یہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے۔ یعنی عورت عقل اور یادداشت میں مرد سے
کمزور ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی عورت کو ناقص العقل کہا گیا ہے) اس میں عورت کے استخفاف اور فروتری
کا اظہار نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت
پر مبنی ہے۔ مُکَابَرَةٌ کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے۔ لیکن حقائق و واقعات کے اعتبار سے یہ ناقابل تردید ہے۔
۲۔ یہ لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے، گواہی بھی درست رہے گی (کہ گواہ کے فوت
یا غائب ہونے کی صورت میں بھی تحریر کام آئے گی) اور شک و شبہ سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ شک پڑنے
کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کر لیا جاسکتا ہے۔

۳۔ یہ وہ خرید و فروخت ہے جس میں ادھار ہو یا سودا طے ہو جانے کے بعد بھی انحراف کا خطرہ ہو۔ ورنہ اس سے پہلے نقد
سودے کو لکھنے سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ بعض نے اس بیع سے مکان، دکان، باغ یا حیوانات کی بیع مراد لی ہے۔ (ابن القایم)

۴۔ ان کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلایا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیات میں حرج یا
کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو جھوٹی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

۵۔ یعنی جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرو۔

وَأَن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ
مَقْصُودَهُۥٓ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الْأَمْرَ
أُولَٰئِكَ أَمَانَتُهُ وَلْيَكُنِ لِلَّهِ رِجَالُهُ وَلَا تَكُونُوا
الشَّاهِدَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِصْرٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

۲۸۳۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو،^(۱) ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے مطمئن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔^(۲) اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپالے وہ گناہ گار دل والا ہے^(۳) اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَإِن تُبَدُّوْا مٰمًا
فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْا بِهَا سُبُوْغًا لِلّٰهِ
فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

۲۸۴۔ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا حساب تم سے لے گا۔^(۴)

۱۔ اگر سفر میں قرض کا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور وہاں لکھنے والا یا کاغذ پینل وغیرہ نہ ملے تو اس کی متبادل صورت بتلائی جا رہی ہے کہ قرض لینے والا کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس رہن (گروی) رکھ دے۔ اس سے گروی کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنی زہد ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی۔ (صحیحین) تاہم اگر مَرْهُوْنَةٌ (گروی رکھی ہوئی چیز) ایسی ہے جس سے نفع موصول ہوتا ہے تو اس نفع کا حق دار مالک ہو گا نہ کہ دائن۔ البتہ اس پر دائن کا اگر کچھ خرچ ہوتا ہے تو اس سے وہ اپنا خرچہ وصول کر سکتا ہے۔ باقی نفع مالک کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ یعنی اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو بغیر گروی رکھے بھی ادھار کا معاملہ کر سکتے ہو۔ امانت سے مراد یہاں قرض ہے، اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے صحیح طریقے سے ادا کرے۔

۳۔ گواہی کا چھپانا کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر سخت وعید یہاں قرآن میں اور احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی لیے صحیح گواہی دینے کی فضیلت بھی بڑی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”وہ سب سے بہتر گواہ ہے جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی از خود گواہی کے لیے پیش ہو جائے“ «أَلَا خَيْرٌ لَّكُمْ بِخَيْرِ الشَّهَدَاءِ؟ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ» (صحیح مسلم، کتاب الأفضیة، باب بیان خیر الشہود) نیز آیت میں دل کا خاص ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ کتمان دل کا فعل ہے۔ علاوہ ازیں دل تمام اعضاء کا سردار ہے اور یہ ایسا مضغہ گوشت ہے کہ اگر یہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں فساد آجائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ «أَلَا! وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا! وَهِيَ الْقَلْبُ» - (صحیح البخاری،

کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدينه)

۴۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بڑے پریشان ہوئے۔ انہوں نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نماز، روزہ، زکوٰۃ و جہاد وغیرہ یہ سارے اعمال، جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہم

عَلَىٰ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٥﴾

پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۸۵۔ رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے،^(۱) انہوں نے

اَمِّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ
وُرُسُلِهِ ۚ لَوْ تَفَرَّقَ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِمْ
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ
الْبَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾

بجالاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں۔ لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت سے ہی ماورا ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرمادیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ فی الحال تم «سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا» ہی کہو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہٴ سمع و طاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے آیت ﴿لَا يَكُفُّ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) سے منسوخ فرمادیا (ابن کثیر، دمج القدر) صحیحین و سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيَّ عَن اُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُدُوْرَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَكَلَّمْ» (صحیح البخاری، کتاب العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة... ومسلم، کتاب الایمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس...) "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے۔ البتہ ان پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار زبان سے کر دیا جائے۔" اس سے معلوم ہوا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر محاسبہ نہیں ہوگا، صرف ان پر محاسبہ ہوگا جو پختہ عزم و ارادہ میں ڈھل جائیں یا عمل کا قالب اختیار کر لیں۔ اس کے برعکس امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ محاسبہ معاقبہ کو لازم نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا بھی محاسبہ کرے، اس کو سزا بھی ضرور دے، بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا کرے گا، لیکن بہت سے لوگ ہوں گے کہ محاسبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا بلکہ بعض کے ساتھ تو یہ معاملہ فرمائے گا کہ اس کا ایک ایک گناہ یاد کر کے ان کا اس سے اعتراف کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالے رکھا، جا آج میں ان کو معاف کرتا ہوں (یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے بحوالہ ابن کثیر) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں نسخ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اسے وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے دل میں جو شبہ اس آیت سے پیدا ہوا تھا، اسے آیت ﴿لَا يَكُفُّ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ اور حدیث «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيَّ عَن اُمَّتِي...» وغیرہ سے دور کر دیا گیا۔ اس طرح نسخ منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۱۔ اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت ﴿لَا يَكُفُّ اللّٰهُ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی

کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

۲۸۶۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما! اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر! تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔

لَا يَكِفُّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ كُنَّا سَيِّئِينَ أَوْ آخِذْنَا بِتَبَائِبِنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا أَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحْمِلْنَا مَا لَا حَاقَّةَ لَنَا بِهِ وَأَعْفُ عَنَّا وَاعْفُ رِئَاسَتَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

بات کا مکلف نہیں کیا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہو۔ ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں“ (صحیح بخاری - ابن کثیر) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورہ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحیح مسلم، باب فی ذکر سدرۃ المنتہی) کئی روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورت کی آخری آیات آپ ﷺ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الہی کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں (احمد، نسائی، طبرانی، بیہقی، حاکم، دارمی وغیرہ - در منثور) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

سورہ آل عمران مدنی ہے اس میں دوسو آیات
اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْقَوْمِ

۱. الْقَوْمِ

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝

۲. اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ
اور سب کا نگہبان ہے۔^(۱)

تَنْزِيلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝

۳. جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل
فرمایا ہے،^(۲) جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے،
اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل کو اتارا تھا۔

وَمِنْ قَبْلُ هَدَىٰ لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝

۴. اس سے پہلے، لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر،^(۳)

☆ یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں مختلف اوقات میں ہجرت کے بعد اتری ہیں۔ اور اس کا ابتدائی حصہ یعنی ۸۳ آیات تک عیسائیوں کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ۹ ہجری میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ عیسائیوں نے آکر نبی ﷺ سے اپنے عیسائی عقائد اور اسلام کے بارے میں مذاکرہ ومباحثہ کیا، جس کا رد کرتے ہوئے انہیں دعوت مہابہ بھی دی گئی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ کیا جائے۔

۱. حَیُّ اور قَیُّوْمُ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں حَیُّ کا مطلب وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔ قَیُّوْمُ کا مطلب ساری کائنات کا قائم رکھنے والا، محافظ اور نگران، ساری کائنات اس کی محتاج وہ کسی کا محتاج نہیں۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں سے ایک مانتے تھے۔ گویا ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانہ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت عرصے بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ، یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انہیں مخلوق کے بجائے الوہی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے بھی ہمکنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے بقول ہمکنار ہو چکے۔ احادیث میں آتا ہے کہ تین آیتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی۔ ایک یہی آل عمران کی آیت، دوسری آیت الکرسی میں ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ (البقرة: ۲۵۵) تیسری سورہ طہ میں ﴿وَعَذَّتْ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ﴾ (۱۱۱)۔ (ابن کثیر۔ تفسیر آیت الکرسی)

۲. یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

۳. اس سے پہلے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں، ان

اور قرآن بھی اسی نے اتارا^(۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔

۵. یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

۶. وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے۔^(۲) اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔

۷. وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔^(۳) پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ

الَّذِينَ كَفَرُوا يَا أَيُّهَا اللَّهُ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ

کی صداقت اور ان میں بیان کردہ بیش گونیوں کا اعتراف کرتی ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر یہ کسی اور کی طرف سے یا انسانی کا دوشوں کا نتیجہ ہوتا تو ان میں باہم مطابقت کے بجائے مخالفت ہوتی۔

۱. یعنی اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں، اس لیے کہ ان کے اتارنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ تاہم اس کے بعد ﴿وَأَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ﴾ دوبارہ کہہ کر وضاحت فرمادی۔ کہ اب تورات و انجیل کا دور ختم ہو گیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے، وہ فرقان ہے اور اب صرف وہی حق و باطل کی پہچان ہے، اس کو سچا مانے بغیر عند اللہ کوئی مسلمان اور مومن نہیں۔

۲. خوب صورت یا بد صورت، مذکر یا مؤنث، نیک بخت یا بد بخت، ناقص الخلق یا تام الخلق۔ جب رحم مادر میں یہ سارے تصرفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام الہ کس طرح ہو سکتے ہیں جو خود بھی اسی مرحلہ تخلیق سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں جس کا سلسلہ اللہ نے رحم مادر میں قائم فرمایا ہے۔

۳. مُحْكَمَاتٌ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے، اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس آیاتٌ مُتَشَابِهَاتٌ ہیں مثلاً اللہ کی ہستی، قضاء و قدر کے مسائل، جنت و دوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماوراء عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو۔ اسی لیے آگے کہا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے ”فتنے“ برپا کرتے

مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے، حالانکہ ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا^(۱) اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِمَّا لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

۸. اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْعِثَادَ ۝

۹. اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝

۱۰. یقیناً کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی، اور یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں۔

ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں۔ قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کو عبد اللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے۔ لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے، اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں۔ یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے ہیں، وہ انہی مُتَشَابِهَات کو بنیاد بناتے ہیں اور بسا اوقات مُحْكَمَات کو بھی اپنے فلسفیانہ استدلال کے گورکھ دھندے سے مُتَشَابِهَات بنادیتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔ ان کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان محکمات پر عمل کرتا ہے اور مُتَشَابِهَات کے مفہوم کو بھی (اگر اس میں اشتباہ ہو) محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ قرآن نے انہی کو ”اصل کتاب“ قرار دیا ہے۔ جس سے وہ فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور عقائد کی گمراہی سے بھی جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ۔

۱. تاویل کے ایک معنی تو ہیں ”کسی چیز کی اصل حقیقت“ اس معنی کے اعتبار سے اِلَّا اللّٰهُ پر وقف ضروری ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں ”کسی چیز کی تفسیر و تعبیر اور بیان و توضیح“ اس اعتبار سے اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کی بجائے ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ پر بھی وقف کیا جاسکتا ہے کیوں کہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں۔ ”تاویل“ کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (طس از ابن کثیر)

۱۱. جیسا آل فرعون کا حال ہوا، اور ان کا جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

۱۲. کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے^(۱) اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

۱۳. یقیناً تمہارے لیے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں، ایک جماعت تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دو گنا دیکھتے تھے^(۲) اور

كَذٰلِكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَاٰلِهٖٓزَيْنِ مِنْ قَبْلِهٖۚ كَذَّبُوْا بِآٰيٰتِنَاۤ اَفَاَخَذَ هُمْ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْۚ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

قُلْ لِلّٰهِ يَنْ كَفَرُوْا سَتُعْلَبُوْنَ وَتُخْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْاِهْلٰۤاۤءٌ ۝

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىۡ فِئْتَيْنِ الثَّقٰتِ لَمِۤاتَةٌ مِّنْهُنَّۙ اَتٰتِلْ فِىۡ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرٰى كَافِرَةٌۙ تَبْرُوْنَهُمْ مِّثْلَ هٰٓؤُلَآءِ الْعٰیْنِۙ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بَصَرَهٗۙ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبْرَةًۙ لِّاُولٰٓئِیۡ الْاَبْصٰرِ ۝

۱. یہاں کافروں سے مراد یہودی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی جلد ہی پوری ہو گئی۔ چنانچہ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کیے گئے، بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ پھر خیبر فتح ہو گیا اور تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔ (فتح القدر)

۲. یعنی ہر فریق دوسرے فریق کو اپنے سے دو گنا دیکھتا تھا۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، انہیں مسلمان دو ہزار کے قریب دکھائی دیتے تھے۔ مقصد اس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا ۳۱۳) تھی، انہیں کافر ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان نظر آتے تھے۔ درآں حالیکہ ان کی اصل تعداد ہزار کے قریب (۳۰۰) تھی مقصد اس سے مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ اپنے سے تین گنا دیکھ کر ممکن تھا مسلمان مرعوب ہو جاتے۔ جب وہ تین گنا کے بجائے دو گنا نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ لیکن یہ دو گنا دیکھنے کی کیفیت ابتداء میں تھی، پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تاکہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریز نہ کرے بلکہ ہر ایک پیش قدمی کی کوشش کرے (ابن کثیر) یہ تفصیل سورۃ الأنفال - آیت ۴۴ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے جو ہجرت کے بعد دوسرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نہایت اہم جنگ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی۔ دوسرا یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابو سفیان کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا، مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ تو بچا کر لے گیا، لیکن کفار مکہ اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدر میں یہ پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تیسرا اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی۔ چوتھا اس میں کافروں کو عبرت ناک شکست ہوئی، جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلہ پست ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔

۱۴۔ مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کردی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی،^(۱) یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا

رُزْقَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ
وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُمَقَطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْأَرْثِ
ذَلِكَ مَتَاعُ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ

۱۔ شَهَوَاتٌ سے مراد یہاں مُشْتَهَاتٌ ہیں یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی لیے ان میں رغبت اور ان کی محبت ناپسندیدہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے۔ ان کی تزیین بھی اللہ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوهُمْ﴾ (الکہف: ۷) (ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں) سب سے پہلے عورت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر بالغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے زیادہ مرغوب بھی۔ خود نبی ﷺ کا فرمان ہے: «حُبُّ إِلَيَّ النِّسَاءِ وَالطَّيِّبُ» (مسند احمد) ”عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہیں“۔ اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو ”دنیا کی سب سے بہتر متاع“ قرار دیا ہے خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ اس لیے اس کی محبت شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے تو یہ بہترین رفیق زندگی بھی ہے اور زادِ آخرت بھی۔ ورنہ یہی عورت مرد کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: «مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَصَرَّ عَلَى الرَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» (صحیح البخاری کتاب النکاح، باب ما ينقضي من شؤم المرأة) ”میرے بعد جو فتنے رونما ہوں گے، ان میں مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا ہے۔“ اسی طرح بیٹوں کی محبت ہے۔ اگر اس سے مقصد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور بقاء و تکثیر نسل ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «تَزَوَّجُوا الْوُدُودَ الْوُلُودَ؛ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمْ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا) اس آیت سے رہبیت کی تردید اور تحریک خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ بَيْنِیْنٌ جمع ہے۔ مال و دولت سے بھی مقصود قیامِ معیشت، صلہ رحمی، صدقہ و خیرات اور اسے امور خیر میں خرچ کرنا اور سوال سے بچنا ہے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہو، تو اس کی محبت بھی عین مطلوب ہے ورنہ مذموم۔ گھوڑوں سے مقصد، جہاد کی تیاری، دیگر جانوروں سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لینا اور زمین سے اس کی پیداوار حاصل کرنا ہو تو یہ سب پسندیدہ ہیں اور اگر مقصود محض دنیا کمانا اور پھر اس پر فخر و غرور کا اظہار کرنا اور یادِ الہی سے غافل ہو کر عیش و عشرت سے زندگی گزارنا ہے تو یہ سب مفید چیزیں اس کے لیے وبالِ جان ثابت ہوں گی۔ قَنَاطِيرٌ قِنْطَارٌ (خزانہ) کی جمع ہے۔ مراد ہے خزانے یعنی سونے چاندی اور مال و دولت کی فراوانی اور کثرت۔ الْمُسَوَّمَةُ وہ گھوڑے جو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑے گئے ہوں۔ یا جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں یا نشان زدہ، جن پر امتیاز کے لیے کوئی نشان یا نمبر لگایا جائے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

الْهَابِ ۱۵

قُلْ أُوْصِيكُمْ بِعَدَمٍ دَلِكُمْ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا أَمْثَلًا فَغُفِرَ لَنَا ذُنُوبَنَا وَفَتَنَّا عَبْدًا ابْنًا ۝

الْطَّيِّبِينَ وَالضَّادِّينَ وَالْعَزِيزِينَ
وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُسْتَفِيزِينَ بِالْأَسْحَرِ ۝

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْهَادِي الْوَالِدُ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ۝

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ

تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

۱۵. آپ کہہ دیجیے! کیا میں تمہیں اس سے بہتر ہی چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لیے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے^(۱) اور پاکیزہ بیویاں^(۲) اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔
۱۶. جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لاچکے اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

۱۷. جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے حصے میں بخشش مانگنے والے ہیں۔

۱۸. اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں^(۳) اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

۱۹. بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی

۱. اس آیت میں اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی مت کھوجانا، بلکہ ان سے بہتر تو وہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہیں، جن کے مستحق اہل تقویٰ ہی ہوں گے۔ اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو۔ اگر یہ تمہارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین و دنیا کی بھلائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لو گے۔

۲. پاکیزہ، یعنی وہ دنیاوی میل کچیل، حیض و نفاس اور دیگر آلودگیوں سے پاک ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی۔ اس سے اگلی دو آیات میں اہل تقویٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔

۳. شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اس کے ذریعے سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (فتح القدیر) فرشتے اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب و سنت کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ (فتح القدیر)

ہے،^(۱) اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں^(۳) کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالیٰ

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْآخِرُونَ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ
الْعِلْمُ بَعِيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ
اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ^(۴)

۱۔ اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا، یہ اسلام نہیں نہ اس سے نجات آخرت ہی ملے گی۔ ایمان و اسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے، محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمانیات کے ساتھ ساتھ وہ عقائد و اعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عند اللہ قبول نہیں ہوگا۔ ﴿وَمَنْ يُبَيِّعْ عِبْرَ الْإِسْلَامِ دِينَ فَإِنَّهُ قَبِلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَيْرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵) نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الأعراف: ۱۵۸) (کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں)۔ ﴿تَذَكَّرَ الَّذِي تَزَلَّ الْعُرْكَانَ عَلَى عَبْدٍ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (الفرقان: ۱) (برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو) اور حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو یہودی یا نصرانی مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا، وہ جہنمی ہے۔“ (صحیح مسلم) مزید فرمایا ”بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ“ (میں احمر و اسود (یعنی تمام انسانوں کے لیے) نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں) اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ (صحیحین - بحوالہ ابن کثیر)

۲۔ ان کے اس باہمی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں برپا کر رکھا تھا مثلاً یہودیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندی، اسی طرح عیسائیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں۔ پھر وہ اختلاف بھی مراد ہے جو اہل کتاب کے درمیان آپس میں تھا۔ اور جس کی بنا پر یہودی نصرانیوں کو اور نصرانی یہودیوں کو کہا کرتے تھے ”تم کسی چیز پر نہیں ہو“۔ نبوت محمدی ﷺ اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ سارے اختلافات دلائل کی بنیاد پر نہیں تھے، محض حسد اور بغض و عناد کی وجہ سے تھے یعنی وہ لوگ حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض اپنے خیالی دنیاوی مفاد کے چکر میں غلط بات پر جتے رہتے اور اس کو دین باور کراتے تھے۔ تاکہ ان کی ناک بھی اونچی رہے اور ان کا عوامی حلقہ ارادت بھی قائم رہے۔ افسوس آج مسلمان علماء کی ایک بڑی تعداد ٹھیک ان ہی غلط مقاصد کے لیے ٹھیک اسی غلط ڈگر پر چل رہی ہے۔ هَذَا هُمُ اللَّهُ وَإِيَّانَا۔

۳۔ یہاں ان آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے دین الہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کا جلد حساب لینے والا ہے۔

۲۰. پھر بھی اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا ہے اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں^(۱) سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں، تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے۔

۲۱. یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناسق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل وانصاف کی بات کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں،^(۲) تو اے نبی! انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔

۲۲. ان کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

۲۳. کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے۔^(۳)

۲۴. اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند دن ہی آگ چلائے گی، ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ
اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ
بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
الرُّسُلَ بَغْيٌ حَقٌّ وَيَسْتَكْبِرُونَ الَّذِينَ
يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ
يُؤْتُونَ إِلَى الْكِتَابِ اللَّهُ لِيُحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى
فِرْقِنَ مِنْهُمْ وَمَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ أَلَّا يَأْتِيَ
مَعْدُودَاتٍ وَوَعْدُكُمْ فِي دِينِهِمْ أَكَاثُورٌ ۝

۱. ان پڑھ لوگوں سے مراد مشرکین عرب ہیں جو اہل کتاب کے مقابلے میں بالعموم ان پڑھ تھے۔

۲. یعنی ان کی سرکشی و بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی انہوں نے ناسق قتل نہیں کیا بلکہ ان تک کو بھی قتل کر ڈالا جو عدل وانصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ نبیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و فضیلت بھی واضح کر دی۔

۳. ان اہل کتاب سے مراد مدینے کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام، مسلمانوں اور نبی ﷺ کے خلاف مکروہ سازشوں میں مصروف رہے تا آنکہ ان کے دو قبیلے جلاوطن اور ایک قبیلہ قتل کر دیا گیا۔

ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔^(۱)

۲۵. پس کیا حال ہو گا جبکہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا (بدلہ) دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا؟^(۲)

۲۶. آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں،^(۳) بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۷. تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے،^(۴) تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا

كَذَٰلِكَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵﴾

قُلِ اللَّهُمَّ لَكَ الْمُلْكُ تُوْنِي الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ يُبْدِلُ الْأَخْيَرُ أَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۶﴾

تُولِيهِ الْيَلَّ فِي الْهَارِ وَتُولِيهِ الْهَارِ فِي الْيَلِّ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِعِزِّ حَسَابٍ ﴿۷﴾

۱. یعنی کتاب اللہ کے ماننے سے گریز و اعراض کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں، اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے۔ اور انہی من گھڑت باتوں نے انہیں دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے۔
۲. قیامت کے دن ان کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ بے لاگ انصاف کے ذریعے سے ہر نفس کو، اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا، کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔

۳. اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنادے، گدا کو شاہ بنادے، تمام اختیارات کا مالک وہی ہے۔ الْخَيْرُ بِيَدِكَ کی بجائے بِيَدِكَ الْخَيْرُ (خبر کی تقدیم کے ساتھ) سے مقصود تخصیص ہے یعنی تمام بھلائیاں صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔ ”شر“ کا خالق بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ذکر صرف خیر کا کیا گیا ہے، شر کا نہیں۔ اس لیے کہ خیر اللہ کا فضل محض ہے، بخلاف شر کے کہ یہ انسان کے اپنے عمل کا بدلہ ہے جو اسے پہنچتا ہے یا اس لیے کہ شر بھی اس کے قضاء و قدر کا حصہ ہے جو خیر کو متضمن ہے، اس اعتبار سے اس کے تمام افعال خیر ہیں۔ فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا خَيْرٌ۔ (فتح القدیر)

۴. رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب موسمی تغیرات ہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے تو دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور دوسرے موسم میں اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی رات کا حصہ دن میں اور کبھی دن کا حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات اور دن چھوٹے یا بڑے ہو جاتے ہیں۔

ہے،^(۱) تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے۔

۲۸. مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں^(۲) اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو،^(۳) اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۲۹. کہہ دیجیے کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ خواہ ظاہر کرو اللہ تعالیٰ (بہر حال) جانتا ہے، اور آسمانوں اور

لَا يَجِدَنَّ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا ۚ وَجِدَ رُكْمَ اللَّهِ لِنَفْسِهِ ۖ إِنَّهُ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝

قُلْ إِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ بُنْدُوهُ يُعَلِّمَكُمُ اللَّهُ وَيُخَوِّفَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي

۱. جیسے نطفہ (مردہ) پہلے زندہ انسان سے نکالتا ہے پھر اس مردہ (نطفہ) سے انسان۔ اسی طرح مردہ انڈے سے پہلے مرغی اور پھر زندہ مرغی سے انڈہ (مردہ) یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا فرماتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اپنے اوپر قرض کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم آیت ﴿قُلِ اللَّهُ لِيَكُ الْمَالُ لِي﴾ (آل عمران: ۲۶) پڑھ کر یہ دعا کرو (رَحِمَنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِمَهُمَا تُعْطَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمَا وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَاءُ، اِزْحَمْنِي رَحْمَةً تُغْنِيَنِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ، اللَّهُمَّ اغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ، وَأَقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”یہ ایسی دعا ہے کہ تم پر احد پہاڑ جتنا قرض بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا تمہارے لیے انتظام فرمادے گا۔“ (مجمع الزوائد ۱۸/۱۰ - رجالہ ثقات)

۲. اولیاء ولی کی جمع ہے۔ ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور خصوصی تعلق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا ہے۔ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (البقرہ: ۲۵۷) یعنی (اللہ اہل ایمان کا ولی ہے)۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے محبت اور خصوصی تعلق ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔ کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر، مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے (جس کی تفصیل سورہ متحنہ میں ہے) کیونکہ یہ سارے معاملات، موالات (دوستی و محبت) سے مختلف ہے۔

۳. یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

الْاَرْضِ وَاللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۰﴾

زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

يَوْمَ يَحْدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ اَنْ يُبَيِّنَهَا رَبُّهَا اَمَدًا بَعِيْدًا اَوْ يُعَذِّبَهَا اللّٰهُ نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعَبَادِ ﴿۳۱﴾

۳۰۔ جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا، آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۲﴾

۳۱۔ کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو،^(۱) خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا^(۲) اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اِنْ تُوَلَّوْا فَانَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

۳۲۔ کہہ دیجیے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔^(۳)

۱۔ یہود اور نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعظیم و محبت میں جو اتنا غلو کیا کہ انہیں درجہ الوہیت پر فائز کر دیا، اس کی بابت بھی ان کا خیال تھا کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دعوؤں اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کا اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کے لیے ایک کوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبت الہی کا طالب اگر اتباع محمد ﷺ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، تو پھر تو یقیناً وہ کامیاب ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (شق علیہ) جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا معاملہ نہیں ہے یعنی ہمارے بتلائے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو وہ مسترد ہے۔

۲۔ یعنی اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے تمہارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم محب سے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ بارگاہ الہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے۔

۳۔ اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ﷺ کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ
وَالْعِمْرَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو، اور ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمالیا۔^(۱)

ذُرِّيَّةً بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَدَرْتُ لَكَ مَا
فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے^(۳) کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرما، یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔

اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں حجت حدیث کے منکرین اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم علیہا السلام کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام مفسرین نے حَنَّة بنت فاقوذ لکھا ہے (تفسیر قرطبی و ابن کثیر) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آل عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انہیں مسجود ملائک بنایا، اسماء کا علم انہیں عطا کیا اور انہیں جنت میں رہائش پذیر کیا، جس سے پھر انہیں زمین میں بھیج دیا گیا جس میں اس کی بہت سی حکمتیں تھیں۔ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انہیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا گیا جب لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا، انہیں عمر طویل عطا کی گئی، انہوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی، لیکن چند افراد کے سوا، کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بالآخر آپ کی بددعا سے اہل ایمان کے سوا، دوسرے تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا۔ آل ابراہیم علیہم السلام کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان میں انبیاء و سلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ حتیٰ کہ علی الاطلاق کائنات میں سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔

۲۔ یا دوسرے معنی ہیں دین میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار۔

۳۔ مُحَرَّرًا (تیرے نام آزاد) کا مطلب تیری عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف۔

۳۶۔ جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں^(۱) میں نے اس کا نام مریم رکھا،^(۲) میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔^(۳)

۳۷۔ پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی۔ اس کی خیر خبر لینے والا زکریا (علیہ السلام) کو بنایا،^(۴) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے،^(۵) وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاِنَّہٗ اَمْلَکٌ بِمَا وَضَعْتُ وَلَیْسَ الذَّکُوْکَ اِلَّا نَثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْ اَعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَہَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

فَقَبَّلَهَا رَبُّہَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَاَتَتْہَا نَبَاً حَسَنًا وَّوَضَعَهَا زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْہَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَہَا رِزْقًا قَالَتْ اِنَّکَ لَیَمْرِئٌ لِّیْ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

۱۔ اس جملے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور عذر بھی۔ حسرت اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور عذر اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہی ہے۔ (فتح القدیر)

۲۔ حافظ ابن کثیر نے اس سے اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچے کا نام ولادت کے پہلے روز رکھنا چاہیے اور ساتویں دن نام رکھنے والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن القیم نے تمام احادیث پر بحث کر کے آخر میں لکھا ہے کہ پہلے روز، تیسرے روز یا ساتویں روز نام رکھا جاسکتا ہے، اس مسئلے میں گنجائش ہے۔ وَالْأَمْرُ فِیْہِ وَاسِعٌ۔ (تختہ المودود)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا (چھوتا) ہے جس سے وہ چیختا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو مس شیطان سے حضرت مریم (علیہا السلام) اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو محفوظ رکھا ہے۔ «مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ، اِلَّا نَحَسَّہُ الشَّیْطَانُ، فِیَسْتَهْلُ صَارِحًا مِنْ نَحْسَةِ الشَّیْطَانِ، اِلَّا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہَا»۔ (صحیح بخاری، کتاب النضر، کتاب الفضائل)

۴۔ حضرت زکریا (علیہ السلام)، حضرت مریم (علیہا السلام) کے خالو بھی تھے، اس لیے بھی، علاوہ ازیں اپنے وقت کے پیغمبر ہونے کے لحاظ سے بھی وہی سب سے بہتر کفیل بن سکتے تھے جو حضرت مریم (علیہا السلام) کی مادی ضروریات اور علمی و اخلاقی تربیت کے تقاضوں کا صحیح اہتمام کر سکتے تھے۔

۵۔ مِحْرَاب سے مراد حجرہ ہے جس میں حضرت مریم (علیہا السلام) رہائش پذیر تھیں۔ رزق سے مراد پھل۔ یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے، گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں ان کے کمرے میں موجود ہوتے، دوسرا حضرت زکریا (علیہ السلام) یا کوئی اور شخص لاکر دینے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زکریا (علیہ السلام) نے از راہ تعجب و حیرت

سے آئی؟ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔
۳۸۔ اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

۳۹۔ پس فرشتوں نے انہیں آواز دی، جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ (علیہ السلام) کی یقینی خوشخبری دیتا ہے^(۱) جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا،^(۲) سردار، ضابطہ نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔

۴۰۔ کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ

هٰذَاكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾

فَدَادَتْهُ الْمَلَكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكَ بِمُصَدِّقٍ مِّمَّا يَكْتُمُونَ مِنَ اللّٰهِ وَرَبُّكَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ ﴿۳۹﴾

قَالَ رَبِّ اَنۡیَ یَکُونُ لِيْ عِلْمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِي الْکِبَرُ وَاُمْرَاۗئِیْ عَاقِرٌ قَالَ کَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ

پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے۔ یہ گویا حضرت مریم (علیہا السلام) کی کرامت تھی۔ معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے یعنی جو ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہو۔ یہ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں۔ تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ معجزہ اور کرامت جب چاہے صادر کر دے۔ اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی تو دلیل ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے، جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انہیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اس کی مزید وضاحت بعض معجزات کے ضمن میں آئے گی۔

۱۔ بے موسیٰ پھل دیکھ کر حضرت زکریا (علیہ السلام) کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ بارگاہ الہی میں اٹھ گئے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔

۲۔ اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تصدیق ہے۔ گویا حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے بڑے ہوئے۔ دونوں آپس میں خالہ زاد تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ سبباً کے معنی ہیں سردار، حصوراً کے معنی ہیں گناہوں سے پاک، یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا کہ ان کو ان سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی حصوراً بمعنی محصور، بعض نے اس کے معنی نامرد کے کیے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ ایک عیب ہے جب کہ یہاں ان کا ذکر مدح اور فضیلت کے طور پر کیا گیا ہے۔

ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔

۴۱. کہنے لگے پروردگار! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے، فرمایا نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا، صرف اشارے سے سمجھائے گا، تو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح و شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ! (۱)

۴۲. اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! (عَلَيْهَا) اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا۔ (۲)

۴۳. اے مریم! (عَلَيْهَا) تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

۴۴. یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم (عَلَيْهَا) کو ان میں سے کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے

مَا يَنْتَظَرُ ۝

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً قَالَ اِنَّكَ اَنْتَ كَلِمٌ
النَّاسِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا مَرَّةً وَاَذْكُرْ نَبِيَّكَ كَثِيرًا
وَسَبِّحْ بِالْحَمْدِ وَالْإِسْمِ ۝

وَاذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ اِنَّ اللَّهَ
اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَى نِسَاءِ
الْعَالَمِينَ ۝

يَرْزُقُكَ اَنْتِ وَرَبِّكِ وَاجْعِدِي وَادْكُوعِي مَعَ
الرَّكْعَتَيْنِ ۝

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ اِذْ يَقُولُونَ اَفَلَا مَعَهُمْ يَكْفُلُ مَرْجِعًا
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝

۱. بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوش خبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے تیری زبان بند ہو جائے گی۔ جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تو اس خاموشی میں کثرت سے صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کیا کر۔ تاکہ اس نعمت الہی کا جو تجھے ملنے والی ہے، شکر ادا ہو۔ یہ گویا سبق دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طلب کے مطابق تمہیں مزید نعمتوں سے نوازے تو اسی حساب سے اس کا شکر بھی زیادہ سے زیادہ کرو۔

۲. حضرت مریم (عَلَيْهَا) کا یہ شرف و فضل ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم (عَلَيْهَا) کے ساتھ حضرت خدیجہ (رَضِیَ اللہُ عَنْہَا) کو بھی خَیْرٌ نِسَاءً کہا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں چار عورتوں کو کامل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مریم، حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی)، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن۔ اور حضرت عائشہ (رَضِیَ اللہُ عَنْہَا) کی بات کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت دیگر تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے شید کو تمام کھانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ (ابن کثیر) اور ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ (رَضِیَ اللہُ عَنْہَا) بنت محمد (رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا) کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے (ابن کثیر) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی یا یہ کہ اپنے اپنے زمانے میں فضیلت رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وقت ان کے پاس تھا۔^(۱)

۴۵. جب فرشتوں نے کہا اے مریم! (ﷺ) اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے^(۲) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح^(۳) عیسیٰ بن مریم (ﷺ) ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقررین میں سے ہے۔

لَا قَالَتْ الْمَلِكَةُ يَرْسَمُ إِنَّ اللَّهَ يُخَيِّرُ لِمَنْ يَشَاءُ صِيْفًا
اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِهًا
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝

۱. آج کل کے اہل بدعت نے نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ان کے اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اس آیت سے ان دونوں عقیدوں کی واضح تردید ہوتی ہے۔ اگر آپ نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے، تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ”ہم غیب کی خبریں آپ کو بیان کر رہے ہیں“ کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو، اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا اور اسی طرح حاضر و ناظر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب لوگ قرعہ اندازی کے لیے قلم ڈال رہے تھے۔ قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت مریم (ﷺ) کی کفالت کے اور بھی کئی خواہش مند تھے۔ ﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی صداقت کا اثبات بھی ہے جس میں یہودی اور عیسائی شک کرتے تھے کیونکہ وحی شریعت پیغمبر پر ہی آتی ہے، غیر پیغمبر پر نہیں۔

۲. حضرت عیسیٰ (ﷺ) کو کلمہ یعنی کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس، باپ کے بغیر، اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمہ کُن کی تخلیق ہے۔

۳. مَسِيحٌ مسیح سے ہے اُی: مَسَحَ الْأَرْضَ یعنی کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا، یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا ہے، کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر مریضوں کو باذن اللہ شفا یاب فرماتے تھے۔ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے یہ فَعِيلٌ بمعنی فاعل ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ یا تو بمعنی مفعول یعنی مَسْمُوحُ الْعَيْنِ (اس کی ایک آنکھ کانی ہوگی) کے اعتبار سے ہے یا وہ بھی چونکہ کثرت سے دنیا میں پھرے گا اور مکہ اور مدینہ کے سوا ہر جگہ پہنچے گا، (بخاری و مسلم) اور بعض روایات میں بیت المقدس کا بھی ذکر ہے اس لیے اسے بھی الْمَسِيحُ الدَّجَالُ کہا جاتا ہے۔ عام اہل تفسیر نے عموماً یہی بات درج کی ہے۔ کچھ اور محققین کہتے ہیں کہ مسیح یہود و نصاریٰ کی اصطلاح میں بڑے مامور من اللہ پیغمبر کو کہتے ہیں، یعنی ان کی یہ اصطلاح تقریباً اولو العزم پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ دجال کو مسیح اس لیے کہا گیا ہے کہ یہود کو جس انقلاب آفریں مسیح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کے وہ غلط طور پر اب بھی منتظر ہیں، دجال اسی مسیح کے نام پر آئے گا یعنی اپنے آپ کو وہی مسیح قرار دے گا۔ مگر وہ اپنے اس دعویٰ سمیت تمام دعویوں میں دجل و فریب کا اتنا بڑا پیکر ہوگا کہ اولین و آخرین میں اس کی کوئی مثال نہ ہوگی اس لیے وہ الدجال کہلائے گا۔ اور عیسیٰ عجی زبان کا لفظ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عربی اور عَاسَ يَعُوْسُ سے مشتق ہے جس کے معنی

سیاست و قیادت کے ہیں۔ (قرطبی و فتح القدیر)

۴۶. اور وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا اور

ادھیڑ عمر میں بھی ^(۱) اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔

۴۷. کہنے لگیں الہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، فرشتے نے کہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے۔ ^(۲)

۴۸. اور اللہ تعالیٰ اسے لکھنا ^(۳) اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔

۴۹. اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا، کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں، ^(۴) پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ

وَيَكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۴۶﴾

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ یٰۤاٰیُّوْنِیْ وَلَکُمْ یَسْتَسْتَعِیْنَ بَشَرًا
قَالَ کَذٰلِکَ اَللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰی اَمْرًا
وَاَمَّا یَقُوْلُ لَهٗ نُنَّ فِیْکُوْنُ ﴿۴۷﴾

وَعَلِّمُهٗ الْکِتٰبَ وَالحِکْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ ؕ اِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُکُمْ بَآیَۃً
مِّنْ رِّسَالِیْ اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُم مِّنَ الطِّیْنِ کَهْمِیۡۃً
الطَّیْرِ فَانْفَخْتُ فِیْہِ فِیْکُوْنُ طَیْرًا ۙ اِذِیْنِ اللّٰہُ وَابْرِئِی
الْاَکْمَةَ وَالْاَبْرَصَ وَاُنْحِی الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ

۱. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مہد (گہوارے) میں گفتگو کرنے کا ذکر خود قرآن کریم کی سورہ مریم میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں دو بچوں کا ذکر اور ہے۔ ایک صاحب جریج اور ایک اسرائیلی عورت کا بچہ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم) اس روایت میں جن تین بچوں کا ذکر ہے، ان سب کا تعلق بنو اسرائیل سے ہے، کیونکہ ان کے علاوہ صحیح مسلم میں اصحاب الاخذود کے قصے میں بھی شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت فیصلہ کرنے والے شاہد کے بارے میں جو مشہور ہے کہ وہ بچہ تھا، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذُو لِحِیۃ (داڑھی والا) تھا۔ (الضعیفہ۔ رقم ۸۸۱) کھل (ادھیڑ عمر) میں کلام کرنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ بڑے ہو کر وحی اور رسالت سے سرفراز کیے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا قیامت کے قریب جب آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے، تو اس وقت جو وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے، وہ کلام مراد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر وقرطبی)

۲. تیرا تعجب بجا، لیکن قدرت الہی کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ و ظاہریہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن سے پلک جھپکتے میں، جو چاہے کر دے۔

۳. کتابت سے مراد کتابت (لکھنا) ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یا انجیل و تورات کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا (قرطبی) یا تورات و انجیل، الْکِتَابُ اور الْحِکْمَةُ کی تفسیر ہے۔

۴. -اَخْلَقْتُ لَکُمْ- اَی: اُصَوِّرُ وَاَقْدِرُ لَکُمْ (قرطبی) یعنی خلق یہاں پیدائش کے معنی میں نہیں ہے، اس پر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہیں کیونکہ وہی خالق ہے۔ یہاں اس کے معنی ظاہری شکل و صورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔

وَأَيُّدُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمِمَّا رَزَقْنَاكُمْ يَوَدُّ أَنْ تَكُونُوا شَاكِرِينَ ۝
فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّكُم إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَمَصَدَّقًا لِّمَآئِينَ يَدَايَ مِنَ التَّوْرَةِ وَلِأَحْلَ
لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِدْكُمْ يَايَةً
مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝

إِنَّ اللَّهَ دَرِيٌّ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيمٌ ۝

کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے
میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور
مردوں کو زندہ کرتا ہوں^(۱) اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے
گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں، اس میں
تمہارے لیے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

۵۰۔ اور میں توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے
سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ
چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں^(۲) اور میں
تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں اس لیے تم
اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو!

۵۱۔ یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے، تم سب
اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔^(۳)

۱۔ دوبارہ باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی
صفات یا اختیارات کا حامل ہوں۔ نہیں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہی ہوں۔ یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا
ہے، معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے
زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا، انہیں ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے
میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انہیں مردہ کو زندہ کر دینے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا
فرمایا گیا جو کوئی بھی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا،
جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اور ادباء و شعراء عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور
قیامت تک عاجز رہیں گے۔ (ابن کثیر)

۲۔ اس سے مراد یا تو وہ بعض چیزیں ہیں جو بطور سزا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی تھیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو ان
کے علماء نے اجتہاد کے ذریعے سے حرام کی تھیں اور اجتہاد میں ان سے غلطی کا ارتکاب ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے
اس غلطی کا ازالہ کر کے انہیں حلال قرار دیا۔ (ابن کثیر)

۳۔ یعنی اللہ کی عبادت کرنے میں اور اس کے سامنے ذلت و عاجزی کے اظہار میں تمہیں اور تم دونوں برابر ہیں۔ اس

۵۲. مگر جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کر لیا^(۱) تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟^(۲) حواریوں^(۳) نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں۔

۵۳. اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔

۵۴. اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مکر) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔^(۴)

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ حُنَّ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا يَاللَّهُ وَالشَّهَدَاةُ الْمُسْلِمُونَ ﴿۵۲﴾

رَبَّنَا امْكُنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۳﴾

وَمَكُرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْبَاكِيرِينَ ﴿۵۴﴾

لیے سیدھا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔
۱. یعنی ایسی گہری سازشیں اور مشکوک حرکتیں جو کفر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کے انکار پر مبنی تھیں۔

۲. بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں تنگ آکر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشعور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتداء میں، جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے تاکہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کہا اور نبی ﷺ کی انہوں نے قبل ہجرت اور بعد ہجرت مدد کی۔ اسی طرح یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ یہ وہ مدد نہیں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے طلب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو شرک ہے اور ہر نبی شرک کے سد باب ہی کے لیے آتا رہا ہے، پھر وہ خود شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن قبر پرستوں کی غلط روش قابل ماتم ہے کہ وہ فوت شدہ اشخاص سے مدد مانگنے کے جواز کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ سے استدلال کرتے ہیں؟ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

۳. حواریوں، حواری کی جمع ہے بمعنی انصار (مددگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الرَّبِّيرِ» (صحیح البخاری کتاب الجہاد، باب فضل الطلیعة) ”ہر نبی کا کوئی مددگار خاص ہوتا ہے اور میرا مددگار زیرُ الرُّبُّيرِ ہے۔“

۴. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیرِ نگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھے، وہ کافر تھے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھر دیے کہ یہ نَعُوذُ بِاللَّهِ بَغِيرِ بَابِ کے اور فساد ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ نے

۵۵۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) میں تجھے پورا لینے والا ہوں^(۱) اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں^(۲) اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر غالب کرنے والا ہوں قیامت کے دن تک،^(۳) پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔

۵۶۔ پھر کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر

اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِعِيسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّىْكَ وَرَافِعُكَ اِلٰى وَمَطْهَرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْحٰى اِلَى الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ اِلٰى مَرْجِعِكُمْ فَاَحْكُمْ بَيْنَكُمْ فِىْهَا كُنْتُمْ فِىْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۶

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَعَادِبْهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

حضرت عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو بحفاظت آسمان پر اٹھایا اور ان کی جگہ ان کے ہم شکل ایک آدمی کو انہوں نے سولی دے دی، اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو سولی دی ہے مگر عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ کو خیر الماکرین کہا گیا ہے۔ گویا یہ مکر، سیئی (برا) بھی ہو سکتا ہے، اگر غلط مقصد کے لیے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لیے ہو۔

۱۔ المتوفی کا مصدر توفی اور مادہ وفی ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسی لیے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیے جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ ﴿اِنِّىْ مُتَوَفِّىْكَ﴾ میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی میں اے عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسمانوں پر اٹھاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعض نے اس کے مجازی معنی کی شہرت استعمال کے مطابق موت ہی کے معنی کیے ہیں لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی رَافِعُكَ (میں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں) کے معنی مقدم ہیں اور مُتَوَفِّىْكَ (فوت کرنے والا ہوں) کے معنی متاخر، یعنی میں تجھے آسمان پر اٹھاؤں گا اور پھر جب دوبارہ دنیا میں نزول ہو گا تو اس وقت موت سے ہمکنار کروں گا۔ یعنی یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہو گا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

۲۔ اس سے مراد ان الزامات سے براءت ہے جن سے یہودی آپ کو متہم کرتے تھے، نبی (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے ذریعے سے آپ کی صفائی دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔

۳۔ اس سے مراد یا تو نصاریٰ کا وہ دنیاوی غلبہ ہے جو یہودیوں پر قیامت تک رہے گا، گو وہ اپنے غلط عقائد کی وجہ سے نجات اخروی سے محروم ہی رہیں گے۔ یا امت محمدیہ کے افراد کا غلبہ ہے جو در حقیقت حضرت عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) اور دیگر تمام انبیاء کی تصدیق کرتے اور ان کے صحیح اور غیر منحرف دین کی پیروی کرتے ہیں۔

عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

۵۷. اور لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

۵۸. یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہیں۔

۵۹. یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا۔

۶۰. تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

۶۱. اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔^(۱)

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝
وَأَنَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قِيَوْمٌ يَحْكُمُهُمْ أَجْرُهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝

إِنَّمَثَ لَهُ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْهَلْ فَتَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

۱. یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بددعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہ الہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرما۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں وہ جو غلو آمیز عقائد رکھتے تھے اس پر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ بالآخر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ)، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہم) کو بھی ساتھ لیا، اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلاؤ اور پھر مل کر جھوٹے پر لعنت کی بددعا کریں۔ عیسائیوں نے باہم مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرمادیا جس کی وصولی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) کو۔ جنہیں آپ ﷺ نے امین امت کا خطاب عنایت فرمایا تھا۔ ان کے ساتھ بھیجا (مخلص از تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ) اس سے اگلی آیت میں اہل کتاب

۶۲. یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود برحق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بے شک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۶۳. پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فساد یوں کو جاننے والا ہے۔

۶۴. آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں،^(۱) نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔^(۲) پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔^(۳)

إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ②

فَلْيُكَلِّمِ الْكُذِّبَ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا آرِبًا بآيٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ③

(یہودیوں اور عیسائیوں) کو دعوت تو حید دی جا رہی ہے۔

۱. کسی بت کو نہ صلیب کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جیسا کہ تمام انبیاء کی دعوت رہی ہے۔

۲. یہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہما السلام کی ربوبیت (رب ہونے) کا جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے یہ غلط ہے، وہ رب نہیں ہیں انسان ہی ہیں۔ دوسرا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اپنے احبار و رہبان کو حلال و حرام کرنے کا جو اختیار دے رکھا ہے، یہ بھی ان کو رب بنانا ہے جیسا کہ آیت... ﴿إِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ﴾ (التوبہ: ۳۱) اس پر شاہد ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے، حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)۔

۳. صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ہر قتل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور اس میں اسے اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دہرا اجر ملے گا، ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ «أَسْلِمَ نَسْلَمَ، يُؤْثِقُكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ، فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرَبِيِّينَ» (صحیح البخاری، کتاب بدء الوحي: ۷) (اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔ اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دو گنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔) کیونکہ رعایا کے عدم قبول اسلام کا سبب تو ہی ہوگا۔ اس آیت میں مذکور تین نکات یعنی (۱) صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ (۲) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ (۳) اور کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا وہ کلمہ سوا ہے جس پر اہل کتب کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ لہذا اس امت کے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے بھی ان ہی تینوں نکات اور اس کلمہ سوا کو بدرجہ اولیٰ اساس و بنیاد بنانا چاہیے۔

۶۵۔ اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کی بابت کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں، کسا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟^(۱)

۶۶. سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟^(۲) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۶۷۔ ابراہیم (علیہ السلام) تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے،^(۳) اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔

۶۸. سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم (علیہ السلام) سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے،^(۴) مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا
 أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ ۚ
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٠﴾

هَآأَنْتُمْ هَآؤَآءٌ حَآجِبْتُمْ فِىمَا لَكُمْ
بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِىمَا لَيْسَ لَكُمْ
بِهِ عِلْمٌ ؕ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ
كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾

إِنَّ أَوَّلَى الْبَأْسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَكَذِبِينَ
اتَّبِعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا
وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ٥٥

۱. حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے، اور انجیل جسے عیسائی مانتے تھے، دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کس طرح ہو سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ (قرطبی)

۲. تمہارے علم و دینیت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمہیں علم ہے یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت تمہارے جھگڑے (جس کا ذکر پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے) بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا مظہر بھی۔ تو پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت حنیفیہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید و اخلاص پر ہے۔

۳. ﴿حَبِطًا مُّسْلِمًا﴾ (بک طرفہ خالص مسلمان) یعنی شرک سے بیزار اور صرف خدائے واحد کے پرستار۔

۴۔ اسی لیے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیمی کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿اِنَّ اَبْرٰهٖمَ مِلَّةً زَكٰیًّا حَنِیْفاً﴾ (التعل: ۱۲۳) علاوہ ازیں حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا «اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ وُلَدَةً مِنَ النَّبِیِّیْنَ، وَاِنَّ وَلِیَّیْ مِنْهُمْ اَبِیِّ وَخَلِیْلُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ» (ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ دوست ہوتے ہیں، میرے ولی (دوست) ان میں سے میرے باپ اور میرے رب کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) ہیں۔) پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (ترمذی بحوالہ ابن کثیر)

۶۹. اہل کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں، دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں۔^(۱)

۷۰. اے اہل کتاب! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟^(۲)

۷۱. اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟^(۳)

۷۲. اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ، تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔^(۴)

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّوكُمْ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَمَا يَسْتَعْرِضُونَ ﴿۶۹﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَقْفُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَسْهَدُونَ ﴿۷۰﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نُنزِّلُ الْكِتَابَ عَلَىٰ دِينٍ آمَنُوا وَجِهَةَ النُّجُومِ وَالْأَفْكَارِ وَالْآخِرَةُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾

۱. یہ یہودیوں کے اس حسد و بغض کی وضاحت ہے جو وہ اہل ایمان سے رکھتے تھے اور اسی عناد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔
۲. قائل ہونے کا مطلب ہے کہ تمہیں نبی کریم ﷺ کی صداقت و حقانیت کا علم ہے۔

۳. اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کر کے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے، پہلا جرم حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق اور باطل واضح نہ ہو سکے۔ دوسرا استہان حق۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف و تورات میں لکھے ہوئے تھے، انہیں لوگوں سے چھپانا، تاکہ نبی ﷺ کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے۔ اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بدبختی دوچند ہو گئی تھی۔ ان کے جرائم کی نشان دہی سورہ بقرہ میں بھی کی گئی ہے ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۴۲) (حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق مت چھپاؤ اور تم جانتے ہو)۔ اہل کتاب کے لفظ کو بعض مفسرین نے عام رکھا ہے، جس میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یعنی دونوں کو ان جرائم مذکورہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف وہ قبائل یہود ہیں جو مدینے میں رہائش پذیر تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، اور بنو قینقاع۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا براہ راست انہی سے معاملہ تھا اور یہی نبی ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

۴. یہ یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر ہے۔ جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے باہم طے کیا کہ صبح کو مسلمان ہو جائیں اور شام کو کافر تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو کہ یہ لوگ قبول اسلام کے بعد دوبارہ اپنے دین میں واپس چلے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ اسلام میں ایسے عیوب اور خامیاں ہوں جو ان کے علم میں آئی ہوں۔

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ
هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيَ تَمَّ أَوْ
يُحَاجُّكُمْ عَنْ دِينِكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ
يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

۷۳۔ اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی
کا یقین نہ کرو۔^(۱) آپ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت
تو اللہ ہی کی ہدایت ہے^(۲) (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس
بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا
تم دیے گئے ہو،^(۳) یا یہ کہ یہ تم سے تمہارے رب کے
پاس جھگڑا کریں گے، آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ
ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے دے، اور اللہ
تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

يَخْتَصُ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ

۷۴۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے
اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۴)

۱۔ یہ آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کو کہا۔ کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب
(یہود) کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت رکھنا۔

۲۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا ماقبل اور مابعد سے تعلق نہیں ہے۔ صرف ان کے مکروہیہ کی اصل حقیقت اس سے
واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے حیلوں سے کچھ نہیں ہو گا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت دے
دے یا دینا چاہے، تمہارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

۳۔ یہ بھی یہودیوں کا قول ہے اور اس کا عطف وَلَا تُؤْمِنُوا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح
تمہارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے، یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور اس طرح یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی
حق ہو سکتا ہے۔

۴۔ اس آیت کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے
کہ دن چڑھتے ایمان لاؤ اور دن اترتے کفر کرو تاکہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذہب ہو کر مرتد ہو جائیں تو
ان شاگردوں کو مزید یہ تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہراً مسلمان ہونا، حقیقتاً اور واقعہً مسلمان نہ ہو جانا، بلکہ یہودی
ہی رہنا۔ اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمہیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی
دیا جاسکتا ہے، یا تمہارے بجائے کوئی اور حق پر ہے جو تمہارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے۔ اور تمہیں
غلط ٹھہرا سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر عند ربکم تک مل کا کل یہود کا قول ہو گا۔ دوسرے معنی
یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمہیں اس
بات کا غم اور جلن ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی و شریعت اور دین تمہیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور
کو کیوں دے دیا گیا۔ دوسرا تمہیں یہ اندیشہ اور خطرہ بھی ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی، اور اس نے اپنی جڑیں

۷۵۔ اور بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کردیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے، یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں (غیر یہودیوں) کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔^(۱)

۷۶۔ کیوں نہیں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کرے اور پرہیزگاری کرے، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔^(۲)

۷۷۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، ان کے لیے آخرت

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقَبْضٍ يُؤَدُّ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدَبْكٍ لَّا يُوَدُّ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۷۶﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَخَلَفَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا

مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمہیں دنیا میں جو جاہ و وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا۔ بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمہارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے۔ اور یہ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے۔

۱۔ اُمِّیِّیْنَ (ان پڑھ-جاہل) سے مراد مشرکین عرب ہیں یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ان کا مال ہڑپ کر لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کا مال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی یہ سن کر فرمایا کہ ”اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا، زمانہ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے ہیں، سوائے امانت کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی، چاہے وہ کسی نیکوکار کی ہو یا بدکار کی۔“ (ابن کثیر، دفع القدر) افسوس ہے کہ یہود کی طرح آج بعض مسلمان بھی مشرکین کا مال ہڑپ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دار الحرب کا سود جائز ہے۔ اور حربی کے مال کے لیے کوئی عصمت نہیں۔

۲۔ ”قرار پورا کرے“ کا مطلب، وہ عہد پورا کرے جو اہل کتاب سے یا ہر نبی کے واسطے سے ان کی امتوں سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا ہے اور ”پرہیزگاری کرے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچے اور ان باتوں پر عمل کرے جو نبی ﷺ نے بیان فرمائیں۔ ایسے لوگ یقیناً مواخذہ الہی سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ محبوب باری تعالیٰ ہوں گے۔

يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْعِلَاقَةِ وَلَا يَذُكُّهُمْ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠﴾

میں کوئی حصہ نہیں، اور اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا، نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۱)

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفِرَاقًا ثَلَاثًا لَا يُؤْتَوْنَ أَجْرًا مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَآئِمٌ مِّنْ ذُرِّهِمْ يُغْوَوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَآئِمٌ مِّنْ ذُرِّهِمْ يُغْوَوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَآئِمٌ مِّنْ ذُرِّهِمْ يُغْوَوْنَ ﴿١٤﴾

۴۸. اور یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔^(۲)

مَا كَانَ لِشَرِّ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا

۴۹. کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے

۱. مذکورہ افراد کے برعکس دوسرے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرح کے لوگوں کو شامل ہے ایک تو وہ لوگ جو عہد الہی اور اپنی قسموں کو پس پشت ڈال کر تھوڑے سے مفادات کے لیے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا“ (صحیح البخاری، کتاب المساقات، باب الخصومة في البر والقضاء فيها، مسلم، کتاب الإیمان، باب وعيد من اقطع حق مسلم...) نیز فرمایا تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنا سودا بیچتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان غلط تحریم إسبال الإزار...) متعدد احادیث میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (ابن کثیر، فتح القدیر)

۲. یہ یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے کتاب الہی (تورات) میں نہ صرف تحریف و تہلیل کی بلکہ دو جرم اور بھی کیے کہ ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف واقعہ تاثر دینے میں وہ کامیاب رہتے۔ دوسرا وہ اپنی خود ساختہ باتوں کو من عند اللہ باور کراتے۔ بدقسمتی سے امت محمدیہ کے مذہبی پیشواؤں میں بھی، نبی ﷺ کی پیش گوئی «لَتَبْعَنَّ سَنَنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» (تم اپنے سے پہلی امتوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے) کے مطابق بکثرت ایسے لوگ ہیں جو دنیوی اغراض، یا جماعتی تعصب یا فقہی جمود کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں۔ پڑھتے قرآن کی آیت ہیں اور مسئلہ اپنا خود ساختہ بیان کرتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے مسئلہ قرآن سے بیان کیا ہے درآں حالیکہ اس مسئلہ کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یا پھر آیات میں معنوی تحریف و طبع سازی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ باور یہی کرایا جائے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

لِيٍّ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٥﴾

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْهَيْكَلَةَ
وَالثَّمِيدِينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ
أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٦﴾

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ
مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ
لِمَا مَعَكُمْ لَقُؤْ مِنْ يَدِهِ وَكُتُبُ الرُّسُلِ قَالُوا
أَقْرَبُ ثُمَّ أَخَذْنَا عَلَىٰ ذُلِكُمْ أَحْزَرَ قَالُوا أَفَرَرْنَا

کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ
تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ،^(۱) تمہارے کتاب
سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔^(۲)

۸۰۔ اور یہ نہیں (ہو سکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور
نبیوں کو رب بنالینے کا حکم کرے، کیا وہ تمہارے مسلمان
ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔^(۳)

۸۱۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں
تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے
جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس
پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔^(۴) فرمایا کیا

۱۔ یہ عیسائیوں کے ضمن میں کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک انسان تھے
جنہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے
پجاری اور بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ رَبَّانِیُّ رب کی طرف منسوب ہے، الف اور نون
کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

۲۔ یعنی کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس کے نتیجے میں رب کی شناخت اور رب سے خصوصی ربط و تعلق قائم ہونا چاہیے۔ اسی
طرح کتاب اللہ کا علم رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح
ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیں، تو کسی اور کو یہ
حق کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؟ (تفسیر ابن کثیر)

۳۔ یعنی نبیوں اور فرشتوں (یا کسی اور کو) رب والی صفات کا حامل باور کرانا یہ کفر ہے۔ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد
ایک نبی یہ کام بھلا کر طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ نبی کا کام تو ایمان کی دعوت دینا ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا
نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول میں یہ بات بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اس بات کی
اجازت مانگی کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر) اور بعض نے اس کی شان نزول میں یہ کہا
ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت
پر ستم کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی پناہ، اس بات سے کہ ہم
اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں، اللہ نے مجھے نہ اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا
ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر۔ بحوالہ سیرت ابن ہشام)

۴۔ یعنی ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دور نبوت میں اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس

قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟
سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور
خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

۸۲. پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے
نافرمان ہیں۔^(۱)

أَفَعَزَّيْرُ دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ
يُرْجَعُونَ ۝

۸۳. کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش
میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے
اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی
سے،^(۲) سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

کی مدد کرنا ضروری ہوگا، جب نبی کی موجودگی میں آنے والے نئے نبی پر خود اس نبی کو ایمان لانا ضروری ہے تو ان کی
امتوں کے لیے تو اس نئے نبی پر ایمان لانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے ﴿رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ﴾ سے الرَّسُولُ
کا مفہوم مراد لیا ہے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ اگر ان کے دور میں وہ
آجائیں تو اپنی نبوت ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلے معنی میں ہی یہ دوسرا مفہوم ازخود آجاتا
ہے۔ اس لیے الفاظ قرآن کے اعتبار سے پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے
کہ نبوت محمدی کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے اوراق پڑھ رہے تھے تو نبی ﷺ یہ دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ ”قسم ہے اس ذات
کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے
لگ جاؤ تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے“ (مسند احمد، بحوالہ ابن کثیر) بہر حال اب قیامت تک واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ
ہیں اور نجات انہی کی اطاعت میں منحصر ہے نہ کہ کسی امام کی اندھی تقلید یا کسی بزرگ کی بیعت میں۔ جب کسی پیغمبر کا
سلک اب نہیں چل سکتا تو کسی اور کی ذات غیر مشروط اطاعت کی مستحق کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اِصْرُ بمعنی عہد اور ذمہ ہے۔
۱. یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر اہل مذاہب کو تنبیہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد بھی ان پر ایمان لانے کے بجائے،
اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عہد کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے واسطے سے ہر امت سے لیا اور اس عہد
سے انحراف کفر ہے۔ فسق یہاں کفر کے معنی میں ہے کیونکہ نبوت محمدی سے انکار صرف فسق نہیں، سراسر کفر ہے۔
۲. جب آسمان اور زمین کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے باہر نہیں، چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ تو پھر تم
اس کے سامنے قبول اسلام سے کیوں گریز کرتے ہو؟ اگلی آیات میں ایمان لانے کا طریقہ بتلا کر (کہ ہر نبی اور ہر منزل
کتاب پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے) پھر کہا جا رہا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہوگا، کسی اور
دین کے پیروکاروں کے حصے میں سوائے گھلاٹے کے اور کچھ نہیں آئے گا۔

۸۴. آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے، ان سب پر ایمان لائے، ^(۱) ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

۸۵. اور جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

۸۶. اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد کافر ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔

۸۷. ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

۸۸. جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

۸۹. مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ^(۲)

كُلُّ امَّا يَاللّٰهُ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَمَا اَنْزَلَ عَلَىٰ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ وَمَا اَوْفَىٰ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ دَرَجَتِهِمْ لَا نَعْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ۝۴

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْاۤ اَبْعَدُ اِمَّا يٰنَهُمْ وَنَسُوْهُۤ وَاِنَّ الرُّسُوْلَ حَقٌّ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶

اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ اَنْ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۷

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۸

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹

۱. یعنی تمام سچے نبیوں پر ایمان لانا کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کی طرف سے مبعوث تھے، نیز ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی بابت بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمانی کتابیں تھیں جو واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ ضروری ہے۔ گو اب عمل صرف قرآن کریم ہی پر ہوگا، کیونکہ قرآن نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔

۲. انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جاملتا، لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ (هَلْ لِّيْ مِنْ تَوْبَةٍ) (کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے کیونکہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض

۹۰۔ بے شک جو لوگ ^(۱) اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، ^(۲) اور یہی گمراہ لوگ ہیں۔

۹۱۔ ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے، گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا یہی لوگ ہیں جن کے لیے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔ ^(۳)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَابْعَدُوا بَيْنَهُمْ ثُمَّ إِذَا دُؤُوا
كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّالُونَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَآمَنُوا وَهُمْ نُفَرًا فَلَن
يُغْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِّلُ الْأَرْضِ ذَهَبًا
وَلَوْ اُنْتَدَىٰ بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ۝

وعناد اور سرکشی سے حق سے اعراض و انکار کیا۔ تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

۱۔ اس آیت میں ان کی سزا بیان کی جارہی ہے جو مرتد ہونے کے بعد توبہ کی توفیق سے محروم رہیں اور کفر پر ان کا انتقال ہو۔

۲۔ اس سے وہ توبہ مراد ہے جو موت کے وقت ہو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں بھی قبولیت توبہ کا اثبات ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توبہ کی اہمیت اور قبولیت کو بیان فرمایا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ (الشوری: ۲۵) ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (التوبة: ۱۰۴) (کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے) اور احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت سے مراد آخری سانس کی توبہ ہے جو نامقبول ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ایک اور مقام پر ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ نَدْتُ النَّاسَ﴾ (النساء: ۱۸) (ان کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو برائی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے میری توبہ)۔ حدیث میں بھی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا اَمَّ يَغْرِغُرُ﴾ (مسند احمد، ترمذی، بحوالہ فیض القدير شرح الجامع الصغیر) ”اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اسے موت کا اچھو نہ لگے“ یعنی جان کنی کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

۳۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا تو اس عذاب نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا ”ہاں“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔ (مسند احمد و کذا اخرج البخاری و مسلم، ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ اس نے اگر دنیا میں کچھ اچھے کام بھی کیے ہوں گے تو کفر کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہی جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن جدعان

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَبْتُمْ
وَالَّذِينَ يُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

۹۲. جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے، (۱) اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ (۲)

۹۳. تورات کے نزول سے پہلے (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے، آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ اور پڑھ سناؤ۔ (۳)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ ۚ كُلَّ قَانُوا بِالتَّوْرَةِ فَأَنشَأُوا لَكُمُ صَدِيقِينَ ۝

کی بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور تھا اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا، کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی (صحیح مسلم، کتاب الإيمان)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص وہاں زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر یہ چاہے کہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائے، تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ اور اگر بالفرض اس کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں اور انہیں دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ اس سے وہ معاوضہ یا فدیہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ جَزَاءً﴾ (البقرة: ۱۴۳) (اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش اسے فائدہ پہنچائے گی)۔ ﴿لَا يَسْتَفِيدُونَ مِنْهَا شَيْئًا﴾ (ابراہیم: ۳۱) (اس دن میں کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی (ہی کام آئے گی))۔

۱. اَلْبِرُّ (نیکی بھلائی) سے مراد یہاں عمل صالح یا جنت ہے (فتح القدیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ میں اصحاب جیشیت میں سے تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا ہاں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ تو بہت نفع بخش مال ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔“ چنانچہ آپ ﷺ کے مشورے سے انہوں نے اسے اپنے اقارب اور عم زادوں میں تقسیم کر دیا۔ (مسند احمد) اسی طرح اور بھی متعدد صحابہ نے اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیں۔ مِمَّا تُحِبُّونَ میں مِن، تَبِعِضُ کے لیے ہے یعنی ساری پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ۔ اس لیے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اچھی چیز صدقہ کی جائے۔ یہ افضل اور اکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمتر چیز یا اپنی ضرورت سے زائد فالتو چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جاسکتا یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی یقیناً جائز اور باعث اجر ہے گو کمال و فضیلت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے۔

۲. تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اچھی یا بری چیز، اللہ اسے جانتا ہے، اس کے مطابق جزاء سے نوازے گا۔

۳. یہ اور مابعد کی دو آیتیں یہود کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جب کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ

۹۴. اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں۔

۹۵. کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم (علیہ السلام) حنیف کی ملت کی پیروی کرو، جو مشرک نہ تھے۔

۹۶. بے شک اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں ہے^(۱) جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔

۹۷. جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم (علیہ السلام) ہے، اس میں جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے^(۲) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔^(۳) اور جو کوئی کفر کرے تو

مَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا مَرَّبَّاهُمْ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفِيْرٌ الْعَلِيمِينَ ﴿۹۷﴾

دین ابراہیمی میں حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود کا دعویٰ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دین میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ ہاں البتہ بعض چیزیں اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور وہ یہی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا (اس کی ایک وجہ نذر یا بیماری تھی) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فعل بھی نزول تورات سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) و حضرت یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر تم کس طرح مذکورہ دعویٰ کر سکتے ہو؟ علاوہ ازیں تورات میں بعض چیزیں تم (یہودیوں) پر تمہارے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں (الأنعام: ۳۶، النساء: ۱۶۰) اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانے میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور تم پر بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں تو اس کی وجہ تمہاری ظلم و زیادتی تھی یعنی ان کی حرمت بطور سزا تھی۔ (الیر القاییر)

۱. یہ یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلا گھر، جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

۲. اس میں قتال، خون ریزی، شکار حتیٰ کہ درخت تک کا کاٹنا ممنوع ہے۔ (صحیحین)

۳. ”راہ پاسکتے ہوں“ کا مطلب زاد راہ کی استطاعت اور فراہمی ہے۔ یعنی اتنا خرچ کہ سفر کے اخراجات پورے ہو جائیں۔ علاوہ ازیں استطاعت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پر امن ہو اور جان و مال محفوظ رہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ صحت و تندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ نیز عورت کے لیے محرم بھی ضروری ہے۔ (فتح القدیر)

اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔^(۱)

۹۸. آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔

۹۹. ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو، حالانکہ تم خود شاہد ہو،^(۲) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

۱۰۰. اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد کر کے کافر بنا دیں گے۔^(۳)

قُلْ يَا هَلَالِكُ الْكِتَابِ لَمَّا تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾

قُلْ يَا هَلَالِكُ الْكِتَابِ لَمَّا تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنَٰمَنٌ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُحِبُّوا قُرْبَانَ الَّذِينَ يَنفِرُوا مِنَ الْكِتَابِ يَزِدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَغَيْرِينَ ﴿۱۰۰﴾

یہ آیت ہر صاحب استطاعت کے لیے وجوب حج کی دلیل ہے اور احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۱. استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے ”کفر“ سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تاکید میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ احادیث و آثار میں بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲. یعنی تم جانتے ہو کہ یہ دین اسلام حق ہے، اس کے داعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ باتیں ان کتابوں میں درج ہیں جو تمہارے انبیاء پر اتریں اور جنہیں تم پڑھتے ہو۔

۳. یہودیوں کے مکر و فریب اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی ان کی سازشوں سے ہوشیار رہو اور قرآن کی تلاوت کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود کہیں یہود کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ اس کا پس منظر تفسیری روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ شاس بن قیس یہودی ان کے پاس سے گزرا اور ان کا باہمی پیار دیکھ کر جل بھن گیا کہ پہلے یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے باہم شیرو شکر ہو گئے ہیں۔ اس نے ایک نوجوان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان کے درمیان جاکر جنگ بعات کا تذکرہ کرے جو ہجرت سے ذرا پہلے ان کے درمیان برپا ہوئی تھی اور انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جو رزمیہ اشعار کہے تھے وہ ان کو سنائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جس پر ان دونوں قبیلوں کے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ دینے لگے یہاں تک کہ ہتھیار اٹھانے کے لیے لکار اور پکار شروع ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں باہم قتال بھی شروع ہو جائے کہ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور انہیں سمجھایا اور وہ

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُسَلِّىٰ عَلَيْهِمُ الْبُتَّةَ
وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ
وَلَا تَمُوتُوا شُرَكَاءَ إِيَّاهُ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا
نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ

۱۰۱۔ اور (گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ
تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ
(ﷺ) موجود ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو
مضبوط تھام لے^(۱) تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھادی گئی۔

۱۰۲۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ویسے ڈرو جیسے اس
سے ڈرنے کا حق ہے^(۲) اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان
ہی رہنا۔

۱۰۳۔ اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام
لو^(۳) اور پھوٹ نہ ڈالو،^(۴) اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی

باز آگئے اس پر یہ آیات بھی اور جو آگے آ رہی ہیں وہ بھی نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ)

۱۔ اِعْتَصِمُوا بِاللَّهِ کے معنی ہیں۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنا۔

۲۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔
بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۲)
(اللہ سے اپنی طاقت کی مطابق ڈرو) نازل فرمادی۔ لیکن اسے ناخ کے بجائے اس کی مبین (بیان) و توضیح کرنے والی قرار
دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے، کیونکہ نسخ وہیں ماننا چاہیے جہاں دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں یہ تطبیق
ممکن ہے۔ معنی یہ ہوں گے ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ”اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے
مطابق ڈرنے کا حق ہے۔“ (فتح القدیر)

۳۔ تقویٰ کے بعد اِعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا، - ”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں“ کا درس دے کر
واضح کر دیا کہ نجات بھی انہی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی انہی پر قائم ہو سکتا اور رہ سکتا ہے۔

۴۔ وَلَا تَفَرَّقُوا ”اور پھوٹ نہ ڈالو“ کے ذریعے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو
اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی
کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن و حدیث کے فہم اور اس کی توضیح و تفسیر میں کچھ باہم اختلاف،
یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم
نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث رسول ﷺ لیکن
جب شخصیات کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی
شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولین حیثیت کے اور اللہ رسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور
یہیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے الحیہ کا آغاز ہوا جو دن بہ دن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔

قُلُوبِكُمْ قَاصَصْتُمْ بِعَمَلِهِمْ اِحْوَاءً وَكُنْتُمْ عَلٰى سَفَا
حَقَرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَانْقَضَتْ كُفْرُهُمْ وَنُفْسُهَا كُنَّا لَكُمْ بَيِّنًا
اللّٰهُ لَكُمْ اَلِيْسِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

نعت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو
اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس
کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے
کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ
تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے
تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَلَكِنَّكُمْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
الْمَغْفِرَةُ ۝

۱۰۴۔ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی
کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں
سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ نَفَرْنَا وَاٰخْتَلَفْنَا مِنْ بَعْدِ
مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

۱۰۵۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے
پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا^(۱) اور
اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهُ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اَسْوَدَتْ وُجُوْهُهُمْ فَالَّذِيْنَ كُفِّرَتْ عَنْهُمْ اٰيٰتُنَا
فَدُوْنُوا الْعَذَابِ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اٰيٰتٌ ۚ

۱۰۶۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض
سیاہ،^(۲) سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ کیا تم نے
ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اَبْيَضَتْ وُجُوْهُهُمْ فِىْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ

۱۰۷۔ اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں

۱۔ روشن دلیلیں آجانے کے بعد تفرقہ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف و تفرقہ کی وجہ یہ نہ
تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا۔ اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے
ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جتے ہوئے تھے۔
قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرایے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی
ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں انہیں
خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جتے ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ذہانت کا سارا جوہر سابقہ امتوں کی
طرح تاویل و تحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت و الجماعت اور اہل بدعت و افتراق مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر دمع القدر) جس
سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اہل سنت و جماعت عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت و اہل افتراق اس نعت اسلام سے
محروم ہیں جو ذریعہ نجات ہے۔

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۸﴾

تَبٰرَكَ الَّذِي نَسُوهُا عَلَيْكَ يَا حَقِّقُ وَمَا
اللّٰهُ يَرِيْءُ خُلُمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلٰى اللّٰهِ
شُرْجَعُ الْاُمُوْر ﴿۱۱۰﴾

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَلَوْ اَمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
مِّنْهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكَافِرُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

لَنْ يَصُورُوْكُمْ اِلَّا اَدْوٰى وَاِنْ يَفْقَهُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمْ
الْاَدْبٰاءَ ثُمَّ لَا يُبْصَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۰۸۔ اے نبی! (ﷺ) ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت آپ پر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔

۱۰۹۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

۱۱۰۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو،^(۱) اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان والے بھی ہیں^(۲) لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔

۱۱۱۔ یہ تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے، اور اگر لڑائی کا موقع آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے، پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔^(۳)

۱۔ اس آیت میں امت مسلمہ کو ”خیر امت“ قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ”خیر امت“ ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود و معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بیان کی گئی ہے ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ (المائدہ: ۷۹) (وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے) اور یہاں اس آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اکثر علماء کے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے یعنی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف و منکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضہ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

۲۔ جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس لیے ”مِنْهُمْ“ میں ”مِنْ“، تَبْعِيض کے لیے ہے۔

۳۔ اَدْوٰی (ستانے) سے مراد زبانی بہتان تراشی اور افترا ہے جس سے دل کو وقتی طور پر ضرر تکلیف پہنچتی ہے تاہم میدان حرب و ضرب میں یہ تمہیں شکست نہیں دے سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ سے بھی یہودیوں کو نکلنا پڑا، پھر خیبر فتح ہو گیا اور وہاں سے بھی نکلے، اسی طرح شام کے علاقوں میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا

۱۱۲. ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں،^(۱) یہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی، یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے، یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا۔^(۲)

۱۱۳. یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔

۱۱۴. یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیمت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، اور بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہ نیک بخت لوگوں میں سے ہیں۔

ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الدِّكَّةَ لَئِنْ مَا تَفْقَهُوا الْكِتَابَ
مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلَ مِنَ النَّاسِ وَبِأُيُغْضِبَ مِّنَ
اللَّهِ وَضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْكُتُبِيَّةَ
يَغْيَرُ حَقَّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا
يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾

لَيَسْأَلَنَّهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَمَّا قَائِمَةٌ
يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ
يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ
فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾

پڑا۔ تا آنکہ حروب صلیبیہ میں عیسائیوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے مگر اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۹۰ سال کے بعد واکزار کرالیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کے نتیجہ میں یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازشوں اور کوششوں سے بیت المقدس پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تاہم ایک وقت آئے گا کہ یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد عیسائیت کا خاتمہ اور اسلام کا غلبہ یقینی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ (ابن کثیر)

۱. یہودیوں پر جو ذلت و مسکنت، غضب الہی کے نتیجے میں مسلط کی گئی ہے، اس سے وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یا اسلامی مملکت میں جزیہ دے کر ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے، اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت کے بجائے عام مسلمان ان کو پناہ دے دیں جیسا کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ادنیٰ مسلمان کی دی گئی پناہ کو بھی رد نہ کریں۔ دوسرا یہ کہ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ الناس عام ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔

۲. یہ ان کے کر توت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۚ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا
أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

مَمْلُوكٌ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ
رَبِحٍ فِيهَا صَارَ صَاحِبَاتِ حَوْثٍ قَوْمٌ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكْتَهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ
أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِلَهْوِ الْوَعْدِ
دُونَكُمْ أَلِيًّا لَوْ كُنْتُمْ خَبِيرِينَ ۚ وَمَا عِدْتُمْ قَدْ

۱۱۵۔ اور یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی نافرمانی نہ کی
جائے گی اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۱)

۱۱۶۔ یقیناً کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے
ہاں کچھ کام نہ آئیں گی، اور یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی
میں پڑے رہیں گے۔

۱۱۷۔ یہ کفار اس دنیوی زندگی میں جو خرچ اخراجات
کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں
پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تھس تھس
کر دیا۔^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود
اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

۱۱۸۔ اے ایمان والو! تم اپنا ولی (دوست) ایمان والوں
کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔^(۳) (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے

۱۔ یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں جن کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے، بلکہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی
ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام، آسد بن عبید، ثعلبہ بن سعید اور آسید بن سعید وغیرہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے
نوازا اور ان میں اہل ایمان و تقویٰ والی خوبیاں پائی جاتی ہیں رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ - قَائِمَةٌ کے معنی ہیں،
شریعت کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والی۔ يَسْجُدُونَ کا مطلب، رات کو قیام کرتے یعنی تہجد پڑھتے اور
نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں۔ اس مقام پر امر بالمعروف..... کے معنی بعض نے یہ کیے ہیں کہ وہ نبی ﷺ پر ایمان
لانے کا حکم دیتے اور آپ ﷺ کی مخالفت کرنے سے روکتے ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر آگے بھی کیا گیا ہے۔ ﴿وَإِلَىٰ
أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا نُزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ لِلَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۹۹)

۲۔ قیامت کے دن کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد حتیٰ کہ رفاہی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر وہ جو خرچ
کرتے ہیں، وہ بھی بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا
ہے، ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک
میں مل جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ایمان نہیں ہو گا، رفاہی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا
میں کتنی ہی شہرت ہو جائے، آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا، وہاں تو ان کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

۳۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرایا جا رہا ہے۔ بطانہ، دلی دوست اور رازدار کو
کہا جاتا ہے۔ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں جو جذبات و عزائم رکھتے ہیں، ان میں سے جن کا وہ اظہار کرتے
اور جنہیں اپنے سینوں میں مخفی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نشاندہی فرمادی ہے یہ اور اس قسم کی دیگر آیات

بَكَتِ الْبَعْضُ أَمِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَأَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ
الْكِبُورُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۹﴾

لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو،^(۱) ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلند ہو (تو غور کرو)۔

۱۱۹. ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو^(۲) اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) اور یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں^(۳) کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔

هَآنَتُمْ أُولَآئِكَ يَجْزِيهِمْ وَلَا يُجِزِيكُمْ وَتُؤْمِنُونَ
بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذْ الْقَوْمُ قَالُوا أَمَنَّا بِاللَّهِ وَإِذْ أَخْلَوْا
عَصَاكُمْ لِكُلِّ أَكْثَمَلٍ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْتُوا
بِعَقِبِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ يَدَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾

کے پیش نظر ہی علماء و فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی (غیر مسلم) کو کاتب (سیکرٹری) رکھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ ”تم انہیں اپنے قریب نہ کرو جب کہ اللہ نے انہیں دور کر دیا ہے، ان کو عزت نہ بخشو جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کر دیا ہے اور انہیں امین و راز دار مت بناؤ جب کہ اللہ نے انہیں خائن قرار دیا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ ”اس زمانے میں اہل کتاب کو سیکرٹری اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی لوگ سردار اور امراء بن گئے ہیں“ (تفسیر قرطبی)۔ بد قسمتی سے آج کے اسلامی ممالک میں بھی قرآن کریم کے اس نہایت اہم حکم کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے اور اس کے برعکس غیر مسلم بڑے بڑے اہم عہدوں اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں جن کے نقصانات واضح ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی داخلی اور خارجی دونوں پالیسیوں میں اس حکم کی رعایت کریں تو یقیناً بہت سے مفاسد اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

۱. لَا يَأْتِيكُمُ الْوَيْلُ مِنْ كَيْفٍ تَأْتِيكُمْ وَلَا مِنْ لَيْلٍ وَلَا مِنْ نَهَارٍ وَلَا مِنْ شَرْقٍ وَلَا مِنْ غَرْبٍ وَلَا مِنْ مَعْنَىٰ مَشَقَّةٍ وَلَا مِنْ مَعْنَىٰ سَهَلَةٍ۔

۲. تم ان منافقین کی نماز اور اظہار ایمان کی وجہ سے ان کی بابت دھوکے کا شکار ہو جاتے ہو اور ان سے محبت رکھتے ہو۔
۳. عَصَىٰ يَعِصُوكَ مَعْنَىٰ دَانَتْكَ سَبْطُكَ۔ یہ ان کے غیظ و غضب کی شدت کا بیان ہے، جیسا کہ اگلی آیت ﴿إِنْ تَسْأَلُهُمْ﴾ میں بھی ان کی اسی کیفیت کا اظہار ہے۔

۱۲۰. تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں،^(۱) اور تم اگر صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا،^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

۱۲۱. اور اے نبی! (ﷺ) اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ بٹھا رہے تھے^(۳)

إِنْ تَسْأَلُوا حَسَنَةً سَوْفَ هُمْ وَارِنْ تُبْصِرُوا
سَيِّئَةً فَبِمَا كُفَرُوا تَصِيرُوا وَتَنْفَرُوا
لَا يَصْرُوكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا
يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

وَإِذْ عَادَتْ مِنَ أَهْلِكَ نَبِيُّ الْمُؤْمِنِينَ
مَقَاعِدَ الْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

۱. اس میں منافقین کی اس شدید عداوت کا ذکر ہے جو انہیں مومنوں کے ساتھ تھی اور وہ یہ کہ جب مسلمانوں کو خوش حالی میسر آتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی اور مسلمانوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا تو منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سالی یا تنگدستی میں مبتلا ہوتے، یا اللہ کی مشیت و مصلحت سے دشمن، وقتی طور پر مسلمانوں پر غالب آجاتے (جیسے جنگ احد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی پیشکشیں بڑھائیں اور انہیں اپنا رازدان اور دوست بنائیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر ہے) اسی لیے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے، ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں سے خوش ہوتے ہیں۔

۲. یہ ان کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہے۔ گویا منافقین اور دیگر اعدائے اسلام و مسلمین کی سازشوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ اس صبر اور تقویٰ کے فقدان نے غیر مسلموں کی سازشوں کو کامیاب بنا رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی یہ کامیابی مادی اسباب و وسائل کی فراوانی اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی و زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اپنے دین پر استقامت (جو صبر کی متقاضی ہے) سے محروم اور تقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں جو مسلمان کی کامیابی کی کلید اور تائید الہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

۳. جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنگ احد کا واقعہ ہے جو شوال ۳ ہجری میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر مختصراً یہ ہے کہ جب جنگ بدر ۲ ہجری میں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے تو ان کفار کے لیے یہ بڑی بدنامی کا باعث اور ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست اشتقاقی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ کافر تین ہزار کی تعداد میں احد پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اندر رہ کر ہی مقابلہ کا مشورہ دیا اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے برعکس بعض پر جوش صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنہیں جنگ بدر میں حصہ لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپ ﷺ اندر حجرے میں تشریف لے گئے اور جب ہتھیار

اور اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔

۱۲۲۔ جب تمہاری دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں،^(۱) اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہے۔^(۲) اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

۱۲۳۔ اور جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے،^(۳) اس لیے اللہ ہی سے ڈرو! (نہ کسی اور سے) تاکہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔

۱۲۴۔ جب آپ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے، کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہوگا۔

۱۲۵۔ کیوں نہیں، بلکہ اگر تم صبر و پریزگاری کرو اور یہ لوگ اسی دم تمہارے پاس آجائیں تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا^(۴) جو نشاندار

إِذْ هَبَّتْ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۲﴾

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَجُلًا بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُتَرَلِّينَ ﴿۳﴾

بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا يُبَدِّلْكُمْ رَبُّكُمْ خَمْسَةَ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۴﴾

پہن کر باہر آئے، تو دوسری رائے والوں کو ندامت ہوئی کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی خواہش کے برعکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا چنانچہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند فرمائیں تو اندر ہی رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ چنانچہ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں روانہ ہو گئے مگر مقام شوط سے عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر واپس آگیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی۔ خواہ خواہ جان دینے کا کیا فائدہ؟ اس کے اس فیصلے سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے اور انہوں نے بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ (ابن کثیر)

۱۔ یہ اوس اور خزرج کے دو قبیلے (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) تھے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کی کمزوری کو دور فرما کر ان کی ہمت باندھ دی۔

۳۔ یہ اعتبار قلت تعداد اور قلت سامان کے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان ۳۱۳ تھے اور یہ بھی بے سروسامان، صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے۔ (ابن کثیر)

۴۔ مسلمان بدر کی جانب محض قافلہ قریش پر جو تقریباً نہتا تھا چھاپہ مارنے نکلے تھے۔ مگر بدر پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ مکہ سے مشرکین کا ایک لشکر جرار پورے غیظ و غضب اور جوش و خروش کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی

ہوں گے۔^(۱)

۱۲۶۔ اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔

۱۲۷۔ (اس امداد الہی کا مقصد یہ تھا کہ اللہ) کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر ڈالے اور (سارے کے سارے) نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔^(۲)

۱۲۸۔ اے پیغمبر! (ﷺ) آپ کے اختیار میں کچھ نہیں،^(۳)

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْلُبُوا فَلَا بُشْرَىٰ لَكُمْ إِلَّا بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۶﴾

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۲۷﴾

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ

صف میں گھبراہٹ، تشویش اور جوش قتال کا ملا جلا رد عمل ہوا اور انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتے اتارنے کی بشارت دی اور مزید وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے اور مشرکین اسی حالت غیظ و غضب میں آدھکے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا۔ (بدر پہنچنے سے پہلے ہی ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ مکہ پلٹ گیا اور باقی جو بدر آئے ان میں سے اکثر سرداروں کی رائے تھی کہ لڑائی نہ کی جائے) اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہ آ سکی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعداد پوری کی گئی۔

۱۔ یعنی پہچان کے لیے ان کی مخصوص علامت ہوگی۔

۲۔ یہ اللہ غالب و کار فرما کی مدد کا نتیجہ بتلایا جا رہا ہے۔ سورہ انفال میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتلائی گئی ہے ﴿إِذْ تَسْتَعِينُونَ رَبُّكُمْ فَأَسْتَجِبْ لَكُمْ لَئِيْ مِمَّا كُنْتُمْ يَاسْتَعِينُونَ﴾ (الأنفال: ۹) (جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سنتے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا) ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعتاً تو ایک ہزار ہی نازل ہوئے اور مسلمانوں کے حوصلے اور تسلی کے لیے تین ہزار کا اور پھر پانچ ہزار کا مزید مشروط وعدہ کیا گیا۔ پھر حسب حالات مسلمانوں کی تسلی کے نقطہ نظر سے بھی ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ تین ہزار پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا کیونکہ مقصد تو مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنا تھا، ورنہ اصل مددگار تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور وہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی، کفر کی طاقت کمزور ہوئی اور کافروں کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ (الر القاسم)

۳۔ یعنی ان کافروں کو ہدایت دینا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا“ گویا آپ ﷺ نے ان کی

أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝

اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے ^(۱) یا عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

۱۲۹۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے، اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمُ
اَصْحَافًا مُّضْغَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝

۱۳۰۔ اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ، ^(۲) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ۝

۱۳۱۔ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ہدایت سے ناامیدی ظاہر فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض کفار کے لیے قوت نازلہ کا بھی اہتمام فرمایا جس میں ان کے لیے بد دعا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بد دعا کا سلسلہ بند فرمادیا۔ (ابن کثیر، دفع القدر) اس آیت سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو نبی کریم ﷺ کو مختار کل قرار دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اتنا اختیار بھی نہ تھا کہ کسی کو راہ راست پر لگادیں حالانکہ آپ ﷺ اسی راستے کی طرف بلانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

۱۔ یہ قبیلے جن کے لیے آپ ﷺ بد دعا فرماتے رہے اللہ کی توفیق سے سب مسلمان ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مختار کل اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۲۔ چونکہ غزوہ احد میں ناکامی رسول ﷺ کی نافرمانی اور مال دنیا کے لالچ کے سبب ہوئی تھی اس لیے اب طبع دنیا کی سب سے زیادہ بھیانک اور مستقل شکل سود سے منع کیا جا رہا ہے اور اطاعت کی کیشی کی تاکید کی جا رہی ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو مطلق سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ مفرد ہو یا مرکب، مطلقاً حرام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ قید نبی (حرمات) کے لیے بطور شرط نہیں ہے بلکہ واقعی کی رعایت کے طور پر ہے یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی، اس کا بیان و اظہار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آجاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مزید مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے تنبیہ بھی مقصود ہے کہ سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ فعل حرام تمہیں کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ و رسول سے محاربہ ہے۔

۱۳۲. اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۱۳۳. اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو^(۱) جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۱۳۴. جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں،^(۲) اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں،^(۳) اور اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔

۱۳۵. اور جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں،^(۴) فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔

۱۳۶. انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔

۱۳۷. تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، سو

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱﴾

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾

الَّذِينَ يُقِيمُونَ فِي السَّوَاءِ وَالْقَرَاءِ وَالْكُظُمِيقَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳﴾

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ لَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴﴾

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّةٌ تَجْرَىٰ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۵﴾

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي

۱. مال و دولت دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کے بجائے، اللہ و رسول کی اطاعت کا اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متقین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔ چنانچہ آگے متقین کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

۲. یعنی محض خوش حالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حال اور ہر موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

۳. یعنی جب غصہ انہیں بھڑکاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں یعنی اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو معاف کر دیتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔

۴. یعنی جب ان سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾

هَذَا بَيِّنٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ
لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۱﴾

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾

إِنْ يَسْأَلُكُمْ فَرُجٌ فَقَدْ مَنَّ الْقَوْمُ فَرَجٌ
مِّنْهُ وَتِلْكَ الْآيَاتُ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَاءَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳﴾

زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے)
جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ﴿۱۰﴾

۱۳۸۔ عام لوگوں کے لیے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور
پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔

۱۳۹۔ اور تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، اور تم ہی
غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو۔ ﴿۱۲﴾

۱۴۰۔ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی
ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دنوں کو لوگوں کے
درمیان اڈلتے بدلتے رہتے ہیں، ﴿۱۳﴾ (تکست احد) اس
لیے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم

۱۔ جنگ احد میں مسلمانوں کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں سے ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ آپ نے
عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور انہیں تاکید کردی کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست،
تم یہاں سے نہ ہلنا اور تمہارا کام یہ ہے کہ جو گھڑ سوار تمہاری طرف آئے تیروں سے اسے پیچھے دھکیل دینا۔ لیکن جب
مسلمان فتح یاب ہو گئے اور مال و اسباب سمیٹنے لگے تو اس دستے میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے
فرمان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے یہیں جے رہنا، لیکن جب یہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور کفار بھاگ رہے
ہیں تو یہاں رہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی وہاں سے ہٹ کر مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں نبی
کریم ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔ جس سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے گھڑ سوار
پلٹ کر وہیں سے مسلمانوں کے عقب میں جا پہنچے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی
اور وہ غیر متوقع حملے سے سخت سراسیمہ ہو گئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں اللہ
تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دے رہا ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔
تاہم بالآخر تباہی و بربادی اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والوں کا ہی مقدر بنی ہے۔

۲۔ گزشتہ جنگ میں تمہیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ سست ہو اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمہارے اندر ایمانی
قوت موجود رہی تو غالب و کامران تم ہی رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی قوت کا اصل راز اور ان کی کامیابی
کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد مسلمان ہر معرکے میں سرخرو ہی رہے ہیں۔

۳۔ ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر جنگ احد میں تمہارے کچھ لوگ زخمی ہوئے ہیں تو کیا
ہوا؟ تمہارے مخالف بھی تو (جنگ بدر میں) اور احد کی ابتداء میں اسی طرح زخمی ہو چکے ہیں اور اللہ کی حکمت کا تقاضا
ہے کہ وہ فتح و شکست کے ایام کو اڈلتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔

میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

۱۳۱۔ اور (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔^(۱)

۱۳۲۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے،^(۲) حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟^(۳)

۱۳۳۔ اور جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے^(۴)

وَلَيْسَ لِلَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَبْهَقَ
الْكُفْرَيْنِ ۝

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُ اللَّهُ
الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الظَّالِمِينَ ۝

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ

۱۔ احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی، اس میں بھی مستقبل کے لیے کئی حکمتیں پنہاں تھیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ آگے بیان فرما رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے (کیونکہ صبر واستقامت ایمان کا تقاضا ہے) جنگ کی شدتوں اور مصیبتوں میں جنہوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ سب مومن ہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ لوگوں کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ تیسری یہ کہ ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔ تَمَحِّصُ کے ایک معنی اختیار (چن لینا) کے لیے گئے ہیں۔ ایک معنی تطہیر اور ایک معنی تخلص کے کیے گئے ہیں۔ آخری دونوں کا مطلب گناہوں سے پاکی اور خلاصی ہے۔ (فتح اللہ) مرحوم مترجم نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھی یہ کہ کافروں کو ہٹا دے۔ وہ اس طرح کہ وقتی فتح پائی سے ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہوگا اور یہی چیز ان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بنے گی۔

۲۔ یعنی بغیر قتال و شہادت کی آزمائش کے تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ نہیں بلکہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آزمائش میں پورے اتریں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَقَاتِلَهُمُ الْبِائِسَاءُ وَالْقَوَاءُ وَمَنْ زُلْزِلُوا﴾ (البقرہ: ۲۱۳) (کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی، انہیں تنگ دستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گئے) مزید فرمایا ﴿حَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (التکوین: ۲) (کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟)۔

۳۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ جنت یوں ہی نہیں مل جائے گی، اس کے لیے پہلے تمہیں آزمائش کی بھٹی سے گزرا اور میدان جہاد میں آزمایا جائے گا کہ وہاں نزعہ اعداء میں گھر کر تم سرفروشی اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہو یا نہیں؟

۴۔ یہ اشارہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے

تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٦﴾

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ أَفَلَا يَنْفَكُ عَنْ أَفْقَالِكُمْ وَمَنْ يَنْفَكْ عَلَى عَقْدِيهِ فَلَئِنْ
يُضِرَّ اللَّهُ شَيْئًا أَوْ سَيِّئَ عَمَلٍ يُضِلَّهُ اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿٧﴾

اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔^(۱)

۱۴۴۔ اور (حضرت) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں،^(۲)

ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان
کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم اسلام سے
اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے
اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا،^(۳)
عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔^(۴)

اور چاہتے تھے کہ میدان کار زار گرم ہو تو وہ بھی کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ انہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے
جنگ احد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح، کافروں کے اچانک
حملے سے شکست میں تبدیل ہو گئی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) تو یہ پر جوش مجاہدین بھی سراسیمگی کا شکار ہو گئے اور بعض نے
راہ فرار اختیار کی۔ (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے۔ (فتح القدیر) اسی لیے حدیث میں
آتا ہے کہ ”تم دشمن سے ملے بھڑکی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت طلب کیا کرو تاہم جب از خود حالات ایسے بن جائیں کہ
تمہیں دشمن سے لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔“ (صحیحین)

۱۔ رَأَيْتُمُوهُ اور تَنْظُرُونَ۔ دونوں کے ایک ہی معنی یعنی دیکھنے کے ہیں۔ تاکید اور مبالغے کے لیے دو لفظ لائے گئے ہیں۔
یعنی تلواروں کی چمک، نیزوں کی تیزی، تیروں کی یلغار اور جاں بازوں کی صف آرائی میں تم نے موت کا خوب مشاہدہ
کر لیا۔ (ابن کثیر، فتح القدیر)

۲۔ محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں ”یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر
اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔“

۳۔ جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ
اڑادی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے
اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا ان پر موت کا وارد
ہو جانا، کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی قتل اور موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اگر آپ ﷺ بھی (بالفرض)
اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ
نہیں بگاڑ سکے گا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدت جذبات میں وفات نبوی کا انکار کر
رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے منبر رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر انہی
آیات کی تلاوت کی، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی اتری ہیں۔

۴۔ یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو جنہوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ادا کیا۔

۱۳۵. اور بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے کوئی چاند نہ نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے، اور دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دیں گے۔^(۱) اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے۔

۱۳۶. اور بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انہیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے۔^(۲)

۱۳۷. اور وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔

۱۳۸. اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا ثواب بھی عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

۱۳۹. اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے، (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔

۱۵۰. بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَتَّبِعُ مُؤْمِلًا وَمَنْ يُدْ تَوَابِ الدُّنْيَا تَوَاتُ مِنْهَا وَمَنْ يَبْرُدْ تَوَابِ الْآخِرَةِ تَوَاتُ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝

وَكَايْنِ مِّنْ نَّبِيٍّ قَتَلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَرُوا لَمَّا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

قَالَ اللَّهُ تَوَابِ الدُّنْيَا وَحَسَنَ تَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ كَفَرُوا وَيُرَدُّكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝

بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ الْمُنْصِرِينَ ۝

۱. یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی، پھر بھاگنے اور بزدلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے کچھ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی، دنیا بھی اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے۔ آگے مزید حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے پچھلے انبیاء ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے صبر اور ثابت قدمی کی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

۲. یعنی ان کو جو جنگ کی شدتوں میں پست ہمت نہیں ہوتے اور ضعف اور کمزوری نہیں دکھاتے۔

مددگار ہے۔^(۱)

۱۵۱۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری،^(۲) اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے۔

۱۵۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ رہے تھے۔^(۳) یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی،^(۴) اس کے بعد کہ اس نے تمہاری

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَهُمْ لَدَيْهِ النَّادُ وَيَسْ مَنُوى الظَّالِمِينَ ﴿۵﴾

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْكَوْمِ وَغَصَبَتُم مِّنْ بَعْدِ مَا أَرْسَلْنَا مَنَاجِيحُنَّ مِنْكُمْ مِّنْ يُّرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ

۱۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے، یہاں پھر دہرایا جا رہا ہے کیونکہ احد کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض کفار یا منافقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ایسے میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ کافروں کی اطاعت ہلاکت و خسران کا باعث ہے۔ کامیابی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور اس سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔
۲۔ مسلمانوں کی شکست دیکھتے ہوئے بعض کافروں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ موقع مسلمانوں کے بالکلیہ خاتمہ کے لیے بڑا اچھا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ پھر انہیں اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ (فتح القدیر) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ «نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ» «دشمن کے دل میں ایک مہینے تک کی مسافت پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔» اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رعب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی امت یعنی مسلمانوں کا رعب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کا شرک ہے۔ گویا شرک کرنے والوں کا دل دوسروں کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہوئی ہے، تو دشمن ان سے مرعوب ہونے کے بجائے، وہ دشمنوں سے مرعوب ہیں۔
۳۔ اس وعدے سے بعض مفسرین نے تین ہزار اور ۵ ہزار فرشتوں کا نزول مراد لیا ہے لیکن یہ رائے سرے سے صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول صرف جنگ بدر کے ساتھ مخصوص تھا۔ باقی رہا وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور ہے تو اس سے مراد فتح و نصرت کا وہ عام وعدہ ہے جو اہل اسلام کے لیے اور اس کے رسول کی طرف بہت پہلے سے کیا جا چکا تھا۔ حتیٰ کہ بعض آیتیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مطابق ابتدائے جنگ میں مسلمان غالب و فاتح رہے جس کی طرف ﴿إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بِإِذْنِهِ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

۴۔ اس تنازع اور عصیان سے مراد ۵۰ تیر اندازوں کا وہ اختلاف ہے جو فتح و غلبہ دیکھ کر ان کے اندر واقع ہوا اور جس

مَنْ يُرِيدِ الْآخِرَةَ ۖ فَتَصْرِفْ لَهُ مِنْهُ
لِيَبْذُلَ عَلَيْكَ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكَ ۗ وَاللَّهُ ذُو
فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵﴾

چاہت کی چیز تمہیں دکھادی،^(۱) تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے^(۲) اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا^(۳) تو پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے^(۴) اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمادیا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۵)

۱۵۳۔ جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے^(۱) اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے،^(۲) بس تمہیں

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلَوْنَ عَلَى أَحَدٍ
وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ
عَمَّا كُنْتُمْ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا كُنْتُمْ

کی وجہ سے کافروں کو پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع ملا۔

۱۔ اس سے مراد وہ فتح ہے جو ابتداء میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

۲۔ یعنی مال غنیمت، جس کے لیے انہوں نے وہ پہاڑی چھوڑ دی جس کے نہ چھوڑنے کی انہیں تاکید کی گئی تھی۔

۳۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مورچہ چھوڑنے سے منع کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ ڈٹے رہنے کا عزم ظاہر کیا۔

۴۔ یعنی غلبہ عطا کرنے کے بعد پھر تمہیں شکست دے کر ان کافروں سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔

۵۔ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس شرف و فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ نے ان پر فرمایا۔ یعنی ان کی غلطیوں کی وضاحت کر کے تاکہ آئندہ ان کا اعادہ نہ کریں، اللہ نے ان کے لیے معافی کا اعلان کر دیا تاکہ کوئی بد باطن ان پر زبان طعن دراز نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لیے عفو عام کا اعلان فرمادیا تو اب کسی کے لیے طعن و تشنیع کی گنجائش کہاں رہ گئی؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے موقع پر ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر اور بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے۔ نیز یوم احد میں فرار ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو انکی اہلیہ (بنت رسول ﷺ) بیمار تھیں، بیعت رضوان کے موقع پر آپ رسول ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور یوم احد کے فرار کو اللہ نے معاف فرمایا ہے۔ (ملخصاً۔ صحیح بخاری، غزوہ احد)

۶۔ کفار کے یکبارگی اچانک حملے سے مسلمانوں میں جو بھگدڑ مچی اور مسلمانوں کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ اس کا نقشہ بیان کیا جا رہا ہے۔ تُصْعِدُونَ إِصْعَادًا سے ہے جس کے معنی اپنی رو بھاگے جانے یا وادی کی طرف چڑھے جانے یا بھاگنے کے ہیں۔ (طبری)

۷۔ نبی ﷺ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے۔ «إِلَّيَّ عِبَادَ اللَّهِ! إِلَّيَّ عِبَادَ اللَّهِ!» اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ! اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ۔ لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟

وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِهِمَا
تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۲﴾

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغِيثُ
طَافِقَةً مِّنكُم وَطَافِقَةً قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ
يَكُونُونَ بِاللَّهِ عِيَالًا لِّحَقِّ طَلَبِ الْحَالِئَةِ يَقُولُونَ
هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ قُلْ إِنْ الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّهِ
يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ لَوْ
كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ لَّقَاتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي
بُيُوتِكُمْ لَبَرَأَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ

غم پر غم پہنچا^(۱) تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ
پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو،^(۲) اور اللہ تعالیٰ تمہارے
تمام اعمال سے خبردار ہے۔

۱۵۲۔ پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا
اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔^(۳)
ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی
ہوئی تھی،^(۴) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناحق جہالت بھری
بدگمانیاں کر رہے تھے^(۵) اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی
چیز کا اختیار ہے؟^(۶) آپ کہہ دیجیے کہ کام کل کا کل
اللہ کے اختیار میں ہے،^(۷) یہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی

۱۔ فَاثَابَكُمْ تمہاری کوتاہی کے بدلے میں تمہیں غم پر غم دیا عَمَّا بَغِمَ بمعنی عَمَّا عَلَيَّ غَمِّ ابن جریر اور ابن کثیر کے اختیار
کردہ راجح قول کے مطابق پہلے غم سے مراد ہے، مال غنیمت اور کفار پر فتح و ظفر سے محرومی کا غم اور دوسرے غم سے مراد ہے
مسلمانوں کی شہادت، ان کے زخمی ہونے، نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپ ﷺ کی شہادت کی خبر سے پہنچنے والا غم۔
۲۔ یعنی یہ غم پر غم اس لیے دیا تاکہ تمہارے اندر شدائد برداشت کرنے کی قوت اور عزم و حوصلہ پیدا ہو۔ جب یہ قوت
اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو فوت شدہ چیز پر غم اور پہنچنے والے شدائد پر ملال نہیں ہوتا۔

۳۔ مذکورہ سراسیمگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے
مسلمانوں پر اونگھ مسلط کر دی۔ یہ اونگھ اللہ کی طرف سے سکینت اور نصرت کی دلیل تھی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ چھائی جا رہی تھی حتیٰ کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے
ہاتھ سے گری میں اسے پکڑتا، وہ پھر گر جاتی، پھر پکڑتا اور پھر گر جاتی۔ (صحیح بخاری) نُعَاسًا، اَمَنَةً سے بدل ہے۔ طائفۃ،
واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (فتح القدیر)

۴۔ اس سے مراد منافقین ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ان کو تو اپنی جانوں ہی کی فکر تھی۔

۵۔ وہ یہ تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا معاملہ باطل ہے، یہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں، اس کا مستقبل مخدوش ہے، انہیں
اللہ کی مدد ہی حاصل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۶۔ یعنی کیا اب ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فتح و نصرت کا امکان ہے؟ یا یہ کہ کیا ہماری بھی کوئی بات چل
سکتی ہے اور مانی جاسکتی ہے؟

۷۔ تمہارے یا دشمن کے اختیار میں نہیں ہے، مدد بھی اسی کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اس کے حکم سے ہوگی
اور امر و نہی بھی اسی کا ہوگا۔

مَصَابِيحُهُمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ
وَلِيَهَيِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ﴿۱۷۵﴾

باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کو نہیں بتاتے،^(۱) کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کیے جاتے۔^(۲) آپ کہہ دیجیے کہ گو تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کے اندر کی چیز کا آمانا اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اس کو پاک کرنا تھا،^(۴) اور اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید سے آگاہ ہے۔^(۵)

۱۷۵۔ یقیناً تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی ڈبھیر ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض اعمال کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آگئے^(۶) لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا^(۷) بے شک اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا أَمْنَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

۱۔ اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں، ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کے طالب ہیں۔

۲۔ یہ وہ آپس میں کہتے یا اپنے دل میں کہتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ؟ موت تو ہر صورت میں آتی ہے اور اسی جگہ پر آتی ہے جہاں اللہ کی طرف سے لکھ دی گئی ہے۔ اگر تم گھروں میں بیٹھے ہوتے اور تمہاری موت کسی مقتل میں لکھی ہوتی تو تمہیں قضاء ضرور وہاں کھینچ کر لے جاتی؟

۴۔ یہ جو کچھ ہوا اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمہارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے یعنی ایمان، اسے آزمائے (تاکہ منافع الگ ہو جائیں) اور پھر تمہارے دلوں کو شیطانی وساوس سے پاک کر دے۔

۵۔ یعنی اس کو تو علم ہے کہ مخلص مسلمان کون ہے اور نفاق کا لبادہ کس نے اوڑھ رکھا ہے؟ جہاد کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے مومن اور منافق کھل کر سامنے آجاتے ہیں جنہیں عام لوگ بھی پھر دیکھ اور پہچان لیتے ہیں۔

۶۔ یعنی احد میں مسلمانوں سے جو لغزش اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی پچھلی بعض کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے شیطان اس روز بھی انہیں پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس طرح بعض سلف کا قول ہے کہ ”یہی کا بدلہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعد مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے بعد مزید برائی کا راستہ کھلتا اور ہموار ہوتا ہے۔“

۷۔ اللہ تعالیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر اپنی طرف سے ان کے معافی کا اعلان فرما رہا ہے۔ جس سے ایک تو ان کا محبوب بارگاہ الہی ہونا واضح ہے اور دوسرا، عام مومنین کو تنبیہ ہے کہ ان مومنین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا
وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ إِذَا هُمْ يَأْتُونَ فِي الْأَرْضِ
أَوْ كَانُوا عِندَ اللَّهِ لَآتَيْنَاهُمُ الْبُيُوتَ
الَّذِي هُمْ فِيهَا يَكُونُونَ ۝

۱۵۶۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں - جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں - کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے،^(۱) اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

وَلَكِنْ قُلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَعَهُ لَعَفَرَةً ۝
اللَّهُ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝

۱۵۷۔ اور قسم ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیے جاؤ یا اپنی موت مرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔^(۳)

وَلَكِنْ مَنَّهُمْ أَوْفَتْكُمْ إِلَى اللَّهِ تَخْتَرُونَ ۝

۱۵۸۔ اور بالیقین خواہ تم مرجاؤ یا مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کیے جاؤ گے۔

فِيمَا رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ لَبِئْسَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتُمْ قَدْ
عَلِمْتُمْ الْقُلُوبَ لَا نَقْضُوا مِنْ حَوْلِكَ قَاعًا

۱۵۹۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب

صادقین کو جب اللہ نے معاف فرما دیا ہے تو اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انہیں ہدف ملامت یا نشانہ تنقید بنائے۔
۱۔ اہل ایمان کو اس فسادِ عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیونکہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ مذکورہ فسادِ عقیدہ دلی حسرت کا ہی سبب بنتا ہے کہ اگر وہ سفر پر یا میدانِ جنگ میں نہ جاتے بلکہ گھر میں ہی رہتے تو موت کے آغوش میں جانے سے بچ جاتے۔ درآں حالیکہ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آجاتی ہے، ﴿إِنَّ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُهُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشْتَدَّةٍ﴾ (النساء: ۷۸) (تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں)۔ اس لیے اس حسرت سے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جن کے عقیدے صحیح ہیں۔

۳۔ موت تو ہر صورت میں آتی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے تو یہ دنیا کے مال و اسباب سے بہت بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے گریز نہیں، بلکہ اس میں رغبت اور شوق ہونا چاہیے کہ اس طرح رحمت و مغفرت الہی یقینی ہو جاتی ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُوَفِّي
الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۵۹﴾

آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر
کریں^(۱) اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان
سے کیا کریں،^(۲) پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ
تعالیٰ پر بھروسہ کریں،^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے
والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اِنْ يَخْذَلْكُمْ فَمَنْ
ذَ الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ
فَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

۱۶۰۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب
نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد
کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ
ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغْلِبَ وَ مَنۢ يَّغْلِبْ يَّاتِ بِمَا

۱۶۱۔ اور ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے^(۴) ہر

۱۔ نبی ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اندر
جو نرمی اور ملائمت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر
آپ ﷺ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے
کے بجائے، آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ درگزر سے ہی کام لیتے رہیے۔

۲۔ یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لیے مشورہ کر لیا کریں۔ اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی
ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استیباب
کے لیے ہے (ابن کثیر)۔ امام شوکانی لکھتے ہیں ”حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ
کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے۔ یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہیں۔ فوج کے سربراہوں سے فوجی معاملات میں،
سربراہ آردہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام و والیان سے ان کے علاقوں کی ضروریات
و ترجیحات کے سلسلے میں مشورہ کریں۔“ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ”ایسے حکمران کے وجوب عزل پر کوئی اختلاف نہیں ہے
جو اہل علم و اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔“ یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہو گا جن کی بابت شریعت خاموش
ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ (فتح اللہ)

۳۔ یعنی مشاورت کے بعد جس پر آپ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کر گزریے۔ اس سے ایک تو یہ
بات معلوم ہوئی کہ مشاورت کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمران ہی کا ہو گا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا
کہ جمہوریت میں ہے۔ دوسری یہ کہ سارا اعتماد و توکل اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر۔ اگلی
آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

۴۔ جنگ احد کے دوران جو لوگ مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا

عَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تَكْتُوْنُ كُلُّ نَفْسٍ فَاكْسَبَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اَقْبَسَ اَتْبَعَ رَضَوْنَ اَللّٰهُ كَمَنْ بَاۡءَ بِسَخِيْطٍ مِّنْ
اَللّٰهِ وَمَاۡوِيْهُ جَهَنَّمُ وَبَشَّرَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۳﴾

هُمَّ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍۙ يَّمَا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ

خیانت کرنے والا خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن
حاضر ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا
جائے گا، اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

۱۶۲. کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے درپے
ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر
لوٹا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

۱۶۳. اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور
ان کے تمام اعمال کو اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔

۱۶۴. بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے
کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا،^(۱) جو انہیں
اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے

مال غنیمت دوسرے لوگ سمیٹ لے جائیں گے اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کر لیا کہ اس مال
میں سے تمہارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ کیا تمہیں قائد غزوہ محمد ﷺ کی امانت پر اطمینان نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک
پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خیانت نبوت کے منافی ہے۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس
کی نبوت پر یقین کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

۱. نبی کے بشر اور انسانوں میں سے ہی ہونے کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسان
عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان اور لہجے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے
آسان ہوگا۔ دوسرا لوگ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے۔ تیسرا انسان کے
لیے انسان، یعنی بشر کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے
وجدان و شعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس لیے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان
ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں سب
کے سب بشر ہی تھے۔ قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا
رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ﴾ (یوسف: ۱۰۹) (ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ مرد تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا
قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اَنَّهُمْ لَيَكُوْنَنَّ الْكٰفِرُوْنَ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ (الفرقان: ۲۰) (ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی
رسول بھیجے، سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے)۔ اور خود نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ﴿قُلْ اِنَّمَا
اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ﴾ (تم السجہ: ۶) (آپ ﷺ کہہ دیجیے میں بھی تو تمہاری طرح صرف بشر ہی ہوں البتہ مجھ پر وحی کا نزول
ہوتا ہے)۔ آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔

قَبْلَ لَفِي صَلِّ مُبِينٌ ۝

اور انہیں کتاب اور حکمت ^(۱) سکھاتا ہے، یقیناً ^(۲) یہ سب اس سے پہلے کھلی گراہی میں تھے۔

اَوَلَمْ اَصَابَكُمْ مُمِيبَةٌ ۚ قَدْ اَصَابَكُمْ وَمِثْلُهَا ۚ
قُلْتُمْ اَنْ لِّ هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۚ اِنَّ
اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

۱۶۵. (کیا بات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے، ^(۳) تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے، ^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّغَى الْجَمْعُ ۚ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

۱۶۶. اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مدبھیر ہوئی تھی، وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (ظاہری طور پر) جان لے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ تَافَتُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ نَعَلُوا اَقَاتِلُوا فِي
سَبِيلِ اللّٰهِ اَوْ اذْهَبُوا قَالُوا لَوْ عَلِمْنَا اَنَّ

۱۶۷. اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے ^(۵) اور جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے

۱. اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) تلاوت آیات، (۲) تزکیہ، (۳) تعلیم کتاب و حکمت۔ تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آجاتی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم و استعداد بہم نہ پہنچ جائے، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ تزکیے سے مراد عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے انہیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بد اخلاق اور بد اطوار قوم کو اخلاق و کردار کی رفعتوں سے ہمنما کر دیا، حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سنت ہے۔

۲. یہ اِنْ مُخَفَّفَةً مِنَ الْمُقَلَّةِ ہے یعنی «اِنْ» (تحقیق، یقیناً بلاشبہ) کے معنی ہیں۔

۳. یعنی احد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں تم نے ستر کافر قتل کیے تھے اور ستر قیدی بنائے تھے۔

۴. یعنی تمہاری اس غلطی کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے تاکید کی حکم کے باوجود پہاڑی مورچہ چھوڑ کر تم نے کی تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری کہ اس غلطی کی وجہ سے کافروں کے ایک دستے کو اس دڑے سے دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔

۵. یعنی احد میں تمہیں جو کچھ نقصان پہنچا، وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا ہے (تاکہ آئندہ تم اطاعت رسول کا مکمل حق اہتمام کرو) علاوہ ازیں اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا۔

لَا تَتَّبِعَنَّكُمُ هُمْ لَكُمُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ
لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ تَالَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۱﴾

الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِنْسَانِ هُمْ وَقَعْدُوا وَالْوَاكِعُونَ مَا
قُدِّمُوا أَهْلٌ قَادِرُونَ عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿۲﴾

وَلَا تَحْزَنْ الَّذِينَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالُهُمْ
أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَزَقُونَ ﴿۳﴾

لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے،^(۱)
وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے،^(۲)
اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں
نہیں،^(۳) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔

۱۶۸۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے
بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے
تو قتل نہ کیے جاتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی
جانوں سے موت کو ہٹادو۔^(۴)

۱۶۹۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان
کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس
روزیاں دیے جاتے ہیں۔^(۵)

۱۔ لڑائی جانتے کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی آپ لوگ لڑائی لڑنے چل رہے ہوتے تو ہم بھی ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو
لڑائی کے بجائے اپنے آپ کو تباہی کے دہانے میں جھونکنے جارہے ہیں۔ ایسے غلط کام میں ہم کیوں آپ کا ساتھ دیں۔ یہ
عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس لیے کہا کہ ان کی بات نہیں مانی گئی تھی اور اس وقت کہا جب وہ مقام شوط
پر پہنچ کر واپس ہو رہے تھے اور عبداللہ بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ انہیں سمجھا بھگا کہ شریک جنگ کرنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ (قدرے تفصیل گزری چکی ہے)

۲۔ اپنے نفاق اور ان باتوں کی وجہ سے جو انہوں نے کیں۔

۳۔ یعنی زبان سے تو وہ ظاہر کیا جو مذکور ہوا لیکن دل میں یہ تھا کہ ہماری علیحدگی سے ایک تو مسلمانوں کے اندر بھی
ضعف پیدا ہو گا۔ دوسرا کافروں کو فائدہ ہو گا۔ مقصد اسلام، مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا تھا۔

۴۔ یہ منافقین کے اس قول کا رد ہے کہ ”اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اگر تم سچے ہو تو
خود سے موت کو ٹال کر دکھاؤ“ مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ موت بھی جہاں اور جیسے مقدر ہے، وہاں اور اسی
صورت میں آکر رہے گی۔ اس لیے جہاد اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریز و فرار یہ کسی کو موت کے شکنجے سے نہیں بچا سکتا۔

۵۔ شہداء کی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی، یقیناً حقیقی ہے لیکن اس کا شعور اہل دنیا کو نہیں، جیسا کہ قرآن نے وضاحت
کردی ہے۔ ملاحظہ ہو (سورۃ بقرۃ آیت: ۱۵۴) پھر اس زندگی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں قبروں میں ان کی روہیں لوٹنا
دی جاتی ہیں اور وہاں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے پھلوں کی خوشبوئیں انہیں
آتی ہیں جن سے ان کے مشام جان معطر رہتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ایک تیسری شکل معلوم ہوتی ہے اس لیے وہی

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَكَتَبْنَا لَهُمْ
بِالْذِّكْرِ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا يَخَوْفُ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يُعْزَبُونَ ﴿۱۷۰﴾

يَكْتَبُشْرُونَ بِنِعْمَةِ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ
لَاضْمِيعُ أَعْمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾

۱۷۰۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور ان پچھلوں کی بابت جو اب تک ان کے پاس نہیں پہنچے خوشیاں منا رہے ہیں، ^(۱) اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۱۷۱۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا۔ ^(۲)

صحیح ہے، وہ یہ کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کر دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی اور اسکی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر بحوالہ صحیح مسلم، کتاب الإمارة)

۱۔ یعنی وہ اہل اسلام جو ان کے پیچھے دنیا میں زندہ ہیں یا مصروف جہاد ہیں، ان کی بابت وہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ بھی شہادت سے ہمکنار ہو کر یہاں ہم جیسی پر لطف زندگی حاصل کریں۔ شہدائے احد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انہیں ہمارے حالات اور پر مسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے؟ تاکہ وہ جنگ و جہاد سے اعراض نہ کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”میں تمہاری یہ بات ان تک پہنچا دیتا ہوں“ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (مسند أحمد/۳۶۵-۳۶۶ سنن أبی داود، کتاب الجہاد) علاوہ ازیں متعدد احادیث سے شہادت کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا «مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ لَهَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ يَسُرُّهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ، فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ» (مسند أحمد/۳-۱۲۶، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل الشهادة) ”کوئی مرنے والی جان، جس کو اللہ کے ہاں اچھا مقام حاصل ہے، دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتی۔ البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ یہ آرزو وہ اس لیے کرتا ہے کہ شہادت کی فضیلت کا وہ مشاہدہ کر لیتا ہے۔“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے کہا مجھ سے اپنی کسی آرزو کا اظہار کر (تاکہ میں اسے پورا کر دوں) تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جاسکتا۔

۲۔ یہ استبشار، پہلے استبشار کی تاکید اور اس بات کا بیان ہے کہ ان کی خوشی محض خوف و حزن کے فقدان کی ہی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے بے پایاں فضل و کرم کی وجہ سے بھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے پہلی خوشی کا تعلق دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کی وجہ سے اور یہ دوسری خوشی اس انعام و اکرام کی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خود ان پر ہوا۔ (فتح القدیر)

۱۷۲۔ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیز گاری برتی ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے۔^(۱)

۱۷۳۔ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کار ساز ہے۔^(۲)

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِدَعْوِ اللَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْفُرْقَةُ لَئِنْ اَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۲﴾

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَكَوَالُوا حَبِيْبًا لِلّٰهِ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

۱۔ جب مشرکین جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستے میں انہیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک نہایت سنہری موقع ضائع کر دیا۔ مسلمان شکست خوردگی کی وجہ سے بے حوصلہ اور خوف زدہ تھے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر دینا چاہیے تھا تاکہ اسلام کا یہ پودا اپنی سر زمین (مدینہ) سے ہی نیست و نابود ہو جائے۔ ادھر مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ کو بھی اندیشہ ہوا کہ شاید پھر پلٹ آئیں لہذا آپ ﷺ نے صحابہ کو لڑنے کے لیے آمادہ کیا آپ ﷺ کے کہنے پر صحابہ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے مقتولین و مجروحین کی وجہ سے دل گرفتہ اور محزون و مغموم تھے، تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ جب مدینہ سے ۸ میل کے فاصلے پر واقع ”حراء الاسد“ پر پہنچا تو مشرکین کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بجائے مکہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء بھی مدینہ واپس آ گئے۔ آیت میں مسلمانوں کے اسی جذبہ اطاعت اللہ و رسول کی تعریف کی گئی ہے بعض نے اس کا سبب نزول ابو سفیان کی اس دھمکی کو بتلایا ہے کہ آئندہ سال بدر صغریٰ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ (ابو سفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جس پر مسلمانوں نے بھی اللہ و رسول کی اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جہاد میں بھرپور حصہ لینے کا عزم کر لیا۔ (طیغ از فتح القدرہ داتن کثیر، مگر یہ آخری قول سیاق سے میل نہیں کھاتا۔)

۲۔ حراء الاسد اور کہا جاتا ہے کہ بدر صغریٰ کے موقع پر ابو سفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل کیں اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین مکہ لڑائی کے لیے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے سے لیا۔ لیکن مسلمان اس قسم کی افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کے بجائے مزید عزم و ولولہ سے سرشار ہو گئے جس کو یہاں ایمان کی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ ایمان جتنا پختہ ہوگا، جہاد کا عزم اور ولولہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان جامد قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتلاء و مصیبت کے وقت اہل ایمان کا شیوہ اللہ پر اعتماد و توکل ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی

فَاتَّقُوا ابْنَعَابَةَ مِنَ اللَّهِ وَفَضِّلْ لَمْ يَسْهُمْ
سَوْءٌ وَالْبَعُوْرَضْوَانَ اللَّهُ ذُو فَضْلِ عَظِيمٍ ۝

إِنَّمَا ذِكْرُ الشَّيْطَانِ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَالْكَافِرُ
يَخَافُهُمْ وَالْكَافِرُونَ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَالَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ أَنفُسُهُمْ لَنْ
يَصُرُوا لِلَّهِ سَيِّئًا يَرِيْدُ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي
الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْكُفْرَ لَا يُسَانُونَ لَنْ يَصُرُوا لِلَّهِ
سَيِّئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّمَا هُمْ فِي الْكُفْرِ

۱۷۴۔ (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ
لوٹے، ^(۱) انہیں کوئی برائی نہ پہنچی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی
رضامندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

۱۷۵۔ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے
دوستوں سے ڈراتا ہے ^(۲) تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور
میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔ ^(۳)

۱۷۶۔ اور کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ
کریں، یقین مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ
تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت کا کوئی حصہ عطا
نہ کرے، ^(۴) اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

۱۷۷۔ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز
اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لیے
المناک عذاب ہے۔

۱۷۸۔ اور کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں

حَسْبُ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھنے کی فضیلت وارد ہے۔ نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ
میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (فتح القدیر)

۱۔ نِعْمَةً سے مراد سلامتی ہے اور فَضْلُ سے مراد وہ نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ نبی
کریم ﷺ نے بدر صغریٰ میں ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خرید کر فروخت کیا جس سے نفع حاصل ہوا
اور آپ ﷺ نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر)

۲۔ یعنی تمہیں اس وسوسے اور وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں۔

۳۔ یعنی جب وہ تمہیں اس وہم میں مبتلا کرے تو تم صرف مجھ پر ہی بھروسہ رکھو اور میری ہی طرف رجوع کرو! میں
تمہیں کافی ہو جاؤں گا اور تمہارا ناصر رہوں گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿الَّذِينَ يَخَافُونَ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا وَسِعًا﴾ (الزمر: ۳۶) (کیا اللہ
اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟)۔ مزید ملاحظہ ہوں۔ ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَخْلِفَنَّ أَتَا وَرَسُولًا﴾ (المجادلة: ۲۱) وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ

۴۔ نبی ﷺ کے اندر اس بات کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، اسی لیے ان کے انکار اور تکذیب
سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ تمکین نہ ہوں، یہ اللہ
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں۔

لَا تَنْفَعُهُمْ أَلَمَّا نَبَيَ لَهُمْ لِيَزَادُوا إِلَهُمَا وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

بہتر نہ سمجھیں، یہ مہلت تو اس لیے ہے کہ وہ گناہوں
میں اور بڑھ جائیں،^(۱) اور ان ہی کے لیے ذلیل کرنے
والا عذاب ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ
حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْرَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيُظْلِعَهُمْ عَلَىٰ الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ مِنْ
رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ قَالُوا يَا اللَّهُ رُسُلَهُ وَإِنْ
تُؤْمِنُوا وَاتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

۱۷۹۔ جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ ایمان والوں کو نہ
چھوڑ دے گا جب تک کہ پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ
کردے،^(۲) اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے
آگاہ کر دے،^(۳) بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس
کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے،^(۴) اس لیے تم اللہ تعالیٰ پر اور

۱۔ اس میں اللہ کے قانون امہال (مہلت دینے) کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق کافروں کو مہلت
عطا فرماتا ہے، وقتی طور پر انہیں دنیا کی فراغت و خوش حالی سے، فتوحات سے اور مال و اولاد سے نوازتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں
کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے والے نیکی اور اطاعت الہی کا راستہ اختیار نہیں
کرتے تو یہ دنیوی نعمتیں، فضل الہی نہیں مہلت الہی ہے۔ جس سے ان کے کفر و فسوق میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بالآخر وہ
جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق قرار پاجاتے ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ مثلاً
﴿الْحَسْبُ لَكُمْ إِلَهُكُمْ مِنْ قَالِ وَيَتَيْنُ * سَاءَ لَهُمْ فِي الْخَيْرِ بَلَىٰ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (المؤمنون: ۵۵، ۵۶) (کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ
ہم ان کے مال و اولاد میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ سمجھتے نہیں ہیں)۔
۲۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ابتلاء کی بھٹی سے ضرور گزارتا ہے تاکہ اس کے دوست و واضح اور دشمن ذلیل ہو جائیں۔ مومن صابر،
منافع سے الگ ہو جائے جس طرح احد میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آزمایا جس سے ان کے ایمان، صبر و ثبات اور جذبہ
اطاعت کا اظہار ہوا اور منافقین نے اپنے اوپر جو نفاق کا پردہ ڈال رکھا تھا وہ بے نقاب ہو گیا۔

۳۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح ابتلاء کے ذریعے سے لوگوں کے حالات اور ان کے ظاہر و باطن کو نمایاں نہ کرے تو
تمہارے پاس کوئی غیب کا علم تو ہے نہیں کہ جس سے تم پر یہ چیزیں مشکف ہو جائیں اور تم جان سکو کہ کون منافق ہے
اور کون مومن خالص؟

۴۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر
منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ بھی کسی کسی وقت اور کسی کسی نبی پر
ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نبی بھی (جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے) منافقین کے اندرونی نفاق اور ان کے کفر
و کید سے بے خبر ہی رہتا ہے (جس طرح کہ سورہ توبہ کی آیت: ۱۰۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اعراب اور اہل
مدینہ میں جو منافق ہیں اے پیغمبر! آپ ﷺ ان کو نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں) اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ غیب کا علم ہم صرف اپنے رسولوں کو ہی عطا کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی منصبی ضرورت ہے۔ اس وجہ الہی اور امور

اس کے رسولوں پر ایمان رکھو، اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا بھاری اجر ہے۔

۱۸۰۔ اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت کے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے،^(۱) اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔

۱۸۱۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تو تکرر میں“ (۱) ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے، اور ان کا انبیاء کو بلا وجہ قتل کرنا بھی، (۲) اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْغُلُونَ بِأَنَّهُمْ
 اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ أَلَيْسَ لَهُمْ
 سَيِّئُ فَعْلٍ مَا جِئُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
 وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ
 وَلِلَّهِ يَتَّبِعُونَ خَيْرٌ

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
فَتِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنَاءُ سَتَكُنُّبُ مَا قَالُوا وَفَتَكُنُّهُمْ
الْأَنْبِيَاءُ بغيرِ حِسٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ﴿٦٤﴾

غیبیہ کے ذریعے سے ہی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور اپنے کو اللہ کا رسول ثابت کرتے ہیں؟ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَّمَ الْغَيْبَ فَلَا يُظَاهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ * (الاحقاف: ۲۶، ۲۷) (عالم الغیب (اللہ تعالیٰ ہے) اور وہ اپنے غیب سے پسندیدہ رسولوں کو ہی خبردار کرتا ہے) ظاہر بات ہے کہ یہ امور غیبیہ وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق منصب و فرائض رسالت کی ادائیگی سے ہوتا ہے نہ کہ مآکان و مآیکون۔ ”جو کچھ ہو چکا اور آئندہ قیامت تک جو ہونے والا ہے“ کا علم۔ جیسا کہ بعض اہل باطل اس طرح کا علم غیب انبیاء علیہم السلام کے لیے اور کچھ اپنے ”ائمہ معصومین“ کے لیے باور کراتے ہیں۔

۱۔ اس میں اس بخیل کا بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکوٰۃ بھی نہیں نکالتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیمت کے دن اس کے مال کو ایک زہریلا اور نہایت خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس کی بانچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ «مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ رَكَاتَهُ، مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَفْرَعُ، لَهُ رُبَيْبَتَانِ، يَطْوِفُهُ يَوْمَ

۲. جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَفْرِضُ اللَّهُ حَرَجًا حَسَنًا﴾ (البقرة: ۲۳۵) (کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے) تو یہود نے کہا اے محمد (ﷺ)! تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

۳۔ یعنی مذکورہ قول جس میں اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اسی طرح ان کے (اسلاف) کا انساء ﷺ کو ناحق قتل کرنا،

والا عذاب چکھو۔

۱۸۲۔ یہ تمہارے پیش کردہ اعمال کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

۱۸۳۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو تو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟^(۱)

۱۸۴۔ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں صحیفہ اور منور کتاب لے کر آئے۔^(۲)

۱۸۵۔ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا

ذَٰلِكَ بِمَا قَاتَلْتُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَيَكُونُ بِظَالِمِي الْعَالَمِينَ ۝

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدُ الْاَنۡبِيَآءَ اَنۡ يُّرْسِلَ رَسُوْلًا حَتّٰى يٰتَّبِعُوْا بَنِيَّ اَتَاٰكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنۡ قِبَلِ رَبِّكُمۡ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالذِّكْرِ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنۡ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳

فَاِنْ كَذَّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ رَسُوْلٌ مِّنۡ قَبْلِكَ جَاۗءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

كُلُّ نَفْسٍ ذٰۤیۡقَةُ الْمَوْتِ وَرَاٰنَا قُوۡنَ اٰجُوْرُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنۡ رَّجَزَ عَنْ النَّارِ وَاَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ اٰزَا وَمَا

ان کے یہ سارے جرائم اللہ کی بارگاہ میں درج ہیں، جن پر وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔

۱۔ اس میں یہود کی ایک اور بات کی تکذیب کی جارہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ تم صرف اس رسول کو ماننا جس کی دعا پر آسمان سے آگ آئے اور قربانی و صدقات کو جلا ڈالے۔ مطلب یہ تھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ کے ذریعے سے اس معجزے کا جو چمکہ صدور نہیں ہوا۔ اس لیے بحکم الہی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے حالانکہ پہلے نبیوں میں ایسے نبی بھی آئے کہ جن کی دعا سے آسمان سے آگ آتی اور اہل ایمان کے صدقات اور قربانیوں کو کھا جاتی۔ جو ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ اللہ کی راہ میں پیش کردہ صدقہ یا قربانی بارگاہ الہی میں قبول ہو گئی۔ دوسری طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ نبی برحق ہے۔ لیکن ان یہودیوں نے ان نبیوں اور رسولوں کی بھی تکذیب ہی کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے ایسے پیغمبروں کو کیوں جھٹلایا اور انہیں قتل کیا جو تمہاری طلب کردہ نشانی ہی لے کر آئے تھے۔“

۲۔ نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ﷺ یہودیوں کی ان کٹ جھتیوں سے بد دل نہ ہوں۔ ایسا معاملہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے۔

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَلْاَمْتَاعُ الْعُرُوْرُ ۝۹

جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے۔^(۱)

۱۸۶. یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہاری آزمائش کی جائے گی^(۲) اور یہ بھی یقین ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم صبر کر لو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔^(۳)

لَتُبْلَوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
وَلَتَسْتَعْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اَوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذٰى كَثِيْرًا
وَاِنْ تَصِيْرُوْا اَوْتَقْتُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْاُمُوْر ۝۹

۱. اس آیت میں ایک تو اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہوگا، اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تیسرا کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامانِ فریب ہے، جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام و نامراد ہے۔

۲. اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمانے کا بیان ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت: ۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خرزج میں تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مجلس میں مشرکین، یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی سواری سے جو گرد اٹھی، اس نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا اور آپ ﷺ نے انہیں ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ وہاں بعض مسلمان بھی تھے، انہوں نے اس کے برعکس آپ ﷺ کی تحسین فرمائی، قریب تھا کہ ان کے مابین جھگڑا ہو جائے، آپ ﷺ نے ان سب کو خاموش کرایا۔ پھر آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہیں بھی یہ واقعہ سنایا جس پر انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل، یہاں کے باشندگان کو اس کی تاج پوشی کرنی تھی، آپ ﷺ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس کا اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ درگزر ہی سے کام لیں۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر ملخصاً)

۳. اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ نبی ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب کا حال تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کا رئیس عبداللہ بن ابی بھی آپ ﷺ کی شان میں استخفاف کرتا رہتا تھا۔ آپ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اپنا سردار بنانے

۱۸۷۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔^(۱)

۱۸۸۔ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں آپ انہیں عذاب سے چھٹکارے میں نہ سمجھیے اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔^(۲)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتَشِيْعْنَهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَيَسَّ مَآيَتَهُمْ ۖ

لَا تَحْصِبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ تُخْبِتُوا إِلَيْهِمْ يُفْعَلُوا فَلَا تَحْصِبَنَّهُمْ يَمْفَازُ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

لگے تھے اور اس کے سر پر تاج سیادت رکھنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ آپ ﷺ کے آنے سے اس کا یہ سارا خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف سب و شتم کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا (جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی ضروری تفصیل گزشتہ حاشیہ میں ہی بیان کی گئی ہے) ان حالات میں مسلمانوں کو غم و درگزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دایمان حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دو چار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت باللہ اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ (ابن کثیر)

۱۔ اس میں اہل کتاب کو زجر و توبیخ کی جارہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی کی جو صفات ہیں، انہیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انہیں چھپائیں گے نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے اللہ کے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ گویا اہل علم کو تلقین و تنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے، جس سے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہو، وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہیے اور دنیوی اغراض و مفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (ابوداؤد، ترمذی)۔

۲۔ اس میں ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو صرف اپنے واقعی کارناموں پر ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج یا ظاہر کیے جائیں جو انہوں نے نہیں کیے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عہد رسالت کے بعض لوگوں میں تھی جن کے بیش نظر آیات کا نزول ہوا۔ اسی طرح آج بھی جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ آیت کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کتاب الہی میں تحریف و ستمان کے مجرم تھے، مگر وہ اپنے ان کرتوتوں پر خوش ہوتے تھے، یہی حال آج کے باطل گروہوں کا بھی ہے، وہ بھی لوگوں کو گمراہ کر کے، غلط رہنمائی کر کے

وَبَلَدَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

۱۸۹. اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۹۰. بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔^(۱)

۱۹۱. جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔^(۲)

اور آیات الہی میں معنوی تحریف و تلبیس کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل حق ہیں اور یہ کہ ان کے دجل و فریب کاری کی انہیں داد دی جائے۔ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ
۱. یعنی جو لوگ زمین و آسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں، انہیں کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل و عریض کائنات کا یہ لگا بندھا نظام، جس میں ذرا سا بھی خلل واقع نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ آگے انہی اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں..... حدیث میں آتا ہے کہ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ سے لے کر آخر سورت تک یہ آیت نبی کریم ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الشیر۔ صحیح مسلم، کتاب صلوة المسافرين و قصرھا، باب الدعاء فی صلوة اللیل و قیامہ)

۲. ان دس آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں ضرور ہیں لیکن کن کے لیے؟ اہل عقل و دانش کے لیے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان عجائبات تخلیق اور قدرت الہیہ کو دیکھ کر بھی جس شخص کو باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو، وہ اہل دانش ہی نہیں۔ لیکن یہ المیہ بھی بڑا عجیب ہے کہ عالم اسلام میں ”دانش ور“ سمجھا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، دوسری آیت میں اہل دانش کے ذوق ذکر الہی اور ان کا آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کا بیان ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کروٹ کے بل لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لو“ (صحیح بخاری کتاب الصلوة) ایسے لوگ جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے اور رکھتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق کائنات کی عظمت و قدرت، اس کا علم و اختیار اور اس کی رحمت و ربوبیت کی صحیح معرفت انہیں حاصل ہوتی ہے

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخُلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ
وَاللَّظْلُمِينَ مِنْ أَصْحَابِ ۝

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُتَدَايِعًا نَادِيًا
لِلْإِيمَانِ أَنْ آمَنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا
وَتَوَقَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ ۝

رَبَّنَا وَإِنَّا نَاعِدُ النَّارَ عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا نُخْزِي نَائِمًا
الْقِيَمَةَ إِنَّكَ لَآتُخْلِفُ الْهَيْعَةَ ۝

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أَبْصِرُ عَمَلٍ عَامِلٍ
مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرُوا أَنِّي بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ
فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُؤْذُوا
فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا أَوْ فُتِلُوا أَلَا كَفَرْنَا عَنْهُمْ

۱۹۲۔ اے ہمارے پالنے والے! تو جسے جہنم میں ڈالے
یقیناً تو نے اسے رسوا کیا، اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔

۱۹۳۔ اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا
با آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر
ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یا الہی! اب تو ہمارے گناہ
معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری
موت نیکوں کے ساتھ کر۔

۱۹۴۔ اے ہمارے پالنے والے معبود! ہمیں وہ دے جس
کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں
قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

۱۹۵۔ پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی^(۱) کہ
تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو
یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا،^(۲) تم آپس میں ایک
دوسرے کے ہم جنس ہو،^(۳) اس لیے وہ لوگ جنہوں نے

تو وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ رب کائنات نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد نہیں بنائی ہے بلکہ اس سے مقصد بندوں
کا امتحان ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہو گیا، اس کے لیے ابد الآباد تک جنت کی نعمتیں ہیں اور جو ناکام ہوا اس کے لیے
عذاب نار ہے۔ اس لیے وہ عذاب نار سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد والی تین آیات میں بھی مغفرت اور
قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی دعائیں ہیں۔

۱۔ فَاسْتَجَابَ لَّهُمْ رَبُّهُمْ لَعْنِي "قبول فرمائی" کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر)

۲۔ مرد ہو یا عورت کی وضاحت اس لیے کردی کہ اسلام نے بعض معاملات میں، مرد اور عورت کے درمیان ان کے
ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً قومیت و حاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری
میں، جہاد میں حصہ لینے میں اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزاء
میں بھی شاید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا،
وہ نیکی اگر ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا۔

۳۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کا مقصد پچھلے نکتے کی ہی وضاحت ہے یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو
یعنی ایک جیسے ہی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ اللہ
تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر طبری، ابن کثیر و فتح القدیر)

ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے، میں ضرور بالضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

۱۹۶۔ تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے،^(۱)

۱۹۷۔ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے،^(۲) اس کے بعد ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

۱۹۸۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی ہے اللہ کی طرف سے، اور نیکو کاروں کے لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت

سَيَايَاهُمْ وَلَا ذُلَّ لَهُمْ جَدَّتْ عَجْرَىٰ مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ كَوَافًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ
حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۶﴾

لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۷﴾

مَتَاعًا قَلِيلًا ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ
الْبِهَادُ ﴿۱۹۸﴾

لَكِنَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَدَّتْ عَجْرَىٰ مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَزِلُّونَ عَنْ عِصَا اللَّهِ
وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْكَافِرِينَ ﴿۱۹۹﴾

۱۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت و کاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کے وسعت و فروغ کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے، اس سے اہل ایمان کو دھوکہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہیے، جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ﴿مَائِجِدُولٌ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (المومن: ۴) (اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، پس ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے۔) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ * ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ (یونس: ۶۹، ۷۰) ﴿تَتَّبِعُهُمُ بَلِيَّالٌ مُّطَهَّرٌ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾ (النہل: ۲۳)

۲۔ یعنی یہ دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متاعِ قلیل ہی ہیں۔ کیونکہ بالآخر انہیں فنا ہونا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کیے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔

ہی بہتر ہے۔^(۱)

۱۹۹۔ اور یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں،^(۲) ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

۲۰۰۔ اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو^(۳) اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔

وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ الْيَقِينُ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ^(۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا
وَأَتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ^(۵)

۱۔ ان کے برعکس جو تقویٰ اور خدا خوفی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ گو دنیا میں ان کے پاس خدا فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہاں ان ابرار (نیک لوگوں) کو جو اجر وصلہ ملے گا، وہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو عارضی طور پر ملتا ہے۔
۲۔ اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا، جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا، آیات الہی میں تحریف و تبلیس کرنا اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے ستمان علم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء و مشائخ دنیوی اغرض کے لیے آیات الہی میں تحریف یا ان کے مفہوم کے بیان میں دجل و تبلیس سے کام لیتے ہیں، وہ ایمان و تقویٰ سے محروم ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے دین حق کو اپنایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳۔ صبر کرو یعنی طاعات کے اختیار کرنے اور شہوات و لذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔ مُصَابِرَةٌ (صَابِرُوا) جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ اس لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ رَابِطُوا میدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چولتا اور جہاد کے لیے تیار رہنا رابطہ ہے، یہ بھی بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے۔ اسی لیے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ «رَبِاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا» (صحیح البخاری، باب فضل رباط يوم في سبيل الله) «اللہ کے راستے (جہاد) میں ایک دن پڑاؤ ڈالنا (یعنی مورچہ بند ہونا) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے» علاوہ ازیں حدیث میں مَنَّكَارَہ (یعنی ناگواری کے حالات میں) مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الطہارۃ)

سُورَةُ النِّسَاءِ

سورۂ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھتر آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں
ایک جان سے پیدا کیا^(۱) اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا
کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلایا
دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے
مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو^(۲) بے شک
اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

۲۔ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک اور حلال
چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو، اور اپنے مالوں

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ
الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

وَالَّذِي إِلَيْكُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا تَرْتَدَّ إِلَيْهَا خِيبَتٌ
بِالضَّلِيلِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِهِمْ ۝

☆ نساء کے معنی ہیں ”عورتیں“ اس سورت میں عورتوں کے بہت سے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس لئے اسے سورۂ نساء کہا
جاتا ہے۔

۱۔ ”ایک جان“ سے مراد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں مِنْهَا سے وہی ”جان“ یعنی آدم علیہ السلام
مراد ہیں یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حواء کو پیدا کیا۔ حضرت حواء حضرت آدم علیہ السلام سے کس طرح
پیدا ہوئیں اس میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول مروی ہے کہ حضرت حواء مرد (یعنی آدم علیہ السلام) سے
پیدا ہوئیں۔ یعنی ان کی بائیں پسلی سے، ایک حدیث میں کہا گیا ہے۔ «فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ وَإِنْ أَعْوَجَ شَيْءٌ
فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ» (صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع) کہ ”عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب
سے ٹیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو
کچی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“ بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ خَلَقَ مِنْهَا سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے حضرت حواء کی تخلیق اسی
نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔

۲۔ وَالْأَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے یعنی رحموں (رشتوں ناطوں) کو توڑنے سے بھی بچو أَرْحَامَ، رَحِمَ کی جمع ہے۔ مراد
رشتے داریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں رشتوں
ناطوں کا توڑنا سخت کبیرہ گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور
ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھانہ جاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔^(۱)

۳. اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی^(۲) یہ زیادہ قریب ہے، کہ (ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔^(۳)

وَأَنْ خِفْتُمْ أَزْوَاجَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
مَثْنً وَثُلَّةً وَرُبْعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَزْوَاجَ
فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آدَبُ
الْأَعْرَابِ ۝

۱. یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ خبیث سے گھنٹیا چیزیں اور طیب سے عمدہ چیزیں مراد ہیں یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لیے گھنٹیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔ ان گھنٹیا چیزوں کو خبیث (ناپاک) اور عمدہ چیزوں کو طیب (پاک) سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس طرح بدلایا گیا مال، جو اگرچہ اصل میں تو طیب (پاک اور حلال) ہے لیکن تمہاری اس بد دیانتی نے اس میں خباثت داخل کر دی اور وہ اب طیب نہیں رہا، بلکہ تمہارے حق میں وہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو گیا۔ اسی طرح بد دیانتی سے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا بھی ممنوع ہے ورنہ اگر مقصد خیر خواہی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال میں ملانا جائز ہے۔

۲. اس کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری عورتوں کی طرح پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا، کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو تم اس سے نکاح ہی مت کرو، تمہارے لیے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا راستہ کھلا ہے (صحیح البخاری، کتاب التفسیر) بلکہ ایک کے بجائے دو سے تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں تک سے تم نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو۔ ورنہ ایک سے ہی نکاح کرو یا اس کے بجائے لونڈی پر گزارا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحت اور تحدید کر دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو چار سے زائد شادیاں کیں وہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے جس پر کسی امتی کے لیے عمل کرنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

۳. یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں انصاف کا اہتمام بہت مشکل ہے جس کی طرف قلبی میلان زیادہ ہوگا، ضروریات زندگی کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف

۴. اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ۔

۵. اور بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ، پلاؤ، پہناؤ اوڑھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔

۶. اور یتیموں کو ان کے بالغ ہوجانے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سوئپ دو اور ان کے بڑے ہوجانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو، مال داروں کو چاہیے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجب طور سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سوئپو تو گواہ بنالو، دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔^(۱)

وَالَّذِينَ نَسِئُوا صَدَقَتَيْنِ نَحْلَهُ ۖ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ۝

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

وَابْتَغُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۖ فَإِنْ اسْتَمَرُّوا مِنْهُمْ رُسْدًا فَاذْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْعِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

ہوگی۔ یوں بیویوں کے درمیان وہ انصاف کرنے میں ناکام رہے گا اور اللہ کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ قرآن نے اس حقیقت کو دوسرے مقام پر نہایت بیگانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَيَسَّرُوا لَكُمُ السَّبِيلُ فَمَنْ دَرَاهُمْ كَالْمَعْلُوقَةِ﴾ (النساء: ۱۲۹) (اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہ رکھو گے کہ بیویوں کے درمیان انصاف کر سکو، اگرچہ تم اس کا اہتمام کرو۔ (اس لیے اتنا تو کرو) کہ ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیویوں کو بیچ ادھر میں لٹکا رکھو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ شادی کرنا اور بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کرنا نامناسب اور نہایت خطرناک ہے۔

۱. یتیموں کے مال کے بارے میں ضروری ہدایت دینے کے بعد یہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یتیم کا مال تمہارے پاس رہا، تم نے اس کی کس طرح حفاظت کی اور جب مال ان کے سپرد کیا تو اس میں کوئی کمی بیشی یا کسی قسم کی تبدیلی کی یا نہیں؟ عام لوگوں کو تو تمہاری امانت داری یا خیانت کا شاید پتہ نہ چلے۔ لیکن اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ یقیناً جب تم اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو تم سے حساب لے گا۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”ابوذر! میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور تمہارے لیے

۷. ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو مال ماں باپ اور خویش اور اقارب چھوڑ کر مرے) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔^(۱)

۸. اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔^(۲)

۹. اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے (نہنے نہنے) ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے، (تو ان کی چاہت کیا ہوتی) پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر سچی تلی بات کہا کریں۔^(۳)

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَدِّمُوا لَهُمْ مِنْهُ
وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

وَلِيُخْشِ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ
ذُرِّيَّةً ضِعَفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۚ
فَلْيَسْأَلُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝

وہی چیز پسند کرتا ہوں، جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا نہ کسی یتیم کے مال کا والی اور سرپرست۔“ (صحیح مسلم - کتاب الإمارة)

۱. اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بیچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے (جیسا کہ ۳ آیات کے بعد مذکور ہے) یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

۲. اسے بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں، بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے۔ کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں، انہیں بھی تقسیم کے وقت کچھ دے دو۔ نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔ دولت کو آتے ہوئے دیکھ کر قارون و فرعون نہ بنو۔

۳. بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیا ہیں (جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جارہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۖ

يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهْتُمْ حَدًّا
الْأُنثَىٰ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَطَهَّرْنِي سَلًّا
مَاتَرَكْ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِابْنَيْهِ
لِخَلٍّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ وَمَاتَرَكْ إِنْ كَانَ لَهُ

۱۰۔ بے شک جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے ^(۱) اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں تو دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ ^(۲) اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو

کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حق اللہ میں کوتاہی کر سکے نہ حقوق بنی آدم میں اور وصیت میں وہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے۔ اگر وہ خوب صاحب حیثیت ہے تو ایک تہائی مال کی وصیت ایسے لوگوں کے حق میں ضرور کرے جو اس کے قریبی رشتہ داروں میں غریب اور مستحق امداد ہیں یا پھر کسی دینی مقصد اور ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کرے تاکہ یہ مال اس کے لیے زادِ آخرت بن جائے اور اگر وہ صاحب حیثیت نہیں ہے تو اسے تہائی مال میں وصیت کرنے سے روکا جائے تاکہ اس کے اہل خانہ بعد میں مفلسی اور احتیاج سے دوچار نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی اپنے ورثاء کو محروم کرنا چاہے تو اس سے اس کو منع کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اگر ان کے بعد ان کے بچے فقر و فاقہ سے دوچار ہو جائیں تو اس کے تصور سے ان پر کیا گزرے گی۔ اس تفصیل سے مذکورہ سارے ہی مخاطبین اس کا مصداق ہیں۔ (تفسیر قرطبی، فتح القدیر)

۱۔ اس کی حکمت اور اس کا مبنی بر عدل و انصاف ہونا ہم واضح کر آئے ہیں۔ ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر اس اصول کے مطابق تقسیم ہوگی۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث ہوں گی۔ حتیٰ کہ جنین (ماں کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہوگا۔ البتہ کافر اولاد وارث نہ ہوگی۔

۲۔ یعنی بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی (یعنی کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے) دو سے زائد لڑکیوں کو دیے جائیں گے اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں، تب بھی انہیں دو تہائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے اور ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ مگر سعد کے سارے مال پر ان کے ایک بھائی نے قبضہ کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے دو ثلث مال دلوا دیا (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، کتاب الفرائض) علاوہ ازیں سورہ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے بھی دو تہائی حصہ ہے لہذا جب دو بہنیں دو تہائی مال کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی مال کی وارث ہوں گی جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انہیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے (فتح القدیر) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں

وَلَدٌ فَإِنْ كُنْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةُ أَبِيهِ فَلَا يُوْثِقُ
الثَّلَاثَةَ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلَا يُوْثِقُ إِلَّا الْوَلَدَ مِنَ
بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُؤْصِي بِهَا وَدِينِ آبَائِهِمْ وَأَبْنَاؤُهُمْ
لَا تَنَارُونَ إِلَيْهِمْ أَقْرَبَ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِنَ
الدُّنْيَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے
ہر ایک کے لیے اس کے چھوٹے ہوئے مال کا چھٹا حصہ
ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو،^(۱) اور اگر اولاد نہ ہو اور
ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا
حصہ ہے،^(۲) ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی
ماں کا چھٹا حصہ ہے۔^(۳) یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل)
کے بعد ہیں جو مرنے والا کرگیا ہو یا ادائے قرض کے
بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم
کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب

ہوں، تو دونوں صورتوں میں مال متروکہ سے دو تہائی لڑکیوں کا حصہ ہوگا۔ باقی مال عصبہ میں تقسیم ہوگا۔

۱. ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پہلی صورت ہے کہ مرنے والے کی اگر اولاد بھی ہو تو مرنے
والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا یعنی باقی دو تہائی مال اولاد پر تقسیم ہو جائے گا البتہ اگر
مرنے والے کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اس میں سے چونکہ صرف نصف مال (یعنی چھ حصوں میں سے ۳ حصے)
بیٹی کے ہوں گے اور ایک سدس (چھٹا حصہ) ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد مزید ایک سدس باقی بچ جائے
گا اس لیے بچنے والا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائے گا یعنی اس صورت میں باپ کو دو سدس ملیں گے،
ایک باپ کی حیثیت سے دوسرا عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

۲. یہ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں اجماعاً شامل ہیں) اس صورت
میں ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے میں دو گنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ
کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو رائج قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس
کی تفصیل آ رہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لیے ثلث (تیسرا حصہ) اور باقی باپ کے لیے ہوگا۔

۳. تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے (یعنی) ہوں یعنی ایک
بی یا ماں باپ کی اولاد ہوں۔ یا باپ ایک ہو، مائیں مختلف ہوں یعنی علاقائی بھائی بہن ہوں یا ماں ایک ہو، باپ مختلف ہوں یعنی اخیانی
بھائی بہن ہوں۔ اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حقدار نہیں ہوں گے۔ لیکن ماں کے لیے جب
(نقصان کا سبب) بن جائیں گے یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث (تیسرے حصے) کو سدس (چھٹے حصے) میں
تبدیل کر دیں گے۔ باقی سدا مال (۶/۵) باپ کے حصہ میں چلا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں
کہ جمہور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا مذکور ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک بھائی یا
بہن ہو تو اس صورت میں ماں میں ماں کا حصہ ثلث برقرار رہے گا۔ وہ سدس میں تبدیل نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہے،^(۱) یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔

۱۲. اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے۔^(۲) اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترک) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا،^(۳) اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو،^(۴) اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو^(۵) تو ان دونوں میں

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدٍ وَصِيَّةٍ يُوَصِّينَ بِهَا أَوْ ذِينَ وَالِهِنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدٍ وَصِيَّةٍ يُوَصِّونَ بِهَا أَوْ ذِينَ وَالِهِنَّ وَلَنْ كَانَ رِجُلٌ يُورِثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَمْرٌ بِالْأُخْتِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِمَّا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ ذِينَ عِزِّ مُضَافٍ وَصِيَّةٍ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

۱. اس لیے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، وہ ان کو دو۔
۲. اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہیں، اس پر امت کے علماء کا اجماع ہے (فتح القدیر، وابن کثیر) اسی طرح مرنے والے شوہر کی اولاد خواہ اس کی وراثت ہونے والی موجودہ بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح مرنے والی عورت کی اولاد اس کے وراثت ہونے والے موجودہ خاوند سے ہو یا پہلے کے کسی خاوند سے۔
۳. بیوی اگر ایک ہوگی تب بھی اسے چوتھا یا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں گی تب بھی یہی حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا، ایک ایک کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ (فتح القدیر)
۴. کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کا باپ ہونہ بیٹا۔ یہ اکیلے سے مشتق ہے۔ اکیلے ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کہ سر کو اس کے اطراف (کناروں) سے گھیر لے۔ کلالہ کو بھی کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ اصول و فردوع کے اعتبار سے تو اس کا وراثت نہ بنے لیکن اطراف و جوانب سے وراثت قرار پاجائے (فتح القدیر، وابن کثیر) اور کہا جاتا ہے کہ کلالہ ”کلیل“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھک جانا۔ گویا اس شخص تک پہنچتے پہنچتے سلسلہ نسل و نسب تھک گیا اور آگے نہ چل سکا۔
۵. اس سے مراد انخانی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو باپ الگ الگ کیونکہ عینی بھائی بہن یا علاقائی بہن بھائی کا حصہ میراث اس طرح نہیں ہے اور اس کا بیان اسی سورت کے اخیر میں آ رہا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے (فتح القدیر) اور دراصل نسل کے لیے مرد وزن ﴿لِلذَّكَاءِ كَمِثْلِ حَقِّ الْأُنثَىٰ﴾ کا قانون چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے لیے اس جگہ اور بہن بھائیوں کے

سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں،^(۱) اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد^(۲) جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو^(۳) یہ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

لیے آخری آیت نساء میں ہر دو جگہ یہی قانون ہے البتہ صرف ماں کی اولاد میں چونکہ نسل کا حصہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں ہر ایک کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بھائی یا ایک بہن کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۱. ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ نیز ان میں مذکر اور مؤنث کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلا تفریق سب کو مساوی حصہ ملے گا، مرد ہو یا عورت۔

ملفوظ: ماں زاد یعنی انیائی بھائی بعض احکام میں دوسرے وارثوں سے مختلف ہیں۔ (۱) یہ صرف اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں۔ (۲) ان کے مرد اور عورت، حصے میں مساوی ہوں گے۔ (۳) یہ اس وقت وارث ہوں گے جب کہ میت کالہ ہو۔ پس باپ دادا بیٹا اور پوتے وغیرہ کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ (۴) ان کے مرد و عورت کتنے بھی زیادہ ہوں، ان کا حصہ ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ان کو اپنے مرنے والے انیائی بھائی سے جو مال ملے گا اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہوگا یہ نہیں کہ مرد کو عورت سے دو گنا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا اور امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ یقیناً اس وقت ہی کیا ہوگا جب ان کے پاس نبی ﷺ کی کوئی حدیث ہوگی۔ (ابن کثیر)

۲. میراث کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تیسری مرتبہ کہا جا رہا ہے کہ ورثے کی تقسیم، وصیت پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت پر عمل اس کے بعد کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے تینوں جگہ وصیت کا ذکر دین (قرض) سے پہلے کیا حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے دین کا ذکر پہلے ہونا چاہیے تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کو تو لوگ اہمیت دیتے ہیں، نہ بھی دیں تو لینے والے زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن وصیت پر عمل کرنے کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس معاملے میں تساہل یا تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے وصیت کا پہلے ذکر فرما کر اس کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ (روح المعانی)

ملفوظ: اگر بیوی کا حق مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہوگا اور اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت کا حصہ شرعی اس مہر کے علاوہ ہوگا۔

۳. بایں طور کہ وصیت کے ذریعے سے کسی وارث کو محروم کر دیا جائے یا کسی کا حصہ گھٹا بڑھا دیا جائے یا یوں ہی وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کہہ دے کہ فلاں شخص سے میں نے اتنا قرض لیا ہے درآن حالیکہ کچھ بھی نہ لیا ہو۔ گویا اضرار کا تعلق وصیت اور دین دونوں سے ہے اور دونوں کے ذریعے سے نقصان پہنچانا ممنوع اور کبیرہ گناہ ہے۔ نیز ایسی

اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بردبار۔

۱۳۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۴۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

۱۵۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے،^(۱) یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکالے۔^(۲)

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾

وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ
يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ
مُهِينٌ ﴿۱۴﴾

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ
فَأَسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ
وَأَنْ شَهِدُوا أَوْ مَسَّوْهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى
يُؤْفَقَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾

وصیت بھی باطل ہوگی۔

۱۔ یہ بدکار عورتوں کی بدکاری کی وہ سزا ہے جو ابتدائے اسلام میں - جب کہ زنا کی سزا متعین نہیں ہوئی تھی - عارضی طور پر مقرر کی گئی تھی ہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں ایک سے دس کی گنتی میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ عدد مذکر ہوگا تو معدود مؤنث ہوگا، اور عدد مؤنث تو معدود مذکر - یہاں اربعہ (یعنی ۴ کا عدد) مؤنث ہے، اس لیے اس کا معدود جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محذوف ہے، یقیناً مذکر آئے گا اور وہ ہے رجال یعنی اربعہ رجال جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اثبات زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے، اس کے اثبات کے لیے گواہوں کی کڑی شرط عائد کر دی گئی ہے یعنی چار مسلمان مرد عینی (چشم دید) گواہ، اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں ہوگا۔

۲۔ اس راستے سے مراد زنا کی وہ سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی یعنی شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ بدکار مرد و عورت کے لیے سو سو کوڑے کی سزا۔ (جس کی تفصیل سورہ نور اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے)

۱۶. اور تم میں سے جو دو افراد ایسا کام کر لیں ^(۱) انہیں ایذا دو ^(۲) اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

۱۷. یقیناً اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آجائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔

۱۸. اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی ^(۳) اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر ہی مرجائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۱۹. اے ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو ^(۴) انہیں اس لیے روک نہ رکھو کہ

وَالَّذِينَ يَأْتِيهِمْ مِنْكُمْ فَادُّوهُمَا ۚ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا نَّحِيْبًا ۝

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِنَّ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِيَنْدَحِيهُنَّ بِبَعْضِ مَا

۱. بعض نے اس سے اghلام بازی مراد لی ہے یعنی عمل لواطت۔ دو مردوں کا ہی آپس میں بد فعلی کرنا اور بعض نے اس سے باکرہ مرد و عورت مراد لیے ہیں اور اس سے قبل کی آیت کو انہوں نے محصنات یعنی شادی شدہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض نے اس متنیہ کے صیغے سے مرد اور عورت مراد لیے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باکرہ ہوں یا شادی شدہ۔ ابن جریر طبری نے دوسرے مفہوم یعنی باکرہ (مرد و عورت) کو ترجیح دی ہے۔ اور پہلی آیت میں بیان کردہ سزا کو نبی ﷺ کی بتلائی ہوئی سزا سزائے رجم سے اور اس آیت میں بیان کردہ سزا کو سورہ نور میں بیان کردہ سو کوڑے کی سزا سے منسوخ قرار دیا ہے۔ (تفسیر طبری)

۲. یعنی زبان سے زجر و توبخ اور ملامت یا ہاتھ سے کچھ زد و کوب کر لینا۔ اب یہ منسوخ ہے جیسا کہ گزرا۔

۳. اس سے واضح ہے کہ موت کے وقت کی گئی توبہ غیر مقبول ہے جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے اس کی ضروری تفصیل سورہ آل عمران کی آیت ۹۰ میں گزر چکی ہے۔

۴. اسلام سے قبل عورت پر ایک یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ شوہر کے مرجانے پر اس کے گھر کے لوگ اس کے مال کی طرح اس کی عورت کے بھی زبردستی وارث بن بیٹھتے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح

اَتَّبِعُوهُنَّ اِلَّا اَنْ يَبْلُغْنَ بِغَالِيَةٍ مِّمَّنْ
وَعَاثَرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى
اَنْ تَكُوْنُوا سَابِقِيْنَ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۵

جو تم نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے کچھ لے
لو^(۱) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے
حیائی کریں^(۲) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودو باش
رکھو، گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم
کسی چیز کو برا جانو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی
کردے۔^(۳)

کر لیتے یا اپنے بھائی بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ سوتیلی بیٹا تک بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کر لیتا
یا اگر چاہتے تو اسے کسی بھی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتے اور وہ ساری عمر یوں ہی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام
نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرمادیا۔

۱. ایک ظلم یہ بھی عورت پر کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو وہ پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو ازخود اس
کو طلاق نہ دیتا (جس طرح ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے) بلکہ اسے خوب تنگ کرتا تاکہ وہ مجبور
ہو کر حق مہر یا جو کچھ خاوند نے اسے دیا ہوتا، ازخود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے۔ اسلام نے
اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

۲. کھلی برائی سے مراد بدکاری یا بدزبانی اور نافرمانی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں البتہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ خاوند اس
کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا حق مہر واپس کر کے خلع کرانے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ خلع کی
صورت میں خاوند کو حق مہر واپس لینے کا حق دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۲۲۹)

۳. یہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی ﷺ
نے اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ «لَا يَفْرُكُ
مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا، رَضِيَ مِنْهَا آخَرٌ» (صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع) ”مومن مرد (شوہر) مومنہ عورت (بیوی)
سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی“ مطلب یہ ہے کہ
بے حیائی اور نشوز و عصیان کے علاوہ اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے خاوند اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے
جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر اور برداشت سے کام لے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس
کے لیے خیر کثیر پیدا فرمادے یعنی نیک اولاد دے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں برکت ڈال
دے۔ وغیرہ وغیرہ۔ افسوس ہے کہ مسلمان قرآن و حدیث کی ان ہدایات کے برعکس ذرا ذرا سی باتوں میں اپنی بیویوں
کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اس طرح اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو نہایت ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔
حالانکہ یہ حق تو انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کے لیے دیا گیا تھا، نہ کہ گھر اجاڑنے، عورتوں پر ظلم کرنے اور بچوں
کی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ علاوہ ازیں اس طرح یہ اسلام کی بدنامی کا بھی باعث بنتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو

وَلَنْ أَرْدُكُمْ إِسْتَبْدَالَ دُورٍ مِّمَّكَانَ دُورٍ وَإِلَيْكُمْ
لِحُدُوثِهِمْ فَنُطَارُ الْفَلَاحُ أَخْذُ وَإِمْنَةٌ لِّسَبِيلِهِ
أَتَأْخُذُونَ مِنْهُ بَهْتًا تَاوُلْتُمْ عَلَيْهَا فَاذْكُرُوا مَا بَيْنَكُمْ ۝

۲۰. اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو، تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو^(۱) کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ
وَأَخَذْنُ مِنْكُمْ بَيِّنَاتٍ فَأَعْتَصِلَتْ ۝

۲۱. اور تم اسے کیسے لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو^(۲) اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔^(۳)

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

۲۲. اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے^(۴) مگر جو گزر چکا ہے، یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ وَعَخَنَتُكُمْ

۲۳. حرام کی گئیں^(۵) تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں

طلاق کا حق دے کر عورت پر ظلم کرنے کا اختیار اسے دے دیا۔ یوں اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی کو خرابی اور ظلم باور کرایا جاتا ہے۔

۱. خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ فَنُطَارُ الْفَلَاحُ خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں یعنی کتنا بھی حق مہر دیا ہو واپس نہیں لے سکتے۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم (بہتان) اور کھلا گناہ ہو گا۔

۲. ”ایک دوسرے سے مل چکے ہو“ کا مطلب ہم بستری ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنایہ بیان فرمایا ہے۔

۳. ”مضبوط عہد و پیمان“ سے وہ عہد مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم ”اسے اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا۔“

۴. زمانہ جاہلیت میں سوتیلے بیٹے اپنے باپ کی بیوی سے (یعنی سوتیلی ماں سے) نکاح کر لیتے تھے، اس سے روکا جا رہا ہے، کہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ﴾ کا عموم ایسی عورت سے نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مروی ہے۔ اور علماء اسی کے قائل ہیں۔ (تفسیر طبری)

۵. جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ ان میں سات محرمات نسب، سات رضاعی اور چار سسرالی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث رسول سے ثابت ہے کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ سات نسبی محرمات میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجی اور بھانجی ہیں اور سات رضاعی محرمات میں رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالائیں، رضاعی

وَلَخَلْفُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخْوَتُكُمْ وَأُمَّهَاتُكُمْ الْإِثْمُ ۚ اور تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

بھتیجیاں اور رضاعی بھانجیاں اور سسرالی محرمات میں ساس، ربائب (مدخولہ بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیاں) بہو اور دو سگی بہنوں کا جمع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ باپ کی منکوحہ (جس کا ذکر اس سے پہلی آیات میں ہے) اور حدیث کے مطابق بیوی جب تک عقد نکاح میں ہے اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ اور اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔ قسم اول: محرمات نسبی کی تفصیل: اُمَّهَاتُ (مائیں) میں ماؤں کی مائیں (نانیاں) ان کی دادیاں اور باپ کی مائیں (دادیاں)، پردادیاں اور ان سے آگے تک شامل ہیں۔ بَنَاتُ (بیٹیاں) میں پوتیاں، نواسیاں اور پوتیوں، نواسیوں کی بیٹیاں (نیچے تک) شامل ہیں۔ زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی، بیٹی میں شامل ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اسے بیٹی میں شامل کرتے ہیں اور اس سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں۔ البتہ امام شافعی کہتے ہیں کہ وہ بنت شرعی نہیں ہے۔ پس جس طرح ﴿يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَفْوَانِكَ﴾ (اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد میں مال متروکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے) میں داخل نہیں اور بالاجماع وہ وارث نہیں۔ اسی طرح وہ اس آیت میں بھی داخل نہیں۔ واللہ اعلم (ابن کثیر)۔ اخوات (بہنیں) یعنی (سگی) ہوں یا اخیانی و علاقائی، عَمَّاتُ (پھوپھیاں) اس میں باپ کی سب مذکر اصول یعنی نانا، دادا کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ خَالَاتُ (خالائیں) اس میں ماں کی سب مؤنث اصول (یعنی نانی، دادی) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ بھتیجیاں، اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ اور بلاواسطہ (یا صلیبی و فرعی) شامل ہیں۔ بھانجیاں، اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد (بواسطہ و بلاواسطہ یا صلیبی و فرعی) شامل ہیں۔

قسم دوم: محرمات رضاعیہ: رضاعی ماں، جس کا دودھ تم نے مدت رضاعت (یعنی دو سال) کے اندر پیا ہو۔ رضاعی بہن، وہ عورت جس کو تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں نے دودھ پلایا، تمہارے ساتھ پلایا یا تم سے پہلے یا بعد تمہارے اور بہن بھائیوں کے ساتھ پلایا۔ یا جس عورت کی حقیقی یا رضاعی ماں نے تمہیں دودھ پلایا، چاہے مختلف اوقات میں پلایا ہو۔ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جائیں گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رضاعی ماں بننے والی عورت کی نسبی و رضاعی اولاد دودھ پینے والے بچے کی بہن بھائی، اس عورت کا شوہر اس کا باپ اور اس مرد کی بہنیں، اس کی پھوپھیاں، اس عورت کی بہنیں، خالائیں اور اس عورت کے جیٹھ، دیور، اس کے رضاعی چچا، تایا بن جائیں گے اور اس دودھ پینے والے بچے کے نسبی بہن بھائی وغیرہ اس گھرانہ پر رضاعت کی بنا پر حرام نہ ہوں گے۔

قسم سوم: سسرالی محرمات: بیوی کی ماں یعنی ساس (اس میں بیوی کی نانی دادی بھی داخل ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کر کے بغیر ہم بستری کے ہی طلاق دے دی ہو، تب بھی اس کی ماں (ساس) سے نکاح حرام ہوگا۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مباشرت کے طلاق دے دی ہو تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ (فتح القدیر)

رَبِيبَةٌ: بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی۔ اس کی حرمت مشروط ہے یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہوگی تو ربیبہ سے نکاح حرام، بصورت دیگر حلال ہوگا۔ فَنِي حُجُورُكُمْ (وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پرورش پائیں) یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، بطور شرط کے نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہوگی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہوگا۔ حَالَائِ يَه حَلِيلَةٍ کی جمع ہے یہ حَلَّ يَحِلُّ (اترنا) سے فَحِيلَةٌ کے وزن پر بمعنی فَاعِلَةٌ ہے۔ بیوی کو حلیلہ اس لیے کہا

اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلیبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۴۔ اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں،^(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم

أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوْنَكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأَمَهُتُ
نِسَاءَكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي جُحُومِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ
الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَمَنْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَلَا لَكُمْ أَتْبَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ
أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَتَجَمَّعُوا إِلَيْهِنَّ الْإِخْوَتُ الَّتِي إِلَيْكُمْ
سَلَفَتْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا

وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ

گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے وہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی داخل ہیں یعنی ان کی بیویوں سے بھی نکاح حرام ہوگا۔ اسی طرح رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہوں گے مَنْ أَصْلَابِكُمْ (تمہارے صلیبی بیٹوں کی بیویوں) کی قید سے یہ واضح ہو گیا کہ لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام نہیں ہے۔ دو بہنیں (رضاعی ہوں یا نبی) ان سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ البتہ ایک کی وفات کے بعد یا طلاق کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے سے پانچویں نکاح کی اجازت نہیں جب تک طلاق یافتہ عورت عدت سے فارغ نہ ہو جائے ملحوظہ: زنا سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس بدکاری کی وجہ سے وہ عورت اس پر حرام نہیں ہوگی اسی طرح اگر اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے یا اس کی بیٹی سے (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کر لے گا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی (دلائل کے لیے دیکھیے، فتح القدیر) احناف اور دیگر بعض علماء کی رائے میں زنا کاری سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اول الذکر مسلک کی تائید بعض احادیث سے ہوتی ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں اِحْصَانٌ چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ (۱) شادی (۲) آزادی (۳) پاک دامنی (۴) اور اسلام۔ اس اعتبار سے محصنات کے چار مطلب ہیں، (۱) شادی شدہ عورتیں (۲) آزاد عورتیں (۳) پاک دامن عورتیں (۴) اور مسلمان عورتیں۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب بعض جنگلوں میں کافروں کی عورتیں بھی مسلمانوں کی قید میں آگئیں تو مسلمانوں نے ان سے ہم بستری کرنے میں کراہت محسوس کی کیونکہ وہ شادی شدہ تھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے پوچھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی (صحیح مسلم) جس سے یہ معلوم ہوا کہ جنگ میں حاصل ہونے والی کافر عورتیں، جب مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں تو شادی شدہ ہونے کے باوجود ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ البتہ استبرائے رحم ضروری ہے۔ یعنی ایک حیض آنے کے بعد یا حاملہ ہیں تو وضع حمل کے بعد ان سے جنسی تعلق قائم کیا جائے۔

ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ
مُسْفَحِينَ فِيهَا اسْتَبْتَحْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ قَالَتْهُنَّ
أَجُورُهُنَّ قَرِيبَةٌ وَلَكِنَّا عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَضَيْتُمْ
بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

پر فرض کر دیے ہیں، اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں
تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم
ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ
شہوت رانی کرنے کے لیے،^(۱) اس لیے جن سے تم فائدہ
اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو،^(۲) اور مہر مقرر
ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو
اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں،^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ علم

لونڈی کا مسئلہ: نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ عام تھا جسے قرآن نے بند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے
میں ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جس سے غلاموں اور لونڈیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل ہوں تاکہ غلامی
کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس کے دو ذریعے تھے۔ ایک تو بعض خاندان صدیوں سے ایسے چلے آ رہے تھے کہ ان کے مرد
اور عورت فروخت کر دیے جاتے تھے۔ یہی خریدے ہوئے مرد و عورت غلام اور لونڈی کہلاتے تھے۔ مالک کو ان سے
ہر طرح کے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق حاصل ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ جنگ میں قیدیوں والا تھا، کہ کافروں کی قیدی
عورتوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ ان کی لونڈیاں بن کر ان کے پاس رہتی تھیں۔ قیدیوں کے لیے یہ
بہترین حل تھا۔ کیونکہ اگر انہیں معاشرے میں یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے ذریعے سے فساد پیدا
ہوتا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "الرق فی الاسلام" اسلام میں غلامی کی حقیقت از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) بہر حال مسلمان شادی شدہ
عورتیں تو ویسے ہی حرام ہیں تاہم کافر عورتیں بھی حرام ہی ہیں الا یہ کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ اس صورت
میں استبرائے رحم کے بعد وہ ان کے لیے حلال ہیں۔

۱۔ یعنی مذکورہ محرمات قرآنی اور حدیثی کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ چار چیزیں اس میں ہوں۔
اول یہ کہ طلب کرو اَنْ تَبْتَغُوا یعنی دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر ادا کرنا قبول کرو۔
تیسری یہ کہ ان کو شادی کی قید (دائمی قبضے) میں لانا مقصود ہو۔ صرف شہوت رانی غرض نہ ہو (جیسے زنا میں یا اس
متعہ میں ہوتا ہے جو شیعوں میں رائج ہے یعنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے چند روز یا چند گھنٹوں کا نکاح)۔ چوتھی یہ
کہ چھپی یاری دوستی نہ ہو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔ یہ چاروں شرطیں اس آیت سے مستفاد ہیں۔ اس سے
جہاں شیعوں کے متعہ کا بطلان ہوتا ہے وہیں مروجہ حلالہ کا بھی ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی عورت
کو نکاح کی دائمی قید میں لانا نہیں ہوتا، بلکہ عرفاً یہ صرف ایک رات کے لیے مقرر اور معہود ذہنی ہے۔

۲۔ یہ اس امر کی تاکید ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح شرعی کے ذریعے سے استمتاع اور تلذذ کرو۔ انہیں ان کا مقرر
کردہ مہر ضرور ادا کرو۔

۳۔ اس میں آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

والا حکمت والا ہے۔

۲۵. اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے، تم سب آپس میں ایک ہی تو ہو، اس لیے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو،^(۱) اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو دو، وہ پاک دامن ہوں نہ کہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔^(۲) کینروں سے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔^(۳)

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ
الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمِنْ فَتْيِكُمْ
الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ
بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ
أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَفَحَاتٍ وَلَا
مُتَّحِدَاتٍ أَخَذَ إِنْ قَادَا أَحْصَىٰ فَإِنْ أَتَيْنَ
بِفَاحِشَةٍ فَلَعْنَتُهُنَّ بِصَفْ مَا عَلِ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ
الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصِدُّوا
خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

ملحوظہ: ”استمتاع“ کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد نکاح کے بعد صحبت و مباشرت کا استمتاع ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ متعہ ابتدائے اسلام میں جائز رہا ہے اور اس کا جواز اس آیت کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس رواج کی بنیاد پر تھا جو اسلام سے قبل چلا آ رہا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے نہایت واضح الفاظ میں اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔

۱. اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مالک ہی لونڈیوں کا ولی ہے، لونڈی کا کسی جگہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نکاح نہیں کر سکتا۔
۲. یعنی لونڈیوں کو سو (۱۰۰) کے بجائے (نصف یعنی) پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ گویا ان کے لیے سزائے رجم نہیں ہے کیونکہ وہ نصف نہیں ہو سکتی اور غیر شادی شدہ لونڈی کو تعزیری سزا ہوگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)
۳. یعنی لونڈیوں سے شادی کی اجازت ایسے لوگوں کے لیے ہے جو جوانی کے جذبات پر کنٹرول رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد خاندانی عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي فِيكُمْ وَيُطَهِّرَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي فِيكُمْ وَيُطَهِّرَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي فِيكُمْ وَيُطَهِّرَ الَّذِينَ آمَنُوا

۲۶۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَبِيلُوا مَلِكًا

۲۷۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔^(۱)

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وِجْيَارَ الْإِنْسَانِ

۲۸۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔^(۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ يَاسًا طِيلًا وَلَا تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا

۲۹۔ اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ،^(۳) مگر یہ کہ خرید و فروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو،^(۴) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو^(۵) یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔

۱۔ اَنْ تَمِيلُوا یعنی حق سے باطل کی طرف جھک جاؤ۔

۲۔ اس کمزوری کی وجہ سے اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ممکن آسانیاں اسے فراہم کی ہیں۔ انہیں میں سے لونڈیوں سے شادی کی اجازت ہے۔ بعض نے اس ضعف کا تعلق عورتوں سے بتلایا ہے یعنی عورت کے بارے میں کمزور ہے، اسی لیے عورتیں بھی باوجود نقصان عقل کے، اس کو آسانی سے اپنے دام میں پھنسا لیتی ہیں۔

۳۔ بِالْبَاطِلِ میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ وہ تمام کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے، جیسے قمار، ربا، وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے۔ مثلاً بلا ضرورت فوٹو گرافی، ریڈیو، ٹی وی، سی آر، ویڈیو فلمیں اور فحش کیٹیں وغیرہ۔ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔

۴۔ اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو۔ حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائز ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں رضامندی میں خیار مجلس کا مسئلہ بھی آجاتا ہے یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا فسخ کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے «الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا» (صحیح البخاری و مسلم)۔ کتاب البیوع) ”دونوں باہم سودا کرنے والوں کو، جب تک جدا نہ ہوں، اختیار ہے۔“

۵۔ اس سے مراد خود کشی بھی ہو سکتی ہے جو بکیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

۳۰۔ اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا^(۱) تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

۳۱۔ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے^(۲) تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔

۳۲۔ اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو،^(۳) یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا ظَلَمًا فَنُصَلِّيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اِنْ تَجْتَنِبُوا كِبٰرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُوَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

وَلَا تَسْتَوُوا فَاَفْضَلُ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ وَسَعَلُوْا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِحُلِّ سَعٰى عَلِيْمًا ۝

۱۔ یعنی منہیات کا ارتکاب، جانتے بوجھتے، ظلم و تعدی سے کرے گا۔

۲۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ گناہ ہیں جن پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ جس پر قرآن میں یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے، بعض کہتے ہیں ہر وہ کام جس سے اللہ نے یا اس کے رسول نے بطور تحریم کے روکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی گناہ میں پائی جائے تو وہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں مختلف کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جنہیں بعض علماء نے ایک کتاب میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے الکبائر للذہبی، الزواجر عن اقتراف الکبائر للہیثمی وغیرہ۔ یہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان کبیرہ گناہوں مثلاً شرک، عقوق والدین، جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کرے گا تو ہم اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ سورہ نجم میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، البتہ وہاں کبائر کے ساتھ فواحش (بے حیائی کے کاموں) سے اجتناب کو بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صغیرہ گناہوں پر اصرار و دوامت بھی صغیرہ گناہوں کو کبائر بنادیتے ہیں۔ اسی طرح اجتناب کبائر کے ساتھ احکام و فرائض اسلام کی پابندی اور اعمال صالحہ کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شریعت کے اس مزاج کو سمجھ لیا تھا، اس لیے انہوں نے صرف وعدہ مغفرت پر ہی تکیہ نہیں کیا، بلکہ مغفرت و رحمت الہی کے یقینی حصول کے لیے مذکورہ تمام ہی باتوں کا اہتمام کیا۔ جب کہ ہمارا دامن عمل سے تو خالی ہے لیکن ہمارے قلب امیدوں اور آرزوؤں سے معمور ہیں۔

۳۔ اس کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں۔ ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں۔ ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۲۲) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت

والا ہے۔

۳۳۔ اور ماں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ کر مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیے ہیں^(۱) اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں معاہدہ کیا ہے انہیں ان کا حصہ دو^(۲)

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكَ فَأَنتُمْ بِعَبِيدِهِمْ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا

وطاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح، ان کا پورا پورا صلہ انہیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد، صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ مَوَالِيَ، مَوَالِیٰ کی جمع ہے۔ مَوَالِیٰ کے کئی معنی ہیں دوست، آزاد کردہ غلام، چچا زاد، پڑوسی۔ لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مرد عورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے، اس کے وارث ان کے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔

۲۔ اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ (محکم) مانتے ہیں اور اَيِّمَانُكُمْ (معاہدہ) سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے قبل دو اشخاص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی وہ چلا آرہا تھا۔ نَصِيْبُهُمْ (حصہ) سے مراد اسی حلف اور معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے اور ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ اَيِّمَانُكُمْ سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو ہجرت کے بعد ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان اخوت کی صورت میں ہوا تھا، اس میں ایک مہاجر، انصاری کے مال کا اس کے رشتہ داروں کے بجائے، وارث ہوتا تھا لیکن یہ چونکہ ایک عارضی انتظام تھا، اس لیے پھر ﴿وَأُولَٰئِكَ الْأَحْكَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الأنفال: ۷۵) (رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں) نازل فرما کر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ﴿فَأَنتُمْ بِعَبِيدِهِمْ﴾ سے مراد دوستی و محبت اور ایک دوسرے کی مدد ہے اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ موالات عقد، موالات حلف یا موالات اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہوگا۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو شخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لاوارث ہے۔ اور ایک دوسرے شخص سے یہ ملے کرتا ہے کہ میں تمہارا مولیٰ ہوں۔ اگر کوئی جنائیت کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لاوارث کی وفات کے بعد اس کا مال مذکورہ شخص لے گا۔ بشرطیکہ وقتاً اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس آیت کا ایک اور معنی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكَ﴾ سے مراد بیوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف الْأَقْرَبُونَ پر ہے معنی یہ ہیں کہ

حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔

۳۴۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں،^(۱) پس نیک فرمانبردار عورتیں خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو،^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا آتَوْا مِنَ الْأَمْوَالِ ۚ وَاللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۚ فَذُكِّرْتُم بَلْ يَغَيْبُ بَلَا حِفْظَ اللَّهِ ۚ وَالَّذِي عَاقَبُونَ نِسْوَهُنَّ مَتَّعُوهُنَّ فَحَبَّوهُنَّ ۚ وَالْمُجْرِمُونَ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصِرُونَ ۚ فَاِنْ آتَوْهُنَّ مِنْكُمْ فَلَآ تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

کَیْرًا ۝

”ماں باپ نے، قرابت داروں نے اور جن کو تمہارا عہد و پیمان آپس میں باندھ چکا ہے (یعنی شوہر یا بیوی) انہوں نے جو کچھ چھوڑا اس کے حقدار یعنی حصے دار ہم نے مقرر کر دیے ہیں۔ لہذا ان حقداروں کو ان کے حصے دے دو“ گویا پیچھے آیت میراث میں تفصیلاً جو حصے بیان کیے گئے تھے یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی تاکید مزید کی گئی ہے۔

۱۔ اس میں مرد کی حاکمیت و قوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہی ہے جو مردانہ قوت و دماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسی ہے، جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جنہیں اسلام نے عورت کی عفت و حیاء اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری قرار دیا ہے، عورت کو معاشی جھمیوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیے۔“ (صحیح البخاری - کتاب

المغازی - باب کتاب النبی ﷺ إلى کسریٰ وقصر و کتاب الفتن باب ۱۸)

۲۔ نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کا نمبر ہے، دوسرے نمبر پر ان سے وقتی اور عارضی علیحدگی ہے جو سمجھ دار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو بلکی سی مار کی اجازت ہے۔ لیکن یہ مار و حشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی ہے۔ اگر وہ اصلاح کر لے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو یعنی مار پیٹ نہ کرو تنگ نہ کرو، یا طلاق نہ دو، گویا طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارہ کار باقی نہ رہے۔ لیکن مرد اس حق کو بھی بہت ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات میں فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں اور اپنی زندگی بھی برباد کرتے ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔

۳۵۔ اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو،^(۱) اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کر دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔

۳۶۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے^(۲) اور پہلو کے ساتھی سے^(۳) اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں، (غلام کنیز)^(۴) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شنی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۵)

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعُوْهُمَا حَكْمًا مِّنْ اَهْلِهِ وَحَكْمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوْقِنِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۵﴾

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِيْنَ وَالْحَارِثِيْنَ وَالْقُرْبَىٰ وَالْحَارِثِ الْجَنَبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنَبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿۳۶﴾

۱۔ گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کار گر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حکمین (فیصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً ان کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔ تاہم ناکامی کی صورت میں حکمین کو تفریق بین الزوجین یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل بالفرقہ (جدائی کے لیے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جمہور علماء اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر طبری، فتح القدیر، تفسیر ابن کثیر)

۲۔ الْحَارِثِ الْجَنَبِ قرابت دار پڑوسی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ایسا پڑوسی جس سے قرابت داری نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی سے بہ حیثیت پڑوسی کے حسن سلوک کیا جائے، وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار جس طرح کہ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔

۳۔ اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، بیوی اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت و ہم نشینی اختیار کرے۔ بلکہ اس کی تعریف میں وہ لوگ بھی آسکتے ہیں جنہیں تحصیل علم، تعلم صنعت (کوئی کام سیکھنے) کے لیے یا کسی کاروباری سلسلے میں آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے۔ (فتح القدیر)

۴۔ اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، ملوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آجاتے ہیں۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید احادیث میں آئی ہے۔

۵۔ فخر و غرور اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔“ (صحیح مسلم کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ

۳۷۔ جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں ہم نے ان کافروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔

۳۸۔ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو،^(۱) وہ بدترین ساتھی ہے۔

۳۹۔ اور بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے، اور اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔

۴۰۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔

۴۱۔ پس کیا حال ہو گا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔^(۲)

الَّذِينَ يَبِخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝

وَالَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ
الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَهُوَ شَرٌّ ۝

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً
يُضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَاكَ
عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

حدیث: (۹۱) یہاں کبر کی بطور خاص مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جن جن لوگوں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہوگا۔ متکبر اور مغرور شخص صحیح معنوں میں نہ حق عبادت ادا کر سکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام۔

۱۔ بخل (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا) یا خرچ تو کرنا لیکن ریاکاری یعنی نمود و نمائش کے لیے کرنا۔ یہ دونوں باتیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور ان کی مذمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہاں قرآن کریم میں ان دونوں باتوں کو کافروں کا شیوہ اور ان لوگوں کا وطیرہ بتایا گیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

۲۔ ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گا کہ یا اللہ! ہم نے تو تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا، اب انہوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ یا اللہ! یہ سچے ہیں۔ آپ ﷺ یہ

۴۲۔ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

۴۳۔ اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ،^(۱) جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو،^(۲) ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے^(۳) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی

يَوْمَئِذٍ يَكُوذُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَخَصَّصُوا لِنُفْسِي بِهِمُ الْأَرْضَ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرَضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْمَخَاطِطِ فَلَسْتُمْ بِالنِّسَاءِ فَلَمْ يَجِدْ وَمَاءٌ

گواہی اس قرآن کی وجہ سے دیں گے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور جس میں گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت بھی حسب ضرورت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک سخت مقام ہوگا، اس کا تصور ہی لرزہ براندازم کردینے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ سناتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا بس، اب کافی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (صحیح بخاری، فہام القرآن) بعض لوگ کہتے ہیں کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے وہ ”شہید“ (گواہ) کے معنی ”حاضر ناظر“ کے کرتے ہیں اور یوں نبی ﷺ کو ”حاضر ناظر“ باور کراتے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ کو حاضر ناظر سمجھنا، یہ آپ ﷺ کو اللہ کی صفت میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے کیوں کہ حاضر و ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ”شہید“ کے لفظ سے ان کا استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ شہادت یقینی علم کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بیان کردہ حقائق و واقعات سے زیادہ یقینی علم کس کا ہو سکتا ہے؟ اسی یقینی علم کی بنیاد پر خود امت محمدیہ کو بھی قرآن نے ﴿شَهِدَ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (البقرة: ۱۲۳) (تمام کائنات کے لوگوں پر گواہ) کہا ہے۔ اگر گواہی کے لیے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے تو پھر امت محمدیہ کے ہر فرد کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ بہر حال نبی ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ مشرکانہ اور بے بنیاد ہے۔ اَعَادَنا اللَّهُ مِنْهُ۔

۱۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب کہ شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو نئے میں قرآن کے الفاظ بھی امام صاحب غلط پڑھ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ترمذی، تفسیر سورة النساء) جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ گویا اس وقت صرف نماز کے وقت کے قریب شراب نوشی سے منع کیا گیا۔ بالکل ممانعت اور حرمت کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ (یہ شراب کی بابت دوسرا حکم ہے جو مشروط ہے) ۲۔ یعنی ناپاکی کی حالت میں بھی نماز مت پڑھو۔ کیونکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے۔

۳۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسافری کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) بلکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں تم مسجد کے اندر مت بیٹھو، البتہ مسجد کے اندر

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا
بُيُوتَهُمْ وَيَدِيَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا غَفُورًا ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا ضَيْبًا مِنَ الْكُذِبِ
يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ نُضِلُّوا
السَّبِيلَ ۝

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَى
بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝

مِنَ الَّذِينَ هَآؤُلَاءِ جَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ
مَوَاضِعِهِ وَيقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا
وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَارْعَانَا لِيَا أَلَسْتَهُمْ

قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت
کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور
اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ
معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔

۴۴۔ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ
دیا گیا ہے، وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم
بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔

۴۵۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا
ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا
مددگار ہونا بھی کافی ہے۔

۴۶۔ بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر
کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور
سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے^(۲) اور ہماری رعایت کر!

سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو بعض صحابہ کے مکان اس طرح تھے کہ انہیں ہر صورت میں مسجد نبوی کے اندر
سے گزر کر جانا پڑتا تھا یہ رخصت ان ہی کے پیش نظر دی گئی ہے۔ (ابن کثیر) ورنہ مسافر کا حکم آگے آ رہا ہے۔

۱۔ (۱) بیمار سے مراد، وہ بیمار ہے جسے وضو کرنے سے نقصان یا بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو۔ (۲) مسافر عام ہے، لمبا
سفر کیا ہو یا مختصر۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یہ اجازت تو تیمم کو
بھی حاصل ہے، لیکن بیمار اور مسافر کو چونکہ اس قسم کی ضرورت عام طور پر پیش آتی تھی اس لیے بطور خاص ان کے
لیے اجازت بیان کر دی گئی ہے۔ (۳) قضائے حاجت سے آنے والا۔ (۴) اور بیوی سے مباشرت کرنے والا، ان کو بھی
پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہاتھ زمین پر
مار کر کلائی تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (کہنیوں تک ضروری نہیں) اور منہ پر بھی پھیر لے۔ قَالَ فِي
التَّيَمُّمِ: «صَرَبَةً لِلْوُجْهِ وَالْكَفَّيْنِ» (مسند أحمد - عن عمار بن محمد جلد ۴ صفحہ ۲۶۳) نبی ﷺ نے تیمم کے بارے میں فرمایا
کہ یہ دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے لیے ایک ہی مرتبہ مارنا ہے۔ ﴿صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ سے مراد (پاک مٹی) ہے۔ زمین
سے نکلنے والی ہر چیز نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے۔ «جَعَلَتْ تَرَبُّثُهَا
لَنَا طَهُورًا إِذَا كُنَّا نَحْدُ الْمَاءِ» (صحیح مسلم - کتاب المساجد) جب ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لیے پاکیزگی
کا ذریعہ بنادی گئی ہے۔

۲۔ یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہم نے سنا کے ساتھ ہی کہہ دیتے لیکن ہم نافرمانی

(لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو تپچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنیے اور ہمیں دیکھیے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے۔ پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔^(۱)

۴۷۔ اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں،^(۲) یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی^(۳) اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔^(۴)

۴۸۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے^(۵) اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ

وَعَنَّا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سُبْحَنَا
وَاطْعَنَّا وَأَسْمَعُ وَأَنْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
وَأَقْوَمًا وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤُوا الْكِتَابَ أُمُومًا بَمَا نَزَّلْنَا
مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَنْظُرَ
وُجُوهًا فَتَرَاهَا عَلَىٰ أَذْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا
أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٦﴾

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ
ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ
افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٧﴾

کریں گے یعنی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دل میں کہتے یا اپنے ساتھیوں سے کہتے یا شوخ چشمانہ جرات کا ارتکاب کرتے ہوئے منہ پر کہتے۔ اسی طرح غَیْرِ مُسْمَع (تیری بات نہ سنی جائے) یہ بددعا کے طور پر کہتے یعنی تیری بات مقبول نہ ہو۔ رَاَعِنَا کی بابت دیکھیے سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴ کا حاشیہ۔

۱۔ یعنی ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یہود میں سے ایمان لانے والوں کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ یا یہ معنی کہ بہت ہی کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جب کہ ایمان نافع یہ ہے کہ سب باتوں پر ایمان لایا جائے۔
۲۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔

۳۔ یہ قصہ سورۃ اعراف میں آئے گا، کچھ اشارہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یعنی تم بھی ان کی طرح ملعون قرار پا سکتے ہو۔

۴۔ یعنی جب وہ کسی بات کا حکم کر دے تو نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ اسے روک ہی سکتا ہے۔

۵۔ یعنی ایسے گناہ جن سے مومن توبہ کیے بغیر ہی مر جائیں، اللہ تعالیٰ اگر کسی کے لیے چاہے گا، تو بغیر کسی قسم کی سزا دیے معاف فرمادے گا اور بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرمادے گا۔ لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہو گا کیونکہ مشرک پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔

اور بہتان باندھا۔^(۱)

۴۹. کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے، اور کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۲)

۵۰. دیکھو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں^(۳) اور یہ (حرکت) صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔^(۴)

۵۱. کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ مِلَّ اللَّهِ
يُزْعِمُونَ مِنْ يَمِينِهِمْ وَلَا يُظْلَمُونَ قَبِيلًا ۝

أَنْظُرْ كَيْفَ يَقْضُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَيْفَ
يَهْتَمُّونَ ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ
يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَالْغُفُوتِ وَيَقُولُونَ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ

۱. دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَكُفْرٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳) ”شُرک ظلم عظیم ہے“ حدیث میں اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ أَكْبَرُ الْكِبَائِرِ الشِّرْكُ بِاللَّهِ...

۲. یہود اپنے منہ میاں مٹھو جنت تھے مثلاً ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں وغیرہ، اللہ نے فرمایا تزکیہ کا اختیار بھی اللہ کو ہے اور اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ فَبَيْنَ كَهْجُورِ كِي گھٹلی کے کٹاؤ پر جو دھاگے یا سوت کی طرح ٹکٹا یا دکھائی دیتا ہے اس کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اتنا سنا ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔

۳. یعنی مذکورہ دعوائے تزکیہ کر کے۔

۴. ان کی یہ حرکت یعنی اپنی پاکیزگی کا ادعاء ان کے کذب و افتراء کے لیے کافی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کی مدح و توصیف بالخصوص تزکیہ نفوس کا دعویٰ کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا۔ ﴿فَلَا تَزُولُ أَنْفُسُكُمْ عَنْ مَعْنَى﴾ (البقرہ: ۳۲) (اپنے نفوس کی پاکیزگی اور ستائش مت کرو، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم میں متقی کون ہے) حدیث میں ہے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈال دیں) «إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ» (صحیح مسلم، کتاب الزہد: ۴/۲۴۹ برقم: ۳۰۰۲) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو ایک دوسرے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا «وَيْحَاكَ قَطَعْتَ عَنْ صَاحِبِكَ» (افسوس ہے تجھ پر تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی) پھر فرمایا کہ (اگر تم میں سے کسی کو کسی کی لا محالہ تعریف کرنی ہے تو اس طرح کہا کرے «أَحْسِبُهُ كَذًّا» میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں۔

اللہ پر کسی کا تزکیہ بیان نہ کرے۔) (صحیح البخاری کتاب الشهادات والأدب، مسلم، کتاب الزہد)

أَمْوَاسَ بِلَا ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ
فَكَنْ نَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمَالِ فَإِذَا يُؤْتُونَ
النَّاسَ نَقِيرًا ۝

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ
مِّنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مَّا عَظِمُوا ۝

فِيهِمْ مِّنْ أَمْنٍ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ
وَكَفَىٰ بِهِمْ سَعِيرًا ۝

(۱) سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

۵۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے، تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

۵۳۔ کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو ایک کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ (۲)

۵۴۔ یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، (۳) پس ہم نے تو آل ابراہیم (علیہ السلام) کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔

۵۵۔ پھر ان میں بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے، (۴) اور جہنم کا جلانا کافی ہے۔

۱۔ اس آیت میں یہودیوں کے ایک اور فعل پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ جِبْت (بت، کاہن یا ساحر) اور طَاغُوت (جھوٹے معبودوں) پر ایمان رکھتے اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے زیادہ بدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ جِبْت کے یہ سارے مذکورہ معنی کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے «الْعِبَاقَةُ وَالطَّبَرَةُ وَالطَّرْفُ مِنَ الْجِبْتِ» (سنن أبي داود، کتاب الطب: ۲۲۹/۴ برقم: ۲۹۰۷) (پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر، بدفالی اور بدشگونی لینا یہ جِبْت سے ہیں۔) یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں اور یہود میں بھی یہ بیگزین عام تھیں۔ طَاغُوت کے ایک معنی شیطان بھی کیے گئے ہیں۔ دراصل معبودانِ باطل کی پرستش، شیطان ہی کی پیروی ہے۔ اس لیے شیطان بھی یقیناً طاغوت میں شامل ہے۔

۲۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اسٹنہ بخیل ہیں کہ لوگوں کو بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جس سے کھجور کی گٹھلی کا شگاف ہی پر ہو جاتا۔ نَقِيرٌ اس نقطے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ (ان کثیر)

۳۔ اُم (یا) بل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی بلکہ یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر دوسروں میں نبی (یعنی آخری نبی) کیوں بنایا؟ نبوت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔

۴۔ یعنی بنی اسرائیل کو، جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی ذریت اور آل میں سے ہیں، ہم نے نبوت بھی دی اور بڑی سلطنت و بادشاہی بھی۔ پھر بھی یہود کے یہ سارے لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ کچھ ایمان لائے اور کچھ نے اعراض کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اگر یہ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں، ان کی تو تاریخ ہی انہیں کی تکذیب سے بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ اپنی نسل کے نبیوں پر بھی یہ ایمان نہیں لائے۔ بعض نے آمَنَ

۵۶۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے^(۱) جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں،^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

۵۷۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کیے^(۳) ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كَانُوا
تُصِيبَتْ جُلُودُهُمْ بِكَالِهِمْ جُلُودًا غَيْرَ كَالِئِذِهِمْ وَقَوَّ
الْعَذَابِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ
فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا ضَالَّاتٌ ۝

یہ میں ہا کا مرجع نبی ﷺ کو بتلایا ہے یعنی ان یہود میں سے کچھ نبی ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ان منکرین نبوت کا انجام جہنم ہے۔

۱۔ یعنی جہنم میں اہل کتاب کے منکرین ہی نہیں جائیں گے، بلکہ دیگر تمام کفار کا ٹھکانہ بھی جہنم ہی ہے۔

۲۔ یہ جہنم کے عذاب کی سختی، تسلسل اور دوام کا بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول بعض آثار میں بتلایا گیا ہے کہ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عمل میں آئے گی اور مسند احمد کی روایت کی رو سے جہنمی جہنم میں اتنے فربہ ہو جائیں گے کہ ان کے کانوں کی لو سے پیچھے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت جتنا ہوگا، ان کی کھال کی مونائی ستر بالشت اور داڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی۔

۳۔ کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے لیے جو ابدی نعمتیں ہیں، ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جو اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ... اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایمان، عمل صالح کے بغیر ایسے ہی ہے جیسے پھول ہو مگر خوشبو کے بغیر، درخت ہو لیکن بے ثمر۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خیر القرون کے دوسرے مسلمانوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ ان کی زندگیاں ایمان کے پھل (اعمال صالحہ) سے مالا مال تھیں۔ اس دور میں بے عمل یا بد عملی کے ساتھ ایمان کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس آج ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام رہ گیا ہے۔ اعمال صالحہ سے دعویٰ اراں ایمان کا دامن خالی ہے۔ هَذَا اللَّهُ تَعَالَىٰ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے عمل کرتا ہے جو اعمال صالحہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ مثلاً راست بازی، امانت، ہمدردی و غم گساری اور دیگر اخلاقی خوبیاں۔ لیکن ایمان کی دولت سے یہ محروم ہے تو اس کے یہ اعمال، دنیا میں تو اس کی شہرت و نیک نامی کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی اس لیے کہ ان کا سرچشمہ ایمان نہیں ہے جو اچھے اعمال کو عند اللہ بار آور بناتا ہے بلکہ صرف اور صرف دنیوی مفادات یا قومی اخلاق و عادات ان کی بنیاد ہے۔

گھنی چھاؤں (اور پوری راحت) میں لے جائیں گے۔^(۱)

۵۸. اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید کی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ! ^(۲) اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو! ^(۳) یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ ^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔

۵۹. اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ ^(۵) پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ

۱. گھنی، گہری، عمدہ اور پاکیزہ چھاؤں جس کو ترجمہ میں ”پوری راحت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے ”جنت میں ایک درخت ہے جس کا سایہ اتنا ہے کہ ایک سوار سو سال میں بھی اسے طے نہیں کر سکے گا یہ شجرۃ الخلد

ہے۔“ (مسند أحمد، جلد ۲ ص ۴۵۵، وأصله في البخاري، كتاب بدء الخلق باب: ۸، ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة)

۲. اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں، جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان و کلید بردار چلے آ رہے تھے، نازل ہوئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف وغیرہ کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، طلب فرمایا اور انہیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا ”یہ تمہاری چابیاں ہیں آج کا دن وفا اور نیکی کا دن ہے“ (ابن کثیر) آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔ دونوں کو تاکید ہے کہ امانتیں انہیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ یہ بحفاظت عند الطلب لوٹادی جائیں۔ دوسرا عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیے جائیں، محض سیاسی بنیاد یا نسلی و وطنی بنیاد یا قرابت و خاندان کی بنیاد یا کوئی سسٹم کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا اس آیت کے خلاف ہے۔

۳. اس میں حکام کو بطور خاص عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ”حاکم جب تک ظلم نہ کرے، اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام)

۴. یعنی امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنا اور عدل و انصاف مہیا کرنا۔

۵. اولوالامر (اپنے میں سے اختیار والے) سے مراد بعض کے نزدیک امراء و حکام اور بعض کے نزدیک علماء و فقہاء ہیں مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کیونکہ ﴿الْأَلَكَةُ الْحَقُّ وَالْأَمْرُ﴾ (الأعراف: ۵۴) (خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے، حکم بھی اسی کا ہے) ﴿إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ﴾ (یوسف: ۴۰) (حکم صرف اللہ ہی کا ہے) لیکن چونکہ رسول ﷺ خالص منشاء الہی ہی کا مظہر اور اس کی مرضیات کے نمائندہ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول ﷺ کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول ﷺ کی اطاعت

تَوَمُّونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔^(۱)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا
أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ
يَتَّخِذُوا كَلِمَةَ الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ
يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ

۶۰. کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے

در اصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ طِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ طَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰) (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح قرآن کریم۔ تاہم امراء و حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں۔ یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امراء و حکام کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ مشروط ہے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ۔ اسی لیے أُطِيعُوا اللَّهَ کے بعد أُطِيعُوا الرَّسُولَ تو کہا کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل اور واجب ہیں لیکن أُطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ نہیں کہا کیونکہ اُولِي الْأَمْرِ کی اطاعت مستقل نہیں اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے۔ «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (وقال الألبانی حدیث صحیح - مشکوٰۃ: ۳۶۶۲) فی لفظ لمسلم لاطاعة فی معصية الله كتاب الإمارة باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصية حدیث: ۱۸۳۰) اور «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» (صحیح البخاری کتاب الأحکام باب: ۴) «الْإِسْمَاعُ وَالطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً» "معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے۔" یہی حال علماء و فقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولو الامر میں ان کو بھی شامل کیا جائے) یعنی ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرمودات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی طرف ارشاد و ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء و فقہاء بھی دینی امور و معاملات میں حکام کی طرح یقیناً مرجع عوام ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت بھی صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک عوام کو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بتلائیں لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں بلکہ انحراف کی صورت میں جاننے بوجھنے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہے۔

۱. اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد، قرآن کریم اور الرسول ﷺ سے مراد اب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کے ختم کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتلایا گیا ہے۔ اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تیسری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں۔ جس طرح تقلید شخصی یا تقلید معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو واجب قرار دے رکھا ہے اور اسی تیسری اطاعت نے، جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو امت متحدہ کے بجائے امت منتشرہ بنا رکھا ہے اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنادیا ہے۔

ضَلَّالًا بَعِيدًا ۝۱۰

کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

وَإِذْ أَيْتَلَّ لَهُمْ تَعَالَى إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى
الرُّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ
صُدُّوْنَ ۝۱۱

۶۱. اور ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (ﷺ) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں۔^(۱)

فَلَيَبْئَتْ إِذَا صَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ
أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوا لَوِيحُفُونَ يَا لَيْلَىٰ إِنَّ أَرْوَنَا
إِلَّا كَرَحْسَانًا وَتَوَفِيئًا ۝۱۲

۶۲. پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کر توت کے باعث کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔^(۲)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ
فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعَظَّمَهُمْ وَفَلَّ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ
قَوْلًا كِبِيرًا ۝۱۳

۶۳. یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے، آپ ان سے چشم پوشی کیجیے، انہیں نصیحت کرتے رہیے اور انہیں وہ بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔^(۳)

۱. یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنا فیصلہ عدالت میں لے جانے کے بجائے سرداران یہود یا سرداران قریش کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ تاہم اس کا حکم عام ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے لیے ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جاتے ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کا حال تو یہ ہوتا ہے ﴿لَمَّا كَانَ قَوْلُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (النور: ۵۱) (بے شک ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ و رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا) ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰلِقُونَ﴾ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں)۔
۲. یعنی جب اپنے اس کر توت کی وجہ سے عتاب الہی کا شکار ہو کر مصیبتوں میں پھنستے ہیں تو پھر آکر کہتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ جانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ وہاں سے ہم فیصلہ کروائیں یا آپ ﷺ سے زیادہ ہمیں وہاں انصاف ملے گا بلکہ مقصد صلح اور ملاپ کرانا تھا۔

۳. اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کے دلوں کے تمام بھیدوں سے واقف ہیں (جس پر ہم انہیں جزاء دیں گے) لیکن اے پیغمبر! (ﷺ) آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگزر ہی فرمائیے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیے جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو عفو و درگزر، وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے ہی ناکام بنانے کی سعی کی جانی چاہیے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٣﴾

۶۳. اور ہم نے ہر ایک رسول کو صرف اسی لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے،^(۱) تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَكُونُوا فِيْنَا شَجَرِيبٍ يَنْفَخُهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِنُفْثَتِهِمْ وَهُوَ جَزَاءُ مَا كَفَبُوا ﴿٦٤﴾ وَيَسْلَبُوكَ النَّفْسَ الْيَمِينَا ﴿٦٥﴾

۶۴. سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔^(۲)

۱. مغفرت کے لیے بارگاہ الہی میں ہی توبہ و استغفار ضروری اور کافی ہے۔ لیکن یہاں ان کو کہا گیا کہ اسے پیغمبر ﷺ! وہ تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور تو بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتا۔ یہ اس لیے کہ چونکہ انہوں نے فصل خصومات (جھگڑوں کے فیصلے) کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کر کے آپ ﷺ کا استغناغ کیا تھا۔ اس لیے اس کے ازالے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آنے کی تاکید کی۔

۲. اس آیت کی شان نزول میں ایک یہودی اور مسلمان کا واقعہ عموماً بیان کیا جاتا ہے جو بارگاہ رسالت سے فیصلے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانے گیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ لیکن سنداً یہ واقعہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر نے بھی وضاحت کی ہے۔ صحیح واقعہ جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے وہ یہ ہے: کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور ایک آدمی کا، کھیت کو سیراب کرنے والے (نالے) کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا آپ ﷺ نے صورت حال کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا تو وہ اتفاق سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا، جس پر دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (صحیح البخاری تفسیر سورة النساء) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی کسی بات یا فیصلے سے اختلاف تو کجا، دل میں انقباض بھی محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت بھی منکرین حدیث کے لیے تو ہے ہی دیگر افراد کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے جو قول امام کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ یا تو کھلے لفظوں میں اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یا اس کی دور از کار تاویل کر کے یا ثقہ راویوں کو ضعیف باور کرا کے مسترد کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ
اخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوا إِلَّا فَعِيلٌ
مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعْظُونَ لَكُنَّا
حَيًّا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَنْبِيْئًا ۝

۶۶. اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو
قتل کر ڈالو! یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ! تو اسے ان میں
سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے اور اگر یہ وہی کریں جس
کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لیے بہتر
اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔^(۱)

وَإِذْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝
وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

۶۷. اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔
۶۸. اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ
أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْقِدِّيقِينَ
وَالشَّاهِدِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝

۶۹. اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (ﷺ) کی
فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر
اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید
اور نیک لوگ، اور یہ بہترین رفیق ہیں۔^(۲)

۱. آیت میں انہی نافرمان قسم کے لوگوں کی جہلت رویہ کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر انہیں حکم دیا جاتا کہ
ایک دوسرے کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو جب یہ آسان باتوں پر عمل نہیں کر سکتے تو اس پر عمل کس طرح
کر سکتے تھے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق ان کی بابت فرمایا ہے جو یقیناً واقعات کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ سخت حکموں پر عمل تو یقیناً مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہت شفیق اور مہربان ہے، اس کے احکامات بھی آسان ہیں۔ اس
لیے اگر وہ ان حکموں پر چلیں جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور ثابت قدمی کا باعث ہو۔ کیونکہ
ایمان اطاعت سے زیادہ اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ نیکی سے نیکی کا راستہ کھلتا اور بدی سے بدی متولد ہوتی ہے۔ یعنی
اس کا راستہ کشادہ اور آسان ہوتا ہے۔

۲. اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کا صلہ بتلایا جا رہا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے «الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» (صحیح
البخاری کتاب الآداب باب: ۶۷، علامۃ حب اللہ عز وجل، مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب المرء مع من أحب حدیث: ۱۶۳۰) ”اُمی
انہی کے ساتھ ہو گا جن سے اس کو محبت ہوگی“ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”صحابہ رضی اللہ عنہم کو جتنی خوشی اس فرمان
رسول ﷺ کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔“ کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت پسند کرتے
تھے۔ اس کے شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ
آپ ﷺ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اس سے فروتر مقام ہی ملے گا اور یوں ہم آپ ﷺ کی اس
صحبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کی
تسلی کا سامان فرمایا۔ (ابن کثیر) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطور خاص نبی ﷺ سے جنت میں رفاقت کی درخواست کی «أَسْأَلُكَ

۷۰۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جانے والا۔

۷۱۔ اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو! (۱) پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے ہو کر نکل کھڑے ہو۔

۷۲۔ اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں، (۲) پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔

۷۳۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل (۳) مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں، (۴) کہتے ہیں کاش! میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔ (۵)

۷۴۔ پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ

ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عِلْمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخذُوا حِزْبًا لَكُمْ فَانْفِرُوا
تُبَاتٍ أَوْ الْفِرَاجِ ۝

وَأَنَّ مِنْكُمْ لَمَن لَّيْطَئِنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ
مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ
شَهِيدًا ۝

وَلَمَّا أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ كَأَن
لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَأْتِيَنِي كُنْتُ
مَعَهُمْ فَأَوْزَعُونَ ۝

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ

مُرَافَقَتَكَ فِي الْحَيَاةِ» جس پر نبی ﷺ نے انہیں کثرت سے نقلی نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی «فَاعْنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب فضل السجود والحث علیہ حدیث: ۲۸۸) «پس تم کثرت سجدہ کے ساتھ میری مدد کرو» علاوہ انہیں ایک اور حدیث ہے۔ «التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءَ» (ترمذی- کتاب البیوع باب ما جاء فی التجار وتسمیة النبی ﷺ إياهم) «راست باز، امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا» صدیقیت، کمال ایمان و کمال اطاعت کا نام ہے، نبوت کے بعد اس کا مقام ہے، امت محمدیہ میں اس مقام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے ممتاز ہیں۔ اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی ﷺ کے بعد افضل ہیں، صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کامل طور پر ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے۔

۱۔ حِزْرُكُمْ (اپنا بچاؤ اختیار کرو) اسلحہ اور سامان جنگ اور دیگر ذرائع سے۔

۲۔ یہ منافقین کا ذکر ہے۔ پس و پیش کا مطلب، جہاد میں جانے سے گریز کرتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔

۳۔ یعنی جنگ میں فتح و غلبہ اور غنیمت۔

۴۔ یعنی گویا وہ تمہارے اہل دین میں سے ہی نہیں بلکہ اجنبی ہیں۔

۵۔ یعنی مال غنیمت سے حصہ حاصل کرتا جو اہل دنیا کا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔

چکے ہیں،^(۱) انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے، یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

۷۵۔ اور بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔^(۲)

۷۶۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں۔^(۳) پس تم

الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَيُتْلَمَ أَوْ يُغْلَبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الْظَالِمَةُ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ
لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ
فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ

۱۔ شَرَرَىٰ يَشْرِي کے معنی بچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی۔ متن میں پہلا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے اس اعتبار سے فَلْيُقَاتِلْ کا فاعل ﴿الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ﴾ بنے گا لیکن اگر اس کے معنی خریدنے کے کیے جائیں تو اس صورت میں الَّذِينَ مفعول بنے گا اور فَلْيُقَاتِلْ کا فاعل، الْمُؤْمِنُ النَّافِرُ (راہ جہاد میں کوچ کرنے والے مومن) مخذوف ہوگا۔ مومن ان لوگوں سے لڑیں جنہوں نے آخرت بچ کر دنیا خرید لی۔ یعنی جنہوں نے دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ مراد منافقین اور کافرین ہیں۔ (۱) ابن کثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے

۲۔ ظالموں کی بستی سے مراد (نزل کے اعتبار سے) مکہ ہے۔ ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان مستضعفین کو کفار سے نجات دلانے کے لیے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور نرغہ کفار میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے جہاد کریں۔ یہ جہاد کی دوسری قسم ہے۔ پہلی قسم ہے إعلاء کَلِمَةِ اللَّهِ یعنی دین کی نشر و اشاعت اور کَلِمَةِ اللَّهِ کے غلبے کے لیے لڑنا جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں اور مابعد کی آیت میں ہے۔

۳۔ مومن اور کافر، دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن

كَانَ ضَعِيفًا ۝

شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو! یقین مانو کہ شیطانی حید (بالکل بودا اور) سخت کمزور ہے۔^(۱)

۷۷. کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟^(۲) کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دی؟^(۳) آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیز گاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَى وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

اللہ کے لیے لڑتا ہے، محض طلب دنیا یا ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں۔ جب کہ کافر کا مقصد یہی دنیا اور اس کے مفادات ہوتے ہیں۔

۱. مومنوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ طاغوتی مقاصد کے لیے حیلے اور مکر کمزور ہوتے ہیں، ان کے ظاہری اسباب کی فراوانی اور کثرت تعداد سے مت ڈرو تمہاری ایمانی قوت اور عزم جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ حیلے نہیں ٹھہر سکتے۔

۲. مکہ میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لیے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انہیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی، ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ دوسرا یہ کہ نماز زکوٰۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو گئی تو پھر انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی اور جب اجازت دے دی گئی تو بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اس پر آیت میں کمی دور کی ان کی آرزو یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ اب یہ مسلمان حکم جہاد سن کر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں جب کہ یہ حکم جہاد خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔

۳. اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس حکم کو کچھ اور مدت کے لیے مؤخر کیوں نہ کر دیا یعنی آجَلِ قَرِيب سے مراد موت یا فرض جہاد کی مدت ہے۔ (تیسرے ابن کثیر)

۷۸۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آپکڑے گی، گو تم مضبوط قلعوں میں ہو^(۱) اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔^(۲) انہیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔^(۳)

۷۹. تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ^(۴) اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی

أَيِّنْ مَا تَكُونُوا إِذْ لَكُمْ الْمَوْتُ وَلَمْ تُكُنْ
فِي بَرْجٍ مُّشِيدَةٍ وَإِنْ تُضَيِّعْهُمْ سَيِّئَةٌ
هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُضَيِّعْهُمْ سَيِّئَةٌ
يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٦﴾

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ
سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا

۱۔ ایسے کمزور مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا فانی اور اس کا فائدہ عارضی ہے جس کے لیے تم کچھ مہلت طلب کر رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے اطاعت الہی کے صلے میں تم سزاوار ہو گے۔ دوسرا یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو، موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ پھر جہاد سے گریز نہ کیا کیا فائدہ؟ مضبوط برجوں سے مراد مضبوط اور بلند دیواراں فصیلیوں والے قلعے ہیں۔

ملحوظہ: بعض مسلمانوں کا چونکہ یہ خوف بھی طبعی تھا۔ اسی طرح تاخیر کی خواہش بھی بطور اعتراض یا انکار نہ تھی، بلکہ طبعی خوف کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا اور نہایت مضبوط دلائل سے انہیں سہارا اور حوصلہ دیا۔

۲۔ یہاں سے پھر منافقین کی باتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سابقہ امت کے منکرین کی طرح انہوں نے بھی کہا کہ بھلائی (خوش حالی، غلے کی پیداوار، مال واولاد کی فراوانی وغیرہ) اللہ کی طرف سے ہے اور برائی (قحط سالی، مال و دولت میں کمی وغیرہ) اے محمد! ﷺ تیری طرف سے ہے یعنی تیرا دین اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ ابتلاء آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”جب ان کو بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، یہ ہمارے لیے ہے (یعنی ہم اس کے مستحق ہیں) اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں سے بدشگونی کھڑتے ہیں، (یعنی نعوذ باللہ ان کی نحوست کا نتیجہ بتلاتے ہیں)۔“ (الأعراف: ۱۳۱)

۳۔ یعنی بھلائی اور برائی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہے لیکن یہ لوگ قلت فہم و علم اور کثرت جبل و ظلم کی وجہ سے اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔

۴۔ یعنی اس کے فضل و کرم سے ہے اور کسی نیکی یا اطاعت کا صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی کی توفیق دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی نعمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ایک انسان کی عبادت و اطاعت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا جنت میں جو بھی جائے گا، محض اللہ کی رحمت سے جائے گا (اپنے عمل کی وجہ سے نہیں) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وَلَا اَنْتَ اَبی ﷺ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت

وَكُفِيَ بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝

طرف سے ہے،^(۱) ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔

۸۰. اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

۸۱. اور یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے، پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت، جو بات آپ نے یا اس نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے،^(۲) ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

۸۲. کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔^(۳)

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ مِمَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ اِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفِيَ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝

اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝

میں نہیں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں جب تک اللہ مجھے بھی اپنے دامن رحمت میں نہیں ڈھانک لے گا جنت میں نہیں جاؤں گا۔“ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل: ۱۸)

۱. یہ برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے۔ جیسا کہ کُلُّ مَنْ عِنْدَ اللّٰهِ سے واضح ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ تمہارے نفس سے ہے یعنی تمہاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيْرٍ﴾ (احزابی: ۳۰) (اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہ تو معاف ہی فرما دیتا ہے)۔

۲. یعنی یہ منافقین آپ ﷺ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ راتوں کو ان کے برعکس باتیں کرتے اور سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ ان کی باتیں اور سازشیں آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی کیونکہ آپ کا وکیل اور کارساز اللہ ہے۔

۳. قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس میں غور و تدبر کی تاکید کی جارہی ہے اور اس کی صداقت جانچنے کے لیے ایک معیار بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا (جیسا کہ کفار کا خیال ہے) تو اس کے مضامین اور بیان کردہ واقعات میں تعارض و تناقض ہوتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی سی کتاب نہیں ہے۔ ایک ضخیم اور

وَإِذْ آجَأَهُمْ أَمْرُ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَذْأَعُوا بِهِمْ
وَلَوْ دُودُوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَلِأَيِّ الْأَمْرِ مِنْهُمْ
لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَتَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ الْأَوَّلِيَّ ۝۶

۸۳. اور جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (ﷺ) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں^(۱) اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسُكَ
وَحَرْصُ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِكَ بَأْسَ
الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنَكُّلًا ۝۷

۸۴. تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی

مفصل کتاب ہے، جس کا ہر حصہ اعجاز و بلاغت میں ممتاز ہے۔ حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور اس کی فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہتی۔ دوسرا اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جنہیں اللہ علام الغیوب کے سوا کوئی اور بیان نہیں کر سکتا۔ تیسرا ان حکایات و قصص میں نہ باہمی تعارض و تضاد ہے اور نہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جزئیہ قرآن کی کسی اصل سے ٹکراتا ہے۔ حالانکہ ایک انسان گزشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات میں تعارض و تضاد واقع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ان تمام انسانی کوتاہیوں سے مبرا ہونے کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ یقیناً کلام الہی ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

۱. یہ بعض کمزور اور جلد باز مسلمانوں کا رویہ، ان کی اصلاح کی غرض سے بیان کیا جا رہا ہے۔ امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت و شکست کی خبر ہے۔ (جس کو سن کر امن اور اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جس کے نتیجے میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ پر اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان کا باعث بن سکتی ہے) اور خوف کی خبر سے مراد مسلمانوں کی شکست اور ان کے قتل و ہلاکت کی خبر ہے (جس سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونے کا امکان ہوتا ہے) اس لیے انہیں کہا جا رہا ہے کہ اس قسم کی خبریں، چاہے امن کی ہوں یا خوف کی انہیں سن کر عام لوگوں میں پھیلانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا دو یا اہل علم و تحقیق میں انہیں پہنچا دو تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو اس وقت اس سے مسلمانوں کا باخبر ہونا مفید ہے یا بے خبر رہنا انفع ہے؟ یہ اصول ویسے تو عام حالات میں بھی بڑا اہم اور نہایت مفید ہے لیکن عین حالت جنگ میں تو اس کی اہمیت و افادیت بہت ہی زیادہ ہے۔ اسْتَنْبَاطُ کا مادہ نَبَطُ ہے نَبَطُ اس پانی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت سب سے پہلے نکلتا ہے اسی لیے اسْتَنْبَاطُ تحقیق اور بات کی تہہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ سخت قوت والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔

۸۵. جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۸۶. اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو، ^(۱) بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

۸۷. اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے (آنے) میں کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہو گا۔

۸۸. تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟ ^(۲) انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا
وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ لِقْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ
اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيبًا ۝

وَإِذْ أَخْبِئْكُمْ بَيِّنَاتٍ فَبَخْبُوا بِأَحْسَنِ مِثْلٍ
أَوْرَدُوا هَٰذَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
لَارِيبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝

فَبَاكُوا فِي الْمُنَافِقِينَ فَنُفِثَ فِيهِمْ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ
بِمَا كَسَبُوا لَتَرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ

۱. تَحِيَّةٌ اصل میں تَحِيَّةٌ (تَفْعِيلٌ) ہے۔ یا کے یا میں ادغام کے بعد تَحِيَّةٌ ہو گیا۔ اس کے معنی ہیں: درازی عمر کی دعا (الدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ)۔ یہاں یہ سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر) زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو پھر اضافے کے بغیر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ (ابن کثیر) ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ کہنے سے بیس نیکیاں اور برکاتہ بھی کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مسند أحمد، جلد ۴: ص ۳۳۹، ۳۴۰) یاد رہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ لیکن اہل ذمہ یعنی یہود و نصاریٰ کو سلام کرنا ہو تو ایک تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ دوسرا اضافہ نہ کیا جائے بلکہ صرف وعلیکم کے ساتھ جواب دیا جائے۔ (صحیح البخاری،

کتاب الاستیذان - مسلم، کتاب السلام)

۲. یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی تمہارے درمیان ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان منافقین سے مراد وہ ہیں جو احد کی جنگ میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آگئے تھے، کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ (صحیح بخاری سورة التساء صحیح مسلم کتاب المنافقین) جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے ان منافقین کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کے دو

اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿١﴾

تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے۔^(۱) اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کیے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، اور جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا۔^(۲)

وَوَالَّذِينَ كَفَرُوا كَمَا كَفَرُوا فَانْكَرُوا سَوَاءٌ
فَلَا تَخْذُوا مِنْهُمْ أَولِيَاءَ خُذُوا حِجْرِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوا مِنْهُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَخْذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا
وَلَا تَصِيرُوا ۝

۸۹. ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافروہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ،^(۳) پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو^(۴) اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں،^(۵) خبردار! ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصْرَتِ صُدُورُهُمْ أَنْ
يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ وَإِنْ اعْتَرَفُوكُمْ

۹۰. سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں^(۱)

گروہ بن گئے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقین سے (بھی) لڑنا چاہیے۔ دوسرا گروہ اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔ ۱. کَسَبُوا (اعمال) سے مراد، رسول کی مخالفت اور جہاد سے اعراض ہے اَزَكَّسَهُمْ اوندھا کر دیا۔ یعنی جس کفر و ضلالت سے نکلے تھے، اسی میں مبتلا کر دیا، یا اس کے سبب ہلاک کر دیا۔

۲. جس کو اللہ گمراہ کر دے یعنی مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دے، انہیں کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا۔ ۳. ہجرت (ترک وطن) اس بات کی دلیل ہوگی کہ اب یہ مخلص مسلمان بن گئے ہیں۔ اس صورت میں ان سے دوستی اور محبت جائز ہوگی۔

۴. یعنی جب تمہیں ان پر قدرت و طاقت حاصل ہو جائے۔

۵. جل ہو یا حرم۔

۶. یعنی جن سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ لوگ، جو ایسی قوم سے ربط و تعلق رکھتے ہیں یعنی ایسی قوم کے فرد ہیں یا اس کی پناہ میں ہیں جس قوم سے تمہارا معاہدہ ہے۔ دوسرا وہ جو تمہارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی قوم سے مل کر تم سے یا تم سے مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں یعنی تمہاری حمایت میں لڑنا پسند کرتے ہیں نہ تمہاری مخالفت میں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے،^(۱) پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں،^(۲) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی۔

۹۱۔ تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں۔ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں^(۳) (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی^(۴) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ

فَلَمْ يَقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَالِيكُمُ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا

سَجَدُونَ الْحَرِيِّنَ يُرِيدُونَ أَنْ يُؤْمِنُواكُمْ وَيَأْمِنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا دُورُوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعِزُّوْكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُوا إِلَيْكُمْ فَهُمْ فَذُوهُمْ

۱۔ یعنی یہ اللہ کا احسان ہے کہ ان کو لڑائی سے الگ کر دیا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کی حمایت میں لڑنے کا خیال پیدا کر دیتا تو یقیناً وہ بھی تم سے لڑتے۔ اس لیے اگر واقعی یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام مت کرو۔

۲۔ کنارہ کش رہیں، نہ لڑیں، تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں، سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ تاکید اور وضاحت کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تاکہ مسلمان ان کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ جو جنگ و قتال سے پہلے ہی علیحدہ ہیں اور ان کی یہ علیحدگی مسلمانوں کے مفاد میں بھی ہے، اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان اور احسان کے ذکر کیا ہے، تو ان کے بارے میں چھپر چھاڑ کا رویہ یا غیر محتاط طرز عمل ان کے اندر بھی مخالفت و خصامت کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے جب تک وہ مذکورہ حال پر قائم رہیں، ان سے مت لڑو، اس کی مثال وہ جماعت بھی ہے جس کا تعلق بنی ہاشم سے تھا، یہ جنگ بدر والے دن مشرکین مکہ کے ساتھ میدان جنگ میں تو آئے تھے، لیکن یہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنا پسند نہیں کرتے تھے، جیسے حضرت عباسؓ عم رسول اللہؐ وغیرہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسی لیے ظاہری طور پر کافروں کے کیمپ میں تھے۔ اس لیے نبی اللہؐ نے حضرت عباسؓ کو قتل کرنے سے روک دیا اور انہیں صرف قیدی بنانے پر اکتفا کیا۔ سَلِّمُ یہاں مُسَالَمَةٌ یعنی صلح کے معنی میں ہے۔

۳۔ یہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جو منافقین کا تھا۔ یہ مسلمانوں کے پاس آتے تو اسلام کا اظہار کرتے تاکہ مسلمانوں سے محفوظ رہیں، اپنی قوم کے پاس جاتے تو شرک و بت پرستی کرتے تاکہ وہ انہیں اپنا ہی ہم مذہب سمجھیں اور یوں دونوں سے مفادات حاصل کرتے۔

۴۔ الْفِتْنَةُ سے مراد شرک بھی ہو سکتا ہے۔ اُرْكِسُوا فِيهَا اسی شرک میں لوٹا دیے جاتے۔ یا الْفِتْنَةُ سے مراد قتال ہے کہ جب انہیں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی طرف بلایا یعنی لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

وَأَقْتُلُوهُمْ حَتَّى تَقْتُلُوهُمْ أَوْ تُكَلِّمُكُمْ جَعَلْنَا
لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿۱﴾

اس میں ڈال دیے جاتے ہیں، پس اگر یہ لوگ تم سے
کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کی پیشکش نہ کریں اور
اپنے ہاتھ نہ روک لیں،^(۱) تو انہیں پکڑو اور مار ڈالو جہاں
کہیں بھی پالو یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت
عنایت فرمائی ہے۔^(۲)

۹۲. اور کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا
نہیں^(۳) مگر غلطی سے ہو جائے^(۴) (تو اور بات ہے)، جو
شخص کسی کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام
کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا
پہنچانا ہے۔^(۵) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ
مُؤْمِنًا خَطَاً فَكَفِّرْ بِهِ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً وَدِيَةَ مُّسْكِلَةٍ إِلَى
أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ
وَهُمْ مَوَدَّةٌ لِّمَنْ قَتَلَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم بَيِّنَاتٌ فَلْيَايِهِ مُسْكِلَةً إِلَى أَهْلِهَا وَتَحْرِيرُ

۱. يُقْتُلُوا اور يَكْفُوا کا عطف يَتَحَرَّرُوا پر ہے یعنی سب نفی کے معنی میں ہیں، سب میں کم لگے گا۔

۲. اس بات پر کہ واقعی ان کے دلوں میں نفاق اور ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض و عناد ہے، تب ہی تو وہ
بادنی کوشش دوبارہ فتنے (شرک یا تمہارے خلاف آمادہ قتال ہونے) میں مبتلا ہوں گے۔

۳. یہ نفی نبی کے معنی میں ہے جو حرمت کی متقاضی ہے یعنی ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا ممنوع اور حرام
ہے جیسے ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ﴾ (الأحزاب: ۵۳) (اور تمہیں یہ لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کو
ایذا پہنچاؤ) یعنی حرام ہے۔

۴. غلطی کے اسباب و وجوہ متعدد ہو سکتے ہیں۔ مقصد ہے کہ نیت اور ارادہ قتل کا نہ ہو۔ مگر بوجہ قتل ہو جائے۔

۵. یہ قتل خطا کا جرمانہ بیان کیا جا رہا ہے جو دو چیزیں ہیں۔ ایک بطور کفارہ واستغفار ہے۔ یعنی مسلمان غلام کی گردن آزاد
کرنا اور دوسری چیز بطور حق العباد کے ہے اور وہ ہے، دِيَّة (خون بہا)۔ مقتول کے خون کے بدلے میں جو چیز مقتول
کے وارثوں کو دی جائے، وہ دیت ہے۔ اور دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سو اونٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے،
چاندی یا کرنسی کی شکل میں ہوگی۔

ملحوظة: خیال رہے کہ قتل عمد میں قصاص یا دیت مغالطہ ہے اور دیت مغالطہ کی مقدار سو اونٹ ہے جو عمر اور وصف
کے لحاظ سے تین قسم یا تین معیار کے ہوں گے۔ جب کہ قتل خطا میں صرف دیت ہے۔ قصاص نہیں ہے۔ اس دیت
کی مقدار سو اونٹ ہے مگر معیار اتنا کڑا نہیں۔ علاوہ ازیں اس دیت کی قیمت سنن ابی داود کی حدیث میں ۸۰۰ دینار
یا ۸ ہزار درہم اور ترمذی کی روایت میں بارہ ہزار درہم بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت
میں قیمت دیت میں کمی بیشی اور مختلف پیشوں والوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر فرمائی تھیں: (إرواء الغلیل،

رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً فَمِنْ كَمٍّ يَحِيْدُ فَحْيَا مَرْشَهَرِيْنَ
مُنْتَابِعِيْنَ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۵۰﴾

معاف کردیں^(۱) اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان، تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے۔^(۲) اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے، جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی (ضروری ہے)،^(۳) پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں،^(۴) اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

۹۳۔ اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے،^(۵) اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور

وَمَنْ يَقْتُلْ مُّؤْمِنًا مُّتَعَدِلًا فَبَرَّأُوْهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا وَكَرِهَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۵۱﴾

جلد: ۸) جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت (سو اونٹ) کی بنیاد پر اس کی قیمت ہر دور کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی۔ (تفصیل کے لیے شروح حدیث و کتب فقہ ملاحظہ ہوں)

۱۔ معاف کردینے کو صدقہ سے تعبیر کرنے سے مقصد معافی کی ترغیب دینا ہے۔

۲۔ یعنی اس صورت میں دیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ اس کے وارث حربی کافر ہیں، اس لیے وہ مسلمان کی دیت لینے کے حق دار نہیں۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مسلمان نے اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ ہجرت نہیں کی، جب کہ ہجرت کی اس وقت بڑی تاکید تھی۔ اس کوتاہی کی وجہ سے اس کے خون کی حرمت کم ہے۔ (فتح القدیر)

۳۔ یہ ایک تیسری صورت ہے، اس میں بھی وہی کفارہ اور دیت ہے جو پہلی صورت میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر مقتول معاہدہ (ذمی) ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہوگی، کیونکہ حدیث میں کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف بیان کی گئی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس تیسری صورت میں بھی مقتول مسلمان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

۴۔ یعنی اگر گردن آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پہلی صورت اور اس آخری صورت میں دیت کے ساتھ مسلسل لگاتار (بغیر نافع کے) دو مہینے کے روزے ہیں۔ اگر درمیان میں نافع ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے۔ البتہ عذر شرعی کی وجہ سے نافع ہونے کی صورت میں نئے سرے سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے حیض، نفاس یا شدید بیماری، جو روزہ رکھنے میں مانع ہو۔ سفر کے عذر شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔ (ابن کثیر)

۵۔ یہ قتل عمد کی سزا ہے۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قتل خطا (جس کا ذکر ماقبل کی آیت میں ہے) (۲) قتل شبہ عمد جو حدیث سے ثابت ہے، (۳) قتل عمد جس کا مطلب ہے، ارادہ اور نیت سے کسی کو قتل کرنا اور اس کے لیے وہ

اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔^(۱)

۹۴۔ اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔^(۲) تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔^(۳) پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا حَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَيْنَ وَأُولَٰئِكَ الْقَوْلُ الْإِيمَانُ لَسْتُمْ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَايِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَبَيْنَ وَأُولَٰئِكَ اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۹۴﴾

آلہ استعمال کرنا جس سے فی الواقع عادیہ قتل کیا جا رہا ہے جیسے تلوار، خنجر وغیرہ۔ آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ مثلاً اس کی سزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ احادیث میں بھی اس کی سخت مذمت اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بعض علماء مذکورہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں۔ لیکن قرآن وحدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ﴿الْأَمِنْ تَابَ وَأَمِنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الفرقان: ۷۰) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں۔ ہر گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا یا بہت بڑا توبۃ النصوح سے اس کی معافی ممکن ہے۔ یہاں اس کی سزا جہنم جو بیان کی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس جرم پر اسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود (بہیشہ جہنم میں رہنے) کا مطلب بھی مُكْتَبٌ طَوِيلٌ (لمبی مدت) ہے۔ کیونکہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں کے لیے ہی ہے۔ علاوہ ازیں قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بھی اس کی تلافی اور ازالہ فرما سکتا ہے اس طرح مقتول کو بھی بدلہ مل جائے گا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائے گی۔ (فتح القدیر وابن کثیر)

۲۔ احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کسی علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لیے اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بغیر تحقیق کے اسے قتل کر ڈالا، اور بکریاں (بطور مال غنیمت) لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری، ترمذی تفسیر سورة النساء) بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں پہلے تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب الذبایات) مطلب یہ تھا کہ اس قتل کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ۳۔ یعنی تمہیں چند بکریاں، اس مقتول سے حاصل ہو گئیں، یہ کچھ بھی نہیں، اللہ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ و رسول کی اطاعت کی وجہ سے تمہیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں تو ان کا ملنا یقینی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

۹۵. اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں،^(۱) اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے^(۲) لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔

۹۶. اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

۹۷. بیشک جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟^(۳) یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ

۱. جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نامینا صحابی) وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ لینے سے محروم ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے جہاد میں حصہ لینے والوں کے برابر ہم اجر و ثواب حاصل نہیں کر سکیں گے دراصل حالیکہ ہمارا گھر میں بیٹھ رہنا بطور شوق، یا جان کی حفاظت کے نہیں ہے بلکہ عذر شرعی کی وجہ سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِّ﴾ (بغیر عذر کے) کا استثناء نازل فرمایا یعنی عذر کے ساتھ بیٹھ رہنے والے، مجاہدین کے ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ ﴿حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ﴾ ”ان کو عذر نے روکا ہوا ہے“ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

۲. یعنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو جو فضیلت حاصل ہوگی، جہاد میں حصہ نہ لینے والے اگرچہ اس سے محروم رہیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ساتھ ہی بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر بقدر ضرورت آدمی جہاد میں حصہ لے لیں تو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی یہ فرض ادا شدہ سمجھا جائے گا۔

۳. یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے آبائی علاقے اور خاندان چھوڑ کر ہجرت کرنے سے گریز کیا۔ جب کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ مجتمع

أَرْضُ اللَّهِ وَسِعَةً فَهَاجِرُوا فِيهَا قُلُوبُكُمْ
مَا وَلَهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا
يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝

قُلْ لِّكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ
وَكَانَ اللَّهُ عَفْوًا غَفُورًا ۝

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِ سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي
الْأَرْضِ مُرَافِقًا كَثِيرًا وَسِعَةً وَمَنْ
يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ يُدْرِكُ الْمَوْتَ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى
اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

کمزور اور مغلوب تھے۔^(۱) فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔ ۹۸۔ مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے۔^(۲)

۹۹۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ ۱۰۰۔ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا، وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی،^(۳) اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آپکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ

کرنے کے لیے ہجرت کا نہایت تاکید حکم مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا، ان کو یہاں ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم بتلایا گیا ہے۔ جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حالات و ظروف کے اعتبار سے اسلام کے بعض احکام کفر یا اسلام کے مترادف بن جاتے ہیں جیسے اس موقع پر ہجرت اسلام اور اس سے گریز کفر کے مترادف قرار پایا۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ ایسے دارالکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل اور وہاں رہنا کفر اور اہل کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔

۱۔ یہاں ارض (جگہ) سے مراد شان نزول کے اعتبار سے مکہ اور اس کا قرب وجوار ہے اور آگے ارض اللہ سے مراد مدینہ ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی پہلی جگہ سے مراد ارض کفار ہوگی۔ جہاں اسلام پر عمل مشکل ہو اور ارض اللہ سے مراد ہر وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اللہ کے دین پر عمل کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے جائے۔

۲۔ یہ ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہجرت سے مستثنیٰ کرنے کا حکم ہے جو اس کے وسائل سے محروم اور راستے سے بھی بے خبر تھے۔ بچے اگرچہ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے لیکن یہاں ان کا ذکر ہجرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ بچے تک بھی ہجرت کریں یا پھر یہاں بچوں سے مراد قریب البلوغت بچے ہوں گے۔

۳۔ اس میں نیت ہجرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ مُرَاعِمًا کے معنی جگہ، جائے قیام یا جائے پناہ ہے۔ اور سَعَةً سے رزق یا جگہوں اور ملکوں کی کشادگی و فراخی ہے۔

ثابت ہو گیا،^(۱) اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۰۱۔ اور جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے،^(۲) یقیناً کافر تمہارے کھلے

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَكْفُرَ بِكُمْ الْاَكْفَرُ اِنْ كَانُوا

۱۔ اس میں نیت کے مطابق اجر و ثواب ملنے کی یقین دہانی ہے چاہے موت کی وجہ سے وہ اس عمل کے مکمل کرنے سے قاصر رہا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ امتوں میں سے ایک سو افراد کے قاتل کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جو توبہ کے لیے نیکوں کی ایک بستی میں جا رہا تھا کہ راستے میں موت آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکوں کی بستی کو، بہ نسبت دوسری بستی کے قریب تر کر دیا جس کی وجہ سے اسے ملائکہ رحمت اپنے ساتھ لے گئے (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ۵۳ و مسلم کتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن کثر قتله) اسی طرح جو شخص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلے لیکن راستے میں ہی اسے موت آجائے تو اسے اللہ کی طرف سے ہجرت کا ثواب ضرور ملے گا، گو ابھی وہ ہجرت کے عمل کو پایہ تکمیل تک بھی نہ پہنچا سکا ہو۔ جیسے حدیث میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» «عمَلوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے» «وَأِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ» «آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی» «جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہجرت کی پس اس کی ہجرت ان ہی کے لیے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت کی پس اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس نیت سے اس نے ہجرت کی» (صحیح البخاری، باب بدء الوحي، و مسلم، کتاب الإمامة) یہ حکم عام ہے جو دین کے ہر کام کو شامل ہے۔ یعنی اس کو کرتے وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہوگی تو وہ مقبول، ورنہ مردود ہوگا۔

۲۔ اس میں حالت سفر میں نماز قصر کرنے (دو گانہ ادا کرنے) کی اجازت دی جا رہی ہے۔ «إِنْ خِفْتُمْ» اگر تمہیں ڈر ہو..... «غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس وقت پورا عرب دار الحرب بنا ہوا تھا۔ کسی طرف کا بھی سفر خطرات سے خالی نہیں تھا۔ یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ سفر میں خوف ہو تو قصر کی اجازت ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اور بھی بعض مقامات پر اس قسم کی قیدیں بیان کی گئی ہیں جو اتفاقاً یعنی غالب احوال کے اعتبار سے ہے مثلاً ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ الَّتِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ مَصْرَفًا﴾ (آل عمران: ۱۳۰) ﴿وَلَا تَكُونُوا فِتْنَةً عَلَى النَّاسِ لَئِنْ أَذِنَ لَكُمْ لَفُتْنًا﴾ (النور: ۳۳) (تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے بچنا چاہیں)۔ چونکہ بچنا چاہتی تھیں، اس لیے اللہ نے اسے بیان فرمادیا۔ یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری پر آمادہ ہوں تو پھر تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم ان سے بدکاری کرو الیا کرو ﴿وَرَبَّائِكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمْ﴾ (النساء: ۲۳) وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں بھی یہ اشکال آیا کہ اب تو امن ہے، ہمیں سفر میں نماز قصر نہیں کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا «یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے صدقہ ہے، اس کے صدقے کو قبول کرو۔»

(مسند احمد جلد ۱، ص ۲۵، ۳۶ و صحیح مسلم، کتاب المسافرين اور دیگر کتب حدیث)

ملحوظہ: سفر کی مسافت اور ایام قصر کی تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ۳ فرسخ (یعنی ۹ کوس) والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (نبیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۲۰) اسی طرح بہت سے محققین علماء اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ دوران

دشمن ہیں۔

۱۰۲۔ اور جب تم ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہے، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں،^(۱) ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے، یا بسبب بیمار ہو جانے

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافِقَةً مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَافِقَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَرُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوُفَّالُونَ عَنْ أَسْلِحَتِهِمْ وَآمِنَعْتُمْ فَيَسْبُلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝

سفر کسی ایک مقام پر تین یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر نماز قصر کی اجازت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مرعاة المفاتیح)

۱۔ اس آیت میں صلوة الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جا رہا ہے۔ صلوة الخوف کے معنی ہیں، خوف کی نماز۔ یہ اس وقت مشروع ہے جب مسلمان اور کافر فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لیے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمحے کی بھی غفلت مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ایسے حالات میں اگر نماز کا وقت ہو جائے تو صلوة الخوف پڑھنے کا حکم ہے، جس کی مختلف صورتیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ دشمن کے بالمقابل کھڑا رہا تاکہ کافروں کو حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو اور ایک حصے نے آکر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب یہ حصہ نماز سے فارغ ہو گیا تو یہ پہلے کی جگہ مورچہ زن ہو گیا اور مورچہ زن حصہ نماز کے لیے آگیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں حصوں کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ ﷺ کی دو رکعت اور باقی فوجیوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ بعض میں آتا ہے کہ دو دو رکعات پڑھائیں، اس طرح آپ کی چار رکعت اور فوجیوں کی دو دو رکعت ہوئیں اور بعض میں آتا ہے کہ ایک رکعت پڑھ کر التحیات کی طرح بیٹھے رہے، فوجیوں نے کھڑے ہو کر اپنے طور پر ایک رکعت اور پڑھ کر دو رکعات پوری کیں اور دشمن کے سامنے جاکر ڈٹ گئے۔ دوسرے حصے نے آکر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ ﷺ نے انہیں بھی ایک رکعت پڑھائی اور التحیات میں بیٹھ گئے اور اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک فوجیوں نے دوسری رکعت پوری نہیں کر لی۔ پھر ان کے ساتھ آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح آپ ﷺ کی بھی دو رکعت اور فوج کے دونوں حصوں کی بھی دو رکعات ہوئیں۔ (دیکھئے کتب حدیث)

کے، اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لیے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مکروں کے لیے ذلت کی مارتیار کر رکھی ہے۔
۱۰۳۔ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو^(۱) اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو^(۲) یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔^(۳)

۱۰۴۔ اور ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو^(۴) اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ امیدیں رکھتے ہو، جو امیدیں انہیں نہیں^(۵) اور اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے۔

۱۰۵۔ یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے^(۶) اور

وَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا
وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ
فَأَقْبِبُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۝

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقُوَّةِ إِنْ تَكُونُوا
تَالْمُؤْنِ فَإِنَّهُمْ يَأْتُمُونَ كَمَا تَأْتُمُونَ
وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَا أَرَادَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِدِينَ حَصِيمًا ۝

۱۔ مراد یہی خوف کی نماز ہے اس میں چونکہ تخفیف کردی گئی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

۲۔ اس سے مراد ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس کے اس طریقے کے مطابق پڑھنا ہے جو عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

۳۔ اس میں نماز کو مقرر وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر شرعی عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کم از کم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔

۴۔ یعنی اپنے دشمن کے تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ، بلکہ ان کے خلاف بھرپور جدوجہد کرو اور گھات لگا کر بیٹھو!
 ۵۔ یعنی زخم تو تمہیں بھی اور انہیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمہیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے لیکن وہ اس کی امید نہیں رکھتے۔ اس لیے اجر آخرت کے حصول کے لیے جو محنت و کاوش تم کر سکتے ہو، وہ کافر نہیں کر سکتے۔

۶۔ ان آیات (۱۰۵ سے ۱۱۵ تک) کے شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طعمہ یا بشیر بن ابیرق نے ایک انصاری کی زہر چرا لی، جب اس کا چرچا ہوا اور اس کو اپنی چوری کے بے نقاب ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے وہ زہر ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور بنی ظفر کے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت

خیانت کرنے والوں^(۱) کے حمایتی نہ بنو۔

۱۰۶۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے۔

۱۰۷۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گناہ گار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔

۱۰۸۔ وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی

وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا رَحِيمًا

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُمْ مَعَهُمْ أَدْيِبَتُونَ مَا كَرِهَ رِضَىٰ مِنَ

میں پہنچ گیا، ان سب نے کہا کہ زہ چوری کرنے والا فلاں یہودی ہے۔ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ بنی ابریق نے زہ چوری کر کے میرے گھر پھینک دی ہے۔ بنی ظفر اور بنی ابریق (طعمہ یا بشیر وغیرہ) ہشیار تھے اور نبی ﷺ کو باور کراتے رہے کہ چور یہودی ہی ہے اور وہ طعمہ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ نبی ﷺ بھی ان کی چکنی چڑی باتوں سے متاثر ہو گئے اور قریب تھا کہ اس انصاری کو چوری کے الزام سے بری کر کے یہودی پر چوری کی فرد جرم عائد فرمادیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ جس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ بھی بہ حیثیت ایک انسان کے غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ ﷺ پر فوراً صورتحال واضح ہو جاتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی حق کے پوشیدہ رہ جانے اور اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا مرحلہ آجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرما دیتا اور اس کی اصلاح فرما دیتا ہے جیسا کہ عصمت انبیاء کا تقاضا ہے۔ یہ وہ مقام عصمت ہے جو انبیاء کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

۱۔ اس سے مراد وہی بنی ابریق ہیں۔ جنہوں نے چوری خود کی لیکن اپنی چرب زبانی سے یہودی کو چور باور کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ اگلی آیات میں بھی ان کے اور ان کے حمایتیوں کے غلط کردار کو نمایاں کر کے نبی ﷺ کو خبردار کیا جا رہا ہے۔

۲۔ یعنی بغیر تحقیق کے آپ ﷺ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے، اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بابت پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے، اس کی حمایت و کالت کرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اگر کوئی فریق دھوکے اور فریب اور اپنی چرب زبانی سے عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گا درآں حالیکہ وہ صاحب حق نہ ہو تو ایسے فیصلے کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا خبردار! میں ایک انسان ہی ہوں اور جس طرح میں سنتا ہوں اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک شخص اپنی دلیل و جت پیش کرنے میں تیز طرار اور ہشیار ہو اور میں اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں درآں حالیکہ وہ حق پر نہ ہو اور اس طرح میں دوسرے مسلمان کا حق اسے دے دوں، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔ (صحیح البخاری،

ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، اور وہ ان کے تمام اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

۱۰۹. ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟^(۱)

۱۱۰. اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مہربانی کرنے والا پائے گا۔

۱۱۱. اور جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے^(۲) اور اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے۔

۱۱۲. اور جو شخص کوئی گناہ یا خطا کرے کسی بے گناہ کے ذمہ تھوپ دے، اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔^(۳)

۱۱۳. اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا، مگر

الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

لَهُانِكُمْ هُوَ لَا جَادَ لَكُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ
الْذِّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ
اللَّهُ يَجِدِ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

وَمَنْ يَكْسِبْ اثْمًا فَأَنَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۖ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ اثْمًا لَمْ يَمْرُ بِهِ يَرِيحْنَا
فَقَدْ احْتَكَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۝

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ
طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا

۱. یعنی جب اس گناہ کی وجہ سے اس کا مواخذہ ہو گا تو کون اللہ کی گرفت سے اسے بچا سکے گا؟

۲. اس مضمون کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا تَزِدُْوا زَنْدَةً وَذُنُوبِي﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) یعنی کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہو گا، ہر نفس کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کما کر ساتھ لے گیا ہو گا۔

۳. جس طرح بنو امیرق نے کیا کہ چوری خود کی اور تہمت کسی اور پر دھر دی۔ یہ زجر وتوبیخ عام ہے۔ جو بنو امیرق کو بھی شامل ہے اور ان کو بھی جو ان کی سی بد خصلتوں کے حامل اور ان جیسے برے کاموں کے مرتکب ہوں گے۔

۴. یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لیے فرمایا ہے جو انبیاء پر اللہ کے فضل خاص اور اس کی رحمت خاصہ کا مظہر ہے۔ طائفہ (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنو امیرق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو چوری کے الزام سے بری کر دیں گے، جو فی الواقع چور تھا۔

دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں، یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا^(۱) اور اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔

۱۱۴۔ ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں،^(۲) ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے^(۳) اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے^(۴) اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔^(۵)

أَنفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

۱۔ یہ دوسرے فضل و احسان کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ پر کتاب و حکمت (سنت) نازل فرما کر اور ضروری باتوں کا علم دے کر فرمایا گیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ دُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا لَمَّا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ (الشورى: ۵۲) ”اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف (قرآن لے کر) ایک فرشتہ اپنے حکم سے، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟“ ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا حَمِيمًا مِّنْ رَبِّكَ﴾ (القصص: ۸۶) (اور تجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تجھ پر کتاب اتاری جائے گی، مگر تیرے رب کی رحمت سے) (یہ کتاب اتاری گئی) ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ ﷺ پر فضل و احسان فرمایا اور کتاب و حکمت بھی عطا فرمائی، ان کے علاوہ دیگر بہت سی باتوں کا آپ ﷺ کو علم دیا گیا جن سے آپ ﷺ بے خبر تھے۔ یہ بھی گویا آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے کیونکہ جو خود عالم الغیب ہو، اسے تو کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جسے دوسرے سے معلومات حاصل ہوں، وحی کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

۲۔ نَجْوَىٰ (سرگوشی) سے مراد وہ باتیں ہیں جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف یا ایک دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔

۳۔ یعنی صدقہ خیرات، معروف (جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے) اور اصلاح بین الناس کے بارے میں مشورے، خیر پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ان امور کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔

۴۔ کیونکہ اگر اخلاص (یعنی رضائے الہی کا مقصد) نہیں ہوگا تو بڑے سے بڑا عمل بھی نہ صرف ضائع جائے گا بلکہ وبال جان بن جائے گا۔ نعوذ بالله من الرياء والنفاق۔

۵۔ احادیث میں اعمال مذکورہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بھی احد پہاڑ جتنا ہو جائے گا (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ) نیک بات کی اشاعت بھی بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح رشتے داروں، دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا، بہت بڑا عمل ہے۔ ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ
مَصِيرًا ﴿٥٨﴾

۱۱۵۔ اور جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے،^(۱) اور وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا
دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٥٩﴾

۱۱۶۔ اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے

نفلی صدقات و خیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے۔ فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصَّيَّامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» قَالُوا بَلَىٰ: قَالَ: «إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، -قَالَ-: وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ» (ابوداؤد کتاب الادب، ترمذی، کتاب البر ومسنند أحمد ۴/۳۳۴، ۳۳۵) حتیٰ کہ صلح کرانے والے کو جھوٹ تک بولنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ اسے ایک دوسرے کو قریب لانے کے لیے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا» (صحیح البخاری، کتاب الصلح، مسلم والترمذی، کتاب البر - ابوداؤد، کتاب الادب) ”وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اچھی بات پھیلاتا یا اچھی بات کرتا ہے۔“

۱۔ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی، دین اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان آیات کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ مومنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لیے رسول ﷺ کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر و ضلال ہی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت لیا یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام علماء و فقہاء کا اتفاق۔ یا کسی مسئلے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق، تو بہت سے مسائل میں ملتا ہے یعنی اجماع کی یہ صورت تو ملتی ہے۔ لیکن اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع و اتفاق کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کیے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل بہت ہی کم ہیں۔ جن میں فی الواقع امت کے تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہو۔ تاہم ایسے جو مسائل بھی ہیں، ان کا انکار بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے انکار کی طرح، کفر ہے۔ اس لیے کہ صحیح حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“ (ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة)۔

والا بہت دور کی گراہی میں جا پڑا۔

۱۱۷۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں^(۱) اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔^(۲)

۱۱۸۔ جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے میں مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں گا۔^(۳)

۱۱۹۔ اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا^(۴) اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں،^(۵) اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں،^(۶) سنو جو شخص اللہ کو چھوڑ کر

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنْسَانًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝

لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۝

وَأُفْسِدُ لَهُمْ وَلَا أَمِيدَ لَهُمْ وَلَا مَرْتَبَ لَهُمْ فَلْيَنْبَغْكَ إِذْ أَدَّ الْأَعْلَامُ وَلَا مَرْتَبَ لَهُمْ فَلْيَنْبَغْ لِرَبِّ خَلَقَ اللَّهُ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُبِينًا ۝

۱۔ اِنَاث (عورتیں) سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کے نام مونث تھے جیسے لات، عزیٰ، مناۃ، ناکلہ وغیرہا۔ یا مراد فرشتے ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

۲۔ بتوں، فرشتوں اور دیگر ہستیوں کی عبادت دراصل شیطان کی عبادت ہے۔ کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کے در سے چھڑا کر دوسروں کے آستانوں اور چوکھٹوں پر جھکاتا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

۳۔ مقرر شدہ حصہ سے، مراد وہ نذر و نیاز بھی ہو سکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفون اشخاص کے نام نکالتے ہیں اور جہنیوں کا وہ کوہ بھی ہو سکتا ہے جنہیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔

۴۔ یہ وہ باطل امیدیں ہیں جو شیطان کے وسوسوں اور دخل اندازی سے پیدا ہوتی اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔

۵۔ یہ بحیرہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں۔ مشرکین ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے لیے ان کا کان وغیرہ چیر دیا کرتے تھے۔

۶۔ تَغْيِيرٌ خَلَقَ اللّٰهُ (اللہ کی تخلیق کو بدلنا) کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی جس کا ابھی یہاں ذکر ہوا یعنی کان وغیرہ کاٹنا، پھیرنا، سوراخ کرنا، ان کے علاوہ کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پتھر اور آگ وغیرہ اشیاء مختلف مقاصد کے لیے بنائی ہیں، لیکن مشرکین نے ان کے مقصد تخلیق کو بدل کر ان کو معبود بنالیا۔ یا تغیر کا مطلب تغیر فطرت ہے، یا حلت و حرمت میں تبدیلی ہے۔ وغیرہ۔ اسی تغیر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے آپریشن کر کے انہیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا۔ میک اپ کے نام پر ابروؤں کے بال وغیرہ اکھاڑ کر اپنی صورتوں کو مسخ کرنا اور وشم (یعنی گودنے گدونا) وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ البتہ جانوروں کو اس لیے خصی کرنا کہ ان سے زیادہ انتفاع ہو سکے یا ان کا گوشت زیادہ بہتر ہو سکے یا

شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔
۱۲۰۔ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا، اور سبز باغ دکھاتا رہے گا، (مگر یاد رکھو) شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں۔

۱۲۱۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے، جہاں سے انہیں چھٹکارا نہ ملے گا۔

۱۲۲۔ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، جہاں یہ ابد الآباد رہیں گے، یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟^(۱)

۱۲۳۔ حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے، جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حملیت و مدد، اللہ کے پاس کر سکے۔^(۲)

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَخْرِصًا ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝

لَيْسَ بِأَمَانَةٍ لَهُ وَلَا آمَانٍ أَهْلُ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

اسی قسم کا کوئی اور صحیح مقصد ہو، تو جائز ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خصی جانور قربانی میں ذبح فرمائے ہیں۔ اگر جانور کو خصی کرنے کا جواز نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان کی قربانی نہ کرتے۔

۱۔ شیطانی وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب ہیں لیکن اس کے مقابلے میں اللہ کے وعدے جو اس نے اہل ایمان سے کیے ہیں سچے اور برحق ہیں، اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ سچوں کی بات کو کم مانتا ہے اور جھوٹوں کے پیچھے زیادہ چلتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ شیطانی چیزوں کا چلن عام ہے اور ربانی کاموں کو اختیار کرنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ کم ہی رہے ہیں اور کم ہی ہیں ﴿وَكَلِمَاتٍ مِّنْ جَبَلٍ أَوْ تَنكِحُ﴾ (سبأ: ۱۳) (میرے شکر گزار بندے کم ہی ہیں)۔

۲۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے متعلق بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی خوش فہمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی محض امیدوں اور آرزوؤں سے نہیں ملے گی۔ اس کے لیے تو ایمان اور عمل صالح کی پونجی ضروری ہے۔ اگر اس کے برعکس نامہ اعمال میں برائیاں ہوں گی تو اسے ہر صورت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی، وہاں کوئی ایسا دوست یا مددگار نہیں ہوگا جو برائی کی سزا سے بچا سکے۔ آیت میں اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی سی غلط فہمیوں، خوش فہمیوں اور

وَمَنْ يَعْلَمْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أُولَٰئِكَ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا
يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۴۳﴾

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۴۴﴾

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ
اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۴۵﴾

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ
فِيهِنَّ وَمَا يُثَلِّ عَلَيْكُمُ فِي الْكِتَابِ فِي نَيْمَتِي
النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُولَدْنَ لَهُنَّ مَكْتُبٌ لَهُنَّ
وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الْوِلْدَانِ وَإِنْ تَقُومُوا لِلنِّسَاءِ بِالْقِسْطِ

۱۴۳۔ اور جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال
کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی
گٹھلی کے شکاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔

۱۴۴۔ اور باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے؟ جو اپنے
کو اللہ کے تابع کر دے اور ہو بھی نیکو کار، ساتھ ہی
یکسوئی والے ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کر رہا ہو
اور ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ہے (۱)

۱۴۵۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی
کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔

۱۴۷۔ اور آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت
کرتے ہیں، (۲) آپ کہہ دیجیے کہ خود اللہ ان کے بارے
میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان
یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا
مقرر حق تم نہیں دیتے (۳) اور انہیں اپنے نکاح میں لانے

عمل سے خالی آرزوؤں اور تمنائوں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔ لیکن افسوس مسلمان اس تنبیہ کے باوجود انہیں خام خیالیوں
میں مبتلا ہو گئے جن میں سابقہ امتیں گرفتار ہوئیں۔ اور آج بے عملی اور بد عملی مسلمان کا بھی شعار بنی ہوئی ہے اور اس
کے باوجود وہ امت مرحومہ کہلانے پر مصر ہے۔ هَذَا اللَّهُ تَعَالٰی

۱۔ یہاں کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا جا رہا ہے۔ معیار یہ ہے کہ اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے، محسن بن
جائے اور ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرے اور نمونہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ خلیل
کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح رائج ہو جائے کہ کسی اور کے لیے اس میں جگہ نہ رہے۔
خلیل (بوزن فعیل) بمعنی فاعل ہے جیسے علیم بمعنی عالم اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مفعول ہے۔ جیسے حبیب بمعنی محبوب
اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) یقیناً اللہ کے محب بھی تھے اور محبوب بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (فتح اللہ) نبی ﷺ نے فرمایا ہے
”اللہ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا۔“ (صحیح مسلم، کتاب المہاجر)

۲۔ عورتوں کے بارے میں جو سوالات ہوتے رہتے تھے، یہاں سے ان کے جوابات دیے جا رہے ہیں۔

۳۔ وَمَا يُثَلِّ عَلَيْكُمْ... اس کا عطف اللہ یُفْتِيكُمْ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بابت وضاحت فرماتا ہے اور کتاب اللہ
کی وہ آیت وضاحت کرتی ہیں جو اس سے قبل یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ مراد ہے سورہ نساء کی

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۲۸﴾
 کی رغبت رکھتے ہو^(۱) اور کمزور بچوں کے بارے میں^(۲)
 اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے
 ساتھ کرو۔^(۳) تم جو نیک کام کرو، بے شبہ اللہ اسے پوری
 طرح جاننے والا ہے۔

۱۲۸۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے
 پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس
 میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔^(۴) صلح بہت بہتر چیز ہے، طع

وَأَنَّ امْرَأًا خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ
 إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا
 صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ

آیت: ۳ جس میں ان لوگوں کو اس بے انصافی سے روکا گیا ہے کہ وہ یتیم لڑکی سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے
 شادی تو کر لیتے تھے لیکن مہر مثل دینے سے گریز کرتے تھے۔

۱۔ اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں، ایک تو یہی جو مرحوم مترجم نے کیا ہے، اس میں لفظ ”فی“ مخذوف ہے، اس کا دوسرا ترجمہ
 لفظ ”عن“ مخذوف مان کر کیا گیا ہے یعنی تَرَعَبُونَ عَنْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ”تمہیں ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو“ رغب
 کا صلہ عن آئے تو معنی اعراض اور بے رغبتی کے ہوتے ہیں۔ جیسے ﴿وَمَنْ يُؤْعَبْ عَنْ مِلَّةٍ إِنْجِهَ﴾ (البقرة: ۱۳۰) میں ہے یہ
 گویا دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ یتیم لڑکی بعض دفعہ بد صورت ہوتی تو اس کے ولی یا اس کے ساتھ وراثت میں شریک
 دوسرے ورثاء خود بھی اس کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتے اور کسی دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہ کرتے، تاکہ کوئی اور شخص
 اس کے حصہ جائیداد میں شریک نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی صورت کی طرح ظلم کی اس دوسری صورت سے بھی منع فرمایا۔

۲۔ اس کا عطف ﴿يَتَامَى النِّسَاءُ﴾ پر ہے۔ یعنی ﴿وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ وَفِي الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ
 الْوِلْدَانِ﴾ (یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر جو پڑھا جاتا ہے (سورۃ التلا کی آیت نمبر ۳) اور کمزور بچوں کی بابت جو پڑھا جاتا
 ہے) اس سے مراد قرآن کا حکم ﴿يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَزْوَاجِكُمْ﴾ (النساء: ۱۱) ہے جس میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وراثت
 میں حصہ دار بنایا گیا۔ جب کہ زمانہ جاہلیت میں صرف بڑے لڑکوں کو ہی وارث سمجھا جاتا تھا، چھوٹے کمزور بچے اور
 عورتیں وراثت سے محروم ہوتی تھیں۔ شریعت نے سب کو وارث قرار دیا۔

۳۔ اس کا عطف بھی ﴿يَتَامَى النِّسَاءُ﴾ پر ہے۔ یعنی کتاب اللہ کا یہ حکم بھی تم پر پڑھا جاتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا
 معاملہ کرو۔ یتیم بچی صاحب جمال ہو تب بھی اور بد صورت ہو تب بھی۔ دونوں صورتوں میں انصاف کرو۔ (جیسا کہ تفصیل گزری)

۴۔ خاوند اگر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو ناپسند کرے اور اس سے دور رہنا (نشوز) اور اعراض کرنا معمول بنالے یا ایک سے
 زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی کم خوب صورت بیوی سے اعراض کرے تو عورت اپنا کچھ حق چھوڑ کر (مہر سے
 یا نان و نفقہ سے یا باری سے) خاوند سے مصالحت کر لے تو اس مصالحت میں خاوند یا بیوی پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ صلح
 بہر حال بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سودة بنت النخع نے بھی بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کردی تھی
 جسے نبی ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری ومسلم - کتاب النکاح)

ہر ایک نفس میں شامل کر دی گئی ہے۔^(۱) اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔

۱۲۹۔ اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لیے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لگتی ہوئی نہ چھوڑو^(۲) اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔

۱۳۰۔ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا،^(۳) اور اللہ تعالیٰ

الشَّمُّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲۸﴾

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبْلُغُوا أَكْلَ الْمِيلِ فَتَكُونُوا كَالْمُحَلَقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾

وَأِنْ يَتَفَرَّقَا فَيُغْنِ اللَّهُ كُلَّ مِّن سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾

۱۔ شح بخل اور طمع کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے یعنی ہر نفس اپنے مفاد میں بخل اور طمع سے کام لیتا ہے۔

۲۔ یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محبت، فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عند اللہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے اس کو نہایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ”محبوب بیوی“ کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انہیں معلقہ (درمیان میں لگی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انہیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے ”جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف ہی مائل ہو (یعنی دوسری کو نظر انداز کیے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (یعنی نصف) ساقط ہو گا۔“ (ترمذی، کتاب النکاح)

۳۔ یہ تیسری صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر نہا کی صورت نہ بنے تو پھر طلاق کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی بیوی اور عورت کو مطلوبہ صفات والا مرد مل جائے۔ اسلام میں طلاق کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے «أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ» (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ) ”طلاق حلال تو ہے لیکن یہ ایسا حلال ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے“ اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس لیے کہ

وسعت والا حکمت والا ہے۔

۱۳۱. اور زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بہت بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔

۱۳۲. اور اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کارساز کافی ہے۔

۱۳۳. اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔^(۱)

۱۳۴. جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا ثواب موجود ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

۱۳۵. اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم

وَاللَّهُ مَافِي السَّمُوتِ وَمَافِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ لَئِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَافِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ۝

وَاللَّهُ مَافِي السَّمُوتِ وَمَافِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

إِنْ يَشَاءْ يُدْهِمَكُمْ أَيُّهَذَا النَّاسُ وَآيَاتِ بَآخِرِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ قَدِيرًا ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ

بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ مذکورہ حدیث میں صحت اسناد کے اعتبار سے اگرچہ ضعف ہے تاہم قرآن و سنت کی نصوص سے یہ واضح ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمال کرنا چاہیے جب نباہ کی کوئی صورت کسی طرح بھی نہ بن سکے۔
ملحوظہ: حدیث مذکور (أَبْغَضُ الْحَلَالِ...) کو شیخ آلبنی نے ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل: ۲۰۲۰) تاہم عذر شرعی کے بغیر طلاق کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

۱. یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ و کاملہ کا اظہار ہے جب کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَأَنْ تَتَوَكَّلُوا عَلَى سَيِّدٍ مِمَّا عَزَمَكُمُ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۸) (اگر تم پھرو گے تو وہ تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے)۔

۲. جیسے کوئی شخص جہاد صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے کرے تو کتنی نادانی کی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں کا ثواب عطا فرمانے پر قادر ہے تو پھر اس سے ایک ہی چیز کیوں طلب کی جائے؟ انسان دونوں ہی کا طالب کیوں نہ بنے؟

شَهِدَآءُ اللَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ أَنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا لِلَّهِ أُولَىٰ
بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَلَنْ تُكْلُوا
أَوْ تَعْرِضُوا وَإِنِ اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۸﴾

جانے والے اور خوشنودی مولا کے لیے سچی گواہی دینے
والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں
باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، ^(۱) وہ شخص اگر امیر ہو تو،
اور فقیر ہو تو، دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، ^(۲) اس
لیے تم خواہش نفس کے پیچھے بڑکر انصاف نہ چھوڑ دینا ^(۳) اور
اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی ^(۴) تو جان لو کہ جو کچھ تم

۱۔ اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل وانصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہا ہے چاہے اس کی وجہ
سے انہیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے۔ اس لیے کہ حق سب پر حاکم ہے اور سب پر مقدم ہے۔
۲۔ یعنی کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشہ تمہیں سچی بات کہنے سے روکے
بلکہ اللہ ان دونوں سے تمہارے زیادہ قریب اور مقدم ہے۔

۳۔ یعنی خواہش نفس، عصیت یا بغض تمہیں انصاف کرنے سے نہ روک دے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَتْلَانُ تَوْمٍ عَلَىٰ الْآخَرِ﴾ (المائدہ: ۸) (تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو)۔

۴۔ تَلَوُوا، کیسی سے ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شہادت میں تحریف و تغیر
ہے اور اعراض سے مراد شہادت کا ستمان (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس
آیت میں عدل وانصاف کی تاکید اور اس کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً:
☆ ہر حال میں عدل کرو اس سے سرمو انحراف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اور کوئی اور محرک اس میں رکاوٹ نہ
ہے۔ بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معاون اور دست و بازو بنو۔

☆ صرف اللہ کی رضا تمہارے پیش نظر ہو، کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیل اور ستمان سے گریز کرو گے اور
تمہارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔

☆ عدل وانصاف کی زد اگر تم پر یا تمہارے والدین پر یا دیگر قریبی رشتہ داروں پر بھی پڑے، تب بھی تم پرواہ مت
کرو اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو۔

☆ کسی مال دار کی اس کی تو گری کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف مت کھاؤ کیونکہ وہی
جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟

☆ فیصلے میں خواہش نفس، عصیت اور دشمنی آئے نہیں آتی چاہیے۔ بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لاگ عدل
کرو۔ عدل کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہوگا، وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بابت آتا ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے انہیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تحنیم لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے

کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

۱۳۶۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ^(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

۱۳۷۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے، اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سچائے گا۔^(۲)

۱۳۸۔ منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچادو کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے۔

۱۳۹۔ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں،^(۳) کیا ان کے پاس

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي نَزَّلْنَا عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابَ الَّذِي أَنزَلْنَا مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَدَّوْا كُفْرًا أَمْ يَكُنْ لِلَّهِ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾

يَسِّرُ الْمُنَافِقِينَ إِنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾

إِلَّا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكُفْرَ مِنْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَلْيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْوَعْدَ فَإِنَّ الْوَعْدَ

انہیں رشوت کی پیشکش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں۔ انہوں نے فرمایا ”اللہ کی قسم، میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔“ یہ سن کر انہوں نے کہا ”اسی عدل کی وجہ سے آسمان وزمین کا یہ نظام قائم ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر)

۱۔ ایمان والوں کو ایمان لانے کی تاکید، تحصیل حاصل والی بات نہیں، بلکہ کمال ایمان اور اس پر استقرار و اثبات کا حکم ہے۔ جیسے ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کا مفہوم ہے۔

۲۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد یہود لیے ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کا انکار کیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا بھی انکار کیا اور بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں، چونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا، اس لیے وہ بار بار اپنی مسلمانوں کا ڈھونگ رچاتے تھے بالآخر کفر و ضلالت میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کی ہدایت کی امید منقطع ہو گئی۔

۳۔ جس طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ منافقین کافروں کے پاس جا کر یہی کہتے تھے کہ ہم تو حقیقت میں

لِللّٰهِ جَمِيعًا ۝

عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔^(۱)

۱۴۰. اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو،^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

۱۴۱. یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں، اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللّٰهِ يَكْفُرُ بِهَا وَبِشَتِّهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ ۖ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝

إِذْ يَنْتَرِبُونَ بِكُمْ فَأَنْ كَانَ لَكُمْ فَتْرَةٌ مِنَ اللّٰهِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نُسْتَوْذِعْكُمْ عَلَيْهِمْ وَنَسْعَ لَكُمْ

تمہارے ہی ساتھی ہیں، مسلمانوں سے تو ہم یوں ہی استہزاء کرتے ہیں۔

۱. یعنی عزت، کافروں کے ساتھ موالات و محبت سے نہیں ملے گی، کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت اپنے ماننے والوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ (فاطر: ۱۰) (جو عزت کا طالب ہے، تو (اسے) سمجھ لینا چاہیے کہ) عزت سب کی سب اللہ کے لیے ہے اور فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (المنافقون: ۸) (عزت اللہ کے لیے ہے اس کے رسول کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافق نہیں جانتے) یعنی وہ نفاق کے ذریعے سے اور کافروں سے دوستی کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ درآں حالیکہ یہ طریقہ ذلت و خواری کا ہے، عزت کا نہیں۔

۲. یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں، جہاں آیات الہی کا استہزاء کیا جاتا ہو بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے۔ جیسے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔“ (مسند أحمد جلد ۲۰، جلد ۳ ص ۳۲۹) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا، جن میں اللہ و رسول ﷺ کے احکام کا توڑ یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امراء، فیشن اہل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ اور سالگرہ وغیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے، سخت گناہ ہے۔ ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ﴾ کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کچھ پیٹاری کر دینے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَهُ يُخَفُّ عَلَيْكُمْ قَدَرٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَن يُجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٢٢﴾

مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟^(۱) پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا^(۲) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔^(۳)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ يُخَفِّضُ اللَّهُ لَهُمُ مَّوْجِدًا عَنْهُمْ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرَآؤُونَ النَّاسَ وَلَئِدٌ كَذِبٌ لِّلَّهِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٢٤﴾

۱۲۲۔ بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے^(۴) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کابلی کی حالت میں^(۵) کھڑے

۱۔ یعنی ہم تم پر غالب آنے لگے تھے لیکن تمہیں اپنا ساتھی سمجھ کر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ مطلب یہ کہ تمہیں غلبہ ہماری اس دوغلی پالیسی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے۔ جو ہم نے مسلمانوں میں ظاہری طور پر شامل ہو کر اپنا رکھی۔ لیکن درپردہ ان کو نقصان پہنچانے میں ہم نے کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی تاآنکہ تم ان پر غالب آگئے۔ یہ منافقین کا قول ہے جو انہوں نے کافروں سے کہا۔

۲۔ یعنی دنیا میں تم نے دھوکے اور فریب سے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان باطنی جذبات و کیفیات کی روشنی میں ہوگا جنہیں تم سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں کو بھی خوب جانتا ہے اور پھر اس پر جو وہ سزا دے گا تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں منافقت اختیار کر کے نہایت خسارے کا سودا کیا تھا، جس پر جہنم کا دائمی عذاب بھگتنا ہوگا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

۳۔ یعنی غلبہ نہ دے گا۔ اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) اہل اسلام کا یہ غلبہ قیامت کے دن ہوگا۔ (۲) حجت اور دلائل کے اعتبار سے کافر مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے۔ (۳) کافروں کا ایسا غلبہ نہیں ہوگا کہ مسلمان کی دولت و شوکت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے ہی محو ہو جائیں۔ ایک حدیث صحیح سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ (۴) جب تک مسلمان اپنے دین کے عامل، باطل سے غیر راضی اور منکرات سے روکنے والے رہیں گے، کافر ان پر غالب نہ آسکیں گے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں کہ ”یہ سب سے عمدہ معنی ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کافران ہے۔ ﴿وَمَا آصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيَاتُكُمْ﴾ (الشوریٰ: ۳۰) اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، سو تمہارے اپنے فعلوں کی وجہ سے (فتح اللہ) گویا مسلمانوں کی مغلوبیت ان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔

۴۔ اس کی مختصر توضیح سورہ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔

۵۔ نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور اشرف ترین فرض ہے اور اس میں بھی وہ کابلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خشیت الہی اور خلوص سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عشاء اور فجر کی نماز بطور خاص ان پر بہت بھاری تھی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے ﴿اَثْقُلُ الصَّلَاةُ عَلَى الْمُتَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ﴾ (صحیح البخاری،

ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں،^(۱) اور یاد الہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔^(۲)

۱۴۳۔ وہ درمیان میں ہی معلق ڈنگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف^(۳) اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا۔

۱۴۴۔ اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو۔^(۴)

۱۴۵۔ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے،^(۵) ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے۔

مُّذَنَّبَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَكَانَ تَجْدَلَهُ سَبِيلًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَمْرٌ يَكْبُرُ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝

مواقیت الصلوٰۃ - صحیح مسلم، کتاب المساجد "منافق پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے زیادہ بھاری ہے۔"

۱۔ یہ نماز بھی وہ صرف ریاکاری اور دکھاوے کے لیے پڑھتے تھے، تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

۲۔ اللہ کا ذکر تو برائے نام کرتے ہیں یا نماز مختصر سی پڑھتے ہیں اُی لَا یُصَلُّونَ إِلَّا صَلَوةً قَلِیْلَةً جب نماز اخلاص، خشیت الہی اور خشوع سے خالی ہو تو اطمینان سے نماز کی ادائیگی نہایت گراں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ﴿وَاللَّهِ الْكَبِيرُ﴾ (الدعٰی الخاشعین) (البقرہ: ۳۵) سے واضح ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا "یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (یعنی غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے....." (صحیح مسلم، کتاب المساجد - موطأ، کتاب القرآن)

۳۔ کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مومنوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہر اُ و باطناً وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہر ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر و ایمان کے درمیان متحیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے "منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو جفتی کے لیے دو ریوڑوں کے درمیان متدد رہتی ہے، (بکرے کی تلاش میں) کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی دوسرے کی طرف" (صحیح مسلم، کتاب المنافقین)

۴۔ یعنی اللہ نے تمہیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمہیں بھی سزا دے سکے (یعنی معصیت الہی اور حکم عدولی کی وجہ سے)۔

۵۔ جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہاویۃ کہلاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا منافقین کی مذکورہ عادات و صفات سے ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ
وَاخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ
وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۵﴾

مَا يَعْصِلُ اللَّهُ بِعَدَايِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ
وَأَمَّنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿۶﴾

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا
مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَبِيعًا عَلِيمًا ﴿۷﴾

۱۳۶. ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، (۱) اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا۔

۱۳۷. اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور با ایمان رہو، (۲) اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔ (۳)

۱۳۸. برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے (۴) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے۔

۱. یعنی منافقین میں سے جو ان چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا، وہ جہنم میں جانے کے بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوگا۔

۲. شکر گزاری کا مطلب ہے اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا۔ یہ گویا اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ہے اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید و ربوبیت پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔

۳. یعنی جو اس کا شکر کرے گا، وہ قدر کرے گا، جو دل سے ایمان لائے گا، وہ اس کو جان لے گا اور اس کے مطابق وہ بہترین جزاء سے نوازے گا۔

۴. شریعت نے تاکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچا نہ کرو، بلکہ تنہائی میں اس کو سنبھالو، الا یہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاعلان برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب ویسے ہی ممنوع ہے، چاہے پردے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے برسر عام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے اور اس کی وجہ سے اس برائی کا جرم دو چند، بلکہ وہ چند بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ مذکورہ دونوں قسم کی برائیوں کے اظہار سے ممانعت کو شامل ہیں اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو اس کی کردہ یا ناکردہ حرکت پر برا بھلا کہا جائے۔ البتہ اس سے ایک استثناء ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کر سکتے ہو۔ جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید وہ ظلم سے باز آجائے یا اس کی تلافی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے میرا پڑوسی ایذا دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ”تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو“ اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا، وہ پڑوسی کے ظالمانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر گزرنے والا اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑوسی نے یہ صورت حال دیکھ کر معذرت کر لی اور آئندہ کے لیے ایذا نہ پہنچانے کا فیصلہ کر لیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی التجا کی۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الأدب)

۱۴۹۔ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ، یا کسی برائی سے درگزر کرو،^(۱) پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

۱۵۰۔ بے شک جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں۔

۱۵۱۔ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں،^(۲) اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

۱۵۲۔ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ ہیں جنہیں اللہ ان کا پورا ثواب دے گا^(۳) اور

إِنَّ يُبْدُ وَأَخْبَرًا وَأَعْفُوًا عَنْ سَوْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًا قَدِيرًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرُهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

۱۔ کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم یا برائی کا ارتکاب کرے تو شریعت نے اس حد تک بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جس حد تک اس پر ظلم ہوا ہے۔ اَلْمُسْتَبَانَ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن السبب حدیث: ۲۵۸۷) ”آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص جو کچھ کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے (شرطیکہ) مظلوم (یعنی جسے پہلے گالی دی گئی اور اس نے جواب میں گالی دی) زیادتی نہ کرے۔“ لیکن بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ معافی اور درگزر کو زیادہ پسند فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود باوجود قدرت کاملہ کے عفو و درگزر سے کام لینے والا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ فَبَيْنَ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴿۲۰﴾ (برائی کا بدلہ، اسی کے مثل برائی ہے، مگر جو درگزر کرے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے) اور حدیث میں بھی ہے ”معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔“ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع)

۲۔ اہل کتاب کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بعض نبیوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں۔ جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسائیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے والے یہ کچے کافر ہیں۔

۳۔ یہ ایمانداروں کا شیوہ بتلایا کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ہیں کہ وہ کسی بھی نبی کا انکار نہیں

اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

۱۵۳۔ آپ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائیں،^(۱) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی کہ ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے، پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑا کے کی بجلی آپڑی پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھی انہوں نے منجھڑے کو اپنا معبود بنالیا، لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرمایا اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کھلا غلبہ (اور صریح دلیل) عنایت فرمائی۔

۱۵۴۔ اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لاکھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سے سخت قول و قرار لیے۔

۱۵۵۔ (یہ سزا تھی) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے،^(۲) اور اس سبب سے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حالانکہ دراصل ان

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُخِزَّهُمْ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ الْكَبِيرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرَأَيْتَ اللَّهُ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الضُّعْفَةُ يُظْلِمُهُمْ ثُمَّ اخْتَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ ثُمَّ الْبَيْتُ فَعَقَبْنَا عَنْهُمْ ذَلِكَ وَالتَّبِئْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿١٥٤﴾

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بُيُوتًا لَهُمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٥﴾

فِيمَا نَقَضَهُمْ مِيثَاقَهُمْ وَكَفَرَهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلَهُمُ الرُّسُلَ بَعْدَ حَقِّ قَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كُفْرَهُمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٦﴾

کرتے۔ اس آیت سے بھی ”وحدت ادیان“ کی نفی ہوتی ہے جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ ان غیر مسلموں کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اگر اس آخری رسالت کا انکار ہوگا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ غیر معتبر اور نامقبول ہے۔ (مزید دیکھیے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ کا حاشیہ)

۱۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کوہ طور پر گئے اور تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے، اسی طرح آپ بھی آسمان پر جا کر لکھا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں۔ یہ مطالبہ محض عناد، جھوٹ اور تعنت کی بنا پر تھا۔

۲۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی فَيَنْقُضُهُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ یعنی ہم نے ان کے نقض میثاق، کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء وغیرہ کی وجہ سے ان پر لعنت کی یا سزا دی۔

کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے، اس لیے یہ قدرے قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔
 ۱۵۶۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم (علیہا السلام) پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث^(۱)۔

۱۵۷۔ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا^(۲) بلکہ ان کے لیے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کا شبیہ بنادیا گیا تھا۔^(۳) یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے^(۴) اتنا

وَيَكْفُرُ بِهِمْ وَيُؤْتِيهِمْ عَلَى مَرِيَمَ بَهْتًا كَافًا عَظِيمًا

وَقَوْلُهُمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظُّلُمِ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا

۱۔ اس سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت ہے۔ آج بھی بعض نام نہاد محققین اس بہتان عظیم کو ایک ”حقیقت ثابتہ“ باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف نجار (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے معجزانہ ولادت کا بھی انکار کرتے ہیں۔
 ۲۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے نہ سولی چڑھانے میں۔ جیسا کہ ان کا منصوبہ تھا۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت: ۵۵ کے حاشیے میں مختصر تفصیل گزر چکی ہے۔

۳۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے حواریوں کو جن کی تعداد ۱۲ یا ۱۷ تھی، جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل و صورت میری جیسی بنادی جائے۔ ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے آسمان پر اٹھالیا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انہوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھادیا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا گیا تھا۔ یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے درآں حالیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے وہ زندہ جسم غصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے۔ (ابن کثیر، فتح القدیر)
 ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو قتل کرنے کے بعد ایک گروہ تو یہی کہتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا، جب کہ دوسرا گروہ جسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مصلوب شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں، کوئی اور ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب ہونے کا انکار کرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خود عیسائیوں کے نطوریہ فرقہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم

یعنی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا۔

۱۵۸۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا^(۱) اور اللہ

بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے۔^(۲)

۱۵۹۔ اور اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت

عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے^(۳)

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

وَأَنَّ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا كَفُورًا مِّنْهُ قَبْلَ مَوْتِهِ
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ سَهِيلًا ۝

کے لحاظ سے تو سولی دے دیے گئے لیکن لاہوت (خداوندی) کے اعتبار سے نہیں۔ مگر یہ فرقہ نے کہا کہ یہ قتل و صلب ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے مکمل طور پر ہوا ہے (فتح القدیر) بہر حال وہ اختلاف، تردد اور شک کا شکار رہے۔

۱۔ یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور متواتر صحیح احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہ احادیث حدیث کی تمام کتابوں کے علاوہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی وارد ہیں۔ ان احادیث میں آسمان پر اٹھائے جانے کے علاوہ قیامت کے قریب ان کے نزول کا اور دیگر بہت سی باتوں کا تذکرہ ہے۔ امام ابن کثیر یہ تمام روایات ذکر کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں ”پس یہ احادیث رسول ﷺ سے متواتر ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابو امامہ، نواس بن سمعان، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، مجب بن جاریہ، ابی صرہ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان احادیث میں آپ کے نزول کی صفت اور جگہ کا بیان ہے، آپ (علیہ السلام) دمشق میں منارہ شرقیہ کے پاس اس وقت اتریں گے جب فجر کی نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہوگی۔ آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑیں گے، جزیہ معاف کر دیں گے، ان کے دور میں سب مسلمان ہو جائیں گے، دجال کا قتل بھی آپ کے ہاتھوں سے ہوگا اور یاجوج ماجوج کا ظہور و فساد بھی آپ کی موجودگی میں ہوگا، بالآخر آپ ہی کی بد دعا سے ان کی ہلاکت واقع ہوگی۔“

۲۔ وہ زبردست اور غالب ہے، اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو اس کی پناہ میں آجائے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ جو فیصلہ بھی کرتا ہے، حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۳۔ قَبْلَ مَوْتِهِ میں ”ہ“ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک اہل کتاب (نصرانی) ہیں اور مطلب یہ کہ ہر عیسائی موت کے وقت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آتا ہے۔ گو موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کا دوبارہ دنیا میں نزول ہوگا اور وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے تو اس وقت جتنے یہودی اور عیسائی ہوں گے ان کو بھی قتل کر ڈالیں گے اور روئے زمین پر مسلمان کے سوا کوئی اور باقی نہ بچے گا اس طرح اس دنیا میں جتنے بھی اہل کتاب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے والے ہیں وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے پہلے ان پر ایمان لاکر اس دنیا سے گزر چکیں گے۔ خواہ ان کا ایمان کسی بھی ڈھنگ کا ہو۔ صحیح احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور ایک وقت آئے گا کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل بن کر نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر

اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔^(۱)

۱۶۰۔ جو نفیس چیزیں یہودیوں کے لیے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث۔^(۲)

۱۶۱۔ اور سود جس سے منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

۱۶۲۔ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں^(۳) اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں^(۴) اور زکوٰۃ کے ادا کرنے

مِظْلَمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَزَمْنَا عَلَيْهِمُ طُبَاتٍ
أُجِلَتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۝

وَآخِذْهُمْ بِالْزُيُورِ وَقَدْ نُهُوا عَنْهُمُ أَعْمَالِ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا ۝

لَكِنَّ الرُّسُلَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ
يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَالْمُؤْمِنِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھادیں گے اور مال کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (یعنی صدقہ خیرات لینے والا کوئی نہیں ہوگا) حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔“ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو ﴿وَلَمِّنْ أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَكَ مِنْهُمْ﴾ (صحیح البخاری - کتاب الانبیاء) یہ احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ انہیں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور انہی متواتر صحیح روایات کی بنیاد پر اہل سنت کے تمام مکاتب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں ان کا نزول ہوگا اور دجال کا اور تمام ادیان کا خاتمہ فرما کر اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ یاجوج ماجوج کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی موجودگی میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہی اس فتنے کا بھی خاتمہ ہوگا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔

۱۔ یہ گواہی اپنی پہلی زندگی کے حالات سے متعلق ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ ماندہ کے آخر میں وضاحت ہے ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا كُنتُمْ فِيهِمْ﴾ (میں جب تک ان میں موجود رہا، ان کے حالات سے باخبر رہا)۔

۲۔ یعنی ان کے ان جرائم و معاصی کی وجہ سے بطور سزا بہت سی حلال چیزیں ہم نے ان پر حرام کر دی تھیں۔ (جن کی تفصیل سورۃ الانعام: ۱۴۶ میں ہے)

۳۔ ان سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

۴۔ ان سے مراد بھی وہ اہل ایمان ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے یا پھر مہاجرین و انصار مراد ہیں۔ یعنی شریعت کا پختہ علم رکھنے والے اور کمال ایمان سے متصف لوگ ان معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔

والے ہیں^(۱) اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں^(۲) یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے اجر عطا فرمائیں گے۔

۱۶۳۔ یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور یوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف^(۳) اور ہم نے داود (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

۱۶۴۔ اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں^(۴) اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے^(۵) اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ

اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَالنَّبِيِّیْنَ
مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ
وَاسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاِسْبَاطَ وَعِیْسٰی
وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسَلٰمَیْنَ وَاتِّمٰنَا
دَاوُدَ زُکُوْرًا ۝

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا
لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی
تَحْلِیْمًا ۝

۱۔ اس سے مراد زکوٰۃ اموال ہے یا زکوٰۃ نفوس یعنی اپنے اخلاق و کردار کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنا، یا دونوں ہی مراد ہیں۔
۲۔ یعنی اس بابت پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نیز بعث بعد الموت اور عملوں پر جزاء و سزا کا یقین رکھتے ہیں۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا اور یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و رسالت سے بھی انکار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) جس میں مذکورہ قول کا رد کرتے ہوئے رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات کیا گیا ہے۔

۴۔ جن نبیوں اور رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تعداد ۲۴ یا ۲۵ ہے۔
(۱) آدم (۲) ادریس (۳) نوح (۴) ہود (۵) صالح (۶) ابراہیم (۷) لوط (۸) اسماعیل (۹) اسحاق (۱۰) یعقوب (۱۱) یوسف (۱۲) ایوب (۱۳) شعیب (۱۴) موسیٰ (۱۵) ہارون (۱۶) یونس (۱۷) داود (۱۸) سلیمان (۱۹) الیاس (۲۰) الیسع (۲۱) زکریا (۲۲) یحییٰ (۲۳) عیسیٰ (۲۴) ذوالکفل (۲۵) اکثر مفسرین کے نزدیک (۲۶) حضرت محمد صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

۵۔ جن انبیاء اور رسل کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے، ان کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے ایک لاکھ ۲۴ ہزار اور ایک حدیث میں ۸ ہزار تعداد بتلائی گئی ہے۔ لیکن یہ روایات سخت ضعیف ہیں۔ قرآن و حدیث سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار و حالات میں مبشرین و منذرین (انبیاء) آتے رہے ہیں۔ بالآخر یہ سلسلہ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا گیا۔ آپ سے پہلے کتنے نبی آئے؟ ان کی صحیح تعداد اللہ کے سوا کوئی

تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔^(۱)

۱۶۵۔ ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے^(۲) تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔^(۳) اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔

۱۶۶۔ جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔

۱۶۷۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے۔

۱۶۸۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔^(۴)

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

لَٰكِنَ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا كَبِيرًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَجِدَ لَهُمْ طَرِيقًا ۝

نہیں جانتا تاہم آپ ﷺ کے بعد جتنے بھی دعوے داران نبوت ہو گزرے یا ہوں گے، سب کے سب دجال اور کذاب ہیں اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے دائرۃ اسلام سے خارج ہیں اور امت محمدیہ سے الگ ایک متوازی امت ہیں۔ جیسے امت بابیہ، بہائیہ اور امت مرزائیہ وغیرہ۔ اسی طرح مرزا قادیانی کو مسیح موعود ماننے والے لاہوری مرزائی بھی۔

۱۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیاء سے ممتاز ہیں۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت کی رو سے امام ابن کثیر نے اس صفت ہم کلامی میں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کو بھی شریک مانا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر زیر آیت ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَتَلَّهَا نَفْسُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾)۔

۲۔ ایمان والوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور کافروں کو اللہ کے عذاب اور بھڑکتی ہوئی جہنم سے ڈرانا۔
۳۔ یعنی نبوت یا انذار و تبشیر کا یہ سلسلہ ہم نے اس لیے قائم فرمایا کہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ وَعَدَّآئِنَا مِنْ قَبْلِهِ لَنَلَاؤُا رَبَّنَا وَلَوْلَا رَحْمَتُ رَبِّنَا لَسَوْا مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (طہ: ۱۳۳) (اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے سے) پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پیشتر تیری آیت کی پیروی کر لیتے)۔

۴۔ کیونکہ مسلسل کفر اور ظلم کا ارتکاب کر کے، انہوں نے اپنے دلوں کو سیاہ کر لیا ہے جس سے اب ان کی ہدایت و مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

۱۶۹۔ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔

۱۷۰۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آگیا ہے، پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لیے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے،^(۱) اور اللہ دانا ہے حکمت والا ہے۔

۱۷۱۔ اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ^(۲) اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو، مسیح

الْأَطْرَافِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ وَأَنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷۰﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى

۱۔ یعنی تمہارے کفر سے اللہ کا کیا بگڑے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ﴿إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَأِنَّ اللَّهَ لَخَبِيرٌ غَنِيٌّ﴾ (ابراہیم: ۸) (اگر تم اور روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب کفر کا راستہ اختیار کریں تو وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بے پروا تعریف کیا گیا ہے)۔ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمہارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا فرمانبردار ہو تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔“ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظلم)

۲۔ غُلُو کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہ انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے، معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نوازیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۱) (انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا)۔ یہ رب بنانا حدیث کے مطابق، ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ دران حالیکہ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ حق بھی اپنے علماء وغیرہ کو دے دید۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلو سے منع فرمایا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا۔ «لَا تُطْرَفُونِي كَمَا أَطَرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ؛ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ» (صحیح بخاری - کتاب الانبياء مسند

ابْنُ مَرْجٍ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةُ الْفَهْمِ إِلَى مَرْجٍ
وَرَوْحٌ مِنْهُ فَأَمَرُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا
ثَلَاثَةً إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا إِلَهُ اللَّهِ إِلَهُ وَاحِدٌ
سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور
اس کے کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں جسے مریم (علیہا السلام)
کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں (۱) اس
لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو
کہ اللہ تین ہیں (۲) اس سے باز آجاؤ کہ تمہارے لیے
بھتری ہے، اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے
اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے
ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔
اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا
الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ

۱۷۲. مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار
یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں

احمد جلد ۱ صفحہ ۲۳ اور دیکھیے صفحہ ۱۵۳) ”تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بڑھایا،
میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا“ لیکن افسوس امت محمدیہ اس کے باوجود بھی اس
غلو سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو خدائی
صفات سے متصف ٹھہرا دیا جو دراصل عیسائیوں کا وطیرہ تھا۔ اسی طرح علماء و فقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر ماننے کے
بجائے ان کو شارح (شرعیات سازی کا اختیار رکھنے والے) بنادیا ہے۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سچ فرمایا نبی ﷺ نے
«لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَدُّو النُّعْلَ بِالنُّعْلِ» ”جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، بالکل
اسی طرح تم پہچلی اتوں کی پیروی کرو گے“ یعنی ان کے قدم بہ قدم چلو گے۔

۱. کَلِمَةُ اللَّهِ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کُنْ سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے
سے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچایا گیا۔ روح اللہ کا مطلب وہ نَفْخَةُ (پھونک) ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے حکم
سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکا، جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نفخہ کے قائم مقام کر دیا۔ یوں عیسیٰ علیہ السلام اللہ
کا کلمہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح ہیں، جسے لے کر جبریل علیہ السلام مریم علیہا السلام
کی طرف بھیجے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲. عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ پھر جو
اللہ مانتے ہیں وہ أَقَانِيْمٌ ثَلَاثَةٌ (تین خداؤں) کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثالث ثلاثہ (تین سے ایک) ہونے کے قائل
ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تین خدا کہنے سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔

کو،^(۱) اور اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے، اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا۔

۱۷۳۔ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شانستہ اعمال کیے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا^(۲) اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا،^(۳) انہیں المناک عذاب دے گا^(۴) اور وہ اپنے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی، اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے۔

۱۷۴۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آچنی^(۵) اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ہے۔^(۶)

۱۷۵۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا، انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا۔

عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرُ فَسَيَحْشُرُهُمُ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿٥٠﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفَوا وَاسْتَغْبَرُوا فَيَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٥١﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿٥٢﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۖ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٥٣﴾

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بعض لوگوں نے فرشتوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس سے انہیں قطعاً کوئی انکار نہیں ہے۔ تم انہیں اللہ یا اس کی الوہیت میں شریک کس بنیاد پر بناتے ہو؟

۲۔ بعض نے اس ”زیادہ“ سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا فرمائے گا، یہ اذن شفاعت پاکر جن کی بابت اللہ چاہے گا یہ شفاعت کریں گے۔

۳۔ یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت سے رکے رہے اور اس سے انکار و تکبر کرتے رہے۔

۴۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخْرًا﴾ (المؤمن: ۶۰) (بے شک جو لوگ میری عبادت سے استکبار (انکار و تکبر) کرتے ہیں، یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)۔

۵۔ برہان، ایسی دلیل قاطع، جس کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش نہ رہے اور ایسی حجت جس سے ان کے شبہات زائل ہو جائیں، اسی لیے آگے اسے نور سے تعبیر فرمایا۔

۶۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔ ضلالت کی پگھلندوں میں صراط مستقیم اور جبل اللہ المتین ہے۔ پس اس کے مطابق ایمان لانے والے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَامَةِ إِنَّ
أَمْرًا هَكَذَا كَيْسَ لَهُ وَلَكَ أَثَمٌ فَلَهَا
يُضْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِيهَا إِنْ كَرِهْتَ لَهَا وَلَدًا
فَإِنْ كَانَتْ أَثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلُوكُ وَمَا تَرَكَ وَلَدًا
كَانُوا إِخْوَةً رَجَاءً لَآؤُسَاءً فَلِلَّذِي كَرِهْتَ حَقَّ
الْأُنثَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضْلُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ
السَّيِّئَ عَلَيْهِ ۝

۱۷۶. آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلامہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے^(۱) اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہ ہو۔^(۲) پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا۔^(۳) اور اگر کئی شخص اس ناطے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے،^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

۱. کَلَامَۃ کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ ہو نہ بیٹا۔ یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کلامہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کا صرف بیٹا نہ ہو۔ یعنی باپ موجود ہو، لیکن یہ صحیح نہیں۔ کلامہ کی پہلی تعریف ہی صحیح ہے۔ کیونکہ باپ کی موجودگی میں بہن سرے سے وارث ہی نہیں ہوتی۔ باپ اس کے حق میں حابج بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر اس کی بہن ہو تو وہ اس کے نصف مال کی وارث ہوگی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلامہ وہ ہے کہ بیٹے کے ساتھ جس کا باپ بھی نہ ہو۔ یوں بیٹی کی نفی تو نص سے ثابت ہے اور باپ کی نفی اشارۃ النص سے ثابت ہو جاتی ہے۔

ملفوظ: بیٹے سے مراد بیٹا اور پوتا دونوں ہیں۔ اسی طرح بہن سے مراد سگی بہن یا علاقائی (باپ شریک) بہن ہے (ابن القایم) احادیث سے ثابت ہے کہ کلامہ کی بہن کے ساتھ بیٹی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف اور بیٹی اور پوتی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس (چھٹا حصہ) اور بہن کو باقی یعنی ثلث دیا گیا۔ (فتح القدیر وابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اولاد موجود ہو تو بہن کو بحیثیت ذوی الفروض کچھ نہیں ملے گا۔ اب اگر وہ اولاد بیٹا ہو تو کسی اور حیثیت سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر بیٹی ہو تو بہن اس کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی اور مَبَاقِیٰ لے لے گی۔ یہ مَبَاقِیٰ ایک بیٹی کی موجودگی میں نصف اور ایک سے زائد کی موجودگی میں ثلث ہوگا۔

۲. اسی طرح باپ بھی نہ ہو۔ اس لیے کہ باپ، بھائی سے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کلامہ عورت کا خاوند یا کوئی ماں جایا بھائی ہو گا تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔ (ابن کثیر) ۳. یہی حکم دو سے زائد بہنوں کی صورت میں بھی ہوگا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کلامہ شخص کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو انہیں کل مال کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

۴. یعنی کلامہ کے وارث مخلوط (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ”ایک مرد دو عورت کے برابر“ کے اصول پر ورثے کی تقسیم ہوگی۔

سورۃ مائدہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو بیس آیتیں اور
سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ أُحْضِرْتُمْ
لَكُمْ بَهِيمَةَ الْأَنْعَامِ ۚ لَكُمْ عَلَيْكُمْ عَيْدٌ يَوْمَ
الْحَيْثُ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِشَعَائِرِ اللَّهِ
وَلَا تَتَّبِعُوا الْأَنْعَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو، ^(۱) تمہارے
لیے موبشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں ^(۲) بجز ان کے جن
کے نام پڑھ کر سنا دیے جائیں گے ^(۳) مگر حالت احرام
میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا، یقیناً اللہ جو چاہے
حکم کرتا ہے۔

۲. اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی
نہ کرو ^(۴) نہ ادب والے مہینوں کی ^(۵) نہ حرم میں قربان

۱. عُقُودٌ عَقْدٌ کی جمع ہے، جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں۔ اس کا استعمال کسی چیز میں گرہ لگانے کے لیے بھی ہوتا
ہے اور پختہ عہد و پیمان کرنے پر بھی۔ یہاں اس سے مراد احکام الہی ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو مکلف ٹھہرایا ہے اور
وہ عہد و پیمان و معاملات بھی ہیں جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ دونوں کا ایفاء ضروری ہے۔

۲. بَہِيمَةُ چوپائے (چار ٹانگوں والے جانور) کو کہا جاتا ہے۔ اس کا مادہ بَہِمٌ، اِنْهَامُ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی گفتگو اور
عقل و فہم میں چونکہ ابہام ہے، اس لیے ان کو بَہِيمَةُ کہا جاتا ہے۔ اَنْعَامٌ اونٹ، گائے، بکری اور بھیر کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان
کی چال میں نرمی ہوتی ہے۔ یہ بَہِيمَةُ الْأَنْعَامِ نر اور مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہیں، جن کی تفصیل سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۳
میں آئے گی علاوہ ازیں جو جانور وحشی کہلاتے ہیں مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ، جن کا عموماً شکار کیا جاتا ہے، یہ بھی حلال ہیں۔
البتہ حالت احرام میں ان کا اور دیگر پرندوں کا شکار ممنوع ہے۔ سنت میں بیان کردہ اصول کی رو سے جو جانور دُونَاب اور
جو پرندے دُوْ مِخْلَب نہیں ہیں، وہ سب حلال ہیں، جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۷۳ کے حاشیے میں تفصیل گزر چکی ہے۔
دُونَاب کا مطلب ہے وہ جانور جو اپنے کچلی کے دانت سے اپنا شکار پکڑتا ہو اور پیرتا ہو، مثلاً شیر، چیتا، کتا، بھیدیا وغیرہ اور دُوْ
مِخْلَب کا مطلب ہے وہ پرندہ جو اپنے پنجے سے اپنا شکار چھینتا پکڑتا ہو۔ مثلاً شکرہ، باز، شایین، عقاب وغیرہ۔

۳. ان کی تفصیل آیت نمبر ۳ میں آ رہی ہے۔

۴. شَعَائِرٌ، شَعْبِرَةٌ کی جمع ہے، اس سے مراد حرمت اللہ ہیں (جن کی تعظیم و حرمت اللہ نے مقرر فرمائی ہے) بعض نے
اسے عام رکھا ہے اور بعض کے نزدیک یہاں حج و عمرے کے مناسک مراد ہیں یعنی ان کی بے حرمتی اور بے توقیری نہ
کرو۔ اسی طرح حج و عمرے کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ بھی مت بنو، کہ یہ بھی بے حرمتی ہی ہے۔

۵. اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ ﴿اَلشَّهْرُ﴾ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ یعنی حرمت والے چاروں مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ

وَلَا إِلَيْنَ الْمَبِيتُ الْحَرَامُ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ
وَرِضْوَانًا ۖ وَإِذْ أَحْلَلْتُمْ فَأَصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجِزُ مِنْكُمْ
شَتَانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوا عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
أَن لَّعَنُوا ۚ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَلَتَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ہونے والے اور پٹے پہنائے گئے جانوروں کی جو کعبہ کو
جار ہے ہوں^(۱) اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد
سے اپنے رب تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی
نیت سے جار ہے ہوں،^(۲) ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو
شکار کھیل سکتے ہو،^(۳) جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام
سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ
کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ،^(۴) نیکی اور پرہیزگاری میں
ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی
میں مدد نہ کرو،^(۵) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک

اور محرم کی حرمت برقرار رکھو اور ان میں قتال مت کرو۔ بعض نے اس سے صرف ایک مہینہ یعنی ماہ ذوالحجہ (حج کا
مہینہ) مراد لیا ہے۔ بعض نے اس حکم کو ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ (التوبة: ۵) سے منسوخ مانا ہے۔ مگر اس کی
ضرورت نہیں۔ دونوں احکام کے اپنے اپنے دائرے ہیں، جن میں تعارض نہیں۔

۱. ہڈی ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی حرم میں قربان کرنے کے لیے ساتھ لے جاتے تھے۔ فَلَا تُذْ قِلَادَةً کی جمع
ہے جو گلے کے پٹے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کیے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے۔
جن کے گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پٹے ڈال دیے جاتے تھے پس قِلَادَة سے مقصود وہی جانور ہوئے
جنہیں حرم لے جایا جاتا تھا۔ یہ ہدی کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھینا جائے نہ ان
کے حرم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

۲. یعنی حج و عمرے کی نیت سے یا تجارت و کاروبار کی غرض سے حرم جانے والوں کو مت روکو نہ انہیں تنگ کرو۔
بعض مفسرین کے نزدیک یہ احکام اس وقت کے ہیں جب مسلمان اور مشرک اکٹھے حج و عمرہ کرتے تھے۔ لیکن جب
آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عِلْمِهِمْ بِهَذَا﴾ (التوبة: ۲۸) (مشرکین تو پلید
ہیں، پس اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں) نازل ہوگئی، تو مشرکین کی حد تک یہ حکم منسوخ ہو گیا۔
بعض کے نزدیک یہ آیت محکم یعنی غیر منسوخ ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ (فتح القدیر)

۳. یہاں امر اباحت یعنی جواز بتلانے کے لیے ہے۔ یعنی جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنا تمہارے لیے جائز ہے۔

۴. یعنی گو تمہیں ان مشرکین نے ۶ ہجری میں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ
سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی حلم اور عفو کا سبق دیا جا رہا ہے۔

۵. یہ ایک نہایت اہم اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ جو ایک مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش
مسلمان اس اصول کو اپنائیں۔

اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

۳. تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو^(۱) اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو^(۲) اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو^(۳) اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو^(۴) اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو^(۵) اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو^(۶) لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں^(۷) اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو^(۸) اور

حُرِّمَتْ عَلَيْكَ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَحُمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلُ الْبَيْتِ لِلَّهِ بِهِ وَالْمُنْتَفِقَةُ وَالْمُؤَفَّقَةُ وَالْمُتَرَدِّبَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّنَعُ إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ تَعَوَّذُ بِرَبِّ عَلَى النَّصَبِ وَإِنْ تَشَقَّقُوا بِالْأَذْكَارِ ذَلِكَ فَسَقُ الْيَوْمِ يَسُ الْذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاحْشَوْا الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ

۱. یہاں سے ان محرمات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کا حوالہ سورت کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ آیت کا اتنا حصہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (دیکھئے آیت نمبر ۱۷۳)

۲. گلا کوئی شخص گھونٹ دے یا کسی چیز میں پھنس کر خود گلا گھٹ جائے۔ دونوں صورتوں میں مردہ جانور حرام ہے۔
۳. کسی نے پتھر، لاشی یا کوئی اور چیز ماری جس سے وہ بغیر ذبح کیے مر گیا۔ زمانہ جاہلیت میں ایسے جانوروں کو کھالیا جاتا تھا۔ شریعت نے منع کر دیا۔ بندوق کا شکار: بندوق کا شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بندوق کے شکار کو حلال قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر) یعنی اگر بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائی گئی اور شکار ذبح سے پہلے ہی مر گیا تو اس کا کھانا اس قول کے مطابق حلال ہے۔
۴. چاہے خود گرا ہو یا کسی نے پھاڑ وغیرہ سے دھکا دے کر گرایا ہو۔

۵. نَطِيحَةً، مَنْطُوحَةً کے معنی میں ہے۔ یعنی کسی نے اسے نکر ماری اور بغیر ذبح کیے وہ مر گیا۔

۶. یعنی شیر، چیتا اور بھینیا وغیرہ جسے ذوناب (چکیوں سے شکار کرنے والے درندوں میں سے کسی نے) اسے کھایا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں مر جانے کے باوجود ایسے جانور کو کھالیا جاتا تھا۔

۷. جمہور مفسرین کے نزدیک یہ استثناء تمام مذکورہ جانوروں کے لیے ہے یعنی مُنْتَفِقَةً، مُؤَفَّقَةً، مُتَرَدِّبَةً، نَطِيحَةً اور درندوں کا کھالیا ہوا، اگر تم انہیں اس حال میں پالو کہ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوں اور پھر تم انہیں شرعی طریقے سے ذبح کر لو تو تمہارے لیے ان کا کھانا حلال ہو گا۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پھڑکے اور ٹانگیں مارے۔ اگر چھری پھیرتے وقت یہ اضطراب و حرکت نہ ہو تو سمجھ لو یہ مردہ ہے۔ ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ خر بھی مشروع ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لمبے پر چھری ماری جائے (اونٹ کو نخر کیا جاتا ہے) جس سے زرخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہیں اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔

۸. مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر یا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ، بناتے تھے۔ جسے نُصَبٌ (تھان یا آستانہ) کہتے تھے۔ اسی پر وہ بتوں کے نام نذر کیے گئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے یعنی یہ ﴿وَمَا أَهْلُ الْبَيْتِ لِلَّهِ﴾ ہی کی ایک

لَكُمْ دِينُكُمْ وَأَنْتُمْ عَلَيْكُمْ وَعَمَّا قَدْ رَضِيتُمْ لَكُمْ
الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ
مَخْصَصٍ لِلَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶﴾

یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو^(۱) یہ سب بدترین گناہ ہیں، آج کفار تمہارے دین سے نا امید ہو گئے، خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔^(۲)

۴. آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں،^(۳) اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہے یعنی جنہیں تم تھوڑا بہت وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الْطَيِّبَاتُ وَمَا
عَلَيْكُمْ مِنَ الْبُحَارِ ۚ إِنَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۚ وَمَا عَلَيْكُمْ
اللَّهُ فَاكُلُوا مِمَّا أَمْسَلَنَّ عَلَيْكُمْ ۖ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَالْفَتْوَى ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۷﴾

شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں، مقبروں اور درگاہوں پر، جہاں لوگ طلب حاجات کے لیے جاتے ہیں اور وہاں مدفون افراد کی خوشنودی کے لیے جانور (مرغا، بکرا وغیرہ) ذبح کرتے ہیں، یا کچی ہوئی دیگیں تقسیم کرتے ہیں، ان کا کھانا حرام ہے یہ ﴿وَمَا ذَرَعًا عَلَى النَّصَبِ﴾ میں داخل ہیں۔

۱. ﴿وَأَنْ تَشْفَقُوا بِالْأَزْكَارِ﴾ کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک تیروں کے ذریعے تقسیم کرنا دوسرا تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنا، پہلے معنی کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جوئے وغیرہ میں ذبح شدہ جانور کی تقسیم کے لیے یہ تیر ہوتے تھے جس میں کسی کو کچھ مل جاتا، کوئی محروم رہ جاتا۔ دوسرے معنی کی رو سے کہا گیا ہے کہ اِزْلَام سے مراد تیر ہیں جن سے وہ کسی کام کا آغاز کرتے وقت فال لیا کرتے تھے۔ انہوں نے تین قسم کے تیر بنا رکھے تھے۔ ایک اَفْعَلْ (کر) دوسرے میں لَا تَفْعَلْ (نہ کر) اور تیسرے میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اَفْعَلْ والا تیر نکل آتا تو وہ کام کر لیا جاتا، لَا تَفْعَلْ والا تیر نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ فال نکالتے۔ یہ بھی گویا کھانت اور اسْتَمْدَاد بِغَيْرِ اللّٰہِ کی شکل ہے اس لیے اسے بھی حرام کر دیا گیا استقسام کے معنی طلب قسمت ہیں۔ یعنی تیروں سے قسمت طلب کرتے تھے۔

۲. یہ بھوک کی اضطراری کیفیت میں مذکورہ حرمت کے کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقصد اللہ کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، صرف جان بچانا مطلوب ہو۔

۳. اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حلال ہیں۔ ہر حلال طیب ہے اور ہر حرام خبیث۔

رکھی ہے ^(۱) پس جس شکار کو وہ تمہارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کر لیا کرو۔ ^(۲) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

۵. کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لیے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے ^(۳) اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں ^(۴) جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَالٌ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَالٌ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَكُمْ نِكَاحُ ذِي الْأَرْحَامِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ

۱. جَوَارِحُ، جَارِحُ کی جمع ہے جو کاسب (کمانے والا) کے معنی میں ہے۔ مراد شکاری کتا، باز، چیتا، شکر اور دیگر شکاری پرندے اور درندے ہیں۔ مُكَلِّفِينَ کا مطلب ہے شکار پر چھوڑنے سے پہلے ان کو شکار کے لیے سدھایا گیا ہو۔ سدھانے کا مطلب ہے جب اسے شکار پر چھوڑا جائے۔ تو دوڑتا ہوا جائے، جب روک دیا جائے تو رک جائے اور بلایا جائے تو واپس آجائے۔

۲. ایسے سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔ ایک یہ کہ اسے شکار کے لیے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ شکاری جانور شکار کر کے اپنے مالک کے لیے رکھ چھوڑے اور اسی کا انتظار کرے، خود نہ کھائے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اسے مار بھی ڈالا ہو، تب بھی وہ مقتول شکار شدہ جانور حلال ہوگا بشرطیکہ اس کے شکار میں سدھائے اور چھوڑے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کی شرکت نہ ہو۔ (صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد - مسلم، کتاب الصيد)

۳. اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہوگا جس میں خون بہہ گیا ہو۔ گویا ان کا مشینی ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ اس میں خون بہنے کی ایک بنیادی شرط مفقود ہے۔

۴. اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاکدامن کی قید ہے، جو آج کل اکثر اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے۔ دوسرا اس کے بعد فرمایا گیا جو ایمان کے ساتھ کفر کرے، اس کے عمل برباد ہو گئے۔ اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بہت ہی خسارہ کا سودا ہوگا اور آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں، محتاج وضاحت نہیں۔ درآں حالیکہ ایمان کو بچانا فرض ہے۔ ایک جائز کام کے لیے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس لیے اس کا جواز بھی اس وقت تک ناقابل عمل رہے گا جب تک مذکورہ دونوں چیزیں مفقود نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں آج کل کے اہل کتاب ویسے بھی اپنے دین سے بالکل ہی بیگانہ بلکہ بیزار اور باغی ہیں۔ اس حالت میں کیا وہ واقعی اہل کتاب میں شمار بھی ہو سکتے ہیں؟ واللہ اعلم

الْحُسَيْنِ ۝

کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو، اور منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔

۶. اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو^(۱) اپنے سروں کا مسح کرو^(۲) اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو،^(۳) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو،^(۴) ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَجْزَلِكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَلَئِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَلَئِنْ كُنْتُمْ سَرَفًا فَقَدْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمْ إِتْسَاءً فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ مِنْهُ بِمَازٍ يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

۱. ”منہ دھو“ یعنی ایک ایک، دو دو یا تین تین مرتبہ دونوں ہتھیلیاں دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنے کے بعد۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے۔

۲. مسح پورے سر کا کیا جائے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اپنے ہاتھ آگے سے پیچھے گدی تک لے جائے اور پھر وہاں سے آگے کو لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لے۔ اگر سر پر پگڑی یا عمامہ ہو تو حدیث کی رو سے موزوں کی طرح اس پر بھی مسح جائز ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ) علاوہ ازیں ایک مرتبہ ہی اس طرح مسح کر لینا کافی ہے۔

۳. اَرْجُلُكُمْ کا عطف وُجُوْهُكُمْ پر ہے یعنی اپنے پیر ٹخنوں تک دھوؤ! اور اگر موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہیں (بشرطیکہ وضو کی حالت میں پہنی ہوں) تو حدیث کی رو سے پیر دھونے کے بجائے جرابوں پر مسح بھی جائز ہے۔

ملحوظہ: (۱) اگر پہلے سے با وضو ہو تو نیا وضو کرنا ضروری نہیں۔ تاہم ہر نماز کے لیے تازہ وضو بہتر ہے۔ (۲) وضو سے پہلے نیت فرض ہے۔ (۳) وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی بھی ضروری ہے۔ (۴) داڑھی گھنی ہو تو اس کا خال کیا جائے۔ (۵) اعضاء کو ترتیب وار دھویا جائے۔ (۶) ان کے درمیان فاصلہ نہ کیا جائے۔ یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے۔ بلکہ سب اعضاء تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئے جائیں۔ (۷) اعضاء وضو میں سے کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہوگا۔ (۸) کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے۔ ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وایسر التفسیر)

۴. جنابت سے مراد وہ ناپاکی ہے جو احتلام یا بیوی سے ہم بستری کرنے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور اسی حکم میں حیض اور نفاس بھی داخل ہے۔ جب حیض یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے طہارت یعنی غسل ضروری ہے۔ البتہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح القدیر وایسر التفسیر)

اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو^(۱) اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا^(۲) بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے،^(۳) تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

۷۔ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جب کہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

۸۔ اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ،^(۴) کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے،^(۵) عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب

وَالَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱﴾

وَادْكُرُوا الْإِعْمَةَ الَّتِي عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَتَقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ ذِكْرًا لِّلضُّمُورِ ﴿۲﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا قَوْمَ مِثْرَةَ اللَّهِ شَهْدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاؤُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِنَّمَا هُوَ أَقْرَبُ لِلْقِسْطِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا

۱۔ اس کی مختصر تشریح اور تیمم کا طریقہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۳ میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ ایک سفر میں بیداء کے مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں رکنا یا رکے رہنا پڑا۔ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا اور تلاش ہوئی تو پانی دستیاب بھی نہیں ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر کہا اے آل ابی بکر! تمہاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائی ہیں اور یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ (تم لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔) (صحیح بخاری۔ سورۃ المائدہ)

۲۔ اسی لیے تیمم کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

۳۔ اسی لیے حدیث میں وضو کرنے کے بعد دعا کرنے کی ترغیب ہے۔ دعاؤں کی کتابوں سے یہ دعا یاد کر لی جائے۔

۴۔ اس پہلے جملے کی تشریح سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ اور اس دوسرے جملے کی تشریح سورۃ المائدہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو حدیث میں آتا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا، اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی۔ چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف

کرو“ اور فرمایا کہ ”میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔“ (صحیح البخاری و مسلم، کتاب الہیبة)

يَعْمَلُونَ ﴿۱﴾

ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

۹. اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لیے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

۱۰. اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔

۱۱. اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا^(۱) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۲. اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا^(۲)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۰﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ لَا يَكْسِبُونَ إِلَهُكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَالْأَفْئَاةُ اللَّهُ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ

۱. اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سائے میں آرام فرماتے، تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تلوار پکڑ کر آپ ﷺ پر سنت لی اور کہنے لگا۔ اے محمد (ﷺ)! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے بلا تامل فرمایا ”اللہ“ (یعنی اللہ بچائے گا) یہ کہنا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے خلاف، جب کہ آپ ﷺ وہاں تشریف فرماتے، دھوکہ اور فریب سے نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے دو عامری شخص قتل ہو گئے تھے، ان کی دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر سے حسب معاہدہ جو تعاون لینا تھا، اس کے لیے نبی کریم ﷺ اپنے رفقاء سمیت وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ اوپر سے پتلی کا پتھر آپ ﷺ پر گرا دیا جائے، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا۔ ممکن ہے کہ ان سارے ہی واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ ایک آیت کے نزول کے کئی اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، أيسر التفاسير وفتح القدیر)

۲. جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ عہد اور میثاق پورا کرنے کی تاکید کی جو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے لیا اور انہیں قیام حق اور شہادت عدل کا حکم دیا اور انہیں وہ انعامات یاد کرائے جو ان پر ظاہراً و باطناً ہوئے اور بالخصوص یہ بات کہ انہیں حق و صواب کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو اب اس مقام پر اس عہد کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور جس میں وہ ناکام رہے۔ یہ گویا بالواسطہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی کہیں بنو اسرائیل کی طرح عہد و میثاق کو پامال کرنا شروع نہ کر دینا۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اشْقَىٰ عَشْرَ نَبِيٍّ اَوْ قَالَ اللَّهُ
اِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ اَقْسَمْتُ الصَّلٰوةَ وَاتَّقَيْتُمُ
الزَّكٰوةَ وَامَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمْهُمْ
وَاقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا يَفِرَنَّ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتُكُمْ وَلَا دُخْلَكُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے^(۱) اور
اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں،
اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور
میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے
رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً
میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان
جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے
ہیں، اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم میں سے جو
انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَجَعَلْنَا
قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ
مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ
وَلَا تَرَالِ تَطَّلِعُ عَلَى خَآئِنَةٍ مِنْهُمْ اِلَّا
قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ

۱۳۔ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر
اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیے
کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں^(۲) اور جو
کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا
بیٹھے،^(۳) ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی

۱۔ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جبارہ سے قتال کے لیے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں
پر بارہ نقیب مقرر فرمادیے تاکہ وہ انہیں جنگ کے لیے تیار بھی کریں، ان کی قیادت و رہنمائی بھی کریں اور دیگر معاملات
کا انتظام بھی کریں۔

۲۔ یعنی اتنے انتظامات اور عہد مواعید کے باوجود بنو اسرائیل نے عہد شکنی کی، جس کی بنا پر وہ لعنت الہی کے مستحق بنے۔ اس
لعنت کے دنیوی نتائج یہ سامنے آئے کہ ایک تو ان کے دل سخت کر دیے گئے جس سے ان کے دل اثر پذیری سے محروم ہو گئے
اور انبیاء کے وعظ و نصیحت ان کے لیے بے کار ہو گئے، دوسرا یہ کہ وہ کلمات الہی میں تحریف کرنے لگ گئے۔ یہ تحریف لفظی
اور معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی عقل و فہم میں کجی آگئی ہے اور ان کی جساتوں میں
بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں تک میں تصرف کرنے سے انہیں گریز نہیں۔ بد قسمتی سے اس قسادت قلبی اور
کلمات الہی میں تحریف سے امت محمدیہ کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے۔ مسلمان کہلانے والے عوام نہیں خواص بھی، جہلاء ہی
نہیں علماء بھی، ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور احکام الہی کی یاد دہانی ان کے لیے بیکار ہے، وہ سن کر ان سے ذرا
اثر قبول نہیں کرتے اور جن غفلتوں کو کوتاہیوں کا وہ شکار ہیں، ان سے تائب نہیں ہوتے۔ اسی طرح اپنی بدعات، خود ساختہ
مزعومات اور اپنی تاویلات باطلہ کے اثبات کے لیے کلام الہی میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔

۳۔ یہ تیسرا نتیجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام الہی پر عمل کرنے میں انہیں کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں رہی بلکہ

وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۶﴾

ہی رہے گی^(۱) ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں^(۲) پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ،^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۱۴. اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں^(۴) ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا، انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو انہیں کی گئی تھی بڑا حصہ فراموش کر دیا۔ تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی^(۵) اور جو کچھ یہ کرتے تھے عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں سب بتا دے گا۔

۱۵. اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول (ﷺ) آچکا جو تمہارے سامنے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۶﴾

يَا هَلْ الْكَتَابَ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَّا

بے عملی اور بد عملی ان کا شعار بن گئی اور وہ پستی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے دل سلیم رہے نہ ان کی فطرت مستقیم۔
۱. یعنی شر، خیانت اور مکر، ان کے کردار کا جزو بن گیا ہے جس کے نمونے ہر وقت آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔
۲. یہ تھوڑے سے لوگ وہی ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔
۳. عفو و درگزر کا یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا، جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اس کی جگہ حکم دیا گیا ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۹۰) (ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) بعض کے نزدیک عفو و درگزر کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم حکم ہے، حالات و ظروف کے مطابق اسے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس سے بھی بعض دفعہ وہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جن کے لیے قتال کا حکم ہے۔

۴. نَصْرَىٰ نَصْرَةً ”مدد“ سے ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال ﴿مَنْ أَضَارُكَ إِلَى اللَّهِ﴾ (الصف: ۱۴) (اللہ کے دین میں کون میرا مددگار ہے؟) کے جواب میں ان کے چند مخلص پیروکاروں نے جواب دیا تھا ﴿يَحْنُ أَضَارُكَ اللَّهُ﴾ (الصف: ۱۴) (ہم اللہ کے مددگار ہیں) اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی یہود کی طرح اہل کتاب ہیں۔ ان سے بھی اللہ نے عہد لیا، لیکن انہوں نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی، اس کے نتیجے میں ان کے دل بھی اثر پذیر ی سے خالی اور ان کے کردار کھوکھلے ہو گئے۔
۵. یہ عہد الہی سے انحراف اور بے عملی کی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قیامت تک کے لیے مسلط کر دی گئی۔ چنانچہ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے شدید نفرت و عناد رکھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے معبد میں عبادت نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر بھی یہ سزا مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ امت بھی کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے، جن کے درمیان شدید اختلافات اور نفرت و عناد کی دیواریں حائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے^(۱) اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔^(۲)

۱۶۔ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔

۱۷۔ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمانوں و زمین اور ان دونوں کے درمیان

الْكِتَابَ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۖ وَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ مَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

۱۔ یعنی انہوں نے تورات و انجیل میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کیں، انہیں طشت ازباہم کیا اور جن باتوں کو وہ چھپاتے تھے انہیں ظاہر کیا، جیسے سزائے رجم۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۲۔ نُور اور کِتَاب مُبِينٌ دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان واو، مغایرت مصداق نہیں مغایرت معنی کے لیے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے جس میں کہا جا رہا ہے ﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ﴾ (کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے) اگر نور اور کتاب یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ يَهْدِي بِهِمَا اللّٰهُ ہوتے ”یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے سے ہدایت فرماتا ہے“ قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہو گیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد ایک ہی چیز یعنی قرآن کریم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ جیسا کہ وہ اہل بدعت باور کراتے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بابت نُورٌ مِّنْ نُورِ اللَّهِ کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اور آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس خانہ ساز عقیدے کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات پیدا کی۔ حالانکہ یہ حدیث، حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا ﴿إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمُ﴾ یہ روایت ترمذی اور ابو داود میں ہے۔ محدث البانی لکھتے ہیں (فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ بَلَا رَيْبٍ، وَهُوَ مِنَ الْأَدْلَةِ الظَّاهِرَةِ عَلَى بُطْلَانِ الْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ «أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ» (تحقیقات الحکمة جلد ۱ ص ۳۴) ”مشہور حدیث جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے۔“ (خلاصہ ترجمہ)

کی کل بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۱)

۱۸۔ اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں،^(۲) آپ کہہ دیجیے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟^(۳) نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔^(۴) زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵﴾

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۶﴾

۱۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور ملکیت تامہ کا بیان فرمایا ہے۔ مقصد عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا رد و ابطال ہے۔ حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کے قائل پہلے تو کچھ ہی لوگ تھے یعنی ایک ہی فرقہ۔ یعقوبیہ۔ کا یہ عقیدہ تھا لیکن اب تقریباً تمام عیسائی الوہیت مسیح کے کسی نہ کسی انداز سے قائل ہیں۔ اسی لیے مسیحیت میں اب عقیدہ تثلیث یا اقانیم ثلاثہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بہر حال قرآن نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ کسی پیغمبر اور رسول کو الہی صفات سے متصف قرار دینا کفر صریح ہے۔ اس کفر کا ارتکاب عیسائیوں نے، حضرت مسیح کو اللہ قرار دے کر کیا، اگر کوئی اور گروہ یا فرقہ کسی اور پیغمبر کو بشریت و رسالت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرے گا تو وہ بھی اسی کفر کا ارتکاب کرے گا، فَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْفَاسِدَةِ۔

۲۔ یہودیوں نے حضرت عزیر عَلَیْہِ السَّلَام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو ابن اللہ کہا۔ اور اپنے آپ کو بھی ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) اور اس کے محبوب قرار دے لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی أَتْبَاعُ أَبْنَاءِ اللَّهِ ہم (اللہ کے بیٹوں) (عزیر و مسیح) کے پیروکار ہیں) دونوں مفہوموں میں سے کوئی سا بھی مفہوم مراد لیا جائے، اس سے ان کے تفاخر اور اللہ کے بارے میں بے جا اعتماد کا اظہار ہوتا ہے، جس کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

۳۔ اس میں ان کے مذکورہ تفاخر کا بے بنیاد ہونا واضح کر دیا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے یا محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس ہی نہیں کرے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ دعویٰ کی بنیاد پر نہیں ہوتا نہ قیامت کے دن ہوگا، بلکہ وہ تو ایمان و تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتا ہے اور قیامت کے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہوگا۔

۴۔ تاہم یہ عذاب یا مغفرت کا فیصلہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہوگا، جس کی اس نے وضاحت فرمادی ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت اور اہل کفر و فسق کے لیے عذاب، تمام انسانوں کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوگا۔ اے اہل کتب! تم بھی اسی کی پیدا کردہ مخلوق یعنی انسان ہو۔ تمہاری بابت فیصلہ دیگر انسانی مخلوق سے مختلف کیوں کر ہوگا؟

ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

۱۹. اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آپہنچا ہے۔ جو تمہارے لیے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آپہنچا^(۱) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۰. اور یاد کرو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا^(۲) اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔^(۳)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَهْمٍ مِّنَ الرَّسُولِ أَنَّ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مَّلُوكًا ۖ وَآتَاكُم مِّنَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾

۱. حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان جو تقریباً ۵۷۰ یا ۶۰۰ سال کا فاصلہ ہے یہ زمانہ فترت کہلاتا ہے۔ اہل کتاب کو کہا جا رہا ہے کہ اس فترت کے بعد ہم نے اپنا آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیج دیا ہے۔ اب تم یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذیر پیغمبر ہی نہیں آیا۔

۲. بیشتر انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں جن کا سلسلہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ختم کر دیا گیا اور آخری پیغمبر بنو اسماعیل سے ہوئے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح متعدد بادشاہ بھی بنی اسرائیل میں ہوئے اور بعض نبیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ملوکیت (بادشاہت) سے نوازا۔ جیسے حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت کی طرح ملوکیت (بادشاہت) بھی اللہ کا انعام ہے، جسے علی الاطلاق برا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر ملوکیت بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بادشاہ بناتا نہ اس کا ذکر انعام کے طور پر فرماتا، جیسا کہ یہاں ہے آج کل مغربی جمہوریت کا کا بوس اس طرح ذہنوں پر مسلط ہے اور شاطران مغرب نے اس کا انفسوں اس طرح پھونکا ہے کہ مغربی افکار کے امیر اہل سیاست ہی نہیں بلکہ اصحاب جبہ و دستار بھی ہیں۔ بہر حال ملوکیت یا شخصی حکومت، اگر بادشاہ اور حکمران عادل و متقی ہو تو جمہوریت سے ہزار درجے بہتر ہے۔

۳. یہ اشارہ ہے ان انعامات اور معجزات کی طرف، جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے۔ جیسے من و سلویٰ کا نزول، بادلوں کا سایہ، فرعون سے نجات کے لیے دریا سے راستہ بنادینا وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانے میں فضیلت اور اونچے مقام کی حامل تھی لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت و بعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) (تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے بنایا گیا ہے) لیکن یہ بھی مشروط ہے اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ جو اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَذَٰلِكَ مِمَّا يَتَذَكَّرُونَ﴾ (تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو) اللہ تعالیٰ

۲۱. اے میری قوم والو! اس مقدس زمین^(۱) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے^(۲) اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو^(۳) کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔

۲۲. انہوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم (بخوشی) چلے جائیں گے۔^(۴)

۲۳. دو شخصوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے، اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔^(۵)

يَوْمَ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ
اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا
خُسِرُونَ ﴿٢١﴾

قَالُوا يٰمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَرُوتًا وَإِنَّا لَنَدْخُلُهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا
فَإِنَّا لَدْخُلُونَ ﴿٢٢﴾

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَمْرَ اللَّهِ
عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ
فَأَنْتُمْ عَلَيْهِمُ هَٰ وَ عَلَىٰ اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنَّ
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾

امت مسلمہ کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے خیر امت ہونے کا اعزاز برقرار رکھ سکے۔

۱. بنو اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن بیت المقدس تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے امارت مصر کے زمانے میں یہ لوگ مصر جاکر آباد ہو گئے تھے اور پھر تب سے اس وقت تک مصر ہی میں رہے، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں راتوں رات (فرعون سے چھپ کر) مصر سے نکال نہیں لے گئے۔ اس وقت بیت المقدس پر علاقہ کی حکمرانی تھی جو ایک بہادر قوم تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بیت المقدس جاکر آباد ہونے کا عزم کیا تو اس کے لیے وہاں قابض علاقہ سے جہاد ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور نصرت الہی کی بشارت بھی سنائی۔ لیکن اس کے باوجود بنو اسرائیل علاقہ سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر)

۲. اس سے مراد وہی فتح و نصرت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی صورت میں ان سے کر رکھا تھا۔

۳. یعنی جہاد سے اعراض مت کرو۔

۴. بنو اسرائیل علاقہ کی بہادری کی شہرت سے مرعوب ہو گئے اور پہلے مرحلے پر ہی ہمت ہار بیٹھے۔ اور جہاد سے دست بردار ہو گئے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی کوئی پرواہ کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت پر یقین کیا۔ اور وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔

۵. قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے صرف یہ دو شخص صحیح معنوں میں ایماندار نکلے، جنہیں نصرت الہی پر یقین تھا، انہوں نے قوم کو سمجھایا کہ تم ہمت تو کرو، پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ عطا فرماتا ہے۔

۲۴. قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لیے تم اور تمہارا پروردگار جاکر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔^(۱)

۲۵. موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کہنے لگے الہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے۔^(۲)

۲۶. ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے^(۳) اس لیے تم ان فاستقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔^(۴)

قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا اَنَّا وَافِیْهَا
فَاَذْهَبَ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا
فَعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَآخِیْ
فَاَفْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

قَالَ فَاِنَّهَا عَزْمَةٌ عَلَیْكُمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً
یَذِیْقُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ
الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

۱. لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، سوء ادبی اور تہرد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور تیرا رب جاکر لڑے۔ اس کے برعکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے قلت تعداد و قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لیے بھرپور عزم کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ ”یا رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو کہا تھا۔“ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی والفسیر)

۲. اس میں نافرمان قوم کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی ہے اور براءت بھی کا اعلان بھی۔

۳. یہ میدان تیرہ کہلاتا ہے، جس میں چالیس سال یہ قوم اپنی نافرمانی اور جہاد سے اعراض کی وجہ سے سرگرداں رہی۔ اس میدان میں اس کے باوجود ان پر من و سلویٰ کا نزول ہوا، جس سے اکثر انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے۔ اپنے رب سے دعا کر کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دالیں ہمارے لیے پیدا فرمائے۔ یہیں ان پر بادلوں کا سایہ ہوا، پتھر پر حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کی لاٹھی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہوئے، اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے۔ چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ یہ بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے۔

۴. پیغمبر دعوت و تبلیغ کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ میری قوم سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں، جس میں اس کے لیے دین و دنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں ہیں تو فطری طور پر اس کو سخت افسوس اور دلی قلق ہوتا ہے۔ یہی نبی ﷺ کا بھی حال ہوتا تھا، جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے۔ لیکن آیت میں حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جب تو نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا اور پیغام الہی لوگوں تک پہنچا دیا اور اپنی قوم کو ایک عظیم الشان کامیابی کے نقطہ آغاز پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اب وہ اپنی دون جہتی اور بد دماغی کے سبب تیری بات ماننے کو

۲۷۔ اور آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو،^(۱) ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی^(۲) تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔

۲۸۔ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔

۲۹۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے^(۳) اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے، اور

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَىَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبْشُرَ أَبْنَاءِي وَإِنَّمَا تَشَاءُ ۚ وَتَكُونُ مِنَ الصَّاحِبِ الْمَذْمُومِ ۚ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝

تیار نہیں تو تو اپنے فرض سے سبک دوش ہو گیا اور اب تجھے ان کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے موقع پر غمگینی تو ایک فطری چیز ہے۔ لیکن مراد اس تسلی سے یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے بعد اب تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

۱۔ آدم (علیہ السلام) کے ان دو بیٹوں کے نام ہابیل اور قابیل تھے۔

۲۔ یہ نذریا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں۔ البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت آدم و حوا (علیہ السلام) کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئی۔ دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوئی، ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بد صورت تھی، جب کہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا۔ لیکن قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی، نکاح کرے۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ سمجھا، بالآخر حضرت آدم (علیہ السلام) نے دونوں کو بارگاہ الہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی قابیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی، یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی، ہابیل نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی اور قابیل نے گندم کی بالی قربانی میں پیش کی، ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہو گیا۔

۳۔ میرے گناہ کا مطلب، قتل کا وہ گناہ ہے جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ”اگر دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کی نیت سے تلواریں سونت لیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔“ صحابہ کرام نے پوچھا قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے، مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔“ (صحیح بخاری و مسلم سب الفتن)

ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔

۳۰۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا، جس سے نقصان پانے والوں میں ہو گیا۔^(۱)

۳۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوسے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا، ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوسے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن دیتا؟ پھر تو (بڑا ہی) پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔

۳۲۔ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو، یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا^(۲) اور ان کے پاس

فَكَوَعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُورِيَهُ كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءَ أَخِيهِ قَالَ يُورِيكَنِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُورِيَ سَوْءَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۳۱﴾

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ

۱۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا؛ لَأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ» (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء و مسلم، کتاب القسامۃ) ”جو قتل بھی ظلماً ہوتا ہے (قاتل کے ساتھ) اس کے خون ناحق کا بوجھ آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام کیا“ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قابیل کو ہابیل کے قتل ناحق کی سزا دنیا میں ہی فوری طور پر دے دی گئی تھی۔“ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا «مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجَّلَ اللَّهُ عِقَابَهُ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدْخُرُ لِصَاحِبِهِ فِي الْآخِرَةِ مِنْ الْبُعْثِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ» (ابوداؤد، کتاب الأدب - ابن ماجہ، کتاب الزہد و مسند احمد ۳۶۵-۳۸) ”بغی (ظلم و زیادتی) اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا میں ہی جلد سزا دے دے، تاہم آخرت کی سزا اس کے علاوہ اس کے لیے ذخیرہ ہوگی جو انہیں وہاں جھگلتی ہوگی“ اور قابیل میں یہ دونوں گناہ جمع ہو گئے تھے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (ابن کثیر)

۲۔ اس قتل ناحق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لیے بنو اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہیں تھا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربیع کہتے ہیں کہ میں

بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمْ يَرْفُوفٌ ۝

ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔^(۱)

۳۳۔ یقیناً جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے،^(۲) یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری، اور

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

نے حضرت حسن (بصری) سے پوچھا یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنو اسرائیل کے لیے تھی؟ انہوں نے فرمایا ”ہاں۔“ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں تھے۔“ (تفسیر ابن کثیر)

۱۔ اس میں یہود کو زجر و توبیخ ہے کہ ان کے پاس انبیاء دلائل و براہین لے کر آتے رہے۔ لیکن ان کا رویہ ہمیشہ حد سے تجاوز کرنے والا ہی رہا۔ اس میں گویا نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کی ساری تاریخ ہی مکر و فساد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ بہر حال اللہ پر بھروسہ رکھیں جو خیر الما کرین ہے۔ تمام سازشوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

۲۔ اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ عکل اور عربینۃ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انہیں مدینہ کی آب و ہوا اس نہ آئی تو نبی ﷺ نے انہیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائے گا۔ چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے رکھوالے اور چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہٹا کر لے گئے۔ جب نبی ﷺ کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انہیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ ڈالے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں، (کیونکہ انہوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہیں مر گئے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ انہوں نے چوری بھی کی، قتل بھی کیا، ایمان لانے کے بعد کفر بھی کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ محاربہ بھی (صحیح البخاری کتاب الدیات، والطب والتفسیر۔ صحیح مسلم کتاب القسامۃ) یہ آیت محاربہ کہلاتی ہے۔ اس کا حکم عام ہے یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ محاربہ کا مطلب ہے۔ کسی منظم اور مسلح جتھے کا اسلامی حکومت کے دائرے میں یا اس کے قریب صحراء وغیرہ میں راہ چلتے قافلوں اور افراد اور گروہوں پر حملہ کرنا، قتل و غارت گری کرنا، سلب و نہب، اغواء اور آبروریزی کرنا وغیرہ اس کی جو ۴ سزائیں بیان کی گئی ہیں، امام (علیہ وقت) کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اگر محاربین

عَظِيمٌ

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا
عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا
إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾

آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔

۳۴. ہاں جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پاؤ (۱) تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے۔

۳۵. اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو (۲) اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

نے قتل و سلب کیا اور دہشت گردی کی تو انہیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے گی اور جس نے صرف قتل کیا، مال نہیں لیا، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے قتل کیا اور مال بھی چھینا، اس کا ایک دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے نہ قتل کیا نہ مال لیا، صرف دہشت گردی کی اسے جلا وطن کر دیا جائے گا۔ لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں پہلی بات صحیح ہے کہ سزا دینے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ (فتح القدیر)

۱. یعنی گرفتار ہونے سے پہلے اگر وہ توبہ کر کے اسلامی حکومت کی اطاعت کا اعلان کر دیں تو پھر انہیں معاف کر دیا جائے گا، مذکورہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ لیکن پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ سزائوں کی معافی کے ساتھ انہوں نے قتل کر کے یا مال لوٹ کر یا آبروریزی کر کے بندوں پر جو دست درازی کی یہ جرائم بھی معاف ہو جائیں گے یا ان کا بدلہ لیا جائے گا، بعض علماء کے نزدیک یہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ ان کا قصاص لیا جائے گا۔ امام شوکانی اور امام ابن کثیر کا رجحان اس طرف ہے کہ مطلقاً انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اسی کو ظاہر آیت کا مقتضی بتلایا ہے۔ البتہ گرفتاری کے بعد توبہ سے جرائم معاف نہیں ہوں گے۔ وہ مستحق سزا ہوں گے۔ (فتح القدیر داہن کثیر)

۲. وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ ”اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو“ کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمہیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ”إِنَّ الْوَسِيلَةَ - الَّتِي هِيَ الْقُرْبَةُ - تَصُدَّقُ عَلَى النُّقْوَى وَعَلَى غَيْرِهَا مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ، الَّتِي يَتَقَرَّبُ الْعِبَادُ بِهَا إِلَى رَبِّهِمْ“ ”وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں“ اسی طرح منہیات و محرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے منہیات و محرمات کا ترک بھی قرب الہی کا وسیلہ ہے۔ لیکن جاہلوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں اس مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی ﷺ کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا جو اذان کے بعد میرے لیے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔ (صحیح البخاری - کتاب الأذان، صحیح مسلم - کتاب الصلوٰۃ) دعائے وسیلہ جو اذان کے بعد پڑھنی مسنون ہے ”اللهم! رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ، وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ؛ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ۔“

۳۶. یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہی ہے۔^(۱)

۳۷. یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے، اور ان کے لیے تو دوامی عذاب ہیں۔^(۲)

۳۸. اور چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔^(۳) یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔

۳۹. جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے^(۴) یقیناً

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ أَنَّ لَهُمْ مَسَافِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ
عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُفْعِلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ السَّارِقِ وَمَا هُمْ
بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا
كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

مَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ
يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

۱. حدیث میں آتا ہے کہ ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ”تو نے اپنی آرام گاہ کیسی پائی؟“ وہ کہے گا ”بدترین آرام گاہ“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟“ وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا تو نے وہاں اس کی پروا نہیں کی اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح

مسلم، صفة القيامة، صحيح البخاري، كتاب الرقاق والانباء)

۲. یہ آیت کافروں کے حق میں ہے، کیونکہ مومنوں کو بالآخر سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔
۳. بعض فقہائے ظاہریہ کے نزدیک سرقہ کا یہ حکم عام ہے چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی۔ اسی طرح وہ حرز (محفوظ جگہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں۔ ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی۔ جب کہ دوسرے فقہاء اس کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ پھر نصاب کی تعین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار یا تین درہم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے، اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ دسغ (پتھنوں) سے کاٹے جائیں گے۔ کہنی یا کندھے سے نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ (تفصیلات کے لیے کتب حدیث و فقہ اور تقاض کا مطالعہ کیا جائے)

۴. اس توبہ سے مراد عند اللہ قبول توبہ ہے۔ یہ نہیں کہ توبہ سے چوری یا کسی اور قابل حد جرم کی سزا معاف ہو جائے گی۔ حدود توبہ سے معاف نہیں ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

۴۰. کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے؟ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۴۱. اے رسول! (ﷺ) آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کڑھیے جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان (منافقوں) میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل با ایمان نہیں^(۱) اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ کلمات کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں متغیر کر دیا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیے جاؤ تو الگ تھلک^(۲)

أَلَمْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَعْفُو لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزَنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ
فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِكُفْرِهِمْ
وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا
سَمِعُوا لَكَ كَذِبًا سَمِعُوا لِقَوْمٍ آخَرِينَ
لَمْ يَأْتُوكَ يَحْزِرُونَ الْكَلِمَةَ مِنْ بَعْدِ
مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ
وَإِنْ لَمْ تَأْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ
فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا
أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ

۱. نبی کریم ﷺ کو اہل کفر و شرک کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کا راستہ نہ اپنانے پر جو قلق اور افسوس ہوتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو زیادہ غم نہ کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے تاکہ اس اعتبار سے آپ کو تسلی رہے کہ ایسے لوگوں کی بابت عند اللہ مجھ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۲. آیت نمبر ۴۱ تا ۴۴ کی شان نزول میں دو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک تو دو شادی شدہ یہودی زانیوں (مرد و عورت) کا۔ انہوں نے اپنی کتاب تورات میں تو رد و بدل کر ڈالا تھا، علاوہ ازیں اس کی کئی باتوں پر عمل بھی نہیں کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک حکم رجم بھی تھا جو ان کی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے لیے تھا اور اب بھی موجود ہے لیکن وہ چونکہ اس سزا سے بچنا چاہتے تھے اس لیے آپس میں فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انہوں نے ہمارے ایجاد کردہ طریقہ کے مطابق کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا کا فیصلہ کیا تو مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ دیا تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں رجم کی بابت کیا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، جاؤ تورات لاؤ، تورات لا کر وہ پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا ہاتھ اٹھاؤ، ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم تھی۔ بالآخر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے۔ چنانچہ دونوں زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو صحیحین و دیگر تفسیر حدیث) ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے یہود کا ایک قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے یہودی قبیلے سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتا تھا اور اسی کے

قُلُوبُهُمْ لَهْفُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ لَّهُمْ فِي
الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑤

رہنا اور جسے اللہ تعالیٰ فتنے میں مبتلا کرنا چاہیں تو آپ اس کے لیے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی سخت سزا ہے۔

۴۲۔ یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے^(۱) اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں، اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو، اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی یہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے۔

۴۳۔ اور (تعجب کی بات ہے کہ) وہ کیسے اپنے پاس تورات ہوتے ہوئے جس میں احکام الہی ہیں تم کو منصف بناتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں۔

۴۴۔ ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں^(۲) اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلصَّحْتِ قَانَ
جَاءُواكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ اَعْرَضْ عَنْهُمْ فَإِنْ
تَعْرَضْ عَنْهُمْ فَلَئِنْ لَمْ يَنْصَرُوا فَسَيَأْتُواكَ حُكْمًا
فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ ⑥

وَكَيْفَ يَحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا
حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَكَّلُونَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا
أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ⑦

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ
بِهَا الَّذِينَ آتَيْنَا اسْلَمُوا بِالْكَذِبِ

مطابق اپنے مقتول کی دیت سو سبق اور دوسرے قبیلے کے مقتول کی پچاس سبق مقرر کر رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو یہود کے دوسرے قبیلے کو کچھ حوصلہ ہوا جس کے مقتول کی دیت نصف تھی اور اس نے دیت سو سبق دینے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ انکے درمیان اس مسئلے پر لڑائی چھڑ جاتی، لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی ﷺ سے فیصلہ کرانے پر رضامند ہو گئے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مسند احمد میں ہے جس کی سند کو شیخ اشاعر نے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد جلد ۱، ص ۲۳۶۔ حدیث: ۲۲۱۲) امام ابن کثیر فرماتے ہیں ممکن ہے دونوں سبب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اور ان سب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا ہو۔ (ابن کثیر)

۱۔ سَمَاعُونَ کے معنی ”بہت زیادہ سننے والے“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے زیادہ باتیں سننا یا دوسروں کی باتیں ماننے اور قبول کرنے کے لیے سننا۔ بعض مفسرین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں اور بعض نے دوسرے۔

۲۔ ﴿لَّذِينَ هَآؤُوا﴾ اس کا تعلق يَحْكُمُ سے ہے۔ یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلہ کرتے تھے۔

ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) ^(۱) اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ ^(۲) اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے ^(۳) اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بچو، ^(۴) اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔ ^(۵)

۴۵. اور ہم نے یہودیوں کے ذمے تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے، ^(۶) پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس

هَٰذَا وَآوَالِ الرَّسُولِ وَالْحَبَارِ بِمَا
اسْتَحْفَظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ
شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخَشَوُا
رَبَّكُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ لَمْ يَحْكَمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْفُسَ يَٰلَيْسَ
وَالْعَيْنَ يَٰلَعِينُ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ
لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

۱. اَسْلَمُوا یہ بَیِّن کی صفت بیان کی کہ وہ سارے انبیاء دین اسلام ہی کے پیروکار تھے جس کی طرف محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں۔ یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اسلام جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ہر نبی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت توحید و اخلاص پیش کی ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيْٓ إِلَيْهِ أَنْذَرِ الْإِنْسَانَ أَنْ يُعْبُدَ ۚ﴾ (الانبیاء: ۲۵) (ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو) اسی کو قرآن میں الدین بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (الانبیاء: ۲۵) میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو آپ سے قبل دیگر انبیاء کے لیے کیا تھا۔

۲. چنانچہ انہوں نے تورات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا، جس طرح بعد میں لوگوں نے کیا۔

۳. کہ یہ کتاب کمی بیشی سے محفوظ ہے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

۴. یعنی لوگوں سے ڈر کر تورات کے اصل احکام پر پردہ مت ڈالو نہ دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے ان میں رد و بدل کرو۔

۵. پھر تم کیسے ایمان کے بدلے کفر پر راضی ہو گئے ہو؟

۶. جب تورات میں جان کے بدلے جان اور زخموں میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا تو پھر یہودیوں کے ایک قبیلے (بنو نضیر) کا دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرنا اور اپنے مقتول کی دیت دوسرے قبیلے کے مقتول کی بہ نسبت دوگنا رکھنے کا کیا جواز ہے؟ جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزری۔

الظَّالِمُونَ ﴿۵﴾

کے لیے کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔^(۱)

۴۶. اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے^(۲) اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارسا لوگوں کے لیے۔^(۳)

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۵﴾

۱. یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس قبیلے نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا، یہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف تھا اور اس طرح انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا۔ گویا انسان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ احکامات الہی کو اپنائے، اسی کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو بارگاہ الہی میں ظالم متصور ہوگا، فاسق متصور ہوگا اور کافر متصور ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تینوں لفظ استعمال کر کے اپنے غضب اور ناراضگی کا بھرپور اظہار فرمادیا۔ اس کے بعد بھی انسان اپنے ہی خود ساختہ قوانین یا اپنی خواہشات ہی کو اہمیت دے تو اس سے زیادہ بد قسمتی کیا ہوگی؟ ملحوظہ: علمائے اصولیین نے لکھا ہے کہ پچھلی شریعت کا حکم، اگر اللہ نے برقرار رکھا ہے تو ہمارے لیے بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں بیان کردہ حکم غیر منسوخ ہے اس لیے یہ بھی شریعت اسلامیہ ہی کے احکام ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے ﴿إِنَّ النَّفْسَ الْيَائِسَ﴾ (جان بدلے جان کے) کے عموم سے دو صورتیں خارج ہوں گی۔ کہ کوئی مسلمان اگر کسی کافر کو قتل کر دے تو قصاص میں اس کافر کے بدلے مسلمان کو، اسی طرح غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری ونبیل الاوطار وغیرہ)

۲. یعنی انبیائے سابقین کے فوراً بعد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اس کی تکذیب کرنے والے نہیں، جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بھی اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل فرمائی تھی، تو اس کے باوجود بھی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص و ہانت کی۔

۳. یعنی جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ تھی۔ اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہوگئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات و انجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر عمل منسوخ ہو گیا اور ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرمادیا۔ یہ گویا اسی بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاح و کامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس سے جڑ گیا، سرخرو رہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”وحدت ادیان“ کا فلسفہ

۳۷. اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں^(۱) اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی فیصلہ نہ کریں وہ (بدکار) فاسق ہیں۔

۳۸. اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔^(۲) اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کیجیے،^(۳) اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیے^(۴) تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے

وَلِيَعْلَمَ أَهْلُ الْاِنْجِيلِ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ فَلَاوَلِيكَ هُمْ الْفٰسِقُونَ ﴿۳۷﴾

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهِّمًا عَلَيْهِ فَاَحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْهُمُ اَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنْ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ فِرْقَةً وَفِيهَا جُلَّا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِلَى اللّٰهِ رُجْعُكُمْ

کسر غلط ہے، حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سوا دوسری چیزیں باطل ہیں۔ تورات اپنے دور کا حق تھی، اس کے بعد انجیل اپنے دور کا حق تھی انجیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اور جب قرآن نازل ہو گیا تو انجیل منسوخ ہو گئی، انجیل پر عمل کرنا جائز نہیں رہا اور صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لیے قابل عمل رہ گیا۔ اس پر ایمان لائے بغیر یعنی نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تسلیم کیے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مزید ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ آیت ۶۲ کا حاشیہ۔

۱. اہل انجیل کو یہ حکم اس وقت تک تھا، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ تھا۔ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور نبوت بھی ختم ہو گیا۔ اور انجیل کی پیروی کا حکم بھی۔ اب ایماندار وہی سمجھا جائے گا جو رسالت محمدی پر ایمان لائے گا اور قرآن کریم کی اتباع کرے گا۔

۲. ہر آسانی کتاب اپنے سے ماقبل کتاب کی مصدق رہی ہے جس طرح قرآن پچھلی تمام کتابوں کا مصدق ہے اور تصدیق کا مطلب ہے کہ یہ ساری کتابیں فی الواقع اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ لیکن قرآن مصدق ہونے کے ساتھ ساتھ مَہِیْمُنٌ (محافظ، امین، شاہد اور حاکم) بھی ہے۔ یعنی پچھلی کتابوں میں چونکہ تحریف و تغیر بھی ہوئی ہے اس لیے قرآن کا فیصلہ ناطق ہو گا، جس کو یہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح ہے۔ باقی باطل ہے۔

۳. اس سے پہلے آیت: ۲۲ میں نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ ان کے معاملات کے فیصلے کریں یا نہ کریں۔ آپ کی مرضی ہے۔ لیکن اب اس کی جگہ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے آپس کے معاملات میں بھی قرآن کریم کے مطابق فیصلے فرمائیں۔

۴. یہ دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر لوگوں کی خواہشات اور آراء یا ان کے خود ساختہ مزعومات و افکار کے مطابق فیصلے کرنا گمراہی ہے، جس کی اجازت جب پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟

جَمِيعًا فَيَتَّبِعُهُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵﴾

ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔^(۱) اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے،^(۲) تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔

۴۹. اور آپ ان کے معاملات میں خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیا کیجیے، انکی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں، اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے اور اکثر لوگ نافرمان ہی ہوتے ہیں۔

۵۰. کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں^(۳)

وَأَن احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُضَيِّقَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿۵﴾

أَحْكُمُ الْجَاهِلِيَّةَ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ

۱. اس سے مراد پچھلی شریعتیں ہیں جن کے بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حرام تو دوسری میں حلال تھیں، بعض میں کسی مسئلے میں تشدید تھی تو دوسری میں تخفیف، لیکن دین سب کا ایک یعنی توحید پر مبنی تھا۔ اس لحاظ سے سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ «الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتُ أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ» (صحیح البخاری مع الفتح: ۴۷/۶، حدیث رقم: ۳۲۳۳) «ہم انبیاء کی جماعت علاقائی بھائی ہیں۔ ہمارا دین ایک ہے» علاقائی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں تو مختلف ہوں باپ ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف تھیں۔ لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں بھی منسوخ ہو گئیں ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک۔

۲. یعنی نزول قرآن کے بعد اب نجات تو اگرچہ اسی سے وابستہ ہے لیکن اس راہ نجات کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جبر نہیں کیا ہے۔ ورنہ وہ چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا، لیکن اس طرح تمہاری آزمائش ممکن نہ ہوتی، جب کہ وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔

۳. اب قرآن اور اسلام کے سوا، سب جاہلیت ہے، کیا یہ اب بھی روشنی اور ہدایت (اسلام) کو چھوڑ کر جاہلیت ہی کے متلاشی اور طالب ہیں؟ یہ استفہام، انکار اور تویح کے لیے ہے اور «فا» لفظ مقدر پر عطف ہے اور معنی ہیں «يَعْرِضُونَ عَنْ حُكْمِكَ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَيَتَوَلَّوْنَ عَنْهُ، يَتَّبِعُونَ حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ» «تیرے اس فیصلے سے جو اللہ نے تجھ پر

حُكْمَ الْقَوْمِ يُؤْفِقُونَ ﴿۵﴾

یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟^(۱)

۵۱. اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ^(۲) یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔^(۳) تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔^(۴)

۵۲. آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے^(۵) وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔^(۶) بہت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ
يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵﴾

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ
فِيهِمْ يَقُولُونَ نَحْشِي أَنْ لَصِيبًا مَدَآئِرًا
فَقَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّ بِالْفَتْحِ وَأَوْفِي مَا وَعَدَهُ

نازل کیا ہے یہ اعراض کرتے اور پیٹھ پھیرتے ہیں اور جاہلیت کے طریقوں کے متلاشی ہیں۔“ (فتح القدیر)

۱. حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا «أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةٌ: مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطْلَبٌ دَمَ امْرِئٍ يَغْيِرُ حَقَّ لِيَهْرِيْقَ دَمَهُ» (صحیح بخاری۔ کتاب الدیات) (اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی ہو اور جو ناحق کسی کا خون بہانے کا طالب ہو)۔

۲. اس میں یہود و نصاریٰ سے موالات و محبت کا رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور اس پر اتنی سخت و عید بیان فرمائی کہ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ (مزید دیکھیے سورہ آل عمران آیت: ۲۸، اور آیت: ۱۱۸ کا حاشیہ)

۳. قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اگرچہ آپس میں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض و عناد ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون بازو اور محافظ ہیں۔ ۴. ان آیات کے شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی دونوں ہی عہد جاہلیت سے یہود کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو عبد اللہ بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ ادھر بنو قینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد فتنہ برپا کیا اور وہ کس لیے گئے، جس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو اپنے یہودی حلیفوں سے اعلان براءت کر دیا۔ لیکن عبد اللہ بن ابی نے اس کے برعکس یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۵. اس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی منافقین یہودیوں سے محبت اور دوستی میں جلدی کر رہے ہیں۔

۶. یعنی مسلمانوں کو شکست ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ یہودیوں سے دوستی ہوگی تو ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔

ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے^(۱) یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے^(۲) پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نادم ہونے لگیں گے۔

۵۳۔ اور ایمان والے کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔

۵۴۔ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے^(۳) تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی^(۴) وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر، اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے،^(۵) یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اور

فَيَصْبَحُوا عَلَىٰ مَا اسْرَوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ نَادِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَهٰلُ الْاٰلِ الْاَيْمٰنِ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اٰمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعْلَمٌ حٰطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يُّرَتِّدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يٰۤاِيْلُ اللّٰهُ يَصْغُرُ عَنْهُمْ وَيُوْخِزُوْنَ اَذَلَّهُ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعْرِضْ عَلٰى الْكَافِرِيْنَ يُجٰهَدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةً لَّا يَسُوْءُ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وٰسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

۱۔ یعنی مسلمانوں کو۔

۲۔ یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کر دے یہ اشارہ ہے بنو قریظہ کے قتل اور ان کی اولاد کو قیدی بنانے اور بنو نضیر کی جلا وطنی وغیرہ کی طرف، جس کا وقوع مستقبل قریب میں ہی ہوا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق فرمایا، جس کا وقوع نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہوا۔ اس فتنہ ارتداد کے خاتمے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا۔

۴۔ مرتدین کے مقابلے میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی ۴ نمایاں صفات بیان کی جارہی ہیں۔ (۱) اللہ سے محبت کرنا اور اس کا محبوب ہونا۔ (۲) اہل ایمان کے لیے نرم اور کفار پر سخت ہونا۔ (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (۴) اور اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان صفات اور خوبیوں کا مظہر اتم تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مشرف فرمایا اور دنیا میں ہی اپنی رضامندی کی سند سے نواز دیا۔

۵۔ یہ ان اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت و فرمان برداری میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ ہوگی۔ یہ بھی بڑی اہم صفت ہے۔ معاشرے میں جن برائیوں کا چلن عام ہو جائے، ان کی خلاف نیکی پر استقامت اور اللہ کے حکموں کی اطاعت اس صفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو برائی، معصیت الہی اور معاشرتی خرابیوں سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں لیکن ملامت گروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔ نتیجتاً

اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔

۵۵. (مسلمانو!) تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں ^(۱) جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع و خضوع) کرنے والے ہیں۔

۵۶. اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔ ^(۲)

۵۷. اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں (خواہ) وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے یا کفار ہوں ^(۳) اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رُكُوعُونَ ﴿۵۵﴾

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۶﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَافِرَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُتُوبَكُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾

وہ ان برائیوں کی دلدل سے نکل نہیں پاتے اور حق و باطل سے بچنے کی توفیق سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مذکورہ صفات حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ کا ان پر خاص فضل ہے۔

۱. جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو اب اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پھر وہ دوستی کن سے کریں؟ فرمایا کہ اہل ایمان کے دوست سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے اہل ایمان ہیں۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

۲. یہ حِزْبُ اللَّهِ (اللہ کی جماعت) کی نشاندہی اور اس کے غلبے کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ حزب اللہ وہی ہے جس کا تعلق صرف اللہ، رسول اور مومنین سے ہو اور کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے چاہے وہ ان کے قریبی رشتے دار ہوں، وہ محبت و موالات کا تعلق نہ رکھیں۔ جیسا کہ سورۃ مجادلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ”تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہوں“ پھر خوشخبری دی گئی کہ ”یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جنہیں اللہ کی مدد حاصل ہے، انہیں ہی اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔۔۔ اور یہ حزب اللہ ہے، کامیابی جس کا مقدر ہے۔“ (سورۃ مجادلہ آخری آیت)

۳. اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں۔ یہاں پھر یہی تاکید کی گئی ہے کہ دین کو کھیل مذاق بنانے والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اس لیے ان کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

۵۸. اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں۔^(۱) یہ اس واسطے کہ بے عقل ہیں۔

۵۹. آپ کہہ دیجیے اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ تم میں اکثر فاسق ہیں۔

۶۰. کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جن پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنادیا اور جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، وہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور وہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔^(۲)

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُوءًا وَلَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تُنْفِقُونَ مِمَّا آتَاكُمْ اللَّهُ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ۝

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَٰلِكَ مُتَوَبِّعٌ عِنْدَ اللَّهِ مِمَّنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضَبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَاقَ وَاتَّخَذَ زَيْرًا وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ سُرْمَكُنَاوًا أَضَلَّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

۱. حدیث میں آتا ہے کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو پھر آجاتا ہے، تکبیر کے وقت پھر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، جب تکبیر ختم ہوجاتی ہے تو پھر آکر نمازوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری- کتاب الأذان، صحیح مسلم- کتاب الصلوٰۃ) شیطان ہی کی طرح شیطان کے پیروکاروں کو اذان کی آواز اچھی نہیں لگتی، اس لیے وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث رسول ﷺ بھی قرآن کی طرح دین کا ماخذ اور اسی طرح حجت ہے۔ کیونکہ قرآن نے نماز کے لیے ”مداء“ کا تو ذکر کیا ہے لیکن یہ ”مداء“ کس طرح دی جائے گی؟ اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے۔ یہ چیزیں حدیث سے ثابت ہیں، جو اس کی حجت اور ماخذ دین ہونے پر دلیل ہیں۔ حجت حدیث کا مطلب: حدیث کے ماخذ دین اور حجت شرعی ہونے کا مطلب ہے، کہ جس طرح قرآن کریم کی نص سے ثابت ہونے والے احکام و فرائض پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونے والے احکام کا ماننا بھی فرض، ان پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ تاہم حدیث کا صحیح مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے۔ صحیح حدیث چاہے متواتر ہو یا آحاد، قولی ہو، فعلی ہو یا تقریری۔ یہ سب قابل عمل ہیں۔ حدیث کا خبر واحد کی بنیاد پر، یا قرآن سے زائد ہونے کی بنیاد پر یا ائمہ کے قیاس و اجتہادات کی بنیاد پر یا راوی کے عدم فقہت کے دعویٰ کی بنیاد پر یا عقلی استدلال کی بنیاد پر یا اسی قسم کے دیگر دعویٰ کی بنیاد پر، رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ سب حدیث سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں۔

۲. یعنی تم تو (اے اہل کتاب!) ہم سے یوں ہی ناراض ہو جب کہ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اللہ پر اور

۶۱. اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔^(۱)

۶۲. اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کھانے کی طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں۔

۶۳. انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے، بے شک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔^(۲)

۶۴. اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔^(۳) انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان

وَإِذَا جَاءَهُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ خَلَوْنَا بِالْكَفْرِ
وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا
يَكْتُمُونَ^(۱)

وَتَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السَّخْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ^(۲)

لَوْ لَا يَنْهَعُهُمُ الرَّبُّ يُذْنِبُونَ وَالْكَبَارُ عُنَى
قَوْلِهِمُ الْإِثْمُ وَأَكْلِهِمُ السَّخْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا
يَصْنَعُونَ^(۳)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ
وُلُوعُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ

قرآن کریم اور اس سے قبل اتاری گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قصور یا عیب ہے؟ یعنی یہ عیب اور مذمت والی بات نہیں، جیسا کہ تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ استثناء منقطع ہے۔ البتہ ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ بدترین لوگ اور گمراہ ترین لوگ، جو نفرت اور مذمت کے قابل ہیں، کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوا اور جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنادیا اور جنہوں نے طاعوت کی پوجا کی۔ اور اس آئینے میں تم اپنا چہرہ اور کردار دیکھ لو کہ یہ کن کی تاریخ ہے اور کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟

۱. یہ منافقین کا ذکر ہے۔ جو نبی ﷺ کی خدمت میں کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں، آپ ﷺ کی صحبت اور آپ کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دل میں تو کفر چھپا ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے مقصد ہدایت کا حصول نہیں، بلکہ دھوکہ اور فریب دینا ہوتا ہے۔ تو پھر ایسی حاضری سے فائدہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟

۲. یہ علماء مشائخ دین اور عباد و زہاد پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمہارے سامنے فسق و فجور اور حرام خوری کا ارتکاب کرتی ہے لیکن تم انہیں منع نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں تمہاری یہ خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتنی اہمیت اور اس کے ترک پر کتنی سخت وعید ہے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی یہ مضمون وضاحت اور کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔

۳. یہ وہی بات ہے جو سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۱ میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرچ کرنے کی

يَبْغَىٰ وَلَكِنَّ دِينًا كَبِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَالْقَبِيلَةُ نَمُ الْعَدَاوَةِ
وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا
لِّلْحَرْبِ أَطْفَلَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ
فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝

کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں اور بڑھا دیتا ہے اور ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے،^(۱) یہ زمین میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔

ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے“ لوگوں سے قرض مانگ رہا ہے اور وہ تعبیر کے اس حسن کو نہ سمجھ سکے جو اس میں پنہاں تھا۔ یعنی سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا، کوئی قرض نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ وہ اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سو دانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا تمہیں واپس لوٹائے گا۔ مَغْلُوبَةً کے معنی بَحِيلَةٌ (بخل والے) کیے گئے ہیں۔ یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعتاً بندھے ہوئے ہیں، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاتھ تو انہی کے بندھے ہوئے ہیں یعنی بخیلی انہی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے۔ خرچ کرتا ہے۔ وہ وَاسِعُ الْفَضْلِ اور جَزِيلُ الْعَطَاءِ ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی مخلوقات کے لیے تمام حاجات و ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یا دن کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ مِنْكُمْ كُلٌّ مَّا سَأَلُوكَ وَإِنْ تَعَدَّ الْعِدَّةَ لِلَّهِ لَأَكْثُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراہیم: ۳۴) (تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمہیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناشکر ہے)۔ حدیث میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کی نہیں آتی، ذرا دیکھو تو، جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں آئی۔“ (صحیح البخاری، کتاب التَّوْحِيدِ، باب وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، کتاب الزَّكَاةِ، باب الْحَثُّ عَلَى النِّفَقَةِ)

۱۔ یعنی یہ جب بھی آپ کے خلاف کوئی سازش کرتے یا لڑائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باطل کر دیتا اور ان کی سازش کو انہی پر الٹا دیتا ہے اور ان کو ”چاہ کن را چاہ در پیش“ کی سی صورت حال سے دوچار کر دیتا ہے۔

۲۔ ان کی عادت ثانیہ ہے کہ ہمیشہ زمین میں فساد پھیلانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں فرماتا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا الْكَفَرْنَا عَنْهُمْ سُبْحَاتِهِمْ وَلَاحْنَهُمْ حَبْطَ النَّجْمِ ۝

۶۵۔ اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے^(۱) تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرمادیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آتَمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكُونُوا مِنْ فَزَائِهِمْ وَمِنْ نَحْوِ أَجْلِهِمْ مُمْسِكَةٌ مَقْصُودَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

۶۶۔ اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان کے پورے پابند رہتے^(۲) تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے،^(۳) ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں۔^(۴)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

۶۷۔ اے رسول (ﷺ) جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں

۱۔ یعنی وہ ایمان، جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، ان میں سب سے اہم محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہے، جیسا کہ ان پر نازل شدہ کتابوں میں بھی ان کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ کی معاصی سے بچتے، جن میں سب سے اہم وہ شرک ہے جس میں وہ مبتلا ہیں اور وہ جود ہے جو آخری رسول کے ساتھ وہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔
۲۔ تورات اور انجیل کے پابند رہنے کا مطلب، ان کے ان احکام کی پابندی ہے جو ان میں انہیں دیے گئے، اور انہی میں ایک حکم آخری نبی پر ایمان لانا بھی تھا۔ اور وَمَا أُنْزِلَ سے مراد تمام آسمانی کتب پر ایمان لانا ہے جن میں قرآن کریم بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیتے۔

۳۔ اوپر نیچے کا ذکر یا تو بطور مبالغہ ہے، یعنی کثرت سے اور انواع و اقسام کے رزق اللہ تعالیٰ مہیا فرماتا۔ یا اوپر سے مراد آسمان ہے یعنی حسب ضرورت خوب بارشیں برساتا اور ”نیچے“ سے مراد زمین ہے۔ یعنی زمین اس بارش کو اپنے اندر جذب کر کے خوب پیداوار دیتی۔ نتیجتاً شادابی اور خوش حالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶) (اگر بستیوں والے ایمان لائے ہوتے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے (دروازے) کھول دیتے)۔

۴۔ لیکن ان کی اکثریت نے ایمان کا یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر مصر اور رسالت محمدی سے انکار پر اڑے ہوئے ہیں۔ اسی اصرار اور انکار کو یہاں برے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درمیانہ روش کی ایک جماعت سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے ۸، ۹ افراد ہیں جو یہود مدینہ میں سے مسلمان ہوئے۔

کی^(۱) اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۶۸. آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات و انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو، جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے اترتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا،^(۳) تو آپ ان کافروں پر غمگین نہ ہوں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حٰثِيْنَ تَفِيْمُوا
التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ
وَكَيْفَ يَدِيْنُ كَيْفَ اَمَرْتُمْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
طٰغِيٰنًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝۶۸

۱. اس حکم کا مفاد یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، بلا کم وکاست اور بلا خوف لومۃ لائم آپ لوگوں تک پہنچادیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ﷺ نے کچھ چھپا لیا، اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔“ (صحیح بخاری: ۳۸۵۵) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جب سوال کیا گیا کہ تمہارے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعے سے نازل شدہ کوئی بات ہے؟ تو انہوں نے قسم کھا کر نفی فرمائی اور فرمایا: اِلَّا فَهَمَّا يُعْطِيْهِ اللّٰهُ رَجُلًا (البتہ قرآن کا فہم ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی کو بھی عطا فرمادے) (صحیح بخاری: نمبر ۶۹۰۳) اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غفیر میں فرمایا ”تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟“ انہوں نے کہا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ قَدْ بَلَّغْتَ، وَاَدَّيْتَ، وَنَصَحْتَ ”ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام دیا اور ادا کر دیا اور خیر خوانی فرمادی۔“ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ (تین مرتبہ) یا اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ (تین مرتبہ) (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث رقم: ۱۲۱۸) ”یعنی اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچادیا، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ۔“

۲. یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی، دنیاوی اسباب کے تحت اس آیت کے نزول سے بہت قبل اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے چچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبی محبت ڈال دی، اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کا کفر پر قائم رہنا بھی شاید انہی اسباب کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو شاید سرداران قریش کے دل میں ان کی وہ ہیبت و عظمت نہ رہتی جو ان کے ہم مذہب ہونے کی صورت میں آخر وقت تک رہی۔ پھر ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض سرداران قریش کے ذریعہ پھر انصار مدینہ کے ذریعے سے آپ کا تحفظ فرمایا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہو گئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب (پہرے وغیرہ) اٹھوا دیے۔ اس کے بعد بارہا سنگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ وحی کے ذریعے سے اللہ نے وقتاً فوقتاً یہودیوں کے مکروکید سے مطلع فرما کر خاص خطرے کے مواقع پر ہجایا اور گھسان کی جنگوں میں کفار کے انتہائی پر خطر حملوں سے بھی آپ کو محفوظ رکھا۔ ذٰلِكَ مِنْ قُدْرَةِ اللّٰهِ وَقُدْرَةُ بِمَا شَاءَ، وَلَا يَزِدُّ قُدْرَةَ اللّٰهِ وَقَضَاءَهُ اَحَدٌ وَلَا يَغْلِبُهُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ۔

۳. یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے۔ یعنی جس طرح بعض اعمال و اشیاء سے اہل

۶۹. مسلمان، یہودی، صائبی اور نصرانی، کوئی ہو، جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا۔^(۱)

۷۰. ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔

۷۱. اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہ ہوگی، پس اندھے بہرے بن بیٹھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہو گئے۔^(۲) اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔

۷۲. بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم (علیہ السلام) ہی اللہ ہے^(۳) حالانکہ خود مسیح (علیہ السلام) نے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ
وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحَاتٍ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۹﴾

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَرَأْسَنَّا الْكِتَابَ
رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ
فَرَفَّاهُ كَذِبًا وَفَرَقْنَا بَيْنَ الْيَقِينِ وَالْهَوَىٰ

وَحَسِبُوا أَن لَّكُونُوا مِنَّا قَلِيلًا مِّنْ دُونِ مَا وَعَدُوا وَنَحْنُ نَرَىٰ
اللَّهِ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَصَوْا وَاصْتَدُوا بِرِئَاسَتِهِمْ مِنَ اللَّهِ
بَصِيرَةً يَمَا يَكْمُلُونَ ﴿۷۰﴾

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي لِي بَنِي إِسْرَءِيلَ عِبُدُوا اللَّهَ رَبِّي

ایمان کے ایمان و تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تہمت سے کفر و طغیان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي آمَنُوا هُدًى وَنُصْرًا وَالَّذِينَ كَفَرُوا مُتْرَفُونَ﴾ (اِذَا نَهَمُ وَتَرَوْهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أَلَيْكَ يَبْدُونَ مِنْ مَّكَانٍ هُعِيْبٍ ﴿حَمَّ السَّجْدَةِ: ۴۴﴾) (فرمادیجیے یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہر اپن) ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے۔ گرانی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے)۔ ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ نَافِثًا وَنُصْرًا يُؤْمِنُونَ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِالْقَلَمِ الْكُفَّارُ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۲) (اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے)۔

۱. یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بقرہ کی آیت: ۶۲ میں بیان ہوا ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔
۲. یعنی سمجھے یہ تھے کہ کوئی سزا مترتب نہ ہوگی۔ لیکن مذکورہ اصول الہی کے مطابق یہ سزا مترتب ہوئی کہ یہ حق کے دیکھنے سے مزید اندھے اور حق کے سننے سے مزید بہرے ہو گئے اور توبہ کے بعد پھر یہی عمل انہوں نے دہرایا ہے تو اس کی وہی سزا بھی دوبارہ مترتب ہوئی۔

۳. یہی مضمون آیت نمبر ۱۷ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر میں اس کا پھر ذکر فرمایا۔ اس

وَرَبِّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ عَلِيمٌ ۝

ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کارب ہے،^(۱) یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گناہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔^(۲)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَنْ
عِنْدَ الرَّبِّ وَاِحْدَانُ كَمْ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ
لَيْسَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝

۳۔ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا، اللہ تین میں کا تیسرا ہے،^(۳) دراصل سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں

میں ان کے اس فرقے کا کفر کا اظہار ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے عین اللہ ہونے کا قائل ہے۔

۱۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی مسیح ابن مریم علیہ السلام نے عالم شیرخواری میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کہ بچے اس عمر میں قوت گویائی نہیں رکھتے) سب سے پہلے اپنی زبان سے اپنی عبودیت ہی کا اظہار فرمایا، ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ (الذَّبِّي الْكَذِبُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا) (مریم: ۳۰) (میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے اس نے کتاب بھی عطا کی ہے) حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا، میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں۔ صرف یہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور عمر کہولت میں بھی انہوں نے یہی دعوت دی ﴿إِنَّ اللَّهَ دَرِيٌّ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ (آل عمران: ۵۱) یہ وہی الفاظ ہیں جو ماں کی گود میں بھی کہے تھے (ملاحظہ ہو سورہ مریم: ۳۲) اور جب قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا، جس کی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے اور جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، تب بھی وہ نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف ہی بلائیں گے، نہ کہ اپنی عبادت کی طرف۔

۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی ہندگی اور رسالت کا اظہار اللہ کے حکم اور مشیت سے اس وقت بھی فرمایا تھا جب وہ ماں کی گود میں یعنی شیرخواری کی حالت میں تھے۔ پھر سن کہولت میں یہ اعلان فرمایا۔ اور ساتھ ہی شرک کی شاعت و قباحت بھی بیان فرمادی کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا جو اسے جہنم سے نکال لائے، جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں۔

۳۔ یہ عیسائیوں کے دوسرے فرقے کا ذکر ہے جو تین خداؤں کا قائل ہے، جن کو وہ اَقَانِيْمُ ثَلَاثَةِ كُتَبِے ہیں۔ ان کی تعبیر و تشریح میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کو بھی الہ (معبود) قرار دے لیا ہے، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا۔ ﴿وَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْتِي مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (المائدہ: ۱۱۶) (کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا؟) اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ اور مریم علیہ السلام ان دونوں کو عیسائیوں نے الہ بنایا، اور اللہ تیسرا الہ ہوا، جو ثَالِثُ ثَلَاثَةِ (تین میں کا تیسرا کہلایا) پہلے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر سے تعبیر فرمایا۔

سے جو کفر پر رہیں گے، انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔
۷۴۔ یہ لوگ کیوں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

۷۵۔ مسیح ابن مریم (علیہ السلام) سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں ^(۱) دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے، ^(۲) آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔

۷۶۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اور اللہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے۔ ^(۳)

۷۷۔ کہہ دیجیے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو ^(۴) اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ④

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَنَّهُ صَدَقَتَهُ كَذَابًا كَانَ الظَّالِمُ الْأُنْظُرُ كَيْفَ نَبِّئِينَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرُوا أَنَّى يُؤْفَكُونَ ⑤

ثُمَّ لَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ لَكُمْ فَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑥

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ

۱۔ صِدِّيقَہ کے معنی مومنہ اور ولیہ کے ہیں یعنی وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبیہ (پیغمبر) نہیں تھیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سمیت، حضرت سارہ (ام اسحاق علیہا السلام) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نبیہ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آکر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہ گفتگو اور وحی نبوت کی دلیل ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے، وہ مرد تھے۔ (یوسف: ۱۰۹)

۲۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں کی الوہیت (الہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوائج و ضروریات میں سے ہے۔ جو الہ ہو، وہ تو ان چیزوں سے ماوراء بلکہ وراء الوراہ ہوتا ہے۔

۳۔ یہ مشرکوں کی کم عقلی کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ اللہوں کو انہوں نے معبود بنا رکھا ہے جو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلکہ نفع نقصان پہنچانا تو کجا، وہ تو کسی کی بات سننے اور کسی کا حال جاننے کی ہی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ قدرت صرف اللہ ہی کے اندر ہے۔ اس لیے حاجت روا مشکل کشا بھی صرف وہی ہے۔

۴۔ یعنی اتنا حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، اس میں مبالغہ کر کے انہیں منصب نبوت

وَأَصْلُوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

كَانُوا لَا يَتَنَبَّهُونَ عَنْ مَنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں ^(۱) اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

۴۸۔ بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داود (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت کی گئی ^(۲) اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ ^(۳)

۴۹۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے ^(۴) جو کچھ بھی یہ کرتے تھے

سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز مت کرو، جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے معاملے میں تم نے کیا۔ غلو ہر دور میں شرک اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ انسان کو جس سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، وہ اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے۔ وہ امام اور دینی قائد ہے تو اس کو پیغمبر کی طرح معصوم سمجھتا اور پیغمبر کو خدائی صفات سے متصف ماننا عام بات ہے، بد قسمتی سے مسلمان بھی اس غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انہوں نے بعض ائمہ کی شان میں بھی غلو کیا اور ان کی رائے اور قول، حتیٰ کہ ان کی طرف منسوب فتویٰ اور فقہ کو بھی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترجیح دے دی۔

۱۔ یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو، جو ایک نبی کو اللہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔
۲۔ یعنی زبور میں جو حضرت داود علیہ السلام پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جا رہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری ہے۔
۳۔ یہ لعنت کے اسباب ہیں۔ (۱) عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے۔ انہوں اللہ کی نافرمانی کی۔ (۲) اور اعتدال یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انہوں نے حد سے تجاوز کیا۔

۴۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے ٹوکتے نہیں تھے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ بعض مفسرین نے اسی ترک نہی کو عصیان اور اعتداء قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا، بہت بڑا جرم اور لعنت و غضب الہی کا سبب ہے۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”سب سے پہلا نقص جو بنی اسرائیل میں داخل ہوا یہ تھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو برائی کرتے ہوئے دیکھتا تو کہتا، اللہ سے ڈر اور یہ برائی چھوڑ دے، یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ لیکن دوسرے روز پھر اسی کے ساتھ اسے کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہ ہوتی، (یعنی اس کا ہم نوالہ و ہم پیلہ اور ہم نشین بن جاتا) دراصل حالیکہ ایمان کا تقاضا اس سے نفرت اور ترک تعلق تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان آپس میں عداوت ڈال دی اور وہ لعنت الہی کے مستحق قرار پائے“ پھر فرمایا کہ ”اللہ کی قسم! تم ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم

یقیناً وہ بہت برا تھا۔

۸۰. ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔^(۱)

۸۱. اور اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔^(۲)

۸۲. یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے^(۳) اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور عبادت کے لیے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔^(۴)

تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ
مَا ذَمَّتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خُلْدٌ ۝

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مَّا آتَيْنَاهُمْ وَأُولَئِكَ
كَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَهُمْ قَسِيحُونَ ۝

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا
الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم
مُّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا
نُصْرَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَسِيحِينَ
وَرَهْبَانًا وَلَٰئِهِمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝

دیا کرو اور برائی سے روکا کرو، ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا کرو (ورنہ تمہارا حال بھی یہی ہوگا)۔....." الحدیث (ابوداؤد- کتاب الملاحم: ۴۳۴۶)
ایک دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہیں ہوں گی۔ (مسند احمد جلد ۵- ص ۳۸۸)

۱. یہ اہل کفر سے دوستانہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور اسی ناراضی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب ہے۔
۲. اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر صحیح معنوں میں ایمان ہوگا، وہ کافروں سے کبھی دوستی نہیں کرے گا۔
۳. اس لیے کہ یہودیوں کے اندر عناد و جود، حق سے اعراض و استکبار اور اہل علم و ایمان کی تنقیص کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی، آپ ﷺ پر جادو بھی کیا اور ہر طرح نقصان پہنچانے کی مذموم سعی کی۔ اور اس معاملے میں مشرکین کا حال بھی یہی ہے۔
۴. رُہبان سے مراد نیک، عبادت گزار اور گوشہ نشین لوگ اور قَسِيحِينَ سے مراد علماء و خطباء ہیں، یعنی ان عیسائیوں میں علم و تواضع ہے، اس لیے ان میں یہودیوں کی طرح جود و استکبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دین مسیحی میں نرمی اور عفو و درگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، حتیٰ کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی تمہارے دائیں رخسار پر مارے تو بائیں رخسار بھی اس کو پیش کر دو۔ یعنی لڑو مت۔ ان وجوہ سے یہ مسلمانوں کے، بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ قریب

وَإِذْ أَسْمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ
أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ
الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا مَا كُنْتُمْ مَعَهُ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۹﴾

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَقُصُّ
أَنْ يَدْخُلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۶۰﴾

۸۳۔ اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔

۸۴۔ اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کر دے گا۔^(۱)

ہیں۔ عیسائیوں کا یہ وصف یہودیوں کے مقابلے میں ہے۔ تاہم جہاں تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے، کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ، اسلام کے خلاف یہ عہاد عیسائیوں میں بھی موجود ہے، جیسا کہ صلیب و ہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے قرآن نے دونوں سے ہی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۔ حبشے میں، جہاں مسلمان مکی زندگی میں دو مرتبہ ہجرت کر کے گئے۔ أَصْحَمَةُ نجاشی کی حکومت تھی، یہ عیسائی مملکت تھی۔ یہ آیات حبشے میں رہنے والے عیسائیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں روایت کی رو سے نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جو انہوں نے جاکر اسے سنایا، نجاشی نے وہ مکتوب سن کر حبشے میں موجود مہاجرین اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے علماء اور عباد و زہاد (قَسْبِیْنِ) کو بھی جمع کر لیا، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم پڑھی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت اور ان کی عبودیت و رسالت کا ذکر ہے جسے سن کر وہ بڑے متاثر ہوئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے کچھ علماء نبی ﷺ کے پاس بھیجے تھے، جب آپ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایمان لے آئے۔ (فتح القدیر) آیات میں قرآن کریم سن کر ان پر جو اثر ہوا اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ ہے قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر اس قسم کے عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمِمَّا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ يُخْفُونَ إِلَيْكُمْ﴾ (آل عمران: ۱۹۹) (یقیناً اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں) وَغَيْرَ هَٰذَا مِنَ الْآيَاتِ اور حدیث میں آتا ہے کہ جب نجاشی کی موت کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ حبشے میں تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھو چنانچہ ایک صحراء میں

۸۵۔ اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔

۸۶۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

۸۷۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو^(۱) اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فَاَنَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا وَاجْعَلْ يَحْيَىٰ مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارَ جُلُودًا فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۵﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا
أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾

آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ (صحیح البخاری، مناقب الأنصار و کتاب الجنائز - صحیح مسلم، کتاب الجنائز) ایک اور حدیث میں ایسے اہل کتاب کی بابت، جو نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے بتلایا گیا ہے کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا۔ (بخاری - کتاب العلم و کتاب النکاح)

۱۔ حدیث میں آتا ہے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے، جس پر آیت نازل ہوئی۔ (صحیح ترمذی - للالبانی، جلد ۳ ص ۴۶) اسی طرح سب نزول کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم زہد و عبادت کی غرض سے بعض حلال چیزوں سے (مثلاً عورت سے نکاح کرنے، رات کے وقت سونے، دن کے وقت کھانے پینے سے) اجتناب کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، ان کی بیوی کی شکایت پر آپ ﷺ نے انہیں بھی اس سے روکا۔ (کتب حدیث) بہر حال اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو حرام کر لینا یا اس سے ویسے ہی پرہیز کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کا تعلق ماکولات و مشروبات سے ہو یا لباس سے ہو یا مرغوبات و جائز خواہشات سے۔

مسئلہ: اس طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا تو وہ حرام نہیں ہوگی، سوائے عورت کے۔ البتہ اس صورت میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور بعض کے نزدیک کفارہ ضروری نہیں۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو بھی کفارہ یمین ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام کر لینا، یہ قسم کھانے کے مرتبے میں ہے جو تکفیر (یعنی کفارہ ادا کرنے) کا متقاضی ہے۔ لیکن یہ استدلال احادیث صحیحہ کی موجودگی میں محل نظر ہے۔ فَالصَّحِيحُ مَا قَالَهُ الشُّوْكَانِيُّ.

۸۸. اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

۸۹. اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مواخذہ نہیں فرماتا لیکن مواخذہ اس پر فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کر دو۔^(۱) اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھروالوں کو کھلاتے ہو^(۲) یا ان کو کپڑا دینا^(۳) یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے^(۴) اور جسکو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں^(۵) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کا

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ
الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

لَا يَأْخُذْكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ
بِأَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ فَكَلِمَاتُكُمْ
إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ
أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَخْرِيرُ رَقَبَةٍ ۚ مَنْ لَمْ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَارَةُ الْأَيْمَانِ
إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

۱. قَسَمٌ جس کو عربی میں حَلْفٌ یا يَمِينٌ کہتے ہیں جن کی جمع اَحْلَافٌ اور ایمان ہے، تین قسم کی ہیں۔ (۱) لَعْوٌ (۲) غَمُوسٌ (۳) مُعَقَّدَةٌ لَعْوٌ: وہ قسم ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ غَمُوسٌ: وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکہ اور فریب دینے کے لیے کھائے۔ یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر الکبائر ہے۔ لیکن اس پر کفارہ نہیں۔ مُعَقَّدَةٌ: وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لیے ارادہ اور نیت کھائے، ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

۲. اس کھانے کی مقدار میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، اس لیے اختلاف ہے۔ البتہ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے، جس میں رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے والے کے کفارہ کا ذکر ہے، ایک مد (تقریباً ۱۰/۱۱ چمچانک) فی مسکین خوراک قرار دی ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کفارہ جماع ادا کرنے کے لیے ۱۵ صاع کھجوریں دی تھیں، جنہیں ساٹھ مسکینوں پر تقسیم کرنا تھا۔ ایک صاع میں ۴ مد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بغیر سالن کے دس مسکینوں کے لیے دس مد (یعنی سوا چھ سیر یا چھ کلو) خوراک کفارہ ہوگی۔ (ابن کثیر)

۳. لباس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بظاہر مراد جوڑا ہے جس میں انسان نماز پڑھ سکے۔ بعض علماء خوراک اور لباس دونوں کے لیے عرف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ (حاشیہ ابن کثیر، تحت آیت زہر بحث)

۴. بعض علماء قتل خطا کی دیت پر قیاس کرتے ہوئے لونڈی، غلام کے لیے ایمان کی شرط عائد کرتے ہیں۔ امام شوکانی کہتے ہیں، آیت میں عموم ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

۵. یعنی جس کو مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ روزے اس کی قسم کا کفارہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء پے درپے روزے رکھنے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں طرح جائز ہیں۔

خیال رکھو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

۹۰. اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں۔ ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔^(۱)

۹۱. شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے^(۲) سو کیا تم باز آنے والے ہو؟

۹۲. اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْخُمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْأَنْصَابَ
وَالْأَزْكَامَ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ
لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ^(۱)

إِنَّ شَايِرَ يَدِ الشَّيْطَانِ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخُمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ^(۲)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ^(۳)

۱. یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے۔ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی۔ لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ، جوا پرستش گاہوں یا تھانوں اور فال کے تیروں کو رجس (پلید) اور شیطانی کام قرار دے کر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں شراب اور جوا کے مزید تفصیلات بیان کر کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ جس سے مقصود اہل ایمان کی آزمائش ہے۔ چنانچہ جو اہل ایمان تھے، وہ تو منشائے الہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہو گئے۔ اور کہا اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا! "اے رب ہم باز آگئے" (مسند احمد جلد ۲، صفحہ ۳۵۱) لیکن آج کل کے بعض "دانثور" کہتے ہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کہاں قرار دیا ہے؟ ع

بریں عقل و دانش باید گریست

یعنی شراب کو رجس (پلیدی) اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم دینا، نیز اس اجتناب کو باعث فلاح قرار دینا، ان "مجتہدین" کے نزدیک حرمت کے لیے کافی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک پلید کام بھی جائز ہے، شیطانی کام بھی جائز ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجتناب کا حکم دے، وہ بھی جائز ہے اور جس کی بابت کہے کہ اس کا ارتکاب عدم فلاح اور اس کا ترک فلاح کا باعث ہے، وہ بھی جائز ہے۔ اِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

۲. یہ شراب اور جوا کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں، جو محتاج وضاحت نہیں ہیں۔ اسی لیے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پشتینی جاگیر داروں کو مفلس و قلاش بنادیتی ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ۔

۹۳۔ ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیزگاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیزگاری کرتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اور اللہ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے۔^(۱)

۹۴۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا^(۲) جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے^(۳) تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کر لے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے۔

۹۵۔ اے ایمان والو! (وحشی) شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو۔^(۴) اور جو شخص تم میں سے

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِبُوا إِذَا مَا آتَقُوا وَالْمَنُوعُوا عَلَى الصَّالِحَاتِ آتَقُوا وَالْمَنُوعُوا آتَقُوا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا الْفَيْدَ وَالْمَنُوعُوا عَلَى الصَّالِحَاتِ تَنَالَهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ اللَّهُ مَنَّ بِنِعْمَتِهِ بِالْغَيْبِ فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا الْفَيْدَ وَالْمَنُوعُوا عَلَى الصَّالِحَاتِ تَنَالَهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ اللَّهُ مَنَّ بِنِعْمَتِهِ بِالْغَيْبِ فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

۱۔ حرمت شراب کے بعد بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے کئی ساتھی جنگوں میں شہید یا ویسے ہی فوت ہو گئے۔ جب کہ وہ شراب پیتے رہے ہیں۔ تو اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ کر دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان و تقویٰ پر ہی ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔

۲۔ شکار عربوں کی معاش کا ایک اہم عنصر تھا، اس لیے حالت احرام میں اس کی ممانعت کر کے ان کا امتحان لیا گیا۔ خاص طور پر حدیبیہ میں قیام کے دوران کثرت سے شکار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریب آتے، لیکن انہیں ایام میں ان ۴ آیات کا نزول ہوا جن میں اس سے متعلقہ احکام بیان فرمائے گئے۔

۳۔ قریب کا شکار یا چھوٹے جانور عام طور پر ہاتھ ہی سے پکڑ لیے جاتے ہیں اور دور کے یا بڑے جانوروں کے لیے تیر اور نیزے استعمال ہوتے تھے۔ اس لیے صرف ان دونوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مراد یہ ہے کہ جس طرح بھی اور جس چیز سے بھی شکار کیا جائے، احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔

۴۔ امام شافعی نے اس سے مراد، صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں یعنی جو کھانے کے کام میں آتے ہیں۔ دوسرے بڑی جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں، ماکول اور غیر ماکول دونوں قسم کے جانور اس میں شامل ہیں۔ البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا استثناء احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں کوا، خیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتله من الدواب فی الحل والحرم، وموطأ امام مالک) حضرت نافع سے سانپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، اس

يَعْلَمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَذَآ إِلَٰهَ الْكَعْبَةِ أَوْ
كَفَّارَةٌ لِّصَاحِبِهِ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَٰلِكَ صِيَامًا
لِّبَدْنِهِ وَبِآلِ أُمِّهِ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لَمَاسَكَ وَمَنْ عَادَ
فَيَنْتَقِمْ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُنُوبُنَا يُعَاقِبُ ۝۱۹

اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا^(۱) تو اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے^(۲) جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں^(۳) خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے^(۴) اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں^(۵) تاکہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو

کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اور امام احمد اور امام مالک اور دیگر علماء نے بھڑپے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عقور (کاٹنے والے کتے) میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر) ۱۔ ”جان بوجھ کر“ کے الفاظ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے یعنی بھول کر قتل کر دے تو اس کے لیے فدیہ نہیں ہے۔ لیکن جہور علماء کے نزدیک بھول کر، یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ مُتَعَمَّداً کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط نہیں ہے۔

۲۔ مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت یعنی قدو قیامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں ہے، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ مثلاً اگر ہرن کو قتل کیا تو اس کی مثل (مساوی) بکری ہے۔ گائے کی مثل نیل گائے ہے۔ وغیرہ۔ البتہ جس جانور کا مثل نہ مل سکتا ہو، وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر مکہ پہنچائی جائے گی۔ ۳۔ کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مثلی ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین میں فی مسکین ایک مد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ احناف کے نزدیک فی مسکین دو مد ہیں۔

۴۔ یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت، کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے، (فتح القدیر) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ کے حدود میں رہنے والے مساکین پر ہوگی۔

۵۔ او (یا) تخبیر کے لیے ہے یعنی کفارہ، اطعام مساکین ہو یا اس کے برابر روزے۔ دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کی پیشی ہوگی، روزوں میں بھی کی پیشی ہوگی۔ مثلاً محرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے، یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا، اگر یہ نہ ملے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر اس نے بارہ سنگھا، سانہر یا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے، اگر یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس مسکین کو کھانا یا بیس دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ یا ایسا جانور (شتر مرغ یا گور خر وغیرہ) قتل کیا ہے جس کی مثل اونٹ ہے تو اس کی عدم دستیابی کی صورت میں ۳۰ مساکین کو کھانا یا ۳۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

معاف کرو یا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔

۹۶. تمہارے لیے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔^(۱) تمہارے فائدہ کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لیے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔

۹۷. اللہ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں^(۲) یہ اس لیے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بے شک اللہ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتا ہے اور بے شک اللہ سب چیزوں کو خوب جانتا ہے۔

۹۸. تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے۔

۹۹. رسول کے ذمے تو صرف پہنچانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو۔

أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَافَةِ وَحَرَمٌ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقِلَابَ ذَلِكَ لَتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۷﴾

إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ﴿۹۸﴾
مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۹﴾

۱. صَيْدٌ سے مراد زندہ جانور اور طَعَامُهُ سے مراد وہ مردہ (مچھلی وغیرہ) ہے جسے سمندر یا دریا باہر پھینک دے یا پانی کے اوپر آجائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ سمندر کا مردار حلال ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار وغیرہ)

۲. کعبہ کو الْبَيْتُ الْحَرَامُ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے حدود میں شکار کرنا، درخت کاٹنا وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح اس میں اگر باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے قِيَمًا لِّلنَّاسِ (لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث) قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کا نظم و انصرام بھی صحیح ہے اور ان کی معاشی ضروریات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے (رجب، ذو القعدہ، ذو الحجہ اور محرم) اور حرم میں جانے والے جانور (ہدی اور قلائد) بھی قِيَمًا لِّلنَّاسِ ہیں کہ ان تمام چیزوں سے بھی اہل مکہ کو مذکورہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔

۱۰۰. آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو^(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! تاکہ تم کامیاب ہو۔

۱۰۱. اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اور اگر تم زمانہ نزولِ قرآن میں ان باتوں کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی^(۲) سوالات گزشتہ اللہ نے معاف کردیے اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑے حلم والا ہے۔

۱۰۲. ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کے منکر ہو گئے۔^(۳)

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبَدَّلَ لَكُمْ سُوؤُهُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

فَلَسَّالَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۝

۱. خَبِيثٌ (ناپاک) سے مراد حرام، یا کافر یا گناہ گار یا رڈی۔ طیب (پاک) سے مراد حلال، یا مومن یا فرماں بردار اور عمدہ چیز ہے یا یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث (ناپاک) ہوگی وہ کفر ہو، فسق و فجور ہو، اشیاء و اقوال ہوں، کثرت کے باوجود وہ ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جن میں پاکیزگی ہو۔ یہ دونوں کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ خبث کی وجہ سے اس چیز کی منفعت اور برکت ختم ہو جاتی ہے جب کہ جس چیز میں پاکیزگی ہوگی اس سے اس کی منفعت اور برکت میں اضافہ ہوگا۔

۲. یہ ممانعت نزولِ قرآن کے وقت تھی۔ خود نبی ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ”مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کردی گئی درآں حالیکہ اس سے قبل وہ حلال تھی۔“ (صحیح البخاری: ۴۲۸۹ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب توقیرہ ﷺ وترك إكثار سؤاله)

۳. کہیں اس کو تباہی کے مرکب تم بھی نہ ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے“ ایک شخص نے سوال کیا ”کیا ہر سال؟“ آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہوتا۔“

(صحیح مسلم، کتاب الحج حدیث: ۳۱۴ و مسند أحمد، سنن أبي داود، نسائی، ابن ماجہ) اسی لیے بعض مفسرین نے عَفَا اللَّهُ عَنْهَا کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ پس تم بھی ان کی بابت خاموش رہو، جس طرح وہ خاموش رہا۔ (ابن کثیر) ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس مفہوم کو بایں الفاظ بیان فرمایا: «ذُرُونِي مَا تَرَكْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سَوَالِهِمْ، وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَيَّ أَنْبَاءَهُمْ» (صحیح مسلم، کتاب باب مذکور) ”تمہیں جن چیزوں کی بابت نہیں بتایا گیا، تم مجھ سے ان کی بابت سوال مت کرو، اس لیے کہ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف بھی تھا۔“

۱۰۳. اللہ تعالیٰ نے نہ بَحِيرَة کو مشروع کیا ہے اور نہ سَائِبَة کو اور نہ وَصِيلَة کو اور نہ حَام کو ^(۱) لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

۱۰۴. اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

۱۰۵. اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ ^(۲) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَذُفُهُمْ لَا يَعْصُونَ ﴿١٠٣﴾

وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَبِذُّوكُمْ مَن صَلَّ إِذَا هْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ فَرَجِعْكُمْ جَمِيعًا فَيُبَيِّنْكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

۱۔ یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر حسب ذیل نقل کی گئی ہے۔ بَحِيرَة وہ جانور، جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لیے ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ سَائِبَة وہ جانور، جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اسے نہ سواری کے لیے استعمال کرتے نہ بار برداری کے لیے۔ وَصِيلَة وہ اونٹنی، جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (یعنی ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوتی) ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے اور حَام وہ نر اونٹ ہے، جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے۔ (اور نسل کافی بڑھ جاتی) تو اس سے بھی بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے اور بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اسے وہ حامی کہتے۔ اسی روایت میں یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”میں نے اسے جہنم میں انتہائیاں کھینچتے ہوئے دیکھا“ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورة المائدة) آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشروع نہیں کیا ہے، کیونکہ اس نے تو نذر و نیاز صرف اپنے لیے خاص کر رکھی ہے۔ بتوں کے لیے یہ نذر و نیاز کے طریقے مشرکوں نے ایجاد کیے ہیں اور بتوں اور معبودان باطل کے نام پر جانور چھوڑنے اور نذر و نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکوں میں بلکہ بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی قائم و جاری ہے۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۲۔ بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کر لی جائے تو کافی ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے۔ اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جب کہ قرآن نے إِذَا

تم سب کو بتا دے گا جو کچھ تم سب کرتے تھے۔

۱۰۶۔ اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں^(۱) یا غیر لوگوں میں سے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تمہیں موت آجائے^(۲) اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے^(۳) اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے، ہم اس حالت میں سخت گناہ گار ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْصَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ جِئِنِ الْوَصِيَّةَ اثْنَيْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَيْنِ مِمَّنْ غَيْرُكُمْ إِنِ أَنْتُمْ صَرَّيْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَاصْلَبْنَكُمْ مَّقْبِلَةَ الْمَوْتِ تَحْسِبُونَهَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيَقْبِضُ مِنْ بَالِ اللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا تَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا تَلْتُمُوا شَهَادَةَ اللَّهِ إِذَا دَاخِلَ مِنَ الْأَشْجَيْنِ ۝

اِهْتَدَيْتُمْ (جب تم خود ہدایت پر چل رہے ہو) کی شرط عائد کی ہے۔ اسی لیے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگو تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جب لوگ برائی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے“ (مسند احمد، جلد ۱ ص ۵، ترمذی: ۲۱۴۸، أبو داود: ۴۳۳۸) اس لیے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمہارے لیے یہ نقصان دہ نہیں ہے جب کہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو۔ البتہ ایک صورت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک جائز ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اس صورت میں فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ کے تحت اس کی گنجائش ہے۔ آیت بھی اس صورت کی متحمل ہے۔

۱۔ ”تم میں سے ہوں“ کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ موصی (وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں۔ اسی طرح ﴿الْآخَرَيْنِ مِمَّنْ غَيْرُكُمْ﴾ میں دو مفہوم ہوں گے یعنی مِمَّنْ غَيْرُكُمْ سے مراد یا غیر مسلم (اہل کتاب) ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

۲۔ یعنی سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جس سے زندہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت کرنا چاہے، کر دے۔

۳۔ یعنی مرنے والے موصی کے ورثاء کو شک پڑ جائے کہ ان اوصیاء نے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو وہ نماز کے بعد یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ یعنی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے ہیں۔

فَإِنْ عُرِيَ عَلَىٰ آثَمًا اسْتَحَقَّ إِسْمًا فَالْخَرْنُ يَقُومُنْ
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولٰئِكَ
فَيَقْبُ مِنْ يَدَيْهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعْتَدَيْنَا لِإِذَا إِلَيْنِ الظَّلِيمِينَ ﴿٥٠﴾

۱۰۷. پھر اگر یہ پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب (ہو کر حق بات چھپا رہے) ہیں ^(۱) تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے ^(۲) یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا، ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ يَّاتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَا
اَوْ يَخْتَفُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانُ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاسْمِعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥٠﴾

۱۰۸. یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں الٹی پڑ جائیں گی ^(۳) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو! اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۱. یعنی جھوٹی قسمیں کھائیں ہیں۔

۲. اَوَّلِيَّانِ، اولیٰ کا شنیہ ہے، مراد ہے میت یعنی موصی (وصیت کرنے والے) کے قریب ترین دو رشتے دار ﴿وَمِنْ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ﴾ کا مطلب یہ ہے جن کے مقابلے پر گناہ کا ارتکاب ہوا تھا یعنی جھوٹی قسم کا ارتکاب کر کے ان کو ملنے والا مال ہڑپ کر لیا تھا۔ الاَوَّلِيَّانِ یہ یا تو ہما مبتدا محذوف کی خبر ہے یا يَقُومَانِ یا اَخْرَانِ کی ضمیر سے بدل ہے۔ یعنی یہ جو قریبی رشتے دار، ان کی جھوٹی قسموں کے مقابلے میں اپنی قسم دیں گے۔

۳. یہ اس فائدے کا ذکر ہے جو اس حکم میں پنہاں ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اوصیاء صحیح صحیح گواہی دیں گے کیونکہ انہیں خطرہ ہوگا کہ اگر ہم نے خیانت یا دروغ گوئی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا تو یہ کاروائیاں خود ہم پر الٹ سکتی ہیں۔ اس واقعہ کی شان نزول میں بدیل بن ابی مریم کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شام تجارت کی غرض سے گئے، وہاں پیار اور قریب المرگ ہو گئے، ان کے پاس سامان اور چاندی کا ایک پیالہ تھا، جو انہوں نے دو عیسائیوں کے سپرد کر کے اپنے رشتہ داروں تک پہنچانے کی وصیت کردی اور خود فوت ہو گئے، یہ دونوں وحی جب واپس آئے تو پیالہ تو انہوں نے بیچ کر پیسے آپس میں تقسیم کر لیے اور باقی سامان و رثاء کو پہنچا دیا۔ سامان میں ایک رقعہ بھی تھا جس میں سامان کی فہرست تھی جس کی رو سے چاندی کا پیالہ گم تھا، ان سے کہا گیا تو انہوں نے جھوٹی قسم کھالی لیکن بعد میں پتہ چل گیا کہ وہ پیالہ انہوں نے فلاں صراف کو بیچا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان غیر مسلموں کے مقابلے میں قسمیں کھا کر ان سے پیالے کی رقم وصول کی۔ یہ روایت تو سنداً ضعیف ہے۔ (ترمذی: ۳۰۵۹ بتحقیق احمد شاکر۔ مصر) تاہم ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مختصراً یہ مروی ہے، جسے علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ترمذی، جلد ۳: ۲۳۳۹)

۱۰۹۔ جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں^(۱) تو ہی بے شک پوشیدہ باتوں کو پورا جاننے والا ہے۔

۱۱۰۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! (ﷺ) میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس^(۲) سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی^(۳) اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی^(۴) اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے، اور تم اچھا کر دیتے تھے

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أُتِدَّتْكَ رُوحُ الْقُدُسِ ۖ تَنَزَّلُ الْمَائِدَةُ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَادْعُكَ الْكُتُبُ وَالْحِكْمَةُ وَالزُّورَةُ وَالْإِنْجِيلُ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأُذُنٍ قُنُوقٍ فِيهَا تُنَادِي بِطِيعَايَ ۖ وَإِذْ نَادَىٰ ذُرِّيُّنَ الْأَكْمَامِ وَالْابْرَصَ بِأُذُنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْهَوَىٰ بِأُذُنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جَعَلَهُمُ الْبَاسِيزَةَ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

۱۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا یا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انہیں ہوگا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو مشرکی ہولناکیوں اور اللہ جل جلالہ کی بیعت و عظمت کی وجہ سے کریں گے یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہوگا۔ علاوہ ازیں باطنی امور کا علم تو کلیتہً صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسی لیے وہ کہیں گے علام الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل عالم الغیب نہیں ہوتے، عالم الغیب صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کو جتنا کچھ بھی علم ہوتا ہے، اولاً تو اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ثانیاً ان سے بھی ان کو بذریعہ وحی ہی آگاہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ذاتی طور پر ہو، نہ کہ کسی کے بتلانے پر اور جس کو بتلانے پر کسی چیز کا علم حاصل ہو اسے عالم الغیب نہیں کہا جاتا، نہ وہ عالم الغیب ہوتا ہی ہے۔ فَافْهَمْ وَتَذَكَّرْ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ۔

۲۔ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت: ۸۷ میں گزرا۔

۳۔ گود میں اس وقت کلام کیا، جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس نومولود (بچے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انہوں نے اس بچے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی کے عالم میں کلام کیا اور بڑی عمر میں کلام سے مراد نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت و تبلیغ ہے۔

۴۔ اس کی وضاحت سورہ آل عمران کی آیت: ۴۸ میں گزر چکی ہے۔

مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے، اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے،^(۱) اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے^(۲) پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔^(۳)

۱۱۱۔ اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا^(۴) کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں۔

وَلَاذِ اسْمِعُوا لِي الْاَوْحِيَّتِ اِلَى الْاَوْحِيَّتِ اِنَّ اَمْرًا يَنْزِلُ
وَيَسْئَلُ قَالُوا اَمَّا وَاَشْهَدُ بِاَنَّكَ
مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

۱۔ ان معجزات کا ذکر بھی مذکورہ سورت کی آیت: ۴۹ میں گزر چکا ہے۔

۲۔ یہ اشارہ ہے اس سازش کی طرف جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی دینے کے لیے تیار کی تھی۔ جس سے اللہ نے بچا کر انہیں آسمان پر اٹھالیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۃ آل عمران آیت: ۵۴۔

۳۔ ہر نبی کے مخالفین، آیات الہی اور معجزات دیکھ کر انہیں جادو ہی قرار دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ جادو تو شعبہ بازی کا ایک فن ہے، جس سے انبیاء علیہم السلام کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا مظہر ہوتے تھے، کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے اور اس کی مشیت و قدرت سے ہوتے تھے۔ کسی نبی کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کوئی معجزہ صادر کر کے دکھا دیتا، اسی لیے یہاں بھی دیکھ لیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر معجزے کے ساتھ اللہ نے چار مرتبہ یہ فرمایا ”بِاِذْنِي“ کہ ”ہر معجزہ میرے حکم سے ہوا ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے مشرکین مکہ نے مختلف معجزات کے دکھانے کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر: ۹۱-۹۳ میں ذکر کی گئی ہے تو اس کے جواب میں نبی ﷺ نے یہی فرمایا ”سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا نَذِيرًا مِّنْ رَّبِّيْ“ (میرا رب پاک ہے) (یعنی وہ تو اس کمزوری سے پاک ہے کہ وہ یہ چیزیں نہ دکھاسکے، وہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی ہے یا نہیں؟ یا کب مقتضی ہوگی؟ اس کا علم اسی کو ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے) لیکن میں تو صرف بشر اور رسول ہوں) یعنی میرے اندر یہ معجزات دکھانے کی اپنے طور پر طاقت نہیں ہے۔ بہر حال انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جادو سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جادوگر اس کا توڑ مہیا کر لیتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہے کہ دنیا بھر کے جمع شدہ بڑے بڑے جادوگر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا توڑ نہ کر سکے اور جب ان کو معجزہ اور جادو کا فرق واضح طور پر معلوم ہو گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

۴۔ حَوَارِيْن سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مددگار بنے۔ ان کی تعداد ۱۲ بیان کی جاتی ہے۔ وحی سے مراد یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی بلکہ یہ وحی الہام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں القاء کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام کو اسی قسم کا الہام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے۔

۱۱۲۔ وہ وقت یاد کے قابل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! (ﷺ) کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرمادے؟^(۱) آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔^(۲)

۱۱۳۔ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

۱۱۴۔ عیسیٰ ابن مریم (ﷺ) نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے^(۳) اور تیری طرف

لَاذِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱﴾

قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَنْظُرَ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۳﴾

۱۔ مَائِدَةً ایسے برتن (سینی، پلیٹ یا ٹرے وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کھانا ہو۔ اسی لیے دسترخوان بھی اس کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی کھانا چنا ہوتا ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے حواریین نے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ مطالبہ کیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مشاہدے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔
۲۔ یعنی یہ سوال مت کرو، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش کا سبب بن جائے کیونکہ حسب طلب معجزہ دکھائے جانے کے بعد اس قوم کی طرف سے ایمان میں کمزوری عذاب کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس مطالبے سے روکا اور انہیں اللہ سے ڈرایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے وحی کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم نبیہ تھیں، اس لیے کہ ان پر بھی اللہ کی طرف سے وحی آئی تھی، صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ وحی، وحی الہام ہی تھی، جیسے یہاں ﴿وُحِّیْتُ لَیْلِ الْخَوَارِیِّینَ﴾ میں ہے یہ وحی رسالت نہیں ہے۔

۳۔ اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قومی تہوار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے، چراغاں کیا جائے اور جشن منایا جائے، جیسا کہ آج کل اس کا یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق تہوار منائے جاتے ہیں۔ بلکہ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے، جس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر و تحمید کے زمرے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید

سے ایک نشانی ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما دے اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔

۱۱۵. حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد کفر کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔^(۱)

۱۱۶. اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! (ﷺ) کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو؟ (عیسیٰ علیہ السلام) عرض کریں گے کہ میں تو تجھ کو

قَالَ اللَّهُ اِنِّیْ مُنْزِلُهَا عَلَیْكَ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدَ مِنْکُمْ فَاِنِّیْ اَعْدِبُہٗ عَذَابًا اَلَّا اَعْدِیْہٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ لَیْسٰی اِبْنُ مَرْیَمَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اَتَّخِذُوْنِیْ وَاٰمِیْیَ الْہٰدِیْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَتْ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقِّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتُۤ اَنْتَ عَلٰمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ

بنانے کی جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف و تجید اور تکبیر و تمجید کریں۔ بعض اہل بدعت اس ”عید ماندہ“ سے ”عید میلاد“ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے، جسے اگر اسلام برقرار رکھنا چاہتا تو وضاحت کر دی جاتی۔ دوسرا یہ پیغمبر کی زبان سے ”عید“ بنانے کی خواہش کا اظہار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ تیسرا عید کا مفہوم و مطلب بھی وہ ہوتا ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ ”عید میلاد“ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ لہذا ”عید میلاد“ کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری عید نہیں ہے۔

۱. یہ مَائِدَة (خوان طعام) آسمان سے اترا یا نہیں؟ اس کی بابت کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نہیں۔ جمہور علماء (امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری سمیت) اس کے نزول کے قائل ہیں اور ان کا استدلال قرآن کے الفاظ ﴿اِنِّیْ مُنْزِلُهَا عَلَیْکُمْ﴾ سے ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً سچا ہے لیکن اسے اللہ کی طرف سے یقینی وعدہ قرار دینا اس لیے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اگلے الفاظ فَمَنْ یَّکْفُرْ اس وعدے کے مشروط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط سن کر انہوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کے بعد اس کا نزول نہیں ہوا۔ امام ابن کثیر نے ان آثار کی اسناد کو جو امام مجاہد اور حضرت حسن بصری سے منقول ہیں، صحیح قرار دیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ ان آثار کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نزول ماندہ کی کوئی شہرت عیسائیوں میں ہے، نہ ان کی کتابوں میں درج ہے۔ حالانکہ اگر یہ نازل ہوا ہوتا تو اسے ان کے ہاں مشہور بھی ہونا چاہیے تھا اور کتابوں میں بھی تواتر سے یا کم از کم آحاد سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۲. یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور مقصد اس سے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالینے والوں کی جزو تزیخ ہے کہ جن

نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱﴾

منزہ سمجھتا ہوں، مجھے کسی طرح زیبانہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہو گا تو تجھے اس کا علم ہو گا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔^(۱) بے شک تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔

۱۱۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔^(۲) میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو وہی ان پر مطلع رہا۔^(۳) اور تو

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اُمَرْتُ بِهٖ اَنْ اَعْبُدُ وَاللّٰهُ رَبِّيْ
وَرَبُّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا اِنْ اٰدَمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتُ اَنْتَ الْوَّحِيْدُ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱﴾

کو تم معبود اور حاجت روا سمجھتے تھے، وہ تو خود اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الہ (معبود) بنایا ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (اللہ کے سوا معبود) وہی نہیں ہیں جنہیں مشرکین نے پتھریا لکڑی کی مورتیوں کی شکل میں بنا کر ان کی پوجا کی، جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست علماء اپنے عوام کو یہ باور کرا کے مغالطہ دیتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے نیک بندے بھی مِنْ دُونِ اللّٰهِ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کی عیسائیوں نے کی۔

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے واضح الفاظ میں اپنی بابت علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید و عبادت رب کی یہ دعوت عالم شیرخوارگی میں بھی دی، جیسا کہ سورہ مریم میں ہے اور عمر جوانی و کھولت میں بھی۔

۳۔ تَوَفَّيْتَنِيْ کا مطلب ہے جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ آل عمران کی آیت ۵۵ میں گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیغمبروں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے یا جس کا مشاہدہ وہ اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا۔ جب کہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جسے بغیر کسی کے بتلانے ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس کا علم ازل سے ابد تک پر محیط ہوتا ہے۔ یہ صفت علم اللہ کے سوا کسی اور کے اندر نہیں۔ اس لیے عالم الغیب صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ میدانِ محشر میں نبی ﷺ کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ ﷺ فرمائیں گے ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے، اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ”(اے محمد ﷺ) آپ ﷺ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں“ جب آپ ﷺ یہ سنیں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت

ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔

۱۱۸. اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔^(۱)

۱۱۹. اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا^(۲) ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بڑی (بھاری) کامیابی ہے۔

۱۲۰. اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَأَنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ الْبَيْعِ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ لَكُمْ لَكُمْ جَدَّتْ يَوْمَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾

لِلَّهِ الْمُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَوَالْفِجْهَيْنِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾

یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الْوَثِيقَ عَلَيْهِمْ﴾ (صحیح البخاری، تفسیر سورة المائدة و کتاب الانبیاء - صحیح مسلم، باب فناء الدنيا و بیان الحشر يوم القيامة).

۱. یعنی مطلب یہ کہ یا اللہ! ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے، اس لیے کہ تو فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ بھی ہے، (جو چاہے کر سکتا ہے) اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ﴿لَا يَسْأَلُ عَنَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُنْصَلُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۳) (اللہ جو کچھ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی)۔ گویا آیت میں اللہ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی اور پھر ان دونوں باتوں کے حوالے سے عفو و مغفرت کی التجاء بھی۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے، حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ (مسند أحمد جلد ۵، ص ۱۳۹)

۲. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں يَنْفَعُ الْمُؤَحِّدِينَ تَوْحِيدُهُمْ وہ دن ایسا ہوگا کہ صرف توحید ہی موحدین کو نفع پہنچائے گی، یعنی مشرکین کی معافی اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔



سورہ انعام کی ہے اور اس میں ایک سو پینٹھ آیتیں
اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو
اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا^(۱) پھر بھی
کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔^(۲)
۲. وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا^(۳) پھر ایک
وقت معین کیا^(۴) اور (دوسرا) معین وقت خاص اللہ ہی
کے نزدیک ہے^(۵) پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔^(۶)

۳. اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین
میں بھی، وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے

أَحْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ^①

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَكُمْ وَأَجَلٌ
مُّسَمًّى عِنْدَهُ ثُمَّ أَنْتُمْ مَّنْزُورُونَ^②

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يُعَلِّمُ بَيِّنَاتٍ
وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ^③

۱. ظلمات سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے مقابلے میں
ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت سے ہیں اور اس کی انواع بھی متعدد ہیں اور نور کا
ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام انواع کو شامل ہے۔ (فتح القدیر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ ہدایت اور ایمان کا راستہ ایک
ہی ہے، چار یا پانچ یا متعدد نہیں ہیں، اس لیے نور کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔

۲. یعنی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

۳. یعنی تمہارے باپ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو، جو تمہاری اصل ہیں اور جن سے تم سب نکلے ہو۔ اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی
ہو سکتا ہے کہ تم جو خوراک اور غذائیں کھاتے ہو، سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور انہی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم
مادر میں جا کر تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔

۴. یعنی موت کا وقت۔

۵. یعنی آخرت کا وقت، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ گویا پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان
کی عمر ہے اور دوسری اجل مسمیٰ ہے۔ مراد انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے، جس کے بعد
وہ زوال و فناء سے دوچار ہو جائے گی اور ایک دوسری دنیا یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

۶. یعنی قیامت کے وقوع میں جیسا کہ کفار و مشرکین کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ
زندہ کیا جاسکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا دوبارہ بھی وہی اللہ تمہیں زندہ کرے گا۔“ (سورہ یسین)

ظاہر احوال کو بھی جانتا ہے اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔^(۱)

۴. اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

۵. انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھٹلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی، سو جلدی ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے۔^(۲)

۶. کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا^(۳) اور

وَمَا تَنبِيهِهُمْ مِنْ آيَاتِنَا إِلَيْهِمْ وَرَبِّهِمْ إِلَّا كَأَنَّهُمْ مَخْمَرٌ
مُعْرَظِينَ ۝

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَتُّؤَا
مَاكَ أَنْوَالُهُ يُضَيِّتُهُمْ ۝

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَكُم مِّنْ قَبْلِهِمْ قُرُونٌ مَّا كَانَتْ
فِي الْأَرْضِ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَالسَّمَاءِ عَلَيْهُمْ
يُدَارَا وَكُنَّا لَكُمْ تَحْوِي مِّنْ تَحْوِيهِمْ
فَأَهْلَكْنَاهُمْ يَوْمَئِذٍ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مَّا كَانُوا
يُخْفُونَ ۝

۱. اہل سنت یعنی سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو عرش پر ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے لیکن اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے یعنی اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ البتہ بعض گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ اس آیت سے اپنے اس عقیدے کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ جس طرح غلط ہے یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کی حکمرانی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کو معبود برحق سمجھا اور مانا جاتا ہے، وہ اللہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو، سب کو جانتا ہے۔ (فتح القدیر) اس کی اور بھی بعض توجیہات کی گئی ہیں جنہیں اہل علم تفسیروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً تفسیر طبری وابن کثیر وغیرہ۔

۲. یعنی اس اعراض اور تکذیب کا وبال انہیں پہنچے گا اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ کاش! ہم اس کتاب برحق کی تکذیب اور اس کا استہزاء نہ کرتے۔

۳. یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں درآں حالیکہ وہ طاقت و قوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھیں اور خوش حالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھ کر تھیں، تو تمہیں ہلاک کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بہت کامیاب و کامران ہے۔ یہ استدراج و امہال کی وہ صورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے۔ لیکن جب یہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوش حالیاں انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔

ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔^(۱)

۷۔ اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔^(۲)

۸۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔^(۳)

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتٍّ لَّفِي قُرْطَابٍ فَلَمَّسُوهُ
يَاكُذِبُ بِهِمُ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا
سِحْرٌ مُّؤْتَمِنٌ ۝

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكَ
لَقُضِيَ الْأَمْرُ لَكُمْ لَا يَنْظُرُونَ ۝

۱۔ تاکہ انہیں بھی پچھلی قوموں کی طرح آزمائیں۔

۲۔ یہ ان کے عناد و وجود اور مکابرہ کا اظہار ہے کہ اتنے واضح نوشتہ الہی کے باوجود وہ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور اسے ایک ساحرانہ کرتب قرار دیں گے۔ جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَخَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۚ قَالُوا إِنَّ سَائِرَ الْمَلَائِكَةِ أِبْصَارُنَا لَبَرِّئَتْ مِنْهُمْ فَمِنْهُمْ مَّسْجُودُونَ﴾ (الحجر: ۱۵، ۱۶) (اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی کہیں گے ہماری آنکھیں متوالی ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے) ﴿وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ﴾ (الطور: ۳۳) (اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا ٹکڑا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے کہ یہ تہ بادل ہیں)۔ یعنی عذاب الہی کی کوئی نہ کوئی ایسی توجیہ کر لیں گے کہ جس میں مشیت الہی کا کوئی دخل انہیں تسلیم کرنا نہ پڑے۔ حالانکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے وہ انسانوں میں سے ہی تھے اور ہر قوم میں اسی کے ایک فرد کو وحی و رسالت سے نوازا جاتا تھا۔ یہ اس لیے کہ اس کے بغیر کوئی رسول فریضہ تبلیغ و دعوت ادا ہی نہیں کر سکتا تھا، مثلاً اگر فرشتوں کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا تو ایک تو وہ انسانی زبان میں گفتگو ہی نہ کر پاتے دوسرا وہ انسانی جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے انسان کے مختلف حالات میں مختلف کیفیات و جذبات کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔ ایسی صورت میں ہدایت و رہنمائی کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتے تھے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو ہی نبی و رسول بنایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (آل عمران: ۱۶۳) (اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب کہ انہی کی جانوں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا) لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں، فرشتوں میں سے ہونا چاہیے گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی۔ جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ اٰہل کفر و شرک، رسولوں کی بشریت کا تو انکار کر نہیں سکتے تھے، کیونکہ وہ ان کے خاندان، حسب نسب ہر چیز سے واقف ہوتے

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ﴿١٠﴾

۹. اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی شبہ ہوتا جو اب شبہ کر رہے ہیں۔^(۱)

وَلَقَدْ اسْتُخْذِرَ يُرْسُلُ مِنْ قِبَلِكُمْ خُثَايَا الْأَدْنَىٰ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَمْتَرُونَ ﴿١١﴾

۱۰. اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے۔

قُلْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿١٢﴾

۱۱. آپ فرمادیجیے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

قُلْ لَنْ يَنْفَعِيَ مَنَافِيَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ بَلَّغْ كُتُبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةِ لِيَجْزِيَكَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٣﴾

۱۲. آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملکیت ہے، آپ کہہ دیجیے کہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اللہ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے^(۲) تم کو اللہ قیامت کے روز جمع کرے گا، اس

تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کرتے رہے۔ جب کہ آج کل کے اہل بدعت رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ اگر ہم کافروں کے مطالبے پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے یا اس رسول کی تصدیق کے لیے ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے (جیسا کہ یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے) اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو انہیں مہلت دیے بغیر ہلاک کر دیا جاتا۔

۱. یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجے گا فیصلہ کرتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ فرشتے کی اصل شکل میں تو آ نہیں سکتا تھا، کیونکہ اس طرح انسان اس سے خوف زدہ ہونے اور قریب و مانوس ہونے کے بجائے دور بھاگتے، اس لیے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا۔ لیکن یہ تمہارے لیڈر پھر یہی اعتراض اور شبہ پیش کرتے کہ یہ تو انسان ہی ہے، جو اس وقت بھی وہ رسول کی بشریت کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تو پھر فرشتے کے بھیجنے کا بھی کیا فائدہ؟

۲. جس طرح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش پر یہ لکھ دیا اِنْ رَحِمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي“ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، وبدء الخلق، مسلم کتاب التوبة) ”یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے“ لیکن یہ رحمت قیامت کے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی، کافروں کے لیے رب سخت غضب ناک ہوگا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کی رحمت یقیناً عام ہے، جس سے مومن اور کافر، نیک اور بد، فرماں بردار اور نافرمان سب ہی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بھی روزی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بند نہیں کرتا، لیکن اس کی رحمت

میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھائے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۳. اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ سب کچھ جو رات میں اور دن میں رہتی ہیں اور وہ ہی بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

۱۴. آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا، جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اس کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا، اور کسی کو معبود قرار دوں،^(۱)

آپ فرمادیجیے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تو مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔

۱۵. آپ کہہ دیجیے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔^(۲)

۱۶. جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔^(۳)

۱۷. اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْغَيْثِ وَاللَّهُ بَارُّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳﴾

قُلْ اَعَزَّ لِلّٰهِ الْاِخْتِارُ وَلِيَّا قَاطِرِ السَّحَابِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُهُ وَلَا يَصْعَدُ قُلُوبُ اِنِّیْ اَمْرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾

مَنْ یُّصِرْ فَعَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَا وَذَلِکَ الْقَوْلُ الْاَلْمِیْنُ ﴿۱۶﴾

وَ اِنْ یَسْئَلْکَ اللّٰهُ بَصْرًا فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ہُوَ وَ اِنْ یَسْئَلْکَ بِخَیْرٍ فَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

کا یہ عموم صرف دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت میں جو کہ دار الجزاء ہے، وہاں اللہ کی صفت عدل کا کامل ظہور ہوگا، جس کے نتیجے میں اہل ایمان دامنِ رحمت میں جگہ پائیں گے اور اہل کفر و فسق جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ ﴿۱۵۶﴾ (اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں)۔

۱. وَلَیْسَ سے مراد یہاں معبود ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے ورنہ دوست بنانا تو جائز ہے۔

۲. یعنی اگر میں نے بھی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالیا تو میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا۔

۳. جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَمَنْ نُجْزِہْ عَنِ النَّارِ وَادْخِلْ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران: ۱۸۵) (جو آگ سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا) اس لیے کہ کامیابی، خسارے سے بچ جانے اور نفع حاصل کر لینے کا نام ہے۔ اور جنت سے بڑھ کر نفع کیا ہوگا؟

قَدِيرٌ ۝

تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔^(۱)

۱۸. اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے^(۲) اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

۱۹. آپ کہیے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لیے کون ہے، آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے^(۳) اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں^(۴) کیا تم سچ سچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجیے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

۲۰. جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝

قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلْ اللَّهُ سَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَتَيْنَاكُمْ لَكُنْهُمْ يَوْمَ أَنْ مَعَ اللَّهِ إِلَهَهُ الْآخَرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ وَرَبُّنِي يُرِيتِي مِمَّا تَشْتَرُونَ ۝

الَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ إِلَهَيْنِ يُدْعَوْنَ بِهِمَا عِبَادَةً مَا يَعْبُدُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ ابْنُوا خَيْرًا وَالْأَنْفُسُ فَهُمْ كَافِرُونَ ۝

۱. یعنی نفع و ضرر کا مالک، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے حکم و قضاء کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ «اللَّهُمَّ لَا مَنَاجِيَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام والقدر والدعوات - مسلم کتاب الصلوٰۃ والمساجد) ”جس کو تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی“ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

۲. یعنی تمام گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اس کی مطیع ہے وہ اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، پس اسے معلوم ہے کہ اس کے احسان و عطا کا کون مستحق ہے اور کون غیر مستحق۔

۳. یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں۔

۴. ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب جس کے پاس بھی یہ قرآن پہنچ جائے۔ اگر وہ سچا تبع رسول ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف اسی طرح بلائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور اس طرح ڈرائے جس طرح آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیر)

لوگوں نے اپنے آپ کو گھائے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔^(۱)

۲۱. اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتلائے^(۲) ایسے بے انصافوں کو کامیابی نہ ہوگی۔^(۳)

۲۲. اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء، جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے، کہاں گئے؟

۲۳. پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی، اپنے پروردگار کی، ہم مشرک نہ تھے۔^(۴)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱﴾

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبَابًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲﴾

ثُمَّ لَمْ يَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۳﴾

۱. يَعْرِفُونَهُ میں ضمیر کا مرجع رسول ﷺ ہیں یعنی اہل کتاب آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منتظر بھی تھے۔ اس لیے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔
فَإِنْ كُنْتُ لَا تَذَرِي فِتْنَكَ مُصِيبَةً وَإِنْ كُنْتُ تَذَرِي فَاَلْمُصِيبَةُ أَكْبَرُ
(اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے)

۲. یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑنے والا (نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے، اسی طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے سچے رسول کی تکذیب کرے۔ جھوٹے دعوائے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کیے ہیں اور یوں یقیناً نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی کہ تیس جھوٹے دجال ہونگے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ گذشتہ صدی میں بھی قادیان کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اسے اس لیے سچا نبی اور بعض مسیح موعود مانتے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا، اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لیے تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔

۳. جب یہ دونوں ہی ظالم ہیں تو نہ مفتری (جھوٹ گھڑنے والا) کامیاب ہوگا اور نہ مکذب (جھٹلانے والا) اس لیے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے انجام پر اچھی طرح غور کرے۔

۴. فتنہ کے ایک معنی حجت اور ایک معنی معذرت کے کیے گئے ہیں۔ بالآخر یہ حجت یا معذرت پیش کر کے چھٹکارا حاصل

۲۴. ذرا دیکھو تو انہوں نے کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے۔^(۱)

۲۵. اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں،^(۲) اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے،^(۳) اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں تو بھی ان پر کبھی ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں۔^(۴)

أَنظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٢٤﴾

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُؤْمِنُوهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُكَ بُحْبُوحُكَ لَيُقُولَنَ الْآسَاطِيرُ الْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔ اور امام ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں ثُمَّ لَمْ يَكُنْ فَيُلْهِمُهُمْ عِنْدَ فِتْنَتِنَا إِلَهُهُمْ اعْتَدَا مَا سَلَفَ مِنْهُمْ مِنَ الشِّرْكِ بِاللَّهِ. (جب ہم انہیں سوال کی بھٹی میں جھونکیں گے تو نیا میں انہوں نے جو شرک کیا، اس کی معذرت کے لیے یہ کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہیں ہوگا کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے) یہاں یہ اشکال پیش نہ آئے کہ وہاں تو انسانوں کے ہاتھ پیر گواہی دیں گے اور زبانوں پر تو مہر لگادی جائیں گی، پھر یہ انکار کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دیا ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو یہ باہم مشورہ کر کے اپنے شرک کرنے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا اس کی گواہی دیں گے اور پھر یہ اللہ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ (ابن کثیر)

۱. لیکن وہاں اس کذب صریح کا کوئی فائدہ انہیں نہیں ہوگا، جس طرح بعض دفعہ دنیا میں انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے معبودان باطل بھی، جن کو وہ اللہ کا شریک اپنا حمایتی و مددگار اور سفارشی سمجھتے تھے، غائب ہوں گے اور وہاں ان پر شرکاء کی حقیقت واضح ہوگی، لیکن وہاں اس کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

۲. یعنی یہ مشرکین آپ کے پاس آکر قرآن تو سنتے ہیں لیکن چونکہ مقصد طلب ہدایت نہیں، اس لیے بے فائدہ ہے۔

۳. علاوہ ازیں مُجَازَاةً عَلَیْ كُفْرِهِمْ ان کے کفر کے نتیجے میں ان کے دلوں پر بھی ہم نے پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ جس کی وجہ سے ان کے دل حق بات سمجھنے سے قاصر اور ان کے کان حق کو سننے سے عاجز ہیں۔

۴. اب وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی دیکھ لیں، تب بھی ایمان لانے کی توفیق

وَهُمْ يَهْتَفُونَ عَنْهُ وَيَتَكُونُونَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾

وَلَوْ تَرَى إِذْ دُعِيتُمْ عَلَى الْغَارِ فَقَالُوا لَيْلَتُنَا نَزْدٌ وَلَا نَكُنْ بَآيَاتِ رَبِّنَا وَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

بَلْ بَدَأَهُمْ مَا كَانُوا يُحْفَوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٥٢﴾

۲۶. اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں^(۱) اور یہ لوگ اپنے آپ ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔^(۲)

۲۷. اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے^(۳) تو کہیں گے ہائے! کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔^(۴)

۲۸. بلکہ جس چیز کو اس کے قبل چھپایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے^(۵) اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو

سے محروم رہیں گے اور ان کا عناد و وجود اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں کہتے ہیں۔

۱. یعنی عام لوگوں کو آپ ﷺ سے اور قرآن سے روکتے ہیں تاکہ وہ ایمان نہ لائیں اور خود بھی دور دور رہتے ہیں۔

۲. لیکن لوگوں کو روکنا اور خود بھی دور رہنا، اس سے ہمارا یا ہمارے پیغمبر ﷺ کا کیا بگڑے گا؟ اس طرح کے کام کر کے وہ خود ہی بے شعوری میں اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔

۳. یہاں ”لو“ کا جواب مخدوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی ”تو آپ کو ہولناک منظر نظر آئے گا“

۴. لیکن وہاں سے دوبارہ دنیا میں آنا ممکن ہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکیں۔ کافروں کی اس آرزو کا قرآن نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾ * ﴿قَالَ اخْسَوْا مِنِّي وَلَا تَكْفُرُوا﴾ (الزمر: ۱۰، ۱۰۸) (اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال لے اگر ہم دوبارہ تیری نافرمانی کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اسی میں ذلیل و خوار پڑے رہو، مجھ سے بات نہ کرو۔) ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا لَعَلَّنَا نَعْمَلُ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾ (الزمر: ۱۲) (اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اب ہمیں یقین آگیا ہے)۔

۵. بَلْ جَوِّضَ آبُ (یعنی پہلی بات سے گریز کرنے) کے لیے آتا ہے۔ اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) ان کے لیے وہ کفر اور عناد و تکذیب ظاہر ہو جائے گی، جو اس سے قبل وہ دنیا یا آخرت میں چھپاتے تھے۔ یعنی جس کا انکار کرتے تھے، جیسے وہاں بھی ابتداء کہیں گے ﴿مَالِكُنَا مُشْرِكِينَ﴾ (ہم تو مشرک ہی نہ تھے)۔ (۲) یا رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کا علم جو ان کے دلوں میں تھا، لیکن اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔

(۳) یا منافقین کا وہ نفاق وہاں ظاہر ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے چھپاتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔^(۱)

۲۹. اور یہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیوی زندگی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ نہ کیے جائیں گے۔^(۲)

۳۰. اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بے شک قسم اپنے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو۔^(۳)

۳۱. بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعتاً آ پہنچے گا، کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی، اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی پیٹھوں پر لا دے ہوں گے، خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لا دیں گے۔^(۴)

وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُفَعُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

فَدُخِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا لِقَاءَ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا لِمَ جِئْتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّغْنَا فِيهَا ۖ وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ أَلَا أَسَاءَ مَا يَزِيدُونَ ۝

۱. یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش ایمان لانے کے لیے نہیں، صرف عذاب سے بچنے کے لیے ہے، جو ان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا اور جس کا وہ معائنہ کر لیں گے ورنہ اگر یہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیے جائیں تب بھی یہ وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

۲. یہ بَعَثَ بَعْدَ الْمَوْتِ (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے) کا انکار ہے جو ہر کافر کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ہی دراصل ان کے کفر و عصیان کی سب سے بڑی وجہ ہے ورنہ اگر انسان کے دل میں صحیح معنوں میں اس عقیدہ آخرت کی صداقت راسخ ہو جائے تو کفر و عصیان کے راستے سے فوراً تائب ہو جائے۔

۳. یعنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کر لیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے۔ لیکن وہاں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

۴. اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے اپنی کوتاہیوں پر جس طرح نادام ہوں گے اور برے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لا دے ہوں گے آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے فَرَّغْنَا فِيهَا میں ضمیر الساعۃ کی طرف راجع ہے یعنی قیامت کی تیاری اور تصدیق کے معاملے میں جو کوتاہی ہم سے ہوئی۔ یا الصَّفَقَةُ (سودا) کی طرف راجع ہے، جو اگرچہ عبارت میں موجود نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کناں ہے۔ اس لیے کہ نقصان سودے میں ہی ہوتا ہے اور مراد اس سودے سے وہ ہے جو ایمان کے بدلے کفر خرید کر انہوں نے کیا۔ یعنی یہ سودا کر کے ہم نے سخت کوتاہی کی

۳۲۔ اور دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے۔ اور دار آخرت متقیوں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو؟

۳۳۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتیں غم زدہ کر دیتی ہیں، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔^(۱)

۳۴۔ اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جاچکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا، ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذا میں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی^(۲) اور اللہ کی باتوں کا

وَالْحَيٰوةُ الدُّنْيَا الْاَلْبَیْسُ وَلَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَبِرَ الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

قَدْ عَلِمْنَا اِنَّهٗ لَیَحْزَنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ قَالِیْهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظَّالِمِیْنَ یَاۡلِیْتُ اللّٰہَ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

وَلَقَدْ کَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا کُذِّبُوْا وَاُوْدُوْا حَتّٰی اَتٰہُمْ نَصْرُنَا وَاَلْمُبْدِلَ لَکُلِّیْهِ اللّٰہُ وَلَقَدْ جَاءَکَ مِنْ تَبٰۤیِٔ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾

یَحَاۤیَۃَ اِی طرف راجع ہے یعنی ہم نے اپنی زندگی میں برائیوں اور کفر و شرک کا ارتکاب کر کے جو کوتاہیاں کیں۔ (فتح القدیر)

۱۔ نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنی تکذیب کی وجہ سے جو غم و حزن پہنچتا، اس کے ازالے اور آپ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تکذیب آپ کی نہیں۔ (آپ کو تو وہ صادق و امین مانتے ہیں) دراصل یہ آیت الہی کی تکذیب ہے اور یہ ایک ظلم ہے۔ جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد (ﷺ)! ہم تم کو نہیں بلکہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کی یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح روایات سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت کے قائل تھے، لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ آج بھی جو لوگ نبی ﷺ کے حسن اخلاق، رفعت کردار اور امانت و صداقت کو تو خوب جھوم جھوم کر بیان کرتے اور اس موضوع پر فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں لیکن اتباع رسول ﷺ میں وہ انقباض محسوس کرتے ہیں اور آپ کی بات کے مقابلے میں فقہ و قیاس اور اقوال ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں، انہیں سوچنا چاہیے کہ یہ کس کا کردار ہے جسے انہوں نے اپنایا ہوا ہے؟

۲۔ نبی ﷺ کی مزید تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبر کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی ہے۔ پس آپ بھی ان کی اقتداء کرتے ہوئے اسی طرح صبر اور حوصلے سے کام لیں جس طرح انہوں نے تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا، حتیٰ کہ آپ کے پاس بھی اسی طرح ہماری مدد آجائے، جس طرح پہلے رسولوں کی ہم نے مدد کی اور ہم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الہومن: ۵۱) (یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور اہل ایمان کی مدد کریں گے) ﴿کَتَبَ اللّٰہُ لَغُلَبٰٓیۡنَ اَنَّا وَرُسُلُنَا﴾ (المجادلة: ۲۱) (اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے) وَغَیْرِہَا مِنَ الْاٰیٰتِ، مثلاً (الصافات: ۱۷۱، ۱۷۲)۔

کوئی بدلنے والا نہیں^(۱) اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کی کچھ خبریں پہنچ چکی ہیں۔^(۲)

۳۵. اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیدھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا۔^(۳) سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔^(۴)

۳۶. یقیناً وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔^(۵) اور مُردوں کو اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے۔

۳۷. اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے؟ آپ فرما دیجیے کہ

وَلَنْ كَانَ كَذِبُكَ إِعْرَاضَهُمْ وَلَنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْبَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْكًا فِي السَّمَاءِ فَتُلَاقِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ فَلَا تَكُونُ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٣٥﴾

إِنَّمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَمْعُونَ وَالْمُتَوَلِّينَ يَبْعَهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ

۱. بلکہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ آپ کافروں پر غالب و منصور رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۲. جن سے واضح ہے کہ ابتداء میں گو ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا، انہیں ایذائیں پہنچائیں اور ان کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا، لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے کامیابی و کامرانی اور نجات ابدی انہی کا مقدر بنی۔

۳. نبی ﷺ کو معاندین و کافریں کی تہذیب سے جو گرانی اور مشقت ہوتی تھی، اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہونا ہی تھا اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ ان کو قبول اسلام پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ کوئی سرنگ کھود کر یا آسمان پر سیدھی لگا کر بھی کوئی نشانی ان کو لا کر دکھادیں، تو اول تو آپ کے لیے ایسا کرنا محال ہے اور اگر بالفرض آپ ایسا کر دکھائیں بھی تو یہ ایمان لانے کے نہیں۔ کیوں کہ ان کا ایمان نہ لانا، اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت ہے جس کا مکمل احاطہ انسانی عقل و فہم نہیں کر سکتے۔ البتہ جس کی ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اختیار و ارادے کی آزادی دے کر آزما رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو ہدایت کے ایک راستے پر لگا دینا مشکل کام نہ تھا، اس کے لیے لفظ ”کُنْ“ سے پلک جھپکتے میں یہ کام ہو سکتا ہے۔

۴. یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ حسرت و افسوس نہ کریں کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر سے ہے، اس لیے اسے اللہ ہی کے سپرد کر دیں، وہی اس کی حکمت و مصلحت کو بہتر سمجھتا ہے۔

۵. اور ان کافروں کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے مُردوں کی ہوتی ہے جس طرح وہ سننے اور سمجھنے کی قدرت سے محروم ہیں، یہ بھی چونکہ اپنی عقل و فہم سے حق کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اس لیے یہ بھی مردہ ہی ہیں۔

لَا يَجْعَلُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرمادے^(۱) لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں۔^(۲)

۳۸. اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرندے ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں،^(۳) ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی^(۴) پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے۔^(۵)

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَبْيٍ يَمْشِي
بِجَنَاحِهِ أَوْ أَمَامٍ أَوْ مَخْلُوقًا فِي الْكِتَابِ مِنْ
شَيْءٍ نَحْنُ إِلَى رَبِّهِمْ خَيْرُونَ ۝

۱. یعنی ایسا معجزہ، جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے، جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتہ اترے، یا پہاڑ ان پر اٹھا کر بلند کر دیا جائے، جس طرح بنی اسرائیل پر کیا گیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ پھر انسانوں کے ابتلاء کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مطالبے پر اگر کوئی معجزہ دکھلایا جاتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو پھر فوراً انہیں اسی دنیا ہی میں سخت سزا دے دی جاتی۔ یوں گویا اللہ کی اس حکمت میں بھی انہی کا دنیاوی فائدہ ہے۔
۲. جو اللہ کے حکم و مشیت کی حکمت بالغہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

۳. یعنی انہیں بھی اللہ نے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمہیں پیدا کیا، اسی طرح انہیں روزی دیتا ہے جس طرح تمہیں دیتا ہے اور تمہاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت و علم کے تحت داخل ہیں۔

۴. کتاب (دفتر) سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَتَّبِعُونَ الْوَسْطَىٰ﴾ (النحل: ۸۹) (ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے)۔ یہاں پر سیاق کے لحاظ سے پہلا معنی اقرب ہے۔

۵. یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح تمام انسانوں کو زندہ کر کے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا، جانوروں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی زندہ کر کے ان کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ جس طرح ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا، ”کسی سینک والی بکری نے اگر بغیر سینک والی بکری پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو قیمت کے دن سینک والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔“ (صحیح مسلم: ۱۹۹۷) بعض علماء نے حشر سے مراد صرف موت لی ہے۔ یعنی سب کو موت آئے گی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حشر سے مراد کفار کا حشر ہے۔ اور درمیان میں مزید جو باتیں آئی ہیں، وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں۔ اور حدیث مذکور (جس میں بکری سے بدلہ لیے جانے کا ذکر ہے) بطور تمثیل ہے جس سے مقصد قیامت کے حساب و کتاب کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔ یا یہ کہ حیوانات میں سے صرف ظالم اور مظلوم کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کو بدلہ دلادیا جائے گا۔ پھر دونوں معدوم کر دیے جائیں گے۔ (فتح القدیر وغیرہ) اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

۳۹. اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو طرح طرح کی ظلمتوں میں بہرے گونگے ہو رہے ہیں، اللہ جس کو چاہے بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگا دے۔^(۱)

۴۰. آپ کہیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیمت ہی آپنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو۔

۴۱. بلکہ خاص اسی کو پکارو گے، پھر جس کے لیے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے، اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔^(۲)

۴۲. اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے، سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ اظہارِ عجز کر سکیں۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَكَانُوا فِي الظُّلُمَاتِ مَن
يَشَاءُ اللَّهُ يُضِلُّهُ وَمَنْ يُشَاءُ يَجْعَلْهُ عَلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۹﴾

قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ عَذَابٌ مِّنْ اللّٰهِ اَوْ اُنْزِلَتْ
السَّاعَةُ اَعْبُرُ اللّٰهُ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

بَلْ اِلٰهَآ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ وَاِنْ
سَآءَ مَا تَسْتَوْنُ مَا تَشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَالْاَضْرَآءِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۲﴾

۱. آیات الہی کی تکذیب کرنے والے چونکہ اپنے کانوں سے حق بات سنتے نہیں اور اپنی زبانوں سے حق بات بولتے نہیں، اس لیے وہ ایسے ہی ہیں جیسے گونگے اور بہرے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھی گھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح ہو سکے۔ پس ان کے حواس گویا مسلوب ہو گئے جن سے کسی حال میں وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ پھر فرمایا: تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگا دے۔ لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی الٹ نہیں ہو جاتا بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے۔ (مزید دیکھیے سورۃ بقرہ آیت: ۲۶ کا حاشیہ)

۲. اَرَأَيْتُمْ میں کاف اور میم خطاب کے لیے ہے اس کے معنی اَخْبِرُونِي (مجھے بتلاؤ یا خبر دو) کے ہیں۔ اس مضمون کو بھی قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے (دیکھیے سورۃ بقرہ آیت: ۱۷۵ کا حاشیہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید انسانی فطرت کی آواز ہے۔ انسان ماحول، یا آباء و اجداد کی تقلید ناسدیم میں مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا رہتا ہے اور غیر اللہ کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتا رہتا ہے، نذر و نیاز بھی انہی کے نام کی نکالتا ہے، لیکن جب کسی ابتلاء سے دوچار ہوتا ہے تو پھر یہ سب بھول جاتا ہے اور فطرت ان سب پر غالب آ جاتی ہے اور بے اختیار انسان پھر اسی ذات کو پکارتا ہے جس کو پکارنا چاہیے۔ کاش! لوگ اسی فطرت پر قائم رہیں کہ نجات اخروی تو مکمل طور پر اسی صدائے فطرت یعنی توحید کے اختیار کرنے میں ہی ہے۔

۴۳. سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر دیا۔^(۱)

۴۴. پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اتر اگئے ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔

۴۵. پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔^(۲)

۴۶. آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور بصارت بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو

فَلَوْلَا اِلَٰهٌ اِغْوَاهُمْ بَايَسًا فَتَعَوَّذُوا وَلٰكِنْ كَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوْا بِهِ فَتَخَنَّا عَلَيْهِمْ اَبْوَابُ كُلِّ نَسِيٍّ حَتّٰى اِذَا فِرْعٰوْنُهَا اَوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

فَقَطَّعْ دَاۤىِٕرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَدَعَكُمْ عَلٰى فُلُوْكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِ اللّٰهِ يَٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اَنْظَرُوْا

۱. قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کے عذاب بھی انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں۔ پھر ان کے ہاتھ طلب مغفرت کے لیے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے، ان کے دل اس کی بارگاہ میں نہیں جھکتے اور ان کے رخ اصلاح کی طرف نہیں مڑتے۔ بلکہ اپنی بد اعمالیوں پر تاویلات و توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لیے خوبصورت بنادیا ہوتا ہے۔

۲. اس میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں خوب مگن ہو جاتی ہیں اور اپنی مادی خوش حالی و ترقی پر اترانے لگ جاتی ہیں تو پھر ہم اچانک انہیں اپنے مواخذے کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ "استدرار" (ڈھیل دینا) ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند أحمد، جلد ۳، صفحہ ۱۳۵) قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس فرد یا قوم کو یہ حاصل ہو وہ اللہ کی جہت میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو انہیں ﴿اِنَّ الْاَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۵) کا مصداق قرار دے کر انہیں "اللہ کے نیک بندے" تک قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا غلط ہے، گمراہ قوموں یا افراد کی دنیوی خوش حالی، ابتلا اور مہلت کے طور پر ہے نہ کہ یہ ان کے کفر و معاصی کا صلہ ہے۔

كَيْفَ نَصْرَفُ الْاَيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصِدُّوْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دے دے۔ آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں۔^(۱)

قُلْ اَرَاَيْتُمْ كُمُ اِنْ اَسْلَمْتُمْ عَذَابَ اللّٰهِ بَعْتَهُ اَوْ جَهَنَّمَ هَلْ يُمْلِكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آپڑے خواہ اچانک یا علانیہ، تو کیا جزا ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا۔^(۲)

وَمَا يُسَلِّمُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا الْمُبْتَئِيْنَ وَمَنْزِلًا قَبْلَ اَمْنٍ وَّاٰصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں^(۳) پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کر لے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔^(۴)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبَ اِيَّا يَتَذٰبُ عَنْ عَذَابِ رَبِّمَا كَانُوْا يُفْسِقُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلائیں ان کو عذاب پہنچے گا بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔^(۵)

۱۔ آنکھیں، کان اور دل، یہ انسان کے نہایت اہم اعضاء و جوارح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کی وہ خصوصیات سلب کر لے جو اللہ نے ان کے اندر رکھی ہیں یعنی سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی خصوصیات، جس طرح کافروں کے یہ اعضاء ان خصوصیات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اعضاء کو ویسے ہی ختم کر دے، وہ دونوں ہی باتوں پر قادر ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، مگر یہ کہ وہ خود کسی کو بچانا چاہے۔ آیات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرنے کا مطلب ہے کبھی انذار و تبشیر اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے، اور کبھی کسی اور ذریعے سے۔

۲۔ بَعْتَهُ (بے خبری) سے مراد رات اور جَهَنَّمَ (خبرداری) سے دن مراد ہے، جسے سورہ یونس: ۵۰ میں ﴿يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی (دن کو عذاب آجائے یا رات کو)۔ یا پھر بَعْتَهُ وہ عذاب ہے جو اچانک بغیر تمہید اور مقدمات کے آجائے اور جَهَنَّمَ وہ عذاب جو تمہید اور مقدمات کے بعد آئے۔ یہ عذاب جو قوموں کی ہلاکت کے لیے آتا ہے۔ ان ہی پر آتا ہے جو ظالم ہوتی ہیں یعنی کفر و طغیان اور معصیت الہی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں۔

۳۔ وہ اطاعت گزاروں کو ان نعمتوں اور اجر جہنم کی خوش خبری دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت کی صورت میں ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں کو ان عذابوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے جہنم کی صورت میں تیار کیے ہوئے ہیں۔

۴۔ مستقبل (یعنی آخرت) میں پیش آنے والے حالات کا انہیں اندیشہ نہیں اور اپنے پیچھے دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے یا دنیا کی جو آسودگیاں وہ حاصل نہ کر سکے، اس پر وہ مغموم نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا ولی اور کارساز وہ رب ہے جو دونوں ہی جہانوں کا رب ہے۔

۵۔ یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انہوں نے تکفیر و تکذیب کا راستہ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی

۵۰. آپ کہہ دیجیے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں^(۱) آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے۔^(۲) سو کیا تم غور نہیں کرتے؟

۵۱. اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا، اس امید پر کہ وہ ڈرائیں۔^(۳)

۵۲. اور ان لوگوں کو نہ نکالے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے ذمے نہیں اور آپ

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيَ خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنَّمَا أَنبِئُكُمْ بِمَا يَأْتِي إِلَيْنَا فَلْيَصْطَرِحُوا إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُجْزَوْا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ

پرواہ نہیں کی اور اس کے محارم و مناہی کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔

۱. میرے پاس اللہ کے خزانے بھی نہیں (جس سے مراد ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے) کہ میں تمہیں اللہ کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی ایسا بڑا معجزہ صادر کر کے دکھا سکوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو، جسے دیکھ کر تمہیں میری صداقت کا یقین ہو جائے۔ میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے میں تمہیں مطلع کر دوں، مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے ایسے خرق عادات امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے بالا ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا اُؤْتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (مجھے قرآن کے ساتھ اس کے مثل بھی دیا گیا یہ مثل حدیث رسول ﷺ ہی ہے۔)

۲. یہ استفہام انکار کے لیے ہے یعنی اندھا اور بینا، گمراہ اور ہدایت یافتہ اور مومن و کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

۳. یعنی انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، ورنہ جو بعث بعد الموت اور حشر و نشر پر یقین ہی نہیں رکھتے، وہ اپنے کفر و وجود پر ہی قائم رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان اہل کتاب اور کافروں اور مشرکوں کا رد بھی ہے جو اپنے آباء اور اپنے بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ نیز کارساز اور سفارشی نہیں ہوگا کا مطلب، یعنی ان کے لیے جو عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہوں گے۔ ورنہ مومنوں کے لیے تو اللہ کے نیک بندے، اللہ کے حکم سے سفارش کریں گے۔ یعنی شفاعت کی نفی اہل کفر و شرک کے لیے ہے اور اس کا اثبات ان کے لیے جو گناہ گار مومن و موحد ہوں گے، اسی طرح دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا۔

مِنْ شَيْءٍ فَنَظَرُوهُمْ فَنَكَلُوا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۶﴾

وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَفْقَهُوا هُمُورًا
مَنْ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيِّنَاتٍ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ
بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۷﴾

کا حساب ذرا بھی ان کے ذمے نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔ ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔^(۱)

۵۳۔ اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے؟! کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۲)

۵۴۔ اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (یوں) کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہے^(۳) تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمے مقرر کر لیا ہے^(۴)

وَلَا إِجْرَاءَ لِلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ
عَلَيْهِمْ كَلَّمَ رَبُّهُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةِ أَنَّهُ مَنْ
عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا ابْجَهَالًا ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِ ۝

۱۔ یعنی یہ بے سہارا اور غریب مسلمان، جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبہ سے کہ اے محمد! (ﷺ) تمہارے ارد گرد تو غرباء و فقراء کا ہی ہجوم رہتا ہے ذرا انہیں بٹاؤ تو ہم بھی تمہارے ساتھ بیٹھیں، ان غرباء کو اپنے سے دور نہ کرنا، بالخصوص جب کہ آپ کا کوئی حساب ان کے متعلق نہیں اور ان کا آپ کے متعلق نہیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہوگا جو آپ کے شایان شان نہیں۔ مقصد امت کو سمجھانا ہے کہ بے وسائل لوگوں کو حقیر سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور ان سے وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے۔ اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ ابتداء میں اکثر غریب، غلام قسم کے لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے یہی چیز رؤسائے کفار کی آزمائش کا ذریعہ بن گئی اور وہ ان غریبوں کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا، انہیں تعذیب واذیت سے بھی دوچار کرتے اور کہتے کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی اللہ کا احسان ہوتا تو یہ سب سے پہلے ہم پر ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَوْ كَانَ كَيْدُكُمْ سَعْيًا لَنَفَوْنَا آلِيكُمْ﴾ (الاحقاف: ۱۱) (اگر یہ بہتر چیز ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں یہ ہم سے سبقت نہ کرتے) یعنی ان ضعفاء کے مقابلے میں ہم پہلے مسلمان ہوتے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، شٹ باٹ اور رئیسانہ کروف وغیرہ نہیں دیکھتا، وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گزار بندے اور حق شناس کون ہیں؟ پس اس نے جن کے اندر شکر گزاری کی خوبی دیکھی، انہیں ایمان کی سعادت سے سرفراز کر دیا جس طرح حدیث میں آتا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے اموال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دل اور تمہارے عمل دیکھتا ہے۔“ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه)

۴۔ یعنی ان پر سلام کر کے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں۔

۵۔ اور انہیں خوشخبری دیں کہ فضل و احسان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی رحمت کرنے کا فیصلہ

وَأَصْلَحَ قَاتِلَهُ عَفْوُ رَجِيمٍ ﴿٥٦﴾

وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ
الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٧﴾

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ قُلْ لَا أَتَّبِعُهُمْ أَهْوَاءَ كُمْ فَذَلِكُنَّ إِذَا
وَمَا أَنْ مِنَ الْهَادِيْنَ ﴿٥٨﴾

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا
عِنْدِي مِنْ مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ
يَقْضُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاضِلِينَ ﴿٥٩﴾

کہ جو شخص تم میں برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ (کی یہ شان ہے کہ وہ) بڑی مغفرت کرنے والا ہے بڑی رحمت والا ہے۔^(۱)

۵۵۔ اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔

۵۶۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کو تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہ کروں گا کیوں کہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ راست پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔^(۲)

۵۷۔ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے^(۳) اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو، جس چیز کی تم جلد بازی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے^(۴) اللہ تعالیٰ واقعی بات کو

کر رکھا ہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہو گیا تو اس نے عرش پر لکھ دیا «إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ عَظَمِي» (مجھ بخاری، مسلم) «میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔»

۱۔ اس میں بھی اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کیونکہ ان ہی کی یہ صفت ہے کہ اگر نادانی سے یا بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ گناہ پر اصرار اور دوام اور توبہ و نابت سے اعراض نہیں کرتے۔

۲۔ یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے، تمہاری خواہشات کے مطابق غیر اللہ کی عبادت شروع کر دوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش، سب سے بڑی گمراہی ہے لیکن بد قسمتی سے یہ گمراہی اتنی ہی عام بھی ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے۔ هَذَا هُمْ اللَّهُ تَعَالَىٰ۔

۳۔ مراد وہ شریعت ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ پر نازل کی گئی، جس میں توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ «إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُورَتِكُمْ وَلَا إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحیح مسلم و مسند أحمد

۲/۲۸۵، ۵۳۹ ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الفناعة)

۴۔ تمام کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے تم جو چاہتے ہو کہ جلد ہی اللہ کا عذاب تم پر آجائے تاکہ تمہیں میری صداقت یا کذب کا پتہ چل جائے، تو یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ اگر

بتلا دیتا ہے^(۱) اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔

۵۸. آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا^(۲) اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

۵۹. اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے)، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔^(۳)

قُلْ لَّوْا نَ عِنْدِي مَا سْتَعْمِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلِمُهَا إِلَّا هُوَ يُعَلِّمُ مَا فِي الْكِتَابِ وَالْبَحْرُ تَافُتٌ مِّنْ رِّفَّةٍ وَلَا يُلَاقِيهَا وَلَا يَحْتَبِرُ فِي ظُلُمَاتٍ الْأَرْضِ وَالْأَرْضُ وَلَا يَكْسِرُ الْأَرْضَ يَنْقُصُ ۝

چاہے تو تمہاری خواہش کے مطابق جلدی عذاب بھیج کر تمہیں متنبہ یا تباہ کر دے اور چاہے تو اس وقت تک تمہیں مہلت دے جب تک اس کی حکمت اس کی مقتضی ہو۔

۱. يَقْضُ قَضَاصٌ سے ہے یعنی يَقْضُ قَضَاصَ الْحَقِّ (حق باتیں بیان کرتا یا بتلاتا ہے) یا قَضَاصُ أَثَرِهِ (کسی کے پیچھے، پیروی کرنا) سے ہے یعنی يَتَّبِعُ الْحَقَّ فِيمَا يَحْكُمُ بِهِ (اپنے فیصلوں میں وہ حق کی پیروی کرتا ہے یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔) (خ القدر)۔
۲. یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دیتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دیتا تو پھر تمہاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلد ہی فیصلہ کر دیا جاتا۔ لیکن یہ معاملہ چونکہ کَلَيْتَا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے اس نے مجھے اس کا اختیار دیا ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ میری درخواست پر فوراً عذاب نازل فرما دے۔

ضروری وضاحت: حدیث میں جو آتا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں ساری آبادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل دوں آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا فرمائے گا، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے“ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمین والملائكة في السماء..... وصحيح مسلم، کتاب الجہاد باب مالقي النبي من أذى المشركين) یہ حدیث آیت زیر وضاحت کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے پر عذاب دینے کا اظہار ہے جب کہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کیے بغیر صرف ان کی ایذاء دہی کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے جسے آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

۳. ”کِتَابٌ مُّبِينٌ“ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے غیب کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، اس لیے کفار و مشرکین اور معاندین کو کب عذاب دیا جائے؟ اس کا علم بھی صرف

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّارِ ثُمَّ يُمْسِكُهُ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنْفِخُ فِيكُمْ نُفُوسَكُمْ وَيُمْسِكُهُمْ أَنْ تَتَوَلَّوْنَ ۝

۶۰. اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو (ایک گونہ) قبض کر دیتا ہے ^(۱) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے ^(۲) تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے ^(۳) پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے ^(۴) پھر تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّونَ ۝

۶۱. اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ ^(۵)

ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقَّ ۖ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝

۶۲. پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔ ^(۱) خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہو گا اور وہ بہت جلد

اسی کو ہے اور وہی اپنی حکمت کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مفاتیح الغیب پانچ ہیں قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل میں پیش آنے والے واقعات، اور موت کہاں آئے گی۔ ان پانچوں امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الأنعام)

۱. یہاں نیند کو وفات سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی لیے اسے وفات اصغر اور موت کو وفات اکبر کہا جاتا ہے۔ (وفات کی وضاحت کے لیے دیکھیے آل عمران کی آیت ۵۵ کا حاشیہ)

۲. یعنی دن کے وقت روح واپس لوٹا کر زندہ کر دیتا ہے۔

۳. یعنی یہ سلسلہ شب و روز اور وفات اصغر سے ہمکنار ہو کر دن کو پھر اٹھ کھڑے ہونے کا معمول، انسان کی وفات اکبر تک جاری رہے گا۔

۴. یعنی پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

۵. یعنی اپنے اس مفوضہ کام میں اور روح کی حفاظت میں بلکہ وہ فرشتہ، مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو اس کی روح عَلَّیِّین میں اور اگر بد ہوتا ہے تو سَجِّین میں، بھیج دیتا ہے۔

۶. آیت میں رُدُّوا (لوٹائے جائیں گے) کا مرجع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے یعنی قبض روح کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو بنایا ہے۔ یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے) اور پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائے گا۔ آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو رسل (جمع کے صیغہ کے ساتھ) بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے

حساب لے گا۔

۶۳. آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے۔ تم اس کو پکارتے ہو گرو گڑا کر اور چپکے چپکے، کہ اگر تو ہم کو ان سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

۶۴. آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے، تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔

۶۵. آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے^(۱) یا تمہارے پاؤں تلے سے^(۲) یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی

قُلْ مَنْ يُبَيِّتُكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَنْتَعِلُنَّ خِفَّةً أَوْ ثِقَةً لَبَسْتُمْ مِنْ هَذِهِ لَتَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۶۳﴾

قُلْ اللَّهُ يُبَيِّتُكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْكِرُونَ ﴿۶۴﴾

قُلْ هُوَ الْغَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَعْجَلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُزَيِّقَ بَعْضَكُمْ لِبَاسَ بَعْضٍ لَّا تَنْظُرُونَ إِلَّا فِي السَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿۶۵﴾

والا فرشتہ ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے۔ ﴿اللَّهُ يَتَوَكَّلُ الْإِنْسُ حِينَ مَوْتِهِ﴾ (الزمر: ۴۲) (اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے) اور اس کی نسبت ایک فرشتے (ملک الموت) کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ﴿قُلْ يَتَوَكَّلْ مُلْكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَكُمْ﴾ (السجدة: ۱۱) (کہہ دو تمہاری روحیں وہ فرشتہ موت قبض کرتا ہے جو تمہارے لیے مقرر کیا گیا ہے) اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے، جیسا کہ اس مقام پر ہے اور اسی طرح سورہ نساء آیت ۹۷ اور الانعام آیت ۹۳ میں بھی ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف اس کی نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل آمر (حکم دینے والا) بلکہ فاعل حقیقی ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مددگار ہیں، وہ رگوں، شریانوں، پٹھوں سے روح نکلے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کاٹنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جلد: ۵۔ صفحہ: ۱۲۵) حافظ ابن کثیر، امام شوکانی اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورہ السجدة کی آیت سے اور مسند احمد (جلد ۴، صفحہ ۲۸۷) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جہاں جمع کے صیغے میں ان کا ذکر ہے تو وہ اس کے اعوان و انصار ہیں۔ اور بعض آثار میں ملک الموت کانام "عزرائیل" بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ السجدة) واللہ اعلم

۱. یعنی آسمان سے، جیسے بارش کی کثرت، یا ہوا یا پتھر کے ذریعے سے عذاب۔ یا امراء و حکام کی طرف سے ظلم و ستم۔
۲. جیسے دھسیا جانا، طوفانی سیلاب، جس میں سب کچھ غرق ہو جائے۔ یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں کی طرف سے عذاب کہ وہ بددیانت اور خائن ہو جائیں۔

چکھادے۔^(۱) آپ دیکھیے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں۔ ۶۶. اور آپ کی قوم اس کی^(۲) تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں۔^(۳)

۶۷. ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا۔

۶۸. اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔^(۴)

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝

لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَفْزِزٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

وَإِذْ آتَيْنَا الَّذِينَ يَحُضُّونَ فِي آلِهَتِنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَحُضُّوْا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِنَّمَا يُغِيْبُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَتَّبِعْهُ بَعْدَ الَّذِي لَمْ يَكُنْ مَعَهُ الْقَوْمُ الظَّالِمِينَ ۝

۱. يَلْبِسْكُمْ أَي: يَخْلُطَ أَمْرُكُمْ تہمارے معاملے کو خلط ملط یا مشتبہ کر دے جس کی وجہ سے تم گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جاؤ۔ وَبُذِّيقَ، أَي: يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَتُذِيقُ كُلُّ طَائِفَةٍ الْأُخْرَى أَلَمَ الْحَرْبِ تہمارا ایک، دوسرے کو قتل کرے۔ اس طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کو لڑائی کا مزہ چکھائے (ابیر التفاسیر) حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں۔ (۱) میری امت غرق کے ذریعے ہلاک نہ کی جائے۔ (۲) قحط عام کے ذریعے اس کی تباہی نہ ہو۔ (۳) آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرمائیں۔ اور تیسری دعا سے مجھے روک دیا۔ (صحیح مسلم: ۲۲۱۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ امت محمدیہ میں اختلاف وانشقاق واقع ہوگا اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور قرآن و حدیث سے اعراض ہوگا جس کے نتیجے میں عذاب کی اس صورت سے امت محمدیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ گویا اس کا تعلق اس سنت اللہ سے ہے جو قوموں کے اخلاق و کردار کے بارے میں ہمیشہ رہی ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ (فاطر: ۴۳)

۲. بہ کا مرجع قرآن ہے یا عذاب۔ (فتح القدیر)

۳. یعنی مجھے اس امر کا مکلف نہیں کیا گیا ہے کہ میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لگا کر ہی چھوڑوں۔ بلکہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے ﴿مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (الکاف: ۲۹)

۴. آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدي حکم ہے جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورہ نساء آیت نمبر ۱۳۰ میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جارہا ہو یا عملاً ان کا استخفاف کیا جارہا ہو یا اہل بدعت و اہل زندقہ

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ
وَلَكِنْ ذِكْرٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾

۶۹. اور جو لوگ پرہیز گار ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پڑے گا^(۱) لیکن ان کے ذمے نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی تقویٰ اختیار کریں۔^(۲)

۷۰. اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) نہ پھنس جائے^(۳) کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے۔^(۴) ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا ذِيئَهُمْ لَعِبًا وَلَهُمْ أَعْتَرَهُمُ
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكْرِيَّةٌ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا
كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ
وَأَنْ تَقْدَلَ كُلُّ عَدَلٍ لَأَيُّ حَذْمٍ أُولَئِكَ
الَّذِينَ أُفْسِلُوا إِلَيْهَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ
وَعَذَابٌ أَلِيمٌ لِيُكَفِّرُوا عَنْهُمْ

اپنی تاملات رکبیکہ اور توجیہات مسخیفہ کے ذریعے سے آیات الہی کو توڑ مروڑ رہے ہوں۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے، بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الہی کا باعث ہے۔
۱. مِنْ حِسَابِهِمْ کا تعلق آیات الہی کا استہزاء کرنے والوں سے ہے۔ یعنی جو لوگ ایسی مجالس سے اجتناب کریں گے، تو استہزاء بآیات اللہ کا جو گناہ، استہزاء کرنے والوں کو ملے گا، وہ اس گناہ سے محفوظ رہیں گے۔
۲. یعنی اجتناب و علیحدگی کے باوجود وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرتے رہیں۔
شاید وہ بھی اپنی اس حرکت سے باز آجائیں۔

۳. تُبْسَلُ، أَيْ: لَيْثًا تُبْسَلُ، بَسْلُ کے اصل معنی تو منع کے ہیں، اسی سے ہے شُجَاعٌ بِأَسْلٍ لیکن یہاں اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ (۱) تُسْلَمُ (سو پ دیے جائیں) (۲) تُفْضَحُ (رسوا کر دیا جائے) (۳) تُؤَاخَذُ (مواخذہ کیا جائے) (۴) تُجَارَى (بدلہ دیا جائے)۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سب کے معنی قریب قریب ایک ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہیں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو، جو اس نے کمایا، اس کے بدلے ہلاکت کے سپرد کر دیا جائے۔ یا رسوائی اس کا مقدر بن جائے یا وہ مواخذہ اور مجازات کی گرفت میں آجائے۔ ان تمام مفاہیم کو فاضل مترجم نے ”پھنس نہ جائے“ سے تعبیر کیا ہے۔

۴. دنیا میں انسان عام طور پر کسی دوست کی مدد یا کسی کی سفارش سے یا مالی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں یہ تینوں ذریعے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ ہو گا جو انہیں اللہ کی گرفت سے بچالے، نہ کوئی سفارشی ہو گا جو انہیں عذاب الہی سے نجات دلادے اور نہ کسی کے پاس معاوضہ دینے کے لیے کچھ ہوگا، اگر بالفرض ہو بھی تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ دے کر چھوٹ جائے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

پھنس گئے، ان کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لیے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب۔

۴۱. آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے اور کیا ہم اٹلے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے، جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ-^(۱) آپ کہہ دیجیے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے^(۲) اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہو جائیں۔

۴۲. اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو^(۳) اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔

قُلْ اِنَّكُمْ عِوَانٌ دُوْنَ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ وَلَا يَضُرُّكُمْ اَوْ تَرُدُّوْنَ اَعْقَابًا بَعْدَ اِذْ هَدٰى اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطٰنُ فِي الْاَرْضِ حَبِیْرًا لَّهٗ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗ اِلَى الْهَدٰى اَتَتَبِعُوْنَ اَقْلَامًا هٰذَا اللّٰهُ هُوَ الْهٰدِیْ وَاَمْرًا لِّلنَّبِیِّ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۱﴾

وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اَتَّقُوْهُ وَ هُوَ الْاَزِیْزُ الْبَاقِیُّ ﴿۴۲﴾

۱. یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ان ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راستے پر جا رہے ہوں۔ اور بچھڑ جانے والا جنگلوں میں حیران و پریشان بھٹکتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ بھائی نہ دے رہا ہو۔ یا جنت کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف مراجعت اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔

۲. مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آسکتا۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا۔ کیونکہ ہدایت پر چلا دینا، اسی کا کام ہے۔ جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ قُبِیْلٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نّٰصِرٍ﴾ (النحل: ۳۷) (اگر تو ان کی ہدایت کی خواہش رکھتا ہے (تو کیا؟) بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا، جس کو وہ گمراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا)۔ لیکن یہ ہدایت اور گمراہی اسی اصول کے تحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنایا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یوں ہی جسے چاہے گمراہ اور جسے چاہے راہ یاب کرے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت متعدد جگہ کی جا چکی ہے۔

۳. وَاَنْ اَقِیْمُوا کا عطف لُنُسَلِّمَ پر ہے یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں اور اس سے ڈریں۔ تسلیم و انقیاد الہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامت صلوٰۃ کا دیا گیا ہے جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خشوع کے بغیر ممکن نہیں ﴿وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلٰی الْمُتَّقِیْنَ﴾ (البقرہ: ۳۵)

۴۳۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا^(۱) اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا تو ہو جائے وہ ہو پڑے گا۔^(۲) اس کا کہنا حق اور با اثر ہے۔ اور ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی جب کہ صور میں پھونک ماری جائے گی^(۳) وہ جانے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا۔

۴۴۔ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر^(۴) سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

۴۵۔ اور ہم نے اسی طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ
وَيَوْمَ يَقُولُ لَنْ يَكُونَنَّ ذَاقُوهُ الْحَقَّ وَلَهُ
الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ عَلِيمُ الْغَيْبِ
وَالشَّاهِدُ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَمِيدُ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَرِئِي مَا تَعْبُدُ أَصْنَامًا
الْهَيْهَاتَ ۖ إِنِّي أَخَافُكَ وَأَقْوَمُكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَلِيَكُونُ مِنَ الْهُدَىٰ

۱۔ حق کے ساتھ یا با فائدہ پیدا کیا، یعنی ان کو عبث اور بے فائدہ (کھیل کود کے طور پر) پیدا نہیں کیا، بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس اللہ کو یاد رکھا اور اس کا شکر ادا کیا جائے جس نے یہ سب کچھ بنایا۔

۲۔ یَوْمَ فَعْلٌ مخدوف وَاذْكُرْ یا وَاتَّقُوا کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو! کہ اس کے لفظ کُنْ (ہو جا) سے وہ جو چاہے گا، ہو جائے گا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حساب کتاب کے کٹھن مراحل بھی بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو جائیں گے۔ لیکن کن کے لیے؟ ایمان داروں کے لیے۔ دوسروں کو تو یہ دن ہزار سال یا پچاس ہزار سال کی طرح بھاری لگے گا۔

۳۔ صُور سے مراد وہ نرسنگا یا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ”اسرافیل (علیہ السلام) اسے منہ میں لیے اور اپنی پیشانی جھکائے، حکم الہی کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب انہیں کہا جائے تو اس میں پھونک دیں“ (ابن کثیر) ابوداؤد اور ترمذی میں ہے الصور قرن ینفخ فیہ (۳۲۴، ۴۰۳۰، ۴۷۴۲) ”صور ایک قرن (نرسنگا) ہے جس میں پھونکا جائے گا“ بعض علماء کے نزدیک تین نفثے ہوں گے، نَفْثَةُ الصَّعْقِ جس سے تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ نَفْثَةُ الْفَنَاءِ جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے۔ نَفْثَةُ الْإِنْسَاءِ جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء آخری دو نفثوں کے ہی قائل ہیں۔

۴۔ مؤرخین حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ کے دو نام ذکر کرتے ہیں، آزر اور تارخ۔ ممکن ہے دوسرا نام لقب ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر آپ کے چچا کا نام تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ قرآن نے آزر کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ کے طور پر ذکر کیا ہے، لہذا یہی صحیح ہے۔

والوں میں سے ہو جائیں۔^(۱)

۷۶. پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔^(۲)

۷۷. پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

۷۸. پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔^(۳)

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكَوْكَبَ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ ۝

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَيْسَ لَهُ يَهْدِيَنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ هَذَا الْكُوفَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوِّمُ رَبِّي بُرِّي ۖ وَمَا نَسْتُرُكَ ۝

۱. مَلَكُوتٌ، مبالغہ کا صیغہ ہے جسے رَغَبَةٌ سے رَغَبُوتٌ اور رَهْبَةٌ سے رَهْبُوتٌ اس سے مراد مخلوقات ہے، جیسا کہ ترجمہ میں یہی مفہوم اختیار کیا گیا ہے۔ یا ربوبیت والوہیت ہے یعنی ہم نے اس کو یہ دکھائی اور اس کی معرفت کی توفیق دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح القدیر)

۲. یعنی غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ غروب، تغیر حال پر دلالت کرتا ہے جو حادث ہونے کی دلیل ہے اور جو حادث ہو معبود نہیں ہو سکتا۔

۳. شَمْسٌ (سورج) عربی میں مَوْنُث ہے۔ لیکن اسم اشارہ مذکر ہے۔ مراد اطلاع ہے یعنی یہ طلوع ہونے والا سورج، میرا رب ہے۔ کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح کہ سورج پرستوں کو مغالطہ لگا اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ (اجرام سماویہ میں سورج سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن ہے اور انسانی زندگی کے بقاء و وجود کے لیے اس کی اہمیت و افادیت محتاج وضاحت نہیں۔ اسی لیے مظاہر پرستوں میں سورج کی پرستش عام رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت لطیف پیرائے میں چاند سورج کے پجاریوں پر ان کے معبودوں کی بے حیثیتی کو واضح فرمایا۔

۴. یعنی ان تمام چیزوں سے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، میں بیزار ہوں۔ اس لیے کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی طلوع ہوتے، کبھی غروب ہوتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں۔ جب یہ خود مخلوق اور کسی کے تابع ہیں تو کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِينَ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٥٩﴾

۵۹. میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں^(۱) جس نے
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیسو ہو کر، اور میں شرک
کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَحَاجَّجَهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ
هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي
شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٦٠﴾

۸۰. اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کیا،^(۲)
آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت
کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلادیا ہے اور میں
ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو
نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے، میرا
پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم
پھر بھی خیال نہیں کرتے۔

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُ وَلَا خَافُونَ أَنَّهُ
أَشْرَكُ بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ فَاقُولُ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

۸۱. اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک
بنایا ہے؟ حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ
کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ

مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمرود نے اپنے ایک خواب اور کاہنوں کی تعبیر کی وجہ سے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا
حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہی ایام میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے انہیں ایک غار میں رکھا گیا تاکہ نمرود
اور اس کے کارندوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ وہیں غار میں جب کچھ شعور آیا اور چاند سورج دیکھے تو یہ تاثرات
ظاہر فرمائے، لیکن یہ غار والی بات مستند نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے گفتگو اور مکالمے کے وقت
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں کی ہیں، اسی لیے آخر میں قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے
شریکوں سے بیزار ہوں اور مقصد اس مکالمے سے معبودان باطل کی اصل حقیقت کی وضاحت تھی۔

۱. رخ یا چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے، مراد اس سے شخص ہی ہوتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود، اللہ عزوجل ہے جو آسمان وزمین کا خالق ہے۔

۲. جب قوم نے توحید کا یہ وعظ سنا جس میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی تردید بھی تھی تو انہوں نے بھی اپنے دلائل
دینے شروع کیے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بھی اپنے شرک کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھے تھے۔ جس
کا مشاہدہ آج بھی کیا جاسکتا ہے۔ جتنے بھی مشرکانہ عقائد رکھنے والے گروہ ہیں، سب نے اپنے اپنے عوام کو مطمئن کرنے
اور رکھنے کے لیے ایسے ”سہارے“ تلاش کر رکھے ہیں جن کو وہ ”دلائل“ سمجھتے ہیں یا جن سے کم از کم دامن تزویر میں
پھنسے ہوئے عوام کو جال میں پھنسائے رکھا جاسکتا ہے۔

نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے ^(۱) اگر تم خبر رکھتے ہو۔

۸۲۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔ ^(۲)

۸۳۔ اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی ^(۳) ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھادیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

۸۴۔ اور ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام) دیا اور یعقوب (علیہ السلام)، ^(۴) ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی، اور پہلے زمانے میں ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ہدایت کی اور انکی اولاد میں سے ^(۵) داود کو اور سلیمان کو اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۸۳﴾

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِّن قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ ۚ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۸۴﴾

۱۔ یعنی مومن اور مشرک میں سے؟ مومن کے پاس تو توحید کے بھرپور دلائل ہیں، جب کہ مشرک کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی دلیل کوئی نہیں، صرف اوہام باطلہ ہیں یا دور از کار تاویلات۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امن اور نجات کا مستحق کون ہوگا؟
۲۔ آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظلم کا عام مطلب (کو تاسی، غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا، جس سے وہ پریشان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے اِنَّا لَمْ نَظْلِمْ نَفْسَهُ ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا تھا ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳) (یقیناً شرک ظلم عظیم ہے)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الأنعام)۔

۳۔ یعنی توحید الہی پر ایسی حجت اور دلیل، جس کا کوئی جواب ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے نہ بن پڑا۔ اور وہ بعض کے نزدیک یہ قول تھا، ﴿وَكَيْفَ اتَّخَذَ مَا أَمْرُكُمْ وَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ وَلَوْلَا دَلِيلُ اللَّهِ تَوَلَّوْا لَكُم بِرَبِّكُمْ سُلْطَانًا فَكَايُ الْقُرْيَانِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور کہا ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾

۴۔ یعنی بڑھاپے میں، جب کہ وہ اولاد سے ناامید ہو گئے تھے، جیسا کہ سورہ ہود، آیت ۷۲، ۷۳ میں ہے، پھر بیٹے کے ساتھ ایسے پوتے کی بھی بشارت دی جو یعقوب (علیہ السلام) ہوگا، جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ اس کے بعد ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اس لیے کہ یہ عقب (پیچھے) سے مشتق ہے۔

۵۔ ذُرِّيَّتِهِ میں ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ وہی اقرب ہیں۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٠﴾

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِيلَاسَ كُلٌّ مِّنَ
الصَّالِحِينَ ﴿٥١﴾

وَأِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا
عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

وَمِنْ آلِهِمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِذْنِهِمْ وَأَجْتَبَيْهِمْ
وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٣﴾

ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مَن
عِبَادَهُ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون (علیہ السلام) کو، اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزاء دیا کرتے ہیں۔
۸۵. اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو^(۱) اور الیاس (علیہ السلام) کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

۸۶. نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط (علیہ السلام) کو، اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔
۸۷. نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو،^(۲) اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔

۸۸. اللہ کی ہدایت ہی ہے جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر بالفرض یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال

میں سے داود اور سلیمان علیہ السلام کو۔ اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ اس لیے کہ ساری گفتگو انہی کے ضمن میں ہو رہی ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ پھر ”لوط علیہ السلام“ کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے نہیں ہیں۔ وہ ان کے بھائی ہادان بن ازر کے بیٹے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام، لوط علیہ السلام کے باپ نہیں، چچا ہیں۔ لیکن بطور تغلیب انہیں بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قرآن مجید میں ہے۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب علیہ السلام کے آباء میں شمار کیا گیا ہے جب کہ وہ ان کے چچا تھے۔ (دیکھیے سورہ بقرہ آیت: ۱۳۳)

۱. عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ ان کا باپ نہیں تھا) کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت رجال میں ہی شمار ہوتی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ (اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) کو اپنا بیٹا فرمایا ”إِنِّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَصْلَحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی، ابنی هذا سید) (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

۲. آباء سے اصول اور ذریات سے فروع مراد ہیں۔ یعنی ان کے اصول وفروع اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو ہم نے مقام اجتباء اور ہدایت سے نوازا اجتنباء کے معنی ہیں چن لینا اور اپنے خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ ملا لینا۔ یہ جَبِيتُ الْمَاءِ فِي الْحَوْضِ (میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا) سے مشتق ہے۔ پس اجتنباء کا مطلب ہوگا اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اصْطِفَاءً تَخْلِيصٌ اور اختیاء بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ جس کا مفعول مصطفیٰ مجتبیٰ مخلص اور مختار ہے۔ (فتح القدیر)

کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔^(۱)

۸۹. یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں^(۲) تو ہم نے اس کے لیے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔^(۳)

۹۰. یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے^(۴) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا^(۵) یہ تو تمام جہان والوں کے واسطے صرف ایک نصیحت ہے۔^(۶)

۹۱. اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر کرنا واجب تھی ویسی قدر نہ کی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی^(۷) آپ یہ کہیے کہ وہ کتاب کس

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيَبَهُمُ الْكُذْبُ وَالْحُكْمُ
وَالنَّبُوءَةُ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءُ فَقَدْ وَكَلْنَا
بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَفَرِيْنَ ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ
اِقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ
هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ
عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ قُلْ مَن أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي
جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ لِيَجْعَلَ نُورَهُ

۱. اٹھارہ انبیاء کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے، اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے سارے اعمال برباد ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَٰكِنَ اشْرَكْتَ يَتَذَكَّرْنَ أَعْمَالَكُمْ﴾ (الزمر: ۲۵) (اے پیغمبر! اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سارے عمل برباد ہو جائیں گے)۔ حالانکہ پیغمبروں سے شرک کا صدور ممکن نہیں۔ مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

۲. اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین، مشرکین اور کفار ہیں۔

۳. اس سے مراد مہاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والے ایماندار ہیں۔

۴. اس سے مراد انبیاء مذکورین ہیں۔ ان کی اقتداء کا حکم مسئلہ توحید میں اور ان احکام و شرائع میں ہے جو منسوخ نہیں ہوئے۔ (فتح القدیر) کیونکہ اصول دین تمام شریعتوں میں ایک ہی رہے ہیں، گو شرائع اور مناجع میں کچھ کچھ اختلاف رہا۔ جیسا کہ آیت ﴿لَا مَرَّةً لَّكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وَطَّعِي بِهِ نُوحًا﴾ (الشوریٰ: ۱۳) سے واضح ہے۔

۵. یعنی تبلیغ و دعوت کا، کیونکہ مجھے اس کا وہ صلہ ہی کافی ہے جو آخرت میں عند اللہ ملے گا۔

۶. جہان والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ پس یہ قرآن انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کرے گا اور ضلالت کی پگڈنڈیوں سے نکال کر ایمان کی صراط مستقیم پر گامزن کر دے گا۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے، ورنہ حٰۃ دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے۔ والا معاملہ ہوگا۔

۷. قَدَرُ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے

قَرَأْتُمْ بِدُونِهَا وَتَحْمُونَ كَثِيرًا وَعَلَيْكُمْ نَزَّلْنَا
تَعْلَمُونَ أَنَّهُمْ وَلَا آبَاءُهُمْ قِيلَ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي
خَوْفِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٠﴾

نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے جس کی
کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لیے وہ ہدایت
ہے جس کو تم نے ان متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے^(۱)
جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم
کو بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور
نہ تمہارے بڑے۔^(۲) آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا

معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ ارسال رسل اور انزال کتب کا انکار کرتے ہیں، جس کے
صاف معنی یہ ہیں کہ انہیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے۔ علاوہ ازیں اسی عدم
معرفت الہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قاصر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام
کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَكَاٰنَ لِلنَّاسِ عِجَابًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰی رَسُوْلٍ مِنْهُمْ اَنْ
اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ (یونس: ۲) (کیا یہ بات لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی
نازل کر کے اسے لوگوں کو ڈرانے پر مامور کر دیا ہے؟) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمَا مَنَعَهُمُ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰی
اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَلْبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۳) (ہدایت آجانے کے بعد لوگ اسے قبول کرنے سے اس لیے رک گئے
کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟) اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل آیت نمبر ۸ کے
حاشیے میں بھی گزر چکی ہے۔ آیت زیر وضاحت میں بھی انہوں نے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر اس بات کی نفی کی کہ
اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان سے پوچھو موسیٰ علیہ السلام
پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ (جس کو یہ بھی مانتے ہیں)۔

۱. آیت کی مذکورہ تفسیر کے مطابق اب یہود سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اوراق میں رکھتے
ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو، ظاہر کر دیتے ہو اور جن کو چاہتے ہو، چھپا لیتے ہو۔ جیسے رجم کا مسئلہ یا نبی ﷺ کی
صفات کا مسئلہ ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری وغیرہ نے تَجْعَلُوْنَہ اور يُدْوَہَا صیغہ غائب کے ساتھ والی
قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ کئی آیت ہے، اس میں یہود سے خطاب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور
بعض مفسرین نے پوری آیت کو ہی یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا جو انکار ہے
اسے یہود کی ہمت دھرمی، ضد اور عناد پر مبنی قول قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں۔
ایک پوری آیت کو یہود سے، دوسری پوری آیت کو مشرکین سے متعلق اور تیسری آیت کے ابتدائی حصے کو مشرکین سے
متعلق اور تَجْعَلُوْنَہ سے یہود سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

۲. یہود سے متعلق ماننے کی صورت میں اس کی تفسیر ہوگی کہ تورات کے ذریعے سے تمہیں بتائی گئیں، بصورت دیگر
قرآن کے ذریعے سے۔

ہے^(۱) پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجیے۔

۹۲. اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔

۹۳. اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگائے، یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں، اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو، آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی^(۲) اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمے جھوٹی باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔^(۳)

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ بِمُؤَيَّدٍ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ^(۱)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَأَقَالَ أُوحِي إِلَيْ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُعْزِرُونَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ عِزًّا الْحَقُّ وَلَكُمْ عَنْ يَدَيْهِ تَسْتَكْبِرُونَ^(۲)

۱. یہ مَنْ أَنْزَلَ (کس نے اتارا؟) کا جواب ہے۔

۲. ظالم سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتاب الہی کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ غَمَرَاتٌ سے موت کی سختیاں مراد ہیں۔ ”فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔“ یعنی جان نکالنے کے لیے۔ الْيَوْمَ (آج) سے مراد قبض روح کا دن ہے اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبداء قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل، یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے۔ چاہے اسے کسی درندے نے کھالیا ہو، اس کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہوگئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنادیا گیا یا قبر میں دفن دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ ۳. اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے میں انزال کتب اور ارسال رسل کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعوائے نبوت بھی ہے۔

۹۴. اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے^(۱) جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے، اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارا آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا۔

۹۵. بے شک اللہ تعالیٰ دانے کو اور گٹھلیوں کو پھاڑنے^(۲) والا ہے، وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے^(۳) اور وہ بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے^(۴) اللہ تعالیٰ یہ ہے، سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَاهُ نَافِرًا ذِي كِبَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ
وَتَرَكْنَاهُ فَاخُولًا لَكُمْ وَلَئِنْ لَّظَهَرْتُمْ لَنَا تَرَاوِي مَعَكُمْ
شَفَعَاءُ كَوْمَ الَّذِينَ رَعَيْنَاهُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ تُرِكُوا لَقَدْ
نَقَطَ بَيْنَكُمْ وَصَلَ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ
تَرْغُبُونَ ۝

إِنَّ اللَّهَ فَلْيُحِبِّ وَالنَّوَى يُجْرِي الْحَيِّ مِنَ
الْبَيْتِ وَيُجْرِي الْبَيْتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَلَى
تُؤَقُّونَ ۝

اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و استکبار ہے۔ ان دونوں وجوہ سے انہیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔

۱. فُرَادٰی فَرْد کی جمع ہے جس طرح شُکْرٰی سُکْرَان کی اور کُسْلٰی کُسْلَان کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ تم علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ گے۔ تمہارے ساتھ نہ مال ہو گا نہ اولاد اور نہ وہ معبود، جن کو تم نے اللہ کا شریک اور اپنا مددگار سمجھ رکھا تھا۔ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں فائدہ پہنچانے پر قادر نہ ہوگی۔ اگلے جملوں میں انہی امور کی مزید وضاحت ہے۔

۲. یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کاریگری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ دانے (حَب) اور گٹھلی (نَوَاة، جمع نوی) کو، جسے کاشت کار زمین کی تہ میں دبا دیتا ہے، پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت پیدا فرماتا ہے۔ زمین ایک ہوتی ہے، پانی بھی، جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن جس جس چیز کے وہ دانے یا گٹھلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرما دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے، جو یہ کام کرتا ہو یا کر سکتا ہو؟

۳. یعنی دانے اور گٹھلیوں سے درخت لگا دیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھیلتا اور پھل یا غلہ دیتا ہے یا وہ خوشبودار، رنگ برنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سونگھ کر انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا یا نطفے اور انڈے سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔

۴. یعنی حیوانات سے انڈے، جو مردہ کے حکم میں ہیں۔ حی اور میت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے، یعنی مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیتا ہے۔

فَالَّذِي الْأَصْبَارُ وَجَعَلَ الْبَلَّ سَكَنًا وَالشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا ذَلِكَ نِعْمٌ مِنْ رَبِّكَ الْعَلِيمِ ۝

۹۶. وہ صبح کا نکالنے والا ہے^(۱) اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے^(۲) اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔^(۳) یہ ٹھہرائی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے بڑے علم والی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النَّجْمَ لِمَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَحْرِ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

۹۷. اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی (زمین) اور تری (سمندر) کے اندھیروں میں، راستہ معلوم کر سکو۔^(۴) بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں ان لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝

۹۸. اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ عارضی رہنے کی^(۵)

۱. اندھیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صبح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔
۲. یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تاکہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کر سکیں۔
۳. یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقدر ہے جس میں کوئی تغیر و اضطراب نہیں ہوتا، بلکہ دونوں کی اپنی اپنی منزلیں ہیں، جن پر وہ گرمی اور سردی میں رواں رہتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور گرمی میں اس کے برعکس دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ جس کی تفصیل سورہ یونس: ۵، سورہ یسین: ۴۰ اور سورہ اعراف: ۵۴ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

۴. ستاروں کا یہاں یہ ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقصد اور ہیں جو دوسرے مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔ آسمانوں کی زینت اور شیطانوں کی مرمت۔ رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔ بعض سلف کا قول ہے مَنْ اعْتَقَدَ فِي هَذِهِ النُّجُومِ غَيْرَ ثَلَاثٍ، فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَبَ عَلَى اللَّهِ (ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے) اس سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ملک میں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادو ہی کا ایک شعبہ (حصہ) بتلایا گیا ہے۔ «مَنْ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُومِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السَّحَرِ زَادَ مَا زَادَ» (حسنہ الألبانی صحیح أبي داود: ۳۹۰۵)

۵. اکثر مفسرین کے نزدیک مُسْتَوْدَعٌ سے رحم مادر اور مُسْتَوْدَعٌ سے صلب پدر مراد ہے۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے
ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

۹۹. اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے
اس کے ذریعے سے ہر قسم کے نبات کو نکالا^(۱) پھر ہم نے
اس سے سبز شاخ نکالی^(۲) کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے
چڑھے ہوئے نکالتے ہیں^(۳) اور کھجور کے درختوں سے یعنی
ان کے گچھے میں سے خوشے ہیں جو نیچے کو لٹکے جاتے
ہیں^(۴) اور انگوروں کے باغ اور زیتون^(۵) اور انار کہ بعض
ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے
سے ملتے جلتے نہیں ہوتے۔^(۶) ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب
وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو ان میں دلائل ہیں^(۷)

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرَجُ مِنْهُ حَبًّا
وَتَوَارِكًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَلِيقٌ
وَجَبَّتْ مِنَ الْعُتَابِ وَالزَّيْتُونَ وَالْأَنْعَامُ مَشْتَبِهًا
وَعَيْرُ مَسْتَنَابِهِ أَنْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ
وَيَنْعِهِ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ^(۸)

۱۔ یہاں سے اس کی ایک اور عجیب صنعت (کاریگری) کا بیان ہو رہا ہے یعنی بارش کا پانی۔ جس سے وہ ہر قسم کے درخت
پیدا فرماتا ہے۔

۲۔ اس سے مراد وہ سبز شاخیں ہیں جو زمین میں دبے ہوئے دانے سے اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر ظاہر فرماتا
ہے، پھر وہ پودا یا درخت نشو و نما پاتا ہے۔

۳۔ یعنی ان سبز شاخوں سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ جس طرح گندم اور چاول کی بالیاں ہوتی ہیں۔
مراد یہ سب غلہ جات ہیں مثلاً جو، جوار، باجرہ، مکئی، گندم اور چاول وغیرہ۔

۴۔ قِنْوَانٌ قِنْوَانُ کی جمع ہے جیسے صَنْوٌ اور صَنْوَانٌ ہے۔ مراد خوشے ہیں۔ طَلْعٌ وہ گاہیا یا گچھا ہے جو کھجور کی ابتدائی شکل
ہے، یہی بڑھ کر خوشہ بنتا ہے اور پھر وہ رطب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دَانِيَةٌ سے مراد وہ خوشے ہیں جو قریب ہوں۔
اور کچھ خوشے دور بھی ہوتے ہیں جن تک ہاتھ نہیں پہنچتے۔ بطور امتنان دَانِيَةٌ کا ذکر فرمایا ہے، مطلب ہے۔ مِنْهَا دَانِيَةٌ
وَمِنْهَا بَعِيدَةٌ (کچھ خوشے قریب ہیں اور کچھ دور) بَعِيدَةٌ محذوف ہے۔ (فتح القدیر)

۵۔ جنات، زیتون اور رمان یہ سب مضموب ہیں، جن کا عطف نبات پر ہے۔ یعنی فَأَخْرَجْنَا بِهِ جَنَاتٍ یعنی بارش کے
پانی سے ہم نے انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار پیدا کیے۔

۶۔ یعنی بعض اوصاف میں یہ باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض میں ملتے جلتے نہیں ہیں۔ یا ان کے پتے ایک دوسرے سے ملتے
ہیں۔ پھل نہیں ملتے، یا شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن مزے اور ذائقے میں باہم مختلف ہیں۔

۷۔ یعنی مذکورہ تمام چیزوں میں خالق کائنات کے کمال قدرت اور اس کی حکمت و رحمت کے دلائل ہیں۔

ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

۱۰۰۔ اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلا سند تراش رکھی ہیں اور وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کرتے ہیں۔

۱۰۱۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا^(۱) اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۱۰۲۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

۱۰۳۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی^(۲) اور وہ سب

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۰۰﴾

يَدْبَعُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ أَتَى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَلْعَبْدُ لَهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱۰۲﴾

لَا تَأْتِي رُكَّةَ الْإِبْصَارِ وَهُوَ يَدْرِكُ الْإِبْصَارَ

۱۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اس لائق ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے۔ لیکن لوگوں نے اس ذات واحد کو چھوڑ کر جنوں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مشرکین عبادت تو بتوں کی یا قبروں میں مدفون اشخاص کی کرتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ انہوں نے جنت کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جنت سے مراد شیاطین ہیں اور شیاطین کے کہنے سے ہی شرک کیا جاتا ہے اس لیے گویا شیطان ہی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے مثلاً سورہ نساء: ۱۱۷، سورہ مریم: ۴۴، سورہ طہ: ۶۰، سورہ سبا: ۴۱۔

۲۔ أَبْصَارٌ بَصَرٌ (نگاہ) کی جمع ہے یعنی انسان کی آنکھیں اللہ کی حقیقت کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اور اگر اس سے مراد رؤیت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہو گا یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ تاہم یہ صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اس لیے معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا، دنیا میں نہ آخرت میں، صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی تھیں، جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، اس نے قطعاً جھوٹ بولا ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورة الانعام) کیونکہ اس آیت کی رو سے پیغمبر سمیت کوئی بھی اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہو گا۔ جیسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس کا اثبات فرمایا۔ ﴿وَجُودًا بِمَوَازِينٍ تَافُؤَةً * إِلَى رَبِّهَا نَاطِقَةٌ﴾ (القیامۃ: ۲۲، ۲۳) (کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے)۔

نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔
۱۰۴۔ اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق کے دلائل پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا،^(۱) اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔^(۲)

۱۰۵۔ اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے^(۳) اور تاکہ ہم اس کو دانشمندی کے لیے خوب ظاہر کر دیں۔

۱۰۶۔ آپ خود اس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے۔

۱۰۷۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۴﴾

فَإِنْ جَاءَكُمْ بِصَاحِبٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيفٍ ﴿۱۰۵﴾

وَكَذَلِكَ نَصْرِفُ الْأَيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسَتْ وَلِيُذَكِّرَ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾

إِنِّيَعْمَ مَا أَوْحَى إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۷﴾

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَجْعَلْنَاكَ

۱۔ بَصَائِرُ بَصِيرَةٍ کی جمع ہے۔ جو اصل میں دل کی روشنی کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ دلائل وبراہین ہیں جو قرآن نے جگہ جگہ اور بار بار بیان کیے ہیں اور جنہیں نبی ﷺ نے بھی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اپنالے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے، نہیں اپنالے گا، تو اسی کا نقصان ہے۔ جیسے فرمایا ﴿مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو زیر وضاحت آیت کا ہے۔

۲۔ بلکہ صرف مبلغ، داعی اور بشیر و نذیر ہوں۔ راہ دکھانا میرا کام ہے، راہ پر چلا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

۳۔ یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد ﷺ کہیں سے پڑھ کر اور سیکھ کر آیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ لِإِبْرَاهِيمَ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا﴾ ﴿وَقَالُوا اسْطِطِيزُوا الْكُفْرَ﴾ (الفرقان: ۵-۴) (اور کافروں نے کہا، یہ قرآن تو اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے، جس پر دوسروں نے بھی اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ایسا دعویٰ کر کے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ نیز انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، جس کو اس نے لکھ رکھا ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں ہے جس طرح یہ سمجھتے یا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ مقصد اس تفصیل سے سمجھ دار لوگوں کے لیے تمیز و تشریح ہے تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔

کرتے^(۱) اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا۔ اور نہ آپ ان پر مختار ہیں۔^(۲)

۱۰۸۔ اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت کے باعث حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے^(۳) ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

۱۰۹۔ اور ان لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ^(۴) اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے^(۵) تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضے میں ہیں^(۶) اور

عَلَيْهِمْ حَفِظًا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّلْنَا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُسْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

۱۔ اس نکتے کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ اللہ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور، اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔ تاہم اس نے اس پر انسانوں کو مجبور نہیں کیا کیونکہ جبر کی صورت میں انسان کی آزمائش نہ ہوتی، ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسے اختیارات ہیں کہ وہ چاہے تو کوئی انسان شرک کرنے پر قادر ہی نہ ہو سکے۔

(مزید دیکھیے سورہ بقرہ آیت: ۲۵۳ اور سورہ الانعام آیت: ۳۵ کا حاشیہ)

۲۔ یہ مضمون بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد نبی ﷺ کی داعیانہ حیثیت کی وضاحت ہے جو منصب رسالت کا تقاضا ہے اور آپ صرف اسی حد تک مکلف تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے پاس اگر اختیارات ہوتے تو آپ اپنے محسن چچا ابو طالب کو ضرور مسلمان کر لیتے، جن کے قبول اسلام کی آپ شدید خواہش رکھتے تھے۔

۳۔ یہ سد ذریعہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ اگر ایک مباح کام، اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس مباح کام کا ترک راجح اور بہتر ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لیے گالی کا سبب بن جاؤ گے (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر وأکبرها) امام شوکانی لکھتے ہیں یہ آیت سد ذرائع کے لیے اصل اصل ہے۔ (فتح القدیر)

۴۔ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ، اُی: حَقْفُوا اَیْمَانًا مُّوَكَّدَةً۔ بڑی تاکید سے قسمیں کھائیں۔

۵۔ یعنی کوئی بڑا معجزہ جو ان کی خواہش کے مطابق ہو، جیسے عصائے موسیٰ علیہ السلام، احیائے موتی اور ناقہ شمود وغیرہ جیسا۔

۶۔ ان کا یہ مطالبہ خرق عادت تعنت وعناد کے طور پر ہے، طلب ہدایت کی نیت سے نہیں ہے۔ تاہم ان نشانوں کا ظہور

تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

۱۱۰. اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے^(۱) اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

۱۱۱. اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے^(۲) اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے^(۳) اور ہم تمام موجودات کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر جمع کر دیتے^(۴) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ ہی چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔^(۵)

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۱۰﴾

وَلَوْ أَنَّنَا نَتَنَبَّأُ لِيَهُمُ الْمَلَكُةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْثِقُ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۱۱﴾

تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو ان کا مطالبہ پورا کر دے۔ بعض مرسل روایات میں ہے کہ کفار مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا پہاڑ سونے کا بنادیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے، جس پر جبریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اگر اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو پھر انہیں ہلاک کر دیا جائے گا، نبی ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ (ابن کثیر)

۱. اس کا مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تو اس کا وبال ان پر اس طرح پڑا کہ آئندہ بھی ان کے ایمان لانے کا امکان ختم ہو گیا۔ دلوں اور نگاہوں کو پھیر دینے کا یہ مفہوم ہے۔ (ابن کثیر)

۲. جیسا کہ وہ بار بار اس کا مطالبہ ہمارے پیغمبر سے کرتے ہیں۔

۳. اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دیتے۔

۴. دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نشانیاں وہ طلب کرتے ہیں، وہ سب ان کے روبرو پیش کر دیتے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جمع ہو کر گروہ در گروہ یہ گواہی دے کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو ان تمام نشانیوں اور مطالبوں کو پورا کر دینے کے باوجود یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ مگر جس کو اللہ چاہے، اسی مفہوم کی یہ آیت بھی ہے ﴿رَأَى الَّذِينَ حَقَّنَتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ * وَلَوْ جَاءَهُمْ شُهَدَاءُ أَنْ يَقُولُوا حَتَّىٰ بِرِوَاقِ الْعَذَابِ الْأَلِيمِ﴾ (یونس: ۹۶-۹۷) (جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں)۔

۵. اور یہ جہالت کی باتیں ہی ان کے اور حق قبول کرنے کے درمیان حائل ہیں۔ اگر جہالت کا پردہ اٹھ جائے تو شاید حق انکی سمجھ میں آجائے اور پھر اللہ کی مشیت سے حق کو اپنا بھی لیں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ
الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱﴾

۱۱۲. اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے
شیطان پیدا کیے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن،^(۱) جن میں
سے بعض بعضوں کو چکنی چڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے
تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں^(۲) اور اگر اللہ تعالیٰ
چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے^(۳) سو ان لوگوں کو اور جو کچھ
یہ افتراء پرداز کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجیے۔

وَلَتَصْنَعِيَ الْإِلَهُ الْآيِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ وَلَيَرَوْهُمُ وَلَيَقَرِّفُوا مَا هُمْ
مُفْتَرُونَ ﴿۱۲﴾

۱۱۳. اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل
ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو
پسند کر لیں اور تاکہ مرتکب ہو جائیں ان امور کے جن
کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔^(۴)

أَفَعَدَّ اللَّهُ اجْتِنَاعِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ
إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ ابْتَغَتْهُمْ الْكِتَابَ
يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْقَلَبٌ مِّنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا
تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۳﴾

۱۱۴. تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو
تلاش کروں؟! حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب
کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے، اس کے مضامین خوب
صاف صاف بیان کیے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے

۱. یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے، ان کی تکذیب کی گئی، انہیں ایذا کی دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے صبر اور حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنان حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے پیروکار جوڑوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے سرکش، باغی اور متکبر قسم کے ہیں۔
۲. وحی خفیہ بات کو کہتے ہیں یعنی انسانوں اور جوڑوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چال بازیوں اور حیلے سکھاتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کر سکیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جس کی وجہ سے برائی بہت جلدی فروغ پاجاتی ہے۔
۳. یعنی اللہ تعالیٰ تو ان شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے لیکن وہ بالجبر ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کے نظام اور اصول کے خلاف ہے جو اس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے، جس کی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے۔
۴. یعنی شیطانی وسوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدہ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے، اسی حساب سے لوگ شیطانی جال میں پھنس رہے ہیں۔

کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔^(۱)

۱۱۵. اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے،^(۲) اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں^(۳) اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔^(۴)

۱۱۶. اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔^(۵)

وَنَتَّبِعُ كَلِمَتَ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾

وَأِنْ تَطَعُوا أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوهُ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَكْفُرُونَ إِلَّا الظَّنُّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا خَيْرُ صَوْنٍ ﴿۱۱۶﴾

۱. آپ کو خطاب کر کے دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

۲. اخبار و واقعات کے لحاظ سے سچا ہے اور احکام و مسائل کے اعتبار سے عادل ہے یعنی اس کا ہر امر اور نہی عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس نے انہی باتوں کا حکم دیا ہے جن میں انسانوں کا فائدہ ہے اور انہی چیزوں سے روکا ہے جن میں نقصان اور فساد ہے۔ گو انسان اپنی نادانی یا اغوائے شیطانی کی وجہ سے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔

۳. یعنی کوئی ایسا نہیں جو رب کے کسی حکم میں تبدیلی کر دے، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔

۴. یعنی بندوں کے اقوال سننے والا اور انکی ایک حرکت و ادا کو جاننے والا ہے اور وہ اس کے مطابق ہر ایک کو جزاء دے گا۔

۵. قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی واقعے کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) (اور آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حق و باطل کا معیار، دلائل و براہین ہیں، لوگوں کی اکثریت و اقلیت نہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہو یا وہ حق ہو، اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں۔ بلکہ مذکورہ حقیقت قرآن کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہل باطل اکثریت میں۔ جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت ۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی۔ اور اس جنتی فرقے کی نشانی آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ جو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا) (ابو داؤد کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ: ۳۵۹۶-ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة وقد حسنه الترمذی فی بعض النسخ وأقره الألبانی فی الطحاویۃ، حدیث: ۲۶۳)

۱۱۷۔ بالیقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔

۱۱۸۔ سو جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ۔ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔^(۱)

۱۱۹۔ اور آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے،^(۲) مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے، اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

۱۲۰۔ اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَقْبَلُ عَنْ سَيِّئِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُنْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِاللَّيْتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرْتُمْ إِلَيْهِ ۚ وَإِنْ كَثِيرٌ مِّنَ الْبَاطِلِ ۖ إِنَّهُمْ يَعْبُدُون ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُنْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِلَٰثِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الْإِثْمَ يُكْسِبُونَ ۚ إِنَّهُمْ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

۱۔ یعنی جس جانور پر شکار کرتے وقت یا ذبح یا نحر کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو بشرطیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہوں جن کا کھانا مباح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر عداً ان موقعوں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حلال طیب نہیں البتہ اس سے ایسی صورت متنبی ہے کہ جس میں یہ التباس ہو کہ ذبح کے وقت ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اسے کھاؤ۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں (اس سے مراد وہ اعرابی تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی تعلیم و تربیت سے پوری طرح بہرہ ور بھی نہیں تھے) ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا «سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوا» (صحیح البخاری، باب ذبیحة الأعراب: ۵۵۰۷) (تم اللہ کا نام لے کر اسے کھاؤ) یعنی التباس (شبہ) کی صورت میں یہ رخصت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر قسم کے جانور کا گوشت بسم اللہ پڑھ لینے سے حلال ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی منڈیوں اور دکانوں پر ملنے والا گوشت حلال ہے۔ ہاں اگر کسی کو وہم اور التباس ہو تو وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔

۲۔ جس کی تفصیل اسی سورت میں آگے آرہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور سورتوں نیز احادیث میں محرمات کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی حلال ہیں اور حرام جانور بھی عند الاضطرار سد رمق کی حد تک جائز ہیں۔

وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يُدْكِرُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَإِنَّهُمْ
لَفَاسِقٌ ۖ إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَبُذُخُونَ إِلَىٰ أُولِيهِمْ
لِيَجْادُوهُمْ وَإِنَّ أَطْعَمَهُمْ إِنَّكُمْ لَكَاثِرُونَ ﴿٥٩﴾

۱۲۱۔ اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر
اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام نافرمانی کا ہے ^(۱) اور یقیناً
شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ یہ
تم سے جدال کریں ^(۲) اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت
کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

أَوْ مِمَّنْ كَانَ مِيثَاقًا بَيْنَهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا
يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلَهُ فِي الظُّلُمَاتِ
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ يُدْكِرُ الْكَافِرِينَ ۖ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥٩﴾

۱۲۲۔ ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا
اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لیے
ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی
طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ ^(۳) اسی
طرح کافروں کو ان کے اعمال خوش نما معلوم ہوا کرتے ہیں۔

۱۲۳۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے
رعیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُّجْرِمِيهَا
لِيَسْأَلُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ

۱۔ یعنی عداً اللہ کا نام جس جانور پر نہ لیا گیا، اس کا کھانا فسق اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے یہی معنی
بیان کیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا“ اور امام بخاری کا رجحان بھی یہی ہے اور یہی احناف
کا مسلک ہے تاہم امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے چاہے وہ اللہ کا نام لے یا
عداً چھوڑ دے اور وہ وَإِنَّهُ لَفَاسِقٌ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

۲۔ شیطان نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے سے یہ بات پھیلائی کہ یہ مسلمان اللہ کے ذبح کیے ہوئے جانور (یعنی مردہ)
کو تو حرام اور اپنے ہاتھ سے ذبح شدہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان اور اس کے دوستوں کے وسوسوں کے پیچھے مت لگو، جو جانور مردہ ہے یعنی بغیر ذبح کیے
مر گیا (سوائے سمندری میت کے کہ وہ حلال ہے) اس پر چونکہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

۳۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو میت (مردہ) اور مومن کو حی (زندہ) قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ کافر کفر
و ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے اور مومن
کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے سے زندہ فرما دیتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لیے روشن ہو جاتی ہیں
اور وہ ایمان و ہدایت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ کامیابی و کامرانی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو حسب
ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿إِنَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ مِمَّن لِّلطَّاغُوتِ
يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ (البقرة: ۲۵۷) ﴿مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرِ وَالسِّعَةِ هَلْ يُسْتَوُونَ مَثَلًا﴾ (نور: ۲۳)
اور ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ * وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ * وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ * وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَلَا الْأُمُوتُ﴾ (فاطر: ۱۹-۲۲)

وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۰﴾

فریب کریں۔^(۱) اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔^(۲)

۱۲۴۔ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے،^(۳) اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟^(۴) عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کے مقابلے میں سزائے سخت۔

۱۲۵۔ سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستے پر ڈالنا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینے کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے،^(۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر ناپاکی مسلط کر دیتا ہے۔^(۶)

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۚ فَمِصْبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ لِّمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۴۱﴾

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ ۚ لِلْإِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا ۚ كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۴۲﴾

۱۔ اَكْبَر، اَكْبَر کی جمع ہے، مراد کافروں اور فاسقوں کے سر غنے اور کھڑپینچ ہیں کیونکہ یہی انبیاء اور داعیان حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے لگنے والے ہوتے ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے مخالفت حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ (یہی مضمون سورہ سبا کی آیات: ۳۱ تا ۳۳ سورہ زخرف: ۲۳ سورہ نوح: ۲۲ وغیرہا میں بھی بیان کیا گیا ہے)۔
۲۔ یعنی ان کی اپنی شرارت کا وبال اور اسی طرح ان کے پیچھے لگنے والے لوگوں کا وبال انہی پر پڑے گا۔ (مزید دیکھیے سورہ عنکبوت: ۱۳۔ سورہ نحل: ۲۵)

۳۔ یعنی ان کے پاس بھی فرشتے وحی لے کر آئیں اور ان کے سروں پر بھی نبوت و رسالت کا تاج رکھا جائے۔
۴۔ یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے؟ مکہ کا کوئی چودھری درمیس یا جناب عبد اللہ و حضرت آمنہ کا درمیتیم؟
۵۔ یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا سینہ اس کے لیے کھول دے۔
۶۔ یعنی جس طرح سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح رجس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ رجس سے مراد پلیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔

۱۲۶۔ اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔

۱۲۷۔ ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔^(۱)

۱۲۸۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کرے گا، (کہے گا) اے جنات کی جماعت! تم نے انسانوں میں سے بہت سے اپنال لیے^(۲) جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا^(۳) اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو تو نے ہمارے لیے معین فرمائی،^(۴) اللہ فرمائے گا کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ

وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۚ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

لَهُمْ دَارُ السَّلَوى عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُمْ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۷﴾

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ لِيُعْذَرَ الَّذِينَ قَدْ اسْتَغْنَوْا مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْنِعْ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ۚ وَبَلَّغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مُوَكَّلُكُمْ ۚ خُلِدِينَ فِيهَا ۚ أَلَا مَآ شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۸﴾

۱۔ یعنی جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر و ضلالت کے کج راستوں سے بچ کر ایمان و ہدایت کی صراط مستقیم پر گامزن رہے، اب آخرت میں بھی ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا، ان کے نیک عملوں کی وجہ سے دوست اور کارساز ہے۔
۲۔ یعنی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تم نے گمراہ کر کے اپنا پیرو کار بنالیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ لیسین میں فرمایا: ”اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کر دیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا مت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور اس شیطان نے تمہاری ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟“ (یسین: ۹۰-۹۲)

۳۔ جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا ان کو اپنا پیرو کار بنا کر ان سے تملذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ شیطانوں نے گناہوں کو ان کے لیے خوبصورت بنا دیا جسے انہوں نے قبول کیا اور گناہوں کی لذت میں پھنسے رہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ان غیبی خبروں کی تصدیق کرتے رہے جو شیاطین و جنات کی طرف سے کہات کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں۔ یہ گویا جنات نے انسانوں کو بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی یا اٹکل پچو باتوں سے لطف اندوز ہوتے اور کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہے۔
۴۔ یعنی قیامت واقع ہوگئی جسے ہم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب جہنم تمہارا دائی ٹھکانہ ہے۔

رہوگے، ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔^(۱)
بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا، بڑا علم والا ہے۔

۱۲۹۔ اور اسی طرح ہم بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔^(۲)

۱۳۰۔ اے جنات اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی پیغمبر نہیں آئے تھے،^(۳) جو تم سے میرے احکام بیان کرتے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیتے؟ وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں اور ان کو دنیوی زندگی نے بھول میں ڈالے رکھا اور یہ لوگ اقرار کرنے والے ہوں گے کہ وہ کافر تھے۔^(۴)

۱۳۱۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس

وَكَذَلِكَ نُورِي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۲۹﴾

يَمْشَرُ الْعَجِنَ وَالْإِنْسَ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمُ الْيَقِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا سَهْدًا نَّاعِلَى أَنْفُسِنَا وَعَزَّوْهُمْ الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۱۳۰﴾

ذَلِكَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ رُبُّكَ مُهْلِكُ الْقُرَى يَظْلُمُ وَأَهْلُهَا غَفْلُونَ ﴿۱۳۱﴾

۱۔ اور اللہ کی مشیت کفار کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہی ہے جس کی اس نے بار بار قرآن کریم میں وضاحت کی ہے۔ بنا بریں اس سے کسی کو مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ استثناء اللہ تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے بیان کے لیے ہے جسے کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا اس لیے اگر وہ کفار کو جہنم سے نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے اس سے نہ وہ عاجز ہے نہ کوئی دوسرا روکنے والا۔ (المبر القاسم)

۲۔ یعنی جہنم میں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور مددگار بنایا (جیسا کہ گذشتہ آیت میں گذرا) اسی طرح ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر ہم مسلط کر دیتے ہیں اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک و تباہ کرتا ہے اور ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں۔

۳۔ رسالت و نبوت کے معاملے میں جنات انسانوں کے ہی تابع ہیں ورنہ جنات میں الگ نبی نہیں آئے البتہ رسولوں کا پیغام پہنچانے والے اور منذرین جنات میں ہوتے رہے ہیں جو اپنی قوم کے جنوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور دیتے ہیں۔ لیکن ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ جنات کا وجود انسان کے پہلے سے ہی ہے تو ان کی ہدایت کے لیے انہیں میں سے کوئی نبی آیا ہو گا پھر آدم علیہ السلام کے وجود کے بعد ہو سکتا ہے وہ انسانی نبیوں کے تابع رہے ہوں، البتہ نبی کریم ﷺ کی رسالت بہر حال تمام جن و انس کے لیے ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

۴۔ میدان حشر میں کافر مختلف پینترے بدلیں گے، کبھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے (الانعام: ۲۳) اور کبھی اقرار کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا، جیسے یہاں ان کا اقرار نقل کیا گیا ہے۔

بستی کے رہنے والے^(۱) بے خبر ہوں۔

۱۳۲. اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے سبب درجے ملیں گے^(۲) اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

۱۳۳. اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے۔^(۳) اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھالے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔^(۴)

۱۳۴. جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بے شک آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔^(۵)

۱۳۵. آپ یہ فرما دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں،^(۶) سوا ب

وَلِكُلِّ دَرَجَةٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ يَشَاءْ يُدْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنتَ كَافٍ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۱۳۳﴾

إِنْ مَا نُوْعِدُونَ لَاتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۳۴﴾

قُلْ لِيَقُومُوا عَمَلُهُمْ عَلَى مَكَانَتِهِمْ إِنْ أُمِرُوا فَمَا يَسْوَءُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا لَهَا عَاقِبَةُ الدَّارِ

۱. یعنی رسولوں کے ذریعے سے جب تک اپنی حجت قائم نہیں کر دیتا، ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ یہی بات سورہ فاطر: ۲۴۔ سورہ نحل: ۲۶۔ سورہ بنی اسرائیل: ۱۵ اور سورہ ملک: ۸، ۹ وغیرہ میں بیان کی گئی ہے۔

۲. یعنی ہر انسان اور جن کے، ان کے باہمی درجات میں، عملوں کے مطابق، فرق و تفاوت ہوگا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت بھی انسانوں کی طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے۔

۳. وہ غنی (بے نیاز) ہے اپنی مخلوقات سے۔ انکا محتاج ہے نہ ان کی عبادتوں کا ضرورت مند ہے، ان کا ایمان اس کے لیے نفع مند ہے نہ ان کا کفر اس کے لیے ضرر رساں لیکن اس شان غناء کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لیے رحیم بھی ہے۔ اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

۴. یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے۔ جس طرح پچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا، وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمہیں نیست و نابود کر دے اور تمہاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔ (مزید ملاحظہ ہو سورہ نساء: ۱۳۳۔ سورہ ابراہیم: ۲۰۔ سورہ فاطر: ۱۵-۱۷۔ سورہ محمد ﷺ: ۳۸)۔

۵. اس سے مراد قیامت ہے۔ ”اور تم عاجز نہیں کر سکتے“ کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے چاہے تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکے ہو۔

۶. یہ کفر اور معصیت پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سخت وعید ہے جیسا کہ اگلے الفاظ سے بھی واضح ہے۔ جس طرح

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۰﴾

جلد ہی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لیے نافع ہوگا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔^(۱)

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ
وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ
بِرَّعِيهِمْ وَهَذَا لِلشُّرَكَائِنَا فَمَا كَانَ
لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ
لِللَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا
يَحْكُمُونَ ﴿۱۱﴾

۱۳۶۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے،^(۲) پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی^(۳) اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے^(۴) کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ
قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَاءُ وَهُمْ لَا يُدْرِيهِمْ

۱۳۷۔ اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ لَأَنظُرُونَ﴾ * وَأَنظُرُوا إِنَّا مُنظِرُونَ ﴿۱۲﴾ (جو ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں)۔

۱۔ جیسا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کر دکھایا، ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور اس کے فتح کے بعد عرب قبائل جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا اور یہ دائرہ پھر پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

۲۔ اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ و عمل کا ایک نمونہ بتلایا گیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھے تھے۔ وہ زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ اپنے خود ساختہ معبودوں کے لیے مقرر کر لیتے۔ اللہ کے حصے کو مہمانوں، فقراء اور صلہ رحمی پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصے کو بتوں کے مجارین اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے۔ پھر اگر بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں شامل کر لیتے اور اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے نہ نکالتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

۳۔ یعنی اللہ کے حصے میں کمی کی صورت میں بتوں کے مقررہ حصے میں سے تو صدقات و خیرات نہ کرتے۔

۴۔ ہاں اگر بتوں کے مقررہ حصے میں کمی ہو جاتی تو وہ اللہ کے مقررہ حصے سے لے کر بتوں کے مصالح اور ضروریات پر خرچ کر لیتے۔ یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عظمت اور ان کا خوف ان کے دلوں میں زیادہ تھا جس کا مشاہدہ آج کے مشرکین کے رویے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

وَلَيْسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿٦﴾

مستحسن بنا رکھا ہے^(۱) تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں^(۲) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے^(۳) تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یوں ہی رہنے دیجیے۔

وَقَالُوا هَذِهِ الْأَنْعَامُ وَحَرْتُ حِجْرًا لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَالْأَنْعَامُ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَالْأَنْعَامُ لَا يُكَذِّبُونَ أَسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧﴾

۱۳۸. اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کچھ مویشی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں،^(۴) اور کچھ مویشی ہیں جن پر سواری یا باربرداری حرام کر دی گئی،^(۵) اور کچھ مویشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر۔^(۶) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افتراء کی سزا دیے دیتا ہے۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُنُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَزْوَاجِنَا وَلَنْ يَكُنْ

۱۳۹. اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری

۱. یہ اشارہ ہے ان کے بچپوں کے زندہ درگور کر دینے یا بتوں کی بھینٹ چڑھانے کی طرف۔

۲. یعنی ان کے دین میں شرک کی آمیزش کر دیں۔

۳. یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات اور قدرت سے، ان کے ارادہ و اختیار کی آزادی کو سلب کر لیتا، تو پھر یقیناً یہ وہ کام نہ کرتے جو مذکور ہوئے لیکن ایسا کرنا چونکہ جبر ہوتا، جس میں انسان کی آزمائش نہیں ہو سکتی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر آزمانا چاہتا ہے، اس لیے اللہ نے جبر نہیں فرمایا۔

۴. اس میں ان کی جاہلی شریعت اور باطل کی تین صورتیں اور بیان فرمائی ہیں۔ حِجْرٌ (یعنی منع) اگرچہ مصدر ہے لیکن مفعول یعنی مَحْجُورٌ (منوع) کے معنی میں ہے۔ یہ پہلی صورت ہے کہ یہ جانور یا فلاں کھیت کی پیداوار، ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسے صرف وہی کھائے گا جسے ہم اجازت دیں گے۔ یہ اجازت بتوں کے خادم اور مجاورین ہی کے لیے ہوتی۔

۵. یہ دوسری صورت ہے کہ وہ مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے جن سے وہ باربرداری یا سواری کا کام نہ لیتے جیسے بَحِيرَةٌ سَابِقَةٌ وغیرہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۶. یہ تیسری صورت ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت صرف اپنے بتوں کا نام لیتے، اللہ کا نام نہ لیتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان جانوروں پر بیٹھ کر وہ حج کے لیے نہ جاتے۔ بہر حال یہ ساری صورتیں گھڑی ہوئی تو ان کی اپنی تھیں لیکن وہ اللہ پر افتراء باندھتے یعنی یہ باور کراتے کہ اللہ کے حکم سے ہی ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

مَنْعَتَهُ فَمَنْ فَبِحْذَرِكُمْ سَجَرٍ يُخْتَصِمُ بِهِمْ وَصَفَهُمْ
إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٥﴾

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً
عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٥﴾

عورتوں پر حرام ہے۔ اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں۔^(۱) ابھی اللہ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیے دیتا ہے^(۲) بلاشبہ وہ حکمت والا ہے اور وہ بڑا علم والا ہے۔
۱۴۰۔ واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا، اور جو چیزیں ان کو اللہ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر۔ بے شک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

۱۴۱۔ اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں^(۳) اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے،^(۴) ان سب کے

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ
مَّعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ
وَالزَّيْتُونَ وَاللُّؤْمَانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ
مُتَشَابِهٍ كُلًّا مِنْ ثَمَرَةٍ إِذَا اسْتَرَوْا أَثْوَا
حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا
يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٥﴾

۱۔ یہ ایک اور شکل ہے کہ جو جانور وہ اپنے بتوں کے نام وقف کرتے، ان میں سے بعض کے بارے میں کہتے کہ ان کا دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے، عورتوں کے لیے حرام ہے۔ ہاں اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت برابر ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو غلط بیانی کرتے ہیں اور اللہ پر افتراء باندھتے ہیں، ان پر عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے گا۔ وہ اپنے فیصلوں میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح علم رکھنے والا ہے اور اپنے علم و حکمت کے مطابق وہ جزاء و سزا کا اہتمام فرمائے گا۔

۳۔ مَعْرُوشَاتٍ کا مادہ عَرَشَ ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔ مراد معروضات سے بعض درختوں کی وہ بیلئیں ہیں جو ٹٹیوں (چھپروں، منڈیروں وغیرہ) پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور اور بعض ترکاریوں کی بیلئیں ہیں۔ اور غیر معروضات، وہ درخت ہیں جن کی بیلئیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں بلکہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں، جیسے خرہوزہ اور تربوز وغیرہ کی بیلئیں ہیں یا وہ تنے دار درخت ہیں جو بیل کی شکل میں نہیں ہوتے۔ یہ تمام بیلئیں، درخت اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں، جن کے ذائقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون و انار، ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

۴۔ اس کے لیے دیکھیے آیت ۹۹ کا حاشیہ۔

پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو^(۱) اور حد سے مت گزرو^(۲) یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔^(۳)

۱۲۲۔ اور مویشیوں میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے^(۴) (پیدا کیے)، جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے کھاؤ^(۵) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو،^(۶) بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

۱۲۳۔ (پیدا کیے) آٹھ زومادہ^(۷) یعنی بھیر میں دو قسم اور

وَمِنَ الْأَعْمَالِ حُمُولُهُ وَفَرَشَاءُ كُلِّ امْتِنَانٍ
رَزَقَ كُلُّهُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
إِنَّهُ لَكُمُ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

ثَمَنِيَّةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الصَّانِ اثْنَتَيْنِ وَمِنَ

۱۔ یعنی جب کھیتی سے غلہ کاٹ کر صاف کرلو اور پھل درختوں سے توڑلو، تو اس کا حق ادا کرو۔ اس حق سے مراد بعض علماء کے نزدیک نقلی صدقہ ہے اور بعض کے نزدیک صدقہ واجبہ یعنی عشر، دسواں حصہ (اگر زمین بارانی ہو) یا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ (اگر زمین کنویں، ٹیوب ویل یا نہری پانی سے سیراب کی جاتی ہو)

۲۔ یعنی صدقہ و خیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں اس کا تعلق حکام سے ہے یعنی صدقات و زکوٰۃ کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کرو اور امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کی رو سے زیادہ صحیح یہ بات لگتی ہے کہ کھانے میں اسراف مت کرو کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔ اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اس لیے سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا ہے، جس سے واضح ہے کہ کھانے پینے میں بھی اعتدال بہت ضروری اور اس سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہے۔ آج کل مسلمانوں نے اس اسراف کو اپنی امارت کے اظہار کی علامت بنالیا ہے۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

۳۔ اس لیے اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے، صدقہ و خیرات دینے میں نہ کسی اور چیز میں۔ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی مطلوب و محبوب ہے اور اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

۴۔ حُمُولَةٌ (بو بھ اٹھانے والے) سے مراد، اونٹ، بیل، گدھا، خچر وغیرہ ہیں، جو بار برداری کے کام میں آتے ہیں اور فَرَشَاءُ سے مراد زمین سے لگے ہوئے جانور۔ جیسے بکری وغیرہ جس کا تم دودھ پیتے یا گوشت کھاتے ہو۔

۵۔ یعنی پھلوں، کھیتوں اور چوپایوں سے۔ ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان کو تمہارے لیے خوراک بنایا ہے۔

۶۔ جس طرح مشرکین اس کے پیچھے لگ گئے اور حلال جانوروں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا گویا اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کو حلال کر لینا، یہ شیطان کی بیروی ہے۔

۷۔ یعنی اُنْشَاءُ ثَمَانِيَّةَ أَزْوَاجٍ (اسی اللہ نے آٹھ زوج پیدا کیے) أَزْوَاجٍ، زَوْج کی جمع ہے۔ ایک ہی جنس کے نر اور مادہ

بکری میں دو قسم^(۱) آپ کہیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں؟^(۲) تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر سچے ہو۔^(۳)

۱۴۴۔ اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم^(۴) آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا؟^(۵) تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے، تاکہ لوگوں کو

الْمَعْرَاضَيْنِ قُلْ ءَالِدَاكَ زَيْنٌ حَرَامٌ
الْأُنثَيْنِ أَمَّا شَتَمَكَ عَلَيْهِمَا
الْأُنثَيْنِ يُسَوِّرُنِي بَعْلِي إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ
ءَالِدَاكَ زَيْنٌ حَرَامٌ أَمَّا شَتَمَكَ
عَلَيْهِمَا أَرَحِمُ الْإِنثَيْنِ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ
وَضَعَكَ اللَّهُ هَذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَىٰ
اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

کو زوج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک ایک فرد کو بھی زوج کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لیے زوج ہوتا ہے۔ قرآن کے اس مقام پر بھی ازواج، افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ۸ افراد اللہ نے پیدا کیے۔ جو باہم ایک دوسرے کا جوڑا ہیں۔ یہ نہیں کہ زوج (معنی جوڑے) پیدا کیے کیوں کہ اس طرح تعداد ۸ کے بجائے ۱۶ ہو جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔

۱۔ یہ ثَمَانِيَّة سے بدل ہے اور مراد دو قسم سے نر اور مادہ ہے یعنی بھیرے سے نر اور مادہ اور بکری سے نر اور مادہ پیدا کیے (بھیرے میں ہی دنبہ چھترا بھی شامل ہے)۔

۲۔ مشرکین جو بعض جانوروں کو اپنے طور پر ہی حرام کر لیتے تھے، اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا مادوں کو یا اس بچے کو جو دونوں مادوں کے پیٹ میں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو کسی کو بھی حرام نہیں کیا ہے۔

۳۔ تمہارے پاس حرام قرار دینے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو پیش کرو کہ بَحِيرَةٌ، سَائِيَّةٌ وَصَبْلَةٌ اور حَامٍ وغیرہ اس دلیل کی بنیاد پر حرام ہیں۔

۴۔ یہ بھی ثَمَانِيَّة سے بدل ہے اور یہاں بھی دو دو قسم سے دونوں کے نر اور مادہ مراد ہیں اور یوں یہ آٹھ قسمیں پوری ہو گئیں۔

۵۔ یعنی تم جو بعض جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، کیا جب اللہ نے ان کی حرمت کا حکم دیا تو تم اس کے پاس موجود تھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی حرمت کا کوئی حکم ہی نہیں دیا۔ یہ سب تمہارا افتراء ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

۶۔ یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لُحی کو جنہم میں اپنی امتزیاں کھینچے ہوئے دیکھا، اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر وَصِيلَةٌ اور حَامٍ وغیرہ جانور چھوڑنے کا سلسلہ شروع کیا تھا (صحیح

گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔
 ۱۴۵۔ آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو۔^(۱) پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رَجَسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۵﴾

البخاری، تفسیر سورة المائدة - صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ عمرو بن لُحی، خزاعہ قبیلے کے سرداروں میں سے تھا جو جرہم قبیلے کے بعد خانہ کعبہ کا والی بنا تھا، اس نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی اور حجاز میں بت قائم کر کے لوگوں کو ان کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور مشرکانہ رسمیں جاری کیں (ابن کثیر) بہر حال مقصود آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آٹھ قسم کے جانور پیدا کر کے بندوں پر احسان فرمایا ہے، ان میں سے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر لینا، اللہ کے احسان کو رد کرنا بھی ہے اور شرک کا ارتکاب بھی۔

۱۔ اس آیت میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اس کی ضروری تفصیل سورہ بقرہ: ۱۷۳ کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ مزید قابل وضاحت ہے کہ ان چار محرمات کا ذکر کلمہ حصر سے کیا گیا ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار قسموں کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے قبل مشرکین کے جاہلانہ طریقوں اور ان کے رد کا بیان چلا آ رہا ہے۔ ان ہی میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر حرام کر رکھے تھے، اس سیاق اور ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں تو اس سے مقصود مشرکین کے حرام کردہ جانوروں کی حلت ہے یعنی وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے جن محرمات کا ذکر کیا ہے ان میں تو وہ شامل ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ حرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی ذکر ضرور کرتا۔ امام شوکانی نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ اگر یہ آیت مکی نہ ہوتی تو پھر یقیناً محرمات کا حصر قابل تسلیم تھا لیکن چونکہ اس کے بعد خود قرآن نے سورۃ المائدہ میں بعض اور محرمات کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی کچھ محرمات بیان فرمائے ہیں، تو اب وہ بھی ان میں شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ نے پرندوں اور درندوں کی حلت و حرمت معلوم کرنے کے لیے دو اصول بیان فرمادیے ہیں جن کی وضاحت بھی مذکورہ محولہ حاشیہ میں موجود ہے۔ اَوْ فِسْقًا کا عطف لَحْمِ خَنْزِيرٍ پر ہے۔ اس لیے منصوب ہے، معنی ہیں اُی: ذُبِحَ عَلَى الْأَصْنَامِ، ”وہ جانور جو بتوں کے نام پر یا ان کے تھانوں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیے جائیں“ یعنی ایسے جانوروں پر گو عند الذبح اللہ کا نام لیا جائے، تب بھی حرام ہوں گے کیونکہ ان سے اللہ کا تقرب نہیں، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہے۔ فسق رب کی اطاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لیے کیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو یہ فسق اور شرک ہے۔

تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور و رحیم ہے۔

۱۳۶۔ اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے^(۱) اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا امتزویوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔^(۲) ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی^(۳) اور ہم یقیناً سچے ہیں۔^(۴)

۱۳۷۔ پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرمادیجیے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے^(۵) اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔^(۶)

۱۳۸۔ یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔^(۷) اسی طرح جو لوگ

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزَمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ
وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَزَمْنَا عَلَيْهِمْ شَحُومَهُمَا إِلَّا
مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا
اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَعْضِهِمْ
وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ۝

فَإِنْ كَذَّبْتُمْ فَلَوْلَكُمْ دُورُ حِمَاةٍ وَاسِعَةٍ
وَلَا يُرِيدُ بِأَسْأَةِ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا
وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَزَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَبَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ

۱۔ ناخن والے جانور سے مراد وہ ہاتھ والے جانور ہیں جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی یعنی جدا جدا نہ ہوں۔ جیسے اونٹ، شتر مرغ، بٹخ، قاز، گائے اور بکری وغیرہ۔ ایسے سب چرند پرند حرام تھے۔ گویا صرف وہ جانور اور پرندے ان کے لیے حلال تھے جن کے پنجے کھلے ہوں۔

۲۔ یعنی جو چربی گائے یا بکری کی پشت پر ہو (یا دنبے کی چکیتی ہو) یا امتزویوں (یا اوجھ) یا ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ چربی کی یہ مقدار حلال تھی۔

۳۔ یہ چیزیں ہم نے بطور سزا ان پر حرام کی تھیں یعنی یہود کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں اور ہم تو ان کے اتباع میں ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

۴۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود یقیناً اپنے مذکورہ دعوے میں جھوٹے ہیں۔

۵۔ اس لیے تکذیب کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

۶۔ یعنی مہلت دینے کا مطلب ہمیشہ کے لیے عذاب الہی سے محفوظ ہونا نہیں ہے۔ وہ جب بھی عذاب دینے کا فیصلہ کرے گا تو پھر اسے کوئی نال نہیں سکے گا۔

۷۔ یہ وہی مغالطہ ہے جو مشیت الہی اور رضائے الہی کو ہم معنی سمجھ لینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس کی وضاحت پہلے کی جاچکی ہے۔

هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لِنَاسٍ لَّنْ تَكْفُرُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَلَئِنْ أَنتُمْ إِلَّا فَرَّصُونَ ﴿٣٠﴾

قُلْ فَلِللَّهِ الْخَبْرَةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣١﴾

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَ كُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَكُنْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرْجِعُ بَعْدَ لُونٍ ﴿٣٢﴾

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ الْأَنْ تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَالَّذِينَ احْسَنَاءُ وَلَا تَنْفُسُ أُولَادِكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ لَّحْنٍ تَرْزُقُكُمْ

ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔^(۱) آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔^(۲) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل انکل سے باتیں بناتے ہو۔

۱۴۹. آپ کہیے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی۔ پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا۔

۱۵۰. آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے،^(۳) پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اس کی شہادت^(۴) نہ دیجیے اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کیجیے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔^(۵)

۱۵۱. آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن (یعنی جن کی مخالفت) کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے،^(۶) وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو

۱. اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ اگر یہ شرک اللہ کی رضا کا مظہر تھا تو پھر ان پر عذاب کیوں آیا؟ عذاب الہی اس بات کی دلیل ہے کہ مشیت اور بیعت ہے اور رضائے الہی اور بیعت۔

۲. یعنی اپنے دعوے پر تمہارے پاس دلیل ہے تو پیش کرو! لیکن ان کے پاس دلیل کہاں؟ وہاں تو صرف اوہام و ظنون ہی ہیں۔

۳. یعنی وہ جانور جن کو مشرکین حرام قرار دیے ہوئے تھے۔

۴. کیوں کہ ان کے پاس سوائے کذب و افتراء کے کچھ نہیں۔

۵. یعنی اس کا عدیل (برابر کا) ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔

۶. یعنی حرام وہ نہیں ہیں جن کو تم نے بلا دلیل مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ محض اپنے اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کی بنیاد پر حرام قرار دے رکھا ہے بلکہ حرام تو وہ چیزیں ہیں جن کو تمہارے رب نے حرام کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا اپیدا کرنے والا اور تمہارا پالنا وہی ہے اور ہر چیز کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ اس لیے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال اور

شریک مت ٹھہراؤ^(۱) اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو^(۲) اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں^(۳) اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں خواہ پوشیدہ، اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ^(۴) ان کا تم کو تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

۱۵۲۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے^(۵) اور ناپ تول پوری پوری کرو انصاف کے

وَأَبَائَهُمْ وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾

وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ وَالْعَهْدُ أَلْفُسٌ بِالْقِسْطِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۶﴾

جس چیز کو چاہے حرام کرے۔ چنانچہ میں تمہیں ان باتوں کی تفصیل بتاتا ہوں جن کی تاکید تمہارے رب نے کی ہے۔ ۱۔ اَلَّا تُشْرِكُوا سے پہلے اَوْصَاكُمْ مخدوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو تم شریک مت ٹھہراؤ۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، جس کے لیے معافی نہیں، مشرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ قرآن مجید میں یہ ساری چیزیں مختلف انداز سے بار بار بیان ہوئی ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی احادیث میں ان کو تفصیل اور وضاحت سے بیان فرما دیا ہے اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آکر شرک کا عام ارتکاب کرتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی) والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعت رب کے بعد اطاعت والدین کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی نے اس ربوبیت صغریٰ (والدین کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک) کے تقاضے پورے نہیں کیے تو وہ ربوبیت کبریٰ کے تقاضے بھی پورے کرنے میں ناکام رہے گا۔

۳۔ زمانہ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور و شور سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

۴۔ یعنی قصاص کے طور پر نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر مقتول کے وارث معاف نہ کریں تو یہ قتل نہایت ضروری ہے۔ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ (البقرة: ۱۷۹) (قصاص میں تمہاری زندگی ہے)۔

۵۔ جس یتیم کی کفالت تمہاری ذمہ داری قرار پائے، تو اس کی ہر طرح خیر خواہی کرنا تمہارا فرض ہے۔ اسی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے یعنی وراثت میں سے اس کو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے مال کی اس وقت تک پورے خلوص سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر

ساتھ،^(۱) ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔^(۲) اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو، اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

۱۵۳۔ اور یہ کہ یہ دین^(۳) میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو^(۴) اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں

وَاذْكُرْ لَكُمْ فَاَعْبُدُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَدِّ اللَّهِ أَفْوَاهًا ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۳﴾

وَكَانَ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَالْيَعْلَوْنَ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ

اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگادیا جائے۔

۱۔ ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا ناپ یا تول کر لینا، مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا، یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب علیہم السلام میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے منجملہ اسباب میں سے تھی۔

۲۔ یہاں اس بات کے بیان سے یہ مقصد ہے کہ جن باتوں کی تاکید کر رہے ہیں، یہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے۔ اس لیے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو مکلف ہی نہیں ٹھہراتے۔ اس لیے اگر نجات اخروی اور دنیا میں بھی عزت و سرفرازی چاہتے ہو تو ان احکام الہی پر عمل کرو اور ان سے گریز مت کرو۔

۳۔ لہذا (یہ) سے مراد قرآن مجید یا دین اسلام یا وہ احکام ہیں جو بطور خاص اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ ہیں توحید، معاد اور رسالت۔ اور یہ اسلام کے اصول ثلاثہ ہیں جن کے گرد پورا دین گھومتا ہے۔ اس لیے جو بھی مراد لیا جائے مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

۴۔ صراط مستقیم کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی، یا قرآن کی، یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں۔ اس لیے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملت مسلمہ کی وحدت و اجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ ”دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِن آفَيْمُوا إِلَيْنَا﴾ (الشوریٰ: ۱۱۳) (دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو) گویا اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ”یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔“ اور چند خطوط اس کے دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا ”یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے۔ (مسند احمد، جلد ۶ ص ۴۶۵، ۴۶۶ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھئے مسند احمد بہ تعلیق احمد شاکر: ۴۱۴۲) بلکہ ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ دو دو خط دائیں اور بائیں کھینچے۔ یعنی کل چار خطوط (کئیریں) کھینچے اور انہیں شیطان کا راستہ بتلایا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵﴾

تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم پر ہیزگاری اختیار کرو۔

۱۵۴. پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو (۱) تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں۔

۱۵۵. اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی، (۲) سو اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔

۱۵۶. کہیں تم لوگ یوں نہ کہو (۳) کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی، اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے۔ (۴)

۱۵۷. یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہوتے۔ سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے۔ (۵) اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو ہماری ان آیتوں کو

لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵﴾

وَهَذَا كِتَابُنَا أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكًا فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۶﴾

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفِلِينَ ﴿۱۷﴾

أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْكِتَابُ لَنُحَدِّثْكَ بِهِ مِنْهُمُ ۚ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سََجْزَى الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا

۱. قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے جو متعدد جگہ دہرایا گیا ہے کہ جہاں قرآن کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں تورات کا اور جہاں تورات کا ذکر ہو وہاں قرآن کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حافظ ابن کثیر نے نقل کی ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں تورات کا اور اس کے اس وصف کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں ان کی دینی ضروریات کی تمام باتیں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں اور وہ ہدایت و رحمت کا باعث تھی۔

۲. اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں دین و دنیا کی برکتیں اور بھلائیاں ہیں۔

۳. یعنی یہ قرآن اس لیے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہو۔ دو فرقوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۴. اس لیے کہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی۔ چنانچہ اس عذر کو قرآن عربی میں اتار کر ختم کر دیا۔

۵. گویا یہ عذر بھی تم نہیں کر سکتے۔

يَصِدُّونَ ۝

جھوٹا بتائے اور اس سے روکے۔^(۱) ہم جلد ہی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

۱۵۸. کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟^(۲) جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔^(۳) یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔^(۴) آپ فرما دیجیے کہ تم منتظر رہو، ہم بھی منتظر ہیں۔^(۵)

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْغَلَائِقُ أَوْ يَأْتِيَهُمْ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَهُمْ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُهُمْ نَفْسًا إِيْمَانُهُمْ تَكُنْ أَمْتًا مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهِمْ خِطْرًا قُلْ أَنْتَظِرُونَ ۝

۱. یعنی کتاب ہدایت و رحمت کے نزول کے بعد اب جو شخص ہدایت (اسلام) کا راستہ اختیار کر کے رحمت الہی کا مستحق نہیں بنتا، بلکہ تکذیب و اعراض کا راستہ اپناتا ہے، تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ صَدَف کے معنی اعراض کرنے کے بھی کیے گئے ہیں اور دوسروں کو روکنے کے بھی۔

۲. قرآن مجید کے نزول اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی ہے۔ اب بھی اگر یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یعنی ان کی روحيں قبض کرنے کے لیے، اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کا رب ان کے پاس آئے، یعنی قیامت برپا ہو جائے اور وہ اللہ کے روبرو پیش کیے جائیں۔ اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے۔ جیسے قیامت کے قریب سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ تو اس قسم کی بڑی نشانی دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے؟ اگلے جملے میں وضاحت کی جارہی ہے کہ اگر یہ اس انتظار میں ہیں تو بہت ہی نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ بڑی نشانی کے ظہور کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق و فاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ صحیح حدیث ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج (مشرق کے بجائے) مغرب سے طلوع ہو پس جب ایسا ہوگا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿لَا يَنْفَعُهُمْ نَفْسًا إِيْمَانُهُمْ تَكُنْ أَمْتًا مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی (اس وقت ایمان لانا کسی کو نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہوگا)۔ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الأنعام)

۳. یعنی کافر کا ایمان فائدہ مند، یعنی قبول نہیں ہوگا۔

۴. اس کا مطلب ہے کہ کوئی گناہ گار مومن گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کے بعد عمل صالح غیر مقبول ہوگا۔ جیسا کہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۵. یہ ایمان نہ لانے والوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لیے تہدید و وعید ہے۔ قرآن کریم میں یہ مضمون سورۃ محمد: ۱۸ اور سورۃ مومن: ۸۴، ۸۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۱۵۹۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے،^(۱) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتا دیں گے۔

۱۶۰۔ جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے^(۲) اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی^(۳) اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

۱۶۱۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک دین مستحکم ہے جو طریقہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

۱۶۲۔ آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

إِنَّ الْكُفْرَ يَنْفَرُ وَإِيَّاهُمْ وَكَانُوا شِيعَةً أَلَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ أَلَمْ أَمُرْهُمْ بِاللَّهِ ثُمَّ يَتَّبِعُهُمْ بَاطِلٌ يُفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ هَبْ أَهْلًا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَهُ إِثْمُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۰﴾

قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۱﴾

قُلْ إِنَّا صَلَّاتٌ وَنُسُكٌ وَمَحْيَايَا وَمَمَاتٌ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾

۱۔ اس سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے ہیں کہ کچھ مشرک ملائکہ کی، کچھ ستاروں کی، کچھ مختلف بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن یہ آیت عام ہے کفار و مشرکین سمیت وہ سب لوگ اس میں داخل ہیں جو اللہ کے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے دین یا دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفرق و تحزب کا راستہ اپناتے ہیں۔ شیعہ کے معنی فرتے اور گروہ، اور یہ بات ہر اس قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی مستند اور حرف آخر قرار دے کر اپنا راستہ الگ کر لیا، چاہے وہ رائے حق و صواب کے خلاف ہی ہو۔ (فتح القدیر)

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان ہے جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے۔ ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی سو گنا بلکہ ہزاروں گنا تک ملے گا۔

۳۔ یعنی جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے، اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں، یا اللہ نے اپنے فضل خاص سے اسے معاف نہیں فرمادیا (کیونکہ ان تمام صورتوں میں مجازات کا قانون بروئے عمل نہیں آئے گا) تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی برائی کی سزا دے گا اور اس کے برابر ہی دے گا۔

۱۶۳۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں پہلا ہوں۔^(۱)

۱۶۴۔ آپ فرمادیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لیے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا^(۲) اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔^(۳) پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو جنمائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔^(۴)

لَا تُشْرِكُ لَهُ ۖ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٣﴾

قُلْ أَتَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ أَبِغَىٰ رَبًّا وَهَرَبَ إِلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ
كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَمَلَهَا وَلَا تَدْرِي أَرَأَدْتَ ذُرِّيَّتَهُ امْرَأَتُهُ إِلَىٰ
رَبِّهِمْ أَمْ جَعَلَهُمِ بُدْنًا لَّهُمْ لَا يُخْتَلَفُونَ ﴿٢٢﴾

۱. توحید الوہیت کی یہ دعوت تمام انبیاء نے دی، جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کہلویا گیا کہ ”مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو“ (انبیاء: ۲۵) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا ﴿وَأَمْرٌ أَنْ لَّا تُدْعَوْ إِلَىٰ عِبَادَتِي﴾ (یونس: ۷۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا کہ اَسْلِمَ (فرمانبردار ہو جا) تو انہوں نے فرمایا ﴿أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (البقرة: ۱۳۱) (میں رب العالمین کے لیے مسلمان یعنی فرمانبردار ہو گیا) حضرت ابراہیم علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی ﴿فَاذْكُرُونِي إِذْ أَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (البقرة: ۱۳۲) (تمہیں موت اسلام پر آنی چاہیے) حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا﴾ (یوسف: ۱۰۱) (مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھانا)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ﴿فَعَلَيْكُمْ كَوَكُلُوا أَنْ تَكُونُوا مُسْلِمِينَ﴾ (یونس: ۸۳) (اگر تم مسلمان ہو تو اسی اللہ پر بھروسہ کرو)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا ﴿وَاشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (المائدة: ۱۱۱) اسی طرح اور بھی تمام انبیاء اور ان کے مخلص پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید الوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گو بعض بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

۲۔ یہاں رب سے مراد وہی الہ ماننا ہے جس کا انکار مشرکین کرتے رہے ہیں اور جو اس کی ربوبیت کا انقضا ہے۔ لیکن مشرکین اس کی ربوبیت کو تو مانتے تھے۔ اور اس میں کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا اہتمام فرمائے گا اور جس نے۔ اچھپایا ہوا۔ جو کچھ کیا ہوگا، اس کے مطابق جزاء و سزا دے گا، نیکی پر اچھی جزاء اور بدی پر سزا دے گا اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔

۴۔ اس لیے اگر تم اس دعوت توحید کو نہیں مانتے جو تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت رہی ہے تو تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کئے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں ہی ہمارا تمہارا فیصلہ ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَبَّعَ بَعْضَكُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ
سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

۱۶۵. اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا^(۱)
اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزمائے ان
چیزوں میں جو تم کو دی ہیں۔^(۲) بالیقین آپ کا رب جلد
سزا دینے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے
والا مہربانی کرنے والا ہے۔

۱. یعنی حکمران بنا کر اختیارات سے نوازا۔ یا ایک کے بعد دوسرے کو اس کا وارث (خلیفہ) بنایا۔

۲. یعنی فقر و غناء، علم و جہل، صحت اور بیماری، جس کو جو کچھ دیا ہے، اسی میں اس کی آزمائش ہے۔

سورہ اعراف کی ہے اس میں دو سو چھ آیتیں اور
چوبیس رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. النَّصَّ

النَّصَّ

۲. یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لیے بھیجی
گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے
دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو^(۱) اور نصیحت ہے ایمان
والوں کے لیے۔

كُنْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ
مِّنْهُ لَتُنذِرَنَّهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

۳. تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے
آئی ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی
اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اسْتَعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

۴. اور بہت سی بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر
ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا، یا ایسی حالت میں کہ وہ
دوپہر کے وقت آرام میں تھے۔^(۳)

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا
أَوْهُمْ قَائِلُونَ

۵. سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان
کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی

مَا كَانُوا يَدْعُوهُمْ إِذْ جَاءَهُمُ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا
كُنَّا ظَالِمِينَ

۱. یعنی اس کے ابلاغ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کہیں کافر میری تکذیب نہ کریں اور مجھے ایذا نہ پہنچائیں اس لیے کہ
اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا حرج شک کے معنی میں ہے یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں آپ اپنے
سینے میں شک محسوس نہ کریں۔ یہ نہی بطور تعریض ہے اور اصل مخاطب امت ہے کہ وہ شک نہ کرے۔

۲. جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن، اور جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یعنی حدیث، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ
”میں قرآن اور اس کے مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔“ ان دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع ضروری نہیں
بلکہ ان کا انکار لازمی ہے۔ جیسا کہ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی مت کرو۔ جس طرح زمانہ
جاہلیت میں سرداروں اور نجومیوں کا بہنوں کی بات کو ہی اہمیت دی جاتی تھی کہ حلال و حرام میں بھی ان کو سند تسلیم کیا جاتا تھا۔

۳. قَائِلُونَ قِيلُوا سے ہے، جو دوپہر کے وقت استراحت (آرام کرنے) کو کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عذاب
اچانک ایسے وقتوں میں آیا جب وہ آرام و راحت کے لیے بے خبر بستروں میں آسودہ خواب تھے۔

ہم ظالم تھے۔^(۱)

۶. پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔^(۲)

۷. پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کر دیں گے۔^(۳) اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔

۸. اور اس روز وزن بھی برحق ہے پھر جس شخص کا پلا بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔

۹. اور جس شخص کا پلا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بہ سبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔^(۴)

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ﴿١﴾

فَلَنَقْضَنَّ عَلَيْهِمْ عِلْمَهُ وَمَا كُنَّا غَالِبِينَ ﴿٢﴾

وَالْوِزْنُ يُوْزَنُ ۚ الْحَقُّ فَهُنَّ نَقَلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿٣﴾ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٤﴾

وَمَنْ حَقَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلُمُونَ ﴿٥﴾

۱. لیکن عذاب آجانے کے بعد ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسا کہ پہلے وضاحت گذر چکی ہے ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ﴾ (مومن: ۸۵) (جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا، ان کے لیے نفع مند نہیں ہوا)۔

۲. امتوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس پیغمبر آئے تھے؟ انہوں نے تمہیں ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہاں وہ جواب دیں گے کہ ہاں! یا اللہ تیرے پیغمبر تو یقیناً ہمارے پاس آئے تھے لیکن ہماری ہی قسمت پھوٹی تھی کہ ہم نے ان کی پرواہ نہیں کی اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا تھا؟ اور انہوں نے اس کے مقابلے میں کیا رویہ اختیار کیا؟ پیغمبر اس سوال کا جواب دیں گے۔ جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

۳. چونکہ ہم ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کا علم رکھتے ہیں اس لیے ہم پھر دونوں (امتیوں اور پیغمبروں) کے سامنے ساری باتیں بیان کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا، ان کے سامنے رکھ دیں گے۔

۴. ان آیات میں وزن اعمال کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے دن ہوگا اور جسے قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ اور احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ کامیاب ہوگا اور جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ ناکام ہوگا۔ یہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے جب کہ یہ اعراض ہیں یعنی ان کا ظاہری وجود اور جسم نہیں ہے؟ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اجسام میں تبدیل فرمادے گا اور ان کا وزن ہوگا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجسٹر تولے جائیں گے جن میں انسان کے اعمال درج ہوں گے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولایا جائے گا۔ تینوں مسلکوں والوں کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صحیح احادیث و آثار موجود ہیں، اس لیے امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تینوں ہی باتیں

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَالِشَ قَلِيلًا لَّعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

۱۰۔ اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں سامان رزق پیدا کیا، تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِلْآدَمِ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَهُ كِبْرٌ مِنْ السُّجُودِ ﴿١١﴾

۱۱۔ اور ہم نے تم کو پیدا کیا، (۱) پھر ہم ہی نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ آلَا تُسْجِدُ إِذْ أُمِرْتُ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿١٢﴾

۱۲۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تو تجھ کو اس سے کونسا امر مانع ہے، (۲) جب کہ میں تجھ کو حکم دے چکا، کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔ (۳)

صحیح ہو سکتی ہیں ممکن ہے کبھی اعمال، کبھی صحیفے اور کبھی صاحب عمل کو تولا جائے (دلائل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) بہر حال میزان اور وزن اعمال کا مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار یا اس کی تاویل گمراہی ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اس کے انکار کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں کہ بے وزن چیزیں بھی تولی جانے لگی ہیں۔

۱۔ خَلَقْنَاكُمْ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

۲۔ اَلَّا تَسْجُدُ میں لا زائد ہے یعنی اَنْ تَسْجُدَ (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟) یا عبارت محذوف ہے یعنی ”تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے“ (ابن کثیر، فتح القدیر) شیطان فرشتوں میں سے نہیں تھا، بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا۔ (الکہف: ۵۰) لیکن آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سجدہ کے حکم میں شامل تھا جو اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا۔ اسی لیے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا۔ اگر وہ اس حکم میں شامل ہی نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی نہ وہ راندہ درگاہ قرار پاتا۔

۳۔ شیطان کا یہ عذر ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس کا یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضل کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جاسکتا، غلط ہے۔ اس لیے کہ اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل وغیر افضل کی بحث اللہ سے سرتابی ہے۔ دوسرا اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ لیکن اس نے اس شرف وعظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ تیسرا، نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا، جو کسی بھی اللہ کو ماننے والے کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا
فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿١٣﴾

۱۳. حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر ^(۱) تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل بے شک تو ذیلیوں میں سے ہے۔ ^(۲)

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤﴾

۱۴. اس نے کہا کہ مجھ کو مہلت دیجیے قیامت کے دن تک۔
۱۵. اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی۔ ^(۳)

قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٥﴾

۱۶. اس نے کہا بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے ^(۴) میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿١٦﴾

۱۷. پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی ^(۵) اور آپ ان میں سے اکثر

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٧﴾

آگ، مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے کیا ہے؟ جب کہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے، اس میں نبات و نمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہر حال بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ”فرشتے نور سے، ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم علیہ السلام سے پیدا کیے گئے ہیں۔“ (صحیح مسلم کتاب الزہد، باب فی أحادیث منفردة)

۱. مِنْهَا کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس مرتبہ کو جو ملکوت اعلیٰ میں اسے حاصل تھا۔ فاضل مترجم نے اسی دوسرے مفہوم کے مطابق آسمان ترجمہ کیا ہے۔

۲. اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام و تعظیم کا نہیں، ذلت و خواری کا مستحق ہے۔

۳. اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مہلت عطا فرمادی جو اس کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق تھی جس کا پورا علم اسی کو ہے۔ تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کر سکے گا کہ کون رحمان کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا پجاری؟

۴. مگر وہ تو وہ اللہ کی تکوینی مشیت کے تحت ہوا۔ لیکن اس نے اسے بھی مشرکوں کی طرح الزام بنالیا، جس طرح وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

۵. مطلب یہ ہے کہ ہر خیر اور شر کے راستے پر میں بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔

کو شکر گزار نہ پائیے گا۔^(۱)

۱۸. اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

۱۹. اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! (عَلَيْكَ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ، اور اس درخت کے پاس مت جاؤ^(۲) ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

۲۰. پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ^(۳) ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے^(۴) اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا، مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

۲۱. اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانے

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا لَّنْ يَتَّبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمَلْنَا أَكْثَرَهُمْ مِنْكَ أَجْبَعِينَ^(۵)

وَيَا أَدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ^(۶)

فَوَسَّسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِبَيِّبِي لَّهُمَا مَا وَرَى عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِحِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ^(۷)

وَقَالَسَهُمَا آيَاتِي لَأَمَّا لَيْنِ النَّاصِحِينَ^(۸)

۱. شَاكِرِينَ کے دوسرے معنی موحدین کے کیے گئے ہیں۔ یعنی اکثر لوگوں کو میں شرک میں مبتلا کر دوں گا۔ شیطان نے اپنا یہ گمان فی الواقع سچا کر دکھایا ﴿وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ إِلَیْسُ ظَنُّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا زَيْفًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سہ: ۲۰) (شیطان نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے)۔ اسی لیے احادیث میں شیطان سے پناہ مانگنے کی اور قرآن میں اس کے مکروکید سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

۲. یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کر جہاں سے اور جتنا چاہو کھاؤ۔ ایک درخت کا پھل کھانے کی پابندی آزمائش کے طور پر عائد کر دی۔

۳. وَسَوْسَۃً اور وَسَوَاسٍ رَزَلَتْ اور زِلْزَالُ کے وزن پر ہے۔ پست آواز اور نفس کی بات۔ شیطان دل میں جو بری باتیں ڈالتا ہے اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

۴. یعنی شیطان کا مقصد اس بہکاوے سے حضرت آدم و حوا (عَلَيْهِمَا السَّلَام) کو اس لباس جنت سے محروم کر کے انہیں شرمندہ کرنا تھا جو انہیں جنت میں پہننے کے لیے دیا گیا تھا سَوَاتٍ، سَوَۃً (شرم گاہ) کی جمع ہے۔ شرم گاہ کو سَوَۃً سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔^(۱)

۲۲. سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا^(۲) پس ان دونوں نے جب درخت کو چکھا تو دونوں کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے^(۳) اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے؟^(۴)

۲۳. دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔^(۵)

فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا مَخْضُبَيْنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الشَّجَرَةِ وَكَانَ تَلَوَّامًا لَّهُمَا أَنَّهُمَا عَنِ زِينَةِ الشَّجَرَةِ وَآفَلَّ لِلْكَافِرِينَ الشَّيْطَانُ لَكُمْ أَعْدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۲۲﴾

فَاذْكُرُوا لِلرَّبِّ نَدَاتِكُمْ لَكُمْ تَعَفُّرًا لَكُمْ تَوَحُّدًا لَكُمْ تَوَكُّفًا مِنَ الْخَيْرِ يَوْمَ ۝

۱. جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو حاصل تھیں، اس کے حوالے سے شیطان نے دونوں کو بہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تمہیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اسی لیے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تاثیر ہی یہ ہے کہ جو اسے کھالیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے، یا دائمی زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا، جس سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام متاثر ہو گئے اس لیے کہ اللہ والے اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکہ کھاتے ہیں۔
۲. تَذَلُّتًا اور إِذْلَافًا کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ گویا شیطان ان کو مرتبہ علیا سے اتار کر ممنوعہ درخت کا پھل کھانے تک لے آیا۔

۳. یہ اس معصیت کا اثر ظاہر ہوا جو آدم و حوا علیہما السلام سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس سے قبل انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نورانی لباس ملا ہوا تھا، جو اگرچہ غیر مرئی تھا لیکن ایک دوسرے کی شرم گاہ کے لیے ساتر (پردہ پوش) تھا۔ (ابن کثیر)
۴. یعنی اس تنبیہ کے باوجود تم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور دلربا ہوتے ہیں اور جن سے بچنے کے لیے بڑی کاوش و محنت اور ہر وقت اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

۵. توبہ و استغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سیکھے، جیسا کہ سورہ بقرہ آیت: ۳۷ میں صراحت ہے (دیکھیے آیت مذکورہ کا حاشیہ) گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ اس پر نہ صرف اڑ گیا بلکہ اس کے جواز و اثبات میں عقلی و قیسی دلائل دینے لگا۔ نتیجتاً وہ راندہ درگاہ اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار بار بار گاہ الہی میں توبہ و استغفار کا اہتمام کیا۔ تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے۔ یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہو گئی، شیطانی راستے کی بھی اور اللہ والوں

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر نکالے جاؤ گے۔

يَذِكُرُ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُزَكِّيكَ سَوَاتِرَ وَرِيشًا وَلِبَاسَ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكُمْ إِلَٰهٌ أَلِيبُ ۚ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ يَذَكَّرُونَ ﴿٢٦﴾

۲۶۔ اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے، ^(۱) اور تقوے کا لباس ^(۲) یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ ^(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔

يَذِكُرُ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكَ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوَاتِرَ ۚ إِنَّهُ

۲۷۔ اے اولاد آدم! (علیہ السلام) شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر

کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترنا، اصرار کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ”دلائل“ کے انبار فراہم کرنا، شیطانی راستہ ہے۔ اور گناہ کے بعد احساسِ ندامت سے مغلوب ہو کر بارگاہِ الہی میں جھک جانا اور توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا، بندگانِ الہی کا راستہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۱۔ سَوَاتِر: جسم کے وہ حصے جنہیں چھپانا ضروری ہے جیسے شرم گاہ، اور رِيشًا وہ لباس جو حسن و رعنائی کے لیے پہنا جائے۔ گویا لباس کی پہلی قسم ضروریات سے اور دوسری قسم تکملہ و اضافہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کے لباس کے لیے سامان اور مواد پیدا فرمایا۔

۲۔ اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ لباس ہے جو متقین قیامت کے دن پہنیں گے۔ بعض کے نزدیک ایمان، بعض کے نزدیک عمل صالح، خشیتِ الہی وغیرہ ہیں۔ مفہوم سب کا تقریباً ایک ہے کہ ایسا لباس، جسے پہن کر انسان تکبر کرنے کے بجائے، اللہ سے ڈرے اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کرے۔

۳۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ زیب و زینت اور آرائش کے لیے بھی اگرچہ لباس پہننا جائز ہے۔ تاہم لباس میں ایسی سادگی زیادہ پسندیدہ ہے جو انسان کے زہد و ورع اور تقویٰ کی مظہر ہو۔ علاوہ ازیں نیا لباس پہن کر یہ دعا بھی پڑھی جائے، کیونکہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے »الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي« (ترمذی، أبواب الدعوات۔ ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب ما يقول الرجل إذا لبس ثوبا جديدا) ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت حاصل کروں۔“

بَرِّكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مَن حَبِطَ لَكَ تَرَوْهُمُ لَقَدْ جَعَلْنَا
الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

کرادیا ایسی حالت میں ان کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ وہ ان کو
ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور
پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔^(۱) ہم نے شیطانوں
کو ان ہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔^(۲)

وَإِذْ أَفَعَلُوا فَاحْشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ
أَمْرًا بَاطِلًا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ
عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

۲۸۔ اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں
کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ
نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ
فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا اللہ کے ذمے ایسی بات
لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے؟^(۳)

۱۔ اس میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبیلے یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری غفلت اور سستی
سے فائدہ اٹھا کر تمہیں بھی اس طرح فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دے جس طرح تمہارے ماں باپ (آدم و حوا علیہما السلام) کو
اس نے جنت سے نکلوا دیا اور لباس جنت بھی اتروا دیا۔ بالخصوص جب کہ وہ نظر بھی نہیں آتے۔ تو اس سے بچنے کا اہتمام
اور فکر بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

۲۔ یعنی بے ایمان قسم کے لوگ ہی اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں۔ تاہم اہل ایمان پر بھی وہ دُورے ذاتا
رہتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو شرک خفی (ریکاری) اور شرک جلی میں ہی ان کو مبتلا کر دیتا ہے اور یوں ان کو بھی ایمان کے
بعد ایمان صحیح کی پونجی سے محروم کر دیتا ہے۔

۳۔ اسلام سے قبل مشرکین بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کر کے طواف کرتے
ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماؤں نے جنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اس کی یہ تاویل کرتے تھے کہ ہم جو لباس
پہنے ہوتے ہیں اس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں اس لیے اس لباس میں طواف کرنا مناسب نہیں، چنانچہ وہ
لباس اتار کر طواف کرتے اور عورتیں بھی تنگی طواف کرتیں، صرف اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا یا چوڑے کا ٹکڑا رکھ لیتیں،
اپنے اس شرمناک فعل کے لیے دو عذر انہوں نے اور پیش کیے، ایک تو یہ کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس طرح
ہی کرتے پایا ہے، دوسرا یہ کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے؟ یعنی تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو اس نے نہیں کہی۔ اس آیت میں ان
مقلدین کے لیے بڑی زجر و توبیخ ہے جو آباء پرستی، پیر پرستی اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں، جب انہیں بھی حق کی بات
بتلائی جاتی ہے تو اس کے مقابلے میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے یہی کرتے آئے ہیں یا ہمارے امام اور
پیر و شیخ کا یہی حکم ہے۔ یہی وہ خصلت ہے جس کی وجہ سے یہودی، یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اور بدعتی بدعتوں
پر قائم رہے۔ (فتح اللہ)

۲۹. آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا^(۱) اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو^(۲) اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔ تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔

۳۰. بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا ہے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں۔

۳۱. اے اولادِ آدم! (علیہ السلام) تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔^(۳) اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔^(۴)

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿۲۹﴾

قَرِيبًا هَدَىٰ وَيُزَيِّدُكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاسْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۰﴾

يَا أَيُّهَا آدَمُ ذُرِّيَّتُكَ إِنَّكَ لَكَايُومٌ الْمَشْرِقِينَ ﴿۳۱﴾

۱. انصاف سے مراد یہاں بعض کے نزدیک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی توحید ہے۔

۲. امام شوکانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اپنی نمازوں میں اپنا رخ قبلے کی طرف کرلو، چاہے تم کسی بھی مسجد میں ہو“ اور امام ابن کثیر نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مراد لی ہے اور اگلے جملے سے اخلاص اللہ اور کہا ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرا خالص رضائے الہی کے لیے ہو۔ آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

۳. آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اس کا سبب نزول بھی مشرکین کے ننگے طواف سے متعلق ہے۔ اس لیے انہیں کہا گیا کہ لباس پہن کر اللہ کی عبادت کرو اور طواف کرو۔ بعض کہتے ہیں زینت سے وہ لباس مراد ہے جو آرائش کے لیے پہنا جائے۔ جس سے ان کے نزدیک نماز اور طواف کے وقت تزئین کا حکم نکلتا ہے۔ اس آیت سے نماز میں ستر عورت کے وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے بلکہ احادیث کی رو سے ستر عورت (گھٹنوں سے لے کر ناف تک کے حصے کو ڈھانپنا) ہر حال میں ضروری ہے چاہے آدمی خلوت میں ہی ہو۔ (فتح القدیر) جمعہ اور عید کے دن خوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے کہ یہ بھی زینت کا حصہ ہے۔ (ابن کثیر)

۴. إِسْرَافٌ (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو، البتہ دو باتوں سے گریز کرو۔ اسراف اور تکبر سے“ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قول الله تعالى قل من حرم زينة الله...) بعض سلف کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ اس آدمی آیت میں ساری طب جمع فرمادی ہے۔ (ابن کثیر)

۳۲. آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اسباب زینت کو - جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے - اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز خالص ہوں گی اہل ایمان کے لیے، دنیوی زندگی میں مومنوں کے لیے بھی ہیں۔^(۱) ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔

۳۳. آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے صرف ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں^(۲) اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو^(۳) اور

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَذَلِكَ تَقْضِي الْأُمُورَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِلَافَةَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

۱. مشرکین نے جس طرح طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا، اسی طرح بعض حلال چیزیں بھی بطور تقرب الہی اپنے اوپر حرام کر لی تھیں (جیسا کہ بعض صوفیاء بھی ایسا کرتے ہیں) نیز بہت سی حلال چیزیں اپنے بتوں کے نام وقف کر دینے کی وجہ سے حرام گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں کی زینت کے لیے (مثلاً لباس وغیرہ) اور کھانے کی عمدہ چیزیں بنائی ہیں، انہیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حرام کر لینے سے اللہ کی حلال کردہ چیزیں حرام نہیں ہو جائیں گی، وہ حلال ہی رہیں گی۔ یہ حلال وطیب چیزیں اصلاً اللہ نے اہل ایمان ہی کے لیے بنائی ہیں۔ گو کفار بھی ان سے فیض یاب اور منتفع ہولیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ ضمناً اور عارضی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ننگوینی مشیت اور حکمت ہے۔ تاہم قیامت کے دن یہ نعمتیں صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی کیونکہ کافروں پر جس طرح جنت حرام ہوگی، اسی طرح ماکولات و مشروبات بھی حرام ہوں گے۔

۲. علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈوں پر جا کر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد کسی ”گرل فرینڈ“ سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محرموں سے نکاح کرنا ہے جو ممنوع ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے۔ جیسے فلمیں، ڈرامے، ٹی وی، وی آر سی، فحش اخبارات و رسائل، رقص و سرود اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط، مہندی اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہر وغیرہ، یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔ (أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا)۔

۳. گناہ، اللہ کی نافرمانی کا نام ہے اور ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو تو برا سمجھے“ (صحیح مسلم، کتاب الزہد) بعض کہتے ہیں گناہ وہ ہے جس کا اثر، کرنیوالے کی اپنی ذات تک محدود ہو اور یعنی یہ ہے کہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچیں یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق کا مطلب، ناحق، ظلم و زیادتی مثلاً لوگوں کا حق غصب کر لینا، کسی کا مال ہتھیالینا، ناجائز مارنا پیٹنا اور سب و شتم کر کے بے عزتی کرنا وغیرہ ہے۔

اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔

۳۴. اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین^(۱) ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

۳۵. اے اولاد آدم! (عَلَيْهَا) اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔^(۲)

۳۶. اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۳)

۳۷. سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ کتاب سے ہے وہ ان کو مل جائے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ
سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿۳۴﴾

يَبْنِيْ اٰدَمَ اِيْمًا يٰۤاَيُّهَا رَبَّنَا تُبَلِّغْهُمْ رُسُلَكَ وَتُخَوِّضَهُمْ فِىْ سُبُلِكَ
اَلَيْسَ بِكَ اَلْكَبِيْرُ ﴿۳۵﴾

وَالَّذِيْنَ كَذَّبَ اٰيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُ عَنْهَا اُولٰٓئِكَ
اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُونَ ﴿۳۶﴾

مَنْ اَظْلَمُ مِنْ اَفْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّكَذَّبَ
بِآيَاتِهِ اُولٰٓئِكَ يَبْتَغِ الْوَعْدَ الَّذِيْ لَمْ يَصِدْ بِهِمْ مِنَ الْكِتٰبِ
حَتّٰى اِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْا

۱. میعاد معین سے مراد وہ مہلت عمل ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ ہر گروہ کو آزمانے کے لیے عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت و سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مہلت بعض دفعہ ان کی پوری زندگیوں تک ممتد ہوتی ہے۔ یعنی دنیوی زندگی میں وہ گرفت نہیں فرماتا بلکہ صرف آخرت میں ہی وہ سزا دے گا ان کی اجل مسمیٰ قیامت کا دن ہی ہے اور جن کو دنیا میں وہ عذاب سے دوچار کر دیتا ہے، ان کی اجل مسمیٰ وہ ہے جب ان کا مواخذہ فرماتا ہے۔

۲. یہ ان اہل ایمان کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ، اکثر جگہ، عمل صالح کا ذکر ضرور کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو گا۔

۳. اس میں اہل ایمان کے برعکس ان لوگوں کا برا انجام بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے احکام کی تکذیب اور ان کے مقابلے میں استکبار کرتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کا انجام بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کردار کو اپنائیں جس کا انجام اچھا ہے اور اس کردار سے بچیں جس کا انجام برا ہے۔

گا،^(۱) یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔

۳۸. اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں^(۲) جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی، ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی^(۳) یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے^(۴) تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے^(۵) کہ

أَيُّنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَيْنَا فَمَا لَهُمْ مَا كَانُوا يَكْفُرِينَ^(۶)

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا لُكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَئِهِمْ رَبَّاهُمْ لَا يُغْنَوْنَ أَصَلُّوا فَاذْكُرُوا عِبَادًا لَّهِ ضَعُفًا مِنَ النَّارِ قَالُوا لَيْلٌ لَّيْلٌ ضَعُفٌ وَلَكِنْ لَّا تَعْلَمُونَ^(۷)

۱. اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی عمل، رزق اور عمر کے کیے گئے ہیں۔ یعنی ان کے مقدر میں جو عمر اور رزق ہے اسے پورا کر لینے، اور جتنی عمر ہے، اس کو گزار لینے کے بعد بالآخر موت سے ہمتناز ہوں گے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے ﴿قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ * مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا لَكُم مَّا تَكْفُرُونَ...﴾ (الآیۃ یونس: ۶۹-۷۰) (جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے، دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا کر، بالآخر ہمارے پاس ہی انہیں لوٹ کر آنا ہے پھر.....)

۲. اُمَمٌ، اُمَمٌ کی جمع ہے۔ مراد وہ فرقے اور گروہ ہیں جو کفر و شقاق اور شرک و تکذیب میں ایک جیسے ہوں گے۔ فحی بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم سے پہلے انسانوں اور جنوں میں جو گروہ تم جیسے یہاں آچکے ہیں، ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ یا ان میں شامل ہو جاؤ۔

۳. ﴿لَعَنَتْ أُخْتَهَا﴾ اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔ أُخْتُ بہن کو کہتے ہیں۔ ایک جماعت (امت) کو دوسری جماعت (امت) کی بہن بہ اعتبار دین، یا گمراہی کے کہا گیا۔ یعنی دونوں ہی ایک غلط مذہب کے پیرو یا گمراہ تھے یا جہنم کے ساتھی ہونے کے اعتبار سے ان کو ایک دوسرے کی بہن قرار دیا گیا ہے۔

۴. إِذَا رُكُّوا کے معنی ہیں تدارکُوا جب ایک دوسرے کو ملیں گے اور باہم اکٹھے ہوں گے۔

۵. أُخْرَىٰ (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُولٰٓئِی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ یَا أُخْرَىٰ سے اَتَّبَاعٌ (پیروکار) اور اُولٰٓئِی سے مَتَّبِعٌ (لیڈر اور سردار) ہیں۔ ان کا جرم چونکہ زیادہ شدید ہے کہ خود بھی راہ حق سے دور رہے اور دوسروں کو بھی کوشش کر کے اس سے دور رکھا، اس لیے یہ اپنے اتباع سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔

ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب دوگنا دے۔^(۱) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ سب ہی کا دوگنا ہے،^(۲) لیکن تم کو خبر نہیں۔

۳۹. اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو تم بھی اپنی کمائی کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

۴۰. جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے^(۳) اور وہ لوگ اس وقت تک جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے^(۴) اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

وَقَالَتْ أُولَٰئِهِمُ اخْرَجْنَاهُمْ مِّنْكَ إِن لَّكَ عَلَيْنَا
مِنْ فَضْلٍ قَدُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ
تَكْسِبُونَ ﴿۳۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا
تُفْعَلُ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذَٰلِكَ تُجْزَى
الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۰﴾

۱. جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ جہنمی کہیں گے۔ ﴿وَقَالُوا ادْعِنَا سَادَتَنَا لَوْ كَرِهْنَا لَأَصْلَحُوا السَّيِّئَاتِ﴾ * رَبَّنَا آتِنَا مِن مَّنْ فَضْلِكَ ﴿۱﴾ (الاحزاب: ۶۷-۶۸) (اے ہمارے رب! ہم تو اپنے سرداروں اور بڑوں کے پیچھے لگے رہے، پس انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کیا، یا اللہ ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو بڑی لعنت کر)۔

۲. یعنی اب ایک دوسرے کو طعنے دینے، کوٹنے اور ایک دوسرے پر الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دوگنے عذاب کے مستحق ہو۔ اتباع اور متبوعین کا یہ مکالمہ سورہ سبا: ۳۱-۳۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۳. اس سے بعض نے اعمال، بعض نے ارواح اور بعض نے دعا مراد لی ہے۔ یعنی ان کے عملوں، یاروحوں یا دعا کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، یعنی اعمال اور دعا قبول نہیں ہوتی اور روحوں واپس زمین میں لوٹا دی جاتی ہیں (جیسا کہ مسند احمد، جلد ۲ صفحہ ۳۶۴-۳۶۵ کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے) امام شوکانی فرماتے ہیں کہ تینوں ہی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔

۴. یہ تعلیق بالحال ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا ممکن نہیں، اسی طرح اہل کفر کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ اونٹ کی مثال بیان فرمائی اس لیے کہ اونٹ عربوں میں متعارف تھا اور جسمانی اعتبار سے ایک بڑا جانور تھا۔ اور سوئی کا ناکہ (سوراخ) یہ اپنے باریک اور تنگ ہونے کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ان دونوں کے ذکر نے اس تعلیق بالحال کے مفہوم کو غایت درجے واضح کر دیا ہے۔ تعلیق بالحال کا مطلب ہے، ایسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا جو ناممکن ہو۔ جیسے اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اب کسی چیز کے وقوع کو، اونٹ کے سوئی کے ناکے میں داخل ہونے کے ساتھ مشروط کر دینا، تعلیق بالحال ہے۔

۴۱. ان کے لیے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا^(۱) اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

۴۲. اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی کا مکلف نہیں بناتے^(۲) وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۴۳. اور جو کچھ ان کے دلوں میں (کینہ) تھا ہم اس کو دور کر دیں گے۔^(۳) ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ

لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ قُوَّتِهِمْ عَوَاشٍ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا وِزْرًا وَسِعَمًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۴۲﴾

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رَسُولٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَنْ تَتَّكُمُ الْجَنَّةُ

۱. عَوَاشٍ، غاشیہ کی جمع ہے۔ ڈھانپ لینے والی۔ یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا ہوگا یعنی اوپر سے بھی آگ نے ان کو ڈھانپا یعنی گھیرا ہوگا۔

۲. یہ جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ایمان اور عمل صالح، یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی طاقت سے زیادہ ہوں اور انسان ان پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ ہر انسان ان کو بہ آسانی اپنا سکتا ہے اور ان کے مقتضیات کو بروئے عمل لاسکتا ہے۔

۳. غِلَّ اس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر یہ انعام بھی فرمائے گا کہ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض و عداوت کے جو جذبات ہوں گے، وہ دور کر دیے گا، پھر ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں آئینے کی طرح صاف ہو جائیں گے، کسی کے بارے میں دل میں کوئی کدورت اور عداوت نہیں رہے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجہات و منازل کا جو تفاوت ہوگا، اس پر وہ ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے۔ پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو، جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوں گی، ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دیا دلایا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انہیں جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی (صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب قصاص المظالم) جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی رنجشیں ہیں جو سیاسی رقابت میں ان کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”مجھے امید ہے کہ میں، عثمان رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ﴾“ (ابن کثیر)

أُورِثَتْهُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۷﴾

ہم کو نہ پہنچاتا۔^(۱) واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے۔ اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس جنت کے وارث بنائے گئے ہو۔^(۲)

۴۴۔ اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو سچا پایا، سو تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی اسے سچا پایا؟^(۳) وہ کہیں گے ہاں، پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر۔

۴۵۔ جو اللہ کی راہ سے اعراض کرتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔

۴۶۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی^(۴) اور اعراف

وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ قَالُوا أَذُنٌ مُؤَدَّنٌ بَيْنَهُمَا إِنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۷﴾

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿۸﴾

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ

۱۔ یعنی یہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انہیں بارگاہ الہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر یہ رحمت اور فضل الہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں میں بھی، اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ رحمت الہی مجھے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ لے گی۔“ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل - صحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله)۔

۲۔ یہ تصریح پچھلی بات اور حدیث مذکور کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ نیک عمل کی توفیق بھی بجائے خود اللہ کا فضل واحسان ہے۔
۳۔ یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کافر مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنوئیں میں پھینک دی گئی تھیں۔ انہیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی، جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ”آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی قسم! میں انہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں، لیکن اب وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے“ (صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار والبخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبي جهل)۔

۴۔ ”ان دونوں کے درمیان“ سے مراد جنت اور دوزخ کے درمیان یا کافروں اور مومنوں کے درمیان ہے۔ حِجَابٌ (آڑ) سے وہ تفصیل (دیوار) مراد ہے جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے۔ ﴿فَضْرِبَ بَيْنَهُمُ مَسُورًا﴾ (الحديد: ۱۳) (پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا) یہ اعراف کی دیوار ہے۔

کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ^(۱) ہر ایک کو ان کے قیامہ سے پہچانیں گے^(۲) اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم، ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔^(۳)

۴۷۔ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پھریں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر۔

۴۸۔ اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیامہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا۔^(۴)

۴۹۔ کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہ کرے گا،^(۵) ان

كَلَّا لِيَسِيْرُهُمْ وَاَدَاوُصْصَبَ الْجَنَّةَ اَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ
لَا يَدْخُلُوْهُا وَاَنْهُمْ يَطْعُوْنَ

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تَلَقَّاءُ اَصْحٰبِ النَّارِ لَقَالُوْا
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ

وَاَدَاىِٕ اَصْحٰبِ الْاَعْرَافِ بِحَالٍ يَّعْرِفُوْنَهُمْ
يَسِيْرُهُمْ قَالُوْا مَا اَخْبَىٰ عَنْكُمْ جَمْعَكُمْ وَمَا كُنْتُمْ
تَسْتَكْبِرُوْنَ

اَهْلَ الْاَدْنٰى اَلَّذِيْنَ اٰقْسَمْتُمْ لَا يَنْتٰلَهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ
اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ

۱۔ یہ کون ہوں گے؟ ان کی تعیین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں جہنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں گی اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ درمیان میں معلق رہیں گے۔

۲۔ سِيْمَاء کے معنی علامت کے ہیں۔ جنتیوں کے چہرے روشن اور تروتازہ اور جہنمیوں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اس طرح وہ دونوں قسم کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

۳۔ یہاں يَطْمَعُوْنَ کے معنی بعض لوگوں نے يَعْلَمُوْنَ کے کیے ہیں یعنی ان کو علم ہو گا کہ وہ عنقریب جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

۴۔ یہ اہل دوزخ ہوں گے جن کو اصحاب الاعراف ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے اور وہ اپنے جتنے اور دوسری چیزوں پر جو گھمبہ کرتے تھے، اس کے حوالے سے انہیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں تمہارے کچھ کام نہ آئیں۔

۵۔ اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دنیا میں غریب و مسکین اور مفلس و نادار قسم کے تھے جن کا استہزاء مذکورہ متکبرین اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے محبوب ہوتے تو ان کا دنیا میں یہ حال ہوتا؟ پھر مزید جہالت کرتے ہوئے دعویٰ کرتے کہ قیامت کے دن بھی اللہ کی رحمت ہم پر ہوگی (جس طرح دنیا میں ہو رہی ہے) نہ کہ ان پر۔ بعض نے اس کا قائل اصحاب الاعراف کو بتلایا ہے اور بعض کہتے ہیں جب اصحاب الاعراف جہنمیوں کو یہ کہیں گے ”تمہارا جتھہ اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا“ تو اس وقت اللہ کی طرف سے جنتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

کو یوں حکم ہو گا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم مغموں ہو گے۔

۵۰. اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے، کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دیا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لیے بندش کر دی ہے۔^(۱)

۵۱. جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم (بھی) آج کے روز انھیں بھول جائیں گے جیسا کہ وہ اس دن کو بھول گئے^(۲) اور جیسا وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

۵۲. اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت واضح

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّبَهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا قَالُوا يُرْسَلُ إِلَيْنَا سَوَاقٌ لِّمَا كُنَّا نَفْسُو الْفَاءَ يُرْسِلُ إِلَيْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا بِإِلَيْنَا لَنُحْجِدُونَ ۝

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَضَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْوِهِمْ ۝ وَرَحْمَةٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

جائے گا کہ ”یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔“ (تفسیر ابن کثیر) ۱. جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ کھانے پینے کی نعمتیں قیامت کے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی۔ ﴿خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ (الاعراف: ۳۲) یہاں اس کی مزید وضاحت جنتیوں کی زبان سے کر دی گئی ہے۔

۲. حدیث میں آتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا ”کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیے تھے؟ تجھے عزت و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیے تھے؟ اور کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے جنگی وصول نہیں کرتا تھا؟“ وہ کہے گا کیوں نہیں؟ یا اللہ یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا۔ نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ”پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا، آج میں تجھے بھول جاتا ہوں“ (صحیح مسلم، سب الزہد) قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کو لہو ولعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جاتا ہے۔ اس لیے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں، اضافہ کر لیتے ہیں اور دین کے جس حصے کو چاہتے ہیں عملاً کالعدم کر دیتے ہیں یا انہیں کھیل کود کا رنگ دے دیتے ہیں۔ اس لیے دین میں اپنی طرف سے بدعات کا اضافہ کر کے انہی کو اصل اہمیت دینا (جیسا کہ اہل بدعت کا شیوہ ہے) یہ بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اس سے دین کھیل کود بن کر رہ جاتا ہے اور احکام و فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

کر کے بیان کر دیا ہے،^(۱) وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔

۵۳۔ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے،^(۲) جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آئے گا اور اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے، سواب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جاسکتے ہیں تاکہ ہم جو اعمال کرتے تھے ان کے برخلاف دوسرے اعمال کریں۔ بے شک ان لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو باتیں تراشتے تھے سب گم ہو گئیں۔^(۳)

۵۴۔ بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے،^(۴) پھر عرش پر قائم

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ
يَقُولُ الَّذِينَ سَوَّاهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ
رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَمَلَّ لَنَا مَنْ شَفَعَاءَ فَيُشْفَعُونَ لَنَا
أَوْ نَرْدُ فَنَعْمَلْ عَمَلًا نَحْنُ لَكُمْ لَعْمَلٌ قَدْ خَيْرُوا
أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٤﴾

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُعْطِي الْكَلِمَ

۱۔ یہ اللہ تعالیٰ جنہوں کے ضمن میں ہی فرما رہا ہے کہ ہم نے تو اپنے علم کامل کے مطابق ایسی کتاب بھیج دی تھی جس میں ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، تو ان کی بد قسمتی، ورنہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے، وہ ہدایت و رحمت الہی سے فیض یاب ہوئے گویا ہم نے تو ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (نبی اسرائیل: ۱۵) (جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہیں کر دیتے، ہم عذاب نہیں دیتے) کے مطابق اہتمام کر دیا تھا۔

۲۔ تاویل کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام۔ یعنی کتاب الہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سواب وہ انجام ان کے سامنے آگیا۔

۳۔ یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے، اس کے سامنے آ جانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ ان کی مدد کر سکیں گے نہ سفارش اور نہ عذاب جنہم سے چھڑا ہی سکیں گے۔

۴۔ یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہے جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ ہفتے والے دن کہتے ہیں کوئی تخلیق نہیں ہوئی، اسی لیے اسے یوم السبت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سبت کے معنی قطع (کاٹنے) کے ہیں یعنی اس دن تخلیق کا کام قطع ہو گیا۔ پھر اس دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن، جو طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے۔ یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے؟ جس طرح کہ اللہ کے یہاں کے دن کی گنتی ہے، یا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے۔ بظاہر یہ دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک تو اس وقت

ہوا۔^(۱) وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے^(۲) اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

۵۵. تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔

۵۶. اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔^(۳)

الَّذِي يَطْلُبُهُ حَبِثَاتُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْجُودِ
مُسْعَرَاتُ يَأْمُرُهُ آيَاتُ الْخَلْقِ وَالْأَمْرُ تَبْرِكُ اللَّهُ
رَبُّ الْعَالَمِينَ^(۲)

أُدْعُوا رَبَّكُمْ خَفِيَةً إِنَّهُ سَمِيعٌ
الْمُعْتَدِينَ^(۱)

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ
خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ
الْمُحْسِنِينَ^(۳)

سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد ہی یہ نظام قائم ہوا دوسرا یہ عالم بالا کا واقعہ ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس لیے اس دن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تو لفظ کُن سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم بعض علماء نے اس کی ایک حکمت لوگوں کو آرام، وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۱. اَسْتَوَاءَ کے معنی علو اور استقار کے ہیں سلف نے بلا کیف وبلا تشبیہ یہی معنی مراد لیے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند اور مستقر ہے۔ لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان نہیں کر سکتے نہ کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے ہیں۔ نعیم بن حماد کا قول ہے ”جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اللہ کی، اپنے بارے میں بیان کردہ کسی بات کا انکار کیا، اس نے بھی کفر کیا“ اور اللہ کے بارے میں اس کی یا اس کے رسول کی بیان کردہ بات کو بیان کرنا، تشبیہ نہیں ہے۔ اس لیے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں نص سے ثابت ہیں، ان پر بلا تاویل اور بلا کیف و تشبیہ ایمان رکھنا ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

۲. حَبِثَاتُ کے معنی ہیں نہایت تیزی سے اور مطلب ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آجاتا ہے۔ یعنی دن کی روشنی آتی ہے تو رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور سب دور و نزدیک سیاہی چھا جاتی ہے۔

۳. ان آیات میں چار چیزوں کی تلقین کی گئی ہے، (۱) اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری اور خفیہ طریقے سے دعا کی جائے۔ جس طرح

۵۷۔ اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں،^(۱) یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں،^(۲) تو ہم اس بادل کو کسی خشک سر زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔^(۳) یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو۔^(۴)

۵۸۔ اور جو ستھری سر زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے،^(۵) اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَكَلَتْ الْأَشْجَارُ أَغْلَظَ لَبَدٍّ مِنْكُمْ وَأُتِيَ النَّارُ يَوْمَئِذٍ بِالْهَبَاءِ فَأَخْرَجْنَا مِنْ كُلِّ الثَّغْرِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿۵۸﴾

کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ ”لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (یعنی آواز پست رکھو) تم جس کو پکار رہے ہو، وہ بہرا ہے نہ غائب، وہ تمہاری دعائیں سننے والا اور قریب ہے“ (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة۔ ومسلم، کتاب الجنة، باب استحباب خفض الصوت بالذكر)۔ (۲) دعا میں زیادتی نہ کی جائے یعنی اپنی حیثیت اور مرتبے سے بڑھ کر دعا نہ کی جائے۔ (۳) اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا جائے یعنی اللہ کی نافرمانیاں کر کے فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا جائے۔ (۴) اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی۔ اس طریقے سے دعا کرنے والے محسنین ہیں۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے۔ ۱۔ یعنی الوہیت و ربوبیت کے اثبات میں اللہ تعالیٰ مزید دلائل بیان فرما کر پھر اس سے احیائے موتی کا اثبات فرما رہا ہے۔ بُشْرًا بَشِيرًا کی جمع ہے رَحْمَةً سے مراد یہاں مَطَرٌ (بارش) ہے یعنی بارش سے پہلے وہ ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی نوید ہوتی ہیں۔ ۲۔ بھاری بادل سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں۔

۳۔ ہر قسم کے پھل، جو رنگوں میں، ذائقوں میں، خوشبوؤں میں اور شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ۴۔ جس طرح ہم پانی کے ذریعے سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن تمام انسانوں کو، جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ہم دوبارہ زندہ کریں گے اور پھر ان کا حساب لیں گے۔

۵۔ علاوہ ازیں یہ تمثیل بھی ہو سکتی ہے۔ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ سے مراد سربلغ الفہم اور الْبَلَدُ الْخَبِيثُ سے کند ذہن، وعظ و نصیحت قبول کرنے والا دل اور اس کے برعکس دل۔ قلب مومن یا قلب منافق یا پاکیزہ انسان اور ناپاک انسان۔ مومن، پاکیزہ انسان اور وعظ و نصیحت قبول کرنے والا دل بارش کو قبول کرنے والی زمین کی طرح، آیات الہی کو سن کر ایمان و عمل صالح میں مزید پختہ ہوتا ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس زمین شور کی طرح ہے جو بارش کا پانی قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکلی اور برائے نام ہوتی ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان

بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں۔

۵۹. ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں، مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

۶۰. ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔^(۱)

۶۱. انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔

۶۲. تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔

۶۳. اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَقَوْمُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

قَالَ يَقَوْمُ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

أَوْعِظُكُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ

کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی، اس کے جو حصے زرخیز تھے، انہوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چاہر اور گھاس خوب اگایا (یعنی بھرپور پیداوار دی) اور اس کے بعض حصے سخت تھے، جنہوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب نہیں ہوا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیہا، کھیتوں کو بھی سیراب کیا اور کاشت کاری کی اور زمین کا کچھ حصہ بالکل چٹیل تھا، جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کی دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا، اس سے اس نے نفع اٹھایا، پس خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا“۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم)

۱. شرک اس طرح انسانی عقل کو مآؤف کر دیتا ہے کہ انسان کو ہدایت گمراہی، اور گمراہی ہدایت نظر آتی ہے۔ چنانچہ قوم نوح کی بھی یہی قلبی ماہیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے۔ نعوذ باللہ گمراہ نظر آتے تھے۔ ح

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا

مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۷﴾

معرفت، جو تمہاری ہی جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈرجاؤ^(۱) اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَعْيَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلِّ وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿۳۸﴾

۶۴. سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔^(۲)

وَالِلّٰی عَادَ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يُقَوْمُ عَبْدُا
اللّٰهُ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۹﴾

۶۵. اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔^(۳) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، سو کیا تم نہیں ڈرتے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا
لَنَرِيكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنُظُنُّكَ مِنَ

۶۶. ان کی قوم میں جو بڑے لوگ کافر تھے انہوں نے کہا ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں۔^(۴) اور ہم بے شک

۱. حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرون یا دس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آ رہے تھے پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالحین فوت ہو گئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیں اور ان کی تصویریں بھی وہاں لٹکادیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الہی میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انہوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنادیے اور پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد یہ مجسمے بتوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی پوجا پائ شروع ہو گئی اور قوم نوح کے یہ صالحین و د، سَوَاع، يَعْقُوف، يَعْقُوث اور نَسْر معبود بن گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان میں نبی بنا کر بھیجا جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا، کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا بالآخر اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ قوم نوح نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان ہی میں کا ایک آدمی نبی بن کر آ گیا جو انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے؟ یعنی ان کے خیال میں نبوت کے لیے انسان موزوں نہیں۔

۲. یعنی حق سے، حق کو دیکھتے تھے نہ اسے اپنانے کے لیے تیار تھے۔

۳. یہ قوم عاد، عاد اولیٰ ہے جن کی رہائش یمن میں ریتے پہاڑوں میں تھی اور اپنی قوت و طاقت میں بے مثال تھی۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام۔ جو اسی قوم کے ایک فرد تھے۔ نبی بن کر آئے۔

۴. یہ کم عقلی ان کے نزدیک یہ تھی کہ بتوں کو چھوڑ کر۔ جن کی عبادت ان کے آباء واجداد سے ہوتی آرہی تھی۔ اللہ واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

الْكَاذِبِينَ ﴿٥٠﴾

قَالَ يَوْمَ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ
مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥١﴾

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٥٢﴾

أَوْحَيْنَا أَن جَاءَكُمْ ذِكْرُنَا رَّبِّكُمْ عَلَى رَحِيلٍ
مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَأَذْكُرُوا أَن جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ
مِّن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ
بَضْطَةً مَّا أَذْكُرُوا وَآلَاءُ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٥٣﴾

قَالُوا أَجِئْنَا لِنُعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَمَا كَانَا
يَعْبُدُونَ آبَاءَنَا قَالُوا إِنَّمَا تَتَّبِعُونَ مَا كَانُوا
مِن الضَّالِّينَ ﴿٥٤﴾

تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔

۶۷۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔
۶۸۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔

۶۹۔ اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت، جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا اور ڈبل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا، سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کو فلاح ہو۔

۷۰۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں، پس ہم کو جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔^(۱)

۱۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ﴿لَوْ يُخَلِّقُ مِثْلَهَا فِي إِلَٰهٍ دُونِ﴾ (الفجر: ۸) (اس جیسی قوت والی قوم پیدا نہیں کی گئی) اپنی اسی قوت کے گھنٹہ میں مبتلا ہو کر اس نے کہا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ”ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ قوت والا ہے) (حم السجدة: ۱۵)۔

۲۔ آباء و اجداد کی تقلید، ہر دور میں گمراہی کی بنیاد رہی ہے۔ قوم عاد نے بھی یہی ”دلیل“ پیش کی اور شرک کو چھوڑ کر، توحید کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے بد قسمتی سے مسلمانوں میں بھی اپنے بڑوں کی تقلید کی یہ بیماری عام ہے۔

۳۔ جس طرح قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں کہا تھا ﴿إِنَّمَا تَتَّبِعُونَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ (الأنفال: ۲۲) (اے اللہ! اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے)۔ یعنی شرک کرتے کرتے مشرک کی مت بھی ماری جاتی ہے۔ حالانکہ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کہا جاتا یا اللہ اگر یہ سچ ہے اور تیری ہی طرف سے ہے

۱۔ انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب^(۱) اور غضب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو^(۲) جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے؟ ان کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

۲۔ غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی، جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔^(۳)

۳۔ اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح^(۴) (علیہ السلام) کو بھیجا۔^(۵) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ
وَغَضَبٌ أَنجَادُ لَوْ كُنِي فِي أَسْمَاءٍ سَيِّئَتْ هِيَ
أَنْتُمْ وَالْأَبَاءُ وَكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهِمَا مِنْ سُلْطٰنٍ
فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝۱۰

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا
وَقَطَعْنَا ذُرِّيَّتَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ مُؤْمِنًا
وَالِى تَمُودَ أَخَاهُ صَالِحًا قَالَ يَقُومُوا
اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ الْعِذَّةِ قَدْ

تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہر حال قوم عاد نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے کہہ دیا، کہ اگر تو سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے، بھیج دے۔

۱۔ رِجْس کے معنی تو پیلیدی کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ مقلوب (بدلا ہوا) ہے رِجْز سے۔ جس کے معنی عذاب کے ہیں۔ یا پھر رِجْس یہاں ناراضی اور غضب کے معنی میں ہیں۔ (ابن کثیر)

۲۔ اس سے مراد وہ نام ہیں جو انہوں نے اپنے معبودوں کے رکھے ہوئے تھے، مثلاً صَدَا، صُمُودُ، هَبَا وغیرہ جیسے قوم نوح کے پانچ بت تھے جن کے نام اللہ نے قرآن میں ذکر کیے ہیں جیسے مشرکین عرب کے بتوں کے نام تھے۔ لَات، عَزَّى مَنَآةَ هُبَل وغیرہ یا جیسے آج کل کے مشرکانہ عقائد و اعمال میں ملوث لوگوں نے نام رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً ”داتا گنج بخش“ ”خواجہ غریب نواز“ ”بابا فرید شکر گنج“ ”مشکل کشا“ وغیرہ جن کے معبود یا مشکل کشا و گنج بخش وغیرہ ہونے کی کوئی دلیل ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

۳۔ اس قوم پر باد تند کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا، جس نے ہر چیز کو تھس تھس کر کے رکھ دیا اور یہ قوم عاد کے لوگ، جنہیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، ان کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر پڑے نظر آتے تھے۔ (دیکھیے سورة الحاقة: ۸-۶، سورة هود: ۵۳-۵۶، سورة الأحقاف: ۲۳-۲۵، وغیرہا من الآيات)

۴۔ یہ ثمود، حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھے۔ ۹ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان کے مسکن اور وادی سے گزر ہوا، جس پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ معذب قوموں کے علاقے سے گزرو تو روتے ہوئے یعنی عذاب الہی سے پناہ مانگتے ہوئے گزرو (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ باب

جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ
اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذُرُوهَا تَأْكُلُ فِي أََرْضِ
اللَّهِ وَلَا تَمْسُوْهَا سُمْوَةً فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ
الْعَذَابِ ۝

عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لیے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کہ کہیں تم کو دردناک عذاب آپکڑے۔

۷۴۔ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو^(۱) اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو،^(۲) سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔^(۳)

۷۵۔ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا، کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ
وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَخَذُونَ مِنَ
سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا
فَاذْكُرُوا الْآيَةَ وَاللَّهُ وَلَا تَعْتَوْنَ فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ۝

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَلَذُوا مِنْ قَوْمِهِ
الَّذِينَ اسْتَضَعُوا إِلَيْنَا مِنْهُمْ أَتَعْبَوْنَ
أَنْ طَلِبًا مُرْسِلًا مِنْ رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا كَلِمَا
أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

الصلوة في مواضع الخسف، صحيح مسلم كتاب الزهد باب لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باكين) ان کی طرف حضرت صالح (علیہ السلام) نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھا، جسے نکلتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرمادی۔ اس اونٹنی کی بابت انہیں تاکید کر دی گئی کہ اسے بری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذاب الہی کی گرفت میں آجائے گے۔ لیکن ان ظالموں نے اس اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا، جس کے تین دن بعد انہیں چنگھاڑ (صَيْحَةً خِتٍ جِجٍ اور رَجْفَةً زلزله) کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا، جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

۱۔ اس کا مطلب ہے کہ نرم زمین سے مٹی لے لے کر اینٹیں تیار کرتے ہو اور ان اینٹوں سے محل، جیسے آج بھی بھٹوں پر اسی طرح مٹی سے اینٹیں تیار کی جاتی ہیں۔

۲۔ یہ ان کی قوت، صلابت بدن اور مہارت فن کا اظہار ہے۔

۳۔ یعنی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو، نہ کہ کفران نعمت اور معصیت کا ارتکاب کر کے فساد پھیلاؤ۔

اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔^(۱)

۷۶. وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو، ہم تو اس کے منکر ہیں۔^(۲)

۷۷. پس انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! (عَلَيْهِ السَّلَام) جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوائیے اگر آپ پیغمبر ہیں۔

۷۸. پس ان کو زلزلہ نے آپکڑا^(۳) اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

۷۹. اس وقت (صالح عَلَيْهِ السَّلَام) ان سے منہ موڑ کر چلے، اور فرمانے لگے^(۴) کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

۸۰. اور ہم نے لوط (عَلَيْهِ السَّلَام) کو بھیجا^(۵) جب کہ انہوں نے

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَفِرُونَ ۝

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُضِلُّهُمْ أَثْبَتًا يَمَاعِدًا إِنَّ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَثِينَ ۝

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَ قَوْمٍ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِثُّونَ الصَّحِينَ ۝

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ

۱. یعنی جو دعوت توحید وہ لے کر آئے ہیں، وہ چونکہ فطرت کی آواز ہے، ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ صالح (عَلَيْهِ السَّلَام) واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ جو ان کا سوال تھا، اس سے ان اہل ایمان نے تعرض ہی نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے رسول من اللہ ہونے کو وہ بحث کے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ان کی رسالت ایک مسلمہ حقیقت و صداقت تھی، جیسا کہ فی الواقع تھی۔

۲. اس معقول جواب کے باوجود وہ اپنے استکبار اور انکار پر اڑے رہے۔

۳. یہاں رَجْفَةً (زلزلے) کا ذکر ہے۔ دوسرے مقام پر صَبِيحَةً (چچ) کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسم کا عذاب ان پر آیا۔ اوپر سے سخت چچ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۴. یہ یا تو ہلاکت سے قبل کا خطاب ہے یا پھر ہلاکت کے بعد اسی طرح کا خطاب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر ختم ہونے کے بعد قلب بدر میں مشرکین کی لاشوں سے خطاب فرمایا تھا۔

۵. حضرت لوط عَلَيْهِ السَّلَام، حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کے بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے پھر خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے میں نبی بنا کر بھیجا۔ یہ علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ زمین سرسبز و شاداب تھی اور یہاں ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔ قرآن نے اس جگہ کو مُؤْتَفِكَةً

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ
النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا
أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ
يَتَطَهَّرُونَ ۝

اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو
تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔
۸۱. تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو^(۱) عورتوں
کو چھوڑ کر،^(۲) بلکہ تم تو حد ہی سے گزر گئے ہو۔^(۳)

۸۲. اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، بجز اس
کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی
سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔^(۴)

يَا مُؤْتِفِكَاتُ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے غالباً سب سے پہلے یا دعوت توحید کے ساتھ ہی، (جو ہر نبی کی بنیادی دعوت تھی اور سب سے پہلے وہ اسی کی دعوت اپنی قوم کو دیتے تھے۔ جیسا کہ پچھلے نبیوں کے حالات میں، جن کا ذکر ابھی گذرا ہے، دیکھا جاسکتا ہے۔) جو دوسری بڑی خرابی مردوں کے ساتھ بد فعلی، قوم لوط میں تھی، اس کی شاعت و قباحت بیان فرمائی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم لوط نے کیا، اس گناہ کا نام ہی لواطت پڑ گیا۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے قوم کو اس جرم کی خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے دعوت توحید بھی، یہاں پہنچ چکی ہوگی۔ لواطت کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے یعنی مجرم اگر شادی شدہ ہو تو رجم، غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے۔ بعض کے نزدیک اس کی سزا ہی رجم ہے چاہے مجرم کیسا بھی ہو اور بعض کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دینا چاہیے۔ البتہ امام ابوحنیفہ صرف تعزیری سزا کے قائل ہیں، حد کے نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی، جلد ۵، ص ۱۷)

۱. یعنی مردوں کے پاس تم اس بے حیائی کے کام کے لیے محض شہوت رانی کی غرض سے آتے ہو، اس کے علاوہ تمہاری اور کوئی غرض ایسی نہیں ہوتی جو موافق عقل ہو۔

۲. جو قضائے شہوت کا اصل محل اور حصول لذت کی اصل جگہ ہے۔ یہ ان کی فطرت کے مخ ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ نے مرد کی جنسی لذت کی تسکین کے لیے عورت کی شرم گاہ کو اس کا محل اور موضع بنایا ہے اور ان ظالموں نے اس سے تجاوز کر کے مرد کی دبر کو اس کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

۳. لیکن اب اسی فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدود الہی سے تجاوز کو مغرب کی ”مہذب“ قوموں نے اختیار کر لیا ہے تو یہ انسانوں کا ”بنیادی حق“ قرار پا گیا ہے جس سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اب وہاں لواطت کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ سرے سے جرم ہی نہیں رہا۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

۴. یہ حضرت لوط علیہ السلام کو بستی سے نکالنے کی علت ہے۔ باقی ان کی پاکیزگی کا اظہار یا تو حقیقت کے طور پر ہے اور مقصد ان کا یہ ہوا کہ یہ لوگ اس برائی سے چٹنا چاہتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہماری بستی ہی میں نہ رہیں یا استہزاء اور تمسخر کے طور پر انہوں نے ایسا کہا۔

۸۳. سو ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے۔^(۱)

۸۴. اور ہم نے ان پر خاص طرح کا مینہ^(۲) برسایا پس دیکھو تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟^(۳)

۸۵. اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔^(۴) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ پس تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو^(۵) اور روئے زمین میں،

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝

وَالِإِذَا مَدِينَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَقَوْمُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنَ إِلَهِ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَقْسِدُوا فِى الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝

۱. إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْبَاقِينَ فِى عَذَابِ اللَّهِ، یعنی وہ ان لوگوں میں باقی رہ گئی جن پر اللہ کا عذاب آیا۔ کیونکہ وہ بھی مسلمان نہیں تھی اور اس کی ہمدردیاں بھی مجرمین کے ساتھ تھیں بعض نے اس کا ترجمہ ”ہلاک ہونے والوں میں سے“ کیا ہے۔ لیکن یہ لازمی معنی ہیں، اصل معنی وہی ہیں۔

۲. یہ خاص طرح کا مینہ کیا تھا؟ پتھروں کا مینہ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حَاجِرَةً مِّنْ سَيْحِينَ﴾ مَنَّصُودٌ (ہود: ۸۲) (ہم نے ان پر تہ تہ پتھروں کی بارش برسائی) اس سے پہلے فرمایا ﴿جَعَلْنَا عَلَيْهِمْ سَائِغًا فَلَهَا﴾ (ہود: ۸۲) (ہم نے اس بستی کو الٹ کر نیچے اوپر کر دیا)۔

۳. یعنی اے محمد! (ﷺ) دیکھیے تو سہی، جو لوگ علانیہ اللہ کی معاصی کا ارتکاب اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں، ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟

۴. مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا، پھر انہی کی نسل پر بنی قبیلہ کا نام بھی مدین اور جس بستی میں یہ رہائش پذیر تھے، اس کا نام بھی مدین پڑ گیا۔ یوں اس کا اطلاق قبیلہ اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ بستی حجاز کے راستے میں ”معان“ کے قریب ہے۔ انہی کو قرآن میں دوسرے مقام پر أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ (بن کے رہنے والے) بھی کہا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ (دیکھیے الشعراء: ۱۷۶ کا حاشیہ)

طوطہ: ہر نبی کو اس قوم کا بھائی کہا گیا ہے، جس کا مطلب اسی قوم اور قبیلہ کا فرد ہے، جس کو بعض جگہ رَسُولًا مِّنْهُمْ یا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ سے تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب ان سب کا یہ ہے کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے چن لیتا ہے اور وحی کے ذریعے سے اس پر اپنی کتاب اور احکام نازل فرماتا ہے۔

۵. دعوت توحید کے بعد، اس قوم میں ناپ تول میں کمی کی جو بڑی خرابی تھی، اس سے اسے منع فرمایا اور پورا پورا ناپ

اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی، فساد مت پھیلاؤ، یہ تمہارے لیے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔

۸۶. اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والے کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کبھی کی تلاش میں لگے رہو۔^(۱) اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔

۸۷. اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر، جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا، ایمان لے آئے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کیے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔^(۲)

وَلَا تَعْتَدُوا بِحِلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ
وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ
وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَذْكُرُوا أَن كُنْتُمْ
قَلِيلًا فَكَثَرْتُمْ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

وَأَن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا
بِآيَاتِنَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا
فَأَصْبَحُوا أَحَدًا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ
خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

اور تول کر دینے کی تلقین کی۔ یہ کوتاہی بھی بہت خطرناک ہے جس سے اس قوم کی اخلاقی پستی اور گراؤ کا پتہ چلتا ہے جس کے اندر یہ ہو۔ یہ بدترین خیانت ہے کہ پیسے پورے لیے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ اسی لیے سورہ مطففین میں ایسے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔

۱. اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے اللہ کی راستے میں کجیاں تلاش کرنا۔ یہ ہر دور کے نافرمانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے جس کے نمونے آج کل کے متجددین اور فرنگیت زدہ لوگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔ علاوہ ازیں راستے میں بیٹھنے کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً لوگوں کو ستانے کے لیے بیٹھنا، جیسے عام طور پر ادباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے۔ یا حضرت شعیب ؑ کی طرف جانے والے راستوں میں بیٹھنا تاکہ ان کے پاس جانے والوں کو روکیں اور ان سے انہیں بدظن کریں، جیسے قریش مکہ کرتے تھے یا دین کے راستوں پر بیٹھنا اور اس راہ پر چلنے والوں کو روکنا۔ یوں لوٹ مار کی غرض سے ناکوں پر بیٹھنا تاکہ آنے جانے والوں کا مال سلب کر لیں۔ یا بعض کے نزدیک محصول اور چنگی وصول کرنے کے لیے ان کا راستوں پر بیٹھنا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ سارے ہی مفہوم صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ یہ سب ہی کرتے ہوں۔ (فتح القدیر)

۲. کفر پر صبر کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تہدید اور سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اہل حق کا اہل باطل پر فتح و غلبہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَلْيَرْصُدُوا لَنَا مَعَكُمْ مُّزَيِّنُونَ﴾ - (التوبة: ۵۲)

۸۸. ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! (عَلَيْهِ السَّلَام) ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الایہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ۔^(۱) شعیب (عَلَيْهِ السَّلَام) نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آجائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔^(۲)

۸۹. ہم تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آجائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی^(۳) اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آجائیں، لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو۔^(۴) ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔^(۵) اے ہمارے پروردگار! ہمارے

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ
لَخُذْ جُنُودَكَ يَشْعَبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ
قَوْمِنَا أَتُؤْتِدُونُنِي فِيْ بَيْتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَاهِنِينَ ۝

قَدْ أَفْتَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ
إِذْ خَلَصْنَا اللَّهُ مِنْهَا وَ لَئِنْ لَمْ تُخَدِّعُوا آلَنَا
إِنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا
عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبُّنَا أَفَمَنْ يَبِينُنَا وَيُنْزِلُ قَوْمُنَا
بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝

۱. ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ کیجیے کہ انہوں نے ایمان و توحید کی دعوت کو ہی رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب پر واپس آجاؤ، نہیں تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے، کیونکہ انہوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب (عَلَيْهِ السَّلَام) کو بھی ملت آبائی کی طرف لوٹنے کی دعوت اس لحاظ سے تھی کہ وہ انہیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے، گو حقیقتاً ایسا نہ ہو۔ یا بطور تغلیب انہیں بھی شامل کر لیا ہو۔

۲. یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ہمزہ انکار کے لیے اور واو حالیہ ہے۔ یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے یا ہمیں اپنی بستی سے نکال دو گے درآں حالیکہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹنا اور اس بستی سے ٹکنا پسند نہ کرتے ہوں؟ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم ہمیں ان میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرو۔

۳. یعنی اگر ہم دوبارہ اس دین آبائی کی طرف لوٹ آئے، جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے ایمان و توحید کی دعوت دے کر اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے ایسا ہو۔

۴. اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا۔ یعنی ہم تو اپنی رضامندی سے اب کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بات اور ہے۔ بعض کہتے کہ یہ ﴿حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَهَنَّمُ فِي سَمِّ الْفِتْيَانِ﴾ (الأعراف: ۳۰) (جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے) کی طرح تغلیق بالحال ہے۔

۵. کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت رکھے گا اور ہمارے اور کفر و اہل کفر کے درمیان حائل رہے گا، ہم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔^(۱)

۹۰. اور انکی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔^(۲)

۹۱. پس ان کو زلزلے نے آکپڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔^(۳)

۹۲. جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔^(۴) جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔^(۵)

وَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمَيْكَ إِنِّي لَنَبْعَثُ
شُعَيْبًا إِلَيْكُمْ إِذَا الْخَبْرُونَ^(۱)

فَأَخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ
جُثَمِينَ^(۲)

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَعْمَلُونَ فِيهَا الَّذِينَ
كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ^(۳)

۱. اور اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچا کر مکذبین اور متکبرین کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ گویا عذاب الہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔

۲. اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا اور ناپ تول میں کمی نہ کرنا، یہ ان کے نزدیک خسارے والی بات تھی درآں حالیکہ ان دونوں باتوں میں ان ہی کا فائدہ تھا۔ لیکن دنیا والوں کی نظر میں تو نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہو جانے والا نفع) ہی سب کچھ ہوتا ہے جو ناپ تول میں ڈنڈی مار کر انہیں حاصل ہو رہا تھا، وہ اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجمل (دیر میں ملنے والے نفع) کے لیے اسے کیوں چھوڑتے؟

۳. یہاں رَجْفَةً (زلزلہ) کا لفظ آیا ہے اور سورہ ہود آیت: ۹۴ میں صَيْحَةً (چٹخ) کا لفظ ہے اور سورہ شعراء: ۱۸۹ میں طَلَّةً (بادل کا سایہ) کے الفاظ ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی چیزوں کا اجتماع ہوا۔ یعنی سائے والے دن ان پر عذاب آیا۔ پہلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے، چنگاریاں اور آگ کے بھجھوکے تھے، پھر آسمان سے سخت چٹخ آئی اور زمین سے بھونچال، جس سے ان کی روحیں پرواز کر گئیں اور بے جان لاشے ہو کر پرندوں کی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

۴. یعنی جس بستی سے یہ اللہ کے رسول اور ان کے پیروکاروں کو نکالنے پر تلے ہوئے تھے، اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہونے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے وہ یہاں رہتے ہی نہ تھے۔

۵. یعنی خسارے میں وہی لوگ رہے جنہوں نے پیغمبر کی تکذیب کی، نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خسارہ بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لیے تیار ہے۔

مَقُولِي عَنْهُمْ وَقَالَ يَقَوْمُ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولًا
رَبِّي وَصَّيْتُ لَكُمْ كَيْفَ السَّبِيلِ عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٥٦﴾

۹۳. اس وقت شعیب (علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے
اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے
پروردگار کے احکام پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری
خیر خواہی کی۔ پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج
کروں۔^(۱)

وَمَا أَسْأَلُكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذَ أَهْلُهَا
بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُّعُونَ ﴿٥٧﴾

۹۴. اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں
کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف میں نہ پکڑا ہو
تاکہ وہ گڑگڑائیں۔^(۲)

ثُمَّ يَذَلُّنَا مَكَانَ السَّبِيلِ الْحَسَنَةِ حَتَّىٰ عَفَوْنَا
وَقَالُوا أَفَمَنْ أَبَاؤُنَا الضَّرَاءُ وَالسَّرَاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ
بِعَتَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَعَرَّوْنَ ﴿٥٨﴾

۹۵. پھر ہم نے اس بد حالی کی جگہ خوش حالی بدل دی،
یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ
ہمارے آباء واجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی
تو ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا^(۳) اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔

۱. عذاب و تباہی کے بعد جب وہ وہاں سے چلے، تو انہوں نے وفور جذبات میں یہ باتیں کہیں۔ اور ساتھ ہی کہا کہ جب
میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا، تو اب میں ایسے لوگوں پر افسوس کروں تو کیوں کروں؟ جو
اس کے باوجود اپنے کفر اور شرک پر ڈٹے رہے۔

۲. بَأْسَاءً، وہ تکلیفیں جو انسان کے بدن کو لاحق ہوں یعنی بیماری اور ضَرَاءً سے مراد فقر و تنگ دستی۔ مطلب یہ ہے
کہ جس کسی بستی میں بھی ہم نے رسول بھیجا انہوں نے اس کی تکذیب کی، جس کی پاداش میں ہم نے ان کو بیماری اور
محتاجی میں مبتلا کر دیا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑائیں۔

۳. یعنی فقر و بیماری کے ابتلاء سے بھی جب ان کے اندر رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تو ہم نے ان کی تنگ دستی
کو خوش حالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت سے بدل دیا تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اس انقلاب حال سے
بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیشہ سے ہی ہوتا چلا آ رہا ہے کہ کبھی تنگی آگئی کبھی
خوش حالی آگئی، کبھی بیماری تو کبھی صحت، کبھی فقیری تو کبھی امیری۔ یعنی تنگ دستی کا پہلا علاج ان کے لیے موثر ثابت
ہوا، نہ خوش حالی ان کے اصلاح احوال کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔ وہ اسے لیل و نہار کی گردش ہی سمجھتے رہے اور اس
کے پیچھے کار فرما قدرت الہی اور اس کے ارادہ کو سمجھنے میں ناکام رہے تو ہم نے پھر انہیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت
میں لے لیا۔ اسی لیے حدیث میں مومنوں کا معاملہ اس کے برعکس بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ آرام و راحت ملنے پر اللہ کا
شکر ادا کرتے ہیں اور تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لیتے ہیں، یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی

۹۶. اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

۹۷. کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آپڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔

۹۸. اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں۔

۹۹. کیا پس وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔^(۱)

۱۰۰. اور کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد (ان واقعات مذکورہ نے) یہ بات نہیں بتائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر بند لگادیں، پس وہ نہ سن سکیں۔^(۲)

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۶﴾

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۹۷﴾

أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ ﴿۹۸﴾

أَفَأَنزَلْنَا مَكْرًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَأْتِيَهُمُ الْقَوْمُ الْمَخْسِرُونَ ﴿۹۹﴾

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوَنَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَهُمْ أَكْثَرُ الْعَمَلِ ﴿۱۰۰﴾

۱. ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان و تقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنائیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یعنی حسب ضرورت انہیں آسمان سے بارش مہیا فرماتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ نتیجتاً خوش حالی و فراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر تو میں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں، پھر پتہ نہیں ہوتا کہ شب و روز کی کس گھڑی میں عذاب آجائے اور ہنسی کھلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے۔ اس لیے اللہ کی ان تدبیروں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔ مکر کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورہ آل عمران آیت: ۵۴ کا حاشیہ۔

۲. یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر بھی قفل لگ جاتے ہیں، پھر بڑے بڑے عذاب بھی انہیں

۱۰۱۔ ان بستیوں کے کچھ کچھ قصبے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے،^(۱) پھر جس چیز کو انہوں نے ابتداء میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے،^(۲) اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے۔

۱۰۲۔ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا^(۳) اور ہم نے اکثر لوگوں کو فاسق ہی پایا۔

تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا وَأَوَّلَتْ
جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ يَأْتِيَنَّهُمْ فَمَا كَانُوا لِلْوَعْدِ
بِمَا كَانُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْعُهُ اللَّهُ عَلَى
قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ
وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝

خواب غفلت سے بیدار نہیں کر پاتے۔ دیگر بعض مقامات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا، ہم چاہیں تو تمہیں بھی تمہارے کر تو توں کی وجہ سے ہلاک کر دیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز کے لیے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ پھر انذار اور وعظ و نصیحت ان کے لیے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تَبَيَّنُ (وضاحت) کے معنی میں ہے، اسی لیے لام کے ساتھ متعدی ہے۔ اَوَّلَتْ يَهْدِي لِلَّذِينَ، یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔

۱۔ جس طرح گزشتہ صفحات میں چند انبیاء کا ذکر گزرا۔ بَيِّنَاتٌ سے مراد دلائل و براہین اور معجزات دونوں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے جب تک ہم نے جہت تمام نہیں کر دی، ہم نے انہیں ہلاک نہیں کیا۔ کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ رُسُلُنَا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) (جب تک ہم رسول بھیج دیتے۔ عذاب نازل نہیں کرتے)۔

۲۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یوم بیثاق کو جب ان سے عہد لیا گیا تھا تو یہ اللہ کے علم میں ایمان لانے والے نہ تھے، اس لیے جب ان کے پاس رسول آئے تو اللہ کے علم کے مطابق ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایمان نہیں تھا جسے اللہ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا تھا۔ جس کو حدیث میں فَكُلُّ مُبَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ (صحیح البخاری، تفسیر سورة اللیل) سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے۔ گویا ابتداءً جس چیز کی وہ تکذیب کر چکے تھے، یہی گناہ ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو اگلے جملے میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ أَهْلًا أَذَانًا لَا يَوْمُونَ * وَلَقَدْ أَقْبَدْنَاهُمْ وَأَبْصَرْنَاهُمْ كَمَا لَهُمْ يَوْمُونَ﴾ (الأنعام: ۱۰۹، ۱۱۰)

(اور تمہیں کیا معلوم ہے یہ تو ایسے (بد بخت) ہیں کہ ان کے پاس نشانیاں بھی آجائیں تب بھی ایمان نہ لائیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے) (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (دیے پھر نہ لائیں گے)۔

۳۔ اس سے بعض نے عہد الست، جو عالم ارواح میں لیا گیا تھا، بعض نے عذاب ٹالنے کے لیے پیغمبروں سے جو عہد کرتے تھے وہ عہد، اور بعض نے عام عہد مراد لیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اور یہ عہد شکنی، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو، فسق ہی ہے۔

۱۰۳۔ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا، (۱) مگر ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھیے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا؟ (۲)

۱۰۴۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔

۱۰۵۔ میرے لیے یہی شایان ہے کہ بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں، (۳) سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ (۴)

۱۰۶۔ فرعون نے کہا، اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کیجیے اگر آپ سچے ہیں۔

۱۰۷۔ پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، سو دفعتاً وہ صاف ایک اژدھا بن گیا۔

۱۰۸۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمُ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ
فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۰۳﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ يُفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾

صَدِّقُنِي عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولُ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ
جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي
إِسْرَآئِيلَ ﴿۱۰۵﴾

قَالَ إِن كُنتَ جئتَ بِآيَةٍ ۖ فَآتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ
الصَّادِقِينَ ﴿۱۰۶﴾

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بِيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ﴿۱۰۸﴾

۱۔ یہاں سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے جو جلیل القدر پیغمبر تھے، جنہیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دے کر بھیجا گیا تھا۔

۲۔ یعنی انہیں غرق کر دیا گیا، جیسا کہ آگے آئے گا۔

۳۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول ہوں۔ اس معجزے اور بڑی دلیل کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔

۴۔ بنی اسرائیل، جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنالیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا، جس کی تفصیل پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ فرعون اور اس کے درباری امراء نے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون سے یہ دوسرا مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ یہ اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت و احترام کی زندگی گزاریں اور اللہ کی عبادت کریں۔

کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔^(۱)

۱۰۹. قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادو گر ہے۔^(۲)

۱۱۰. یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔

۱۱۱. انہوں نے کہا آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجیے اور شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیجیے۔

۱۱۲. کہ وہ سب ماہر جادو گروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔^(۳)

۱۱۳. اور وہ جادو گر فرعون کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟

۱۱۴. فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔^(۴)

قَالَ الْمَلَكُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلَيْهِمْ ۖ

يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۖ

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۖ

يَأْتُونَكَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلِيمٍ ۖ

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَكْبَرَ إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۖ

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَبِنَ الْمُفَرِّقِينَ ۖ

۱. یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دو بڑے معجزے انہیں عطا فرمائے تھے، اپنی صداقت کے لیے انہیں پیش کر دیا۔

۲. معجزے دیکھ کر، ایمان لانے کے بجائے، فرعون کے درباریوں نے اسے جادو قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر جادو گر ہے جس سے اس کا مقصد تمہاری حکومت کو ختم کرنا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا زور اور اس کا عام چلن تھا، اس لیے انہوں نے معجزات کو بھی جادو سمجھا، جن میں سرے سے انسان کا دخل ہی نہیں ہوتا۔ خالص اللہ کی مشیت سے ظہور میں آتے ہیں۔ تاہم اس عنوان سے فرعون کے درباریوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کو بہکانے کا موقع مل گیا۔

۳. حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو گری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو بھی انہوں نے جادو سمجھا اور جادو کے ذریعے سے اس کا توڑ مہیا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا ”اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے؟، پس ہم بھی اس جیسا جادو تیرے مقابلے میں لائیں گے، اس کے لیے کسی ہموار جگہ اور وقت کا ہم تعین کر لیں جس کی دونوں پابندی کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ نو روز کا دن اور چاشت کا وقت ہے، اس حساب سے لوگ جمع ہو جائیں۔“ (ط: ۵۹-۵۷)

۴. جادو گر، چوں کہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لیے ہی شعبہ بازی کا فن سیکھتے تھے، اس لیے انہوں نے موقع غنیمت

قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۝

قَالَ الْقَوْمُ فَلَمَّا آلَقُوا سَحَرُوا عَيْنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ۝

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْبَىٰ لَكُمْ ۝

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

فَغُلِبُوا هُنَاكَ وَانْقَلَبُوا صُغِيرِينَ ۝

۱۱۵۔ ان ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) خواہ آپ ڈالے اور یا ہم ہی ڈالیں؟^(۱)

۱۱۶۔ (موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام) نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو،^(۲) پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور ان پر ہیبت غالب کردی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا۔^(۳)

۱۱۷۔ اور ہم نے موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دیجیے، سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو لگنا شروع کیا۔^(۴)

۱۱۸۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا۔

۱۱۹۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرے۔

جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مطالبہ اجرت، کامیابی کی صورت میں پیش کر دیا، جس پر فرعون نے کہا کہ اجرت ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔

۱۔ جادو گروں نے یہ اختیار اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کی وجہ سے دیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے مقابلے میں موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا معجزہ۔ جسے وہ ایک کرتب ہی سمجھتے تھے۔ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ بہر صورت مہیا کر لیں گے۔

۲۔ لیکن موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام چونکہ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی تائید انہیں حاصل تھی، اس لیے انہیں اپنے اللہ کی مدد کا یقین تھا، لہذا انہوں نے بغیر کسی خوف اور تامل کے جادو گروں سے کہا کہ پہلے تم جو دکھانا چاہتے ہو، دکھاؤ، علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ جادو گروں کے پیش کردہ جادو کا توڑ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف سے معجزانہ انداز میں پیش ہو گا تو یہ لوگوں کے لیے زیادہ متاثر کن ہو گا، جس سے ان کی صداقت واضح تر ہوگی اور لوگوں کے لیے ایمان لانا سہل ہو جائے گا۔

۳۔ بعض آثار میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادو گر ۷۰ ہزار کی تعداد میں تھے۔ بظاہر یہ تعداد مبالغے سے خالی نہیں، جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی میدان میں پھینکی، جو دیکھنے والوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ یہ گویا بزمِ خویش بہت بڑا جادو تھا جو انہوں نے پیش کیا۔

۴۔ لیکن یہ جو کچھ بھی تھا، ایک تحیل، شعبہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے لاٹھی ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور لاٹھی نے ایک خوفناک اثر دھے کی شکل اختیار کر کے سب کچھ نگل لیا۔

وَالْقَى السَّحَرَةُ سُجُودًا ۖ قَالُوا الْمَلَأُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۖ

رَبُّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ

قَالَ فِرْعَوْنُ امْنُتُمْ بِهِ قَبْلَ اَنْ اَذْنَ لَكُمْ اِنْ

هَذَا لَكُم مَلَكُوتُهُ فِي الْمَدِينَةِ لَتُخْرِجُوهُمْ مِنْهَا

اَهْلُهَا قَسُوفَ تَعْلَمُونَ ۖ

لَا قِطْعَنَ اَيِّ يَدِكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ

لَا صَبْرَ لَكُمْ اَجْعَبُونَ ۖ

قَالُوا اِنَّا اِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۖ

۱۲۰۔ اور وہ جو ساحر تھے سجدے میں گر گئے۔

۱۲۱۔ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔^(۱)

۱۲۲۔ جو موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کا بھی رب ہے۔^(۲)

۱۲۳۔ فرعون کہنے لگا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے

ہو بغیر اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بے شک یہ

سازش تھی جس پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شہر میں

تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر

نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔^(۳)

۱۲۴۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف

کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔^(۴)

۱۲۵۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم (مرکر) اپنے مالک ہی

کے پاس جائیں گے۔^(۵)

۱۔ جادوگروں نے جو جادو کے فن اور اس کی اصل حقیقت کو جانتے تھے، یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے جو کچھ یہاں پیش کیا ہے، جادو نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی مدد سے ہی اس نے یہ معجزہ پیش کیا ہے۔ جس نے آن واحد میں ہم سب کے کربوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ باطل، باطل ہے چاہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھالیے جائیں اور حق، حق ہے چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیے جائیں، تاہم حق کا ڈنکا بج کر رہتا ہے۔

۲۔ سجدے میں گر کر انہوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا جس سے فرعونوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے جس کی الوہیت کے وہ قائل تھے، اس لیے انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کا رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب کو ہی کر رہے ہیں۔ لوگوں کے خود ساختہ کسی رب کو نہیں۔

۳۔ یہ جو کچھ ہوا، فرعون کے لیے بڑا حیران کن اور تعجب خیز تھا، اس لیے اسے اور تو کچھ نہیں سوچا، اس نے یہی کہہ دیا کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اور اس کا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ اچھا! اس کا انجام عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

۴۔ یعنی دایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ، پھر یہی نہیں، سولی پر چڑھا کر تمہیں نشان عبرت بھی بنادوں گا۔

۵۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سخت سزا دے گا، اس لیے کہ ہم سب کو مرکر اسی کے پاس جانا ہے، اس کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا فرعون کے عذاب دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا

وَمَا تَقُومُ مِمَّا لَكَ أَنْ امْكَا بِأَيْتِ رَبِّكَ الْهَآ
جَاءَتْكَ رَبَّنَا فَزِعُوا عَلَيْنَا صَابِرًا وَتَوَقَّعْنَا
مُسْلِمِينَ ۝

وَقَالَ الْمَلَكُ مَنْ قَوْمُ فِرْعَوْنَ أَتَدْرِكُ مَوْسَى
وَقَوْمَهُ لِيُقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرِكَ
وَالْهَيْكَلُ قَالَ سَنَقْتُلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي
نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ۝

۱۲۶۔ اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے،^(۱) جب وہ ہمارے پاس آئے؟ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما^(۲) اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔^(۳)

۱۲۷۔ اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں،^(۴) اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں۔^(۵) فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور ہے۔^(۶)

مفہوم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آنی ہی آتی ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا کہ موت سولی پر آئے یا کسی اور طریقے سے؟ ۱۔ یعنی تیرے نزدیک ہمارا یہی عیب ہے۔ جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر تل گیا ہے۔ درآں حالیکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں ہے۔ یہ تو خوبی ہے، بہت بڑی خوبی، کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آگئی تو ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات ٹھکرا دیے اور حقیقت کو اپنایا۔ پھر انہوں نے اپنا روئے سخن فرعون سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔

۲۔ تاکہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو برداشت کر لیں، اور حق میں متضرب اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

۳۔ اس دنیاوی آزمائش سے ہمارے اندر ایمان سے انحراف آئے نہ کسی اور فتنے میں ہم مبتلا ہوں۔

۴۔ یہ ہر دور کے مفسدین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ والوں کو فساد کی دعوت ایمان و توحید کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرعونوں نے بھی یہی کہا۔

۵۔ فرعون کو بھی اگرچہ دعوائے ربوبیت تھا ﴿أَنَّا رَبُّكَ الْأَعْلَى﴾ (النازعات: ۲۲) (میں تمہارا بڑا رب ہوں) (وہ کہا کرتا تھا) لیکن دوسرے چھوٹے چھوٹے معبود بھی تھے جن کے ذریعے سے لوگ فرعون کا تقرب حاصل کرتے تھے۔

۶۔ ہمارے اس انتظام میں یہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ قتلِ ابناء کا یہ پروگرام فرعونوں کے کہنے سے بنایا گیا اس سے قبل بھی جب موسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت نہیں ہوئی تھی، موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد از ولادت خاتمے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے بعد ان کو بچانے کی یہ تدبیر کی کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو خود فرعون کے محل میں پہنچوا کر اسی کی گود میں ان کی پرورش کروائی۔ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا۔

۱۲۸. موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنادے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔^(۱)

۱۲۹. قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی^(۲) اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔^(۳) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنادے گا پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔^(۴)

۱۳۰. اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔^(۵)

۱۳۱. سو جب ان پر خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔^(۶)

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

قَالُوا أَوَلَوْ بَيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدُ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَلَىٰ رُبِّكَ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَيُسَخَّرَ خَلِيفَتُكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسَّيِّئِ وَنَقِصٍ مِنَ الثَّمَرِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿١٣٠﴾

فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا إِنَّ هَذِهِ بَارَأَ تَصْنِيعُ رَبِّنَا ۚ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ السَّيِّئَةُ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَلَّا إِنَّمَا طَّيَّرَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنْ آكَّرَهُمْ

۱. جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمہیں ہی ملے گا۔

۲. یہ اشارہ ہے ان مظالم کی طرف جو ولادت موسیٰ (علیہ السلام) سے قبل ان پر ہوتے رہے۔

۳. جادو گروں کے واقعے کے بعد ظلم و ستم کا یہ نیا دور ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے آنے کے بعد شروع ہوا۔

۴. حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کرے، زمین میں تمہیں اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور پھر تمہاری آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ ابھی تو تکلیفوں کے ذریعے سے آزمائے جا رہے ہو، پھر انعام و اکرام کی بارش کرے اور اختیار و اقتدار سے بہرہ مند کرے تمہیں آزمایا جائے گا۔

۵. اَلْ فِرْعَوْنُ سے مراد، فرعون کی قوم ہے۔ اور سَيْنِينَ سے قحط سالی۔ یعنی بارش کے فقدان اور درختوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ مقصد اس آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور استکبار سے باز آجائیں جس میں وہ مبتلا تھے۔

۶. حَسَنَةً (بھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فراوانی اور سَيِّئَةً (برائی) سے اس کے برعکس اور قحط سالی اور پیداوار میں کمی۔ حَسَنَةً کا سارا کریڈٹ خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور بدحالی کا سبب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان پر

لَا يَعْكِبُونَ ﴿۱۶﴾

یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، ^(۱) لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۱۳۲. اور یوں کہتے کیسی ہی بات ہمارے سامنے لاؤ کہ ان کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ ^(۲)

۱۳۳. پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیرا اور مینڈک اور خون، کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔ ^(۳) سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی جرائم پیشہ۔

۱۳۴. اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) ہمارے لیے اپنے رب سے اس

وَقَالُوا مَهْمَا كُنَّا تَابَ مِنْ آيَةٍ لَّنَسْحَرَنَّا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۸﴾

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لِمُوسَى اذْعُرْنَا رَبَّنَا بِمَا عٰهَدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كُنْتُمْ عَلٰنَا

ایمان لانے والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی نحوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑ رہے ہیں۔

۱. طَائِرُ کے معنی ہیں ”اڑنے والا“ یعنی پرندہ۔ چوں کہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فالی یا بد فالی لیا کرتے تھے اس لیے یہ لفظ مطلق فال کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر یا شر، جو خوش حالی یا قحط سالی کی وجہ سے انہیں پہنچتا ہے، اس کے اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار اس کا سبب نہیں۔ ﴿ظَلِمُوهُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ کا مطلب ہو گا کہ ان کی بدشگونی کا سبب اللہ کے علم میں ہے اور وہ ان کا کفر و انکار ہے نہ کہ کچھ اور۔ یا اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ ان کا کفر ہے۔

۲. یہ اسی کفر و جود کا اظہار ہے جس میں وہ مبتلا تھے، اور معجزات و آیات الہی کو اب بھی وہ جادو گری باور کرتے یا کراتے تھے۔

۳. طوفان سے سیلاب یا کثرت بارش۔ جس سے ہر چیز غرق ہو گئی۔ یا کثرت اموات مراد ہے، جس سے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ جَرَادٌ ٹڈی کو کہتے ہیں، ٹڈی دل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لیے مشہور ہے۔ یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا کر چٹ کر جاتیں۔ قُمَّلٌ سے مراد جوئیں ہیں جو انسان کے جسم، کپڑے اور بالوں میں ہو جاتی ہیں یا گھن کا کیرا ہے جو غلے میں لگ جاتا ہے تو اس کے بیشتر حصے کو ختم کر دیتا ہے۔ جوؤں سے انسان کو گھن بھی آتی ہے اور اس کی کثرت سے سخت پریشانی بھی۔ اور جب یہ بطور عذاب ہوں تو اس سے لاحق ہونے والی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح گھن کا عذاب بھی معیشت کو کھوکھلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ ضَفَادِعُ، ضَفْدَعَةٌ کی جمع ہے یہ مینڈک کو کہتے ہیں جو پانی اور جوہڑوں، چھپڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ مینڈک ان کے کھاناؤں میں، بستروں میں، ایلے ہوئے غلوں میں غرض ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے، جس سے ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا حرام ہو گیا۔ دَمٌ (خون) سے مراد ہے پانی کا خون بن جانا، یوں پانی پینا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ بعض نے خون سے مراد نکسیر کی بیماری لی ہے۔ یعنی شرش کی ناک سے خون جاری ہو گیا آیات مُّفَصَّلَاتٌ یہ کھلے کھلے اور جدا جدا معجزے تھے، جو وقفے وقفے سے ان کے پاس آئے۔

الرَّجَزِ لَكُمْ مِّنْكَ وَلَئِذَا سَأَلَكَ رَبُّكَ بِبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ

بات کی دعا کر دیجیے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے، اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹادیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔

فَلَمَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَلِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ ۖ

۱۳۵۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے، تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔^(۱)

فَإِن تَقَمَّضْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَيْنَهُمُ الْيَوْمَ يَأْتُهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَمَّا غَفِلِينَ ۖ

۱۳۶۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔^(۲)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَتَكُنَّ كَلْبَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ

۱۳۷۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے۔^(۳) اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے^(۴) اور آپ کے

۱۔ یعنی ایک عذاب آتا تو اس سے تنگ آکر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے، ان کی دعا سے وہ ٹل جاتا تو ایمان لانے کے بجائے پھر اس کفر و شرک پر جتے رہتے۔ پھر دوسرا عذاب آجاتا تو پھر اسی طرح کرتے۔ یوں کچھ کچھ وقفوں سے پانچ عذاب ان پر آئے۔ لیکن ان کے دلوں میں جو رعونت اور دماغوں میں جو تکبر تھا، وہ حق کی راہ میں ان کے لیے زنجیر پابنا رہا اور اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔

۲۔ اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بالآخر انہیں دریا میں غرق کر دیا گیا، جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

۳۔ یعنی بنی اسرائیل کو، جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھتا تھا۔ اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنادیا۔ ﴿وَتُعْزَمُنْ نَّشَأُ وَتُدَلُّ مَنْ نَّشَأُ﴾ - (آل عمران: ۲۶)

۴۔ زمین سے مراد شام کا علاقہ فلسطین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے علاقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا، شام میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوشع بن نون نے علاقہ کو شکست دے کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ اور زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں، یعنی شام کے علاقے میں۔ جو بکثرت انبیاء کا مسکن و مدفن رہا اور ظاہری شادابی اور خوش حالی میں بھی ممتاز ہے۔ یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کی

رب کا نیک وعدہ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا^(۱) اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔^(۲)

۱۳۸۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔^(۳)

۱۳۹۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔^(۴)

بِمَا صَبَرُوا وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۹﴾

وَجَوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَبْكُمُونَ عَلَىٰ أَصْنَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا بَنُو سُبُحٰی اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالُوا لَكُمْ قَوْمٌ يَّجْهَلُونَ ﴿۱۰﴾

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَآثِرَهُمْ فِیْهِ وَبِطِلَ مَا كَانُوا یَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

برکتوں سے یہ زمین مالا مال رہی ہے۔ مشارق مشرق کی جمع اور مغارب مغرب کی جمع ہے۔ حالانکہ مشرق اور مغرب ایک ایک ہی ہیں۔ جمع سے مراد اس ارض بابرکت کے مشرقی اور مغربی حصے ہیں یعنی جہات مشرق و مغرب۔

۱۔ یہ وعدہ وہی ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کی زبانی آیت ۱۲۸، ۱۲۹ میں فرمایا گیا ہے اور سورہ قصص میں بھی: ﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَتْبَعًا وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾ * وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِمَّا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۲۵﴾ (القصص: ۲۵) (ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت و طاقت دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے ہیں) اور یہ فضل و احسان اس صبر کی وجہ سے ہوا جس کا مظاہرہ انہوں نے فرعونی مظالم کے مقابلے میں کیا۔

۲۔ مصنوعات سے مراد کارخانے، عمارتیں اور ہتھیار وغیرہ ہیں اور یَعْرِشُونَ (جو وہ بلند کرتے تھے) سے مراد اونچی اونچی عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں اور انگوڑوں وغیرہ کے باغات بھی جو وہ چھپروں پر پھیلاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شہری عمارتیں، ہتھیار اور دیگر سامان بھی تباہ کر دیا اور ان کے باغات بھی۔

۳۔ اس سے بڑی جہالت اور نادانی کیا ہوگی کہ جس اللہ نے انہیں فرعون جیسے بڑے دشمن سے نہ صرف نجات دی، بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا اور انہیں معجزانہ طریق سے دریا عبور کروایا۔ وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبود تلاش کرنے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ یہ بت گائے کی شکل کے تھے جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔

۴۔ یعنی یہ مورتیوں کے پجاری جن کے حال نے تمہیں بھی دھوکے میں ڈال دیا، ان کا مقدر تباہی اور ان کا یہ فعل باطل

۱۴۰. فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کردوں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔^(۱)

۱۴۱. اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔^(۲)

۱۴۲. اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور مزید دس راتوں سے ان تیس راتوں کو پورا کیا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس راتوں کا ہو گیا۔^(۳) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ میرے بعد ان کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔^(۴)

قَالَ اَغَيْرَ اللَّهِ اَبْوَيْكُمْ اَلِهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۹﴾

وَإِذْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ يَسُومُكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَقْتُلُوْنَ اِبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكَ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾

وَوَعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَّيْلَةً وَّاَنصَبْنٰهَا بِعَشْرِ فَنَمَّ مِّمَّاتٍ رَبِّهٖ اَرْبَعِيْنَ لَّيْلَةً ﴿۱۱﴾ وَقَالَ مُوسٰى لِخَبِيْثٍ مُّهْرُوْنَ اَخْلَفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور خسارے کا باعث ہے۔

۱. کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمہیں جہانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمہارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ ہے۔

۲. یہ وہی آزمائشیں ہیں جن کا ذکر سورہ بقرہ میں بھی گزرا اور سورہ ابراہیم میں بھی آئے گا۔

۳. فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی کتاب انہیں دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جاتے وقت حضرت ہارون (علیہ السلام) کو - جو ان کے بھائی بھی تھے اور نبی بھی - اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انہیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

۴. حضرت ہارون (علیہ السلام) خود نبی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں محض تذکر و تنبیہ کے طور پر یہ نصیحتیں کیں، میقات سے یہاں مراد وقت معین ہے۔

۱۳۳۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وقت مقرر پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے^(۱) لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرچے اڑا دیے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔^(۲) پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں۔^(۳)

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبِيعَاتِنَا وَكَلَّمَ رَبَّهُ قَالَ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرُ لِيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰنِيْ وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانًا فَسَوْفَ تَرٰنِيْ فَلََمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبَدِّلُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۔ جب موسیٰ (علیہ السلام) طور پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی، تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے دل میں اللہ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا، اور اپنے اس شوق کا اظہار ربّ آرینی کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَنْ تَرٰنِيْ ”تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا“ اس سے استدلال کرتے ہوئے معقل نے کہا کہ لَنْ نَفْعِيْ تَأْيِيْدُ (ہیشہ کی نفی) کے لیے آتا ہے۔ اس لیے اللہ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ لیکن معقل کا یہ مسلک صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ متواتر، صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان اللہ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الہی سے مشرف ہوں گے۔ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس نفی رویت کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرما دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکیں گی۔

۲۔ یعنی وہ پہاڑ بھی رب کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے، (یہ بے ہوشی امام ابن کثیر کے بقول میدان محشر میں اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے نزول اجلال فرمائے گا) اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انہیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں میدان محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔“

(صحیح البخاری، تفسیر سورة الاعراف - صحیح مسلم، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

۳۔ تیری عظمت و جلالت کا اور اس بات کا کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، دنیا میں تیرے دیدار کا محتمل نہیں ہو سکتا۔

۱۴۴. ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔^(۱)

۱۴۵. اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی،^(۲) تم ان کو پوری طاقت سے پڑ لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں،^(۳) اب بہت جلد تم لوگوں کو ان فاسقوں کا مقام دکھلاتا ہوں۔^(۴)

۱۴۶. میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں،^(۵) اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس

قَالَ يُؤْمِنُ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
بِرِسَالَتِي وَبِحُكْمِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ
مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝

وَكُنْتَنَالُهُ فِي الْاَلْوَارِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً
وَوَقُصُّبِكُمْ لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ
قَوْمَكَ بِأَخْذِهَا سَامِرًا لِّقَوْمِكَ دَارَ
الْقَيِّمِينَ ۝

سَاوَرُ عَنْ اَلَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَرَوْا كُلَّ اِيَةٍ اَوْ
يُؤْمِنُوْهَا وَاِنْ يَرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَخُذُوْهُ
سَبِيْلًا وَاِنْ يَرَوْا سَبِيْلَ الْاِنْعٰى يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ يَاۤ اَهُلُّهُ كَذٰبًا لِّتَنَالُوْا

۱. یہ ہم کلامی کا دوسرا موقعہ تھا جس سے حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو مشرف کیا گیا۔ اس سے قبل جب آگ لینے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی سے نوازا تھا اور پیغمبری عطا فرمائی تھی۔

۲. گویا تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی جس میں ان کے لیے دینی احکام، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کی پوری تفصیل تھی۔
۳. یعنی رخصتوں کی ہی تلاش میں نہ رہیں جیسا کہ سہولت پسندوں کا حال ہوتا ہے۔

۴. مقام (دار) سے مراد یا تو انجام یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمہیں حکمرانی عطا کروں گا اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت علاقہ کی حکمرانی تھی۔ جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر)

۵. تکبر کا مطلب ہے اللہ کی آیات و احکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گرداننا۔ یہ تکبر، انسان کے لیے زہبا نہیں۔ کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر، خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام و ہدایات سے اعراض و غفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی لیے تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر کا نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں آیات الہی سے دور ہی رکھتا ہے اور پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انہیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّقَتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ * وَلَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى يَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس: ۹۶-۹۷) (جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے۔ حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں)۔

عَنْهَا غُفْلِينَ ۝

کو اپنا طریقہ بنالیں۔^(۱) یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔^(۲)

۱۳۷۔ اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب اعمال غارت گئے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔^(۳)

۱۳۸۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا معبود ٹھہرایا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام کیا۔^(۴)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ
حَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ
حَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝

۱۔ اس میں احکام الہی سے اعراض کرنے والوں کی ایک اور عادت یا نفسیات کا بیان ہے کہ بدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے، البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا لیتے اور راہ عمل بنالیتے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی یہی کچھ دیکھ رہے ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو ہر کوئی لپک لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

۲۔ یہ اس بات کا سبب بتلایا جا رہا ہے کہ لوگ نیکی کے مقابلے میں بدی کو اور حق کے مقابلے میں باطل کو کیوں زیادہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سبب ہے آیات الہی کی تکذیب اور ان سے غفلت و اعراض کا۔ یہ ہر معاشرے میں عام ہے۔

۳۔ اس میں آیات الہی کی تکذیب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس عدل و حق نہیں، ظلم و باطل ہے۔ اس لیے ان کے نامہ اعمال میں شر ہی شر ہوگا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہوگی۔ ہاں اس شر کا بدلہ ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔

۴۔ موسیٰ (علیہ السلام) جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک بچھڑا تیار کیا جس میں اس نے جبریل (علیہ السلام) کے گھوڑے کے سموں کے بیچے کی مٹی بھی، جو اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی شامل کر دی، جس میں اللہ نے زندگی کی تاثیر رکھی تھی، جس کی وجہ سے بچھڑا کچھ کچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ (گو واضح کلام کرنے اور رہنمائی کرنے سے عاجز تھا جیسا کہ قرآن کے الفاظ واضح کر رہے ہیں) اس میں اختلاف ہے کہ وہ فی الواقع گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا تھا، یا تھا وہ سونے کا ہی۔ لیکن کسی طریقے سے اس میں ہوا داخل ہوتی تو گائے، بیل کی سی آواز اس میں سے نکلتی۔ (ابن کثیر) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ تمہارا معبود تو یہ ہے، موسیٰ (علیہ السلام) بھول گئے ہیں اور وہ معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔ (یہ واقعہ سورہ طہ میں آئے گا)

۱۴۹۔ اور جب نادم ہوئے^(۱) اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔

۱۵۰۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی بری جانشینی کی؟ کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی، اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں^(۲) اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے ماں جانے!^(۳) ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں^(۴) تو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنساؤ^(۵) اور مجھ کو ان ظالموں میں مت

وَلَبَّاسِقَطٍ فِي آيِدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا الْفُتُولَ الْإِنِّ لَمْ يَرْحَمْنَا وَيَعْفُورَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

وَلَبَّاسِقَطٍ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضَبًا أَنْفًا قَالَ بِسْمِ اللَّهِ خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَفْجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقُوا الْأَوْتَاحَ وَآخَذُوا بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجْحَدُوا لِي قَالَ ابْنَ أَمْرٍ أَنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْنِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشَبِّهْ بِي الْإِصْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

۱۔ سَقَطَ فِي آيِدِيهِمْ محاورہ ہے جس کے معنی نادم ہونا ہیں، یہ ندامت موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی کے بعد ہوئی، جب انہوں نے آکر اس پر ان کی زجر و توبیخ کی، جیسا کہ سورہ طہ میں ہے۔ یہاں اسے مقدم اس لیے کر دیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول اکٹھا ہو جائے۔ (فتح القدیر)

۲۔ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے آکر دیکھا کہ وہ پھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو سخت غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تختیاں بھی، جو کہ طور سے لائے تھے، ایسے طور پر رکھیں کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ انہوں نے نیچے پھینک دی ہیں، جسے قرآن نے ”ڈال دیں“ سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم اگر پھینک بھی دی ہوں تو اس میں سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا، بلکہ دینی غیرت و حمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔

۳۔ حضرت ہارون (علیہ السلام) و موسیٰ (علیہ السلام) آپس میں سکے بھائی تھے، لیکن یہاں حضرت ہارون (علیہ السلام) نے ”ماں جانے“ اس لیے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔

۴۔ حضرت ہارون (علیہ السلام) نے یہ اپنا عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے جرم عظیم سے روکنے میں ناکام رہے۔ ایک اپنی کمزوری اور دوسرا بنی اسرائیل کا عناد اور سرکشی کہ وہ انہیں قتل تک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے اور انہیں اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہونا پڑا، جس کی اجازت ایسے موقعوں پر اللہ نے دی ہے۔

۵۔ میری ہی سرزنش کرنے سے دشمن خوش ہوں گے، جب کہ یہ موقع تو دشمنوں کی سرکوبی اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کا ہے۔

شمار کرو۔^(۱)

۱۵۱. موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب! میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

۱۵۲. بے شک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی^(۲) اور ہم افتراء پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔^(۳)

۱۵۳. اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا، رحمت کرنے والا ہے۔^(۴)

۱۵۴. اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھالیا اور ان کے مضامین میں^(۵) ان لوگوں کے لیے

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخْوَتِي وَادْخُلْنِي رَحْمَتَكَ
وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَأْتِيهِمْ عَذَابٌ مِنْ
رَبِّهِمْ وَذُلٌّ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي
الْمُفْتَرِينَ ۝

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا
وَأَمَّنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْاَلْوَاحَ
وَفِي سَمْعِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِإِخْوَتِهِمْ

۱. اور ویسے بھی عقیدہ و عمل میں مجھے کس طرح ان کے ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے؟ میں نے نہ شرک کا ارتکاب کیا، نہ اس کی اجازت دی، نہ اس پر خوش ہوا، صرف خاموش رہا اور اس کے لیے بھی میرے پاس معقول عذر موجود ہے، پھر میرا شمار ظالموں (مشرکوں) کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا مانگی۔

۲. اللہ کا غضب یہ تھا کہ توبہ کے لیے قتل ضروری قرار پایا۔ اور اس سے قبل جب تک جیتے رہے، ذلت و رسوائی کے وہ مستحق قرار پائے۔

۳. اور یہ سزا ان ہی کے لیے خاص نہیں ہے، جو بھی اللہ پر افتراء کرتا ہے، اس کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔

۴. ہاں جنہوں نے توبہ کر لی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔

۵. نُسَخَّةٌ، فُعْلَةٌ کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔ یہ اس اصل کو بھی کہتے ہیں جس سے نقل کیا جائے اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں نسخہ سے مراد یا تو وہ اصل الواح ہیں جن پر تورات لکھی گئی تھی، یا اس سے مراد وہ دوسرا نسخہ ہے جو تختیاں زور سے پھینکنے کی وجہ سے ٹوٹ جانے کے بعد اس سے نقل کر کے تیار کیا گیا تھا۔ تاہم صحیح بات پہلی

يَرْهَبُونَ ﴿١٥٥﴾

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا يُحِبُّونَ ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّحْمَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِنِّي أَهْلَكَ لِيَأْمُرُوا بِفَعْلِ الشُّفَهَاءِ وَمِنَ الْهَىٰ الْاِفْتِنَتِكَ تَضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۚ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٦﴾

جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی۔^(۱)
۱۵۵۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین کے لیے منتخب کیے، پھر جب ان کو زلزلہ نے آپکڑا^(۲) تو موسیٰ (علیہ السلام) عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے مگر ابھی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔^(۳)

ہی لگتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان ”تختیوں کو اٹھالیا“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں۔ بہر حال اس کا مرادی مفہوم ”مضامین“ ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

۱۔ تورات کو بھی، قرآن کریم کی طرح، انہی لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ اصل فائدہ آسانی کتابوں سے ایسے ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ تو چونکہ اپنے کانوں کو حق کے سننے سے، آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے بند کیے ہوئے ہوتے ہیں، اس چشمہ فیض سے وہ بالعموم محروم ہی رہتے ہیں۔

۲۔ ان ستر آدمیوں کی تفصیل اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے اور انہیں کوہ طور پر لے گئے، جہاں بطور عذاب انہیں ہلاک کر دیا گیا، جس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا.....

۳۔ بنی اسرائیل کے یہ ستر آدمی کون تھے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے تورات کے احکام انہیں سنائے تو انہوں نے کہا ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے؟ ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں، اسے نہیں مانیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ستر برگزیدہ آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے ہمکلام ہوا جسے ان لوگوں نے بھی سنا۔ لیکن وہاں انہوں نے ایک نیا مطالبہ کر دیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے پچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لیے کوہ طور پر لے جائے گئے تھے اور وہاں جاکر انہوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنہوں نے بنی اسرائیل کو پچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن انہیں اس سے

۱۵۶۔ اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔^(۲) تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۵۷۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔^(۳) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي
الْآخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاكَ اَلَيْكَ قَالَ عَذَابِيْ
بِهِمْ مِنْ اَشْأَا وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
فَمَا كُذِّبُوا الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُوْنُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اَلَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ الرَّسُوْلَ الْبَرَّ الْاُمِّيَّ
الَّذِيْ يَحْدُوْهُ كَتُوْا بَعْدَ هُمْ فِي التَّوْرَةِ
وَالْاِنْجِيْلِ يٰۤاُمَرٰهُم بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ

منع نہیں کیا۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنہیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کے لیے چنایا تھا، وہاں جا کر انہوں نے اللہ سے دعائیں کیں۔ جس میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ ”یا اللہ ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما، جو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا نہیں کیا اور نہ آئندہ وہ کسی کو عطا کرنا۔“ اللہ تعالیٰ کو یہ دعا پسند نہیں آئی، جس پر وہ زلزلے کے ذریعے سے ہلاک کر دیے گئے۔ زیادہ مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں اور انہوں نے وہی واقعہ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ آیت: ۵۶ میں آیا ہے۔ جہاں ان پر صَاعِقَةٌ (بجلی کی کڑک) سے موت وارد ہونے کا ذکر ہے اور یہاں رَجْفَةٌ (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا والتجاء کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے قبل اس وقت ہلاک کرتا جب یہ بچھڑے کی عبادت میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔

۱۔ یعنی توبہ کرتے ہیں۔

۲۔ یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ۱۰۰ حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۴۱۰۸۔ وابن ماجہ: ۴۲۹۳)

۳۔ یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کے لیے نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں اور ایمان وہی معتبر ہے جس کی تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے بھی تصور ”وحدت ادیان“ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

الْمُنْكَرَ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ
الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَإِذْ يُنَادِيَنَّ الْمُنَادِي
وَعَزَّازًا وَقَدْ أَمَرُوا أَنْ تُصَلُّوا وَتُحْمَلُوا إِلَى
الْأَعْرَافِ فَتَقُولُنَّ أُولَٰئِكَ مُلَكٌ مِّنْ مَّلَكُوتٍ

بری باتوں سے منع کرتے ہیں^(۱) اور پاکیزہ چیزوں کو حلال
بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں
اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے^(۲) ان کو دور
کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان
کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس
نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے
لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔^(۳)

۱۵۸. آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف
اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
جَمِيعًا إِنِّي أَنَا اللَّهُ الْمَلِكُ السَّمِيعُ

۱. معروف، وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور منکر، وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔

۲. یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں جو پچھلی شریعت میں تھے، مثلاً نفس کے بدلے نفس کا قتل ضروری تھا، (دیت یا معافی نہیں
تھی) یا جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی، اس کا قطع کرنا ضروری تھا، شریعت اسلامیہ نے اسے صرف دھونے کا حکم دیا۔
جس طرح قصاص میں دیت اور معافی کی بھی اجازت دی۔ وغیرہ اور آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ”مجھے آسان دین
حنیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔“ (مسند احمد: جلد ۵، ص ۲۶۶، جلد ۶، ص ۱۱۶، ۲۳۳) لیکن افسوس! اس امت نے اپنے طور پر رسوم
ورواج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب گلو کر لیے ہیں، جن سے شادی اور مرگ
دونوں عذاب بن گئے ہیں۔ هَذَا هَا اللَّهُ تَعَالَىٰ.

۳. ان آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر
ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ کامیاب نہیں،
خاسر اور ناکام ہوں گے۔ علاوہ ازیں کامیابی سے مراد بھی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم رسالت محمدیہ
پر ایمان نہ رکھتی ہو اور اسے دنیاوی خوش حالی و فراوانی حاصل ہو۔ جس طرح اس وقت مغربی اور یورپی اور دیگر بعض
قوموں کا حال ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی یا کافر و مشرک ہونے کے باوجود مادی ترقی اور خوش حالی میں ممتاز ہیں۔
لیکن ان کی یہ ترقی عارضی و بطور امتحان و استدراج ہے۔ یہ ان کی اخروی کامیابی کی ضمانت یا علامت نہیں۔ اسی طرح
﴿وَاتَّبِعُوا التَّوْرَةَ الَّتِي أَنزَلْنَا مَعَكَ﴾ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورۃ المائدہ کی آیت: ۱۵ میں نور سے مراد قرآن
مجید ہی ہے۔ (جیسا وہاں بھی وضاحت کی گئی تھی) کیوں کہ جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہی ہے۔
اس لیے اس ”نور“ سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مراد نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ آپ کی صفات میں ایک
صفت نور بھی ہے۔ جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ لیکن آپ کے نوری صفت ہونے سے آپ کا نورِ بین
نورِ اللہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل بدعت یہ ثابت کرتے ہیں۔ (مزید دیکھیے سورۃ المائدہ آیت: ۱۵ کا حاشیہ)

آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آ جاؤ۔^(۱)

۱۵۹۔ اور قوم موسیٰ (علیہ السلام) میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتی ہے۔^(۲)

۱۶۰۔ اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی^(۳) اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا

وَالْأَرْضُ لِلَّهِ الْكَافِرُ مَعِيَ وَيُذِيتُ قَامُوا
يَاللَّهُ وَرَسُولُهُ النَّبِيُّ الْأَكْبَرُ الَّذِي يُمْرِنُ
يَاللَّهُ وَكَلِمَتِهِ وَأَتَعَوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ^(۴)

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَيَذِ
يَعْبُدُونَ^(۵)

وَقَطَّعْنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشَرَ أَسْبَاطًا أُمَمًا
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَن
اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

۱۔ یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ ﷺ پوری بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ ﷺ کو النَّبِيُّ الْأَكْبَرُ کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں ان پڑھ۔ یعنی آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ نہ نہیں کیے، کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء عاجز آ گئے اور آپ نے جو تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی ایک دنیا معترف ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں ورنہ ایک امی نہ ایسا قرآن پیش کر سکتا ہے اور نہ ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انہیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن و سکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

۲۔ اس سے مراد وہی چند لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔

۳۔ أَسْبَاطُ، سِبْطُ کی جمع ہے۔ بمعنی پوتا۔ یہاں اسباط قبائل کے معنی میں ہیں۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے معرض وجود میں آئے، ہر قبیلے پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نقیب (نگران) بھی مقرر فرمادیا تھا، ﴿وَبَعَدْنَا مِنْهُمْ اثْنَتَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ (المائدہ: ۱۲) یہاں اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کے بعض بعض صفات میں ایک ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ گروہ ہونے کو بطور امتنان کے ذکر فرما رہا ہے۔

کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کی جگہ (گھاٹ) معلوم کر لیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کو سایہ فگن کیا اور ان کو من و سلویٰ (ترنجبین اور بیڑیں) پہنچائیں، کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

۱۶۱۔ اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دیں گے۔

۱۶۲۔ سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔^(۱)

۱۶۳۔ اور آپ ان لوگوں سے،^(۲) اس بستی والوں کا^(۳) جو کہ دریائے (شور) کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھیے جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان

عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ
وَكُلَّكُنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ
الْمَنَ وَالسَّلْوٰی طُغْرًا مِّنْ طَبِیَّتِ مَا
رَزَّ قُلُوبُكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا
أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۹﴾

وَأَذَقِلَ لَهُمُ اسْتَوَاهِدِ الْقَرْيَةَ
وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا
حِطَّةٌ ۚ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيئَتَكُمْ سَتُؤْتُونَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰﴾

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ يَمَاسُ كَانُوا
يَظْلِمُونَ ﴿۱۱﴾

وَسَأَلْنَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ
حَاضِرَةً الْبَحْرِ اذْ يَعُدُّونَ فِي السَّبْتِ اِذْ
تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَكَا
وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذٰلِكَ

۱۔ ۱۶۰ تا ۱۶۲ آیات میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، یہ وہ ہیں جو پارہ الم، سورہ بقرہ کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائی جائے۔

۲۔ وَسَأَلْنَهُمْ میں «ہم» ضمیر سے مراد یہود ہیں۔ یعنی ان سے پوچھیے۔ اس میں یہودیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس واقعے کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی ہے جو آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر آپ ﷺ کو اس واقعے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔

۳۔ اس بستی کی تعیین میں اختلاف ہے، کوئی اس کا نام ایلہ کوئی طبریہ کوئی لیلیا اور کوئی شام کی کوئی بستی، جو سمندر کے قریب تھی، بتاتا ہے۔ مفسرین کا زیادہ رجحان «ایلہ» کی طرف ہے جو مدین اور کوبہ طور کے درمیان دریائے قلزم کے ساحل پر تھی۔

يَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِفُونَ ﴿۳۱﴾

کے سامنے آتی تھیں، اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔^(۱)

۱۶۴۔ اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟^(۲) انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔

۱۶۵۔ سو جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا^(۳) تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت

وَاذْ قَالَتْ اُمَمَةٌ مِّنْهُمْ لَمَّا نَحْنُ نَحْمِلُكُمْ قَوْمًا يَّالَهُ مَوْلَاهُمْ اَوْ مَعَدَّيْهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا اَقَالُوا مَعَدْرَةَ اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾

فَلَمَّا كَسَبُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ اَنْجَبْنَا الَّذِيْنَ يَهْتَمُّونَ عَنِ الشُّعْرِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا عِندَ اِيْبٍ مِّنْ

۱۔ جیتنا حُوت (مچھلی) کی جمع ہے۔ شُرْعًا شَارِع کی جمع ہے۔ معنی ہیں پانی کے اوپر ابھر ابھر کر آنے والیاں۔ یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہیں جس میں انہیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو ہو کر انہیں دعوت شکار دیتیں۔ اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آتیں۔ بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انہیں پکڑ لیتے۔

۲۔ اس جماعت سے صالحین کی وہ جماعت مراد ہے جو اس حیلہ کا ارتکاب بھی نہیں کرتی تھی اور حیلہ گروں کو سمجھا سمجھا کر ان کی اصلاح سے مایوس بھی ہو گئی تھی۔ تاہم کچھ اور لوگ بھی سمجھانے والے تھے جو انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ صالحین کی یہ جماعت انہیں یہ کہتی کہ ایسے لوگوں کو وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ جن کی قسمت میں ہلاکت و عذاب الہی ہے۔ یا اس جماعت سے وہی نافرمان اور تجاوز کرنے والے مراد ہیں، جب ان کو وعظ کرنے والے نصیحت کرتے تو یہ کہتے کہ جب تمہارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں کیوں وعظ کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے معذرت پیش کرنے کے لیے تاکہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ معصیت الہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی جرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آجائیں۔ پہلی تفسیر کی رو سے یہ تین جماعتیں ہوں گی۔ (۱) نافرمان اور شکار کرنے والی جماعت، (۲) وہ جماعت جو بالکل کنارہ کش ہو گئی، نہ وہ نافرمانوں میں تھی نہ منع کرنے والوں میں (۳) وہ جماعت جو نافرمان بھی نہیں تھی۔ اور بالکل کنارہ کش بھی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ نافرمانوں کو منع کرتی تھی۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک نافرمانوں کی اور دوسری منع کرنے والوں کی۔

۳۔ یعنی وعظ و نصیحت کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور نافرمانی پر اڑے رہے۔

يَسْأَلُونَ ۝۱۵

سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔^(۱)

۱۶۶۔ یعنی جب وہ، جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا تم ذلیل بندر بن جاؤ۔^(۲)

۱۶۷۔ اور وہ وقت یاد کرنا چاہیے کہ آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا،^(۳) بلاشبہ آپ کا رب جلدی ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔^(۴)

۱۶۸۔ اور ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ بعض ان میں نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح تھے

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝۱۶

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُوءُ سَوَاءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۝۱۷ وَإِنَّ لَغَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۸

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِنْهُمْ الضَّالُّونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ

۱۔ یعنی وہ ظالم بھی تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انہیں جہنم کا ایندھن بنالیا اور فاسق بھی، کہ اللہ کے حکموں سے سرتابی کو انہوں نے اپنا شیوہ اور وطیرہ بنالیا۔

۲۔ عَتَوْا کے معنی ہیں، جنہوں نے اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ نجات پانے والے صرف وہی تھے، جو منع کرتے تھے اور باقی دونوں عذاب الہی کی زد میں آئے؟ یا زد میں آنے والے صرف معصیت کار تھے؟ اور باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں؟ امام ابن کثیر نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔

۳۔ تَأَذَّنَ، إِذْ تَأَذَّنَ بمعنی إِعْلَامٌ (خبر دینا، بتلادینا) سے باب تفعّل ہے۔ یعنی وہ وقت بھی یاد کرو! جب آپ کے رب نے ان یہودیوں کو اچھی طرح باخبر کر دیا یا بتلادیا تھا لَيَبْعَثَنَّ میں لام تاکید ہے جو قسم کے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گے، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و مسکنت اور غلامی و محکومی کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے۔ اسرائیل کی موجودہ حکومت قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ وہ قرآن ہی کے بیان کردہ استثناء وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی مظہر ہے جو قرآنی حقیقت کے خلاف نہیں بلکہ اس کی مؤید ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے آل عمران: ۱۱۲ کا حاشیہ)۔

۴۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس ذلت و سوء عذاب سے بچ جائے گا۔

وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۹﴾

اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجائیں۔^(۱)

۱۶۹۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے^(۲) کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا وہ اس دنیائے فانی کا مال و متاع لے لیتے ہیں^(۳) اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی^(۴) حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال و متاع آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں،^(۵) اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا^(۶) اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔

۱۷۰۔ اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔^(۷)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَصَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَصٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ نَبِإُ الْكِتَابِ أَن لَّا يُقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَاللَّذَّارِ الْأُخْرَىٰ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۷۰﴾

وَالَّذِينَ يَمْسِكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُوَسِّعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۷۱﴾

- ۱۔ اس میں یہود کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے اور ان میں سے بعض کے نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کو دونوں طریقوں سے آزمائے جانے کا بیان ہے کہ شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔
- ۲۔ خَلَفَ (لام پر فتح کے ساتھ) اولاد صالح کو اور خَلَفَ (بِسُكُونِ اللَّامِ) نالائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی ناخلف کی ترکیب نالائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔
- ۳۔ أَدْنَىٰ، دُنُو (قرب) سے ماخوذ ہے یعنی قریب کا مال حاصل کرتے ہیں جس سے دنیا مراد ہے یا یہ دَنَاءَةٌ سے ماخوذ ہے جس سے مراد حقیر اور گرا پڑا مال ہے۔ مطلب دونوں سے ان کے دنیا کے مال و متاع کے حرص کی وضاحت ہے۔
- ۴۔ یعنی طالب دنیا ہونے کے باوجود، مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے مسلمانوں کا بھی حال ہے۔
- ۵۔ اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آتے، مثلاً وہی مغفرت کی بات، جو اوپر گزری۔
- ۶۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم مٹانا بھی ہو سکتا ہے، جیسے دَرَسَتِ الرِّيحُ الْكَثَارَ (ہوا نے نشانات مٹا ڈالے) یعنی کتاب کی باتوں کو مٹا ڈالا، محو کر دیا یعنی ان پر عمل ترک کر دیا۔
- ۷۔ ان لوگوں میں سے جو تقویٰ کا راستہ اختیار کر لیں، کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں، جس سے مراد اصل تورات ہے اور

وَاذْنَعْنَا الْجَبَلَ نَقْلَهُمْ كَأَنَّهُ خُلَّةٌ وَطَنُوا أَكْثَرَهُ
وَأَقْرَبَهُمْ ۚ خَذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ ۖ وَادْكُرُوا مَا
فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

۱۷۱۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور جو احکام اس میں ہیں انہیں یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔^(۱)

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا أَنَّا سَمِعْنَا بِإِذْمَارِ
رَبِّنَا لَكُمْ يَوْمَ الْفُتُورِ ۖ إِنَّكُمْ عَنْ هَذَا غٰفِلُونَ ﴿٥٢﴾

۱۷۲۔ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔^(۲) تاکہ تم لوگ قیامت

جس پر عمل کرتے ہوئے نبوت محمدی پر ایمان لے آئیں، نماز وغیرہ کی پابندی کریں، تو اللہ ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اس میں ان اہل کتاب (سیاق کلام سے یہاں بطور خاص یہود) کا ذکر ہے جو تقویٰ، تسک بالکتاب اور اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کریں اور ان کے لیے آخرت کی خوش خبری ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئیں۔ کیونکہ اب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں۔

۱۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے۔ تو انہوں نے پھر حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا کہ تم پر گرا کر تمہیں کچل دیا جائے گا، جس سے ڈرتے ہوئے انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رفیع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبے پر پیش آیا، جب انہوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کو ہمارے اوپر بلند کر کے دکھائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ یہاں مطلق پہاڑ کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے قبل سورہ بقرہ آیت: ۶۳ اور آیت: ۹۳ میں دو جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کا نام صراحت کے ساتھ کوہ طور بتلایا گیا ہے۔

۲۔ یہ عہد اَلَسْتُ کہلاتا ہے جو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک صحیح حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ عرفہ والے دن نعمان جگہ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب آدم سے عہد (میثاق) لیا۔ پس آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلادیا اور ان سے پوچھا، ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ سب نے کہا ”بَلَىٰ، شَهِدْنَا“ ”کیوں نہیں۔ ہم سب رب ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔“ (مسند أحمد - جلد ۱، ص ۲۷۲ - الحاکم - جلد ۲، ص ۵۴۳ و صحیحہ ووافقہ الذہبی) امام شوکانی اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں وَإِسْنَادُهُ لَا مَطْعَنَ فِيهِ (فتح القدیر) ”اس کی سند میں کوئی طعن نہیں“ نیز امام شوکانی فرماتے ہیں۔ ”یہ عالم ذکر کہلاتا ہے اس کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول اور کسی اور مفہوم کی طرف جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرفوع حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر بھی محمول کرنا جائز نہیں ہے۔“ بہر حال اللہ کی ربوبیت کی یہ

کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

۱۷۳۔ یا یوں کہو کہ پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے، سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟^(۱)

۱۷۴۔ اور ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آجائیں۔

۱۷۵۔ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔^(۲)

۱۷۶۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے

أَوْ قَوْلُوا إِنَّمَا أَسْرَأْنَا وَرَأَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً
مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَئِنَّهُمْ لَكُمِبًا فَعَلَّ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾

وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾

وَأَنشَأْ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِي أَخَذْنَا قُلُوبَهُمْ فَاسْلَخَ
مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۱۷۵﴾

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى
الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن
تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کا ناک، کان کٹنا نہیں ہوتا۔“ (صحیح البخاری - کتاب الجنائز و مسلم - کتاب القدر) اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فطری) سے گمراہ کر دیتا ہے۔“ (الحديث - صحیح مسلم - کتاب الجنة) یہ فطرت یا دین فطرت، یہی رب کی توحید اور اس کی نازل کردہ شریعت ہے جو اب اسلام کی صورت میں محفوظ اور موجود ہے۔

۱۔ یعنی ہم نے یہ اخذ عہد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی تاکہ تم یہ عذر پیش نہ کر سکو کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ دادا شرک کرتے آئے تھے، یہ عذر قیامت کے دن بارگاہ الہی میں مسموع نہیں ہوں گے۔

۲۔ مفسرین نے اسے کسی ایک متعین شخص سے متعلق قرار دیا ہے جسے کتاب الہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گیا۔ تاہم اس کی تعیین میں کوئی مستند بات مروی بھی نہیں۔ اس لیے اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عام ہے اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، جو بھی اس صفت کا حامل ہوگا، وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔

یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے،^(۱) یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ ان واقعات کو بیان کر دیجیے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔^(۲)

۱۷۷۔ ان لوگوں کی مثال بھی بری مثال ہے^(۳) جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اپنا نقصان کرتے ہیں۔

۱۷۸۔ جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ خسارے میں پڑنے والے ہیں۔^(۴)

۱۷۹۔ اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں،^(۵) جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔^(۶) یہی لوگ غافل ہیں۔

فَاَقْصُصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۵﴾

سَاءَ مَثَلًا لِّلْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَانْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۶﴾

مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْعَهْدِيُّ وَمَنْ يُمِصْلِلْ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۷﴾

وَلَقَدْ ذَرٰنَا لِبَهِمٍ كَثِيْرٍ مِّنَ الْبِجْنِ وَالْاِنْسِ كَلٰهُمْ
قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ
بِهَا وَلَهُمْ اُذُنٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا وَلٰكِيْنَ
كَالْاَعْمٰى بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۸﴾

۱۔ اَلْهَتْ کہتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان کے باہر نکالنے کو۔ کہتے کی یہ عادت ہے کہ تم اسے ڈانٹو ڈپٹو یا اس کے حال پر چھوڑ دو، دونوں حالتوں میں وہ بھونکنے سے باز نہیں آتا، اسی طرح اس کی یہ عادت بھی ہے کہ وہ شکم سیر ہو یا بھوکا، تندرست ہو یا بیمار، تھکا ماندہ ہو یا توانا، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال ایسے شخص کا ہے، اسے وعظ کرو یا نہ کرو، اس کا حال ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال و متاع کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔

۲۔ اور اس قسم کے لوگوں سے عبرت حاصل کر کے، گمراہی سے بچیں اور حق کو اپنائیں۔

۳۔ مثلاً تمیز ہے۔ اصل عبارت یوں ہو گی سَاءَ مَثَلًا مِّثْلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا۔

۴۔ یہ اس کے قانون مشیت کا بیان ہے جس کی وضاحت پہلے دو تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔

۵۔ اس کا تعلق تقدیر سے ہے۔ یعنی ہر انسان اور جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا برے کیا عمل کرے گا، اس کے مطابق اس نے لکھ رکھا ہے۔ یہاں انہی دوزخیوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ والے ہی کام کرنے تھے۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کر کے بتا دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اسی انداز میں ہوں جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کا انجام برا ہے۔

۶۔ یعنی دل، آنکھ، کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے،

۱۸۰۔ اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو^(۱) اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں،^(۲) ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی۔

۱۸۱۔ اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق

وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۰﴾

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۳۱﴾

اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان حواس سے یہ کام نہیں لیتا، وہ گویا ان سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی اپنے نفع و نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچ کر رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنیوالے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے مفید چیز کو نہی ہے اور مضر کو نہی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انہیں غافل بھی کہا گیا ہے۔

۱۔ حُسْنَىٰ أَحْسَنُ کی تائید ہے۔ اللہ کے ان اچھے ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی قدرت و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ان کی تعداد ۹۹ (ایک کم سو) بتائی گئی۔ اور فرمایا کہ ”جو ان کو شمار کرے گا، جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند فرماتا ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب إن الله مائة اسم غير واحد - مسلم، کتاب الذکر، باب فی أسماء الله تعالیٰ وفضل من أحصاها) شمار کرنے کا مطلب ہے، ان پر ایمان لانا، یا ان کو گننا اور انہیں ایک ایک کر کے بطور تبرک اخلاص کے ساتھ پڑھنا، یا ان کا حفظ، ان کے معانی کا جاننا اور ان سے اپنے کو متصف کرنا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب أسماء الله تعالیٰ) بعض روایات میں ان ۹۹ ناموں کو ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں اور علماء نے انہیں مدرج قرار دیا ہے یعنی راویوں کا اضافہ۔ وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ نیز علماء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ کے ناموں کی تعداد ۹۹ میں مختصر نہیں ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ (۱) ان کثیر دفعہ القدر

۲۔ الحاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو گڑھے میں اندر کی طرف بنائی جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کج روی) کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کردی جائے۔ جیسے مشرکین نے کیا۔ مثلاً اللہ کے ذاتی نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی ناموں عَزَّیْز سے عَزَّیٰ بنالیا۔ (۲) یا اللہ کے ناموں میں اپنی طرف سے اضافے کر لینا، جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔ (۳) یا اس کے ناموں میں کمی کردی جائے مثلاً اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔ (فتح القدیر) اللہ کے ناموں میں الحاد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں تاویل یا تعطیل یا تشبیہ سے کام لیا جائے۔ (ایر القامیر) جس طرح معتزلہ، معطلہ اور مشبہہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سب سے بچ کر رہو۔

انصاف بھی کرتی ہے۔

۱۸۲۔ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج (گرفت میں) لیے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔

۱۸۳۔ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔^(۱)

۱۸۴۔ کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔^(۲)

۱۸۵۔ اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آپہنچی ہو۔^(۳) پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟^(۴)

۱۸۶۔ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾

وَأُمْلِكُ لَهُمْ إِنْ كِيدِي مَتِينٌ ﴿۲﴾

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۳﴾

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَكَلُوبَاتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ إِلَهُهُمْ فَلْيَأْزِكْ حَدِيثَ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۴﴾

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۵﴾

۱۔ یہ وہی استدراج و امہال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے۔ پھر جب اس کی مشیت مؤاخذہ کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی اس سے بچانے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔
۲۔ صاحب سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی مجنون (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ وہ تو ہمارا پیغمبر ہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت و اعراض کرنے والوں کو ڈرانے والا ہے۔

۳۔ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر بھی اگر یہ غور کریں تو یقیناً یہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کے رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت اختیار کریں اور انہوں نے جو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں، انہیں چھوڑ دیں اور اس بات سے ڈریں کہ انہیں موت اس حال میں آجائے کہ وہ کفر پر قائم ہوں۔

۴۔ حدیث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے۔ یعنی نبی ﷺ کے انذار و تہدید اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر انہیں ڈرانے والی چیز اور کیا ہوگی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لائیں؟

ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

۱۸۷۔ یہ لوگ آپ سے قیامت^(۱) کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟^(۲) آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے،^(۳) اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حادثہ) ہوگا^(۴) وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔^(۵) آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۱۸۸۔ آپ فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۶)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُهَا لَهُ إِلَّا مَن عَظَّمَتْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ الْبَعْثَةُ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَافِيُ عَمَّا قُلْنَا إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَآئِنَاءَ اللَّهِ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَاسْتَكْبَرْتُ مَنَ الْخَبِيرُ وَمَا مَسَّنِي السُّوءُ إِنَّا إِنَّا لَا نَدْرِيٓ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾

۱۔ سَاعَةُ کے معنی گھڑی (لمحہ یا پل) کے ہیں۔ قیامت کو ساعۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آجائے گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھڑی کو ساعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۔ أَرْسَىٰ يُؤَسِّی کے معنی اثبات و وقوع کے ہیں، یعنی کب یہ قیامت ثابت یا واقع ہوگی؟

۳۔ یعنی اس کا یقینی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

۴۔ اس کے ایک دوسرے معنی ہیں۔ اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے، کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفی چیز دلوں پر بھاری ہوتی ہے۔

۵۔ حَفِیَّہ کہتے ہیں پیچھے پڑ کر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کو۔ یعنی یہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ نے رب کے پیچھے پڑ کر اس کی بابت ضروری علم حاصل کر رکھا ہے۔

۶۔ یہ آیت اس بات میں کتنی واضح ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ظلم

۱۸۹۔ وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا^(۱) اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا^(۲) تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے^(۳) پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی^(۴) تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا۔ سو وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی،^(۵) پھر جب وہ

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْنَا صَالِحًا لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشُّرَكِيِّينَ ۝

اور جہالت کی انتہاء ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ ﷺ کو عالم الغیب باور کراتے ہیں۔ حالانکہ بعض جنگوں میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قوم کیسے فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا، کتب حدیث میں یہ واقعات بھی اور ذیل کے واقعات بھی درج ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو آپ پورا ایک مہینہ سخت مضطرب اور نہایت پریشان رہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، جسے آپ نے بھی تناول فرمایا اور صحابہ نے بھی، حتیٰ کہ بعض صحابہ تو کھانے کے زہر سے ہلاک ہی ہو گئے اور خود نبی ﷺ عمر بھر اس زہر کے اثرات محسوس فرماتے رہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہے کہ آپ کو عدم علم کی وجہ سے تکلیف پہنچی، نقصان اٹھانا پڑا، جس سے قرآن کی بیان کردہ حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ ”اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی۔“

۱۔ ابتداء یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ اسی لیے ان کو انسان اول اور ابو البشر کہا جاتا ہے۔

۲۔ اس سے مراد حضرت حوا علیہا السلام ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ بنیں۔ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، جس طرح کہ منہا کی ضمیر سے، جو نفس واحدہ کی طرف راجع ہے، واضح ہے۔ (مزید دیکھیے سورہ نساء آیت: ۱، کا حاشیہ)

۳۔ یعنی اس سے اطمینان و سکون حاصل کرے۔ اس لیے کہ ایک جنس اپنے ہی ہم جنس سے صحیح معنوں میں مانوس اور قریب ہو سکتی ہے جو سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ قربت کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱) (اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے (یا تمہاری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کیے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان اس نے پیار و محبت رکھ دی) یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب و انس حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جو باہمی پیار میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔

۴۔ یعنی یہ نسل انسانی اس طرح بڑھی اور آگے چل کر جب ان میں سے ایک زوج یعنی میاں بیوی نے ایک دوسرے سے قربت کی۔ تَغَشَّاهَا کے معنی بیوی سے ہم بستری کرنا ہیں۔ یعنی وطی کرنے کے لیے ڈھانپنا۔

۵۔ یعنی حمل کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ نطفے سے عَلَقَةُ اور عَلَقَةُ سے مُضْغَةُ بننے تک، حمل خفیف ہی رہتا ہے، محسوس بھی نہیں ہوتا اور عورت کو زیادہ گرانی بھی نہیں ہوتی۔

بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔^(۱)

۱۹۰۔ سو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے،^(۲) سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے۔
۱۹۱۔ کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں اور وہ خود ہی پیدا کیے گئے ہوں۔

۱۹۲۔ اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود بھی مدد نہیں کر سکتے۔

۱۹۳۔ اور اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں^(۳) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔

۱۹۴۔ واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں^(۴) سو تم ان کو پکارو پھر ان کو

فَلَمَّا أَتَاهَا صَالِحًا جَعَلَ لَهُ شُرَكَاءَ فِيهَا أَنَّهُمَا
فَتَعَلَّى اللَّهُ عَبْدًا لِشَرِكُونِ^(۱)

أَيُّ شَرِكُونِ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ^(۲)

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسُهُمْ
يُنْصَرُونَ^(۳)

وَأَن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُكُمْ سَوَاءٌ
عَلَيْكُمْ أَدْعَوْتُهُمْ أَمْ أَن تَصَومُتُونَ^(۴)

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ
أَمْثَلُكُمْ قَدْ دَعَوْهُمْ فَلَيْسَ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ

۱۔ بوجھل ہو جانے سے مراد، جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے، والدین کے دل میں خطرات اور توہمات پیدا ہوتے جاتے ہیں (بالخصوص جب عورت کو اٹھرا کی بیماری ہو) تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔

۲۔ شریک قرار دینے سے مراد یا تو بچے کا نام ایسا رکھنا ہے، مثلاً امام بخش، پیراں دتہ، عبد شمس، بندہ علی، وغیرہ۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کی (نعوذ باللہ) نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں قبر پر گئے تھے جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ یا کسی مردہ کے نام کی نذر و نیاز دے یا بچے کو کسی قبر پر لے جا کر اس کا ماتھا وہاں ٹکائے کہ ان کے طفیل بچہ ہوا ہے۔ یہ ساری صورتیں اللہ کا شریک ٹھہرانے کی ہیں، جو بدقسمتی سے مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرما رہا ہے۔

۳۔ یعنی تمہاری بتلائی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اگر تم ان سے رشد و ہدایت طلب کرو، تو وہ تمہاری بات نہیں مانیں گے، نہ تمہیں کوئی جواب ہی دیں گے۔ (فتح اللہ)

۴۔ یعنی جب وہ زندہ تھے۔ بلکہ اب تو تم خود ان سے زیادہ کامل ہو، اب وہ دیکھ نہیں سکتے، تم دیکھتے ہو۔ وہ سن نہیں

كُنْتُمْ صٰدِقٰیْنَ ﴿۹﴾

اَلَمْ اَرْجُلُ يٰسُبُوْنَ بِهَا اَمْ لَكُمْ اٰیٰتٌ يَّبْطِشُوْنَ
بِهَا اَمْ لَكُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا اَمْ لَكُمْ اٰذَانٌ
يَسْمَعُوْنَ بِهَا قُلْ اَدْعُوْا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ
يَكِيدُوْنَ فَلَا تُنْظَرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اِنَّ وِلٰیَّ اللّٰهِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ یَتَوَكَّلُ
الْمُطْلِحِیْنَ ﴿۱۱﴾

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
نَصْرُكُمْ وَلَا اَنْفُسُهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

وَ اِنَّ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهٰدِیْ لَیْمَعُوْا وَتَرٰهُمْ
یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۳﴾

چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔

۱۹۵۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں، یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں ^(۱) آپ کہہ دیجیے تم اپنے سب شرکاء کو بلا لو، پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو۔ ^(۲)

۱۹۶۔ یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

۱۹۷۔ اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ ^(۳)

۱۹۸۔ اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں ^(۴) اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

سکتے، تم سنتے ہو۔ وہ کسی کی بات سمجھ نہیں سکتے، تم سمجھتے ہو۔ وہ جواب نہیں دے سکتے، تم دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین، جن کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، وہ بھی پہلے اللہ کے بندے یعنی انسان ہی تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بتوں کی بابت صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔

۱۔ یعنی اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی طاقت ختم ہو گئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پتھر یا لکڑی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد، قبے اور آستانے ہیں جو ان کی قبروں پر بنالیے گئے اور یوں استخوان فروشی کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔^۵

اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

۲۔ یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ تمہارے مددگار ہیں تو ان سے کہو کہ میرے خلاف تدبیر کریں۔

۳۔ جو اپنی مدد آپ کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہووے دوسروں کا

بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

۴۔ اس کا وہی مفہوم ہے جو آیت: ۱۹۳ کا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ
الْجَاهِلِينَ ﴿۸۹﴾

وَأَمَّا يَنْزِعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ
بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۹۰﴾

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ ضَلَالٌ مِّنَ
الشَّيْطَانِ تَنَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۹۱﴾

۱۹۹. آپ درگزر کو اختیار کریں^(۱) نیک کام کی تعلیم دیں^(۲)
اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔^(۳)

۲۰۰. اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے
آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے^(۴) بلاشبہ وہ خوب سننے
والا خوب جاننے والا ہے۔

۲۰۱. یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ
شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے
ہیں، سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔^(۵)

۱. بعض علماء نے اس کے معنی کیے ہیں خُذْ مَا عَفَا لَكَ مِنْ أَمْرِ إِلَهُمْ أَيُّ: مَا فَضَّلَ لِعَيْنِ ”جو ضرورت سے زائد مال ہو، وہ لے لو“ اور یہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ (فتح الباری، جلد ۸، ص ۳۰۵) لیکن دوسرے مفسرین نے اس سے اخلاقی بدایت یعنی عفو و درگزر مراد لیا ہے اور امام ابن جریر اور امام بخاری وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اس کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عیمن بن حصن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر ان پر تنقید کرنے لگے کہ آپ ہمیں نہ پوری عطا دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہیں جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر حر بن قیس نے (جو عیمن کے بھتیجے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا تھا: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (درگزر کو اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے)۔ ”اور یہ بھی جاہلوں میں سے ہے“ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درگزر فرمادیا۔ وَكَانَ وَقَافًا عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب کا حکم سن کر فوراً گردن خم کر دینے والے تھے) (صحیح البخاری، تفسیر سورة الاعراف) اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کے مقابلے میں معاف کر دینے، قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی اور برائی کے بدلے احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲. عُرْفٌ سے مراد معروف یعنی نیکی ہے۔

۳. یعنی جب آپ نیکی کا حکم دینے میں اتمام حجت کر چکیں اور پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمالیں اور ان کے جھگڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیں۔

۴. اور اس موقع پر اگر آپ کو شیطان اشتعال میں لانے کی کوشش کرے تو آپ اللہ کی پناہ طلب فرمائیں۔

۵. اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنار رہتے ہیں۔ طائف یا طیف، اس تخیل کو کہتے ہیں جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ یہاں اسے شیطانی وسوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا، کیونکہ وسوسہ شیطانی بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔ (فتح القدیر)

وَإِخْوَانُهُمْ يَبْتَغُونَ فِي النَّارِ أَنْ لَا يَفْصِرُوا عَنْ

وَأَذَانَهُ تَأْتِيهِمْ يَأْتِيَةً قَالُوا لَوْلَا جَبَّتْ يَمَانُكُمْ قُلْ
إِنَّمَا اتَّبِعُ مَا يَدْعُوْنِي إِلَىٰ مِنْ دُونِ هَذَا بَصَلْتُ
مِنْ رَبِّكُمْ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٠٣﴾

وَأَذَانُ الْقُرْآنِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾

۲۰۲۔ اور جو شیاطین کے بھائی (تابع) ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے۔^(۱)
۲۰۳۔ اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے؟^(۲)
آپ فرمادیجیے کہ میں اس حکم کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے یہ بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۳)

۲۰۴۔ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔^(۴)

۱۔ یعنی شیطان کافروں کو گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، پھر وہ کافر (گمراہی کی طرف جانے میں) یا شیطان ان کو لے جانے میں کوتاہی کی نہیں کرتے۔ یعنی لَا يَفْصِرُونَ کا فاعل کافر بھی بن سکتے ہیں اور إِخْوَانُ الْكُفَّارِ شیاطین بھی۔
۲۔ مراد ایسا معجزہ ہے جو ان کے کہنے پر ان کی خواہش کے مطابق ظاہر کر کے دکھایا جائے۔ جیسے ان کے بعض مطالبات سورہ بنی اسرائیل، آیت ۹۰-۹۳ میں بیان کیے گئے ہیں۔
۳۔ لَوْلَا جَبَّتْ يَمَانُكُمْ کے معنی ہیں، تو اپنے پاس سے ہی کیوں نہیں بنا لاتا؟ اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ آپ فرما دیں، معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو صرف وحی الہی کا پیروکار ہوں۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے، یہ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بصائر (دلائل و براہین) اور ہدایت و رحمت ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایمان لائے والا ہو۔

۴۔ یہ ان کافروں کو کہا جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے وقت شور کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو کہتے تھے ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْافِیۃِ﴾ (خم السجدة: ۲۶) (یہ قرآن مت سنو اور شور کرو) ان سے کہا گیا کہ اس کے بجائے تم اگر غور سے سنو اور خاموش رہو تو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نواز دے۔ اور یوں تم رحمت الہی کے مستحق بن جاؤ۔ بعض ائمہ دین اسے عام مراد لیتے ہیں یعنی قرآن پڑھا جائے، چاہے نماز ہو یا غیر نماز، سب کو خاموشی سے قرآن سننے کا حکم ہے اور پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جہری نمازوں میں مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف بتاتے ہیں۔ لیکن دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے، جیسا کہ اس کے مکی ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے عام سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح

وَأَذْكُرَنَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً
وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ
وَالْأَصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝

۲۰۵. اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل
میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی
آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل
غفلت میں سے مت ہونا۔

إِنَّ الْإِنِّ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ
عِبَادَتِهِ وَيَسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝

۲۰۶. یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی
عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے
ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔



وقوی احادیث سے ثابت ہے۔ بنا بریں جس طرح اور بعض عموماً قرآنی کی تخصیص احادیث کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے، مثلاً آیت
﴿الزَّائِيَةُ وَالزَّائِي فَالْجَلْدُ﴾ (النور: ۲) کے عموم سے شادی شدہ زانی کا اخراج، اور ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ (المائدہ: ۳۸)
کے عموم سے ایسے چور کا اخراج یا تخصیص جس نے ربع دینار سے کم مالیت کی چیز چوری کی ہو یا چوری شدہ چیز، حرز میں نہ
رکھی ہو۔ وغیرہ۔ اسی طرح ﴿فَأَسْبَغُوا﴾ (الأعراف: ۲۰۲) کے عمومی حکم سے مقتدی خارج ہوں گے اور ان کے لیے
جہری نمازوں میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوگا، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ (جیسا کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں
یہ احادیث بیان کی گئی ہیں)

سورۃ انفال مدنی ہے اور اس کی پچھتر آیات
اور دس رکوع ہیں۔



میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو
نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں،^(۱)
آپ فرما دیجیے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی
ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی
اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت
کرو اگر تم ایمان والے ہو۔^(۲)

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ
وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ
وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

۲۔ بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا
ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ
کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو وہ آیتیں ان
کے ایمان کو اور زیادہ کردیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب
پر توکل کرتے ہیں۔^(۳)

اِنَّهَا لِلّٰهِ وَمُؤْمِنِي الدِّیْنِ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَّتْ
قُلُوبُهُمْ وَاِذَا اُنْشِیَتْ عَلَيْهِمُ الْآیٰتُ رَاَدَتْهُمْ
اٰیْمَانًا وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲

۱۔ اَنْفَالٌ، نَفْلٌ کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں، یہ اس مال واسباب کو کہا جاتا ہے، جو کافروں کے ساتھ جنگ
میں ہاتھ لگے، جسے غنیمت بھی کہا جاتا ہے اسے نفل (زیادہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے
جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔ یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے یا اس لیے کہ یہ جہاد کے اجر سے (جو)
آخرت میں ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو بعض دفعہ دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

۲۔ یعنی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ اللہ کا رسول، اللہ کے حکم سے اسے تقسیم فرمائے گا۔ نہ کہ تم آپس میں جس
طرح چاہو اسے تقسیم کرلو۔

۳۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ متینوں باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین
اور اللہ اور رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے۔ خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت
ضروری ہے۔ کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے، اس کے علاج کے لیے اصلاح ذات البین
پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکان رہتا ہے اس کے لیے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو
جائے تو اس کا حل اللہ اور رسول کی اطاعت میں مضمر ہے۔

۴۔ ان آیات میں اہل ایمان کی ۴ صفات بیان کی گئی ہیں: (۱) وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں نہ کہ

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۵﴾

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَعْفُوَةٌ ۖ وَرِثَةٌ كَثِيرَةٌ ﴿۶﴾

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿۷﴾

۳. جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۴. سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لیے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

۵. جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا^(۱) اور مسلمانوں کی ایک جماعت

صرف اللہ کی یعنی قرآن کی۔ (۲) اللہ کا ذکر سن کر، اللہ کی جلالت و عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ (۳) تلاوت قرآن سے ان کے ایمانوں میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی پیشی ہوتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے) (۴) اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی اسباب سے اعراض و گریز بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے، لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھ لیتے بلکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل کار فرما مشیت الہی ہی ہے، اس لیے جب تک اللہ کی مشیت بھی نہیں ہوگی، یہ ظاہری اسباب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اس یقین و اعتماد کی بنیاد پر پھر وہ اللہ کی مدد و اعانت حاصل کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے ان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لیے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ اور مغفرت و رحمت الہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شمار فرمائے)۔

جنگ بدر کا پس منظر: جنگ بدر، جو ۲ ہجری میں ہوئی، کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔ علاوہ ازیں یہ منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اچانک ہوئی۔ نیز بے سروسامانی کی وجہ سے بعض مسلمان ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی نہیں تھے۔ مختصر اُس کا پس منظر اس طرح ہے کہ ابوسفیان کی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ جا رہا تھا، چونکہ مسلمانوں کا بھی بہت سا مال و اسباب ہجرت کی وجہ سے مکہ رہ گیا تھا، یا کافروں نے چھین لیا تھا، نیز کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا بھی مقصد تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور مسلمان اس نیت سے مدینہ سے چل پڑے۔ ابوسفیان کو بھی اس امر کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک توپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ دوسرا، مکہ اطلاع بھجوا دی جس کی بنا پر ابو جہل ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے بدر کی جانب چل پڑا، نبی ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابہ کرام کے سامنے معاملہ رکھ دیا اور اللہ کا وعدہ بھی بتلایا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے ایک چیز تمہیں ضرور حاصل ہوگی۔ تاہم پھر بھی لڑائی میں بعض صحابہ نے تردد کا اظہار اور تجارتی قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا، جب کہ دوسرے تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

۱. یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا۔ پھر اسے اللہ اور اس

اس کو گراں سمجھتی تھی۔^(۱)

۶. وہ اس حق کے بارے میں، اس کے بعد کہ وہ واضح ہو گیا تھا^(۲) آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔^(۳)

۷. اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی^(۴) اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے^(۵) اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

۸. تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے گویہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔^(۶)

۹. اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَهَ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّقَ الْحَقَّ يَكْلَمَهُمْ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝

لِيُخَيِّقَ الْحَقَّ وَيَبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ ۝

کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے نکلنا، اور پھر آگے چل کر تجارتی قافلے کے بجائے، لشکر قریش سے مدد بھیج دینا، گو بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا، لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا ہو گا۔

۱. یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند ایک افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ بھی صرف بے سروسامانی تھی۔ اس کا تعلق مدینہ سے نکلنے سے نہیں ہے۔

۲. یعنی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ قافلہ تو بچکر نکل گیا ہے اور اب لشکر قریش ہی سامنے ہے جس سے لڑائی ناگزیر ہے۔

۳. یہ بے سروسامانی کی حالت میں لڑنے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی جو کیفیت تھی، اس کا اظہار ہے۔

۴. یعنی یا تو تجارتی قافلہ تمہیں مل جائے گا، جس سے تمہیں بغیر لڑائی کے وافر مال و اسباب مل جائے گا، بصورت دیگر لشکر قریش سے تمہارا مقابلہ ہو گا اور تمہیں غلبہ ہو گا اور مال غنیمت ملے گا۔

۵. یعنی تجارتی قافلہ، تاکہ بغیر لڑے مال ہاتھ آجائے۔

۶. لیکن اللہ اس کے برعکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمہاری جنگ ہو تاکہ کفر کی قوت و شوکت ٹوٹ جائے گویہ امر مجرموں (مشرکوں) کے لیے ناگوار ہی ہو۔

فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگا تار چلے آئیں گے۔^(۱)

۱۰. اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے^(۲) جو کہ زبردست حکمت والا ہے۔

۱۱. اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے جین دینے کے لیے^(۳) اور تم پر آسمان سے پانی برس رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے^(۴) اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔^(۵)

إِذْ يُخَشِّكُمُ النَّعَاسُ أَمْنَةً مِّنْهُ وَيُزِيلُ عَلَيْكُمُ
مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً يُطَهِّرُكُم بِهِ وَيُذْهِبُ
عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ
وَيُكَفِّرَ بِهِ الْأَقْدَامَ

۱. اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، جب کہ کافر اس سے ۳۰ گنا (یعنی ہزار کے قریب) تھے، پھر مسلمان نہتے اور بے سرو سامان تھے جب کہ کافروں کے پاس اسلحے کی بھی فراوانی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا سہارا صرف اللہ ہی کی ذات تھی، جس سے وہ گزرگذا کر مدد کی فریادیں کر رہے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ الگ ایک خیمے میں نہایت الحاح وزاری سے مصروف دعا تھے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کیں اور ایک ہزار فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل لگاتار مسلمانوں کی مدد کے لیے آگئے۔

۲. یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوش خبری اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے تھی، جو فرشتوں کے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فرشتوں نے عملاً جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں فرشتوں نے عملی حصہ لیا اور کئی کافروں کو انہوں نے تہ تیغ کیا، دیکھیے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم، کتاب المغازی، و فضائل الصحابة)

۳. جنگ احد کی طرح جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کردی، جس سے ان کے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو گئے اور اطمینان و سکون کی ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہو گئی۔

۴. تیسرا انعام یہ کیا کہ بارش نازل فرمادی، جس سے ایک تو ریتی زمین میں نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ دوسرا وضو و طہارت میں آسانی ہو گئی۔ تیسرا اس سے شیطانی وسوسوں کا ازالہ فرما دیا گیا جو وہ اہل ایمان کے دلوں میں ڈال رہا تھا کہ تم اللہ کے نیک بندے ہوتے ہوئے بھی پانی سے دور ہو، دوسرا جنات کی حالت میں تم لڑو گے تو کیسے اللہ کی رحمت و نصرت تمہیں حاصل ہوگی؟ تیسرا تم پیاسے ہو، جب کہ تمہارے دشمن سیراب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

۵. یہ چوتھا انعام ہے جو دلوں اور قدموں کو مضبوط کر کے کیا گیا۔

۱۲. اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں،^(۱) سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔^(۲)

۱۳. یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

۱۴. سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔

۱۵. اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دودو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔^(۳)

۱۶. اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔^(۴) باقی اور جو ایسا

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاصْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ذَٰلِكُمْ فَذَوْقُوا وَآيٌ لِّلْكَافِرِينَ عَذَابُ النَّارِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُلْقُوا لَهُمُ الْأَدْبَانَ ۝

وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبرَةً إِلَّا مَتَحَرِّقًا لِّقَتَالٍ أَوْ مَتَحَرِّجًا إِلَىٰ بَيْتَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَوَآءٍ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

۱. یہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اور خاص اپنی طرف سے جس جس طریقے سے مسلمانوں کی بدر میں مدد فرمائی، اس کا بیان ہے۔

۲. بَنَان ”ہاتھوں اور پیروں کے پور“ یعنی ان کی انگلیوں کے اطراف (کنارے)، یہ اطراف کاٹ دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ ہاتھوں سے تلوار چلانے کے اور پیروں سے بھاگنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

۳. زَحَفًا کے معنی ہیں ایک دوسرے کے مقابل اور دودو ہونا۔ یعنی مسلمان اور کافر جب ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے اجْتَنَبُوا السَّبْعَ الْمُؤَبَّاتِ ”سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو!“ ان سات میں ایک وَالنَّوْلِي يَوْمَ الرَّحْفِ ”مقابلے والے دن پیٹھ پھیر جانا ہے۔“

(صحیح البخاری: ۲۷۶۰ کتاب الوصایا وصحیح مسلم، کتاب الإیمان)

۴. گزشتہ آیت میں پیٹھ پھرنے سے جو منع کیا گیا ہے، دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک تَحَرُّفٌ کی اور دوسری تَحْجِزٌ کی۔ تَحَرُّفٌ کے معنی ہیں ایک طرف پھر جانا۔ یعنی لڑائی میں جنگی چال کے طور پر یا دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے لڑتا لڑتا ایک طرف پھر جائے، دشمن یہ سمجھے کہ شاید یہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ رہا ہے لیکن پھر وہ ایک دم پینترا

کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔^(۱)

۱۷. سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔^(۲) اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی^(۳) اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے^(۴) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

۱۸. (ایک بات تو) یہ ہوئی اور (دوسری بات یہ ہے) اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔^(۵)

۱۹. اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ موجود ہوا^(۶) اور اگر باز آجائو تو یہ تمہارے لیے نہایت

قَالَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ إِذْ رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوْهِنٌ كَيْدَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۸﴾

إِنْ كَسَفَتْكُمْ ذُفْرًا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْقَوْمُ الْعَمَلُ وَأَنْ تَنْتَهُوا فَمَوْحٍ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِي

بدل کر اچانک دشمن پر حملہ کر دے۔ یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے بلکہ یہ جنگی چال ہے جو بعض دفعہ ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ تَحْيِيز کے معنی ملنے اور پناہ لینے کے ہیں۔ کوئی مجاہد لڑتا لڑتا تباہ جائے تو باطنائف الحلیل میدان جنگ سے ایک طرف ہو جائے، تاکہ وہ اپنی جماعت کی طرف پناہ حاصل کرے اور اس کی مدد سے دوبارہ حملہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

۱. یعنی مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ کوئی شخص میدان جنگ سے پیٹھ پھیرے گا، اس کے لیے یہ سخت وعید ہے۔

۲. یعنی جنگ بدر کی ساری صورت حال تمہارے سامنے رکھ دی گئی ہے اور جس طرح اللہ نے تمہاری وہاں مدد فرمائی، اس کی وضاحت کے بعد تم یہ نہ سمجھ لینا کہ کافروں کا قتل، یہ تمہارا کارنامہ ہے۔ نہیں، بلکہ یہ اللہ کی اس مدد کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے تمہیں یہ طاقت حاصل ہوئی۔ اس لیے دراصل انہیں قتل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

۳. جنگ بدر میں نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی تھی، جسے ایک تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مونہوں اور آنکھوں تک پہنچادیا اور دوسرا، اس میں یہ تاثیر پیدا فرمادی کہ اس سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انہیں کچھ بھائی نہیں دیتا تھا، یہ معجزہ بھی، جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیغمبر! کنکریاں بے شک آپ نے پھینکی تھیں، لیکن اس میں تاثیر ہم نے پیدا کی تھی، اگر ہم اس میں یہ تاثیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنکریاں کیا کر سکتی تھیں؟ اس لیے یہ بھی دراصل ہمارا ہی کام تھا نہ کہ آپ کا۔

۴. بلاء یہاں نعمت کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی یہ تائید و نصرت، اللہ کا انعام ہے جو مومنوں پر ہوا۔

۵. دوسرا مقصد اس کا کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنا تھا۔

۶. ابو جہل وغیرہ رؤسائے قریش نے مکہ سے نکلتے وقت دعا کی تھی کہ ”یا اللہ ہم میں سے جو تیرا زیادہ نافرمان اور قاطع رحم

عَنْكُمْ مِنْكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَلَا تَوَلَّوْا عُنْفًا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ ۝

وَلَا تَتَّبِعُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا
يَسْمَعُونَ ۝

إِنَّ سَرَ أَلَّا وَابَّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْبُكْمُ
الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَاسْمَعَهُمْ وَلَوْ
أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝

خوب ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر
وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی
کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

۲۰۔ اے ایمان والو! اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور
اس (کا کہنا ماننے) سے روگردانی مت کرو سنتے جانتے ہوئے۔

۲۱۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے
ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے (سناتے کچھ) نہیں۔^(۱)

۲۲۔ بے شک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ
ہیں جو بہرے میں گونگے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے۔^(۲)

۲۳۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو
سننے کی توفیق دے دیتا^(۳) اور اگر ان کو اب سنادے تو

ہے، کل کو تو اسے ہلاک کر دے“ اپنے طور پر وہ مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لیے اس قسم کی دعا کی۔
اب جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمادی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم فتح یعنی حق اور باطل کے
درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو وہ فیصلہ تو سامنے آچکا ہے، اس لیے اب تم کفر سے باز آ جاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے،
اور اگر پھر تم دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں آؤ گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمہاری جماعت کثرت کے
باوجود تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔

۱۔ یعنی سن لینے کے باوجود عمل نہ کرنا، یہ کافروں کا طریقہ ہے، تم اس رویے سے بچو۔ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو
بہرہ، گونگا، غیر عاقل اور بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے۔ ذَوَابَّ، ذَابَّةٌ کی جمع ہے، جو بھی زمین پر چلنے پھرنے والی چیز
ہے وہ ذابۃ ہے۔ مراد مخلوقات ہے۔ یعنی یہ سب سے بدتر ہیں جو حق کے معاملے میں بہرے گونگے اور غیر عاقل ہیں۔
۲۔ اسی بات کو قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ
بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ الْغَافِلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۷۹) (ان کے دل ہیں، لیکن ان سے سمجھتے
نہیں، ان کی آنکھیں ہیں، لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں یہ چوپائے کی طرح ہیں،
بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہ لوگ (اللہ سے) بے خبر ہیں۔

۳۔ یعنی ان کے سماع کو نافع بنا کر ان کو فہم صحیح عطا فرمادیتا، جس سے وہ حق کو قبول کر لیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ
ان کے اندر خیر یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ فہم صحیح سے ہی محروم ہیں۔

ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔^(۱)

۲۴۔ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجا لاؤ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔^(۲) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے^(۳) اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

۲۵۔ اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص کر صرف ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں^(۴) اور یہ جان رکھو کہ اللہ سخت سزا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ
وَلِرَسُولِهِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ
وَأَنَّهُ إِلَهُ الْإِبْرَةِ تُخْشَرُونَ ۝

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا
مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۝

۱۔ پہلے سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ اس دوسرے سماع سے مراد مطلق سماع ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

۲۔ لِمَا يُحْيِيكُمْ ایسی چیزوں کی طرف جس سے تمہیں زندگی ملے۔ بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے کہ اس میں تمہاری زندگی کا سرو سامان ہے۔ بعض نے قرآن کے اوامر ونواہی اور احکام شرعیہ مراد لیے ہیں، جن میں جہاد بھی آجاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو، اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمہاری زندگی ہے۔

۳۔ یعنی موت وارد کر کے، جس کا مزہ ہر نفس کو چکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے، اللہ اور رسول کی بات مان لو اور اس پر عمل کرلو۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ امام ابن جریر نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اس کی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پا نہیں سکتا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں (تح القدر) امام ابن جریر کے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے، جن میں دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (بنی آدم کے دل، ایک دل کی طرح رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، انہیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے) پھر آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی۔ «اللَّهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ، صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ» (صحیح مسلم۔ کتاب القدر، باب تصرف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء، رقم الحدیث: ۲۶۵۳) (اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے) بعض روایات میں ثَبَّتْ قُلُوبِي عَلَى دِينِكَ (سنن ترمذی۔ ابواب القدر) کے الفاظ ہیں۔

۴۔ اس سے مراد یا تو بندوں کا ایک دوسرے پر تسلط ہے جو بلا تخصیص، عام و خاص پر ظلم کرتے ہیں یا وہ عام عذاب ہیں

دینے والا ہے۔

۲۶. اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم زمین میں قلیل تھے، کمزور شمار کیے جاتے تھے۔ اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں، سو اللہ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو۔^(۱)

۲۷. اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو۔^(۲)

۲۸. اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے۔^(۳) اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ
تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَفَكَ النَّاسُ فَأَوْكُمُ
وَأَيَّدَكُم بَعْضُهُمْ رِزْقُكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ﴿۲۶﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
وَتَخُونُوا أَمْنِيَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

وَعَلِمُوا أَنَّ الْمَالَ أَمْوَالُكُمْ وَأَوَّلُكُمْ مِنْ فَتْنَةٍ
وَإِنَّ اللَّهَ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ ﴿۲۸﴾

جو کثرت بارش یا سیلاب وغیرہ ارضی و سماوی آفات کی صورت میں آتے ہیں اور نیک و بد سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں، یا بعض احادیث میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے، وہ مراد ہے۔
۱. اس میں مکی زندگی کے شہدائے و خطرات کا بیان اور اس کے بعد مدنی زندگی میں مسلمان جس آرام و راحت اور آسودگی سے بفضل الہی ہمنار ہوں، اس کا تذکرہ ہے۔

۲. اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ﷺ کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں اس کے برعکس مصیبت کار۔ اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرائض میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی بات کا ارتکاب کیا جائے۔ اور ﴿وَتَخُونُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کا مطلب ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھوتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔ نبی ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ» (مسند احمد جلد: ۳، صفحہ: ۱۳۵) وقال الألبانی حدیث جید تعلیقات الألبانی علی مشکوٰۃ (اس کا ایمان نہیں، جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں، جس کے اندر عہد کی پابندی کا احساس نہیں)۔

۳. مال اور اولاد کی محبت ہی عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہے۔ اس لیے ان کو فتنہ (آزمائش) قرار دیا گیا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں امانت اور اطاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پورے کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے۔ بصورت دیگر ناکام۔ اس صورت میں یہی مال اور اولاد اس کے لیے عذاب الہی کا باعث بن جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَشَقُّوا اللَّهَ بَجْعَلْ لَكُمْ
فُرْقَانًا وَيُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرَ لَكُمْ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۹﴾

۲۹۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۱)

وَاذْكُرْ لِيكِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْمِيثَاقِ أَوْ
يَقْتُلُوا أَوْ يَخْرُجُوا وَيَكْفُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ
وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِيرِينَ ﴿۱۰﴾

۳۰۔ اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجیے جب کہ کافر لوگ آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں، یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں^(۲) اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔^(۳)

وَإِذْ اتَّخَذْتُمْ عَلَيْهِمْ الشَّيْءَ قَالُوا قَدْ سَبَعْنَا لُو
نَشَاءُ لَقَدْ نَا مِثْلَ هَذَا إِن هَذَا إِلَّا
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۱﴾

۳۱۔ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف پچھلوں کی داستانیں ہیں۔

۱۔ تقویٰ کا مطلب ہے، اوامر الہی کی مخالفت اور اس کے منافی کے ارتکاب سے بچنا۔ اور فرقان کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں مثلاً ایسی چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز تر اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر، جب عام انسان التباس و اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں، صراطِ مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں فتح و نصرت اور نجات و مخرج بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور سارے ہی معانی مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ تقویٰ سے یقیناً یہ سارے ہی فوائد حاصل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ کفیر سینات، مغفرت ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ یہ اس سازش کا تذکرہ ہے جو رؤسائے مکہ نے ایک رات دار الندوہ میں تیار کی تھی اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو آپ کے قتل پر مامور کیا جائے تاکہ کسی ایک کو قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بلکہ دیت دے کر جان چھوٹ جائے۔

۳۔ چنانچہ اس سازش کے تحت ایک رات یہ نوجوان آپ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپ ﷺ باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سازش سے آگاہ فرمادیا اور آپ ﷺ نے گھر سے باہر نکلنے وقت مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے، کسی کو آپ ﷺ کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں لگا، حتیٰ کہ آپ غارِ ثور میں پہنچ گئے۔ یہ کافروں کے مقابلے میں اللہ کی تدبیر تھی۔ جس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ (مکر کے معنی کے لیے دیکھیے: آل عمران: ۵۴ کا حاشیہ)۔

۳۲. اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔

۳۳. اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے^(۱) اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔^(۲)

۳۴. اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں، جب کہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں۔ اس کے متولی تو صرف متقی لوگ ہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔^(۳)

۳۵. اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔^(۴) سو اپنے کفر کے سبب اس عذاب کا مزہ چکھو۔

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ ۖ إِنَّنَا مُتَّبِعُونَ ۝

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

وَمَا لَهُمْ أَكْزَبَ يَدَهُمْ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ۚ إِنْ أَوْلِيَائَهُ إِلَّا الْمُتَفَقِّهُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءٌ وَتَضْيِئَةٌ ۚ فَمِنْ ذَٰلِكَ عَذَابُ يَمَّا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

۱. یعنی پیغمبر کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا، اس لحاظ سے آپ ﷺ کا وجود گرامی بھی ان کے حفظ و امان کا سبب تھا۔
۲. اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ مسلمان ہو کر استغفار کریں گے، یا یہ کہ طواف کرتے وقت مشرکین غُفْرَانَكَ رَبَّنَا غُفْرَانَكَ کہا کرتے تھے۔

۳. یعنی وہ مشرکین اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی سمجھتے تھے اور اس اعتبار سے جس کو چاہتے طواف کی اجازت دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی وہ مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے۔ دراصل حالیکہ وہ اس کے متولی ہی نہیں تھے، تَحَكُّمًا (زبردستی) بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس کے متولی تو متقی افراد ہی بن سکتے ہیں نہ کہ مشرک۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے، اس سے مراد فتح مکہ ہے جو مشرکین کے لیے عذاب الیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نفی ہے، جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے نہیں آتا، اس سے مراد عذاب استیصال اور ہلاکت کلی ہے۔ عبرت و تنبیہ کے طور پر چھوٹے موٹے عذاب اس کے منافی نہیں۔

۴. مشرکین جس طرح بیت اللہ کا نیگا طواف کرتے تھے، اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے، جس طرح آج بھی جاہل صوفی مسجدوں اور آستانوں میں رقص کرتے، ڈھول پیٹتے اور دھمالیں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہی ہماری نماز اور عبادت ہے۔ ناچ ناچ کر ہم اپنے یار (اللہ) کو منالیں گے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْخُرَافَاتِ.

۳۶۔ بے شک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے۔ پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔^(۱)

۳۷۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے^(۲) اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملادے، پس ان سب کو اکٹھا ڈھیر کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے لوگ پورے خسارے میں ہیں۔

۳۸۔ آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

لِيُبَيِّنَ اللَّهُ الْحَقَّ مِنَ الْظُلُمِ وَيَجْعَلَ الْحَقَّ بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيُزَكِّيَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَدْنُهُمْ لِيُغْفِرَ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

۱۔ جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے۔ ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابوسفیان اور جن کا اس تجارتی سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے اس لیے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہی لوگوں یا اسی قسم کا کردار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کر لیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

۲۔ یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہوگی کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا ﴿وَلَمَّا ذُوقُوا عَذَابَ الْغَوْثِ﴾ (س: ۵۹) (اے گناہ گارو! آج الگ ہو جاؤ) یعنی نیک لوگوں سے اور مجرموں یعنی کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو اکٹھا کر کے سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر اس کا تعلق دنیا سے ہے اور لام تعلیل کے لیے ہے۔ یعنی کافر اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جو مال خرچ کر رہے ہیں، ہم ان کو ایسا کرنے کا موقع دیں گے تاکہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے علیحدہ کر دے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے، کفار کے ذریعے سے ہم تمہاری آزمائش کریں گے، وہ تم سے لڑیں گے اور ہم انہیں ان کے مال بھی لڑائی پر خرچ کرنے کی قدرت دیں گے تاکہ خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے۔ پھر وہ خبیث کو ایک دوسرے سے ملادے گا یعنی سب کو جمع کر دے گا۔ (ابن کثیر)

الْأَوَّلِينَ ۝

جائیں گے^(۱) اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو (کفار) سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے۔^(۲)

۳۹. اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔^(۳) اور دین اللہ ہی کا ہو جائے،^(۴) پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔^(۵)

۴۰. اور اگر روگردانی کریں^(۱) تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے،^(۲) وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔^(۸)

۴۱. اور جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو^(۹) اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ
الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا
يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وَإِن تَوَلَّوْا فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ
نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ
خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

۱. باز آجانے کا مطلب، مسلمان ہونا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے ”جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنایا، اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہوگی جو اس نے جاہلیت میں کیے ہوں گے اور جس نے اسلام لا کر بھی برائی نہ چھوڑی، اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مواخذہ ہوگا۔“ (صحیح البخاری، کتاب استیابۃ المرتدین و صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب هل یؤاخذ بأعمال الجاہلیۃ) ایک اور حدیث میں ہے «الإِسْلَامُ یَجِبُ مَا كَانَ قَبْلَهُ» (مسند أحمد: جلد ۴، ص ۱۹۹) (اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے)۔

۲. یعنی اگر وہ اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جلد یا بہ دیر عذاب الہی کے مورد بن کر رہیں گے۔

۳. فتنہ سے مراد شرک ہے۔ یعنی اس وقت تک جہاد جاری رکھو، جب تک شرک کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

۴. یعنی اللہ کی توحید کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا جائے۔

۵. یعنی تمہارے لیے ان کا ظاہری اسلام ہی کافی ہے، باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو، کیونکہ اس کو ظاہر و باطن ہر چیز کا علم ہے۔

۶. یعنی اسلام قبول نہ کریں اور اپنے کفر اور تمہاری مخالفت پر مصر رہیں۔

۷. یعنی تمہارے دشمنوں پر تمہارا مددگار اور تمہارا حامی و محافظ ہے۔

۸. پس کامیاب بھی وہی ہوگا جس کا مولیٰ اللہ ہو، اور غالب بھی وہی ہوگا جس کا مددگار وہ ہو۔

۹. غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے، کافروں پر لڑائی میں فتح و غلبہ حاصل ہونے کے بعد، حاصل ہو۔ پہلی امتوں میں اس کے لیے یہ طریقہ تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں سے حاصل کردہ سارا مال ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر بھسم کر ڈالتی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے یہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ اور جو مال بغیر لڑائی کے صلح کے ذریعے یا جزیہ و خراج سے وصول ہو، اسے فہیء کہا جاتا ہے۔ کبھی غنیمت کو بھی فہیء سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔ مِنْ شَيْءٍ سے مراد جو کچھ بھی ہو۔ یعنی تھوڑا ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا معمولی، سب کو جمع کر کے اس

کا اور قربات داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا،^(۱) اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتاری ہے،^(۲) جو دن حق و باطل کی جدائی کا تھا^(۳) جس دن دو فوجیں بھڑگئی تھیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۴۲۔ جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے^(۴) اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔^(۵) اگر تم آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم وقت معین پر پہنچنے

وَالْمَسْكِينِ وَالْزَّكَاةِ إِنَّكُمْ لَمَنْتُمْ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ
التَّقْيِ الْجَمْعِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ اسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ
تَوَاعَدْتُمْ لَخْتَفْتُمْ فِي الْبُعْدِ وَلَكِنْ

کی تقسیم حسب ضابطہ کی جائے گی۔ کسی سپاہی کو اس میں سے کوئی چیز تقسیم سے قبل اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔
۱۔ اللہ کا لفظ تو بطور تبرک، نیز اس لیے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ مراد اللہ اور اس کے رسول کے حصہ سے ایک ہی ہے، یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ، جسے عربی میں فُص کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کے پھر پانچ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (اور آپ ﷺ کے بعد اسے مفاد عامہ میں خرچ کیا جائے گا) جیسا کہ خود آپ ﷺ بھی یہ حصہ مسلمانوں پر ہی خرچ فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا بھی ہے۔ «وَالْخُمْسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ» (سنن النسائي وصححه الألباني في صحيح النسائي ۳۸۵۸-۳۸۵۹ ومسند أحمد جلد ۵، ص ۳۱۹) یعنی (میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے مصارف پر ہی خرچ ہوتا ہے) دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قربات داروں کا، پھر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا، اور کہا جاتا ہے کہ یہ خمس حسب ضرورت خرچ کیا جائے گا۔

۲۔ اس نزول سے مراد فرشتوں کا اور آیات الہی (معجزات وغیرہ) کا نزول ہے جو بدر میں ہوا۔

۳۔ بدر کی جنگ ۲ ہجری ۷ رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس دن کو یوم الفرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی اور مسلمانوں کو فتح و غلبہ دے کر واضح کر دیا گیا کہ اسلام حق ہے اور کفر و شرک باطل ہے۔

۴۔ یعنی مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں۔

۵۔ دنیا۔ دُنُو سے ہے بمعنی قریب۔ مراد ہے وہ کنارہ جو مدینہ شہر کے قریب تھا۔ قصویٰ کہتے ہیں دور کو۔ کافر اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے نسبتاً دور تھا۔

۶۔ اس سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے ہی دراصل مسلمان اس طرف آئے تھے۔ یہ پہاڑ سے بہت دور مغرب کی طرف نشیب میں تھا، جب کہ بدر کا مقام، جہاں جنگ ہوئی، بلندی پر تھا۔

میں مختلف ہو جاتے۔^(۱) لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔^(۲) اور بیشک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

۴۳۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی، اگر ان کی زیادتی دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا، بیشک وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے۔^(۳)

۴۴۔ اور جب کہ اس نے بوقت ملاقات انہیں تمہاری نگاہوں میں بہت کم دکھایا اور تمہیں ان کی نگاہوں میں کم دکھایا^(۴) تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو کرنا

لَيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّدِيْهِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَرَيْبِيْ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ

إِذْ يُرِيْهِمُ اللَّهُ فِيْ مَتَابِعِكُمْ قَلِيْلًا وَلَوْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَنْفِرُوا لَأَقْبَلَكُمُ الْفِرْعَوْنُ وَلَوْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَنْفِرُوا لَأَقْبَلَكُمُ الْفِرْعَوْنُ وَلَوْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَنْفِرُوا لَأَقْبَلَكُمُ الْفِرْعَوْنُ

وَأَذِيْرُ يَكْبُوْهُمُ إِذْ التَّيَّبُوتُ فِيْ أَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَيَقِيْلُكُمْ فِيْ أَعْيُنِهِمْ لَيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۖ وَالرَّالِي اللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُوْرَ

۱۔ یعنی اگر جنگ کے لیے باقاعدہ دن اور تاریخ کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ یا اعلان ہوتا تو ممکن بلکہ یقین تھا کہ کوئی فریق لڑائی کے بغیر ہی پسپائی اختیار کر لیتا لیکن چونکہ اس جنگ کا ہونا اللہ نے لکھ رکھا تھا، اس لیے ایسے اسباب پیدا کر دیے گئے کہ دونوں فریق بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل بغیر پیشگی وعدہ وعید کے، صف آرا ہو جائیں۔

۲۔ یہ علت ہے اللہ کی اس تقدیری مشیت کی جس کے تحت بدر میں فریقین کا اجتماع ہوا، تاکہ جو ایمان پر زندہ رہے تو وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ اسلام حق ہے کیونکہ اس کی حقانیت کا مشاہدہ وہ بدر میں کر چکا ہے جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کیونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین کا راستہ گمراہی اور باطل کا راستہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھائی اور وہی تعداد آپ نے صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمائی جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے، اگر اس کے برعکس کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہ میں پست ہمتی پیدا ہونے اور باہمی اختلاف کا اندیشہ تھا۔ لیکن اللہ نے ان دونوں باتوں سے بچالیا۔

۴۔ تاکہ وہ کافر بھی تم سے خوف کھا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ پہلا واقعہ خواب کا تھا اور یہ دکھانا عین قتال کے وقت تھا، جیسا کہ الفاظ قرآنی سے واضح ہے۔ تاہم یہ معاملہ ابتداء میں تھا۔ لیکن جب باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی تو پھر کافروں کو مسلمان اپنے سے دو گنا نظر آتے تھے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت: ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں زیادہ دکھانے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ کثرت دیکھ کر ان کے اندر مسلمانوں کا خوف اور دہشت بیٹھ جائے، جس سے ان کے اندر

ہی تھا^(۱) اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔

۳۵۔ اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔^(۲)

۳۶۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔^(۳)

۳۷۔ اور ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اترتے ہوئے اور لوگوں میں خود نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا
وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

وَاصْبِرُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَنَازَعُوا فِيهِ فَتَفْشَلُوا
وَتَذْهَبَ رِجَالُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ
الصَّابِرِينَ ﴿٣٦﴾

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
بَطْرًا أَوْ رِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

بزدلی اور پست بھتی پیدا ہو، اس کے برعکس پہلے کم دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ لڑنے سے گریز نہ کریں۔

۱۔ اس سب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوا تھا، وہ پورا ہو جائے۔ اس لیے اس نے اس کے اسباب پیدا فرمادیے۔
۲۔ اب مسلمانوں کو لڑائی کے وہ آداب بتائے جا رہے ہیں جن کو دشمن سے مقابلے کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے سب سے پہلی بات ثابت قدمی اور استقلال ہے، کیونکہ اس کے بغیر میدان جنگ میں ٹھہرنا ممکن ہی نہیں ہے تاہم اس سے تحریف اور تحیز کی وہ دونوں صورتیں متشبی ہوں گی جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ثابت قدمی کے لیے بھی تحریف و تحیز ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تاکہ مسلمان اگر تھوڑے ہوں تو اللہ کی مدد کے طالب رہیں اور اللہ بھی کثرت ذکر کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ رہے اور اگر مسلمان تعداد میں زیادہ ہوں تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب اور غرور پیدا نہ ہو، بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر ہی رہے۔

۳۔ تیسری ہدایت اللہ اور رسول کی اطاعت، ظاہر بات ہے ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کتنی سخت خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے ویسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ تاہم میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور اس موقع پر تھوڑی سی بھی نافرمانی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ چوتھی ہدایت کہ آپس میں تنازع اور اختلاف نہ کرو، اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور پانچویں ہدایت کہ صبر کرو، یعنی جنگ میں کتنی بھی شدت آجائے اور تمہیں کتنے بھی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ نبی ﷺ نے بھی ایک حدیث میں فرمایا۔ ”لوگو! دشمن سے مڈبھید کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو، تاہم جب کبھی دشمن سے لڑائی کا موقع پیدا ہو جائے تو صبر کرو (یعنی جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یقاتل

کی راہ سے روکتے تھے،^(۱) اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے۔

۳۸. اور جب کہ ان کے اعمال کو شیطان انہیں خوشنما بنا کر دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آسکتا، میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔^(۲) میں اللہ سے ڈرتا ہوں،^(۳) اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔^(۴)

۳۹. جب کہ منافق کہہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ تھا^(۵) کہ انہیں تو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے^(۶) اور جو بھی اللہ پر بھروسہ کرے

اللَّهُ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ حَبِيطٌ ۝

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتِ الْقَوْمُتَيْنِ نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

إِذْ يَقُولُ الْمُبَغِّضُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهُمْ هُوَ زُورٌ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

۱. مشرکین مکہ، جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے، تو بڑے اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کو اس کافرانہ شیوے سے روکا گیا ہے۔

۲. مشرکین جب مکہ سے روانہ ہوئے تو انہیں اپنے حریف قبیلے بنی بکر بن کنانہ سے اندیشہ تھا کہ وہ پیچھے سے انہیں نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ شیطان سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر آیا، جو بنی بکر بن کنانہ کے ایک سردار تھے، اور انہیں نہ صرف فتح و غلبہ کی بشارت دی بلکہ اپنی حمایت کا بھی پورا یقین دلایا۔ لیکن جب ملائکہ کی صورت میں امداد الہی اسے نظر آئی تو ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔

۳. اللہ کا خوف تو اس کے دل میں کیا ہونا تھا؟ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ کی خاص مدد حاصل ہے۔ مشرکین ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

۴. ممکن ہے یہ شیطان کے کلام کا حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے جملہ متنافہ ہو۔ اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کی کامیابی کے بارے میں انہیں شک تھا، یا اس سے مراد مشرکین ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہودی مراد ہوں۔

۵. یعنی ان کی تعداد تو دیکھو اور سروسامان کا جو حال ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ مقابلہ کرنے چلے ہیں مشرکین مکہ سے، جو تعداد میں بھی ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر طرح کے سامان حرب اور وسائل سے مالا مال بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ بلاشک وشبہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔^(۱)

۵۰. اور کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور سرہنوں پر مار مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلنے کا عذاب چکھو۔^(۲)

۵۱. یہ سبب ان کاموں کے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے ہی بھیج رکھا ہے بیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔^(۳)

۵۲. مثل فرعونوں کے حال کے اور ان سے اگلوں کے،^(۴) کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ إِلَيْكُمْ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَيَكْسُ بِظُلْمٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝

كَذَٰلِكَ أَلْهَىٰ فرعونَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمُ كُفْرًا ۖ يَأْتِي اللَّهَ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

۱. اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اہل دنیا کو اہل ایمان کے عزم وثبات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جن کا توکل اللہ کی ذات پر ہے، جو غالب ہے یعنی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ بے سہارا نہیں چھوڑتا اور حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل میں حکمت بالغہ ہے جس کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں۔

۲. بعض مفسرین نے اسے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی بابت قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف آتے تو مسلمان ان کے چہروں پر تلواریں مارتے، جس سے بچنے کے لیے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے تو فرشتے ان کی دبروں پر تلواریں مارتے۔ لیکن یہ آیت عام ہے جو ہر کافر و مشرک کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کے مونہوں اور پشتوں (یا دبروں یعنی چوڑوں) پر مارتے ہیں، جس طرح سورۃ النعام میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْمَلَائِكَةُ لَا يَرِئُوهُمْ﴾ (النعام: ۹۳) (فرشتے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ دراز کرتے ہیں) اور بعض کے نزدیک فرشتوں کی یہ ماریاقت کے دن جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے ہوگی اور داروغہ جہنم کہے گا ”تم جلنے کا عذاب چکھو۔“

۳. یہ ضرب و عذاب تمہارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ تو عادل ہے جو ہر قسم کے ظلم و جور سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں نے شمار کر کے رکھے ہوئے ہیں، پس جو اپنے اعمال میں بھلائی پائے، اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔“ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم)

۴. ذائب کے معنی ہیں عادت۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے۔ یعنی ان مشرکین کی عادت یا حال، اللہ کے پیغمبروں کے جھٹلانے میں، اسی طرح ہے جس طرح فرعون اور اس سے قبل دیگر کمذبین کی عادت یا حال تھا۔

۵۳۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی^(۱) اور یقیناً اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

۵۴۔ فرعونیوں کی اور ان سے پہلے کے لوگوں کی حالت کے مانند، کہ انہوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں۔ پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انہیں برباد کیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا۔ اور یہ سارے ظالم تھے۔^(۲)

۵۵۔ یقیناً تمام جانداروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں۔^(۳)

۵۶۔ جن سے آپ نے عہد و پیمان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔^(۴)

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ كَرِهَ يَكُ مُعْتَدِرًا الْعَهْدَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَوْمٌ هَٰؤُلَاءِ لَمْ يَخَفُوا اللَّهَ فَأَنشَأَهُمُ اللَّهُ سَبْعَ مَلَأَ عَلَيْهِمُ

كَذَّابًا إِلَىٰ رِجْوَاهُمْ فَانكَلَ اللَّهُ عَنْهُمُ الذُّلَّ أَفَلَا يَتُوبُونَ ۚ وَاعْرِفْ أَنَّ قُرْعُونَ وَكُلُّ كَانُوا ظَالِمِينَ ۝

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَسْتَوُونَ ۝

۱۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے اعراض کر کے اپنے احوال و اخلاق کو نہیں بدل لیتی، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اپنی نعمتیں سلب فرمالیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب یہی ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعتِ الہی کا راستہ اختیار کرے۔

۲۔ یہ اسی بات کی تاکید ہے جو پہلے گزری، البتہ اس میں ہلاکت کی صورت کا اضافہ ہے کہ انہیں غرق کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ واضح کر دیا کہ اللہ نے ان کو غرق کر کے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَالِمٍ لِلْعَالَمِينَ﴾ - (حجۃ السجدة: ۴۶)۔

۳۔ شَرُّ النَّاسِ (لوگوں میں سب سے بدتر) کے بجائے انہیں شَرُّ الدَّوَابِّ کہا گیا ہے۔ جو لغوی معنی کے لحاظ سے تو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال چوپایوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا کافروں کا تعلق انسانوں سے ہی نہیں۔ کفر کا ارتکاب کر کے وہ جانور بلکہ جانوروں میں بھی سب سے بدتر جانور بن گئے ہیں۔

۴۔ یہ کافروں ہی کی ایک عادت بیان کی گئی ہے کہ ہر بار نقضِ عہد کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے عواقب سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کو مراد لیا ہے، جن سے رسول اللہ ﷺ کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ کافروں کی مدد نہیں کریں گے لیکن انہوں نے اس کی پاسداری نہیں کی۔

۵۷. پس جب کبھی تو لڑائی میں ان پر غالب آجائے انہیں ایسی مار مار کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں^(۱) ہو سکتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں۔

۵۸. اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے،^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۳)

۵۹. اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے۔ یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے۔

۶۰. اور تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی^(۴) کہ اس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے

فَالَمَّا تَثَقَّفَتْهُمْ فِي الْحَرْبِ فَسَرَدْتَهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۵۷﴾

وَالْمُخَافَتَنِ مِّنْ قُوَّةٍ خِيَانَةً فَإِنِ يَدْرَأَ إِلَيْهِمْ
عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَيُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۵۸﴾

وَلَا يَجْزِيكَ الْكَافِرِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَبَقُوا إِلَيْهِمْ
لَا يُجِزُونَ ﴿۵۹﴾

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ
رِبَاطِ الْخَيْلِ تُهْبِئُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

۱. سَرَدَتْ بِهِمْ کا مطلب ہے کہ ان کو ایسی مار مار کہ جس سے ان کے پیچھے، ان کے حمایتیوں اور ساتھیوں میں بھگدڑ مچ جائے، حتیٰ کہ وہ آپ کی طرف اس اندیشے سے رخ ہی نہ کریں کہ کہیں ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ان کے پیش روؤں کا ہوا ہے۔
۲. خیانت سے مراد ہے معاہدہ قوم سے نقض عہد کا خطرہ۔ اور عَلٰی سَوَاءٍ (برابری کی حالت میں) کا مطلب ہے کہ انہیں باقاعدہ مطلع کیا جائے کہ آئندہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ تاکہ دونوں فریق اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، کوئی ایک فریق لاعلمی اور مغالطے میں نہ مارا جائے۔

۳. یعنی یہ نقض عہد اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہو تو یہ خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ جب معاہدے کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کی سرزمین کے قریب اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی رومیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبد رضی اللہ عنہ کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تیاری آئی تو انہوں نے اسے غدر سے تعبیر فرمایا اور ایک حدیث رسول بیان فرما کر اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ (مسند

احمد: جلد ۵، ص ۱۱۱- ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی الإمام یكون بینہ وبين العدو عهد فیسیر نحوه (الیہ) - ترمذی، أبواب السیر، باب ماجاء فی الغدر)

۴. قُوَّة کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی تیر اندازی (صحیح مسلم - کتاب الإمارة، باب فضل الرمی والحث علیہ - و دیگر کتب حدیث) کیونکہ اس دور میں یہ بہت بڑا جنگی ہتھیار اور نہایت اہم فن تھا، جس طرح گھوڑے جنگ کے لیے ناگزیر ضرورت تھے، جیسا کہ اس آیت سے بھی واضح ہے۔ لیکن اب تیر اندازی اور گھوڑوں کی یہ جنگی اہمیت اور افادیت و ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کے تحت آج کل کے جنگی ہتھیاروں (مثلاً میراٹیل، ٹینک، بم اور جنگی جہاز اور بحری جنگ کے لیے آبدوزیں وغیرہ) کی تیاری ضروری ہے۔

وَأَخْرَجَ مِنْ دُونِهِمْ لَأَعْلَمُوهُمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُمْ وَأَتَقَفُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُؤَفُّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٥٠﴾

وَأَنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاِجْتَمَعُوا لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٥١﴾

وَأَنْ يُرِيدُوا أَنْ يُجَادِعُواكَ فَإِنْ حَسِبَكَ اللَّهُ هَؤُلَاءِ مِنْ آيَاتِكَ بِنَصَرَةٍ يَأْتِيهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ بِآيَاتِهِ عَزِيزٌ ذِكْرُهُ ﴿٥٣﴾

سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔

۶۱. اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ، ^(۱) یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے۔

۶۲. اور اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی ہے، اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے۔

۶۳. اور ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے ^(۲) یقیناً وہ غالب حکمتوں والا ہے۔

۱. یعنی اگر حالات جنگ کے بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، یقیناً اللہ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا، اور وہ آپ کو کافی ہے۔ لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو، مسلمان قوت و وسائل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خوردہ تو اس صورت میں صلح کے بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا ضروری ہے۔ ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (الأنفال: ۳۹)

۲. ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی، اسے محبت و الفت میں تبدیل فرما دیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جاثرا بن گئے، پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے، باہم پیار اور محبت پیدا کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کار فرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورہ آل عمران: ۱۰۳ ﴿إِذْ كُنْتُمْ أَقْدَارًا فَلَقْنَا بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ میں بھی فرمایا ہے اور نبی ﷺ نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت نصیب

۶۳. اے نبی! (ﷺ) تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں۔

۶۵. اے نبی! (ﷺ) ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ^(۱) اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے، تو دو سو پر غالب رہیں گے۔ اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے^(۲) اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔

۶۶. اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۖ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَإِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝

أَلَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں آپس میں جوڑ دیا۔ نبی ﷺ جو بات کہتے، انصار اس کے جواب میں یہی کہتے ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْنٌ“۔ ”اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں“ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف - صحیح مسلم، کتاب الزکوة باب إعطاء المؤلفلة قلوبهم على الإسلام)

۱. تَحْرِیضُ کے معنی ہیں ترغیب میں مبالغہ کرنا یعنی خوب رغبت دلانا اور شوق پیدا کرنا۔ چنانچہ اس کے مطابق نبی ﷺ جنگ سے قبل صحابہ کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے۔ جیسا کہ بدر کے موقع پر جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آ موجود ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا ”ایسی جنت میں جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“ ایک صحابی عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا ”اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ اس پر رخ رخ کہا یعنی خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس میں جانے والوں میں سے ہو گے۔“ چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر جو بچیں، ہاتھ سے پھینک دیں اور کہا۔ ”ان کے کھانے تک میں زندہ رہا تو یہ تو طویل زندگی ہوگی“ پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے، حتیٰ کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم، کتاب الإمامة، باب ثبوت الجنة للشهيد)

۲. یہ مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ تمہارے ثابت قدمی سے لڑنے والے بیس مجاہد دو سو پر اور سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے۔

سے دو ہزار پر غالب رہیں گے،^(۱) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔^(۲)

۶۷۔ نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہئیں جب تک کہ ملک میں اچھی خوزیزی کی جنگ نہ ہو جائے۔ تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے^(۳) اور اللہ زور آور با حکمت ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهَا أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُنْفَخَ
فِي الْأَرْضِ رُيْدًا وَلَا يَكُونَ لِلدُّنْيَا وَلِللَّهِ رِيْدٌ
الْآخِرَةُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۷﴾

۱۔ پچھلا حکم صحابہ رضی اللہ عنہم پر گراں گزرا، کیونکہ اس کا مطلب تھا، ایک مسلمان دس کافروں کے لیے، بیس دو سو کے لیے اور سو ایک ہزار کے لیے کافی ہیں اور کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو تو جہاد فرض اور اس سے گریز ناجائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرما کر ایک اور دس کا تناسب کم کر کے ایک اور دو کا تناسب کر دیا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الأنفال) اب اس تناسب پر جہاد ضروری اور اس سے کم پر غیر ضروری ہے۔

۲۔ یہ کہہ کر صبر و ثبات قدمی کی اہمیت بیان فرمادی کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

۳۔ جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنالیے گئے۔ یہ کفر و اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا۔ اس لیے قیدیوں کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اسی لیے دونوں ہی باتیں زیر غور آئیں۔ لیکن بعض دفعہ جواز و عدم جواز سے قطع نظر حالات و ظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں بھی ضرورت زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی تھی۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ مشورے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ مشورہ دیا کہ کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ یہ کفر اور کافروں کے سرغنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ سازشیں کریں گے۔ جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے اس کے برعکس یہ تھی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے نبی ﷺ نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں ﴿حَتَّىٰ يُنْفَخَ فِي الْأَرْضِ﴾ کا مطلب ہے کہ اگر ملک میں کفر کا غلبہ ہے (جیسا کہ اس وقت عرب میں کفر کا غلبہ تھا) تو کافروں کی خون ریزی کر کے کفر کی قوت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نکتے کو نظر انداز کر کے تم نے جو فدیہ قبول کیا ہے تو گویا زیادہ بہتر صورت کو چھوڑ کر کم تر صورت کو اختیار کیا ہے جو تمہاری غلطی ہے۔ بعد میں جب کفر کا غلبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے، فدیہ لے کر چھوڑ دے، یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے، اور چاہے تو ان کو غلام بنالے، حالات و ظروف کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔

۶۸. اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی^(۱) تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس بارے میں تمہیں کوئی بڑی سزا ہوتی۔

۶۹. پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، خوب کھاؤ پیو^(۲) اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے۔

۷۰. اے نبی! (ﷺ) اپنے قبضے میں آئے ہوئے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیت دیکھے گا^(۳) تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا^(۴) اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ہی۔

۷۱. اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پہلے خود اللہ کی خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے انہیں گرفتار کر دیا،^(۵) اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ۚ قُلْ لِمَنْ فِي يَدَيْكُمْ مِنَ الْأَمْوَالِ ۖ إِنِّي نِعِمَّا اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرٌ ۖ إِنِّي زَكَاةً وَمِمَّا أَخَذْنَا مِنْكُمْ وَنَعْفُورٌ ۚ

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

۱. اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ لکھی ہوئی بات کیا تھی؟ بعض نے کہا کہ اس سے مال غنیمت کی حلت مراد ہے یعنی چونکہ یہ نوشتہ تقدیر تھا کہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال ہوگا، اس لیے تم نے فدیہ لے کر ایک جائز کام ہی کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فدیہ لینے کی وجہ سے تمہیں عذاب عظیم پہنچتا۔ بعض نے اہل بدر کی مغفرت اس سے مراد لی ہے، بعض نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب میں مانع ہونا مراد لیا ہے وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر)

۲. اس میں مال غنیمت کی حلت و پاکیزگی کو بیان کر کے فدیہ کا جواز بیان فرمایا گیا۔ جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ”لکھی ہوئی بات“ سے مراد شاید یہی حلت غنائم ہے۔

۳. یعنی ایمان و اسلام لانے کی نیت اور اسے قبول کرنے کا جذبہ۔

۴. یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمہیں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کے بعد عطا فرمادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو ان قیدیوں میں تھے، مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اللہ نے انہیں دنیوی مال و دولت سے بھی خوب نوازا۔

۵. یعنی زبان سے تو اظہار اسلام کر دیں لیکن مقصد دھوکہ دینا ہو، تو اس سے قبل انہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے کیا حاصل کیا؟ یہی کہ وہ مسلمانوں کے قیدی بن گئے، اس لیے آئندہ بھی اگر وہ شرک کے راستے پر قائم رہے تو اس سے مزید ذلت و رسوائی کے سوا انہیں کچھ اور حاصل نہیں ہوگا۔

۷۲۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا^(۱) اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی،^(۲) یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں،^(۳) اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔^(۴) ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے،^(۵) سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے،^(۶) تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے۔

۷۳۔ اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔^(۷)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ أَوْدُوا نَصْرَ وَآوَلَيْكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَهَاجَرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَابْتَغَوْا آلِيَاءَ بَعْضُ الْأَقْفَوَةِ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

۱۔ یہ صحابہ مہاجرین کہلاتے ہیں جو فضیلت میں صحابہ میں اول نمبر پر ہیں۔

۲۔ یہ انصار کہلاتے ہیں۔ یہ فضیلت میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

۳۔ یعنی ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمادیا تھا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے (بعد میں وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا)۔

۴۔ یہ صحابہ کی تیسری قسم ہے جو مہاجرین و انصار کے علاوہ ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے ہی علاقوں اور قبیلوں میں مقیم رہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری حمایت یا وراثت کے وہ مستحق نہیں۔

۵۔ مشرکین کے خلاف اگر ان کو تمہاری مدد کی ضرورت پیش آجائے تو پھر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔

۶۔ ہاں اگر وہ تم سے ایسی قوم کے خلاف مدد کے خواہش مند ہوں کہ تمہارے اور ان کے درمیان صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے تو پھر ان مسلمانوں کی حمایت کے مقابلے میں، معاہدے کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔

۷۔ یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدم مواصلات نہ کی، تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اور وہ یہ کہ مومن اور کافر کے باہمی اختلاط اور محبت و مواصلات سے دین کے معاملے میں اشتباہ اور مداہنت پیدا ہوگی۔ بعض نے ﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ سے، وراثت ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی کافر ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی

۷۴۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔^(۱)

۷۵۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔ پس یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں^(۲) اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں،^(۳) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ مَعَكَ فَأُولَٰئِكَ مَتَكُمُ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

مسلمان کا وارث نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تم وراثت میں کفر و ایمان کو نظر انداز کر کے محض قرابت کو سامنے رکھو گے تو اس سے بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہوگا۔

۱۔ یہ مہاجرین و انصار کے انہی دو گروہوں کا تذکرہ ہے، جو پہلے بھی گزرا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر ان کی فضیلت کے سلسلے میں ہے۔ جب کہ پہلے ان کا ذکر آپس میں ایک دوسرے کی حمایت و نصرت کا وجوب بیان کرنے کے لیے تھا۔
۲۔ یہ ایک چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو فضیلت میں پہلے دو گروہوں کے بعد اور تیسرے گروہ سے، (جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) پہلے ہے۔

۳۔ اخوت یا حلف کی بنیاد پر وراثت میں جو حصہ دار بنتے تھے، اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اب وارث صرف وہی ہوں گے جو نسبی اور سسرالی رشتوں میں منسلک ہوں گے۔ اللہ کی کتاب یا اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اصل حکم یہی تھا۔ لیکن اخوت کی بنیاد پر صرف عارضی طور پر ایک دوسرے کا وارث بنا دیا گیا تھا، جو اب ضرورت ختم ہونے پر غیر ضروری ہو گیا اور اصل حکم نافذ کر دیا گیا۔

سورہ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو انتیس آیتیں
اور سولہ رکوع ہیں۔



۱. اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بیزاری کا اعلان
ہے۔^(۱) ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد
وہیمان کیا تھا۔

۲. پس (اے مشرک!) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل
پھرو،^(۲) جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں،
اور یہ (بھی یاد رہے) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے
والا ہے۔^(۳)

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ

فَيُخَوِّفُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا الْآخِرَ
مُعْجِزٍ اللَّهُ وَأَنَّ اللَّهَ مُعْزِزُ الْكَافِرِينَ ۝

☆ وجہ تسمیہ: اس کے مفسرین نے متعدد نام ذکر کیے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ ایک توبہ، اس لیے کہ اس میں
بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا نام براءت ہے۔ اس لیے کہ اس میں مشرکین سے براءت کا اعلان
عام ہے۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم درج نہیں ہے۔ اس کی بھی متعدد
وجوہات کتب تفسیر میں درج ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ ان دونوں کے
مضامین میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ سورت گویا سورہ انفال کا تتمہ یا بقیہ ہے۔ یہ سات بڑی سورتوں میں ساتویں
بڑی سورت ہے جنہیں سبع طوال کہا جاتا ہے۔

۱. فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو قرآن کریم
کی یہ آیات اور یہ احکام دے کر بھیجا تاکہ وہ مکہ میں ان کا عام اعلان کر دیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق
اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا عریاں طواف نہیں کرے گا، بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی

ہی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب ما یستتر من العورة - مسلم، کتاب الحج باب لا یحج البیت المشرک)

۲. یہ اعلان براءت ان مشرکین کے لیے تھا جن سے غیر موقت معاہدہ تھا یا چار مہینے سے کم کا تھا یا جن سے چار مہینے
سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی پاسداری کا اہتمام نہیں تھا۔ ان سب کو چار مہینے مکہ
میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انہیں یہاں
رہنے کی اجازت ہوگی، بصورت دیگر ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ چار مہینے کے بعد جزیرہ عرب سے نکل جائیں، اگر
دونوں صورتوں میں سے وہ کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے
ضروری ہوگا تاکہ جزیرہ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے۔

۳. یعنی یہ مہلت اس لیے نہیں دی جا رہی ہے کہ فی الحال تمہارے خلاف کاروائی ممکن نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد
صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی ہے تاکہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہے وہ مسلمان ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تمہاری

۳. اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن^(۱) صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے، اور اس کا رسول بھی، اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو برا نہیں سکتے۔ اور کافروں کو دکھ کی مار کی خبر پہنچا دیجیے۔

۴. بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا، نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو،^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

۵. پھر حرمت والے مہینوں^(۳) کے گزرتے ہی مشرکوں

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَوَيْبْتُمْ فَاعْلَمُوا ۚ إِنَّكُمْ عِندَ اللَّهِ غَيْرُ مَعْزُومِينَ ۚ فَاذْكُرُوا عَذَابَ إِلَهِكُمْ ۖ

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتَيْنَا الْيَوْمَ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّافِثِينَ عَلِيمٌ ۝

فَإِذَا انقَضَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ

بابت اللہ کی جو تقدیر و مشیت ہے اسے تم نال نہیں سکتے اور اللہ کی طرف سے مسلط ذلت و رسوائی سے تم بچ نہیں سکتے۔
۱. صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کا دن ہے (ترمذی: ۵۹۷، بخاری: ۳۶۵۵، مسلم: ۹۸۲) اسی دن منیٰ میں اعلان براءت سنایا گیا۔ ۱۰ ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اسی لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے جاتے ہیں۔ اور عوام عمرے کو حج اصغر کہا کرتے تھے۔ اس لیے عمرے سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جمعہ کے دن آئے، وہ حج اکبر ہے، یہ بے اصل بات ہے۔

۲. یہ مشرکین کی چوتھی قسم ہے۔ ان سے جتنی مدت کا معاہدہ تھا، اس مدت تک انہیں رہنے کی اجازت دے دی گئی، کیونکہ انہوں نے معاہدے کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

۳. ان حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی چار مہینے ہیں جو حرمت والے ہیں۔ یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور اعلان براءت ۱۰ ذوالحجہ کو کیا گیا۔ اس اعتبار سے گویا اعلان کے بعد پچاس دن کی مہلت انہیں دی گئی۔ کیونکہ حرمت والے مہینوں کے گزرنے کے بعد مشرکین کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں اَشْهُرُ حُرْمٍ سے مراد وہ حرمت والے مہینے نہیں ہیں بلکہ ۱۰ ذوالحجہ سے لے کر ۱۰ ربیع الثانی تک کے چار مہینے مراد ہیں۔ انہیں اَشْهُرُ حُرْمٍ اس لیے کہا گیا ہے کہ اعلان براءت کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں تھی۔

کو جہاں پاؤ قتل کرو^(۱) انہیں گرفتار کرو،^(۲) ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھائی میں جا بیٹھو،^(۳) ہاں اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو۔^(۴) یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

۶. اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے۔^(۵) یہ اس لیے

حَدَّثَ وَعِدَ تَبَوُّهُمْ وَخَذُواهُمْ وَاحْصَرُوهُمْ
وَأَقْعَدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ إِنَّا تَأْتُوا وَاقِمُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ
عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ
حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلُغْهُ أَمْنَهُ ذَلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

اعلان براءت کی رو سے یہ تاویل مناسب معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱. بعض مفسرین نے اس حکم کو عام رکھا ہے یعنی حل یا حرم میں، جہاں بھی پاؤ، قتل کرو۔ اور بعض مفسرین نے ﴿وَلَا تُقْبِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُفْتَلِحُوا﴾ (البقرة: ۱۹۱) (مسجد حرام کے پاس ان سے مت لڑو یہاں تک کہ وہ خود تم سے لڑیں، اگر وہ لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے)، اس آیت سے تخصیص کی ہے اور صرف حدود حرم سے باہر حل میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی انہیں قیدی بنا لیا قتل کر دو۔

۳. یعنی اس بات پر اکتفا نہ کرو کہ وہ تمہیں کہیں ملیں تو تم کاروائی کرو۔ بلکہ جہاں جہاں ان کے حصار، قلعے اور پناہ گاہیں ہیں، وہاں وہاں ان کی گھات میں رہو۔ حتیٰ کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لیے نقل و حرکت ممکن نہ رہے۔

۴. یعنی کوئی کاروائی ان کے خلاف نہ کی جائے، کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ گویا قبول اسلام کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا اہتمام ضروری ہے، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف، اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کیا۔ اور فرمایا واللہ لَأَقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ (متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ، فصل ثالث) ”اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کریں گے۔“ یعنی نماز تو پڑھیں لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز کریں۔

۵. اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو تاکہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے۔ اور تاکہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے۔ لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی امان کی پاسداری آخر تک کرنی ہے، جب تک کہ وہ اپنے مستقر تک بخیریت واپس نہیں پہنچ جاتا اس کی جان کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔

کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔^(۱)

۷. مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے عہد رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد و پیمان کیا ہے،^(۲) جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو، اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔^(۳)

۸. ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا،^(۴) اپنی زبانوں سے تو تمہیں پرچا رہے ہیں لیکن ان کے دل نہیں مانتے ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں۔

۹. انہوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے روکا۔ بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

۱۰. یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، اور یہ ہیں ہی حد سے گزرنے والے۔^(۵)

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدُوا عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَبْلَ اسْتِغْثَاؤِ الْكُفْرِ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِمْ وَأَنْتُمْ بِاللَّهِ حُجُبُ الْمُتَّقِينَ ①

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُ عَلَيْكُمْ أَهْلُ يَمِينِكُمْ إِلَّا وَلَا دِمَةٌ يُرِيضُوكُمْ يَا فُؤَادَهُمْ وَتَأْتِي قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فِيمَقُونَ ②

إِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَصْدًا وَأَعَنَ سَبِيلَهُ ③ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ④

لَا يَرْفِقُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ⑤

۱. یعنی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ ممکن ہے اللہ اور رسول کی باتیں ان کے علم میں آئیں اور مسلمانوں کا اخلاق و کردار دیکھیں تو وہ اسلام کی حقانیت و صداقت کے قائل ہو جائیں اور اسلام قبول کر کے آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے کافر امان طلب کر کے مدینہ آتے جاتے رہے تو انہیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے مشاہدے سے اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

۲. یہ استفہام نفی کے لیے ہے، یعنی جن مشرکین سے تمہارا معاہدہ ہے، ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔

۳. یعنی عہد کی پاسداری، اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ امر ہے۔ اس لیے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔

۴. کَيْفَ، پھر بطور تاکید، نفی کے لیے ہے۔ اِلَّا کے معنی قرابت (رشتہ داری) اور ذِمَّةً کے معنی عہد کے ہیں۔ یعنی ان مشرکین کی زبانی باتوں کا کیا اعتبار، جب کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر یہ تم پر غالب آجائیں تو کسی قرابت اور عہد کا پاس نہیں کریں گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کَيْفَ مشرکین کے لیے ہے اور دوسرے سے یہودی مراد ہیں، کیونکہ ان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ اور یہ وطیرہ یہودیوں ہی کا رہا ہے۔

۵. بار بار وضاحت سے مقصود مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔

۱۱. اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں، تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔^(۱) ہم تو جانے والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں۔

۱۲. اور اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ۔ ان کی قسمیں^(۲) کوئی چیز نہیں، ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آجائیں۔

۱۳. تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے کیوں تیار نہیں

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَأَخُواكُمْ فِي الدِّينِ وَلَفَصَّلَ الْآيَاتِ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ^(۱۱)

وَرَأَوْا نَكَوًا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ
عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا
أَيُّمَةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَأَيْمَانٌ لَكُمْ
لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ^(۱۲)

الْأَنْفَاتِلُونَ قَوْمًا تَكُونُ أَيْمَانُهُمْ

۱. نماز - توحید و رسالت کے اقرار کے بعد - اسلام کا سب سے اہم رکن ہے، جو اللہ کا حق ہے، اس میں اللہ کی عبادت کے مختلف پہلو ہیں۔ اس میں دست بستہ قیام ہے، رکوع و سجود ہے، دعاء و مناجات ہے، اللہ کی عظمت و جلالت کا اور اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار ہے۔ عبادت کی یہ ساری صورتیں اور قسمیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ نماز کے بعد دوسرا اہم فریضہ زکوٰۃ ہے، جس میں عبادتی پہلو کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ زکوٰۃ سے معاشرے کے اور زکوٰۃ دینے والے کے قبیلے کے ضرورت مند، مفلس و نادار اور معذور و محتاج لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی شہادت کے بعد ان ہی دو چیزوں کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں“ (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلوة - مسلم، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے - ومن لم يترك فلا صلوة له (حوالہ مذکورہ) ”جس نے زکوٰۃ نہیں دی، اس کی نماز بھی نہیں۔“

۲. اَيْمَانٌ، بَيْعِن کی جمع ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔ ائمہ، امام کی جمع ہے۔ مراد پیشوا اور لیڈر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں، اور دین میں طعن کریں، تو ظاہری طور پر یہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کفر کے ان پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ ممکن ہے اس طرح یہ اپنے کفر سے باز آجائیں۔ اس سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ ذمی (اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم) اگر نقض عہد نہیں کرتا، البتہ دین اسلام میں طعن کرتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن نے اس سے قتال کے لیے دو چیزیں ذکر کی ہیں، اس لیے جب تک دونوں چیزوں کا صدور نہیں ہوگا، وہ قتال کا مستحق نہیں ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی اور دیگر علماء طعن فی الدین کو نقض عہد بھی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک اس میں دونوں ہی چیزیں آجاتی ہیں، لہذا اس ذمی کا قتل جائز ہے، اسی طرح نقض عہد کی صورت میں بھی قتل جائز ہے۔ (فتح القدیر)

ہوتے^(۱) جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کی فکر میں ہیں^(۲) اور خود ہی اول بار انہوں نے تم سے چھپر کی ہے۔^(۳) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔

۱۴۔ ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا، انہیں ذلیل و رسوا کرے گا، تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا۔

۱۵۔ اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کرے گا،^(۴) اور وہ جس کی طرف چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے۔

۱۶۔ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے^(۵) حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاہد ہیں^(۶) اور جنہوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مومنوں کے سوا کسی کو ولی دوست نہیں

وَهُمْ يُأْخِرُ الرِّسُولَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ
أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَتْهُمْ قَائِلَةٌ أَنْ تُنْصَرِفُوا
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

قَائِلَةٌ لَهُمْ بَعَثَ اللَّهُ بِكُمْ رَسُولًا مِمَّنْ
فِيكُمْ يَتْلُو آيَاتِهِ وَيُصَدِّقُ كَلِمَاتِهِمْ
وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝

وَبَدَّ هَبَ عَيْنُ قَوْمٍ لَهُمْ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ
يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَنْ يُفْعَلَ اللَّهُ الْغَیْبُ
جَهْدًا وَأَمْنًا وَلَمْ يَكُنْ دُونَ اللَّهِ وَلَا
رَسُولُهُ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلَیْسَ اللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا
تَعْمَلُونَ ۝

۱۔ اَلَا حرف تحذیض ہے، جس سے رغبت دلائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے۔

۲۔ اس سے مراد دار الندوہ کی وہ مشاورت ہے جس میں رؤسائے مکہ نے نبی ﷺ کے جلاوطن کرنے، قید کرنے یا قتل کرنے کی تجویزوں پر غور کیا۔

۳۔ اس سے مراد یا تو بدر کی جنگ میں مشرکین مکہ کا رویہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے گئے۔ لیکن اس کے باوجود کہ انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کرتے اور چھپر خانی کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بالآخر جنگ ہو کر رہی۔ یا اس سے مراد قبیذ بنی بکر کی وہ امداد ہے جو قریش نے کی، جب کہ انہوں نے رسول ﷺ کے حلیف قبیل خزاعہ پر چڑھائی کی تھی درآں حالیکہ قریش کی یہ امداد معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔

۴۔ یعنی جب مسلمان کمزور تھے تو یہ مشرکین ان پر ظلم و ستم کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے بڑے دکھی اور مجروح تھے۔ جب تمہارے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے اور ذلت و رسوائی ان کے حصے میں آئے گی تو فطری بات ہے کہ اس سے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے اور دلوں کا غصہ فرو ہو گا۔

۵۔ یعنی بغیر امتحان اور آزمائش کے۔

۶۔ گویا جہاد کے ذریعے امتحان لیا گیا۔

بنایا۔^(۱) اور اللہ خوب خبردار ہے جو تم کر رہے ہو۔^(۲)

۱۷۔ لائق نہیں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ درآں حالیکہ وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں،^(۳) ان کے اعمال غارت واکارت ہیں، اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں۔^(۴)

۱۸۔ اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے پابند ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ یقیناً ہدایت یافتہ ہیں۔^(۵)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِم بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾

لَا تَأْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمَنِ يَوْمِ الْيَوْمِ الْأَخِيرِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ إِلَّا لِلَّهِ ۚ عَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾

۱۔ وَلِجَنَّةٍ، گہرے اور دلی دوست کو کہتے ہیں مسلمانوں کو چونکہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا، لہذا یہ بھی آزمائش کا ایک ذریعہ تھا جس سے مخلص مومنوں کو دوسروں سے ممتاز کیا گیا۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے ہی ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن جہاد کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلص اور غیر مخلص، فرماں بردار اور نافرمان بندے نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جنہیں ہر شخص دیکھ اور پہچان لیتا ہے۔

۳۔ مَسَاجِدَ اللَّهِ سے مراد مسجد حرام ہے جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ و مرکز ہے یا عربوں میں واحد کے لیے بھی جمع کا استعمال جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (یعنی مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر و شرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ جیسے وہ تبلیہ میں کہا کرتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمَلَّكُهُ وَمَا مَلَكَ (صحیح مسلم، باب التلبیة) یا اس سے مراد وہ اعتراف ہے جو ہر مذہب والا کرتا ہے کہ میں یہودی، نصرانی، صابی یا مشرک ہوں۔ (فتح القدیر)

۴۔ یعنی ان کے وہ عمل جو بظاہر نیک لگتے ہیں، جیسے طواف و عمرہ اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کے بغیر یہ اعمال ایسے درخت کی طرح ہیں جو بے ثمر ہیں یا ان پھولوں کی طرح ہیں جن میں خوشبو نہیں ہے۔

۵۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ، فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ (ترمذی، تفسیر سورة التوبة) ”جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں پابندی سے آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔“ قرآن کریم میں یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نماز، زکوٰۃ اور خشیت الہی ہے۔ جس سے نماز، زکوٰۃ اور تقویٰ کی اہمیت واضح ہے۔

۱۹. کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے نزدیک برابر کے نہیں^(۱) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۲)

۲۰. جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَبِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ^(۱)

أَكْزَبْنَ الْمَنُونَا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ دَرَجَةً

۱. مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے، اس پر انہیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم سقایت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں۔ بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں، چاہے وہ صورۃ خیر ہی ہو۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے جملے ﴿حِطَّتْ أَسْمَاءُ﴾ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایت میں اس کا سبب نزول مسلمانوں کی آپس میں ایک گفتگو کو بتلایا گیا ہے کہ ایک روز منبر نبوی کے قریب کچھ مسلمان جمع تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا، مسجد حرام کو آباد کرنا ہے۔ تیسرے نے کہا، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام عملوں سے بہتر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اس طرح باہم تکرار کرتے ہوئے سنا تو انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول ﷺ کے پاس آوازیں اونچی مت کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی اس گفتگو کی بابت استفسار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، کتاب الإمامۃ، باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ) جس میں گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ سب سے زیادہ اہمیت و فضیلت والے عمل ہیں۔ گفتگو کے حوالے سے اصل اہمیت و فضیلت تو جہاد کی بیان کرنی تھی لیکن ایمان باللہ کے بغیر چونکہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اس لیے پہلے اسے بیان کیا گیا۔ بہر حال اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ اس کا سبب نزول مشرکین کے مزعومات فاسدہ کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی اپنے اپنے طور پر بعض عملوں کو بعض پر زیادہ اہمیت دینا تھا، جب کہ یہ کام شارع کا ہے نہ کہ مومنوں کا۔ مومنوں کا کام تو ہر اس بات پر عمل کرنا ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے انہیں بتلائی جائے۔

۲. یعنی یہ لوگ چاہے کیسے بھی دعوے کریں، حقیقت میں ظالم ہیں یعنی مشرک ہیں، اس لیے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم کی وجہ سے یہ ہدایت الہی سے محروم ہیں۔ اس لیے ان کا اور مسلمانوں کا، جو ہدایت الہی سے بہرہ ور ہیں، آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

مرتبہ والے ہیں، اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

۲۱. انہیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی، ان کے لیے وہاں دوا می نعمت ہے۔

۲۲. وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑے ثواب ہیں۔^(۱)

۲۳. اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گناہ گار ظالم ہے۔^(۲)

۲۴. آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ

عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢١﴾
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢٢﴾

خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ ﴿٢٣﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَأَخْوَانَكُمْ وَأَوْلِيَاءَ إِنْ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَوَلَّيْكُمْ ۚ إِنَّكُمْ أَنتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٤﴾

فَلَنْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَأَخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ بِأَقْرَبَ شُؤْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكَنٌ تَرْضَوْنَ أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَوُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾

۱۔ ان آیت میں ان اہل ایمان کی فضیلت بیان کی گئی جنہوں نے ہجرت کی اور اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ فرمایا، اللہ کے ہاں انہی کا درجہ سب سے بلند ہے اور یہی کامیاب ہیں، یہی اللہ کی رحمت و رضامندی اور دائمی نعمتوں کے مستحق ہیں نہ کہ وہ جو خود اپنے منہ میاں مٹھو بیٹے اور اپنے آبائی طور طریقوں کو ہی ایمان باللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے ہیں۔

۲۔ یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: سورۃ آل عمران آیت: ۲۸-۱۱۸، سورۃ المائدہ آیت: ۵۱ اور سورۃ المجادلہ آیت: ۲۲) یہاں جہاد و ہجرت کے موضوع کے ضمن میں (چونکہ اس کی اہمیت واضح ہے اس لیے) اسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جہاد و ہجرت میں تمہارے لیے تمہارے باپوں اور بھائیوں وغیرہ کی محبت آڑے نہ آئے، کیونکہ اگر وہ ابھی تک کافر ہیں، تو پھر وہ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے، بلکہ وہ تو تمہارے دشمن ہیں، اگر تم ان سے محبت کا تعلق رکھو گے تو یاد رکھو تم ظالم قرار پاؤ گے۔

فاستقوا کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۱)

۲۵۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حسنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كُنُوتُكُمْ فَلَمْ
تُغْنِ عَنْكُمْ سَبِيلًا وَمَضَّاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ
بِمَا كُحِبَتْ لَكُمْ وَلَيْتُمْ مُدْرِكِينَ ۝

۱۔ اس آیت میں بھی گذشتہ مضمون کو بڑے موکد انداز میں بیان کیا گیا ہے عشیرۃ اسم جمع ہے، وہ قریب ترین رشتے دار جن کے ساتھ آدمی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے، یعنی کنبہ، قبیلہ۔ اقتراف، کسب (کمانی) کے معنی کے لیے آتا ہے۔ تجارت، سودے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں جس سے مقصد نفع کا حصول ہو۔ کساد، مندی کو کہتے ہیں یعنی سامان فروخت موجود ہو لیکن خریدار نہ ہوں یا اس چیز کا وقت گزر چکا ہو، جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے۔ دونوں صورتیں مندی کی ہیں۔ مساکن سے مراد وہ گھر ہیں جنہیں انسان موسم کے شدائد و حوادث سے بچنے، آبرو مندانہ طریقے سے رہنے سہنے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کرتا ہے، یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اور ان کی اہمیت و افادیت بھی ناگزیر اور قلوب انسانی میں ان سب کی محبت بھی طبعی ہے (جو مذموم نہیں) لیکن اگر ان کی محبت اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مانع ہو جائے، تو یہ بات اللہ کو سخت ناپسندیدہ اور اس کی ناراضی کا باعث ہے۔ اور یہ فسق (نافرمانی) ہے جس سے انسان اللہ کی ہدایت سے محروم ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ آخری الفاظ تہدید سے واضح ہے۔ احادیث میں نبی ﷺ نے بھی اس مضمون کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یا رسول اللہ! ﷺ مجھے آپ - اپنے نفس کے سوا- ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تک میں اس کے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اس وقت تک وہ مومن نہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”پس واللہ! اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے عمر! (رضی اللہ عنہ) اب تم مومن ہو۔“ (صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کان یمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں، جب تک میں اس کو، اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ، محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان - ومسلم کتاب الایمان، باب بیان خصال من اتصف بہن وجد حلاوة الایمان) ایک اور حدیث میں جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ”جب تم بے عینۃ (کسی کو مدت معینہ کے لیے چیز ادھار دے کر، پھر اس سے کم قیمت پر خرید لینا) اختیار کر لو گے اور گایوں کی دہلیز پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی و قانع ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط فرمادے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے، جب تک اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے۔“ (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب النہی عن

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰﴾

۲۶۔ پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ اور ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مَنْ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱﴾

۲۷۔ پھر اس کے بعد بھی جس پر چاہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی توجہ فرمائے گا^(۱) اور اللہ ہی بخشش و مہربانی کرنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْبَشَرُ نَجْوَ بَشَرٍ فَلَا يَقْرَأُوا الْحَرَامَ بَعْدَ عَلِيمِهِمْ

۲۸۔ اے ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں^(۲) وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ

۱۔ حُنَيْنِ مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں ہوازن اور ثقیف رہتے تھے، یہ دونوں قبیلے تیر اندازی میں مشہور تھے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے جس کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہوا تو آپ ۱۲ ہزار کا لشکر لے کر ان قبیلوں سے جنگ کے لیے حنین تشریف لے گئے، یہ فتح مکہ کے ۱۸، ۱۹ دن بعد، شوال کا واقعہ ہے۔ مذکورہ قبیلوں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور مختلف کمین گاہوں میں تیر اندازوں کو مقرر کر دیا تھا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ عُجْب پیدا ہو گیا کہ آج کم از کم قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوں گے۔ یعنی اللہ کی مدد کے بجائے، اپنی کثرت تعداد پر اعتماد زیادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عجب اور یہ کلمہ پسند نہیں آیا۔ نتیجتاً جب ہوازن کے تیر اندازوں نے مختلف کمین گاہوں سے مسلمانوں کے لشکر پر یکبارگی تیر اندازی کی تو اس غیر متوقع اور اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان میں صرف رسول اللہ ﷺ اور سو کے قریب مسلمان رہ گئے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو پکار رہے تھے ”اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں“ کبھی یہ رجز یہ کلمہ پڑھتے ”أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ“ پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (جو نہایت بلند آواز تھے) حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے آواز دیں۔ چنانچہ ان کی ندان سر کر مسلمان سخت پشیمان ہوئے اور دوبارہ میدان میں آگئے اور پھر اس طرح جم کر لڑے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی بھی مدد پھر اس طرح حاصل ہوئی کہ ایک تو ان پر سکینت نازل فرمائی گئی، جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا۔ دوسرا فرشتوں کا نزول ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے چھ ہزار کافروں کو قیدی بنایا (جنہیں بعد میں نبی ﷺ کی درخواست پر چھوڑ دیا گیا) اور بہت سامان غنیمت حاصل ہوا۔ جنگ کے بعد ان کے بہت سے سردار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہاں ۳ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا مختصر ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ مشرک کے نجس (پلید، ناپاک) ہونے کا مطلب، عقائد و اعمال کے لحاظ سے ناپاک ہونا ہے۔ بعض کے نزدیک مشرک ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہے۔ کیونکہ وہ طہارت (صفائی و پاکیزگی) کا اس طرح اہتمام نہیں کرتا، جس کا حکم شریعت نے دیا ہے۔

پھکنے پائیں^(۱) اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے تمہیں دولت مند کر دے گا،^(۲) بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔

۲۹. ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔^(۳)

هَذَا أَوْ إِنْ خِفْتُمْ عِبَلَكُمْ فَتَوَفَّيْغِيكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۱۰﴾

۱. یہ وہی حکم ہے جو سن ۹ ہجری میں اعلان براءت کے ساتھ کیا گیا تھا، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے۔ ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے تمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی ﷺ کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد، پورا حرم ہے۔ یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اپنے دور حکومت میں یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلے سے ممانعت کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ابن کثیر)

۲. مشرکین کی ممانعت سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی ہے، یہ متاثر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس مفلسی (یعنی کاروبار کی کمی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا چنانچہ فتوحات کی وجہ سے کثرت سے مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اور پھر بتدریج سارا عرب بھی مسلمان ہو گیا اور حج کے موسم میں حاجیوں کی ریل پیل پھر اسی طرح ہو گئی جس طرح پہلے تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہو گئی اور جو مسلسل روز افزوں ہی ہے۔

۳. مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جا رہا ہے (اگر وہ اسلام نہ قبول کریں) یا پھر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔ جزیہ، ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں۔ اس کے بدلے میں ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، ان کی بابت کہا گیا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان جب تک اللہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بتلایا ہے، اس وقت تک اس کا ایمان باللہ قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ ان کے ایمان باللہ کو غیر معتبر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہود

۳۰. اور یہود کہتے ہیں عزیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔

۳۱. ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے^(۱) اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو بھی، حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

۳۲. وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں۔^(۲)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَسُبُّوا اللَّهَ ۖ لَآ أَن يَشْفَعَهُ نُورُهُ وَلَؤَكِرَ الْكُفْرَانُ ۝

ونصاری نے حضرت عزیر و حضرت مسیح علیہ السلام کی ابنیت (یعنی بیٹا ہونے کا) اور الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے۔

۱. اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ، انہوں نے ان کو رب بنالیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا، اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔“ (صحیح ترمذی، للالبانی: ۴۴۱) کیونکہ حرام و حلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن و حدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

۲. یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، یہود و نصاریٰ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال و افتراء سے اسے منادیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دے۔ پس جس طرح یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تمام دینوں پر غالب آکر رہے گا۔ جیسا کہ اگلے جملے میں اللہ نے فرمایا۔ کافر کے لغوی معنی ہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٩﴾

۳۳۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے ^(۱) اگرچہ مشرک برا مانیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ
وَالرُّهْبَانِ لَيَافْكُونُ أَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا
يُفْضُوهُا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ ﴿٦٧﴾

۳۴۔ اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں^(۲) اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے۔^(۳)

چھپانے والا، اسی لیے رات کو بھی ”کافر“ کہا جاتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اندھیروں میں چھپا لیتی ہے۔ کاشت کار کو بھی ”کافر“ کہتے ہیں کیونکہ وہ غلے کے دانوں کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ گویا کافر بھی اللہ کے نور کو چھپانا چاہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کفر و نفاق اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔

۱. دلائل و براہین کے لحاظ سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے۔ تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انہیں دنیوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے دین کے عامل بن جائیں تو ان کا غلبہ یقینی ہے، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب و فاتح ہوگا۔ شرط یہی ہے کہ مسلمان حزب اللہ بن جائیں۔

۲. أَحْبَابُ: حُبِّ کی جمع ہے۔ یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقے سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ خوبصورت اور منقول کپڑے کو ثَوْبٌ مُحَبَّبٌ کہا جاتا ہے مراد علمائے یہود ہیں۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رہبنہ سے مشتق ہے۔ اس سے مراد علمائے نصاریٰ ہیں بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاریٰ ہیں۔ علماء کے لیے ان کی ہاں قَسْبِیْن کا لفظ ہے۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں دوسرا اس طرح لوگوں سے مال اٹھیتے، جو ان کے لیے باطل اور حرام تھا۔ بد قسمتی سے بہت سے علمائے مسلمین کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی ﷺ کی پیش گوئی کا مصداق ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا، لَسْتُ بَعْنَ سَنَنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام میں نبی ﷺ کا یہ فرمان باب کا عنوان ہے) ”تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔“

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کا حکم ہے۔ زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے کے بعد زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی طہارت کا ذریعہ بنادیا ہے۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے، وہ کنز نہیں ہے اور جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز (خزانہ) ہے جس پر یہ قرآنی وعید ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ”جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیمت کے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنادیا جائے گا، جس سے

يَوْمَ يُحْصَىٰ عَلَيْهِمْ فَنُكْوَىٰ بِهِمَا
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا
كَنتُمْ لَا تَفْقَهُونَ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

إِنَّ عَذَابَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ أَشَدُّ عَذَابًا
شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُومٌ ذَلِكَ
الَّذِينَ الْعَبَّاهُ فَلَا تَنْظُرُوا فِيهِنَّ
أَنْفُسُكُمْ وَقَالُوا لِمَنْ هُنَّ حُرُومٌ
كَمَا بَقِيتُمْ لَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

۳۵۔ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔

۳۶۔ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔^(۱) یہی درست دین ہے،^(۲) تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو^(۳) اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں^(۴) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

اس کے دونوں پہلوؤں کو، پیشانی کو اور کمر کو داغا جائے گا۔ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک اس کا یہی حال رہے گا اس کے بعد جنت یا جہنم میں اسے لے جایا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ) یہ بگڑے ہوئے علماء اور صوفیاء کے بعد بگڑے ہوئے اہل سرمایہ ہیں تینوں طبقے عوام کے بگاڑ میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ «اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ»۔

۱۔ فی کتاب اللہ سے مراد لوح محفوظ یعنی تقدیر الہی ہے۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں، جن میں چار حرمت والے ہیں جن میں قتال و جدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے درپے۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر، جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے“ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ توبۃ و صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب تغلیط تحریم الدماء...) زمانہ اسی حالت پر آگیا ہے کا مطلب، مشرکین عرب مہینوں میں جو تاخیر و تقدیم کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اس کا خاتمہ ہے۔

۲۔ یعنی ان مہینوں کا اسی ترتیب سے ہونا، جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار حرمت والے ہیں۔ اور یہی حساب صحیح اور عدد مکمل ہے۔

۳۔ یعنی ان حرمت والے مہینوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔

۴۔ لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد الایہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں، پھر حرمت والے مہینوں میں بھی تمہارے لیے لڑنا جائز ہوگا۔

۳۷۔ مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے^(۱) اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں، کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں^(۲) پھر اسے حلال بنالیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے انہیں ان کے برے کام بھلے دکھا دیے گئے ہیں اور قوم کفار کی اللہ رہنمائی نہیں فرماتا۔

۳۸۔ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین سے لگے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی ریجھ گئے ہو۔ سنو دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی ہے۔

۳۹۔ اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا، تم

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحْلِلُونَهُ عَمَّا وَبَعَّسُوا مِنْهُ عَمَّا رُبُّوا طَوَّاعَةً مَّا حَزَمَ اللَّهُ فَيُحْلِلُوا مَا حَزَمَ اللَّهُ زَيْنَ لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَّا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قُلْنَا إِلَى الْأَرْضِ أَرْضِيكُمْ بِأَحْيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾

لَا تَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ عِدَابُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٩﴾

۱۔ نَسِيءُ کے معنی، پیچھے کرنے کے ہیں۔ عربوں میں بھی حرمت والے مہینوں میں قتال و جدال اور لوٹ مار کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین مہینے۔ ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ قتل و غارت سے اجتناب، ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے اس کا حل انہوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے، اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہوگا۔ مثلاً محرم کے مہینے کی حرمت تو ذکر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے مہینوں میں وہ تقدیم و تاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے۔ اس کو نَسِيءُ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس ادل بدل سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے خاتمے کا اعلان یہ کہہ کر فرما دیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آگیا ہے۔ یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آ رہی ہے۔

۲۔ یعنی ایک مہینے کی حرمت تو ذکر اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں، ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے تھے لیکن اللہ نے قتال و جدال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا، اس کی انہیں کوئی پروا نہ تھی، بلکہ انہیں ظالمانہ کاروائیوں کے لیے ہی وہ ادل بدل کرتے تھے۔

شَيْءٌ قَدِيرٌ ۝

اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے^(۱) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۴۰۔ اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے،^(۲) پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کر جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں،^(۳) اس نے کافروں کی بات پست کردی اور بلند و عزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے،^(۴) اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

الْأَتَصْرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ
كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ
يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَ لَهُ بِنُورِهِ
فَآمَنَ بِهِمَا وَجَعَلَ الْكَلِمَ الْكُبْرَىٰ عَلَيْهِمَا إِذْ
قَالَا لِلَّهِ غِيَاثُ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٠﴾

۱. روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔ چنانچہ بنی علیؑ نے تم بھی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیدے۔ یہ شوال ۹ ہجری کا واقعہ ہے۔ موسم سخت گرمی کا تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ بعض مسلمانوں اور منافقین پر یہ حکم گراں گزرا، جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ یہ جنگ تبوک کہلاتی ہے جو حقیقت میں ہوئی نہیں۔ ۲۰ روز مسلمان ملک شام کے قریب تبوک میں رہ کر واپس آ گئے۔ اس کو حیش العمرہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس لمبے سفر میں اس لشکر کو کافی قوتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اَنَّا قُلْنَا یعنی سستی کرتے اور پیچھے رہنا چاہتے ہو۔ اس کا مظاہرہ بعض لوگوں کی طرف سے ہوا لیکن اس کو منسوب سب کی طرف کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

۲۔ جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور اپنے ساتھی (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا ”غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے“ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ تَاللَّهِمَا** (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ التوبۃ) ”اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے“ یعنی اللہ کی مدد اور اس کی نصرت جن کے شامل حال ہے۔

۳۔ یہ مدد کی وہ دو صورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ کی مدد فرمائی گئی۔ ایک سکیننت، دوسری فرشتوں کی تائید۔

۴۔ کافروں کے کلمے سے شرک اور کلمۃ اللہ سے توحید مراد ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ

۳۱. نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی،^(۱) اور راہ رب میں اپنی مال و جان سے جہاد کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔

۳۲. اگر جلد وصول ہونے والا مال و اسباب ہوتا^(۲) اور ہلکا سا سفر ہوتا تو یہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے^(۳) لیکن ان پر تو دوری اور دراز کی مشکل پڑ گئی۔ اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے، یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں^(۴) اور ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے۔

۳۳. اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے۔^(۵)

إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِأَلَلِهِمْ لَوْ اسْتَضَعْنَا الْخَرَجَنَا مَعَكُمْ لَهَلَكُوا أَنْفُسُهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۱﴾

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۲﴾

سے پوچھا گیا: ایک شخص بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے لڑتا ہے، ایک قبائلی عصبيت و حمیت میں لڑتا ہے، ایک اور ریاکاری کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا ”جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، وہ فی سبیل اللہ ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا، ومسلم، کتاب الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا)

۱. اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں مثلاً انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر، خوشی سے یا ناخوشی سے، غریب ہو یا امیر، جوان ہو یا بوڑھا، پیادہ ہو یا سوار، عیال دار ہو یا اہل و عیال کے بغیر، وہ پیش قدمی کرنے والوں میں سے ہو یا پیچھے لشکر میں شامل، امام شوکانی فرماتے ہیں آیت کا حمل تمام معانی پر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ”تم کوچ کرو، چاہے نقل و حرکت تم پر بھاری ہو یا ہلکی“۔ اور اس مفہوم میں مذکورہ تمام مفہام آجاتے ہیں۔

۲. یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے عذر معذرت کر کے نبی ﷺ سے اجازت لے لی تھی درآں حالیکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں تھا۔ عَرَضٌ سے مراد، جو دنیوی منافع سامنے آئیں، مطلب ہے مال غنیمت۔

۳. یعنی آپ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوتے۔ لیکن سفر کی دوری نے انہیں حیلے تراشنے پر مجبور کر دیا۔

۴. یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر، کیونکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

۵. یہ نبی کریم ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والوں کو تو نے کیوں بغیر یہ تحقیق کیے کہ ان کے پاس معقول عذر بھی ہے یا نہیں؟ اجازت دے دی؟ لیکن اس تویح میں بھی پیار کا پہلو غالب ہے، اس

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ يَاسِرٌ ۝

۴۴۔ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے
تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے
اجازت طلب نہیں کریں گے، ^(۱) اور اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں
کو خوب جانتا ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي
رَيْبِهِمْ يَكَرَّدُونَ ۝

۴۵۔ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ
اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے
دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی
سرگرداں ہیں۔ ^(۲)

لیے اس کوتاہی پر معافی کی وضاحت پہلے کر دی گئی ہے۔ یاد رہے یہ تنبیہ اس لیے کی گئی ہے کہ اجازت دینے میں
غلت کی گئی اور پورے طور پر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ورنہ تحقیق کے بعد ضرورت مندوں کو اجازت دینے
کی آپ کو اجازت حاصل تھی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے ﴿وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوا لِمَعْصِيَةٍ شَاءَ قَوْمٌ
لَّيْسَتْ مِنْهُمْ﴾ (النور: ۶۲) (جب یہ لوگ تجھ سے اپنے بعض کاموں کی وجہ سے اجازت مانگیں، تو جس کو تو چاہے،
اجازت دے دے)۔ ”جس کو چاہے“ کا مطلب یہ ہے جس کے پاس معقول عذر ہو، اسے اجازت دینے کا حق تجھے
حاصل ہے۔

۱۔ یہ مخلص ایمان داروں کا کردار بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی تو عادت یہ ہے کہ وہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اور بڑھ
چڑھ کر جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔

۲۔ یہ ان منافقین کا بیان ہے جنہوں نے جھوٹے حیلے تراش کر رسول کریم ﷺ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت طلب
کر لی تھی۔ ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی عدم
ایمان نے انہیں جہاد سے گریز پر مجبور کیا ہے۔ اگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو نہ یہ جہاد سے بھاگتے نہ ان کے
دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے۔

لمحوظ: خیال رہے کہ اس جہاد میں شرکت کے معاملے میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں۔

پہلی قسم: وہ مسلمان جو بلا تامل تیار ہو گئے۔ دوسرے وہ جنہیں ابتداءً تردد ہوا اور ان کے دل ڈولے، لیکن پھر جلد ہی
اس تردد سے نکل آئے۔ تیسرے وہ جو ضعف اور بیماری یا سواری اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے فی الواقع جانے سے
معذور تھے اور جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تھی۔ (ان کا ذکر آیت ۹۱-۹۲ میں ہے) چوتھی قسم وہ جو محض
کابلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔ اور جب نبی ﷺ واپس آئے تو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اپنے آپ
کو توبہ اور سزا کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے علاوہ باقی منافقین اور ان کے جاسوس تھے۔ یہاں مسلمانوں کے پہلے گروہ اور
منافقین کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کی باقی تین قسموں کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

۳۶. اور اگر ان کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لیے سامان کی تیاری کر رکھتے^(۱) لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا اس لیے انہیں حرکت سے ہی روک دیا^(۲) اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو۔^(۳)

۳۷. اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے^(۴) بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے^(۵) اور تم میں ان کے لیے بعض سننے والے (جاسوسی کرنے والے) بھی موجود ہیں،^(۶) اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۳۸. یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لیے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا حکم غالب آگیا^(۷)

وَلَوْ أَرَادُوا التَّخَرُّجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً
وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ
وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا
خَبَالًا وَلَا أَوْصَوْا بِخَلْعِكُمْ
يَتَّبِعُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ
سُلُوكٌ لَهُمُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

لَقَدْ ابْتِغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَلَقَدْ وُكِّلَ
الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ
وَهُمْ كَرِهُونَ ۝

۱. یہ انہی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے جنہوں نے جھوٹ بول کر اجازت حاصل کی تھی کہ اگر وہ جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتے تو یقیناً اس کے لیے تیاری کرتے۔

۲. فَثَبَّطَهُمْ کے معنی ہیں ان کو روک دیا یعنی پیچھے رہنا ان کے لیے پسندیدہ بنادیا گیا، پس وہ سست ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ (ابن القاسم) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ان کی شرارتیں اور سازشیں تھیں، اس لیے اللہ کی تقدیری مشیت یہی تھی کہ وہ نہ جائیں۔

۳. یہ یا تو اسی مشیت الہی کی تعبیر ہے جو تقدیراً لکھی ہوئی تھی۔ یا بطور ناراضی اور غضب کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے تم عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کی صف میں شامل ہو کر ان کی طرح گھروں میں بیٹھ رہو۔

۴. یہ منافقین اگر اسلامی لشکر کے ساتھ شریک ہوتے تو یہ غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔

۵. اِيْتِصَاعُ کے معنی ہوتے ہیں، اپنی سواری کو تیزی سے دوڑانا۔ مطلب یہ ہے کہ چنچل خوری وغیرہ کے ذریعے سے تمہارے اندر فتنہ برپا کرنے میں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے اور فتنے سے مطلب اتحاد کو پارہ پارہ کر دینا اور ان کے مابین باہمی عداوت و نفرت پیدا کر دینا ہے۔

۶. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی جاسوسی کرنے والے کچھ لوگ مومنین کے ساتھ بھی لشکر میں موجود تھے جو منافقین کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔

۷. اسی لیے اس نے گزشتہ اور آئندہ امور کی تمہیں اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی بتلادیا ہے کہ یہ منافقین جو ساتھ

باوجودیکہ وہ ناخوشی میں ہی رہے۔^(۱)

۴۹. اور ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجیے مجھے فتنے میں نہ ڈالے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔^(۲)

۵۰. آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے سے ہی درست کر لیا تھا، پھر تو بڑے ہی اتراتے ہوئے لوٹے ہیں۔^(۳)

۵۱. کہہ دیجیے ہمیں کوئی گزند پہنچ نہیں سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں لکھ رکھی ہے وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے۔ مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَقْعِيبِي ۖ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۚ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۴۹﴾

اِنَّ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ فَاَسْرِهَا ۖ وَسُوْهُمْ اِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اٰمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْهُمْ فِرْحُوْنَ ﴿۵۰﴾

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۖ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

نہیں گئے، تو تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا، اگر یہ جانتے تو یہ خرابیاں ان کی وجہ سے پیدا ہوتیں۔

۱. یعنی یہ منافقین تو، جب سے آپ مدینہ میں آئے ہیں آپ کے خلاف فتنے تلاش کرنے اور معاملات کو بگاڑنے میں سرگرم رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و غلبہ عطا فرما دیا، جو ان کے لیے بہت ہی ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ احد کے موقع پر بھی ان منافقین نے راستے سے ہی واپس ہو کر مشکلات پیدا کرنے کی اور اس کے بعد بھی ہر موقع پر بگاڑ کی کوششیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا اور اکثر عرب مسلمان ہو گئے جس پر کف حسرت و افسوس مل رہے ہیں۔

۲. ”مجھے فتنے میں نہ ڈالے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو مجھے بغیر اجازت رکنے پر سخت گناہ ہوگا۔ اس اعتبار سے فتنہ، گناہ کے معنی میں ہوگا۔ یعنی مجھے گناہ میں نہ ڈالے، دوسرا مطلب فتنے کا، ہلاکت ہے یعنی مجھے ساتھ لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں کہا جاتا ہے کہ ایک منافق جد بن قیس نے عرض کیا کہ مجھے ساتھ لے جائیں، روم کی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے رخ پھیر لیا اور اجازت دے دی۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”فتنہ میں تو وہ گر چکے ہیں“ یعنی جہاد سے پیچھے رہنا اور اس سے گریز کرنا، بجائے خود ایک فتنہ اور سخت گناہ کا کام ہے جس میں یہ ملوث ہی ہیں۔ اور مرنے کے بعد جہنم ان کو گھیر لینے والی ہے، جس سے فرار کا کوئی راستہ ان کے لیے نہیں ہوگا۔

۳. سیاق کلام کے اعتبار سے حَسَنَةٌ سے یہاں کامیابی اور غنیمت اور سَبِيَّةٌ سے ناکامی، شکست اور اسی قسم کے نقصانات جو جنگ میں متوقع ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ اس میں ان کے اس خبت باطنی کا اظہار ہے جو منافقین کے دلوں میں تھا۔ اس لیے کہ مصیبت پر خوش ہونا اور بھلائی حاصل ہونے پر رنج و تکلیف محسوس کرنا، غایت عداوت کی دلیل ہے۔

ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔^(۱)

۵۲۔ کہہ دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے^(۲) اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا ہمارے ہاتھوں سے،^(۳) پس ایک طرف تم منتظر رہو دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں۔

۵۳۔ کہہ دیجیے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا،^(۴) یقیناً تم فاسق لوگ ہو۔

۵۴۔ اور کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور بڑی کابلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں۔^(۵)

قُلْ هَلْ تَرْتَضُونَ بِنَا إِذَا رَاكُمُ
الْمُسْلِمِينَ وَنَحْنُ نَكْرِهْكُمْ أَمْ
يُضِيبُكُمُ اللَّهُ بَعْدَ آيٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ
يَأْيِدُنَا فَنَكْرِضُوا إِلَيْنَا مَعَكُمْ مَتَرْتَضُونَ ﴿٥٢﴾

قُلْ أَفَنُقَاتِلُكُمْ أَوْ كُرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ كُفْرًا فَسَقِئُوا ﴿٥٣﴾

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا
أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ
الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُفْقُونَ إِلَّا
وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٥٤﴾

۱۔ یہ منافقین کے جواب میں مسلمانوں کے صبر و ثبات اور حوصلے کے لیے فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے مقدر کام ہر صورت میں ہونا ہے اور جو بھی مصیبت یا بھلائی ہمیں پہنچتی ہے، اسی تقدیر الہی کا حصہ ہے، تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان اور اس کے حوصلے میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

۲۔ یعنی کامیابی یا شہادت، ان دونوں میں سے جو چیز بھی ہمیں حاصل ہو، ہمارے لیے حسہ (بھلائی) ہے۔

۳۔ یعنی ہم تمہارے بارے میں دو برائیوں میں سے ایک برائی کا انتظار کر رہے ہیں کہ یا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ تمہیں (قتل کرنے، یا قیدی بننے وغیرہ قسم کی) سزائیں دے۔ وہ دونوں باتوں پر قادر ہے۔

۴۔ اَنْفَقُوا امر کا صیغہ ہے۔ لیکن یہاں یہ یا تو شرط اور جزاء کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر تم خرچ کرو گے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یا یہ امر بمعنی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں برابر ہیں، خرچ کرو یا نہ کرو۔ اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تب بھی نامقبول ہے۔ کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان شرط اول ہے اور وہی تمہارے اندر مفقود ہے اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال، اللہ کے ہاں ویسے ہی مردود ہے، اس لیے کہ وہاں قصد صحیح موجود نہیں ہے جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے ﴿سَتَجِدُنَا أَوْ لَا كَتَبَتْغُورُ لَكُمْ﴾ (التوبة: ۸۰) (آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں) (یعنی دونوں باتیں برابر ہیں)۔

۵۔ اس میں ان کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک ان کا کفر و فسق۔ دوسرا کابلی سے نماز

۵۵. پس آپ کو ان کے مال و اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں۔^(۱) اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے^(۲) اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں۔^(۳)

۵۶. اور یہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے لوگ ہیں، حالانکہ وہ دراصل تمہارے نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔^(۴)

۵۷. اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی بھی سرگھسانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر اُلٹے بھاگ چھوٹیں۔^(۵)

فَلَا تَحْجُبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ ﴿۵۶﴾

لَوْ يَخْتِذُونَ مَلْجَأًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مَدَنًا خَلًّا لَوَكَّلُوا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾

پڑھنا، اس لیے کہ وہ نماز پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے ترک کی سزا سے انہیں کوئی خوف ہے۔ کیونکہ رجاہ اور خوف، یہ بھی ایمان کی علامت ہے جس سے یہ محروم ہیں۔ اور تیسرا کراہت سے خرچ کرنا۔ اور جس کام میں دل کی رضا نہ ہو، وہ قبول کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہر حال یہ تینوں وجوہات ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وجہ بھی عمل کی نامتبولیت کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ تینوں وجوہات جہاں جمع ہو جائیں تو اس عمل کے مردود بارگاہ الہی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

۱. اس لیے کہ یہ سب بطور آزمائش ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَلَا تَنْصَنَعَنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَن مَّعَنَّا بِهِ أَدْوَابًا مِنْهُمْ ذَهَابَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَنْفِتَهُمْ فَيَوْمَ﴾ (طہ: ۱۳۱) (اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیاوی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے، تاکہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا)۔ اور فرمایا ﴿أَحْسِبُونَ أَنَّكُمْ لَمْ يَرْسُلْ إِلَيْكُمْ رَسُولٌ قَدْ خَلَّ مِنْهُ الْغِيَورُونَ﴾ (المؤمنون: ۵۵-۵۶) (کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں) تو اس سے ان کی بھلائی میں ہم جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں)۔

۲. امام ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری نے اس سے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ مراد لیا ہے۔ یعنی ان منافقین سے زکوٰۃ و صدقات تو (جو وہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے دیتے ہیں) دنیا میں قبول کر لیے جائیں تاکہ اس طریقے سے ان کو مالی مار بھی دنیا میں دی جائے۔

۳. تاہم ان کی موت کفر ہی کی حالت میں آئے گی۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے پیغمبر کو صدق دل سے ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے کفر و نفاق پر ہی بدستور قائم و مصر ہیں۔

۴. اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھا کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم میں سے ہی ہیں۔

۵. یعنی نہایت تیزی سے دوڑ کر وہ ان پناہ گاہوں میں چلے جائیں، اس لیے کہ تم سے ان کا جتنا کچھ بھی تعلق ہے، وہ

۵۸۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں،^(۱) اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے۔^(۲)

۵۹۔ اور اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی، بے شک ہم تو اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔

۶۰۔ صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں^(۳) اور مسکینوں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّيْلُزُّكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْتَخْطُونَ ﴿٥٨﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آلَتْهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنْ إِلَى اللَّهِ رِغَابُنَا ﴿٥٩﴾

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ

محبت و خلوص پر نہیں، عناد، نفرت اور کراہت پر ہے۔

۱۔ یہ ان کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو (نعوذ باللہ) صدقات و غنائم کی تقسیم میں غیر مصنف باور کراتے، جس طرح ابن ذی النویرہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ تقسیم فرما رہے تھے کہ اس نے کہا ”انصاف سے کام لیجیے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”افسوس ہے تجھ پر، اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا؟“ الحدیث (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة - صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ باب ذکر الخواارج...)

۲۔ گویا اس الزام تراشی کا مقصد محض مالی مفادات کا حصول تھا کہ اس طرح ان سے ڈرتے ہوئے انہیں زیادہ حصہ دیا جائے، یا وہ مستحق ہوں یا نہ ہوں، انہیں حصہ ضرور دیا جائے۔

۳۔ اس آیت میں اس طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے صدقات کے مستحق لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ صدقات سے مراد یہاں صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ ہے۔ آیت کا آغاز اِنَّمَا سے کیا گیا ہے جو قصر کے صیغوں میں سے ہے اور الصدقات میں لام تعریف جنس کے لیے ہے۔ یعنی صدقات کی یہ جنس (زکوٰۃ) ان آٹھ قسموں میں مقصور ہے جن کا ذکر آیت میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور مصرف پر زکوٰۃ کی رقم کا استعمال صحیح نہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ان آٹھوں مصارف پر تقسیم کرنا ضروری ہے یا ان میں سے جس مصرف یا مصارف پر امام یا زکوٰۃ ادا کرنے والا، مناسب سمجھے، حسب ضرورت خرچ کر سکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ پہلی رائے کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ دوسری رائے کے۔ اور یہ دوسری رائے ہی زیادہ صحیح ہے۔ امام شافعی کی رائے کی رو سے زکوٰۃ کی رقم آٹھوں مصارف پر خرچ کرنا ضروری ہے، یعنی اقتضائے ضرورت اور مصالح دیکھے بغیر رقم کے آٹھ حصے کر کے آٹھوں جگہ پر کچھ کچھ رقم خرچ کی جائے۔ جب کہ دوسری رائے کے مطابق ضرورت اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے، جس مصرف پر رقم خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت یا مصالح کسی ایک مصرف پر خرچ کرنے کے مقتضی ہوں، تو وہاں ضرورت اور مصالح

کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے،^(۱) فرض ہے اللہ کی طرف

عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ
وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً
مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

کے لحاظ سے زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے گی، چاہے دوسرے مصارف پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہ بچے۔ اس رائے میں جو معقولیت ہے، وہ پہلی رائے میں نہیں ہے۔

۱. ان مصارف ثمانیہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱، ۲) فقیر اور مسکین چونکہ قریب قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاصا اختلاف ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں، ان کو فقیر اور مسکین کہا جاتا ہے۔ مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ”مسکین وہ گھونے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یا دو دو لقمے یا کھجور کے لیے گھر گھر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے، نہ وہ ایسی مسکنت اپنے اوپر طاری رکھے کہ لوگ غریب اور مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔“ (صحیح بخاری و مسلم، کتاب الزکوٰۃ) حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مسکین کی تعریف یہ منقول ہے کہ جو گداگر ہو، گھوم پھر کر اور لوگوں کے پیچھے پڑ کر مانگتا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جو نادر ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ (ابن کثیر)

(۳) عاملین سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکوٰۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔ (۴) مؤلفۃ القلوب، ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ دوسرے، وہ نو مسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیسرے، وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ چاہے مذکورہ افراد مال دار ہی ہوں۔ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات و ظروف کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔

(۵) گردنیں آزاد کرانے میں۔ بعض علماء نے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیے ہیں۔ اور دیگر علماء نے مکاتب وغیرہ مکاتب ہر قسم کے غلام مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

سے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

۶۱. اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لیے ہے^(۱) وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں یہ ان کے لیے رحمت ہے، رسول اللہ (ﷺ) کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔

۶۲. محض تمہیں خوش کرنے کے لیے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاجاتے ہیں حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔

۶۳. کیا یہ نہیں جانتے کہ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لیے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ ذُنُّ فَلْأَنِ خَيْرٌ لَّكُمْ يَوْمُنَ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ بِالْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنَّ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

(۶) غارمیں سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہو گئے اور ان کے پاس نقد رقم بھی نہیں ہے اور ایسا سامان بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کر سکیں۔ دوسرے وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنہوں نے کسی کی ضمانت دی اور پھر وہ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پائے، یا کسی کی فصل تباہ یا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا اور اس بنیاد پر وہ مقروض ہو گیا۔ ان سب افراد کی زکوٰۃ کی مدد سے امداد کرنا جائز ہے۔

(۷) فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ یعنی جنگی سامان و ضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک تبلیغ و دعوت بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد، جہاد کی طرح، اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

(۸) ابْنِ السَّبِيلِ سے مراد مسافر ہے۔ یعنی اگر کوئی مسافر، سفر میں مستحق امداد ہو گیا ہے تو چاہے وہ اپنے گھر یا وطن میں صاحب حیثیت ہی ہو، اس کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔

۱۔ یہاں سے پھر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کے خلاف ایک ہرزہ سرائی انہوں نے یہ کہ یہ کان کا کچا (ہلکا) ہے، مطلب ہے کہ یہ ہر ایک کی بات سن لیتا ہے (یہ گویا آپ ﷺ کے حلم و کرم اور غفو و صفح کی صفت سے ان کو دھوکہ ہوا) اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا پیغمبر شر و فساد کی کوئی بات نہیں سنتا، جو بھی سنتا ہے، تمہارے لیے اس میں خیر اور بھلائی ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ
تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهِزُّوْا
إِنَّ اللَّهَ مُحِيزٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿۶۴﴾

وَالَّذِينَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ
وَنَلْعَبُ قُلْ يَا آلِهَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِءُونَ ﴿۶۵﴾

لَا تَعْتَبِرُوا فَنَاقَةَ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ
عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ يُغَدِّبُ طَائِفَةٌ
يَا نَعْفُ كَانُوا يُجْرِمُونَ ﴿۶۶﴾

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ

۶۴. منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں
مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں
انہیں بتلا دے۔ کہہ دیجیے کہ تم مذاق اڑاتے رہو، یقیناً اللہ
تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دیک رہے ہو۔
۶۵. اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے
کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجیے
کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی
مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟^(۱)

۶۶. تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان
ہو گئے،^(۲) اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی
کر لیں^(۳) تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی
دیں گے۔^(۴)

۶۷. تمام منافق مرد و عورت آپس میں ایک ہی ہیں،^(۵)

۱. منافقین آیات الہی کا مذاق اڑاتے، مومنین کا استہزاء کرتے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے
سے گریز نہ کرتے جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو اور پھر رسول اللہ ﷺ کو ہو جاتی۔ لیکن جب
ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہنسی
مذاق کے لیے کیا تمہارے سامنے اللہ اور اس کی آیات اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمہارا
آپس میں ہنسی مذاق ہی ہوتا تو اس میں اللہ، اس کی آیات و رسول درمیان میں کیوں آتا۔ یہ یقیناً تمہارے اس خبث اور
نفاق کا اظہار ہے جو آیات الہی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمہارے دلوں میں موجود ہے۔

۲. یعنی تم جو ایمان ظاہر کرتے رہے ہو۔ اللہ اور رسول کے استہزاء کے بعد اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اول
تو وہ بھی نفاق پر ہی مبنی تھا۔ تاہم اس کی بدولت ظاہری طور پر مسلمانوں میں تمہارا شمار ہوتا تھا اب اس کی بھی گنجائش
ختم ہو گئی ہے۔

۳. اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے توبہ کر لی اور مخلص مسلمان بن گئے۔
۴. یہ وہ لوگ ہیں جنہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر و نفاق پر اڑے رہے۔ اسی لیے اس عذاب کی علت بھی
بیان کر دی گئی ہے کہ وہ مجرم تھے۔

۵. منافقین، جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو باور کراتے تھے کہ ”ہم تم ہی میں سے ہیں“ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی، کہ

یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں،^(۱) یہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے انہیں بھلا دیا۔^(۲) بیشک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں۔

۶۸. اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی انہیں کافی ہے ان پر اللہ کی پھٹکار ہے، اور ان ہی کے لیے دائمی عذاب ہے۔

۶۹. ان لوگوں کے مانند جو تم سے پہلے تھے،^(۳) وہ تم سے زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے پس وہ اپنا دینی حصہ برت گئے پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا^(۴) جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ

يَا مُرُونَ يَا لِمَنْ كَرِهْتُمْ هَؤُلَاءِ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٨﴾

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا لَيْسَ لَهُمْ حَسْبُهُمْ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٩﴾

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَائِقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَائِقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَائِقِهِمْ وَخَضْتُمْ كَالَّذِينَ خَاصُوا أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

ایمان والوں سے ان کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں۔ یعنی کفر و نفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ آگے ان کی صفات بیان کی جارہی ہیں جو مومنین کی صفات کے بالکل الٹ اور برعکس ہیں۔ ۱. اس سے مراد بخل ہے۔ یعنی مومن کی صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور منافق کی اس کے برعکس بخل، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔

۲. یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان سے ایسا معاملہ کرے گا کہ گویا اس نے انہیں بھلا دیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿الْيَوْمَ نَنفَسُ لَكُمْ كَيْفَ يَتَبَخَّرُ بِكُمْ هَذَا﴾ (الحججۃ: ۳۳) (آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے)۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو چھوڑے رکھا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا۔ گویا نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف علم بلاغت کے اصول مشاکلت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی ذات نسیان سے پاک ہے۔ (فتح اللہ)

۳. یعنی تمہارا حال بھی اعمال اور انجام کے اعتبار سے امم ماضیہ کے کافروں جیسا ہی ہے۔ اب غائب کے بجائے، منافقین سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

۴. خلاق کا دوسرا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے۔ یعنی تمہاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ برت لو، جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ برتا اور پھر موت یا عذاب سے ہم کنار ہو گئے۔

وَالْآخِرَةُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُخْسِرُونَ ﴿۵۰﴾

بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی۔^(۱) ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے۔ اور یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔^(۲)

۵۰۔ کیا انہیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں، قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور اہل مونتفکات (الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے) کی،^(۳) ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے،^(۴) اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے

أَلَمْ يَأْتِهِمُ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ
وَعَادٌ وَثَمُودٌ ۖ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابُ
مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُونَ ﴿۵۰﴾

۱۔ یعنی آیات الہی اور اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے۔ یا دوسرا مفہوم ہے کہ دنیا کے اسباب اور لہو ولعب میں جس طرح وہ مگن رہے، تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرورتاً متابع کرو گے۔ باشت بہ باشت، ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھے ہوں تو تم بھی ضرور گھو گے۔ لوگوں نے پوچھا، کیا اس سے آپ کی مراد اہل کتاب ہیں؟ آپ نے فرمایا، اور کون؟“ (صحیح البخاری، کتاب الاعصام۔ مسلم، کتاب العلم) البتہ ہاتھ بہ ہاتھ (بَعَا بِنَاع) کے الفاظ ان میں نہیں ہیں۔ یہ تفسیر طبری میں منقول ایک اثر میں ہے۔

۲۔ اُولَٰئِكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات و عادات کے حامل ہیں، مشہبین بھی اور مشبہ بہم بھی یعنی جس طرح وہ خاسر و نامراد رہے، تم بھی اسی طرح رہو گے۔ حالانکہ وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ عذاب الہی سے نہ بچ سکے تو تم۔ جو ان سے ہر لحاظ سے کم ہو۔ کس طرح اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہو۔

۳۔ یہاں ان چھ قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے۔ یہ بلاد عرب کے قریب ہے اور ان کی کچھ باتیں انہوں نے شاید آباء و اجداد سے سنی بھی ہوں۔ قوم نوح، جو طوفان میں غرق کر دی گئی۔ قوم عاد، جو قوت و طاقت میں ممتاز ہونے کے باوجود، بادِ تند سے ہلاک کر دی گئی۔ قوم ثمود، جسے آسمانی بیج سے ہلاک کیا گیا۔ قوم ابراہیم، جس کے بادشاہ عمرو بن کنعان بن کوش کو مجھڑ سے مروا دیا گیا۔ اصحاب مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم)، جنہیں بیج زلزلہ اور بادلوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ اور اہل مونتفکات، اس سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستی کانام ”سدوم“ تھا۔ ائتفکات کے معنی ہیں انقلاب۔ الٹ پلٹ دینا۔ ان پر ایک تو آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ دوسرا ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے پھینکا گیا جس سے پوری بستی اوپر نیچے ہو گئی اس اعتبار سے انہیں اصحاب مونتفکات کہا جاتا ہے۔

۴۔ ان سب قوموں کے پاس، ان کے پیغمبر، جو ان ہی کی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا، آئے۔ لیکن انہوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ بلکہ تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا، جس کا نتیجہ بالآخر عذاب الہی کی شکل میں نکلا۔

اوپر ظلم کیا۔^(۱)

۱۔ اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں،^(۲) وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں،^(۳) نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں،^(۴) یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بیشک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔

۲۔ ان ایماندار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات^(۵) کا جو ان ہمیشگی والی جنتوں میں

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ وَلَجِبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

۱۔ یعنی یہ عذاب، ان کے ظلم پر استرار اور دوام کا نتیجہ ہے۔ یوں ہی بلا وجہ عذاب الہی کا شکار نہیں ہوئے۔

۲۔ منافقین کی صفات مذمومہ کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت، وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون و غم خوار ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبَيْتَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُمُ بَعْضًا» (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ۔ مسلم، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم) «مومن، مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے»۔ دوسری حدیث میں فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَاقُّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَمَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى» (صحیح مسلم، باب مذکور۔ و البخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس و البهائم) «مومنوں کی مثال، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیدار رہتا ہے اور تپ کا شکار ہو جاتا ہے»۔

۳۔ یہ اہل ایمان کی دوسری خاص صفت ہے معروف وہ ہے جسے شریعت نے معروف (یعنی نیکی اور بھلائی) اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے منکر (یعنی برا) قرار دیا ہے۔ نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا یا برا کہیں۔

۴۔ نماز، حقوق اللہ میں نمایاں ترین عبادت ہے اور زکوٰۃ، حقوق العباد کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ان دونوں کا بطور خاص تذکرہ کر کے فرمایا گیا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

۵۔ جو موتی اور یاقوت سے تیار کیے گئے ہوں گے۔ عدن کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔ ایک معنی ہمیشگی کے ہیں۔

ہیں، اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے،^(۱) یہی زبردست کامیابی ہے۔

۷۳۔ اے نبی! (ﷺ) کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو،^(۲) اور ان پر سخت ہو جاؤ^(۳) ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے، جو نہایت بدترین جگہ ہے۔^(۴)

۷۴۔ یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں^(۵) اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورانہ کر سکے۔^(۶) یہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ وَارِسُ مَا قَالُوا ۖ وَمَا تَقْبُولُوا إِلَّا أَنْ أَعْنَبَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ

۱۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں کے بعد اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت رضائے الہی کی صورت میں ملے گی۔ (صحیح البخاری ومسلم، کتاب الرقاق وکتاب الجنة)

۲۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ نبی ﷺ کے بعد اس کی مخاطب آپ ﷺ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا جو حکم ہے، اس کی بابت اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہی ہے کہ اگر منافقین کا نفاق اور ان کی سازشیں بے نقاب ہو جائیں تو ان سے بھی اسی طرح جہاد کیا جائے، جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ انہیں زبان سے وعظ و نصیحت کیجائے۔ یا وہ اخلاقی جرائم کا ارتکاب کریں تو ان پر حدود نافذ کی جائیں۔ تیسری رائے یہ ہے کہ جہاد کا حکم کفار سے متعلق ہے اور سختی کرنے کا منافقین سے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان آراء میں آپس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں، اس لیے کہ حالات و ظروف کے مطابق ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔

۳۔ غلظۃ، رافۃ کی ضد ہے، جس کے معنی نرمی اور شفقت کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے غلظۃ کے معنی سختی اور قوت سے دشمنوں کے خلاف اقدام ہے۔ محض زبان کی سختی مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے ہی خلاف ہے، اسے آپ ﷺ اختیار کر سکتے تھے نہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کا حکم آپ کو مل سکتا تھا۔

۴۔ جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

۵۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ جسے بعض مسلمانوں نے سن لیا اور انہوں نے آکر نبی ﷺ کو بتلایا، لیکن آپ کے استفسار پر مکر گئے بلکہ حلف تک اٹھالیا کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کی۔ جس پر یہ آیت اتری۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔

۶۔ اس کی بابت بھی بعض واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً تبوک سے واپسی پر منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف

وَأَنْ يَسْتَوُوا يَعِدُّ اللَّهُ عَذَابًا لِّكَيْمًا
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ⑤

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑥

فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَكَّلُوْا هُمْ
مُعْرِضُوْنَ ⑦

فَاَعَقَبَهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
يٰۤاٰحْزَنُوْا لِلّٰهِ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا
يَكْذِبُوْنَ ⑧

صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول (ﷺ) نے دولت مند کر دیا، ^(۱) اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے، اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہو گا۔

۴۵۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ و خیرات کریں گے اور کئی طرح نیکو کاروں میں ہو جائیں گے۔

۴۶۔ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیل کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا۔ ^(۲)

۴۷۔ پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملنے کے دن تک، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اور کیوں کہ جھوٹ بولتے رہے۔

ایک سازش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے کہ دس بارہ منافقین ایک گھاٹی میں آپ کے پیچھے لگ گئے جہاں رسول اللہ ﷺ باقی لشکر سے الگ تقریباً تنہا گزر رہے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ پر حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں گے اس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے آپ کو دے دی گئی، جس سے آپ نے بچاؤ کر لیا۔

۱۔ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد، مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہاں تجارت اور کاروبار کو بھی فروغ ملا، اور اہل مدینہ کی معاشی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ منافقین مدینہ کو بھی اس سے خوب فائدہ حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہی فرما رہا ہے کہ کیا ان کو اس بات کی ناراضی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے غنی بنادیا ہے؟ یعنی یہ ناراضی اور غضب والی بات تو نہیں، بلکہ ان کو تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے انہیں فقر و تنگ دستی سے نکال کر خوش حال بنادیا۔

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول ﷺ کا ذکر اس لیے ہے کہ اس غناء اور تو نگر کی کا ظاہری سبب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی بنی تھی، ورنہ حقیقت میں غنی بنانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ اس لیے آیت میں من فضله، واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا۔

۲۔ اس آیت کو بعض مفسرین نے ایک صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں قرار دیا ہے۔ لیکن سنداً یہ صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی منافقین کا ایک اور کردار بیان کیا گیا ہے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ
وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

الَّذِينَ يَلْمُزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا
جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ
مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ يَأْتِيَهُمْ
كُفْرًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

۷۸. کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا بھید
اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ غیب کی
تمام باتوں سے خبردار ہے۔^(۱)

۷۹. جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو
دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں
سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس
یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں،^(۲) اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا
ہے^(۳) اور انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۸۰. ان کے لیے تو استغفار کریا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ
بھی ان کے لیے استغفار کرے تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ
بخشنے گا^(۴) یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے

۱. اس میں ان منافقین کے لیے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ گویا یہ
سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، کیونکہ وہ تو علام
الغیوب ہے۔ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔

۲. مُطَوِّعِينَ کے معنی ہیں، صدقات واجبہ کے علاوہ اپنی خوشی سے مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔ ”جہد“
کے معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو مال دار تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی محنت و مشقت سے کمائے
ہوئے تھوڑے سے مال میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا
ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب رسول ﷺ جنگ وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں سے چندے کی اپیل فرماتے تو مسلمان آپ کی
اپیل پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت اس میں حصہ لیتے۔ کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا، وہ زیادہ صدقہ دیتا جس کے
پاس تھوڑا ہوتا، وہ تھوڑا دیتا۔ یہ منافقین دونوں قسم کے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے۔ زیادہ دینے والوں کی بابت کہتے کہ
اس کا مقصد ریاکاری اور نمود و نمائش ہے اور تھوڑا دینے والوں کو کہتے کہ تیرے اس مال سے کیا بنے گا؟ یا اللہ تعالیٰ
تیرے اس صدقے سے بے نیاز ہے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة التوبة- مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحمل أجرة بتصدق بها) یوں
وہ منافقین مسلمانوں کا استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے۔

۳. یعنی مومنین سے استہزاء کا بدلہ انہیں اس طرح دیتا ہے کہ انہیں ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ اس کا تعلق باب مشکلات
سے ہے جو علم بلاغت کا ایک اصول ہے یا یہ بددعا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسی طرح استہزاء کا معاملہ کرے جس طرح
یہ مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ (فتح القدیر)

۴. ستر کا عدد مبالغہ اور تکثیر کے لیے ہے۔ یعنی تو کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کر لے، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز
معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔

الْفَيْقَيْنِ ۝

رسول سے کفر کیا ہے^(۱) اور ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت نہیں دیتا۔^(۲)

۸۱. پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں^(۳) انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند رکھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجیے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے، کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔^(۴)

۸۲. پس انہیں چاہیے کہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں^(۵) بدلے میں اس کے جو یہ کرتے تھے۔

۸۳. پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی کسی جماعت^(۶) کی طرف

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كُنَّا نُؤْفِقُهُمْ ۝

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوكَ

۱. یہ عدم مغفرت کی علت بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش کی امید پر نہ رہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زاد آخرت کسی کے پاس نہیں ہوگا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی شفاعت ہی نہیں کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت ہی نہیں دے گا۔

۲. اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کو مطلوب (ایمان) تک پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ ہدایت بمعنی رہنمائی یعنی راستے کی نشان دہی۔ اس کا اہتمام تو دنیا میں ہر مومن و کافر کے لیے کر دیا گیا ہے ﴿لِنَهْدِيَنَّهُ السَّبِيلَ لِمَنْ شَاءَ كَرِهًا وَإِيمَانًا﴾ (الجمہر: ۳) (ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا)۔ ﴿وَهَدَيْنَاهُ الْجَدَيْنِ﴾ (البلد: ۱۰) (اور ہم نے اس کو (خیر و شر کے) کے دونوں راستے دکھادیے ہیں)۔

۳. یہ ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک میں نہیں گئے اور جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ خلاف کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت یعنی رسول اللہ (ﷺ) کے جانے کے بعد آپ کے پیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔ ۴. یعنی اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ جہنم کی آگ کی گرمی کے مقابلے میں، دنیا کی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا ۷۰ واں حصہ ہے۔ یعنی جہنم کی آگ کی شدت دنیا کی آگ سے ۶۹ حصے زیادہ ہے۔ (صحیح البخاری، بدء الخلق باب صفة النار) اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهَا۔

۵. قَلِيلًا اور كَثِيرًا یا تو مصدريت (یعنی ضحکًا قَلِيلًا اور بُكَاءً كَثِيرًا یا ظرفیت یعنی زَمَانًا قَلِيلًا وَزَمَانًا كَثِيرًا) کی بنیاد پر منصوب ہے۔ اور امر کے دونوں صیغے بمعنی خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہنسیں گے تو تھوڑا اور روئیں گے بہت زیادہ۔

۶. منافقین کی جماعت مراد ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت تبوک سے مدینہ واپس لے آئے جہاں یہ پیچھے رہ جانے والے منافقین بھی ہیں۔

لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُفْأَلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَافِينَ ﴿۵۰﴾

لونا کر واپس لے آئے پھر یہ آپ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں ^(۱) تو آپ کہہ دیجیے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا ^(۲) پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو۔ ^(۳)

وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَمَنُوا وَّهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۱﴾

۸۴۔ اور ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ ^(۴) یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ہیں۔ ^(۵)

۱۔ یعنی کسی اور جنگ کے لیے، ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کریں۔

۲۔ یہ آئندہ ساتھ نہ لے جانے کی علت ہے کہ تم پہلی مرتبہ ساتھ نہیں گئے۔ لہذا اب تم اس لائق نہیں کہ تمہیں کسی بھی جنگ میں ساتھ لے جایا جائے۔

۳۔ یعنی اب تمہاری اوقات یہی ہے کہ تم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو، جو جنگ میں شرکت کرنے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے تاکہ ان کے اس ہم و غم اور حسرت میں اور اضافہ ہو جو انہیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے تھا۔ (اگر تھا)

۴۔ یہ آیت اگرچہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر و نفاق پر ہو، وہ اس میں شامل ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے عبد اللہ (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ ایک تو آپ (بطور تبرک) اپنی قمیص عنایت فرمادیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنا دوں۔ دوسرا، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھادیں۔ آپ نے قمیص بھی عنایت فرمادی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ کیوں اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے“ یعنی روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا، تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کروں گا“ چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھادی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعائے مغفرت کی قطعی ممانعت فرمادی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة البراءة ومسلم کتاب صفات المنافقین وأحكامهم)

۵۔ یہ نماز جنازہ اور دعائے مغفرت نہ کرنے کی علت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا خاتمہ کفر و فسق پر ہو،

۸۵. اور آپ کو ان کے مال و اولاد کچھ بھی بھلے نہ لگیں، اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔

۸۶. اور جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ آپ کے پاس آکر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجیے۔^(۱)

۸۷. یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر سمجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے۔^(۲)

۸۸. لیکن خود رسول (ﷺ) اور اس کے ساتھ کے ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلائیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

وَلَا تُحِبُّكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهِقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَرِهُوا^(۱)

وَإِذْ أَنْزَلْتُ سُورَةَ أَنْ أَمْوَالِ اللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّلُولِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقُعُودِينَ^(۲)

رَضُوا يَا نَبِيُّ كُنُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطِبَّ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ^(۳)

لَكِنَّ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ^(۴) وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ^(۵)

ان کی نہ نماز جنازہ پڑھنی چاہیے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب نبی ﷺ قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کو دفنایا جاچکا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوایا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب دہن تھوکا، اپنی قمیص اسے پہنائی (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب القميص و کتاب الجنائز - صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین و احکامهم) جس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہوگا، اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

۱. یہ انہی منافقین کا ذکر ہے جنہوں نے حیلے تراش کر پیچھے رہنا پسند کیا اُولُوا الطَّلُولِ سے مراد ہے صاحب حیثیت، مال دار طبقہ، یعنی اس طبقہ کو پیچھے تو نہیں رہنا چاہیے تھا، کیونکہ اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ قَاعِدِينَ سے مراد بعض مجبور یوں کے تحت گھروں میں رک جانے والے افراد ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کو خَوَالِفُ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خَالِفَةُ کی جمع ہے۔ یعنی پیچھے رہنے والی عورتیں۔

۲. دلوں پر مہر لگ جانا، یہ مسلسل گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وضاحت پہلے کی جاچکی ہے، اس کے بعد انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔

۸۹. انہی کے لیے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۱)

۹۰. اور بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں۔ اب تو ان میں جتنے کفار ہیں انہیں دکھ دینے والی مار پہنچ کر رہے گی۔^(۲)

۹۱. ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔^(۳)

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا انْصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ

۱. ان منافقین کے برعکس اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں انہیں اپنی جانوں کی پروا ہے اور نہ مالوں کی۔ ان کے نزدیک اللہ کا حکم سب پر بالا تر ہے۔ انہیں کے لیے خیرات ہیں یعنی آخرت کی بھلائیاں اور جنت کی نعمتیں اور بعض کے نزدیک دین و دنیا کے منافع اور یہی لوگ فلاح یاب اور فوز عظیم کے حامل ہوں گے۔

۲. ان مُعَذِّرِينَ کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی ہیں جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ دوسری قسم ان میں وہ تھی جنہوں نے آکر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھے رہے۔ اس طرح گویا آیت میں منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذاب الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور مِنْهُمْ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے دونوں مراد ہوں گے اور دوسرے مفسرین نے مُعَذِّرُونَ سے مراد ایسے بادیہ نشین مسلمان لیے ہیں جنہوں نے معقول عذر پیش کر کے اجازت لی تھی۔ اور مُعَذِّرُونَ ان کے نزدیک اصل میں مُعْتَذِرُونَ ہے۔ تا کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے اور معتذر کے معنی ہیں، واقعی عذر رکھنے والا۔ اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے منافقین، جو بغیر عذر پیش کیے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصے میں جو وعید ہے، اسی دوسرے گروہ کے لیے ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۳. اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور ان کا عذر بھی واضح تھا۔ مثلاً (۱) ضعیف و ناتواں یعنی

وَأَعْلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَلَّوْا لِيَحْمِلَهُمْ قُلْتَ
لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيِبُهُمْ
تَقِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا
يُنْفِقُونَ ﴿۹۲﴾

۹۲. اور ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے
ہیں کہ آپ انہیں سواری مہیا کر دیں تو آپ جواب دیتے
ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ
رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے
ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی میسر نہیں۔^(۱)

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُوكَ
وَهُمْ غَنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ
الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾

۹۳. بیشک انہیں لوگوں پر راہ الزام ہے جو باوجود دولتمند
ہونے کے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ یہ خانہ نشین
عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں اور ان کے دلوں
پر مہر خداوندی لگ چکی ہے جس سے وہ محض بے علم
ہو گئے ہیں۔^(۲)

بوڑھے قسم کے لوگ، اور نابینا یا لنگڑے وغیرہ معذورین بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ بعض نے ان کو بیماروں میں
شامل کیا ہے۔ (۲) بیمار (۳) جن کے پاس جہاد کے اخراجات نہیں تھے اور بیت المال بھی ان کے اخراجات کا قائل نہیں
تھا۔ اللہ اور رسول کی خیر خواہی سے مراد ہے، جہاد کی ان کے دلوں میں تڑپ، مجاہدین سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور
رسول کے دشمنوں سے عداوت، اور حتی الامکان اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے محسنین، اگر جہاد
میں شرکت کرنے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

۱. یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جن کے پاس اپنی سواریاں بھی نہیں تھیں اور نبی ﷺ نے بھی انہیں
سواریاں پیش کرنے سے معذرت کی جس پر انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔
رضی اللہ عنہم۔ گویا مخلص مسلمان، جو کسی بھی لحاظ سے معقول عذر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کہ ہر ظاہر و باطن سے
باخبر ہے، ان کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان معذورین کی بارے میں
جہاد میں شریک لوگوں سے فرمایا کہ ”تمہارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے
ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمہارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں“ صحابہ کرام نے پوچھا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا
ہے جب کہ وہ مدینے میں بیٹھے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا حَبَسَهُمُ الْعَذْرُ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب من حبسه العذر
عن الغزو۔ و صحیح مسلم، کتاب الإمارة باب من حبسه عن الغزو مرض) (عذر نے ان کو وہاں روک دیا ہے۔)

۲. یہ منافقین ہیں جن کا تذکرہ آیت ۸۶، ۸۷ میں گزرا۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر مخلص مسلمانوں کے مقابلے میں ہوا ہے کہ
تَتَّبِعْنَ الْأَشْيَاءَ بِأُصْدَادِهَا يَجْرِينَ ابْنِيَ ضِدَّ سے پہچانی جاتی ہیں۔ خَوَالِفُ، خَالِفَةُ کی جمع ہے (پیچھے رہنے والی) مراد
عورتیں، بچے، معذور اور شدید بیمار اور بوڑھے ہیں جو جنگ میں شرکت سے معذور ہیں۔ لَا يَعْلَمُونَ، کا مطلب ہے وہ
نہیں جانتے کہ پیچھے رہنا کتنا بڑا جرم ہے، ورنہ شاید وہ رسول ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔

۹۴۔ یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے، اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

۹۵۔ ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائے جائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔

۹۶۔ یہ اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔^(۱)

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ وَالَّذِينَ تُوْمِنُ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ تَعْتَذِرُونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۴﴾

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَعَنَ رُءُوسُهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رَجِسٌ وَمَآ ذَرُّهُمْ جَهَنَّمَ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۵﴾

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لَعَنَ رُءُوسُهُمْ فَإِنْ تَوَّعْتُمْ عَنْهُم فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۶﴾

۱۔ ان تین آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو بخیریت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تم ان کے پاس آؤ گے تو یہ عذر پیش کریں گے، تم ان سے کہہ دو، کہ ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اصل حالات سے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ اب تمہارے جھوٹے عذروں کا ہم اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں؟ البتہ ان عذروں کی حقیقت مستقبل قریب میں مزید واضح ہو جائے گی، تمہارا عمل، جسے اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور رسول ﷺ کی نظر بھی اس پر ہے، تمہارے عذروں کی حقیقت کو خود بے نقاب کر دے گا۔ اور اگر تم رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو پھر بھی قریب اور مغالطہ دینے میں کامیاب رہے تو بالآخر ایک وقت وہ تو آئے گا ہی، جب تم ایسی ذات کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو خوب جانتی ہے۔ اسے تو تم بہر صورت دھوکہ نہیں دے سکتے، وہ اللہ تمہارا سارا کچا چھٹا تمہارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے لوٹنے پر یہ قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض یعنی درگزر کر دو۔ پس تم انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے پلید ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدلہ جہنم ہی ہے۔ تیسری آیت میں فرمایا: یہ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ لیکن ان نادانوں کو یہ پتہ نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو انہوں نے جس فسق یعنی اطاعت الہی

۹۷۔ دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں^(۱) اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں^(۲) اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

۹۸۔ اور ان دیہاتیوں میں سے بعض^(۳) ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ سمجھتے ہیں^(۴) اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں،^(۵) برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے^(۶) اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۹۹۔ اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ
أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ^(۱)

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَعْرَومًا
وَيَكْرَهُ بَصَیْكُمُ الدَّوَابَّ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ
السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ^(۲)

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ

سے گریز و فرار کا راستہ اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

۱۔ مذکورہ آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو بادیہ نشین یعنی مدینہ کے باہر دیہاتوں میں رہتے تھے، دیہات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے۔ شہریوں کے اخلاق و کردار کے مقابلے میں جس طرح ان کے اخلاق و کردار میں درشتی اور کھردرا پن زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں جو کافر و منافق تھے وہ کفر و نفاق میں بھی شہریوں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے۔ اس آیت میں انہی کا تذکرہ اور ان کے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا اَتَقْبَلُونَ صَبِيحَتَكُمْ کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”ہاں“ انہوں نے کہا ”واللہ ہم تو بوسہ نہیں دیتے“ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا ”اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحم و شفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟“ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعاقته، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال...)۔

۲۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ وہ شہر سے دور رہتے ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی باتیں سننے کا اتفاق ان کو نہیں ہوتا۔

۳۔ اب ان دیہاتیوں کی دو قسمیں بیان کی جارہی ہیں یہ پہلی قسم ہے۔

۴۔ غُرْمٌ، تاوان اور جرمانے کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسا خرچ ہو جو انسان کو نہایت ناگواری سے ناچار کرنا پڑ جاتا ہے۔

۵۔ دَوَائِرُ - دَائِرَةُ کی جمع ہے، گردش زمانہ یعنی مصائب وآلام یعنی وہ منتظر رہتے ہیں کہ مسلمان زمانے کی گردشوں یعنی مصائب کا شکار ہوں۔

۶۔ یہ بددعا یا خبر ہے کہ زمانے کی گردش ان پر ہی پڑے۔ کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔

وَصَلَّاتِ الرَّسُولِ الْكَرَّاهَا قَرِيبَةً لَهُمْ
سَيَلِّحَهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ عَفْوٌ
رَحِيمٌ ۞

کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور
رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں،^(۱) یاد رکھو کہ ان کا یہ
خرچ کرنا بیشک ان کے لیے موجب قربت ہے، ان کو اللہ
تعالیٰ ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔^(۲) بے شک
اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

۱۰۰۔ اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور
جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں^(۳) اللہ ان

۱۔ یہ اعراب کی دوسری قسم ہے جن کو اللہ نے شہر سے دور رہنے کے باوجود، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی توفیق
عطا فرمائی۔ اور اس ایمان کی بدولت ان سے وہ جہالت بھی دور فرمادی جو بدویت کی وجہ سے اہل بادیہ میں عام طور پر ہوتی
ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردہ مال کو جرمانہ سمجھنے کے بجائے، اللہ کے قرب کا اور رسول ﷺ کی دعائیں لینے
کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کی طرف، جو صدقہ دینے والوں کے بارے میں
آپ ﷺ کا تھا۔ یعنی آپ ﷺ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صدقہ لانے
والے کے لیے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى (صحیح بخاری: ۴۱۶۶، صحیح مسلم: ۱۰۷۸) (اے اللہ ابو
اوفیٰ کی آل پر رحمت نازل فرما)۔

۲۔ یہ خوش خبری ہے کہ اللہ کا قرب انہیں حاصل ہے اور اللہ کی رحمت کے وہ مستحق ہیں۔

۳۔ اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک مہاجرین کا، جنہوں نے دین کی خاطر، اللہ اور رسول ﷺ کے حکم پر، مکہ اور
دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آگئے۔ دوسرے انصار، جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں
نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مہاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور تواضع
کی۔ اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقین اولوں کا ذکر فرمایا ہے، یعنی
دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ اس کی تعریف میں اختلاف
ہے۔ بعض کے نزدیک سابقین اولوں وہ ہیں جنہوں نے دونوں قبیلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ یعنی تحویل قبلہ
سے پہلے مسلمان ہونے والے مہاجرین و انصار، بعض کے نزدیک یہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو حبشیہ میں بیعت رضوان میں
حاضر تھے، بعض کے نزدیک یہ اہل بدر ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم وہ
ہے جو ان مہاجرین و انصار کے خلوص اور احسان کے ساتھ پیرو کار ہیں۔ اس گروہ سے مراد بعض کے نزدیک اصطلاحی
تابعین ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بعض نے اسے عام
رکھا ہے یعنی قیمت تک جتنے بھی انصار و مہاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں،
وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں اصطلاحی تابعین بھی آجاتے ہیں۔

سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے^(۱) یہ بڑی کامیابی ہے۔

۱۰۱۔ اور کچھ تمہارے گرد و پیش والے دہاتیوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے^(۲) ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے^(۳) ان کو ہم جانتے ہیں، ہم ان کو دہری سزا دیں گے،^(۴) پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

۱۰۲۔ اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں^(۵)

وَرَضَوْنَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ جُنُودٌ مِّنْهُمَا الْأَنفَرُ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْغُورُ الْعَظِيمُ ﴿١٠١﴾

وَمِنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ذُو مِرٍّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ فَتَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ تَعْلَمُوهُمْ سَعْدٌ بِهِمْ تَزَيُّونَ تَعْلَمُونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٣﴾

وَالْآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا

۱۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ کامطلب ہے اللہ تعالیٰ نے انکی نیکیاں قبول فرمائی، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمادیا اور وہ ان پر ناراض نہیں۔ کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی جاتی؟ جو اسی آیت میں دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الہی موقت اور عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرتد ہو جانا تھا (جیسا کہ ایک باطل ٹولے کا عقیدہ ہے) تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی بشارت سے نہ نوازتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف فرمادیں تو اب تنقیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے لائق نہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الہی سے محرومی کا باعث ہے۔ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔

۲۔ مَرَدٌ اور تَمَرَدٌ کے معنی ہیں۔ نرمی، ملائمت (بچناہٹ) اور تجرد۔ چنانچہ اس شاخ کو جو بغیر پتے کے ہو، وہ گھوڑا جو بغیر بال کے ہو، وہ لڑکا جس کے چہرے پر بال نہ ہوں، ان سب کو أَمَرَدٌ کہا جاتا ہے اور شیشے کو صَرَحٌ مُّمَرَدٌ آبی مُجَرَدٌ کہا جاتا ہے۔ ﴿مَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ﴾ کے معنی ہوں گے تَجَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ، گویا انہوں نے نفاق کے لیے اپنے آپ کو خالص اور تنہا کر لیا، یعنی اس پر ان کا اصرار اور استمرار ہے۔

۳۔ کتنے واضح الفاظ میں نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی ہے۔ کاش اہل بدعت کو قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب ہو۔

۴۔ اس سے مراد بعض کے نزدیک دنیا کی ذلت و رسوائی اور پھر آخرت کا عذاب ہے اور بعض کے نزدیک دنیا میں ہی دہری سزا ہے۔

۵۔ یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جو بغیر عذر کے محض تماہل کی وجہ سے تبوک میں نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے بلکہ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اور اعتراف گناہ کر لیا۔

وَالْخَسِيئَاتِ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٥﴾

حَذُّ مَنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا
وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٦﴾

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ
وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

جنہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ
برے۔ ^(۱) اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ ^(۲)
بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

۱۰۳۔ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس
کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کے
لیے دعا کیجیے، ^(۳) بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب
اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے خوب جانتا ہے۔

۱۰۴۔ کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی
توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے ^(۴)
اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے
میں کامل ہے۔

۱۔ بھلے سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو جہاد میں پیچھے رہ جانے سے پہلے وہ کرتے رہے ہیں جن میں مختلف جنگوں میں
شرکت بھی ہے اور ”کچھ برے“ سے مراد یہی تبوک کے موقع پر ان کا پیچھے رہنا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید، یقین کا فائدہ دیتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع فرما کر ان کے اعتراف گناہ
کو توبہ کے قائم مقام قرار دے کر انہیں معاف فرمادیا۔

۳۔ یہ حکم عام ہے۔ صدقے سے مراد فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی۔ نبی ﷺ کو کہا جا رہا
ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرمادیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ
و صدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اسی لیے کہا جاتا
ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے۔ دوسری بات یہ معلوم
ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے۔ جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ
نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دعا کرنے کا حکم دیا، اور آپ ﷺ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے
یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی امام وقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

۴۔ صدقات قبول فرماتا ہے کا مطلب (بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہو) اس میں اضافہ فرماتا ہے۔ جس طرح حدیث میں آیا
ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہارے صدقے کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے
گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے، حتیٰ کہ ایک کھجور کے برابر صدقہ (بڑھ بڑھ کر) احد پہاڑ کے مثل ہو جاتا ہے۔“

وَقُلْ اَعْمَلُوا فَاَسْبَغِي اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ
وَالْمُؤْمِنُونَ وَسُورُونَ اِلٰى عِلْمِ الْعَلِيِّ
وَالشَّهَادَةِ فَيَنْتَعِلُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥﴾

۱۰۵۔ اور کہہ دیجیے کہ تم عمل کیے جاؤ تمہارے عمل اللہ
خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی
دیکھ لیں گے) اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو
تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تم کو
تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا۔^(۱)

وَالْخَوَّانَ مَرْجُونَ لِامْرِ اللّٰهِ اِنَّا يَعِدُ بِهِمْ وَاَمَّا
يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦﴾

۱۰۶۔ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے
تک ملتوی ہے^(۲) ان کو سزا دے گا^(۳) یا ان کی توبہ قبول
کر لے گا،^(۴) اور اللہ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا
وَتَفْزِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَارْصَادًا لِّلْهِنِ
حَادِبَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ مِّنْ قَبْلُ وَيُحْلِقْنَ اِنْ
اَرَدْنَ اِلَّا الْحُسْبٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

۱۰۷۔ اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لیے
مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور
ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان
کریں جو اس سے پہلے سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے،^(۵)

۱۔ رقیّت کا مطلب دیکھنا اور جانتا ہے۔ یعنی تمہارے عملوں کو اللہ تعالیٰ ہی نہیں دیکھتا، بلکہ ان کا علم اللہ کے رسول اور
مومنوں کو بھی (بذریعہ وحی) ہو جاتا ہے۔ (یہ منافقین ہی کے ضمن میں کہا جا رہا ہے) اس مفہوم کی آیت پہلے بھی گزر چکی
ہے۔ یہاں مومنین کا بھی اضافہ ہے جن کو اللہ کے رسول ﷺ کے بتلانے سے علم ہو جاتا ہے۔

۲۔ جنگ تبوک میں پیچھے رہنے والے ایک تو منافق تھے، دوسرے وہ جو بلاعذر پیچھے رہ گئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی غلطی
کا اعتراف کر لیا تھا لیکن انہیں معافی عطا نہیں کی گئی تھی۔ اس آیت میں اسی گروہ کا ذکر ہے جن کے معاملے کو مؤخر
کر دیا گیا تھا۔ (یہ تین افراد تھے، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔)

۳۔ اگر وہ اپنی غلطی پر مصر رہے۔

۴۔ اگر وہ خالص توبہ کر لیں گے۔

۵۔ اس میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی۔ اور نبی ﷺ کو یہ باور
کرایا کہ بارش، سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور جانے میں دقت پیش آتی ہے۔ ان کی
سہولت کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ آپ ﷺ وہاں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ آپ ﷺ
اس وقت تبوک کے لیے پایہ رکاب تھے، آپ ﷺ نے واپسی پر نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن واپسی پر وحی کے ذریعے
سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اصل مقاصد کو بے نقاب کر دیا کہ اس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، کفر پھیلانا،
مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا، اور اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں کے لیے کمین گاہ مہیا کرنا چاہتے ہیں۔

لَكِنْ بُونٌ ۝

اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔^(۱)

۱۰۸. آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔^(۲) البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں،^(۳) اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں،^(۴) اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۱۰۹. پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو، یا وہ شخص، کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو، رکھی ہو، پھر وہ اس کو

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّسَجْدَ أُسْسٌ عَلَىٰ التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ رِجَالٌ يُجِبُونَ أَنْ يَنْظَهُرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝

أَقَمْنَ أُسُسَ بُنْيَانِهِ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ مِّنْ أُسُسِ بُنْيَانِهِ عَلَىٰ شَفَا جُنُوبٍ هَارٍ فَانْهَارِيهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

۱. یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر وہ نبی ﷺ کو فریب دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے مکرو فریب سے بچالیا اور فرمایا کہ ان کی نیت صحیح نہیں، اور یہ جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں اس میں جھوٹے ہیں۔

۲. یعنی آپ ﷺ نے وہاں جاکر نماز پڑھنے کا جو وعدہ فرمایا ہے، اس کے مطابق وہاں جاکر نماز نہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے چند ساتھیوں کو بھیج کر وہ مسجد ڈھا دی اور اسے ختم کر دیا۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جو مسجد اللہ کی عبادت کے بجائے، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے، وہ مسجد ضرار ہے، اس کو ڈھا دیا جائے تاکہ مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا نہ ہو۔

۳. اس سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مسجد قباء اور بعض نے مسجد نبوی ﷺ قرار دیا ہے۔ سلف کی ایک ایک جماعت دونوں کی قائل رہی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت سے اگر مسجد قباء مراد ہے تو بعض احادیث میں مسجد نبوی کو ﴿اُسُسٌ عَلَىٰ التَّقْوَىٰ﴾ کا مصداق قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ اس لیے کہ اگر مسجد قباء کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ اول یوم سے ہی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو مسجد نبوی تو بطریق اولیٰ اس صفت کی حامل اور اس کی مصداق ہے۔

۴. حدیث میں آتا ہے کہ اس سے مراد اہل قباء ہیں۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کی تعریف فرمائی ہے، تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ڈھیلے استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ پانی بھی استعمال کرتے ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیر) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی گئی ہوں، نیز صالحین کی جماعت اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے جو مکمل وضو کرنے اور طہارت و پاکیزگی کا صحیح صحیح اہتمام کرنے والے ہوں۔

لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے،^(۱) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا۔

۱۱۰۔ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کی بنیاد پر (کاٹنا بن کر) کھٹکتی رہے گی، ہاں مگر ان کے دل ہی اگر پاش پاش ہو جائیں^(۲) تو خیر، اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

۱۱۱۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔^(۳) وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے،^(۴) تو تم لوگ اپنی اس بیچ پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ،^(۵) اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُفَقِّتُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

۱۔ اس میں مومن اور منافق کے عمل کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مومن کا عمل اللہ کے تقویٰ پر اور اس کی رضا مندی کے لیے ہوتا ہے، جب کہ منافق کا عمل ریاکاری اور فساد پر مبنی ہوتا ہے، جو اس حصہ زمین کی طرح ہے جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے اور مٹی کو ساتھ بہالے جاتا ہے۔ وہ حصہ نیچے سے کھوکھلا رہ جاتا ہے جس پر کوئی تغیر کر لی جائے تو فوراً گر پڑے گی۔ ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انہیں جہنم میں ساتھ لے کر گرے گا۔

۲۔ دل پاش پاش ہو جائیں، کا مطلب موت سے بہکنار ہونا ہے۔ یعنی موت تک یہ عمارت ان کے دلوں میں مزید شک وفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنی رہے گی، جس طرح کہ پتھڑے کے پتھریوں میں پتھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی۔

۳۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل و کرم کا بیان ہے کہ اس نے مومنوں کو، ان کے جان و مال کے عوض، جو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے، جنت عطا فرمادی، جب کہ یہ جان و مال بھی اسی کا عطیہ ہے۔ پھر قیمت اور معاوضہ بھی جو عطا کیا یعنی جنت، وہ نہایت ہی بیش قیمت ہے۔

۴۔ یہ اسی سودے کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچا وعدہ پچھلی کتابوں میں بھی اور قرآن میں بھی کیا ہے۔ اور اللہ سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

۵۔ یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے لیکن یہ خوشی اسی وقت منائی جاسکتی ہے جب مسلمان کو بھی یہ سودا منظور ہو۔ یعنی اللہ کی

۱۱۲۔ وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، (یا راہ حق میں سفر کرنے والے) رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں^(۱) اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجیے۔^(۲)

۱۱۳۔ پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔^(۳)

الْمُتَّكِبُونَ الْعِبَدُونَ الْحَمْدُونَ السَّائِحُونَ
الرَّكْعُونَ السُّجَّدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفَظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ
وَبَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾

راہ میں جان و مال کی قربانی سے انہیں دریغ نہ ہو۔

۱۔ یہ انہی مومنوں کی مزید صفات بیان کی جارہی ہیں جن کی جانوں اور مالوں کا سودا اللہ نے کر لیا ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، یعنی گناہوں اور فواحش سے۔ پابندی سے اپنے رب کی عبادت کرنے والے، زبان سے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے والے اور دیگر ان صفات کے حامل ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ سیاحت سے مراد اکثر مفسرین نے روزے کے لیے ہیں اور اسی کو ابن کثیر نے صحیح ترین اور مشہور ترین قول قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ تاہم سیاحت سے زمین کی سیاحت مراد نہیں ہے جس طرح کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ اسی طرح اللہ کی عبادت کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں غاروں اور سنہان بیابانوں میں جاکر ڈیرے لگا لینا بھی اس سے مراد نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ رہبائیت اور جوگی پن کا ایک حصہ ہے جو اسلام میں نہیں ہے۔ البتہ فتنوں کے ایام میں اپنے دین کو بچانے کے لیے شہروں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں جاکر رہنے کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن و کتاب الفتن باب التعرب، أي السكوت مع الأعراب، فی الفتنۃ)۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جو قول و عمل میں اسلام کی تعلیمات کا عمدہ نمونہ ہو اور ان چیزوں سے بچنے والا ہو جن سے اللہ نے اسے روک دیا ہے اور یوں اللہ کی حدوں کو پامال نہیں، بلکہ ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ ایسے ہی کامل مومن خوشخبری کے مستحق ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن میں ﴿آمِنُوا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کے الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کی قدرے تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

۳۔ اس کی تفسیر صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ جب نبی ﷺ کے عم بزرگوار ابوطالب کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس گئے جبکہ ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”چچا جان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھ لیں، تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے جنت پیش کر سکوں“ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا

۱۱۴۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف اس وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے، (۱) واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔ (۲)

۱۱۵۔ اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں (۳) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِاٰبِهٖۤ اِلَّا عَنۡ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّۤا مِنْهُۥ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ لَآ وَكَآۤهْلِيْہۭٗ ۝

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۙ اِذَا هَدٰهُمۡۙ حَتّٰى يَبَيِّنَ لَهُمۡۙ مَا يَتَّقُوْنَۙ اِنَّ اللّٰهَ بِخَلْقِ سَمٰۤىٕۙ عَلِيْمٌ ۝

”اے ابو طالب! کیا عبد المطلب کے مذہب سے انحراف کرو گے؟“ (یعنی مرتے وقت یہ کیا کرنے لگے ہو؟ حتیٰ کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا) نبی ﷺ نے فرمایا ”جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے روک نہیں دیا جائے گا، میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا“۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر، سورة التوبة) اور سورة قصص کی آیت ۵۶ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيۤ مَنْ اٰجَبْتَ﴾ بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب فرمائی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی (مسند احمد: ج ۵، ص ۳۵۵) اور نبی ﷺ نے اپنی مشرک قوم کے لیے جو دعائیں تھیں اللھم اغفر لقومی فَاِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (یا اللہ میری قوم بے علم ہے اس کی مغفرت فرما دے) یہ آیت کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا مطلب ان کے لیے ہدایت کی دعا ہے۔ یعنی وہ میرے مقام و مرتبہ سے نا آشنا ہے، اسے ہدایت سے نواز دے تاکہ وہ مغفرت کی اہل ہو جائے۔ اور زندہ کفار و مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ۱۔ یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر بھی جب یہ بات واضح ہو گئی کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے اور جہنمی ہے تو انہوں نے اس سے اظہار براءت کر دیا اور اس کے بعد مغفرت کی دعا نہیں کی۔

۲۔ اور ابتداء میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا بھی اپنے اسی مزاج کی نرمی اور حلیمی کی وجہ سے کی تھی۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے روکا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے ایسا کیا تھا، یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایسا کر کے انہوں نے گمراہی کا کام تو نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک بچنے والے کاموں کی وضاحت نہیں فرما دیتا، اس وقت تک اس پر مواخذہ بھی نہیں فرماتا نہ اسے گمراہی قرار دیتا ہے البتہ جو ان کاموں سے نہیں بچتا، جن سے روکا جا چکا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے اس حکم سے قبل اپنے فوت شدہ مشرک رشتے داروں کے لیے مغفرت کی دعائیں کی ہیں ان کا مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ انہیں مسئلے کا اس وقت علم ہی نہیں تھا۔

۱۱۶. بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے، اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

۱۱۷. اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا،^(۱) اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔^(۲) پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔

۱۱۸. اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔^(۳) یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعْجِزُ وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ دُونِ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا حَبَّتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ

۱. جنگ تبوک کے سفر کو ”تنگی کا وقت“ قرار دیا۔ اس لیے کہ ایک تو موسم سخت گرمی کا تھا۔ دوسرا فصلیں تیار تھیں۔ تیسرا سفر خاصا لمبا تھا اور چوتھا وسائل کی بھی کمی تھی۔ اسی لیے اسے «جَيْشُ الْعُسْرَةِ» (تنگی کا قافلہ یا لشکر) کہا جاتا ہے۔ توبہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے گناہ یا غلطی کا ارتکاب ہو۔ اس کے بغیر بھی رفع درجات اور غیر شعوری طور پر ہو جانے والی کوتاہیوں کے لیے توبہ ہوتی ہے۔ یہاں مہاجرین و انصار کے اس پہلے گروہ کی توبہ اسی مفہوم میں ہے جنہوں نے بلا تامل نبی ﷺ کے حکم جہاد پر لبیک کہا۔

۲. یہ اس دوسرے گروہ کا ذکر ہے جسے مذکورہ وجوہ سے ابتداءً تردد ہوا۔ لیکن پھر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا اور بخوشی جہاد میں شریک ہوا۔ دلوں میں تزلزل سے مراد دین کے بارے میں کوئی تزلزل یا شبہ نہیں ہے بلکہ مذکورہ دنیوی اسباب کی وجہ سے شریک جہاد ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا، وہ مراد ہے۔

۳. خُلِفُوا کا وہی مطلب ہے جو مُرْجُون کا ہے یعنی جن کا معاملہ مؤخر اور ملتوی کر دیا گیا تھا اور پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ تین صحابہ تھے۔ کعب بن مالک، مرارہ بن ربح اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ یہ تینوں نہایت مخلص مسلمان تھے۔ اس سے قبل ہر غزوہ میں شریک ہوتے رہے۔ اس غزوہ تبوک میں صرف تساہلاً شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو سوچا کہ ایک غلطی (پچھے رہنے کی) تو ہو ہی گئی ہے۔ لیکن اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف اعتراف کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا۔ تاہم اس دوران آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے حتیٰ کہ بات چیت تک کرنے سے روک دیا۔ اور چالیس راتوں کے بعد انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیویوں

أَنفُسُهُمْ وَكَلَّمُوا أَنَّ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ﴿٥٥﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ
الضَّادِّقِينَ ﴿٥٦﴾

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ
الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَفُوا عَن رَسُولِ اللَّهِ وَلَا
يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ يَأْتِيهِمْ
لَا يُصِيبُهُمْ كُفْرًا وَلَا نَصَبٌ وَلَا عَمْدَةٌ فِي

کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے^(۱) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔^(۲) بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے۔

۱۱۹۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔^(۳)

۱۲۰۔ مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں^(۴) اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں،^(۵) یہ اس سبب سے کہ^(۶) ان کو

سے بھی دور رہیں چنانچہ بیویوں سے بھی جدائی عمل میں آگئی مزید دس دن گزرے تو توبہ قبول کر لی گئی اور مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (اس واقعے کی پوری تفصیل حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، کتاب المغازی باب غزوة تبوک - مسلم کتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك رضي الله عنه)

۱۔ یہ ان ایام کی کیفیت کا بیان ہے جس سے سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انہیں گزرنا پڑا۔

۲۔ یعنی پچاس دن کے بعد اللہ نے ان کی آہ و زاری اور توبہ قبول فرمائی۔

۳۔ سچائی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرمادی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرمادیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنه۔ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (یعنی اللہ کا خوف) ہوگا، وہ سچا بھی ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ مومن سے کچھ اور کوتاہیوں کا صدور تو ہو سکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

۴۔ جنگ تبوک میں شرکت کے لیے چونکہ عام منادی کردی گئی تھی، اس لیے معذورین، بوڑھے اور دیگر شرعی عذر رکھنے والوں کے علاوہ، سب کے لیے اس میں شرکت ضروری تھی لیکن پھر بھی جو سرکان مدینہ یا اطراف مدینہ میں سے اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبیح کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

۵۔ یعنی یہ بھی ان کے لیے زیبا نہیں کہ خود اپنی جانوں کا تو تحفظ کر لیں اور رسول اللہ ﷺ کی جان کے تحفظ کا انہیں خیال نہ ہو۔ بلکہ انہیں رسول ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے سے زیادہ ان کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۶۔ ذلک سے پیچھے نہ رہنے کی علت بیان کی جا رہی ہے یعنی انہیں اس لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو

اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو تھکاں پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیظ ہوا ہو^(۱) اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی،^(۲) ان سب پر ان کے نام (ایک ایک) نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

۱۲۱. اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے،^(۳) یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

۱۲۲. اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطُؤْنَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ
وَلَا يَتْلُونَ مِنْ عَدُوِّ تَبِيلًا ۚ لَكُمُ الْكُتُبُ لَكُمْ بِهِ
عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيضُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱﴾

وَلَا يُفْقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً
وَلَا يَقْطَعُونَ وَإِيَّاكَ لَكُمُ الْكُتُبُ لَكُمْ بِهِ
اللَّهُ أَحْسَنُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَصَرَ
مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي
الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۳﴾

پیاس، تھکاؤ، بھوک پہنچے گی یا ایسے اقدامات، جن سے کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوگا، اسی طرح دشمنوں کے آدمیوں کو قتل کروگے یا ان کو قیدی بناؤگے، یہ سب کے سب کام عمل صالح لکھے جائیں گے یعنی عمل صالح صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی مسجد میں یا کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر نوافل، تلاوت، ذکر الہی وغیرہ کرے بلکہ جہاد میں پیش آنے والی ہر تکلیف اور پریشانی، حتیٰ کہ وہ کاروائیاں بھی جن سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہو یا غیظ بھڑکے، ان میں سے ہر ایک چیز اللہ کے ہاں عمل صالح لکھی جائے گی۔ اس لیے محض شوق عبادت میں بھی جہاد سے گریز صحیح نہیں، چہ جائیکہ بغیر عذر کے ہی آدمی جہاد سے جی چرائے؟

۱. اس سے مراد پیادہ، یا گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر ایسے علاقوں سے گزرنا ہے کہ ان کے قدموں کی چاپوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشمن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے اور ان کی آتش غیظ بھڑک اٹھے۔

۲. ﴿وَلَا يَتْلُونَ مِنْ عَدُوِّ تَبِيلًا﴾ (دشمن سے کوئی چیز لیتے ہیں یا ان کی خبر لیتے ہیں) سے مراد، ان کے آدمیوں کو قتل یا قید کرتے ہیں یا انہیں شکست سے دوچار کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔

۳. پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پانی کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق وادیاں اور علاقے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی خرچ کروگے اسی طرح جتنے بھی میدان یا علاقے طے کروگے، (یعنی جہاد میں تھوڑا یا زیادہ سفر کروگے) یہ سب نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں درج ہوں گی جن پر اللہ تعالیٰ اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔^(۱)

۱۲۳۔ اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں^(۲) اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے^(۳) اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

۱۲۴۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے،^(۴) سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾

وَإِذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيْنَ كُفْرُهُ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيْمَانًا قَالُوا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَّادُ تَهُمُ إِيْمَانًا وَهُمْ

۱۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس کا تعلق بھی حکم جہاد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیات میں جب پیچھے رہنے والوں کے لیے سخت وعید اور زبر و توقیح بیان کی گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا مرحلہ آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ آیت میں انہیں حکم دیا گیا کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ جس میں ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک گروہ کی ہی شرکت کافی ہے۔ ان کے نزدیک لِيَتَفَقَّهُوْا کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا طائفہ ہے۔ یعنی ایک گروہ جہاد پر چلا جائے وَتَبْقَى طَائِفَةٌ (یہ مخدوف ہوگا) اور ایک گروہ پیچھے رہے، جو دین کا علم حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آئیں تو انہیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے انہیں ڈرائیں۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان، اس کی ترغیب اور طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت یا قبیلے میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑیں اور مدارس و مراکز علم میں جا کر اسے حاصل کریں اور پھر آکر اپنی قوم میں وعظ و نصیحت کریں۔ دین میں تفتہ حاصل کرنے کا مطلب اوامر و نواہی کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اوامر الہی کو بجالاسکے اور نواہی سے دامن کشاں رہے اور اپنی قوم کے اندر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔

۲۔ اس میں کافروں سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ الْأَوَّلُ فَلَاوُلُّ اور الْأَقْرَبُ فَلَاأَقْرَبُ کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے جزیرہ عرب میں آباد مشرکین سے قتال کیا، جب ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمادیا اور عرب کے سارے قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے، تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اور ۹ ہجری میں رومیوں سے قتال کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو جزیرہ عرب سے قریب ہے۔ اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال فرمایا، اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

۳۔ یعنی کافروں کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں نرمی نہیں سختی ہونی چاہیے جیسا کہ ﴿لَا يَسْتَأْذِنُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَةً لِّهِمْ﴾ (الفتح: ۲۹) (کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں) صحابہ کی صفت بیان کی گئی۔ اسی طرح ﴿إِذْ لَوْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعْرَاجُ عَلَى الْكُفَّارِينَ﴾ (المائدة: ۵۳) (نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر، اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر) اہل ایمان کی صفت ہے۔

۴۔ اس سورت میں منافقین کے کردار کی جو نقاب کشائی کی گئی ہے، یہ آیت اس کا بقیہ اور تتمہ ہیں۔ اس میں بتلایا جا رہا

يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۱۶﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا
وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۷﴾

أُولَٰئِكَ يَرْوُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ
مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ
يَذْكُرُونَ ﴿۱۸﴾

وَإِذْ آمَأْنَا نَزَّلَتْ سُورَةٌ تُنْظِرُ بَعْضَهُمْ إِلَى بَعْضٍ
هَلْ يَرْجِعُ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ
اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بَأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۹﴾

ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔^(۱)

۱۲۵۔ اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس سورت نے
ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھادی اور وہ
حالت کفر ہی میں مر گئے۔^(۲)

۱۲۶۔ اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال
ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھٹتے رہتے ہیں^(۳)
پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

۱۲۷۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک
دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں پھر
چل دیتے ہیں^(۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں

ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا اور ان کے علم میں بات آتی تو وہ استہزاء
اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو بھی سورت اترتی ہے اس سے اہل ایمان کے ایمان میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ایمان کے اضافے
پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان میں کمی پیشی ہوتی ہے جس طرح کہ محدثین کا مسلک ہے۔

۲۔ روگ سے مراد نفاق اور آیات الہی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔ فرمایا: البتہ یہ سورت منافقین کو ان کے نفاق
اور خبثت میں اور بڑھاتی ہے اور وہ اپنے کفر و نفاق میں اس طرح پختہ تر ہو جاتے ہیں کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں
ہوتی اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ”ہم قرآن میں ایسی چیزیں
نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ظالموں کے خسارے میں اضافہ ہی فرماتا
ہے۔“ (نہی اسرائیل: ۸۲) یہ گویا ان کی بد بختی کی انتہا ہے کہ جس سے لوگوں کے دل ہدایت پاتے ہیں۔ وہی باتیں ان کی
ضلالت و ہلاکت کا باعث ثابت ہوتی ہیں جس طرح کسی شخص کا مزاج اور معدہ بگڑ جائے، تو وہی غذائیں، جن سے لوگ
قوت اور لذت حاصل کرتے ہیں، اس کی بیماری میں مزید بگاڑ اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔

۳۔ يُفْتَنُونَ کے معنی ہیں۔ آزمائے جاتے ہیں۔ آفت سے مراد یا تو آسمانی آفات ہیں مثلاً قحط سالی وغیرہ (مگر یہ بعید ہے)
یا جسمانی بیماریاں اور تکالیف ہیں یا غزوات ہیں جن میں شرکت کے موقع پر ان کی آزمائش ہوتی تھی۔ سیاق کلام کے
اعتبار سے یہ مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

۴۔ یعنی ان کی موجودگی میں سورت نازل ہوتی جس میں منافقین کی شرارتوں اور سازشوں کی طرف اشارہ ہوتا تو پھر یہ
دیکھ کر کہ مسلمان انہیں دیکھ تو نہیں رہے، خاموشی سے کھسک جاتے۔

اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔^(۱)

۱۲۸. تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں^(۲) جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے^(۳) جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں^(۴) ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔^(۵)

۱۲۹. پھر اگر وہ روگردانی کریں^(۶) تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے،^(۷) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔^(۸)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

۱. یعنی آیات الہی میں غور و تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو خیر اور ہدایت سے پھیر دیا ہے۔

۲. سورت کے آخر میں مسلمانوں پر نبی ﷺ کی صورت میں جو احسان عظیم فرمایا گیا، اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ تمہاری جنس سے یعنی جنس بشریت سے ہیں (وہ نور یا کچھ اور نہیں) جیسا کہ فساد عقیدہ کے شکار لوگ عوام کو اس قسم کے گورکھ دھندے میں پھنساتے ہیں۔

۳. عَنَتٌ: ایسی چیزیں جن سے انسان کو تکلیف ہو، اس میں دنیاوی مشقتیں اور اخروی عذاب دونوں آجاتے ہیں۔ اس پیغمبر پر تمہاری ہر قسم کی تکلیف و مشقت گراں گزرتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں آسمان دین حنیفی دے کر بھیجا گیا ہوں“ (مسند احمد جلد: ۵، ص: ۲۶۶، جلد: ۶، ص: ۲۳۳) ایک اور حدیث میں فرمایا۔ إِنَّ هَذَا الدِّينَ يَسْرُ (بے شک یہ دین آسان ہے۔) (صحیح البخاری، کتاب الایمان)

۴. تمہاری ہدایت اور تمہاری دنیوی و اخروی منفعت کے خواہش مند ہیں۔ اور تمہارا جہنم میں جانا پسند نہیں فرماتے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تمہیں تمہاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نار جہنم میں داخل ہوتے ہو۔“ (صحیح البخاری کتاب الرقاق باب: ۲۶ الانتہاء من المعاصی)

۵. یہ آپ کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً آپ ﷺ صاحب خلق عظیم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۶. یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین رحمت سے۔

۷. جو کفر و اعراض کرنے والوں کے مکروکید سے مجھے بچالے گا۔

۸. حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت حَسْبِيَ اللَّهُ (الآیۃ) صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہموں (فکر و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن ابی داؤد: ۵۰۸۱)

سورۃ یونس مکی ہے اور اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّسُولُ يَا أَيُّهَا الْمَكِيدُ ①

أَكَا نَ لِلنَّاسِ نَجْجَانٌ أَوْ حِينًا إِلَى جُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ
أَنذِرَ النَّاسَ وَكَثِيرَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمٌ
صَدَقَ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ
مُّبِينٌ ②

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي
سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ③

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اَلرَّسُولُ، یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔ ①

۲. کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب (۲) ہوا کہ ہم
نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ
سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ
خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر
و مرتبہ (۳) ملے گا۔ کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ
صریح جادوگر ہے۔ ②

۳. بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور
زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم

☆۔ یہ سورت مکی ہے۔ البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر)

۱. الْحَكِيم، کتاب یعنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجمے میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس
کے اور بھی کئی معنی کیے گئے ہیں۔ مثلاً الْمُحْكَم، یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی
حاکم۔ یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب (البقرہ: ۲۳) حکیم بمعنی محکوم فیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے
اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔

۲. استفہام انکار تعجب کے لیے ہے، جس میں تویح کا پہلو بھی شامل ہے۔ یعنی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ
تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا، کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ
صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں
رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کے بجائے وحشت محسوس کرتے۔ دوسرا ان
کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجتے تو پھر وہی اعتراض آتا کہ
یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے۔ اس لیے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

۳. ﴿قَدَّمَ صَدَقِي﴾ کا مطلب، بلند مرتبہ، اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجتا ہے۔

۴. کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سوچتی تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ۔

مَا مِنْ شَيْعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ اَقْلَابًا كُفْرًا ۝

ہوا^(۱) وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔^(۲) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں^(۳) ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو،^(۴) کیا تم پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔

اَلَيْكُمْ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا اِنَّهُ يَبْدُؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُمْ لِيُجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ
حَمِيْمٍ وَعَذَابٌ اَلِيْمٌ لِّمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

۴. تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انصاف کے ساتھ جزاء دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔^(۵)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّيَرِ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ

۵. وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا^(۱) اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں

۱. اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۃ اعراف آیت ۵۴ کا حاشیہ۔

۲. یعنی آسمان وزمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ساری کائنات کا نظم و تدبیر وہ اس طرح کر رہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا، ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔

۳. مشرکین و کفار، جو اصل مخاطب تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت، جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انہی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ ﴿وَلَا يَتَّقُونَ إِلَّا الْاِلٰهَ الَّذِيْ اَرْسَلْنَا﴾ (الانبیاء: ۲۸) (وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو) ﴿لَا تَعْبُدُوْهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (النجم: ۲۶) (فرشتوں کی) سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے۔

۴. یعنی ایسا اللہ، جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی مالک ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

۵. اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الہی میں سب کی حاضری، اور جزاء و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

۶. ضیاء صَوْن کے ہم معنی ہے۔ مضاف یہاں محذوف ہے ذَاتِ ضِيَاءٍ وَالْقَمَرُ ذَا نُورٍ، سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا۔ یا پھر انہیں مبالغہ پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذات خود ضیاء اور نور ہیں۔ آسمان وزمین کی تخلیق اور ان کی

اللَّهُ ذَلِكَ الْبَاقِي يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾

لَآ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلَتِنَا غَافِلُونَ ﴿٥٢﴾

أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٣﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتٍ

تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔

۶. بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔

۷. جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

۸. ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

۹. یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد

تدبیر کے ذکر کے بعد بطور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے، جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورج کی حرارت و تپش اور اس کی روشنی، کس قدر ناگزیر ہے اس سے ہر باشعور آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکماء کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ (فتح القدیر) واللہ اعلم بالصواب۔

۱. یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ ۲۸ منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کامل) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑتا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے۔ اور پھر ہلال بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے تمہیں ہر چیز کا حساب کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ یعنی سال ۱۲ مہینے کا، مہینہ ۲۹، ۳۰ دن کا۔ ایک دن ۲۴ گھنٹے یعنی رات اور دن کا۔ جو ایام استواء میں ۱۲، ۱۲ گھنٹے اور سردی گرمی میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں صرف دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ نہیں بلکہ دینی منافع بھی ان سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوع ہلال سے حج، صیام، رمضان، اشہر حرم اور دیگر عبادات کی تعیین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

النَّبِيِّ ④

تک پہنچا دے گا^(۱) نعت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

۱۰۔ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی ”سبحان اللہ“^(۲) اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا ”السلام علیکم“^(۳) اور ان کی اخیر بات یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔

۱۱۔ اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔^(۴) سو ہم ان لوگوں کو جن

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑤

وَأَوْيِعِجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَاسِ عَجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لِقَاضِي إِلَيْهِمْ أَجَلَهُمْ ۖ فَتَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ⑥

۱۔ اس کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان فرمادے گا، اس صورت میں یہ ”با“ سببیت کے لیے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ استغاثت کے لیے ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے، جیسا کہ سورہ حدید میں اس کا ذکر آتا ہے۔

۲۔ یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”اہل جنت کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہوگا جس طرح سانس کا الہام کیا جاتا ہے“ (صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب في صفات الجنة وأهلها وتسبيحهم فيها بكرة وعشيا) یعنی جس طرح بے اختیار سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الہی کے ترانے رہیں گے۔

۳۔ یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، نیز فرشتے بھی انہیں سلام عرض کریں گے۔

۴۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مہلت دے کر انہیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی بدعائیں مانگتا ہے جنہیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بدعائیں کرتا ہے، جنہیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے، مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بدعاؤں کے مطابق، انہیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں، تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ”تم اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال و کاروبار کے لیے بدعائیں مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری

کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

۱۲. اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا، ^(۱) ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے اسی طرح خوشنما بنا دیا گیا ہے۔ ^(۲)

۱۳. اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے، اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ ^(۳)

وَإِذْ آمَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنَّةٍ
أَوْقَاعِدًا أَوْ قَالِمًا فَلَمَّا كَسَفْنَا عَنْهُ صُورَهُ
مَرَّ كَانَ لَهُ يُدْعِنَا إِلَىٰ ضِرَّةٍ مِّنْهُ كَذَلِكَ
ذُوقِ لِلْمُنْصِرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونُ مِن قَبْلِكَ لَمَّا خَلَكُوا
وَجَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا
لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ نُجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۱﴾

بدعائیں، اس گھڑی کو پالیں، جس میں اللہ کی طرف سے دعائیں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمہاری بدعائیں قبول فرمائے۔
(سنن ابی داود، کتاب الوتر، باب النہی عن أن يدعو الإنسان علی أهله وماله، ومسلم، کتاب الزہد، فی حدیث جابر الطویل)

۱. یہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے۔ بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کوتاہی کا عام ارتکاب کرتے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہو رہا ہے، دعائیں کی جارہی ہیں، توبہ و استغفار کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ کڑا وقت نکال دیتا ہے تو پھر بارگاہ الہی میں دعا و تضرع سے بھی غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ نے ان کی دعائیں قبول کر کے انہیں جس ابتلاء اور مصیبت سے نجات دی، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

۲. یہ ترتین عمل، بطور آزمائش اور مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، وسوسوں کے ذریعے سے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور انسان کے اس نفس کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَكَاذِبَةٌ زَالِيَةٌ﴾ (یوسف: ۵۳) (بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے) تاہم اس کا شکار ہوتے وہی لوگ ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ یہاں معنی یہ ہوئے کہ ان کے لیے دعا سے اعراض، شکر الہی سے غفلت اور شہوات و خواہشات کے ساتھ اشتغال کو مزین کر دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

۳. یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہو۔

۱۴۔ پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا^(۱) تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

۱۵۔ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں^(۲) جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے^(۳) یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے۔ آپ (ﷺ) یوں کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں^(۴) بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔^(۵)

۱۶. آپ یوں کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا^(۱) کیونکہ میں اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔^(۲)

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

وَلَا تَسْتَلِ عَلَيْهِمْ أَيَّامًا يَكُونَتِ قَالَ الَّذِينَ
لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّمَا يَفْعَلُ الْغَيْرُ هَذَا أَوْ
بَدَلُهُ فُلْ يَكُونُ لِي أَنْ أَبْدَلَ مِنْ وَلِقَائِي
فَقِيلَ إِنَّ أَكْبَرُ الْأُمُورِ إِلَى اللَّهِ إِنْ أَخَانُ
إِنْ عَصَيْتَ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ۝

قُلْ كُوشِءٌ لِّلّٰهِ مَا تَوَدَّ عَلَيَكُمْ وَلَا أَذْرِكُمْ
بِهِۦ ۖ فَقَدْ لِمِثْتُ فِيكُمْ عُمَرَ ۖ مِّنْ قَبْلِهِۦٓ أَفْلَاحٌ
تَّعْقِبُونَ ﴿١٩﴾

۱۔ خلافت، خلیفہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں، گزشتہ امتوں کا جانشین۔ یا ایک دوسرے کا جانشین۔

۲. یعنی جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قرآن مجید کی جگہ قرآن ہی دوسرا لائیں یا پھر اس میں ہماری حسب خواہش تبدیلی کر دیں۔

۴. یعنی مجھ سے دونوں باتیں ممکن نہیں میرے اختیار میں ہی نہیں۔

۵۔ یہ اس کی مزید تاکید ہے۔ میں تو صرف اسی بات کا پیرو ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا میں ارتکاب کروں گا تو یوم عظیم کے عذاب سے میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۶۔ یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہتا تو میں نہ تمہیں پڑھ کر سناتا نہ تمہیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی۔ بعض نے اَدْرَاکُمْ بہ کے معنی کیے ہیں اَعْلَمَکُمْ بہ عَلٰی لِسَانِی کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بابت کچھ نہ بتلاتا۔

۷۔ اور تم بھی جانتے ہو کہ دعوائے نبوت سے قبل چالیس سال میں نے تمہارے اندر گزارے ہیں۔ کیا میں نے کسی استاد سے کچھ سیکھا؟ اسی طرح تم میری امانت و صداقت کے بھی قائل رہے ہو۔ کیا اب یہ ممکن ہے کہ میں اللہ پر

۱۷. سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلائے، یقیناً ایسے مجرموں کو فلاح نہ ہوگی۔

۱۸. اور یہ لوگ اللہ کے سوا^(۱) ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں^(۲) اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔^(۳) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں،^(۴) وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔^(۵)

۱۹. اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا^(۶) اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۷﴾

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ
اللَّهِ فَلْيَسِّرْ لَنَا إِلَهُاتِنَا اللَّهُ يَسِّرُ الْيُسْرَىٰ
وَالْعُسْرَىٰ ۚ وَأَلْفَافٌ فِي الْأَرْضِ صُغُرَاتٍ وَعُلَىٰ عَمَّا
يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً
فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

افتراء باندھنا شروع کر دوں؟ مطلب ان دونوں باتوں کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے نہ میں نے کسی سے سن یا سیکھ کر اسے بیان کیا ہے اور نہ یوں ہی جھوٹ موٹ اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

۱. یعنی اللہ کی عبادت سے تجاوز کر کے نہ کہ بالکل اللہ کی عبادت ترک کر کے۔ کیونکہ مشرکین اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اور غیر اللہ کی بھی۔

۲. جب کہ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو بدلہ اور اپنے نافرمانوں کو سزا دینے پر قادر ہو۔

۳. یعنی ان کی سفارش سے اللہ ہماری ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ ہماری بگڑی بنا دیتا ہے یا ہمارے دشمن کی بنی ہوئی بگاڑ دیتا ہے۔ یعنی مشرکین بھی اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان کو نفع و ضرر میں مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

۴. یعنی اللہ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اس کا کوئی شریک بھی ہے یا اس کی بارگاہ میں سفارشی بھی ہوں گے؟ گویا یہ مشرکین اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ تجھے گو خبر نہیں لیکن ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ تیرے شریک بھی ہیں اور سفارشی بھی ہیں جو اپنے عقیدت مندوں کی سفارش کریں گے۔

۵. اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کی یہ باتیں بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے۔

۶. یعنی یہ شرک، لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے پہل اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تمام لوگ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقے پر تھے اور وہ اسلام ہے جس میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام لوگ اسی توحید پر قائم رہے۔ پھر ان میں اختلاف ہو گیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کے ساتھ، دوسروں کو بھی معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا۔

لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ فِيْئَاتِهِ يَعْزِلُونَ ﴿١٠﴾

وَيَقُولُونَ لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا آيَةً مِنْ رَبِّهِ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ بِلَدِّهِ فَاتَّخِذُوا مِنْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْظَرِ ۖ ﴿١١﴾

وَإِذَا قَالُوا لِلنَّاسِ هُمْ بَعْدُ صَرَءَ مَسْتَهْمٌ
إِذَا لَهُمْ لَكُوفِي يَا بَنَاتُ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا لَّانْ رَّسَلْنَا
يَكْتُبُونَ مَا تَكُونُونَ ﴿١٢﴾

رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔^(۱)

۲۰. اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی؟^(۲) سو آپ فرما دیجیے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے^(۳) سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

۲۱. اور جب ہم لوگوں کو اس امر کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں^(۴) تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں،^(۵) آپ کہہ دیجیے کہ اللہ چال چلنے میں تم سے زیادہ تیز ہے،^(۶)

۱. یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دینا ہے، اسی طرح اس نے مخلوق کے لیے ایک وقت موعود کا تعین نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ان کے مابین اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کو سعادت مند اور کافروں کو عذاب و مشقت میں مبتلا کر چکا ہوتا۔

۲. اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم شمود کے لیے اونٹنی کا ظہور ہوا۔ ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا یا کھ کے پہاڑوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نہریں اور باغات بنانے کا یا اور اس قسم کا کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلایا جائے۔
۳. یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی خواہشات کے مطابق وہ معجزے تو ظاہر کر کے دکھلا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو فوراً وہ ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لیے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ کسی قوم کے لیے اس کی خواہشات کے مطابق معجزے ظاہر کر دینا، اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو نہ دکھائے گئے تو انہیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لیے آگے فرمایا، ”تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“

۴. مصیبت کے بعد نعمت کا مطلب ہے، تنگی، قحط سالی اور آلام و مصائب کے بعد رزق کی فراوانی، اسباب معیشت کی ارزانی وغیرہ۔
۵. اس کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر اور ان پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یعنی یہ ان کی وہ بری تدبیر ہے جو وہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں۔

۶. یعنی اللہ کی تدبیر، ان سے کہیں زیادہ تیز ہے جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا مواخذہ کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہے ان کی گرفت کر سکتا ہے، فوراً بھی اور اگر اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہو تو بعد میں بھی۔ مگر، عربی زبان میں خفیہ تدبیر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں، جو اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ یہاں اللہ کی عقوبت اور گرفت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب چالوں کو لکھ رہے ہیں۔

۲۲. وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے،^(۱) یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعے سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آگھرے،^(۲) (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں^(۳) کہ اگر تو ہم کو اس سے

هُوَ الَّذِي يُبْدِيكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكَ وَجَرُونَكُمْ بِهِمْ رِيحَ طَبَقَةٍ وَقَدْ حَوَّاهَا جَاءَ نَهَارٌ مِّنْ عَاصِفٍ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَكِنِ اتَّخَذْنَا مِنْ هَذِهِ لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّكِيكِيْنَ ۝۲۲

۱. يُسَبِّرُكُمْ وہ تمہیں چلاتا یا چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ ”خشکی میں“۔ یعنی اس نے تمہیں قدم عطا کیے جن سے تم چلنے ہو، سواریاں مہیا کیں، جن پر سوار ہو کر جو دور دراز کے سفر کرتے ہو۔ ”اور سمندر میں“ یعنی اللہ نے تمہیں کشتیاں اور جہاز بنانے کی عقل اور سمجھ دی، تم نے وہ بنائیں اور ان کے ذریعے سے سمندروں کا سفر کرتے ہو۔

۲. أُحِيطَ بِهِمْ کا مطلب ہے، جس طرح دشمن کسی قوم یا شہر کا احاطہ یعنی محاصرہ کر لیتا ہے اور پھر وہ دشمن کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں، اسی طرح وہ جب سخت ہواؤں کے تھپیڑوں اور تلاطم خیز موجوں میں گھر جاتے ہیں اور موت ان کو سامنے نظر آتی ہے۔

۳. یعنی پھر وہ دعا میں غیر اللہ کی ملاوت نہیں کرتے جس طرح عام حالات میں کرتے ہیں۔ عام حالات میں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ بھی اللہ کے بندے ہیں، انہیں بھی اللہ نے اختیارات سے نواز رکھا ہے اور انہی کے ذریعے سے ہم اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ لیکن جب اس طرح شدائد میں گھر جاتے ہیں تو یہ سارے شیطانی فلسفے بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ یاد رہ جاتا ہے اور پھر صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فطرت میں اللہ واحد کی طرف رجوع کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اس جذبے یا فطرت کو دبا دیتا ہے لیکن مصیبت میں یہ جذبہ ابھر آتا ہے اور یہ فطرت عود کر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توحید، فطرت انسانی کی آواز اور اصل چیز ہے، جس سے انسان کو انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے انحراف فطرت سے انحراف ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین، جب اس طرح مصائب میں گھر جاتے تو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کے بجائے، صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے چنانچہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے، تو کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آگئی، جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا کہ آج اللہ واحد سے دعا کرو، تمہیں اس طوفان سے اس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر یہاں سے میں زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا۔ چنانچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

بچالے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔

۲۳. پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں^(۱) اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لیے وبال ہونے والی ہے^(۲) دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم تمہارا سب کیا ہو! تم کو بتلا دیں گے۔

۲۴. پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلی۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا^(۳) کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف

فَلَمَّا كَانَتْهُمْ إِذْ هُمْ يُبْعَثُونَ فِي الْأَرْضِ يَغْيِرُ الْحَقُّ
يَأْيُهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيَكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعُ الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ
فَلَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ وَمِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ
وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ
وَطْنَهَا أَهْلُهَا أَتَتْهُمْ فَيُؤْثِرُونَ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا أَمْرُنَا
لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ
تَغْنَبْ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يَعْقِلُونَ ﴿۲۴﴾

ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (سنن نسائی، أبوداؤد: ۳۶۸۳ - وذكره الألبانی فی الصحیحۃ: ۱۷۲۳) لیکن افسوس! امت محمدیہ کے عوام اس طرح شرک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ شدائد و آلام میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے، فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا سمجھتے اور انہی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ آه! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاقِيًا۔

۱۔ یہ انسان کی اسی ناشکری کی عادت کا ذکر ہے جس کا تذکرہ ابھی آیت ۱۲ میں بھی گزرا، اور قرآن میں اور بھی متعدد مقامات پر اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم یہ ناشکری اور سرکشی کرلو، چار روزہ متاع زندگی سے فائدہ اٹھا کر بالآخر تمہیں ہمارے ہی پاس آنا ہے، پھر ہم تمہیں، جو کچھ تم کرتے رہے ہو گے، بتلائیں گے یعنی ان پر سزا دیں گے۔

۳۔ حَصِيدًا فَعِيل بمعنى مفعول ہے اُنَّی: مَحْصُودًا یعنی ایسی کھیتی ہے جسے کاٹ کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہو اور کھیت صاف ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کو اس طرح کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کے عارضی پن اور ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی بھی بارش کے پانی سے نشوونما پاتی اور سرسبز و شاداب ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اسے کاٹ کر فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔

۲۵. اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے

اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

۲۶. جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے

اور مزید برآں بھی ^(۱) اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی

چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے

ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۷. اور جن لوگوں نے بد کام کیے ان کی بدی کی سزا اس

کے برابر ملے گی ^(۲) اور ان کو ذلت چھائے گی، ان کو اللہ

تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ ^(۳) گویا ان کے چہروں پر اندھیری

رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔ ^(۴) یہ لوگ

دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۸. اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب

کو جمع کریں گے ^(۵) پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ^(۱)

لِّلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ
وُجُوْهُمْ ذُرَّوْكَ ذٰلِكَ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ^(۲)

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ يَّبْتَغِيْهَا
وَتَرْهَقُهُمْ ذٰلِكَ مَا لَهُمْ مِّنْ لِّلّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاٰثِمًا
اَغْشَيْتْ وَجُوْهُهُمْ قُطْعًا مِّنَ الْاَبْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ
اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ^(۳)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اٰشْرَكُوْا
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَزَيْلٰنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

۱. اس زیادہ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن حدیث میں اس کی تفسیر دیدار باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جس سے اہل جنت

کو جنت اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد، مشرف کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب إثبات رؤية المؤمنين في الآخرة لربهم)

۲. گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ انہیں ان کے نیک عملوں کی جزاء کئی کئی گنا ملے گی

اور پھر مزید دیدار الہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا۔

سینات سے مراد کفر و شرک اور دیگر معاصی ہیں۔

۳. جس طرح کہ اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اسی طرح انہیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا علاوہ انہیں

ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو شفاعت کی اجازت بھی دے گا، جن کی شفاعت بھی وہ قبول فرمائے گا۔

۴. یہ مبالغہ ہے کہ ان کے چہرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے تروتازہ اور روشن ہوں گے

جس طرح سورہ آل عمران، آیت ۱۰۶۔ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُهُمْ وَكُفُّوْهُمْ وُجُوْهُهُمْ﴾ الآية۔ سورہ عن: ۳۸-۴۱ اور سورہ قیامت میں ہے۔

۵. جمیعاً سے مراد، ازل سے ابد تک کے تمام اہل زمین انسان اور جنات ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا۔ جس

طرح کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نَغَادِرْ لَهُمْ اَحَدًا﴾ (الکہف: ۷۷) (ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، کسی ایک

کو بھی نہیں چھوڑیں گے)۔

شُرَكَاءَهُمْ مَا كُنْتُمْ اِيَّاكَ تَعْبُدُونَ ﴿٦٠﴾

تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو^(۱) پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے^(۲) اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

فَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰوِلِيْنَ ﴿٦١﴾

۲۹. سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر، کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔^(۳)

هٰذَا لَكَ تَبٰلُغُ كُلِّ نَفْسٍ مَّا اَسْأَلَتْ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٦٢﴾

۳۰. اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کیے ہوئے کاموں کی جانچ کر لے گا^(۴) اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا

۱. ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو دوسری طرف کر دیا جائے گا۔ یعنی اہل ایمان اور اہل کفر و شرک دونوں کو الگ الگ ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا جیسے فرمایا ﴿وَامْتَاذِ الْيَوْمِ اَيْنَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یس: ۵۹) ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدَحُّوْنَ﴾ (الروم: ۴۳) (اس دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے)۔ یعنی دو گروہوں میں۔ اُنّی: یَصِيْرُوْنَ صِدْعَيْنِ۔ (اثن کثیر)

۲. یعنی دنیا میں ان کے درمیان آپس میں جو خصوصی تعلق تھا، وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے معبود اس بات کا ہی انکار کریں گے کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے، ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔

۳. یہ انکار کی وجہ ہے کہ ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تم کیا کچھ کرتے تھے، اور ہم جھوٹ بول رہے ہیں تو ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ کافی ہے، اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے، وہ محض پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں (جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات تو بتوں کے لیے ہیں) بلکہ وہ عقل و شعور رکھنے والے افراد ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجسمے اور بت بنا کر پوجنا شروع کر دیتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے جس کی تصریح صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد، انسان کتنا بھی نیک ہو، حتیٰ کہ نبی و رسول ہو۔ اسے دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے متبعین اور عقیدت مند اسے مدد کے لیے پکارتے ہیں اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، اس کی قبر پر میلے ٹھیلے کا انتظام کرتے ہیں، لیکن وہ بے خبر ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا انکار ایسے لوگ قیامت کے دن کریں گے۔ یہی بات سورہ احقاف آیت ۵، ۶ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

۴. یعنی جان لے گا یا مزہ چکھ لے گا۔

کرتے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے۔^(۱)

۳۱. آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ”اللہ“^(۲) تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟! ۳۲. سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟^(۳)

۳۳. اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تمام فاسق لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔^(۴) ۳۴. آپ یوں کہیے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی پیدا کرے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَفَنُيْلِكُ
السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأُمُورَ
فَسِيقُوا لِلَّهِ فُلًا فَلَا تَصِفُونَ ﴿۳۱﴾

فَذَلِكُمُ اللَّهُ لَكُمْ لَعْنٌ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا الصَّلَاةُ
فَإِنِّي تَصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
فَسَقُوا أَلَهُمُ الْيَوْمِئِذٍ ﴿۳۳﴾

قُلْ هَلْ مِنْ شَرِكِكُمْ مِمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
قُلْ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَإِنِّي تَوَكَّلُونَ ﴿۳۴﴾

۱. یعنی کوئی معبود اور ”مشکل کشا“ وہاں کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کی مشکل کشائی پر قادر نہیں ہوگا۔

۲. اس آیت سے بھی واضح ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اس کے مدبر الامور ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم کا ایندھن قرار دید۔ آج کل کے مدعیان ایمان بھی اسی توحید الوہیت کے منکر ہیں۔ فَتَنَسَّاهَتْ قُلُوبُهُمْ (هَذَا هُمُ اللَّهُ تَعَالَى)۔

۳. یعنی رب اور الہ (معبود) تو یہی ہے جس کے بارے میں تمہیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور مدبر وہی ہے، پھر اس معبود کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبود بنائے پھرتے ہو، وہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں، تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

۴. یعنی جس طرح یہ مشرکین تمام تر اعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اسی طرح تیرے رب کی یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو ہدایت اور ایمان انہیں کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (الزمر: ۷۱) (لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی)۔

بھی پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟^(۱)

۳۵. آپ کہیے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہو؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے۔^(۲) تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے؟^(۳) پس تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟^(۴)

۳۶. اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ یقیناً گمان، حق (کی معرفت) میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا^(۵) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے۔^(۶)

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَضِلَّ فَمَا لَهُمْ كَيْفَ يَحْكُمُونَ ۝

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

۱. مشرکین کے شرک کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لیے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتلاؤ جنہیں تم اللہ کا شریک گردانتے ہو، کیا انہوں نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے؟ یا دوبارہ اسے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ پہلی مرتبہ بھی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور روز قیامت دوبارہ وہی سب کو زندہ کرے گا۔ تو پھر تم ہدایت کا راستہ چھوڑ کر، کہاں پھرے جا رہے ہو؟
۲. یعنی بھٹکے ہوئے مسافرین راہ کو راستہ بتانے والا اور دلوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان کے شرکاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہ کام کر سکے۔

۳. یعنی پھر پیروی کے لائق کون ہے؟ وہ شخص جو دیکھتا سنتا اور لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ یا وہ جو اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود راستے پر چل بھی نہیں سکتا، جب تک کہ دوسرے لوگ اسے راستے پر نہ ڈال دیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائیں؟

۴. یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کس طرح اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہرائے جا رہے ہو؟ اور اللہ کے ساتھ تم دوسروں کو بھی شریک عبادت بنا رہے ہو؟ جب کہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود مانا جائے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لیے خاص مانی جائیں۔

۵. لیکن بات یہ ہے کہ لوگ محض اگلے پچو باتوں پر چلنے والے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلے میں اوہام و خیالات اور ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن میں ظن، یقین اور گمان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔

۶. یعنی اس ہٹ دھرمی کی وہ سزا دے گا۔ کہ دلائل نہ رکھنے کے باوجود، یہ محض اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کے پیچھے لگے رہے اور عقل و فہم سے ذرا کام نہ لیا۔

۳۷۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر (اپنے ہی سے) گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے (نازل) ہو چکی ہیں^(۱) اور کتاب (ضروری احکام) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے^(۲) اس میں کوئی بات شک کی نہیں^(۳) کہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔^(۴)

۳۸۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو۔^(۵)

۳۹۔ بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے^(۱) اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ نہیں ملا۔^(۲) جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعَضْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ صَادِقِينَ

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ

۱۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔

۲۔ یعنی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تفصیل بیان کرنے والا۔

۳۔ اس کی تعلیمات میں، اس کے بیان کردہ قصص و واقعات میں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں۔

۴۔ یہ سب باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے، جو ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔

۵۔ ان تمام حقائق و دلائل کے بعد بھی، اگر تمہارا دعویٰ یہی ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کا گھڑا ہوا ہے، تو وہ بھی تمہاری

ہی طرح کا ایک انسان ہے، تمہاری زبان بھی اسی کی طرح عربی ہے۔ وہ تو ایک ہے، تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو

تو تم دنیا بھر کے ادیبوں، فضاہ و بلغاء کو اور اہل علم و اہل قلم کو جمع کرلو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت

کے مثل بنا کر پیش کر دو۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج تک باقی ہے، اس کا جواب نہیں ملا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں

کہ یہ قرآن، کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ فی الواقع کلام الہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا ہے۔

۶۔ یعنی قرآن میں تدبر اور اس کے معانی پر غور کیے بغیر، اس کی تکذیب پر تل گئے۔

۷۔ یعنی قرآن نے جو پچھلے واقعات اور مستقبل کے امکانات بیان کیے ہیں، اس کی پوری سچائی اور حقیقت بھی ان پر واضح

نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہی تکذیب شروع کر دی، یا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پر کما حقہ تدبر کیے بغیر ہی

اس کی تکذیب کر دی حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں اس پر تدبر کرتے اور ان امور پر غور کرتے، جو اس کے کلام الہی

ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یقیناً اس کے فہم اور معانی کے دروازے ان پر کھل جاتے۔ اس صورت میں تاویل کے

طرح انہوں نے بھی جھٹلایا تھا، سو دیکھ لیجیے ان ظالموں کا انجام کیا ہوا؟^(۱)

۴۰. اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔^(۲)

۴۱. اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔^(۳)

۴۲. اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو؟^(۴)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ
وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ إِنِّي عَلَىٰ أَعْيُنِكُمْ وَأَنْتُمْ
بِرَبِّكُم مِّنْ أَهْمٍ ۖ وَأَنَا بَرِيءٌ وَمِمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ سَمِيعُ
الْغَمِّ وَلَوْ كُنَّا إِلَّا يَعْظُمُونَ ﴿٤٢﴾

معنی، قرآن کریم کے اسرار و معارف اور لطائف و معانی کے واضح ہوجانے کے ہوں گے۔

۱. یہ ان کفار و مشرکین کو تنبیہ و تہدید ہے۔ کہ تمہاری طرح پچھلی قوموں نے بھی آیات الہی کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ اگر تم اس تکذیب سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

۲. وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ اور گمراہی کا مستحق کون ہے؟ اس کے لیے گمراہی کا راستہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔ وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں ظلم کا شائبہ نہیں۔ جو جس بات کا مستحق ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے۔

۳. یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں، مطلب یہ ہے کہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے، سو وہ میں کرچکا ہوں۔ اب نہ تم میرے عمل کے ذمہ دار ہو، نہ میں تمہارے عمل کا، سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا برے عمل کی باز پرس ہوگی۔ یہ وہی بات ہے جو ﴿قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ (الکافرون: ۲) میں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں کہی تھی۔ ﴿اِنَّا نُرَآؤْا اِمۡسَکُوْهُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوْنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ لَکُفۡرًا کَبِیۡرًا﴾ (الممتحنة: ۴) (بے شک ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں)۔

۴. یعنی ظاہری طور پر وہ قرآن تو سنتے ہیں، لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں، اس لیے انہیں اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب بہرا غیر عاقل بھی ہو۔ کیونکہ عقل مند بہرہ پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ان کی مثال تو غیر عاقل بہرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے بہرہ رہتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَاجِبِرُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو تک رہے ہیں۔ پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو؟^(۱)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَاسِ سَبِيلًا وَلَكِنَّ الْإِنْسَانَ أَنْفُسَهُمْ يَكْفُرُونَ ﴿٢٤﴾

۲۴۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔^(۲)

وَيَوْمَ يُعْزِرُهُمْ كَانَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّهَارِ نِتَارَةٌ فَإِنَّهُمْ وَقَدْ خَيْرَ الْإِنْدِينَ لَكَ بَلَاءٌ ۚ اللَّهُ وَمَا كَانُوا مَهْتَدِينَ ﴿٢٥﴾

۲۵۔ اور ان کو وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ ان کو (اپنے حضور) جمع کرے گا (تو ان کو ایسا محسوس ہوگا) کہ گویا وہ (دنیا میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے^(۳) اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کو ٹھہرے ہوں۔^(۴) واقعی خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس

۱۔ اسی طرح بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں، لیکن مقصد ان کا بھی چونکہ کچھ اور ہوتا ہے، اس لیے انہیں بھی اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔ بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہو۔ کیونکہ بعض اندھے، جنہیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے باوجود، بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔ مقصد ان باتوں سے نبی ﷺ کی تسلی ہے۔ جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج کرانے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پرواہ نہیں کرتا، تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور وہ اس پر اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ساری صلاحیتوں سے نوازا ہے، آنکھیں بھی دی ہیں، جن سے دیکھ سکتے ہیں، کان دیے ہیں، جن سے سن سکتے ہیں، عقل و بصیرت دی ہے جن سے حق اور باطل اور جھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے وہ حق کا راستہ نہیں اپناتے، تو پھر یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔

۳۔ یعنی محشر کی سختیاں دیکھ کر انہیں دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور دنیا کی زندگی انہیں ایسے معلوم ہوگی گویا وہ دنیا میں ایک آدھ گھڑی ہی رہے ہیں۔ ﴿لَهُمْ يَوْمَئِذٍ أَجْرٌ أَوْ ضِعْفًا﴾ (النازعات: ۲۶)

۴۔ محشر میں مختلف حالتیں ہوں گی، جنہیں قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک وقت یہ بھی ہوگا جب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام دھریں گے، اور بعض موقعوں پر ایسی دہشت طاری ہوگی ﴿فَلَا أَشْأَبَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۰۱) کہ (نہ آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ داریوں کا پتہ ہوگا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے)۔

جانے کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

۴۶. اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (ان کے ظہور سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں، سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے۔ پھر اللہ ان کے سب افعال پر گواہ ہے۔^(۱)

۴۷. اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، سو جب ان کا وہ رسول آپکتا ہے تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے،^(۲) اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

۴۸. اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو۔

وَلَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعَنَّكَ
فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ سَهِيْدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۶﴾

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قَضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾

۱. اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم ان کفار کے بارے میں جو وعدے کر رہے ہیں کہ اگر انہوں نے کفر و شرک پر اصرار جاری رکھا تو ان پر بھی اسی طرح عذاب الہی آسکتا ہے۔ جس طرح پچھلی قوموں پر آیا، ان میں سے بعض اگر ہم آپ کی زندگی میں بھیج دیں تو یہ بھی ممکن ہے، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اگر آپ اس سے پہلے ہی دنیا سے اٹھالیے گئے، تب بھی کوئی بات نہیں، ان کافروں کو بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ ان کے سارے اعمال و احوال کی ہمیں اطلاع ہے، وہاں یہ ہمارے عذاب سے کس طرح بچ سکیں گے؟ یعنی دنیا میں تو ہماری مخصوص حکمت کی وجہ سے ممکن ہے کہ عذاب سے بچ جائیں لیکن آخرت میں تو ان کے لیے ہمارے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا کیونکہ قیامت کے وقوع کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں اطاعت گزاروں کو ان کی اطاعت کا صلہ اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کی سزا دی جائے۔

۲. اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہر امت میں ہم رسول بھیجتے رہے۔ اور جب رسول اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر چکتا تو پھر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتے۔ یعنی پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے اور دوسروں کو ہلاک کر دیتے۔ کیونکہ ﴿وَمَا لَنَا مَعْزِبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) (اور ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب دینے لگیں)۔ اور اس فیصلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ظلم تو تب ہوتا جب بغیر گناہ کے ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا بغیر حجت تمام کیے ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا۔ (فتح القدیر) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے یعنی قیامت کے دن ہر امت جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی، تو اس امت میں بھیجا گیا رسول بھی ساتھ ہوگا۔ سب کے اعمال نامے بھی ہوں گے اور فرشتے بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور یوں ہر امت اور اس کے رسول کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ امت محمدیہ کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا ”ہم اگرچہ سب کے بعد آنے والے ہیں، لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، اور تمام مخلوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔“ (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة)۔

قُلْ لَا أَمْرٌ لِّنَفْسِي مَعَكُمْ وَلَا فَعْلٌ لِّكَاسَاءِ اللَّهِ
لِحُلِّ امْتِعَةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ
سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٥٦﴾

۴۹. آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی نفع کا اور کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہر امت کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔^(۱)

۵۰. آپ فرما دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔^(۲)

۵۱. کیا پھر جب وہ آہی پڑے گا اس پر ایمان لاؤ گے۔ ہاں اب مانا! حالانکہ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔^(۳)
۵۲. پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو تمہارے کیے کا ہی بدلہ ملا ہے۔

۵۳. اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے؟^(۴) آپ فرما دیجیے کہ ہاں قسم ہے میرے

قُلْ أَرَبُّكُمْ إِنَّا أَشْكُمُ عَذَابُهُ بَيِّنَاتٌ أَوْ هِيَ مَاذَا
يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٧﴾

أَنَّهُ إِذَا مَأْوَعَهُ مُنْتَهِيهِ السَّنِ وَقَدْ كُنْتُمْ يَه
تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥٨﴾

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ
هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٩﴾

وَيَسْتَفْتِيكَ أَحَقُّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ
بِمُعْجِزِينَ ﴿٦٠﴾

۱۔ یہ مشرکین کے عذاب الہی مانگنے پر کہا جا رہا ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ ہاں یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے، اس وقت موعود تک وہ مہلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے سرک سکتے ہیں۔ تنبیہ: یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ جب افضل الخلاق، سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں، تو آپ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت برآری اور مشکل کشائی پر قادر ہو؟ اسی طرح خود اللہ کے پیغمبر سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ”یا رسول اللہ مدد“ اور ”اَعْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ“ وغیرہ الفاظ سے استغاثہ واستعانت کرنا، کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت اور اس قسم کی دیگر واضح تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ شرک کی ذیل میں آتا ہے۔ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا۔

۲۔ یعنی عذاب تو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے جس سے دل نفرت کرتے اور طبیعتیں انکار کرتی ہیں، پھر یہ اس میں کیا خوبی دیکھتے ہیں کہ اسے جلدی طلب کرتے ہیں؟

۳۔ لیکن عذاب آنے کے بعد ماننے کا کیا فائدہ؟

۴۔ یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ یہ معاد و قیمت اور انسانوں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا ایک برحق بات ہے؟

رب کی وہ واقعی سچ ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

۵۴. اور اگر ہر جان، جس نے ظلم (شرک) کیا ہے، اس کے پاس اتنا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانے لگے،^(۱) اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

۵۵. یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے آدمی علم ہی نہیں رکھتے۔

۵۶. وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔^(۲)

۵۷. اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے^(۳) اور دلوں

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسْرَوْا النَّفْلَةَ لَتَأَذَّابُوا الْعَذَابَ وَفُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ^(۱)

إِلَّا إِلَهُ يَوْمَئِذٍ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا وَعْدُ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^(۲)

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَالْأَيُّهُمُ يُرْجَعُونَ^(۳)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَنِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ^(۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تمہارا مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا، اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں کر سکتا۔ اس لیے یقیناً یہ ہو کر رہے گا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظیر قرآن میں مزید صرف ۲ آیتیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ قسم کھا کر معاد کے وقوع کا اعلان کریں۔ ایک سورہ سبأ، آیت: ۳ اور دوسری سورہ تغابن، آیت: ۷۔

۱. یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لیے آمادہ ہوگا۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

۲. ان آیات میں آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ، وعدہ الہی کے برحق ہونے، زندگی اور موت پر اس کے اختیار اور اس کی بارگاہ میں سب کی حاضری کا بیان ہے، جس سے مقصد گزشتہ باتوں ہی کی تائید و توضیح ہے کہ جو ذات اتنے اختیارات کی مالک ہے، اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہاں جاسکتا ہے؟ اور اس نے حساب کتاب کے لیے جو ایک دن مقرر کیا ہوا ہے، اسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ ایک دن ضرور آئے گا اور ہر نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزاء و سزا دی جائے گی۔

۳. یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ

میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفاء ہے^(۱) اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔^(۲)

۵۸. آپ کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔^(۳) وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۵۸﴾

۵۹. آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔^(۴) آپ پوچھیے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو؟

قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَتَزَالُ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِثْلَهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ ذُو الْكُرْسِيِّ الْأَعْلَى الَّذِي لَا تَقْضُونَ ﴿۵۹﴾

کے اصل معنی ہیں عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا تریب سے۔ اور واعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و تہیہ دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

۱. یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو گندگی و پلیدی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔

۲. یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انہی کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کو قرآن کریم میں سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۸۲ اور سورہ حم السجدة، آیت: ۴۴ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ﴿يُزَكِّيهِمْ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ البقرة: ۲ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں

۳. خوشی، اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے یعنی ان کے دلوں میں فرحت اور اطمینان کی کیفیت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشی کے اظہار کے لیے جلتے جلوسوں کا، چراغاں کا اور اس قسم کے غلط کام اور اسراف بے جا کا اہتمام کرو۔ جیسا کہ آج کل اہل بدعت اس آیت سے ”جشن عید میلاد“ اور اس کی غلط رسوم کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

۴. اس سے مراد وہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے ناموں پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے، جس کی تفصیل سورہ انعام میں گزر چکی ہے۔

۶۰. اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے؟^(۱) واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے^(۲) لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔^(۳)

۶۱. اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔^(۴)

۶۲. یاد رکھو اللہ کے دوستوں^(۵) پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ

وَمَا ظُنُّوا الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّمَّالٍ ذَرَفٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

الْأَنْبِيََاءِ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

۱. یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کیا معاملہ فرمائے گا۔

۲. کہ وہ انسانوں کا دنیا میں فوراً مواخذہ نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں بلا تفریق مومن و کافر، سب کو دیتا ہے۔ یا جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں، انہیں حلال اور جائز قرار دیا ہے، انہیں حرام نہیں کیا۔

۳. یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، یا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں۔

۴. اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی انسانوں پر اس کی نظر ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۃ الانعام، آیت ۵۹ میں گزر چکا ہے کہ ”اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں، جنہیں وہی جانتا ہے۔ اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے، اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے“ اسی طرح سورۃ انعام کی آیت ۳۸ اور سورۃ ہود کی آیت ۶ میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جب واقعہ یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین میں موجود اشیاء کی حرکتوں کو جانتا ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی ان حرکات و اعمال سے کیوں کر بے خبر رہ سکتا ہے جو اللہ کی عبادت کے مکلف اور مامور ہیں؟

۵. نافرمانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کا ذکر فرما رہا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، جس کے

يَعْتَذِرُونَ ۝

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

وہ ننگین ہوتے ہیں۔^(۱)

۶۳. یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں۔

۶۴. ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی^(۲) اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

۶۵. اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے وہ سنا جانتا ہے۔

۶۶. یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں یہ سب اللہ ہی کے ہیں اور جو لوگ اللہ کو

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا عَذَابُ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْعَذَابُ الْعَظِيمُ ۝

وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

أَلَا لِلَّهِ الْفَتْحُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا يَكْتُمُهُ الَّذِينَ يُدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے، وہ سچے اور مخلص مومن جنہوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اسی لیے اگلی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان و تقویٰ ہی اللہ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے، اس لحاظ سے ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہے۔ لوگ ولایت کے لیے اظہار کرامت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے ولیوں کے لیے جھوٹی سچی کرامتیں مشہور کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کرامت کا ولایت سے چوٹی دامن کا ساتھ ہے نہ اس کے لیے شرط۔ یہ ایک الگ چیز ہے کہ اگر کسی سے کرامت ظاہر ہو جائے تو اللہ کی مشیت ہے، اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لیکن کسی متقی مومن اور متبع سنت سے کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔

۱. خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم (حزن) کا ماضی سے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے زندگی خدا خوفی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے۔ اس لیے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہوگا، جس طرح دوسروں کو ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اللہ کی رحمت و فضل خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے والے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی لذتیں انہیں حاصل نہ ہو سکی ہوں گی، ان پر انہیں کوئی حزن و ملال نہیں ہوگا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انہیں نہ ملیں، اس پر وہ غم و حزن کا مظاہرہ نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی قضاء و تقدیر ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدورت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان کے دل قضائے الہی پر مسرور و مطمئن رہتے ہیں۔

۲. دنیا میں خوش خبری سے مراد، رویائے صادقہ ہیں یا وہ خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ایک مومن کو دیتے ہیں، جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں کس چیز کی اتباع کر رہے ہیں۔ محض بے سند خیال کی اتباع کر رہے ہیں اور محض انگلیں لگا رہے ہیں۔^(۱)

۶۷. وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے، تحقیق اس میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔

۶۸. وہ کہتے ہیں اللہ اولاد رکھتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں^(۲) اس کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔^(۳) تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

۶۹. آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء

شُرَكَاءُ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ^(۴)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ^(۵)

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنَّ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ^(۶)

قُلْ إِنَّا الْإِنسَانُ نَفْسُ زُرُون عَلَى اللَّهِ

۱. یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ یہ محض ظن و تخمین اور رائے و قیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ آج اگر انسان اپنے قوائے عقل و فہم کو صحیح طریقے سے استعمال میں لائے تو یقیناً اس پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسرے کیوں کر اس کے شریک ہو سکتے ہیں؟

۲. اور جو کسی کا محتاج نہ ہو، اسے اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اولاد تو سہارے کے لیے ہی ہوتی ہے اور جب وہ سہارے کا محتاج نہیں تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

۳. جب آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے تو ہر چیز اسی کی مملوک اور غلام ہوئی۔ پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے، جسے کچھ مدد اور سہارے کی ضرورت ہو۔ اور جس کا حکم آسمان و زمین کی ہر چیز پر چلتا ہو، اسے کیا ضرورت لاحق ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اولاد کی ضرورت وہ شخص بھی محسوس کرتا ہے جو اپنے بعد مملوکات کا وارث دیکھنا یا بنانا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو فنا ہی نہیں ہے اس لیے اللہ کے لیے اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿تِلْكَ الْأَمْثَلُ يُقَظَّرُونَ مِنْهُ وَتَنشَأُ الْأَرْضُ وَخَرُّوا عَلَيْهَا هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ عِلْمٌ بِمَا يُوعَدُونَ﴾ (مریم: ۹۰-۹۱) (اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں رحمن کی اولاد ہے، قہر ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں)۔

الْكُذِبَ لَا يَقُولُونَ ﴿٦﴾

مَتَاعًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ
نُنَبِّئُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا
يَكْفُرُونَ ﴿٧﴾

وَأَنذَرْتَهُمْ نَارًا وَقَالُوا لَقَوْمُهُ يَقُولُونَ
كَانَ كَذِبًا عَلَيْهِمْ مَقَالِي وَتَذَكَّرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى
اللَّهِ تَوَكَّلُوا فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَّيْ
وَلَا تَنْظُرُوا ﴿٨﴾

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُمْ مِنْ جَزَاءٍ إِلَّا
عَلَى اللَّهِ وَأَمْرُ أَنْ أَتُونِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩﴾

کرتے ہیں، ^(۱) وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ ^(۲)

۴۰۔ یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے پھر ہمارے پاس ان کو
آنا ہے پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب
چکھائیں گے۔

۴۱۔ اور آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سنائیے جب
کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو
میرا رہنا اور احکام الہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے
تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء
کے پختہ کرلو ^(۳) پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونی
چاہیے۔ ^(۴) پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔

۴۲۔ پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو میں نے تم
سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا، ^(۵) میرا معاوضہ تو صرف

۱۔ افتراء کے معنی جھوٹی بات کہنے کے ہیں۔ اس کے بعد مزید ”جھوٹ“ کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔

۲۔ اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی یعنی اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ جانا ہے محض
دنیا کی عارضی خوش حالی، کامیابی نہیں۔ جیسا کہ بہت سے لوگ کافروں کی عارضی خوش حالی سے مغالطے کا اور شکوک
وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ ”یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں پھر ہمارے ہی پاس ان
کو آنا ہے“ یعنی یہ دنیا کا عیش، آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد
انہیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ
کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان
سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں، ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہیں جو اسباب ظاہری کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی
ہیں جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوہ ازیں یہ عارضی
کامیابیاں اللہ کے قانون مہلت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہیں۔ جس کی وضاحت اس سے قبل بعض جگہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔
۳۔ یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کرلو، (اگر وہ تمہارے زعم کے مطابق تمہاری
مدد کر سکتے ہیں)۔

۴۔ عُمَّة کے دوسرے معنی ہیں، ابھام اور پوشیدگی۔ یعنی میرے خلاف تمہاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہیے۔

۵۔ کہ جس کی وجہ سے تم یہ تہمت لگا سکو کہ دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو مال و دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔

اللہ ہی کے ذمے ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔^(۱)

۳۔ سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے^(۲) پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو جانشین بنایا^(۳) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہیے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ڈرائے جا چکے تھے۔

۴۔ پھر نوح (علیہ السلام) کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے^(۴) پس جس چیز کو انہوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔^(۵) اللہ تعالیٰ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے۔^(۶)

فَكَذَّبُوهُ فَتَبَيَّنْهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ
وَجَعَلْنَاهُمْ خُلُوفًا وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكَبِّرِينَ^(۱)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ
قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُتَعَبِّدِينَ^(۲)

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ گو شرائع مختلف اور مناج متعدد رہے۔ جیسا کہ آیت ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ فِرْعَوْنَ وَمِثْلًا﴾ (المائدة: ۴۸) (تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے) سے واضح ہے۔ لیکن دین سب کا اسلام تھا، ملاحظہ ہو سورة البقرة: ۱۳۱-۱۳۲ سورة المائدة: ۴۴ اور ۱۱۱ سورة الانعام: ۱۶۲-۱۶۳ سورة الاعراف: ۱۲۶ سورة يونس: ۸۴ سورة يوسف: ۱۰۱ اور سورة النمل: ۹۱

۲۔ یعنی قوم نوح علیہ السلام نے تمام تر وعظ و نصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچالیا اور باقی سب کو حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کو بھی غرق کر دیا۔
۳۔ یعنی زمین میں ان بچنے والوں کو ان سے پہلے کے لوگوں کا جانشین بنایا۔ پھر انسانوں کی آئندہ نسل انہی لوگوں بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

۴۔ یعنی ایسے دلائل و معجزات لے کر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ واقعی یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

۵۔ لیکن یہ امتیں رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں، محض اس لیے کہ جب اول اول یہ رسول ان کے پاس آئے تو فوراً بغیر غور و فکر کے، ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ پہلی مرتبہ کا انکار ان کے لیے مستقل حجاب بن گیا۔ اور وہ یہی سوچتے رہے کہ ہم تو پہلے انکار کر چکے ہیں، اب اس کو کیا ماننا؟ نتیجتاً ایمان سے وہ محروم رہے۔

۶۔ یعنی جس طرح ان گزشتہ قوموں پر ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے مہریں لگتی رہی ہیں اسی طرح آئندہ بھی جو قوم

۷۵. پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو،^(۱) فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔^(۲) سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ مجرم قوم تھے۔^(۳)

۷۶. پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔^(۴)

۷۷. موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کیا یہ جادو ہے، حالانکہ جادو گر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔^(۵)

۷۸. وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے بھادو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ سِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ۝

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَكَ وَأَنْتَ عَبْدُ اللَّهِ إِبْرَاهِيمَ أَمْ أَنْتَ لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ قُلُوا لَهُمْ مَا تَشَاءُونَ ۝

رسولوں کو جھٹلائے گی اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گی، ان کے دلوں پر مہر لگتی رہے گی اور ہدایت سے وہ اسی طرح محروم رہے گی، جس طرح گزشتہ قومیں محروم رہیں۔

۱. رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد، حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کا ذکر کیا جا رہا ہے، درآں حالی کہ رسول کے تحت میں وہ بھی آجاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا شمار جلیل القدر رسولوں میں ہوتا ہے، اس لیے خصوصی طور پر ان کا الگ ذکر فرمایا۔
۲. حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے یہ معجزات، بالخصوص نو آیات بینات، جن کا ذکر اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱۰۱ میں کیا ہے۔ مشہور ہے۔

۳. یعنی چونکہ وہ بڑے بڑے جرائم اور گناہوں کے عادی تھے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے ساتھ بھی استکبار کا معاملہ کیا۔ کیونکہ ایک گناہ، دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا اور گناہوں پر اصرار بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی جرات پیدا کر دیتا ہے۔

۴. جب انکار کے لیے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے۔
۵. حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، ذرا سوچو تو سہی، حق کی دعوت اور صحیح بات کو تم جادو کہتے ہو، بھلا یہ جادو ہے؟ جادو گر تو کامیاب ہی نہیں ہوتے۔ یعنی مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے اور ناپسندیدہ انجام سے بچنے میں وہ ناکام ہی رہتے ہیں اور میں تو اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کی مدد حاصل ہے اور اس کی طرف سے مجھے معجزات اور آیات بینات عطا کی گئی ہیں مجھے سحر و ساحری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اللہ کے عطا کردہ معجزات کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟

جائے^(۱) اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔

۷۹. اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو۔

۸۰. پھر جب جادوگر آئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔

۸۱. سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے،^(۲) اللہ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔^(۳)

۸۲. اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فرمان (کلمات)^(۴) سے ثابت کر دیتا ہے گو مجرم کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔

۸۳. پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے^(۵) وہ بھی فرعون سے

وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَتُؤْتُونِي بِحُجُبٍ مُّجْرِيَةٍ ۖ

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُّلقُونَ ۚ

فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُّوسٰى مَلِكُمْ يُرٰى اِلَيْهِمُ السَّحَرَةُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَيَبْطِلُهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِلُّ عَمَلِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

وَيُخَيِّطُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِحُكْمِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

فَمَا اَمِنَ لِّمُوسٰى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ اَن يَفْتِنَهُمْ ۚ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ

۱. یہ منکرین کی دیگر کٹ جتیاں ہیں جو دلائل سے عاجز آکر، پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہمیں ہمارے آباء واجداد کے راستے سے بٹانا چاہتے ہو، دوسرا یہ کہ ہمیں جاہ و ریاست حاصل ہے، اسے ہم سے چھین کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ اس لیے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی تقلید آباء پر اصرار اور دنیوی جاہ و مرتبت کی خواہش نے انہیں ایمان لانے سے روک رکھا۔ اس کے بعد آگے وہی قصہ ہے کہ فرعون نے ماہر جادوگروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا، جیسا کہ سورہ اعراف میں گزرا اور سورہ طہ میں بھی اس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

۲. چنانچہ ایسا ہی ہوا، بھلا جھوٹ بھی، سچ کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ جادوگروں نے، چاہے وہ اپنے فن میں کتنے ہی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، جو کچھ پیش کیا، وہ جادو ہی تھا اور نظر کی شعبہ بازی ہی تھی اور جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پیچھا تو اس نے ساری شعبہ بازیوں کو آن واحد میں ختم کر دیا۔

۳. اور یہ جادوگر بھی مفسدین تھے۔ جنہوں نے محض دنیا کمانے کے لیے جادوگری کا فن سیکھا ہوا تھا اور جادو کے کرب و کھاکر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل فساد کو کس طرح سنوار سکتا تھا؟

۴. کلمات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں اتارتا رہا ہے جو پیغمبروں کو وہ عطا فرماتا تھا۔ یادہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کے ہاتھوں سے صادر ہوتے تھے، یا اللہ کا وہ حکم ہے جو وہ لفظ کُن سے صادر فرماتا ہے۔

۵. قَوْمِهِ کے ”وہ“ کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو قرار دیا ہے۔

اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائے^(۱) اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا، اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا۔^(۲)

۸۴. اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔^(۳)

۸۵. انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے لیے قتنہ نہ بنا۔

۸۶. اور ہم کو اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔^(۴)

لَعَالِ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَكِنِ الْبُشْرَىٰ ۝

وَقَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ بِاللَّهِ فَاعْلَمُوا ۝
تَوَكَّلُوا إِنَّا كُنَّا مُسْلِمِينَ ۝

فَقَالُوا عَمَلُ اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا أَكَجَعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ۝

وَجَعَلْنَا رَحْمَتَكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

کیونکہ آیت میں ضمیر سے پہلے انہی کا ذکر ہے۔ یعنی موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔ لیکن امام ابن کثیر وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تو ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی صورت میں انہیں مل گئے اور اس اعتبار سے سارے بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ ﴿ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ﴾ سے مراد، فرعون کی قوم سے تھوڑے سے لوگ ہیں، جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے۔ انہی میں سے اس کی بیوی (حضرت آسیہ) بھی ہیں۔

۱. قرآن کریم کی یہ صراحت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ فرعون کی قوم میں سے تھے، کیونکہ انہی کو فرعون اور اس کے درباریوں اور حکام سے تکلیف پہنچائے جانے کا ڈر تھا۔ بنی اسرائیل، ویسے تو فرعون کی غلامی و محکومی کی ذلت ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا نہ انہیں اس وجہ سے مزید تکالیف کا اندیشہ تھا۔

۲. اور ایمان لانے والے اس کے اسی ظلم و ستم کی عادت سے خوف زدہ تھے۔

۳. بنی اسرائیل، فرعون کی طرف سے جس ذلت و رسوائی کا شکار تھے، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے آنے کے بعد بھی اس میں کمی نہیں آئی، اس لیے وہ سخت پریشان تھے، بلکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے انہوں نے یہ تک کہہ دیا، اے موسیٰ! (علیہ السلام) جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے تکلیفوں میں مبتلا تھے، تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں کہا تھا کہ امید ہے کہ میرا رب جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم صرف ایک اللہ سے مدد چاہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ (ماخذ: ہو، سورة الاعراف آیات: ۱۲۸-۱۲۹) یہاں بھی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں تلقین کی کہ اگر تم اللہ کے سچے فرمانبردار ہو تو اسی پر توکل کرو۔

۴. اللہ پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بارگاہ الہی میں دعائیں بھی کیں۔ اور یقیناً اہل ایمان کے لیے یہ ایک بہت بڑا ہتھیار بھی ہے اور سہارا بھی۔

۸۷. اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہیں گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو^(۱) اور نماز کے پابند رہو اور آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔

۸۸. اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (اسی واسطے دیے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے^(۲) سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔^(۳)

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّاهُمَا الْقَوْمَ مَكَانًا يَدْعُونَ بِمُؤَنَّا وَاجْعَلُوا لَهُمَا مَسْجِدًا وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَخَشِرُوا الْيَوْمَئِذِينَ ﴿٨٧﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ زِينَةً دُنْيَا وَآمَارًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٨٨﴾

۱. اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنالو اور ان کا رخ اپنے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف کرلو۔ تاکہ تمہیں عبادت کرنے کے لیے باہر کنیسوں وغیرہ میں جانے کی ضرورت ہی نہ رہے، جہاں تمہیں فرعون کے کارندوں کے ظلم و ستم کا ڈر رہتا ہے۔

۲. جب موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح معجزات دیکھ کر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو پھر ان کے حق میں بددعا فرمائی، جسے اللہ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔

۳. یعنی اگر یہ ایمان لائیں بھی تو عذاب دیکھنے کے بعد لائیں، جو ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ یہاں ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہیے کہ پیغمبر تو ہدایت کی دعا کرتے ہیں نہ کہ ہلاکت کی بددعا۔ اس لیے کہ دعوت و تبلیغ اور ہر طرح سے اتمام حجت کے بعد، جب یہ واضح ہو جائے کہ اب ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے، تو پھر آخری چارہ کار یہی رہ جاتا ہے کہ اس قوم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ گویا اللہ کی مشیت ہی ہوتی ہے جو بے اختیار پیغمبر کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت نوح (علیہ السلام) نے بھی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے بارے میں بددعا فرمائی، ﴿ذَرْنِي أَعْرِضْ عَنِ الْكَافِرِينَ دَيَّانًا﴾ (نوح: ۲۶) (اے رب! زمین پر ایک کافر کو بھی بسانہ نہ رہنے دے)۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا
وَلَا تَتَّبِعِنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٠﴾

۸۹. حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم ثابت قدم رہو^(۱) اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔^(۲)

وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعْنَاهُمْ فِرْعَوْنُ
وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ
أَمْنْتُ أَنَّهُ لَآ إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو
إِسْرَءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾

۹۰. اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا^(۳) پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا^(۴) تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

أَلَمْ نَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ﴿٩٢﴾

۹۱. (جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔^(۵)

۱. اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی بددعا پر قائم رہنا، چاہے اس کے ظہور میں تاخیر ہو جائے۔ کیونکہ تمہاری دعا تو یقیناً قبول کر لی گئی ہے لیکن ہم اسے عملی جامہ کب پہنائیں گے؟ یہ خالص ہماری مشیت و حکمت پر موقوف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس بددعا کے چالیس سال بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک کی گئی اور بددعا کے مطابق فرعون جب ڈوبنے لگا، تو اس وقت اس نے ایمان لانے کا اعلان کیا، جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی تبلیغ و دعوت، بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی اور اس کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی جدوجہد جاری رکھو۔
۲. یعنی جو لوگ اللہ کی سنت، اس کے قانون، اور اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو نہیں جانتے، تم ان کی طرح مت ہونا بلکہ اب انتظار اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جلد یا بدیر اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ کیوں کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

۳. یعنی دریا کو پھاڑ کر، اس میں خشک راستہ بنادیا۔ (جس طرح کہ سورہ بقرہ آیت: ۵۰ میں گزرا اور مزید تفصیل سورہ شعراء میں آئے گی) اور تمہیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

۴. یعنی اللہ کے حکم سے معجزانہ طریق پر بنے ہوئے خشک راستے پر، جس پر چل کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے دریا پار کیا تھا، فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا پار کرنے کی غرض سے چلنا شروع ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جو میری غلامی سے نجات دلانے کے لیے راتوں رات لے آیا تو اسے دوبارہ قید غلامی میں لایا جائے۔ جب فرعون اور اس کا لشکر، اس دریائی راستے میں داخل ہو گیا تو اللہ نے دریا کو حسب سابق جاری ہو جانے کا حکم دے دیا۔ نتیجتاً فرعون سمیت سب کے سب غرق دریا ہو گئے۔

۵. اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِدَنِّكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً
وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنِ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿٥٦﴾

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مَبْوَءَ صِدْقٍ
وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الصَّيْبِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّى
جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يُفَضِّلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٥٧﴾

وَإِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ
الَّذِينَ يَهْتَدُونَ مِنَ الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ
جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٥٨﴾

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ
فَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٥٩﴾

۹۲۔ سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں^(۱) اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔

۹۳۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔^(۲) یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

۹۴۔ پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔^(۳)

۹۵۔ اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا، کہیں آپ خسارہ پانے والوں

تو نافرمانیوں اور فساد انگیزیوں میں مبتلا رہا۔

۱۔ جب فرعون غرق ہو گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا، اس نے اس کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دیا، جس کا مشاہدہ پھر سب نے کیا۔ مشہور ہے کہ آج بھی یہ لاش مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۲۔ یعنی ایک تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے، آپس میں اختلاف شروع کر دیا، پھر یہ اختلاف بھی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا، بلکہ علم آجانے کے بعد کیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اختلاف محض عناد اور تکبر کی بنیاد پر تھا۔

۳۔ یہ خطاب یا تو عام انسانوں کو ہے یا پھر نبی ﷺ کے واسطے سے امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کو تو وحی کے بارے میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ”جو کتاب پڑھتے ہیں، ان سے پوچھ لیں“ کا مطلب ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں، (تورات و انجیل وغیرہ) یعنی جن کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں ان سے اس قرآن کی بابت معلوم کریں کیونکہ ان میں اس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

میں سے نہ ہو جائیں۔^(۱)

۹۶. یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

۹۷. گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔^(۲)

۹۸. چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا سوائے یونس (علیہ السلام) کی قوم کے۔^(۳) جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

وَلَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَبْرُؤَ الْعَذَابِ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا آيَاتُنَا إِلَّا يَوْمَ يُنْفَخُ الْكَوْكَبُ ﴿٩٨﴾ لَمَّا امْتَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ بِكَرَامَتِهِمْ وَأَنَّا نَكُونُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٩﴾

۱. یہ بھی دراصل مخاطب امت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تکذیب کا راستہ خسران اور تباہی کا راستہ ہے۔

۲. یہ وہی لوگ ہیں جو کفر و معصیت الہی میں اتنے غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی وعظ ان پر اثر نہیں کرتا اور کوئی دلیل ان کے لیے کارگر نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ نافرمانیاں کر کر کے قبول حق کی فطری استعداد و صلاحیت کو وہ ختم کر لیے ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں اگر کھلتی ہیں تو اس وقت، جب عذاب الہی ان کے سروں پر آجاتا ہے، تب وہ ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ ﴿لَكُمْ يَكُ يَنْفَعُكُمْ إِيْمَانُهُمْ كَمَا رَأَوْا بَاسَنَا﴾ (المؤمن: ۸۵) (جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا)۔

۳. لَٰوَلَا یہاں تحصیض کے لیے، ہَلَّا کے معنی میں ہے یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایسا ایمان لاتی جو اس کے لیے فائدے مند ہوتا، ہاں صرف یونس (علیہ السلام) کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب دور کر دیا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ یونس (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ و دعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہو رہی تو انہوں نے اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آجائے گا اور خود وہاں سے نکل گئے۔ جب عذاب بادل کی طرح ان پر اُڑ آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتیٰ کہ جانوروں سمیت ایک میدان میں جمع ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری اور توبہ و استغفار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان سے عذاب ٹال دیا، حضرت یونس (علیہ السلام) آنے جانے والے مسافروں سے اپنی قوم کا حال معلوم کرتے رہتے تھے، انہیں جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب ٹال دیا ہے، تو انہوں نے اپنی تکذیب کے بعد اس قوم میں جانا پسند نہیں کیا بلکہ ان سے ناراض ہو کر وہ کسی اور طرف روانہ ہو گئے، جس پر وہ کشتی کا واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)۔ (فتح القدیر) البتہ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قوم یونس ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی، جب کہ ایمان لانا نافع نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قانون سے مستثنیٰ کر کے اس کے ایمان کو قبول کر لیا۔ یا ابھی عذاب نہیں آیا تھا یعنی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم نے قوم یونس کا اِلا کے ساتھ جو استثناء کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے (کا موقع) دیا۔^(۱)

۹۹. اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے،^(۲) تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں۔

۱۰۰. اور حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا اللہ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔^(۳)

۱۰۱. آپ کہہ دیجیے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

۱۰۲. سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں بھی تمہارے

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّ النَّاسِ أَفَأَنْتَ تَكْفُرُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ^(۱)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ^(۲)

قُلْ أَنْظَرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُنْفِ الْأَيَاتِ وَالنُّذُرِ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ^(۳)

فَهُمْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ إِلَهِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَاَنْتَظِرُوا إِلَىٰ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ^(۴)

۱. قرآن نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے، اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی، اس لیے بعض مفسرین کے خیال میں اخروی عذاب ان سے ختم نہیں کیا گیا۔ لیکن جب قرآن نے یہ وضاحت کر دی کہ دنیوی عذاب، ایمان لانے کی وجہ سے ٹالا گیا تھا، تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے۔ کیوں کہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس اپنے ایمان پر قائم رہی ہوگی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی۔ البتہ بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہو گا۔ واللہ اعلم۔

۲. لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، کیونکہ یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے، جسے مکمل طور پر وہی جانتا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مشیت الہی، جو حکمت بالغہ اور مصلحتِ راجحہ پر مبنی ہے، اس کی متقاضی نہیں۔ اس لیے آگے فرمایا کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟ جب کہ آپ کے اندر اس کی طاقت ہے نہ اس کے آپ مکلف ہی ہیں۔

۳. گندگی سے مراد عذاب یا کفر ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ کی آیات پر غور نہیں کرتے، وہ کفر میں ہی مبتلا رہتے ہیں اور یوں عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔^(۱)

۱۰۳۔ پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے، اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

۱۰۴۔ آپ کہہ دیجیے^(۲) کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو،^(۳) لیکن ہاں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے۔^(۴) اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔

۱۰۵۔ اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر (اس) دین کی طرف کر لینا،^(۵) اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

۱۰۶۔ اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے

لَمْ يَجْعَلْ لَنَا رَسُولًا وَلَا يَبْتَغِ الْأُولَئِكَ الْحَقَّ عَلَيْنَا لَمَّا خَلَّوْنَا فِي الْأَرْضِ وَكُنَّا بِرَبِّنَا لَا مُنَادٍ وَلَا مُدِيرٍ ۝

قُلْ يَٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۚ فَلَا أُعْبِدُ إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَِّّي كُنْتُ مِنَ الْمُتَّبِعِينَ ۚ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَكَّلُ ۚ وَأَوْتُوا أَنَا الْكُفْرَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

وَأَن أَوَّعَوْحَكُمْ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

وَلَا تَتَّبِعُوا مَن دُونِ اللَّهِ ۚ مَا لَكُمْ بِنَفْسِكُمْ وَلَا بِنِعْمَةِ اللَّهِ مِن فَضْلٍ ۚ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

۱۔ یعنی یہ لوگ، جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی، لہذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جن سے پچھلی امتیں گزر چکی ہیں۔ یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو ٹھیک ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔

۲۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ میرا طریقہ اور مشرکین کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

۳۔ یعنی اگر تم میرے دین کے بارے میں شک کرتے ہو، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے اور یہی دین حق ہے نہ کہ کوئی اور تو یاد رکھو کہ میں ان معبودوں کی کبھی اور کسی حال میں عبادت نہیں کروں گا، جن کی تم کرتے ہو۔
۴۔ یعنی موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے جب وہ چاہے تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، کیونکہ انسانوں کی جانیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

۵۔ حَنِيفٌ کے معنی ہیں۔ یک سو، یعنی ہر دین کو چھوڑ کر صرف دین اسلام کو اپنانا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا۔

(۱) ہو جاؤ گے۔

۱۰۷۔ اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں،^(۲) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نہجاور کر دے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔

۱۰۸۔ آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے،^(۳) اس لیے جو شخص راہ راست پر آجائے سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے گا^(۴) اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا^(۵) اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔^(۶)

وَلَنْ يَسْأَلَ اللَّهَ يَوْمَ تَجَاوَزُ فَلَكَ إِثْمٌ لِأَنَّكَ كَانْتَ تَصَدِّقُ الْكَاذِبِينَ
وَلَنْ يُؤْخَذَ بِغَبْرِكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَصْلِحُ عَلَيْهِمْ يَوْمَ تَكُونُ الْغُفُورَ الرَّحِيمُ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ
فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ
فَأِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِمُخِيلٍ

۱۔ یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں، تو یہ ظلم کا ارتکاب ہو گا۔ ظلم کے معنی ہیں وَضَعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ عبادت چونکہ صرف اس اللہ کا حق ہے جس نے تمام کائنات بنائی ہے اور تمام اسباب حیات بھی وہی مہیا کرتا ہے تو اس مستحق عبادت ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، گویا عبادت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے۔ اسی لیے شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی ﷺ کو ہے لیکن اصل مخاطب افراد انسانی اور امت محمدیہ ہے۔

۲۔ خیر کو یہاں فضل سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگرچہ بندے اس کے مستحق نہیں۔ لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ اعمال سے قطع نظر کرتے ہوئے، انسانوں پر پھر بھی رحم و کرم فرماتا ہے۔

۳۔ حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے جس میں توحید الہی اور رسالت محمدیہ پر ایمان نہایت ضروری ہے۔

۴۔ یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہو گا کہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔

۵۔ یعنی اس کا نقصان اور وبال اسی پر پڑے گا کہ قیامت کو جہنم کی آگ میں جلے گا۔ گویا کوئی ہدایت کا راستہ اپنائے گا، تو اس سے کوئی اللہ کی طاقت میں اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی کفر و ضلالت کو اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کی حکومت و طاقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو جائے گا۔ گویا ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر و ضلالت سے بچنے کی تاکید و ترہیب، دونوں سے مقصد انسانوں ہی کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ کی اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔

۶۔ یعنی یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تمہیں مسلمان بنا کر چھوڑوں بلکہ میں تو صرف

وَائْتِمِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ
وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

۱۰۹. اور آپ اس کی اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجیے^(۱) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔^(۲)

بشیر اور نذیر اور مبلغ اور داعی ہوں۔ میرا کام صرف اہل ایمان کو خوشخبری دینا، نافرمانوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے ڈرانا اور اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ ہے۔ کوئی اس دعوت کو مان کر ایمان لاتا ہے تو ٹھیک ہے، کوئی نہیں مانتا، تو میں اس بات کا مکلف نہیں ہوں کہ اس سے زبردستی منوا کر چھوڑوں۔

۱. اللہ تعالیٰ جس چیز کی وحی کرے، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، جس کا امر کرے، اسے عمل میں لائیں، جس سے روکے، رک جائیں اور کسی چیز میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وحی کی اطاعت و اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، مخالفین کی طرف سے جو ایذائیں پہنچیں اور تبلیغ و دعوت کی راہ میں جن دشواریوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر کریں اور ثابت قدمی سے سب کا مقابلہ کریں۔

۲. کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت و طاقت بھی وسیع ہے اور اس کی رحمت بھی عام ہے۔ اس لیے اس سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

سورہ ہود کی ہے اور اس کی ایک سو تیس آیتیں
اور دس رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. الز، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی
گئی ہیں،^(۱) پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں^(۲) ایک حکیم
باخبر کی طرف سے۔^(۳)

الرَّحِيمُ أَحْكَمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْكَ حِكْمٌ
خَبِيرٌ

۲. یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو
اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

أَلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَذْتُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ

۳. اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف
کراؤ پھر اسی کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو وقت مقرر
تک اچھا سامان^(۴) (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل

وَأَن اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ تُؤْتُوا إِلَيْهِ يَتَّعَلَمَ مَتَاعًا
حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ
فَضْلَهُ وَلَٰن تَوَلَّوْا إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

☆ اس سورت میں بھی ان قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الہی کا نشانہ بنیں اور تاریخ کے صفحات سے یا تو حرف غلط کی طرح مٹ گئیں، یا اوراق تاریخ پر عبرت کا نمونہ بنی موجود ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا بات ہے آپ بوڑھے سے نظر آتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھے سورہ ہود، واقعة، عم یتساءلون اور إذا الشمس کوزت وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔“ (ترمذی: ۳۲۹۷، صحیح ترمذی للالبانی: ۱۱۳/۳)

۱. یعنی الفاظ و نظم کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ ان کی ترکیب اور معنی میں کوئی خلل نہیں۔

۲. پھر اس میں احکام و شرائع، مواعظ و قصص، عقائد و ایمانیات اور آداب و اخلاق جس طرح وضاحت اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، پچھلی کتابوں میں اس کی نظیر نہیں آئی۔

۳. یعنی اپنے اقوال میں حکیم ہے، اس لیے اس کی طرف سے نازل کردہ باتیں حکمت سے خالی نہیں اور وہ خیر بھی ہے یعنی تمام معاملات اور ان کے انجام سے باخبر ہے۔ اس لیے اس کی باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان برے انجام سے بچ سکتا ہے۔

۴. یہاں اس سامان دنیا کو جس کو قرآن نے عام طور پر ”متاع غرور“ دھوکے کا سامان۔ کہا ہے، یہاں اسے ”متاع حسن“ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کر لے گا، اس کے لیے یہ متاع غرور ہے، کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھائے گا، اس کے لیے یہ چند روزہ سامان زندگی متاع حسن ہے، کیونکہ اس نے اسے اللہ کے احکام کے مطابق برتا ہے۔

يَوْمَ يُكَيَّرُ

کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن^(۱) کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

۴. تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

۵. یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کیے دیتے ہیں تاکہ اپنی باتیں (اللہ) سے چھپا سکیں۔^(۲) یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔

۶. اور زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں^(۳) وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سوچنے جانے^(۴)

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُهُمْ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۱)

إِلَّا أَنَّهُمْ يُشَكِّكُونَ صُدُورُهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ الْكَافِرِينَ
يَسْتَفْتُونَ شَيْئًا ۚ يَكُونُ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ نُّزُولٌ وَمَا يُعْلِنُونَ
إِنَّهُ عَلَيْهِمْ بَيِّنَاتٍ الصُّدُورِ^(۲)

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ
فِي كِتَابٍ مُبِينٍ^(۳)

۱. بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

۲. اس کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بخاری (تفسیر سورہ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غلبہ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہم بستری کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر وہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ رات کے اندھیرے میں جب وہ بستروں میں اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے تھے، تو اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا اور ان کی چھچی اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ شرم و حیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ جس ذات کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے، تو پھر اس طرح کے تکلف کا کیا فائدہ؟

۳. یعنی وہ کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری۔ ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔

۴. مستقر اور مستودع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک منتہائے سیر (یعنی زمین میں چل پھر کر جہاں رک جائے) مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے۔ بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور باپ کی صلب مستودع ہے اور بعض کے نزدیک زندگی میں انسان یا حیوان جہاں رہائش پذیر ہو، وہ اس کا مستقر ہے اور جہاں مرنے کے بعد دفن

کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔
 ۷۔ اور اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا^(۱) تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے،^(۲) اگر آپ ان سے کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے تو کافر لوگ پلٹ کر جواب دیں گے کہ یہ تو صاف صاف جادو ہی ہے۔

۸۔ اور اگر ہم ان سے عذاب کو گنی جتنی مدت تک کے لیے پیچھے ڈال دیں تو وہ ضرور پکار اٹھیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے، سنو جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں پھر تو جس چیز کی ہنسی اڑا رہے تھے وہ انہیں گھیر لے گی۔^(۳)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَعْبُودُونَ مِنْ بَعْدِ الْبُوتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِسْحَارٌ مُبِينٌ ﴿١٠﴾

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَى آتٍ مَعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ أَلَّا يَوْمَ يَنْفُخُ فِي صُورٍ فَأَنفُثُ مِنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١١﴾

ہو، وہ مستودع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) امام شوکانی کہتے ہیں، مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے وہ حصہ زمین ہے جس میں دفن ہو اور امام حاکم کی ایک روایت کی بنیاد پر اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال جو بھی مطلب لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے مستقر و مستودع کا علم ہے، اس لیے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے اور ذمے دار ہے اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرتا ہے۔

۱۔ یہی بات صحیح احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل، مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔“ (صحیح مسلم، کتاب القدر۔ نیز

دیکھیے، صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق)

۲۔ یعنی یہ آسمان و زمین یوں ہی عبث اور بلا مقصد نہیں بنائے، بلکہ اس سے مقصود انسانوں (اور جنوں) کی آزمائش ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے؟

طوطو: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو صرف رضائے الہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

۳۔ یہاں استعجال (جلد طلب کرنے) کو استہزاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ استعجال، بطور استہزاء ہی ہوتا تھا۔ بہر حال مقصود یہ سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، اس کی گرفت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔

۹. اور اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے۔^(۱)

۱۰. اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی، تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رہیں،^(۲) یقیناً وہ بڑا ہی اترانے والا شیخی خور ہے۔^(۳)

۱۱. سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا نیک^(۴) بدلہ بھی۔

وَلَكِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا حَمِئَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَايُوسٌ كَفُورٌ ۝۹

وَلَكِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَشْتَّةٍ لِيَفْقَرَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝۱۰

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝۱۱

اُمَّة کے مختلف مفہوم: آیت نمبر ۸ میں اُمَّة کا لفظ آیا ہے۔ یہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اُم سے مشتق ہے، جس کے معنی قصد کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اس وقت اور مدت کے ہیں جو نزول عذاب کے لیے مقصود ہے، (فتح القدیر) سورہ یوسف کی آیت ۴۵ ﴿وَاذْكُرْ بَعْدَ اٰمَةٍ﴾ میں بھی یہی مفہوم ہے اس کے علاوہ جن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے، ان میں ایک امام و پیشوا ہے۔ جیسے ﴿اِنَّ اِبْرٰهٖمَ كَانَ اُمَّةً﴾ (النحل: ۱۲۰)، ملت اور دین ہے جیسے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا اِلٰہًا عَلٰی اُمَّةٍ﴾ (الزخرف: ۲۳)، جماعت اور طائفہ ہے جیسے ﴿وَلَمَّا وَرَدَّمَاْهُمْ ذٰلِكُمْ وَحَدَّ عَلَیْہِمْ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ﴾ (القصص: ۲۳) ﴿وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنٍ اُمَّةٌ﴾ (الأعراف: ۱۵۹) وغیرہا۔ وہ مخصوص گروہ یا قوم ہے جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہو ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ (یونس: ۴۷) اس کو امت دعوت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح پیغمبر پر ایمان لانے والوں کو بھی امت یا امت اتباع یا امت اجابت کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

۱. انسانوں میں عام طور پر جو مذموم صفات پائی جاتی ہیں اس میں اور اگلی آیت میں ان کا بیان ہے۔ ناامیدی کا تعلق مستقبل سے ہے اور ناشکری کا ماضی و حال سے۔

۲. یعنی سمجھتا ہے کہ غنیمتوں کا دور گزر گیا ہے، اب اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

۳. یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے، اس پر اتراتا اور دوسروں پر فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے۔ تاہم ان صفات مذمومہ سے اہل ایمان اور صاحب اعمال صالحہ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

۴. یعنی اہل ایمان، راحت و فراغت ہو یا تنگی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں اللہ کے احکام کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، اس میں اس کے لیے بہتری کا پہلو ہوتا ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے، جو اس کے لیے بہتر (یعنی اجر کا باعث) ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو

فَكَفَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوْحَىٰ إِلَيْكَ
وَضَاعَىٰ لَكَ بِهِ صَدْرُكَ إِنَّ يَاقُوتَ الْوَلَدِ الْأَزَلِ
عَلَيْهِ كُنُوزٌ وَمَا مَلَكَ إِلَّا مَا أَمَرْتِ
نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱۰﴾

۱۲۔ پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترتا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا، سن لیجیے آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں ^(۱) اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۳۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ جواب دیجیے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔ ^(۲)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأَنذَرْتُكُمْ سُورَةَ الْمَثَلِ
مُفْتَرِيَةٍ وَاذْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾

صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر (یعنی اجر و ثواب کا باعث) ہے یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب المؤمن أمره کله خیر) اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ”مومن کو جو بھی فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کاٹنا چھینتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی غلطیاں معاف فرما دیتا ہے۔“ (مسند احمد، جلد ۳، ص ۴) سورہ معارج کی آیات ۱۹، ۲۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ مشرکین نبی ﷺ کی بابت کہتے رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا، یا اس کی طرف کوئی خزانہ کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ (الفرقان: ۸) ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ”ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ کی بابت جو باتیں کہتے ہیں، ان سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے“ (الحجر: ۹۸) اس آیت میں انہیں باتوں کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ شاید آپ کا سینہ تنگ ہو اور کچھ باتیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ مشرکین پر گراں گزرتی ہیں، ممکن ہے آپ وہ انہیں سنانا پسند نہ کریں۔ آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ آپ ہر صورت میں کیے جائیں۔

۲۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد ﷺ کا بنایا ہوا قرآن ہے، تو اس کی نظیر پیش کر کے دکھا دو، اور تم جس کی چاہو، مدد حاصل کر لو، لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ فرمایا ﴿قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْأَشْوَاقُ وَالَّذِينَ عَلِمُوا أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۸) (اعلان کر دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں، تو ان سب سے اس کے مثل لانا مشکل ہے، گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو۔ جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ پھر تیسرے نمبر پر چیلنج دیا کہ چلو ایک سورت بنا کر پیش کر دو جیسا کہ سورہ یونس کی آیت ۳۸ اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۳ میں فرمایا (تفسیر ابن کثیر، زیر بحث آیت سورہ یونس) اور اس بنا پر آخری چیلنج یہ ہو سکتا ہے کہ اس جیسی ایک بات ہی بنا کر پیش کر دو۔ ﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ (الطور: ۳۴) مگر ترتیب نزول سے چیلنج کی اس ترتیب کی تائید نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَالَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّهُمْ كَانُوا يُكْفَرُونَ ۝۱۴
وَأَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝۱۵

۱۴۔ پھر اگر وہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟^(۱)

مَنْ كَانَ يَرْيُ الْخَوَافَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوْفِ إِلَيْهِمْ
أَحْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُخْشَوْنَ ۝۱۵

۱۵۔ جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہو چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) نہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كُتِبَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَعَوْا فِيهَا وَبَطِلَ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝۱۶

۱۶۔ ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا ہو گا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہونے والے ہیں۔^(۲)

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ يَدَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ
مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً أُولَٰئِكَ
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ
فَالثَّامُونَ عَذَابَ اللَّهِ فَكُلُّكُمْ فِي مَرِئَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ

۱۷۔ کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے (اوروں کے برابر ہو سکتا ہے؟)۔^(۳) یہی لوگ ہیں

۱۔ یعنی کیا اس کے بعد بھی کہ تم اس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہو، یہ ماننے کے لیے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے آمادہ نہیں ہو اور نہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو؟

۲۔ ان دو آیات کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ اس میں اہل ریا کا ذکر ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک اس میں طالبان دنیا کا ذکر ہے۔ کیونکہ دنیا دار بھی جو بعض اچھے عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی جزاء انہیں دنیا میں دے دیتا ہے، آخرت میں ان کے لیے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو قرآن مجید میں سورہ بنی اسرائیل، آیات: ۱۸، ۲۱ اور سورہ شوریٰ، آیت: ۲۰ میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ منکرین اور کافرین کے مقابلے میں اہل فطرت اور اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ”اپنے رب کی طرف سے دلیل“ سے مراد، وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے اللہ واحد کا اعتراف اور اسی کی عبادت۔ جس طرح کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنادیتے ہیں۔“ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز و مسلم، کتاب القدر) یَتْلُوہُ کے معنی ہیں، اس کے پیچھے۔ یعنی اس

مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵﴾

جو اس پر ایمان رکھتے ہیں،^(۱) اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم^(۲) ہے، پس تو اس میں کسی قسم کے شبہ میں نہ رہ، یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوتے۔^(۳)

۱۸. اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے^(۴) یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعَذِّبُونَ عَلَىٰ رِبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ

کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو، گواہ سے مراد قرآن، یا محمد ﷺ ہیں، جو اس فطرت صحیحہ کی طرف دعوت دیتے اور اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات بھی جو پیشوا بھی ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے۔ یعنی یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام بھی قرآن پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منکر و کافر ہے اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر قائم ہے، اس پر ایک گواہ (قرآن، یا پیغمبر اسلام ﷺ) بھی ہے، اسی طرح اس سے قبل نازل ہونے والی کتاب "تورات" میں بھی اس کے لیے پیشوائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور وہ ایمان لے آتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک مومن ہے اور دوسرا کافر۔ ایک ہر طرح کے دلائل سے لیس ہے دوسرا بالکل خالی ہے۔

۱. یعنی جن کے اندر مذکورہ اوصاف پائے جائیں گے وہ قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں گے۔

۲. تمام فرقوں سے مراد، روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں، یہودی، عیسائی، زرتشتی، بدھ مت، مجوسی اور مشرکین و کفار وغیرہم، جو بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے "قسم ہے، اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت کے جس یہودی، یا عیسائی نے بھی میری نبوت کی بابت سنا اور پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا، وہ جہنم میں جائے گا" (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم إلی جمیع الناس) یہ مضمون اس سے قبل سورہ بقرہ، آیت: ۲۲ اور سورہ نساء آیت: ۱۵۰، ۱۵۲ میں بھی گزر چکا ہے۔

۳. یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) (تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے)۔ ﴿وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَیْهِمْ نَبِيُّهُمْ إِذْ لَکُمْ فِيهِمْ شَكُّ فَذَرَوْهُ وَلَا تَفِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سبا: ۲۰) (ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، مومنوں کے ایک گروہ کے سوا، سب اس کے پیروکار بن گئے)۔

۴. یعنی جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کرنے کا یا آخرت میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا ہے، ان کی بابت یہ کہا جائے کہ اللہ نے انہیں یہ اختیار دیا ہے۔

عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا، خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔^(۱)

۱۹. جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کبھی تلاش کرتے ہیں۔^(۲) اور یہی آخرت کے منکر ہیں۔

۲۰. نہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو ہرا سکے اور نہ ان کا کوئی حمایتی اللہ کے سوا ہوا، ان کے لیے عذاب دگنا کیا جائے گا نہ یہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے۔^(۳)

۲۱. یہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا، جو انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔

۲۲. بیشک یہی لوگ آخرت میں زیاں کار ہوں گے۔

۲۳. یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے اور اپنے پالنے والے کی طرف بھکتے رہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں۔

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١١﴾

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضْعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿١٢﴾

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٣﴾

لَا جَبْرَ أَهْمُ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٤﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَذُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٥﴾

۱. حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے کہ ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن سے اس کے گناہوں کا اقرار و اعتراف کروائے گا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو نے فلاں گناہ بھی کیا تھا، فلاں بھی کیا تھا، وہ مومن کہے گا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے ان گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ ڈالے رکھا تھا، جا آج بھی انہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن دوسرے لوگ یا کافروں کا معاملہ ایسا ہو گا کہ انہیں گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ ہود)

۲. یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے، اس میں کجیاں تلاش کرتے اور لوگوں کو اس سے متفرق کرتے ہیں۔
۳. یعنی ان کا حق سے اعراض اور بغض اس انتہاء پر پہنچا ہوا تھا کہ یہ اسے سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو کان اور آنکھیں تو دی تھیں لیکن انہوں نے ان سے حق کی بات نہ سنی اور نہ دیکھی۔ گویا ﴿فَمَا آغَىٰ عَنْهُمْ سَمْعَهُمْ وَلَا أَبْصَارَهُمْ وَلَا أَفْئِدَهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الاحقاف: ۲۲) (نہ ان کے کانوں نے انہیں کوئی فائدہ پہنچایا، نہ ان کی آنکھوں اور دلوں نے) کیونکہ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے دیکھنے سے اندھے بنے رہے، جس طرح کہ وہ جہنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے، ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (الملک: ۱۰) (اگر ہم سننے اور عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ جاتے)۔

۲۴۔ ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے، بہرے اور دیکھنے، سننے والے جیسی ہے۔^(۱) کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

۲۵۔ اور یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔
۲۶۔ کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو،^(۲) مجھے تو تم پر درد ناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔^(۳)

۲۷۔ اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں^(۴) اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَعْمَى هَلْ يُسْتَوِي مَثَلُ أَفْلاَنَ كَذِبُونَ ﴿۱﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲﴾

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿۳﴾

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَدُّكَ إِلَّا تَتَّبِعُنَا وَمَنْ يَمُرَّ بِكَ إِلَىٰ الْآذِينَ هُمْ أَرَادُوا لِنَبْلُوكَ إِنْ أَتَىٰكَ الْكَاذِبُ فَاصْبِرْ لَهُ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُ

۱۔ پچھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بدبختوں، دونوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی مثال بیان فرما کر دونوں کی حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا، ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور دوسرے کی مثال دیکھنے اور سننے والے کے طرح ہے۔ کافر دنیا میں حق کا روئے زیبا دیکھنے سے محروم اور آخرت میں نجات کے راستے سے بے بہرہ، اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بے بہرہ ہوتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے محروم رہتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھ دار، حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے، دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام نفی کے لیے ہے۔ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿لَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى الْمَكَرُوهُ وَالْبَصِيرُ الْيَسَّرُ﴾ (الحشر: ۲۰) (جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں) ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا ”اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں“۔ (فاطر: ۱۹، ۲۰)

۲۔ یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر نبی نے آکر اپنی اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء: ۲۵) (جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی رحمت تھی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو)۔

۳۔ یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب الہی سے نہیں بچ سکو گے۔

۴۔ یہ وہی شبہ ہے، جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع بڑا عجیب تھا، جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔

مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَنْظُرْكُمْ لِذَلِكُمْ ۝

سوائے بیچ^(۱) لوگوں کے^(۲) اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں)، ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔

۲۸. نوح (علیہ السلام) نے کہا، میری قوم والو! مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس کی کوئی رحمت عطا کی ہو،^(۳) پھر وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی^(۴) تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے منڈھ دوں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔^(۵)

قَالَ يَقَوْمِ اَرَايْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَارْسَلْتُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِي فَفُعِلْتُ بِكُمْ اَنْزِلُكُمْ مِّمَّوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَاِرِهُونَ ۝

۱. حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتداء میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے جنہیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ یہ چیز پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی۔ چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ ”اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟“ تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ”کمزور لوگ“۔ جس پر ہرقل نے کہا ”رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں“ (صحیح بخاری حدیث: ۷) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش حال طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرتا رہا ہے۔ (زخرف: ۲۳) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی اور جس کے اعتبار سے اہل کفر انہیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروتر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں۔

۲. اہل ایمان چونکہ، اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے، اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے سوچے سمجھے والے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں جس طرف موڑ دیتا ہے یہ مڑ جاتے ہیں، جس چیز سے روک دیتا ہے رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی ”عیب“ ہے۔

۳. بَيِّنَةٍ سے مراد ایمان و یقین ہے اور رَحْمَةً سے مراد نبوت۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو سرفراز کیا تھا۔
۴. یعنی تم اس کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے۔ چنانچہ تم نے نہ اس کی قدر پہچانی اور نہ اسے اپنانے پر آمادہ ہوئے، بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے۔

۵. جب یہ بات ہے تو یہ ہدایت و رحمت تمہارے حصے میں کس طرح آ سکتی ہے؟

وَلَقَوْمٌ لَّا يَسْأَلُكَ عَلَيْهِمْ مَاذَا لَانَ أَجْرَى الْآخِلَى
اللَّهُ وَمَا أَكَا بَطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُثْقَلُونَ
وَلَكِنِّي أَرَأَيْتُمْ قَوْمًا يَعْبَهُونَ ﴿٥٠﴾

۲۹. اور میری قوم والو! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔^(۱) میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں،^(۲) انہیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔^(۳)

وَلَقَوْمٌ مِّنْ يُّنَصِّرُنِي مِنَ اللَّهِ انْ طَرَدْتَهُمْ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾

۳۰. اور میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کون کر سکتا ہے؟^(۴) کیا تم کچھ بھی نصیحت نہیں پڑتے۔

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيَ خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ
الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ
تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ أَعْلَمُ
بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لِّنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾

۳۱. اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، (سنو) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں،^(۵) ان کے دل میں

۱. تاکہ تمہارے دماغوں میں یہ شبہ نہ آجائے کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو دنیا اکٹھا کرنا ہے۔ میں تو یہ کام صرف اللہ کے حکم پر اور اسی کی رضا کے لیے کر رہا ہوں، وہی مجھے اس کا اجر بھی دے گا۔

۲. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے بھی معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو حضرت نوح علیہ السلام سے اپنی مجلس یا اپنے قرب سے دور رکھنے کا مطالبہ کیا ہوگا، جس طرح رؤسائے مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا مطالبہ کیا تھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیات نازل فرمائیں تھیں ﴿وَلَا تَقْرُؤُا الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْخَدَاةِ وَالْعَزِیْیِ﴾ (الأنعام: ۵۲) (اے پیغمبر! ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کرنا جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں)۔ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْخَدَاةِ وَالْعَزِیْیِ یُرِیْدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُکَ عَنْهُمْ﴾ (الکہف: ۲۸) (اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیے جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں، اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سے گزر کر کسی اور کی طرف تجاؤ نہ کریں)۔

۳. یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا اور پھر انہیں قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا، یہ تمہاری جہالت ہے۔ یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے نہ کہ دور دھتکارا جائے۔

۴. گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، اللہ کے غضب اور ناراضی کا باعث ہے۔

۵. بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت

جو ہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔^(۱)

۳۲. (توم کے لوگوں نے) کہا اے نوح! (عَلَيْكَ) تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔^(۲) اب تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ، اگر تو سچوں میں ہے۔^(۳)

۳۳. جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو۔^(۴)

۳۴. اور تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو،^(۵) وہی تم

قَالُوا يَنْوُحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَكُنتُ جِدَالِنَا فَانْتَ
بِمَا كُنْتَ تَاكِرًا إِنَّ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

قَالَ اِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهٖ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ وَاَنْتُمْ
بِمُعْجِرِيْنَ ۝

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نَصِيحِي اِنْ اَرَدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ
كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُعَذِّبَكُمْ هُوَ يُكَذِّبُكُمْ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ۝

کی نعمتوں سے لطف ہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمہارا ان کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں، البتہ تم ہی عند اللہ مجرم ٹھہر گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو۔ جن کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے۔ تم حقیر اور فرومایہ سمجھتے ہو۔

۱. کیونکہ میں ان کی بابت ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں، صرف اللہ جانتا ہے، تو یہ ظلم ہے۔

۲. لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔

۳. یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کہتی رہی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کرو اگر ہمیں تباہ کروا دے۔ حالانکہ ان میں عقل ہوتی، تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول ہے، تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھول دے تاکہ ہم اسے اپنالیں۔

۴. یعنی عذاب کا آنا خالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں، تم پر عذاب آجائے۔ تاہم جب اللہ عذاب کا فیصلہ کر لے گا یا بھیج دے گا، تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

۵. اِغْوَاءَ بمعنی اضلال (گمراہ کرنا) ہے۔ یعنی تمہارا کفر و تجدد اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں سے کسی انسان کا پلٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنا لینا، ناممکن ہے، تو اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر لگا دینا کہا جاتا ہے، جس کے بعد ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بھی اسی خطرناک موڑ تک پہنچ چکے ہو تو پھر میں تمہاری خیر خواہی بھی کرنی چاہوں یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں، تو یہ کوشش اور خیر خواہی تمہارے لیے مفید نہیں، کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔

سب کا پروردگار ہے^(۱) اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۳۵۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟
تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا
گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم
کر رہے ہو۔^(۲)

۳۶۔ اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری
قوم میں سے جو ایمان لاچکے ان کے سوا اور کوئی اب
ایمان لائے گا ہی نہیں، پس تو ان کے کاموں پر ٹنگن
نہ ہو۔^(۳)

۳۷۔ اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری
وحی سے تیار کر^(۴) اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَيْنَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ
إِجْرَائِي وَإِنَّا بِرَأْيِ رَبِّنَا لَمُتَوَنُونَ ﴿۳۵﴾

وَأَوْحِ إِلَىٰ نُوْحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا
مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۶﴾

وَاصْنَعِ الْفُلَ لَكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا وَلَا تَخَاطَبُنِي
فِي الدِّينِ ظَلِمُوا إِنَّهُمْ مُّكْرِفُونَ ﴿۳۷﴾

۱۔ ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ تمہیں تمہارے
عملوں کی جزاء دے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزاء اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔

۲۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالمہ قوم نوح (علیہ السلام) اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ
معارضہ کے طور پر نبی اکرم ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا
گھڑا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا میں ہی جھگٹوں گا۔ لیکن
تم جو کچھ کر رہے ہو، جس سے میں بری ہوں، اس کا بھی تمہیں پتہ ہے؟ اس کا وبال تو مجھ پر نہیں، تم پر ہی پڑے گا
کیا اس کی بھی تمہیں کچھ فکر ہے؟

۳۔ یہ اس وقت کہا گیا جب قوم نوح (علیہ السلام) نے عذاب کا مطالبہ کیا اور حضرت نوح (علیہ السلام) نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ
کرنے کے بعد بارگاہ الہی میں دعا کی کہ یارب! زمین پر ایک کافر بھی بسنے والا نہ رہنے دے۔ اللہ نے فرمایا، اب مزید
کوئی ایمان نہیں لائے گا، تو ان پر غم مت کھا۔

۴۔ ”یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے“ اور ”ہماری دیکھ بھال میں“ اس آیت میں اللہ رب العزت کے لیے صفت ”عین“
کا اثبات ہے جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اور ”ہماری وحی سے“ کا مطلب، اس کے طول و عرض وغیرہ کی جو کیفیات
ہم نے بتائی ہیں، اس طرح اسے بنا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول و عرض، اس کی منزلوں اور کس قسم
کی لکڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا، اس کی تفصیل بیان کی ہے، جو ظاہر بات ہے کہ کسی مستند ماخذ پر مبنی
نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

بات چیت نہ کر وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔^(۱)

۳۸. اور وہ (نوح علیہ السلام) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے،^(۲) وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو۔

۳۹. تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر بیشکی کی سزا^(۳) اتر آئے۔

۴۰. یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور اگلنے لگا^(۴) ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے) جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کرا لے^(۵) اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی، سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے^(۶) اور سب ایمان والوں کو

وَيَصْنَعُ الْفُلَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ تَسْعُ وَامْنَةً قَالُوا إِنَّا تَسْعُرُونَ وَامْنَةً قَالُوا إِنَّا تَسْعُرُونَ مِنْكُمْ كَمَا تَسْعُرُونَ ۝

هُوَ يَتَعَلَّمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُثْقَلٌ ۝

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

۱. بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی اہلیہ کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی مہلت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آگیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے جلدی نہ کریں، وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے۔ (فتح القدیر)

۲. مثلاً کہتے، نوح! (علیہ السلام) نبی بنتے بنتے اب بڑھتی بن گئے ہو؟ یا اے نوح! (علیہ السلام) خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟

۳. اس سے مراد جہنم کا دائمی عذاب ہے، جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

۴. اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تنور، بعض نے مخصوص جگہیں مثلاً عین الوردہ اور بعض نے سطح زمین مراد لی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے یعنی ساری زمین ہی چشموں کی طرح ابل پڑی، اوپر سے آسمان کی بارش نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

۵. اس سے مراد مذکر اور مؤنث یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ نباتات بھی رکھے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

۶. یعنی جن کا غرق ہونا تقدیر الہی میں ثبت ہے۔ اس سے مراد عام کفار ہیں، یا یہ استثناء اَہْلَکَ سے ہے یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرا لے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے یعنی ایک بیٹا (کنعان یا یام) اور حضرت نوح علیہ السلام کی اہلیہ (وَاَعْلٰة) یہ دونوں کافر تھے، ان کو کشتی میں بیٹھنے والوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

بھی،^(۱) اسکے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔^(۲)

۳۱. اور نوح (علیہ السلام) نے کہا، اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے،^(۳) یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔

۳۲. اور وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی^(۴) اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے پر تھا، پکار کر کہا اے میرے پیارے بچے! ہمارے ساتھ

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ جَرِّهَا وَرُمْسَهَا
إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ

وَهُي تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَتَوَلَّى
وُجُوهَ بَنِيهِ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبْنِي الرُّكْبَ
مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ

۱. یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرالے۔

۲. بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملا کر) ۸۰ اور بعض نے اس سے بھی کم بتلائی ہے۔ ان میں حضرت نوح (علیہ السلام) کے تین بیٹے، جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے، سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی، یام کی تھی، جو کافر تھا، لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر)

۳. یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلنا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف و خطر کشتی میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے، اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ”اے نوح! (علیہ السلام) جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کہو۔“ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَنَا مِنْ الْقَوَّامِينَ﴾ * وَقَالَ رَبِّ انزِلْنِي مُنزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿ (المؤمنون: ۲۸-۲۹) (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے)۔

بعض علماء نے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت ﴿بِسْمِ اللَّهِ جَرِّهَا وَرُمْسَهَا﴾ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ مگر حدیث سے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِي سَخَّرَ لَهَا هَٰذَا أَمَّا لَهَا مَقَرِّنَ﴾ * وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿ پڑھنا ثابت ہے۔

۴. یعنی جب زمین پر پانی تھا، حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ کی طرح رواں دواں تھی۔ ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا۔ ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكِ فِي الْجَارِيَةِ﴾ * لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكُرَةً وَفِيهَا آذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿ (الحاقة: ۱۱-۱۲) (جب پانی میں طغیانی آگئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھایا تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنادیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں)۔ ﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوْبَانِ﴾ * وَدُسِّرَ عَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَا كَانَ كُفْرًا ﴿ (القدر: ۱۳-۱۴) (اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کر لیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا)۔

سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ۔^(۱)

۴۳. اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا،^(۲) نوح (علیہ السلام) نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہو۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔^(۳)

۴۴. اور فرما دیا گیا کہ اے زمین! اپنے پانی کو نگل جا^(۴) اور اے آسمان! بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا^(۵) اور کشتی ”جودی“ نامی^(۶) پہاڑ پر جا گئی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔^(۷)

۴۵. اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے، یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔^(۸)

قَالَ سَآوِيْ اِلٰى جَبَلٍ يَّعَصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۚ قَالَ
لَا خَاصِمَ لَكَ اِلَّا اللّٰهُ اَلَا مَنِ رَّجَعَهُ وَحَالَ
بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُنْقَرِفِيْنَ ۝

وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكَ وَاسْبِغِيْ اَقْلَامِيْ
وَغِيْضَ الْمَآءِ وَقُصِّيْ اَلْاَمْرَ وَاسْتَوْتِ عَلٰى
الْجُودِيِّ ۚ وَقِيلَ بَعْدَ الْاَلْقَوْمِ الطُّلُبِيْنَ ۝

وَتَاذٰى نُوْحٌ رَّبَّكَ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ اِبْنِيْ مِنْ
اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ
الْحٰكِمِيْنَ ۝

۱. یہ حضرت نوح (علیہ السلام) کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام ”یام“ تھا، اسے حضرت نوح (علیہ السلام) نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

۲. اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کر لوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟

۳. باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔

۴. نکلنا، کا استعمال جانور کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل جانے سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بتدریج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا پانی دفعتاً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح جانور لقمہ نگل جاتا ہے۔

۵. یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔

۶. جودی، پہاڑ کا نام ہے جو بقول بعض موصول کے قریب ہے، حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔

۷. بُعْدٌ، یہ ہلاکت اور لعنت الہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غضب الہی کی مستحق بننے والی قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

۸. حضرت نوح (علیہ السلام) نے غالباً شفقت پدری کے جذبے سے مغلوب ہو کر بارگاہ الہی میں یہ دعا کی اور بعض کہتے ہیں کہ

۳۶. اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! (عَلَيْهِ السَّلَام) یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے،^(۱) اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں^(۲) تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو،^(۳) میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جابلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔^(۴)

۳۷. نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) نے کہا میرے پالنہار! میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا، تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔^(۵)

قَالَ يٰ نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْغَالِبِينَ ۝

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ بِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَخَفِرْ بِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

انہیں یہ خیال تھا کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ استدعا کی۔

۱. حضرت نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) نے قربت نبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بیٹا قرار دید۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر قربت دین کے اعتبار سے اس بات کی نفی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے ہے۔ اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو وہی ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بیوی، وہ نبی کے گھرانے کا فرد نہیں۔

۲. یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہوگا، اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے نبی قربت بھی کام نہیں آتی، تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

۳. اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ اگر حضرت نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) کو پہلے سے علم ہوتا کہ ان کی درخواست قبول نہیں ہوگی تو یقیناً وہ اس سے پرہیز فرماتے۔

۴. یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) کو نصیحت ہے، جس کا مقصد ان کو اس مقام بلند پر فائز کرنا ہے جو علمائے عالمین کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔

۵. جب حضرت نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا، تو فوراً اس سے رجوع فرمالیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفرت کے طالب ہوئے۔

قِيلَ يٰ نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ
وَعَلَىٰ اٰمِرٍ مِّنْ مَّعَكَ وَاْمُرْ سَبِيْعَهُمْ نَحْمًا
مِّنْ اٰمِرٍ مِّنَّا عَدَا ابْنِ اٰدَمَ ۝

۴۸. فرما دیا گیا کہ اے نوح! (عَلَيْكَ) ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر^(۱) جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر،^(۲) اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔^(۳)

تِلْكَ مِنْ اٰتِآءِ الْغَيْبِ لَوْ حِصْبًا لِّكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَرَاٰءَ مَقَامِكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا قَاصِرٌ
اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

۴۹. یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم،^(۴) اس لیے آپ صبر کرتے رہیے (یقین مانے) کہ انجام کار پر ہیزگاروں کے لیے ہی ہے۔^(۵)

۱. یہ اتنا کشتی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جاکر ٹھہر گئی تھی۔

۲. اس سے مراد یا تو وہ گروہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، یا آئندہ ہونے والے وہ گروہ ہیں جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے۔ اگلے فقرے کے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

۳. یہ وہ گروہ ہیں جو کشتی میں بچ جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا ساز و سامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب الیم سے دوچار ہوں گے۔

۴. یہ نبی ﷺ سے خطاب ہے اور آپ سے علم غیب کی نفی کی جارہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم آپ کو خبردار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لاعلم تھی۔

۵. یعنی آپ ﷺ کی قوم آپ کی جو تکذیب کر رہی ہے اور آپ ﷺ کو ایذا نہیں پہنچا رہی ہے، اس پر صبر سے کام لیجیے، اس لیے کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور حسن انجام آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے، جو تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں۔ عاقبت، دنیا و آخرت کے اچھے انجام کو کہتے ہیں۔ اس میں متیقن کے لیے بڑی بشارت ہے کہ ابتداء میں چاہے انہیں کتنا بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے، تاہم بالآخر اللہ کی مدد و نصرت اور حسن انجام کے وہی مستحق ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَا اَتَنصُرُ الْمُنَافِقِيْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ (المؤمن: ۵۱) (یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد و زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے)۔ ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ﴿اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ﴾ ﴿وَلَا اَجِدُكَ تَالِيْمًا﴾ (الصافات: ۱۵۱-۱۵۳) (اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر رہے گا)۔

۵۰۔ اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی^(۱) ہود (علیہ السلام) کو ہم نے بھیجا، اس نے کہا میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو صرف بہتان باندھ رہے ہو۔^(۲)

۵۱۔ اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجر ت نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔^(۳)

۵۲۔ اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو، تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت و قوت بڑھا دے^(۴) اور تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔^(۵)

وَالِیٰ عَادِ اٰخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِہٖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝

یَقَوْمِ لَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجَرِی الْاَعْلٰی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

وَلِیَقَوْمِ اسْتَغْفِرْ وَاَرْبَکُمْ ثُمَّ تُنْبِئُ الْاَلِیَہِ یُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَاَلَسْوَکُمْ اٰمِجْرَمِیْنَ ۝

۱۔ بھائی سے مراد انہی کی قوم کا ایک فرد۔

۲۔ یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔

۳۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو بغیر اجر ت اور لالچ کے تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہے، وہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ آیت میں یَا قَوْم سے دعوت کا ایک طریقہ کار معلوم ہوتا ہے یعنی بجائے یہ کہنے کے ”اے کافرو“ اے مشرکو“ اے میری قوم سے مخاطب کیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت ہود (علیہ السلام) نے توبہ و استغفار کی تلقین اپنی امت یعنی اپنی قوم کو کی اور اس کے وہ فوائد بیان فرمائے جو توبہ و استغفار کرنے والی قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں اور بھی بعض مقامات پر یہ فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورہ نوح: ۱۱) اور نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے۔ «مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَہٗ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ کُلِّ ضَیْقٍ مَخْرَجًا وَرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ» (ابوداؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار: ۱۵۱۸۔ ابن ماجہ: ۳۸۱۹) جو پابندی سے استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر فکر سے کشادگی، اور ہر تنگی سے راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔

۵۔ یعنی میں تمہیں جو دعوت دے رہا ہوں، اس سے اعراض اور اپنے کفر پر اصرار مت کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی بارگاہ میں مجرم اور گناہ گار بن کر پیش ہو گے۔

قَالُوا يَهُودُ مَا جَعَلْنَا لِبَنِيهِ وَمَا نَحْنُ
بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵۲﴾

إِن نَقُولُ إِلَّا نَعْتَرِكَ بِبَعْضِ آلِهَتِنَا يَسُوءُ قَالُوا إِنَّا
أَشْهَدُ بِاللَّهِ وَاللَّهِ هَدَانَا إِلَىٰ بَرِّئَىٰ مِمَّا نَسْتَعِينُ ﴿۵۳﴾

مِنْ دُونِهِ فَيَكِيدُونِي يَوْمَئِذٍ لَّا يَنْظُرُونَ ﴿۵۴﴾

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبُّكَ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا
هُوَ اخْتِطَا بِهَا صَبْرًا إِن رَّبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۵﴾

۵۳۔ انہوں نے کہا اے ہود! (عَلَيْهِ السَّلَام) تو ہمارے پاس کوئی دلیل
تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو
چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔^(۱)

۵۴۔ بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تو ہمارے کسی معبود کے
برے جھٹے میں آگیا ہے۔^(۲) اس نے جواب دیا کہ میں اللہ
کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا
ان سب سے بیزار ہوں، جنہیں تم شریک بنا رہے ہو۔^(۳)

۵۵۔ اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور
مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو۔^(۴)

۵۶۔ میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے، جو میرا
اور تم سب کا پروردگار ہے جتنے بھی پاؤں دھرنے
والے ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے۔^(۵)

۱۔ ایک نبی دلائل وبراہین کی پوری قوت اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن شپرے چشموں کو وہ نظر نہیں آتے قوم ہود عَلَیْہِ السَّلَام نے بھی اسی
ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم بغیر دلیل کے محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو کس طرح چھوڑیں؟

۲۔ یعنی تو جو ہمارے معبودوں کی توہین اور گستاخی کرتا ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبودوں
نے ہی تیری اس گستاخی پر تجھے کچھ کر دیا ہے۔ اور تیرا دماغ مآؤف ہو گیا ہے۔ جیسے آج کل کے نام نہاد مسلمان بھی اس
قسم کے توہمات کا شکار ہیں، جب انہیں کہا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ اشخاص اور بزرگ کچھ نہیں کر سکتے، تو کہتے ہیں کہ
یہ ان کی شان میں گستاخی ہے اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کا وہ بیڑا غرق کر دیں۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ
هَذِهِ الْخَرَافَاتِ وَالْاِكْثَادِیْبِ۔

۳۔ یعنی میں ان تمام بتوں اور معبودوں سے بیزار ہوں اور تمہارا یہ عقیدہ کہ انہوں نے مجھے کچھ کر دیا ہے، بالکل غلط
ہے، ان کے اندر یہ قدرت ہی نہیں کہ کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔

۴۔ اور اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے بلکہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت کچھ کر سکتے ہیں تو لو، میں
حاضر ہوں، تم اور تمہارے معبود سب مل کر میرے خلاف کچھ کر کے دکھاؤ۔ مزید اس سے نبی کے اس انداز کا پتہ چلتا
ہے کہ وہ کس قدر بصیرت پر ہوتا ہے کہ اسے اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔

۵۔ یعنی جس ذات کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ و تصرف ہے، وہ وہی ذات ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، میرا توکل اسی
پر ہے۔ مقصد ان الفاظ سے حضرت ہود عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان پر بھی اللہ ہی
کا قبضہ و تصرف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے، وہ کسی کا کچھ نہیں کر سکتے۔

یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے۔^(۱)

۵۷۔ پس اگر تم روگردانی کرو تو کرو میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔^(۲) میرا رب تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے،^(۳) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔^(۴)

۵۸۔ اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ہود (علیہ السلام) کو اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا لیا۔^(۵)

۵۹۔ اور یہ تھی قوم عاد، جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی^(۶) نافرمانی کی اور ہر ایک

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أَمْسَلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ
وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا
إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيفٌ ﴿۵﴾

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا لَمَّ بِهَا هُودٌ أَوَّالًا الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمَا بَيْنَهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۶﴾

وَتِلْكَ عَادُ جَدُّوَابَايَتِ رَءِمٍ وَعَصَوُا رُسُلَهُ
وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۷﴾

۱۔ یعنی وہ جو توحید کی دعوت دے رہا ہے یقیناً یہ دعوت ہی صراطِ مستقیم ہے، اسی پر چل کر نجات اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہو اور اس صراطِ مستقیم سے اعراض و انحراف تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

۲۔ یعنی اس کے بعد میری ذمہ داری ختم اور تم پر جنت تمام ہو گئی۔

۳۔ یعنی تمہیں تباہ کر کے تمہاری زمینوں اور املاک کا وہ دوسروں کو مالک بنادے، تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بلکہ وہ اپنی مشیت و حکمت کے مطابق ایسا کرتا رہتا ہے۔

۴۔ یقیناً مجھے تمہارے مکرو فریب اور سازشوں سے بھی محفوظ رکھے گا اور شیطانی چالوں سے بھی بچائے گا۔ علاوہ ازیں ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق اچھی اور بری جزاء بھی دے گا۔

۵۔ سخت عذاب سے مراد وہی الرِّيحُ الْعَقِيمُ تیز آندھی کا عذاب ہے جس کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا اور جس سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا گیا۔

۶۔ عاد کی طرف صرف ایک نبی حضرت ہود علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے، یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے یا تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک رسول کی تکذیب، گویا تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے کفر و انکار میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام کے بعد اگر ہم اس قوم میں متعدد رسول بھی بھیجتے، تو یہ قوم ان سب کی تکذیب ہی کرتی۔ اور اس سے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی رسول پر ایمان لے آتی۔ یا ہو سکتا ہے کہ اور بھی انبیاء بھیجے گئے ہوں اور اس قوم نے ہر ایک کی تکذیب کی۔

سرکش نافرمان کے حکم کی تابعداری کی۔^(۱)

۶۰. اور دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی،^(۲) دیکھ لو قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا، ہود (علیہ السلام) کی قوم عاد پر دوری ہو۔^(۳)

۶۱. اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا،^(۴) اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں،^(۵) اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے^(۶) اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے،^(۷) پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الذِّمَّةَ لَعَنَ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
الَّذِينَ عَادُوا كُفْرًا وَآلَهُمْ الْعَادَةُ كُفْرًا هُودٌ ۝

وَالِیْ ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَقَوْمِ لَعْنُ اللّٰه
مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرَہٗ هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ
وَاَسْتَعْمَلُوْہُمْ فِیْہَا فَاسْتَعْمَلُوْہُمْ فَاَنْشَاَکُمْ اَلِیَّ
اِنَّ رَّبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝

۱. یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تو تکذیب کی لیکن جو لوگ اللہ کے حکموں سے سرکشی کرنے والے اور نافرمان تھے، ان کی اس قوم نے پیروی کی۔

۲. لعنۃ کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری، امور خیر سے محرومی اور لوگوں کی طرف سے ملامت و بیزاری۔ دنیا میں یہ لعنت اس طرح کہ اہل ایمان میں ان کا ذکر ہمیشہ ملامت و بیزار کی انداز میں ہوگا اور قیامت میں اس طرح کہ وہاں علی رؤوس الأشہاد ذلت و رسوائی سے دوچار اور عذاب الہی میں مبتلا ہوں گے۔

۳. بعد کا یہ لفظ رحمت سے دوری اور لعنت ہلاکت کے معنی کے لیے ہے، جیسا کہ اس سے قبل بھی وضاحت کی جاچکی ہے۔
۴. وَاِلِیْ ثَمُوْدَ عطف ہے ماقبل پر۔ یعنی وَأَرْسَلْنَا اِلَیْہِ ثَمُوْدَ ہم نے ثمود کی طرف بھیجا۔ یہ قوم تبوک اور مدینہ کے درمیان مدائن صالح (حجر) میں رہائش پذیر تھی اور یہ قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہاں بھی ثمود کا بھائی کہا ہے، جس سے مراد انہی کے خاندان اور قبیلہ کا ایک فرد ہے۔

۵. حضرت صالح علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، جس طرح کہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے۔

۶. یعنی ابتداءً تمہیں زمین سے پیدا کیا، وہ اس طرح کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور تمام انسان صلب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے یوں گویا تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو کچھ کھاتے ہو، سب زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں جا کر وجود انسانی کا باعث ہوتا ہے۔

۷. یعنی تمہارے اندر زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کی، جس سے تم رہائش کے لیے مکان تعمیر کرتے، خوراک کے لیے کاشت کاری کرتے اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیے صنعت و حرفت سے کام لیتے ہو۔

۶۲. انہوں نے کہا اے صالح! (عَلَيْهِ السَّلَام) اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے، کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے، ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلارہا ہے۔^(۱)

۶۳. اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! ذرا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس کی رحمت عطا کی ہو،^(۲) پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی^(۳) تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔^(۴)

۶۴. اور میری قوم والو! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک معجزہ ہے اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ ورنہ فوری عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔^(۵)

قَالُوا اِبْرٰهِيْمَ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَلَمْ نَسْأَلْكَ اَنْ تَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاِنَّا لَنَفِيْ شَكٍّ مِّنْ مَا نَدْعُوْنَ اَلَيْسَ لَنَا عُزْرٌ

قَالَ يَقَوْمِ اَرَبَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّيْ وَالتَّبٰىيْ وَمَنْ رَّحِمَةً مِّنْ يَّصْنَعُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُمْ لَنَسْتَاْزِيْدَنَّوْنِيْ وَلَنِيْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

وَيَقَوْمِ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةٌ فَذُرُوْهَا نَاقَةً لِّكُلِّ بَیْءٍ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ فَيَاْخُذْكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ

۱. یعنی پیغمبر اپنی قوم میں چونکہ اخلاق و کردار اور امانت و دیانت میں ممتاز ہوتا ہے، اس لیے قوم کی اس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے حضرت صالح (عَلَيْهِ السَّلَام) کی قوم نے بھی ان سے یہ کہا۔ لیکن دعوت توحید دیتے ہی ان کی امیدوں کا یہ مرکز، ان کی آنکھوں کا کاٹنا بن گیا اور اس دین میں شک کا اظہار کیا جس کی طرف حضرت صالح (عَلَيْهِ السَّلَام) انہیں بلارہے تھے یعنی دین توحید۔

۲. بَيِّنَةٌ سے مراد وہ ایمان و یقین ہے، جو اللہ تعالیٰ پیغمبر کو عطا فرماتا ہے اور رحمت سے نبوت۔ جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔

۳. نافرمانی سے مراد یہ ہے کہ اگر میں تمہیں حق کی طرف اور اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلانا چھوڑ دوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔
۴. یعنی اگر میں ایسا کروں تو تم مجھے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچا سکتے، البتہ اس طرح تم میرے نقصان و خسارے میں ہی اضافہ کرو گے۔

۵. یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کہنے پر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پہاڑیا چٹان سے برآمد فرمائی۔ اسی لیے اسے «نَاقَةُ اللّٰهِ» (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا ہے کیونکہ یہ خالص اللہ کے حکم سے معجزانہ طور پر مذکورہ خلاف عادت طریقے سے ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی بابت انہیں تاکید کر دی گئی تھی کہ اسے ایذا نہ پہنچانا، ورنہ تم عذاب الہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔

فَعَقَرُوهَا فَعَالَ مَمْنَعُونِي دَارَكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْدُوبٍ ۝

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَحْنُ صَالِحُونَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَاوَمُنْ خَزِيْ يَوْمَئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيزُ ۝

وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
جُثَّةٍ ۝

كَانَ لَكُمْ يَغْنَوُ فِيهَا إِلَّا أَنْ شِئُوا لَكُمْ وَارْتَبَهُمْ
الْأَبْعَدُ الْإِشْبُودُ ۝

۶۵. پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے، اس پر صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ اچھا تم اپنے گھروں میں تین دن تک تو رہ سہ لو، یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔^(۱)

۶۶. پھر جب ہمارا فرمان آ پہنچا،^(۲) ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس سے بھی بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ یقیناً تیرا رب نہایت توانا اور غالب ہے۔

۶۷. اور ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑنے آدھوچا،^(۳) پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔^(۴)

۶۸. ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے،^(۵) آگاہ رہو کہ قوم شمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو ان شمودیوں پر پھٹکار ہے۔

۱. لیکن ان ظالموں نے اس زبردست معجزے کے باوجود نہ صرف ایمان لانے سے گریز کیا بلکہ حکم الہی سے صریح سرتابی کرتے ہوئے اسے مار ڈالا، جس کے بعد انہیں تین دن کی مہلت دے دی گئی کہ تین دن کے بعد تمہیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔

۲. اس سے مراد وہی عذاب ہے جو وعدے کے مطابق چوتھے دن آیا اور حضرت صالح (علیہ السلام) اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا، سب کو ہلاک کر دیا گیا۔

۳. یہ عذاب صَيْحَةٌ (چیخ، زور کی کڑک) کی صورت میں آیا، بعض کے نزدیک یہ حضرت جبریل (علیہ السلام) کی چیخ تھی اور بعض کے نزدیک آسمان سے آئی تھی جس سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی، اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بھونچال (رَجْفَةٌ) بھی آیا، جس نے سب کچھ تہہ بالا کر دیا۔ جیسا کہ سورۃ اعراف: ۷۸ میں ﴿فَأَخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ﴾ کے الفاظ ہیں۔

۴. جس طرح پرندہ مرنے کے بعد زمین پر مٹی کے ساتھ پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ موت سے ہمنکار ہو کر منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔

۵. ان کی بستی یا خود یہ لوگ یا دونوں ہی، اس طرح حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے، گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

۶۹. اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغامبر (فرشتے) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے ^(۱) اور سلام کہا، ^(۲) انہوں نے بھی جواب سلام دیا ^(۳) اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ ^(۴)

۷۰. اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی ان کی طرف نہیں پہنچ رہے تو ان سے اجنبیت محسوس کر کے دل ہی دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگے، ^(۵) انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ ^(۶)

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُخْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالُوا سَلَامٌ قَالُوا إِنَّا بِمَا عِبَادِنَا جُنُودٌ

فَلَمَّا دَرَأُوا إِلَيْهِمُ اللَّيْلَ يَكَوْنُهُمْ وَأَوْحَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَحْفَظُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ

۱. یہ دراصل حضرت لوط (علیہ السلام) اور ان کی قوم کے قصے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت لوط (علیہ السلام)، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے چچازاد بھائی تھے۔ حضرت لوط (علیہ السلام) کی بستی بحیرہ مردار کے جنوب مشرق میں تھی، جب کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) فلسطین میں مقیم تھے۔ جب حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو ان کی طرف فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس ٹھہرے اور انہیں بیٹے کی بشارت دی۔
۲. یعنی سَلَمْنَا عَلَيْكَ سَلَامًا (ہم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں)۔

۳. جس طرح پہلا سلام ایک فعل مقدر کے ساتھ منصوب تھا۔ اسی طرح یہ سَلَامٌ مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، عبارت ہوگی أَمَرْتُمْ سَلَامًا یا عَلَيْكُمْ سَلَامًا۔

۴. حضرت ابراہیم (علیہ السلام) بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے سے معذور ہیں، بلکہ انہوں نے انہیں مہمان سمجھا اور فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لاکر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا جائے۔

۵. حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھ ہی نہیں رہے، تو انہیں خوف محسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا اگر ابراہیم (علیہ السلام) غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا بچھڑا بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔

۶. اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا، یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں، یا اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کا اظہار فرمایا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے ﴿إِنَّا لَمِنكُمْ وَجِلُونَ﴾ (الحجر: ۵۲) (ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے)۔ چنانچہ فرشتوں نے کہا ڈرو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں، ہم وہ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف جا رہے ہیں۔

وَأَمْرًا لَهُ قَائِمَةٌ فَصَجَّكَتُ فَجَسَّرْتُ لَهَا لَسْتَ
وَصْنٌ ذَرَاءُ لَسْتُمْ يَعْقُبُ ①

۱۔ اور اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی،^(۱)
تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب
(علیہ السلام) کی خوشخبری دی۔

قَالَتْ يُؤْيِلُ لِيَّ الْوَدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي
شَيْخَانٌ هَذَا الشَّيْءُ عَجِيبٌ ②

۲۔ وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد
کیسے ہو سکتی ہے میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی
بہت بڑی عمر کے ہیں یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے!^(۲)

قَالُوا أَلَمْ نَعْجِبْ مِنْ أَمْرِ آلِهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ
عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَبِيبٌ مُحَمَّدٌ ③

۳۔ فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب
کر رہی ہے؟^(۳) تم پر اے اس گھر کے لوگو! اللہ کی
رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں،^(۴) بے شک اللہ حمد
وثناء کا سزاوار بڑی شان والا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبَشَرَى
مُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ④

۴۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے
بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط (علیہ السلام) کے بارے

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کیوں ہنسیں؟ بعض کہتے ہیں کہ قوم لوط علیہ السلام کی فساد انگیزیوں سے وہ بھی آگاہ تھیں، ان کی ہلاکت کی خبر سے انہوں نے مسرت محسوس کی۔ بعض کہتے ہیں اس لیے ہنسی آئی کہ دیکھو آسمانوں سے ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ قوم غفلت کا شکار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہے۔ اور اس ہنسنے کا تعلق اس بشارت سے ہے جو فرشتوں نے اس بوڑھے جوڑے کو دی۔ واللہ اعلم

۲۔ یہ اہلیہ حضرت سارہ تھیں، جو خود بھی بوڑھی تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے، اس لیے تعجب ایک فطری امر تھا، جس کا اظہار ان سے ہوا۔

۳۔ یہ استغفار انکار کے لیے ہے۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر پر کس طرح تعجب کا اظہار کرتی ہے جب کہ اس کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب عادیہ ہی کا محتاج ہے، وہ تو جو چاہے، اس کے لفظ کُنْ (ہو جا) سے معرض وجود میں آجاتا ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کو یہاں فرشتوں نے ”اہل بیت“ سے یاد کیا اور دوسرا ان کے لیے جمع مذکر مخاطب (عَلَيْكُمْ) کا صیغہ استعمال کیا۔ جس سے ایک بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ ”اہل بیت“ میں سب سے پہلے انسان کی بیوی شامل ہوتی ہے۔ دوسری، یہ کہ ”اہل بیت“ کے لیے جمع مذکر کے صیغے کا استعمال بھی جائز ہے۔ جیسا کہ سورہ احزاب: ۳۳ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا ہے اور انہیں جمع مذکر کے صیغے سے مخاطب بھی کیا ہے۔

میں کہنے سننے لگے۔^(۱)

۷۵. یقیناً ابراہیم (علیہ السلام) بہت تخل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔

۷۶. اے ابراہیم! (علیہ السلام) اس خیال کو چھوڑ دیجیے، آپ کے رب کا حکم آپہنچا ہے، اور ان پر نہ ٹالے جانے والا عذاب ضرور آنے والا ہے۔^(۲)

۷۷. اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے۔^(۳)

۷۸. اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آپہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی،^(۴) لوط (علیہ السلام) نے کہا اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں، اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے

إِنْ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿۷۵﴾

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ لَنِهْمٌ عَذَابٍ غَيْرَ مُرْدُودٍ ﴿۷۶﴾

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا بَيِّنُوا لَهُمْ مَا يَفْعَلُ الْمُفْسِدُونَ فِي أَهْلِ بَيْتِهِمْ وَصَأَىٰ بِيَهُمْ ذُرِّيَّتًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۷﴾

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَتَوَكَّمُونَ عَلَىٰ آلِهِ فَاتِّخَذُوا فِيهِ مَكِيدًا ﴿۷۸﴾

۱. اس مجادلے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے فرشتوں سے کہا کہ جس بستی کو تم ہلاک کرنے جارہے ہو، اسی میں حضرت لوط (علیہ السلام) بھی موجود ہیں۔ جس پر فرشتوں نے کہا ”ہم جانتے ہیں کہ لوط (علیہ السلام) بھی وہاں رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے۔“ (العنکبوت: ۳۲)

۲. یہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا کہ اب اس بحث و تکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیے اللہ کا وہ حکم (ہلاکت کا) آپکا ہے جو اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ٹلے گا۔

۳. حضرت لوط (علیہ السلام) کی اس سخت پریشانی کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، جو بے ریش تھے، جس سے حضرت لوط (علیہ السلام) نے اپنی قوم کی عادت قبیحہ کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس کیا۔ کیونکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آنے والے یہ نوجوان، مہمان نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو اس قوم کو ہلاک کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔

۴. جب افلام بازی کے ان مرلیضوں کو پتہ چلا کہ چند خورو نوجوان لوط (علیہ السلام) کے گھر آئے ہیں تو دوڑے ہوئے آئے اور انہیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا، تاکہ ان سے اپنی غلط خواہشات پوری کریں۔

۵. یعنی تمہیں اگر جنسی خواہش ہی کی تسکین مقصود ہے تو اس کے لیے میری بیٹیاں موجود ہیں، جن سے تم نکاح

میں رسوانہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔^(۱)

۷۹. انہوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے۔^(۲)

۸۰. لوط علیہ السلام نے کہا کاش! کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔^(۳)

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَكُنِي بِبَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ
وَأَنَّكَ لَتَكُونُ مَأْرُوءًا ۝

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أُوَدِّعُ إِلَىٰ دُكَّانٍ
شَدِيدٍ ۝

کرو اور اپنا مقصد پورا کرو۔ یہ تمہارے لیے ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ بنات سے مراد عام عورتیں ہیں اور انہیں اپنی لڑکیاں اس لیے کہا ہے کہ پیغمبر اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے عورتیں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور اپنا مقصد پورا کرو۔ (ابن کثیر)

۱. یعنی میرے گھر آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ زیادتی اور زبردستی کر کے مجھے رسوانہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا سمجھدار نہیں ہے، جو میزبانی کے تقاضوں اور اس کی نزاکت کو سمجھ سکے؟ اور تمہیں اپنے برے ارادوں سے روک سکے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ساری باتیں اس بنیاد پر کیں کہ وہ ان فرشتوں کو فی الواقع نووارد مسافر اور مہمان ہی سمجھتے رہے۔ اس لیے وہ بجا طور پر ان کی حفاظت کو اپنی عزت و وقار کے لیے ضروری سمجھتے رہے۔ اگر ان کو پتہ چل جاتا یا وہ عالم الغیب ہوتے، تو ظاہر بات ہے کہ انہیں یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی، جو انہیں ہوئی اور جس کا نقشہ یہاں قرآن مجید نے کھینچا ہے۔

۲. یعنی ایک جائز اور فطری طریقہ کو انہوں نے بالکل رد کر دیا اور غیر فطری کام اور بے حیائی پر اصرار کیا، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قوم اپنی اس بے حیائی کی عادت خبیثہ میں کتنی آگے جا چکی تھی اور کس قدر اندھی ہو گئی تھی۔

۳. قوت سے اپنے دست و بازو اور اپنے وسائل کی قوت یا اولاد کی قوت مراد ہے اور رکن شدید (مضبوط آسرا) سے خاندان، قبیلہ یا اسی قسم کا کوئی مضبوط سہارا مراد ہے۔ یعنی نہایت بے بسی کے عالم میں آرزو کر رہے ہیں کہ کاش! میرے اپنے پاس کوئی قوت ہوتی یا کسی خاندان اور قبیلہ کی پناہ اور مدد مجھے حاصل ہوتی تو آج مجھے مہمانوں کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی نہ ہوتی، میں ان بد مقامیوں سے نمٹ لیتا اور مہمانوں کی حفاظت کر لیتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی یہ آرزو، اللہ تعالیٰ پر توکل کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ ظاہری اسباب کے مطابق ہے۔ اور توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم و مطلب بھی یہی ہے کہ پہلے تمام ظاہری اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور پھر اللہ پر توکل کیا جائے۔ یہ توکل کا نہایت غلط مفہوم ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے۔ اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے جو کچھ کہا، ظاہری اسباب کے اعتبار سے بالکل بجا کہا۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا پیغمبر جس طرح عالم الغیب نہیں ہوتا، اسی طرح وہ مختار کل بھی نہیں ہوتا (جیسا کہ آج کل لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے)، اگر نبی دنیا میں اختیارات سے بہرہ ور ہوتے تو یقیناً حضرت لوط علیہ السلام اپنی بے بسی کا اور اس آرزو کا اظہار نہ کرتے جو انہوں نے مذکورہ الفاظ میں کیا۔

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ
فَأَسِرْ بِأَمْرِكَ بِقِطْعٍ مِنَ الْبَيْلِ وَلَا تَلْقَ
مِنْكُمْ أَحَدًا إِلَّا أَمْرًا تَكُنْ لَهُ مُصِيبَهُمَا
أَصَابَهُمْ إِنْ مَوْعِدُهُمُ الصُّبْحُ الْكَاثِرُ
الصُّبْحُ يُقْرَبُ ۝

۸۱. اب فرشتوں نے کہا اے لوط! (عَلَيْكَ) ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں، پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔ تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے جز تیری بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں۔^(۱)

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَى صَافِيهَا وَأَمْطَرْنَا
عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنصُودٍ ۝

۸۲. پھر جب ہمارا حکم آپہنچا، ہم نے اس بستی کو زیر و زبر کر دیا (اوپر کا حصہ نیچے کر دیا) اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔

مُسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ
بَبَعِيدٍ ۝

۸۳. تیرے رب کی طرف سے نشان دار تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے۔^(۲)

وَالِى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَوْمَ يَعْبُدُوا
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ الْعِزَّةِ وَلَا تَنْفَصُوا
الْبَيْكَاثَ وَالْزُبَرَ إِنِّي أَرَاكُمْ عِزًّا وَإِنِّي
أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُجِيطٍ ۝

۸۴. اور ہم نے مدین والوں^(۳) کی طرف ان کے بھائی شعیب (عَلَيْهِ) کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو^(۴) میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ

۱. جب فرشتوں نے حضرت لوط (عَلَيْهِ) کی بے بسی اور ان کی قوم کی سرکشی کا مشاہدہ کر لیا تو بولے، اے لوط! (عَلَيْكَ) گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تک تو کیا، اب یہ تجھ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب رات کے ایک حصے میں، سوائے بیوی کے، اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جا! صبح ہوتے ہی اس بستی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

۲. اس آیت میں بھی کامرچ بعض مفسرین کے نزدیک وہ نشان زدہ کنکریلے پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے اور بعض کے نزدیک اس کامرچ وہ بستی ہیں جو ہلاک کی گئیں اور جو شام اور مدینہ کے درمیان تھیں اور ظالمین سے مراد مشرکین مکہ اور دیگر کلمذبین ہیں۔ مقصد ان کو ڈرانا ہے کہ تمہارا حشر بھی ویسا ہو سکتا ہے جس سے گزشتہ قومیں دوچار ہوئیں۔

۳. مدین کی تحقیق کے لیے دیکھیے سورة الاعراف، آیت: ۸۵ کا حاشیہ۔

۴. توحید کی دعوت دینے کے بعد، اس قوم میں جو نمایاں اخلاقی خرابی ”ناپ تول میں کمی“ کی تھی، اس سے انہیں منع فرمایا۔ ان کا معمول یہ بن چکا تھا کہ جب ان کے پاس فروخت کنندہ (بائع) اپنی چیز لے کر آتا تو اس سے ناپ اور تول میں زائد چیز لینے اور جب خریدار (مشتري) کو کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ میں بھی کمی کر کے دیتے اور تول میں بھی ڈنڈی مار لیتے۔

رہا ہوں^(۱) اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف (بھی) ہے۔^(۲)

۸۵. اور اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو^(۳) اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔^(۴)

۸۶. اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا جو بیچ رہے تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو،^(۵) میں تم پر کچھ نگہبان (اور داروغہ) نہیں ہوں۔^(۶)

وَلَقَوْمٌ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ يَالْقِسطِ
وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتَوُوا
الْأَرْضَ مُفْسِدِينَ ۝

بَيَّنَّتِ اللّٰهُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا آتَا
عَلَيْكُمْ بِحَقِيطٍ ۝

۱. یہ اس منع کرنے کی علت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل کر رہا ہے اور اس نے تمہیں آسودگی اور مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر تم یہ قبیح حرکت کیوں کرتے ہو؟

۲. دوسری علت ہے کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو پھر اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن کے عذاب سے تم نہ بچ سکو۔ گھیرنے والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کوئی گناہ گار مؤاخذہ الہی سے بچ سکے گا نہ بھاگ کر کہیں چھپ سکے گا۔

۳. انبیاء علیہم السلام کی دعوت دو اہم بنیادوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ (۱) حقوق اللہ کی ادائیگی۔ (۲) حقوق العباد کی ادائیگی۔ اول الذکر کی طرف لفظ ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور آخر الذکر کی جانب ﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ﴾ سے اشارہ کیا گیا اور اب تاکید کے طور پر انہیں انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کا حکم دیا جا رہا ہے اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے دینے سے منع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی ایک بہت بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورت میں اس جرم کی شاعت و قباحیت اور اس کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے۔ ﴿ذَیْلِ الْمُنَافِقِیْنَ * الَّذِیْنَ اِذَا الْكَلَالُ عَلٰی النَّاسِ یَسْتَوِیْنَ * وَاِذَا الْكُلُومُ اَوْزَنُوهُمْ یَحْسِرُوْنَ﴾ (المطففین: ۳-۱) (المطففین کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر دیتے ہیں، تو کم کر کے دیتے ہیں)۔

۴. اللہ کی نافرمانی سے۔ بالخصوص جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے یہاں ناپ تول کی کمی پیشی میں ہے۔ زمین میں یقیناً فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے انہیں منع کیا گیا۔

۵. ﴿بَيَّنَّتِ اللّٰهُ﴾ سے مراد، وہ نفع ہے جو ناپ تول میں کسی قسم کی کمی کے بغیر، دیانت داری کے ساتھ سودا دینے کے بعد حاصل ہو۔ یہ چونکہ حلال و طیب ہے اور خیر و برکت بھی اسی میں ہے، اس لیے اللہ کا بقیہ قرار دیا گیا ہے۔

۶. یعنی میں تمہیں صرف تبلیغ کر سکتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔ لیکن برائیوں سے میں تمہیں روک دوں یا اس پر سزا دوں، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ان دونوں باتوں کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

قَالُوا ائْتِنَا بِآيَاتِكَ يَا مَعْشَرَ الْفَالِغِينَ ۝۱
مَا يَعْصُونَكَ يَا مُؤْمِنُ ۝۲
إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيمُ الرَّشِيدُ ۝۳

۸۷. انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! (ﷺ) کیا تیری صلاۃ^(۱) تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں جو کچھ چاہیں اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں^(۲) تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔^(۳)

۸۸. کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے،^(۴) میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہاری مخالفت کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں،^(۵) میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔^(۶) میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے،^(۷) اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

قَالَ يَوْمَ اَدْعِيكُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا اُرِيدُ اَنْ اُخْلِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهَكُم عَنْهُ اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَهْدِيَ اُنِيبُ ۝۴

۱. صَلَوةٌ سے مراد، عبادت، دین یا تلاوت ہے۔

۲. اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک زکوٰۃ و صدقات ہیں جس کا حکم ہر آسمانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم سے زکوٰۃ و صدقات کا اخراج، اللہ کے نافرمانوں پر نہایت شاق گزرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اپنی محنت و لیاقت سے مال کماتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں ہم پر پابندی کیوں ہو؟ اور اس کا کچھ حصہ ایک مخصوص مد کے لیے نکالنے پر ہمیں مجبور کیوں کیا جائے؟ اسی طریقے سے کمائی اور تجارت میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پابندی بھی ایسے لوگوں پر نہایت گراں گزرتی ہے، ممکن ہے ناپ تول میں کمی سے روکنے کو بھی انہوں نے اپنے مالی تصرفات میں دخل در معقولات سمجھا ہو۔ اور ان الفاظ میں اس سے انکار کیا ہو۔ دونوں ہی مفہوم اس کے صحیح ہیں۔

۳. حضرت شعیب (ﷺ) کے لیے یہ الفاظ انہوں نے بطور استہزاء کہے۔

۴. رزق حسن کا دوسرا مفہوم نبوت بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

۵. یعنی جس کام سے میں تمہیں روکوں، تم سے خلاف ہو کر، وہ میں خود کروں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

۶. میں تمہیں جس کام کے کرنے یا جس سے رکنے کا حکم دیتا ہوں، اس سے مقصد اپنی مقدور بھر، تمہاری اصلاح ہی ہے۔
۷. یعنی حق تک پہنچنے کا جو میرا ارادہ ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اس لیے تمام معاملات میں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

۸۹. اور اے میری قوم (کے لوگو!) کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں میری مخالفت ان عذابوں کا مستحق بنادے جو قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔^(۱)

۹۰. اور تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

۹۱. انہوں نے کہا اے شعیب! (علیہ السلام) تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں^(۲) اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں،^(۳) اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تو تجھے سنگسار کر دیتے،^(۴) اور ہم تجھے کوئی حیثیت والی ہستی نہیں گنتے۔^(۵)

۹۲. انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی

وَلَقَوْمٌ لَا يَجْعَلُونَ لَكَ مَتَابًا شِقَايَ إِنَّهُ يُضَيِّبُكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝

وَأَسْتَغْفِرُكُمْ وَأُذَوِّدُكُمْ وَأَرْبُكُمُ ثُمَّ يُؤْتِيكَ الْيُسْرَىٰ إِنَّ رَبِّي لَسَجِيمٌ ۝

قَالُوا ائْتِ شُعَيْبٌ مَا نَفَقَهُ ذِي الْقُرْبَىٰ أَمْ تَأْتِيهِمْ الْغَنَىٰ لَنَرَاكَ فَيَنْتَاصِفُونَكَ وَلَوْ أَكْهَطْتَ لَوْ أَنَّا كَرِهْنَا لَكَ أَتًا وَكَأَنَّا كَالنَّجْوَىٰ ۝

قَالَ يَقَوْمِ أَهْ لِي حَسْبُ عَزَّ عَلَيَّ كُفْرُ مَنْ أَلْفَا وَاتَّخَذُكُمْ شِرْكًَا وَآلَاءُكُمْ ظُهُورًا إِنَّ رَبِّي بِمَا

۱. یعنی ان کی جگہ تم سے دور نہیں، یا اس سبب میں تم سے دور نہیں جو ان کے عذاب کا موجب بنا۔
۲. یہ یا تو انہوں نے بطور مذاق اور تحقیر کہا درآں حالیکہ ان کی باتیں ان کے لیے ناقابل فہم نہیں تھیں۔ اس صورت میں یہاں فہم کی نفی مجازاً ہوگی۔ یا ان کا مقصد ان باتوں کے سمجھنے سے معذوری کا اظہار ہے جن کا تعلق غیب سے ہے۔ مثلاً بعث بعد الموت، حشر و نشر، جنت و دوزخ وغیرہ، اس لحاظ سے فہم کی نفی حقیقتاً ہوگی۔
۳. یہ کمزوری جسمانی لحاظ سے تھی، جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی کمزور تھی یا وہ نحیف و لاغر جسم کے تھے یا اس اعتبار سے انہیں کمزور کہا کہ وہ خود بھی مخالفین سے تنہا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

۴. حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ کہا جاتا ہے کہ ان کا پشتیان نہیں تھا، لیکن وہ قبیلہ چونکہ کفر و شرک میں اپنی ہی قوم کے ساتھ تھا، اس لیے اپنے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کا لحاظ، بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے میں مانع تھا۔

۵. لیکن چونکہ تیرے قبیلے کی حیثیت بہر حال ہمارے دلوں میں موجود ہے، اس لیے ہم درگزر سے کام لے رہے ہیں۔

تَعْمَلُونَ خِيْرًا ۝۲۷

زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے^(۱) یقیناً میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے۔

۹۳. اور اے میری قوم کے لوگو! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔^(۲)

۹۴. اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا ہم نے شعیب (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ (تمام) مومنوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھاڑ کے عذاب نے دھر دیوچا^(۳) جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ہو گئے۔

وَلَقَوْمٌ كَفَرُوا إِلَىٰ مَكَانَتِكُمْ لَأِيَٰى عَامِلٍ سَوَّيْنِ
تَعْمَلُونَ لَمْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يُخْزِيهِمْ وَمَنْ هُوَ
كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝۲۸

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا لَنَجْجِبَنَّهُمْ أَشَدَّ بِأَلَمٍ مِّنَ الْأَمَلِ
مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاتَّخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةَ نَارَ صَبْحٍ أَنِ يَدْعَوْا بِهِمْ فَجُمِلُوا فِي
الْعَذَابِ ۝۹۴

۱. کہ تم مجھے تو میرے قبیلے کی وجہ سے نظر انداز کر رہے ہو۔ لیکن جس اللہ نے مجھے منصب نبوت سے نوازا ہے، اس کی کوئی عظمت اور اس منصب کا کوئی احترام تمہارے دلوں میں نہیں ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہاں حضرت شعیب (علیہ السلام) نے اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنِّي (مجھ سے زیادہ ذی عزت) کی بجائے ﴿اعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ﴾ (اللہ سے زیادہ ذی عزت) کہا، جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی کی توہین، دراصل اللہ کی توہین ہے۔ اس لیے کہ نبی اللہ کا مبعوث ہوتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے اب علمائے حق کی توہین اور ان کو حقیر سمجھنا اللہ کے دین کی توہین اور اس کا استخفاف ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے دین کے نمائندے ہیں۔ وَاتَّخَذْتُمُوهُ میں ہا کا مرجع لفظ اللہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اس معاملے کو، جسے لے کر اس نے مجھے بھیجا ہے، اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی کوئی پروا تم نے نہیں کی۔

۲. جب انہوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے کفر و شرک پر مصر ہے اور وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا، تو کہا اچھا تم اپنی ڈگر پر چلتے رہو، عنقریب تمہیں جھوٹے سچے کا اور اس بات کا کہ رسوا کن عذاب کا مستحق کون ہے؟ علم ہو جائے گا۔

۳. اس جینے سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور اس کے معا بعد ہی بھونچال بھی آیا، جیسا کہ سورہ اعراف: ۹۱ اور سورہ عنکبوت: ۳۷ میں ہے۔

۹۵. گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو مدین کے لیے بھی ویسی ہی دوری^(۱) ہو جیسی دوری ثمود کو ہوئی۔

۹۶. اور یقیناً ہم نے ہی موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آیات اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا۔^(۲)

۹۷. فرعون اور اس کے سرداروں^(۳) کی طرف، پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم درست تھا ہی نہیں۔^(۴)

۹۸. وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا،^(۵) وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے۔^(۶) جس پر لا کھڑے کیے جائیں گے۔

كَانَ لَمْ يَخْتَوِ مِنْهَا الْاَبْعَدُ الْمَدِينِ كَمَا
بَعَدَتْ ثَمُودُ ۝

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِآيَاتِنَا وَسُلٰطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ۝

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ
فِرْعَوْنَ وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ
وَبِئْسَ الْوَرْدَ الْمَوْرُوْدُ ۝

۱. یعنی لعنت، پھینکار، اللہ کی رحمت سے محرومی اور دوری۔

۲. آیات سے بعض کے نزدیک تورات اور سلطان مبین سے معجزات مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیات سے، آیات تسبیح اور سلطان مبین (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے۔ عصا، اگرچہ آیات تسبیح میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ نہایت ہی عظیم الشان تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۳. مَلَآ قوم کے اشراف اور ممتاز قسم کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ (اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے) فرعون کے ساتھ، اس کے دربار کے ممتاز لوگوں کا نام اس لیے لیا گیا ہے کہ اشراف قوم ہی ہر معاملے کے ذمے دار ہوتے تھے اور قوم ان ہی کے پیچھے چلتی تھی۔ اگر یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آتے تو یقیناً فرعون کی ساری قوم ایمان لے آتی۔

۴. رَشِيْد، ذی رشد کے معنی میں ہے۔ یعنی بات تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی رشد و ہدایت والی تھی، لیکن اسے ان لوگوں نے رد کر دیا اور فرعون کی بات، جو رشد و ہدایت سے دور تھی، اس کی انہوں نے پیروی کی۔

۵. یعنی فرعون، جس طرح دنیا میں ان کا رہبر اور پیش رو تھا، قیامت کے دن بھی یہ آگے آگے ہی ہو گا اور اپنی قوم کو اپنی قیادت میں جہنم میں لے کر جائے گا۔

۶. وَرْدَ پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں پیاسے جا کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ لیکن یہاں جہنم کو ورد کہا گیا ہے۔ مَوْرُوْدُ وہ مقام یا گھاٹ یعنی جہنم جس میں لوگ لے جائے جائیں گے یعنی جگہ بھی بری اور جانے والے بھی برے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا۔

۹۹. اور ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چکا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ^(۱) برا انعام ہے جو دیا گیا۔ ^(۲)

۱۰۰. بستیوں کی یہ بعض خبریں جنہیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض (کی تفصیل) کٹ گئی ہیں۔ ^(۳)

۱۰۱. اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، ^(۴) بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا، ^(۵) اور انہیں ان کے معبودوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے، جب کہ تیرے پروردگار کا حکم آپہنچا، بلکہ انہوں نے ان کا نقصان ہی بڑھایا۔ ^(۶)

۱۰۲. اور تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے

وَأَنْبِئُوهُمْ بِهَذِهِ لَعْنَتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَبْسُ
الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۝

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَرَى نَقُصُّهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قُلْتُمْ
وَحَصِيدٌ ۝

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ
عَنْهُمْ إِلَهُتُهُمْ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
مِنْ شَيْءٍ لِنُجَاةِ أَمْرِيكَ وَمَا زَادَهُمْ غَيْرَ
تَتَبِيبٌ ۝

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْغَرَى وَهِيَ
ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝

۱. لَعْنَتُهُ سے پھکار اور رحمت الہی سے دوری و محرومی ہے، گویا دنیا میں بھی وہ رحمت الہیہ سے محروم اور آخرت میں بھی اس سے محروم ہی رہیں گے، اگر ایمان نہ لائے۔

۲. رِفْدُ انعام اور عطیے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں لعنت کو رِفْد کہا گیا ہے۔ اسی لیے اسے برا انعام قرار دیا گیا۔ مَرْفُودُ سے مراد، وہ انعام جو کسی کو دیا جائے۔ یہ الرِفْد کی تاکید ہے۔

۳. قائم، سے مراد وہ بستیاں، جو اپنی چھتوں پر قائم ہیں اور حَصِيدٌ بمعنی محسود سے مراد وہ بستیاں جو کٹی ہوئی کھیتوں کی طرح نابود ہو گئیں۔ یعنی جن گزشتہ بستیوں کے واقعات ہم بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض تو اب بھی موجود ہیں، جن کے آثار و کھنڈرات نشان عبرت ہیں اور بعض بالکل ہی صفہ ہستی سے معدوم ہو گئیں اور ان کا وجود صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا ہے۔

۴. ان کو عذاب اور ہلاکت سے دوچار کر کے۔

۵. کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے۔

۶. جب کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انہیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو واضح ہو گیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا، اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

بینک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔^(۱)

۱۰۳۔ یقیناً اس میں^(۲) ان لوگوں کے لیے نشان عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔^(۳)

۱۰۴۔ اور اسے ہم جو ملتوی کرتے ہیں وہ صرف ایک مدت معین تک ہے۔^(۴)

۱۰۵۔ جس دن وہ آجائے گی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی کر لے،^(۵) سو ان میں کوئی بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت۔

۱۰۶۔ لیکن جو بدبخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں چیخیں گے چلائیں گے۔

۱۰۷۔ وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان و زمین

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ
ذَلِكَ يَوْمُ مَجْمُوعٍ لَهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمُ
مَنْشُورٍ ۝

وَمَا تُؤَخِّرُهُ إِلَّا إِلَاجًا لِّمَعْدُودٍ ۝

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكُنْ لَكُمْ نَفْسٌ إِلَّا رِيَادٌ ۖ فِيهِمْ
شَقَقٌ ۖ وَسَعِيدٌ ۝

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَبِئْسَ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ
وَشَهيقٌ ۝

خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ

۱۔ یعنی جس طرح گزشتہ بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا، آئندہ بھی وہ ظالموں کی اسی طرح گرفت کرنے پر قادر ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا «إِنَّ اللَّهَ لَيَمْلِكُ لِلظَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ» (صحیح البخاری، کتاب النفسیر) ”اللہ تعالیٰ یقیناً ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرنے پر آتا ہے تو پھر اس طرح اچانک کرتا ہے کہ پھر مہلت نہیں دیتا“۔

۲۔ یعنی مواخذۃ الہی میں یا ان واقعات میں جو عبرت و موعظت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ یعنی حساب اور بدلے کے لیے۔

۴۔ یعنی قیامت کے دن میں تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت معین کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجائے گا، تو ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوگی۔

۵۔ گفتگو نہ کرنے سے مراد، کسی کو اللہ تعالیٰ سے کسی طرح کی بات یا شفاعت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔ طویل حدیث شفاعت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ وَدَعَا الرُّسُلُ يَوْمَئِذٍ اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ» (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل السجود، ومسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرویة) ”اس دن انبیاء کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہ ہوگی اور انبیاء کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ! ہمیں بچالے، ہمیں بچالے“۔

برقرار رہیں^(۱) سوائے اس وقت کے جو تمہارا رب چاہے۔^(۲) یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔
۱۰۸۔ اور لیکن جو نیک بخت کیے گئے وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے۔^(۳) یہ بے انتہاء بخشش ہے۔^(۴)

إِلَّا مَشَاءَ رَبِّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿۱۰۸﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ يَبْغُونِ سَعْدًا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَشَاءَ رَبِّكَ ﴿۱۰۹﴾ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُودٍ ﴿۱۱۰﴾

۱۔ ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب دائمی نہیں ہے بلکہ مؤقت ہے یعنی اس وقت تک رہے گا، جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں ﴿مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ﴾ اہل عرب کے روزمرہ کی گفتگو اور محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کا دوام ثابت کرنا مقصود ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ هَذَا دَائِمٌ دَوَامِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (یہ چیز اسی طرح ہمیشہ رہے گی جس طرح آسمان و زمین کا دوام ہے) اسی محاورے کو قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کفر و شرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جس کو قرآن نے متعدد جگہ ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ (النساء: ۱۶۹) کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین سے مراد، جنس ہے۔ یعنی دنیا کے آسمان و زمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان و زمین ان کے علاوہ اور ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، ﴿يَوْمَ تَبْذُلُونَ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمُوتَ﴾ (ابراہیم: ۴۸) (اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے)) اور آخرت کے یہ آسمان و زمین، جنت اور دوزخ کی طرح، ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان و زمین مراد ہیں، نہ کہ دنیا کے آسمان و زمین، جو فنا ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر) ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا جو مذکور ہوا۔ امام شوکانی نے اس کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے ہیں جنہیں اہل علم ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (فتح القدیر)

۲۔ یہ استثناء کے بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ صحیح مفہوم یہی ہے کہ یہ استثناء ان گناہ گاروں کے لیے ہے جو اہل توحید و اہل ایمان ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس سے ماقبل آیت میں شَقِیُّ کا لفظ عام یعنی کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہوگا اور ﴿إِلَّا مَشَاءَ رَبِّكَ﴾ سے عاصی مومنوں کا استثناء ہو جائے گا۔ اور مَا شَاءَ میں مَا، مَنْ کے معنی میں ہے۔
 ۳۔ یہ استثناء بھی گناہ گار اہل ایمان کے لیے ہے۔ یعنی دیگر جہنمیوں کی طرح یہ نافرمان مومن شروع سے جنت میں نہیں رہیں گے۔ بلکہ ابتداء میں ان کا کچھ عرصہ جہنم میں گزرے گا اور پھر انبیاء اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے یہ باتیں ثابت ہیں۔

۴۔ غیر مجذوذ کے معنی ہیں غیر مقطوع "یعنی نہ ختم ہونے والی عطا" اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہوگا اور تمام جہنمی ہمیشہ اللہ کی عطا اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی القطار نہیں ہوگا۔

۱۰۹. اس لیے آپ ان چیزوں سے شک و شبہ میں نہ رہیں جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں، ان کی پوج تو اس طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی۔ ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہی ہیں۔^(۱)

۱۱۰. اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی۔ پھر اس میں اختلاف کیا گیا،^(۲) اگر پہلے ہی آپ کے رب کی بات صادر نہ ہوگئی ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ کر دیا جاتا،^(۳) انہیں تو اس میں سخت شبہ ہے۔

۱۱۱. اور یقیناً ان میں سے ہر ایک جب ان کے روبرو جائے گا تو آپ کا رب اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بیشک وہ جو کر رہے ہیں ان سے وہ باخبر ہے۔

۱۱۲. پس آپ جے رہے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے نہ بڑھنا،^(۴) اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

فَلَا تَكُ فِي رُءُوفٍ مِّمَّا يَصُدُّ هَؤُلَاءِ
مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ
وَأَنَّا لَنُوفِّهُمُ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَخُلِّفَ فِيهِ وَلَوْ أَنَّا
كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِّى بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ
لَكِبْرُ شَكٍّ مِنْهُ مُزِيبٌ ۝

وَأَنَّ كَلَامَ الْكَاذِبِينَ قَبْلَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَلَهُمْ إِنَّهُ بِمَا
يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

فَأَسْتَفْتِهِمْ كَمَا أَمَرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ
وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

۱. اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وہ مستحق ہوں گے، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

۲. یعنی کسی نے اس کتاب کو مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، کچھ لوگ ان پر ایمان لانے والے ہوتے اور دوسرے تکذیب کرنے والے۔ اس لیے آپ اپنی تکذیب سے نہ گھبرائیں۔

۳. اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو وہ انہیں فوراً ہلاک کر ڈالتا۔

۴. اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے، جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ دوسرا طُغْيَانٌ یعنی بَغْيٌ (حد سے بڑھ جانے) سے روکا گیا ہے، جو اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کے لیے بہت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ یہ تجاوز، دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔

۱۱۳۔ اور دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی^(۱) اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیے جاؤ گے۔

۱۱۴۔ اور دن کے دونوں سروں میں نماز قائم کر اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی،^(۲) یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔^(۳) یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔

۱۱۵۔ اور آپ صبر کرتے رہیے یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

وَلَا تَكُونُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا أَقْبَسَكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَرُفُلًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَىٰ لِلَّذِينَ كَانُوا

وَاصِرِينَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

۱۔ اس کا مطلب ہے کہ ظالموں کے ساتھ نرمی اور مہابنت کرتے ہوئے ان سے مدد حاصل مت کرو۔ اس سے ان کو یہ تاثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو۔ اس طرح یہ تمہارا ایک بڑا جرم بن جائے گا جو تمہیں بھی ان کے ساتھ، نار جہنم کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی ممانعت نکلتی ہے۔ الایہ کہ مصلحت عامہ یا دینی منافع متقاضی ہوں۔ ایسی صورت میں دل سے نفرت رکھتے ہوئے ان سے ربط و تعلق کی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ بعض احادیث سے واضح ہے۔

۲۔ ”دونوں سروں“ سے مراد بعض نے صبح اور مغرب، بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت مراد لیا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ آیت معراج سے قبل نازل ہوئی ہو، جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں، ایک طلوع شمس سے قبل اور ایک غروب سے قبل اور رات کے پچھلے پہر میں نماز تہجد۔ پھر نماز تہجد امت سے معاف کر دی گئی، پھر اس کا وجوب بقول بعض آپ ﷺ سے بھی ساقط کر دیا گیا۔ (ابن کثیر) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۳۔ جس طرح کہ احادیث میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً پانچ نمازیں، جمعہ دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة...) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”بتلاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر بڑی نہر ہو، وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل کھیل باقی رہے گا؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسی طرح پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے“ (صحیح البخاری، کتاب المواقیب، باب الصلوات الخمس

۱۱۶. پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی،^(۱) ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گناہ گار تھے۔^(۲)

۱۱۷. اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں۔

۱۱۸. اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر ایک گروہ کر دیتا۔ وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔

۱۱۹. بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے، انہیں تو اسی لیے پیدا کیا ہے،^(۳) اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے پر کروں گا۔^(۴)

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَهْمْنَاهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْطَفُونَ ۝

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَزَالُ النَّاسُ مُخْتَلِفِينَ ۝

إِلَّا مَنْ تَحَوَّرَ رَبُّكَ ۚ وَلَئِنَّكَ خَلَقَهُمْ وَتَدَبَّرَ كَلِمَتَهُ رَبُّكَ لَأَكْمِلَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

۱. یعنی گزشتہ امتوں میں سے ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو اہل شر اور اہل منکر کو شر، منکرات اور فساد سے روکتے؟ پھر فرمایا، ایسے لوگ تھے تو سہی، لیکن بہت تھوڑے۔ جنہیں ہم نے اس وقت نجات دے دی، جب دوسروں کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔

۲. یعنی یہ ظالم، اپنے ظلم پر قائم اور اپنی مدہوشیوں میں مست رہے حتیٰ کہ عذاب نے انہیں آلیا۔

۳. ”اسی لیے“ کا مطلب بعض نے اختلاف اور بعض نے رحمت لیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے انسانوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو دین حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے گا، وہ آزمائش میں ناکام اور جو اسے اپنالے گا، وہ کامیاب اور رحمت الہی کا مستحق ہوگا۔

۴. یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاء میں یہ بات ثبت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور جنت و جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ”جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑیں، جنت نے کہا، کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟“ جہنم نے کہا ”میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا ”تو میری رحمت کی مظہر ہے، تیرے ذریعے سے میں جس پر چاہوں رحم

۱۲۰۔ اور رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لیے۔

۱۲۱۔ اور ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں۔

۱۲۲۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔^(۱)

۱۲۳۔ اور زمینوں اور آسمانوں کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، تمام معاملات کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

وَمَا تَنْقُصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنْتِثِرُ بِهِ
فَوَادِّكَ وَحَاءُكَ فِي هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى
لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ
إِنَّا عَمِلُونَ ﴿۱۲۱﴾
وَأَنْتُمْ وَإِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالْيَوْمِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ
كُلُّهُ فَأَعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

کروں۔ اور جہنم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو میرے عذاب کی مظہر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزا دوں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھردے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رتبے میں رہے گی۔ اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ﴿هَلْ مِنْ عِزِّدِكَ﴾ (ق: ۳۰) کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی۔ قَطُّ قَطُّ، وَعِزَّتِكَ (بس، تیری عزت و جلال کی قسم)۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ما جاء في قوله تعالى إن رحمت الله قريب من المحسنين، وتفسير سورة

ق۔ مسلم، کتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء)

۱۔ یعنی عقرب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرہ عرب اسلام کے زیر نگیں آگیا۔

سورہ یوسف کی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں
اور بارہ رکوع ہیں۔

سُورَةُ يُوسُفَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. الز، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

۲. یقیناً ہم نے اس کو قرآن عربی نازل فرمایا ہے کہ تم
سمجھ سکو۔^(۱)

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

۳. ہم آپ کے سامنے بہترین بیان^(۲) پیش کرتے ہیں
اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے
ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں
میں سے تھے۔^(۳)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا
اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْءَانَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ
لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ

۱. آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد، لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ کتاب
اس زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ سکیں اس لیے ہر آسمانی کتاب اسی قومی زبان میں نازل ہوئی، جس قومی ہدایت کے لیے
وہ اتاری گئی تھی۔ قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے، اس لیے قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ علاوہ
انہیں عربی زبان اپنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اور ادائے معانی کے لحاظ سے دنیا کی بہترین زبان ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ
نے اس اشرف الکتاب (قرآن مجید) کو اشرف اللغات (عربی) میں اشرف الرسل (حضرت محمد ﷺ) پر اشرف الملائکہ
(جبریل علیہ السلام) کے ذریعے سے نازل فرمایا اور مکہ، جہاں اس کا آغاز ہوا، دنیا کا اشرف ترین مقام ہے اور جس مہینے میں
اس کے نزول کی ابتداء ہوئی وہ بھی اشرف ترین مہینہ رمضان ہے۔

۲. قصص، یہ مصدر ہے، معنی ہیں کسی چیز کے پیچھے لگنا، مطلب دلچسپ واقعہ ہے۔ قصہ، محض کہانی یا طبع زاد افسانے
کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ ماضی میں گزر جانے والے واقعے کے بیان کو (یعنی اس کے پیچھے لگنے کو) قصہ کہا جاتا ہے۔ یہ
گویا اخبار ماضیہ کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعے میں حسد و عناد کا انجام، تائید الہی کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ
کی شورشیں اور سرکشوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض و حوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور بڑے عبرت انگیز پہلو ہیں اس
لیے اسے قرآن نے احسن القصص (بہترین بیان) سے تعبیر کیا ہے۔

۳. قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خبر
قرار نہ دیتا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ پر وحی کے ذریعے سے ہی یہ سچا
واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نہ کسی کے شاگرد تھے، نہ کسی استاد سے سیکھ کر بیان فرما دیتے، نہ کسی اور سے ہی ایسا تعلق
تھا کہ جس سے سن کر تاریخ کا یہ واقعہ اپنے اہم جزئیات کے ساتھ آپ نشر کر دیتے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے
ذریعے سے آپ پر نازل فرمایا ہے جیسا کہ اس مقام پر صراحت کی گئی ہے۔

۴۔ جب کہ یوسف (علیہ السلام) ^(۱) نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جان میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو ^(۲) دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

۵. یعقوب (علیہ السلام) نے کہا پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں، شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔^(۴)

۶. اور اسی طرح^(۵) تجھے تیرا پروردگار برکزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا^(۶) اور

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ
عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي
سَاجِدِينَ ﴿٥﴾

قَالَ يَبْنَىٰ لَا تَقْصُصْ رُيَاكَ عَلَىٰ زَوْجَتِكَ
فَيَكِيدُوكَ كَيْدَ إِبْلِيسَ الشَّيْطَانِ الْإِنْسَانِ
عَدُوٍّ مُّبِينٍ ﴿٥﴾

وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْآيَاتِ وَيُؤَيِّدُ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ

۱۔ یعنی اے محمد! (ﷺ) اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ باپ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے، «الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ»- (مسند احمد - جلد : ۲ ، ص : ۹۶)

۲۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند سورج سے مراد ماں اور باپ ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، جیسا کہ یہ تفصیل سورت کے آخر میں آئے گی۔

۳. حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگالیا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہوگا، اس لیے انہیں اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں، بنا بریں انہوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا۔

۴۔ یہ بھائیوں کے مکر و فریب کی وجہ بیان فرمادی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اس لیے وہ انسانوں کو بہکانے، گمراہ کرنے اور انہیں حسد و بغض میں مبتلا کرنے میں ہر وقت کوشاں اور تباہ کاریوں میں رہتا ہے۔ چنانچہ یہ شیطان کے لیے بڑا اچھا موقع تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ بھڑکا دے۔ جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

۵۔ یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نہایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے چن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے بزرگیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ تَأْوِيلُ الْأَحَادِيثِ کے اصل معنی باتوں کی تہہ تک پہنچنا ہے۔ یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔

۶۔ اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ ماوہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام نوازے گئے۔

إِبْرَاهِيمَ وَاسْتَقَىٰ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

یعقوب (علیہ السلام) کے گھر والوں کو بھی،^(۱) جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اور پردادا یعنی ابراہیم واسحاق (علیہما السلام) کو بھی بھرپور اپنی نعمت دی، یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلِّسَّالِينَ ۝

۷۔ یقیناً یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لیے (بڑی) نشانیاں^(۲) ہیں۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَخُوهُ أَحِبُّ إِلَيَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَعَصَيْتُ وَتَوَلَّوْا مِنِّي فَأَكْفِكُمْ كَيْدَ الْمُنَافِقِينَ ۝

۸۔ جب کہ انہوں نے کہا کہ یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی^(۳) بہ نسبت ہمارے، باپ کو بہت زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت^(۴) ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں۔^(۵)

إِذْ قُلْنَا لِيُوسُفَ أَوِطْ حُجْرَكَ وَأَرْضًا حَصَنَةً لَّكَ وَمِصْرُكَ أَيْمُكُمُ وَتَوَلَّوْا مِنِّي بَعْدِي فَمَا مَصْلِحُ حِينٍ ۝

۹۔ یوسف (علیہ السلام) کو تو مار ہی ڈالو یا اسے کسی (نامعلوم) جگہ پھینک دو کہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیک ہو جانا۔^(۶)

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْهَ فِي غَيْبَتِ الْحَبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ

۱۰۔ ان میں سے ایک نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں^(۷) (کی تہ) میں ڈال آؤ

۱۔ اس سے مراد حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الہی کے مستحق بنے۔
۲۔ یعنی اس قفسے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

۳۔ ”اس کا بھائی“ سے مراد بنیامین ہے۔

۴۔ یعنی ہم دس بھائی طاقتور جماعت اور اکثریت میں ہیں، جب کہ یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین (جن کی ماں یامائیں الگ تھیں) صرف دو ہیں، اس کے باوجود باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

۵۔ یہاں ضلال سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت میں صادر ہوئی۔

۶۔ اس سے مراد تابہ ہو جانا ہے یعنی کنوئیں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔

۷۔ جب کنوئیں کو اور غیابۃً اس کی تہ اور گہرائی کو کہتے ہیں۔ کنواں ویسے بھی گہرا ہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنوئیں کی گہرائی کا بھی ذکر کیا تو گویا مبالغے کا اظہار کیا۔

فَعَلِيْنَ ۝

کہ اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھالے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔^(۱)

۱۱. انہوں نے کہا ابا! آخر آپ یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔^(۲)

۱۲. کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب کھائے پیے اور کھیلے،^(۳) اس کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں۔

۱۳. (یعقوب علیہ السلام نے) کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھکا لگا رہے گا کہ تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے۔

۱۴. انہوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (زور آور) جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل نکتے ہی ہوئے۔^(۴)

۱۵. پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا

قَالُوا يَا أَبَا نَامَ لَكَ لَا تَأْمَنْ عَلَى يُونُسَ وَإِنَّكَ لَكَلِصُونَ ۝

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَزِيدَ مِنَّا عَجَبًا وَيَعْلَمَ بِمَا لَكَ لَكْفُظُونَ ۝

قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنَّ ذُنُوبِي وَإِنَّكَ أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ۝

قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا أَكْأَادُ الْخٰسِرُونَ ۝

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَن يُجْعَلُوهُ فِي

۱. یعنی آنے جانے والے نووارد مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنویں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنویں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے ازراہ شفقت پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعتاً ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔ بھائیوں کی آتش حسد اتنی بھڑکی ہوئی تھی کہ یہ تجویز بھی اس نے ڈرتے ڈرتے ہی پیش کی کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو یہ کام اس طرح کرلو۔

۲. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہوگی اور باپ نے انکار کر دیا ہوگا۔

۳. کھیل اور تفریح کا رجحان، انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں شرعی مباحث نہ ہو یا محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔ کیوں کہ کھلے میدانوں اور صحراؤں میں وہاں بھیڑیے عام تھے۔

۴. یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو کھا جائے۔

عَلَيْتِ الْجُبَّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَهُمْ بِأَمْرِهِمْ
هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵﴾

وَجَاءَ وَآبَاؤُهُمْ عِشَاءً بَيَّكُونُ ﴿۱۶﴾

کہ اسے غیر آباد گھرے کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں، ہم نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وقت آ رہا ہے کہ) تو انہیں اس ماجرا کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں۔^(۱)

۱۶۔ اور عشاء کے وقت (وہ سب) اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے۔

قَالُوا يَا أَبَانَا أَذْهَبْنَا نَسْتَفِئُكَ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ
عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ
لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا پس اسے بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے، گو ہم بالکل سچے ہی ہوں۔^(۲)

وَجَاءَ عَلَى قَبْضِيصٍ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ
سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَاصْبِرُوا جِبِلاً وَاللَّهُ
الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور یوسف (علیہ السلام) کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے، باپ نے کہا یوں نہیں، بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے۔ پس صبر ہی بہتر ہے،^(۳) اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے

۱۔ قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انہوں نے یوسف (علیہ السلام) کو کنوئیں میں پھینک دیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی تسلی اور حوصلے کے لیے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی بھیک مانگتے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انہیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا، جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس وقت اگرچہ بچے تھے، لیکن جو بچے، نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آجاتی ہے جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ وغیرہم علیہم السلام پر آئی۔

۲۔ یعنی اگر ہم آپ کے نزدیک ثقہ اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متہم اور مشکوک افراد کی سی ہے، اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کریں گے؟

۳۔ کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف (علیہ السلام) کی قمیص خون میں لت پت کر لی اور یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف (علیہ السلام) کو کھاتا تو قمیص کو بھی تو پھٹتا تھا، قمیص ثناب کی ثناب ہی تھی، جس کو دیکھ کر، علاوہ ازیں حضرت یوسف (علیہ السلام) کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم

مدد کی طلب ہے۔^(۱)

۱۹. اور ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا، کہنے لگا واہ واہ خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے،^(۲) انہوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا دیا^(۳) اور اللہ تعالیٰ اس سے

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوًا
قَالَ يَسْرِى هَذَا غُلَامٌ ۚ وَسَرُّوهُ بِضَاعَةً
وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

بیان کر رہے ہو، بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنائی ہے۔ تاہم چونکہ، جو ہونا تھا، ہو چکا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سہارا نہ تھا۔

۱. منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انہوں نے بھی نبی ﷺ کے افہام و ارشاد کے جواب میں فرمایا تھا وَاللَّهِ لَا أَجِدُ لِي وَلَا لَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ ﴿قَصَصٌ جَبِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ یوسف) ”اللہ کی قسم میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انہوں نے فصیح جمیل کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا“ یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

۲. وارد، اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلہ کے لیے پانی وغیرہ کا انتظام کرنے کی غرض سے قافلہ کے آگے آگے چلتا ہے۔ تاکہ مناسب جگہ دیکھ کر قافلہ کو ٹھہرایا جاسکے۔ یہ وارد (قافلہ کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی، وارد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔

۳. بِضَاعَةً، سامان تجارت کو کہتے ہیں اَسْرُوہ کا فاعل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپانے والا کون ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے برادران یوسف علیہ السلام کو فاعل قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف علیہ السلام بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے، تاہم انہوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انہیں فروختی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا۔ چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ ان کے برخلاف امام شوکانی نے اَسْرُوہ کا فاعل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس ”سامان تجارت“ میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انہوں نے جاکر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے سپرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جاکر بیچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپالیا کہ کنیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آسکیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پایا جانا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ کنیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھیلنے کودتے آگرا ہے۔

باخبر تھا جو وہ کر رہے تھے۔^(۱)

۲۰. اور انہوں^(۲) نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا، وہ تو یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے۔^(۳)

۲۱. اور مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنے بیوی^(۴) سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں، یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف (علیہ السلام) کا قدم جمادیا،^(۵) کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھادیں۔ اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔

۲۲. اور جب (یوسف علیہ السلام) چنگلی کی عمر کو پہنچ گئے ہم

وَسَرَّوْهُ بِمَنْ بَيْعُ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَلَيَّ أَنْ يَبْتَغِيَ غَاوٍ وَنَجِدَا لَهُ وَلَدًا ۖ وَكَذَلِكَ مَكَانَ الْيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَلَبَّابِلَهُ اشْدَدُّ اكْتِنًا حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ

۱. یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، اللہ کو اس کا علم تھا۔ لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الہی بروئے کار آئے۔ علاوہ ازیں اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتا رہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پہنچا رہے ہیں اور میں انہیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں۔ لیکن میں اسی طرح انہیں مہلت دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف علیہ السلام کو مہلت دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جا بٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز و لاچار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اے پیغمبر! ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارہ ابرو اور جنبش لب کے منتظر ہوں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آ پہنچا۔

۲. بھائیوں یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیچا۔

۳. کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے، اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو، اس کی صحیح قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

۴. کہا جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا، اور یہ عزیز مصر، جس نے یوسف علیہ السلام کو خریدا، اس کا وزیر خزانہ تھا، اس کی بیوی کانام بعض نے راعیل اور بعض نے زلیخا بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

۵. یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔

يَحْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا،^(۱) ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

۲۳. اور اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف (علیہ السلام) تھے، یوسف (علیہ السلام) کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آ جاؤ۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔^(۲)

۲۴. اور اس عورت نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف کا قصد کیا اور یوسف (علیہ السلام) اس^(۳) کا قصد کرتے اگر وہ اپنے

وَرَاوَدَتْهُ الْفَاحِشَةُ يَتَّهَمَنَّ نَفْسَهُ وَغَلَقَتِ
الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ
إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَأْيَهَا
رَبُّهُ كَانَ لَكِ لِنَصْرَفَ عَنْهُ الشُّؤْمُ وَالْفَحْشَاءُ

۱. یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی دانائی اور قوت فیصلہ۔

۲. یہاں سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی، جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف (علیہ السلام) کو اکرام و احترام کے ساتھ رکھے، وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور انہیں دعوت گناہ دینے لگی، جسے حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ٹھکرا دیا۔

۳. بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ﴿لَوْلَا أَنَّ رَأْيَهَا رَبُّهُ﴾ کا تعلق ماقبل یعنی ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ سے نہیں بلکہ اس کا جواب مخدوف ہے یعنی ”لَوْلَا أَنَّ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ لَفَعَلَ مَا هَمَّ بِهِ“ ترجمہ یہ ہو گا کہ اگر یوسف (علیہ السلام) اللہ کی دلیل نہ دیکھتے تو جس چیز کا قصد کیا تھا وہ کر گزرتے۔ یہ ترجمہ اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے لَوْلَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یوسف (علیہ السلام) نے قصد ہی نہیں کیا، ان مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کیا ہے کہ قصد تو یوسف (علیہ السلام) نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا بلکہ عزیز مصر کی بیوی کی ترغیب اور دباؤ اس میں شامل تھا۔ دوسرا یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے (فتح القدیر، ابن کثیر) مگر محققین اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ یوسف (علیہ السلام) بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے ہوتے۔ یعنی انہوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی۔ اس لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا۔ بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی پکار اٹھے ﴿مَعَاذَ اللَّهِ﴾ اِخ، البتہ قصد نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ نفس میں ہیجان اور تحریک ہی پیدا نہیں ہوئی۔ ہیجان اور تحریک پیدا ہو جانا الگ بات ہے۔ اور قصد کر لینا الگ بات ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر سرے سے ہیجان اور تحریک پیدا نہ ہوتو ایسے شخص کا گناہ سے بچ جانا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو تب ہی ہے کہ نفس کے اندر داعیہ اور تحریک پیدا ہو اور پھر انسان اس پر کنٹرول کرے اور گناہ سے بچ جائے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اسی کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝

پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے،^(۱) یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔^(۲) بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

۲۵. اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے^(۳) اور اس عورت نے یوسف (علیہ السلام) کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا، تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی دردناک سزا دی جائے۔^(۴)

۲۶. یوسف (علیہ السلام) نے کہا یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی،^(۵) اور عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی دی^(۶) کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی

وَأَسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ
وَأَلْفَيْتَا سَيْدَهَا لَكَا الْبَابَ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ
أَرَادَ يَأْهُمُكَ سُوًّا إِلَّا أَنْ يُسَجِّنَ أَوْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۝

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ
مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ
فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

۱. یہاں پہلی تفسیر کی بناء پر کو لا کا جواب مخدوف ہے، لَفَعَلَ مَا هَمَّ بِهِ، یعنی اگر یوسف (علیہ السلام) رب کی برہان نہ دیکھتے تو جو قصد کیا تھا، کر گزرتے۔ یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔

۲. یعنی جس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو برہان دکھا کر، برائی یا اس کے ارادے سے بچالیا، اسی طرح ہم نے اسے ہر معاملے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

۳. جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے، تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف (علیہ السلام) کے پیچھے انہیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔

۴. یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود معصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف (علیہ السلام) کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی۔ حالانکہ صورت حال اس کے برعکس تھی، مجرم خود تھی جب کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) بالکل بے گناہ اور اس برائی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں تھے۔

۵. حضرت یوسف (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور کہا کہ مجھے برائی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

۶. یہ انہی کے خاندان کا کوئی سمجھ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، کیونکہ

ہے اور یوسف (علیہ السلام) جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔

۲۷. اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو

عورت جھوٹی ہے اور یوسف (علیہ السلام) سچوں میں سے ہے۔

۲۸. خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف (علیہ السلام) کا کرتا پیٹھ

کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم

عورتوں کی چال بازی ہے، بیشک تمہاری چال بازی بہت

بڑی ہے۔^(۱)

۲۹. یوسف (علیہ السلام) اب اس بات کو آتی جاتی کرو^(۲) اور

(اے عورت) تو اپنے گناہ سے توبہ کر، بیشک تو گناہ گاروں

میں سے ہے۔^(۳)

۳۰. اور شہر کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا کہ عزیز کی

بیوی اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے

بہلانے پھیلانے میں لگی رہتی ہے، اس کے دل میں

یوسف (علیہ السلام) کی محبت بیٹھ گئی ہے، ہمارے خیال میں

تو وہ صریح گمراہی میں ہے۔^(۴)

وَإِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مِنْ دُيْرٍ فَكَذَّابٌ

وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

فَلَمَّا رَأَى قَبِيضَهُ قَدْ مِنْ دُيْرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ

كِبِدِي كُنْ لِي كَيْدٌ كُنْ عَظِيمٌ ۝

يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ

لِإِنَّكَ أَنْتَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ

تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا

إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ شیرخوار بچے کی شہادت والی بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ صحیحین میں تین شیرخوار

بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے جن میں یہ چوتھا نہیں ہے جس کا ذکر اس مقام پر کیا جاتا ہے۔

۱. یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ یہ نہ اللہ کا قول ہے اور نہ ہر

عورت کے بارے میں صحیح۔ اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر عورت کو مکرو فریب کا پتلا باور کرنا،

قرآن کا ہرگز منشا نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے عورت کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

۲. یعنی اس کا چرچا مت کرو۔

۳. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پاک دامنی واضح ہو گئی تھی۔

۴. جس طرح خوشبو کو پردوں سے چھپایا نہیں جاسکتا، عشق و محبت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ گو عزیز مصر نے حضرت یوسف

(علیہ السلام) کو اسے نظر انداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ کی زبان مبارک پر اس کا کبھی ذکر بھی نہیں آیا ہوگا، اس کے باوجود

یہ واقعہ جگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور زنان مصر میں اس کا چرچا عام ہو گیا، عورتیں تعجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی

تھا تو کسی پیکر حسن و جمال سے کیا جاتا، یہ کیا اپنے ہی غلام پر زلیخا فریفتہ ہو گئی، یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝

۳۱. اس نے جب ان کی یہ پر فریب باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا^(۱) اور ان کے لیے ایک مجلس مرتب کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی۔^(۲) اور کہا اے یوسف! (عَلَيْهَا) ان کے سامنے چلے آؤ،^(۳) ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے،^(۴) اور زبان سے نکل گیا کہ حاش للہ! یہ انسان تو ہرگز نہیں، یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔^(۵)

۳۲. اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا، یہی ہیں جن کے

قَالَتْ ذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَنِي فِيهِ وَاقْدِرُوا دُونَهُ

۱. زمان مصر کی غائبانہ باتوں اور طعن و ملامت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خفیہ تدبیر) میں کامیاب ہو گئیں اور امر آة العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفتہ ہوئی ہوں، محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انہونی بات نہیں، ان عورتوں کی عیافت کا اہتمام کیا اور انہیں دعوت طعام دی۔

۲. یعنی ایسی نشست گاہیں بنائیں جن میں تکیے لگے ہوئے تھے، جیسا کہ آج کل بھی عربوں میں ایسی فرش نشست گاہیں عام ہیں حتیٰ کہ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

۳. یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے چھپائے رکھا، جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں تو امر آة العزیز (زیلخا) نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

۴. یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلال شان کا اعتراف کیا اور دوسرا ان پر بے خودی و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھریاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلا لیں، جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آلودہ ہو گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب الإسراء)

۵. اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے شکل و صورت میں انسان سے بہتر یا افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کو تو انسانوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں صراحت کی ہے کہ ہم نے اسے احسن تقویم (بہترین انداز) میں پیدا کیا ہے۔ ان عورتوں نے بشریت کی نفی محض اس لیے کی کہ انہوں نے حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر دیکھا تھا جو انسانی شکل میں کبھی ان کی نظروں سے نہیں گزرا تھا اور انہوں نے فرشتہ اس لیے قرار دیا کہ عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ فرشتے ذات و صفات کے لحاظ سے ایسی شکل رکھتے ہیں جو انسانی شکل سے بالاتر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کی غیر معمولی خصوصیات و امتیازات کی بناء پر انہیں انسانیت سے نکال کر نورانی مخلوق قرار دینا، ہر دور کے ایسے لوگوں کا شیوہ رہا ہے جو نبوت اور اس کے مقام سے نا آشنا ہوتے ہیں۔

بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں،^(۱) میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا، اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت ہو گا۔^(۲)

۳۳. یوسف (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلارہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے، اگر تو نے ان کا مکرو فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں جا ملوں گا۔^(۳)

۳۴. اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیے، یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۳۵. پھر ان تمام نشانوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف (علیہ السلام) کو کچھ مدت کے لیے قید خانے میں رکھیں۔^(۴)

عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرُهُ لَيَسْجُنَنَّ وَلَيَكُونَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُمْ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ثُمَّ بَدَأَ يَهْزِمَنَّ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لِيَسْجُنَنَّهُ فَحُبِّ ۝

۱. جب امر آئے عزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف (علیہ السلام) کے جلوہ حسن آراء سے مبہوت و مدہوش ہو گئیں تو کہنے لگی، کہ اس کی ایک جھلک سے تمہارا یہ حال ہو گیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کرو گی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔

۲. عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم و حیا کے سارے حجاب دور کر کے اس نے اپنے برے ارادے کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا۔

۳. حضرت یوسف (علیہ السلام) نے یہ دعا اپنے دل میں کی۔ اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک ہتھیار ہے۔ حدیث میں آتا ہے، سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیمت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایک ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حامل ہو۔ لیکن وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو ”اللہ سے ڈرتا ہوں۔“ (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوة

وفضل المساجد ومسلم، کتاب الزکوۃ باب فضل إخفاء الصدقة)

۴. عفت و پاک دامن و واضح ہو جانے کے باوجود یوسف (علیہ السلام) کو حوالہ زندان کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر

۳۶۔ اور اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔^(۱)

۳۷۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے،^(۲) میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔^(۳)

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَبَنَّنَ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبَأُوا بِهِمَا إِذَا كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا نَبَأَكُمَا بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ فَبِأَنبَاءِ اللَّهِ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ ۖ وَاللَّهُ وَهْمٌ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَاذِبُونَ ۝

ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا ہو گا تاکہ وہ دوبارہ یوسف (علیہ السلام) کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

۱۔ یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان باکی تھا۔ کسی حرکت پر دونوں کو پس دیوار زنداں کر دیا گیا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) اللہ کے پیغمبر تھے، دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت تقویٰ و راست بازی اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے جیل میں دیگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو قدرتی طور پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کی طرف انہوں نے رجوع کیا اور کہا ہمیں آپ محسنین میں سے نظر آتے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محسن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کیے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔

۲۔ یعنی میں جو تعبیر بتلاؤں گا، وہ کائناتوں اور نجومیوں کی طرح ظن و تخمین پر مبنی نہیں ہوگی، جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہوگی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے، جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔

۳۔ یہ الہام اور علم الہی (جن سے آپ کو نوازا گیا) کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہوئے۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي لِكَيْهِمْ وَاَسْتَفْتَى
وَيَعْقُوبُ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ
ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

يُصَٰحِبِي السَّجْنَاءُ أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ
اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٧﴾

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّحْتُمُوهَا
أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ
إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ
ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

۳۸۔ اور میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم و اسحاق اور یعقوب (علیہ السلام) کے دین کا، (۱) ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں، (۲) ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔

۳۹۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! (۳) کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ (۴) یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟

۴۰۔ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، (۵) فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے (۶) لیکن اکثر لوگ

۱۔ اجداد کو بھی آباء کہا، اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں۔ پھر ترتیب میں بھی جد اعلیٰ (ابراہیم علیہ السلام) پھر جد اقرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔ یعنی پہلے، پہلی اصل، پھر دوسری اصل اور پھر تیسری اصل بیان کی۔

۲۔ وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔

۳۔ قید خانے کے ساتھی، اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آ رہے تھے۔

۴۔ تفرق ذوات، صفات اور عدد کے لحاظ سے ہے۔ یعنی وہ رب، جو ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفرق، صفات میں ایک دوسرے سے مختلف..... اور تعداد میں باہم متفانی ہیں۔ وہ بہتر ہیں یا وہ اللہ، جو اپنی ذات و صفات میں متفرد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟

۵۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا نام معبود تم نے خود ہی رکھ لیا ہے، درآن حالیکہ وہ معبود ہیں نہ ان کی بابت کوئی دلیل اللہ نے اتاری ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں، مثلاً خواجہ غریب نواز، گنج بخش، کرنی والا، کرماں والا وغیرہ یہ سب تمہارے خود ساختہ ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔

۶۔ یہی دین، جس کی طرف میں تمہیں بلارہا ہوں، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

نہیں جانتے۔^(۱)

۴۱۔ اے میرے قید خانے کے رفیقو! ^(۲) تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا، ^(۳) لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوح نوح کھائیں گے، ^(۴) تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔^(۵)

۴۲۔ اور جس کی نسبت یوسف (علیہ السلام) کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلادیا اور یوسف (علیہ السلام) نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے۔^(۶)

۴۳۔ اور بادشاہ نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی فرہہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر

يَصَاحِبِي السَّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصَدَّبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ۝

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنَسَّ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السَّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ وَسَبْعَ سُودَاتٍ خُضِرَ

۱۔ جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنَّهُمْ بِآلِهَتِهِمْ أَثَرَةٌ﴾ (یوسف: ۱۰۲) (ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں)۔ اور فرمایا ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) (اے پیغمبر تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔

۲۔ توحید کا وعظ کرنے کے بعد اب حضرت یوسف (علیہ السلام) ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرما رہے ہیں۔

۳۔ یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی تاکہ مرنے والا پہلے ہی غم و حزن میں مبتلا نہ ہو جائے۔

۴۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے سر پر خواب میں روٹیاں اٹھائے دیکھا تھا۔

۵۔ یعنی تقدیر الہی میں پہلے سے یہ بات ثبت ہے اور جو تعبیر میں بتلائی ہے، لاحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”خواب، جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب اس کی تعبیر کردی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔“ (مسند أحمد، بحوالہ ابن کثیر)

۶۔ بَضْعُ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منہ کا قول ہے۔ حضرت ایوب (علیہ السلام) آزمائش میں اور یوسف (علیہ السلام) قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ اعلم۔

وَأَخْرَجْنَاهُ مِنْهَا فَتَوَلَّى فِي رُؤْيَايَ
إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٣٥﴾

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ
بِعِلْمِينَ ﴿٣٦﴾

وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمُهَا إِذْ كُنَّا بَعْدَ أَمْرِ آتَا
أُنْبِيئَكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَنْسِلُونِ ﴿٣٧﴾

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ
سَبَّانَ يُأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عَجَافٍ وَسَبْعِ سُبُلَاتٍ
خُضْرٍ وَأَخْرَجْنَاهُ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

قَالَ رَزَعُونَن سَبْعَ سِنِينَ دَأْبًا فَمَا حَصَدْتُمْ
فَذَرَوْهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٣٩﴾

دہلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری ہری
اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس
خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔
۳۴۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑاتے پریشان
خواب ہیں اور ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر
جاننے والے ہم نہیں۔^(۱)

۳۵۔ اور ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا اسے مدت
کے بعد یاد آگیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر
بتلا دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔^(۲)

۳۶۔ اے بہت بڑے سچے یوسف! (علیہ السلام) آپ ہمیں اس
خواب کی تعبیر بتلائیے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں
جنہیں سات دہلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل
سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بھی بالکل خشک
ہیں، تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ
سب جان لیں۔

۳۷۔ یوسف (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ تم سات سال تک
پے درپے لگاتار حسب عادت غلہ بویا کرنا، اور فصل کاٹ

۱۔ اَضْغَاثُ ضِعْثُ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گٹھے کے ہیں۔ اَحْلَامٌ حِلْمٌ (بمعنی خواب) کی جمع ہے۔ اضغاث
احلام کے معنی ہوں گے خواب ہائے پریشان، یا خیالات منتشرہ، جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا، عزیز
مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس خواب کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کی رہائی عمل میں لانی تھی، چنانچہ بادشاہ کے
درباریوں، کاتبوں اور نجومیوں نے اس خواب کی تعبیر بتلانے سے عجز کا اظہار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نجومیوں کے اس
قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انہوں نے
نفی کی، انہوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

۲۔ یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا، جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا،
تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں تمہیں آکر اس کی تعبیر
بتلاتا ہوں۔ چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، اور خواب کی تفصیل بتلا کر اس کی تعبیر کی بابت پوچھا۔

کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔

۴۸. اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھاجائیں گے، جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا،^(۱) سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھتے ہو۔^(۲)

۴۹. اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسانی جائے گی اور اس میں (شیرہ انگور بھی) خوب نچوڑیں گے۔^(۳)

۵۰. اور بادشاہ نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو میرے پاس لاؤ،^(۴) جب قاصد یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا، اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصُرُونَ ﴿٤٩﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ الْيَاسِقَ إِذْ يَقُولُ بِرَأْسِهِ فَمَا جَاءَ الرُّسُلَ إِلَّا رَاجِعًا إِلَىٰ رَأْسِهِ مِمَّا بَالَ الْيَسَقُ الْيَسَقُ قَطْعُنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ دِرْيَ بَكِيدَهُنَّ عَلَيْنَا ﴿٥٠﴾

۱. حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا۔ اس لیے وہ اس خواب کی تہ تک فوراً پہنچ گئے۔ انہوں نے موٹی تازہ سات گاؤں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہوگی، اور سات دہلی پتلی گاؤں سے اس کے برعکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہوگی۔ اور پھر اس کے لیے تدبیر بھی بتلائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو، اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو تاکہ ان میں غلہ زیادہ محفوظ رہے، پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمہارے کام آئے گا جس کا ذخیرہ تم اب کرو گے۔

۲. مِمَّا تَحْصِنُونَ سے مراد وہ بچ ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔

۳. یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہوگی، جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہوگی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے، زیتون سے تیل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دوہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کیسی لطیف مناسبت حاصل ہے، جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان، ذوق سلیم اور ملکہِ راسخہ عطا فرمادے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو عطا فرمایا تھا۔

۴. مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتلائی تو وہ اس تعبیر سے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی بتلائی ہوئی تدبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگالیا کہ یہ شخص، جسے ایک عرصے سے حوالہ زنداں کیا ہوا ہے، غیر معمولی علم و فضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے ^(۱) تھے؟ ان کے حیلے کو (صحیح طور پر) جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے۔

۵۱. بادشاہ نے پوچھا اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ فریب کر کے یوسف (علیہ السلام) کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں، انہوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم نے یوسف (علیہ السلام) میں کوئی برائی نہیں پائی، ^(۲) پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات نھر آئی۔ میں نے ہی اسے ورغلیا تھا، اس کے جی سے، اور یقیناً وہ سچوں میں سے ہے۔ ^(۳)

۵۲. (یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ اس واسطے کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اسکی خیانت نہیں کی ^(۴) اور یہ بھی کہ اللہ دغا بازوں کے ہتھکنڈے چلنے

قَالَ مَا خَطْبُكُمْ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ
قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ
امْرَأَتُ الْعَزِيزِ إِنَّ هَذَا فَصَحَّصَ الْحَقَّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ
نَفْسِهِ وَاتَّهَمَ لَئِنْ الصِّدِّيقُ

ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ
لَا يَهْدِي قَوْمًا فَاسِقِينَ

۱. حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے، تو انہوں نے اس طرح محض عنایت خسروانہ سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامن کی اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے۔ کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔

۲. بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔

۳. اب امراۃ العزیز (زلیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی، اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغزش سے کوئی تعلق نہیں۔

۴. جب جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ساری تفصیل بتلائی گئی تو اسے سن کر یوسف علیہ السلام نے یہ کہا اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس جا کر انہوں نے یہ کہا اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی زلیخا کا ہی قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر متہم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں، یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی۔ امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

نہیں دیتا۔^(۱)

۵۳. اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔^(۲) بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے،^(۳) مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے،^(۴) یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔

۵۴. اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کر لوں،^(۵) پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔^(۶)

۵۵. (یوسف علیہ السلام نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے،^(۷) میں حفاظت کرنے والا اور باخبر

وَمَا أَمْرِي إِلَّا نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ
بِالسُّوءِ إِلَّا مَا جَعَلَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۳﴾

وَقَالَ الْهَلِكُ أَتُؤْمِنُ بِهِ اَسْتَخْلَصَهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا
كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أُمِينٌ ﴿۵۴﴾

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَصِيظٌ
عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾

۱. کہ وہ اپنے مکرو فریب میں ہمیشہ کامیاب ہی رہیں۔ بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ بالآخر جیت حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے، گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔

۲. اے اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو بطور کسر نفسی کے ہے، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی پاک دامنی ہر طرح سے ثابت ہو چکی تھی۔ اور اگر یہ عزیزہ مصر کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو یہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بہلانے اور پھسلانے کا اعتراف کر لیا۔

۳. یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔

۴. یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

۵. جب بادشاہ (ریان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کردار کی رفعت اور پاک دامنی بھی واضح ہو گئی، تو اس نے حکم دیا کہ انہیں میرے سامنے پیش کرو، میں انہیں اپنے لیے منتخب کرنا یعنی اپنا مصاحب اور مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔

۶. مَكِينٌ مرتبہ والا، اُمِينٌ رموز مملکت کا رازدان۔

۷. خَزَائِنٌ - خَزَانَةٌ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں، اس سے نمٹنے کے لیے مناسب انتظامات کیے جاسکیں اور غلے کی معقول مقدار بچا کر رکھی جاسکے۔ عام حالات میں اگرچہ عہدہ ومنصب کی طلب جائز نہیں ہے۔

(۱) ہوں۔

۵۶۔ اور اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا۔ کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے ہے،^(۲) ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔^(۳)

۵۷۔ اور یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔

وَكُنْ لَّكَ مَلَكًا يُّوسُفُ فِي الْأَرْضِ يَدْعُوا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْنَا نَنْصِيبُ رَحْمَةً أَمِنْ شِئْنَاهُ وَلَا نُضِيعُ
أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

وَلَا نُجْزِ الْأَجْرَ خَيْرَ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

لیکن حضرت یوسف (علیہ السلام) کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں اور ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں، تو وہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف (علیہ السلام) نے تو سرے سے عہدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا، البتہ جب بادشاہ مصر نے انہیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عہدے کی خواہش کی جس میں انہوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نمایاں دیکھا۔

۱۔ حَفِظْتُ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا، عَلِمْتُ اس کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کا بخوبی علم رکھتا ہوں۔

۲۔ یعنی ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف (علیہ السلام) کرتے، اور سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے، وہ رہتے، پورا مصر ان کے زیر نگیں تھا۔

۳۔ یہ گویا اجر تھا ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انہوں نے کیا اور اس ثابت قدمی کا جو زلیخا کی دعوت گناہ کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولوالعزمی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا، جس کی بیوی نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو ورغلانے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر، جس کا نام اطفیر تھا، فوت ہو گیا تو اس کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف (علیہ السلام) سے ہو گیا اور دو بچے بھی ہوئے، ایک کا نام افرانیم اور دوسرے کا نام میثاق تھا، افرانیم ہی یوشع بن نون اور حضرت ایوب (علیہ السلام) کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تیسرے ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں اس لیے نکاح والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عورت سے جس کردار کا مظاہرہ ہوا، اس کے ہوتے ہوئے ایک نبی کے حرم سے اس کی وابستگی، نہایت نامناسب بات لگتی ہے۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ
وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸. اور یوسف (علیہ السلام) کے بھائی آئے اور یوسف (علیہ السلام) کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اسے نہ پہچانا۔^(۱)

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِآيَةٍ لَّكُمْ مِّنْ
أَيِّكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنَّيُؤْفَى الْكَذِبُ وَأَنَّ الْكَافِرِ
الْمُذْنِبِينَ ﴿٥٩﴾

۵۹. اور جب انہیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں۔^(۲)

فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَّكُمْ عِندِي
وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾

۶۰. پس اگر تم اسے میرے پاس نہ لے کر آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پہنچنا۔^(۳)

قَالُوا سُبْحَانَ دُعَيْنَاهُ آبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾

۶۱. انہوں نے کہا اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت

۱۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر کے تمام علاقوں اور شہروں کو اپنی پیٹ میں لے لیا، حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے، جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رہائش پذیر تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے، وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آ رہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے۔ چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے، جہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ جنہیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باتیں پوچھیں تو انہوں نے جہاں اور سب کچھ بتایا، یہ بھی بتادیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے دو علاقائی بھائی (یعنی دوسری ماں سے) اور بھی ہیں، ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارات بھی خوب کرتا ہوں۔

۳۔ ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارہویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمہیں غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر مدارات کا اہتمام ہوگا۔

پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔^(۱)

۶۲. اور اپنے خدمت گاروں^(۲) سے کہا کہ ان کی پونجی انہی کی بوریوں میں رکھ دو^(۳) کہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔

۶۳. جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے ابا جان ہم سے تو غلہ کا ناپ روک لیا گیا۔^(۴) اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیے کہ ہم بیٹانہ بھر کر لائیں ہم اس کی گنبدانی کے ذمے دار ہیں۔

۶۴. (یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے تو اس کی بابت تمہارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا،^(۵) بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔^(۶)

۶۵. اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنا سرمایہ

وَقَالَ لِفَتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يُعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا خَافًا أَنَّا نَكْتَلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴿٦٣﴾

قَالَ هَلْ أُمْنِيَّتُمْ عَلَيْكُمْ إِلَّا كَمَا أُمْنِيَّتُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ فَالْتُمْ خَيْرَ خِطَفًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ

۱. یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کو لانے کے لیے پھسلائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔

۲. فِتْيَانٌ (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم و غلام ہیں جو دربار شاهی میں مامور تھے۔

۳. اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے رِحَالٌ (کجاوے) سے مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی، چپکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوا دی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آجائیں۔

۴. مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامین کے بھیجنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا۔ اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے، جس طرح اس دفعہ ملا ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے کیا تھا، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

۵. یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا، وہ سامنے ہے۔ اب میں تمہارا کس طرح اعتبار کروں؟

۶. تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی، اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے۔^(۱) دیکھتے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسد لادیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے۔^(۲) یہ ناپ تو بہت آسان ہے۔^(۳)

۶۶. یعقوب (علیہ السلام) نے کہا! میں تو اسے ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچا دو گے، سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔^(۴) جب انہوں نے پکا قول و قرار دے دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔

۶۷. اور (یعقوب علیہ السلام) نے کہا اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔^(۵) میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی

إِلَيْهِمْ قَالُوا بَلَا مَا تَبْعِيَ هَذِهِ بَضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزِدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ

قَالَ لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَأَتُنَبِّئَ بِهِ إِلَا أَنْ يُحَاطِ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ

وَقَالَ يَبْنَئِي لَأَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوْا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةً وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا

۱. یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد، کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی، اور ہمیں کیا چاہیے؟

۲. کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا، غلہ دیا جاتا تھا، بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کے بوجھ بھر غلہ مزید ملتا۔
۳. اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے ایک بار شتر غلہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، آسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے ذلک کا اشارہ اس غلے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور یَسِيرٌ بمعنی قَلِيلٌ ہے۔ یعنی جو غلہ ہم ساتھ لائے ہیں، قلیل ہے، بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے، ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔

۴. یعنی تمہیں اجتماعی مصیبت پیش آجائے یا تم سب ہلاک یا گرفتار ہو جاؤ، جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو، تو اور بات ہے، اس صورت میں تم معذور ہو گے۔

۵. جب بنیامین سیت، گیارہ بھائی مصر جانے لگے، تو یہ ہدایت دی، کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے، جو قد و قامت

يَلْبَسْ عَلَيْهِ كُوْنَهُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٥٠﴾

چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔^(۱) میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۶۸. اور جب وہ انہی راستوں سے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا، گئے۔ کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے وہ اس سے انہیں ذرا بھی بچالے، مگر یعقوب (علیہ السلام) کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) جسے اس نے پورا کر لیا،^(۲) بلاشبہ وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۳)

۶۹. اور یہ سب جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کہ میں

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهُ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَّا عَاينَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥١﴾

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥٢﴾

اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں، جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کہیں سے گزریں تو عموماً انہیں لوگ تعجب یا حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ انہیں نظر بد سے بچانے کے لیے بطور تدبیر یہ حکم دیا۔ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً: الْعَيْنُ حَقٌّ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب العين حق - وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی) اور آپ ﷺ نے نظر بد سے بچنے کے لیے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ”بَارَكَ اللَّهُ“ کہو۔ (موطأ امام مالک، باب الوضوء من العين - تعلیقات مشکوٰۃ، البانی: ۱۲۸۶) جس کی نظر لگے، اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو، (خواہ مذکور) اسی طرح ”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا خُوفَ إِلَّا بِاللَّهِ“ پڑھنا قرآن سے ثابت ہے، (کھف: ۳۹) ﴿قُلْ أَخُوذُوا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اور ﴿قُلْ أَخُوذُوا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہیے۔ (جامع ترمذی أبواب الطب، باب ماجاء فی الرقية بالمعوذتین)

۱. یعنی یہ تاکید بطور ظاہری اسباب، احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ تاہم اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضاء میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ ہوگا وہی، جو اس کی قضاء کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔

۲. یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کے جی میں جو (نظر بد لگ جانے کا) اندیشہ تھا، اس کے پیش نظر انہوں نے ایسا کہا۔

۳. یعنی یہ تدبیر وحی الہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی، اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علم پر مبنی تھا، جس سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں۔

تیرا بھائی (یوسف) ہوں، پس یہ جو کچھ کرتے رہے اس کا کچھ رنج نہ کر۔^(۱)

۷۰۔ پھر جب انہیں ان کا سامان اسباب ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا پیالہ^(۲) رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے^(۳) والو! تم لوگ تو چور ہو۔^(۴)

۷۱۔ انہوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟

۷۲۔ جواب دیا کہ شانی پیمانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔ اس وعدے کا میں ضامن ہوں۔^(۵)

۷۳۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسِرِقُونَ ﴿٧٠﴾

قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا اتَّفَقْتُمْ عَلَىٰ ۖ

قَالُوا اتَّفَقْنَا صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلَيْسَ جَاءَ بِهِمْ حِمْلٌ بَعِيرٌ وَأَنَّا رَبِّهِمْ رَعِيمٌ ﴿٧١﴾

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْتُم بِالنَّفْسِ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَرِِقِينَ ﴿٧٢﴾

۱۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ یوں بنیامین جب اکیلے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں تنہا الگ ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باتیں کیں اور انہیں پچھلی باتیں بتلا کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر رنج نہ کر اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا، اس سے بھی انہیں آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن کثیر)

۲۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ سقاہ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا، پانی پینے کے علاوہ غلہ ناپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا۔ اسے چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھ دیا گیا۔

۳۔ العیر اصلًا ان اونٹوں، گدھوں یا خیر کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد اصحاب العیر یعنی قافلے والے ہیں۔

۴۔ چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ منادی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگاہ نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ، بادشاہ کی رضامندی کے بغیر تمہارے سامان کے اندر ہے۔

۵۔ یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شانی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

چور ہیں۔^(۱)

۷۴. انہوں نے کہ اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہو؟^(۲)

۷۵. جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے وہی اس کا بدلہ ہے۔^(۳) ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔^(۴)

۷۶. پس یوسف (علیہ السلام) نے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی، اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اس پیامہ کو اپنے بھائی کے سامان (زنبیل) سے نکالا۔^(۵) ہم نے یوسف (علیہ السلام) کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔^(۶) اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا^(۷) مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو۔ ہم جس کے چاہے

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿۷۴﴾

قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۷۵﴾

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كُنَّا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَرْفَعُ دَرَجَتَ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿۷۶﴾

۱. برادران یوسف (علیہ السلام) چونکہ اس منصوبے سے بے خبر تھے جو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے تیار کیا تھا، اس لیے قسم کھا کر انہوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نفی کی۔

۲. یعنی اگر تمہارے سامان میں وہ شاہی پیالہ مل گیا تو پھر اس کی کیا سزا ہوگی؟

۳. یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شریعت میں سزا تھی، جس کے مطابق یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔

۴. یہ قول بھی برادران یوسف (علیہ السلام) ہی کا ہے بعض کے نزدیک یہ یوسف (علیہ السلام) کے مصاحبین کا قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا کلمہ کہ ”بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہ سکتے تھے“ اس قول کی نفی کرتا ہے۔

۵. پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی، آخر میں بنیامین کا سامان دیکھا تاکہ انہیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

۶. یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف (علیہ السلام) کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔ (فتح اللہ)

۷. یعنی بادشاہ کا مصر میں جو قانون اور دستور رائج تھا، اس کی رو سے بنیامین کو اس طرح روکنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اہل قافلہ سے ہی پوچھا کہ بتلاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟

درجے بلند کردیں،^(۱) ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔^(۲)

۷۷. انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔^(۳) یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔ کہا کہ تم بدتر جگہ میں ہو،^(۴) اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

۷۸. انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر! ^(۵) اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔^(۶)

قَالُوا اِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخُوهُ مِنْ قَبْلُ
فَاَسْرَهَا يُّوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّدْهَا لَهُمْ
قَالَ اَنْتُمْ شُرَكَاءُ فِي الْاَعْلَامِ بِمَا تَصِفُونَ ۝

قَالُوا يَا اَيُّهَا الْعَزِيزُ اِنَّ لَكَ اَيَّا شَيْخًا كَبِيرًا
فَخَذَ اَحَدًا مَكَانَهُ اِنَّا نُرِيكَ مِنَ
الْمُحْسِنِينَ ۝

۱. جس طرح یوسف (علیہ السلام) کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔

۲. یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔
۳. یہ انہوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا۔ کیونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین، ان کے سگے اور حقیقی بھائی نہیں تھے، علاقائی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف (علیہ السلام) کی چوری کے لیے دور از کار باتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو تو نہایت بااخلاق اور باکردار باور کرایا اور یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین کو کمزور کردار کا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے، انہیں چور اور بے ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی۔

۴. حضرت یوسف (علیہ السلام) کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔

۵. حضرت یوسف (علیہ السلام) کو عزیز مصر اس لیے کہا کہ اس وقت اصل اختیارات حضرت یوسف (علیہ السلام) ہی کے پاس تھے، بادشاہ صرف برائے نام ہی فرماں روا ہے مصر تھا۔

۶. باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے، لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامین کو چھڑانا تھا۔ ان کے ذہن میں وہی یوسف (علیہ السلام) والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامین کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامین کو بھی یوسف (علیہ السلام) کی طرح کہیں گم کر دیا۔ اس لیے یوسف (علیہ السلام) کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا
مَتَاعَنَا عِنْدَكَ إِذْ أَدْخَلْنَاهُ ۝

۷۹. یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔^(۱)

فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِمَّنْ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ
كِبَرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ آبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ
عَلَيْكُمْ مَوَاقِفًا مِّنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا قَرَّطُمُ
فِي يُوسُفَ فَلَنَ بَرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي
أَيُّ أَوْصِيكُمْ لِلَّهِ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَكِيمِينَ ۝

۸۰. جب یہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔^(۲) ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول و قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں تم کو تاہی کر چکے ہو۔ پس میں تو اس سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں^(۳) یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔^(۴)

ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَا نَانَ إِنَّكَ
سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمَنَا وَمَا كُنَّا
لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ۝

۸۱. تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جی! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے۔^(۵) اور ہم کچھ

وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامین کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیں۔

۱. یہ جواب اس لیے دیا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا اصل مقصد تو بنیامین ہی کو روکنا تھا۔

۲. کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا، ان کے لیے نہایت کٹھن مرحلہ تھا، وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ اس لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

۳. اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنا کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی، تو صاف کہہ دیا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تقشیر کر کے میری بے گناہی کا یقین نہ کر لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دیں۔

۴. اللہ میرے لیے معاملہ فیصلہ کر دے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف (علیہ السلام) (عزیز مصر) بنیامین کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامین کو تلوار یعنی طاقت کے ذریعے سے چھڑوا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔

۵. یعنی ہم نے جو عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو بحفاظت واپس لے آئیں گے، تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عہد کیا تھا،

غیب کی حفاظت کرنے والے نہ تھے۔^(۱)

۸۲. اور آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمائیں جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔^(۲)

۸۳. (يعقوب عَلَيْهِ السَّلَامُ) نے کہا یہ تو نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنائی،^(۳) پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب ہی کو میرے پاس پہنچا دے۔^(۴) بے شک وہ ہی علم و حکمت والا ہے۔

۸۴. اور پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف! (عَلَيْهِ السَّلَامُ)^(۵) ان کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی

وَسَّئِلَ الْفَرِيَّةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَاصْبِرْ جَمِيعاً عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

وَكَوْلِي عَنْهُمْ وَقَالَ يَاسْئِفَى عَلَى يُوسُفَ وَأَبِصَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝

بعد میں جو واقعہ پیش آگیا اور جس کی وجہ سے بنیامین کو ہمیں چھوڑنا پڑا، یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بدلے میں رکھ لیا جائے، تو یہ سزا ہم نے اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی، اس میں کسی قسم کی بدینتی شامل نہیں تھی۔ لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو مسروقہ کٹورا بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔

۱. یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔

۲. الْفَرِيَّة سے مراد مصر ہے، جہاں وہ غلہ لینے گئے تھے، مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح وَالْعِير سے مراد اصحاب العیر یعنی اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلہ والوں سے، جو ہمارے ساتھ آیا ہے، پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ سچ ہے، اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

۳. حضرت یعقوب عَلَيْهِ السَّلَامُ چونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعے سے انہیں حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا۔ اس لیے وہ یہی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی، اب پھر اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے بات بنائی ہے۔ بنیامین کے ساتھ انہوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو حضرت یعقوب عَلَيْهِ السَّلَامُ کے پاس نہیں تھا، تاہم یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے حضرت یعقوب عَلَيْهِ السَّلَامُ کے دل میں بجا طور پر شکوک و شبہات تھے۔

۴. اب پھر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم صبر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا، جَمِيعاً سے مراد یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ، بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

۵. یعنی اس تازہ صدمے نے یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ کی جدائی کے قدیم صدمے کو بھی تازہ کر دیا۔

تھیں^(۱) اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔

۸۵۔ بیٹوں نے کہا واللہ! آپ ہمیشہ یوسف (علیہ السلام) کی یاد ہی میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں۔^(۲)

۸۶۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں، مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہں جو تم نہیں جانتے۔^(۳)

۸۷۔ میرے پیارے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو^(۴) اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔^(۵)

۸۸. پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے^(۶)
تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو
دکھ پہنچا ہے۔ ہم حقیر پونجی لائے ہیں^(۷) پس آپ ہمیں

قَالُوا تَاللّٰهِ تَتَّقُونَا اِنَّكُمْ لَكُرُيُوسٌ حَتّٰى تَكُوْنَ
حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٥٥﴾

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَخُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ
مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾

يَبْتِىْ اَذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُسُفْ وَ اَخِيْهِ
وَلَا تَاْتُمُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ اَلْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا
وَاهِلَنَا الْفُرُوجُ وَجِئْنَا بِلُصَاةٍ مُّرْجُومَةٍ قَاوِفٍ
لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي

۱۔ یعنی آنکھوں کی سیاہی، مارے غم کے، سفیدی میں بدل گئی تھی۔

۲. حَرَضُ اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھاپے، عشق یا بے درپے صدمات کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتا ہے، یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بھڑک اٹھی، اور اپنے باپ کو یہ کہا۔

۳۔ اس سے مراد یا تو وہ خواب ہے جس کی بابت انہیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں گے یا ان کا۔ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہیں، اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔

۴۔ چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔

۵۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَنْ يَفْضَحْ مِنْ دَهْنٍ وَرَبَا إِلَى الصَّالُونَ﴾ (الحجر: ۵۲) (گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت و اسعہ کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۶. یہ تیسری مرتبہ ان کا مصر جانا ہے۔

۷۔ یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو دشمن (قیمت) لے کر آئے ہیں، وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔

الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۵﴾

پورے غلہ کا ناپ دیجیے^(۱) اور ہم پر خیرات کیجیے،^(۲) اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ
إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۶﴾

۸۹. یوسف (علیہ السلام) نے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟^(۳)

قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ
وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْكَ إِذْ أَنْتَ مَنْ
يَتَّقِي وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجَرَ
الْمُحْسِنِينَ ﴿۷﴾

۹۰. انہوں نے کہا کیا (واقعی) تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے۔^(۴) جواب دیا کہ ہاں میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔^(۵)

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَارِ

۹۱. انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر

۱. یعنی ہماری حقیر پونجی کو نہ دیکھیں، ہمیں اس کے بدلے میں پورا ناپ دیں۔

۲. یعنی ہماری حقیر پونجی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ہمارے بھائی بنیامین کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔

۳. جب انہوں نے نہایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے، ضعف اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا، جس سے یوسف (علیہ السلام) کا دل بھر آیا، آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انکشاف حال پر مجبور ہو گئے۔ تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرمادیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔

۴. بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف (علیہ السلام) کا تذکرہ سنا، جسے انہوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا، تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام بادشاہ، یوسف (علیہ السلام) ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف (علیہ السلام) کے قصے کا اسے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف (علیہ السلام) ہی تو نہیں؟

۵. سوال کے جواب میں اقرار و اعتراف کے ساتھ، اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر و تقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلادیا کہ تم نے تو مجھے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی، بلکہ مصر کی فرماں روا کی بھی عطا فرمادی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

كُلَّ الْخَطِيئِينَ ﴿٩١﴾

برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔^(۱)

۹۲. جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔^(۲) اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔

۹۳. میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگ جائیں^(۳) اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔^(۴)

۹۴. اور جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے سٹھپایا ہوا قرار نہ دو۔^(۵)

۹۵. وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ اپنے اسی پرانے خطبہ^(۶) میں مبتلا ہیں۔

قَالَ لَا تَذَرُنِي عَلَىٰ يَدَيْكَ الْيَوْمَ بِغَيْرِ اللَّهِ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾

إِذْ هَبُوا بَقِيصَ هَذَا فَالْفَوْهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُوْنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

وَلَمَّا فَصَلَ الْغَيْرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن نَّفَعْتُنَّوْنَ ﴿٩٤﴾

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾

۱. بھائیوں نے جب یوسف (علیہ السلام) کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔

۲. حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بھی پیغمبرانہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرمادیا کہ جو ہوا، سو ہوا۔ آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو، جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں، یہی الفاظ ارشاد فرما کر انہیں معاف فرمادیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳. قمیص کے چہرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا، ایک اعجاز اور کرامت کے طور پر تھا۔

۴. یہ یوسف (علیہ السلام) نے اپنے پورے خاندان کو مصر آنے کی دعوت دی۔

۵. ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو آنے لگ گئی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے، پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، چاہے بیٹا اپنے شہر کے کسی کنویں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ انتظام فرمادے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوشبو آجاتی ہے۔

۶. ضَلَّالٌ سے مراد، والہانہ محبت کی وہ وارفتگی ہے جو حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو اپنے بیٹے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسف (علیہ السلام) کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسف (علیہ السلام) کی محبت دل سے نہیں گئی۔

۹۶. جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا تو اسی وقت وہ پھر سے بیٹا ہو گئے۔^(۱) کہا! کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔^(۲)

۹۷. انہوں نے کہا اباجی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجیے بیشک ہم قصور وار ہیں۔

۹۸. کہا اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا،^(۳) وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

۹۹. جب یہ سارا گھرانہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچ گیا تو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی^(۴) اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ۔

۱۰۰. اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ^(۵) کو اونچا بٹھایا اور

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ الْفُلَّهُ عَلَى وَجْهِهِ قَارَتْكَ
بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا
خَاطِئِينَ ﴿٩٧﴾

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى الْبَنُو أَبَوَيْهِ
وَقَالَ ادْخُلُوا مَعِيَ مِصْرًا شَاءَ اللَّهُ الْمُنِينَ ﴿٩٩﴾

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَوَّلَهُ سُلْجَدًا

۱. یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آگیا اور آکر وہ قمیص حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دی، تو اس سے معجزانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔

۲. کیونکہ میرے پاس ایک ذریعہ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔

۳. فی الفور مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصد یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر میں، جو اللہ کے خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ بھائیوں کی زیادتی یوسف (علیہ السلام) پر تھی۔ ان سے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے تاخیر کی اور فوراً مغفرت کی دعا نہیں کی۔

۴. یعنی عزت و احترام کے ساتھ انہیں اپنے پاس جگہ دی اور ان کا خوب اکرام کیا۔

۵. بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی خالہ تھیں کیونکہ یوسف (علیہ السلام) کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئی تھیں، حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہی خالہ اب حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے ساتھ مصر گئی تھیں (بخ اللہ) لیکن امام ابن جریر طبری نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر)

وَقَالَ يَا بَيْتَ هَذَا أَوَلَمْ يُرْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔^(۱) تب کہا کہ اباجی! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے^(۲) میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا^(۳) اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا^(۴) اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔^(۵) میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور بے شک وہ بہت علم و حکمت والا ہے۔

۱۰۱۔ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا^(۶) اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی۔^(۷) اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں

رَبِّ قَدْ أَنْبَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مَنْ تَأْوِيلُ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَهِيَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي بِالْصَّالِحِينَ ۝

۱۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب و تعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ لیکن ﴿وَحَوَّالَةَ سَجْدًا﴾ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ یعنی یہ سجدہ، سجدہ ہی کے معنی میں ہے۔ تاہم یہ سجدہ، سجدہ تعظیمی ہے سجدہ عبادت نہیں اور سجدہ تعظیمی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سدباب کے لیے سجدہ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدہ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں۔

۲۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا۔

۳۔ اللہ کے احسانات میں کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔

۴۔ مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرا کی تھی، اس لیے اسے بدوؤں سے تعبیر کیا۔

۵۔ یہ بھی اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا مورد الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کارستانی کا باعث قرار دیا۔

۶۔ یعنی ملک مصر کی فرمانروائی عطا فرمائی، جیسا کہ تفصیل گزری۔

۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص خاص باتوں کا علم انہیں عطا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا، جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گایوں کے خواب کی تعبیر پہلے گزری۔

فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔^(۱)

۱۰۲۔ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے۔^(۲)

۱۰۳۔ گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان والے نہ ہوں گے۔^(۳)

۱۰۴۔ اور آپ ان سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں۔^(۴) یہ تو تمام دنیا کے لیے نری نصیحت ہی

ذٰلِكَ مِنْ كِتٰبِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اجْتَمَعُوْا اَمْرُهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝۱۰۲

وَمَا اَنْتَ اِلَّا نَذٰرٌ لِّالنَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳

وَمَا اَنْتَ لَهُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے، انہیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرما رہے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے آباء و اجداد، حضرت ابراہیم و اسحاق علیہ السلام وغیرہ مراد ہیں۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی۔ حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے، آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔

۲۔ یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ، جب کہ انہیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں یعنی ان کو یہ کہہ کر کہ یوسف علیہ السلام کو بھیر دیا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قمیص ہے، جو خون میں لت پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو آگاہ فرما دیا۔ یہ نفی مشاہدے کی ہے کہ اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے سنا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعہ غیب کی خبر دی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ہو، سورۃ آل عمران: ۷، ۳۳، سورۃ قصص: ۳۵، ۳۶، سورۃ ص: ۶۹، ۷۰)

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں، صرف دلچسپی اور لذت کے لیے۔ اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

۴۔ کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعوائے نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔

(۱) نصیحت ہے۔

۱۰۵۔ اور آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں۔^(۲)

۱۰۶۔ اور ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔^(۳)

۱۰۷۔ کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ بے خبر ہی ہوں۔

۱۰۸۔ آپ کہہ دیجیے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ^(۴) اور اللہ پاک

وَكَايُنَ مِنَ الْيَسْرِ فِي السَّهْلِ وَالْأَرْضِ
يُزَوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ^(۵)

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ^(۶)

أَفَأَمُؤُونَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَلِيْبَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ
تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^(۷)

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ
أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا آتَا مِنَ الْمُرْسَلِينَ^(۸)

۱۔ تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنواریں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا قصور اور ان کی بد قسمتی ہے، قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے

گرسہ بیند بروز شپہ چشم چشمر آفتاب را چہ گناہ

۲۔ آسمان وزمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا ایسا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے اور ان میں کبھی آپس میں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں ان پر غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

۳۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان وزمین کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشرک ہیں۔ یعنی ہر دور میں لوگ توحید ربوبیت کے تو قائل رہے ہیں لیکن توحید الوہیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجا لاتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۴۔ یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ رہی ہے، اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین

ہے^(۱) اور میں مشرکوں میں نہیں۔

۱۰۹۔ اور آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔^(۲) کیا زمین میں چل پھر کر انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پر ہیز گاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کسا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟۔

۱۱۰۔ یہاں تک کہ جب رسولِ ناامید ہونے لگے ^(۴) اور وہ (قوم کے لوگ) خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا۔ ^(۵) تو فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آپہنچی

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمُ مِنَ
أَهْلِ الْقُرَىٰ إِنَّكَ لَمِنْ سَائِرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ
الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَفَلَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾

حَتَّىٰ إِذِ السَّيِّئَاتُ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا
جَاءَهُمْ نَصْرٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

اور دلائل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

۱۔ یعنی میں اس کی تزییہ و تقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، وزیر و مشیر یا اولاد اور بیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

۲۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام نبی مرد ہی ہوئے ہیں، عورتوں میں سے کسی کو نبوت کا مقام نہیں ملا، اسی طرح ان کا تعلق قریہ سے تھا، جو قصبہ دیہات اور شہر سب کو شامل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرا نشینوں) میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت نرم، دھیمی اور با اخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لئے ضروری ہیں۔

۳۔ یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان لانے کے سلسلے میں ہوئی۔

۴. قراءات کے اعتبار سے اس آیت کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن سب سے مناسب مفہوم یہ ہے کہ ظُنًّا کا فاعل قوم یعنی کفار کو قرار دیا جائے یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پہلے تو ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے، (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظر ہی آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے، اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق انہیں خوب خوب مہلت دی گئی، حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انہیں عذاب کا بول ہی جھوٹ موٹ کہہ دیا گیا ہے۔

۵۔ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مہلت کا بیان ہے جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں وہ اپنے

جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی۔^(۱) اور بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا۔

۱۱۱۔ ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے، یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لیے۔^(۲)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ
مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصَدِّقُ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ
وَهَدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

پیغمبروں کی خواہش کے برعکس بھی زیادہ سے زیادہ مہلت عطا کرتا ہے، جلدی نہیں کرتا، یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے مایوس ہو کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ان سے یوں ہی جھوٹ موٹ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسوسے کا پیدا ہو جانا ایمان کے منافی نہیں ہے۔

۱۔ یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔

۲۔ یعنی یہ قرآن، جس میں یہ قصہ یوسف علیہ السلام اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

سورہ رعد مدنی ہے اور اس میں تینتالیس آیات
اور چھ رکوع ہیں۔

سُورَةُ الرَّعْدِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اَللّٰهُ، یہ قرآن کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ کی
طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے، سب
حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

۲. اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند
کر رکھا ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پھر وہ عرش پر قرار
پکڑے ہوئے ہے ^(۱) اسی نے سورج اور چاند کو ماتحتی میں
لگا رکھا ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر گشت کر رہا ہے، ^(۲) وہی
کام کی تدبیر کرتا ہے وہ اپنے نشانات کھول کھول کر بیان

الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ
اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ
يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ

۱. استواء علی العرش کا مفہوم اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محدثین
کا یہی مسلک ہے وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الہی میں تاویل کرتے
ہیں۔ تاہم محدثین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے۔
﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱) (اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے)۔

۲. اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک وقت مقرر تک یعنی قیامت تک اللہ کے حکم سے چلتے رہیں گے، جیسا کہ فرمایا
﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ ۚ كَذَٰلِكَ تَقْدِرُ الْعُرْوَةُ الْعَالِيَةُ﴾ (یس: ۳۸) (اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔ یہ
ہے مقرر کردہ غالب، با علم اللہ تعالیٰ کا)۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ چاند اور سورج دونوں اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے
ہیں، سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں مکمل کر لیتا ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَالْقَمَرَ فَتَحَدُّ مِنْ مَّكَازِلَ﴾ (یس: ۳۹)
”ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں“۔ سات بڑے بڑے سیارے ہیں جن میں سے دو چاند اور سورج ہیں۔ یہاں صرف ان
دو کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہی دو سب سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں۔ جب یہ دونوں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو دوسرے سیارے
تو بطریق اولیٰ اس کے تابع ہوں گے۔ اور جب یہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو یہ معبود نہیں ہو سکتے، معبود تو وہی ہے جس نے ان کو
مسخر کیا ہوا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (حم السجدة: ۳۷)
(سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا، اگر تم صرف اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو)۔
﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ النُّجُومُ مَسْجُودَاتُهَا أَمْرٌ﴾ (الأعراف: ۵۴) (سورج، چاند اور تارے، سب اس کے حکم کے تابع ہیں)۔

کر رہا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو۔

۳. اور اسی نے زمین پھیلا کر بچھادی ہے اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کر دی ہیں۔^(۱) اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کر دیے ہیں،^(۲) وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

۴. اور زمین میں مختلف ٹکڑے ایک دوسرے سے لگتے لگتے ہیں^(۳) اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیت ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، شاخ دار اور بعض ایسے ہیں جو بے شاخ ہیں^(۴) سب ایک ہی پانی پلائے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں^(۵) یقیناً اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

۵. اور اگر تجھے تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے

وَهُوَ الَّذِي مَلَكَ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ
وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الْمُنْتَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ
أَتْنَيْنِ يُغْشَى الْبَيْلَ الْمُبَارَكُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۵﴾

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَبَعَاتٌ وَجُدَّتْ مِنْ أَعْدَابِ
وَرَزَقٌ وَخَيْلٌ صُنُوفٌ وَأَعْيُنُ النَّاسِ يَنْصُرُ بِهَا
وَاحِدٌ وَنَقَصَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَرْضِ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۶﴾

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذْ أَكْثَرُوا آبَاءَهُمْ

۱. زمین کے طول و عرض کا اندازہ بھی عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعے سے زمین میں گویا مینیں گاڑی ہیں، نہروں، دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں، جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔

۲. اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ نہ تو مادہ دونوں بنائے۔ جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ دوسرا مطلب (جوڑے جوڑے کا) یہ ہے کہ میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ اور سفید اور ذائقہ دار و بد ذائقہ، اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔

۳. مُتَبَعَاتٌ ایک دوسرے کے قریب اور متصل یعنی زمین کا ایک حصہ شاداب اور زرخیز ہے۔ خوب پیداوار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زمین شور ہے، جس میں کسی قسم کی بھی پیداوار نہیں ہوتی۔

۴. صُنُوفٌ کے ایک معنی ملے ہوئے اور غَیْرِ صُنُوفِ کے جدا جدا کیے گئے ہیں۔ دوسرا معنی صُنُوفٌ ایک درخت، جس کی کئی شاخیں اور تنے ہوں، جیسے انار، انجیر، اور بعض کھجوریں اور غَیْرِ صُنُوفِ جو اس طرح نہ ہو بلکہ ایک ہی تنے والا ہو۔

۵. یعنی زمین بھی ایک، پانی، ہوا بھی ایک۔ لیکن پھل اور غلہ مختلف قسم کے اور ان کے ذائقے اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

لَقَدْ خَلَقْنَا جَدِيدَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِرَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ الظَّالِمُ فِي أَعْمَالِهِمْ وَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں
ہوں گے؟ ^(۱) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار
سے کفر کیا۔ یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں
گے۔ اور یہی ہیں جو جہنم کے رہنے والے ہیں جو اس
میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ
خَلَقْنَا مِنْ قَبْلِهِمُ الْمُشْكُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو
مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَسَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

۶. اور جو تجھ سے (سزا کی طلبی میں) جلدی کر رہے
ہیں راحت سے پہلے ہی، یقیناً ان سے پہلے سزائیں (بطور
مثال) گزر چکی ہیں، ^(۲) اور بیشک تیرا رب بڑا بخشنے والا
ہے لوگوں کے بے جا ظلم پر بھی۔ ^(۳) اور یہ بھی یقینی بات
ہے کہ تیرا رب بڑی سخت سزا دینے والا بھی ہے۔ ^(۴)

۱. یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کیا، اس کے لیے دوبارہ اس چیز کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن کفار یہ عجیب بات
کہتے ہیں کہ دوبارہ ہم کیسے پیدا کیے جائیں گے؟

۲. یعنی عذاب الہی سے قوموں اور بستیوں کی تباہی کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں، اس کے باوجود یہ عذاب جلدی مانگتے ہیں؟
یہ کفار کے جواب میں کہا گیا جو کہتے تھے کہ اے پیغمبر! اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ، جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔

۳. یعنی لوگوں کے ظلم و معصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی تاخیر
کرتا ہے کہ معاملہ قیمت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کے حلم و کرم اور عفو و درگزر کا نتیجہ ہے ورنہ اگر وہ فوراً مواخذہ کرنے
اور عذاب دینے پر آجائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔ ﴿وَلَوْ يَرَوْا اِذْ يَخْذُ الْاِنْسَانُ يَمَآكُسُ وُجُوْهُهُ اِمَّا تَرْتَا عَلٰى
ظُهُرِهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ (فاطر: ۳۵) (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین
پر ایک تنفس کو نہ چھوڑتا)۔

۴. یہ اللہ کی دوسری صفت کا بیان ہے تاکہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے، اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھتا رہے۔
کیونکہ ایک ہی رخ اور ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں او جھل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں
جہاں اللہ کی صفت رحیمی و غفوری کا بیان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت قہاری و جباری کا بیان بھی ملتا ہے،
جیسا کہ یہاں بھی ہے تاکہ رجا (امید) اور خوف، دونوں پہلو سامنے رہیں، کیونکہ اگر امید ہی امید سامنے رہے تو انسان معصیت
الہی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر خوف ہی خوف ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتی ہے اور دونوں
ہی باتیں غلط اور انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاۗءِ ”ایمان خوف اور امید کے
درمیان ہے“ یعنی دونوں باتوں کے درمیان اعتدال و توازن کا نام ایمان ہے۔ انسان اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پرواہ

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

۷۔ اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نہیں اتاری گئی۔ بات یہ ہے کہ آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں^(۱) اور ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔^(۲)

۸۔ مادہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے^(۳) اور پیٹ کا گھٹنا بڑھنا بھی،^(۴) ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے۔^(۵)

۹۔ ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے (سب سے) بڑا اور (سب سے) بلند و بالا۔

۱۰۔ تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور با آواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ پر برابر و یکساں ہیں۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الرَّحَامُ وَمَا تَزِدُّوا مِنْ شَيْءٍ عِنْدَهُ يُفْقِدُ ۝

عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝

سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَنْ أَسْرَعَ الْقَوْلُ وَمَنْ جَهَّزَهُ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝

۱۔ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات و ضروریات اور اپنی مشیت و مصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے۔ لیکن کافر اپنے حسبِ مشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں۔ جیسے کفار مکہ نبی ﷺ کو کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنادیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ جب ان کی خواہش کے مطابق معجزہ صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشان (معجزہ) نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! تیرا کام صرف انداز و تبلیغ ہے۔ وہ تو کرتا رہے۔ کوئی مانے نہ مانے، اس سے تجھے کوئی غرض نہیں، اس لیے کہ ہدایت دینا ہمارا کام ہے۔ تیرا کام راستہ دکھانا ہے، اس راستے پر چلا دینا، یہ تیرا نہیں، ہمارا کام ہے۔

۲۔ یعنی ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا راستہ اپنایا یا نہیں اپنایا۔ لیکن سیدھے راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا ﴿وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (فاطر: ۲۳) (ہر امت میں ایک ڈرانے والا ضرور آیا ہے)۔

۳۔ رحمِ مادر میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، خوب صورت ہے یا بد صورت، نیک ہے یا بد، طویل العمر ہے یا قصیر العمر؟ یہ سب باتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

۴۔ اس سے مراد حمل کی مدت ہے جو عام طور پر ۹ مہینے ہوتی ہے لیکن گھٹتی بڑھتی بھی ہے، کسی وقت یہ مدت ۱۰ مہینے اور کسی وقت ۷، ۸ مہینے ہو جاتی ہے، اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

۵۔ یعنی کسی کی زندگی کتنی ہے؟ اسے رزق سے کتنا حصہ ملے گا؟ اس کا پورا اندازہ اللہ کو ہے۔

۱۱. اس کے پہرہ دار^(۱) انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔ کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔^(۲) اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں۔

۱۲. وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک ڈرانے اور امید دلانے کے لیے دکھاتا ہے^(۳) اور بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔^(۴)

۱۳. اور گرج اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی، اس کے خوف سے۔^(۵) وہی آسمان سے بجلیاں گراتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس پر ڈالتا ہے^(۶) کفار اللہ کی بابت لڑ جھگڑ رہے ہیں اور اللہ سخت قوت والا ہے۔^(۷)

۱۴. اسی کو پکارنا حق ہے۔^(۸) جو لوگ اوروں کو اس کے

لَهُ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِّنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرَ أَمْرَهُمْ وَلَٰمَّا يَأْتِ صَوْمُ ذَا الْقَرَارِ اللَّهُ يَقُومُ سَوْفَ لَا مَرَدَ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِّنْ وَّلٍ ۝۱۱

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحِجَالِ ۝۱۳

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ

۱. مُعَقَّبَاتٌ، مَعَقَّبَتِي کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آجاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔

۲. اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورہ انفال آیت ۵۳ کا حاشیہ۔

۳. جس سے راہ گیر مسافر ڈرتے ہیں اور گھروں میں مقیم کسان اور کاشت کار اس کی برکت و منفعت کی امید رکھتے ہیں۔

۴. بھاری بادلوں سے مراد، وہ بادل ہیں جن میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔

۵. جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَمَّا مَنَّ سُلَيْمَانُ عَلَىٰ الْأَمْنِيِّينَ بِحَمْدِهِ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۳) (ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے)۔

۶. یعنی اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے، ہلاک کر ڈالتا ہے۔

۷. وِجَالٌ کے معنی قوت، مواخذہ اور تدبیر وغیرہ کے کیے گئے ہیں۔ یعنی وہ بڑی قوت والا، نہایت مواخذہ کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے۔

۸. یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا اور قبول فرماتا ہے یا دعوت، عبادت کے معنی میں ہے یعنی، اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کیونکہ کائنات کا خالق، مالک اور مدبر صرف وہی ہے اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءًا إِلَّا كَالْإِسْطِ نَهْفِيهِ إِلَى
الْمَاءِ لِيَبْلُغَهُ فَاهُ وَأَمَّا هُوَ فَمَا دَعَا
الْكُفْرَ بَيْنَ الْأَرَفِ ضَلِيلٌ ۝

سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں
دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف
پھیلانے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ
وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں، ^(۱) ان منکروں کی
جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے۔ ^(۲)

۱۵. اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق
خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے
بھی صبح و شام۔ ^(۳)



وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَدَّوْرًا وَطَلْعُهُم بِالْعُدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝

۱۶. آپ پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون
ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ۔ ^(۴) کہہ دیجیے: کیا تم پھر بھی اس

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ اللّٰهُ قُلْ
اَفَاَتَّخِذُ لَكُمْ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُوْنَ

۱. یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف
اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آجا، ظاہر بات ہے کہ پانی بے شعور چیز ہے، اسے پتہ
ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ
کر رہا ہے۔ اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح
یہ مشرک، اللہ کے سوا، جن کو پکارتے ہیں، انہیں نہ یہ پتہ ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے۔
اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

۲. اور بے فائدہ بھی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔

۳. اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا بیان ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت اور اس کے
سامنے سجدہ ریز ہے، چاہے مومنوں کی طرح خوشی سے کرے یا مشرکوں کی طرح ناخوشی سے۔ اور ان کے سائے بھی صبح
و شام سجدہ کرتے ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿اَوَلَمْ يَرْوِاْ اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَتٰۤىۤا ظِلّٰلُهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمٰلِ
سَاجِدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دُخُوْرٌ﴾ (النحل: ۴۸) (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، ان کے سائے دائیں
اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں)۔ اس سجدے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ
بہتر جانتا ہے۔ یا دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کافر سمیت تمام مخلوق اللہ کے حکم کے تابع ہے، کسی میں اس سے سرتابی
کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صحت دے، بیمار کرے، غنی کر دے یا فقیر بنادے، زندگی دے یا موت سے ہمکنار کرے۔
ان نیکوین احکام میں کسی کافر کو بھی مجال انکار نہیں۔

۴. یہاں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار ہے۔ لیکن قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ مشرکین کا جواب بھی
یہی ہوتا تھا۔

لَا تَسْبِيحُهُمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمُتُ
وَالنُّورُ أَمْ جَعَلَ اللَّهُ شُرَكَاءَ خَلْقِهِ
فَتَسْتَأْذِنُ الْخَلْقَ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑤

کے سوا اوروں کو حمایتی بنارہے ہو جو خود اپنی جان کے
بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔^(۱) کہہ دیجیے کہ
کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا اندھیرے اور
روشنی برابر ہو سکتی ہے۔^(۲) کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک
ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی
ہے کہ ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو، کہہ دیجیے
کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے^(۳)
اور زبردست غالب ہے۔

۱۷۔ اسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی وسعت
کے مطابق نالے بہہ نکلے۔^(۴) پھر پانی کے ریلے نے اوپر
چڑھے جھاگ کو اٹھالیا،^(۵) اور اس چیز میں بھی جس کو
آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں زیور یا سازو سامان کے لیے

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا
وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حُلْيَةٍ
أَوْ مَتَاعٍ رَبِّكَ يُمِثِّلُهُ مُثَلًّا لِّكَ يَصْرِفُ اللَّهُ

۱۔ یعنی جب تمہیں اقرار واعتراف ہے کہ آسمان وزمین کا رب اللہ ہے جو تمام اختیارات کا بلا شرکت غیر مالک ہے
تو پھر تم اسے چھوڑ کر اہلسوں کو کیوں اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہو جو اپنی بابت بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔
۲۔ یعنی جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح موحد اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ موحد کا دل
توحید کی بصیرت سے معمور ہے، جب کہ مشرک اس سے محروم ہے۔ موحد کی آنکھیں ہیں، وہ توحید کا نور دیکھتا ہے اور
مشرک کو یہ نور توحید نظر نہیں آتا، اس لیے وہ اندھا ہے۔ اسی طرح، جس طرح اندھیرے اور روشنی برابر نہیں ہو سکتی،
ایک اللہ کا پجاری۔ جس کا دل نورانیت سے بھرا ہوا ہے۔ اور ایک مشرک۔ جو جہالت وتوہمات کے اندھیروں میں بھٹک
رہا ہے۔ برابر نہیں ہو سکتے؟

۳۔ یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ یہ کسی شے کا شکار ہو گئے ہوں بلکہ یہ مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔
۴۔ بِقَدَرِهَا (وسعت کے مطابق) کا مطلب ہے۔ نالے یعنی وادی (دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ) تنگ ہو تو کم پانی،
کثادہ ہو تو زیادہ پانی اٹھاتی ہے۔ یعنی نزول قرآن کو، جو ہدایت اور بیان کا جامع ہے، بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے۔
اس لیے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے۔ اور وادیوں کو تشبیہ دی ہے دلوں کے ساتھ۔ اس لیے کہ
وادیوں (نالوں) میں پانی جا کر ٹھہرتا ہے، جس طرح قرآن اور ایمان مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

۵۔ اس جھاگ سے، جو پانی کے اوپر آجاتا ہے اور جو مضحل اور ختم ہو جاتا ہے اور ہوائیں جسے اڑالے جاتی ہیں کفر مراد
ہے، جو جھاگ ہی کی طرح اڑ جانے والا اور ختم ہو جانے والا ہے۔

الْحَقُّ وَالْبَاطِلُ ۚ فَمَا تَرَىٰ رَبُّكَ يَذَّهَبُ
جُفَاءً ۚ وَمَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ
فِي الْأَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝

اسی طرح کے جھاگ ہیں،^(۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے،^(۲) اب جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے^(۳) لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے،^(۴) اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔^(۵)

۱۸. جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کے حکم برداری نہ کی اگر ان کے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو تو وہ سب کچھ اپنے بدلے میں دے دیں۔^(۱) یہی ہیں جن کے لیے

لَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ اُحْسِنُ وَالَّذِينَ كُفُّوا
يَسْجُدُوْا لَهُ لَوْ اَنَّ لَهُمْ فَاِى الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَهُ
مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۚ
وَمَا وُفِّىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

۱. یہ دوسری مثال ہے کہ تانبے، پیتل، سیسے یا سونے چاندی کو زیور یا سامان وغیرہ بنانے کے لیے آگ میں تپایا جاتا ہے تو اس پر بھی جھاگ آجاتا ہے۔ اس جھاگ سے مراد میل کھیل ہے جو ان دھاتوں کے اندر ہوتا ہے۔ آگ میں تپانے سے وہ جھاگ کی شکل میں اوپر آجاتا ہے۔ پھر یہ جھاگ بھی دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتا ہے اور دھات اصلی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

۲. یعنی جب حق اور باطل کا آپس میں اجتماع اور ٹکراؤ ہوتا ہے تو باطل کو اسی طرح ثبات اور دوام نہیں ہوتا، جس طرح سیلابی ریلے کا جھاگ پانی کے ساتھ، دھاتوں کا جھاگ، جن کو آگ میں تپایا جاتا ہے، دھاتوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ بلکہ مضطرب اور ختم ہو جاتا ہے۔

۳. یعنی اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا، کیوں کہ جھاگ پانی یا دھات کے ساتھ باقی رہتا ہی نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھ جاتا ہے یا ہوائیں اسے اڑالے جاتی ہیں، باطل کی مثال بھی جھاگ ہی کی طرح ہے۔

۴. یعنی پانی اور سونا چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ یہ چیزیں باقی رہتی ہیں جن سے لوگ متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق باقی رہتا ہے جس کے وجود کو بھی زوال نہیں اور جس کا نفع بھی دائمی ہے۔

۵. یعنی بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، جیسے یہاں دو مثالیں بیان فرمائیں اور اسی طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ اسی طرح سورہ نور، آیات ۳۹-۴۰ میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے مثالوں کے ذریعے سے لوگوں کو بہت سی باتیں سمجھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

۶. یہ مضمون اس سے قبل بھی دو تین جگہ گزر چکا ہے۔

برا حساب ہے^(۱) اور جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے۔

۱۹. کیا وہ ایک شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو^(۲) نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔^(۳)

۲۰. جو اللہ کے عہد (وہیمان) کو پورا کرتے ہیں^(۴) اور قول و قرار کو توڑتے نہیں۔^(۵)

۲۱. اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں^(۶) اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

۲۲. اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لیے صبر

أَمَّنْ يَعْلَمُ الْغَيْبَ مِنَ رَبِّكَ لَمَّا هُوَ آخِزٌ فِي عَمْعِ الْغَيْبِ ۚ

الَّذِينَ يُؤْتُونَ عَهْدَ اللَّهِ لَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۚ

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۚ

وَالَّذِينَ صَبَرُوا بِبُعَاثِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

۱. کیونکہ ان سے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیا جائے گا اور ان کا معاملہ مَنْ تُوقِّسَ الْحِسَابَ عَذَّبَ (جس سے حساب میں جرح کی گئی اس کا پتہ مشکل ہوگا، وہ عذاب سے دوچار ہو کر ہی رہے گا) کا آئینہ دار ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۲. یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت و صداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام، انکار کے لیے ہے یعنی یہ دونوں اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح جھاگ اور پانی یا سونا، تانبا اور اس کی میل کیل برابر نہیں ہو سکتے۔

۳. یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جنہوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کے زنگ سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو، وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل ہی نہیں کر سکتے۔

۴. یہ اہل دانش کی صفات بیان کی جارہی ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد، اس کے احکام (اوامر و نواہی) ہیں جنہیں وہ بجالاتے ہیں۔ یا وہ عہد ہے، جو عہدِ اَلْکُتِّ کہلاتا ہے، جس کی تفصیل سورہ اعراف آیت ۱۷۲ کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

۵. اس سے مراد وہ باہمی معاہدے اور وعدے ہیں جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں یا وہ جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہیں۔

۶. یعنی رشتوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں ہیں، بلکہ ان کو جوڑتے اور صلہ رچی کرتے ہیں۔

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَذَرُونَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۱۱﴾

جَدُّتُ عَدَنَ يَدَّخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ
وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمُ الْمَلَائِكَةُ يُدْخِلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ
تَحْتِ الْبَابِ ﴿۱۲﴾

کرتے ہیں،^(۱) اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں^(۲) اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں^(۳) اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں،^(۴) ان ہی کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔^(۵)

۲۳۔ ہمیشہ رہنے کے باغات^(۶) جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو نیکوکار ہوں گے،^(۷) ان کے پاس فرشتے ہر ہر

۱۔ اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ صبر کی ایک قسم ہے۔ تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے۔ اہل دانش دونوں قسم کا صبر کرتے ہیں۔

۲۔ ان کی حدود و مواقیف، خشوع و خضوع اور اعتدال ارکان کے ساتھ۔ نہ کہ اپنے من مانے طریقے سے۔

۳۔ یعنی جہاں جہاں اور جب جب بھی، خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اپنوں اور بیگانوں میں اور خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ یعنی ان کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں، یا عفو و درگزر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِذْ عَلِمْنَا لَئِنْ جِئْنَاكَ بِالْبَاطِلِ لَأَقْتُلَنَّكَ﴾ (الحج: ۲۴) (اگر تم ایسا کرو گے) تو وہ شخص جو تمہارا دشمن ہے، ایسا ہو جائے گا گویا وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔

۵۔ یعنی جو ان اعلیٰ اخلاق کے حامل اور مذکورہ خوبیوں سے متصف ہوں گے، ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔

۶۔ عدن کے معنی ہیں اقامت۔ یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات۔

۷۔ یعنی اس طرح نیک قربات داروں کو آپس میں جمع کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتیٰ کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرمادے گا تاکہ وہ اپنے قربات دار کے ساتھ جمع ہو جائے۔ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ شَيْئًا﴾ (الطور: ۲۱) (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ان کے عملوں سے ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں)۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نیک رشتے داروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرمادے گا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایمان اور عمل صالح کی پونجی نہیں ہوگی، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، چاہے اس کے دوسرے نہایت قریبی رشتے دار جنت میں چلے گئے ہوں۔ کیونکہ جنت میں داخلہ حسب نسب کی بنیاد پر نہیں، ایمان و عمل کی بنیاد پر ہوگا ﴿مَنْ بَطُلًا بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يَسْرِعَ بِهِ نَسَبُهُ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب

دروازے سے آئیں گے۔

۲۴. کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا (بدلہ) ہے اس دارِ آخرت کا۔

۲۵. اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے۔^(۱)

۲۶. اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے^(۲) یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہو گئے۔^(۳) حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت (حقیر) پونجی ہے۔^(۴)

۲۷. اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جواب دے دیجیے کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکے اسے راستہ دکھا دیتا ہے۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَوْحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يَصْلُحُ مَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ الَّذِينَ يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذَكِيمٌ ﴿۲۷﴾

فضل الاجتماع على تلاوة القرآن (جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا)۔

۱. یہ نیکوں کے ساتھ بروں کا حشر بیان فرمادیا تاکہ انسان اس حشر سے بچنے کی کوشش کرے۔

۲. جب کافروں اور مشرکوں کے لیے یہ کہا کہ ان کے لیے برا گھر ہے، تو ذہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ دنیا میں تو انہیں ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں مہیا ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے فرمایا کہ دنیوی اسباب اور رزق کی کمی بیشی یہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت، جس کو صرف وہی جانتا ہے، کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔ رزق کی فراوانی، اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور کمی کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے۔

۳. کسی کو اگر دنیا کا مال زیادہ مل رہا ہے، باوجودیکہ وہ اللہ کا نافرمان ہے تو یہ مقام فرحت و مسرت نہیں، کیوں کہ یہ استدرج ہے، مہلت ہے، پتہ نہیں کب یہ مہلت ختم ہو جائے اور اللہ کی پکڑ کے شکنجے میں آجائے۔

۴. حدیث میں آتا ہے کہ ”دنیا کی حیثیت، آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے، تو دیکھے سمندر رکے پانی کے مقابلے میں اس کی انگلی میں کتنا پانی آیا ہے؟“ (صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے ہوا، تو اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا ”اللہ کی قسم، دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ اپنے مالکوں کے نزدیک اس وقت حقیر تھا جب انہوں نے اسے پھینکا“۔ (صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق)

۲۸. جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔^(۱)

۲۹. جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے خوشحالی ہے^(۲) اور بہترین ٹھکانا۔

۳۰. اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے^(۳) جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ آپ انہیں ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائیے یہ اللہ رحمن کے منکر ہیں،^(۴) آپ کہہ دیجیے کہ میرا پالنے والا تو وہی ہے اس کے سوا درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں،^(۵) اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے۔

۳۱. اور اگر (بالفرض) کسی قرآن (آسمانی کتاب) کے ذریعے پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی یا مردوں سے باتیں کرادی جاتیں (پھر

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿۲۸﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسَنَ مَا لِلَّهِ ﴿۲۹﴾

كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي آتَمِّ قَدَحٍ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَشْكُرُوا عَلَيْنَا أَلَّذِينَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالْوَحْيِ قُلْ هُوَ رِبِّيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابُ ﴿۳۰﴾

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ خُتِمَ بِهِ السَّمَوَاتُ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ مِجْمَعًا أَفَلَا يَدْرُسُونَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا

۱. اللہ کے ذکر سے مراد، اس کی توحید کا بیان ہے جس سے مشرکوں کے دلوں میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے، یا اس کی عبادت، تلاوت قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے یا اس کے احکام و فرامین کی اطاعت و بجا آوری ہے، جس کے بغیر اہل ایمان و تقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔

۲. طُوبَىٰ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً خیر، حسنی، کرامت، رشک، جنت میں مخصوص درخت یا مخصوص مقام وغیرہ۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے یعنی جنت میں اچھا مقام اور اس کی نعمتیں اور لذتیں۔

۳. جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لیے بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے، ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی جس طرح آپ کی کی گئی اور جس طرح تکذیب کے نتیجے میں وہ قومیں عذاب الہی سے دوچار ہوئیں، انہیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔

۴. مشرکین مکہ رحمن کے لفظ سے بڑا بدکتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ لکھے گئے تو انہوں نے کہا یہ رحمن رحیم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ (ابن کثیر)

۵. یعنی رحمن، میرا وہ رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَلِكِزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَصْحَابُ آفَاقَةٍ
أَوْ تَحُلُ قَرْمَازِينَ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
لَظَلِيمٌ الْبُعَادَ ۝

بھی وہ ایمان نہ لاتے، بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے،^(۱) تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دلجمعی نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے۔ کفار کو تو ان کے کفر کے بدلے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب نازل ہوتی رہے گی^(۲) تا وقتیکہ وعدہ الہی آپہنچے۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

وَلَقَدْ أَسْنَهَزَىٰ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ فَانْكَبَتْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثَمَّ أَخَذَ اللَّهُمَّ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝

۳۲۔ اور یقیناً آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا اور میں نے بھی کافروں کو ڈھیل دی تھی پھر انہیں پکڑ لیا تھا، پس میرا عذاب کیسا رہا؟^(۴)

۱۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے، جس طرح کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”حضرت داود علیہ السلام، سواری کے جانور کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور اتنی دیر میں ایک مرتبہ قرآن کا ورد کر لیتے“ (صحیح البخاری کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وَأَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا)۔ یہاں ظاہر بات ہے قرآن سے مراد زبور ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر پہلے کوئی آسمانی کتاب ایسی نازل ہوئی ہوتی کہ جسے سن کر پہاڑ رواں دواں ہو جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا مردے بول اٹھتے، تو قرآن کریم کے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوتی، کیونکہ یہ اعجاز بلاغت میں پچھلی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعے سے یہ معجزات ظاہر ہوتے، تب بھی یہ کفار ایمان نہ لاتے، کیوں کہ ایمان لانا نہ لانا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، معجزوں پر نہیں۔ اسی لیے فرمایا، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ جو ان کے مشاہدے یا علم میں ضرور آئے گی تاکہ وہ عبرت پکڑ سکیں۔

۳۔ یعنی قیامت واقع ہو جائے، یا اہل اسلام کو قطعی فتح و غلبہ حاصل ہو جائے۔

۴۔ حدیث میں بھی آتا ہے »إِنَّ اللَّهَ لَيَمْلِكُ لِلظَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ« ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے جاتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں“۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَكَذَٰلِكَ أَخَذَ رَبُّكَ إِذَا أَخَذَ الظَّالِمُ إِنَّ أَخَذَهُ أَكْبَرُ شِدْدِي﴾ (ہود: ۱۰۲) (اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کی مرتکب ہستوں کو پکڑتا ہے۔ یقیناً اس کی پکڑ بہت ہی المناک اور سخت ہے)۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ ہود و مسلم، کتاب البر،

۳۳. آیا وہ اللہ جو نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی، اس کے کیے ہوئے اعمال پر،^(۱) ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہہ دیجیے ذرا ان کے نام تو لو،^(۲) کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یا صرف اوپری اوپری باتیں بتا رہے ہو،^(۳) بات اصل یہ ہے کہ کفر کرنے والوں کے لیے ان کے مکر سجا دیے گئے ہیں،^(۴) اور وہ صحیح راہ سے روک دیے گئے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں۔^(۵)

۳۴. ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے،^(۱) اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت

أَفَمَنْ هُوَ قَارِبٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ بِأَلْعَالَمِ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِنَاظِرِهِمْ مِنَ الْقَوْلِ بَلْ دُخَانَ الْغَيْظِ كَذَّبُوا عَنْهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝

۱. یہاں اس کا جواب محذوف ہے۔ یعنی کیا اللہ رب العزت اور وہ معبودان باطل برابر ہو سکتے ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں، جو کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر، نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں۔
۲. یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انہیں پہچان سکیں اس لیے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ اس لیے آگے فرمایا کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں؟ یعنی ان کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا، اس پر تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

۳. یہاں ظاہر ظن کے معنی میں ہے یعنی یا یہ صرف ان کی ظنی باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کی عبادت اس گمان پر کرتے ہو کہ یہ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم نے ان کے نام بھی معبود رکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ”یہ تمہارے اور تمہارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ یہ صرف گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔“ (النجم: ۲۳)۔

۴. مکر سے مراد، ان کے وہ غلط عقائد و اعمال ہیں جن میں شیطان نے ان کو پھنسا رکھا ہے، شیطان نے گمراہیوں پر بھی حسین غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

۵. جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ فَعَتَاهُ فَلَئِنْ تَمْلِكْ لَهُ مِنْ آلِهَةٍ شَيْئًا﴾ (المائدة: ۳۱) (جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے تو آپ ﷺ اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتے) اور فرمایا ﴿إِنْ تَخِضْ عَلَىٰ هَذَا مِثْمًا فَإِنَّ اللَّهَ لَيَكِيدُكَ مِنْ تَكِيدِ مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ (النحل: ۶۷) (اگر تم ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہو تو یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

۶. اس سے مراد قتل اور اسیری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ان کافروں کے حصے میں آتی ہے۔

ہے۔^(۱) انہیں اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں۔

۳۵. اس جنت کی صفت، جس کا وعدہ پر ہیز گاروں کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس کا میوہ ہینگلی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پر ہیز گاروں کا،^(۲) اور کافروں کا انجام کار دوزخ ہے۔

۳۶. اور جنہیں ہم نے کتاب دی ہے^(۳) وہ تو جو کچھ آپ پر اتارا جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں^(۴) اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں۔^(۵) آپ اعلان کر دیجیے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی کی جانب میرا لوٹنا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ «يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلُّهُمْ حَادٍ فِيهَا وَفِيهَا ثَلَاثُ عَشْرَ نَعْمَةً وَمِنْ أُشْجَارٍ ذَاتِ ظِلٍّ وَفِيهَا زُكُورٌ»

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَصْحَوْنَ إِذَا أَتَتْهُمُ إِلَيْكَ وَإِنْ أَكْثَرُ مِنْ يَكْفُرٍ بَعْضُهُمْ لِرَءَاكِبٍ مِنْهُمْ أَنْ أَعِذَّ اللَّهُ وَلَا تَأْخُذُكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مآبٌ ۝

۱. جس طرح نبی ﷺ نے بھی لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا تھا «إِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ» (صحیح مسلم، کتاب اللعان) ”دنیا کا عذاب، عذاب آخرت سے بہت ہلکا ہے“ علاوہ ازیں دنیا کا عذاب (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو) عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے، اسے زوال و فنا نہیں۔ مزید برآں جہنم کی آگ، دنیا کی آگ کی نسبت ۶۹ گنا تیز ہے۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں۔ اس لیے عذاب کے سخت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

۲. اہل کفار کے انجام بد کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرما دیا تاکہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو، اس مقام پر امام ابن کثیر نے جنت کی نعمتوں، لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی ہیں، جنہیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

۳. اس سے مراد مسلمان ہیں اور مطلب ہے جو قرآن کے مقتضی پر عمل کرتے ہیں۔

۴. یعنی قرآن کے صدق کے دلائل و شواہد دیکھ کر مزید خوش ہوتے ہیں۔

۵. اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین ہیں۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد، تورات و انجیل ہے، ان میں سے جو مسلمان ہوئے، وہ خوش ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لَمَلِكٌ مِنَ اللَّهِ مِنْ ذُرِّيٍّ وَلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾

۳۷۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اتارا ہے۔^(۱) اگر آپ نے ان کی خواہشوں^(۲) کی پیروی کر لی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے^(۳) تو اللہ (کے عذابوں) سے آپ کو کوئی حمایتی ملے گا اور نہ بچانے والا۔^(۴)

۳۸۔ اور ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا،^(۵) کسی رسول سے نہیں ہو سکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾

۱۔ یعنی جس طرح آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں مقامی زبانوں میں نازل کیں، اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں اتارا، اس لیے کہ آپ کے مخاطب اولین اہل عرب ہیں، جو صرف عربی زبان ہی جانتے ہیں۔ اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو ان کی سمجھ سے بالا ہوتا اور قبول ہدایت میں ان کے لیے عذر بن جاتا۔ ہم نے قرآن کو عربی میں اتار کر یہ عذر بھی دور کر دیا۔

۲۔ اس سے مراد اہل کتاب کی بعض وہ خواہشیں ہیں جو وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان (ﷺ) انہیں اختیار کریں۔ مثلاً بیت المقدس کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنائے رکھنا اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کرنا، وغیرہ۔

۳۔ اس سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ کو عطا کیا گیا جس میں اہل کتاب کے معتقدات کی حقیقت بھی آپ پر واضح کر دی گئی۔

۴۔ یہ دراصل امت کے اہل علم کو تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۵۔ یعنی آپ سمیت جتنے بھی رسول اور نبی آئے، سب بشر ہی تھے، جن کا اپنا خاندان اور قبیلہ تھا اور بیوی بچے تھے، وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق۔ بلکہ جنس بشر ہی میں سے تھے۔ کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان سے مانوس ہونا اور ان کے قریب ہونا ناممکن تھا، جس سے ان کو سمجھنے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے، بشری جامے میں آتے، تو دنیا میں نہ ان کا خاندان اور قبیلہ ہوتا اور نہ ان کے بیوی بچے ہوتے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بحیثیت جنس کے، بشر ہی تھے، بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے، مذکورہ آیت میں اَزْوَاجًا سے رہبانیت کی تردید اور ذُرِّيَّةً سے خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ذُرِّيَّةً جمع ہے کم از کم تین ہوں گے۔

اجازت کے لئے آئے،^(۱) ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے۔^(۲)

۳۹. اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے۔^(۳)

۴۰. اور ان سے کیے ہوئے وعدوں میں سے کوئی اگر ہم آپ کو دکھادیں یا آپ کو ہم فوت کر لیں تو آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہی ہے۔

يَحْمِلُ اللَّهُ كَيْدَهُ وَيُعَذِّبُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝

وَأِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ۝

۱. یعنی معجزات کا صدور، رسولوں کے اختیار میں نہیں کہ جب ان سے مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے صادر کر کے دکھائیں بلکہ یہ کلیتہً اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ معجزے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس طرح اور کب دکھایا جائے؟

۲. یعنی اللہ نے جس چیز کا بھی وعدہ کیا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت موعود پر اس کا وقوع ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ ہے۔ اور مطلب ہے کہ ہر وہ امر، جسے اللہ نے لکھ رکھا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ یعنی معاملہ، کفار کے ارادے اور منشا پر نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

۳. اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس نے جو تقدیر لکھ رکھی ہے، اس میں وہ محو و اثبات کرتا رہتا ہے، اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اس کی تائید بعض احادیث و آثار سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے“ (مسند احمد جلد ۵، ص: ۲۷۷) بعض صحابہ سے یہ دعا منقول ہے «اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا أَشْقِيَاءَ فَامْحُنا وَامْحُنا وَامْحُنا سَعْدَاءَ، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا سَعْدَاءَ فَامْحُنا وَامْحُنا، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثَبِّتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ» حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ دوران طواف روتے ہوئے یہ دعا پڑھتے «اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثَبِّتُ، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ، فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً» (ابن کثیر) (اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر بد بختی اور گناہ لکھا ہے تو اسے مٹا دے، اس لیے کہ تو جو چاہے مٹائے اور جو چاہے باقی رکھے، تیرے پاس ہی لوح محفوظ ہے، پس تو بد بختی کو سعادت اور مغفرت سے بدل دے)۔ اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو آتا ہے «جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَاتِبٌ» (صحیح البخاری: ۵۰۷۲) (جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے)۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ محو و اثبات بھی بمنزلہ قضاء و تقدیر ہی کے ہے۔ (فتح القدیر)

۴۱. کیا وہ نہیں دیکھتے؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں، ^(۱) اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں، ^(۲) اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

۴۲. اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنی مکاری میں کمی نہ کی تھی، لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں، ^(۳) جو شخص جو کچھ کر رہا ہے اللہ کے علم میں ہے۔ ^(۴) اور کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لیے ہے؟

۴۳. اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ جواب دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے ^(۵) اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ ^(۱)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا
وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ۝

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ
جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُ كُلُّ نَفْسٍ وَسِعَ عِلْمُهُ
الْغُفْرَانَ ۝ عَفَىٰ اللَّهُ عَنَّا ۝

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَسَتْ مُرْسَلَةٌ قُلْ كَفَىٰ
بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ
الْكِتَابُ ۝

۱. یعنی عرب کی سرزمین مشرکین پر بتدریج ٹک ہو رہی ہے اور اسلام کو غلبہ و عروج حاصل ہو رہا ہے۔

۲. یعنی کوئی اللہ کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا۔

۳. یعنی مشرکین مکہ سے قبل بھی لوگ رسولوں کے مقابلے میں مکر کرتے رہے ہیں، لیکن اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہوا، اسی طرح آئندہ بھی ان کا کوئی مکر اللہ کی مشیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔

۴. وہ اس کے مطابق جزاء اور سزا دے گا، نیک کو اس کی نیکی کی جزاء اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

۵. پس وہ جانتا ہے کہ میں اس کا سچا رسول اور اس کے پیغام کا داعی ہوں اور تم جھوٹے ہو۔

۶. کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور مراد تورات اور انجیل کا علم ہے۔ یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہم رضی اللہ عنہم، یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرب کے مشرکین اہم معاملات میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ اہل کتاب جانتے ہیں، ان سے تم پوچھ لو۔ بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حالمین علم کتاب، مسلمان ہیں۔ اور بعض نے کتاب سے مراد لوح محفوظ لی ہے۔ یعنی جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ مگر پہلا مفہوم زیادہ درست ہے۔

سورۃ ابراہیم مکی ہے اور اس کی باون آیتیں اور سات رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. اَللّٰہ، یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں، ^(۱) ان کے پروردگار کے حکم سے، ^(۲) زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔

الرَّحْمَنُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ

۲. جس اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کافروں کے لیے تو سخت عذاب کی خرابی ہے۔

اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ

۳. جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ^(۳) یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔ ^(۴)

لَا الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولَٰئِكَ فِي صُلٰلٍ بَعِيدٍ

۱. جس طرح دوسرے مقام پر بھی اللہ نے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ يُتْلَىٰ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (الحديد: ۹) (وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتی ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے)۔ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (البقرة: ۲۵۷) (اللہ ایمان داروں کا دوست ہے، وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے)۔

۲. یعنی پیغمبر کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا ہے لیکن اگر کوئی اس راستے کو اختیار کر لیتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے کیونکہ اصل ہادی وہی ہے۔ اس کی مشیت اگر نہ ہو، تو پیغمبر کتنا بھی وعظ و نصیحت کر لے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے، جس کی متعدد مثالیں انبیائے سابقین میں موجود ہیں اور خود نبی ﷺ باوجود شدید خواہش کے اپنے مہربان چچا ابو طالب کو مسلمان نہ کر سکے۔

۳. اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے مین میخ نکالتے اور انہیں میخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔

۴. اس لیے کہ ان میں مذکورہ متعدد خرابیاں جمع ہو گئی ہیں۔ مثلاً آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں کبھی تلاش کرنا۔

۴. اور ہم نے ہر ایک نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔^(۱) اب اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے راہ دکھا دے، وہ غلبہ اور حکمت والا ہے۔^(۲)

۵. اور (یاد رکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال^(۳) اور انہیں اللہ کے احسانات یاد دلا۔^(۴) یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے۔^(۵)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ يُبَيِّنُ
لَهُمْ فُضْلَ اللَّهِ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ⑤

۱. پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے، تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو قومی زبان میں بھیجا تاکہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔
۲. لیکن اس بیان و تشریح کے باوجود ہدایت اسے ملے گی جسے اللہ چاہے گا۔

۳. یعنی جس طرح اے محمد! (ﷺ) ہم نے آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی، تاکہ آپ اپنی قوم کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔ اسی طرح ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو معجزات و دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ انہیں کفر و جہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کریں۔ آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو موسیٰ (علیہ السلام) کو عطا کیے گئے تھے، یا وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے۔

۴. آیات اللہ سے مراد اللہ کے وہ احسانات ہیں جو بنی اسرائیل پر کیے گئے جن کی تفصیل پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ یا ایام و قاتل کے معنی میں ہے یعنی وہ واقعات ان کو یاد دلا جن سے وہ گزر چکے ہیں جن میں ان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں بھی آ رہا ہے۔

۵. صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اور ایمان کا مدار ان پر ہے۔ اس لیے یہاں صرف ان دو کا تذکرہ کیا گیا ہے دونوں مبالغے کے صیغہ ہیں۔ صبار، بہت صبر کرنے والا۔ شکور، بہت شکر کرنے والا۔ اور صبر کو شکر پر مقدم کیا ہے۔ اس لیے کہ شکر، صبر ہی کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جس امر کا بھی فیصلہ کرے، وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں

۶. اور جس وقت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے وہ احسانات یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں، جب کہ اس نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بڑے دکھ پہنچاتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش تھی۔^(۱)

۷. اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا^(۲) اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔^(۳)

۸. اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔^(۴)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيَدْعُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكَ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

۱. یعنی جس طرح یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی اسی طرح اس سے نجات اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اسی لیے بعض مترجمین نے بکاء کا ترجمہ آزمائش اور بعض نے احسان کیا ہے۔

۲. تَأَذَّنَ کے معنی اَعْلَمَنَّكُمْ بِوَعْدِهِ لَكُمْ، اس نے اپنے وعدے سے تمہیں آگاہ اور خبردار کر دیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قسم کے معنی میں ہو یعنی جب تمہارے رب نے اپنی عزت و جلال اور کبریائی کی قسم کھا کر کہا۔ (ابن کثیر)

۳. نعمت پر شکر کرنے پر مزید انعامات سے نوازوں گا۔

۴. اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفرانِ نعمت (ناشکری) اللہ کو سخت ناپسند ہے جس پر اس نے سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بھی فرمایا کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاندانوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (صحیح مسلم، العیدین اوائل کتاب الصلوٰۃ)

۵. مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ ناشکری کرے گا تو اللہ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے۔ سارا جہان ناشکر گزار ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟ جس طرح حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ، كَانُوا عَلَى أَتَقَىٰ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ، كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ

۹. کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قوم نوح (علیہ السلام) کی اور عاد و ثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے، لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبالیے^(۱) اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شبہ ہے۔^(۲)

۱۰. ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا تمہیں حق تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ
وَآدَمُ وَشُعُوبُهُمُ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ أَكَلُوا
يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ قَرُّوْا أَيْدِيَهُمْ فِي أَقْوَامِهِمْ وَقَالُوا
لَا نَأْتِيكَ بِشَيْءٍ نَسْتَلْزِمُهُ وَتَالَفِى شَيْءٍ مِمَّا
تَدْعُوْنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝

قَالَتْ رُسُلُهُمْ إِنِّي اللَّهُ شَيْءٌ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

وَجَنَّتُمْ فَأَمُّوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا، إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمُخِيطُ إِذَا أُذْخِلَ فِي الْبَحْرِ» (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم) (اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور اسی طرح تمام انسان اور جن، اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں، جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، (یعنی کوئی بھی نافرمان نہ رہے) تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمام انسان اور جن، اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں، جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور انسان و جن، سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے)۔ فَسُبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْعَرْشُ الْعَلِيِّ الْحَمِيدُ۔

۱. مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ (۱) مثلاً انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں رکھ لیے اور کہا کہ ہمارا تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ (۲) انہوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔ (۳) انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر استہزاء اور تعجب کے طور پر رکھ لیے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ (۴) انہوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔ (۵) بطور غیظ و غضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لے لیے۔ جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے، ﴿عَصُوا عَلَيْكُمْ أَلَا تَأْمَلُونَ الْغَيْظَ﴾ (آل عمران: ۱۱۹) (وہ تم پر اپنی انگلیاں غیظ و غضب سے کاٹتے ہیں)۔ امام شوکانی اور امام طبری نے اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔

۲. مُرِيبٌ یعنی ایسا شک، کہ جس سے نفس سخت قلق اور اضطراب میں مبتلا ہے۔

والا ہے وہ تو تمہیں اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرمادے،^(۱) اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت عطا فرمائے، انہوں نے کہا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو^(۲) تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔^(۳) اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو۔^(۴)

۱۱۔ ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔^(۵) اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھائیں^(۶) اور ایمان والوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر

ذُنُوبَكُمْ وَيُخَرِّكُمْ إِلَىٰ أَحْسَنِ مَسَٰبِقٍ ۚ قَالُوا
إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا شُرَكَاءُ لَتَبْدَأُنَّ ۚ قَالُوا
تَقْصِدُونَ أَعْمَاءَ كَانِ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا
فَأَتَوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كِبْرُؤُكُمْ وَلَكِنْ
اللَّهُ يَنْزِلُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَمَا كَانَ لَنَا
أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَىٰ اللَّهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

۱۔ یعنی تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے، جو آسمان وزمین کا خالق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایمان وتوحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمہیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالق ارض وسما کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کی دعوت سے تمہیں انکار ہے؟

۲۔ یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحی الہی اور نبوت ورسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟

۳۔ یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کرتے رہے ہیں؟ جب کہ تمہارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔

۴۔ دلائل و معجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے، اس سے مراد ایسی دلیل یا معجزہ ہے جس کے دیکھنے کے وہ آرزو مند ہوتے تھے، جیسے مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے تھے، جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

۵۔ رسولوں نے پہلے اشکال کا جواب دیا کہ یقیناً ہم تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔ لیکن تمہارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی بعض انسانوں کو وحی ورسالت کے لیے چن لیتا ہے اور تم سب میں سے یہ احسان اللہ نے ہم پر فرمایا ہے۔

۶۔ ان کے حسب منشا معجزے کے سلسلے میں رسولوں نے جواب دیا کہ معجزے کا صدور، ہمارے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

بھروسہ رکھنا چاہیے۔^(۱)

۱۲. اور آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ رکھیں جب کہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سبھائی ہیں۔ واللہ جو ایذائیں تم ہمیں دوگے ہم ان پر صبر ہی کریں گے۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔^(۲)

۱۳. اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کر دیں گے۔^(۳)

۱۴. اور ان کے بعد ہم خود تمہیں اس زمین میں بسائیں گے۔^(۴) یہ ہے ان کے لیے جو میرے سامنے کھڑے

وَمَا لَنَا إِلَّا تَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا
وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْنَا مَا أَذِيقُونَا وَعَلَى اللَّهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱﴾

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلرُّسُلِ لَهُمْ كُنُوزٌ مِّنْ
أَرْضِنَا وَلَنُتَوَدَّ فِي مَلَكِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۲﴾

وَلَنَسْكُنَنَّ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَن خَافَ
مَقَامِي وَخَافَ عِبِيدِي ﴿۳﴾

۱۔ یہاں مومنین سے مراد اولاً خود انبیاء ہیں، یعنی ہمیں سارا بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ آگے فرمایا ”آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں۔“

۲۔ کہ وہی کفار کی شرارتوں اور سفاقتوں سے بچانے والا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سے معجزات طلب نہ کریں، اللہ پر توکل کریں، اس کی مشیت ہوگی تو مجرہ ظاہر فرمادے گا، ورنہ نہیں۔

۳۔ جیسے اور بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُتَرَسِّلِينَ﴾ ﴿إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ﴾ ﴿وَإِنْ جُنَدُكَ لَظَالِمُونَ﴾ ﴿الصافات: ۱۷۱-۱۷۳﴾ (اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں کہ بے شک وہ منصور اور کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا) ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ ﴿المجادلة: ۲۱﴾ (اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے)۔

۴۔ یہ مضمون بھی اللہ نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے مثلاً ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِن بَعْدِ مَا كُتِبَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ
الطَّيِّبُونَ﴾ ﴿الانبیاء: ۱۰۵﴾ (ہم نے لکھ دیا زبور میں نصیحت کے پیچھے، کہ آخر زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے)۔ (مزید دیکھیے سورۃ الاعراف: ۱۲۸، ۱۳۷) چنانچہ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مدد فرمائی، آپ کو بادل ناخواستہ مکہ سے ٹکنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکا کر کھڑے آپ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے لَا تَتَرَبَّصَ عَلَيْنَا کہہ کر سب کو معاف فرمادیا۔ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

وَأَسْتَفْخِرُ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥﴾

مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ جَهَنَّمَ يُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿٦﴾

يَجْرَعُهُ وَلَا يَكَادِي سُبُغَهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿٧﴾

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ مُّسْتَدْتَرِيهِ
الزَّبْيُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ

ہونے کا ڈر رکھیں اور میری وعید سے خوفزدہ رہیں۔^(۱)

۱۵. اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا^(۲) اور تمام سرکش ضدی لوگ نامراد ہو گئے۔

۱۶. ان کے سامنے دوزخ ہے جہاں انہیں پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔^(۳)

۱۷. جسے بمشکل گھونٹ گھونٹ پییں گے۔ پھر بھی اسے گلے سے اتار نہ سکیں گے اور انہیں ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والے نہیں۔^(۴) اور ان کے پیچھے بھی سخت عذاب ہے۔

۱۸. ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال اس راکھ کے مانند ہیں جس پر تیز

۱. جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَعَىٰ الْفَقْرَ عَنِ الْهَوَىٰ * فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾ (النازعات: ۳۰، ۳۱) (جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے رکھا، یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہے)۔
﴿وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جِثَّتْ﴾ (الرحمن: ۴۶) (جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں)۔

۲. اس کا فاعل ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے بالآخر اللہ سے فیصلہ طلب کیا۔ یعنی اگر یہ رسول سچے ہیں تو یا اللہ ہم کو اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے جیسے مشرکین مکہ نے کہا ﴿اللَّهُمَّ إِنَّكَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا جَرَادًا مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ امْنِنَّا بِعَذَابِكَ إِلَيْنَا﴾ (الأنفال: ۳۲) (اور جب کہ ان لوگوں نے کہا، اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے)۔ یا جس طرح جنگ بدر کے موقع پر بھی مشرکین مکہ نے اسی قسم کی آرزو کی تھی جس کا ذکر اللہ نے (الأنفال: ۱۹) میں کیا ہے۔ یا اس کا فاعل رسول ہوں کہ انہوں نے اللہ سے فسخ و نصرت کی دعائیں کیں، جنہیں اللہ نے قبول کیا۔

۳. صَدِيدٌ پیپ اور خون جو جہنمیوں کے گوشت اور ان کی کھالوں سے بہا ہو گا۔ بعض احادیث میں اسے «عَصَاةُ أَهْلِ النَّارِ» (مسند أحمد: جلد ۵، صفحہ ۱۷۱) «جہنمیوں کے جسم سے نچوڑا ہوا» اور بعض احادیث میں ہے کہ یہ صدید اتنا گرم اور کھوٹا ہوا ہو گا کہ ان کے منہ کے قریب پہنچتے ہی ان کے چہرے کی کھال جھلس کر گر پڑے گی اور اس کا ایک گھونٹ پیتے ہی ان کے پیٹ کی آنتیں پانگانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۴. یعنی انواع و اقسام کے عذاب چکھ چکھ کر وہ موت کی آرزو کرے گا۔ لیکن، موت وہاں کہاں؟ وہاں تو اسی طرح دائمی عذاب ہو گا۔

شَيْءٌ ذَٰلِكَ هُوَ الصَّلَ الْبَعِيدُ ۝

ہوا آندھی والے دن چلے۔^(۱) جو بھی انہوں نے کیا اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، یہی دور کی گراہی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَيِّ
إِنْ يُشَآئِنِ هَبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

۱۹. کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔
۲۰. اور اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں۔^(۲)

وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝

۲۱. اور سب کے سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔^(۳) اس وقت کمزور لوگ بڑائی والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابعدار تھے، تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کر سکتے والے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمہاری رہنمائی کرتے، اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی برابر ہیں ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔^(۴)

وَرَزَّوَالِهِ جَبِيْعًا فَقَالَ الضُّعْفُ الْلَذِيْنَ
اَسْتَكْبَرُوْا اِنَّا لَنُكَلِّمُكُمْ بَعَا فِهَلْ اَنْتُمْ مُّقْنُوْنَ
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰنَا
اللّٰهُ لَهْدٰيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَا اَجْرَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا
مَا لَنَا مِنْ مَّجِيْعٍ ۝

۱. قیامت کے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ اس کا کوئی اجر و ثواب انہیں نہیں ملے گا۔

۲. یعنی اگر تم نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں ہلاک کرے، تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کر دے۔ (یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے سورہ ناز: ۱۳۳، المائدہ: ۵۴، فاطر: ۱۵-۱۷ اور سورہ محمد: ۳۸ میں بھی بیان کیا ہے۔)

۳. یعنی سب میدان محشر میں اللہ کے روبرو ہوں گے، کوئی کہیں چھپ نہ سکے گا۔

۴. بعض کہتے ہیں کہ جہنمی آپس میں کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لیے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے، آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں چنانچہ وہ روئیں گے اور خوب آہ وزاری کریں گے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ملی، چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں، پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے، لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پس اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع و فزع، اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ ان کی یہ باہمی گفتگو جہنم کے اندر ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کو اور بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ اعراف: ۳۸-۳۹، سورہ الاحزاب: ۶۶-۶۸، سورہ مومن: ۴۷-۴۸، اس کے علاوہ وہ آپس میں جھگڑیں گے بھی اور ایک دوسرے پر گمراہ کرنے کا الزام دھریں گے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جھگڑا میدان محشر میں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورہ نبا: ۳۱-۳۳ میں بیان فرمائی ہے۔

۲۲. اور جب اور کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا^(۱) کہ اللہ نے تو تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کیے تھے ان کا خلاف کیا،^(۲) میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں،^(۳) ہاں میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری مان لی،^(۴) پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو،^(۵) نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے،^(۶) میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے،^(۷) یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۸)

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا خُصَّيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَا أَنْفُسُكُمْ مَا آتَاكُمْ بِصُحُفِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِبَصِيرِينَ إِنِّي لَفَرْتُ بِمَا أَسْرَرْتُكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ أَنْظِرَ الظَّالِمِينَ لَكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۰﴾

۱. یعنی اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے تو شیطان جنہیوں سے کہے گا۔
۲. اللہ نے جو وعدے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے کیے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق تھے ان کے مقابلے میں میرے وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب تھے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمِيتُهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (النساء: ۱۲۰) (شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ وعدے محض دھوکہ ہیں)۔
۳. دوسرا یہ کہ میری باتوں میں کوئی دلیل و حجت نہیں ہوتی تھی، نہ میرا کوئی دباؤ ہی تم پر تھا۔
۴. ہاں میری صرف دعوت اور پکار تھی، تم نے میری بے دلیل پکار کو تان لیا اور پیغمبروں کی دلیل و حجت سے بھرپور باتوں کو رد کر دیا۔
۵. اس لیے کہ قصور سارا تمہارا اپنا ہی ہے، تم نے عقل و شعور سے ذرا کام نہ لیا، دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کر دیا، اور مجرد دعوے کے پیچھے لگے رہے، جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی۔
۶. یعنی نہ میں تمہیں اس عذاب سے نکلوا سکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس قہر و غضب سے مجھے بچا سکتے ہو جو اللہ کی طرف سے مجھ پر ہے۔
۷. مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں، اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک گردانتے رہے تو تمہاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی تھی اور اس کی تدبیر بھی وہی کرتا رہا، بھلا اس کا کوئی شریک کیوں کر ہو سکتا تھا؟
۸. بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی شیطان ہی کا ہے اور یہ اس کے مذکورہ خطبے کا تہہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا کلام مِنْ قَبْلِ پر ختم ہو گیا، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۲۳. اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں انہیں ہمیشگی ہوگی اپنے رب کے حکم سے۔^(۱) جہاں ان کا خیر مقدم سلام سے ہوگا۔^(۲)

۲۴. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔
۲۵. جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا ہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۲۶. اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ اوپر ہی سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں۔^(۴)

۲۷. ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّةٌ لَهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۝

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ صَرَّبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝

تُؤْتِي أَكْثَرَهَا ثَمَرًا لَمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ يَرْزُقْ رِجَالًا مِمَّنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۝

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ قُورَى الْأَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

يُمَيِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا الْقَوْلَ الثَّابِتَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۝

۱۔ یہ اہل شقاوت و اہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنانے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

۲۔ یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر ہر دروازے سے داخل ہو ہو کر انہیں سلام عرض کریں گے۔

۳۔ اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے، جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں کَلِمَةً طَيِّبَةً سے اسلام، یا لا الہ الا اللہ اور شجرہ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحیح

البخاری، کتاب العلم، باب الفہم فی العلم، ومسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، باب مثل المؤمن مثل النخلۃ)

۴۔ کلمہ خبیثہ سے مراد کفر اور شجرہ خبیثہ سے حنظل (اندراؤن) کا درخت مراد ہے۔ جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے۔ یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں۔ نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں، نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔

وَيَقْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝۱۴

بھی،^(۱) ہاں نا انصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَكَانُوا قَوْمَهُمْ ذَارِبُونَ ۝۱۵

۲۸. کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ کی نعت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا۔^(۲)

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيُخْسِئُ الْقَرَارُ ۝۱۶

۲۹. یعنی دوزخ میں جس میں یہ سب جائیں گے، جو بدترین ٹھکانا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَتَّبِعُوا فَإِنْ مُصِيرُكُمْ إِلَى النَّارِ ۝۱۷

۳۰. اور انہوں نے اللہ کے ہمسر بنالئے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ خیر مزے کر لو

۱. اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ”موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورة ابراہیم، وصحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت عليه وإثبات عذاب القبر) ایک اور حدیث میں ہے کہ (جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پس اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جہنم کا ٹھکانہ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ بنادیا ہے۔ پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک نعمتوں سے بھر دیا جاتا ہے)۔ (صحیح مسلم، باب مذکور) ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے مَنْ رُبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟ تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے؟ پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے رَبِّيَ اللَّهُ (میرا رب اللہ ہے)، وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ (میرا دین اسلام ہے)، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اور میرے پیغمبر محمد ﷺ ہیں)۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲. اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں، (بخاری، تفسیر سورة ابراہیم) جنہوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کروایا، تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمتہ للعالمین اور لوگوں کے لیے نعت الہیہ بنا کر بھیجا، پس جس نے اس نعت کی قدر کی، اسے قبول کیا، اس نے شکر ادا کیا، وہ جنتی ہو گیا اور جس نے اس نعت کو رد کر دیا اور کفر اختیار کیے رکھا، وہ جہنمی قرار پایا۔

تمہاری بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے۔^(۱)

۳۱. میرے ایمان والے بندوں سے کہہ دیجیے کہ نمازوں کو قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور محبت۔^(۲)

۳۲. اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں۔^(۳)

۳۳. اور اسی نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں^(۴) اور رات دن کو

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ۝۹

أَلَمْ يَكُنِ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ
الشَّجَرِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي
الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَلِيلَيْنِ وَسَخَّرَ
لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝

۱. یہ تہدید و توفیق ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کرو، مگر کب تک؟ بالآخر تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۲. نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تبدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، جس طرح کہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اتفاق کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے، اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلا دریغ خوب خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہو گا کہ جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی۔

۳. اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جو انعامات کیے ہیں، ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا آسمان کو چھت اور زمین کو پھونکا بنایا۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں، جن میں لذت و قوت کے لیے میوے بھی ہیں اور انواع و اقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ذائقے، خوشبو اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کو خدمت میں لگا دیا کہ وہ تلاطم خیز موجوں پر چلتے ہیں، انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نہریں جاری کر دیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔

۴. یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں، کبھی ٹھہرتے نہیں رات کو، نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں لیکن

بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔^(۱)

۳۴۔ اور اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے۔^(۲) اگر تم اللہ کے احسان گنا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔^(۳) یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔^(۴)

۳۵۔ اور (ابراہیم علیہ السلام) کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے،^(۵) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔

وَاللّٰهُ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَاِنْ تَعْدُوْا نَعْتَدْ وَاَنْتُمْ لَا تَعْدُوْنَ
اَللّٰهُ اَخْلَصُوهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

وَإِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ
اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

کبھی ان کا باہمی تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

۱۔ رات اور دن، ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات، دن کا کچھ حصے لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن، رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ابتدائے کائنات سے چل رہا ہے، اس میں یک سر مو فرق نہیں آیا۔
۲۔ یعنی اس نے تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جسے تم طلب کرتے ہو، وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں مانگتے، لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمہاری ضرورت ہے، وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمہیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

۳۔ یعنی اللہ کی نعمتیں ان گنت ہیں انہیں کوئی حیطہ شمار میں لا ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ”اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جب کہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جب کہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ یا اللہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔“ (تفسیر ابن کثیر)
۴۔ اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غفلت کی وجہ سے انسان اپنے نفس کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے۔ بالخصوص کافر، جو بالکل ہی اللہ سے غافل ہے۔

۵۔ ”اس شہر“ سے مراد مکہ ہے۔ دیگر دعاؤں سے قبل یہ دعا کی کہ اسے امن والا بنا دے، اس لیے کہ امن ہو گا تو لوگ دوسری نعمتوں سے بھی صحیح معنوں میں متمتع ہو سکیں گے، ورنہ امن و سکون کے بغیر تمام آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود، خوف اور دہشت کے سائے انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے عام معاشروں کا حال ہے۔ سوائے سعودی عرب کے۔ وہاں اس دعا کی برکت سے اور اسلامی حدود کے نفاذ سے آج بھی ایک مثالی امن قائم ہے (صَافَهَا اللّٰهُ عَنِ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ) یہاں انعامات الہیہ کے ضمن میں اسے بیان فرما کر اشارہ کر دیا کہ قریش جہاں اللہ کے دیگر انعامات سے غافل ہیں۔ اس خصوصی انعام سے بھی غافل ہیں کہ اس نے انہیں مکہ جیسے امن والے شہر کا باشندہ بنایا۔

۳۶۔ اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے۔^(۱) پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف کرنے والا اور بہت زیادہ کرم کرنے والا ہے۔

۳۷۔ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد^(۲) اس بے یقینی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں،^(۳) پس تو کچھ لوگوں^(۴) کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما^(۵) تاکہ یہ شکر گزاری کریں۔

۳۸۔ اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ

رَبِّ اِنَّهُمْ اَصْلَحْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ؕ
فَمَنْ تَتَّبِعْنِيْ فَاِنَّهُ يُدْنِيْ وَّ مَنْ عَصَانِيْ
فَاِنَّكَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

رَبَّنَا اِنَّا اَسْكَنْتُمْ مِّنْ ذُرِّيَّتِيْ بَوَادِ غَيْرِ
ذِيْ ذُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا
لِيُقِيمُوْا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَقْبَدَهُ مِّنَ
النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَاُدْرِكْهُمْ مِّنَ
الشَّمَرِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۷﴾

رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا تُخْفِيْ وَمَا تُعْلِنُ
وَمَا يَخْفَىٰ عَلٰی اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِی الْاَرْضِ

۱۔ گمراہ کرنے کی نسبت ان پتھر کی مورتوں کی طرف کی جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، باوجود اس بات کے کہ وہ غیر عاقل ہیں، کیونکہ وہ گمراہی کا باعث تھیں اور ہیں۔

۲۔ مِّنْ ذُرِّيَّتِيْ میں مِّنْ تبعيض کے لیے ہے یعنی بعض اولاد۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صلی بیٹے تھے، جن میں صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا۔ (فتح القدیر)

۳۔ عبادات میں سے صرف نماز کا ذکر کیا، جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے۔

۴۔ یہاں بھی مِّنْ تبعيض کے لیے ہے۔ کہ کچھ لوگ، مراد اس سے مسلمان ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ کس طرح دنیا بھر کے مسلمان مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے علاوہ بھی سارا سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اَفْتَدَ النَّاسِ (لوگوں کے دلوں) کہتے تو عیسائی، یہودی، مجوسی اور دیگر تمام لوگ مکہ پہنچتے۔ مِّنَ النَّاسِ کے مِّنْ نے اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ (ابن کثیر)

۵۔ اس دعا کی تاثیر بھی دیکھ لی جائے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاہ سرزمین میں، جہاں کوئی پھل دار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ میلا ہیں اور حج کے موقع پر بھی جب کہ لاکھوں افراد مزید وہاں پہنچ جاتے ہیں، پھلوں کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں آتی (وَلِهَذَا مِنْ لُطْفِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَكَرَمِهِ وَرَحْمَتِهِ وَبَرَكَتِهِ، اسْتِجَابَةً لِّحَلِيلِهِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَام) کہا جاتا ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مانگی، جب کہ پہلی دعا (امن والا بنادے) اس وقت مانگی، جب اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ (ابن کثیر)

پر پوشیدہ نہیں۔^(۱)

۳۹. اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔ کچھ شک نہیں کہ میرا پالتار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

۴۰. اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی،^(۲) اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔

۴۱. اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش^(۳) اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے۔

۴۲. اور نا انصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھ، وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دیے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔^(۴)

وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝

أَحْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي
رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ ۝

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

وَلَا تَحْصِبَنَّ اللَّهُ عَافِيًا لِّعَمَلٍ
ظَالِمُونَ ۝ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ
فِيهِ الْإِبْصَارُ ۝

۱. مطلب یہ ہے کہ میری دعا کے مقصد کو تو بخوبی جانتا ہے، اس شہر والوں کے لیے دعا سے اصل مقصد تیری رضا ہے تو تو ہر چیز کی حقیقت کو خوب جانتا ہے، آسمان وزمین کی کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں۔

۲. اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا مانگی، جیسے اس سے قبل بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی یہ دعا مانگی کہ انہیں پتھر کی مورتیوں کو پوجنے سے بچا کر رکھنا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے دین کے داعیوں کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ تبلیغ و دعوت میں انہیں اولیت دینی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بھی حکم دیا ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۳) (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے)۔

۳. حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب کہ ابھی ان پر اپنے باپ کا عَدُوّ اللہ ہونا واضح نہیں ہوا تھا، جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اظہار براءت کر دیا، اس لیے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز نہیں چاہے وہ قرابت قریبہ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

۴. یعنی قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ مہلت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مؤاخذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مؤاخذہ الہی سے نہیں بچ سکے گا، جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

۴۳۔ وہ اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے،^(۱) خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے۔^(۲)

۴۴۔ اور لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آجائے گا، اور ظالم کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت تک کی ہی مہلت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے پیغمبروں کی تابعداری میں لگ جائیں۔ کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے؟ کہ تمہارے لیے دنیا سے ملنا ہی نہیں۔^(۳)

۴۵۔ اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے سہتے نہ تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کیا تم پر وہ معاملہ کھلا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا۔ اور ہم نے (تو تمہارے سمجھانے کو) بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں۔^(۴)

۴۶۔ اور یہ اپنی اپنی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ کو ان کی تمام چالوں کا علم ہے^(۵) اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفِئْتُهُمْ هَوَاءً ۝

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ يُحِبُّ دَعْوَتَكَ وَكَتَبِيعَ الرَّسُلِ أَكُنَّا تَلَذُّثًا أَقْسَمُوا مِن قَبْلُ بِاللَّهِ مِن زُورٍ ۝

وَسَلَّمْتُم مِّنْ مَّسَكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَبَيَّنَّ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمَثَالَ ۝

وَقَدْ نَكَرُوا أَنْكَرَهُم وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرَهُمْ وَإِنَّ كَان مَكْرَهُمُ الْغُرُولَ مِنْهُ الْإِجْبَالَ ۝

۱۔ مُهْطِعِينَ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ﴾ (القمر: ۸) (بلانے والے کی طرف دوڑیں گے) مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ حیرت سے ان کے سر اٹھے ہوئے ہوں گے۔

۲۔ جو ہولناکیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انہیں ہوگا، ان کے پیش نظر ان کی آنکھیں ایک لحظہ کے لیے بھی پست نہیں ہوں گی اور کثرت خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔

۳۔ یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ کوئی حساب کتاب اور جنت و دوزخ نہیں، اور دوبارہ کسے زندہ ہونا ہے۔

۴۔ یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان پچھلی قوموں کے واقعات بیان کر دیے ہیں، جن کے گھروں میں اب تم آباد ہو اور ان کے کھنڈرات بھی تمہیں دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمہاری مرضی، پھر تم بھی اسی انجام کے لیے تیار رہو۔

۵۔ یہ جملہ حالیہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ جو کیا وہ کیا، درآں حالیکہ انہوں نے باطل کے اثبات اور حق کے رد کرنے کے

کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔^(۱)

۴۷. آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے گا،^(۲) بے شک اللہ بڑا ہی غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔^(۳)

۴۸. جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی،^(۴) اور سب کے سب غلبے والے اکیلے اللہ کے روبرو ہوں گے۔

۴۹. اور آپ اس دن گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ

فَلَا تَحْصِبَنَّ اللَّهُ عَمَلَهُمْ وَعَدَّ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو نِقَامٍ ﴿۱﴾

يَوْمَ تَبْكَالُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَرَزَوُا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۲﴾

وَنَرَى الْبُحْرَيْنِ مِيزِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنَيْنِ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳﴾

لیے مقدور بھر حیلے اور مکر کیے اور اللہ کو ان تمام چالوں کا علم ہے یعنی اس کے پاس درج ہے جس کی وہ ان کو سزا دے گا۔ اکیونکہ اگر پہاڑ ٹل گئے ہوتے تو اپنی جگہ برقرار نہ ہوتے، جب کہ سب پہاڑ اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار ہیں۔ یہ ان نافیہ کی صورت میں ہے۔ دوسرے معنی اِنْ مُحَقَّقَةً مِنَ الْمُثَقَّلَةِ کے لیے گئے ہیں۔ یعنی یقیناً ان کے مکر تو اتنے بڑے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس نے ان کے مکروں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جیسے مشرکین کے شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَكْذِبُ السَّمَوَاتُ يَكْفُرُونَ مِنْهُ وَيَكْذِبُ الْأَرْضُ وَتَعْرِ الْجِبَالُ هَكَذَا﴾ ﴿۱﴾ اِنْ دَعَا لِلزَّحْمِ وَلَا كَذِبٌ ﴿۲﴾ (مریم: ۹۱، ۹۰) (قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر کہ انہوں نے کہا اللہ رحمن کی اولاد ہے)۔

۲. یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے دنیا اور آخرت میں مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً سچا ہے، اس سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

۳. یعنی اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہے۔

۴. امام شوکانی فرماتے ہیں کہ آیت میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ تبدیلی صفات کے لحاظ سے ہو یا ذات کے لحاظ سے۔ یعنی یہ آسمان و زمین اپنے صفات کے اعتبار سے بدل جائیں گے یا ویسے ہی ذاتی طور پر یہ تبدیلی آئے گی، نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان، زمین بھی کوئی اور ہوگی اور آسمان بھی کوئی اور۔ حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ، كَقَرَصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيهَا عِلْمٌ لِأَحَدٍ» (صحیح مسلم، صفۃ القيامة، باب فی البعث والنشور) (قیامت کے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے ہوں گے جو میدہ کی روٹی کی طرح ہوگی۔ اس میں کسی کا کوئی جھنڈا (یا علامتی نشان) نہیں ہوگا)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جب یہ آسمان و زمین بدل دیے جائیں گے تو پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا «صراط پر» یعنی پل صراط پر۔ (بخاری، کتاب البعث، باب بیان صفۃ منی الرجل) نے فرمایا کہ (لوگ اس دن پل کے قریب اندھیرے میں ہوں گے)۔ (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب بیان صفۃ منی الرجل)

زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔

۵۰۔ ان کے لباس گندھک کے ہوں گے^(۱) اور آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی۔

۵۱۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دے، بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

۵۲۔ یہ قرآن (۲) تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ ہوشیار کر دیے جائیں اور بخوبی معلوم کر لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں۔

سَرَّابِلُهُمْ مِّنْ قَطْرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيَلْعَلُوا انْتَبَهُوا
إِلَهُ وَاحِدٌ وَلِيُنذِرَ كُرْأُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٦﴾

۱. جو آگ سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ علاوہ ازیں آگ نے ان کے چہروں کو بھی ڈھانکا ہوا ہوگا۔

۲۔ اشارہ قرآن کی طرف ہے، یا پچھلی تفصیلات کی طرف، جو ﴿وَلَا تَحْصِبَنَّ اللَّهُ عَافِلًا﴾ سے بنان کی گئی ہیں۔

سُورَةُ الْحَجَرِ

سورہ حجر کی ہے اور اس کی ننانوے آیتیں ہیں اور
چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ تِلْكَ الْكُتُبُ وَفُرَانِ
مُؤْمِنِينَ ①

رُبَمَا يَذُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا
مُسْلِمِينَ ②

ذَرَهُمْ يَافُكُوا وَيَمْتَعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ③

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ
مَعْلُومٌ ④

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑤

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اَلَّذِیْنَ، یہ کتاب الہی کی آیتیں ہیں اور کھلے اور روشن
قرآن کی۔^(۱)

۲. وہ بھی وقت ہو گا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو
کریں گے۔^(۲)

۳. آپ انہیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جھوٹی) امیدوں میں
مشغول ہوتا چھوڑ دیجیے یہ خود ابھی جان لیں گے۔^(۳)

۴. اور کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس
کے لیے مقررہ نوشتہ تھا۔

۵. کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے
رہتا ہے۔^(۴)

۱. کتاب اور قرآن میں سے مراد قرآن کریم ہی ہے، جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ جس طرح ﴿فَدَجَّاءُكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورًا
وَكَتُبٌ مُبِیْنٌ﴾ (المائدہ: ۱۵) میں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم کی تنکیر تفسیم
شان کے لیے ہے یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت و شان والا ہے۔

۲. یہ آرزو کب کریں گے؟ موت کے وقت، جب فرشتے انہیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں یا جب جہنم میں چلے جائیں گے
یا اس وقت جب گناہ گار ایمانداروں کو کچھ عرصہ بطور سزا، جہنم میں رکھنے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا یا میدان محشر
میں، جہاں حساب کتاب ہو رہا ہو گا اور کافر دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو آرزو کریں گے کہ کاش وہ
بھی مسلمان ہوتے۔ رُبَمَا اصل میں تو تکثیر کے لیے ہے لیکن کبھی تقلیل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں
کہ ان کی طرف سے یہ آرزو ہر موقع پر ہوتی رہے گی لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

۳. یہ تہدید و تویخ ہے کہ یہ کافر و مشرک اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آ رہے ہیں تو انہیں چھوڑ دیجیے، یہ دنیاوی لذتوں
سے محظوظ ہوں اور اپنی امیدیں برلائیں۔ عقرب انہیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

۴. جس بستی کو بھی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں، تو فوراً ہلاک نہیں کر ڈالتے، بلکہ ہم ایک وقت مقرر کیے ہوئے
ہیں، اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو انہیں ہلاک کر دیا

۶. اور انہوں نے کہا اے وہ شخص! جس پر قرآن اتارا گیا ہے یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔

۷. اگر تو سچا ہی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا۔^(۱)

۸. ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے۔^(۲)

۹. ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔^(۳)

۱۰. اور ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسول (برابر) بھیجے۔

۱۱. اور (لیکن) جو بھی رسول آتا وہ اس کا مذاق

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝

لَوْ مَا تَأْتِيَنَا بِالْمَلِكَةِ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

مَا نُنَزِّلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كُنَّا إِذَا مُنْظَرِينَ ۝

إِنَّا خَشِئْنَا لِدَٰرِكِرِ الْكَافِرِينَ ۝

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ

جاتا ہے پھر وہ اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتے۔

۱. یہ کافروں کے کفر و عناد کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کو دیوانہ کہتے اور کہتے کہ اگر تو (اے محمد ﷺ) سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ کہ وہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے تاکہ وہ تیری رسالت کی تصدیق کریں یا ہمیں ہلاک کر دیں۔

۲. اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے ہم حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب ہماری حکمت و مشیت عذاب بھیجنے کی مقتضی ہوتی ہے تو پھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور پھر وہ مہلت نہیں دیے جاتے، فوراً ہلاک کر دیے جاتے ہیں۔

۳. یعنی اس کو دست برد زانہ سے اور تحریف و تغیر سے بچانا یہ ہمارا کام ہے۔ چنانچہ قرآن آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اترا تھا، گمراہ فرقے اپنے اپنے گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف تو کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں لیکن پچھلی کتابوں کے برعکس یہ لفظی تحریف اور تغیر سے محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں اہل حق کی ایک جماعت بھی تحریفات معنوی کا پردہ چاک کرنے کے لیے ہر دور میں موجود رہی ہے، جو ان کے گمراہانہ عقائد اور غلط استدلالات کے تار و پود بکھیرتی رہی ہے اور آج بھی وہ اس حاذر پر سرگرم عمل ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کو یہاں ”ذکر“ (نصیحت) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے اہل جہان کے لیے ”ذکر“ (یاد دہانی اور نصیحت ہونے) کے پہلو کو، نبی ﷺ کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کر کے، قیمت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ گویا قرآن کریم اور سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور رسول کو حاصل نہیں ہوا۔

يَسْتَهْزِءُونَ^(۱)

كَذَلِكَ نَسْأَلُكَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ

اڑاتے۔^(۱)۱۲. گناہ گاروں کے دلوں میں ہم اسی طرح یہی رچا دیا کرتے ہیں۔^(۲)لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ^(۳)۱۳. وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً اگلوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے۔^(۳)وَلَوْ فَحَصْنَا عَلَيْهِمْ بِآبَاءِ مَنْ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرِضُونَ^(۴)

۱۴. اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں۔

لَقَالُوا إِنَّمَا سَكِرَاتُ الْأَصْنَانِ لَيْسَ مِنْ قَوْمٍ مُسْحُورُونَ^(۵)۱۵. تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔^(۴)وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَرَاسِيَهُمُ الْوُحُوشُ^(۶)۱۶. اور یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں^(۵) اور ہم

۱. یہ گویا نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی، ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔

۲. یعنی کفر اور رسولوں کا استہزاء ہم مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں یا رچا دیتے ہیں، یہ نسبت اللہ نے اپنی طرف اس لیے کی کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے گو ان کا یہ فعل ان کی مسلسل معصیت کے نتیجے میں اللہ کی مشیت سے رونما ہوا۔
۳. یعنی ان کے ہلاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اللہ نے پہلے سے مقرر کر رکھا ہے کہ تکذیب و استہزاء کے بعد وہ قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔

۴. یعنی ان کا کفر و عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف، اگر خود ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آئیں جائیں، تب بھی انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں بلکہ یہ کہیں کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آ جا رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۵. بُرُوجُ بُرْج کی جمع ہے، جس کے معنی ظہور کے ہیں۔ اسی سے بُرْجُج ہے جو عورت کے اظہار زینت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آسمان کے ستاروں کو بُرُوجُج کہا گیا ہے کیوں کہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بُرُوجُج سے مراد شمس و قمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں، جو ان کے لیے مقرر ہیں۔ اور یہ ۱۲ ہیں، حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ عرب ان سیاروں کی منزلوں اور ان کے ذریعے سے موسم کا حال معلوم کرتے تھے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ ان سے تغیر پذیر ہونے والے واقعات و حوادث جاننے کا دعویٰ کرنا، جیسے آج کل بھی جاہلوں میں اس کا خاصا چرچا ہے۔ اور لوگوں کی قسمتوں کو ان کے ذریعے سے دیکھا اور سمجھا

نے اسے دیکھنے والوں کے لیے سجادیا ہے۔

۱۷. اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔^(۱)

۱۸. ہاں مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے دھکتا ہوا (کھلا شعلہ) لگتا ہے۔^(۲)

۱۹. اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس پر (اٹل) پہاڑ ڈال دیے ہیں، اور اس میں ہم نے ہر چیز ایک معین مقدار سے اگا دی ہے۔^(۳)

وَحَفَظْنَا بَأْسَ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ^(۱)

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ وَاتَّبَعَ شَهَابَ مُبِينٍ^(۲)

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا زَوَايَا

وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ^(۳)

جاتا ہے۔ ان کا کوئی تعلق دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث سے نہیں ہوتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف مشیت الہی ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برجوں یا ستاروں کا ذکر اپنی قدرت اور بے مثال صنعت کے طور پر کیا ہے۔ علاوہ انہیں یہ واضح کیا ہے کہ یہ آسمان کی زینت بھی ہیں۔

۱. رَجِيمٌ مَرْجُومٌ کے معنی میں ہے۔ رَجَمَ کے معنی سنگسار کرنے یعنی پتھر مارنے کے ہیں۔ شیطان کو رَجِيم اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جب آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو آسمان سے شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ کر گرتے۔ پھر رَجِيم ملعون و مردود کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کیوں کہ جسے سنگسار کیا جاتا ہے اسے ہر طرف سے لعنت ملامت بھی کی جاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ ہم نے آسمانوں کی حفاظت فرمائی ہر شیطان رَجِيم سے۔ یعنی ان ستاروں کے ذریعے سے، کیوں کہ یہ شیطان کو مار کر بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

۲. اس کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں پر باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں، جن پر شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرتے ہیں، جن سے کچھ تو جل مر جاتے ہیں اور کچھ بچ جاتے ہیں اور بعض سن آتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ ”جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتا ہے، تو فرشتے اسے سن کر اپنے پر یا بازو پھڑپھڑاتے ہیں، (عجز و مسکت کے اظہار کے طور پر) گویا وہ کسی چٹان پر زنجیر کی آواز ہے۔ پھر جب فرشتوں کے دلوں سے اللہ کا خوف دور ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں، اس نے جو کہا، حق کہا اور وہ بلند اور بڑا ہے (اس کے بعد اللہ کا وہ فیصلہ اوپر سے نیچے تک یکے بعد دیگرے سنایا جاتا ہے)۔ اس موقع پر شیطان چوری چھپے بات سنتے ہیں۔ اور یہ چوری چھپے بات سننے والے شیطان، تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں اور وہ ایک آدھ کلمہ سن کر اپنے دوست نجومی یا کاہن کے کان میں پھونک دیتے ہیں، وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بیان کرتا ہے۔“ (ملخصاً۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ حجر)

۳. مَوْزُونٌ بمعنی مَعْلُومٌ یا بہ اندازہ یعنی حسب ضرورت۔

۲۰. اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنادی ہیں^(۱)
 اور ان کی بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔^(۲)
 ۲۱. اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے
 پاس ہیں،^(۳) اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ انداز سے
 اتارتے ہیں۔

۲۲. اور ہم بھیجتے ہیں بو جھل ہوائیں،^(۴) پھر آسمان سے
 پانی برسا کر وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ کرنے
 والے نہیں ہو۔^(۵)

۲۳. اور ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر)
 وارث ہیں۔

۲۴. اور تم میں سے آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے
 والے بھی ہمارے علم میں ہیں۔

۲۵. اور آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ
 بِرَازِقِينَ ﴿۱﴾

وَأَنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خِزَانَةٌ وَمَا نُنَزِّلُ
 إِلَّا بِإِقْدَارٍ مَعْلُومٍ ﴿۲﴾

وَأَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ لُوطًا فَإِنَّا نَمِنَ السَّمَاءَ مَاءً
 فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿۳﴾

وَأَنَّا لَنَحْنُ غَنِيٌّ وَنُيِّتُ وَنَحْنُ الْمُوْتُونَ ﴿۴﴾

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ
 عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۵﴾

وَأَنَّ رَبَّكَ هُوَ بِحُشْرِهِمْ ذُنُوبِهِمْ عَلِيمٌ ﴿۶﴾

۱. مَعَايِش، مَعِيشَةُ کی جمع ہے۔ یعنی زمین میں تمہاری معیشت اور گزران کے لیے بے شمار اسباب و وسائل پیدا کر دیے۔
 ۲. اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں۔ یعنی جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے، جن پر تم سواری بھی کرتے ہو،
 سامان بھی لاد کر لے جاتے ہو اور انہیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ غلام لونڈیاں ہیں جن سے تم خدمت گزاری کا کام لیتے
 ہو۔ یہ اگرچہ سب تمہارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا
 رازق اللہ تعالیٰ ہے، تم نہیں ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم ان کے رازق ہو، اگر تم انہیں کھانا نہیں دو گے تو بھوکے مر جائیں گے۔
 ۳. بعض نے خزانے سے مراد بارش لی ہے کیونکہ بارش ہی پیداوار کا ذریعہ ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد
 تمام کائنات کے خزانے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ حسب مشیت و ارادہ عدم سے وجود میں لاتا رہتا ہے۔
 ۴. ہواؤں کو بو جھل، اس لیے کہا کہ یہ ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن میں پانی ہوتا ہے۔ جس طرح لَقْحَةً حاملہ اونٹنی کو
 کہا جاتا ہے جو پیٹ میں بچہ اٹھائے ہوتی ہے۔

۵. یعنی یہ پانی جو ہم اتارتے ہیں، اسے تم ذخیرہ کر کے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہو۔ یہ ہماری ہی قدرت و رحمت ہے کہ ہم
 اس پانی کو چشموں، کنوؤں اور نہروں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں، ورنہ اگر ہم چاہیں تو پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ
 چشموں اور کنوؤں سے پانی لینا تمہارے لیے ممکن نہ رہے، جس طرح بعض علاقوں میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنی قدرت
 کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

بڑی حکمتوں والا بڑے علم والا ہے۔

۲۶. اور یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھاتی مٹی سے، پیدا فرمایا ہے۔^(۱)

۲۷. اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ^(۲) سے پیدا کیا۔

۲۸. اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کالی اور سڑی ہوئی کھنکھاتی مٹی سے ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔

۲۹. تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔^(۳)

۳۰. چنانچہ تمام فرشتوں نے سب کے سب نے سجدہ کر لیا۔

۳۱. سوائے ابلیس کے۔ کہ اس نے سجدہ کرنے والوں

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ^(۱)

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّمُورِ^(۲)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ^(۳)

فَإِذْ أَسْمَوْنَهُ وَفَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعَوْا لَهُ سٰجِدِينَ^(۴)

سَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰمِعُونَ^(۵)

إِلَّا إِبْلِيسَ اٰنَ يَكُوْنُ مَعَ السَّٰجِدِينَ^(۶)

۱. مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ خشک مٹی تُرَاب، بھگی ہوئی طین، گوندھی ہوئی بدبودار ﴿حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾ یہ حَمَإٍ مَسْنُونٍ خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگے تو صَلْصَالٍ اور جب اسے آگ میں پکالیا جائے تو فَخَّارٌ (ٹھیکری) کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا پتلا حَمَإٍ مَسْنُونٍ (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار) مٹی سے بنایا گیا، جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا (یعنی صلاصلا) ہو گیا۔ تو اس میں روح پھونکی گئی، اسی صَلْصَالٍ کو قرآن میں دوسری جگہ کَالْفَخَّارِ فخار کی مانند کہا گیا ہے۔ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمن: ۱۳) (پیدا کیا انسان کو کھنکھاتی مٹی سے جیسے ٹھیکری)۔

۲. جن کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ سورہ رحمن میں جنات کی تخلیق ﴿مَخْلُوجٍ مِنْ نَّارٍ﴾ سے بتلایا گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہی کہا گیا ہے، «خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرِ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ» (کتاب الزہد، باب فی احادیث متفرقة) اس اعتبار سے لو والی آگ یا آگ کے شعلے کا ایک ہی مطلب ہو گا۔

۳. سجدے کا یہ حکم بطور تعظیم کے تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں۔ تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

میں شمولیت کرنے سے (صاف) انکار کر دیا۔

۳۲. (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو

سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟

۳۳. وہ بولا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ

کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھاتی مٹی سے

پیدا کیا ہے۔^(۱)

۳۴. فرمایا اب تو بہشت سے نکل جا کیوں کہ تو راندہ

درگاہ ہے۔

۳۵. اور تجھ پر میری پھنکار ہے قیامت کے دن تک۔

۳۶. کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک کی

ڈھیل دے کہ لوگ دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں۔

۳۷. فرمایا کہ اچھا تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت ملی

ہے۔

۳۸. روز مقرر کے وقت تک کی۔

۳۹. (شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے

مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین

میں ان کے لیے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب

کو بہکاؤں گا بھی۔

۴۰. سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے

ہیں۔

۴۱. ارشاد ہوا کہ ہاں یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی

قَالَ يَا ابْلَيسُ مَا لَكَ اَلَا تَتَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿۳۲﴾

قَالَ لَمَّا اَكُنْ لَاسْجِدَ لِبَسْ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلَٰلٍ
مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿۳۳﴾

قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَٰجِعٌ

وَرَاٰنَ عَلَیْكَ اللَّعْنَةُ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۴﴾

قَالَ رَبِّ فَلَا تُظِرَّنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۵﴾

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۶﴾

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۷﴾

قَالَ رَبِّ بِمَا اَعُوْذُبْنِیْ لَا تَزِیْنَنَّ لَهُمْ فِی
الْاَرْضِ وَلَا اَعُوْذُبُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۸﴾

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۳۹﴾

قَالَ هٰذَا اِصْرٌ اَاطَعْتَیْ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۰﴾

۱. شیطان نے انکار کی وجہ حضرت آدم علیہ السلام کا خاکی اور بشر ہونا بتلایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور بشر کو اس کی بشریت کی بنا پر حقیر اور کم تر سمجھنا یہ شیطان کا فلسفہ ہے، جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اہل حق انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر نہیں، اس لیے کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں بشریت سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

راہ ہے۔^(۱)

۴۲. میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں،^(۲) لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں۔

۴۳. اور یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔^(۳)

۴۴. جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے۔^(۴)

۴۵. پر ہیزگار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔^(۵)

لَإِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ
إِلَّا مَنَ اشْعَكَ مِنَ الْعٰوِيْنَ ۝

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ
مَّقْسُوْمٌ ۝

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّاتٍ وَعُيُوْنٍ ۝

۱. یعنی تم سب کو بالآخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، جنہوں نے میرا اور میرے رسولوں کا اتباع کیا ہوگا، میں انہیں اچھی جزاء دوں گا اور جو شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ہوگا اسے سخت سزا دوں گا جو جہنم کی صورت میں تیار ہے۔

۲. یعنی میرے نیک بندوں پر تیرا دائرہ نہیں چلے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے ایسا گناہ نہیں ہوگا کہ جس کے بعد وہ تادم اور تائب نہ ہوں کیوں کہ وہی گناہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہے کہ جس کے بعد انسان کے اندر ندامت کا احساس اور توبہ و انابت الی اللہ کا داعی پیدا نہ ہو۔ ایسے گناہ کے بعد ہی انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے، اور بالآخر دائمی تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳. یعنی جتنے بھی تیرے پیروکار ہوں گے، سب جہنم کا ایندھن نہیں گے۔

۴. یعنی ہر دروازہ مخصوص قسم کے لوگوں کے لیے خاص ہوگا۔ مثلاً ایک دروازہ مشرکوں کے لیے، ایک دہریوں کے لیے، ایک زندلیقوں کے لیے، ایک زانیوں، سود خوروں، چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ یا سات دروازوں سے مراد سات طبق اور درجے ہیں۔ پہلا طبق یا درجہ جہنم ہے، دوسرا لٹی، پھر حطمہ، پھر سیر، پھر سقر، پھر تجیم، پھر ہادیہ، سب سے اوپر والا درجہ موحدین کے لیے ہوگا۔ جنہیں کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد یا سفارش پر نکال لیا جائے گا۔ دوسرے میں یہودی، تیسرے میں عیسائی، چوتھے میں صابی، پانچویں میں مجوسی، چھٹے میں مشرکین اور ساتویں میں منافقین ہوں گے۔ سب سے اوپر والے درجے کا نام جہنم ہے اس کے بعد اسی ترتیب سے نام ہیں۔ (فتح القدیر)

۵. جہنم اور اہل جہنم کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ جنت میں جانے کی ترغیب ہو۔ متقین سے مراد شرک سے بچنے والے موحدین ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان جو تمام معاصی سے بچتے رہے۔ جنّات سے مراد باغات اور عیوْن سے نہریں مراد ہیں۔ یہ باغات اور نہریں یا تو تمام متقین کے لیے مشترک ہوں گی، یا ہر ایک کے لیے الگ الگ باغات اور نہریں یا ایک ایک باغ اور نہر ہوگی۔

ادْخُلُوْهَاۤ اِسْلَٰمًاۙ اٰمِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ (ان سے کہا جائے گا) سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔^(۱)

وَنَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے،^(۲) وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌۭ وَّمَا هُمْ فِيْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ نہ تو وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا عِبَادِیْ اٰتٰی اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں۔

وَاِنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ صٰبِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا (بھی) حال سنا دو۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًاۙ قَالَ اِنَّاۤ اِمْنُكُمْ وَجٰلُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ کہ جب انہوں نے ان کے پاس آکر سلام کہا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے۔^(۳)

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نَبِّئُكَ بِعِلْمٍ عَلَیْهِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک صاحب علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔

قَالَ اٰتَشْرُئُوْۤنِیْ عَلٰی اَنْ مَّسَّیْنِی الْکِبَرُ فِیْهِمْ تَبٰشُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کہا، کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو! یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟

۱۔ سلامتی ہر قسم کی آفات سے اور امن ہر قسم کے خوف سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا فرشتے اہل جنت کو سلامتی کی دعا دیں گے۔ یا اللہ کی طرف سے ان کی سلامتی اور امن کا اعلان ہوگا۔

۲۔ دنیا میں ان کے درمیان جو آپس میں حسد اور بغض و عداوت کے جذبات رہے ہوں گے، وہ ان کے سینوں سے نکال دیے جائیں گے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دل آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں گے۔

۳۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ان فرشتوں سے ڈر اس لیے محسوس ہوا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا تیار کردہ بھنا ہوا بچھڑا نہیں کھایا، جیسا کہ سورہ ہود میں تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا، اگر پیغمبر عالم الغیب ہوتے تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سمجھ جاتے کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ فرشتے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔

۵۵. انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔^(۱)

۵۶. کہا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔^(۲)

۵۷. پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتوں!) تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے؟^(۳)

۵۸. انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

۵۹. مگر خاندان لوط (علیہ السلام) کہ ہم ان سب کو تو ضرور بچالیں گے۔

۶۰. سوائے اس (لوط علیہ السلام) کی بیوی کے کہ ہم نے اسے رکھنے اور باقی رہ جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے۔

۶۱. جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے۔

۶۲. تو انہوں (لوط علیہ السلام) نے کہا تم لوگ تو کچھ انجان سے معلوم ہو رہے ہو۔^(۴)

۶۳. انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک و شبہ کر رہے تھے۔^(۵)

قَالُوا بَشِّرْكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْفَظِطِينَ ۝

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَنَجُوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ۝

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ بِالْمُرْسَلِينَ ۝

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّتَكَبِّرُونَ ۝

قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝

۱. کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں وہ ہر بات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لیے ناممکن نہیں۔

۲. یعنی اولاد کے ہونے پر میں جو تعجب اور حیرت کا اظہار کر رہا ہوں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کر رہا ہوں یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوں۔ رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

۳. حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے ہیں بلکہ ان کی آمد کا اصل مقصد کوئی اور ہے۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا۔

۴. یہ فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کے لیے بالکل انجان تھے، اس لیے انہوں نے ان سے اجنبیت اور بیگانگی کا اظہار کیا۔

۵. یعنی عذاب الہی۔ جس میں تیری قوم کو شک ہے کہ وہ ابھی سکتا ہے؟

وَأَتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۴﴾

۶۴. اور ہم تو تیرے پاس (صریح) حق لائے ہیں اور ہیں بھی بالکل سچے۔^(۱)

۶۵. اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں چل دے اور آپ ان کے پیچھے رہنا،^(۲) اور (خبردار) تم میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم کیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا۔

۶۶. اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی۔^(۳)

۶۷. اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔^(۴)

۶۸. (لوط علیہ السلام نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔^(۵)

۶۹. اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔

۷۰. وہ بولے کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟^(۶)

فَأَمْرًا إِلَىٰ هَٰذَا يُفْطَحُ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبَعُوا أَدْبَارَهُمْ
وَلَا يَلْتَفِتُونَ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَأَمْضَوْا حَيْثُ
تُؤْمَرُونَ ﴿۱۵﴾

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَهُمْ لَا مَفْطُوحٌ
مُّصْبِحِينَ ﴿۱۶﴾

وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۷﴾

قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ صِغَبِي فَلَا تَنْصَحُونِ ﴿۱۸﴾

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنِ ﴿۱۹﴾

قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعِلْمِينَ ﴿۲۰﴾

۱. اس صریح حق سے بھی عذاب مراد ہے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے، اس لیے انہوں نے کہا ہم ہیں بھی بالکل سچے۔ یعنی عذاب کی جو بات ہم کر رہے ہیں۔ اس میں سچے ہیں۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔
۲. تاکہ کوئی مومن پیچھے نہ رہے، تو ان کو آگے کرتا رہے۔

۳. یعنی لوط علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہونے تک ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی، یا دابیر سے مراد وہ آخری آدمی ہے جو باقی رہ جائے گا، فرمایا، وہ بھی صبح ہونے تک ہلاک کر دیا جائے گا۔

۴. ادھر تو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں قوم کی ہلاکت کا یہ فیصلہ ہو رہا تھا۔ ادھر قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو اپنی امر پرستی کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور خوشی خوشی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ان نوجوانوں کو ان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے بے حیائی کا ارتکاب کر کے اپنی تسکین کر سکیں۔

۵. حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مہمان ہیں انہیں میں کس طرح تمہارے سپرد کر سکتا ہوں، اس میں تو میری رسوائی ہے۔

۶. انہوں نے ڈھننائی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط! (علیہ السلام) تو ان اجنبیوں کا کیا لگتا ہے؟ اور کیوں ان کی حمایت کرتا ہے؟ کیا ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہے کہ اجنبیوں کی حمایت نہ کیا کر، یا ان کو اپنا مہمان نہ بنایا کر! یہ

قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٥١﴾

۷۱۔ (لوط علیہ السلام نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں۔^(۱)

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٥٢﴾

۷۲۔ تیری عمر کی قسم! وہ تو اپنی بد مستی میں سرگرداں تھے۔^(۲)

فَاتَّخَذَتْهُمْ السَّيِّئَةُ مَشْرُقِينَ ﴿٥٣﴾

۷۳۔ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک بڑے زور کی آواز نے پکڑ لیا۔^(۳)

فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمُ سَائِغًا وَّآمُطًا عَلَيْهِمُ حَجَارَةٌ وَنَّارٌ سَاجِدَةٌ ﴿٥٤﴾

۷۴۔ بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کر دیا^(۴) اور ان لوگوں پر کنکر والے پتھر برسائے۔^(۵)

إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُتَوَسِّمِينَ ﴿٥٥﴾

۷۵۔ بلاشبہ بصیرت والوں کے لیے^(۶) اس میں بہت سی

ساری گفتگو اس وقت ہوئی جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ اجنبی مہمان اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور وہ اسی ناہنجار قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو ان فرشتوں کے ساتھ بد فعلی کے لیے مصر تھی، جیسا کہ سورہ ہود میں یہ تفصیل گزری چکی ہے۔ یہاں ان کے فرشتے ہونے کا ذکر پہلے آگیا ہے۔

۱۔ یعنی ان سے تم نکاح کر لو یا پھر اپنی قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا، یعنی تم عورتوں سے نکاح کرو یا جن کے حوالہ عقد میں عورتیں ہیں، وہ ان سے اپنی خواہش پوری کریں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب فرما کر، ان کی زندگی کی قسم کھا رہا ہے، جس سے آپ کا شرف و فضل واضح ہے۔ تاہم کسی اور کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حاکم مطلق ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے، اس سے کون پوچھنے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح شراب کے نشے میں دھت انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ اپنی بد مستی اور گمراہی میں اتنے سرگرداں تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی اتنی معقول بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔

۳۔ ایک چنگھاڑنے، جب کہ سورج طلوع ہو چکا تھا، ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زوردار آواز حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تھی۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر آسمان پر لے جایا گیا اور وہاں سے ان کو الناکر زمین پر پھینک دیا گیا۔ یوں اوپر والا حصہ نیچے اور نچلا حصہ اوپر کر کے تہ دہلا کر دیا گیا، اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد محض اس بستی کا چھتوں سمیت زمین بوس ہو جانا ہے۔

۵۔ اس کے بعد ان پر کنکر کی قسم کے مخصوص پتھر برسائے گئے۔ اس طرح گویا تین قسم کے عذابوں سے انہیں دوچار کر کے نشان عبرت بنادیا گیا۔

۶۔ گہری نظر سے جائزہ لینے اور غور و فکر کرنے والوں کو مُتَوَسِّمِينَ کہا جاتا ہے۔ مُتَوَسِّمِينَ کے لیے اس واقعے میں عبرت کے پہلو اور نشانیاں ہیں۔

نشانیاں ہیں۔

۷۶۔ یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو برابر چلتی رہتی (عام گذر گاہ) ہے۔^(۱)

۷۷۔ اور اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

۷۸۔ اور ایک بستی کے رہنے والے بھی بڑے عالم تھے۔^(۲)

۷۹۔ جن سے (آخر) ہم نے انتقام لے ہی لیا۔ اور یہ دونوں شہر کھلے (عام) راستے پر ہیں۔^(۳)

۸۰۔ اور حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔^(۴)

۸۱۔ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائیں (لیکن) تاہم وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔^(۵)

وَأَتَاهُمُ الْبَسِيطُ الْمُبِينُ ۝

إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَنْكَبَةِ ظَالِمِينَ ۝

فَأَنقَبْنَا مِنْهُمُ وَإِنَّا لَمَالِمٌ مُّبِينٌ ۝

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ۝

وَآتَيْنَهُمُ الْآيَاتِ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝

۱۔ مراد شاہراہ عام ہے۔ یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینے سے شام کو جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہیں۔ ہر آنے جانے والے کو انہی بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں یہ پانچ بستیاں تھیں۔ سَدُومُ (یہ مرکزی بستی تھی)، صَعْبَةُ، صَعُوقَہ، عَثْرَہ اور دُومَا کہا جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے بازو پر انہیں اٹھایا اور آسمان پر چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کے بولنے کی آوازیں سنیں اور پھر ان کو زمین پر دے مارا (ابن کثیر) مگر اس بات کی کوئی سند نہیں ہے۔

۲۔ اَنْكَبَةُ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اس بستی میں گھنے درخت ہوں گے۔ اس لیے انہیں أَصْحَابُ الْاَنْكَبَةِ (بن یا جنگل والے) کہا گیا ہے۔ مراد اس سے قوم شعیب ہے اور ان کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد ہے اور ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔ اسے مدین کہا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام پڑ گیا تھا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، رہزنی ان کا شیوہ اور کم تولنا اور کم ناپنا ان کا وطیرہ تھا، ان پر جب عذاب آیا تو ایک تو بادل ان پر سایہ فگن ہو گیا پھر چنگھاڑ اور بھونچال نے مل کر ان کو ہلاک کر دیا۔

۳۔ اِمَامٌ مُّبِينٌ کے معنی بھی شاہراہ عام کے ہیں، جہاں سے شب و روز لوگ گزرتے ہیں۔ دونوں شہر سے مراد قوم لوط کا شہر اور قوم شعیب کا مسکن ”مدین“ مراد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔

۴۔ حجر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ”ثمود“ کی بستیوں کا نام تھا۔ انہیں أَصْحَابُ الْحَجَرِ (حجر والے) کہا گیا ہے۔ یہ بستی مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، یہ اس لیے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ایسے ہی ہے جیسے سارے پیغمبروں کی تکذیب۔“

۵۔ ان نشانوں میں وہ اونٹنی بھی تھی جو ان کے کہنے پر ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی، لیکن ظالموں نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔

وَكَاذِبًا يَكْتُمُونَ مِنَ الْجِبَالِ تُبُورًا
أَمْنِينَ ۝

فَاَخَذَ نَعْمُ الصَّيْحَةَ مُصْبِحِينَ ۝

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

۸۲. اور یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے، بے خوف ہو کر۔^(۱)

۸۳. آخر انہیں بھی صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑنے آدلوچا۔^(۲)

۸۴. پس ان کی کسی تدبیر و عمل نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْغِرِ الصَّفْعَ
الْحَمِيلَ ۝

إِنَّ رِجْكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ
الْعَظِيمَ ۝

لَا تُمَدِّنْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ

۸۵. اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے،^(۳) اور قیامت ضرور بالضرور آنے والی ہے۔ پس تو حسن و خوبی (اور اچھائی) سے درگزر کر لے۔

۸۶. یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

۸۷. اور یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں^(۴) کہ دہرائی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے۔

۸۸. آپ ہرگز اپنی نظریں اس چیز کی طرف نہ دوڑائیں،

۱. یعنی بغیر کسی خوف یا احتیاج کے پہاڑ تراش لیا کرتے تھے۔ ۹ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اس بستی سے گزرے تو آپ ﷺ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گزرو۔ (ابن کثیر)، صحیح بخاری: ۴۳۳ اور مسلم: ۲۲۸۵ میں بھی یہ روایت ہے۔

۲. حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، چنانچہ چوتھے روز ان پر یہ عذاب آگیا۔

۳. حق سے مراد وہ فوائد و مصالح ہیں جو آسمان و زمین کی پیدائش سے مقصود ہیں۔ یا حق سے مراد محسن (نیکیار) کو اس کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ دینا ہے۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا ”اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ بروں کو ان کی برائیوں کا اور نیکیوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دے۔“ (النجم: ۳۱)

۴. سَبْعٌ مَّثَانِي سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔ یہ سات آیتیں ہیں اور جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (مثنائی کے معنی بار بار دہرانے کے کیے گئے ہیں) حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یہ سب مثنائی اور قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ الحجر) ایک اور حدیث میں فرمایا ﴿أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ﴾ (حوالہ مذکور) سورہ فاتحہ قرآن کا ایک جزء ہے اس لیے قرآن عظیم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے، اور نہ ان پر آپ افسوس کریں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں۔^(۱)

۸۹. اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

۹۰. جیسے کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔^(۲)

۹۱. جنہوں نے اس کتاب الہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

۹۲. قسم ہے تیرے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔

۹۳. ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔

۹۴. پس آپ^(۳) اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجیے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔

أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْنَا
جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱﴾

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۲﴾

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۳﴾

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿۴﴾

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْبَعِينَ ﴿۵﴾

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶﴾

فَاصْدَعْ بِأُتُومِرٍ وَأَوْحُضْ عَنِ الْمُبْشِرِينَ ﴿۷﴾

۱. یعنی ہم نے سورہ فاتحہ اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، اس لیے دنیا اور اس کی زمینوں اور ان مختلف قسم کے اہل دنیا کی طرف نظر نہ دوڑائیں جن کو دنیائے فانی کی عارضی چیزیں ہم نے دی ہیں اور وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اس پر غم نہ کھائیں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں، یعنی ان کے لیے نرمی اور محبت کا رویہ اپنائیں۔ اس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ اپنے بچوں کو اپنے سایہ شفقت میں لیتا ہے تو ان کو اپنے بازوؤں یعنی پروں میں لے لیتا ہے۔ یوں یہ ترکیب نرمی، پیار و محبت کا رویہ اپنانے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔

۲. بعض مفسرین کے نزدیک أَنْزَلْنَا کا مفعول الْعَذَابُ مخدوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھول کر ڈرانے والا ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کے جو مُقْتَسِمِينَ پر نازل ہوا مُقْتَسِمِينَ کون ہیں؟ جنہوں نے کتاب الہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کی قوم مراد ہے جنہوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، اس کے بعض حصے کو شعر، بعض کو سحر (جادو) بعض کو کہانت اور بعض کو اساطیر الاولین (پہلوں کی کہانیاں) قرار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مُقْتَسِمِينَ سے اہل کتاب اور قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ انہوں نے ان آسمانی کتابوں کو متفرق اجزاء میں بانٹ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو رات کے اندھیرے میں قتل کر دیں گے۔ ﴿قَالُوا اتَّكَسَبُوا بِاللَّهِ لَنْبِيئَتَهُ﴾ (النمل: ۴۹) اور آسمانی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ عِضِينَ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

۳. اَصْدَعْ کے معنی ہیں کھول کر بیان کرنا، اس آیت کے نزول سے قبل آپ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے، اس کے بعد آپ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ (فتح القدیر)

إِنَّا كُنْهِنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾

۹۵. آپ سے جو لوگ مسخراپن کرتے ہیں ان کی سزا کے لیے ہم کافی ہیں۔

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

۹۶. جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

۹۷. اور ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾

۹۸. آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔

وَلْعَبْدُ رَبِّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

۹۹. اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔^(۱)

۱. مشرکین آپ کو ساحر، مجنون، کاہن وغیرہ کہتے جس سے بشری جبلت کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہوتے، اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ حمد و ثنا کریں، نماز پڑھیں اور اپنے رب کی عبادت کریں، اس سے آپ کو قلبی سکون بھی ملے گا اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہوگی، سجدے سے یہاں نماز اور یقین سے مراد موت ہے۔

سورہ نحل کی ہے اور اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں
اور سولہ رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنِّي أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَنَهُ
وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ①

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالزُّبُرِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ
مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
فَلَا تُقُونَ ②

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى عَمَّا
يُشْرِكُونَ ③

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا، اب اس کی جلدی نہ چماؤ۔^(۱) تمام
پاک اس کے لیے ہے وہ برتر ہے ان سب سے جنہیں یہ
اللہ کے نزدیک شریک بتلاتے ہیں۔

۲. وہی فرشتوں کو اپنی وحی^(۲) دے کر اپنے حکم سے
اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے^(۳) اتارتا ہے کہ
تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں،
پس تم مجھ سے ڈرو۔

۳. اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا^(۴)
وہ اس سے بری ہے جو مشرک کرتے ہیں۔

۴. اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ صریح جھگڑالو

۱. اس سے مراد قیامت ہے، یعنی وہ قیامت قریب آگئی ہے جسے تم دور سمجھتے تھے، پس جلدی نہ چماؤ، یا وہ عذاب
مراد ہے جسے مشرکین طلب کرتے تھے۔ اسے مستقبل کے بجائے ماضی کے صیغے سے بیان کیا، کیوں کہ اس کا وقوع
یقینی ہے۔

۲. رُوح سے مراد وحی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا تَكَتُّ بِذِي نَارٍ وَلَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا عَيْنُنَا﴾ (الشوری: ۵۲) (اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے وحی کی، اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ
کتاب کیا ہے، اور ایمان کیا ہے)۔

۳. مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا ﴿إِنَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (الأنعام: ۱۲۳)
اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔ ﴿يُنْفِخُ الزُّبُرَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾
(المؤمن: ۱۵) (وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی ڈالتا یعنی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات والے
(قیامت کے) دن سے لوگوں کو ڈرائے)۔

۴. یعنی محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے جزاء و سزا، جیسا کہ
ابھی تفصیل گزری۔

مُؤَيَّنٌ ۝

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ
وَمِنْهَا تَكْلُمُونَ ۝

وَلَكُمْ فِيهَا جِبَالٌ خِثٌّ تُرِيحُونَ وَجِثٌّ
تَسْرَحُونَ ۝

وَتَحْمِلُ أَوْتَاقُكُمُ إِلَىٰ بَكَرٍ لَّكُمْ تَكُونُوا بِلُؤْيِيهِ
الْإِبْشِيرِ الْكَافِرِينَ إِنْ رَبُّكُمْ لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ ۝

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا
وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(۱) بن بیٹھا۔

۵. اور اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے نفع ہیں^(۲) اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔

۶. اور ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چرا کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی۔^(۳)

۷. اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔

۸. اور گھوڑوں کو خچروں کو، گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان کی سواری لو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔^(۴)

۱. یعنی ایک جامد چیز سے جو ایک جاندار کے اندر سے نکلتی ہے، جسے منی کہا جاتا ہے۔ اسے مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل صورت دی جاتی ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے اور ماں کے پیٹ سے نکال کر اس دنیا میں لاتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے لیکن جب اسے شعور آتا ہے تو اسی رب کے معاملے میں جھگڑتا، اس کا انکار کرتا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

۲. اسی احسان کے ساتھ دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ چوپائے (اونٹ، گائے اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے، جن کے بالوں اور اون سے تم گرم پکڑے تیار کر کے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو، مثلاً ان سے دودھ حاصل کرتے ہو، ان پر سواری کرتے اور سامان لاتے ہو، ان کے ذریعے سے ہل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

۳. تُرِيحُونَ جب شام کو چراگاؤ سے چرا کر گھر لاؤ تَسْرَحُونَ جب صبح چرانے کے لیے لے جاؤ، ان دونوں وقتوں میں یہ لوگوں کی نظروں میں آتے ہیں جس سے تمہارے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان دونوں اوقات کے علاوہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے یا پاؤں میں بند رہتے ہیں۔

۴. یعنی ان کی پیدائش کا اصل مقصد اور فائدہ تو ان پر سواری کرنا ہے تاہم یہ زینت کا بھی باعث ہیں۔ گھوڑے، خچر، اور گدھوں کے الگ ذکر کرنے سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر۔ علاوہ ازیں کھانے والے چوپایوں کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ اس لیے اس آیت میں جن تین جانوروں کا ذکر ہے، یہ صرف رکوب (سواری) کے لیے ہے۔ لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ صحیح احادیث سے گھوڑے

اور بھی وہ ایسی بہت چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔^(۱)

۹. اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دیتا ہے^(۲) اور بعض ٹیڑھی راہیں ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا۔^(۳)

۱۰. وہی تمہارے فائدے کے لیے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔

۱۱. اسی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے بے شک ان لوگوں

وَعَلَى اللَّهِ تَصَدُّقُ السَّيْلِ وَمِنْهَا جَبْرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ^①

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ^②

يُبَيِّتُ لَكُمْ بِهِ الرِّزْقَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کی حلت ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ اَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ (صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب لحوم الخیل، باب فی أكل لحوم الخیل) علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی موجودگی میں خیبر اور مدینہ میں گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا (لاحظہ ہو صحیح مسلم، باب مذکور، ومسند أحمد، ج ۳، ص ۳۵۶، أبوداود کتاب الأطعمة، باب فی أكل لحوم الخیل) اسی لیے جمہور علماء اور سلف و خلف کی اکثریت گھوڑے کی حلت کی قائل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یہاں گھوڑے کا ذکر محض سواری کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا غالب ترین استعمال اسی مقصد کے لیے ہے، خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت ہی نادر ہے۔ بھیڑ بکری کی طرح اس کو خوراک کے لیے ذبح نہیں کیا جاتا۔ ۱. زمین کے زیریں حصے میں، اسی طرح سمندر میں، اور بے آب و گیاہ صحراؤں اور جنگلوں میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرماتا رہتا ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی میں انسان کی بنائی ہوئی وہ چیزیں بھی آجاتی ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے دماغ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کی پیدا کردہ چیزوں کو مختلف انداز میں جوڑ کر وہ تیار کرتا ہے، مثلاً بس، کار، ریل گاڑی، جہاز اور ہوائی جہاز اور اس طرح کی بے شمار چیزیں اور جو مستقبل میں متوقع ہیں۔

۲. اس کے ایک دوسرے معنی ہیں ”اور اللہ ہی پر ہے سیدھی راہ“ یعنی اس کا بیان کرنا۔ چنانچہ اس نے اسے بیان فرمادیا اور ہدایت اور ضلالت دونوں کو واضح کر دیا، اسی لیے آگے فرمایا کہ بعض راہیں ٹیڑھی ہیں یعنی گمراہی کی ہیں۔

۳. لیکن اس میں چوں کہ جبر ہوتا اور انسان کی آزمائش نہ ہوتی، اس لیے اللہ نے اپنی مشیت سے سب کو مجبور نہیں کیا، بلکہ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے، انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔

کے لیے تو اس میں بڑی نشانی ہے^(۱) جو غور و فکر کرتے ہیں۔

۱۲. اور اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے لیے تابع کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لیے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں۔^(۲)

۱۳. اور بھی بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ و روپ کی اس نے تمہارے لیے زمین پر پھیلا رکھی ہیں۔ بیشک نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی بھاری نشانی ہے۔^(۳)

۱۴. اور دریا بھی اسی نے تمہارے بس میں کر دیے ہیں کہ تم اس میں سے (نکلا ہوا) تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے اپنے پھنے کے زیورات نکال سکو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس میں پانی چیرتی ہوئی (چلتی) ہیں اور اس لیے بھی کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور ہو سکتا ہے کہ تم شکر گزاری بھی کرو۔^(۴)

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَفَكَّرُونَ^(۱)

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالنَّجْمُومُ مَسْخُورَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ^(۲)

وَمَا ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَذَكَّرُونَ^(۳)

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَكُمْ شَٰوِبًا مِّنْهُ
لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُ مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلَ كَمَا تَلْجُ فِیْهِ
وَلَبْتَ غَوَامٍ مِّنْ قُضَاهٍ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ^(۴)

۱. اس میں بارش کے وہ فوائد بیان کیے گئے ہیں، جو ہر شخص کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں وہ محتاج وضاحت نہیں۔ نیز ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۲. کس طرح رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، چاند اور سورج کس طرح اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں رہتے ہیں اور ان میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا، ستارے کس طرح آسمان کی زینت اور رات کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے دلیل راہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔

۳. یعنی زمین میں اللہ نے جو معدنیات، نباتات، جمادات اور حیوانات اور ان کے منافع اور خواص پیدا کیے ہیں، ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

۴. اس میں سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو انسان کے تابع کر دینے کے بیان کے ساتھ، اس کے تین فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے مچھلی کی شکل میں تازہ گوشت کھاتے ہو (اور مچھلی مردہ ہوتی ہے حلال ہے۔ علاوہ ازیں حالت احرام میں بھی اس کو شکار کرنا حلال ہے)۔ دوسرا، اس سے تم موتی، سہیاں اور جواہر نکالتے ہو، جن سے تم زیور

۱۵. اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے ہیں تاکہ تمہیں لے کر ہلے نہ،^(۱) اور نہریں اور راہیں بنادیں تاکہ تم منزل مقصود کو پہنچو۔^(۲)

۱۶. اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں۔

۱۷. تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے؟^(۳)

۱۸. اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم اسے نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۹. اور جو کچھ تم چھپاؤ اور ظاہر کرو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔^(۴)

۲۰. اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے

وَالْفِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تَبِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ^(۱)

وَعَلَّمَتْهُمُ الرُّسُلَ مِمَّا بَدَّوْنَهُمْ^(۲)

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ^(۳)

وَأَنْ تَعْبُدُوا إِلَهًا لَّهُ لَمْ تُغْنِهَا عَنْ اللَّهِ لَعَفُورٌ رَجِيمٌ^(۴)

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُشِيرُونَ وَمَا تَعْلَمُونَ^(۵)

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ^(۶)

بناتے ہو۔ تیسرا، اس میں تم کشتیاں اور جہاز چلاتے ہو، جن کے ذریعے سے تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہو، تجارتی سامان بھی لاتے لے جاتے ہو، جس سے تمہیں اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے جس پر تمہیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

۱. یہ پہاڑوں کا فائدہ بیان کیا جا رہا ہے اور اللہ کا ایک احسان عظیم بھی، کیونکہ اگر زمین ہلتی رہتی تو اس میں سکونت ممکن ہی نہ رہتی۔ اس کا اندازہ ان زلزلوں سے کیا جاسکتا ہے جو چند سیکنڈوں اور لمحوں کے لیے آتے ہیں، لیکن کس طرح وہ بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو پیوند زمین اور شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

۲. نہروں کا سلسلہ بھی عجیب ہے، کہاں سے وہ شروع ہوتی ہیں اور کہاں کہاں، دائیں بائیں، شمال و جنوب، مشرق و مغرب ہر جہت کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی طرح راستے بنائے، جن کے ذریعے سے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔

۳. ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان تمام چیزوں کا خالق ہے، لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، انہوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جب کہ تم نے انہیں معبود بنا کر اللہ کے برابر ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا نہیں سوچتے؟

۴. اور اس کے مطابق وہ قیامت کے دن جزاء اور سزا دے گا۔ نیک کو نیکی کی جزاء اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

ہوئے ہیں۔^(۱)

۲۱. مردے ہیں زندہ نہیں،^(۲) انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔^(۳)

۲۲. تم سب کا معبود صرف اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے بھرے ہوئے ہیں۔^(۴)

۲۳. بے شک وشبہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو، جسے وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں، بخوبی جانتا ہے۔ یقیناً وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۵)

۲۴. اور ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۱﴾

إِلَهُمُّ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۲﴾

لَكَجَرَمَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ وَمَا يَعْلَمُونَ
إِنَّهُ لَیُّحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۳﴾

وَلَا تَقْصِلْ لَهُمْ مَادًّا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۴﴾

۱. اس میں ایک چیز کا اضافہ ہے یعنی صفت کمال (خالقیت) کی نفی کے ساتھ نقصان یعنی کمی (عدم خالقیت) کا اثبات۔ (فتح القدر)
۲. مردہ سے مراد، وہ جماد (پتھر) بھی ہیں جو بے جان اور بے شعور ہیں۔ اور فوت شدہ صالحین بھی ہیں۔ کیوں کہ مرنے کے بعد اٹھایا جاتا (جس کا انہیں شعور نہیں) وہ تو جماد کے بجائے صالحین ہی پر صادق آسکتا ہے۔ ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ مزید وضاحت فرمادی کہ ”وہ زندہ نہیں ہیں“ اس سے قبر پرستوں کا بھی واضح رد ہو جاتا ہے، جو کہتے ہیں کہ قبروں میں مدفون مردہ نہیں، زندہ ہیں۔ اور ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے کے بعد، دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی نہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہی باقی رہتا ہے۔
۳. پھر ان سے نفع کی اور ثواب و جزاء کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

۴. یعنی ایک اللہ کا ماننا منکرین اور مشرکین کے لیے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں ﴿اعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص: ۵) (اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے)۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا تَذْكُرْ اللَّهُ وَحْدًا شَهِدَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلَا تَذْكُرْ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذْ أَهَمُّ يَسْتَنْشِرُونَ﴾ (الزمر: ۲۵) (جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین آخرت کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں)۔

۵. اسْتَكْبَارٌ کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر و کمتر سمجھنا۔ کبر کی یہی تعریف حدیث میں بیان کی گئی۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب تحريم الكبر وبیانہ) یہ کبر و غرور اللہ کو سخت نا پسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہوگا۔“ (حوالہ مذکور)۔

انگوں کی کہانیاں ہیں۔^(۱)

۲۵۔ اسی کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔ دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔^(۲)

۲۶۔ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، (آخر) اللہ نے (ان کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیاں اوپر سے گر پڑیں،^(۳) اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آگیا جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

۲۷۔ پھر قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے،^(۴) جنہیں علم دیا گیا

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ
وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّوهُمْ بَعِيرٌ عَلَيْهِمُ
الْأَسَاءَ مَا يَزِيْرُونَ ﴿٢٥﴾

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهَ
بُنْيَانُهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ
مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ
لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ
شُرَكَاءِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ قَالَ
الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ إِنَّ يَوْمَ الْيُزْيِ الْيَوْمِ وَالْشَّوْءِ

۱۔ یعنی اعراض اور استہزاء کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کمذبین جواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نہیں اتارا، اور یہ محمد (ﷺ) ہمیں جو پڑھ کر سناتا ہے، وہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو کہیں سے سن کر بیان کرتا ہے۔

۲۔ یعنی ان کی زبانوں سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے نکلوائی تاکہ وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا، تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بار بھی اٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے۔“ (ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ)

۳۔ بعض مفسرین اسرائیلی روایات کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے، جنہوں نے آسمان پر کسی طرح چڑھ کر اللہ کے خلاف مکر کیا، لیکن وہ ناکام واپس آئے اور بعض مفسرین کے خیال میں یہ ایک تمثیل ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی کے مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھت سمیت گر پڑے۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے، جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور بالآخر عذاب الہی میں گرفتار ہو کر اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً قوم عاد و قوم لوط وغیرہ۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿مَنْ حَبِطَتْ لَمْ يَحْشَبُوا﴾ (الحشر: ۲) (پس اللہ کا عذاب) ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔

۴۔ یعنی یہ تو وہ عذاب تھے جو دنیا میں ان پر آئے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح ذلیل و رسوا کرے گا

عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

تھا وہ پکار اٹھیں گے^(۱) کہ آج تو کافروں کو رسوائی اور برائی چٹ گئی۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي آلِهَتِهِمْ
فَأَلْقُوا السَّلَامَ مَائِدًا تَحْمِلُ مِنْ سُوءِ بِلِّ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

۲۸. وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فرشتے جب ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں اس وقت وہ جھک جاتے ہیں کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے۔^(۲) کیوں نہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے۔^(۳)

فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا
فَلَيْسَ مَتَوًى الْمُنْكَرِينَ ۝

۲۹. پس اب تو بیٹھنے کے طور پر تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ،^(۴) پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا
خَبِيرًا الَّذِينَ أَحْسَنُوا لِنَفْسِهِمْ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ
وَلَدُّوا الْآخِرَةَ خَيْرًا لِّلْأُولَىٰ ۝

۳۰. اور پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے

کہ ان سے پوچھے گا، تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جو تم نے میرے لیے بٹھرا رکھے تھے، اور جن کی وجہ سے تم مومنوں سے لڑتے جھگڑتے تھے۔

۱. یعنی جن کو دین کا علم تھا اور دین کے پابند تھے وہ جواب دیں گے۔

۲. یہ مشرک ظالموں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی جارہی ہے جب فرشتے ان کی روحيں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات ڈالتے ہیں یعنی سب و طاعت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ جس طرح میدان محشر میں اللہ کے روبرو بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے ﴿وَاللَّوْزَيْنَا لَكُمَا مَشْرِكَيْنِ﴾ (الأنعام: ۲۳) (اللہ کی قسم، ہم مشرک نہیں تھے) دوسرے مقام پر فرمایا (جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کر اپنے پاس جمع کرے گا تو اللہ کے سامنے بھی یہ اسی طرح (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں)۔ (الجماد: ۱۸)

۳. فرشتے جواب دیں گے کیوں نہیں؟ یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمہاری تو ساری عمر ہی برائیوں میں گزری ہے اور اللہ کے پاس تمہارے سارے عملوں کا ریکارڈ محفوظ ہے، تمہارے اس انکار سے اب کیا بنے گا؟

۴. امام ابن کثیر فرماتے ہیں، ان کی موت کے فوراً بعد ان کی روحيں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں رہتے ہیں (جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جسم و روح میں بعد کے باوجود، ان میں ایک گونہ تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے، اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے) پھر جب قیمت برپا ہوگی تو ان کی روحيں ان کے جسموں میں لوٹ آئیں گی اور یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

اس دنیا میں بھلائی ہے، اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے، اور کیا ہی خوب پرہیزگاروں کا گھر ہے۔

۳۱. بیشکی والے بانغات جہاں وہ جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ جو کچھ طلب کریں گے وہاں ان کے لیے موجود ہوگا۔ پرہیزگاروں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح بدلے عطا فرماتا ہے۔

۳۲. وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں کہتے ہیں کہ تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے، ^(۱) جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔ ^(۲)

۳۳. کیا یہ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے؟ ^(۳) ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ ^(۴) ان پر اللہ

جَدَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا يَحْيَىٰ مِنْ نَحْوِهَا الْأَنْهَارُ
لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ
الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ
عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ
أَمْرٌ رَبِّكَ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا
ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾

۱. ان آیات میں ظالم مشرکوں کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا کردار اور ان کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ جَعَلْنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ، آمِينَ يَارَبَّ الْعَالَمِينَ۔

۲. سورہ اعراف کی آیت ۴۳ کے تحت یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ، تو ان میں دراصل کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمال صالحہ ضروری ہیں۔ گویا عمل صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلم ہے، اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی۔ اس لیے حدیث مذکور کا مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور عمل کی اہمیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے «إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورَتِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم...)۔

۳. یعنی کیا یہ بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب فرشتے ان کی روحيں قبض کریں گے یا رب کا حکم (یعنی عذاب یا قیامت) آجائے۔

۴. یعنی اس طرح سرکشی اور معصیت، ان سے پہلے لوگوں نے اختیار کیے رکھی، جس پر وہ غضب الہی کے مستحق بنے۔

تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا^(۱) بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔^(۲)

۳۴۔ پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انہیں مل گئے اور جس کی ہنسی اڑاتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا۔^(۳)

۳۵۔ اور مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے، نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا۔ تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا پیغام کا پہنچا دینا ہے۔^(۴)

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَخَافَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۴﴾

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَمَلْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْبَيِّنُ ﴿۳۵﴾

۱۔ اس لیے کہ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی عذر ہی باقی نہیں چھوڑا۔ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ان پر حجت تمام کر دی۔

۲۔ یعنی رسولوں کی مخالفت اور ان کی تکذیب کر کے خود ہی انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

۳۔ یعنی جب رسول ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ کا عذاب آجائے گا۔ تو یہ استہزاء کے طور پر کہتے کہ جا اپنے اللہ سے کہہ وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کر دے۔ چنانچہ اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔

۴۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطے کا ازالہ فرمایا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں، اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ان چیزوں سے روک کیوں نہیں دیتا، وہ اگر چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہیں روکتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا ازالہ ”رسولوں کا کام صرف پہنچا دینا ہے“ کہہ کر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں ان مشرکانہ امور سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اسی لیے وہ ہر قوم میں رسول بھیجتا اور کتابیں نازل کرتا رہا ہے اور ہر نبی نے آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ شرک کریں کیونکہ اگر اسے یہ پسند ہوتا تو اس کی تردید کے لیے وہ رسول کیوں بھیجتا؟ لیکن اس کے باوجود اگر تم نے رسولوں کی تکذیب کر کے شرک کا راستہ اختیار کیا اور اللہ نے اپنی مشیت تکوینیہ کے تحت قہراً و جبراً تمہیں اس سے نہیں روکا، تو یہ تو اس کی اس حکمت و مصلحت کا ایک حصہ ہے، جس کے تحت اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر ان کی آزمائش ممکن ہی نہ تھی۔ ہمارے رسول ہمارا پیغام

۳۶. اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی،^(۱) پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟

۳۷. گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔^(۲)

۳۸. اور وہ لوگ بڑی سخت سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ نہیں کرے گا۔^(۳) کیوں نہیں ضرور زندہ کرے گا یہ تو اس کا برحق لازمی وعدہ ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔^(۴)

۳۹. اس لیے بھی کہ یہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے تھے اسے اللہ تعالیٰ صاف بیان کر دے اور اس

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَمِنْهُمْ مَنِ ابْنَىٰ وَفَنَىٰ الْأَرْضَ فَنَظَرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾

إِنْ تَخِضْ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ اللَّهِ لَاصْدَاقَ لَهُ مَن يَفْضِلُ وَمَا لَهُمْ مِّن لِّصِيرَةٍ ﴿٣٧﴾

وَاقْسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيِبَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِن أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

تم تک پہنچا کر یہی سمجھاتے رہے کہ اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرو بلکہ اللہ کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرو ہمارے رسول یہی کچھ کر سکتے تھے، جو انہوں نے کیا۔ اور تم نے شرک کر کے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

۱. مذکورہ شبہ کے ازالے کے لیے مزید فرمایا کہ ہم نے تو ہر امت میں رسول بھیجا اور یہ پیغام انکے ذریعے سے پہنچایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ لیکن جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی، انہوں نے اس کی پرواہ ہی نہ کی۔

۲. اس میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ اے پیغمبر! تیری خواہش یقیناً یہی ہے کہ یہ سب ہدایت کا راستہ اپنائیں لیکن قوانین الہیہ کے تحت جو گمراہ ہو گئے ہیں، ان کو تو ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتا، یہ تو اپنے آخری انجام کو پہنچ کر ہی رہیں گے، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

۳. کیوں کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا، انہیں مشکل اور ناممکن نظر آتا تھا۔ اسی لیے رسول جب انہیں بعث بعد الموت کی بابت کہتا ہے تو اسے جھٹلاتے ہیں، اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس یعنی دوبارہ زندہ نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں بھی بڑی تاکید اور یقین کے ساتھ۔

۴. اسی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب و مخالفت کرتے ہوئے دریائے کفر میں ڈوب جاتے ہیں۔

لیے بھی کہ خود کافر اپنا جھوٹا ہونا جان لیں۔^(۱)

۴۰. ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔^(۲)

۴۱. اور جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہے^(۳) ہم انہیں دنیا میں بہتر سے بہتر ٹھکانا عطا فرمائیں گے^(۴) اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے،^(۵) کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُؤْتِيَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُ الْآخِرَةَ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

۱. یہ وقوع قیامت کی حکمت و علت بیان کی جارہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے اور اہل حق اور اہل تقویٰ کو اچھی جزاء اور اہل کفر و فسق کو ان کے برے عملوں کی سزا دے گا۔ نیز اس دن اہل کفر پر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ قیامت کے عدم وقوع پر جو قسمیں کھاتے تھے، ان میں وہ جھوٹے تھے۔

۲. یعنی لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا، کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو، مگر اللہ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں اسے زمین و آسمان ڈھانے کے لیے مزدوروں، انجینئروں اور مستزیوں اور دیگر آلات و وسائل کی ضرورت نہیں۔ اسے تو صرف لفظ کُن کہنا ہے اس کے لفظ کُن سے پلک جھپکتے میں قیامت برپا ہو جائے گی ﴿وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ﴾ (التحل: ۷۷) (قیامت کا معاملہ پلک جھپکتے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہو جائے گا)۔

۳. ہجرت کا مطلب ہے اللہ کے دین کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن، اپنے رشتے دار اور دوست احباب چھوڑ کر ایسے علاقے میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے۔ اس آیت میں ان ہی مہاجرین کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے زیادہ تھی، جن میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ دختر رسول ﷺ حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔

۴. اس سے رزق طیب اور بعض نے مدینہ مراد لیا ہے، جو مسلمانوں کا مرکز بنا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں منافات نہیں ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انہیں ان کا نعم البدل عطا فرمادیا۔ رزق طیب بھی دیا اور پورے عرب پر انہیں اقتدار و تمکن عطا فرمایا۔

۵. حضرت عمرؓ نے جب مہاجرین و انصار کے وظیفے مقرر کیے تو ہر مہاجر کو وظیفہ دیتے ہوئے فرمایا۔ هَذَا مَا وَعَدَكَ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا (یہ وہ ہے جس کا اللہ نے دنیا میں وعدہ کیا ہے) وَمَا ادْخَرَ لَكَ فِي الْآخِرَةِ أَفْضَلُ (اور آخرت میں تیرے لیے جو ذخیرہ ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے)۔ (ابن کثیر)

۴۲. وہ جنہوں نے دامن صبر نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے ہی پر بھروسہ کرتے رہے۔

۴۳. اور آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کر لو۔^(۱)

۴۴. دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

۴۵. بدترین داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں کا انہیں وہم گمان بھی نہ ہو۔

۴۶. یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔^(۲) یہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

۴۷. یا انہیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے،^(۳) پس یقیناً تمہارا

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ ۖ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

يَا بَنِيَّ وَالزُّبُرُ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِمَنِ يَنْتَبِهُ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾

أَفَأَمَّنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْلِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۴﴾

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلِبِهِمْ فَاهُمْ مُعْجِزِينَ ﴿۴۵﴾

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّهُمْ لَهُمْ رَحِيمٌ ﴿۴۶﴾

۱. اَہْلُ الذِّکْرِ سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے، وہ انسان ہی تھے اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کرو۔ اگر تمہیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا ملائکہ؟ اگر وہ فرشتے تھے تو پھر بے شک انکار کر دینا، اگر وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟

۲. اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں، مثلاً (۱) جب تم تجارت اور کاروبار کے لیے سفر پر جاؤ۔ (۲) جب تم کاروبار کو فروغ دینے کے لیے مختلف جیلے اور طریقے اختیار کرو۔ (۳) یا رات کو آرام کرنے کے لیے اپنے بستروں پر جاؤ۔ یہ تَقْلِبُ کے مختلف مفہوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان صورتوں میں بھی تمہارا مواخذہ کر سکتا ہے۔

۳. تَخَوُّف کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہی دل میں عذاب اور مواخذے کا ڈر ہو۔ جس طرح بعض دفعہ انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں اللہ میری گرفت نہ کر لے، چنانچہ بعض دفعہ اس طرح بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

پروردگار اعلیٰ شفقت اور انتہائی رحم والا ہے۔^(۱)

۴۸. کیا انہوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا؟ کہ اس کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہوتے اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔^(۲)

۴۹. اور یقیناً آسمان وزمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے۔

۵۰. اور اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، کپکپاتے رہتے ہیں^(۳) اور جو حکم مل جائے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔^(۴)

۵۱. اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ معبود تو صرف وہی اکیلا ہے،^(۵) پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يُتَقَبَّرُ
ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ
ذُخْرُونَ ﴿۴۸﴾

وَلِلَّهِ سَجْدٌ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ
دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ لَا يُسْكَرُونَ ﴿۴۹﴾

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ قَوْلِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۵۰﴾

وَقَالَ اللَّهُ لَنْ نَسْجُدَ لِلَّذِينَ اتَّخَذُوا آلِهَةً
وَلَا لِدَابَّةٍ فَإِنَّهُمْ قَارُحُونَ ﴿۵۱﴾

۱. کہ وہ گناہوں پر فوراً مواخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور اس مہلت سے بہت سے لوگوں کو توبہ واستغفار کی توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

۲. اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریاؤ اور اس کی جلالت شان کا بیان ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور مطیع ہے۔ جمادات ہوں یا حیوانات یا جن و انس اور ملائکہ۔ ہر وہ چیز جس کا سایہ ہے اور اس کا سایہ دائیں بائیں جھکتا ہے تو وہ صبح وشام اپنے سائے کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔

۳. اللہ کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔

۴. اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ جس کا حکم دیا جاتا ہے، بجالاتے ہیں، جس سے منع کیا جاتا ہے، اس سے دور رہتے ہیں۔

۵. کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ اگر آسمان وزمین میں دو معبود ہوتے تو نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا، یہ فساد اور خرابی کا شکار ہو چکا ہوتا ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: ۲۲) اس لیے شویت (دو خداؤں) کا عقیدہ، جس کے مجوسی حامل رہے ہیں یا تعدد الہ (بہت سارے معبودوں) کا عقیدہ، جس کے اکثر مشرکین قائل رہے ہیں۔ یہ سب باطل ہیں۔ جب کائنات کا خالق ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیر تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔

وَكَمْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ
وَإِصْبَابًا أَغْنَى اللَّهُ تَتَّقُونَ ﴿۵۲﴾

وَمَا لَكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ
فَأَلَيْهِ تَجْعَرُونَ ﴿۵۳﴾

ثُمَّ إِذَا كُفِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِحْتُمْ مِنْكُمْ بِرِّمِّمْ
يُنْكَرُونَ ﴿۵۴﴾

لِيُفَرِّدَ إِلَهُكُمْ فَتَتَّبِعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾

وَيَحْلُونَ لِمَا لَا يَكْفُلُونَ نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
تَاللَّهِ لَكُنْتُمْ عُصَاكُكُمْ فَتَقَرُّوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۲۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے، (۱) کیا پھر تم اس کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟

۵۳۔ اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں، (۲) اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو۔ (۳)

۵۴۔ اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔

۵۵۔ کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔ (۴) اچھا کچھ فائدہ اٹھاؤ آخر کار تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔ (۵)

۵۶۔ اور جسے جانتے بوجھتے بھی نہیں ہماری دی ہوئی روزی میں سے اس کا حصہ مقرر کرتے ہیں، (۶) واللہ تمہارے

۱۔ اسی کی عبادت و اطاعت دائمی اور لازم ہے وَاِصْبَابٌ کے معنی بھیگی کے ہیں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ﴾ (الصافات: ۹) (ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کا) اور اس کا وہی مطلب ہے جو دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ ﴿الْكَافِرُ الْيَتِيمَ الْخَالِصُ﴾ (الزمر: ۲-۳) (پس اللہ کی عبادت کرو، اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اسی کے لیے خالص بندگی ہے)۔

۲۔ جب سب نعمتوں کا دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں؟

۳۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب و وجدان کی گہرائیوں میں راسخ ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آجاتا ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گہرے ہو جاتے ہیں۔

۴۔ لیکن انسان بھی کتنا ناشکر ہے کہ تکلیف (بیماری، تنگ دستی اور نقصان وغیرہ) کے دور ہوتے ہی وہ پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

۵۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے اس سے قبل فرمایا تھا، ﴿قُلْ تَسْتَغْوُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾ (ابراہیم: ۳۰) (چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھاؤ، بالآخر تمہارا ٹھکانا جہنم ہے)۔

۶۔ یعنی جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا اور معبود سمجھتے ہیں، وہ پتھر کی مورتیاں ہیں یا جنات و شیاطین ہیں، جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں۔ اسی طرح قبروں میں مدفون لوگوں کی حقیقت بھی کوئی نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ وہاں کیا معاملہ

اس بہتان کا تم سے ضرور ہی سوال کیا جائے گا۔^(۱)

۵۷۔ اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لیے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو۔^(۲)

۵۸۔ اور ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔

۵۹۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟^(۳)

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ^(۴)

وَلَا ابْنُ أَحَدٍ لَهُمْ بِالْإِنْثَىٰ ظَلٌّ وَجْهَهُ مُسَوِّدًا
وَهُوَ ظَلِيمٌ^(۵)

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ إِذْ يَبْسُرُكُمَا عَلَىٰ
هُوَ أَمَّ يُدْشِرُ فِي التُّرَابِ الْأَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ^(۶)

ہو رہا ہے؟ وہ اللہ کے پسندیدہ افراد میں ہیں یا کسی دوسری فہرست میں؟ ان باتوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن ان ظالم لوگوں نے ان کی حقیقت سے نا آشنا ہونے کے باوجود، انہیں اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کے لیے بھی (نذر و نیاز کے طور پر) حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کا حصہ رہ جائے تو بیشک رہ جائے، ان کے حصے میں کمی نہیں کرتے جیسا کہ سورۃ الانعام ۱۳۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ تم جو اللہ پر افتراء کرتے ہو کہ اس کا شریک یا شرکاء ہیں، اس کی بابت قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا۔
۲۔ عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کناند) فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی، جب کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ پھر اولاد بھی مونث، جسے وہ اپنے لیے پسند ہی نہیں کرتے اللہ کے لیے اسے پسند کیا، جسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿الْكُفْرُ وَلَئِنَّكَ لَأَنْتَىٰ﴾ ﴿تِلْكَ إِذْ أَقْسَمْتُمْ هُنَّ﴾ (النجم: ۲۱-۲۲)
(کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے)۔ یہاں فرمایا کہ تم تو یہ خواہش رکھتے ہو کہ بیٹے ہوں، بیٹی کوئی نہ ہو۔

۳۔ یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو مذکور ہوا، اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ یہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟ یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ نہیں، اللہ کے نزدیک لڑکے لڑکی میں کوئی تمیز نہیں ہے نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔ یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے، جو انہوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کیا تھا حالانکہ اللہ کی برتری اور فوقیت کے وہ بھی قائل تھے۔ جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیز یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔

لَّذِينَ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ مَثَلُ الْخَرَّةِ مَثَلُ السَّوَةِ وَيَلَهُ
الْمَثَلُ الْأَعْلَى وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

۶۰۔ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری مثال ہے، ^(۱) اور اللہ کے لیے تو بہت ہی بلند صفت ہے، اور وہ بڑا ہی غالب اور باحکمت ہے۔ ^(۲)

وَلَوْ يُدْخِلُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكُوا عَلَيْهَا مِنْ
دَلِيلٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ
أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً
وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿٦١﴾

۶۱۔ اور اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا، ^(۳) لیکن وہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے، ^(۴) جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

وَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ يُؤَخِّرُهُمْ وَيَقْصِفُ أَسِنَّةَهُمُ الْكُذِبَ
أَنَّهُمْ كَانُوا لَكُمْ حَسَنًا لِّكُذِبِ أَلْسِنَتِهِمْ لَكُمُ الْكَارُ وَأَنَّهُمْ
مُفَرِّطُونَ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ اور وہ اپنے لیے جو ناپسند رکھتے ہیں اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں ^(۵) اور ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے۔ ^(۶) نہیں نہیں،

۱۔ یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں انہی کے لیے بری مثال یا صفت ہے یعنی جہل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی جو بیوی اور اولاد یہ ٹھہراتے ہیں، یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

۲۔ یعنی اس کی ہر صفت، مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت لاتناہی ہے، اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس یا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے، خالق ہے، رازق اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ (فتح القدیر) یا بری مثال کا مطلب نقص، کوتاہی ہے اور مثل اعلیٰ کا مطلب، کمال مطلق، ہر لحاظ سے اللہ کے لیے ہے۔ (ابن کثیر)

۳۔ یہ اس کا حلم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مواخذہ ہی کرتا ہے حالانکہ اگر ارتکاب معصیت کے ساتھ ہی وہ مواخذہ کرنا شروع کر دے تو ظلم و معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے کیوں کہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیے جاتے ہیں تاہم آخرت میں وہ عند اللہ سرخرو رہیں گے جیسا کہ حدیث میں وضاحت آتی ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری: ۲۱۱۸، مسلم: ۲۲۰۶ و ۲۲۱۰)

۴۔ یہ اس حکمت کا بیان ہے جس کے تحت وہ ایک خاص وقت تک مہلت دیتا ہے تاکہ ایک تو ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دوسرا ان کی اولاد میں سے کچھ ایماندار نکل آئیں۔

۵۔ یعنی بیٹیاں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

۶۔ یہ ان کی دوسری خرابی کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ نا انصافی کا معاملہ کرتے ہیں ان کی زبانیں یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کا انجام اچھا ہے، ان کے لیے بھلائیاں ہیں اور دنیا کی طرح ان کی آخرت بھی اچھی ہوگی۔

دراصل ان کے لیے آگ ہے اور یہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں۔^(۱)

۶۳. واللہ، ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کے اعمال بد ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیے،^(۲) وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے^(۳) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۶۴. اور اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں^(۴) اور یہ ایمان داروں کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔

۶۵. اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اَمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ وَاٰلَهُمُ الْبَيْتُ وَآلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿۶۳﴾

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا التَّيِّبَ لَكُمْ الَّذِي اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاصْبٰىلَہُ الْاَرْضُ بِعَدِّ مَوْتِہَا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیۃً لِّقَوْمٍ یَّسْعُوْنَ ﴿۶۵﴾

۱. یعنی یقیناً ان کا انجام ”اچھا“ ہے۔ اور وہ ہے جہنم کی آگ۔ جس میں وہ دوزخیوں کے پیش رو یعنی پہلے جانے والے ہوں گے۔ فَرَطُ کے یہی معنی حدیث سے بھی ثابت ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا «اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ» (صحیح البخاری: ۶۵۸۳ ومسلم: ۱۷۹۳) (میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا)۔ ایک دوسرے معنی مُفَرِّطُونَ کے یہ کہے گئے ہیں کہ انہیں جہنم میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔

۲. جس کی وجہ سے انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جس طرح اے پیغمبر! قریش مکہ تیری تکذیب کر رہے ہیں۔

۳. الْیَوْمَ سے یا تو زمانہ دنیا مراد ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے، یا اس سے مراد آخرت ہے کہ وہاں بھی یہ ان کا ساتھی ہوگا۔ یَاوَلٰیئِهِمْ میں ہُم کا مرجع کفار مکہ ہیں۔ یعنی یہی شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا، آج وہ ان کفار مکہ کا دوست ہے اور انہیں تکذیب رسالت پر مجبور کر رہا ہے۔

۴. اس میں نبی ﷺ کا یہ منصب بیان کیا گیا کہ عقائد و احکام شرعیہ کے سلسلے میں یہود و نصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلاف ہے، اس کی اس طرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تاکہ لوگ حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کریں۔

جس میں لوگوں کے لیے شفاء^(۱) ہے غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔

۷۰۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب کو پیدا کیا ہے وہی پھر تمہیں فوت کرے گا، تم میں ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے بوجھنے کے بعد بھی نہ جانیں۔^(۲) بیشک اللہ دانا اور توانا ہے۔

۷۱۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے، پس جنہیں زیادتی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے ماتحت غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ اور یہ اس میں برابر ہو جائیں،^(۳) تو کیا یہ لوگ اللہ کی

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَكَّلْكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِي إِلَىٰ اَرْذَلِ الْعَمَلِ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ سَيِّئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَازِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ اَفَتَبِعَمَلِهِمُ اللّٰهُ يَجْحَدُونَ

۱۔ شفاء کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی بہت سے امراض کے لیے شہد میں شفاء ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً ہر بیماری کا علاج ہے۔ علمائے طب نے بھی صراحت کی ہے کہ شہد یقیناً ایک شفاء بخش قدرتی مشروب ہے۔ لیکن مخصوص بیماریوں کے لیے نہ کہ ہر بیماری کے لیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو حلو (میٹھی پیز) اور شہد پسند تھا۔ (صحیح البخاری، کتاب الاشرۃ، باب شراب الحلواء والعسل) ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ”تین چیزوں میں شفاء ہے۔ فصد کھلوانے (پھینے لگانے) میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔“ (صحیح البخاری، باب الدواء بالعسل) حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے۔ ”اسہال (دست) کے مرض میں آپ ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا، جس سے دستوں میں اضافہ ہو گیا، آکر بتلایا گیا، تو دوبارہ آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا، جس سے مزید فضلات خارج ہوئے اور گھر والے سمجھے کہ شاید مرض میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پھر نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا اور اسے شہد پلا! چنانچہ تیسری مرتبہ میں اسے شفاء کا ملہ حاصل ہو گئی۔“ (صحیح البخاری، باب دواء المبطون ومسلم، کتاب السلام، باب التداوی بسقی العسل)

۲۔ جب انسان طبعی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کا حافظہ بھی کمزور ہو جاتا اور بعض دفعہ عقل بھی ماؤف، اور وہ نادان بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی ارذل العمر ہے۔ جس سے نبی ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے۔

۳۔ یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اتنا مال اور اسباب دنیا نہیں دیتے کہ وہ تمہارے برابر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کب یہ پسند کرے گا کہ تم کچھ لوگوں کو، جو اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں اللہ کا شریک اور اس کے برابر قرار دے دو، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشی لحاظ سے انسانوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری نظام کے مطابق ہے۔ اسے جبری قوانین کے ذریعہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے۔ یعنی معاشی مساوات کی غیر فطری کوشش کے بجائے ہر کسی کو معاشی میدان میں کسب معاش کے لیے مساوی طور پر دوڑ دھوپ کے مواقع میسر ہونے چاہئیں۔

نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں؟^(۱)

۷۲. اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لائیں گے؟^(۲) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے؟

۷۳. اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انہیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے سکتے اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔^(۳)

۷۴. پس اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ،^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۷۵. اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملکیت کا، جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا،

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ بَيْنًا وَحَفَدًا وَذَرَفَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَنَبِغَتْ اللّٰهُ هُمْ يَكْفُرُونَ^(۱)

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ^(۲)

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ^(۳)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْ رَّذْقِهِ مِّنْ أَرْضٍ قٰحِشًا فَهُوَ يَنْفُقُ

۱. کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے غیر اللہ کے لیے نذر نیاز نکالتے ہیں اور یوں کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔

۲. یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان انعامات کا تذکرہ کر کے جو آیت میں مذکور ہیں، سوال کر رہا ہے کہ سب کچھ دینے والا تو اللہ ہے، لیکن یہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں کا ہی کہنا مانتے ہیں۔

۳. یعنی اللہ کو چھوڑ کر عبادت بھی ایسے لوگوں کی کرتے ہیں جن کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

۴. جس طرح مشرکین مثالیں دیتے ہیں کہ بادشاہ سے ملنا ہوا اس سے کوئی کام ہو تو کوئی براہ راست بادشاہ سے نہیں مل سکتا، اسے پہلے بادشاہ کے مقررین سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جاکر بادشاہ تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی ذات بھی بہت اعلیٰ اور اونچی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کو ذریعہ بناتے ہیں یا بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم اللہ کو اپنے پر قیاس مت کرو نہ اس قسم کی مثالیں دو۔ اس لیے کہ وہ تو واحد ہے، اس کی کوئی مثال ہی نہیں ہے۔ پھر بادشاہ نہ تو عالم الغیب ہے، نہ حاضر و ناظر، نہ سمیع و بصیر۔ کہ وہ بغیر کسی ذریعے کے رعایا کے حالات و ضروریات سے آگاہ ہو جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے، رات کی تاریکیوں میں ہونے والے کاموں کو بھی دیکھتا ہے اور ہر ایک کی فریاد سننے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ اور حاکم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تقابل اور موازنہ؟

اور ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے، جس میں سے وہ چھپے کھلے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟^(۱) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

۷۶. اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے،^(۲) دو شخصوں کی، جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے کہیں بھیجے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، برابر ہو سکتے ہیں؟^(۳)

۷۷. اور آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔^(۴) اور قیمت کا امر تو ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر

مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ أَحَدُ هُمَا أَكْبَرُ
لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاةٍ أَيْنَمَا
يُوجِّهُهُ لَا آيَاتٍ بَعْدَ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ
يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا ثَلَاثِينَ أَحَدُ هُمَا أَكْبَرُ
لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاةٍ أَيْنَمَا
يُوجِّهُهُ لَا آيَاتٍ بَعْدَ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ
يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أُمْرُ
السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

۱. بعض کہتے ہیں کہ یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پہلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پہلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اصنام (معبودان باطلہ) کی مثال ہے، پہلے سے مراد اصنام اور دوسرے سے اللہ ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہی ہے کہ ایک غلام اور آزاد، باوجود اس بات کہ دونوں انسان ہیں، دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور بھی بہت سی چیزیں دونوں کے درمیان مشترک ہیں، اس کے باوجود رتبہ و شرف اور فضل و منزلت میں تم دونوں کو برابر نہیں سمجھتے۔ تو اللہ تعالیٰ اور پتھر کی ایک مورتی یا قبر کی ڈھیری، یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟

۲. یہ ایک اور مثال ہے جو پہلے سے زیادہ واضح ہے۔

۳. اور ہر کام کرنے پر قادر ہے کیوں کہ ہر بات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر یعنی دینِ تویم اور سیرتِ صالحہ پر۔ یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں، جن کو لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے۔

۴. یعنی آسمان و زمین میں جو چیزیں غائب ہیں اور وہ بے شمار ہیں اور انہی میں قیمت کا علم ہے۔ ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف ایک اللہ ہے نہ کہ وہ اصنام یا فوت شدہ اشخاص جن کو کسی چیز کا علم نہیں نہ وہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر ہی قادر ہیں۔

چیز پر قادر ہے۔^(۱)

۷۸۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے بیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے،^(۲) اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے^(۳) کہ تم شکر گزاری کرو۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

۱۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ یہ وسیع و عریض کائنات اس کے حکم سے پلک جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی کم لمحے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ بات بطور مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر متناہی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے، اس کے ایک لفظ کُن سے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تو یہ قیامت بھی اس کے کُن (ہوجا) کہنے سے برپا ہو جائے گی۔

۲۔ شَیْئًا نکرہ ہے تم کچھ نہیں جانتے تھے، نہ سعادت و شقاوت کو، نہ فائدے اور نقصان کو۔

۳۔ تاکہ کانوں کے ذریعے سے تم آوازیں سنو، آنکھوں کے ذریعے سے چیزوں کو دیکھو اور دل، یعنی عقل (کیونکہ عقل کا مرکز دل ہے) دی، جس سے چیزوں کے درمیان تمیز کر سکو اور نفع و نقصان پہچان سکو، جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے، ان قویٰ و حواس میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ جب انسان شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی یہ صلاحیتیں بھی قوی ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ پھر کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

۴۔ یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کی ہیں کہ انسان ان اعضاء و جوارح کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ ان سے اللہ کی عبادت و اطاعت کرے۔ یہی اللہ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے ”میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل کے ذریعے سے بھی وہ میرا زیادہ قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے، حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں، تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔“ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع)

اس حدیث کا بعض لوگ غلط مفہوم لے کر اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی اطاعت و عبادت اللہ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے، جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے۔ وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے۔

۷۹. کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں، جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں،^(۱) بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

۸۰. اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنادی ہے اور اسی نے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنادیے ہیں، جنہیں تم ہلکا بھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی،^(۲) اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدہ کی چیزیں بنائیں۔^(۳)

۸۱. اور اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے سائے بنائے ہیں^(۴) اور اسی نے تمہارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کرتے بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت کام آئیں۔^(۵) وہ اسی طرح اپنی پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم فرمان بردار بن جاؤ۔

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ
مَا يَمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ④

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم
مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ
تَضَعُهُمْ وَيَوْمَ يَقَامَتِكُمْ وَبِمَنَاصِفِهَا
وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثْنَا وَمَتَاعًا
إِلَى حِينٍ ⑤

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم
مِنَ الْجِبَالِ الْكُنَاثَ وَجَعَلَ لَكُم سَرَائِلَ
تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَائِلَ تَقِيكُمُ بَأْسَهُمْ كَذَلِكَ
يُفِيضُ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ⑥

۱. یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پرندوں کو اس طرح اڑنے کی اور ہواؤں کو انہیں اپنے دوش پر اٹھائے رکھنے کی طاقت بخشی۔
۲. یعنی چڑے کے خیمے، جنہیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو، اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تان کر موسم کی شدتوں سے اپنے کو محفوظ کر لیتے ہو۔

۳. أَصَوَافُ، صُوف کی جمع، بھیر کی اون۔ أَوْبَارُ، وَبر کی جمع، اونٹ کے بال۔ أَشْعَارُ، شَعَر کی جمع، دبے اور بکری کے بال۔ ان سے کئی قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں، جن سے انسان کو مال بھی حاصل ہوتا ہے اور ان سے ایک وقت تک فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔

۴. یعنی درخت جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

۵. یعنی اون اور روئی کے کرتے جو عام پہننے میں آتے ہیں اور لوبہ کی زرہیں اور خود جو جنگوں میں پہنی جاتی ہیں۔

۸۲. پھر بھی اگر یہ منہ موڑے رہیں تو آپ پر صرف کھول کر تبلیغ کر دینا ہی ہے۔

۸۳. یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہو رہے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔^(۱)

۸۴. اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے^(۲) پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔

۸۵. اور جب یہ ظالم عذاب دیکھ لیں گے پھر نہ تو ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ ڈھیل دیے جائیں گے۔^(۳)

۸۶. اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، پس وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو۔^(۴)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْفَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ۝

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا اشْهَدُوا لَكُمْ يَوْمَئِذٍ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَهُمْ يُسْعَتُونَ ۝

وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يَخَفُوا عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ اسْتَرْكَوْا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ قَالِقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلُ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

۱. یعنی اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں پیدا کرنے والا اور ان کو استعمال میں لانے کی صلاحیتیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر بھی اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ناشکری کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔

۲. یعنی ہر امت پر اس امت کا پیغمبر گواہی دے گا کہ انہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ ان کافروں کو عذر پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر یا حجت ہوگی ہی نہیں۔ نہ ان سے رجوع یا عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کی ضرورت بھی اس وقت پیش آتی ہے جب کسی کو گنجائش دینا مقصود ہو، لَا يُسْتَعْتَبُونَ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے کہ انہیں اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ موقع تو ان کو دنیا میں دیا جا چکا ہے جو دارِ اعلیٰ ہے۔ آخرت تو دارِ اعلیٰ نہیں، وہ تو دارِ الجزاء ہے، وہاں تو اس چیز کا بدلہ ملے گا جو انسان دنیا سے کر کے گیا ہوگا، وہاں کچھ کرنے کا موقع کسی کو نہیں ملے گا۔

۳. ہلکا نہ کرنے کا مطلب، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا، عذاب اور مسلسل بلا توقف عذاب ہوگا۔ اور نہ ڈھیل ہی دیے جائیں گے یعنی ان کو فوراً لگاموں سے پکڑ کر اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا یا توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا، کیونکہ آخرت عمل کی جگہ نہیں، جزاء کا مقام ہے۔

۴. معبودانِ باطلہ کی پوجا کرنے والے اپنے اس دعوے میں جھوٹے تو نہیں ہوں گے۔ لیکن وہ شرکاء جن کو یہ اللہ کا شریک

۸۷۔ اور اس دن وہ سب (عاجز ہو کر) اللہ کے سامنے اطاعت کا اقرار پیش کریں گے اور جو بہتان بازی کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائے گی۔

۸۸. جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انہیں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے،^(۱) یہ بدلہ ہوگا ان کی فتنہ پردازوں کا۔

۸۹۔ اور جس دن ہم ہر امت میں انہی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے^(۲) اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے،^(۳) اور ہدایت اور

وَالْقَوَا إِلَى اللَّهِ يُومِدُونَ ۖ وَالسَّلَامُ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٨﴾

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْذُوعُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا
يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَاكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَتَزَلُّنَا عَلَيْكَ الْكُتُبُ رَبِّمَا نَا إِلَٰهَ شَيْءٍ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً وَنُزُلًا لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٥٨﴾

گردانتے تھے، کہیں گے یہ جھوٹے ہیں۔ یہ یا تو شرک کی نفی ہے یعنی ہمیں اللہ کا شریک ٹھہرانے میں یہ جھوٹے ہیں، بھلا اللہ کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ یا اس لیے انہیں جھوٹا قرار دیں گے کہ وہ ان کی عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ جس طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ﴿فَلِكُلِّ يَوْمًا سَبْعِينَ مِائَةً أَلْفًا نَفْسًا تُحْيَا وَتُمِيتُ﴾ (یونس: ۲۹) (ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے) (مزید دیکھیے سورة الکہف: ۵۲، سورة مريم: ۸۱-۸۲، سورة العنكبوت: ۲۵، سورة الاحقاف: آیت ۵-۶ وَعَبَّرَهَا مِنَ الْآيَاتِ) ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے کبھی نہیں کہا تھا، اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکاء اگر حجر و شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں قوت گویائی عطا فرمائے گا، جنات و شیاطین ہوں گے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے اور اگر اللہ کے نیک بندے ہوں گے، جس طرح کہ متعدد صلحاء و اتقیاہ اور اولیاء اللہ کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کے نام کی نذر نیاز دیتے ہیں اور ان کی قبروں پر جاکر ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح کسی معبود کی، خوف و رجا کے جذبات کے ساتھ، کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو میدانِ محشر میں ہی بری فرمادے گا اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور ان کا جواب سورۃ مائدہ کے آخر میں مذکور ہے۔

۱۔ جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے، اسی طرح جہنم میں کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا۔ جو گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے، ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہوگا۔

۲. یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور نبی ﷺ اور آپ کی امت کے لوگ انبیاء کی بابت گواہی دیں گے کہ یہ

سچے ہیں، انہوں نے یقیناً تیرا پیغام پہنچا دیا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ النساء)

۳۔ کتاب سے مراد اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ اپنی احادیث کو بھی اللہ کے رسول نے

رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔

۹۰۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے،^(۱) وہ خود

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايِ
ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾

”کتاب اللہ“ قرار دیا ہے، جیسا کہ قصہ عسیف وغیرہ میں ہے (ملاحظہ ہو صحیح البخاری، کتاب المحاربین باب هل يأمر الإمام رجلاً فيضرب الحد غائباً عنه، کتاب الصلوة، باب ذكر البيع والشراء على المنبر في المسجد) اور ہر چیز کا مطلب ہے، ماضی اور مستقبل کی وہ خبریں جن کا علم ضروری اور مفید ہے۔ اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن کے دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔ قرآن وحدیث دونوں میں یہ سب چیزیں واضح کر دی گئی ہیں۔

۱۔ عدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں۔ یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے، انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملے میں بھی افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی۔ کیونکہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو ہے، جو سخت مذموم ہے اور تفریط، دین میں کوتاہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تفصیل کے ہیں یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا۔ مثلاً کسی کام کی مزدوری سو روپے ملے ہے لیکن دیتے وقت ۱۰،۲۰ روپے زیادہ دے دینا، ملے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے، مزید ۱۰،۲۰ روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوش گواری اور اپنائیت وفدائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے ایک تیسرے معنی اخلاص عمل اور حسن عبادت ہے، جس کو حدیث میں «أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ» (اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ «إِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ» (رشتے داروں کا حق ادا کرنا یعنی ان کی امداد کرنا ہے) اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور اس کی نہایت تاکید احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ عدل و احسان کے بعد، اس کا الگ سے ذکر، یہ بھی صلہ رحمی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ فَحْشَاء سے مراد بے حیائی کے کام ہیں۔ آج کل بے حیائی اتنی عام ہو گئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی اور آرٹ قرار پا گیا ہے، یا ”تفریح“ کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تاہم محض خوشنمائی لگالینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے مقدمات کو، رقص و سرود، بے پردگی اور فیشن پرستی کو اور مرد و زن کے بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، ان کا کتنا بھی اچھا نام رکھ لیا جائے، مغرب سے درآمد شدہ یہ خباثتیں جائز قرار نہیں پاسکتیں۔ مُنْكَرٌ وہ رہ کام ہے جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور بَغْيٌ کا مطلب ظلم و زیادتی کا ارتکاب۔ ایک حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ قطع رحمی اور بغی، یہ دونوں جرم اللہ کو اتنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ

تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

۹۱. اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو، حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو،^(۱) تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے۔

۹۲. اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا،^(۲) کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ،^(۳) اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے۔^(۴) بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ تمہیں آزما رہا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا
الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ
عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۱﴾

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ غَزَاهُمْ بَعْدَ
تَوْكِيدِهَا فَكَانُوا طَائِفًا مِّنَ الْإِنَّمَاءِ
ذَلَّلُوا فَكَانُوا مِمَّنْ لَّنَ لَّكُم مِّنَ الْأَمْرِ
وَلَكُم مِّنَ الْيَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ
تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾

کی طرف سے (آخرت کے علاوہ) دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔ (ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب البغی)۔

۱. قَسَمٌ ایک تو وہ ہے جو کسی عہد و پیمان کے وقت، اسے مزید پختہ کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو انسان اپنے طور پر کسی وقت کھالتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ یہاں آیت میں اول الذکر قسم مراد ہے کہ تم نے قسم کھا کر اللہ کو ضامن بنالیا ہے۔ اب اسے نہیں توڑنا بلکہ اس عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے جس پر تم نے قسم کھائی ہے۔ اس لیے کہ ثانی الذکر قسم کی بابت تو حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ ”کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھالے، پھر وہ دیکھے کہ زیادہ خیر دوسری چیز میں ہے (یعنی قسم کے خلاف کرنے میں ہے) تو وہ بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔“ (صحیح مسلم: ۱۲۴۲) نبی ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔ (صحیح البخاری: ۶۶۲۳، مسلم: ۱۲۶۹)

۲. یعنی مؤکد بہ حلف عہد کو توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عورت سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، یہ تمثیل ہے۔

۳. یعنی دھوکہ اور فریب دینے کا ذریعہ بناؤ۔

۴. اَزْبَىٰ کے معنی اکثر کے ہیں یعنی جب تم دیکھو کہ اب تم زیادہ ہو گئے ہو تو اپنے زعم کثرت میں حلف توڑو، جب کہ قسم اور معاہدے کے وقت وہ گروہ کمزور تھا، لیکن کمزوری کے باوجود وہ مطمئن تھا کہ معاہدے کی وجہ سے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن تم غرور اور نقصان عہد کر کے نقصان پہنچاؤ۔ زمانہ جاہلیت میں اخلاقی پستی کی وجہ سے اس قسم کی عہد شکنی عام تھی، مسلمانوں کو اس اخلاقی پستی سے روکا گیا ہے۔

۹۳. اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں باز پرس کی جانے والی ہے۔

۹۴. اور تم اپنی قسموں کو آپس کی دغا بازی کا بہانہ نہ بناؤ۔ پھر تو تمہارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈگمگائیں گے اور تمہیں سخت سزا برداشت کرنا پڑے گی کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمہیں بڑا سخت عذاب ہوگا۔^(۱)

۹۵. اور تم اللہ کے عہد کو تھوڑے مول کے بدلے نہ بیچ دیا کرو۔ یاد رکھو اللہ کے پاس کی چیز ہی تمہارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تمہیں علم ہو۔

۹۶. تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو ہم بھلے اعمال کا بہترین بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے۔

۹۷. جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔^(۲) اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُبَيِّنُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلِكُمْ عَلٰى أَعْمَالِكُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلُّ قَدَمًا بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا الشَّوْءَ بِمَا صَدَّقْتُم عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹۴﴾

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۵﴾

مَاعِدًا لَّكُمْ يَفْقَدُ وَمَاعِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۚ وَلَنَجْزِيَنَ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُجْزِيَنَّاهُ جُزَاءً حَسَنًا ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾

۱. مسلمانوں کو دوبارہ مذکورہ عہد شکنی سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس اخلاقی پستی سے کسی کے قدم ڈگمگائیں اور کافر تمہارا یہ رویہ دیکھ کر قبول اسلام سے رک جائیں اور یوں تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے مجرم اور سزا کے مستحق بن جاؤ۔ بعض مفسرین نے اَيْمَانٌ يَمِينٌ (بمعنی قسم) کی جمع سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت مراد لی ہے۔ یعنی نبی کی بیعت تو ذکر پھر مرتد نہ ہو جانا، تمہارے ارتداد کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی قبول اسلام سے رک جائیں گے اور یوں تم گئے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (فتح القدیر)

۲. حیات طیبہ (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک مومن باکردار کو صالحانہ اور متقیانہ زندگی گزارنے اور اللہ کی عبادت و اطاعت اور زہد و تقاضات میں جو لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے، وہ ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی،

ضرور بالضرور دیں گے۔

۹۸. قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔^(۱)

۹۹. ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا۔

۱۰۰. ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔

۱۰۱. اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تو تو بہتان باز ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔^(۲)

۱۰۲. کہہ دیجیے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل (علیہ السلام) حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں^(۳) تاکہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے^(۴) اور

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ^(۵)

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ^(۶)

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ^(۷)

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفَوِّضٌ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^(۸)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ^(۹)

بلکہ وہ ایک گونہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾ (طہ: ۱۲۳) (جس نے میری یاد سے اعراض کیا۔ اس کا گزران تنگی والا ہوگا)۔

۱. خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب ساری امت ہے۔ یعنی تلاوت کے آغاز میں اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا جائے۔

۲. یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتے ہیں، جس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کے مطابق وہ احکام میں رد و بدل فرماتا ہے، تو کافر کہتے ہیں کہ یہ کلام اسے محمد (ﷺ) تیرا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ بے علم ہیں، اس لیے یہ نوح کی حکمتیں اور مصلحتیں کیا جائیں۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ، آیت ۱۰۶ کا حاشیہ)

۳. یعنی یہ قرآن محمد ﷺ کا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے حضرت جبریل علیہ السلام جیسی پاکیزہ ہستی نے، سچائی کے ساتھ رب کی طرف سے اتارا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے، ﴿نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ * عَلَى قَلْبِكَ﴾ (الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴) (اسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) نے تیرے دل پر اتارا ہے)۔

۴. اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناح اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں۔ علاوہ ازیں نوح کے مصالح بھی جب ان

مسلمانوں کی رہنمائی اور بشارت ہو جائے۔^(۱)

۱۰۳۔ اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک آدمی سکھاتا ہے^(۲) اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں عجبی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے۔^(۳)

۱۰۴۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے انہیں اللہ کی طرف سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی اور ان کے لیے المناک عذاب ہیں۔

۱۰۵۔ جھوٹ افتراء تو وہی باندھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔^(۴)

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ
الَّذِي يُذَكِّرُ صِدْقَ الْآيَةِ أَعَجَبٌ وَهَذَا الْإِنْسَانُ
عَرَبِيٌّ مُّذْمُومٌ ﴿۱۵﴾

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمْ
اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶﴾

إِنَّمَا يَتَّبِعُ الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ
اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۷﴾

کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثابت قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے، کیوں کہ قرآن بھی بارش کی طرح ہے، جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خار و خش کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ مومن کا دل طاہر اور شفاف ہے جو قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کا دل زمین شور کی طرح ہے جو کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے، جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

۲۔ بعض غلام تھے جو تورات و انجیل سے واقف تھے، پہلے وہ عیسائی یا یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے ان کی زبان بھی غیر فصیح تھی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فلاں غلام محمد کو قرآن سکھاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ جس آدمی، یا آدمیوں کا نام لیتے ہیں وہ تو عربی زبان بھی فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتے، جب کہ قرآن تو ایسی صاف عربی زبان میں ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز بیان میں بے نظیر ہے اور چیلنج کے باوجود اس کے مثل ایک سورت بھی بنا کر پیش نہیں کی جاسکتی، دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب اس شخص کو عجی (گوٹکا) کہتے تھے جو فصیح و بلیغ زبان بولنے سے قاصر ہوتا تھا اور غیر عربی کو بھی عجی کہا جاتا ہے کہ عجی زبانیں بھی فصاحت و بلاغت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

۴۔ اور ہمارا پیغمبر تو ایمانداروں کا سردار اور ان کا قائد ہے، وہ کس طرح اللہ پر افتراء باندھ سکتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اس پر نازل نہ ہوئی ہو اور وہ یوں ہی کہہ دے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس لیے جھوٹا ہمارا پیغمبر نہیں، یہ خود جھوٹے ہیں جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے منکر ہیں۔

۱۰۶. جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو،^(۱) مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔^(۲)

۱۰۷. یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔^(۳)

۱۰۸. یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں۔^(۴)

۱۰۹. کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۱۱۰. جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا بیشک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے۔^(۵)

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مِمَّا كَرِهَ
وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ
بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ^(۱)

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى
الْآخِرَةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ^(۲)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ
وَأَصْلَاهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ^(۳)

لَأَجْرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخُسْرُونَ^(۴)

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ
مَا فُتِنُوا أَنَّهُمْ جَاهِدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ
مِنْ بَعْدِهَا غَفُورٌ رَحِيمٌ^(۵)

۱. اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کر لے، جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، تو وہ کافر نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے قَالَهُ الْقُرْطُبِيُّ۔ (بخ التہذیب)

۲. یہ ارتداد کی سزا ہے کہ وہ غضب الہی اور عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس کی دنیوی سزا قتل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۷ اور آیت: ۲۵۶ کا حاشیہ)

۳. یہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے (مرتد ہوجانے) کی علت ہے کہ انہیں ایک تو دنیا محبوب ہے۔ دوسرا اللہ کے ہاں یہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں۔

۴. پس یہ وعظ و نصیحت کی باتیں سنتے ہیں نہ انہیں سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں ہی دیکھتے ہیں جو انہیں حق کی طرف لے جانے والی ہیں۔ بلکہ یہ ایسی غفلت میں مبتلا ہیں جس نے ہدایت کے راستے ان کے لیے مسدود کر دیے ہیں۔

۵. یہ مکہ کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے۔

۱۱۱۔ جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے لڑتا بھگڑتا آئے گا^(۱) اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر (مطلقاً) ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۲)

۱۱۲۔ اور اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس با فراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔^(۳)

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾

وَصَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَّارَهَا اللَّهُ لِبَاسٍ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾

بالآخر انہیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو اپنے خویش و اقارب، وطن مآلوں اور مال و جائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وار لڑے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور پھر اس کی راہ کی شدتوں اور المناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لیے غفور و رحیم ہے یعنی رب کی مغفرت و رحمت کے حصول کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ مذکورہ مہاجرین نے ایمان و عمل کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو رب کی رحمت و مغفرت سے وہ شاد کام ہوئے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔
۱۔ یعنی کوئی اور کسی کی حملیت میں آگے نہیں آئے گا نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیوی نہ کوئی اور۔ بلکہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ بھائی بھائی سے، بیٹے، ماں باپ سے، خاوند، بیوی سے بھاگے گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی جو اسے دوسرے سے بے پرواہ کر دے گی ﴿لَيْلِ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ شَتْرًا بُعْثِنِي﴾ (عبس: ۳۷) (ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہوگا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہوگا)۔

۲۔ یعنی نیکی کے ثواب میں کمی کردی جائے اور برائی کے بدلے میں زیادتی کردی جائے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کسی پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہیں ہوگا۔ برائی کا اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا کسی برائی کا ہوگا۔ البتہ نیکی کی جزاء اللہ تعالیٰ خوب بڑھا چڑھا کر دے گا اور یہ اس کے فضل و کرم کا مظاہرہ ہوگا جو قیمت کے دن اہل ایمان کے لیے ہوگا۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ۔

۳۔ اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے۔ یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لیے بد دعا فرمائی۔ «اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَىٰ مُصْرَ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ» (صحیح البخاری: ۳۸۴۱، مسلم: ۲۱۵۶) (اے اللہ مصر (قیلے) پر اپنی سخت گرفت فرما اور ان پر اس طرح قحط سالی مسلط کر دے، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ہوئی)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کے امن کو خوف سے اور خوش حالی کو بھوک سے بدل دیا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ بڈیاں اور درختوں کے پتے کھا کر انہیں گزارہ کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔ کہ کفر ان نعمت

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ
فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۳﴾

فَكَانُوا مِنَّا رَجُلًا مِّنَ اللَّهِ حَلَالًا طَيِّبًا
وَأَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لَإِيَّاهُ
تَعْبُدُونَ ﴿۱۴﴾

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ
الْخَنَازِيرِ وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ قَبِينَ
أَضْطَرُّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

۱۱۳۔ اور ان کے پاس انہی میں سے رسول پہنچا پھر بھی انہوں نے اسے جھٹلایا پس انہیں عذاب نے آڈیوچا (۱) اور وہ تھے ہی ظالم۔

۱۱۴۔ جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (۲)

۱۱۵۔ تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں، (۳) پھر اگر کوئی شخص بے بس کر دیا جائے نہ وہ

کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہوگا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں، اس کے اس عموم سے جمہور مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔ الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ.

۱۔ اس عذاب سے مراد وہی عذاب خوف و بھوک ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے، یا اس سے مراد کافروں کا وہ قتل ہے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔

۲۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال و طیب چیزوں سے تجاوز کر کے حرام اور خبیث چیزوں کا استعمال اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔

۳۔ یہ آیت تین مرتبہ پہلے بھی گزر چکی ہے۔ سورة البقرہ: ۱۷۳، المائدہ: ۳، الانعام: ۱۴۵، میں۔ یہ چوتھا مقام ہے جہاں اللہ نے اسے پھر بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ إِنَّمَا حَرَّمَ کے لیے ہے۔ لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کو سامنے رکھتے ہوئے حصر لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔ اس کی ضروری تفریح گزشتہ مقامات پر کی جا چکی ہے، تاہم اس میں ﴿وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے) جو چوتھی قسم ہے۔ اس کے مفہوم میں تاویلات ریکہ اور توجیہات بعیدہ سے کام لے کر شرک کے لیے چور دروازہ تلاش کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔

جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے، بزمِ خویش جس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کے نام پر ہی کیا جائے جس طرح کہ قبر پرستوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے لیے نامزد تو کرتے ہیں۔ مثلاً یہ بکرا فلاں پیر کا ہے، یہ گائے فلاں پیر کی ہے، یہ جانور گیارہویں کے لیے یعنی شیخ عبد القادر جیلانی کے لیے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان

رَّحِيمٌ ۝

خواہشمند ہو اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۱۱۶. اور کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، ^(۱) سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ
الْكُذْبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ
لِّنَقُتِرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ إِنَّ الَّذِينَ

کو وہ بسم اللہ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں، بلکہ جائز ہے کیوں کہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہے اور یوں شرک کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔ حالاں کہ فقہاء نے اس دوسری صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی ﴿وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ میں داخل ہے۔ چنانچہ حاشیہ بیضاوی میں ہے ”ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ اس لیے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا“ اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے ”کسی حاکم اور کسی طرح کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا، اس لیے کہ وہ ﴿وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ میں داخل ہے اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو اور علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے“ (کتاب الذبائح طبع قدیم ۱۲۷۷ھ ص ۲۷۷۔ فتاویٰ شامی ج ۵، ص ۲۰۳ مطبع مبینة، مصر) البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو ﴿وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ کا مدلول اور اس میں داخل نہیں سمجھتے اور اشتراک علت (تقرب لغیر اللہ) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف استدلال واحتجاج کے طریقے میں اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسری صورت ﴿وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (جو بتوں کے پاس یا تھانوں پر ذبح کیے جائیں) میں بھی داخل ہے، جسے سورۃ المائدۃ میں محرمات میں ذکر کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آستانوں، درباروں اور تھانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں، اس لیے کہ وہاں ذبح کرنے کا یا وہاں لے جا کر تقسیم کرنے کا مقصد تَقَرُّبٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ (اللہ کے سوا دوسروں کی رضا اور تقرب حاصل کرنا) ہی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ”ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی، تو آپ ﷺ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔“ (ابوداؤد، کتاب الایمان والنذور، باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر) اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے بنائے جانے کے بعد بھی غیر آباد آستانوں پر جا کر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر جا کر ذبح کیے جائیں جو پرستش اور نذر و نیاز کے لیے مرجع عوام ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۱. یہ اشارہ ہے ان جانوروں کی طرف جو وہ بتوں کے نام وقف کر کے ان کو اپنے لیے حرام کر لیتے تھے، جیسے بیکرہ، سانپ،

کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

۱۱۷۔ انہیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔

۱۱۸۔ اور یہودیوں پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم پہلے ہی سے آپ کو سنا چکے ہیں،^(۱) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

۱۱۹۔ جو کوئی جہالت سے برے عمل کر لے پھر توبہ کر لے اور اصلاح بھی کر لے تو پھر آپ کا رب بلا شک و شبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔

۱۲۰۔ بیشک ابراہیم (علیہ السلام) پیشوا^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یک طرفہ مخلص تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

۱۲۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انہیں اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور انہیں راہ راست سبھا دی تھی۔

۱۲۲۔ اور ہم نے اسے دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور بیشک وہ آخرت میں بھی نیکو کاروں میں ہیں۔

۱۲۳۔ پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں،^(۳) جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٧﴾
مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٨﴾

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزَمًا مَّا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٩﴾

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّوْعَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٠﴾

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢١﴾

شَاكِرًا لِأَنْعَمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٢٢﴾

وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَآتَيْنَاهُ فِي الْآخِرَةِ لَبَنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٣﴾

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٤﴾

۱۔ دیکھیے سورۃ الانعام: ۱۲۶ کا حاشیہ، نیز سورۃ نساء: ۱۶۰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۲۔ اُمّۃ کے معنی پیشوا اور قائد کے بھی ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے اور امت بمعنی امت بھی ہے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وجود ایک امت کے برابر تھا۔ (امت کے معانی کے لیے سورۃ ہود: ۸ کا حاشیہ دیکھیے)

۳۔ مِلّۃ کے معنی ہیں ایسا دین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیاء سمیت اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے اصول میں تمام انبیاء کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

۱۲۴. ہفتے کے دن کی عظمت تو صرف ان لوگوں کے ذمے ہی ضروری کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا،^(۱) بات یہ ہے کہ آپ کا پروردگار خود ہی ان میں ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔

۱۲۵. اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے،^(۲) یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔^(۳)

۱۲۶. اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو تو بے شک صابروں کے لیے یہی بہتر ہے۔^(۴)

إِنَّمَا جَعَلَ السَّبْتَ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّعْظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ يَاتِيهِمْ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾

۱. اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا، لیکن بنو اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتے کا دن تعظیم و عبادت کے لیے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ! انہوں نے جو دن پسند کیا ہے، وہی دن ان کے لیے رہنے دو۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ تعظیم کے لیے ہفتے میں کوئی ایک دن متعین کرلو۔ جس کے تعین میں ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ پس یہود نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ اور جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کر دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے اتوار کا دن یہودیوں کی مخالفت کے جذبے سے اپنے لیے مقرر کیا تھا، اسی طرح عبادت کے لیے انہوں نے اپنے کو یہودیوں سے الگ رکھنے کے لیے صحرہ بیت القدس کی شرقی جانب کو بطور قبلہ اختیار کیا۔ جمعہ کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیے جانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب ہدایۃ هذه الأمة لیوم الجمعة ومسلم کتاب وباب مذکور)

۲. اس میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت، موعظ حسنہ اور رفق و ملامت پر مبنی ہیں۔ جدال بالاحسن: درشتی اور تلخی سے بچتے ہوئے نرم و مشفقانہ لب و لہجہ اختیار کرنا ہے۔

۳. یعنی آپ کا کام مذکورہ اصولوں کے مطابق وعظ و تبلیغ ہے، ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت قبول کرنے والا کون ہے اور کون نہیں؟

۴. اس میں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو، ورنہ یہ خود ظالم ہو جائے گا، تاہم معاف کر دینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔

وَأَصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَكُ فِي ضَلٰٓئِقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٦﴾

۱۶. اور آپ صبر کریں، بغیر توفیق الہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے، اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں، اور جو مکر و فریب یہ کرتے رہتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔^(۱)

۱۶۸. یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ
مُحْسِنُونَ ﴿١٦٨﴾

۱. اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کمروں کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ اور محسنین کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو، اسے اہل دنیا کی سازشیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جیسا کہ مابعد کی آیت میں ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی ہے اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. پاک ہے ^(۱) وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے ^(۲) کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ ^(۳) تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، ^(۴) اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بُرُكْنَا حَوْلَهُ لِلَّهِ مِنَ الْإِيتِنَاءِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①

☆ یہ سورت کی ہے۔ اسے سورۃ الإسراء بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نبی ﷺ کے اسراء (رات کو مسجد اقصیٰ لے جانے) کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”سورہ کہف، مریم اور بنی اسرائیل یہ عتاق اول میں سے ہیں اور میرے تلامذ میں سے ہیں“ (تفسیر سورۃ بنی اسرائیل) عِتَاقٌ، عَتِيقٌ، (قدیم) کی جمع ہے اور تِلَادٌ، تَالِدٌ کی جمع ہے۔ تالید بھی قدیم مال کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورتیں ان قدیم سورتوں میں سے ہیں جو مکہ میں اول اول نازل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند أحمد، جلد: ۲، ص: ۶۸، ۱۲۲۔ ترمذی: ۲۹۴، ۳۴۰۵۔ وصححه الألبانی فی الصحیحۃ: ۶۴۱، جلد: ۲)

۱. سُبْحَانَ، سَبَّحَ یَسْبُحُ کا مصدر ہے۔ معنی ہیں اُنْزَرَهُ اللَّهُ تَنْزِیْہًا یعنی میں اللہ کی ہر نقص سے تنزیہ اور براءت کرتا ہوں۔ عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تو لفظ کن سے پلک جھپکتے میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔

۲. اِسْرَآءٌ کے معنی ہوتے ہیں، رات کو لے جانا۔ آگے لَيْلًا اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے، اسی لیے وہ نکرہ ہے۔ یعنی رات کے ایک حصے یا تھوڑے سے حصے میں۔ یعنی چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر، پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔

۳. اَقْصٰی دور کو کہتے ہیں بیت المقدس، جو القدس یا اہلبیاء (قدیم نام) شہر میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے، کہہ سے القدس تک کی مسافت ۴۰ دن کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) کہا گیا ہے۔

۴. یہ علاقہ قدرتی نہروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء کا مسکن و دفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔

دکھائیں،^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔
 ۲. اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنادیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔

۳. اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کر دیا تھا، وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔^(۲)
 ۴. اور ہم نے بنو اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو بار فساد برپا

وَاٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْ
 اِسْرٰءِيْلَ اَلَّا يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ وِكِيْلًا ۝

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا
 شَكُوْرًا ۝

وَقَضٰى اِلٰى بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتَقْسِدُنَّ فِى
 الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

۱. یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے اس بندے کو عجائبات اور آیات کبریٰ دکھائیں۔ جن میں سے ایک آیت اور معجزہ یہ سفر بھی ہے کہ اتنا لمبا سفر رات کے ایک قلیل حصے میں ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کو جو معراج ہوئی یعنی آسمانوں پر لے جایا گیا، وہاں مختلف آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور سدرة المنتہی پر، جو عرش سے نیچے ساتویں آسمان پر ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نماز اور دیگر بعض چیزیں عطا کیں۔ جس کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں اور صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک امت کے اکثر علماء و فقہاء اس بات کے قائل چلے آ رہے ہیں کہ یہ معراج بِجَسَدِهِ الْغُضَصْرِیِّ ”حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے، بلکہ عینی مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسراء کہلاتا ہے، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے، یہاں پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورہ نجم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر پورے سفر کو ”معراج“ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج یسوی کو کہتے ہیں یہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ عُرِجَ بِیْ اِلٰی السَّمَاءِ (مجھے آسمان پر لے جایا چڑھا یا گیا) سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سفر کا یہ دوسرا حصہ پہلے سے بھی زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے، اس لیے معراج کا لفظ ہی زیادہ مشہور ہو گیا۔ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ تاہم اس میں اتفاق ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں کئی سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مبینہ اور اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول کی ۱۷، یا ۲۷، کوئی رجب کی ۲۷ اور بعض کوئی اور مہینہ اور اس کی تاریخ بتلاتے ہیں۔ (فتح القدیر)

۲. طوفان نوح علیہ السلام کے بعد نسل انسانی نوح علیہ السلام کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتی نوح علیہ السلام میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے۔ اس لیے بنو اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمہارا باپ، نوح علیہ السلام اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا۔ تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے جو محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا انکار کر کے کفرانِ نعت مت کرو۔

کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے۔

۵. ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمہارے مقابلہ پر اپنے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی لڑاکے تھے۔ پس وہ تمہارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔^(۱)

۶. پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جتھے والا بنادیا۔^(۲)

۷. اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے، اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا تاکہ) وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں۔ اور جس جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں۔^(۳)

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا أَلَوْنًا
بِأْسٍ شَدِيدٍ وَعَسَوِ اسْوَحِلَّ الزَّيْطُ وَكَانَ
وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ
بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ
أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ
وُجُوهَكُمْ وَلِيَبَدَّ خُلُوفَ السَّجْدِ كَمَا دَخَلُوهُ
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتَبِّرًا ۝

۱. یہ اشارہ ہے اس ذلت و تباہی کی طرف جو بابل کے فرماں روا بخت نصر کے ہاتھوں، حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی۔ اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو قتل یا حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساد فی الارض کے مجرم بنے۔ بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کے بجائے جالوت کو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر مسلط کیا، جس نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ حتیٰ کہ طالوت کی قیادت میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔

۲. یعنی بخت نصر یا جالوت کے قتل کے بعد ہم نے تمہیں پھر مال اور دولت، بیٹوں اور جاہ و حشمت سے نوازا، جب کہ یہ ساری چیزیں تم سے چھین چکی تھیں۔ اور تمہیں پھر زیادہ جتھے والا اور طاقتور بنادیا۔

۳. یہ دوسری مرتبہ انہوں نے فساد برپا کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچالیا۔ اس کے نتیجے میں پھر رومی بادشاہ ٹیٹس کو اللہ نے ان پر مسلط کر دیا، اس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے کشتوں کے پٹے لگا دیے اور بہت سوں کو قیدی بنالیا، ان کے اموال لوٹ لیے، مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندنا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلا وطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔ یہ تباہی ۷۰ء میں ان پر آئی۔

عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ أَنْ يَرَوْنَهُمْ وَأَنْ نَعْتَدَ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا
وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يُعْذِرُ لَكَ فِيهِ أَقْوَمُ وَيُبَيِّنُ
لِلْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا
كَبِيرًا

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابًا أَلِيمًا

وَيَذَرُ الْإِنْسَانَ بِالْشَّرِّ دُعَاءً بِالْخَيْرِ وَكَانَ
الْإِنْسَانُ عَجُولًا

وَجَعَلْنَا الْكَلِيلَ وَاللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
وَجَعَلْنَا آيَةَ الْفِتْنَةِ مُبِينَةً لِّتَبَيَّنَّ أَفْضَلُكُمْ
رَبُّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السَّاعَةِ وَالْحِسَابَ وَكُلُّ
شَيْءٍ فَضْلَانَا تَقْصِيْلًا

۸. امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے۔ ہاں اگر
تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں
گے^(۱) اور ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے۔^(۲)

۹. یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا
ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات
کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

۱۰. اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے
لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۱۱. اور انسان برائی کی دعائیں مانگے لگتا ہے بالکل اس کی اپنی
بھلائی کی دعا کی طرح، اور انسان ہے ہی بڑا جلد باز۔^(۳)

۱۲. اور ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں
بنائی ہیں، رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے اور
دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل
تلاش کر سکو اور اس لیے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب
معلوم کر سکو^(۴) اور ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے

۱. یہ انہیں تنبیہ کی کہ اگر تم نے اصلاح کر لی تو اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جس کا مطلب دنیا و آخرت کی سرخروئی
اور کامیابی ہے اور اگر دوبارہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے تم نے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا تو ہم پھر تمہیں اسی
طرح ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں گے جیسے اس سے قبل دو مرتبہ ہم تمہارے ساتھ یہ معاملہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایسا
ہی ہوا، یہ یہود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وہی کردار رسالت محمدیہ کے بارے میں دہرایا جو رسالت موسوی اور
رسالت عیسیٰ میں ادا کر چکے تھے، جس کے نتیجے میں یہ یہودی تیسری مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے
اور بعد رسوائی انہیں مدینے اور خیبر سے نکلنا پڑا۔

۲. یعنی اس دنیا کی رسوائی کے بعد آخرت میں جہنم کی سزا اور اس کا عذاب الگ ہے جو وہاں انہیں بھگتنا ہو گا۔

۳. انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ ہے، اس لیے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بد دعا
کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے۔ یہ تو رب کا فضل و کرم ہے کہ وہ اس کی بد دعاؤں کو
قبول نہیں کرتا۔ یہی مضمون سورۃ یونس آیت: ۱۱ میں گزر چکا ہے۔

۴. یعنی رات کو بے نور یعنی تاریک کر دیا تاکہ تم آرام کر سکو اور تمہاری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور دن کو روشن

بیان فرما دیا ہے۔^(۱)

۱۳. اور ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے^(۲) اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پالے گا۔
۱۴. لے، خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے۔

۱۵. جو راہ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ اسی کے اوپر ہے، کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا^(۳) اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلَزَمْنَاهُ طَرَفًا فِى عُنُقِهِ وَنُحْمِرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ رَتَبًا يَلْقَاهُ مَسْئُورًا ﴿۱۵﴾

اِقْرَأْ لَكَ كَفَىٰ يَوْمِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿۱۶﴾

مَنْ اَهْتَدَىٰ فَاتِّمَّا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَاتِّمَّا يَضِلَّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى وَمَا لَنَا مَعَدَّيْنِ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۷﴾

بنایا تاکہ کسب معاش کے ذریعے سے تم رب کا فضل تلاش کرو۔ علاوہ ازیں رات اور دن کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو، اس حساب کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا تو تمہیں آرام و سکون کا یا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اسی طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ رہتا۔

۱. یعنی انسان کے لیے دین اور دنیا کی ضروری باتیں سب کھول کر ہم نے بیان کر دی ہیں تاکہ انسان ان سے فائدہ اٹھائیں، اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت کی بھی فکر اور اس کے لیے تیاری کریں۔

۲. طَارِفُ کے معنی پرندے کے ہیں اور عُنُقُ کے معنی گردن کے۔ امام ابن کثیر نے طَارِفُ سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔ فِی عُنُقِهِ کا مطلب ہے، اس کے اچھے یا برے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بری جزاء دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شوکانی نے طَارِفُ سے مراد انسان کی قسمت لی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے لکھ دی ہے، جسے سعادت مند اور اللہ کا مطیع ہونا تھا وہ اللہ کو معلوم تھا اور جسے نافرمان ہونا تھا، وہ بھی اس کے علم میں تھا، یہی قسمت (سعادت مندی یا بد بختی) ہر انسان کے ساتھ گلے کے ہار کی طرح چپٹی ہوئی ہے۔ اسی کے مطابق اس کے عمل ہوں گے اور قیامت کے دن اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

۳. البتہ جو ضال (گمراہ) مضل (گمراہ کرنے والے) بھی ہوں گے، انہیں اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ، ان کے گناہوں کا بار بھی (بغیر ان کے گناہوں میں کمی کیے) اٹھانا پڑے گا جو ان کی کوششوں سے گمراہ ہوئے ہوں گے، جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات اور احادیث سے واضح ہے۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی گناہوں کا بار ہوگا جو دوسروں کو گمراہ کر کے انہوں نے کمایا ہوگا۔

پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔^(۱)

۱۶. اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔^(۲)

۱۷. اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں^(۳) اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔

وَاِذْ اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً فَاَمَرْنَا مَعْشَرَ شُعُوبِهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

۱. بعض مفسرین نے اس سے صرف دنیوی عذاب مراد لیا ہے۔ یعنی آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے، لیکن قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے؟ جس پر وہ اثبات میں جواب دیں گے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسال رسل اور انزال کتب کے بغیر وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا۔ تاہم اس کا فیصلہ کہ کس قوم یا کس فرد تک اس کا پیغام نہیں پہنچا، قیامت کے دن وہ خود ہی فرمائے گا، وہاں یقیناً کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہو گا۔ اسی طرح بہرا، پگل، فاتر العقل اور زمانہ فترت یعنی دونیوں کے درمیانی زمانے میں فوت ہونے والے لوگوں کا مسئلہ ہے، ان کی بابت بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انہیں کہیں گے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ، اگر وہ اللہ کے اس حکم کو مان کر جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو جہنم ان کے لیے گل و گلزار بن جائے گی، بصورت دیگر انہیں گھیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسند أحمد: ج ۴، ص ۴۳، وابن حبان: ج ۹، ص ۲۲۶، علامہ البانی نے صحیح الجامع الصغیر: ۸۸۱) میں اسے ذکر کیا ہے) چھوٹے بچوں کی بابت اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے بچے تو جنت میں ہی جائیں گے، البتہ کفار و مشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے۔ کوئی توقف کا، کوئی جنت میں جانے کا اور کوئی جہنم میں جانے کا قائل ہے، امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ میدان محشر میں ان کا امتحان لیا جائے گا، جو اللہ کے حکم کی اطاعت اختیار کرے گا وہ جنت میں، اور جو نافرمانی کرے گا جہنم میں جائے گا، امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے متضاد روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے (تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کیجیے) مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ دیکھیے صحیح بخاری (۳: ۲۵۱، ۱۲: ۳۲۸) مع الفتح۔

۲. اس میں وہ اصول بتلایا گیا ہے جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوش حال طبقہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور انہی کی تقلید پھر دوسرے لوگ کرتے ہیں، یوں اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پا جاتی ہے۔

۳. وہ بھی اسی اصول ہلاکت کے تحت ہی ہلاک ہوئیں۔

۱۸. جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سردست دیتے ہیں بالآخر اس کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ بُرے حالوں دھنکارا ہوا داخل ہوگا۔^(۱)

۱۹. اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے، وہ کرتا بھی ہو اور وہ با ایمان بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدردانی کی جائے گی۔^(۲)

۲۰. تیرے پروردگار کے انعامات میں سے ہم ہر ایک کو بہم پہنچاتے ہیں انہیں بھی اور انہیں بھی، اور تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے۔^(۳)

۲۱. دیکھ لے کہ ان میں ایک کو دوسرے پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔^(۴)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ يُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلُهُ مَا مَدَّ مُوْا مَدَّ حُورًا ﴿١٨﴾

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٩﴾

كُلًّا نُّنْزِلُ لَهُ أَهْلًا وَهُوَ أَزْوَاجُ مَنْ عَطَا رَبُّكَ وَمَا كَانَ عَطَاؤُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾

أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلِلْآخِرَةِ الْكِبْرُ دَرَجَاتٌ وَالْكَبَرُ تَفْضِيلًا ﴿٢١﴾

۱. یعنی دنیا کے ہر طالب کو دنیا نہیں ملتی، صرف اسی کو ملتی ہے جس کو ہم چاہیں، پھر اس کو بھی اتنی دنیا نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی ہم اس کے لیے فیصلہ کریں۔ لیکن اس دنیا طلبی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب اور اس کی رسوائی ہے۔
۲. اللہ تعالیٰ کے ہاں قدردانی کے لیے تین چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) ارادہ آخرت، یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی۔ (۲) ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو۔ یعنی سنت کے مطابق۔ (۳) ایمان، کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی عمل بھی قابلِ التفات نہیں۔ یعنی قبولیت عمل کے لیے ایمان کے ساتھ اخلاص اور سنت نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔
۳. یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلا تفریق مومن اور کافر، طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں۔
۴. تاہم دنیا کی یہ چیزیں کسی کو کم، کسی کو زیادہ ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا ہے۔ تاہم آخرت میں درجات کا یہ تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں جائیں گے۔

۲۲. اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا کہ آخرش تو برے حالوں بے کس ہو کر بیٹھ رہے گا۔

۲۳. اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔^(۱)

۲۴. اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا^(۲) اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

۲۵. جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب بخوبی جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ تو رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُومًا ۝

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَاقُوتَ الدِّينِ أَحْسَنًا ۖ
إِنَّمَا يُنْعِقُ عِنْدَكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا ۖ وَلَا تَقْلُ لَهَا
أَفْ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهَا قَوْلًا مَّعْرُومًا ۝

وَاخْضَعْ لَهَا جَنَاحَ الذِّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ
إِذَا مَا كُنَّا رِيبِي صَغِيرًا ۝

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِنَّ تَقُولُوا صَالِحِينَ ۖ إِنَّكُمْ
كَانَ لِلذَّكَاءِ يَنْ عَفْوًا ۝

۱. اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب و احترام کی اہمیت واضح ہے۔ گویا ربوبیت الہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کر دیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ”ہوں“ تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے، کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور، بے بس اور لاچار ہوجاتے ہیں، جب کہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض و متصرف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے پر جوش جذبات اور بڑھاپے کے سرد و گرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔ ان حالات میں والدین کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ تاہم اللہ کے ہاں سرخرو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔

۲. پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایہ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لیے اپنے بازو پست کر دیتا ہے، یعنی تو بھی والدین کے ساتھ اسی طرح اچھا اور پر شفقت معاملہ کر اور ان کی اسی طرح کفالت کر جس طرح انہوں نے بچپن میں تیری کی۔ یا یہ معنی ہیں کہ جب پرندہ اڑنے اور بلند ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا اور جب نیچے اترتا ہے تو بازوؤں کو پست کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے بازوؤں کے پست کرنے کے معنی، والدین کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے کے ہوں گے۔

۲۶. اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو^(۱) اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو۔

۲۷. بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے۔^(۲)

۲۸. اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس رحمت کی جستجو میں، جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہیے کہ عہد کی اور نرمی سے انہیں سمجھا دے۔^(۳)

۲۹. اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا در ماندہ بیٹھ جائے۔^(۴)

وَابْتَغِ الْفَرْنَ حَقَّهُ وَالْمُسْكِينِ وَابْتَغِ الْفَرْنَ حَقَّهُ
وَلَا تَبْذُرْ رِيبًا ۝

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا أَخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ رِيبًا لِّرَبِّهِ ۝

وَأَنَّا نَعْرَضُ عَنْهُمْ لِنَمُنَّ أَوْ لِيَكُونَ مِنْ رِبِّكَ رَحْمَةً ۝ أَلَمْ نَقُلْ لَهُمْ كَلَّا فَتَبَيَّنُوا ۝

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَعُومًا مَّحْسُورًا ۝

۱. قرآن کریم کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ غریب رشتے داروں، مسکین اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کر کے، ان پر احسان نہیں جتلا نا چاہیے، کیونکہ یہ ان پر احسان نہیں ہے، بلکہ مال کا وہ حق ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصحاب مال کے مالوں میں مذکورہ ضرورت مندوں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہیں کرے گا تو عند اللہ مجرم ہوگا۔ گویا یہ حق کی ادائیگی ہے نہ کہ کسی پر احسان۔ علاوہ ان رشتے داروں کے پہلے ذکر سے ان کی اولیت اور اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے، جس کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔

۲. تَبْذِيرُ کی اصل بذر (بچ) ہے، جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ صحیح جگہ پر پڑ رہا ہے یا اس سے ادھر ادھر۔ بلکہ کسان بیج ڈالے چلا جاتا ہے۔ تَبْذِيرُ (فضول خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج کی طرح اڑاتا پھیرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے، اور بعض کہتے ہیں کہ تہذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تھوڑا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تہذیر میں آجاتی ہیں۔ اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان سے مماثلت تامہ ہے اور شیطان کی مماثلت سے بچنا چاہے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو، انسان کے لیے واجب ہے۔ پھر شیطان کو كُفُوْر (بہت ناشکرا) کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کردی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اس کی طرح كُفُوْر قرار دے دیے جاؤ گے۔ (فتح اللہ)

۳. یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے، جس کے دور ہونے کی اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتا ہے۔ اگر تجھے غریب رشتے داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں سے اعراض کرنا یعنی اظہار معذرت کرنا پڑے تو نرمی اور عہد کی ساتھ معذرت کر، یعنی جواب بھی دیا جائے تو نرمی اور پیار و محبت کے لہجے میں نہ کہ ترشی اور بد اخلاقی کے ساتھ، جیسا کہ عام طور پر لوگ ضرورت مندوں اور غریبوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

۴. گزشتہ آیت میں انکار کرنے کا ادب بیان فرمایا اب انفاق کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل

اِنَّ ذٰلِكَ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ اللّٰهَ كَانَ
يُعَذِّبُ الْخٰبِیْنَ ۝۱۵

وَلَا تَقْتُلُواْ اَوْلَادَكُمْ حٰشِيَۃً اِمَّا لَكُمْ بِمَعْنٰی نِّزْوٰهُمْ
وَاِلٰی اٰكْرٰهٍ فَمَنْهُمْ كَانَ خَطَاۤیَۃً كَبِیْرًا ۝۱۶

وَلَا تَقْرَبُواْ الرِّیَّ اِنَّهٗ كَانَ فَاَحْشَۃً وَّسَآءَ سَبِیْلًا ۝۱۷

۳۰. یقیناً تیرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ۔^(۱) یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے۔

۳۱. اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔^(۲)

۳۲. اور خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔^(۳)

کرے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان لوم، یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ہارا اور پیچھتانے والا) محسور، اس جانور کو کہتے ہیں جو چل چل کر تھک چکا اور چلنے سے عاجز ہو چکا ہو۔ فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ”نہ اسے بالکل ہی کھول دے“ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔ مَلُومًا مَّحْسُورًا لَفْ نَشْرِ مَرْتَبٌ ہے یعنی لوم، بخل کا اور محسور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔

۱. اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی ہے کہ ان کے پاس وسائل رزق کی فراوانی نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام نہیں ہے بلکہ یہ رزق کی وسعت یا کمی، اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مصلحت سے ہے جسے صرف وہی جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنادے اور اپنوں کو اتنا ہی دے کہ جس سے بمشکل وہ اپنا گزارہ کر سکیں۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جس کو وہ زیادہ دے وہ اس کا محبوب نہیں، اور قوت لایموت کا مالک اس کا مبغوض نہیں۔

۲. یہ آیت سورة الانعام: ۱۵۱ میں بھی گزر چکی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا قرار دیا وہ یہی ہے کہ «اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ حَشِيَّةً اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ»۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة البقرة، و کتاب الادب، مسلم، کتاب التوحید، باب فلا تجعلوا الله اُنْدَادًا) (کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی)۔ آج کل قتل اولاد کا گناہ عظیم نہایت منظم طریقے سے اور خاندانی منصوبہ بندی کے حسین عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے اور مرد حضرات ”بہتر تعلیم و تربیت“ کے نام پر اور خواتین اپنے ”حسن“ کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

۳. اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کر لے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے۔ پھر اسے تلوار کے ایک وار سے ماردینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں نشان عبرت بن جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا

۳۳۔ اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرنا^(۱) اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے بیشک وہ مدد کیا گیا ہے۔^(۲)

۳۴۔ اور یتیم کے مال کے قہب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہت ہی بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے^(۳) اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔^(۴)

۳۵۔ اور جب ناپنے لگو تو بھرپور پیمانے سے ناپو اور

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطٰنًا فَلْيَكْفِرْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿۳۳﴾

وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿۳۴﴾

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ الِّسْتَقِيمِ ﴿۳۵﴾

کے قریب مت جاؤ، یعنی اس کے دوائی اور اسباب سے بھی بچ کر رہو، مثلاً غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط وکلام کی راہیں پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا، وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جاسکے۔

۱۔ حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے، جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

۲۔ یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق یا غلبہ یا طاقت دی گئی ہے کہ وہ قاتل کو حاکم وقت کے شرعی فیصلہ کے بعد قصاص میں قتل کر دیں یا اس سے دیت لے لیں یا معاف کر دیں۔ اور اگر قصاص ہی لینا ہے تو اس میں زیادتی نہ کریں کہ ایک کے بدلے میں دو یا تین چار کو مار دیں، یا اس کا مثلہ کر کے یا عذاب دے دے کر ماریں، مقتول کا وارث، منصور ہے یعنی امراء و حکام کو اس کی مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ زیادتی کا ارتکاب کر کے اللہ کی ناشکری کرے۔

۳۔ کسی کی جان کو ناجائز طریقے سے ضائع کرنے کی ممانعت کے بعد، اتلاف مال (مال کے ضائع کرنے) سے روکا جا رہا ہے اور اس میں یتیم کا مال سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے فرمایا کہ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کو ایسے طریقے سے استعمال کرو، جس میں اس کا فائدہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ سوچے سمجھے بغیر ایسے کاروبار میں لگا دو کہ وہ ضائع یا خسارے سے دوچار ہو جائے۔ یا عمر شعور سے پہلے تم اسے اڑا ڈالو۔

۴۔ عہد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور وہ بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور نقض عہد کی صورت میں باز پرس ہوگی۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥﴾

سیدھی ترازو سے تول کر وہی بہتر ہے ^(۱) اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿٦﴾

۳۶. اور جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ ^(۲) کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔ ^(۳)

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَحَاً اَنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٧﴾

۳۷. اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔ ^(۴)

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًُا ﴿٨﴾

۳۸. ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسند ہے۔ ^(۵)

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى الْيَاكُ رُبُّكَ مِنَ الْيَكْمَةِ
وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ الْاَحْرَافَ تَلْفِيْ فِيْ جَهَنَّمَ
مَلُوْمًا مَّذْهُوْرًا ﴿٩﴾

۳۹. یہ بھی منجملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب تیرے رب نے حکمت سے اتاری ہے تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندہ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَالَّتَخَذَ مِنْ الْمَلَائِكَةِ
اِنَاثًا اِنَّهُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿١٠﴾

۴۰. کیا بیٹوں کے لیے تو اللہ نے تمہیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو لڑکیاں بنالیا؟ بیشک تم بہت بڑا

۱. اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے، علاوہ ازیں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں بھی ناپ تول میں دیانت داری مفید ہے۔

۲. قَفَا يَفْقُوْا کے معنی ہیں پیچھے لگنا۔ یعنی جس چیز کا علم نہیں، اس کے پیچھے مت لگو، یعنی بدگمانی مت کرو، کسی کی ٹوہ میں مت رہو، اسی طرح جس چیز کا علم نہیں، اس پر عمل مت کرو۔

۳. یعنی جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے سنا تھا، آنکھ سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے دیکھا تھا اور دل سے سوال ہوگا کیا اس نے جانا تھا؟ کیوں کہ یہی تینوں علم کا ذریعہ ہیں۔ یعنی ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قوت گویائی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔

۴. اترا کر اور اکڑ کر چلنا، اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ قارون کو اسی بناء پر اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (القصص: ۸۱) حدیث میں آتا ہے (ایک شخص دو چادریں اپنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا)۔ (صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم التبختہ فی المشی مع إعجابہ بنبایہ) اللہ تعالیٰ کو تواضع اور عاجزی پسند ہے۔

۵. یعنی جو باتیں مذکور ہوئیں، ان میں جو بری ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے، وہ ناپسندیدہ ہیں۔

بول رہے ہو۔

۴۱. اور ہم نے تو اس قرآن میں ہر طرح^(۱) بیان فرمادیا کہ لوگ سمجھ جائیں لیکن اس سے انہیں تو نفرت ہی بڑھتی ہے۔

۴۲. کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔^(۲)

۴۳. جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور بالاتر، بہت دور اور بہت بلند ہے۔^(۳)

۴۴. ساتوں آسمانوں اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ لیکن تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔^(۴) بے شک وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۴۱﴾

فَلَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾

سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۴۳﴾

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ﴿۴۴﴾
وَأَن مِّن شَيْءٍ إِلَّا أَيْبِسُ يَدَايِهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ
تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۵﴾

۱. ہر طرح کا مطلب ہے، وعظ و نصیحت، دلائل و مینات ترغیب و ترہیب اور امثال و واقعات، ہر طریقے سے بار بار سمجھایا گیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں، لیکن وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کے بجائے، اس سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن جادو، کہانت اور شاعری ہے، پھر وہ اس قرآن سے کس طرح راہ یاب ہوں؟

۲. اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ و قوت حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا، جب کہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، کوئی با اختیار ہستی ہی نہیں، کوئی نافع و ضار ہی نہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انہیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔

۳. یعنی واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی بابت جو کہتے ہیں کہ اس کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بہت بلند ہے۔

۴. یعنی سب اسی کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہیں۔ گو ہم ان کی تسبیح و تحمید کو نہ سمجھ سکیں۔ اس کی تائید بعض اور آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے مثلاً حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔ ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَمِيِّ وَالْأَشْرَاقِ﴾ (ص: ۱۸) (نم نے پہاڑوں کو داود علیہ السلام کے تابع کر دیا، بس وہ شام کو اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح (پاکی) بیان کرتے ہیں)۔ بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ جَعَلًا كَيْتَكَ وَيَتَنَ الَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حَتَّىٰ تُنْفِرُوا ۝

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ
وَقْرًا ۚ وَإِذْ كُنْتَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوْ عَلَىٰ
أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝

عَنْ أَعْلَمِهِمْ يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْمِعُونَ إِلَيْكَ
وَلَا هُمْ يَجْأُونَ ۚ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَعَتَّبُونَ

۳۵۔ اور تو جب قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان
لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک
پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔^(۱)

۳۶۔ اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیے ہیں
کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ، اور جب
تو صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ، اس
قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر
بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔^(۲)

۳۷۔ جس غرض سے وہ لوگ اسے سنتے ہیں ان (کی
نیتوں) سے ہم خوب آگاہ ہیں، جب یہ آپ کی طرف

﴿وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنَ يَعْرِضُ عَنْ حُكْمِ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۷۴) (اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں)۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ انہوں نے کھانے سے تسبیح کی آواز سنی، (صحیح البخاری، کتاب المناقب: ۳۵۷۹) ایک اور حدیث سے ثابت ہے کہ چیونٹیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۰۱۹ ومسلم: ۱۷۵۹) اسی طرح جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اسے آپ ﷺ نے چھو دیا تو بچے کی طرح اس سے رونے کی آواز آتی تھی۔ (صحیح البخاری: ۳۵۸۹) مکہ میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۷۸۲) ان آیات و صحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے، جسے گو ہم نہ سمجھ سکیں، مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تسبیح دلالت ہے یعنی یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ
”ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے“ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ تسبیح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔
۱۔ مَسْتَوْرٌ بمعنی سائر (مانع اور حائل) ہے یا مستور عن الأبصار (آنکھوں سے اوجھل) پس وہ اسے دیکھتے نہیں۔ اس کے باوجود ان کے اور ہدایت کے درمیان حجاب ہے۔

۲۔ أَكِنَّةٌ کِنَانٌ کی جمع ہے، ایسا پردہ جو دلوں پر پڑ جائے۔ وَقْرٌ کانوں میں ایسا ثقل یا ڈاٹ جو قرآن کے سننے میں مانع ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اللہ کی توحید سے تو انہیں اتنی نفرت ہے کہ اسے سن کر تو بھاگ ہی کھڑے ہوتے ہیں، ان افعال کی نسبت اللہ کی طرف باعتبار خلق کے ہے، ورنہ ہدایت سے یہ محرومی ان کے جمود و عناد ہی کا نتیجہ تھا۔

الْاَدْبَالُ مَسْعُورًا ﴿٤٧﴾

کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی، اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں تب بھی جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔^(۱)

۴۸. دیکھیں تو سہی، آپ کے لیے کیا کیا مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ بہک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا۔^(۲)

۴۹. اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی ہو کر) ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیے جائیں گے۔

۵۰. جواب دیجیے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لولہا۔^(۳)

۵۱. یا کوئی اور ایسی خلقت جو تمہارے دلوں میں بہت ہی سخت معلوم ہو،^(۴) پھر وہ یہ پوچھیں کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ آپ جواب دے دیں کہ وہی اللہ جس نے تمہیں اول بار پیدا کیا، اس پر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر^(۵) آپ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو آپ جواب دے دیں کہ کیا عجب کہ وہ (ساعت) قریب ہی آن لگی ہو۔^(۶)

أَنْظُرْ كَيْفَ صُورُكَ الْهَيْئَالَ فَكَلَيْسَ يَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٤٨﴾

وَقَالُوا إِذَا أَكُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ أَلْمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٤٩﴾

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٠﴾

أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾

۱. یعنی نبی ﷺ کو یہ سحر زدہ سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے قرآن سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

۲. کبھی ساحر، کبھی مسحور، کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہتے ہیں، پس اس طرح گمراہ ہو رہے ہیں، ہدایت کا راستہ انہیں کس طرح ملے؟

۳. جو مٹی اور ہڈیوں سے زیادہ سخت ہے اور جس میں زندگی کے آثار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔

۴. یعنی اس سے بھی زیادہ سخت چیز، جو تمہارے علم میں ہو، وہ بن جاؤ اور پھر پوچھو کہ کون زندہ کرے گا؟

۵. اَنْغَضُ يُنْغِضُ کے معنی ہیں، سر ہلانا۔ یعنی استہزاء کے طور پر سر ہلا کر وہ کہیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہوگی؟

۶. قریب کا مطلب ہے ہونے والی چیز، کُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ ”ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز، قریب ہے“ اور عسی بھی قرآن میں یقین اور واجب الوقوع کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔

يَوْمَ يَنْعُومُونَ فَتَسْتَجِيبُونَ مَحْدُودًا ۖ وَتَقُولُونَ اِنْ
لِّسْتُمْ اِلَّا قَلِيلٌ ۝۷۱

وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّذِي هِيَ اَحْسَنُ اِنْ الشَّيْطَانَ
يَدْرُءُ بَيِّنَاتٍ ۚ الشَّيْطَانُ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا
مُبِينًا ۝۷۲

رَكَدًا ۚ اَعْمٰهُمْ اِنْ يَشَاءُ رَحْمَتُ اَوْ اَنْ يَّسْتَاغِدَّ لَهُمْ
وَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝۷۳

۵۲۔ جس دن وہ تمہیں بلائے گا^(۱) تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور گمان کرو گے کہ تمہارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہے۔^(۲)

۵۳۔ اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں^(۳) کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈالتا ہے۔^(۴) بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

۵۴۔ تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کر دے یا اگر وہ چاہے تمہیں عذاب دے۔^(۵) اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار

۱۔ ”بلائے گا“ کا مطلب ہے قبروں سے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے یا اسے پہچانتے ہوئے اس کے پاس حاضر ہو جاؤ گے۔

۲۔ وہاں یہ دنیا کی زندگی بالکل تھوڑی معلوم ہوگی، ﴿كَانَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُونَ بِالْعَذَابِ اَوْ ضَلُّوا﴾ (النازعات: ۴۶) (جب قیمت کو دیکھ لیں گے، تو دنیا کی زندگی انہیں ایسے لگے گی گویا اس میں ایک شام یا ایک صبح رہے ہیں)۔ اسی مضمون کو دیگر مقامات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورة طہ: ۱۰۲-۱۰۴، المؤمنون: ۱۱۲-۱۱۴، الروم: ۵۵۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلا نفع ہوگا، تو سب مردے قبروں میں زندہ ہو جائیں گے۔ پھر دوسرے نفع پر میدان محشر میں حساب کتاب کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ دونوں نفعوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا اور اس فاصلے میں انہیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، وہ سو جائیں گے۔ دوسرے نفع پر انھیں گے تو کہیں گے۔ ”افسوس، ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا ہے؟“ (سورة یس: ۵۲) (فتح القدیر) پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

۳۔ یعنی آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، اچھے کلمات بولیں، اسی طرح کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر مخاطبت کی ضرورت پیش آجائے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں۔

۴۔ زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان، جو تمہارا کھلا اور ازلی دشمن ہے، تمہارے درمیان آپس میں فساد ڈال سکتا ہے، یا کفار و مشرکین کے دلوں میں تمہارے لیے زیادہ بغض و عناد پیدا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص، اپنے بھائی (مسلمان) کی طرف، ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان شاید اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلوا دے (اور وہ اس مسلمان بھائی کو جا لگے، جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔“ (صحیح البخاری کتاب الفتن، باب من حمل علينا السلاح فليس منا، وصحیح مسلم، کتاب البر، باب النهي عن الإشارة بالسلاح)

۵۔ اگر خطاب مشرکین سے ہو تو رحم کے معنی قبول اسلام کی توفیق کے ہوں گے اور عذاب سے مراد شرک پر ہی موت

ٹھہرا کر نہیں بھیجا۔^(۱)

۵۵. اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے آپ کا رب سب کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دی ہے^(۲) اور داود (علیہ السلام) کو زبور ہم نے عطا فرمائی ہے۔

۵۶. کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔

۵۷. جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں،^(۳) (بات بھی یہی

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنۢ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّۦنَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوۡدَ زَبُوۡرًاۙ

قُلۡ اَدْعُوا الَّذِيۦنَ رَعٰيْتُمۡ مِنْ دُوۡنِهٖۙ فَلَا يَمْلِكُوۡنَ كُفۡفَ الصِّرَاطِ عَنْكُمۡ وَاَنْتُمْ حٰثُوۡاۙ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۦنَ يَدْعُوۡنَ يَدْعُوۡنَ اِلَى الْوَسِيْلَةِ اِيۡلَهُمۡ اَقْرَبُ وَيَرْجُوۡنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوۡرًاۙ

ہے، جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہو تو رحم کے معنی ہوں گے کہ وہ کفار سے تمہاری حفاظت فرمائے گا اور عذاب کا مطلب ہے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط۔

۱. کہ آپ انہیں ضرور کفر کی دلدل سے نکالیں یا ان کے کفر پر جے رہنے پر آپ سے باز پرس ہو۔

۲. یہ مضمون ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمۡ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (البقرہ: ۲۵۳) میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں یہ مضمون دہرایا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لیے یہ محمد (ﷺ) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا، یہ اللہ کے ہی اختیار میں ہے۔

۳. گذشتہ آیت میں مِنْ دُوۡنِهٖ سے مراد فرشتوں اور بزرگوں کی وہ تصویریں اور مجسمے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، یا حضرت عزیر و مسیح علیہ السلام ہیں جنہیں یہودی اور عیسائی ابن اللہ کہتے اور انہیں الوہی صفات کا حامل مانتے تھے، یا وہ جنات ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لیے اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ یہ تو خود اپنے رب کا قرب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور یہ صفت جمادات (پتھروں) میں نہیں ہو سکتی۔ اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ مِنْ دُوۡنِ اللّٰہِ (اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے) وہ صرف پتھر کی مورتیاں ہی نہیں تھیں، بلکہ اللہ کے وہ بندے بھی تھے جن میں سے کچھ فرشتے، کچھ صالحین، کچھ انبیاء اور کچھ جنات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی بابت فرمایا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی سے تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ کسی کی حالت بدل سکتے ہیں۔ ”اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں“ کا مطلب اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کا

(ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

۵۸. اور جتنی بھی بستیاں ہیں ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو انہیں ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے والے ہیں۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔^(۱)

۵۹. اور ہمیں نشانات (معجزات) کے نازل کرنے سے روک صرف اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں۔^(۲) ہم نے شہودیوں کو واضح نشانی کے طور پر اونٹنی دی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا^(۳) اور ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔

۶۰. اور یاد کرو جب کہ ہم نے آپ سے فرما دیا کہ

وَأَنَّ مِنْ قَرِيبٍ إِلَيْنَا مَهْلِكُوهُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
أَوْ مَعَذِّرُوهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ
مَسْطُورًا^(۴)

وَمَا مَعْنَا أَنْ تُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا
الَّذِينَ لَا تَتَّبِعُ النَّاسَ فِي مَا يَكْفُرُونَ فَاظْهَرُوا لَهُمْ
وَمَا تُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَوْتُفًا^(۵)

وَأَذُنَا لَكَ إِنْ رَبُّكَ أَحْلَاطَ بِالْمَلِئِينَ وَمَا جَعَلْنَا الْإِنْسَانَ

قرب ڈھونڈتے ہیں۔ یہی الویلہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ نہیں ہے جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر نیاز دو، ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ اور میلے ٹھیلے جماد اور ان سے استمداد واستغاثہ کرو۔ کیونکہ یہ وسیلہ نہیں، یہ تو ان کی عبادت ہے جو شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

۱. کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے، جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے کہ ہم کافروں کی ہر بستی کو یا تو موت کے ذریعے سے ہلاک کر دیں گے اور بستی سے مراد، بستی کے باشندگان ہیں اور ہلاکت کی وجہ ان کا کفر و شرک اور ظلم و طغیان ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہلاکت قیامت سے قبل وقوع پذیر ہوگی، ورنہ قیامت کے دن تو بلا تفریق ہر بستی ہی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی۔

۲. یہ آیت اس وقت اتری جب کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنادیا جائے یا مکہ کے پہاڑ اپنی جگہ سے بٹادیے جائیں تاکہ وہاں کاشت کاری ممکن ہو سکے، جس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ ان کے مطالبات ہم پورے کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ نبی ﷺ نے بھی اسی بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(مسند احمد، ج: ۱، ص: ۵۸۸۔ وقال أحمد شاکر في تعليقه على المسند: ۲۳۳، إسناده صحيح) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں اتار دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن ہم اس سے گریز اس لیے کر رہے ہیں کہ پہلی قوموں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق نشانیاں مانگیں جو انہیں دکھادی گئیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائیں، جس کے نتیجے میں وہ ہلاک کر دی گئیں۔

۳. قوم شہود کا بطور مثال تذکرہ کیا کیونکہ ان کی خواہش پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی ظاہر کر کے دکھائی گئی تھی، لیکن ان ظالموں نے، ایمان لانے کے بجائے، اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا، جس پر تین دن کے بعد ان پر عذاب آگیا۔

الَّذِي أَرْسَلَكَ الْفَلَاحَةَ الْفَلَاحَةَ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُحَوِّهُمْ عَنِ رَحْمَتِكَ وَأَعِزَّنَا لَكُمُ الْكِبْرَ ۝

آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔^(۱) جو رویا (یعنی رویت) ہم نے آپ کو دکھائی تھی وہ لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھی اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔^(۲) ہم انہیں ڈرا رہے ہیں لیکن یہ انہیں اور بڑی سرکشی میں بڑھا رہا ہے۔^(۳)

۶۱. اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا، اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔
۶۲. اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے، لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز بہت تھوڑے لوگوں کے، اپنے بس^(۴) میں کر لوں گا۔

۶۳. ارشاد ہوا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار

قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ

۱. یعنی لوگ اللہ کے غلبہ و تصرف میں ہیں اور جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا نہ کہ وہ جو وہ چاہیں گے، یا مراد اہل مکہ ہیں کہ وہ اللہ کے زیر اقتدار ہیں، آپ بے خوفی سے تبلیغ رسالت کیجیے، وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ہم ان سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ یا جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر جس طرح اللہ نے کفار مکہ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا، اس کو واضح کیا جا رہا ہے۔

۲. صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے اس رویا کی تفسیر یعنی رویت سے کی ہے اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے، جو بہت سے کمزور لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گیا اور وہ مرتد ہو گئے۔ اور درخت سے مراد رَقُومُ (تھوہر) کا درخت ہے، جس کا مشاہدہ نبی ﷺ نے شب معراج، جہنم میں کیا۔ الْمَلْعُونَةُ سے مراد، کھانے والوں پر یعنی جہنموں پر لعنت۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ شَجَرَةَ الرُّقُومِ طَعَامُ الْإِنْفِ﴾ (الدخان: ۳۳، ۳۴) (زقوم کا درخت، گناہ گاروں کا کھانا ہے)۔
۳. یعنی کافروں کے دلوں میں جو خبث و عناد ہے، اس کی وجہ سے، نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے، ان کی سرکشی و طغیانی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

۴. یعنی اس پر غلبہ حاصل کر لوں گا اور اسے جس طرح چاہوں گا، گمراہ کر لوں گا۔ البتہ تھوڑے سے لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ آدم علیہ السلام و ابلیس کا یہ قصہ اس سے قبل سورہ بقرہ، أعراف اور حجر میں گزر چکا ہے۔ یہاں چوتھی مرتبہ اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ کہف، طہ اور سورہ ص میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

جَزَاؤُهُمْ جَزَاءُ مَوْفُورٍ ۝

وَأَسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَعْطَ مِنْهُمْ فَصَوْتَكَ
وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَبْرِكَ وَرَجْلِكَ وَشَارَهُمْ فِي
الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدَهُمْ مَا يَعِدُ هُمُ الشَّيْطَانُ
الْأَكْثَرُ ۝

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكُنِيَ بِرَبِّكَ
وَكَيْلًا ۝

رَبُّكُمْ إِلَهٌ يُجِزِي لَكُمْ الْفَلَاحَ فِي الْبَحْرِ لِيَتَّبِعُوا
مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝

ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے۔
۶۴۔ اور ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکے
بہکالے^(۱) اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا^(۲)
اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا بھی ساجھا لگا^(۳) اور
انہیں (جھوٹے) وعدے دے لے۔^(۴) اور ان سے جتنے
بھی وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سب سراسر
فریب ہیں۔^(۵)

۶۵۔ میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں۔^(۶)
اور تیرا رب کار سازی کرنے والا کافی ہے۔^(۷)

۶۶۔ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں
کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بے شک

۱۔ آواز سے مراد پر فریب دعوت یا گانے، موسیقی اور لہو ولعب کے دیگر آلات ہیں، جن کے ذریعے سے شیطان بکثرت
لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

۲۔ ان لشکروں سے مراد، انسانوں اور جنوں کے وہ سوار اور پیادے لشکر ہیں جو شیطان کے چیلے اور اس کے پیروکار ہیں اور
شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں، یا مراد ہے ہر ممکن ذرائع جو شیطان گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

۳۔ مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح
موشیوں کو بتوں کے ناموں پر وقف کر دینا مثلاً بحیرہ، سانپ وغیرہ۔ اور اولاد میں شرکت کا مطلب، زنا کاری، عبد اللات
وعبد العزیٰ وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو
تنگ دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو مجوسی، یہودی و نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر مسنون دعا پڑھے
بیوی سے ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔

۴۔ کہ کوئی جنت دوزخ نہیں ہے، یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے وغیرہ۔

۵۔ غُرُورٌ (فریب) کا مطلب ہوتا ہے غلط کام کو اس طرح مزین کر کے دکھانا کہ وہ اچھا اور درست لگے۔

۶۔ بندوں کی نسبت اپنی طرف کی، یہ بطور شرف اور اعزاز کے ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خاص بندوں کو
شیطان بہکانے میں ناکام رہتا ہے۔

۷۔ یعنی جو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اسی پر اعتماد اور توکل کرتا ہے تو اللہ بھی اس کا دوست اور کار ساز
بن جاتا ہے۔

وہ تمہارے اوپر بہت ہی مہربان ہے۔^(۱)

۶۷. اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں تم پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔^(۲)

۶۸. تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین) میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی آندھی بھیج دے۔^(۳) پھر تم اپنے لیے کسی نگہبان کو نہ پاسکو۔

۶۹. کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ پھر تمہیں دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تند ہواؤں کے جھونکے بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تمہیں ڈبو دے۔ پھر تم اپنے لیے ہم پر اس کا دعویٰ (پیچھا) کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے۔^(۴)

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَهُكُمْ فَلْيَاجِبْكُمُ إِلَى الْبُرْجِ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝۱۵

إِذَا مَسَّكُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ الْأُخْرَىٰ فَلْيَرْسِلْ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُ الْكَافِرِينَ تَنبِيحًا ۝۱۶

أَمَّا مَن تَدْعُونَ أَنْ يُبْعِدَكُمْ فِيهِ تُؤَارِكُهُ أُخْرَىٰ فَلْيَرْسِلْ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُ الْكَافِرِينَ تَنبِيحًا ۝۱۷

۱۔ یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے کہ اس نے سمندر کو انسانوں کے تابع کر دیا ہے اور وہ اس پر کشتیاں اور جہاز چلا کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے اور کاروبار کرتے ہیں، نیز اس نے ان چیزوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی جن میں بندوں کے لیے منافع اور مصالح ہیں۔
۲۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۳۔ یعنی سمندر سے نکلنے کے بعد تم جو اللہ کو بھول جاتے ہو تو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ خشکی میں بھی تمہاری گرفت کر سکتا ہے، تمہیں وہ زمین میں دھنسا سکتا ہے یا پتھروں کی بارش کر کے تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، جس طرح بعض گزشتہ قوموں کو اس نے اس طرح ہلاک کیا۔

۴۔ قاصف ایسی تند و تیز سمندری ہوا جو کشتیوں کو توڑ دے اور انہیں ڈبو دے۔ تَنبِيحًا انتقام لینے والا، پیچھا کرنے والا، یعنی تمہارے ڈوب جانے کے بعد ہم سے پوچھے کہ تو نے ہمارے بندوں کو کیوں ڈبویا؟ مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ سمندر سے بخیریت نکلنے کے بعد، کیا تمہیں دوبارہ سمندر میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ اور وہاں وہ تمہیں گرداب بلا میں نہیں پھنسا سکتا؟

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوُجُوهِ
وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الْغَيْبِ وَقَضَيْنَاهُمْ عَلَىٰ كَيْفِهِمْ
خَلْقَنَا فَتَمَثَّلُوا لَنَا ۝

۷۰۔ اور یقیناً ہم نے اولاد آدم (علیہ السلام) کو بڑی عزت دی^(۱) اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں^(۲) اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں^(۳) اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔^(۴)

يَوْمَ نَدْعُوهُ أَتَانِسُ يَا أَيُّهَا مَعْشَرُ مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ
بِإِيمَانِهِ فَإِنَّكَ يَوْمَ تَكْتَبُهُمْ وَلَا تِظْلَمُونَ
فَتَبَيَّنَ ۝

۷۱۔ جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا^(۵) سمیت بلائیں گے۔ پھر جن کا بھی اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو شوق سے اپنا نامہ اعمال پڑھنے لگیں گے اور

۱۔ یہ شرف اور فضل، بحیثیت انسان کے، ہر انسان کو حاصل ہے چاہے مومن ہو یا کافر۔ کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط و صحیح، مفید و مضر اور حسین و قبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل و شعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے، جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔

۲۔ خشکی میں وہ گھوڑوں، خچروں، گدھوں، اونٹوں اور لہنی تیار کردہ سواریوں (رہلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز، سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جہاز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور سلمان لاتالے جاتا ہے۔ ۳۔ انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کیے ہیں اور ان میں جو جو لذتیں، ذائقے اور قوتیں رکھی ہیں۔ انواع و اقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ و مرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات و مشروبات اور خیرے اور معجونات، انسان کے علاوہ اور کس مخلوق کو حاصل ہیں؟

۴۔ مذکورہ تفصیل سے انسان کی، بہت سی مخلوقات پر، فضیلت اور برتری واضح ہے۔

۵۔ اِمَام کے معنی پیشوا، لیڈر اور قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پیغمبر ہے۔ یعنی ہر امت کو اس کے پیغمبر کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں، اس سے آسمانی کتاب مراد ہے جو انبیاء کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔ یعنی اے اہل تورات! اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہہ کے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہاں ”امام“ سے مراد نامہ اعمال ہے ہر شخص کو جب بلایا جائے گا تو اس کا نامہ اعمال اس کے ساتھ ہوگا اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی رائے کو امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے ترجیح دی ہے۔

دھاگے کے برابر (ذره برابر) بھی ظلم نہ کیے جائیں گے۔^(۱)

۷۲. اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا۔^(۲)

۷۳. یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا دلی دوست بنا لیتے۔

۷۴. اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف ذرا سامائل ہو ہی جاتے۔^(۳)

۷۵. پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا،^(۴) پھر آپ تو اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے۔

۷۶. اور یہ تو آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں۔^(۵) اور پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت ہی کم ٹھہر پاتے۔^(۶)

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمٰی فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ اَعْمٰی
وَاَصْلُ سَبِّكَ

وَلَنْ كَادُوْا لِيَفْتَنُوْكَ عَنِ الَّذِيْ اَوْحَيْنَا لَكَ
لَتَفْتَنُوْا عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَاِذَا الْاِخْذُ ذُوْكَ خَلِيْلًا

وَلَوْلَا اَنْ تَبْتَلَنَّاكَ لَفَدَدْتُكَ تَزْكُرُ الْاٰلِهَمُ شَيْئًا
فَلَيْلًا

اِذَا الْاَذْقَانُكَ فَضَعْتَ الْحَيٰوةَ وَضَعْتَ الْمَبٰتِ ثُمَّ
لَا يَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا

وَلَنْ كَادُوْا لِيَسْتَفْزُوْكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ
مِنْهَا وَاِذَا الْاَيْكَبُوْنَ خَلْفَكَ الْاَقْبِلِيْلًا

۱. فَبَيْتُ اس جہلی یا دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے یعنی ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

۲. اَعْمٰی (اندھا) سے مراد دل کا اندھا ہے یعنی جو دنیا میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے محروم رہا، وہ آخرت میں اندھا، اور رب کے خصوصی فضل و کرم سے محروم رہے گا۔

۳. اس میں اس عصمت کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ نبی ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو ان سے بچایا اور آپ ﷺ ذرا بھی ان کی طرف نہیں بھٹکے۔

۴. اس سے معلوم ہوا کہ سزا قدر و منزلت کے مطابق ہوتی ہے۔

۵. یہ اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو نبی ﷺ کو کئے سے نکالنے کے لیے قریش مکہ نے تیار کی تھی، جس سے اللہ نے آپ کو بچالیا۔

۶. یعنی اگر اپنے منصوبے کے مطابق یہ آپ کو کئے سے نکال دیتے تو یہ بھی اس کے بعد زیادہ دیر نہ رہتے یعنی عذاب الہی کی گرفت میں آجاتے۔

سُبْحَنَ مَنْ قَدْ اَسْلَمْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا نَحْدُ
لِسُبْحَتِنَا حُودًا

۷۷۔ ایسا ہی دستور ان رسولوں کا تھا جو آپ سے پہلے ہم
نے بھیجے ^(۱) اور آپ ہمارے دستور میں کبھی رد و بدل نہ
پائیں گے۔ ^(۲)

۷۸۔ نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر
رات کی تاریکی تک ^(۳) اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی، یقیناً
فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔ ^(۴)

۷۹۔ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز ^(۵) میں قرآن

اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِكَ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ
الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا

وَمِنَ اللَّيْلِ فَكَبِّرْ لَهُ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ

۱۔ یعنی یہ دستور پرانا چلا آرہا ہے جو آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کے لیے بھی برتا جاتا رہا ہے کہ جب ان کی قوموں
نے انہیں اپنے وطن سے نکال دیا یا انہیں نکلنے پر مجبور کر دیا تو پھر وہ قومیں بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں۔
۲۔ چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی میدان بدر میں وہ عبرت ناک
ذلت و شکست سے دوچار ہوئے اور چھ سال بعد ۸ ہجری میں مکہ ہی فتح ہو گیا اور اس ذلت و ہزیمت کے بعد وہ سر اٹھانے
کے قابل نہ رہے۔

۳۔ ذُلُوكُ کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور غَسَقُ کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد، ظہر اور عصر کی
نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن، نماز کے
معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں
فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آ جاتا ہے۔ جن کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جو امت کے عملی اتوار سے بھی ثابت ہیں۔

۴۔ یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے فرشتوں اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں
ہے (صحیح بخاری تفسیر سورہ بنی اسرائیل) ایک اور حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان
سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خود خوب جانتا ہے ”تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟“ فرشتے کہتے ہیں کہ ”جب ہم ان
کے پاس گئے تھے، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے ہی
چھوڑ کر آئے ہیں“۔ (صحیح البخاری کتاب المواعیت، باب فضل صلوٰۃ العصر ومسلم باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیہما)

۵۔ بعض کہتے ہیں تہجد اُضداد میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور نیند سے بیدار ہونے کے بھی۔ اور یہاں
یہی دوسرے معنی ہیں کہ رات کو سو کر اٹھیں اور نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جہود کے اصل معنی تو رات کے سونے
کے ہی ہیں، لیکن باب تفعل میں جانے سے اس میں تجنب کے معنی پیدا ہو گئے۔ جیسے تَأْتَمُّ کے معنی ہیں، اس نے گناہ
سے اجتناب کیا، یا بچا۔ اسی طرح تہجد کے معنی ہوں گے، سونے سے بچنا، اور مُتَهَجِّدٌ وہ ہوگا جو رات کو سونے سے بچا اور
قیام کیا۔ بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے۔ ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔
نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے۔

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿۱۵﴾

کی تلاوت کرس یہ نفل ہے آپ کے لیے ^(۱) غفریب
آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔ ^(۲)

۸۰. اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار! مجھے
جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی
طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد
مقرر فرمادے۔ ^(۳)

۸۱. اور اعلان کردے کہ حق آپکا اور ناحق نابود ہو گیا۔
یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔ ^(۴)

وَقُلْ رَبِّ اَنْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ
صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۱۶﴾

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ
زَهُوًّا ﴿۱۶﴾

۱. بعض نے اس کے معنی کیے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لیے خاص ہے، اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ
پر تہجد بھی اسی طرح فرض تھی، جس طرح پانچ نمازیں فرض تھیں۔ البتہ امت کے لیے تہجد کی نماز فرض نہیں۔ بعض
کہتے ہیں کہ نَافِلَةٌ (زائد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے رفع درجات کے لیے زائد چیز ہے، کیونکہ
آپ ﷺ تو مغفور الذنب ہیں، جب کہ امتیوں کے لیے یہ اور دیگر اعمال خیر کفارہ سینات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ
نَافِلَةٌ نافلہ ہی ہے یعنی نہ آپ ﷺ پر فرض تھی نہ آپ ﷺ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس کی فضیلت
یقیناً بہت ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے بڑا خوش ہوتا ہے، تاہم یہ نماز فرض و واجب نہ نبی ﷺ پر تھی اور نہ
آپ ﷺ کی امت پر ہی فرض ہے۔

۲. یہ وہ مقام ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ ﷺ وہ شفاعت عظمیٰ
فرمائیں گے، جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔

۳. بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی جب کہ آپ کو مدینے میں داخل ہونے اور مکہ کے
نکلنے کا مسئلہ درپیش تھا، بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں مجھے سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ
قیامت کے دن اٹھانا۔ بعض کہتے ہیں کہ مجھے قبر میں سچا داخل کرنا اور قیامت کے دن جب قبر سے اٹھائے تو
سچائی کے ساتھ قبر سے نکالنا، وغیرہ۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ دعا ہے اس لیے اس کے عموم میں یہ
سب باتیں آجاتی ہیں۔

۴. حدیث میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت تھیں،
آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ ﷺ چھڑی کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ﴾
اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبٰطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ (سبا: ۴۹) پڑھتے جاتے (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل و کتاب المظالم،

۸۲. اور یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفاء اور رحمت ہے۔ مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔^(۱)

۸۳. اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔^(۲)

۸۴. کہہ دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عامل ہے جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انہیں تمہارا رب ہی بخوبی جاننے والا ہے۔^(۳)

۸۵. اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ جواب دے دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔^(۴)

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوشِفَاءً وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ
وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۱﴾

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأْبَحْجَانِيهِ
وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يُكُوسًا ﴿۲﴾

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ
هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ﴿۳﴾

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي
وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴﴾

۱. اس مفہوم کی آیت سورہ یونس: ۵۷ میں گزر چکی ہے، اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۲. اس میں انسان کی اس حالت و کیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوش حالی کے وقت اور تکلیف کے وقت مبتلا ہوتا ہے۔ خوش حالی میں وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف میں مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں اس سے مختلف ہوتا ہے۔ دیکھیے سورہ ہود کی آیات: ۹-۱۱ کے حواشی۔

۳. اس میں مشرکین کے لیے تہدید و وعید ہے اور اس کا وہی مفہوم ہے جو سورہ ہود کی آیت: ۱۲۱-۱۲۲ کا ہے ﴿وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ﴾ * وَأَنْتُمْ ظَرُّوا إِنَّا مُنْتَقِرُونَ ﴿۱﴾... شَاكِلَةٌ کے معنی نیت، دین، طریقے اور مزاج و طبیعت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کافر کے لیے ذم اور مومن کے لیے مدح کا پہلو ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر انسان ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے اس اخلاق و کردار پر مبنی ہوتا ہے جو اس کی عادت و طبیعت ہوتی ہے۔

۴. روح وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت

اترمی، (صحیح البخاری، تفسیر سورہ بنی اسرائیل و مسلم، کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب سؤال اليهود النبي صلى الله عليه وسلم عن الروح) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم، اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے، اور یہ روح جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ بس اتنا سمجھو کہ یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے۔ یا میرے رب کی شان میں سے ہے۔ جس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔

وَلَكِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لَنُؤْمَرُ
لَا نَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْكَ وَكَيِّدًا

۸۶. اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی آپ کی طرف ہم نے
اتاری ہے سب سلب کر لیں، ^(۱) پھر آپ کو اس کے لیے
ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی میسر نہ آ سکے۔ ^(۲)

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ
كَيِّدًا

۸۷. سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، ^(۳) یقیناً آپ پر
اس کا بڑا ہی فضل ہے۔

قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا
بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝۹

۸۸. کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر
اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے
مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے
مددگار بھی بن جائیں۔ ^(۴)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن مِّثْلٍ
مِّثْلٍ قَالُوا أَكُفِّرُ الْبَاطِلَ الْأَكْثَرُ ۝۱۰

۸۹. اور ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے
لیے ہر طرح سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں، مگر اکثر
لوگ انکار سے باز نہیں آتے۔ ^(۵)

وَقَالُوا لَوْ نُؤْمِنُ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ
يَنبُوعًا ۝۱۱

۹۰. اور انہوں نے کہا ^(۶) کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے
کے نہیں تا وقتیکہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ
جاری نہ کر دیں۔

أَوْ تُكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَعَذَابٌ مُّفْجِرٌ
الْأَنهَرِ خَلَّاهَا تَفْجِيرًا ۝۱۲

۹۱. یا خود آپ کے لیے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں
کا اور اس کے درمیان آپ بہت سی نہریں جاری کر دکھائیں۔

أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زُخُمَتْ عَلَيْهَا كُفًّاءَ وَأَوْتَارًا يَّابِلُهُ

۹۲. یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں

۱. یعنی وحی کے ذریعے سے جو تھوڑا بہت علم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بھی سلب کر لے یعنی دل سے
نحو کر دے یا کتاب سے ہی مٹا دے۔

۲. جو دوبارہ اس وحی کو آپ کی طرف لوٹا دے۔

۳. کہ اس نے نازل کردہ وحی کو سب نہیں کیا یا وحی الہی سے آپ ﷺ کو مشرف فرمایا۔

۴. قرآن مجید سے متعلق یہ چیلنج اس سے قبل بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہ چیلنج آج تک تشنہ جواب ہے۔

۵. یہ مفہوم اس سورت کی آیت ۴۱ میں بھی گزر چکا ہے۔

۶. ایمان لانے کے لیے قریش مکہ نے یہ مطالبات پیش کیے۔

وَالْمَلِكَةِ قَبِيلًا ۝

جیسا کہ آپ کا گمان ہے یا آپ خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکھڑا کریں۔^(۱)

۹۳. یا آپ کے اپنے لیے کوئی سونے^(۲) کا گھر ہو جائے یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں،^(۳) آپ جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔^(۴)

۹۴. اور لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا؟^(۵)

۹۵. آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے

أَوَيُكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذُرْفٍ أَوْ تُرَىٰ فِي السَّمَاءِ
وَكُنْ تُؤْمِنُ بِرُؤْيَاكَ حَتَّىٰ نُنْزِلَ عَلَيْكَ كِتَابًا تَقْرُوهُ
فَلْيَسْمَعْ رَبِّي هَلْ كُنْتَ إِلَّا بُتْرًا أَسْوَا ۝

وَأَمَّا نَمَّ النَّاسُ أَنْ يُؤْمِنُوا الَّذِي جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ
إِلَّا أَنْ قَالُوا ابْعَثْ اللَّهُ بَشَرًا مِّثْلَهُ ۝

فَلْيُؤْكَلْ فِي الْأَرْضِ مَلِكَةٌ يُبَشِّرُونَ مُطْعِمِينَ

۱. یعنی ہمارے روبرو آکر کھڑے ہو جائیں اور ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

۲. ذُرْفٌ کے اصل معنی زینت کے ہیں مَزْخَرَفٌ مزین چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنی سونے کے ہیں۔

۳. یعنی ہم میں سے ہر شخص اسے صاف صاف خود پڑھ سکتا ہو۔

۴. مطلب یہ ہے کہ میرے رب کے اندر تو ہر طرح کی طاقت ہے، وہ چاہے تو تمہارے مطالبے آن واحد میں لفظ ”کُن“ سے پورے فرمادے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمہاری طرح) ایک بشر ہی ہوں۔ کیا کوئی بشر ان چیزوں پر قادر ہے؟ جو مجھ سے ان کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا رسول بھی ہوں۔ لیکن رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، سو وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ رسالت کا حصہ نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے ایک آدھ معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر اگر معجزے دکھانے شروع کر دیے جائیں تو یہ سلسلہ تو کہیں بھی جاکر نہیں رک سکے گا، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا معجزہ دیکھنے کا آرزو مند ہوگا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا، تبلیغ و دعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا۔ اس لیے معجزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت سے ہی ممکن ہے اور اس کی مشیت اس حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتی ہے، جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کا مجاز نہیں۔

۵. یعنی کسی انسان کا رسول ہونا، کفار و مشرکین کے لیے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بات مانتے ہی نہیں تھے کہ ہمارے جیسا انسان جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتوں میں منسلک ہے، وہ رسول بن جائے۔ یہی استعجاب ان کے ایمان میں مانع رہا۔

لَنَزَّلَنَّا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا زُورًا ۝

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا لِّبَنِيَّ وَيَكْفِيكَ اِنَّهُ كَانَ
بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی
فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔^(۱)

۹۶۔ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ
کا گواہ ہونا کافی ہے۔^(۲) یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب
آگاہ اور بخوبی دیکھنے والا ہے۔

۹۷۔ اور اللہ جس کی رہنمائی کرے وہ تو ہدایت یافتہ ہے اور
جسے وہ راہ سے بھڑکادے ناممکن ہے کہ تو اس کا مددگار اس
کے سوا کسی اور کو پائے،^(۳) ایسے لوگوں کا ہم بروز قیمت
اوندھے منہ حشر کریں گے،^(۴) درآں حالیکہ وہ اندھے گونگے
اور بہرے ہوں گے،^(۵) ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی
وہ بچھنے لگے گی ہم ان پر اسے اور بھڑکا دیں گے۔

۹۸۔ یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور اس کہنے
کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں
گے پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟^(۶)

وَمَنْ يُّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلّْ فَلَنْ
يَجِدَ لَهُم اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ وَيَحْشُرْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
عَلَٰ وَجْهِهِمْ عَمِيَّاءٌ وَّكِبَاءٌ وَّصَمَّاءٌ وَلَهُمْ جَهَنَّمُ
كَمَا كَانَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ۝

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِالَّذِيْنَ اٰتٰوْا اٰذَا
كُنَّا عَظَمًا مَّا وُفِّقَ اٰرَآءُ الْمُبِشِّرُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ۝

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب زمین میں انسان بستے ہیں تو ان کی ہدایت کے لیے رسول بھی انسان ہی ہوں گے۔ غیر انسان
رسول، انسانوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دے ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ان کے لیے رسول
بھی یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔

۲۔ یعنی میرے ذمے جو تبلیغ و دعوت تھی، وہ میں نے پہنچا دی، اس بارے میں میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ
ہونا کافی ہے، کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔

۳۔ میری تبلیغ و دعوت سے کون ایمان لاتا ہے، کون نہیں، یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہی ہے۔
۴۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب کا اظہار کیا کہ اوندھے منہ کس طرح حشر ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا
(جس اللہ نے ان کو پیروں سے چلنے کی قوت عطا کی ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں منہ کے بل چلا دے)۔

(صحیح البخاری، سورۃ الفرقان، مسلم، صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب یحشر الکافر علی وجہہ)

۵۔ یعنی جس طرح وہ دنیا میں حق کے معاملے میں اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، قیامت کے دن بطور جزاء
اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے۔

۶۔ یعنی جہنم کی یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ انہوں نے ہماری نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی اور کائنات

۹۹. کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے،^(۱) اسی نے ان کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک و شبہ سے یکسر خالی ہے،^(۲) لیکن ظالم لوگ انکار بغیر رہتے ہی نہیں۔

۱۰۰. کہہ دیجیے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاتے تو تم اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے کے خوف سے اس کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی تنگ دل۔^(۳)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًاۭ لَاۤ اَدْبَیۡبَ فِیْهِۚ فَاَلٰی الظَّٰلِمُوْنَ اِلَّا لُغْوًاۭ ۝۱۰۰

قُلْ لَوْ اَنْتُمْ تَبْلُغُوْنَ خَزَاۤئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذَا لَاۤ اَسْتَكْتُمُ خَشِیَةَ الْاِنْفَاقِ وَاَنَّ الْاِنْسَانَۭ قَتُوْرًاۭ ۝۱۰۱

میں پھیلی ہوئی تکوینی آیات پر غور و فکر نہیں کیا، جس کی وجہ سے انہوں نے وقوع قیامت اور بعث بعد الموت کو محال خیال کیا اور کہا کہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں ایک نئی پیدائش کس طرح مل سکتی ہے؟

۱. اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، وہ ان جیسوں کی پیدائش یا دوبارہ انہیں زندگی دینے پر بھی قادر ہے، کیونکہ یہ تو آسمان وزمین کی تخلیق سے زیادہ آسان ہے، ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن: ۵۷) (آسمان اور زمین کی پیدائش، انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑا کام ہے)۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف: ۳۳ میں اور سورۃ یاسین: ۸۱-۸۲ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

۲. اس اجل (وقت مقرر) سے مراد موت یا قیامت ہے۔ یہاں سیاق کلام کے اعتبار سے قیامت مراد لینا زیادہ صحیح ہے، یعنی ہم نے انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ﴿وَمَا تُؤَخِّرُوْهُ اِلَّا لِحِجْلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ (ہود: ۱۰۳) (ہم ان کے معاملے کو ایک وقت مقرر تک کے لیے ہی مؤخر کر رہے ہیں)۔

۳. خَشِیَةَ الْاِنْفَاقِ کا مطلب ہے خَشِیۃ اَنْ یُّنْفِقُوْا فِیْمَنْفَرُوْا "اس خوف سے کہ خرچ کر کے ختم کر ڈالیں گے، اس کے بعد فقیر ہو جائیں گے۔" حالانکہ یہ خزانہ الہی ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔ لیکن چونکہ انسان تنگ دل واقع ہوا ہے، اس لیے نخل سے کام لیتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَمَلَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكِۨۤ اِذَا لَاۤ یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَفِیْرًا﴾ (النساء: ۵۳) (یعنی ان کو اگر اللہ کی بادشاہی میں سے کچھ حصہ مل جائے تو یہ لوگوں کو کچھ نہ دیں) نقیر، کھجور کی گٹھلی میں جو گرگھا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، یعنی تل برابر بھی کسی کو نہ دیں۔ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے خزانوں کے منہ لوگوں کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے "اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن خرچ کرتا ہے، لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو سہی، جب سے آسمان وزمین اس نے پیدا کیے ہیں، کس قدر خرچ کیا ہوگا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں۔" (وہ بھرے کے بھرے ہیں) (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء - مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی التفقہ و تبشیر المنفق بالخلف)

۱۰۱۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو معجزے^(۱) بالکل صاف صاف عطا فرمائے، تو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) میرے خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے۔

۱۰۲۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً برباد و ہلاک کیا گیا ہے۔

۱۰۳۔ آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں زمین سے ہی اکھیر دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

۱۰۴۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ تم اس سرزمین^(۲) پر رہو سہو۔ ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے۔

۱۰۵۔ اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ فَهَلْ يَنْتَظِرُ
اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَاؤْهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاطْلُغُكَ
يَوْمَئِذٍ مَّسْجُورًا ﴿۱﴾

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ اِلَآ اِلٰهِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ بِصَآئِرٍ وَّ اِنِّىْ لَاطْلُغُكَ يَوْمَ فِرْعَوْنُ مَذْمُوْرًا ﴿۲﴾

فَاِذَا اَنْ يَسْفَهَهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاعْرِضْهُ وَمَنْ مَّعَهُ
جَمِيْعًا ﴿۳﴾

وَقُلْنَا مٰرِنَ بَعْدَ اِلٰهِيْكَ اِسْرَآءِيْلَ اَسْكُنُوْا الْاَرْضَ
فَاِذَا جَاؤْكُمْ مِّنْ الْاٰخِرَةِ جَمَعْنٰكُمْ لَقِيْعًا ﴿۴﴾

وَالْحَقُّ اَنْزَلْنَاهُ وَاِلٰنَحْنُ نَزَّلْ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا

۱۔ وہ نو معجزے ہیں۔ ہاتھ کا چمکانا، لاٹھی کا سانپ بن جانا، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، جراد (مڈی دل) قمل (کھٹل، جوئیں) صفادع (مینڈک) اور خون۔ امام حسن بصری کہتے ہیں، کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ لاٹھی کا جادوگروں کی شعبہ بازی کو نکل جانا ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کے علاوہ بھی معجزات دیے گئے تھے مثلاً لاٹھی کا پتھر پر مارنا، جس سے بارہ چشمے ظاہر ہو گئے تھے۔ بادلوں کا سایہ کرنا، من و سلویٰ وغیرہ۔ لیکن یہاں آیات تسعہ سے صرف وہی نو معجزات مراد ہیں، جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انفلاق بحر (سمندر کا پھٹ کر راستہ بن جانا) کو بھی ان نو معجزات میں شمار کیا ہے اور قحط سالی اور نقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن سند اودہ روایت ضعیف ہے، اس لیے آیات تسعہ سے مراد یہی مذکورہ معجزات ہیں۔

۲۔ بظاہر اس سرزمین سے مراد مصر ہے، جس سے فرعون نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر تاریخ بنی اسرائیل کی شہادت یہ ہے کہ وہ مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ مصر نہیں گئے، بلکہ چالیس سال میدان تیہ میں گزار کر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس کی شہادت سورہ اعراف وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے۔

وَنَذِيرًا ۝

بھی حق کے ساتھ اترا۔^(۱) ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا^(۲) بنا کر بھیجا ہے۔

۱۰۶۔ اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا ہے^(۳) کہ آپ اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔

۱۰۷۔ کہہ دیجیے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔^(۴)

۱۰۸۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ بلاشک وشبہ پورا ہو کر رہنے والا ہی ہے۔^(۵)

۱۰۹۔ اور وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع و خضوع بڑھا دیتا ہے۔^(۶)

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى حَكْمَةٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝

قُلْ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْ نُوْثِرُ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰتَوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا بُدِئَ عَلَيْهِمُ يَخْرُوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝

وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝

وَيَخْرُوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَسْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝



۱۔ یعنی بحفاظت آپ تک پہنچ گیا، اس میں راستے میں کوئی کمی بیشی اور کوئی تبدیلی اور آمیزش نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ اس کو لانے والا فرشتہ شَدِيْدُ الْقُوٰی، الْأَمِيْنُ، الْمَكِيْنُ اور الْمُطَاعُ فِي الْمَلَاِ الْاَعْلٰی ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

۲۔ مُبَشِّرُ اطاعت گزار مومن کے لیے اور نَذِيْرُ نافرمان کے لیے۔

۳۔ فَرَقْنَاهُ کے ایک دوسرے معنی بَيَّنَّاهُ وَأَوْضَحْنَاهُ (ہم نے اسے کھول کر یا وضاحت سے بیان کر دیا ہے) بھی کیے گئے ہیں۔
۴۔ یعنی وہ علماء جنہوں نے نزول قرآن سے قبل کتب سابقہ پڑھی ہیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف ہیں، وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ انہیں آخری رسول ﷺ کی پہچان کی توفیق دی اور قرآن و رسالت پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی۔

۵۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کفار کہہ جو ہر چیز سے ناواقف ہیں، اگر یہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ پرواہ نہ کریں اس لیے کہ جو اہل علم ہیں اور وحی و رسالت کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ قرآن سن کر وہ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے اور رب کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۶۔ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑنے کا دوبارہ ذکر کیا، کیونکہ پہلا سجدہ اللہ کی تعظیم و تزیہ کے لیے اور بطور

۱۱۰۔ کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔^(۱) نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے۔^(۲)

۱۱۱۔ اور یہ کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک و ساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایتی کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْكَمَالُ
الْحُسْنَى وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُوا بِهَا وَابْتَغِ
بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝

وَقُلِ الصَّادِقُ الَّذِي لَمْ يَخُنْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ
وَكَلِمَةٌ تَكْبِيرًا ۝

شکر تھا اور قرآن سن کر جو خشیت و رقت ان پر طاری ہوئی اور اس کی تاثیر و اعجاز سے جس درجہ وہ متاثر ہوئے، اس نے دوبارہ انہیں سجدہ ریز کر دیا۔

۱۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے اللہ کے صفاتی نام ”رحمن“ یا ”رحیم“ نامانوس تھے اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بعض مشرکین نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یا رحمن و رحیم کے الفاظ سنے تو کہا کہ ہمیں تو یہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

۲۔ اس کی شان نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ چھپ کر رہتے تھے، جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قدرے بلند فرمالیتے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو اور اللہ کو سب و شتم کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنی آواز کو اتنا اونچا نہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ آواز اتنی پست کرو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نہ سن سکیں۔ (صحیح البخاری، التوحید، باب قول الله تعالى أنزله بعلمه والملائكة بشهدون - ومسلم، الصلاة، باب التوسط في القراءة) خود نبی ﷺ کا واقعہ ہے کہ ایک رات نبی ﷺ کا گزر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں جس سے مصروف مناجات تھا، وہ میری آواز سن رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اپنی آواز قدرے بلند کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، اپنی آواز کچھ پست رکھو۔ (مشکوٰۃ، باب صلوة اللیل، بحوالہ ابوداؤد، ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (بخاری و مسلم، بحوالہ فتح القدیر)

سُورَةُ الْكَهْفِ

سورہ کہف مکی ہے اور اس میں ایک سو دس آیات اور بارہ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔^(۱)

۲. بلکہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک رکھا تاکہ اپنے پاس^(۲) کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کے لیے بہترین بدلہ ہے۔

۳. جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۴. اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔^(۳)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝

قَسَمًا لِّبَنِيٍّ رَبِّمَا شَهِدَ إِذْ مِنْ لَدُنْهُ وَيُنَبِّئُ
الْمُؤْمِنِينَ ۚ الَّذِيْنَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝

مَا لِكُلِّ فئةٍ فِيهِ اَبَدًا ۝

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝

☆ کہف کے معنی غار کے ہیں۔ اس میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورہ کہف کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ جو ان کو یاد کرے اور پڑھے گا، وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم، فضل سورۃ الکہف) اور جو اس کی تلاوت جمعے کے دن کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی۔ (مستدرک حاکم: ۳۶۸/۲ وصححه الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر: ۶۳۷۰) اس کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سورہ کہف پڑھی گھر میں ایک جانور بھی تھا، وہ بدکنا شروع ہو گیا، انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک بادل نظر آیا، جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کا ذکر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اسے پڑھا کرو۔“ قرآن پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری، فضل سورۃ الکہف و مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب نزول السکینۃ بقراءۃ القرآن)

۱. یا کوئی کبھی اور راہ اعتدال سے انحراف اس میں نہیں رکھا بلکہ اسے قیام یعنی سیدھا رکھا۔ یا قیام کے معنی، بندوں کے دینی و دنیوی مصالح کی رعایت و حفاظت کرنے والی کتاب۔

۲. مِنْ لَدُنْہُ جو اس اللہ کی طرف سے صادر یا نازل ہونے والا ہے۔

۳. جیسے یہودیوں، عیسائیوں اور بعض مشرکین (فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) کا عقیدہ ہے۔

۵. در حقیقت نہ تو خود انہیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو۔ یہ تہمت ^(۱) بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں۔

۶. پس اگر یہ لوگ اس بات ^(۲) پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے؟

۷. روئے زمین پر جو کچھ ہے ^(۳) ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے؟

۸. اور اس پر جو کچھ ہے ہم ضرور اسے ایک ہموار صاف میدان کر ڈالنے والے ہیں۔ ^(۴)

۹. کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟ ^(۵)

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كِبًا ۝

فَلَعَلَّكَ بَاطِلٌ خَفِيَ عَنْكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيِّمِ كَانُوا مِنَ الْآيَاتِنَا عَجَبًا ۝

۱. اس کلمہ (تہمت) سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جو نرا جھوٹ ہے۔

۲. بِهَذَا الْحَدِيثِ (اس بات) سے مراد قرآن کریم ہے۔ کفار کے ایمان لانے کی جتنی شدید خواہش آپ ﷺ رکھتے تھے اور ان کے اعراض و گریز سے آپ ﷺ کو جو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس میں آپ ﷺ کی اسی کیفیت اور جذبے کا اظہار ہے۔

۳. روئے زمین پر جو کچھ ہے، حیوانات، جمادات، نباتات، معدنیات اور دیگر مدفون خزانے، یہ سب دنیا کی زینت اور اس کی رونق ہیں۔

۴. صَعِيدًا صاف میدان، جُرُزًا بالکل ہموار، جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو۔ یعنی ایک وقت آئے گا کہ یہ دنیا اپنی تمام تر رونقوں سمیت فنا ہو جائے گی اور روئے زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی، اس کے بعد ہم نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزاء دیں گے۔

۵. یعنی یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کا نظام، شمس و قمر اور کواکب کی تسخیر، رات اور دن کا آنا جانا اور دیگر بے شمار نشانیاں، کیا کم تعجب انگیز ہیں۔ کَہْفُ اس غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتا ہے۔ رقیم، بعض کے نزدیک اس بستی کا نام ہے جہاں سے یہ نوجوان گئے تھے، بعض کہتے ہیں اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار واقع تھا بعض کہتے ہیں رَقِيمٌ بمعنی مَرْقُومٌ ہے اور یہ ایک تختی ہے لوہے یا سیسے کی، جس میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اسے رقیم اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس پر نام تحریر ہیں۔ حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے اس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے

۱۰. ان چند نوجوانوں نے جب غار میں پناہ لی تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کو آسان کر دے۔^(۱)

۱۱. پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی غار میں پردے ڈال دیے۔^(۲)

۱۲. پھر ہم نے انہیں اٹھا کر کیا کہ ہم یہ معلوم کر لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے اس انتہائی مدت کو جو انہوں نے گزاری۔^(۳)

۱۳. ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ چند نوجوان^(۴) اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ۝

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَرِذْنَهُمْ هُدًى ۝

اب الرقیب کہا جاتا ہے جو مرور زمانہ کے سبب الرقیم کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

۱. یہ وہی نوجوان ہیں جنہیں اصحاب کہف کہا گیا، (تفصیل آگے آرہی ہے) انہوں نے جب اپنے دین کو بچاتے ہوئے غار میں پناہ لی تو یہ دعا مانگی۔ اصحاب کہف کے اس قصے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے، آج کل کے نوجوانوں کا بیشتر وقت فضولیات میں برباد ہوتا ہے اور اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ کاش! آج کے مسلمان نوجوان اپنی جوانیوں کو اللہ کی عبادت میں صرف کریں۔

۲. یعنی کانوں پر پردے ڈال کر ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ باہر کی آوازوں سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں گہری نیند سلا دیا۔

۳. ان دو گروہوں سے مراد اختلاف کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ یا تو اسی دور کے لوگ تھے جن کے درمیان ان کی بابت اختلاف ہوا، یا عہد رسالت کے مومن و کافر مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اصحاب کہف ہی ہیں ان کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ ہم اتنا عرصہ سوئے رہے۔ دوسرا، اس کی نفی کرتا اور فریق اول سے کم و بیش مدت بتلاتا۔

۴. اب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ یہ نوجوان، بعض کہتے ہیں عیسائیت کے پیروکار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ تھا، دقیانوس، جو لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دینے کی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور کائنات کا رب ہے۔ فِتْنَةُ جَمْع قَلْت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ۹ یا اس سے بھی کم تھی۔ یہ الگ ہو کر

ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی۔

۱۴۔ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے تھے^(۱) جب کہ یہ اٹھ کھڑے ہوئے^(۲) اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی۔^(۳)

۱۵۔ یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ ان کی خدائی کی یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے، اللہ پر جھوٹے افتراء باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟

۱۶۔ اور جب کہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہو گئے تو اب تم کسی غار میں جا بیٹھو،^(۴) تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّعُوتِ وَالْأَرْضِ لَنُكَذِّبَنَّ عَنْ دُونِهِ الْهَالِكِينَ ۝

هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمُ الْمَظْلُومُونَ فَمَن أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كِبَآءً ۝

وَإِذْ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوَىٰ إِلَى الْكَهْفِ يَنسِرُ لَكُمْ رَبُّكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَيَهْدِي لَكُمْ مِّن أَمْرِكُمْ مَرِيقًا ۝

کسی ایک جگہ اللہ واحد کی عبادت کرتے، آہستہ آہستہ لوگوں میں ان کے عقیدہ توحید کا چرچا ہوا تو بادشاہ تک بات پہنچ گئی، اور اس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے پوچھا، تو وہاں انہوں نے برملا اللہ کی توحید بیان کی۔ بالآخر پھر بادشاہ اور اپنی مشرک قوم کے ڈر سے اپنے دین کو بچانے کے لیے آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزیں ہو گئے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور وہ تین سو نو (۳۰۹) سال وہاں سوئے رہے۔

۱۔ یعنی ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے خویش واقارب کی جدائی اور عیش وراحت کی زندگی سے محرومی کا جو صدمہ انہیں اٹھانا پڑا، ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا تاکہ وہ ان شدائد کو برداشت کر لیں۔ نیز حق گوئی کا فریضہ بھی جرأت اور حوصلے سے ادا کر سکیں۔

۲۔ اس قیام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک وہ طلحی ہے، جو بادشاہ کے دربار میں ان کی ہوئی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے توحید کا یہ وعظ بیان کیا، بعض کہتے ہیں کہ شہر سے باہر آپس میں ہی کھڑے، ایک دوسرے کو توحید کی وہ بات سنائی، جو فرداً فرداً اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالی گئی اور یوں اہل توحید باہم اکٹھے ہو گئے۔

۳۔ سَطَطًا کے معنی جھوٹ کے یا حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

۴۔ یعنی جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے، تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کرلو۔ یہ اصحاب کہف نے آپس میں کہا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور

تمہارے لیے تمہارے کام میں سہولت مہیا کر دے گا۔
 ۱۷۔ اور آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں۔^(۱) یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔^(۲) اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پاسکیں۔^(۳)

۱۸۔ اور آپ خیال کرتے کہ وہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے،^(۴) خود ہم ہی انہیں دائیں بائیں کروٹیں دلایا کرتے تھے،^(۵) ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر آپ جھانک کر انہیں دیکھنا چاہتے تو ضرور اٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے رعب سے آپ پر دہشت چھا جاتی۔^(۶)

وَوَرَى الشَّمْسِ إِذَا طَلَعَتْ تَوَارِعُنْ كَهْفِهِمْ
 ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبُ مِنْهُمْ ذَاتَ الشَّمَالِ
 وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لِيُذَكِّرَ
 الَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ هُوَ الْمُتَعَذِّبُ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ
 وَلِيًّا مُرْسِدًا ۝۱۷

وَتَحْسَبُهُمْ آيْقَاطًا وَهُمْ رُجُودٌ وَنُقَبْنَاهُمْ ذَاتَ
 الْيَمِينِ وَذَاتَ الشَّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ
 ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَكَّيْتَ مِنْهُمْ
 فِرَارًا وَكَلِمَاتٍ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝۱۸

ہوئی تو تلاش کیا گیا، لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے، جس طرح نبی ﷺ کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود، جس میں آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے تھے۔

۱۔ یعنی سورج طلوع کے وقت دائیں جانب کو اور غروب کے وقت بائیں جانب کو کترا کے نکل جاتا اور یوں دونوں وقتوں میں ان پر دھوپ نہ پڑتی، حالانکہ وہ غار میں کشادہ جگہ پر محو استراحت تھے۔ فَجْوَةٍ کے معنی ہیں کشادہ جگہ۔

۲۔ یعنی سورج کا اس طرح نکل جانا کہ باوجود کھلی جگہ ہونے کے وہاں دھوپ نہ پڑے، اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

۳۔ جیسے دقینوس بادشاہ اور اس کے پیروکار ہدایت سے محروم رہے تو کوئی انہیں راہ یاب نہیں کر سکا۔

۴۔ اَيْقَاطًا، يَقِظُ کی جمع اور رُقُودٌ، رَاقِدٌ کی جمع ہے وہ بیدار اس لیے محسوس ہوتے تھے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں، جس طرح جاگنے والے شخص کی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زیادہ کروٹیں بدلنے کی وجہ سے وہ بیدار بیدار نظر آتے تھے۔

۵۔ تاکہ ان کے جسموں کو مٹی نہ کھاجائے۔

۶۔ یہ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا، تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جاسکے۔

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ
مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ
يَوْمٍ قَالُوا رَأَيْتُمْ عَلِيمٌ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا
أَحَدَكُم بِوَرَقِكُمْ هَٰذَا إِلَى الْمَدِينَةِ
فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ
أَحَدًا ۝۱۹

۱۹۔ اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھادیا^(۱) کہ آپس
میں پوچھ گچھ کر لیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں
بھی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ
ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔^(۲) کہنے لگے کہ تمہارے
ٹھہرے رہنے کا بخوبی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔^(۳) اب تو
تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو
وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر
ہے،^(۴) پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے
آئے، اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو
تمہاری خبر نہ ہونے دے۔^(۵)

۲۰۔ اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں تو تمہیں سنگسار کر دیں گے
یا تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹالیں گے اور پھر تم کبھی
بھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔^(۶)

إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ
يُعِيدُوكُمْ فِي مَكَاتٍ خِفْئًا ۝۲۰
أَبَدًا ۝۲۱

۱۔ یعنی جس طرح ہم نے انہیں اپنی قدرت سے سلا دیا ہے، اسی طرح تین سو نو سال کے بعد ہم نے انہیں اٹھادیا اور
اس حال میں اٹھایا کہ ان کے جسم اسی طرح صحیح تھے، جس طرح تین سو سال قبل سوتے وقت تھے، اسی لیے آپس میں
ایک دوسرے سے انہوں نے سوال کیا۔

۲۔ گویا جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے، صبح کا پہلا پہر تھا اور جب بیدار ہوئے تو دن کا آخری پہر تھا، یوں وہ سمجھے
کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے بھی کم، دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔

۳۔ تاہم کثرت نوم کی وجہ سے وہ سخت تردد میں رہے اور بالآخر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہی صحیح مدت جانتا ہے۔
۴۔ بیدار ہونے کے بعد، خوراک جو انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے، اس کا سرو سامان کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔

۵۔ احتیاط اور نرمی کی تاکید اسی اندیشے کے پیش نظر کی، جس کی وجہ سے وہ شہر سے نکل کر ایک ویرانے میں آئے
تھے۔ اسے تاکید کی کہ کہیں اس کے رویے سے شہر والوں کو ہمارا علم نہ ہو جائے اور کوئی نئی افتاد ہم پر نہ آپڑے، جیسا
کہ اگلی آیت میں ہے۔

۶۔ یعنی آخرت کی جس کامیابی کے لیے ہم نے یہ صعوبت، مشقت برداشت کی، ظاہر بات ہے کہ اگر اہل شہر نے ہمیں
مجبور کر کے پھر آبائی دین کی طرف لوٹادیا، تو ہمارا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، ہماری محنت بھی برباد جائے گی اور ہم
نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔

وَكَذَلِكَ أَصَتْهُنَا عَلَيْهِمْ لَئِلَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فِيهِمْ
إِذِ كُنَّا نَدْعُوهُمْ بَيْنَهُمْ أَمْرُهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا
عَلَيْهِمْ بُيُوتًا لِرَبِّهِمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ
الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ
عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ⑤

۲۱. اور ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا^(۱) کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔^(۲) جب کہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کر رہے تھے^(۳) کہنے لگے ان کے غار پر ایک عمارت بنالو۔^(۴) ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم ہے۔^(۵) جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنالیں گے۔^(۶)

۱. یعنی جس طرح ہم نے انہیں سلایا اور جگایا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا۔ بعض روایت کے مطابق یہ آگاہی اس طرح ہوئی کہ جب اصحاب کھف کا ایک ساتھی چاندی کا وہ سکہ لے کر شہر گیا، جو تین سو سال قبل کے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا تھا اور وہ سکہ اس نے ایک دکاندار کو دیا، تو وہ حیران ہوا، اس نے ساتھ کی دکان والے کو دکھایا، وہ بھی دیکھ کر حیران ہوا، جب کہ اصحاب کھف کا ایک ساتھی یہ کہتا رہا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں اور کل ہی یہاں سے گیا ہوں، لیکن اس ”کل“ کو تین صدیاں گزر چکی تھیں، لوگ کس طرح اس کی بات مان لیتے؟ لوگوں کو شبہ گزرا کہ کہیں اس شخص کو مدفون خزانہ نہ ملا ہو۔ شدہ شدہ بات بادشاہ یا حاکم مجاز تک پہنچی اور اس ساتھی کی مدد سے وہ غار تک پہنچا اور اصحاب کھف سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر وہیں وفات دیدی۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی اصحاب کھف کے اس واقعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کا وعدہ الہی سچا ہے۔ منکرین کے لیے اس واقعے میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔

۳. اِذْ، یا تو طرف ہے اَعْرَضْنَا، یعنی ہم نے انہیں اس وقت ان کے حال سے آگاہ کیا، جب وہ بعث بعد الموت یا وقوع قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے یا یہاں اذْکُرْ محذوف ہے، یعنی وہ وقت یاد کرو، جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

۴. یہ کہنے والے کون تھے، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کے اہل ایمان تھے، بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی تھے، جب جاکر انہوں نے ملاقات کی اور اس کے بعد اللہ نے انہیں پھر سلادیا، تو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک عمارت بنادی جائے۔

۵. جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بابت صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

۶. یہ غلبہ حاصل کرنے والے اہل ایمان تھے یا اہل کفر و شرک؟ شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور ابن کثیر نے دوسری رائے کو۔ کیونکہ صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا «لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور ومسلم،

سَبَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ
خَمْسَةً سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجَعُوا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ
سَبْعَةً وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ
بِعَدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تَتَّبِعِهِمْ
إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ
أَحَدًا ۝

۲۲۔ کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا،^(۱) غیب کی باتوں میں اٹکل (کے تیر تکے) چلاتے ہیں،^(۲) کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔^(۳) آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جاننے والا ہے، انہیں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔^(۴) پس آپ ان کے مقدمے میں صرف سرسری گفتگو ہی کریں^(۵) اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کریں۔^(۶)

کتاب المساجد واتخاذ الصور فيها) (اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا)، حضرت عمرؓ کی خلافت میں عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ اسے چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)۔

۱۔ یہ کہنے والے اور ان کی مختلف تعداد بتلانے والے عہد رسالت کے مؤمن اور کافر تھے، خصوصاً اہل کتاب جو کتب سماویہ سے آگاہی اور علم کا دعویٰ رکھتے تھے۔

۲۔ یعنی علم، ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے، جس طرح بغیر دیکھے کوئی پتھر مارے، یہ بھی اسی طرح اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے صرف تین قول بیان فرمائے، پہلے دو قولوں کو رَجَعُوا بِالْغَيْبِ (ظن و تخمین) کہہ کر ان کو کمزور رائے قرار دیا اور اس تیسرے قول کا ذکر اس کے بعد کیا جس سے بعض اہل تفسیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ انداز اس قول کی صحت کی دلیل ہے اور فی الواقع ان کی اتنی ہی تعداد تھی۔ (ابن کثیر)

۴۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے میں ان کم لوگوں میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی؟ وہ صرف سات تھے جیسا کہ تیسرے قول میں بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

۵۔ یعنی صرف ان ہی باتوں پر اکتفاء کریں جن کی اطلاع آپ کو وحی کے ذریعے سے کر دی گئی ہے۔ یا تعین عدد میں بحث و تکرار نہ کریں، صرف یہ کہہ دیں کہ اس تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۶۔ یعنی بحث کرنے والوں سے ان کی بابت کچھ نہ پوچھیں، اس لیے کہ جس سے پوچھا جائے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم ہونا چاہیے، جب کہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ ﷺ کے پاس تو پھر بھی یقینی علم کا ایک ذریعہ ”وحی“ موجود ہے، جب کہ دوسروں کے پاس ظنون و اوهام کے سوا کچھ نہیں۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝

۲۳. اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا۔

اِنَّ اَنْ يَّبَيِّنَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ ذٰلِكَ اِذَا نَجِيتَ
وَقُلْ عَلٰى اَنْ يَّهْدِيَنِّيْ رَبِّيْ لَا اَقْرَبُ مِنْ
هٰذَا ارْتِدًا ۝

۲۴. مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔^(۱) اور جب بھی بھولیں، اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا^(۲) اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی رہبری کرے۔^(۳)

وَلِكُنُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ
وَاِذَا ذُوقُوا عَذَابًا

۲۵. اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو سال اور زیادہ گزارے۔^(۴)

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لِكُنُوْا لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ اَبْصَرُ بِهِ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهِ
مَنْ قَوْلٍ وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهِ اَحَدًا ۝

۲۶. آپ کہہ دیں اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے، آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے وہ کیا ہی اچھا دیکھنے سننے والا ہے۔^(۵)

۱. مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی ﷺ سے تین باتیں پوچھیں، روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب کھف اور ذوالقرنین کون تھے؟ کہتے ہیں کہ یہی سوالات اس سورت کے نزول کا سبب بنے۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں کل جواب دوں گا، لیکن اس کے بعد ۱۵ دن تک جبریل علیہ السلام وحی لے کر نہیں آئے۔ پھر جب آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان شاء اللہ کہنے کا یہ حکم دید۔ آیت میں کل (غد) سے مراد مستقبل ہے یعنی جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کرو تو ان شاء اللہ ضرور کہا کرو۔ کیونکہ انسان کو تو پتہ نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملنی ہے یا نہیں؟

۲. یعنی اگر کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ، تو جس وقت بھی یاد آجائے ان شاء اللہ کہہ لو، یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب، اس کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار ہے۔

۳. یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔

۴. جمہور مفسرین نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ شمسی حساب سے ۳۰۰ اور قمری حساب سے ۳۰۹ سال بنتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ انہی لوگوں کا قول ہے جو ان کی مختلف تعداد بتلاتے تھے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے“ جس کا مطلب وہ مذکورہ مدت کی نفی لیتے ہیں۔ لیکن جمہور کی تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب یا کوئی اور، اس بتلائی ہوئی مدت سے اختلاف کرے، تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ جب اس نے تین سو نو سال مدت بتلائی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟

۵. یہ اللہ کی صفت علیم وخبیر ہی کی مزید وضاحت ہے۔

سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۲۷۔ اور تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ، ^(۱) اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں تو اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا۔ ^(۲)

۲۸۔ اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اس کی رضامندی چاہتے ہوئے، خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹے پائیں ^(۳) کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا۔ ^(۴) دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔ ^(۵)

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَكِنْ يَجِدُ مِنْ دُونِهِ مَلْتَحًا ۝۱

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُکَ عَنْهُمْ تُرِيدَ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تَضْحَكْ مِنْهُمْ لَعَلَّکَ أَغْفَلٌ ۝۲
هُوَ لَهُ وَكَانَ أَمْرُهُ قُرْطًا ۝۳

۱۔ ویسے تو یہ حکم عام ہے کہ جس چیز کی بھی وحی آپ ﷺ کی طرف کی جائے، اس کی تلاوت فرمائیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ لیکن اصحاب کہف کے قصے کے خاتمے پر اس حکم سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں لوگ جو چاہیں، کہتے پھریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ اور جتنا کچھ بیان فرمادیا ہے، وہی صحیح ہے، وہی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیجیے، اس سے زیادہ دیگر باتوں کی طرف دھیان نہ دیجیے۔

۲۔ یعنی اگر اسے بیان کرنے سے گریز و انحراف کیا، یا اس کے کلمات میں تغیر و تبدیلی کی کوشش کی، تو اللہ سے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے، لیکن اصل مخاطب امت ہے۔

۳۔ یہ وہی حکم ہے جو اس سے قبل سورۃ الانعام ۵۲ میں گزر چکا ہے۔ مراد ان سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو غریب اور کمزور تھے، جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہڈی اور دو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تھے۔ قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کی بات سنیں، نبی ﷺ کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

۴۔ یعنی ان کو دور کر کے آپ اصحاب شرف و اہل غنی کو اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں؟

۵۔ قُرْطًا، اگر افراط سے ہو تو معنی ہوں گے حد سے متجاوز اور اگر تفریط سے ہو تو معنی ہوں گے کہ ان کا کام تفریط پر مبنی ہے، جس کا نتیجہ ضیاع اور ہلاکت ہے۔

۲۹. اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قاتیں انہیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جو چہرے بھون دے گا، بڑا ہی برا پانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ (دوزخ) ہے۔

۳۰. یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔^(۱)

۳۱. ان کے لیے ہمیشگی والی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے^(۲) اور سبز رنگ کے نرم وباریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے،^(۳) وہاں تختوں کے اوپر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے، اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے۔

وَقِيلَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادُهَا وَهُمْ لَا يُغْنِيَانَهَا عَنْ إِبْسَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا^(۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُهُمْ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا^(۲)

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ يَتِمُّونَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا^(۳)

۱. قرآن کے انداز بیان کے مطابق جہنمیوں کے ذکر کے بعد اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگوں کے اندر جنت حاصل کرنے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

۲. زمانہ نزول قرآن اور اس سے ماقبل رواج تھا کہ بادشاہ، رؤساء اور سرداران قبائل اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنتے تھے، جس سے ان کی امتیازی حیثیت نمایاں ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی جنت میں کڑے پہنائے جائیں گے۔

۳. سندس، باریک ریشم اور استبرق مونا ریشم۔ دنیا میں مردوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس ممنوع ہیں، جو لوگ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں ان محرمات سے اجتناب کریں گے، انہیں جنت میں یہ ساری چیزیں میسر ہوں گی۔ وہاں کوئی چیز ممنوع نہیں ہوگی بلکہ اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے، وہ موجود ہوگی۔ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ﴾ (خیم السجدہ: ۳۱) (جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے جنت میں موجود ہے)۔

وَأَصْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا لِّرَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِكُلِّهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۱﴾

۳۲. اور انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سنادے ^(۱) جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے اور جنہیں ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر رکھا تھا ^(۲) اور دونوں کے درمیان کھیتی لگا رکھی تھی۔ ^(۳)

كُنَّا الْجَنَّتَيْنِ اِنْتِ اَكْلَاهَا وَلَوْ نَظَلِمْنَاهُ شَيْئًا وَفَعَّرْنَا لِخَلْقِهِمَا نَهْرًا ﴿۲﴾

۳۳. دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی ^(۴) اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی۔ ^(۵)

وَكَانَ لَهُ شَجَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ اَنَا اَكْتُرُ مِنْكَ مَالًا وَاعِزُّنَا ﴿۳﴾

۳۴. اور الغرض اس کے پاس میوے تھے، ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی ^(۱) سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے ^(۲) کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ﴿۴﴾

۳۵. اور یہ اپنے باغ میں گیا اور تھا اپنی جان پر ظلم کرنے والا۔ کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے۔

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُودِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۵﴾

۳۶. اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا بھی گیا

۱. مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تقہیم کے لیے بطور مثال ان کا تذکرہ کیا ہے یا واقعی دو شخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں یا اہل مکہ میں سے تھے، ان میں ایک مؤمن اور دوسرا کافر تھا۔
۲. جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے، جو باڑ اور چار دیواری کا کام دیتے تھے۔

۳. یعنی دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی جن سے غلہ جات کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں۔ یوں دونوں باغ غلے اور میووں کے جامع تھے۔

۴. یعنی اپنی پیداوار میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے بلکہ بھرپور پیداوار دیتے تھے۔

۵. تاکہ باغوں کو سیراب کرنے میں کوئی انقطاع واقع نہ ہو۔ یا بارانی علاقوں کی طرح بارش کے محتاج نہ رہیں۔

۶. یعنی باغوں کے مالک نے، جو کافر تھا، اپنے ساتھی سے کہا جو مؤمن تھا۔

۷. نَفَر (جتھے) سے مراد اولاد اور نوکر چاکر ہیں۔

تو یقیناً میں (اس لوٹنے کی جگہ) اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا۔^(۱)

۳۷۔ اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا۔^(۲)

۳۸۔ لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا۔^(۳)

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ
بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ
سَوَّاهُ جَعْلًا ۝

لَيْكَ أَهْلُ اللَّهِ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝

۱۔ یعنی وہ کافر جب اور غرور میں ہی مبتلا نہیں ہوا بلکہ اس کی مدہوشی اور مستقبل کی حسین اور لمبی امیدوں نے اسے اللہ کی گرفت اور مکافات عمل سے بالکل غافل کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے قیامت کا ہی انکار کر دیا، پھر دھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوئی بھی تو وہاں بھی حسن انجام میرا مقدر ہوگا۔ جن کا کفر وطنیان حد سے تجاوز کر جاتا ہے، وہ مست مئے پندار ہو کر ایسے ہی متکبرانہ دعوے کرتے ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَكِنْ تَحِبُّوا إِلَىٰ رَبِّي إِنِّي بَيْنِي وَبَيْنَهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (خمس السجدة: ۵۰) (اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے اچھائیاں ہی ہیں)۔ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّكَ مَالًا وَّلَا تُؤَلِّمُنِي﴾ (مریم: ۷۷) (کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور دعویٰ کیا کہ آخرت میں مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا)۔

۲۔ اس کی یہ باتیں سن کر اس کے مومن ساتھی نے اس کو وعظ و تبلیغ کے انداز میں سمجھایا کہ تو اپنے خالق کے ساتھ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے، جس نے تجھے مٹی اور قطرہ پانی (مٹی) سے پیدا کیا۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام چونکہ مٹی سے بنائے گئے تھے، اس لیے انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ پھر قریبی سبب وہ نطفہ بنا جو باپ کی صلب سے نکل کر رحم مادر میں گیا، وہاں نو مہینے اس کی پرورش کی۔ پھر اسے پورا انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا۔ بعض کے نزدیک مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے، وہ سب زمین سے یعنی مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے، اسی خوراک سے نطفہ بنتا ہے جو عورت کے رحم میں جا کر انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں بھی ہر انسان کی اصل مٹی ہی قرار پاتی ہے۔ ناشکرے انسان کو اس کی اصل یاد دلا کر اسے اس کے خالق اور رب کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تو اپنی حقیقت اور اصل پر غور کر، اور پھر رب کے ان احسانات کو دیکھ، کہ تجھے اس نے کیا کچھ بنادیا اور اس عمل تخلیق میں کوئی اس کا شریک اور مددگار نہیں ہے، یہ سب کچھ کرنے والا صرف اور صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس کو ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہے۔ آہ! یہ انسان کس قدر ناشکر ہے؟

۳۔ یعنی میں تیری طرح کی بات نہیں کروں گا بلکہ میں تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی مشرک ہی تھا۔

۳۹. تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے،^(۱) اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے۔

۴۰. بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے^(۲) اور اس پر آسانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور چکنان میدان بن جائے۔^(۳)

۴۱. یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈھ لائے۔^(۴)

۴۲. اور اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے،^(۵) پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے لگا^(۶) اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا تھا^(۷) اور (وہ شخص) یہ کہہ رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو

وَلَوْ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرِنَا اَنَّا اَكْلُ مِنْكَ مَا لَوْ وَلَدًا ﴿۳۹﴾

فَعَسَىٰ رَبِّيْٓ اَنْ يُؤْتِيَنِيْ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلْ عَلَيْهَا حُمْلًا مِّنَ السَّمَآءِ فَيُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

اَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

وَاُحِيطَ بِشَبْرٍ ۖ فَاصْبِرْ يَقْلَبُ فَكَيْفٍ عَلٰى مَا اَتَقُوا فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرْوٰثِهَا وَيَقُوْلُ لِيَكُنِيَ لَنَا شَرْكٌ مِّنْ رَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

۱. اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت سرکشی اور غرور کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ کہا ہوتا، مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہے تو اسے باقی رکھے اور چاہے تو فنا کر دے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ جس کو کسی کا مال، اولاد یا حال اچھا لگے تو اسے مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر، بحوالہ مسند ابو یعلیٰ)

۲. دنیا میں یا آخرت میں یا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں۔

۳. حُسْبَانٌ، غُفْرَانٌ کے وزن پر حساب سے ہے، یعنی ایسا عذاب، جو کسی کے کرتوتوں کے نتیجے میں آئے۔ یعنی آسانی عذاب کے ذریعے سے وہ محاسبہ کر لے۔ اور یہ جگہ جہاں اس وقت سرسبز و شاداب باغ ہے، چٹیل اور چکنان میدان بن جائے۔
۴. یا درمیان میں جو نہر ہے جو باغ کی شادابی اور زرخیزی کا باعث ہے، اس کے پانی کو اتنا گہرا کر دے کہ اس سے پانی کا حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جہاں پانی زیادہ گہرائی میں چلا جائے تو پھر وہاں بڑے بڑے ہارس پاور کی موٹریں اور مشینیں بھی پانی کو اوپر کھینچ لانے میں ناکام رہتی ہیں۔

۵. یہ کنایہ ہے ہلاکت و فنا سے یعنی اس کا سارا باغ ہلاک کر ڈالا گیا۔

۶. یعنی باغ کی تعمیر و اصلاح اور کاشت کاری کے اخراجات پر کف افسوس ملنے لگا۔ ہاتھ ملنا کنایہ ہے ندامت سے۔

۷. یعنی جن چھتوں، چھپروں پر انگوروں کی بیللیں تھیں، وہ سب زمین پر آ رہیں اور انگوروں کی ساری فصل تباہ ہوگئی۔

بھی شریک نہ کرتا۔^(۱)

۴۳۔ اور اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی^(۲) کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا۔

۴۴۔ یہیں سے (ثابت) ہے کہ اختیارات^(۳) اللہ برحق کے لیے ہیں وہ ثواب دینے اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہے۔^(۴)

۴۵۔ اور ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کا سبزہ ملاجلا (نکلا) ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۵)

وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا

هَٰذَاكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا

وَاصْرِبْ لَهُمْ مَثَلِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيْحُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا

۱۔ اب اسے احساس ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اس کے احکام کا انکار کرنا اور اس کے مقابلے میں سرکشی، کسی طرح بھی ایک انسان کے لیے زیبا نہیں، لیکن اب حسرت و انفوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اب بچھٹائے کیا ہوت، جب چڑیاں چل گئیں کھیت۔

۲۔ جس جتنے پر اس کو ناز تھا، وہ بھی اس کے کام نہیں آیا نہ وہ خود ہی اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی انتظام کر سکا۔

۳۔ وَلَايَةُ کے معنی موالات اور نصرت کے ہیں، یعنی اس مقام پر ہر مومن و کافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد کرنے پر اور اس کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر اس موقع پر بڑے بڑے سرکش اور جبار بھی اظہار ایمان پر مجبور ہو جاتے ہیں، گو اس وقت کا ایمان نافع اور مقبول نہیں۔ جس طرح قرآن نے فرعون کی بابت نقل کیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا، ﴿مَنْتُ أَكْذَابًا إِلَّا آلَ الْأَنْبِيَاءِ الْمَكْتُوبِينَ﴾ (یونس: ۹۰) (میں ایمان لاتا ہوں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔ دوسرے کفار کی بابت فرمایا گیا ”جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا، ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، ان کا انکار کرتے ہیں“ (المؤمن: ۸۴) اگر ولایت، واو کے کسرے کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی حکم اور اختیارات کے ہیں، جیسا کہ ترجمے میں یہی معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ (ابن کثیر)

۴۔ یعنی وہی اپنے دوستوں کو بہتر بدلہ دینے والا اور حسن عاقبت سے مشرف کرنی والا ہے۔

۵۔ اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو کھیتی کی ایک مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی میں لگے

۴۶۔ مال و اولاد تو دنیا کی ہی زینت ہے،^(۱) اور (ہاں) باقی رہنے والی نیکیاں^(۲) تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔

۴۷۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے^(۳) اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔^(۴)

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الدُّنْيَا
وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَعَجِيرًا ۝

وَيَوْمَ نُسَوِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً
وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝

ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے تو پانی سے مل کر کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ جاتی ہے۔ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا فصل پک جانے کے سبب۔ تو پھر ہوائیں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا بھی اسے دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلبلے یا کھیتی ہی کی طرح ہے، جو اپنی چند روزہ بہار دکھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے۔ مثلاً سورۃ یونس: ۲۴، سورۃ الزمر: ۲۱، سورۃ الحديد: ۲۰، وغیرہا من الآیات

۱۔ اس میں ان اہل دنیا کا رد ہے جو دنیا کے مال و اسباب، قبیلہ و خاندان اور آل و اولاد پر فخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ چیزیں تو دنیائے فانی کی عارضی زینت ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ اسی لیے اس سے آگے فرمایا کہ آخرت میں کام آنے والے عمل تو وہ ہیں جو باقی رہنے والے ہیں۔

۲۔ باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) کون سی یا کون کون سی ہیں؟ کسی نے نماز کو، کسی نے تحمید و تسبیح اور تکبیر و تہلیل اور کسی نے بعض اور اعمال خیر کو اس کا مصداق قرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے اور تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ تمام فرائض و واجبات اور سنن و نوافل سب باقیات صالحات ہیں بلکہ منہیات سے اجتناب بھی ایک عمل صالح ہے، جس پر عند اللہ اجر و ثواب کی امید ہے۔

۳۔ یہ قیامت کی ہولناکیوں اور بڑے بڑے واقعات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کو چلائیں گے کا مطلب، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی روٹی کی طرح اڑ جائیں گے۔ ﴿وَنُكُونُ الْجِبَالُ كَالْعُيُودِ الْمُنْفُوشِ﴾ (القارعة: ۵) (اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھکی ہوئی رنگین اون) مزید دیکھیے سورۃ طہ: ۱۰۵، ۱۰۷۔ سورۃ نمل: ۸۸۔ سورۃ طور: ۹، ۱۰۔ زمین سے جب پہاڑ جیسی مضبوط چیزیں ختم ہو جائیں گی، تو مکانات، درخت اور اسی طرح کی دیگر چیزیں کس طرح اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گی؟ اسی لیے آگے فرمایا ”تو زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا۔“

۴۔ یعنی اولین و آخرین، چھوٹے بڑے، کافر و مؤمن سب کو جمع کریں گے، کوئی زمین کی تہ میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ

۴۸. اور سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ ^(۱) حاضر کیے جائیں گے۔ یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا لیکن تم تو اسی خیال میں رہے کہ ہم ہرگز تمہارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر کریں گے بھی نہیں۔

۴۹. اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ پس تو دیکھے گا کہ گناہ گار اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے کے باقی ہی نہیں چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم و ستم نہ کرے گا۔

۵۰. اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، یہ جنوں میں سے تھا، ^(۲) اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی

وَعَرَضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ نَّبَلْ لَّعْمَلِكُمْ لَنُجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ۝

وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَىٰ الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَلِّتُنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أُحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظُنُّ رَبُّكَ أَحَدًا ۝

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي

قبر سے نکل کر کسی جگہ چھپ سکے گا۔

۱. اس کے معنی ہیں کہ ایک ہی صف میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، یا صفوں کی شکل میں بارگاہ الہی میں حاضر ہوں گے۔

۲. قرآن کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ شیطان فرشتہ نہیں تھا، فرشتہ اگر ہوتا تو حکم الہی سے سرتابی کی اسے مجال ہی نہ ہوتی، کیونکہ فرشتوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم: ۶) (وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)۔ اس صورت میں یہ اشکال رہتا ہے، اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا، کیونکہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے، انہیں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا، صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا، لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ ہی رہتا تھا اور ان ہی میں شمار ہوتا تھا، اس لیے وہ بھی اسجُدُوا لِآدَمَ کے حکم کا مخاطب تھا۔ اور سجدہ آدم کے حکم کے ساتھ اس کا مخاطب کیا جانا قطعی ہے۔ ارشاد باری ہے ﴿مَا مَنَعَكَ آلَا تَسْجُدُ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ (الأعراف: ۱۲) (جب میں نے تجھے حکم دے دیا تو پھر تو نے سجدہ کیوں نہ کیا)۔

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝

مَا أَشْهَدُ لَهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ
عَضُدًا ۝

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ
فَذَعَبُهُمْ فَهُمْ يُسْتَجَبُونَ اَللَّهُمَّ وَجَّعْنَا
بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۝

کی،^(۱) کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے
چھوڑ کر اپنا دوست بنارہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا
دشمن ہے۔^(۲) ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔^(۳)
۵۱. میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے
وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش
میں،^(۴) اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا
بھی نہیں۔^(۵)

۵۲. اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو
میرے شریک تھے انہیں پکارو، یہ پکاریں گے لیکن ان
میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا ہم ان کے درمیان
ہلاکت کا سامان کر دیں گے۔^(۶)

۱. فسُقُّ کے معنی ہوتے ہیں نکلتا، چوہا جب اپنے بل سے نکلتا ہے تو کہتے ہیں فَسَقَتِ الْفَأْرَةُ مِنْ جُحْرِهَا شیطان بھی
سجدہ تعظیم و تحیہ کا انکار کر کے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔

۲. یعنی کیا تمہارے لیے یہ صحیح ہے کہ تم ایسے شخص کو اور اس کی ذریت کو دوست بناؤ جو تمہارے باپ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا
دشمن، تمہارا دشمن اور تمہارے رب کا دشمن ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اس شیطان کی اطاعت کرو؟

۳. ایک دوسرا ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے ”ظالموں نے کیا ہی برا بدل اختیار کیا ہے۔“ یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کی دوستی
کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اور اس کی دوستی جو اختیار کی ہے تو یہ بہت ہی برا بدل ہے، جسے ان ظالموں نے اپنایا ہے۔
۴. یعنی آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کی تدبیر میں، بلکہ خود ان شیاطین کی پیدائش میں ہم نے ان سے یا ان میں
سے کسی ایک سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، یہ تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے۔ پھر تم اس شیطان اور اس کی ذریت
کی پوجا یا ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور میری عبادت و اطاعت سے تمہیں گریز کیوں ہے؟ جب کہ یہ مخلوق ہیں اور
میں ان سب کا خالق ہوں۔

۵. اور بفرض محال اگر میں کسی کو مددگار بناتا بھی تو ان کو کیسے بناتا، جب کہ یہ میرے بندوں کو گمراہ کر کے میری جنت
اور میری رضا سے روکتے ہیں۔

۶. مَوْبِقٌ کے ایک معنی حجاب (پردے اور آڑ) کے ہیں۔ یعنی ان کے درمیان پردہ اور فاصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ ان
کے مابین آپس میں عداوت ہوگی۔ نیز اس لیے کہ عرصہ محشر میں یہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ
یہ جہنم میں پیپ اور خون کی مخصوص وادی ہے۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ مہلک کیا ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے

۵۳. اور گناہ گار جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔^(۱)

۵۴. اور ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لیے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔^(۲)

۵۵. اور لوگوں کے پاس ہدایت آپکنے کے بعد انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا معاملہ انہیں بھی پیش آئے^(۳) یا ان کے سامنے کھلا عذاب آ موجود ہو جائے۔^(۴)

۵۶. اور ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبریاں سنا دیں اور ڈرا دیں۔ کافر لوگ باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں اور (چاہتے ہیں کہ) اس حق کو لڑکھڑا دیں، انہوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے مذاق بنا ڈالا ہے۔^(۵)

وَرَأَى الْمُؤْمِنُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاعِدُهَا وَلَمْ يُعِدُّوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَتَشْيُ جَدَلًا ۝

وَمَا مَنَعَهُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا الْيَتَىٰ وَمَا نَذِرُوا ۝

یعنی یہ مشرک اور ان کے مزعومہ معبود، یہ ایک دوسرے کو مل ہی نہیں سکیں گے کیوں کہ ان کے درمیان ہلاکت کا سامان اور ہولناک چیزیں ہوں گی۔

۱. جس طرح بعض روایات میں ہے کہ کافر ابھی چالیس سال کی مسافت پر ہو گا کہ یقین کر لے گا کہ جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ (مند احمد، جلد ۳، ص ۷۵)

۲. یعنی ہم نے انسانوں کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے، وعظ و تذکیر، امثال و واقعات اور دلائل و براہین، علاوہ ازیں انہیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو ہے، اس لیے وعظ و نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل و براہین اس کے لیے کارگر۔

۳. یعنی تکذیب کی صورت میں ان پر بھی اسی طرح عذاب آئے، جیسے پہلے لوگوں پر آیا۔

۴. یعنی یہ اہل مکہ ایمان لانے کے لیے ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس کے بعد ایمان لانے کا ان کو موقع ہی کب ملے گا؟

۵. اور اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا، یہ تکذیب کی بدترین قسم ہے۔ اسی طرح جدال بالباطل کے ذریعے سے (یعنی

۵۷۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے، بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے (نہ) سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے، گو تو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے، لیکن یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پانے کے۔^(۱)

۵۸۔ اور تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بیشک انہیں جلد ہی عذاب کر دے، بلکہ ان کے لیے ایک وعدے کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ نہیں پائیں گے۔^(۲)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَبَىٰ رَأْفَتَنَا يَدَهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمُ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبُوا الْعَجَلُ لَهُمُ الْعَذَابُ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا ۝

باطل طریقے اختیار کر کے) حق کو باطل ثابت کرنے کی سعی کرنا بھی نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی مجادلہ بالباطل کی ایک صورت یہ ہے جو کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے رہے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو ﴿مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (یس: ۱۵) ہم تمہیں رسول کس طرح تسلیم کر لیں؟ دَحْصَ کے اصل معنی پھسلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے دَحْصَت رَجُلُهُ (اس کا پیر پھسل گیا)۔ یہاں سے یہ کسی چیز کے زوال (ٹلنے) اور بطلان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں دَحْصَت حَجَّتُهُ دُحُوصًا أَيْ بَطَلَتْ (اس کی حجت باطل ہو گئی) اس لحاظ سے أَدْحَصَ يَدْحِصُ کے معنی ہوں گے باطل کرنا۔ (فتح القدیر)

۱۔ یعنی ان کے اس ظلم عظیم کی وجہ سے کہ انہوں نے رب کی آیات سے اعراض کیا اور اپنے کرتوتوں کو بھولے رہے، ان کے دلوں پر ایسے پردے اور ان کے کانوں پر ایسے بوجھ ڈال دیے گئے ہیں، جس سے قرآن کا سمجھنا، سننا اور اس سے ہدایت قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ ان کو کتنا بھی ہدایت کی طرف بلاؤ، یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

۲۔ یعنی یہ تو رب غفور کی رحمت ہے کہ وہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا، بلکہ مہلت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پاداش عمل میں ہر شخص ہی عذاب الہی کے شکنجے میں کسا ہوتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور ہلاکت کا وہ وقت آ جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ مقرر کیے ہوتا ہے تو پھر فرار کا کوئی راستہ اور بچاؤ کی کوئی سبیل ان کے لیے نہیں رہتی۔ مَوْعِدٌ کے معنی ہیں جائے پناہ، راہ فرار۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ أَهْلَكَ لَهُمْ لَنَا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا
لَهُمُ الْكَيْدَ مَوْعِدًا ۝

۵۹. اور یہ ہیں وہ بستیاں جنہیں ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر غارت کر دیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک معاد مقرر کر رکھی تھی۔^(۱)

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتْنِهِ لَآ أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ
الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝

۶۰. اور جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان^(۲) سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر^(۳) پہنچوں، خواہ مجھے ساہا سال چلنا پڑے۔^(۴)

۱. اس سے مراد، عاد ثمود اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں ہیں جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں ہی تھیں۔ انہیں بھی اگرچہ ان کے ظلم کے سبب ہی ہلاک کیا گیا لیکن ہلاکت سے پہلے انہیں پورا موقع دیا گیا اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کا ظلم وطنیان اس حد کو پہنچ گیا ہے، جہاں سے ہدایت کے راستے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے خیر اور بھلائی کی امید باقی نہیں رہی، تو پھر ان کی مہلت عمل ختم اور تباہی کا وقت شروع ہو گیا۔ پھر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ یا اہل دنیا کے لیے عبرت کا نمونہ بنادیا گیا۔ یہ دراصل اہل مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے آخری پیغمبر اور اشرف المرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر رہے ہو، تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں جو مہلت مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں بلکہ یہ مہلت تو سنت اللہ ہے جو ایک وقت موعود تک ہر فرد، گروہ اور قوم کو وہ عطا کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے کفر و عناد سے باز نہیں آؤ گے تو پھر تمہارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔

۲. نوجوان سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔

۳. اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے تاہم قرآن کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آکر ملتے اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقامات جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے ان پر سرے سے مجمع البحرین کی تعبیر ہی صادق نہیں آتی۔

۴. حُتُّبُ ایک معنی ۷۰ یا ۸۰ سال اور دوسرے معنی غیر معین مدت کے ہیں۔ یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔ یعنی جب تک میں مجمع البحرین (جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں) نہیں پہنچ جاؤں گا، چلتا رہوں گا اور سفر جاری رکھوں گا، چاہے کتنا بھی عرصہ لگ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ انہوں نے ایک موقع پر ایک سائل کے جواب میں یہ کہہ دیا کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جملہ پسند نہیں آیا اور وحی کے ذریعے سے انہیں مطلع کیا کہ ہمارا ایک بندہ (خضر) ہے جو تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ اس سے ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں، وہیں ہمارا وہ بندہ بھی ہو گا۔ نیز فرمایا کہ مچھلی ساتھ لے جاؤ، جہاں مچھلی تمہاری ٹوکری (زنبیل) سے نکل کر غائب ہو جائے تو سمجھ لینا کہ یہی مقام ہے۔ (بخاری، سورہ کہف) چنانچہ اس حکم کے مطابق انہوں نے ایک مچھلی لی اور سفر شروع کر دیا۔

۶۱. جب وہ دونوں دریا کے سنگم پر پہنچے، وہاں اپنی مچھلی بھول گئے جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا۔

۶۲. جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا کھانا دے، ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔

۶۳. اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جب کہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا راستہ بنالیا۔^(۱)

۶۴. موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے۔^(۲)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا خُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ إِنِّي أَخَذْتُ سَبِيلًا ﴿۶۲﴾

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ وَمَا أَتَيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَن أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

قَالَ ذَلِكَ نَكَلٌ بَخِيلٌ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

۱. یعنی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بنادیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو سمندر میں جاتے اور راستہ بنتے ہوئے دیکھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔ حتیٰ کہ آرام کر کے وہاں سے پھر سفر شروع کر دیا، اس دن اور اس کے بعد کی رات سفر کر کے، جب دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اور جھوک محسوس ہوئی، تو اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاؤ بھی کھانا، کھانا کھالیں۔ اس نے کہا، مچھلی تو، جہاں ہم نے پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کیا تھا، وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اور وہاں عجب طریقے سے اس نے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا۔ اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔

۲. حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اللہ کے بندے! جہاں مچھلی زندہ ہو کر غائب ہوئی تھی، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا، جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے نشانات قدم دیکھتے ہوئے پیچھے لوٹے اور اسی مجمع البحرین پر واپس آگئے۔ قَصَصًا کے معنی ہیں پیچھے لگنا، پیچھے پیچھے چلنا۔ یعنی نشانات قدم کو دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

وَجَدَ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا
وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّا لَدُنَّا عِلْمًا ﴿۱۵﴾

قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَيْكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي
مِمَّا عَلَّمْتَ رُسُلًا ﴿۱۶﴾

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۱۷﴾

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿۱۸﴾

قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي
لَكَ أَمْرًا ﴿۱۹﴾

۶۵۔ پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا،^(۱)
جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت^(۲) عطا فرما رکھی تھی
اور اسے اپنے پاس سے خاص علم^(۳) سکھا رکھا تھا۔

۶۶۔ اس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ میں آپ کی
تابع داری کروں؟ کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھا دیں جو
آپ کو سکھایا گیا ہے۔

۶۷۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔

۶۸۔ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو^(۴)
اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟

۶۹۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے
صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی
نافرمانی نہ کروں گا۔

۱۔ اس بندے سے مراد حضرت خضر ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحت ہے۔ خضر کے معنی سرسبز اور شاداب کے
ہیں، یہ ایک مرتبہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین ان کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا، اسی وجہ سے ان کا نام
خضر پڑ گیا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ کہف)

۲۔ رَحْمَةً سے بعض مفسرین نے وہ خصوصی انعامات مراد لیے ہیں جو اللہ نے اپنے اس خاص بندے پر فرمائے اور اکثر
مفسرین نے اس سے مراد نبوت لی ہے۔

۳۔ اس سے علم نبوت کے علاوہ جس سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی بہرہ ور تھے، بعض تکوینی امور کا علم ہے جس سے
اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت خضر کو نوازا تھا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس بھی وہ علم نہیں تھا۔ اس سے استدلال کرتے
ہوئے بعض صوفیا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو، جو نبی نہیں ہوتے، علم لدنی سے نوازتا ہے، جو بغیر استاد
کے محض مہدِ اُفیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ باطنی علم، شریعت کے ظاہری علم سے، جو قرآن و حدیث کی
صورت میں موجود ہے، مختلف بلکہ بعض دفعہ اس کے مخالف اور معارض ہوتا ہے لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں
کہ حضرت خضر کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو علم خاص دیے جانے کی صراحت کر دی ہے، جب کہ کسی اور کے لیے
ایسی صراحت کہیں نہیں اگر اس کو عام کر دیا جائے تو پھر ہر شعبہ باز اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، چنانچہ اس طبقے میں
یہ دعوے عام ہی ہیں۔ اس لیے ایسے دعوؤں کی کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ یعنی جس کا پورا علم نہ ہو۔

۷۰۔ اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔

۷۱۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، تو اس نے کشتی کے تختے توڑ دیے، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں تاکہ کشتی والوں کو ڈوبویں، یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی۔^(۱)

۷۲۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔

۷۳۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھے اپنے کام میں تنگی میں نہ ڈالیے۔^(۲)

۷۴۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا، اس نے اسے مار ڈالا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بیشک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔^(۳)

قَالَ فَإِنِ اصْبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۝

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

قَالَ لَا تَأْخُذْ بِلِهَافَيْهِتِ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عَمْرًا ۝

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَلْقَا عُلَمَاهُ فَمَتَلَهُ قَالَ أَقْتَلْتُمْ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا كَثِيرًا ۝

۱۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو چونکہ اس علم خاص کی خبر نہیں تھی جس کی بنا پر خضر نے کشتی کے تختے توڑ دیے تھے، اس لیے صبر نہ کر سکے اور اپنے علم و فہم کے مطابق اسے نہایت ہولناک کام قرار دیا۔ اِمْرًا کے معنی ہیں الدَّاهِيَةُ الْعَظِيمَةُ ”بڑا بیت ناک کام“۔

۲۔ یعنی میرے ساتھ بيسر کا معاملہ کریں، سختی کا نہیں۔

۳۔ غلام سے مراد بالغ جوان بھی ہو سکتا ہے اور نابالغ بچہ بھی۔

۴۔ نُكْرًا، فَطِيمًا مُنْكَرًا لَا يُعْرَفُ فِي الشَّرْعِ، ایسا بڑا برا کام، جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں اَنْكَرٌ مِنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ پہلے کام (کشتی کے تختے توڑنے) سے زیادہ برا کام۔ اس لیے کہ قتل، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ ممکن نہیں۔ جب کہ کشتی کے تختے اکھیر دینا، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں، پہلے کام سے کم تر اَقْلٌ مِنَ الْأَمْرِ اس لیے کہ ایک جان کو قتل کرنا، سارے کشتی والوں کو ڈوب دینے سے کم تر ہے۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مفہوم ہی انبہ ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو جو علم شریعت حاصل تھا، اس کی رو سے حضرت

۷۵۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔

۷۶۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بیشک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے۔^(۱)

۷۷۔ پھر دونوں چلے، ایک گاؤں والوں کے پاس آکر ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا،^(۲) دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی، اس نے اسے ٹھیک اور درست^(۳) کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔^(۴)

۷۸۔ اس نے کہا بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا فَلَا تُصِغْ بِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبْوَأَ أَنْ يُضَيَّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَفُحِّدْتَ عَلَيْهِمْ آجُرًا ۝

قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِمَا أُوْتِيتُ

خضر کا یہ کام بہر حال خلاف شرع تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اعتراض کیا اور اسے نہایت برا کام قرار دیا۔

۱۔ یعنی اب اگر سوال کروں تو اپنی مصاحبت کے شرف سے مجھے محروم کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ کے پاس معقول عذر ہوگا۔

۲۔ یعنی یہ بخیلوں اور کبینوں کی بستی تھی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، درآں حالیکہ مسافروں کو کھانا کھانا اور مہمان نوازی کرنا ہر شریعت کی اخلاقی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ فرمایا «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ» (صحیح البخاری، مسلم، ترمذی، أبوداؤد) (جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت و تکریم کرے)۔

۳۔ حضرت خضر نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے وہ معجزانہ طور پر سیدھی ہو گئی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے واضح ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام)، جو اہل بستی کے رویے سے پہلے ہی کبیدہ خاطر تھے، حضرت خضر کے اس بلا معاوضہ احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان بستی والوں نے ہماری مسافرت، ضرورت مندی اور شرف و فضل کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا تو یہ لوگ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے؟

مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝

درمیان،^(۱) اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں
گا جس پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا۔^(۲)

اَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنٍ يَعْمَلُوْنَ فِي
الْبَحْرِ فَادْرٰتُ اَنْ اَعْدِبَهَا وَاَكَانَ وَرَاءَهُمْ كَلْبٌ
يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَضْبًا ۝

۷۹. کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج
کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ
کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح
سالم) کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا۔

وَاِنَّا الْغُلَامَ لَكَانَ اَيُّوْمَ مُؤْمِنِيْنَ فَخَشِنَا اَنْ
يُرِيَهُمْ طٰغِيَا تَاَوَكَّرًا ۝

۸۰. اور اس لڑکے کے ماں باپ ایمان والے تھے۔ ہمیں
خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز
و پریشان نہ کر دے۔

۱. حضرت خضر نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام، یہ تیسرا موقع ہے کہ تو صبر نہیں کر سکا اور اب خود تیرے کہنے کے مطابق میں
تجھے ساتھ رکھنے سے معذور ہوں۔

۲. لیکن جدائی سے قبل حضرت خضر نے تینوں واقعات کی حقیقت سے انہیں آگاہ اور باخبر کرنا ضروری خیال کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام
کسی مغالطے کا شکار نہ رہیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ علم نبوت اور ہے، جس سے انہیں نوازا گیا ہے اور بعض تکوینی امور کا علم
اور ہے جو اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت، حضرت خضر کو دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انہوں نے ایسے کام کیے جو علم شریعت
کی رو سے جائز نہیں تھے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام، بجا طور پر ان پر خاموش نہیں رہ سکے تھے۔ انہی تکوینی امور کی
انجام دہی کی وجہ سے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ حضرت خضر انسانوں میں سے نہیں تھے اور اسی لیے وہ ان کی نبوت
ورسالت یا ولایت کی بحث میں نہیں پڑتے کیوں کہ یہ سارے مناصب تو انسانوں کے ساتھ ہی خاص رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں
کہ وہ فرشتہ تھے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بعض تکوینی امور سے مطلع کر کے ان کے ذریعے سے وہ کام کروالے، تو
اس میں بھی کوئی نا ممکن بات نہیں ہے۔ جب وہ صاحب وحی خود اس امر کی وضاحت کر دے کہ میں نے یہ کام اللہ کے حکم
سے ہی کیے ہیں تو گو بظاہر وہ خلاف شریعت ہی نظر آتے ہوں، لیکن جب ان کا تعلق ہی تکوینی امور سے ہے تو وہاں جواز اور
عدم جواز کی بحث ہی غیر ضروری ہے۔ جیسے تکوینی احکامات کے تحت کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی مرتا ہے، کسی کا کاروبار تباہ ہو جاتا
ہے، قوموں پر عذاب آتا ہے، ان میں سے بعض کام بعض دفعہ باذن الہی فرشتے ہی کرتے ہیں، تو جس طرح یہ امور آج تک
کسی کو خلاف شریعت نظر نہیں آئے۔ اسی طرح حضرت خضر کے ذریعے سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا تعلق بھی چونکہ
امور تکوینیہ سے ہے اس لیے انہیں شریعت کی ترازو میں تولنا ہی غیر صحیح ہے۔ البتہ اب وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے
بعد کسی شخص کا اس قسم کا دعویٰ ہرگز صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت خضر سے منقول ہے کیوں کہ حضرت خضر
کا معاملہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے، اس لیے مجال انکار نہیں۔ لیکن اب جو بھی اس قسم کا دعویٰ یا عمل کرے گا، اس کا انکار
لازمی اور ضروری ہے کیوں کہ اب وہ یقینی ذریعہ علم موجود نہیں ہے جس سے اس کے دعوے اور عمل کی حقیقت واضح ہو سکے۔

۸۱. اس لیے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت اور پیار والا بچہ عنایت فرمائے۔

۸۲. اور دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آکر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا،^(۱) یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

۸۳. اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کر رہے ہیں،^(۲) آپ کہہ دیجیے کہ میں ان کا تھوڑا سا

قَالَ تَزَنَّا يُبْدِي لَهَا رُبُّهَا خَيْرٌ أَمْ تَكُونُ أَقْرَبَ نَصَابًا ۝

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسَخِّرَ جَا كَنْزَهُمَا آخِذَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوهُ لَكُمْ ۚ إِنَّهُ ذِكْرٌ لِّلرَّسُولِ

۱. حضرت خضر کی نبوت کے قائلین کی یہ دوسری دلیل ہے جس سے وہ نبوت خضر کا اثبات کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی غیر نبی کے پاس اس قسم کی وحی نہیں آتی کہ وہ اتنے اہم کام کسی اشارہ غیبی پر کردے، نہ کسی غیر نبی کا ایسا اشارہ غیبی قابل عمل ہی ہے۔ نبوت خضر کی طرح حیات خضر بھی ایک حلقے میں مختلف فیہ ہے اور حیات خضر کے قائلین بہت سے لوگوں کی ملاقاتیں حضرت خضر سے ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے ان کے اب تک زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن جس طرح حضرت خضر کی زندگی پر کوئی نص شرعی نہیں ہے، اسی طریقے سے لوگوں کے مکاشفات یا حالت بیداری یا نیند میں حضرت خضر سے ملنے کے دعوے بھی قابل تسلیم نہیں۔ جب ان کا حلیہ ہی مستند ذریعے سے منقول نہیں ہے تو ان کی شناخت کس طرح ممکن ہے؟ اور کیوں کر یقین کیا جاسکتا ہے، کہ جن بزرگوں نے ملنے کے دعوے کیے ہیں، واقعی ان کی ملاقات خضر موسیٰ علیہ السلام سے ہی ہوئی ہے، خضر کے نام سے انہیں کسی نے دھوکہ اور فریب میں مبتلا نہیں کیا۔

۲. یہ مشرکین کے اس تیسرے سوال کا جواب ہے جو یہودیوں کے کہنے پر انہوں نے نبی ﷺ سے کیے تھے۔ ذوالقرنین کے لفظی معنی دو سینگوں والے کے ہیں۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سینگ تھے یا اس لیے کہ اس نے مشرق و مغرب دنیا کے دونوں کناروں پر پہنچ کر سورج کے قرن یعنی اس کی شعاع کا مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں، قرن بالوں کی لٹ کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی دو لٹوں یا دو مینڈھیوں یا دو زلفوں والا۔ قدیم مفسرین نے بالعموم اس کا مصداق سکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا تھا لیکن جدید مفسرین جدید تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس پر جو داد تحقیق دی ہے اور اس شخص کی دریافت میں جو محنت و کاوش کی ہے، وہ نہایت قابل قدر ہے۔ ان کی

حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

۸۴. ہم نے اسے زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے سامان بھی عنایت کر دیے تھے۔^(۱)

۸۵. وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔^(۲)

۸۶. یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا اور اسے ایک دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا^(۳) اور اس چشمے کے پاس ایک قوم کو بھی پایا، ہم نے فرمادیا^(۴) کہ

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَّبَعْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبِيلًا^(۱)

فَاتَّبَعَهُ سَبِيلًا^(۲)

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَابٍ فِي عَيْنِ حِمَّةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَا الْقَوْمِ إِنَّمَا أَنْتُمْ لِعُدَّتٍ وَإِنَّمَا أَنْتُمْ تُنْحَدُونَ^(۳)

تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) کہ اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمران تھا، جس کو اللہ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ (۲) وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا، ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج ماجوج تھے۔ (۳) اس نے وہاں یاجوج ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک نہایت محکم بند تعمیر کیا۔ (۴) وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا۔ (۵) وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمران ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس، اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں، اس کا دور حکمرانی ۵۳۹، قبل مسیح ہے۔ نیز فرماتے ہیں ۱۸۳۸ء میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم، اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن ج ۱، ص ۳۹۹-۴۰۰، طبع قدیم) واللہ اعلم بالصواب۔

۱. سَبَبٌ کے اصلی معنی رسی کے ہیں، اس کا اطلاق ایسے ذریعے اور وسیلے پر ہوتا ہے جو حصول مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے سَبَبٌ کے معنی ہیں، ہم نے اسے ایسے ساز و سامان اور وسائل مہیا کیے، جن سے کام لے کر اس نے فتوحات حاصل کیں، دشمنوں کا غرور خاک میں ملایا اور ظالم حکمرانوں کو نیست و نابود کیا۔

۲. دوسرے سبب کے معنی راستے کے کیے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے مزید وسائل تیار اور مہیا کیے، جس طرح اللہ کے پیدا کردہ لوہے سے مختلف قسم کے ہتھیار اور اسی طرح دیگر خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔

۳. عَيْنٌ سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔ حِمَّةٌ کچھڑ، دلدل، وَجَدَ (پایا) یعنی دیکھا یا محسوس کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین جب مغربی جہت میں ملک پر ملک فتح کرتا ہوا، اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں آخری آبادی تھی وہاں گدلے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو نیچے سے سیاہ معلوم ہوتا تھا اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سورج اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ ساحل سمندر سے یا دور سے، جس کے آگے حد نظر تک کچھ نہ ہو، غروب شمس کا نظارہ کرنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں یا زمین میں ڈوب رہا ہے حالانکہ وہ اپنے مقام آسمان پر ہی ہوتا ہے۔

۴. قُلْنَا (ہم نے کہا) بذریعہ وحی، اسی سے بعض علماء نے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور جو ان کی نبوت کے قائل

فِيهِمْ حُصْنًا ۝

قَالَ اَتَاَمَنْنَ ظَلَمَ سَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا ثَكْرًا ۝

وَاتَّامَنَّا اَمِنْ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاءُ الْحُسْنٰى
وَسَنُقَوِّلُ لَهُ مِنْ اَمْرِنَا نَصْرًا ۝

ثُمَّ اتَّخَذَ سَبِيلًا ۝

حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجْهَهَا نَظَّلْنَا عَلٰى قَوْمٍ
لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُونِهَا سَبِيلًا ۝

كَذٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

ثُمَّ اتَّخَذَ سَبِيلًا ۝

اے ذوالقرنین! یا تو تو انہیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے۔^(۱)

۸۷. اس نے کہا کہ جو ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی اب سزا دیں گے،^(۲) پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے سخت تر عذاب دے گا۔

۸۸. اور ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لیے تو بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کا حکم دیں گے۔

۸۹. پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا۔^(۳)

۹۰. یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ پہنچا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لیے ہم نے اس سے اور کوئی اوٹ نہیں بنائی۔^(۴)

۹۱. واقعہ ایسا ہی ہے اور ہم نے اس کے پاس کی کل خبروں کا احاطہ کر رکھا ہے۔^(۵)

۹۲. وہ پھر ایک سفر کے سامان میں لگا۔^(۶)

نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے پیغمبر کے ذریعے سے ہم نے اس سے کہا۔

۱. یعنی ہم نے اس قوم پر غلبہ دے کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اسے قتل کرے اور قیدی بنالے یا فدیہ لے کر یا بطور احسان چھوڑ دے۔

۲. یعنی جو کفر و شرک پر ہمارے گا، اسے ہم سزا دیں گے یعنی پچھلی غلطیوں پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

۳. یعنی اب مغرب سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا۔

۴. یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو مشرقی جانب کی آخری آبادی تھی، اسی کو مطلع الشمس کہا گیا ہے۔ جہاں اس نے ایسی قوم دیکھی جو مکانوں میں رہنے کے بجائے میدانوں اور صحراؤں میں بسہرا کیے ہوئے، لباس سے بھی آزاد تھی۔ یہ مطلب ہے ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ اور اوٹ نہیں تھی۔ سورج ان کے ننگے جسموں پر طلوع ہوتا۔

۵. یعنی ذوالقرنین کی بابت ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اسی طرح ہے کہ پہلے وہ منتہائے مغرب اور پھر منتہائے مشرق میں پہنچا اور ہمیں اس کی تمام صلاحیتوں، اسباب و وسائل اور دیگر تمام باتوں کا پورا علم ہے۔

۶. یعنی اب اس کا رخ کسی اور طرف کو ہو گیا۔

۹۳. یہاں تک کہ جب دو دیواروں^(۱) کے درمیان پہنچا ان دونوں کے پرے اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔^(۲)

۹۴. انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! ^(۳) یا جوج و ما جوج اس ملک میں (بڑے بھاری) فساد ہیں، ^(۴) تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں۔

۹۵. اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو دے رکھا ہے وہی بہتر ہے، تم صرف قوت^(۵) طاقت سے میری مدد کرو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان بند بنا دیتا ہوں۔

۹۶. مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار برابر کر دی^(۶) تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تا وقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا، تو فرمایا میرے پاس لاؤ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں۔^(۷)

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝۹۳

قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يٰجُوجَ وَمَاجُوجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ جَعَلْ لَّكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝۹۴

قَالَ مَا مَكْنٰى فِىْ رِىِّ حَصْرًا عِندُوْنِ بِتَوْفِىٍّ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝۹۵

اَتُوْنِ بِرُءُوسٍ حَدِيْدٍ ۝۹۶ اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ اَنْفُخُوْا حَتّٰى اِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اَتُوْنِ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قَطْرًا ۝۹۷

۱. اس سے مراد دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے، ان کے درمیان کھائی تھی، جس سے یا جوج و ما جوج ادھر آبادی میں آجاتے اور اودھم مچاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔

۲. یعنی اپنی زبان کے سوا کسی اور کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔

۳. ذوالقرنین سے یہ خطاب یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوا ہو گا یا اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی اسباب و وسائل مہیا فرمائے تھے، انہی میں مختلف زبانوں کا علم بھی ہو سکتا ہے اور یوں یہ خطاب براہ راست بھی ہو سکتا ہے۔

۴. یا جوج و ما جوج یہ دو قومیں ہیں اور حدیث صحیح کے مطابق نسل انسانی میں سے ہیں اور ان کی تعداد، دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی اور انہی سے جہنم زیادہ بھرے گی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الحج والرقاق، باب إن زلزلة الساعة شيء عظيم، ومسلم، كتاب الإيمان، باب قوله يقول الله لا دم أخرج بعث النار)

۵. قوت سے مراد یعنی تم مجھے تعیراتی سامان اور رجال کار مہیا کرو۔

۶. بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ یعنی دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان جو خلا تھا، اسے لوہے کی چھوٹی چھوٹی چادروں سے پر کر دیا۔ ۷. قَطْرًا پگھلا ہوا سسہ، یا لوہا یا تانبا یعنی لوہے کی چادروں کو خوب گرم کر کے ان پر پگھلا ہوا لوہا، تانبا یا سسہ ڈالنے سے وہ

۹۷۔ پس تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔

۹۸۔ کہا یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے، ہاں جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین بوس کر دے گا،^(۱) بیشک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے۔

۹۹۔ اور اس دن ہم انہیں آپس میں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے۔

۱۰۰۔ اور اس دن ہم جہنم کو (بھی) کافروں کے سامنے لاکھڑا کر دیں گے۔

فَمَا اسْطَاعُوا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهُ
نُفْبًا ۝

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّيْ ۚ اِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّيْ
جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝

وَنُرَكِّبُهُمْ يَوْمَئِذٍ بُحُوْرًا فِىْ بَعْضٍ وَنُفْعَةٍ
فِى الصُّوْرِ فَنُجَعِّهُمُ جَمْعًا ۝

وَعَرْضًا نَجْعُهُمْ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا ۝

پہاڑی درہ یا راستہ ایسا مضبوط ہو گیا کہ اسے عبور کر کے یا توڑ کر یا جوج وماجوج کا ادھر دوسری انسانی آبادیوں میں آنا ناممکن ہو گیا۔
۱۔ یعنی یہ دیوار اگرچہ بڑی مضبوط بنادی گئی جس کے اوپر چڑھ کر یا اس میں سوراخ کر کے یا جوج وماجوج کا ادھر آنا ممکن نہیں ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا، تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دے گا، اس وعدے سے مراد قیامت کے قریب یا جوج وماجوج کا ظہور ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس دیوار میں تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا (صحیح البخاری: ۳۳۳۹، ومسلم: ۲۲۰۸) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ وہ ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں اور پھر کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جب اللہ کی مشیت ان کے خروج کی ہوگی تو پھر وہ کہیں گے کل ان شاء اللہ اس کو کھودیں گے اور پھر دوسرے دن وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلانے کے حتیٰ کہ لوگ قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے جو خون آلود لوٹیں گے، بالآخر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں پر ایسا کیرا پیدا فرمادے گا جس سے ان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ (مسند أحمد: ۵۱۱/۱۲، جامع ترمذی: ۳۱۵۳، والأحادیث الصحیحة للألبانی: ۱۷۳۵) صحیح مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ یا جوج وماجوج کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا، (کتاب الفتن وأشراف الساعة، باب ذکر الدجال) جس سے ان حضرات کی تردید ہو جاتی ہے، جو کہتے ہیں کہ تاتاریوں کا مسلمانوں پر حملہ، یا منگول ترک جن میں سے چنگیز بھی تھا یا روسی یا چینی قومیں یہی یا جوج وماجوج ہیں، جن کا ظہور ہو چکا۔ یا مغربی قومیں ان کا مصداق ہیں کہ پوری دنیا میں ان کا غلبہ و تسلط ہے۔ یہ سب باتیں غلط ہیں کیوں کہ ان کے غلبے سے سیاسی غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ قتل و غارت گری اور شر و فساد کا وہ عارضی غلبہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہوگی، تاہم پھر وہائی مرض سے سب کے سب آن واحد میں لقمہ اجل بن جائیں گے۔

۱۰۱۔ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور (امحق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔

۱۰۲۔ کیا کافر یہ خیال کیے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔^(۱)

۱۰۳۔ کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمہیں بتا دوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟
۱۰۴۔ وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔^(۲)

۱۰۵۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا،^(۳) اس لیے ان کے اعمال غارت ہو گئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی

لَا الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاٍ عَنْ ذِكْرِيْ
وَكَانُوا لَا يَسْمَعُوْنَ سَمْعًا ۝

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ
دُوْنِ اَوْلِيَآءِ اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ نُزُلًا ۝

قُلْ هَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا الْاٰخِرِيْنَ اَعْمَالًا ۝

الَّذِيْنَ ضَلَّ سَبِيْلُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ
يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ ۝

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاہِمْ
فَحَبَّطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وِزْرًا ۝

۱۔ حَسِبَ، بمعنی ظَنَّ ہے اور عِبَادِي (میرے بندوں) سے مراد، ملائکہ، مسیح عَلَیْہِ السَّلَام اور دیگر صالحین ہیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیاطین و جنات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور استغناء زبر و توخ کے لیے ہے۔ یعنی غیر اللہ کے یہ بچاری کیا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر اور میرے بندوں کی عبادت کر کے ان کی حمایت سے میرے عذاب سے بچ جائیں گے؟ یہ ناممکن ہے، ہم نے تو ان کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں جانے سے وہ بندے ان کو نہیں روک سکیں گے جن کی یہ عبادت کرتے اور ان کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں۔

۲۔ یعنی ان کے اعمال اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں، لیکن وہ بزعیم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس سے مراد کون ہیں؟ بعض کہتے ہیں، یہود و نصاریٰ ہیں، بعض کہتے ہیں خوارج اور دیگر اہل بدعت ہیں، بعض کہتے ہیں کہ مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ آیت عام ہے جس میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر مذکورہ صفات ہوں گی۔ آگے ایسے ہی لوگوں کی بابت مزید وعیدیں بیان کی جارہی ہیں۔

۳۔ رب کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات تشریحی ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں نازل کیں اور پیغمبروں نے ان کی تبلیغ و توضیح کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی اور دوبارہ جی اٹھنے سے انکار ہے۔

وزن قائم نہ کریں گے۔^(۱)

۱۰۶۔ حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں اڑایا۔

۱۰۷۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لیے الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔^(۲)

۱۰۸۔ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہوگا۔^(۳)

۱۰۹۔ کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے^(۴) لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔

ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا الْآيَاتِ
وَرُسُلِي هُزُوًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ
لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدًّا لَكَلَّمْتُ رَبِّي لَقَوْلًا
مَّبْرُورًا ۝

۱۔ یعنی ہمارے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کریں گے کہ جس میں ان کے اعمال تولے جائیں، اس لیے کہ اعمال تو ان موحدین کے تولے جائیں گے جن کے نامہ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی، جب کہ ان کے نامہ اعمال، حسنت سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ (قیامت کے دن موٹا تازہ آدمی آئے گا، اللہ کے ہاں اس کا اتنا بھی وزن نہیں ہوگا جتنا پتھر کے پر کا ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی)۔ (صحیح بخاری، سورۃ الکہف)

۲۔ جنت الفردوس، جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ، (جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ حصہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں)۔ (صحیح البخاری کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

۳۔ یعنی اہل جنت، جنت اور اس کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتائیں گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کریں۔

۴۔ کَلِمَاتٌ سے مراد، اللہ تعالیٰ کا علم محیط، اس کی حکمتیں اور وہ دلائل وبراہین ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں۔ انسانی عقلیں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ ان کے مثل اور بھی سمندر ہوں، وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، تب بھی قلم گھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی، لیکن رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں گی۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُ الْوَاحِدُ
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ
بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

۱۱۰. آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔^(۱) (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے،^(۲) تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت^(۳) میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

۱. اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

۲. البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحی الہی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن پر مرور ایام کی دبیز تہیں پڑی ہوئی تھیں یا ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے۔
۳. عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے۔ اور دوسرا، اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی حبط اعمال کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔



سورہ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور
چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو
بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. گھٹِیَص۔

گھٹِیَص ۱

۲. یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس
نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی تھی۔

ذَكَرْ حَمْدَ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝

۳. جب کہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی
تھی۔^(۲)

إِذْ نَادَى رَبَّهُ يَدَّعِيًّا ۝

۴. کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی
ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے،^(۳) لیکن
میں کبھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔^(۴)

قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ
شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝

۵. اور مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر
ہے،^(۵) میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَأْيِكَ وَكَانَتِ امْرَأَتِي
عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝

☆ ہجرت حبشہ کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور اس کے مصاحبین اور امراء کے سامنے جب
حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا تو ان سب کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں
اور نجاشی نے کہا کہ یہ قرآن اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) جو لے کر آئے ہیں، یہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں۔ (بخاری)

۱. حضرت زکریا (علیہ السلام)، انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ بڑھتی تھے اور یہی پیشہ ان کا ذریعہ آمدنی تھا۔ (صحیح مسلم،
باب من فضائل زکریا علیہ السلام)

۲. خفیہ دعا اس لیے کی کہ ایک تو یہ اللہ کو زیادہ پسند ہے کیوں کہ اس میں تضرع و انابت اور خشوع و خضوع زیادہ ہوتا
ہے۔ دوسرا لوگ انہیں بیوقوف نہ قرار دیں کہ یہ بڑھا اب بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے جب کہ اولاد کے تمام ظاہری
امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

۳. یعنی جس طرح لکڑی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح میرا سر بالوں کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے مراد ضعف
وکبر (بڑھاپے) کا اظہار ہے۔

۴. اور اسی لیے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود تجھ سے اولاد مانگ رہا ہوں۔

۵. اس ڈر سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری مسند وعظ وارشاد نہیں سنبھالے گا تو میرے قرابت داروں

سے (۱) وارث عطا فرما۔

۶. جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنالے۔

۷. اے زکریا! (علیہ السلام) ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ (علیہ السلام) ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔ (۲)

۸. زکریا (علیہ السلام) کہنے لگے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ میری بیوی بانجھ اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔ (۳)

۹. ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا، تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جب کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔ (۴)

يٰۤاَيُّهَا زَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

قَالَ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ غُلَامٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا ۝ وَوَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هٰٓئِيْنٍ وَّوَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَاَلَمْ تَكُ سَمِيًّا ۝

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هٰٓئِيْنٍ وَّوَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَاَلَمْ تَكُ سَمِيًّا ۝

میں اور تو کوئی اس مسند کا اہل نہیں ہے۔ نتیجتاً میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے گریز و انحراف نہ اختیار کر لیں۔
۱. ”اپنے پاس سے“ کا مطلب یہی ہے کہ گو ظاہری اسباب اس کے ختم ہو چکے ہیں، لیکن تو اپنے فضل خاص سے مجھے اولاد سے نواز دے۔

۲. اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرمادیا۔

۳. عاقراً، اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو شروع سے ہی بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں ہی ہے۔ جو لکڑی سوکھ جائے، اسے عتیتاً کہتے ہیں۔ مراد بڑھاپے کا آخری درجہ ہے جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیوی تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں، اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ کا نام اشاع بنت فاقود بن میل ہے اور یہ حضرت حنہ (والدہ مریم) کی بہن ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ لگتا ہے کہ اشاع بھی حضرت عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حدیث صحیح سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

۴. فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب دور کرنے کے لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مینا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے مطابق یقیناً تجھے مینا ملے گا، اور یہ اللہ کے لیے قطعاً مشکل کام نہیں ہے کیوں کہ جب وہ تجھے نیست سے ہست کر سکتا ہے تو تجھے ظاہری اسباب سے ہٹ کر مینا بھی دے سکتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ اِنَّكَ اَكْرَمُ النَّاسِ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝

۱۰۔ کہنے لگے میرے پروردگار میرے لیے کوئی علامت مقرر فرمادے، ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔^(۱)

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝

۱۱۔ اب زکریا (علیہ السلام) اپنے حجرے^(۲) سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔^(۳)

يَجْعَلِيْ خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَّاَتَيْنٰهُ الْحَكْمَ صَبِيًّا ۝

۱۲۔ اے یحییٰ! (علیہ السلام) میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے^(۴) اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرمادی۔^(۵)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكُوَّةً وَّكَانَ تَقِيًّا ۝

۱۳۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی،^(۶) وہ پرہیزگار شخص تھا۔

وَرَبًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝

۱۴۔ اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا وہ

۱۔ راتوں سے مراد، دن اور رات ہیں اور سَوِيًّا کا مطلب ہے بالکل ٹھیک ٹھاک، تندرست، یعنی ایسی کوئی بیماری نہیں ہوگی جو تجھے بولنے سے روک دے۔ لیکن اس کے باوجود تیری زبان سے گفتگو نہ ہو سکے تو سمجھ لینا کہ خوش خبری کے دن قریب آگئے ہیں۔

۲۔ مِحْرَاب سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حَرْب سے ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔ گویا عبادت گاہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا ایسے ہے گویا وہ شیطان سے لڑ رہا ہے۔

۳۔ صبح و شام اللہ کی تسبیح سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دو وقتوں میں اللہ کی تسبیح و تحمید اور تنزیہ کا خصوصی اہتمام کرو۔

۴۔ یعنی اللہ نے حضرت زکریا (علیہ السلام) کو یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا اور جب وہ کچھ بڑا ہوا، گو ابھی بچہ ہی تھا، اسے اللہ نے کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے یعنی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ کتاب سے مراد تورات ہے یا ان پر مخصوص نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس کا اب ہمیں علم نہیں۔

۵۔ حُكْم سے مراد دانائی، عقل، شعور، کتاب میں درج احکام دینیہ کی سمجھ، علم و عمل کی جامعیت یا نبوت مراد ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ حکم میں یہ ساری ہی چیزیں داخل ہوں۔

۶۔ حَنَانًا، شفقت، مہربانی، یعنی ہم نے اس کو والدین اور اقرباء پر شفقت و مہربانی کرنے کا جذبہ اور اسے نفس کی آلائشوں اور گناہوں سے پاکیزگی و طہارت بھی عطا کی۔

سرکش اور گناہ گار نہ تھا۔^(۱)

۱۵. اور اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔^(۲)

۱۶. اور اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کر۔ جب کہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی جانب آئیں۔

۱۷. اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا،^(۳) پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔^(۴)

وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوتُ وَیَوْمَ
یُبْعَثُ حَیًّا ۝

وَإِذْ کُفِّرَ الْکِذِبَ مَرْیَمَ إِذْ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا
مَكَانًا شَرْوِیًّا ۝

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَیْهَا
رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ۝

۱. یعنی اپنے ماں باپ کی یا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں والدین کے لیے شفقت و محبت کا اور ان کی اطاعت و خدمت اور حسن سلوک کا جذبہ پیدا فرمادے تو یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے اور اس کے برعکس جذبہ یا رویہ، یہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

۲. تین مواقع انسان کے لیے سخت و حشت ناک ہوتے ہیں، (۱) جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے۔ (۲) جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ (۳) اور جب اسے قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے کو میدان محشر کی ہولناکیوں میں گھرا ہوا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تینوں جگہوں میں اس کے لیے ہماری طرف سے سلامتی اور امان ہے۔ بعض اہل بدعت اس آیت سے یوم ولادت پر ”عید میلاد“ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ان سے پوچھے تو پھر یوم وفات پر ”عید وفات“ یا ”عید ممات“ بھی منانی ضرور ہوئی۔ کیوں کہ جس طرح یوم ولادت کے لیے ”سلام“ ہے یوم وفات کے لیے بھی سلام ہے۔ اگر محض لفظ ”سلام“ سے ”عید میلاد“ کا اثبات ممکن ہے تو پھر اسی لفظ سے ”عید وفات“ کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ لیکن یہاں وفات کی عید تو کجا، سرے سے وفات و ممات ہی کا انکار ہے۔ یعنی وفات نبوی ﷺ کا انکار کر کے نص قرآنی کا تو انکار کرتے ہی ہیں، خود اپنے استدلال کی رو سے بھی آیت کے ایک جز کو تو مانتے ہیں، اور اسی آیت کے دوسرے جز سے، ان ہی کے استدلال کی روشنی میں، جو ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار ہے۔ ﴿فَأَرْسَلْنَا بِبَعْضِ الْکِذِبِ وَتَكْفُرُوهِنَّ بِبَعْضِ﴾ (البقرة: ۸۵) (کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟)

۳. یہ علیحدگی اور حجاب (پردہ) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا تاکہ انہیں کوئی نہ دیکھے اور یکسوئی حاصل رہے یا طہارت حیض کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔

۴. رُوح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، جنہیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم کی طرف بھیجا گیا، حضرت مریم نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آگیا ہے تو ڈر گئیں کہ یہ بری نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں وہ نہیں ہوں جو تو گمان کر رہی ہے بلکہ تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے لڑکا عطا فرمائے گا، بعض قراءتوں میں لِيَهَبَ صِغَةً غَائِبَ ہے۔ متکلم کا صیغہ (جو موجودہ قراءت میں ہے) اس

قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ
تَقِیُّیَّ ۝

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ رَّبِّكَ لِاَهْبَ لَكَ عِلْمًا رَکِیًّا ۝

قَالَتْ اَنِّیْ یٰکُوْنُ لِیْ عِلْمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ
بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ۝

قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلٰی هٰیۡنٍ
وَلَنَجْعَلَنَّ لَیْلَۃَ لِّکَ اِلٰسٍ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ
اَمْرًا مَّقْضٰیًّا ۝

فَصَلَّیْتُهَا فَاَنْتَبَذْتُ بِهَا مَکَانًا قَصِیًّا ۝

۱۸. یہ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر
تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

۱۹. اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد
ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔

۲۰. کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے
تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔

۲۱. اس نے کہا بات تو یہی ہے، ^(۱) لیکن تیرے پروردگار
کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے ہم تو اسے
لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں گے ^(۲) اور اپنی خاص
رحمت، ^(۳) یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔ ^(۴)

۲۲. پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو
ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔

لیے بولا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن
اللہ ان کو حمل ٹھہر گیا تھا۔ اس لیے ہبہ کا انتساب اپنی طرف کر لیا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور
یہاں حکایۃ نقل ہوا ہو۔ اس اعتبار سے تقدیر کلام یوں ہوگی، اَرْسَلْنٰی، یَقُوْلُ لَکَ اَزْسَلْتُ رَسُوْلَیْ اِلَیْکَ لِاَهْبَ
لَکَ (ایسر التفاسیر) یعنی (اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ بتلانے
کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا)۔ اس طرح حذف اور تقدیر کلام قرآن میں کئی جگہ ہے۔
۱. یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ تجھے مرد سے مقاربت کا کوئی موقعہ نہیں ملا ہے، جائز طریقے سے نہ ناجائز طریقے سے۔ جب
کہ حمل کے لیے عادیہ ضروری ہے۔

۲. یعنی میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں، میرے لیے یہ بالکل آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرت تخلیق کے لیے نشانی
بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت کے بغیر، اور تمہاری ماں حوا کو صرف مرد
سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے جو تھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ
ہے صرف عورت کے بطن سے بغیر مرد کے پیدا کر دینا۔ ہم تخلیق کی چاروں صورتوں پر قادر ہیں۔

۳. اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ کی رحمت خاص ہے اور ان کے لیے بھی جو اس نبوت پر ایمان لائیں گے۔

۴. یہ اسی کلام کا تتمہ ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے نقل کیا ہے ”یعنی یہ اعجازی تخلیق“ تو اللہ کے علم اور
اس کی قدرت و مشیت میں مقدر ہے۔

فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ
يَكُونَنِي مِثْلَ قَبْلِ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا ۝

۲۳. پھر درد زہ اسے ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا،
بولی کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی
یاد سے بھی بھولی بسر ہو جاتی۔^(۱)

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِينَ قَدْ جَعَلَ
رَبُّكَ تَحْتَكَ سِرًّا ۝

۲۴. اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزرده خاطر
نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری
کر دیا ہے۔

وَهَزَى إِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ سُلُوطًا
عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۝

۲۵. اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے
سامنے تروتازہ کی کھجوریں گرا دے گا۔^(۲)

فَكُنْ وَأَسْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيَنَّ مِنَ
النَّاسِ أَحَدًا ففُورِي لِي نَذْرٌ لِلرَّحْمَنِ
صَوْمًا فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۝

۲۶. اب چین سے کھاپی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ،^(۳) اگر
تجھے کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہہ دینا^(۴) کہ میں نے اللہ
رحمن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص
سے بات نہ کروں گی۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْبِلًا قَالُوا يَبْرَأُ لَكَ قَدْ جُنِبَ
شَيْءٌ قَرِينًا ۝

۲۷. اب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم
کے پاس آئیں۔ سب کہنے لگے مریم تو نے بڑی بری
حرکت کی۔

۱. موت کی آرزو اس ڈر سے کی کہ میں بچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی، جب کہ میری بات کی
کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ وزاہدہ کے
طور پر ہے اور اس کے بعد لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی۔

۲. سَرِّيًا چھوٹی نہریا پانی کا چشمہ یعنی بطور کرامت اور خرق عادت، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاؤں تلے، پینے کے لیے
پانی کا اور کھانے کے لیے ایک سوکھے ہوئے درخت میں پکی ہوئی تازہ کھجوروں کا انتظام کر دیا۔ ندا دینے والے حضرت
جبرائیل (علیہ السلام) تھے، جنہوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور کہا جاتا ہے کہ سَرِّيًا بمعنی سردار ہے اور اس سے مراد
عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں اور انہی نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی تھی۔

۳. یعنی کھجوریں کھا، چشمے کا پانی پی اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

۴. یہ کہنا بھی اشارے سے تھا، زبان سے نہیں، علاوہ ازیں ان کے ہاں روزے کا مطلب ہی کھانے اور بولنے سے
پرہیز تھا۔

۲۸. اے ہارون کی بہن! ^(۱) نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔

۲۹. مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ سب کہنے لگے کہ لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟

۳۰. بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ ^(۲)

۳۱. اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے ^(۳) جہاں بھی میں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں۔

۳۲. اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے ^(۴) اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا۔ ^(۵)

يَا حَتَّٰهُمُ رُدُّوْا مَا كَانَ اَبُوْكُمْ اَمْرًا سَوْءًا وَّمَا كَانَتْ اُنْثٰى نَبِيًّا ۝

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِۦ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلْنِیْ الْكِتٰبَ وَجَعَلْنِیْ نَبِیًّا ۝

وَجَعَلْنِیْ مُبْرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝

وَبَرَّ اَبُو الدِّیْنِ وَكَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَدِیْقًا ۝

۱. ہارون سے مراد ممکن ہے ان کا کوئی رگ یا علاقہ بھائی ہو، یہ بھی ممکن ہے ہارون سے مراد ہارون رسول (برادر موسیٰ علیہ السلام) ہی ہوں اور عربوں کی طرح ان کی نسبت اخوت ہارون کی طرف کردی، جیسے کہا جاتا ہے یا اَخَاتِیْمِمْ! یا اَخَا الْعَرَبِ وغیرہ یا تقویٰ و پاکیزگی اور عبادت میں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح انہیں سمجھتے ہوئے، انہیں مثلیت اور مشابہت میں اخت ہارون کہا ہو، اس کی مثالیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔ (ایسر القاسم واہن کثیر)

۲. یعنی قضاء و قدر ہی میں اللہ نے میرے لیے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔

۳. اللہ کے دین میں ثابت قدم، یا ہر چیز میں زیادتی، علو اور کامیابی میرا مقدر ہے یا لوگوں کے لیے نافع، معلم خیر یا معروف کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔ (فتح القدیر)

۴. صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ایک اعجازی شان کی حامل ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح بَرَّ اَبُو الدِّیْنِ (ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا) کہتے، یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

۵. اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور قسمت میں بدبختی لکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی کے صیغوں میں کی ہے حالانکہ ان تمام باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا، کیوں کہ ابھی تو وہ شیر خوار بچے ہی تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے ایسے اٹل فیصلے تھے کہ گو ابھی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اسی طرح یقینی تھا۔ جس طرح ماضی کے گزرے ہوئے واقعات شک و شبہ سے بالا ہوتے ہیں۔

۳۳. اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے۔

۳۴. یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا، یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔^(۱)

۳۵. اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں، وہ تو بالکل پاک ذات ہے، وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔^(۲)

۳۶. اور بیشک میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔
۳۷. پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے،^(۳) پس کافروں کے لیے ”ویل“ ہے ایک بڑے (سخت) دن کی حاضری سے۔^(۴)

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝

ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُواهُ هَدًى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ قَوْلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

۱. یعنی یہ ہیں وہ صفات، جن سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) متصف تھے نہ کہ ان صفات کے حامل، جو نصاریٰ نے غلو کر کے ان کے بارے میں باور کرائیں اور نہ ایسے، جو یہودیوں نے تفریط و تنقیض سے کام لیتے ہوئے ان کی بابت کہا۔ اور یہی حق بات ہے جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔

۲. جس اللہ کی یہ شان اور قدرت ہو اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا کر دینا کون سا مشکل امر ہے۔ گویا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی اعجازی ولادت سے انکار کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت و طاقت کے منکر ہیں۔

۳. یہاں الأحزاب سے مراد اہل کتاب کے فرقے اور خود عیسائیوں کے فرقے ہیں۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ وہ جادوگر اور ولد الزنا، یعنی یوسف نجار کے بیٹے ہیں، نصاریٰ کے نسطوریہ (پروٹسٹنٹ) فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ ہیں، ملکیہ یا سلطانیہ (کیتھولک) فرقے نے کہا وہ ثالث ثلاثۃ (تین خداؤں میں سے تیسرے) ہیں اور تیسرے فرقے یعقوبیہ (آرتھوڈکس) نے کہا، وہ اللہ ہیں۔ پس یہودیوں نے تفریط اور تقصیر کی عیسائیوں نے افراط و غلو۔ (المر القایم، فتح اللہ)

۴. ان کافروں کے لیے جنہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اس طرح اختلاف اور افراط و تفریط کا ارتکاب کیا، قیامت

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُوتَنَّا لَكِن
الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِي
غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

لَا تَأْمَنُ رِثَةُ الْاَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا وَالْيَتَا
يُرْجَعُونَ ۝

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ كَانَ صَدِيقًا
نَبِيًّا ۝

۳۸. کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ
ہمارے سامنے حاضر ہوں گے،^(۱) لیکن آج تو یہ ظالم لوگ
صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

۳۹. اور تو انہیں اس رنج و افسوس کے دن^(۲) کا ڈر سنا دے
جبکہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا،^(۳) اور یہ لوگ غفلت اور
بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے۔

۴۰. خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم
ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے
جائیں گے۔

۴۱. اور اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر،
بیشک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔^(۴)

کے دن جب وہاں حاضر ہوں گے، ہلاکت ہے۔

۱. یہ تعجب کے صحنے ہیں یعنی دنیا میں تو یہ حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے رہے لیکن آخرت میں یہ کیا
خوب دیکھنے اور سننے والے ہوں گے؟ لیکن وہاں یہ دیکھنا سننا کس کام کا؟

۲. روز قیمت کو یوم حسرت کہا، اس لیے کہ اس روز سب ہی حسرت کریں گے۔ بدکار حسرت کریں گے کہ کاش انہوں
نے برائیاں نہ کی ہوتیں اور نیکو کار اس بات پر حسرت کریں گے کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کمائیں؟

۳. یعنی حساب کتاب کر کے صحیفہ پیٹ دیے جائیں گے اور جنتی جنت میں اور جہنمی، جہنم میں چلے جائیں گے۔ حدیث
میں آتا ہے کہ اس کے بعد موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا
جائے گا، جنتیوں اور دوزخیوں دونوں سے پوچھا جائے گا، اسے پہچانتے ہو، یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے، ہاں یہ موت ہے پھر
ان کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے اہل جنت! تمہارے لیے جنت کی زندگی ہمیشہ کے
لیے ہے، اب موت نہیں آئے گی۔ دوزخیوں سے کہا جائے گا، اے دوزخیو! تمہارے لیے یہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے،
اب موت نہیں آئے گی۔ (صحیح البخاری، سورۃ مریم، ومسلم، کتاب الجنة، باب النار یدخلها الجبارون۔)

۴. صَدِّیقٌ صِدْقٌ، (سچائی) سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت راست باز، یعنی جس کے قول و عمل میں مطابقت اور راست
بازی اس کا شعار ہو۔ صدیقیت کا یہ مقام، نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے ہر نبی اور رسول بھی اپنے وقت کا سب سے
بڑا راست باز اور صداقت شعار ہوتا ہے، اس لیے وہ صدیق بھی ہوتا ہے۔ تاہم ہر صدیق، نبی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم
میں حضرت مریم کو صدیقہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور راست بازی میں بہت اونچے مقام

اِذْ قَالَ لِاَيُّهَا يَابْتَ لِمَ فَعَيْدُنَا لَيْسَ مَعَهُ
وَلَا نُبَصِّرُ وَلَا نُبْصِرُ عَلَيْنَا ۖ فَاَلَيْسَ لَكَ

۴۲. جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اباجان! آپ
ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سین نہ دیکھیں؟
نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔

يَا بَتِّ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ
فَاتَّبِعْنِي اِهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝

۴۳. میرے مہربان باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا
ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں،^(۱) تو آپ میری ہی مانیں
میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا۔^(۲)

يَا بَتِّ اَلْعَبْدُ الشَّيْطَانُ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ
عَصِيًّا ۝

۴۴. میرے اباجان! آپ شیطان کی پرستش سے باز
آجائیں شیطان تو رحم و کرم والے اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی
نافرمان ہے۔^(۳)

يَا بَتِّ اِنِّي اَخَافُ اَنْ يَكْسَلَكَ عَذَابُ مِّنَ الرَّحْمٰنِ
فَتَكُوْنُ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

۴۵. ابا جان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر
کوئی عذاب الہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی
بن جائیں۔^(۴)

پر فائز تھیں تاہم نبیہ نہیں تھیں۔ امت محمدیہ میں بھی صدیقین ہیں۔ اور ان میں سرفہرست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
ہیں جو انبیاء کے بعد امت میں خیر البشر تسلیم کیے گئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ
۱. جس سے مجھے اللہ کی معرفت اور اس کا یقین حاصل ہوا، بعث بعد الموت اور غیر اللہ کے پجاریوں کے لیے دائمی عذاب
کا علم ہوا۔

۲. جو آپ کو سعادت ابدی اور نجات سے ہمکنار کر دے گی۔

۳. یعنی شیطان کے وسوسے اور اس کے بہکاوے سے آپ جو ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو سننے دیکھنے کی طاقت
رکھتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچانے کی قدرت، تو یہ دراصل شیطان ہی کی پرستش ہے۔ جو اللہ کا نافرمان ہے اور دوسروں کو
بھی اللہ کا نافرمان بنا کر ان کو اپنے جیسا ہی بنانے پر تلا رہتا ہے۔

۴. اگر آپ اپنے شرک و کفر پر باقی رہے اور اسی حال میں آپ کو موت آگئی، تو عذاب الہی سے آپ کو کوئی نہیں
بچا سکے گا یا دنیا میں ہی آپ عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر ہمیشہ کے لیے راندہ بارگاہ الہی ہو جائیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، نہایت شفقت اور پیار کے لہجے
میں باپ کو توحید کا وعظ سنایا۔ لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے، شرک کے لیے ناقابل
برداشت ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے
کو کہا کہ اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔

قَالَ اَلَيْسَ اَنْتَ عَنِ الْهَيْتِ يٰ اِبْرٰهِيْمُ لَنْ لَّمْ تَنْتَه
لَا حَمْلَ لَكَ وَ اَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْكَ

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَعْرِضُكَ رَبِّ
اِنَّهُ كَانَ فِيْ حَفِيًّا ۝

وَاَعَزَّ لَكُمْ وَمَا نَدَّ عُوْنٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا
رَبِّيْ عَسٰى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاۤءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

فَلَمَّا اَعَزَّ لَهُمْ وَمَا يَعْزُدُوْنَ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَهَبْنَا لَهُ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝

۳۶۔ اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! (عَلَيْهِ السَّلَام) کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے۔ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔^(۱)

۳۷۔ کہا اچھا تم پر سلام ہو،^(۲) میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا،^(۳) وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔

۳۸۔ اور میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔

۳۹۔ جب ابراہیم (عَلَيْهِ السَّلَام) ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب (عَلَيْهِمَا السَّلَام) عطا فرمائے،^(۴) اور دونوں کو نبی بنادیا۔

۱۔ مَلِيًّا، دراز مدت، ایک عرصہ۔ دوسرے معنی اس کے صحیح و سالم کے کیے گئے ہیں۔ یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوا لینا۔

۲۔ یہ سلام تحیہ نہیں ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرتا ہے بلکہ ترک مخاطبت کا اظہار ہے جیسے ﴿وَلَا تَخَاطَبُوْهُمْ﴾ (الفرقان: ۲۳) (جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے)۔ میں اہل ایمان اور بندگان الہی کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

۳۔ یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت ابراہیم (عَلَيْهِ السَّلَام) کو مشرک کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی ممانعت کا علم نہیں تھا، جب یہ علم ہوا تو آپ نے دعا کا سلسلہ موقوف کر دیا۔ (التوبة: ۱۱۳)

۴۔ حضرت یعقوب (عَلَيْهِ السَّلَام)، حضرت اسحاق (عَلَيْهِ السَّلَام) کے بیٹے یعنی حضرت ابراہیم (عَلَيْهِ السَّلَام) کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بھی بیٹے کے ساتھ اور بیٹے ہی کی طرح کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم (عَلَيْهِ السَّلَام) توحید الہی کی خاطر باپ کو، گھر کو اور اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر دیار قدس کی طرف ہجرت کر گئے، تو ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب (عَلَيْهِمَا السَّلَام) سے نوازا تاکہ ان کی انس و محبت، باپ کی جدائی کا صدمہ بھلا دے۔

۵۰. اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں^(۱) عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا۔^(۲)

۵۱. اور اس قرآن میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر بھی کر، جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا۔^(۳)

۵۲. اور ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔

۵۳. اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا۔

۵۴. اور اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی۔

وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيمًا ۝

وَإِذْ قُلْنَا لِلْكَتِبِ مُوسَى إِنَّكَ كَانَ مُخْصَّصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝

وَوَدَّيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝

وَوَهَبْنَا لَهُ مِمَّن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝

وَإِذْ قُلْنَا لِلْكَتِبِ إِسْمَاعِيلُ إِنَّكَ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝

۱. یعنی نبوت کے علاوہ بھی اور بہت سی رحمتیں ہم نے انہیں عطا کیں، مثلاً مال، مزید اولاد اور پھر اسی سلسلہ نسب میں عرصہ دراز تک نبوت کے سلسلے کو جاری رکھنا، یہ سب سے بڑی رحمت تھی، جو ان پر ہوئی۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء کہلاتے ہیں۔

۲. لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ثنائے حسن اور ذکر جمیل ہے۔ لسان کی اضافت، صدق کی طرف کی اور پھر اس کا وصف علو بیان کیا، جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ بندوں کی زبانوں پر جو ان کا ذکر جمیل رہتا ہے، تو وہ واقعی اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ تمام ادیان ساویہ کو ماننے والے بلکہ مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں اور نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ نبوت و اولاد کے بعد ایک اور انعام ہے جو ہجرت فی سبیل اللہ کی وجہ سے انہیں حاصل ہوا۔

۳. مُخْلَصٌ، مُصْطَفًی، مُجْتَبًی اور مُخْتَارٌ چاروں الفاظ کا مفہوم ایک ہے۔ یعنی رسالت و پیامبری کے لیے چنا ہوا، پسندیدہ شخص، رسول، بمعنی مرسل ہے (بھیجا ہوا) اور نبی کے معنی، اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا، یا وحی الہی کی خبر دینے والا، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ اللہ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چن لیتا ہے اور اسے اپنی وحی سے نوازتا ہے، اسے رسول اور نبی کہا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اہل علم میں ایک بحث یہ چلی آ رہی ہے کہ آیا ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ فرق کرنے والے بالعموم کہتے ہیں کہ صاحب شریعت یا صاحب کتاب کو رسول اور نبی کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبر کی کتاب یا شریعت کے مطابق ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا وہ صرف نبی ہے، رسول نہیں۔ تاہم قرآن کریم میں ان کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوا ہے اور بعض جگہ متقابل بھی آئے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحج آیت: ۵۲ میں۔

۵۵. اور وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا، اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول۔

۵۶. اور اس کتاب میں ادريس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر، وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا۔

۵۷. اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا۔^(۱)

۵۸. یہی وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں چڑھالیا تھا، اور اولاد ابراہیم و یعقوب (علیہما السلام) سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے۔ ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی تو یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑ گڑاتے گر پڑتے تھے۔^(۲)

۵۹. پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا۔^(۳)

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

وَأَذْكُرُ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَءِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝



فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَةَ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝

۱. حضرت ادريس علیہ السلام، کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے یا ان کے والد کے دادا تھے، انہوں نے ہی سب سے پہلے کپڑے سے، رفعت مکان سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ سمجھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انہیں بھی آسمان پر اٹھالیا گیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ اس مفہوم کے لیے صریح نہیں ہیں اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا۔ البتہ اسرائیلی روایات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہے جو اس مفہوم کے اثبات کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد مرتبت کی وہ بلندی ہے جو نبوت سے سرفراز کر کے انہیں عطا کی گئی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۲. گویا اللہ کی آیت کو سن کر رقت اور ہکا کی کیفیت کا طاری ہو جانا اور عظمت الہی کے آگے سجدہ ریز ہو جانا، بندگان الہی کی خاص علامت ہے۔ سجدہ تلاوت کی مسنون دعا یہ ہے «سَجْدًا وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَنِي، وَصَوْرُهُ، وَسَمِّيَ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ» (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، بحوالہ مشکوٰۃ، باب سجود القرآن) بعض روایات میں اضافہ ہے۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (عون المعبود: ج ۱، ص ۵۳۳)

۳. انعام یافتہ بندگان الہی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو ان کے برعکس اللہ کے احکام سے

۶۰. ہجران کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔^(۱)

۶۱. ہمیشگی والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ^(۲) اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے۔

۶۲. وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں گے،^(۳) ان کے لیے وہاں صبح و شام ان کا رزق ہوگا۔^(۴)

۶۳. یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا صَالِحًا ۖ وَلِلَّهِ يَخْلُقُونَ الْجَنَّةَ وَلَآ يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۖ

جَذَبَ عَدْنُ لَآكِنِّي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ ۖ بِالْغَيْبِ ۖ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا ۖ

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا ۖ وَلَا سُلْهًا ۖ وَلَا هُمْ يَرْثُوهَا فِيهَا بُكَوَّةٌ وَعَشِيرَةٌ ۖ

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۖ

غفلت و اعراض کرنے والے ہیں۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو بالکل نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو ضائع کرنا ہے یعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا، نماز پڑھ لی، یا بلا عذر اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو، کبھی چار، کبھی ایک اور کبھی پانچوں نمازیں۔ یہ بھی تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں جس کا مرتکب سخت گناہ گار اور آیت میں بیان کردہ وعید کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ غیثا کے معنی ہلاکت، انجام بد کے ہیں یا جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

۱. یعنی جو توبہ کر کے ترک صلوٰۃ اور اتباع شہوات سے باز آجائیں اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کر لیں تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بد سے محفوظ اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

۲. یعنی یہ ان کے ایمان و یقین کی پختگی ہے کہ انہوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں، صرف اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی اس کے حصول کے لیے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔

۳. یعنی فرشتے بھی انہیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کریں گے۔

۴. حدیث میں ہے ”جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور نہ بول و براز۔ ان کے برتن کنکلیاں سونے کی ہوں گی، ان کا بخور، خوشبودار (لکڑی) ہوگی۔ ان کا پسینہ کستوری (کی طرح) ہوگا۔ ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی، ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔ ان میں باہم بغض اور اختلاف نہیں ہوگا، ان کے دل، ایک دل کی طرح ہوں گے، صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے۔“ (صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وأهلها)

۶۴. اور ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے،^(۱) ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں، تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں۔

۶۵. آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا۔ کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پہلے کوئی اور بھی ہے؟^(۲)

۶۶. اور انسان کہتا ہے^(۳) کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟^(۴)

۶۷. کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔^(۵)

۶۸. تیرے پروردگار کی قسم! ہم انہیں اور شیطانوں کو جمع کر کے ضرور ضرور جہنم کے ارد گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کر دیں گے۔^(۶)

وَمَا نَتَّزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝

وَيَقُولُ ٱلْإِنسَٰنُ إِذَا مَاتَ لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا ۝

أَوَلَا يَذْكُرُ ٱلْإِنسَٰنُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمُ ٱلشَّيْطَٰنَ ثُمَّ لَنَنْحَضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝

۱. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ اور جلدی جلدی ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، جس پر یہ آیت اتری۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ مریم)

۲. یعنی نہیں ہے، جب اس کے مثل کوئی اور نہیں تو پھر عبادت بھی کسی اور کی جائز نہیں۔

۳. انسان سے مراد یہاں کافر بحیثیت جنس کے ہے، جو قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں۔

۴. استنبہام، انکار کے لیے ہے۔ یعنی جب میں بوسیدہ اور مٹی میں رل مل جاؤں گا، تو مجھے دوبارہ کس طرح نیا وجود عطا کر دیا جائے گا؟ یعنی ایسا ممکن نہیں۔

۵. اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے ہم نے انسان کو پیدا کر دیا، تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیوں کر مشکل ہو گا؟ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ اسے پیدا کرنا؟ انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اسے خدا فراموش بنا دیا ہے۔

۶. جِثِيًّا، جَاث کی جمع ہے جَثًّا یَجْثُو سے۔ جَاثِ گھٹنوں کے بل گرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حال ہے۔ یعنی ہم دوبارہ انہیں کو نہیں بلکہ ان شیطانوں کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ پھر ہم ان سب کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ مشرک کی ہولناکیوں اور حساب کے خوف سے

لَمْ لَنُؤَخِّنْ مِنْ كُلِّ شَيْعَةٍ اِيَّاهُمْ اَشَدُّ عَلَى
الْبَرِّحَنِ عِتْيَا ⑤

لَمْ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ اَوَّلِيْهَا صِلِيَّا ⑥

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَاَرْدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا
مَّقْضِيًّا ⑦

لَمْ تُنَبِّحِي الَّذِيْنَ اَقْبَوْا وَذُرِّ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا
حِثِّيًّا ⑧

۶۹. پھر ہم ہر ہر گروہ سے انہیں الگ نکال کھڑا کریں گے
جو اللہ رحمن سے بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے۔^(۱)

۷۰. پھر ہم انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو جہنم کے
داخلے کے زیادہ سزاوار ہیں۔^(۲)

۷۱. اور تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے،
یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی، فیصل شدہ امر ہے۔

۷۲. پھر ہم پرہیز گاروں کو تو بچالیں گے اور نافرمانوں کو
اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔^(۳)

گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ اس کے لائق نہیں۔ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے حالاں کہ اسے یہ زہب نہیں دیتا۔ اس کا میری تکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ میری بابت یہ کہتا ہے کہ اللہ ہرگز مجھے اس طرح دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا حالاں کہ میرے لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں (یعنی مشکل اگر ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہے نہ کہ دوسری مرتبہ) اور اس کا مجھے ایذا پہنچانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میری اولاد ہے، حالاں کہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں ہے)۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اخلاص)

۱. عِتْيَا، بھی عَتَا، يَعْتُوْ سَعَاتِ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں بہت سرکش اور متمرّد۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گمراہ فرقے کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو ہم الگ کر لیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیں گے۔ کیوں کہ یہ قاندرین دوسرے جہنمیوں کے مقابلے میں سزا و عقوبت کے زیادہ سزاوار ہیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

۲. صِلِيًّا، مصدر سَمِعَ ہے صَلَّى يَصْلِيْ کا، معنی ہیں داخل ہونا۔ یعنی جہنم میں داخل ہونے اور اس میں جلنے کے کون زیادہ مستحق ہیں، ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

۳. اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا، جس میں سے ہر مومن و کافر کو گزرنا ہوگا۔ مومن تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواروں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم پل عبور کر لیں گے کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا۔ لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ (جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی، مگر صرف قسم حلال کرنے کے لیے) (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، و مسلم کتاب البر) یہ قسم وہی ہے جسے اس آیت میں حَتْمًا مَّقْضِيًّا

۴۳۔ اور جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ اور کس کی مجلس شاندار ہے؟^(۱)

۴۴۔ اور ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو سازو سامان اور نام و نمود میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔^(۲)

۴۵۔ کہہ دیجیے جو گمراہی میں ہو تو اللہ رحمن اس کو خوب لمبی مہلت دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں جن کا وعدہ کیے جاتے ہیں یعنی عذاب یا قیامت کو، اس وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون برے مرتبے والا اور کس کا جھٹھا کمزور ہے۔^(۳)

وَإِذْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِمُ الْبُيُوتَاتِ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَلَيْسَ الْفِرْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدْبًا ۝

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَا ۝

قُلْ مَن كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُهِدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّٰٓةً حَتَّىٰ إِذَا رَاوَا يُوْعَدُونَ إِلَّا الْعَذَابُ وَإِنَّا السَّاعَةَ فَيُعْلَمُونَ مَن هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝

(قطعی فیصل شدہ امر) کہا گیا ہے۔ یعنی اس کا ورود جہنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہو گا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ابن کثیر والبرہ النفاہیر)

۱۔ یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار مکہ فقراء مسلمین اور اغنیائے قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانات کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں، کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقیر لوگ ہیں، ان کا دار الشوریٰ دار ارقم ہے۔ جب کہ کافروں میں ابو جہل، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ وغیرہ جیسے رئیس اور ان کی عالی شان کوٹھیاں اور مکانات ہیں، ان کی اجتماع گاہ (دار الندوہ) بہت عمدہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر فخر و ناز کیا جائے، یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس تھیں، لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا، دنیا کا یہ مال و اسباب انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

۳۔ علاوہ ازیں یہ چیزیں گمراہوں اور کافروں کو مہلت کے طور پر بھی ملتی ہیں، اس لیے یہ کوئی معیار نہیں۔ اصل اچھے برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا، جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی اور اللہ کا عذاب انہیں آگھرے گا یا قیامت برپا ہو جائے گی۔ لیکن اس وقت کا علم، کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیوں کہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

وَزَيِّنَا لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لَبِقِيٍّ
الضَّلِيلَةِ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

۷۶. اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھاتا ہے، ^(۱) اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں۔ ^(۲)

اَقْرَبَتْ اِلَیَّ الَّذِیْ لَعَنَّا وَقَالَ لَوَدَتَّیْنِ
مَا لَوْوَلَدْتُ ۝

۷۷. کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ہی دی جائے گی۔

اَظْلَمَ الْغِیْبُ اَمْ اَتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝

۷۸. کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟

كَلَّا لَنَسْأَلَنَّهُ مَا یَقُولُ وَنَعْلَمُ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ
مِمَّا لَمْ یَكُنْ یَعْلَمُ ۝

۷۹. ہرگز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے، اور اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔

وَنَرٰی مِنْهُ مَا یَقُولُ وَیَآتِنَا نَزْرًا ۝

۸۰. اور یہ جن چیزوں کو کہہ رہا ہے اسے ہم اس کے بعد لے لیں گے۔ اور یہ تو بالکل اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہو گا۔ ^(۳)

۱. اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن ہے، جن کے دلوں میں کفر و شرک اور ضلالت کا روگ ہے، ان کی شقاوت و ضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان و ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔
۲. اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار و مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں، وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو، یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمہیں اپنے رب کے ہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمہاری طرف لوٹے گا۔

۳. ان آیات کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا والد عاص بن وائل - جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔ اس کے ذمے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا قرضہ تھا جو آہن گری کا کام کرتے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہیں کرے گا، میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام تو تو مرکر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا، اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کروں گا (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القین والحداد، وتفسیر سورة مريم، مسلم، صفة القيامة، باب سؤال اليهود عن الروح) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف تعلیٰ اور آیات الہی کا استہزاء و تمسخر ہے، یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں یعنی مرنے کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے

۸۱. اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے لیے باعث عزت ہوں۔

۸۲. لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں۔ وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے، اور اٹھے ان کے دشمن بن جائیں گے۔^(۱)

۸۳. کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس شیطانوں کو بھیجتے ہیں جو انہیں خوب اکساتے ہیں۔^(۲)

۸۴. تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر، ہم تو خود ہی ان کے لیے مدت شاری کر رہے ہیں۔^(۳)

۸۵. جس دن ہم پر ہیزگاروں کو اللہ رحمان کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے۔

۸۶. اور گناہ گاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف بانک لے جائیں گے۔^(۴)

۸۷. کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے ان کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قول و قرار لے لیا ہے۔^(۵)

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۖ

كَذَٰلِكَ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۖ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْأَسْوَءَ لِلشَّيْطَانِ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَهُّمًا ۚ

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعِدُكُمْ عَمَّا ۖ

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۖ

وَالسَّوْءُ الْمَجْرُمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَفْدًا ۖ

لَا يَسْأَلُونَكَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا الَّذِينَ اتَّخَذُوا عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ

گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا، نہ مال ساتھ ہوگا نہ اولاد اور نہ کوئی حقتہ، البتہ عذاب ہوگا جو اس کے لیے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے لیے ہم بڑھاتے رہیں گے۔

۱. عِزًّا کا مطلب ہے یہ معبود ان کے لیے عزت کا باعث اور مددگار ہوں گے اور ضِدًّا کے معنی ہیں، دشمن، جھٹلانے والے اور ان کے خلاف دوسروں کے مددگار۔ یعنی یہ معبود ان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کے بجائے، ان کے دشمن، ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف ہوں گے۔

۲. یعنی گمراہ کرتے، بہکاتے اور معصیت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

۳. اور جب وہ مہلت ختم ہو جائے گی تو عذاب الہی کے مورد بن جائیں گے۔ آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴. وَفْدًا، وَافِدًا کی جمع ہے جیسے رَكْبٌ، رَاكِبٌ کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ انہیں اونٹوں، گھوڑوں پر سوار کرا کے نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ وَفْدًا کے معنی پیاسے۔ اس کے برعکس مجرمین کو بھوکا پیاسا جہنم میں بانک دیا جائے گا۔

۵. قول و قرار (عہد) کا مطلب ایمان و تقویٰ ہے۔ یعنی اہل ایمان و تقویٰ میں سے جن کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا ۙ

نَكَذَّ السَّمَوَاتُ يَنْفَطَرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ اِلْاَرْضُ وَخِزُّ
الْجِبَالِ هَكَذَا ۙ

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۙ

وَمَا يَتَّبِعُ لِلرَّحْمَنِ اتِّخَذَ وَلَدًا ۙ

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اِلٰهِي الرَّحْمَنِ
عَبْدًا ۙ

لَقَدْ اَحْصَاهُمْ وَعَدَاهُمْ عَدًّا ۙ

وَكُلُّهُمْ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَرْدًا ۙ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ سَيَجْعَلُ
لَهُمُ الرَّحْمَنُ وِثْدًا ۙ

۸۸. اور ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمن نے بھی اولاد
اختیار کی ہے۔

۸۹. یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔

۹۰. قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ
جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

۹۱. کہ وہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے۔^(۱)

۹۲. اور شان رحمن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔

۹۳. آسمانوں و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ
کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔^(۲)

۹۴. ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری
طرح گن بھی رکھا ہے۔^(۳)

۹۵. اور یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس
کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔^(۴)

۹۶. بیشک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ
اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمن محبت پیدا

دے گا، وہی شفاعت کریں گے، ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔

۱. اِذَا کے معنی بہت بھیانک معاملہ اور ذاہیۃ (بھاری چیز اور بڑی مصیبت) کے ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ
اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے آسمان و زمین پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔

۲. جب سب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ اس کے لائق بھی
نہیں ہے۔

۳. یعنی آدم سے لے کر صبح قیامت تک جتنے بھی انسان، جن ہیں، سب کو اس نے گن رکھا ہے، سب اس کے قابو اور
گرفت میں ہیں، کوئی اس سے مخفی ہے نہ مخفی رہ ہی سکتا ہے۔

۴. یعنی کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوگا، نہ مال ہی وہاں کچھ کام آئے گا۔ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ﴾ (الشعراء: ۸۸) (اس دن
نہ مال نفع دے گا، نہ بیٹے) ہر شخص کو تنہا اپنا اپنا حساب دینا پڑے گا اور جن کی بابت انسان دنیا میں یہ سمجھتا ہے کہ
یہ میرے وہاں حمایتی اور مددگار ہوں گے، وہاں سب غائب ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے حاضر نہیں ہوگا۔

کردے گا۔^(۱)

۹۷. ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے^(۲) کہ تو اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو^(۳) لوگوں کو ڈرا دے۔

۹۸. اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں، کیا تو ان میں سے ایک کی بھی آہٹ پاتا ہے یا ان کی آواز کی جھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے؟^(۴)

فَالْمَايَنَّا لِيَبْلِغَنَّكَ لِيُتَشْرِيبَهُ الْمُنْتَقِينَ
وَنُنْزِلُ بِهِ قَوْمًا لَّدَا ۝

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ يُخَشُّ مِنْهُمْ
مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

۱. یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے (جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ جبرائیل علیہ السلام کو کہتا ہے، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنی شروع کر دیتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے)۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب المقت من اللہ تعالیٰ)

۲. قرآن کو آسان کرنے کا مطلب اس زبان میں اتارنا ہے جس کو پیغمبر جانتا تھا یعنی عربی زبان میں، پھر اس کے مضمون کا کھلا ہوا، واضح اور صاف ہونا ہے۔

۳. لُدَّا، (اَلَّذِیْ جَعَلَ) کے معنی جھگڑالو کے ہیں مراد کفار و مشرکین ہیں۔

۴. احساس کے معنی ہیں اِلِدْرَاکُ بِالْحِسِّ حس کے ذریعے سے ادراک حاصل کرنا۔ یعنی کیا تو ان کو آنکھوں سے دیکھ سکتا یا ہاتھوں سے چھو سکتا ہے؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ان کا وجود ہی دنیا میں نہیں ہے کہ تو انہیں دیکھ یا چھو سکے رِکْزُ صوت خفی کو کہتے ہیں یا ان کی ہلکی سی آواز ہی تجھے کہیں سے سنائی دے سکے۔

سورہ لہٰکلی ہے اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طہ ۱

مَا تَزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ۝

۱. طہ۔
۲. ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے۔^(۱)

۳. بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔
۴. اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ كَرَامَةً لِّمَنِ يَخْشَىٰ ۝
تَنْزِيلًا لِّمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَىٰ ۝

۵. جو رحمن ہے، عرش پر قائم ہے۔^(۲)
۶. جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان اور (کرہ خاک) کے نیچے کی ہر ایک چیز پر ہے۔^(۳)

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝
لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا
وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝

۷. اور اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ، بلکہ

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۝

☆ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ بعض تاریخ و سیر کی روایات میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں سورہ طہ کا سننا اور اس سے متاثر ہونا بھی مذکور ہے۔ (فتح القدیر)

۱. اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے نہیں اتارا کہ تو ان کے کفر پر فرط تأسف اور ان کے عدم ایمان پر حسرت سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لے اور غم میں پڑ جائے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاقِعٌ مِّنْ نَّفْسِكَ عَلَىٰ نَارِهِمْ اِنَّهُمْ يُؤْمِنُونَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ اَسَفًا﴾ (الکہف: ۶) (پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے) بلکہ ہم نے تو قرآن کو نصیحت اور یاد دہانی کے لیے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں ہماری توحید کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے، واضح اور نمایاں ہو جائے۔ گویا یہاں شقاء عناء اور تعب کے معنی میں ہے یعنی تکلیف اور تھکاوٹ۔

۲. بغیر کسی حد بندی اور کیفیت بیان کرنے کے، جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے، لیکن کس طرح اور کیسے؟ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔

۳. سِرِّی کے معنی ہیں اسفل السافلین یعنی زمین کا سب سے نچلا حصہ۔

پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۱)

۸. وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں۔^(۲)

۹. اور کیا تجھے موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ بھی معلوم ہے؟

۱۰. جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں۔^(۳)

۱۱. جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی اے موسیٰ! (علیہ السلام)

۱۲. یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے،^(۴)

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ۝

وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ مُوْسٰی ۝

اِذْ رَاۤا نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهٖ امْكُثُوۤا اِنِّیۡ اَنْتَ نَارًا
لَّعَلِّیۡ اَتٰیكُمْ مِنْهَا بَقِیْسٌ اَوْ اٰجِدُ عَلٰی الثَّارِ
هُدًی ۝

فَاَنۡتَ اَنْتَ یٰۤاٰمُوۤدٰی یٰۤیۤوۤسٰی ۝

اِنِّیۡ اَنَا رَبُّكَ فَاطۡعَمۡ نَعۡلَیْكَ اِنَّكَ بِاِلۡوَادِ

۱. یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے یا اَخْفٰی کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے۔ یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے۔

۲. یعنی معبود بھی وہی ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہے اور بہترین نام بھی اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ نہ معبود اس کے سوا کوئی اور ہے اور نہ اس کے سے اسمائے حسنیٰ ہی کسی کے ہیں۔ پس اسی کی صحیح معرفت حاصل کر کے، اسی سے ڈرا جائے، اسی سے محبت رکھی جائے، اسی پر ایمان لایا جائے اور اسی کی اطاعت کی جائے۔ تاکہ انسان جب اس کی بارگاہ میں واپس جائے تو وہاں شرمسار نہ ہو بلکہ اس کی رحمت و مغفرت سے شاد کام اور اس کی رضا سے سعادت مند ہو۔

۳. یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ (علیہ السلام) مدین سے اپنی بیوی کے ہمراہ (جو ایک قول کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) اپنی والدہ کی طرف واپس جا رہے تھے، اندھیری رات تھی اور راستہ بھی نامعلوم، اور بعض مفسرین کے بقول بیوی کی زچگی کا وقت بالکل قریب تھا اور انہیں حرارت کی ضرورت تھی، یا سردی کی وجہ سے گرمی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتنے میں دور سے انہیں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گھر والوں سے یعنی بیوی سے (یا بعض کہتے ہیں خادم اور بچہ بھی تھا اسی لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا) کہا تم یہاں ٹھہرو! شاید میں آگ کا کوئی شعلہ وہاں سے لے آؤں یا کم از کم وہاں سے راستے کی نشان دہی ہی ہو جائے۔

۴. موسیٰ (علیہ السلام) جب آگ والی جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک درخت سے (جیسا کہ سورہ قصص: ۳۰ میں صراحت ہے) آواز آئی۔

۵. جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس میں تواضع کا اظہار اور شرف و تکریم کا پہلو زیادہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ ایسے گدھے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں جو غیر مدبوغ تھی۔ کیوں کہ جانور کی کھال دباغت کے بعد ہی پاک ہوتی ہے، مگر

اَلْمُعَدَّسِ طُوًى ۝

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى ۝

کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے۔^(۱)

۱۳. اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے^(۲) اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن۔

اِنِّىۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِىۤ وَاَقِمِ

الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىۤ ۝

۱۴. بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں پس تو میری ہی عبادت کر،^(۳) اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔^(۴)

اِنَّ السَّاعَةَ الْبَیِّنَةَ اَکَادُۤ اُخْفِیْہَا لِلنَّجْوٰی ۝

نَفْسٍۭ یَّہْمَا سَعٰی ۝

۱۵. قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔

فَلَا یَصِدُّکُمْ عَنْہُمَاۤ اَنْۢ یُّؤْمِنُۢ بِہَا وَاَتَّبِعَ ہُوٰیہٗ

فَتَوَدَّی ۝

۱۶. پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔^(۵)

یہ قول محل نظر ہے۔ دباغت کے بغیر جو تیاں کیوں کر بن سکتی ہیں؟ یا وادی کی پاکیزگی اس کا سبب تھا، جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔ تاہم اس کے دو پہلو ہیں، یہ حکم وادی کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات ننگے پیر ہونے کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کے اندر زیادہ جذب ہو سکیں۔ واللہ اعلم

۱. طُوًی وادی کا نام ہے، اسے بعض نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف کہا ہے۔ (خ القدر)

۲. یعنی نبوت و رسالت اور ہمکامی کے لیے۔

۳. یعنی تکلیفات شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلف ہے۔ علاوہ ازیں جب الوہیت کا مستحق بھی وہی ہے تو عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

۴. عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا۔ حالاں کہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی، تاکہ اس کی وہ اہمیت واضح ہو جائے جیسے کہ اس کی ہے۔ لِذِکْرِیٰ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تو مجھے یاد کرے، اس لیے کہ یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادات میں نماز کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آجاؤں نماز پڑھ۔ یعنی اگر کسی وقت غفلت، ذہول یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا (جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے، تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے پڑھ لے)۔

(صحیح البخاری، کتاب المواقیف، باب من نسی صلوة فلیصل إذا ذکرہا، ومسلم، کتاب المساجد باب قضاء الصلوة الفائتة)

۵. اس لیے کہ آخرت پر یقین کرنے سے یا اس کے ذکر و مراقبہ سے گریز، دونوں ہی باتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

وَمَا لَكَ بِمُوسَىٰٓ

۱۷. اور اے موسیٰ! (علیہ السلام) تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّلُ عَلَيْهَا وَاَهْشُ بِمَا عَلٰى
عَمِّي وَلِيْ فِيْهَا مَلِكٌ اٰخَرٰى ۝

۱۸. جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے، جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے ہیں۔

قَالَ اَلْقَاهَا لِيُبُوْا

۱۹. فرمایا اے موسیٰ! (علیہ السلام) اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے۔
۲۰. ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔

فَاَلْقَهَا وَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝

۲۱. فرمایا بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اسی پہلی سی صورت میں دوبارہ لادیں گے۔^(۱)

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَحْزَنْ سَنُعِيْدُهَا سِرَّةً اِلٰى اَوَّلٰى

۲۲. اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا، لیکن بغیر کسی عیب (اور روگ) کے^(۲) یہ دوسرا معجزہ ہے۔

وَلَضَمُّ يَدِكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ
سُوْءٍ اِلٰهٍ اٰخَرٰى ۝

۲۳. یہ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں۔

لِيُرِيْكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝

۲۴. اب تو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی ہے۔^(۳)

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طٰغٰى ۝

۲۵. موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝

۱. یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو معجزہ عطا کیا گیا جو عصائے موسیٰ (علیہ السلام) کے نام سے مشہور ہے۔

۲. بغیر عیب اور روگ کے، کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا اس طرح سفید اور چمک دار ہو کر نکلتا، کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ برص کے مریض کی چمڑی سفید ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ دوسرا معجزہ ہے، جو ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر ان دونوں معجزوں کا ذکر کر کے فرمایا ﴿فَذَرْنِيْ يٰٓهٰٓنِيْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَٓئِكَ﴾ (القصص: ۳۲) (پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے)۔

۳. فرعون کا ذکر اس لیے کیا کہ اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی سرکشی وطنیانی بھی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ وہ دعویٰ کرنے لگا تھا ﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّ الْاَعْلٰی﴾ (النّازعات: ۲۴) (میں تمہارا بلند تر رب ہوں)۔

وَيَسِّرْ لِي اَمْرِي ۝

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝

يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝

وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ اَهْلِي ۝

هُرُونَ اَخِي ۝

اَسْتَدْبِرُهَا اَدْرِي ۝

وَاشْرِكْهُ لِي اَمْرِي ۝

كِي تُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝

وَتَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝

لَا تَكُ كُنْتَ بِمَا بَصِيرًا ۝

قَالَ قَدْ اَوْثَقْتُكَ سُوْلَكَ يٰمُوسٰى ۝

۲۶. اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے۔

۲۷. اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔

۲۸. تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔

۲۹. اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کر دے۔

۳۰. یعنی میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو۔

۳۱. تو اس سے میری کمر کس دے۔

۳۲. اور اسے میرا شریک کار کر دے۔^(۱)

۳۳. تاکہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں۔

۳۴. اور بکثرت تیری یاد کریں۔^(۲)۳۵. بیشک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔^(۳)

۳۶. جناب باری تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) تیرے تمام

۱. کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے شاہی محل میں زیر پرورش تھے تو کھجور یا موتی کے بجائے آگ کا انگارہ منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں کچھ لکنت پیدا ہو گئی۔ (ابن کثیر) جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر میرا پیغام پہنچاؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دو باتیں آئیں، ایک تو یہ کہ وہ بڑا جابر اور متکبر بادشاہ ہے بلکہ رب ہونے تک کا دعویدار ہے۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی قوم کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔ یعنی ایک فرعون کی عظمت و جباریت کا خوف اور دوسرا، اپنے ہاتھوں ہونے والے واقعہ کا اندیشہ۔ اور ان دونوں پر زائد تیسری بات، زبان میں لکنت۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ”میرا سینہ کھول دے تاکہ میں رسالت کا بوجھ اٹھاسکوں، میرے کام کو آسان فرمادے یعنی جو مہم مجھے درپیش ہے اس میں میری مدد فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ فرعون کے سامنے میں پوری وضاحت سے تیرا پیغام پہنچا سکوں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اپنا دفاع بھی کر سکوں۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو (کہتے ہیں کہ یہ عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے) بطور معین اور مددگار میرا وزیر اور شریک کار بنادے۔“ وَزِيرٌ مُّوَاَزِرٌ کے معنی میں ہے یعنی بوجھ اٹھانے والا۔ جس طرح ایک وزیر بادشاہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور امور مملکت میں اس کا مشیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہارون علیہ السلام میرا مشیر اور بوجھ اٹھانے والا ساتھی ہو۔

۲. یہ دعاؤں کی علت بیان کی کہ اس طرح ہم تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح اور تیرا ذکر بھی زیادہ کر سکیں۔

۳. یعنی تجھے سارے حالات کا علم ہے اور بچپن میں جس طرح تو نے ہم پر احسان کیے، اب بھی اپنے احسانات سے ہمیں محروم نہ رکھ۔

سوالات پورے کر دیے گئے۔^(۱)

۳۷. اور ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔^(۲)

۳۸. جبکہ ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جس کا ذکر اب کیا جا رہا ہے۔

۳۹. کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا،^(۳) اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی۔^(۴) تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔^(۵)

۴۰. (یاد کر) جبکہ تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں اسے بتا دوں جو اس کی نگہبانی

وَلَعَدَمْنَا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُؤْمَرُ ۝

إِنِ افْتَدَيْنَا فِي الْغَابِطِ فَاقْدِرْ فِي الْبَيْتِ
فَلْيَلْقِهِ الْبَيْتُ بِالسَّاحِلِ يَا خَذُّهُ عَدُوِّي وَعَدُوُّ
لَهُ وَأَقْبِتْ عَلَيْكَ حَبَّةَ مَيْتِي ذَلَّ وَتَصْنَعُ عَلَيَّ
عَيْنِي ۝

إِذْ تَبَشَّرَ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن
يَكْفُلُهُ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

۱. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کی کلفت کو بھی دور فرمادیا ہوگا۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے چوں کہ پوری کلفت دور کرنے کی دعا نہیں کی تھی، اس لیے کچھ باقی رہ گئی تھی۔ باقی رہا فرعون کا یہ کہنا ﴿وَلَا يَكْذِبِينَ﴾ (الزخرف: ۵۲) (یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا) یہ ان کی تنقیص گزشتہ کیفیت کے اعتبار سے ہے۔ (ایسر القاسم)

۲. قبولیت دعا کی خوشخبری کے ساتھ، مزید تسلی اور حوصلے کے لیے اللہ تعالیٰ بچپن کے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے قتل کے اندیشے سے اللہ کے حکم سے (یعنی القائے الہی) سے انہیں، جب وہ شیر خوار بچے تھے، تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا۔

۳. مراد فرعون ہے جو اللہ کا بھی دشمن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا۔ یعنی لکڑی کا وہ تابوت تیرا تھا جو شاہی محل کے کنارے پہنچا تو اسے باہر نکال کر دیکھا گیا، تو اس میں ایک معصوم بچہ تھا، فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا۔

۴. یعنی فرعون کے دل میں ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی۔

۵. چنانچہ اللہ کی قدرت کا اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا کمال اور کرشمہ دیکھیے کہ جس بچے کی خاطر فرعون بے شمار بچوں کو قتل کروا چکا ہے، تاکہ وہ زندہ نہ رہے، اسی بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی گود میں پلوا رہا ہے، اور ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے، لیکن اس کی اجرت بھی موسیٰ علیہ السلام کے اسی دشمن فرعون سے وصول کر رہی ہے۔ «فَسُبْحَانَ ذِي الْعَجَبَاتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكَرْبِیَّاءِ وَالْعَظَمَةِ»..

وَلَا تَحْزَنْهُ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَعَجَبْتَكَ مِنَ الْعَمْرِ
وَقَتَلْتَكَ فُتُوْنًا فَلَيْدَتْ يَسِيْنٌ فِيْ اَهْلِ
مَدِيْنَةٍ لَّمْ تَجِدْ عَلَى قَدَرٍ يُّمُوْسَى ۝

کرے،^(۱) اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا^(۲) اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچالیا، غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزمایا۔^(۳) پھر تو کئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا،^(۴) پھر اے موسیٰ (علیہ السلام) تو تقدیر الہی کے مطابق آیا۔^(۵)

۴۱. اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرمایا۔

۴۲. اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا، اور خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔^(۶)

وَاَصْطَفٰىكَ لِنَفْسِيْ ۝

اِذْ هَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِالْبَيْتِ وَلَا تَنِيَّانِيْ ذِكْرِيْ ۝

۱. یہ اس وقت ہوا، جب ماں نے تابوت سمندر میں پھینک دیا تو بیٹی سے کہا، ذرا دیکھتی رہو، یہ کہاں کنارے لگتا ہے اور کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب اللہ کی مشیت سے موسیٰ (علیہ السلام) فرعون کے محل میں پہنچ گئے، شیر خوارگی کا عالم تھا، چنانچہ دودھ پلانے والی عورتوں اور آیاؤں کو بلایا گیا۔ لیکن موسیٰ (علیہ السلام) کسی کا دودھ نہ پیتے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی، بالآخر اس نے کہا میں تمہیں ایسی عورت بتلاتی ہوں جو تمہاری یہ مشکل دور کر دے گی، انہوں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ وہ اپنی ماں کو، جو موسیٰ (علیہ السلام) کی بھی ماں تھی، بلا لائی۔ جب ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگایا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کی تدبیر و مشیت سے غناغٹ دودھ پینا شروع کر دیا۔

۲. یہ ایک دوسرے احسان کا ذکر ہے، جب موسیٰ (علیہ السلام) سے غیر ارادی طور پر ایک فرعونی صرف گھونسہ مارنے سے مرگیا، جس کا ذکر سورہ قصص میں آئے گا۔

۳. فُتُوْنٌ، دخول اور خروج کی طرح مصدر ہے یعنی اَبْتَلَيْتَكَ اِبْتِلَاءً یعنی ہم نے تجھے خوب آزمایا۔ یا یہ جمع ہے فتنة کی، جیسے حُجْرَةٌ کی حُجُوْر اور بُدْرَةٌ کی بُدُوْر جمع ہے۔ یعنی ہم نے تجھے کئی مرتبہ یا بار بار آزمایا یا آزمائشوں سے نکالا۔ مثلاً جو سال بچوں کے قتل کا تھا، تجھے پیدا کیا، تیری ماں نے تجھے سمندر کی موجوں کے سپرد کر دیا، تمام دایاؤں کا دودھ تجھ پر حرام کر دیا، تو نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی، جس پر اس نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تیرے ہاتھوں قبلی کا قتل ہو گیا، وغیرہ ان تمام مواقع آزمائش میں ہم ہی تیری مدد اور چارہ سازی کرتے رہے۔

۴. یعنی فرعونی کے غیر ارادی قتل کے بعد تو یہاں سے نکل کر مدین چلا گیا اور وہاں کئی سال رہا۔

۵. یعنی ایسے وقت میں تو آیا جو وقت میں نے اپنے فیصلے اور تقدیر میں تجھ سے ہم کلامی اور نبوت کے لیے لکھا ہوا تھا۔ یا قَدَرٌ سے مراد، عمر ہے یعنی عمر کے اس مرحلے میں آیا جو نبوت کے لیے موزوں ہے یعنی چالیس سال کی عمر میں۔

۶. اس میں داعیان الی اللہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ انہیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

اِذْ هَبَّاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰۙ ﴿۱۶﴾

۳۳. تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔

فَقُوۡلَا لَهُ قَوْلًا لِّیۡنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَحْشٰی ﴿۱۷﴾

۳۴. اسے نرمی ^(۱) سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

فَاَلَا رَبُّنَا اِنَّہٗ یَخَافُ اَنْ یَّفْطَرَّ عَلَیۡنَا اَوْ اَنْ یَّطۡغٰی ﴿۱۸﴾

۳۵. دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔

قَالَ لَا تَخَۥ فَاِنَّہٗ یَکْفٰی مَعُکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۱۹﴾

۳۶. جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا۔ ^(۲)

فَاٰتِیۡہِ فَقُوۡلَا اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنٰیۤ اِسْرَآءِیۡلَ وَلَا تُعَذِّبۡہُمۡۤ قَدْ جِئۡنَکَ بِاٰیۃٍ مِّنْ رَبِّکَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ اتَّبَعَ الْہُدٰی ﴿۲۰﴾

۳۷. تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، انہیں تکلیف نہ دے۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ ^(۳)

اِنَّاۤ اَنۡۢۛۤاۤ اُوحِیَ اِلَیۡنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنۡ کَذَبَ وَتَوَلٰی ﴿۲۱﴾

۳۸. ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمۡۤ اِیُّوۡسٰی ﴿۲۲﴾

۳۹. فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! (عَلِیْہِ السَّلَام) تم دونوں کا رب کون ہے؟

۱۔ یہ وصف بھی داعیان کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ سختی سے لوگ بدکتے اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

۲۔ تم فرعون کو جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب میں جو وہ کہے گا، میں وہ سنتا اور تمہارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا۔ اس کے مطابق میں تمہاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا، اس لیے اس کے پاس جاؤ، تردد کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳۔ یہ سلام تحیہ نہیں ہے، بلکہ امن و سلامتی کی طرف دعوت ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا، «أَسْلِمَ تَسْلَمَ» (اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا) اسی طرح مکتوب کے شروع میں آپ نے ﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ اتَّبَعَ الْہُدٰی﴾ بھی تحریر فرمایا، (ابن کثیر) اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مکتوب یا مجلس میں مخاطب کرنا ہو تو اسے انہی الفاظ میں سلام کہا جائے، جو مشروط ہے ہدایت کے اپنانے کے ساتھ۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝

۵۰۔ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ سبھا دی۔^(۱)

قَالَ تَحَابُّلُ الْفَرُوقِ الْأُولَىٰ ۝

۵۱۔ اس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہوتا ہے؟^(۲)

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ ۝

۵۲۔ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔^(۳)

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَاسَّكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ۝

۵۳۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّهْيِ ۝

۵۴۔ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔^(۴) کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں

۱۔ مثلاً جو شکل و صورت انسان کے مناسب حال تھی وہ اسے، اور جو جانوروں کے مطابق تھی وہ جانوروں کو عطا فرمائی۔ ”راہ بھائی“ کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سہن، کھانے پینے اور بودوباش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے۔

۲۔ فرعون نے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کے لیے یہ سوال کیا، یعنی پہلے لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے، ان کا حال کیا ہوگا؟

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، ان کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے۔ البتہ ان کا علم میرے رب کو ہے، جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے وہ اس کے مطابق ان کو جزاء و سزا دے گا، پھر اس کا علم اس طرح ہر چیز کو محیط ہے کہ اس کی نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چیز اوجھل نہیں ہو سکتی، نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے۔ جب کہ مخلوق کے علم میں دونوں نقص موجود ہیں۔ ایک تو ان کا علم محیط کل نہیں، بلکہ ناقص ہے۔ دوسرا، علم کے بعد وہ بھول بھی سکتے ہیں، میرا رب ان دونوں نقصوں سے پاک ہے۔ آگے رب کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

۴۔ یعنی ان انواع و اقسام کی پیداوار میں کچھ چیزیں تمہاری خوراک اور لذت و فرحت کا سامان ہیں اور کچھ تمہارے چوپایوں اور جانوروں کے لیے ہیں۔

کے لیے ^(۱) بہت سی نشانیاں ہیں۔

۵۵. اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔ ^(۲)

۵۶. اور ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔

۵۷. کہنے لگا اے موسیٰ! ^(عَلَيْهِ السَّلَامُ) کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے۔ ^(۳)

۵۸. اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے، ^(۴) کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو، صاف میدان میں مقابلہ ہو۔ ^(۵)

وَمِمَّا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا الْيُنُسَ الْكَلْبَ الْكَلْبَ وَآبَى ۝

قَالَ اجْعَلْنَا لِنُحْرَجْنَا مِنْ آدَمِ بَيْتِكَ مُوسَى ۝

فَلَمَّا آتَيْنَاكَ بِسُحُورٍ مِثْلِهِ فَأَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سَوِيًّا ۝

۱. اُنْہی، اُنْہیہ کی جمع ہے، بمعنی عقل۔ اُولُو النُّہی، عقل والے۔ عقل کو نُہیۃ اور عقل مند کو ذُو نُہیۃ، اس لیے کہا جاتا ہے کہ بالآخر انبی کی رائے پر معاملہ انتہاء پذیر ہوتا ہے، یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں۔ یَنْهَوْنَ النَّفْسَ عَنِ الْفَبَاحِ، (فتح القدیر)

۲. بعض روایات میں دفنانے کے بعد تین مٹھیاں (یا بکے) مٹی ڈالتے وقت اس آیت کو پڑھنا نبی ﷺ سے منقول ہے۔ لیکن سند اُیہ روایات ضعیف ہیں۔ تاہم آیت کے بغیر تین لپیں ڈالنے والی روایت، جو ابن ماجہ میں ہے، صحیح ہے، اس لیے دفنانے کے بعد دونوں ہاتھوں سے تین تین مرتبہ مٹی ڈالنے کو علماء نے مستحب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الجنائز صفحہ: ۱۵۲، وإرواء الغلیل حدیث: ۷۵۱، ج: ۳، ص: ۲۰۰۔ (کلاهما للادبانی)

۳. جب فرعون کو دلائل واضحہ کے ساتھ وہ معجزات بھی دکھلائے گئے، جو عصا اور ید بیضا کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، تو فرعون نے اسے جادو کا کرتب سمجھا اور کہنے لگا: اچھا تو ہمیں اس جادو کے زور سے ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے؟

۴. مَوْعِدٌ مصدر ہے یا اگر ظرف ہے تو زمان اور مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ کوئی جگہ اور دن مقرر کر لے۔

۵. مَكَانًا سَوِيًّا صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سہولت سے پہنچ سکیں۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُخَيَّرَ النَّاسُ
ضَعْفَى ⑤

۵۹. موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ زینت اور جشن کے دن ^(۱) کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔

فَقَوْلِي فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَى ⑥

۶۰. پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈے جمع کیے پھر آگیا۔ ^(۲)

قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ وَايَاكُمْ لَا تُخَذِّلُوا عَمَلِي اللَّهُ ذَا بَأْسٍ
فَيَسْجَنُكُمْ بِهَذَا آيَةً وَقَدْ خَابَ مِنْ أَفْتَرَى ⑦

۶۱. موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا تمہاری شامت آچکی، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ملایمٹ کر دے، یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا جس نے جھوٹی بات گھڑی۔ ^(۳)

فَتَنَادَوْا آمُرُكُمْ بِيَهُمْ وَسِرَّوَالْحَبْوَى ⑧

۶۲. پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چھپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ ^(۴)

قَالُوا إِنْ هَذَا لَسِحْرٌ يُبْدِنُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ
أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمْ أَيْدِيَهُمْ لِيُطْرِقَكُمْ الْعُثَى ⑨

۶۳. کہنے لگے یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کریں۔ ^(۵)

۱. اس سے مراد نو روز یا کوئی اور سالانہ میلے یا جشن کا دن ہے جسے وہ عید کے طور پر مناتے تھے۔

۲. یعنی مختلف شہروں سے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اجتماع گاہ میں آگیا۔

۳. جب فرعون اجتماع گاہ میں جادوگروں کو مقابلے کی ترغیب دے رہا تھا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا اظہار کر رہا تھا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی مقابلے سے پہلے انہیں وعظ کیا اور ان کے موجودہ رویے پر انہیں عذاب الہی سے ڈرایا۔

۴. حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے وعظ سے ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اور بعض چپکے چپکے کہنے لگے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں والی نہیں پیغمبرانہ لگتی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا۔

۵. عُثَى، طَرِيقَةُ کی صفت ہے۔ یہ اُمُثَل کی تائید ہے، افضل کے معنی میں، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی اپنے ”جادو“ کے زور سے غالب آگئے، تو سادات و اشراف اس کی طرف مائل ہو جائیں گے، جس سے ہمارا اقتدار خطرے میں اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارا بہترین طریقہ یا مذہب، اسے بھی یہ ختم کر دیں گے۔ یعنی اپنے مشرکانہ مذہب کو بھی انہوں نے ”بہترین“ قرار دیا۔ جیسا کہ آج بھی ہر باطل مذہب اور

۶۴. تو تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ۔ جو آج غالب آگیا وہی بازی لے گیا۔

۶۵. کہنے لگے کہ اے موسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔

۶۶. جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔^(۱) اب تو موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں۔^(۲)

۶۷. پس موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔

۶۸. ہم نے فرمایا کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا۔^(۳)

فَجَمْعُوا كَيْدَهُمْ لَكُمْ اَنْتُمْ اَصْفَاءُ وَقَدْ اَخْلَمَ الْيَوْمَ
مَنْ اسْتَعْلَىٰ ۝

قَالُوا لِمُوسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقٰى وَامَّا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ
مَنْ اُلْقٰى ۝

قَالَ بَلْ اَلْقُوا اِذَا جِئْتَهُمْ وَاَعْيَتِهِمْ يَخْلُلُ اِلَيْهِمْ
وَمِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُمْ لَا تَسْمَعُوْنَ ۝

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسٰى ۝

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝

فرقے کے پیروکار اسی زعم فاسد میں مبتلا ہیں۔ سچ فرمایا اللہ نے، ﴿كُلُّ حُزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (الروم: ۳۲) (ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے، اس پر ریجھ رہا ہے)۔

۱. حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) نے انہیں پہلے اپنا کرب دکھانے کے لیے کہا، تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے، جو فرعون جمع کر کے لے آیا ہے، اور اسی طرح ان کے ساحرانہ کمال اور کرتیوں سے خوف زدہ نہیں ہیں۔ دوسرا، ان کی ساحرانہ شعبہ بازیوں، جب معجزہ الہی سے چشمِ زدن میں ہبَاءَ مَسْنُونًا ہو جائیں گی، تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں ہے، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں اس کی ایک لائھی ہمارے سارے کرتیوں کو نکل گئی۔

۲. قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لائھیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں، بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے مسمریزم کے ذریعے سے نظر بندی کردی جاتی ہے۔ تاہم اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عارضی اور وقتی طور پر دیکھنے والوں پر ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے، گو شے کی حقیقت تبدیل نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جادو کتنا بھی اونچے درجے کا ہو، وہ شے کی حقیقت تبدیل نہیں کر سکتا۔

۳. اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) نے خوف محسوس کیا، تو یہ ایک طبعی چیز تھی، جو کمال نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے۔ کیوں کہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے اور وہ بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں، جس طرح نبی ﷺ پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا، جس کے کچھ اثرات آپ ﷺ

وَالَّذِي مَاتَ بِرَبِّكَ تَلَقَّفْ مَا صَنَعُوا لَكَ مَا صَنَعُوا
كَيْدُ سِحْرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّارِعِينَ ﴿٦٩﴾

فَالَّذِي السَّحَرَةُ سَجَدُوا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هُمْ وَنَا
وَمُوسَى ﴿٧٠﴾

قَالَ امْنُكُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ اذْنُ لَكُمْ أَنَّهُ لَكُمْ يَوْمُ
الَّذِي عَمَلَكُمْ السَّحَرَةُ فَلَا قَطْعَ عَيْنٍ أَيْدِيكُمْ وَأَنْجَلَكُمْ
مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلَكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ
وَلَكُمُ عَيْنٌ أَيْتُكُمْ عَذَابًا وَابْتَلَى ﴿٧١﴾

۶۹. اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے
کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نکل جائے، انہوں نے جو
کچھ بنایا ہے یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر
کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

۷۰. اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار
اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ (علیہ السلام) کے رب پر ایمان
لائے۔

۷۱. فرعون کہنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس
پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس
نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، (سن لو) میں تمہارے ہاتھ
پاؤں الٹے سیدھے (۱) کنوا کرتی سب کو کھجور کے تنوں میں
سوئی پر لٹکوا دوں گا، اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے
گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔

محسوس کرتے تھے، اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیوں کہ اس سے کارِ نبوت متاثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضہ رسالت کی ادائیگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ میری لاشی ڈالنے سے قبل ہی کہیں لوگ ان کرتبوں اور شعبہ بازیوں سے متاثر نہ ہو جائیں، لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادوگروں نے بھی جو کرتب دکھایا، وہ لاشیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا، جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس بھی لاشی ہی تھی جسے انہیں زمین پر پھینکنا تھا، موسیٰ (علیہ السلام) کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شبہ اور مغالطے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا، اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا معجزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور معجزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے، وہ مذکورہ مغالطے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا معجزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ خود معجزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے، یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انبیاء کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے، بہر حال موسیٰ (علیہ السلام) کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ (علیہ السلام) کسی بھی لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، تو ہی غالب رہے گا، اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں، سب کا ہی ازالہ فرمادیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

۱. مِنْ خِلَافٍ (الٹے سیدھے) کا مطلب ہے سیدھا ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ تو سیدھا پاؤں۔

۷۲۔ انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آچکیں اور اس اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے،^(۱) اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کرگزر، تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیوی زندگی میں ہی ہے۔^(۲)

۷۳۔ ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمادے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ)، جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے،^(۳) اللہ ہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔^(۴)

۷۴۔ بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ گار بن کر اللہ تعالیٰ کے

قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ
وَإِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِیْ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا
تَقْضِیْ هَذِهِ الْحَیْوَةَ الدُّنْیَا ۝

إِنَّا كُنَّا بِرَبِّكَ الْغَافِرِينَ ۝ فَطَرْنَا مَا أَكْرَهْتَنَا
عَلَيْكَ وَمِنَ السَّحَرِ وَاللَّهُ خَبِيرٌ وَبَقِیٌّ ۝

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ

۱۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب وَالَّذِیْ فَطَرَنَا کا عطف مَا جَاءَنَا پر ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اسے قسم قرار دیا ہے۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا، ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آچکیں۔

۲۔ یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے، وہ کر لے، ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے۔ جب کہ ہم جس پروردگار پر ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی اور تیرے ظلم و ستم سے توجہ جائیں گے، کیوں کہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے، تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے، وہ ہمیں سخت عذاب دینے پر قادر ہے۔ رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آتا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں، انہیں جس حوصلہ و صبر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے، جادو گروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے، لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب و تحریض انہیں متزلزل کر سکی، نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انہیں ایمان سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

۳۔ دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرمادے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے مجبور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کیں۔“ اس صورت میں مَا أَكْرَهْتَنَا کا عطف حَطَّائِنَا پر ہوگا۔

۴۔ یہ فرعون کے الفاظ، ﴿وَلَعَلَّكُمْ إِنِّي أَنَا إِلَهُكَ عَبْدًا وَأَنْتَ بِغِيٍّ﴾ (طہ: ۷۱) کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمیں جو اجر و ثواب ملے گا، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔

لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝

ہاں حاضر ہوگا اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔^(۱)

وَمَنْ يَّاتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَلَوْ اَنَّ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ اَلْعُلٰى ۝

۷۵۔ اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔

جَدَّتْ عَدْنٌ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا اَلْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَاُ مَنْ تَزَكٰى ۝

۷۶۔ بیشکی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہوا۔^(۲)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اَنْ اَسْرِ بِعَبْدِيْ فَاٰخِرْتُ لَهُمْ طَرِيقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشٰى ۝

۷۷۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل،^(۳) اور ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنالے،^(۴) پھر نہ تجھے کسی کے آپکڑنے کا خطرہ ہوگا نہ ڈر۔^(۵)

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودٍ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَبْرِ مَآغِثُہُمْ ۝

۷۸۔ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو دریا ان سب پر چھا گیا جیسا کچھ چھا جانے والا تھا۔^(۶)

۱۔ یعنی عذاب سے تنگ آکر موت کی آرزو کریں گے، تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا، کھانے پینے کو زقوم جیسا تلخ درخت اور جہنمیوں کے جسموں سے چڑا ہوا خون اور پیپ ملنا، یہ کوئی زندگی ہوگی؟ اللہم اَجِرْنَا مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ۔

۲۔ جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسائش زندگی ملے گی، اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے یعنی اعمال صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے۔ اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔

۳۔ جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ حکم دیدیا۔
۴۔ اس کی تفصیل سورۃ الشعراء میں آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم سے سمندر میں لاٹھی ماری، جس سے سمندر میں گزرنے کے لیے خشک راستہ بن گیا۔

۵۔ خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈر پانی میں ڈوبنے کا۔

۶۔ یعنی اس خشک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا، تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق رواں دواں

وَاَصْلُ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝

۷۹۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔^(۱)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓءِیْلُ قَدْ اٰخِیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ
وَوَعَدْنَاکُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْاٰیْمَنَ وَنَزَّلْنَا
عَلٰیکُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلٰوٰی ۝

۸۰۔ اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دائیں طرف کا وعدہ کیا^(۲) اور تم پر من و سلوی اتارا۔^(۳)

کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ
فَیَجْلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ
غَضَبِیْ فَقَدْ هَلَکَ ۝

۸۱۔ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ، اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو،^(۴) ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا۔^(۵)

وَإِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ۝

۸۲۔ اور ہاں بیشک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں ایمان لائیں نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔^(۶)

ہو جا، چنانچہ وہ خشک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجوں میں تبدیل ہو گیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا، غَشِبَهُمْ کے معنی ہیں علاہم وَاَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آگیا۔ مَا غَشِبَهُمْ یہ نکرار تعظیم و تہویل یعنی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے۔

۱۔ اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدر تھا۔

۲۔ وَوَعَدْنَاکُمْ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کوہ طور پر تمہیں یعنی تمہارے نمائندے بھی ساتھ لے کر آئیں، تاکہ تمہارے سامنے ہی ہم موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے حکام ہوں، یا ضمیر جمع اس لیے لائی گئی کہ کوہ طور پر موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو بلانا، بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انہی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔

۳۔ مِّنَ السَّلٰوٰی کے نزول کا واقعہ، سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مِّنَ کُوْنِیْ تِبْطِیْ چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی تھی اور سَلٰوٰی سے مراد بھر پرنده ہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انہیں پکڑ کر پکاتے اور کھالیتے۔ (ابن کثیر)

۴۔ طَغْيَانٌ کے معنی ہیں تجاوز کرنا۔ یعنی حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو، یا اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفران نعمت کا ارتکاب کر کے یا منعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو، ان تمام مفہومات پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے، ضرورت و حاجت سے زیادہ پرنده پکڑنا۔ یعنی حاجت کے مطابق پرنده پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔

۵۔ دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ہادیہ یعنی جہنم میں گرا۔ ہادیہ جہنم کا نچلا حصہ ہے یعنی جہنم کی گہرائی والے حصے کا مستحق ہو گیا۔

۶۔ یعنی مغفرت الہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفر و شرک اور معاصی سے توبہ، ایمان، عمل صالح اور

وَمَا أَعْجَبَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَبُولِي ۝

۸۳. اور اے موسیٰ! (عَلَيْهِ السَّلَام) تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز جلدی لے آئی؟

۸۴. کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں، اور میں نے اے رب! تیری طرف جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے۔^(۱)

۸۵. فرمایا! ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے بہکا دیا ہے۔^(۲)

۸۶. پس موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) سخت غضبناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوٹے، اور کہنے لگے کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟^(۳) کیا اس کی مدت تمہیں لمبی معلوم ہوئی؟^(۴) بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو؟

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلَىٰ اَشْرَىٰ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝

قَالَ فَإِنَّكَ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝

فَرَجَعَهُ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَقَوْمِ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَعْدًا حَسَنًا اَفْطَلَّ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ لَدُنْكُمْ اَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمُوْ وَعْدِي ۝

راہ راست پر چلتے رہنا یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے، ورنہ ظاہر بات ہے کہ توبہ و ایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک و کفر کا راستہ اختیار کر لیا، حتیٰ کہ موت بھی اسے کفر و شرک پر ہی آئے تو مغفرت الہی کے بجائے عذاب کا مستحق ہو گا۔

۱. سمندر پار کرنے کے بعد موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) بنی اسرائیل کے سربر آوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے، لیکن رب کے شوق ملاقات میں تیز رفتاری سے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر اکیلے ہی طور پر پہنچ گئے، سوال کرنے پر جواب دیا، مجھے تو تیری رضا کی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے پیچھے ہی آرہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پیچھے آرہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے پیچھے کوہ طور کے قریب ہی ہیں اور وہاں میری واپسی کے منتظر ہیں۔

۲. حضرت موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو پھنسا پوجنے پر لگادیا، جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف بہ حیثیت خالق کے کی ہے، ورنہ اس گمراہی کا سبب تو سامری ہی تھا جیسا کہ اَصْلَهُمُ السَّامِرِيُّ سے واضح ہے۔

۳. اس سے مراد جنت کا یافتہ و ظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے، یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کے لیے طور پر انہیں بلایا گیا تھا۔

۴. کیا اس عہد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے، اور پچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

کہ تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔^(۱)

۸۷۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔^(۲) بلکہ ہم پر زیورات قوم کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے انہیں ہم نے ڈال دیا، اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیے۔
۸۸۔ پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بچھڑے کا بت، جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی پھر کہنے لگا کہ یہی تمہارا بھی معبود ہے^(۳) اور موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی، لیکن موسیٰ (علیہ السلام) بھول گیا ہے۔

۸۹۔ کیا یہ گمراہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے۔^(۴)

۹۰۔ اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو تمہاری

قَالُوا مَا اخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حُبَلْنَا اَوْزَارًا
مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدْ تَتَذَكَّرُكَ الْفَى
السَّامِرِيُّ

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا اَلَهَ خَوَارِفًا لِّاُولَٰئِكَ
اَلْهَكُمُ وَاِلَٰهَ الْمُوسَىٰ هُٔا قَتِييُ

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلُهُ وَلَا يَمْلِكُ
لَهُمْ صَرًّا وَلَا نَفْعًا

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمُ اِنَّمَا فَتَنَّتُمْ
بِهٖٓ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِي وَاَطِيعُوْا اَمْرِي

۱۔ قوم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت و عبادت پر قائم رہیں گے، یا یہ وعدہ تھا کہ ہم بھی طور پر آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ لیکن راستہ میں ہی رک کر انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔

۲۔ یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہو گئی، آگے اس کی وجہ بیان کی۔

۳۔ زینۃ سے، زیورات اور القوم سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انہوں نے فرعونوں سے عاریۃ لیے تھے، اسی لیے انہیں اَوْزَار، وَزَّر (بوجھ) کی جمع کہا گیا ہے، کیوں کہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے، چنانچہ انہیں جمع کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، سامری نے بھی (جو مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا، کچھ ڈالا، (اور وہ مٹی تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے) پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر ایک طرح کا بچھڑا بنادیا کہ جس میں ہوا کے اندر باہر آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو گمراہ ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کے لیے طور پر گئے ہیں، جب کہ تمہارا اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود تو یہ ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت و نادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی نہیں پتہ چلا کہ یہ بچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ جب کہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر، نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔

صرف آزمائش کی گئی ہے، تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو۔ اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔^(۱)

۹۱. انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔^(۲)

۹۲. موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اے ہارون! (علیہ السلام) انہیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا۔
۹۳. کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔ کیا تو بھی میرے فرمان کا نافرمان بن بیٹھا۔^(۳)

۹۴. ہارون (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ، اور سر کے بال نہ کھینچ، مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ (نہ) فرمائیں^(۴) کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔^(۵)

قَالُوا لَنْ تَبْرَحَ عَلَيْهِ وَعَلَيْنَا حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۝

قَالَ يَهُودُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝

أَلَا تَتَّبِعُنَا فَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝

قَالَ يَمَنُومُ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝

۱. حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر پھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔

۲. اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پرواہ نہیں کی اور اس کی تعظیم و عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

۳. یعنی اگر انہوں نے تیری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آکر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پرواہ نہیں کی، یعنی جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔

۴. حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گمراہی میں دیکھ کر سخت غضب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی۔ جن کو وہ اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے۔ مداخلت کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر انہیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں اتنا سخت رویہ اپنانے سے روکا۔

۵. سورہ اعراف میں حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ (قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے درپے ہو گئی) (آیت: ۱۵۰) جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی اور انہیں سمجھانے اور گوسالہ پرستی سے روکنے میں مداخلت اور کوتاہی نہیں کی۔ لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مِيرَٔثُ ۝

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝

قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسٌ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تَخْلَفَنَّهُ وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝

۹۵. موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔

۹۶. اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی، تو میں نے فرستادہ الہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی، پھر اسے اس میں ڈال دیا^(۱) اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی۔

۹۷. کہا اچھا جا، دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ مجھے نہ چھوٹا، اور ایک اور بھی وعدہ تیرے ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا،^(۲) اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔^(۳)

واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) چونکہ خود وہاں موجود نہ تھے، اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر حضرت ہارون (علیہ السلام) کو انہوں نے سخت ست کہا۔ لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ حضرت ہارون (علیہ السلام) نے نہ ایسا کیا ہی ہے، نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔

۱. جمہور مفسرین نے الرَّسُولِ سے مراد جبرائیل (علیہ السلام) لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی، جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے گھلے ہوئے زیورات یا مچھڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلی شروع ہو گئی جو ان کے فتنے کا باعث بن گئی۔

۲. یعنی عمر بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے نہ چھوٹا، اس لیے کہ اسے چھوتے ہی چھوٹنے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ لَا مِسَاسَ، کہا جاتا ہے کہ پھر یہ انسانوں کی ہستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں عبرت کا نمونہ بنا رہا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیلہ و فن اور مکر و فریب اختیار کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی اسی حساب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہوگی۔

۳. یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگتنا پڑے گا۔

۴. اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالنا، چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

۹۸. اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ
وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۝

۹۹. اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے گزرے ہوئے حالات بیان فرما رہے ہیں ^(۱) اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں۔ ^(۲)

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۝

۱۰۰. اس سے جو منہ پھیر لے گا ^(۳) وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہوگا۔ ^(۴)

خَالِدِينَ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۝

۱۰۱. جس میں ہمیشہ ہی رہے گا، ^(۵) اور ان کے لیے قیامت کے دن (بڑا) برا بوجھ ہے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ

۱۰۲. جس دن صور ^(۶) پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو

ہستیوں کی طرف ہو، توہین نہیں، جیسا کہ اہل بدعت، قبر پرست اور تعزیر پرست باور کراتے ہیں، بلکہ یہ توحید کا منشا اور دینی غیرت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس واقعے میں اس آئِر الرِّسُول کو نہیں دیکھا گیا، جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا مشاہدہ بھی کیا گیا، اس کے باوجود اس کی پرواہ نہیں کی گئی، اس لیے کہ وہ شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔

۱. یعنی جس طرح ہم نے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اسی طرح انبیائے ماسبق کے حالات ہم آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں، اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں، انہیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح رویہ اختیار کریں۔

۲. نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا، ہدایت اختیار کرتا اور نجات و سعادت کا راستہ اپناتا ہے۔

۳. یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے، اس پر عمل نہیں کرے گا۔

۴. یعنی گناہ عظیم اس لیے کہ اس کا نامہ اعمال نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہوگا۔

۵. جس سے وہ بچ نہ سکے گا، نہ بھاگ ہی سکے گا۔

۶. صُور سے مراد وہ قُرْن (زنگ) ہے، جس میں اسرافیل علیہ السلام کے حکم سے پھونک ماریں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ (مسند احمد: ۱۹۱/۲)، ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”اسرافیل علیہ السلام نے قرن کا لقمہ بنایا ہوا ہے، (یعنی اسے منہ لگائے کھڑے ہیں) پیشانی جھکا کر یا موڑی ہوئی ہے، رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے“ (ترمذی، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في الصور) حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفخے سے سب پر موت طاری ہو جائے

رُزْقًا

ہم اس دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے۔

يَخَافَتُونَ مِنْهُمْ اِنْ يَسْتَمِعُوا اِلَاعْتِرَا

۱۰۳۔ وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے ^(۱) کہ ہم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ اذْ يَقُولُ اَمْ نَلْهُمَّ طَرِيقَةً
اِنْ يَسْتَمِعُوا اَلْيَوْمَ

۱۰۴۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ والا ^(۲) کہہ رہا ہوگا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا

۱۰۵۔ اور وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں، تو آپ کہہ دیں کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا

۱۰۶۔ اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر کے چھوڑے گا۔

لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَّ اَلَا مَمْتًا

۱۰۷۔ جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ۔

بَوْمِئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ اِلَّا عِوَجًا وَّ اَلَا خَشَعَتِ
الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا

۱۰۸۔ جس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے۔ ^(۳) جس میں کوئی کبھی نہ ہوگی ^(۴) اور اللہ رحمٰن کے سامنے تمام

گی، اور دوسرے نفع سے بحکم الہی سب زندہ اور میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دوسرا نفع مراد ہے۔

۱۔ شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

۲۔ یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار، یعنی دنیا کی زندگی انہیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہوگی۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقِيمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا عِبَادَةً﴾ (الروم: ۵۵) (جس دن قیامت برپا ہوگی، کافر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) یہی مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ المؤمنون: ۱۱۲-۱۱۳، سورۃ فاطر: ۷۷، سورۃ النازعات: ۴۶ وغیرہ۔ مطلب یہی ہے کہ فانی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔

۳۔ یعنی جس دن اونچے نیچے پہاڑ، وادیاں، فلک بوس عمارتیں، سب صاف ہو جائیں گی، سمندر اور دریا خشک ہو جائیں گے، اور ساری زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی۔ پھر ایک آواز آئے گی، جس کے پیچھے سارے لوگ لگ جائیں گے یعنی جس طرف وہ داعی بلائے گا، جائیں گے۔

۴۔ یعنی اس داعی سے ادھر ادھر نہیں ہوں گے۔

آوازیں پست ہو جائیں گی، سوائے کھسر پھسر کے تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا۔^(۱)

۱۰۹۔ اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمن حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔^(۲)

۱۱۰۔ جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔^(۳)

۱۱۱۔ اور تمام چہرے اس زندہ اور قائم و دائم مدبر، اللہ کے سامنے کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے، یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لا دیا۔^(۴)

يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا

وَعَدَّتْ أَلْوُجُوهٌ لِلْهِ الْقَبُورِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا

۱۔ یعنی مکمل سنانا ہوگا سوائے قدموں کی آہٹ اور کھسر پھسر کے کچھ سنائی نہیں دے گا۔

۲۔ یعنی اس دن کسی کی سفارش کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، سوائے ان کے جن کو رحمن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، اور وہ بھی ہر کسی کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ صرف ان کی سفارش کریں گے جن کی بابت سفارش کو اللہ پسند فرمائے گا۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے؟ صرف اہل توحید، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً آیت الکرسی، سورۃ انبیاء: ۲۸، سورۃ سبأ: ۲۳، سورۃ نجم: ۲۶، سورۃ النبا: ۳۸۔

۳۔ گزشتہ آیت میں شفاعت کے لیے جو اصول بیان فرمایا گیا ہے، اس میں اس کی وجہ اور علت بیان کر دی گئی ہے کہ چوں کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی کی بابت پورا علم نہیں ہے کہ کون کتنا بڑا مجرم ہے؟ اور وہ اس بات کا مستحق ہے بھی یا نہیں، کہ اس کی سفارش کی جاسکے؟ اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا کہ کون کون لوگ انبیاء و صلحاء کی سفارش کے مستحق ہیں؟ کیوں کہ ہر شخص کے جرائم کی نوعیت و کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔

۴۔ اس لیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ مکمل انصاف فرمائے گا اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دلائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ایک سینک والی بکری نے بغیر سینک والی بکری پر ظلم کیا ہوگا، تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، مسند أحمد: ج ۲، ص ۲۳۵) اسی لیے نبی ﷺ نے اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے، «لَتُؤَدَّنَ الْحُقُوقُ إِلَىٰ أَهْلِهَا» (ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دو) ورنہ قیامت کو دینا پڑے گا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا «إِنَّا كُفِّرْنَا وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»۔ (صحیح مسلم، کتاب مذکور، باب تحریم الظلم) (ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا) سب سے نامراد وہ شخص ہوگا جس نے شرک کا بوجھ اپنے اوپر لا رکھا ہوگا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم بھی ہے اور ناقابل معافی بھی۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ
ظُلُمًا وَلَا هَضْمًا ﴿۱۱﴾

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَوَّرْنَاهُ مِنْ
الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۲﴾

۱۱۲. اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان والا بھی ہو تو
اسے بے انصافی کا کھٹکا ہو گا نہ حق تلفی کا۔^(۱)

۱۱۳. اور اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا
ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تاکہ
لوگ پرہیزگار بن جائیں^(۲) یا ان کے دل میں سوچ سمجھ
توپیدا کرے۔^(۳)

۱۱۴. پس اللہ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ ہے۔^(۴)
تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری
طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے،^(۵) ہاں یہ
دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔^(۶)

فَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ
قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي
عِلْمًا ﴿۱۳﴾

۱. بے انصافی یہ ہے کہ اس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے اور حق تلفی یہ ہے کہ نیکیوں کا اجر کم
دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں وہاں نہیں ہوں گی۔

۲. یعنی گناہ، محرمات اور فواحش کے ارتکاب سے باز آجائیں۔

۳. یعنی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا شوق یا پچھلی امتوں کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا جذبہ ان
کے اندر پیدا کر دے۔

۴. جس کا وعدہ اور وعید حق ہے، جنت اور دوزخ حق ہے اور اس کی ہر بات حق ہے۔

۵. جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور سناتے تو نبی ﷺ بھی جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے، کہ کہیں کچھ
حصہ بھول نہ جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ غور سے، پہلے وحی کو سنیں، اس کو یاد کرنا اور دل
میں بٹھا دینا یہ ہمارا کام ہے جیسا کہ سورۃ قیامت میں آئے گا۔

۶. یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا فرماتے رہیں۔ اس میں علماء کے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ فتویٰ میں پوری تحقیق
اور غور سے کام لیں، جلد بازی سے بیجیں اور علم میں اضافے کی صورتیں اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ علاوہ ازیں
علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے۔ قرآن میں اسی کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے حاملین کو علماء، دیگر چیزوں
کا علم جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے، وہ سب فن ہیں، ہنر ہیں اور صنعت و حرفت ہیں۔ نبی کریم ﷺ
جس علم کے لیے دعا فرماتے تھے، وہ وحی و رسالت ہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے، جس سے انسان کا ربط
و تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا، اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی اور اللہ کی رضا و عدم رضا کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی
دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ پڑھا کرتے تھے۔ «اللَّهُمَّ أَنْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي

عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ» (ابن ماجہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل، المقدمة)

۱۱۵۔ اور ہم نے آدم (علیہ السلام) کو پہلے ہی تاکید حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا۔^(۱)
 ۱۱۶۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا، اس نے صاف انکار کر دیا۔

۱۱۷۔ تو ہم نے کہا اے آدم! (علیہ السلام) یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔^(۲)
 ۱۱۸۔ یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ قَنُوسٍ وَلَمْ يُخِذْ
 الْإِغْوَاۓ

وَأَذَقْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ ذَاقًا وَالْإِغْوَاۓ
 الْإِبْلِيسَ ابْنِ

فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا
 تَخْرُجْ بَٰرَكًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَنَسَوٰۤى

إِنَّ لَّكَ الْآخِزَ وَزَيْفَهَا وَلَا تُعْرٰۤى

۱۔ نسیان، (بھول جانا) ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری یعنی فقدان عزم۔ یہ بھی انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں ہی شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت و سرکشی کا جذبہ اور اللہ کی نافرمانی کا عزم مصمم شامل نہ ہو، تو بھول اور ضعف ارادہ سے ہونے والی غلطی عصمت و کمال نبوت کے منافی نہیں، کیوں کہ اس کے بعد انسان فوراً نادم ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کیا) حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ یہی وہ بات ہے جسے یہاں عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے قریب جانے یعنی اس سے کچھ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ اس درخت کے قریب نہیں جائیں گے۔ لیکن جب شیطان نے اللہ کی قسمیں کھا کر انہیں یہ باور کرایا کہ اس کا پھل تو یہ تاثیر رکھتا ہے کہ جو کھا لیتا ہے، اسے حیات جاوداں اور دائمی بادشاہت مل جاتی ہے۔ تو ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور اس فقدان عزم کی وجہ سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو گئے۔

۲۔ یہ شقا، محنت و مشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سہولتیں بغیر کسی محنت کے حاصل ہیں، جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑے گی، جس طرح کہ ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ علاوہ ازیں صرف آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ تو محنت و مشقت میں پڑ جائے گا۔ دونوں کو نہیں کہا گیا حالاں کہ درخت کا پھل کھانے والے آدم علیہ السلام و حوا دونوں ہی تھے۔ اس لیے کہ اصل مخاطب آدم علیہ السلام ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے، عورت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس محنت و مشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن آج عورت کو یہ ”اعزاز الہی“ ”طوق غلامی“ نظر آتا ہے، جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروف جدوجہد ہے آہ! انوائے شیطانی بھی کتنا موثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دل فریب ہے۔

وَأَنَّكَ لَا تَظُنُّوهُمْ إِلَّا لَخَعْفٍ ۝۱۹

۱۱۹. اور نہ تو یہاں پیسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے۔

قَوَّسُ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا دَاهُ هَلْ أَذِلَّتْ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكُ لَدُنِّي ۝۲۰

۱۲۰. لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا، کہنے لگا کہ کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو؟

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَّتْ لَهَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرَنِ الْجِنَّةِ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ۝۲۱

۱۲۱. چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھالیا پس ان کے ستر کھل گئے اور وہ بہشت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے۔ اور آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا۔^(۱)

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ۝۲۲

۱۲۲. پھر اس کے رب نے اسے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی۔^(۲)

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَعِلَ بَعْضُكُم لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۝۲۳ فَمَا يَكْتُمُكُمْ هُنِي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هَذَا فَلَا يُضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝۲۴

۱۲۳. فرمایا، تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً

۱۲۴. اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس

۱. یعنی درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مطلوب یا راہ راست سے بہک گیا۔

۲. اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم (علیہ السلام) سے مذکورہ عصیان کا صدور، نبوت سے قبل ہوا، اور نبوت سے اس کے بعد آپ کو نوازا گیا۔ لیکن ہم نے گزشتہ صفحے میں اس ”معصیت“ کی جو حقیقت بیان کی ہے، وہ عصمت کے منافی نہیں رہتی۔ کیوں کہ ایسا سہو و نسیان، جس کا تعلق تبلیغ رسالت اور تشریح سے نہ ہو، بلکہ ذاتی افعال سے ہو اور اس میں بھی اس کا سبب ضعف ارادہ ہو تو یہ دراصل وہ معصیت ہی نہیں ہے، جس کی بنا پر انسان غضب الہی کا مستحق بنتا ہے۔ اس پر جو معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو محض ان کی عظمت شان اور مقام بلند کی وجہ سے کہ بڑوں کی معمولی غلطی کو بھی بڑا سمجھ لیا جاتا ہے، اس لیے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اس کے بعد اسے نبوت کے لیے چن لیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ندامت اور توبہ کے بعد ہم نے اسے پھر مقام اجزاء پر فائز کر دیا، جو پہلے انہیں حاصل تھا۔ ان کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ، ہماری مشیت اور حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا عتاب ہے جو آدم (علیہ السلام) پر نازل ہوا ہے۔

کی زندگی تنگی میں رہے گی،^(۱) اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔^(۲)

۱۲۵۔ وہ کہے گا کہ الہی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔

۱۲۶۔ (جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلادیا جاتا ہے۔

۱۲۷۔ اور ہم ایسا ہی بدلہ ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے، اور بیشک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور باقی رہنے والا ہے۔

۱۲۸۔ کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کر دی ہیں جن کے رہنے سہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

۱۲۹۔ اور اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت معین کردہ نہ ہوتا تو اسی وقت عذاب آچمٹا۔^(۳)

ضَمًّا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمٰی ۝

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِيْبَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْصٰی ۝

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآٰیٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ۝

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اٰهَلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِينِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآٰیٰتٍ لِّاُولِيْ الْاَلْبٰبِ ۝

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزُلَمًا وَّاجِلًا مُّسْمٰی ۝

۱۔ اس تنگی سے بعض نے عذاب قبر اور بعض نے وہ قلق واضطراب، بے چینی اور بے کلی مراد لی ہے جس میں اللہ کی یاد سے غافل بڑے بڑے دولت مند مبتلا رہتے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد فی الواقع آنکھوں سے اندھا ہونا ہے یا پھر بصیرت سے محرومی مراد ہے۔ یعنی وہاں اس کو کوئی ایسی دلیل نہیں سوچھے گی جسے پیش کر کے وہ عذاب سے چھوٹ سکے۔

۳۔ یعنی یہ مکذبین اور مشرکین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گزر کر آگے جاتے ہیں، انہیں ہم اسی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں جن کے عبرتاک انجام میں اہل عقل و دانش کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کیے ہوئے انہی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لیے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے، کسی کو ہلاک نہیں کرتا، تو فوراً انہیں عذاب الہی آچمٹتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے، جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے۔ مہلت عمل

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ الْيَلِيلِ فَسَبِّحْ
وَاطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝

۱۳۰۔ پس ان کی باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی
تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ، سورج نکلنے سے پہلے اور
اس کے ڈوبنے سے پہلے، رات کے مختلف وقتوں میں بھی
اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ، (۱) بہت ممکن
ہے کہ تو راضی ہو جائے۔ (۲)

وَلَا تَسْتَكْبِرْ عَيْنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا
وَمَا لَهُمْ أَزْوَاجُ الْعَالَمِينَ الَّذِينَ لَا يَنْفَعُهُمْ فِيهِ
وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْغَىٰ ۝

۱۳۱۔ اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو
ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے
رکھی ہیں تاکہ انہیں اس میں آزمائیں (۳) اور تیرے رب
کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ (۴)

ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۱۔ بعض مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل فجر،
غروب سے قبل عصر، رات کی گھڑیوں سے مغرب و عشاء اور اطراف النہار سے ظہر کی نماز مراد ہے کیوں کہ ظہر کا وقت،
یہ نہار اول کا طرف آخر اور نہار آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ویسے ہی اللہ کی تسبیح و تحمید
ہے جس میں نماز، تلاوت، ذکر اور اذکار، دعا و مناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی
تکذیب سے بد دل نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرمالے گا۔

۲۔ یہ متعلق ہے فَسَبِّحْ سے۔ یعنی ان اوقات میں تسبیح کریں، یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں آپ کو وہ مقام و درجہ
حاصل ہو جائے گا جس سے آپ کا نفس راضی ہو جائے۔

۳۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۃ آل عمران: ۱۹۶-۱۹۷، سورۃ الحجر: ۸۷-۸۸ اور سورۃ الکہف: ۷، وغیرہ میں
بیان ہوا ہے۔

۴۔ اس سے مراد آخرت کا اجر و ثواب ہے جو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے
والا بھی۔ حدیث ایلاء میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ ایک کھردری
چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سرو سامانی کا یہ عالم، کہ گھر میں چڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عمر کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ عرض کیا یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیصر و کسریٰ کس طرح آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کا -باوجود اس بات کے کہ آپ افضل
الخلق ہیں- یہ حال ہے؟ فرمایا، ”عمر کیا تم اب تک شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزیں دنیا میں
ہی دے دی گئی ہیں۔“ یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری، سورۃ التحريم و مسلم، باب الإیلاء)

وَأَمْرُ أَهْلِكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا
لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوَى ﴿۱۶﴾

وَالْوَالِدَاكَ يَا بَنِي آدَمَ مِنْ رَبِّهِ أُولَئِكَ تَتْلِيهِمْ
بَيْنَهُ نَافِي الضُّعْفِ الْأَوَّلِ ﴿۱۶﴾

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بَعْدَ آيٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا
رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ
مِنْ قَبْلِ أَنْ تَذِلَّ وَنَخْزَى ﴿۱۶﴾

قُلْ كُلُّ مُشْرِئٍ فَتَرَكِبُوا فَسْتَعْلَبُونَ
مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى ﴿۱۶﴾

۱۳۲. اور اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ
اور خود بھی اس پر جما رہ، ^(۱) ہم تجھ سے روزی نہیں
مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا
پر ہیزگاری ہی کا ہے۔

۱۳۳. اور انہوں نے کہا کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے
پروردگار! کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لایا؟ ^(۲) کیا
ان کے پاس آگلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟ ^(۳)

۱۳۴. اور اگر ہم اس سے ^(۴) پہلے ہی انہیں عذاب سے
ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے
پروردگار! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ
ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم
ذلیل و رسوا ہوتے۔

۱۳۵. کہہ دیجیے ہر ایک انجام کا منتظر ہے ^(۵) پس تم بھی
انتظار میں رہو۔ ابھی ابھی قطعاً جان لو گے کہ راہ راست
والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں۔ ^(۶)

۱. اس خطاب میں ساری امت نبی ﷺ کے تابع ہے۔ یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی
کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔

۲. یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانی، جیسے شہود کے لیے اونٹنی ظاہر کی گئی تھی۔

۳. ان سے مراد تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں۔ یعنی کیا ان میں نبی ﷺ کی صفات موجود نہیں ہیں، جن سے ان کی
نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کیا ان کے پاس پچھلی قوموں کے یہ حالات نہیں پہنچے کہ انہوں نے جب اپنی
حسب خواہش معجزے کا مطالبہ کیا اور وہ انہیں دکھایا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے، تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔

۴. مراد آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۵. یعنی مسلمان اور کافر دونوں اس انتظار میں ہیں کہ دیکھو کفر غالب رہتا ہے یا اسلام غالب آتا ہے؟

۶. اس کا علم تمہیں اس سے ہو جائے گا کہ اللہ کی مدد سے کامیاب اور سرخرو کون ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ کامیابی مسلمانوں کے
حصے میں آئی، جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی سیدھا راستہ اور اس کے حاملین ہی ہدایت یافتہ ہیں۔



سورۃ انبیاء مکی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا^(۱) پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔^(۲)

۲. ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نئی نصیحت آتی ہے اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں۔^(۳)

۳. ان کے دل بالکل غافل ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم ہی جیسا انسان ہے، پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھتے جادو میں آجاتے ہو۔^(۴)

۴. پیغمبر نے کہا میرا پروردگار ہر اس بات کو جو آسمان وزمین میں ہے بخوبی جانتا ہے، وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔^(۵)

۵. اتنا ہی نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پرانگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ اَلَا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ

لَا هِیَۃَ قُلُوْبُهُمْ وَاَسْرُوْا السُّجُوۡی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا هٰٓؤُلَآءِ هٰذَا الَّذِیْ رَسَدْنَا لَكُمْ اَفَا تَنْوَنَ السُّجْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ

قُلْ رَبِّیْ عَلَّمَ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلْ اِنَّا نَحْنُ قَوْمٌ مُّسْرِیۡوْنَ قُلْ اِنِّیۡٓ اَنْۢبِیَآءُ کَمَاۤ اَنْۢبِیَۡا اَوَّلُوْنَ

۱. وقت حساب سے مراد قیامت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اور وہ ہر چیز جو آنے والی ہے، قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لیے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔

۲. یعنی اس کی تیاری سے غافل، دنیا کی زینتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

۳. یعنی قرآن جو وقتاً فوقتاً حسب حالات و ضروریات نیا نیا اترتا رہتا ہے، وہ اگرچہ انہی کی نصیحت کے لیے اترتا ہے، لیکن وہ اسے اس طرح سنتے ہیں جیسے وہ استہزاء و مذاق اور کھیل کر رہے ہوں یعنی اس میں تدر و غور و فکر نہیں کرتے۔

۴. یعنی نبی کا بشر ہونا ان کے لیے ناقابل قبول ہے پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ تو جادوگر ہے، تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں جھٹتے ہو؟

۵. وہ تمام بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کے اعمال سے واقف ہے، تم جو جھوٹ بکتے ہو، اسے سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں، اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

بلکہ یہ شاعر ہے،^(۱) ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لائے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔^(۲)

۶. ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑیں سب ایمان سے خالی تھیں۔ تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے۔^(۳)

۷. اور تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے سبھی مرد تھے^(۴) جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔^(۵)

مَا آمَدَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ①

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ ②

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ③

۱. ان سرگوشی کرنے والے ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کہا کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی طرح پرآگندہ افکار کا مجموعہ، بلکہ اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے اور یہ قرآن کتاب ہدایت نہیں، شاعری ہے۔ یعنی کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں ہے۔ ہر روز ایک نیا پیٹنرا بدلتے اور نئی سے نئی الزام تراشی کرتے ہیں۔

۲. یعنی جس طرح صالح علیہ السلام کے ساتھ اوٹنی، اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عصا اور ید بیضا وغیرہ۔

۳. یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش معجزہ دکھلانے پر وہ ایمان لے آئی ہوں، بلکہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں، جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدر بنی۔ تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلا دی جائے، تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی ستمذہب و عناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔

۴. یعنی تمام نبی مرد انسان تھے، نہ کوئی غیر انسان کبھی نبی آیا اور نہ غیر مرد، گویا نبوت انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں بھی مردوں کے ساتھ ہی خاص رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت نبی نہیں بنی۔ اس لیے کہ نبوت بھی ان فرائض میں سے ہے جو عورت کے طبعی اور فطری دائرہ عمل سے خارج ہے۔

۵. أَهْلَ الذِّكْرِ (اہل علم) سے مراد اہل کتاب ہیں، جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے، ان سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گزرے ہیں، وہ انسان تھے یا غیر انسان؟ وہ تمہیں بتلائیں گے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے۔ اس سے بعض حضرات "تقلید" کا اثبات کرتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ "تقلید" یہ ہے کہ ایک معین شخص، اور اس کی طرف منسوب ایک معین فقہ کو مرجع بنایا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ بغیر دلیل کے اس بات کو تسلیم کیا جائے جب کہ آیت میں اہل الذکر سے مراد کوئی متعین شخص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ عالم ہے جو تورات و انجیل کا علم رکھتا تھا۔ اس سے تو تقلید شخصی کی نفی ہوتی ہے؟ اس میں تو علماء کی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے، جو عوام کے لیے ناگزیر ہے، جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔ نہ کہ کسی ایک ہی شخصیت کا دامن پکڑ لینے کا حکم۔ علاوہ ازیں تورات و انجیل، منصوص کتابیں تھیں یا انسانوں کی خود ساختہ فقہیں؟ اگر وہ آسمانی کتابیں تھیں تو مطلب یہ ہوا کہ علماء کے ذریعے سے نصوص شریعت معلوم کریں، جو آیت کا صحیح مفہوم ہے۔"

۸. اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔^(۱)

۹. پھر ہم نے ان سے کیے ہوئے سب وعدے سچے کیے انہیں اور جن جن کو ہم نے چاہا نجات عطا فرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کر دیا۔^(۲)

۱۰. یقیناً ہم نے تمہاری جانب کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لیے ذکر ہے، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے؟

۱۱. اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں^(۳) جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا۔

۱۲. جب انہوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو لگے اس سے بھاگنے۔^(۴)

۱۳. بھاگ دوڑ نہ کرو^(۵) اور جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی وہیں واپس لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف جاؤ^(۶)

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا اَلَا يَاطَلُونَ السَّاعَةَ
وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ^(۱)

لَوْ صَدَقْنَاهُم الْوَعْدَ لَآتَيْنَهُمْ مِّنْ نَّشَأٍ وَاهْلَكْنَا
الْمُسْرِفِينَ^(۲)

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ^(۳)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَاَنْشَاْنَا
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِينَ^(۴)

فَلَمَّا اَحْسَوْا بِاَسْوَاقِهِمْ مِّنْهَا يَرْتُضُّوْنَ^(۵)

لَا تَرْتَضُوْا اَوْ اُتِىْصُوْا اِلٰى مَا اَنْزَلْنٰمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنُهُمْ
لَعَلَّكُمْ تَنْتَبِهُوْنَ^(۶)

۱. بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور موت سے ہم کنار ہو کر راہ گیرانِ عالم بقا بھی ہوئے، یہ انبیاء کی بشریت ہی کی دلیل دی جا رہی ہے۔

۲. یعنی وعدے کے مطابق نبیوں کو اور اہل ایمان کو نجات عطا کی اور حد سے تجاوز کرنے والے یعنی کفار و مشرکین کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

۳. قَصَمَ کے معنی ہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دینا اور کَمَ صیغہ تکثیر ہے۔ یعنی کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا (قوم نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں)۔ (بنی اسرائیل: ۱۷)

۴. احساس کے معنی ہیں، حواس کے ذریعے سے ادراک کر لینا۔ یعنی جب انہوں نے عذاب یا اس کے آثار کو آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ لیا، یا کڑک گرج کی آواز سن کر معلوم کر لیا، تو اس سے بچنے کے لیے راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ رَضُّص کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی گھوڑے وغیرہ پر بیٹھ کر اس کو دوڑانے کے لیے ایڑ لگائے۔ یہیں سے یہ بھاگنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

۵. یہ فرشتوں نے ندا دی یا مومنوں نے استہزاء کے طور پر کہا۔

۶. یعنی جو نعمتیں اور آسائشیں تمہیں حاصل تھیں جو تمہارے کفر اور سرکشی کا باعث تھیں اور وہ مکانات جن میں تم

تاکہ تم سے سوال تو کر لیا جائے۔^(۱)

۱۴۔ کہنے لگے ہائے ہماری خرابی! بیشک ہم ظالم تھے۔

۱۵۔ پھر تو ان کا یہی قول رہا^(۲) یہاں تک کہ ہم نے انہیں جڑ سے کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی پڑی آگ (کی طرح) کر دیا۔^(۳)

۱۶۔ اور ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیلے ہوئے نہیں بنایا۔^(۴)

۱۷۔ اگر ہم یوں ہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اسے اپنے پاس سے ہی بنالیتے،^(۵) اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔^(۶)

۱۸۔ بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے،^(۷) تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لیے باعث

قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ الْمَكِيدِ ۝

فَمَا زِلْنَا تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خُمُودٍ ۝

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْبٍ ۝

لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلِهَةً مِنْ دُونِ اللَّهِ لَأَفْلَحُوا ۝

بَلْ نَقْذِرُ الْبَاطِلَ عَلَى الْبَاطِلِ قَيْدًا مَعَهُ ۝ وَآذَاقُ مُوَرَاهِقٍ ۝ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا نَصِفُونَ ۝

رہتے تھے اور جن کی خوبصورتی اور پائیداری پر فخر کرتے تھے ان کی طرف پلٹو۔

۱۔ اور عذاب کے بعد تمہارا حال احوال تو پوچھ لیا جائے کہ تم پر یہ کیا بیتی، کس طرح بیتی اور کیوں بیتی؟ یہ سوال بطور طنز اور مذاق کے ہے، ورنہ ہلاکت کے شکنجے میں کسے جانے کے بعد وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی کب رہتے تھے؟

۲۔ یعنی جب تک زندگی کے آثار ان کے اندر رہے، وہ اعتراف ظلم کرتے رہے۔

۳۔ حَصِيدٌ، کٹی ہوئی کھیتی کو اور خُمُودٌ آگ کے بجھ جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی بالآخر وہ کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر ہو گئے، کوئی تاب و توانائی اور حس و حرکت ان کے اندر نہ رہی۔

۴۔ بلکہ اس کے کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، مثلاً بندے میرا ذکر و شکر کریں، نیکیوں کو نیکیوں کی جزاء اور بدوں کو برائیوں کی سزا دی جائے۔ وغیرہ

۵۔ یعنی اپنے پاس سے ہی کچھ چیزیں کھیل کے لیے بنالیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے۔ اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی اور پھر اس میں ذی روح اور ذی شعور مخلوق بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

۶۔ ”اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔“ عربی اسلوب کے اعتبار سے یہ زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس ترجمہ کے کہ ”ہم کرنے والے ہی نہیں۔“ (فتح القدیر)۔

۷۔ یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے

خرابی ہیں۔^(۱)

۱۹. اور آسمانوں اور زمین میں جو ہے اسی اللہ کا ہے^(۲) اور جو اس کے پاس ہیں^(۳) وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

۲۰. وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے۔

۲۱. کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو زندہ کر دیتے ہیں؟^(۴)

۲۲. اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے،^(۵) پس

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖۚ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ^①

يُسَبِّحُوْنَ اَيْلًا وَاللَّهَازِ لَا يَفْتُرُوْنَ^②

اِمَّا اتَّخَذُواْ اِلٰهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُبۡرِئُوْنَ^③

لَوْ كَانَفِيۡهَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتۡا فَاسۡبَحۡنِ اللّٰهَ رَبَّ الْعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ^④

درمیان جو تصادم ہے، اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں۔ چنانچہ ہم حق کو باطل پر یا سچ کو جھوٹ پر یا خیر کو شر پر مارتے ہیں، جس سے باطل، جھوٹ اور شر کا بھیجا نکل جاتا ہے اور چشمِ زدن میں وہ نابود ہو جاتا ہے۔ دَمَغُ سر کی ایسی چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے۔ رَهَقُ کے معنی، ختم یا ہلاک و تلف ہو جانے کے ہیں۔

۱. یعنی رب کی طرف تم جو بے سرو پا باتیں منسوب کرتے یا اس کی بابت باور کراتے ہو، (مثلاً یہ کائنات ایک کھیل ہے، ایک کھنڈرے کا شوقِ فضول ہے وغیرہ) یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہے۔ کیونکہ اسے کھیل تماشا سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تاہل اور خوف محسوس نہیں کرتے، جس کا نتیجہ بالآخر تمہاری بربادی اور ہلاکت ہی ہے۔

۲. سب اسی کی ملکیت اور اسی کے غلام ہیں۔ پھر جب تم کسی غلام کو اپنا بیٹا اور کسی لونڈی کو بیوی بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے مملوکیں اور غلاموں میں سے بعض کو بیٹا اور بعض کو بیوی کس طرح بنا سکتا ہے؟

۳. اس سے مراد فرشتے ہیں، وہ بھی اس کے غلام اور بندے ہیں، ان الفاظ سے ان کا شرف و اکرام بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اس کی بارگاہ کے مقربین ہیں۔ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔

۴. استفہام انکاری ہے یعنی نہیں کر سکتے۔ پھر وہ ان کو، جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے، اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

۵. یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ و شعور اور مرضی کارفرما ہوتی اور جب دو ہستیاں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے، بغیر کسی ادنیٰ توقف کے، قائم چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے

اللہ تعالیٰ عرش کا رب ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں۔

۲۳. وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔

۲۴. کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، ان سے کہہ دو لاؤ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ ہے میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے اگلوں کی دلیل۔^(۱) بات یہ ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے اسی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

۲۵. اور تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔^(۲)

۲۶. اور (مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمن اولاد والا ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے، بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں۔

۲۷. کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں۔^(۳)

لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۲۳﴾

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا إِذْ كُنْتُمْ مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿۲۶﴾

لَا يَسْتَفِئُونَ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَفْرِءٍ يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾

لکھنا، دنوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے۔ جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ ومشیت کارفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو دینے والا کوئی نہیں۔

۱. ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب آسمانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں، سب میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ مشرکین اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور بدستور اس توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

۲. یعنی تمام پیغمبر بھی یہی توحید کا پیغام لے کر آئے۔

۳. اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ فرمایا، وہ بیٹیاں نہیں، اس کے ذی عزت

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ
خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو^(۱) اور وہ تو خود ہیبت الہی سے لرزاں وترساں ہیں۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُ
تَحْوِيلُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں^(۲) ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَأُوا أَنَّهُمْ كَفَرُوا أَنَّهُ السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ

۳۰۔ کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا^(۳) کہ آسمان وزمین باہم ملے جلے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا^(۴) اور ہر زندہ

بندے اور اس کے فرماں بردار ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹے، بیٹیوں کی ضرورت، اس وقت پڑتی ہے جب عالم پیری میں ضعف و اضمحلال کا آغاز ہو جاتا ہے تو اس وقت اولاد سہارا بن جاتی ہے، اسی لیے اولاد کو عصائے پیری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بڑھاپا، ضعف و اضمحلال، ایسے عوارض ہیں جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔ اس لیے اسے اولاد کی یا کسی بھی سہارے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صالحین کے علاوہ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ حدیث صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن یہ سفارش انہی کے حق میں ہوگی۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش اپنے نافرمان بندوں کے لیے نہیں، صرف گناہ گار مگر فرماں بردار بندوں یعنی اہل ایمان و توحید ہی کے لیے پسند فرمائے گا۔
۲۔ یعنی ان فرشتوں میں سے بھی اگر کوئی الہ ہونے کا دعویٰ کر دے تو ہم اسے بھی جہنم میں پھینک دیں گے۔ یہ شرطیہ کلام ہے، جس کا وقوع ضروری نہیں۔ مقصد، شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے۔ جیسے ﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلِيُّ فَأَنَا أَوْلَىٰ الْيَتِيمِينَ﴾ (الزحرف: ۸۱) (اگر بالفرض رحمن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں گا)۔ ﴿لَئِنْ أَسْرَفْتُمْ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكُم﴾ (الزمر: ۶۵) (اے پیغمبر! اگر تو بھی شرک کرے تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے)۔ یہ سب مشروط ہیں جن کا وقوع غیر ضروری ہے۔

۳۔ اس سے رویت عینی نہیں، رویت قلبی مراد ہے یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا؟ یا انہوں نے جانا نہیں؟
۴۔ رَتَّقَ کے معنی، بند کے اور فَتَّقَ کے معنی پھاڑنے، کھولنے اور الگ الگ کرنے کے ہیں۔ یعنی آسمان وزمین، ابتداءً امر میں، باہم ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے، ہم نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا، آسمانوں کو اوپر کر دیا جس سے بارش برستی ہے اور زمین کو اپنی جگہ پر رہنے دیا، یوں وہ پیداوار کے قابل ہو گئی۔

كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفْلاَكِيُوْمُونَ ﴿٦٠﴾

چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا^(۱) کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيًا أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٦١﴾

۳۱. اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنادیے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے،^(۲) اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں بنادیں^(۳) تاکہ وہ راستہ حاصل کریں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٦٢﴾

۳۲. اور آسمان کو محفوظ چھت^(۴) بھی ہم نے ہی بنایا ہے۔ لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْيَوْمَ وَاللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٦٣﴾

۳۳. اور وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔^(۵) ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔^(۶)

۱. اس سے مراد اگر بارش اور چشموں کا پانی ہے، تب بھی واضح ہے کہ اس سے روئیدگی ہوتی اور ہر ذی روح کو حیاتِ نو ملتی ہے اور اگر مراد نطفہ ہے، تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ ہر زندہ چیز کے وجود کا باعث وہ قطرہ آب ہے جو نر کی صلب سے نکلتا اور مادہ کے رحم میں جاکر قرار پکڑتا ہے۔

۲. یعنی اگر زمین پر یہ بڑے بڑے پہاڑ نہ ہوتے تو زمین میں جنبش اور لرزش ہوتی رہتی، جس کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے زمین مسکن اور مستقر بننے کی صلاحیت سے محروم رہتی۔ ہم نے پہاڑوں کا بوجھ اس پر ڈال کر اسے ڈٹاؤا ڈول ہونے سے محفوظ کر دیا۔

۳. اس سے مراد زمین یا پہاڑ ہیں، یعنی زمین میں کشادہ راستے بنا دیے یا پہاڑوں میں درے رکھ دیے، جس سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنا جانا آسان ہو گیا۔ يَهْتَدُونَ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی معاش کے مصالح و مفادات حاصل کر سکیں۔

۴. سَقْفًا مَحْفُوظًا زمین کے لیے محفوظ چھت، جس طرح خیمے اور قبة کی چھت ہوتی ہے۔ یا اس معنی میں محفوظ کہ ان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے، ورنہ آسمان زمین پر گر پڑیں تو زمین کا سارا نظام تہ و بالا ہو سکتا ہے۔ یا شیاطین سے محفوظ۔ جیسے فرمایا ﴿وَحَفِظْنَاهُمْ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيزٍ﴾۔ (الحجر: ۱۷)

۵. یعنی رات کو آرام اور دن کو معاش کے لیے بنایا، سورج کو دن کی اور چاند کو رات کی نشانی بنایا، تاکہ مہینوں اور سالوں کا حساب کیا جاسکے، جو انسان کی اہم ضروریات میں سے ہے۔

۶. جس طرح پیراک سطح آب پر تیرتا ہے، اسی طرح چاند اور سورج اپنے مدار پر تیرتے یعنی رواں دواں رہتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرِ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَدْنٰى ۚ
مِتَّ فَهُمُ الْخُلْدُ وَنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے۔^(۱)

كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ الْمَوْتِ ۚ وَنَبِّئُوْكُمْ
بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فَنَتَّهِوْا لِكَيْنَا تَرْجِعُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں^(۲) اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۳)

وَإِذَا دَاٰكُ الْاٰثِنِ كَفَرُوْا اِنْ يَّتَّخِذُوْا
اِلٰهًا وَّآلِهَةً اِلَّا الَّذِيْ يُّدْكِرُ الْهَيْكَلُ وَهُمْ
يَذْكُرُ الرَّحْمٰنُ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور یہ منکرین تجھے جب بھی دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق ہی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کرتا ہے، اور وہ خود ہی رحمن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں۔^(۴)

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَآوِرْ يَّكُوْلِيْنَ
فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ انسان جلد باز مخلوق ہے۔ میں تمہیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی دکھاؤں گا تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو۔^(۵)

۱۔ یہ کفار کے جواب میں، نبی ﷺ کی بابت کہتے تھے کہ ایک دن اسے مر ہی جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موت تو ہر انسان کو آتی ہے اور اس اصول سے یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں۔ کیونکہ وہ بھی انسان ہی ہیں اور ہم نے کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہمیشگی نہیں رکھی ہے۔ لیکن کیا یہ بات کہنے والے خود نہیں مرے گئے؟ اس سے صدمہ پرستوں کی بھی تردید ہوگئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء و اولیاء کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ فَتَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْفٰسِدَةِ الَّتِي تُعَارِضُ الْقُرْآنَ۔

۲۔ یعنی کبھی مصائب و آلام سے دوچار کر کے اور کبھی دنیا کے وسائل فراواں سے بہرہ ور کر کے۔ کبھی صحت و فراخی کے ذریعے سے اور کبھی تنگی و بیماری کے ذریعے سے، کبھی تو نگری دے کر اور کبھی فقر وفاقہ میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ شکر گزاری کون کرتا ہے اور ناشکری کون؟ صبر کون کرتا ہے اور ناصبری کون؟ شکر اور صبر، یہ رضائے الہی کا اور کفرانِ نعمت اور ناصبری غضبِ الہی کا موجب ہے۔

۳۔ وہاں تمہارے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزاء دیں گے۔ اول الذکر لوگوں کے لیے بھلائی اور دوسروں کے لیے برائی۔ ۴۔ اس کے باوجود یہ رسول اللہ ﷺ کا استہزاء و مذاق اڑاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَإِذَا دَاٰكُ الْاٰثِنِ يَتَخَذُ وَنَاكُ الْاِهْزَاوَا الَّذِي يَعْصِي اللّٰهَ رَسُوْلًا﴾ (الفرقان: ۳۱) (جب اے پیغمبر! یہ کفار مکہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟)

۵۔ یہ کفار کے مطالبہ عذاب کے جواب میں ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں غلبت اور جلد بازی ہے۔ اس لیے وہ

۳۸. اور کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو بتادو کہ یہ وعدہ کب ہے؟

۳۹. کاش! یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔^(۱)

۴۰. (ہاں ہاں!) وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آجائے گی اور انہیں ہکا بکا کر دے گی،^(۲) پھر نہ تو یہ لوگ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیے جائیں گے۔^(۳)

۴۱. اور تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا پس ہنسی کرنے والوں کو ہی اس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔^(۴)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۳۹﴾

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۴۰﴾

وَلَقَدْ اسْتَهْزَىٰ بُرْسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۱﴾

پیغمبر سے بھی جلدی مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے کہ اپنے اللہ سے کہہ کر ہم پر فوراً عذاب نازل کروا دے۔ اللہ نے فرمایا، جلدی مت کرو، میں عنقریب اپنی نشانیاں تمہیں دکھاؤں گا۔ ان نشانوں سے مراد عذاب بھی ہو سکتا ہے اور صداقت رسول ﷺ کے دلائل وبراہین بھی۔

۱. اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر یہ جان لیتے تو پھر عذاب کا جلدی مطالبہ نہ کرتے یا یقیناً جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے یا کفر پر قائم نہ رہتے بلکہ ایمان لے آتے۔

۲. یعنی انہیں کچھ بھائی نہیں دے گا کہ وہ کیا کریں؟

۳. کہ وہ توبہ و اعتذار کا اتمام کر لیں۔

۴. رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین کے استہزاء اور تکذیب سے بد دل نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تجھ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، بالآخر وہی عذاب ان پر الٹ پڑا، یعنی اس نے انہیں گھیر لیا، جس کا وہ استہزاء و مذاق اڑایا کرتے تھے اور جس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد تھا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كَانُوا يَٰۤا وَادَّٰحٰی اَتَاهُمْ نَصْرُنَا﴾ (الانعام: ۳۳) (تجھ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے، پس انہوں نے تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو انہیں دی گئیں، صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی)۔ رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے ساتھ کفار و مشرکین کے لیے اس میں تہدید و وعید بھی ہے۔

قُلْ مَنْ يَجْعَلُكُمْ بِالْبَيْتِ وَالْمَكَاثِمِ الرَّحْمَنُ
بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

اَمْ لَهُمُ الْهَيْئَةُ سَنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا
لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا
يُصْحَبُونَ ﴿۳۳﴾

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ
عَلَيْهِمُ الْعُرُوفُ اَنَّا نَاتِي الْاَرْضَ
نَنْقُصُهَا مِنْ اُظْرَافِهَا اِنَّهُمْ الْغَالِبُونَ ﴿۳۴﴾

قُلْ اِنَّمَا اُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ
اِذَا مَا يَنْذَرُونَ ﴿۳۵﴾

۳۲۔ ان سے پوچھیے کہ رحمن سے، دن اور رات تمہاری حفاظت کون کر سکتا ہے؟^(۱) بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے پھرے ہوئے ہیں۔

۳۳۔ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو انہیں مصیبتوں سے بچالیں۔ کوئی بھی خود اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ کوئی ہماری طرف سے رفاقت دیا جاتا ہے۔^(۲)

۳۴۔ بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے سردسامان دیے یہاں تک کہ ان کی مدت عمر گزر گئی۔^(۳) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں،^(۴) اب کیا وہی غالب ہیں؟^(۵)

۳۵۔ کہہ دیجیے میں تو تمہیں اللہ کی وحی کے ذریعے آگاہ کر رہا ہوں مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب کہ انہیں

۱۔ یعنی تمہارے جو کثوت ہیں، وہ تو ایسے ہیں کہ دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آسکتا ہے؟ اس عذاب سے دن اور رات تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الہی سے تمہاری حفاظت کر سکے؟
۲۔ اس کے معنی ہیں وَلَا هُمْ يَجَارُونَ مِنْ عَذَابِنَا ”نہ وہ ہمارے عذاب سے ہی محفوظ ہیں۔“ یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور اللہ کے عذاب سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہوتی ہے اور وہ انہیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

۳۔ یعنی ان کی یا ان کے آباء و اجداد کی زندگیاں اگر عیش و راحت میں گزر گئیں تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں؟ اور آئندہ بھی انہیں کچھ نہیں ہوگا؟ نہیں، بلکہ یہ چند روزہ زندگی کا آرام تو ہمارے اصول مہلت کا ایک حصہ ہے، اس سے کسی کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔ یعنی ارض کفر بتدریج گھٹ رہی ہے اور دولت اسلام و وسعت پذیر ہے۔ کفر کے پیروں تلے سے زمین کھسک رہی ہے اور اسلام کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور مسلمان علاقے پر علاقہ فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔

۵۔ یعنی کفر کو سستا اور اسلام کو بڑھتا ہوا دیکھ کر بھی کیا وہ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب ہیں؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی وہ غالب نہیں، مغلوب ہیں۔ فاتح نہیں، مفتوح ہیں۔ معزز و سرفراز نہیں، ذلت و خواری ان کا مقدر ہے۔

آگاہ کیا جائے۔^(۱)

۴۶۔ اور اگر انہیں تیرے رب کے کسی عذاب کا جھونکا بھی لگ جائے تو پکار اٹھیں کہ ہائے ہماری بد بختی! یقیناً ہم گناہ گار تھے۔^(۲)

۴۷۔ اور قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔^(۳)

وَاِنْ مَسَّنْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ
لَيَقُولُنَّ يُبَيِّنَاۤ اِنَّكُمَّا ظَالِمِيْنَ ۝۶۰

وَوَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ
نَفْسٌ شَيْئًا وَّاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وُكُفًۭىۢ بِهَا حُسْبِيْنَ ۝۶۱

۱۔ یعنی قرآن سنا کر انہیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں اور یہی میری ذمے داری اور منصب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے کانوں کو اللہ نے حق کے سننے سے بہرا کر دیا، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور دلوں پر مہر لگا دی، ان پر اس قرآن کا اور وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۲۔ یعنی عذاب کا ایک ہلکا سا جھوٹا اور تھوڑا حصہ بھی پہنچے گا تو پکار اٹھیں گے اور اعتراف ظلم کرنے لگ جائیں گے۔

۳۔ مَوَازِيْنٌ، مِيزَانٌ (ترازو) کی جمع ہے۔ وزن اعمال کے لیے قیامت کے دن یا تو کئی ترازوئیں ہوں گی یا ترازو تو ایک ہی ہوگی، محض تقسیم شان کے لیے یا تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال تو اعراض ہیں یعنی ان کا کوئی ظاہری وجود یا جسم تو ہے نہیں، پھر وزن کس طرح ہوگا؟ یہ سوال آج سے قبل تک تو شاید کوئی اہمیت رکھتا ہو۔ لیکن آج سائنسی ایجادات نے اسے ممکن بنادیا ہے، اب ان ایجادات کے ذریعے سے اعراض کا اور بے وزن چیزوں کا وزن بھی تولا جانے لگا ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہو گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان اعمال کا، جو اعراض ہیں وزن کرنا کون سا مشکل امر ہے، اس کی توشان ہی عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ انسانوں کو دکھانے کے لیے ان اعراض کو وہ اجسام میں بدل دے اور پھر وزن کرے، جیسا کہ احادیث میں بعض اعمال کے مجسم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً صاحب قرآن کے لیے قرآن ایک خوش شکل نوجوان کی شکل میں آئے گا، وہ پوچھے گا، تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تو راتوں کو (قیام اللیل میں) بیدار رہ کر اور دن کو پیاسا رہ کر پڑھا کرتا تھا۔ (مسند احمد: ۳۲۸/۵، وابن ماجہ، کتاب الادب، باب ثواب القرآن) اسی طرح مومن کی قبر میں عمل صالح ایک خوش رنگ اور معطر نوجوان کی شکل میں آئے گا اور کافر و منافق کے پاس اس کے برعکس شکل میں۔ (مسند احمد: ۲۸۷/۵) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ الاعراف آیت ۷ کا حاشیہ۔ الْقِسْطُ مصدر اور الْمَوَازِيْنُ کی صفت ہے۔ معنی ہیں ذَوَاتُ قِسْطٍ انصاف کرنے والی ترازو یا ترازوئیں۔

وَلَقَدْ اتَّخَذْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانِ
وَصِبَاءً وَذَكَرَ الْاَلْمُتَّقِينَ ﴿٥٨﴾

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ سِنَّ
السَّاعَةِ مُتَشَفِّقُونَ ﴿٥٩﴾

وَهَذَا إِذْ كَرَّمْنَا بَرَكًا أَنْزَلْنَاهُ أَفَّا أَنْتُمْ لَكُمْ
مُنْكَرُونَ ﴿٦٠﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا
بِهِ عَلِيمِينَ ﴿٦١﴾

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي
أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿٦٢﴾

۴۸. اور یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت والی کتاب عطا فرمائی ہے۔^(۱)

۴۹. وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں۔^(۲)

۵۰. اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن ہے جسے ہم ہی نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔^(۳)

۵۱. اور یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور^(۴) ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے۔^(۵)

۵۲. جب کہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟^(۶)

۱. یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو دی گئی تھی۔ اس میں بھی متقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی ﴿هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرة: ۲) کہا گیا ہے، کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، تو آسانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

۲. یہ متقین کی صفات ہیں، جیسے سورہ بقرہ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔

۳. یہ قرآن، جو یاد دہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور خیر و برکت کا حامل ہے، اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔ تم اس کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو، جب کہ تمہیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔

۴. مِّن قَبْلُ سے مراد یا تو یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ، موسیٰ (علیہ السلام) کو اِبتائے تورات سے پہلے کا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کردی تھی۔

۵. یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا۔

۶. تَمَثَّلٌ، تَمَثَّلٌ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بہو نقل کو کہتے ہیں۔ جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر، یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ عَاكِفٌ، عَاكِفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک

۵۳. سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔^(۱)

۵۴. آپ نے فرمایا! پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گراہی میں مبتلا رہے۔

۵۵. کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس سچ سچ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔^(۲)

۵۶. آپ نے فرمایا نہیں، درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں۔^(۳)

۵۷. اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پیٹھ پھیر کر چل دو گے ایک چال چلوں گا۔^(۴)

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ هَٰذَا لَعِبَدِينَ ۝۶۲

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۳

قَالُوا اَجْمَعْتُمْ عَلٰی الْحَقِّ اَمْ اَنْتُمْ مِنَ اللَّٰعِبِيْنَ ۝۶۴

قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۚ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۶۵

وَتَاللّٰهِ لَآ كَيْدَ لَكُمْ اَصْنَامُكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۶۶

کر، جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے، جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تمثیلیں (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں آج کل بھی عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں اور دکانوں میں بطور تبرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔

۱. جس طرح آج بھی جہالت و خرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعات و رسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کس طرح چھوڑیں، جب کہ ہمارے آباء و اجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب و سنت سے اعراض کر کے علماء و مشائخ کے آراء و افکار سے چپے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

۲. یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انہوں نے سوچا، پتہ نہیں، ابراہیم (علیہ السلام) ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟

۳. یعنی میں مذاق نہیں کر رہا، بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم یقیناً (مشاہدہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمہارا معبود یہ مورتیاں نہیں، بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

۴. یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے دل میں عزم کیا، بعض کہتے ہیں کہ آہستہ سے کہا، جس سے مقصود بعض لوگوں کو سنانا تھا۔ واللہ اعلم۔ کید (تدبیر) سے مراد یہاں وہ عملی سعی ہے جو وہ زبانی وعظ کے بعد تغیر منکر کے عملی اہتمام کی

فَجَعَلَهُمْ جُودًا إِلَّا كِبِيرَ الْأَتَمِّ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ
يَرْجِعُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸۔ پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے،
ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا یہ بھی اس لیے کہ وہ
سب اس کی طرف ہی لوٹیں۔^(۱)

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ
الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾

۵۹۔ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے
کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے۔^(۲)

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَدْعُوهُمْ يُقَالُ لَهُ
إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٠﴾

۶۰۔ بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے
ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔^(۳)

قَالُوا فَإِنَّا تَوَّابَةٌ عَلَىٰ آعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾

۶۱۔ سب نے کہا اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے
سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں۔^(۴)

قَالُوا آءَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٢﴾

۶۲۔ کہنے لگے! اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تو نے ہی ہمارے
خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْتَؤْمَرُوا
إِنْ كَانُوا يَنْظُرُونَ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے
نے کیا ہے تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے
چالتے ہوں۔^(۵)

شکل میں کرنا چاہتے تھے، یعنی بتوں کی توڑ پھوڑ۔

۱۔ چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن مناتے تھے، ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم (علیہ السلام) نے موقع غنیمت
جان کر انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک بڑا بت چھوڑ دیا، بعض کہتے ہیں کہ کلباڑی اس کے ہاتھ میں پکڑادی، تاکہ
وہ اس سے پوچھیں۔

۲۔ یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبود تو ٹوٹے پڑے ہیں، تو کہنے لگے، یہ کوئی بڑا ہی ظالم شخص ہے
جس نے یہ حرکت کی ہے۔

۳۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، معلوم ہوتا
ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

۴۔ یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تاکہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں
کہ انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بت توڑتے ہوئے دیکھا یا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔

۵۔ چنانچہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ یہ کام تو
اس بڑے بت نے کیا ہے، اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول کر بتلا سکتے ہیں تو ذرا ان سے پوچھو تو سہی۔ یہ انہوں نے

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا لَوْلَا إِلَهُكُمْ أَنْتُمْ
الظَّالِمُونَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ پس یہ لوگ اپنے دلوں میں قائل ہو گئے اور کہنے لگے واقعی ظالم تو تم ہی ہو۔^(۱)

بطور تعریف اور تثبیت کے کہا تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو نہ کسی چیز سے آگاہی کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا، نہ اس پر الہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک حدیث صحیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ کو لفظ کذب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے، دو اللہ کے لیے، ایک اِنِّیْ سَمِیْعٌ اور دوسرا یہی۔ اور تیسرا حضرت سارہ اپنی بیوی کو بہن کہنا، (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب واتخذ الله ابراهيم خلیلاً) زمانہ حال کے بعض مفسرین نے اس حدیث صحیح کو قرآن کے خلاف باور کر کے اس کا انکار کر دیا ہے اور اس کی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پرستی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انہیں جھوٹ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گو یہ کذب اللہ کے ہاں قابل مواخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی کے لیے بولے گئے ہیں۔ درآں حالیہ کوئی گناہ کا کام اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود وہ حقیقتاً کذب نہ ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عَصَیْ اور غَوَیْ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، حالانکہ خود قرآن میں ہی ان کے فعل اکل شجر کو نسیان اور ارادے کی کمزوری کا نتیجہ بھی بتلایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے دو پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ من وجہ اس میں استحسان اور من وجہ ظاہری قباحیت کا پہلو ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پہلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا، بنوں کو انہوں نے خود توڑا تھا۔ لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریف اور اثبات توحید تھا اس لیے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کے بجائے اتمام حجت کا ایک طریق اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات و اظہار کا ایک انداز کہیں گے، علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے، وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جاکر سفارش کرنے سے اس لیے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے۔ درآں حالیہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت کے دن، خشیت الہی کی وجہ سے ان پر طاری ہوگی۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ سوچ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو، لاجواب ہو کر، کہنے لگے، واقعی ظالم تو تم ہی ہو، جو اپنی جان سے دفع مضرت پر اور نقصان پہنچانے والے کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں، وہ مستحق عبادت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ مجبوروں کی عدم حفاظت پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور ترک حفاظت پر ایک دوسرے کو ظالم کہا۔

۶۵. پھر اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے (اور کہنے لگے کہ) یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والے نہیں۔^(۱)

۶۶. اللہ کے خلیل نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔

۶۷. تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟^(۲)

۶۸. کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔^(۳)

۶۹. ہم نے فرمادیا اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا!

ثُمَّ نَبْئِ سَوَاعِلٍ رَّوَّيْهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاهُولًا يَطِغُونَ^(۱)

قَالَ اقْبِدُونْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ^(۲)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ^(۳) وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ^(۴)

قَالُوا احْرَقُوهُ وَأَصْرُوا إِلَهَكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ^(۵)

قُلْنَا يَا زُكُوفِي بَرِّدَا وَسَلِّمَا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ^(۶)

۱. پھر اے ابراہیم (علیہ السلام) تو ہمیں یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں، جب کہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بولنے کی طاقت سے محروم ہیں۔

۲. یعنی جب وہ خود ان کی بے بسی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟

۳. حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب یوں اپنی جہت تمام کر دی اور ان کی ضلالت و سفاهت کو ایسے طریقے سے ان پر واضح کر دیا کہ وہ لا جواب ہو گئے۔ تو چونکہ وہ توفیق ہدایت سے محروم تھے اور کفر و شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا تھا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے، انہی ابراہیم (علیہ السلام) کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو کہا جاتا ہے کہ منجبتی کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے برد و سلامتی بن جا۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ، ٹھنڈی کے ساتھ "سلامتی" نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ بہر حال یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اللہ کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچالیا۔

۷۰۔ اور گو انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کا برا چاہا، لیکن ہم نے انہیں ناکام بنادیا۔

۷۱۔ اور ہم ابراہیم اور لوط (علیہ السلام) کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔^(۱)

۷۲۔ اور ہم نے اسے اسحاق (علیہ السلام) عطا فرمایا اور یعقوب (علیہ السلام) اس پر مزید۔^(۲) اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔

۷۳۔ اور ہم نے انہیں پیشوا بنادیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی، اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

۷۴۔ اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھی حکم اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ اور تھے بھی وہ بدترین گناہ گار۔

۷۵۔ اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ نیکو کار لوگوں میں سے تھا۔^(۳)

وَأَسْرَدُوْا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْاٰخِسِرِيْنَ ۝۷۰

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱

وَهَبْنَا لِهٰۤاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۝۷۲ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝۷۳

وَجَعَلْنَاهُمْ اٰيَةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۚ وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتٰهُمُ الرِّزْقَ وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۴

وَلُوطًا اَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغٰرِ ۚ اِلَّتِيْ كَانَ تَعْمَلُ الْخَبِيْثٰتِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا سُوْٓءَ فِیْضِقِيْنَ ۝۷۵

وَاَدْخَلْنَاهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ۚ اِنَّهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۶

۱۔ اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھولوں اور نہروں کی کثرت نیز انبیاء علیہم السلام کا مسکن ہونے کے لحاظ سے بابرکت کہا گیا ہے۔

۲۔ نَافِلَةً، زائد کو کہتے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی، ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔

۳۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بنا کر بھیجے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرہ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا بڑا حصہ اب بحیرہ مردار کا جزو ہے۔ ان کی قوم لوطات جیسے فعل شنیع، گزر گاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا اور انہیں تنگ کرنا خرف ریزے پھینکنا وغیرہ میں ممتاز تھی، جسے اللہ نے

۷۶۔ اور نوح (علیہ السلام) کے اس وقت کو یاد کیجیے جب کہ اس نے اس سے پہلے دعا کی ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی۔

۷۷۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی، یقیناً وہ برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

۷۸۔ اور داود اور سلیمان (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جب کہ وہ کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر چگ گئی تھیں، اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے۔

۷۹۔ ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا۔^(۱) ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا اور

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝

وَنَصْرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَثَتْ فِيهِمْ غَمَمُ الْقَوْمِ وَكَانَ الْحُكْمُ عِنْدَ شَهِيدٍ ۝

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ

یہاں خباثت (پلید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بالآخر حضرت لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

۱۔ مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں، دوسرے شخص کے کھیت میں رات کو جا گھسیں اور اس کی کھیتی چر چگ گئیں۔ حضرت داود (علیہ السلام) نے، جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ، حکمران بھی تھے۔ فیصلہ دیا کہ بکریاں، کھیت والا لے لے تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں، وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیتی بکری والے کے سپرد کر دی جائے تاکہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کرے، اسے صحیح کرے، جب وہ اس حالت میں آجائے جو بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیتی، کھیتی والے کو اور بکریاں، بکری والے کو واپس کر دی جائیں۔ پہلے فیصلے کے مقابل میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا۔ جب کہ پہلے فیصلے میں بکری والے اپنی بکریوں سے محروم کر دیے گئے تھے۔ تاہم اللہ نے حضرت داود (علیہ السلام) کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (یعنی داود (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد، مصیب ہوتا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کسی ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو مجتہد، یک وقت دونوں مصیب نہیں ہو سکتے، ان میں ضرور ایک مصیب (درست فیصلہ کرنے والا) ہوگا اور دوسرا غلطی (غلط فیصلہ کرنے والا)، البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجتہد مطلق عند اللہ گناہ گار نہیں ہوگا، بلکہ اسے ایک اجر ملے گا۔ کما فی الحدیث (بخاری)

وَالطَّيْرُ وَكَانَ افْلِحِينَ ۝۴

داود (علیہ السلام) کے تابع ہم نے پہاڑ کر دیے تھے جو تسبیح کرتے تھے (۱) اور پرند بھی (۲) اور ہم کرنے والے ہی تھے۔ (۳)

۸۰. اور ہم نے اسے تمہارے لیے لباس بنانے کی کارگیری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو۔ (۴) کیا تم شکر گزار بنو گے؟

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤْسٍ لِّكُمْ لِيَنْحَصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ۝۵

۸۱. اور ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا (۵) جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی، اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں۔

وَلِيُسَيِّمَنَّ الرِّيحُ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرٍ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۝۶

۸۲. اور اسی طرح سے بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے

وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَخُوضُونَ لَهُ وَيَعْبُدُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ۝۷

۱. اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا) ہر کہ و مہ کی اوچی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ مطلب حضرت داود (علیہ السلام) کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھنا ہے۔ نیز یہ مجازاً نہیں حقیقتاً تھا۔

۲. یعنی پرندے بھی داود (علیہ السلام) کی پر سوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے۔ وَالطَّيْرُ یا تو منصوب ہے اور اس کا عطف الْجِبَالِ پر ہے یا مرفوع ہے اور خبر محذوف کا مبتدا ہے یعنی وَالطَّيْرُ مُسَخَّرَاتٌ مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داود (علیہ السلام) کے لیے مسخر کر دیے گئے تھے۔ (فتح القدیر)

۳. یعنی یہ تفہیم، ایسا حکم اور تسخیر، ان سب کے کرنے والے ہی تھے، اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

۴. یعنی لوہے کو ہم نے داود (علیہ السلام) کے لیے نرم کر دیا تھا، وہ اس سے جنگی لباس، لوہے کی زرہیں تیار کرتے تھے، جو جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود (علیہ السلام) سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کٹڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داود (علیہ السلام) پہلے شخص ہیں جنہوں نے کٹڈے دار اور حلقے والی زرہیں بنائیں۔ (ابن کثیر)

۵. یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داود (علیہ السلام) کے لیے مسخر کر دیے گئے تھے، اسی طرح ہوا حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے، مہینوں کی مسافت، لحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ بابرکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

تھے اور اس کے سوا بھی بہت سے کام کرتے تھے،^(۱) اور ان کے نگہبان ہم ہی تھے۔^(۲)

۸۳. اور ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو جب کہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو (سب) رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

۸۴. تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور، اپنی خاص مہربانی سے،^(۳) تاکہ سچے بندوں کے لیے سب نصیحت ہو۔

۸۵. اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل،^(۴) یہ سب صابر لوگ تھے۔

وَاَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۸۳﴾

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضِرٍّ وَأَنْبَأْنَاهُ أَهْلَهُ وَمَثَلَهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴿۸۴﴾

وَالْإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۸۵﴾

۱. جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہر نکال لاتے، اسی طرح دیگر عمارتی کام جو آپ چاہتے کرتے تھے۔

۲. یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کا مادہ ہے، اس سے ہم نے سلیمان علیہ السلام کی حفاظت کی اور وہ ان کے آگے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

۳. قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے، (سورۃ ص: ۴۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں، اس کی مستند تفصیل تو نہیں ملتی۔ تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت دنیا اور اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا، بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں، حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی محروم اور بیماروں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ ۱۸ سال کی آزمائشوں کے بعد بارگاہ الہی میں دعا کی، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد، پہلے سے دوگنا عطا فرمائے۔ (اس کی کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ ج ۴، ص ۲۴۴، وبحث الرواۃ ۲۰۸/۸) شکوہ شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے، جس کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ”ہم نے قبول کر لی“ کے الفاظ استعمال فرمائے۔

۴. ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔ امام ابن جریر نے ان کی بابت توقف اختیار کیا ہے، امام ابن کثیر فرماتے ہیں، قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

وَادْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۶﴾

وَذُتُّونَ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُصَيِّحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

وَذَكَرْنَا اِذْ نَادٰى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ الْيَحْيٰى وَاصْلَحْنَاهُ ذُوْجَاهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسْرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

۸۶. اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یقیناً یہ سب لوگ نیک تھے۔

۸۷. اور مچھلی والے ^(۱) (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں ^(۲) کے اندر پکار اٹھا کہ الہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں ہو گیا۔

۸۸. تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔ ^(۳)

۸۹. اور زکریا (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔

۹۰. ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا ^(۴) اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست

۱. مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انہیں عذاب الہی کی دھمکی دے کر، اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیے تھے، جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انہیں مچھلی کا لقمہ بنا دیا، اس کی کچھ تفصیل سورہ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورہ صفات میں آئے گی۔

۲. ظُلُمَاتٌ، ظُلمۃ کی جمع ہے، بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا، اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔

۳. ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھیروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن ہمیں اس طرح شہداء اور مصیبتوں میں پکارے گا، ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا (جس مسلمان نے بھی ان الفاظ (لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِيْنَ) کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے)۔ (جامع ترمذی: ۳۵۰۵، وصححه الالبانی)

۴. حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورہ آل عمران اور سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان الفاظ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کردیا۔^(۱) یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔^(۲)

۹۱. اور وہ پاک دامن بی بی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لیے نشانی بنادیا۔^(۳)

۹۲. بے شک یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے،^(۴) اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

۹۳. اور مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کر لیں، سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔^(۵)

۹۴. پھر جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اور ہم تو

وَيَدْعُونََنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خِشَعِينَ ﴿٩١﴾

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن دُرُّوجِنَا وَجَعَلْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٢﴾

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٣﴾

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلَّ إِلَهٍ لِّمَا رَجَعُوا ﴿٩٤﴾

فَمَن يَعْمَلْ مِّنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرًا وَلَا لِسْعَةً وَإِنَّا لَهُ لَكِتَبُونَ ﴿٩٥﴾

۱. یعنی وہ بانجھ اور ناقابلِ اولاد تھے، ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ فرما کر اسے نیک بچہ عطا فرمایا۔

۲. گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً الح وزاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا و مناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، خوف و طمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع خضوع کا اظہار۔

۳. یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

۴. اُمّۃ سے مراد یہاں دین یا ملت ہے یعنی تمہارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین ہے دین توحید، جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور ملت، ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا (ہم انبیاء کی جماعت اولاد علالت ہیں، جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے۔ (ابن کثیر)

۵. یعنی دین توحید اور عبادت رب کو چھوڑ کر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو مشرکین اور کفار کا ہو گیا اور انبیاء و رسل کے سامنے والے بھی احزاب بن گئے، کوئی یہودی ہو گیا، کوئی عیسائی، کوئی کچھ اور۔ اور بد قسمتی سے یہ فرقہ بندی خود مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں اور یہ بھی بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان سب کا فیصلہ، جب یہ بارگاہ الہی میں لوٹ کر جائیں گے۔ تو وہیں ہو گا۔

اس کے لکھنے والے ہیں۔

۹۵. اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پلٹ کر نہیں آئیں گے۔^(۱)

۹۶. یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔^(۲)

۹۷. اور سچا وعدہ قریب آگے گا اس وقت کافروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی،^(۳) کہ ہائے افسوس! ہم اس حال سے غافل تھے بلکہ فی الواقع ہم قصور وار تھے۔

۹۸. تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔^(۴)

وَحَرَّمَ عَلَىٰ قَرِيبَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۹۵﴾

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۶﴾

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ إِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَوِيلُنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۹۷﴾

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ﴿۹۸﴾

۱. حَرَامٌ، واجب کے معنی میں ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ یا پھر لَا يَرْجِعُونَ میں لَا زائد ہے، یعنی جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس کا دنیا میں پلٹ کر آنا حرام ہے۔

۲. یاجوج و ماجوج کی ضروری تفصیل سورہ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں قیامت کے قریب ان کا ظہور ہو گا اور اتنی تیزی اور کثرت سے یہ ہر طرف پھیل جائیں گے کہ ہر اونچی جگہ سے یہ دوڑتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کی فساد انگیزیوں اور شرارتوں سے اہل ایمان تنگ آجائیں گے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر پناہ گزین ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی لاشوں کی سڑاند اور بدبو ہر طرف پھیلی ہوگی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ پھر ایک زور دار بارش نازل فرمائے گا، جس سے ساری زمین صاف ہو جائے گی۔ (یہ ساری تفصیلات صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

۳. یعنی یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ، جو برحق ہے، بالکل قریب آجائے گا اور جب یہ قیامت برپا ہوگی تو شدت ہولناکی کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

۴. یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لات و منات اور عزیٰ و بہل کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سب پتھر کی مورتیاں تھیں۔ جو جمادات یعنی غیر عاقل تھیں، اسی لیے آیت میں مَا تَعْبُدُونَ، کے الفاظ ہیں اور عربی میں ”مَا“ غیر عاقل کے لیے آتا ہے۔ یعنی کہا جا رہا ہے کہ تم بھی اور تمہارے یہ معبود بھی جن کی مورتیاں بنا کر تم نے عبادت کے لیے رکھی ہوئی ہیں، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ پتھر کی مورتیوں کا اگرچہ کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تو غیر عاقل اور

لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَا وَرَدُوهُمْ
وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۹۹﴾

لَهُمْ فِيهَا زُفَيْرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ
أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ
أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۰۲﴾

لَا يَخُزُّهُمْ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ
هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

۹۹۔ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے،
اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔^(۱)

۱۰۰۔ وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن
سکیں گے۔^(۲)

۱۰۱۔ بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی
ٹھہر چکی ہے۔ وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔^(۳)

۱۰۲۔ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور اپنی من بھاتی
چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

۱۰۳۔ وہ بڑی گھبراہٹ^(۴) (بھی) انہیں غمگین نہ کر سکے
گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، کہ یہی تمہارا وہ

بے شعور ہیں۔ لیکن انہیں پجاریوں کے ساتھ جہنم میں صرف مشرکوں کو مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا
کہ جن معبودوں کو تم اپنا سہارا سمجھتے تھے، وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جہنم میں، جہنم کا ایندھن ہیں۔

۱۔ یعنی اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو با اختیار ہوتے اور تمہیں جہنم میں جانے سے روک لیتے۔ لیکن وہ تو خود بھی جہنم میں بطور
عبرت کے جارہے ہیں۔ تمہیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ نتیجتاً عابد و معبود دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۲۔ یعنی سارے کے سارے شدت غم و الم سے چیخ اور چلا رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی آواز بھی
نہیں سن سکیں گے۔

۳۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا یا مشرکین کی طرف سے پیدا کیا جاسکتا تھا، جیسا کہ فی الواقع کیا
جاتا ہے کہ عبادت تو حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام، فرشتوں اور بہت سے صالحین کی بھی کی جاتی ہے۔ تو کیا یہ بھی اپنے
عابدین کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو اللہ کے نیک بندے
تھے جن کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کے لیے نیکی یعنی سعادت ابدی یا بشارت جنت ٹھہرائی جا چکی ہے۔
یہ جہنم سے دور ہی رہیں گے۔ انہی الفاظ سے یہ مفہوم بھی واضح طور پر نکلتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں یہ خواہش رکھتے
ہوں گے کہ ان کی قبروں پر بھی تبة نہیں اور لوگ انہیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں اور ان
کی پرستش کریں، یہ بھی پتھر کی مورتیوں کی طرح جہنم کا ایندھن ہوں گے، کیونکہ غیر اللہ کی پرستش کے داعی سَبَقَتْ
لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ میں یقیناً نہیں آتے۔

۴۔ بڑی گھبراہٹ سے موت یا صور اسرافیل مراد ہے یا وہ لمحہ جب دوزخ اور جنت کے درمیان موت کو ذبح کر دیا
جائے گا۔ دوسری بات یعنی صور اسرافیل اور قیام قیامت سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

دن ہے جس کا تم وعدہ دیے جاتے رہے۔

۱۰۴۔ جس دن ہم آسمان کو یوں پیٹ لیں گے جیسے طومار میں اوراق پیٹ دیے جاتے ہیں،^(۱) جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔

۱۰۵۔ اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے (ہی) ہوں گے۔^(۲)

۱۰۶۔ عبادت گزار بندوں کے لیے تو اس میں ایک بڑا پیغام ہے۔^(۳)

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ تُعِيدُهُ وَوَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰۴﴾

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

إِنَّ فِي هَذَا الْبَلَاغِ لِقَوْمٍ عَالِمِينَ ﴿۱۰۶﴾

۱۔ یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر پیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ كَطَيِّ السِّجِلِّ﴾ (الزمر: ۶۷) (آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے) سِجِلِّ کے معنی صحیفہ یا رجسٹر کے ہیں۔ لِلْكُتُبِ کے معنی ہیں عَلَي الْكِتَابِ بِمَعْنَى الْمَكْتُوبِ (تفسیر ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لیے لکھے ہوئے کاغذات کو پیٹ لینا جس طرح آسمان ہے، اسی طرح اللہ کے لیے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

۲۔ زَبُور سے مراد یا تو زبور ہی ہے اور ذکر سے مراد پند و نصیحت، جیسا کہ ترجمہ میں درج ہے یا پھر زبور سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اور اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ زمین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک جنت ہے اور بعض کے نزدیک ارض کفار۔ یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے، وہ دنیا میں بااقتدار اور سرخرو رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے، اس وعدہ الہی کے مطابق، زمین کا اقتدار انہی کے پاس ہوگا۔ اس لیے مسلمانوں کی محرومی اقتدار کی موجودہ صورت، کسی اشکال کا باعث نہیں بنی چاہیے۔ یہ وعدہ مشروط ہے صالحیت عباد کے ساتھ۔ اور إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ کے مطابق جب مسلمان اس خوبی سے محروم ہو گئے تو اقتدار سے بھی محروم کر دیے گئے۔ اس میں گویا حصول اقتدار کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہ ہے صالحیت، یعنی اللہ و رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے حدود و ضابطوں پر کار بند رہنا۔

۳۔ فِي هَذَا سے مراد، وہ وعظ و تنبیہ ہے جو اس سورت میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔ بلاغ سے مراد کفایت و منفعت

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷. اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔^(۱)

قُلْ إِنَّمَا يُدْعِي إِلَىٰ إِنَّمَا الْهَدَىٰ إِلَهُ وَاحِدٌ
فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸. کہہ دیجیے میرے پاس تو بس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے، تو کیا تم بھی اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو؟^(۲)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَلَّٰ لَآ تَنْتَهُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ وَإِنَّ دَرِي
قَرِيْبٌ أَمْرٌ بَعِيْدٌ مَّا تَوْعَدُونَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹. پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تمہیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔^(۳) اور مجھے علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور۔^(۴)

ہے، یعنی وہ کافی اور مفید ہے۔ یا اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں مسلمانوں کے لیے منفعت اور کفایت ہے۔ عابدین سے مراد، خشوع و خضوع سے اللہ کی عبادت کرنے والے، اور شیطان اور خواہشات نفس پر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینے والے ہیں۔ ۱. اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا، اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا، نتیجتاً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہوگا اور چونکہ آپ ﷺ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے، اس لیے آپ ﷺ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمکنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے یہ امت، بالکل یہ تباہی و بربادی سے محفوظ کر دی گئی۔ جیسے پچھلی قومیں اور امتیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں، امت محمدیہ (جو امت اجابت اور امت دعوت کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے لیے بدعائدہ کرنا، یہ بھی آپ ﷺ کی رحمت کا ایک حصہ تھا۔ اِنِّي لَمْ اُبْعَثْ لَعَنًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً (صحیح مسلم: ۲۰۰۶) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعنت یا سب و شتم کرنے کو بھی قیامت کے دن رحمت کا باعث قرار دینا، آپ ﷺ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (مسند احمد: ۴۷/۵، ابوداؤد: ۴۶۵۹، والاحادیث الصحیحة للالبانی: ۱۷۵۸) اسی لیے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ (صحیح الجامع الصغیر نمبر: ۲۳۳۵) (میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں، جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے)۔

۲. اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصل رحمت توحید کو اپنا لینا اور شرک سے بچ جانا ہے۔

۳. یعنی جس طرح میں جانتا ہوں کہ تم میری دعوت توحید و اسلام سے منہ موڑ کر میرے دشمن ہو، اسی طرح تمہیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی تمہارا دشمن ہوں اور ہماری تمہاری آپس میں کھلی جنگ ہے۔

۴. اس وعدے سے مراد قیامت ہے یا غلبہ اسلام و مسلمین کا وعدہ یا وہ وعدہ جب اللہ کی طرف سے تمہارے خلاف جنگ کرنے کی مجھے اجازت دی جائے گی۔

۱۱۰. البتہ اللہ تعالیٰ تو کھلی اور ظاہر بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔

۱۱۱. اور مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہے۔

۱۱۲. خود نبی نے کہا^(۱) اے رب! انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔^(۲)

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿۱۱۰﴾

وَأَنْ أَدْرِي لَعَلَّكُمْ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۱۱﴾

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۱۲﴾

۱. یعنی اس وعدہ الہی میں تاخیر، میں نہیں جانتا کہ تمہاری آزمائش کے لیے ہے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مہلت دینا ہے۔

۲. یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو، یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مہربانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

سُورَةُ الْحَجِّ

سورہ حج مدنی ہے اور اس کی اٹھتر آیتیں
اور دس رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت
ہی بڑی چیز ہے۔

۲. جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے
دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے
حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی
دیں گے، حالانکہ درحقیقت وہ نشے میں نہ ہوں گے لیکن
اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔^(۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
مَنْى عَظِيمَةً

يَوْمَ تَرَوْهَا تَذْهَبُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا
أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى
وَلَكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ

☆. اس کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ کئی اور کچھ مدنی ہے۔ قَالَهُ
الْقُرْطُبِيُّ (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔

۱. آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتلائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت
خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہوگا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت
کے بعد اس وقت ہوگا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے کے قائل
ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین دوسری رائے کے۔ اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ آدم عَلَیْهِ
الْحَمْد دے گا کہ وہ اپنی ذریت میں سے ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم کے لیے نکال دیں۔ یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل
گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، صرف عذاب
کی شدت ہوگی۔ یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا، (گھبراؤ
نہیں) یہ ۹۹۹ یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے، اور تم میں سے صرف ایک ہوگا، تمہاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہوگی
جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں کالے بال، یا کالے رنگ کے بیل کے پہلو میں سفید بال ہوں۔ اور مجھے امید ہے
اہل جنت میں تم چوتھا کی، یا تہائی یا نصف ہو گے، جسے سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطور مسرت کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، (صحیح
البخاری، تفسیر سورۃ الحج) پہلی رائے بھی بے وزن نہیں ہے۔ بعض ضعیف احادیث سے ان کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے
زلزلہ اور اس کی کیفیات سے مراد اگر فزع اور ہولناکی کی شدت ہے (اور بظاہر یہی ہے) تو سخت گھبراہٹ اور ہولناکی کی
یہ کیفیت دونوں موقعوں پر ہی ہوگی۔ اس لیے دونوں ہی رائیں صحیح ہو سکتی ہیں، کیونکہ دونوں موقعوں پر لوگوں کی کیفیت
ایسی ہوگی، جیسی اس آیت میں اور صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

۳. اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے ساتھ اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔^(۱)

۴. جس پر (قضائے الہی) لکھ دی گئی ہے^(۲) کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔

۵. لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوٹھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔^(۳) یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں،^(۴) اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں^(۵) پھر تمہیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو، تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لیے

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَانَّهُ يَصْلُهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُّخَلَّقَةٍ لِّنَبِّئَنَّكُمْ وَنُقِىَ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَسَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نَحْنُ خَرُجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِنَبْلُوَكُمْ أَشَدُّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْكَرَّاسُ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ

۱. مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، یا اس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲. یعنی شیطان کی بابت تقدیر الہی میں یہ بات ثبت ہے۔

۳. یعنی نطفے (قطرہ منی) سے چالیس روز کے بعد عَلَقَۃً گاڑھا خون اور عَلَقَۃً سے مُضْغَۃً گوشت کا لوٹھڑا بن جاتا ہے مُخْلَقَۃً سے، وہ بچہ مراد ہے جس کی پیدائش واضح اور شکل و صورت نمایاں ہو جائے ایسے بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اور تکمیل کے بعد اس کی ولادت ہو جاتی ہے اور غَيْرِ مُخْلَقَۃً اس کے برعکس، جس کی شکل و صورت واضح نہ ہو، نہ اس میں روح پھونکی جائے اور قبل از وقت ہی وہ ساقط ہو جائے۔ صحیح احادیث میں بھی رحم مادر کی ان کیفیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نطفہ چالیس دن کے بعد عَلَقَۃً (گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد یہ مُضْغَۃً (لوٹھڑا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے، جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ یعنی چار مہینے کے بعد نَفْخِ رُوح ہوتا ہے اور بچہ ایک واضح شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ (صحیح

البخاری کتاب الانبیاء و کتاب القدر، مسلم کتاب القدر، باب کیفیۃ الخلق الآدمی)

۴. یعنی اس طرح ہم اپنا کمال قدرت و تخلیق تمہارے لیے بیان کرتے ہیں۔

۵. یعنی جس کو ساقط کرنا نہیں ہوتا۔

جاتے ہیں^(۱) اور بعض بے غرض عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔^(۲) تو دیکھتا ہے کہ زمین (بنجر اور) خشک ہے پھر جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کے رونق دار نباتات اگاتی ہے۔^(۳)

۶. یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۷. اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

وَرَبَّتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ بِهَيْجَةٍ ۝

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخَيِّ
الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ
يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝

۱. یعنی عراشد سے پہلے ہی۔ عراشد سے مراد بلوغت یا کمال عقل و کمال قوت و تمیز کی عمر ہے، جو ۳۰ سے ۴۰ سال کے درمیان کی عمر ہے۔

۲. اس سے مراد بڑھاپے میں قوائے انسانی میں ضعف و انحطاط کے ساتھ عقل و حافظہ کا کمزور ہو جانا اور یادداشت اور عقل و فہم میں بچے کی طرح ہو جانا ہے، جسے سورہ یٰسین میں ﴿وَمَنْ يُّعَذِّبُهُمْ نُفِثُ فِيهِمُ الْخَلْقِ﴾ (۶۸) (اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اسے پیدا انہی حالت کی طرف پھر الٹ دیتے ہیں) اور سورہ تین میں ﴿لَقَدْ رَدَدْنَاهُ آسَفًا سَافِلِينَ﴾ (۵) (پھر اسے بچوں سے بچا کر دیا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳. یہ احيائے موتی (مردوں کے زندہ کرنے) پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل، جو مذکور ہوئی، یہ تھی کہ جو ذات ایک حقیر قطرہ پانی سے اس طرح ایک انسانی پیکر تراش سکتا اور ایک حسین وجود عطا کر سکتا ہے، علاوہ ازیں وہ اسے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا بڑھاپے کے ایسے اسٹیج پر پہنچا سکتا ہے جہاں اس کے جسم سے لے کر اس کی ذہنی و دماغی صلاحیتیں تک، سب ضعف و انحطاط کا شکار ہو جائیں۔ کیا اس کے لیے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دینا مشکل ہے؟ یقیناً جو ذات انسان کو ان مراحل سے گزار سکتی ہے، وہی ذات مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر کے ایک نیا قالب اور نیا وجود بخش سکتی ہے، دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے لیکن بارش کے بعد یہ کس طرح زندہ اور شاداب اور انواع و اقسام کے غلے، میوہ جات اور رنگ برنگ کے پھولوں سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسانوں کو بھی ان کی قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس طرح پیدا فرمائے گا، اس کی کوئی نشانی مخلوقات میں سے بیان فرمائیے نبی ﷺ نے فرمایا (کیا تمہارا گزر ایسی وادی سے ہوا ہے جو خشک اور بنجر ہو، پھر دوبارہ اسے لہلہاتا ہوا دیکھا ہو؟) اس نے کہا۔ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا، بس اسی طرح انسانوں کا جی اٹھنا ہو گا۔ (مسند احمد، جلد ۴، ص ۱۱، وابن ماجہ، المقدمة، حدیث: ۱۸۰)

۸. اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔

۹. اپنا پہلو موڑنے والا بن کر^(۱) اس لیے کہ اللہ کی راہ سے ہرکا دے، اسے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جہنم میں جلنے کا عذاب پکھائیں گے۔

۱۰. یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

۱۱. اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آگئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں،^(۲) انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّزِينٍ ①

ثَانِيًا عَظُمَ لِيُفْضَلَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَفِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابُ الْحَرِيقِ ②

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدُكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَالِمٍ لِّلْعَالَمِينَ ③

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ لِّطَائِفَةٍ مِنْهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فَتْنَةٌ لَّنُفَعَلْ عَلَى وَجْهِهِ خَيْرٌ لِّلنَّبِيَّاتِ وَالْآخِرَةِ ④ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْبَاقِي ⑤

۱. ثانی، اسم فاعل ہے۔ موڑنے والا۔ عَظُمَ کے معنی پہلو کے ہیں۔ یہ يُجَادِلُ سے حال ہے۔ اس میں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے کہ وہ تکبر اور اعراض کرتے ہوئے اپنی گردن موڑتے ہوئے پھرتا ہے جیسے دوسرے مقامات پر اس کیفیت کو ان ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَلِي مُّسْتَكْبِرًا كَان لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ (لقمان: ۷)، ﴿كُوُواْ رُؤُوسَهُمْ﴾ (المنافقون: ۵)، ﴿أَعْرَضَ وَكُنَّا بِمِصْرٍ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۳)۔

۲. حَرْفُ کے معنی ہیں کنارہ۔ ان کناروں پر کھڑا ہونے والا، غیر مستقر ہوتا ہے یعنی اسے قرار و ثبات نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک و ریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس کا حال بھی یہی ہے، اسے دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات کی رہتی ہے، ملتے رہیں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ پھر دین آباہی یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سچے مسلمان ہوتے اور ایمان و یقین سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ عرویسر کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے اور تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں ایک مذہب شخص کا طریقہ بھی اسی طرح کا بیان کیا گیا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الحج) کہ ایک شخص مدینے آتا، اگر اس کے گھر بچے ہوتے، اسی طرح جانوروں میں برکت ہوتی، تو کہتا، یہ دین اچھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا، یہ دین برا ہے۔ بعض روایات میں یہ وصف نو مسلم اعرابیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، باب مذکور)

۱۲. اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع۔ یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے۔

۱۳. اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، یقیناً برا ہے وہ کارساز اور برا ہے وہ ساتھی^(۱)۔

۱۴. ایمان اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ لہرس لیتی ہوئی نہروں والی جنتوں میں لے جائے گا۔ بے شک اللہ جو ارادہ کرے اسے کر کے رہتا ہے۔

۱۵. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد دونوں جہان میں نہ کرے گا وہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ کر (اپنے حلق میں پھندا ڈال کر اپنا گلا گھونٹ لے) پھر دیکھ لے کہ اس کی چالاکیوں سے وہ بات ہٹ جاتی ہے جو اسے تڑپا رہی ہے؟^(۲)

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ
ذَلِكَ هُوَ الصَّلَاةُ الْبَعِيدَةُ^(۱)

يَدْعُوا مَنْ هُوَ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِمْ لَيْسَ
الْمَوْلَى وَلَيْسَ الْعَشِيرُ^(۲)

إِنَّ اللَّهَ يَدْعُ الْكَافِرِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ
الضَّالِّينَ جَذْبَ تَجْوَرٍ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ^(۳)

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ
ثُمَّ لْيَقْطَعْ فليَنْظُرْ هَلْ يُدْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيبُ^(۴)

۱. بعض مفسرین کے نزدیک بدعو، بقول کے معنی میں ہے۔ یعنی غیر اللہ کا پجاری قیمت کے دن کہے گا کہ جس کا نقصان، اس کے نفع سے قریب تر ہے، وہ کارساز اور ساتھی یقیناً برا ہے۔ یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہاں اس کی امیدوں کے محل ڈھے جائیں گے اور یہ معبود، جن کی بابت اس کا خیال تھا کہ وہ اللہ کے عذاب سے اسے بچائیں گے، اس کی شفاعت کریں گے، وہاں خود وہ معبود بھی، اس کے ساتھ ہی جہنم کا لیندھن بنے ہوں گے۔ مولیٰ کے معنی ولی اور مددگار کے اور عَشِيرَہ کے معنی ہم نشین، ساتھی اور قرابت دار کے ہیں۔ مددگار اور ساتھی تو وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے، لیکن یہ معبود خود گرفتار عذاب ہوں گے یہ کسی کے کیا کام آئیں گے؟ اس لیے انہیں برا کارساز اور برا ساتھی کہا گیا۔ ان کی عبادت ضرر ہی ضرر ہے، نفع کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے، پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا نقصان، ان کے نفع سے قریب تر ہے، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا، ﴿وَإِنَّا أَكْفَرْنَا لَكُمْ بِعَلِّ هَدَىٰ أَؤْفَىٰ صَلَافٍ مُبِينٍ﴾ (سبا: ۲۳) (بے شک ہم (یعنی اللہ کے ماننے والے) یا تم (اس کا انکار کرنے والے) ہدایت پر ہیں، یا کھلی گمراہی میں)۔ ظاہر بات ہے کہ ہدایت پر وہی ہیں جو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ لیکن اسے واضح الفاظ میں کہنے کے بجائے کنایے اور استفہام کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو سامع کے لیے زیادہ موثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق دنیا سے ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ غیر اللہ کو پکارنے سے فوری نقصان تو اس کا یہ ہوا کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہ اقرب نقصان ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا نقصان محقق ہی ہے۔

۲. اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ ایسا شخص، جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کی مدد نہ کرے، کیونکہ

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ الْكِتَابَ عَلَيْكَ وَإِنَّ اللَّهَ يُهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِغِينَ
وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ
يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيدٌ ﴿٥﴾

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ
فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ
وَالشَّجَرُ وَالْدَّابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ

۱۶. اور ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں اتارا ہے۔ اور بے شک اللہ جسے چاہے ہدایت نصیب فرماتا ہے۔

۱۷. بے شک اہل ایمان اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوسی^(۱) اور مشرکین^(۲) ان سب کے درمیان قیامت کے دن خود اللہ تعالیٰ فیصلے کر دے گا،^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔^(۴)

۱۸. کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمین والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور^(۵) اور بہت سے انسان

اس کے غلبہ و فتح سے اسے تکلیف ہوتی ہے، تو وہ اپنے گھر کی چھت پر رسی لٹکا کر اور اپنے گلے میں اس کا پھندا لے کر اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خود کشی اسے غیظ و غضب سے بچالے جو وہ محمد ﷺ کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس صورت میں سماء سے مراد گھر کی چھت ہوگی۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ ایک رسہ لے کر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو وحی یا مدد آتی ہے، اس کا سلسلہ ختم کر دے، (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کچھ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ امام ابن کثیر نے پہلے مفہوم کو اور امام شوکانی نے دوسرے مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے اور سیاق سے یہی دوسرا مفہوم زیادہ قریب لگتا ہے۔

۱. مجوس سے مراد ایران کے آتش پرست ہیں جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک ظلمت کا خالق ہے، دوسرا نور کا، جسے وہ اہرمن اور یزدان کہتے ہیں۔

۲. ان میں مذکورہ گمراہ فرقوں کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں، سب آگئے۔

۳. ان میں سے حق پر کون ہے، باطل پر کون؟ یہ تو ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے قرآن میں نازل فرمائے ہیں اور اپنے آخری پیغمبر کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا، ﴿يُطَهِّرُكَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ (الفتح: ۲۸) (تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے) یہاں فیصلے سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ باطل پرستوں کو قیامت کے دن دے گا، اس سزا سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟

۴. یہ فیصلہ محض حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا، بلکہ عدل و انصاف کے مطابق ہوگا، کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔

۵. بعض مفسرین نے اس سجدے سے ان تمام چیزوں کا احکام الہی کے تابع ہونا مراد لیا ہے، کسی میں مجال نہیں کہ وہ حکم الہی سے سرتابی کر سکے۔ ان کے نزدیک وہ سجدہ اطاعت و عبادت مراد نہیں جو صرف عقلاء کے ساتھ خاص ہے۔ جب

حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ
مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٣٥﴾



هَذَا خَصْمٌ اِخْتَصَمُوا فِي رَيْبِهِمْ فَالَّذِينَ

بھی۔^(۱) ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ
ثابت ہو چکا ہے،^(۲) جسے رب ذلیل کر دے اسے کوئی عزت
دینے والا نہیں،^(۳) بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۱۹۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے^(۴)

کہ بعض مفسرین نے اسے مجاز کے بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز سے اللہ کے سامنے سجدہ
ریز ہے۔ مثلاً مَنْ فِي السَّمَوَاتِ سے مراد فرشتے ہیں وَمَنْ فِي الْأَرْضِ سے ہر قسم کے حیوانات، انسان، جنات، چوپائے
اور پرندے اور دیگر اشیاء ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز سے سجدہ اور تسبیح الہی کرتی ہیں۔ ﴿وَلَنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾
(بنی اسرائیل: ۴۳)۔ سورج، چاند اور ستاروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کی عبادت کرتے رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، تم ان کو سجدہ کرتے ہو، یہ تو اللہ کو سجدہ کرنے والے اور اس کے ماتحت ہیں اس لیے تم انہیں
سجدہ مت کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔ (حکم السجدة: ۳۷) صحیح حدیث میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، جانتے ہو، سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے
ہیں۔ فرمایا سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر اسے (طلوع ہونے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ ایک
وقت آئے گا کہ اسے کہا جائے گا، واپس لوٹ جا یعنی جہاں سے آیا وہیں چلا جا۔ (صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة الشمس
والقمر بحسبان - مسلم، کتاب الإيمان، باب بیان الزمان الذي لا يقبل فيه الإيمان) اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے
کہ انہوں نے خواب میں اپنے ساتھ درخت کو سجدہ کرتے دیکھا۔ (ترمذی، أبواب السفر، باب ماجاء ما يقول في سجود القرآن، تحفة
الأحوذی، جلد: ۱، صفحہ: ۳۰۲، ابن ماجہ: ۱۰۵۳) اور پہاڑوں اور درختوں کے سجدے میں ان کے سایوں کا دائیں بائیں پھرنے یا جھکنا
بھی شامل ہے، جس کی طرف اشارہ سورۃ المرعد: ۱۵، اور النحل: ۴۸، ۴۹ میں بھی کیا گیا ہے۔

۱۔ یہ سجدہ اطاعت و عبادت ہی ہے جس کو انسانوں کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے اور اللہ کی رضا کی مستحق قرار پاتی ہے۔
۲۔ یہ وہ ہیں جو سجدہ اطاعت سے انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں، ورنہ تکوینی احکام یعنی سجدہ انقیاد میں تو انہیں بھی
مجال انکار نہیں۔

۳۔ کفر اختیار کرنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی اور آخرت کا دائمی عذاب ہے، جس سے بچا کر کافروں کو عزت دینے والا کوئی
نہیں ہو گا۔

۴۔ هَذَا خَصْمٌ، یہ دونوں دشمنی کے صیغے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد مذکورہ گمراہ فرقے اور اس کے مقابلے میں
دوسرا فرقہ مسلمان کو لیا ہے۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مسلمان تو اس کی وحدانیت اور اس کی
قدرت علی البعث کے قائل ہیں، جب کہ دوسرے اللہ کے بارے میں مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں
جنگ بدر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آجاتے ہیں، جس کے آغاز میں مسلمانوں میں ایک طرف حضرت حمزہ،
حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ

والے ہیں، پس کافروں کے لیے تو آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے، اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔

۲۰. جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی۔

۲۱. اور ان کی سزا کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔

۲۲. یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو۔^(۱)

۲۳. بے شک ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے نہریں بہا رہی ہیں، جہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سچے موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم ہوگا۔^(۲)

۲۴. اور ان کو پاکیزہ بات کی رہنمائی کردی گئی^(۳) اور قابل صد تعریف راہ کی ہدایت کردی گئی۔^(۴)

۲۵. یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے^(۵) اور اس حرمت والی مسجد سے بھی جسے ہم نے تمام

كُفَرًا وَقَطَعَتْ لَهُمْ شِجَابٌ مِّنْ نَّارٍ يَصُبُّ مِنْ قَوْفِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ^(۱)

يُصْهِرُ بِهِ نَارِي بَطُونَهُمْ وَالْجَانُّونُ^(۲)

وَلَهُمْ مَقَامٌ مِّنْ حَدِيدٍ^(۳)

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ^(۴)

إِنَّ اللَّهَ يَدْعُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِلَىٰ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ^(۵)

وَهُدًى إِلَى الصَّالِحِينَ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدًى إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ^(۶)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ

تھے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الحج) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہی مفہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔

۱. اس میں جہنمیوں کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو انہیں وہاں بھگتنا ہوگا۔

۲. جہنمیوں کے مقابلے میں یہ اہل جنت کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کو مہیا کی جائیں گی۔

۳. یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں پاکیزہ باتیں ہی ہوں گی، وہاں بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں ہوگی۔

۴. یعنی ایسی جگہ کی طرف جہاں ہر طرف اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کی صدائے دل نواز گونج رہی ہوگی۔ اگر اس کا تعلق دنیا سے ہو تو مطلب قرآن اور اسلام کی طرف رہنمائی ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آتی ہے۔

۵. روکنے والوں سے مراد کفار مکہ ہیں جنہوں نے ۶ ہجری میں مسلمانوں کو مکہ جاکر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اور مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

سَوَاءٌ اَلْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُّزِدْ فِيْهِ
بِالْحَادِ يُظَلِّمُ نَفْسَهُ مِنْ عَذَابِ اَلْاَلِيِّ ۝

وَاذْبُوْا اِلٰى اَرْهٰمِمْ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَا تَشْرِكُوْا
بِىْ سِيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ

لوگوں کے لیے مساوی کر دیا ہے وہیں کے رہنے والے
ہوں یا باہر کے ہوں،^(۱) جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا
ارادہ کرے^(۲) ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔^(۳)

۲۶. اور جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کعبہ کے مکان
کی جگہ مقرر کر دی^(۴) اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو

۱. اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے مراد خاص مسجد (خانہ کعبہ) ہی ہے یا پورا حرم مکہ۔ کیونکہ قرآن میں بعض جگہ
پورے حرم کی کے لیے بھی مسجد حرام کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ جہاں تک خاص مسجد حرام کا
تعلق ہے، اس کی بابت تو یہ بات متفقہ ہے کہ اس میں مقیم وغیرہ مقیم، ملکی اور آفاقی سب کا حصہ مساوی ہے یعنی بلا تخصیص
وتفریق ہر شخص رات اور دن کے کسی بھی حصے میں عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کے لیے بھی کسی مسلمان کو عبادت سے روکنے
کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ جن علماء نے مسجد حرام سے مراد پورا حرم لیا ہے، ان کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ پورا
حرم مکہ سب مسلمانوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مکانوں اور زمینوں کا کوئی مالک نہیں۔ اسی لیے ان کی
خرید و فروخت اور ان کو کرائے پر دینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ جو شخص بھی کسی جگہ سے حج یا عمرے کے لیے مکہ جائے
تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے ٹھہر جائے، وہاں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہرنے
سے کسی کو نہ روکیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مکانات اور زمینیں ملک خاص ہو سکتی ہیں اور ان میں مالکانہ تصرفات یعنی بیچنا،
کرائے پر دینا جائز ہے۔ البتہ وہ مقامات جن کا تعلق مناسک حج سے ہے، مثلاً منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے میدان یہ وقف
عام ہیں۔ ان میں کسی کی ملکیت جائز نہیں۔ یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان خاصا مختلف فیہ رہا ہے۔ تاہم آج کل تقریباً تمام
کے تمام علماء ہی ملکیت خاص کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ سرے سے اختلافی ہی نہیں رہا۔ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم
نے بھی امام ابو حنیفہ اور فقہاء کا مسلک مختار اسی کو قرار دیا ہے۔ (ماخذ ہو معارف القرآن جلد ۶، صفحہ ۲۵۳)

۲. اِلْحَادُ کے لفظی معنی تو کج روی کے ہیں۔ یہاں یہ عام ہے، کفر و شرک سے لے کر ہر قسم کے گناہ کے لیے۔ حتیٰ کہ
بعض علماء الفاظ قرآنی کے پیش نظر اس بات تک کے قائل ہیں کہ حرم میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کر لے گا، (چاہے
اس پر عمل نہ کر سکے) تو وہ بھی اس وعید میں شامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محض ارادے پر مواخذہ نہیں ہوگا، جیسا کہ
دیگر نصوص سے واضح ہے۔ تاہم ارادہ اگر عزم مصمم کی حد تک ہو تو پھر قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ (فتح القدیر)

۳. یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو مذکورہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔

۴. یعنی بیت اللہ کی جگہ بتلادی اور وہاں ہم نے ذریت ابراہیم (علیہ السلام) کو جا ٹھہرایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح
علیہ السلام کی ویرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ہاتھوں سے ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح حدیث
سے بھی ثابت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا، (سب سے پہلی مسجد جو زمین میں بنائی گئی، مسجد حرام ہے، اور اس کے

وَالْوَكْمِ الشُّجُودِ ۝

شریک نہ کرنا^(۱) اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔^(۲)

۲۷. اور لوگوں میں حج کی منادی کردے لوگ تیرے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی^(۳) دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔^(۴)

۲۸. تاکہ اپنے لیے فائدے حاصل کریں^(۵) اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔^(۶) پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھاؤ۔

وَإِذْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا دَرَسْتَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ذَكَرُوا مِنْهَا وَآطَعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ ۝

۱. یہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی غرض بیان کی کہ اس میں صرف میری عبادت کی جائے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مشرکین نے اس میں جو بت سجا رکھے ہیں، جن کی وہ یہاں آکر عبادت کرتے ہیں۔ یہ ظلم صریح ہے کہ جہاں صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے تھی، وہاں بتوں کی عبادت کی جاتی ہے۔

۲. کفر، بت پرستی اور دیگر گندگیوں اور نجاستوں سے۔ یہاں ذکر صرف نماز پڑھنے والوں اور طواف کرنے والوں کا کیا ہے، کیونکہ یہ دونوں عبادات خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ نماز میں رخ اسی کی طرف ہوتا ہے اور طواف صرف اسی کے گرد کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل بدعت نے اب بہت سی قبروں کا طواف بھی ایجاد کر لیا ہے اور بعض نمازوں کے لیے ”قبلہ“ بھی کوئی اور۔ اَعَادَنَا اللَّهُ مِنْهَا۔

۳. جو چارے کی قلت اور سفر کی دوری اور تھکاوٹ سے لاغر اور کمزور ہو جائیں گے۔

۴. یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نیخف سی صدا، دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی، جس کا مشاہدہ حج اور عمرے میں ہر حاجی اور معتمر کرتا ہے۔

۵. یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ نماز، طواف اور مناسک حج و عمرہ کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت و رضا حاصل کی جائے۔ اور دنیوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال و اسباب دنیا بھی میسر آجائے۔

۶. بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ (پالتو چوپایوں) سے مراد اونٹ، گائے، بکری (اور بھیر، دنبے) ہیں، ان پر اللہ کا نام لینے کا مطلب ان کو ذبح کرنا ہے جو اللہ کا نام لے کر ہی کیا جاتا ہے اور ایام معلومات سے مراد، ذبح کے ایام ”ایام تشریق“ ہیں، جو یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) اور تین دن اس کے بعد ہیں۔ یعنی ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی کی جاسکتی ہے۔ عام طور پر ایام معلومات سے عشرۃ ذوالحجہ اور ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں۔ تاہم یہاں ”معلومات“ جس سیاق میں آیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۹. پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں^(۱) اور اپنی نذریں پوری کریں^(۲) اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں^(۳)۔

۳۰. یہ ہے، اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں^(۴) کی تعظیم کرے اس کے اپنے لیے اس کے رب کے پاس بہتری ہے۔ اور تمہارے لیے چوپائے جانور حلال کر دیے گئے بجز ان کے جو تمہارے سامنے بیان کیے گئے ہیں^(۵) پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے^(۶) اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔^(۷)

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ
وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ⑤

ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ حَقِيرٌ
عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُنْتَلَى
عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ
وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ⑥

۱. یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو جمرہ کبریٰ (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے، جس کے بعد وہ احرام کھول دیتا ہے اور بیوی سے مباشرت کے سوا، دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں، جو حالت احرام میں ممنوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کر لے، تیل، خوشبو استعمال کر لے اور سلعے ہوئے کپڑے پہن لے وغیرہ۔

۲. اگر کوئی نذر مانی ہوئی ہو، جیسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمائی، تو ہم فلاں نیکی کا کام کریں گے۔

۳. عَتِيقُ کے معنی قدیم کے ہیں، مراد خانہ کعبہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بعد طواف افاضہ کر لے، جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں، اور یہ حج کا رکن ہے جو وقوف عرفہ اور جمرہ عقبہ (یا کبریٰ) کو کنکریاں مارنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ جب کہ طواف قدوم بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع سنت مؤکدہ (یا واجب) ہے۔ جو اکثر اہل علم کے نزدیک عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حائضہ عورت سے بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے۔ (البر التائیر)

۴. ان حرمتوں سے مراد وہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل ابھی گزری۔ ان کی تعظیم کا مطلب، ان کی اس طرح ادائیگی ہے جس طرح بتلایا گیا ہے۔ یعنی ان کی خلاف ورزی کر کے ان حرمتوں کو پامال نہ کرے۔

۵. ”جو بیان کیے گئے ہیں“ کا مطلب ہے جن کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ہے، جیسے آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكَ الْمَيْمَةُ وَالذَّمْرُ﴾ (المائدہ: ۳) الایۃ میں تفصیل ہے۔

۶. رِجْسُ کے معنی گندگی اور پاپی کی ہیں۔ یہاں اس سے مراد لکڑی، لوہے یا کسی اور چیز کے بنے ہوئے بت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ نجاست ہے اور اللہ کے غضب اور عدم رضا کا باعث، اس سے بچو۔

۷. جھوٹی بات میں، جھوٹی بات کے علاوہ جھوٹی قسم بھی ہے، (جس کو حدیث میں شرک اور عقوق والدین کے بعد

حَقَّاءَ يَلِدُ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ
بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ
أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝

۳۱. اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے^(۱) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔ سنو، اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی۔^(۲)

ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعِظْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى
الْقُلُوبِ ۝

۳۲. یہ سن لیا اب اور سنو، جو اللہ کی نشانوں کی عزت و حرمت کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔^(۳)

تیسرے نمبر پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے) اور سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ جن چیزوں سے پاک ہے، وہ اس کی طرف منسوب کی جائیں، مثلاً اللہ کی اولاد ہے، فلاں بزرگ اللہ کے اختیارات میں شریک ہے، یا فلاں کام پر اللہ کس طرح قادر ہوگا؟ جیسے کفار بعث بعد الموت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ یا اپنی طرف سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لینا، جیسے مشرکین بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، یہ سب جھوٹ ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔

۱. حَقَّاءَ، حَنِيفٌ کی جمع ہے۔ جس کے مصدری معنی ہیں مائل ہونا، ایک طرف ہونا، یک رخہ ہونا۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور کفر و باطل سے اسلام اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ یا ایک طرف ہو کر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے۔

۲. یعنی جس طرح بڑے پرندے، چھوٹے جانوروں کو نہایت تیزی سے چھپنا مار کر انہیں نوچ کھاتے ہیں یا ہوائیں کسی کو دور دراز جگہوں پر پھینک دیں اور کسی کو اس کا سراغ نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں تباہی اس کا مقدر ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ سلامت فطرت اور طہارت نفس کے اعتبار سے طہر و صفا کی بلندی پر فائز ہوتا ہے اور جوں ہی وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا اپنے کو بلندی سے پستی میں اور صفائی سے گندگی اور کچھڑ میں گرا لیتا ہے۔

۳. شَعَائِرُ، شَعْبَعَةُ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، جیسے جنگ میں ایک شعار (مخصوص لفظ بطور علامت) اختیار کر لیا جاتا ہے، جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اس اعتبار سے شعائر اللہ وہ ہیں، جو اعلام دین یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں، جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے اور دوسرا اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے۔ صفا، مروہ پہاڑوں کو بھی اسی لیے شعائر اللہ کہا گیا ہے کہ مسلمان حج و عمرے میں ان کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ یہاں حج کے دیگر مناسک، خصوصاً قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کا استحسان اور استسمان ہے یعنی عمدہ اور مونا تازہ جانور قربان کرنا۔ اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے یعنی یہ دل کے ان افعال سے ہیں جن کی بنیاد تقویٰ ہے۔

۳۳۔ ان میں تمہارے لیے ایک مقرر وقت تک کا فائدہ ہے^(۱) پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے۔^(۲)

۳۴۔ اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔^(۳) سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔

۳۵۔ انہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرا جاتے ہیں، اور انہیں جو برائی پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ آخِلٍ مُّسْتَعِيٍّ ثُمَّ مَجْلَحًا إِلَىٰ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّذِكْرِ اللَّهِ وَلَعَلَّكُمْ عَلَىٰ مَا رَزَقْتَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ قَالَهُمْ إِلَٰهُنَّ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَالطَّيِّبِينَ عَلَىٰ مَا آصَابَهُمْ وَالْبَقِيَّةِ الصَّلَاةَ وَصَارَ قُلُوبُهُمْ يَنْفَقُونَ ۝

۱۔ وہ فائدہ، سواری، دودھ، مزید نسل اور اون وغیرہ کا حصول ہے۔ وقت مقرر سے مراد نحر (ذبح کرنا) ہے یعنی ذبح ہونے تک تمہیں ان سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے، جب تک وہ ذبح نہ ہو جائے، فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک قربانی کا جانور اپنے ساتھ ہانک لے جا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا، اس پر سوار ہوجا، اس نے کہا یہ حج کی قربانی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اس پر سوار ہوجا۔ (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ركوب البدن)

۲۔ حلال ہونے سے مراد جہاں ان کا ذبح کرنا حلال ہوتا ہے۔ یعنی یہ جانور، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد، بیت اللہ اور حرم مکہ میں پہنچتے ہیں اور وہاں اللہ کے نام پر ذبح کر دیے جاتے ہیں، پس مذکورہ فوائد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے ہی حرم کے لیے ہدی ہوتے ہیں، تو حرم میں پہنچتے ہی ذبح کر دیے جاتے ہیں اور فقراء مکہ میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ مَنَسْكُ، نَسْكُ، نَسْكُ کا مصدر ہے، معنی ہیں اللہ کے تقرب کے لیے قربانی کرنا ذَبَحْتُ، (ذبح شدہ جانور) کو بھی نَسِكْتُ کہا جاتا ہے، جس کی جمع نُسُكٌ ہے۔ اس کے معنی اطاعت و عبادت کے بھی ہیں۔ کیونکہ رضائے الہی کے لیے جانور کی قربانی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر یا ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے۔ یا مَنَسْكُ مَنَسِكٌ (سین کی فتح یا کسرے کے ساتھ) اسم ظرف ہے۔ مَوْضِعُ نَحْرٍ (ذبح کرنے کی جگہ) یا مَوْضِعُ عِبَادَةٍ۔ اسی سے مناسک حج ہے یعنی وہ جگہیں، جہاں حج کے اعمال و ارکان ادا کیے جاتے ہیں، جیسے عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور مکہ۔ مطلق ارکان و اعمال حج کو بھی مناسک کہہ لیا جاتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم پہلے بھی ہر مذہب والوں کے لیے ذبح کا یا عبادت کا طریقہ مقرر کرتے آئے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ ہمارا نام لیں، یعنی بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں یا ہمیں یاد رکھیں۔

انہیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے دیتے بھی رہتے ہیں۔
۳۶. اور قربانی کے اونٹوں کو^(۱) ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں شامل کر دیا ہے ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو،^(۲) پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں^(۳) تو اسے (خود بھی) کھاؤ^(۴) اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ،^(۵) اسی طرح ہم نے چوپایوں کو

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَا لَكُم مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرِ ۚ كَذَلِكَ نَحْكُمُ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾

۱. بُدْنٌ، بَدَنَةُ کی جمع ہے یہ جانور عام طور پر موٹا تازہ ہوتا ہے۔ اس لیے بَدَنَةُ کہا جاتا ہے ”فربہ جانور“ اہل لغت نے اسے صرف اونٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن حدیث کی رو سے گائے پر بھی بَدَنَةُ کا اطلاق صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گائے، جو قربانی کے لیے لیے جائیں، یہ بھی شعائر اللہ، یعنی اللہ کے ان احکام میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے خاص اور ان کی علامت ہیں۔

۲. صَوَافَّ مَصْفُوفَةً (صف بستے یعنی کھڑے ہوئے) کے معنی میں ہے۔ اونٹ کو اسی طرح کھڑے کھڑے خر کیا جاتا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پاؤں بندھا ہوا اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے۔

۳. یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائے۔ تب اسے کاٹنا شروع کرو۔ کیونکہ زندہ جانور کا گوشت کٹ کر کھانا ممنوع ہے۔ مَا قُطِعَ مِنَ الْبُهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ، فَهُوَ مَيْتَةٌ (ابوداؤد، کتاب الصيد، باب فی صید قطع منہ قطعة۔ ترمذی، أبواب الصيد، باب ما جاء ما قطع من الحي فهو ميت، وابن ماجہ) (جس جانور سے اس حال میں گوشت کاٹا جائے کہ وہ زندہ ہو تو وہ (کاٹا ہوا گوشت) مردہ ہے)۔

۴. بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے ہے یعنی قربانی کا گوشت کھانا، قربانی کرنے والے کے لیے واجب یعنی ضروری ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ امر استحباب یا جواز کے لیے ہے یعنی اس امر کا مقصد صرف جواز کا اثبات یا استحباب ہے یعنی اگر کھالیا جائے تو جائز یا مستحب (پسندیدہ) ہے اور اگر کوئی نہ کھائے بلکہ سب کا سب تقسیم کر دے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

۵. قَانِعٌ کے ایک معنی سائل کے اور دوسرے معنی قناعت کرنے والے کے کیے گئے ہیں یعنی وہ سوال نہ کرے اور مُعْتَرٌ کے معنی بعض نے بغیر سوال کے سامنے آنے والے کے کیے ہیں۔ اور بعض نے قانع کے معنی سائل اور معتر کے معنی زائر یعنی ملاقاتی کے کیے ہیں۔ بہر حال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک اپنے لیے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتہ داروں کے لیے اور تیسرا سائلین اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کے لیے۔ جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (میں نے تمہیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمہیں اجازت

تمہارے ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو۔

۳۷۔ اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطہج کر دیا ہے کہ تم اس کی رہنمائی کے شکرے میں اسکی بڑائیاں بیان کرو، اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِشُكْرِهِ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا هَذَا لَكُمْ وَبَشِيرٍ الْمُحْسِنِينَ ⑤

ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو، ذخیرہ (کرو)۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں (پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو) ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں (پس کھاؤ، کھاؤ اور صدقہ کرو)۔ (صحیح البخاری کتاب الأضاحی، مسلم، کتاب الأضاحی، باب بیان ماکان من النہی عن أكل لحوم الأضاحی بعد ثلاث۔ والسنن) بعض علماء دو حصے کرنے کے قائل ہیں۔ نصف اپنے لیے اور نصف صدقے کے لیے، وہ اس سے ماقبل گزرنے والی آیت ﴿فَصَلُّوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا الْبَرَائِصَ الْفَقِيرَ﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو تائین حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں نکلتا بلکہ ان میں مطلقاً کھانے کھلانے کا حکم ہے۔ اس لیے اس اطلاق کو اپنی جگہ برقرار رہنا چاہیے اور کسی تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہیے۔ البتہ قربانی کی کھالوں کی بابت اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے استعمال میں لاؤ یا صدقہ کردو، اسے بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، (مسند احمد، ۱۵/۳) تاہم بعض علماء نے کھال خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت دی ہے، (ابن کثیر) ایک ضروری وضاحت: قرآن کریم میں یہاں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں آیا ہے، جس سے منکرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہی ہے۔ دیگر مسلمانوں کے لیے یہ ضروری نہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دوسرے مقام پر موجود ہے، ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر: ۲) (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر) اس کی تئیں وتشریح (عملی) نبی ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ آپ ﷺ خود مدینے میں ہر سال ۱۰ ذوالحجہ کو قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی کی بابت جہاں دیگر بہت سی ہدایات دیں، وہاں یہ بھی فرمایا کہ ۱۰ ذوالحجہ کو ہم سب سے پہلے (عید کی) نماز پڑھیں اور اس کے بعد جاکر جانور ذبح کریں، فرمایا، (جس نے نماز (عید) سے قبل اپنی قربانی کر لی، اس نے گوشت کھانے میں جلدی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی)۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب التکبیر إلى العید، ومسلم، کتاب الأضاحی، باب وقتها) اس سے بھی واضح ہے کہ قربانی کا حکم ہر مسلمان کے لیے ہے وہ جہاں بھی ہو۔ کیوں کہ حاجی تو عید الاضحیٰ کی نماز ہی نہیں پڑھتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم غیر حاجیوں کے لیے ہی ہے۔ تاہم یہ واجب نہیں ہے ”سنت مؤکدہ ہے“ اسی طرح دکھلاوے کی نیت سے کئی کئی قربانیاں کرنے کا رواج بھی خلاف سنت ہے۔ حدیث کے مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ صحابہ کا عمل اسی کے مطابق تھا۔ (ترمذی، أبواب الأضاحی، باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، وابن ماجہ)

۳۸. سن رکھو یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے۔^(۱) کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

۳۹. جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔^(۲) اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

۴۰. یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ روکتا رہتا تو عبادت خانے اور گر جاگھراور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔

۴۱. یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

لِلَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الصَّوَامِعُ وَبِيعَ صَلَواتُ وَمَسْجِدُ يُذَكِّرُ فِيهَا أَسْمَاءُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلِكِنَّ يَصْرَحُ اللَّهُ مَنْ يَتَصَدَّقُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

۱. جس طرح ۶ ہجری میں کافروں نے اپنے غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کو مکہ جاکر عمرہ نہیں کرنے دیا، اللہ تعالیٰ نے دو سال کے بعد ہی کافروں کے اس غلبے کو ختم فرما کر مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹا دیا اور مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔
۲. اکثر سلف کا قول ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، جس کے دو مقصد یہاں بیان کیے گئے ہیں۔ مظلومیت کا خاتمہ اور اعلائے کلمۃ اللہ۔ اس لیے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی داد رسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زور آور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلہ لوگوں کو جینے ہی نہ دیں جس سے زمین فساد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبے سے بھی دنیا کا امن و سکون اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے (مزید تشریح کے لیے دیکھیے سورہ بقرہ، آیت ۲۵۱ کا حاشیہ)۔ صَوَامِعُ (صَوْمَعۃ کی جمع) سے چھوٹے گرجے اور بَيْعۃ کی جمع) سے بڑے گرجے، صَلَوات سے یہودیوں کے عبادت خانے اور مساجد سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراد ہیں۔

منع کریں۔^(۱) اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔^(۲)

۴۲. اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس لیے کہ ان سے پہلے جھٹلایا نوح (علیہ السلام) کی قوم اور عاد اور ثمود نے۔

۴۳. اور قوم ابراہیم (علیہ السلام) اور قوم لوط (علیہ السلام)۔

۴۴. اور مدین والے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) بھی جھٹلائے جا چکے ہیں پس میں نے کافروں کو یوں ہی سی مہلت دی پھر دھر دیا،^(۳) پھر میرا

وَإِنْ يَكِذِّبُواكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿۴۲﴾

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿۴۳﴾

وَاصْحَابَ مَدْيَنَ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَكْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْنَاهُمْ فَنَقَضْنَا مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۴۴﴾

۱. اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں، جنہیں خلافت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انہوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا۔ تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن و سکون بھی رہا، رفاہیت و خوش حالی بھی رہی اور مسلمان سربلند اور سرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں بحمد اللہ ان چیزوں کا اہتمام ہے، تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن و خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی مملکت ہے، آج کل اسلامی ملکوں میں فلاحی مملکت کے قیام کا بڑا غلغلہ اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن ہر اسلامی ملک میں بدامنی، فساد، قتل و غارت اور ارباب و پستی اور زبوں حالی روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کے بجائے مغرب کے جمہوری اور لادینی نظام کے ذریعے سے فلاح و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو آسمان میں تھگی لگانے اور ہوا کو مٹھی میں لینے کے مترادف ہے۔ جب تک مسلمان مملکتیں قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست نہیں رکھیں گی، وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

۲. یعنی ہر بات کا مرجع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتہ بھی نہیں ہلتا۔ چہ جائیکہ کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

۳. اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ پچھلی قومیں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں اور میں بھی انہیں مہلت دیتا رہا۔ پھر جب ان کا وقت مہلت ختم ہو گیا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس میں تعریض و کنایہ ہے مشرکین مکہ کے لیے کہ تکذیب کے باوجود تم ابھی تک مواخذہ الہی سے بچے ہوئے ہو تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمارا کوئی مواخذہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے، جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار نہیں کرتی،

عذاب کیسا ہوا؟^(۱)

۳۵. بہت سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ وبالا کر دیا اس لیے کہ وہ ظالم تھے پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنوئیں بیکار پڑے ہیں اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں۔

۳۶. کیا انہوں نے زمین میں سیروسیاحت نہیں کی جو ان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان (واقعات) کو سن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔^(۲)

۳۷. اور یہ لوگ آپ ﷺ سے عذاب کا فوری مطالبہ کر رہے ہیں اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔ ہاں البتہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔^(۳)

فَمَا يَكُنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِّنَفْسِهَا وَهِيَ غَرُوبُهَا وَيَوْمَ مُعَذِّبُهَا وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ^(۱)

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا وَأُذُنٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَمَا كَانُوا يَفْقَهُوا تَعْنَى الْأَبْصَارِ وَلَكِنْ تَعْنَى الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ^(۲)

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَكِنْ يَخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ^(۳)

تو پھر اسے ہلاک یا مسلمانوں کے ذریعے سے مغلوب اور ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

۱. یعنی کس طرح میں نے انہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر کے عذاب ہلاکت سے دوچار کر دیا۔

۲. اور جب کوئی قوم ضلالت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ عبرت پذیری کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے، تو ہدایت کے بجائے، گزشتہ قوموں کی طرح تباہی ہی اس کا بھی مقدر بن کر رہتی ہے۔ آیت میں فعل تعقل کا انتساب دل کی طرف کیا گیا ہے، جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ عقل کا محل، قلب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محل عقل دماغ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ فہم و ادراک کے حصول میں عقل اور دماغ دونوں کا آپس میں بڑا گہرا ربط و تعلق ہے۔ (فتح القدیر، البحر القافیر)

۳. اس لیے یہ لوگ تو اپنے حساب سے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک دن بھی ہزار سال کا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اگر کسی کو ایک دن (۲۴ گھنٹے) کی مہلت دے تو ہزار سال، نصف یوم کی مہلت تو پانچ سو سال، ۶ گھنٹے (جو ۲۴ گھنٹے کا چوتھائی ہے) مہلت دے تو ڈھائی سو سال کا عرصہ عذاب کے لیے درکار ہے، وَهَلُمَّ جَزَاءَ اس طرح اللہ کی طرف سے کسی کو ایک گھنٹے کی مہلت مل جانے کا مطلب کم و بیش چالیس سال کی مہلت ہے۔ (البحر القافیر) ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ہزار سال برابر ہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں

۴۸. اور بہت سی ظلم کرنے والی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی پھر آخر انہیں پکڑ لیا، اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔^(۱)

۴۹. اعلان کر دو کہ اے لوگو! میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہی ہوں۔^(۲)

۵۰. پس جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان ہی کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی۔

۵۱. اور جو لوگ ہماری نشانوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں^(۳) وہی دوزخی ہیں۔

۵۲. اور ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے پھر اپنی

وَكَايْنٍ مِّنْ قَرِيْبٍ اَمَلَيْتُمْ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
ثُمَّ اخَذْتُمُوهَا وَاَوَّلَى الْبَصِيْرِ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائِمَّا اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ

فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَهُمْ مُّغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِى الْاِيْمَانِ مُعْجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا
لَا اَنۡسَاۤىۤ اِلٰى السَّيِّطٰنِ فِىۤ اٰمِنِيۡنَہٗۤ فَيَسۡخَرُ اللّٰهُ
مَا لِيۡقِى السَّيِّطٰنُ ثُمَّ يُحۡكُمُ اللّٰهُ اِلَيْہٖ
وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ

پڑتا، یہ جلدی مانگتے ہیں، وہ دیر کرتا ہے، تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اور بعض نے اسے آخرت پر محمول کیا ہے کہ شدت ہولناکی کی وجہ سے قیامت کا ایک دن ہزار سال بلکہ بعض کو پچاس ہزار سال کا لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ آخرت کا دن واقعی ہزار سال کا ہو گا۔

۱. اسی لیے یہاں قانون مہلت کو پھر بیان کیا ہے کہ میری طرف سے عذاب میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، تاہم میری گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، نہ کہیں فرار ہو سکتا ہے۔ اسے لوٹ کر بالآخر میرے ہی پاس آنا ہے۔

۲. یہ کفار و مشرکین کے مطالبہ عذاب پر کہا جا رہا ہے کہ میرا کام تو انذار و تبشیر ہے۔ عذاب بھیجنا اللہ کا کام ہے، وہ جلدی گرفت فرمالے یا اس میں تاخیر کرے، وہ اپنی حسب مشیت و مصلحت یہ کام کرتا ہے۔ جس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ اہل مکہ ہیں لیکن چونکہ آپ پوری نوع انسانی کے لیے رہبر اور رسول بن کر آئے تھے، اس لیے خطاب یا اَيُّهَا النَّاسُ! کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس میں قیامت تک ہونے والے وہ کفار و مشرکین آگئے جو اہل مکہ کا سارویہ اختیار کریں گے۔

۳. مُعْجِزِيْنَ کا مطلب ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے، تھکادیں گے اور ہم ان کی گرفت کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے کہ وہ بعث بعد الموت اور حساب کتاب کے منکر تھے۔

باتیں پکی کر دیتا ہے۔^(۱) اور اللہ تعالیٰ دانا اور با حکمت ہے۔
۵۳۔ یہ اس لیے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔^(۲) اور بیشک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں۔

۵۴۔ اور اس لیے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے سراسر حق ہی ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو راہ

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۳﴾

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۴﴾

۱۔ تَمَنَّى کے ایک معنی ہیں آرزو کی یا دل میں خیال کیا۔ دوسرے معنی ہیں پڑھا یا تلاوت کی۔ اسی اعتبار سے اُمْنِيَّة کا ترجمہ آرزو، خیال یا تلاوت ہوگا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوگا، اس کی آرزو میں شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ وہ پوری نہ ہوں۔ اور رسول و نبی کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ایمان لے آئیں، شیطان رکاوٹیں ڈال کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مفہوم ہوگا کہ جب بھی اللہ کا رسول یا نبی وحی شدہ کلام پڑھتا اور اس کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی قراءت و تلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بابت لوگوں کے دلوں میں شبہ ڈالتا اور مبینہ کلمات کی قراءت و تلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کو ناکام فرما کر یا شیطان کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ فرما کر اپنی بات کو یا اپنی آیات کو محکم (پکا) فرماتا ہے۔ اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیوں صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی نہیں ہیں، آپ ﷺ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے، سب کے ساتھ ہی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔ تاہم آپ ﷺ گھبراہٹیں نہیں، شیطان کی ان شرارتوں اور سازشوں سے، جس طرح ہم پچھلے انبیاء علیہم السلام کو بچاتے رہے ہیں، یقیناً آپ ﷺ بھی محفوظ رہیں گے اور شیطان کے علی الرغم اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پکا کر کے رہے گا۔ یہاں بعض مفسرین نے غرائب علیٰ کا قصہ بیان کیا ہے جو محققین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے۔ اس لیے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھی گئی ہے۔

۲۔ یعنی شیطان یہ حرکتیں اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور اس کے جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہوتا ہے یا گناہ کر کے ان کے دل سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

۳۔ یعنی یہ القائے شیطانی، جو دراصل اغوائے شیطانی ہے، اگر اہل نفاق و شک اور اہل کفر و شرک کے حق میں فتنے کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف جو علم و معرفت کے حامل ہیں، ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بات یعنی قرآن حق ہے، جس سے ان کے دل بارگاہ الہی میں جھک جاتے ہیں۔

راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی ہے۔^(۱)

۵۵. اور کافر اس وحی الہی میں ہمیشہ شک و شبہ ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آجائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آجائے جو منحوس ہے۔^(۲)

۵۶. اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی^(۳) وہی ان میں فیصلے فرمائے گا۔ ایمان اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے بھری جنتوں میں ہوں گے۔

۵۷. اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں۔

۵۸. اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر وہ شہید کر دیے گئے یا اپنی موت مر گئے^(۴) اللہ تعالیٰ

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرْيَمَئِهِمْ
حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ
عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۵۶﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۵۷﴾

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا
أَوْ مَاتُوا الْبِرِّزْقَهُمْ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا

۱. دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ ان کی رہنمائی حق کی طرف کر دیتا ہے اور اس کے قبول اور اتباع کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ باطل کی سمجھ بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس سے انہیں بچا بھی لیتا ہے اور آخرت میں سیدھے راستے کی رہنمائی یہ ہے کہ انہیں جہنم کے عذاب الیم و عظیم سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے گا اور وہاں اپنی نعمتوں اور دیدار سے انہیں نوازے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۲. یَوْمَ عَقِيمٍ (بانجھ دن) سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ اسے عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا، جس طرح عقیم اس کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ یا اس لیے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی رحمت نہیں ہوگی، گویا ان کے لیے خیر سے خالی ہوگا۔ جس طرح باد تند کو، جو بطور عذاب کے آتی رہی ہے الرِّيحُ الْعَقِيمُ کہا گیا ہے، ﴿إِذْ أَسْلَمْنَا عَلَىٰ رِيحٍ الْعَقِيمِ﴾ (الذاریات: ۴۱) (جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی) یعنی ایسی ہوا جس میں کوئی خیر تھی نہ بارش کی نوید۔

۳. یعنی دنیا میں تو عارضی طور پر بطور انعام یا بطور امتحان لوگوں کو بھی بادشاہتیں اور اختیار و اقتدار مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں کسی کے پاس بھی کوئی بادشاہت اور اختیار نہیں ہوگا۔ صرف ایک اللہ کی بادشاہی اور اس کی فرماں روائی ہوگی، اسی کا مکمل اختیار اور غلبہ ہوگا، ﴿الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ لِّلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا﴾ (الفرقان: ۲۶) (بادشاہی اس دن ثابت ہے واسطے رحمن کے اور یہ دن کافروں پر سخت بھاری ہوگا)۔ ﴿لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ إِلَهُ الْوَاحِدِ الْقَهَّارُ﴾ (المؤمن: ۱۶) اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر خود ہی جواب دے گا (ایک اللہ غالب کی)۔

۴. یعنی اسی ہجرت کی حالت میں موت آگئی یا شہید ہو گئے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ خَبِيرٌ الرَّزَقِيْنَ ﴿۵۸﴾

انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا۔^(۱) اور بیشک اللہ تعالیٰ روزی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔^(۲)

۵۹. انہیں اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے،^(۳) بیشک اللہ تعالیٰ علم اور بردباری والا ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَہٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

۶۰. بات یہی ہے،^(۴) اور جس نے بدلہ لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا۔^(۵) بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔^(۷)

ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْثِيَہٗ
تَوْبَعِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

۱. یعنی جنت کی نعمتیں جو ختم ہوں گی نہ فلا۔

۲. کیونکہ وہ بغیر حساب کے، بغیر استحقاق کے اور بغیر سوال کے دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان بھی جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسی کے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق وہی ہے۔

۳. کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی، مَا لَا عَيْنٌ رَّأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ”جنہیں آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا۔ اور دیکھنا سنا تو کجا، کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا۔“ جہلا ایسی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر کون خوش نہیں ہوگا؟

۴. ”عَلِيْمٌ“ وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجات اور ان کے مراتب استحقاق کو جانتا ہے۔ کفر و شرک کرنے والوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کا فوری مواخذہ نہیں کرتا۔

۵. یعنی یہ کہ مہاجرین سے بطور خاص شہادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔

۶. عقوبت، اس سزا یا بدلے کو کہتے ہیں جو کسی فعل کی جزاء ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے، اسے بقدر زیادتی بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینے کے بعد، جب کہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر برابر ہو چکے ہوں، ظالم، مظلوم پر پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ یعنی یہ شہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کر دینے کے بجائے بدلہ لے کر غلط کام کیا ہے، نہیں، بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے، اس لیے آئندہ بھی وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔

۷. اس میں پھر معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ درگزر کرنے والا ہے، تم بھی درگزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بدلہ لینے میں۔ جو بقدر ظلم ظالم ہوگا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا، اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ معاف ہے۔ بلکہ اسے ظلم اور سیدہ بطور مشکلات کے کہا جاتا ہے، ورنہ انتقام یا بدلہ سرے سے ظلم یا سیدہ ہی نہیں ہے۔

۶۱. یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے^(۱) اور بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

۶۲. یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے^(۲) اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بیشک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے۔

۶۳. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مہربان اور باخبر ہے۔^(۳)

۶۴. آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے^(۴) اور یقیناً اللہ وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا۔

۶۵. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دی ہیں^(۵) اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی۔ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر

ذَٰلِكَ يَٰۤاَنَّا اللّٰهُ يُوَلِّیْهِمُ الْاَیَّامَ فِی الْفَلَکِ
وَيُوَلِّیْهِمُ النَّهَارَ فِی الْاَیَّامِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ
بَصِیْرٌ

ذَٰلِكَ یَٰۤاَنَّا اللّٰهُ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ
الْکَبِیْرُ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَنُصِیْغُ الْاَرْضَ مُخْصَرَةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ
خَبِیْرٌ

لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَمِیْدُ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفَلَکِ
تَجْوِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِ وَّیُحْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ
تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ یَالْتَمِاسٌ
لِّرُءُوْفٍ رَّحِیْمٍ

۱. یعنی جو اللہ اس طرح کام کرنے پر قادر ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے جن بندوں پر ظلم کیا جائے ان کا بدلہ وہ ظالموں سے لے۔

۲. اس لیے اس کا دین حق ہے، اس کی عبادت حق ہے اس کے وعدے حق ہیں، اس کا اپنے اولیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے، وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے۔

۳. لَطِیْفٌ (باریک بین) ہے، اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے یا لطف کرنے والا ہے یعنی اپنے بندوں کو روزی پہنچانے میں لطف و کرم سے کام لیتا ہے۔ خَبِیْرٌ، وہ ان باتوں سے باخبر ہے جن میں اس کے بندوں کے معاملات کی تدبیر اور اصلاح ہے۔ یا ان کی ضروریات و حاجات سے آگاہ ہے۔

۴. پیدا کُنش کے لحاظ سے بھی، ملکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف کرنے کے اعتبار سے بھی۔ اس لیے سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیوں کہ وہ غنی یعنی بے نیاز ہے۔ اور جو ذات سارے کمالات اور اختیارات کا منبع ہے، ہر حال میں تعریف کی مستحق بھی وہی ہے۔

۵. مثلاً جانور، نہریں، درخت اور دیگر بے شمار چیزیں، جن کے منافع سے انسان بہرہ ور اور لذت یاب ہوتا ہے۔

گر نہ پڑے،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔^(۲)

۶۶. اور اسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا، بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے۔^(۳)

۶۷. ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے، جسے وہ بجالانے والے^(۴) ہیں پس انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑنا نہ کرنا چاہیے^(۵) آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلائیے۔ یقیناً آپ ٹھیک ہدایت پر ہی ہیں۔^(۶)

۶۸. اور پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ تمہارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ
إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ
فَلَا يَنْدِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَاذْعُرْ إِلَىٰ رَبِّكَ
إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٌ ۝

وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا
تَعْمَلُونَ ۝

۱. یعنی اگر وہ چاہے تو آسمان زمین پر گر پڑے، جس سے زمین پر موجود ہر چیز تباہ ہو جائے۔ ہاں قیامت کے دن اس کی مشیت سے آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

۲. اس لیے اس نے مذکورہ چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور آسمان کو بھی ان پر گرنے نہیں دیتا۔ تابع (مخز) کرنے کا مطلب ہے کہ ان تمام چیزوں سے انتفاع اس کے لیے ممکن یا آسان کر دیا گیا ہے۔

۳. یہ بحیثیت جنس کے ہے۔ بعض افراد کا اس ناشکری سے نکل جانا اس کے منافی نہیں، کیونکہ انسانوں کی اکثریت میں یہ کفر و جود پایا جاتا ہے۔

۴. یعنی ہر زمانے میں ہم نے لوگوں کے لیے ایک شریعت مقرر کی، جو بعض چیزوں میں سے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتی، جس طرح تورات، امت موسیٰ علیہ السلام کے لیے، انجیل امت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعت تھی اور اب قرآن امت محمدیہ ﷺ کے لیے شریعت اور ضابطہ حیات ہے۔

۵. یعنی اللہ نے آپ کو جو دین اور شریعت عطا کی ہے، یہ بھی مذکورہ اصول کے مطابق ہی ہے، ان سابقہ شریعت والوں کو چاہیے کہ اب آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لے آئیں، نہ کہ اس معاملے میں آپ ﷺ سے جھگڑیں۔

۶. یعنی آپ ﷺ ان کے جھگڑے کی پرواہ نہ کریں، بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں، کیونکہ اب صراط مستقیم پر صرف آپ ہی گامزن ہیں۔ یعنی پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔

اَللّٰهُ يَخْتَارُ بِدَعْوَتِكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اِنَّ ذٰلِكَ فِى كِتٰبِنَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهٖ
سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَّ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ نّٰصِيْرٍ ۝

وَ اِذَا تَسْتَلٰ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ تَعْرِفُوْا
وُجُوْهَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرُ يَكْاۡدُوْنَ يَسْطُوْنَ
بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمُ الْاٰیٰتِ اَقْلٰ اَفَاۡنِیْكُمْ

۶۹. بیشک تم سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ آپ کرے گا۔^(۱)

۷۰. کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز
اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں
محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔^(۲)

۷۱. اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کر رہے ہیں
جس کی کوئی خدائی دلیل نازل نہیں ہوئی نہ وہ خود
ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں۔^(۳) اور ظالموں کا کوئی
مددگار نہیں۔

۷۲. اور جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی
ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے
چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو

۱. یعنی بیان اور اظہار حجت کے بعد بھی اگر یہ جدال و منازعت سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں کہ
اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن فرمائے گا، پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل
کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزاء دے گا۔

۲. اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور مخلوقات کے احاطے کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی اس کی مخلوقات کو جو کچھ کرنا
تھا، اس کو اس کا علم پہلے سے ہی تھا۔ جن بندوں کو اپنے اختیار و ارادے سے نیکی کا راستہ اور جنہیں اپنے اختیار سے
برائی کا راستہ اپنانا تھا، وہ ان کو جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے علم سے یہ باتیں پہلے ہی لکھ دیں۔ اور لوگوں کو یہ بات
چاہے، کتنی ہی مشکل معلوم ہو، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ وہی تقدیر کا مسئلہ ہے، اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے،
جسے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے، جب
کہ اس کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں)۔ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجج آدم و موسیٰ) اور سنن
کی روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا، اور اس کو کہا ”لکھ“ اس نے
کہا، کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے۔ چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک
جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا)۔ (ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ترمذی أبواب القدر و تفسیر سورة نّ، مسند أحمد: ۳۱۷/۵)

۳. یعنی ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے، جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھا سکیں، نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی
عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔

يَشِيرُ مِنْ ذُلِكُمْ النَّارُ وَعَدَ هَا اللَّهُ الَّذِينَ
كَفَرُوا وَيُسْخَرُ الْمُصِيرُ ۝

قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر
بیٹھیں، ^(۱) کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ
بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے کافروں
سے کر رکھا ہے، ^(۲) اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ
الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَوْ
يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ
يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيدُوا مِنْهُ
صَعَفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝

۷۳۔ لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر
سن لو اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک
مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی
جمع ہو جائیں، ^(۳) بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے
تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے، ^(۴) بڑا بودا ہے

۱۔ اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بد زبانی کے ذریعے سے۔ یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید
اور رسالت و معاد کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے، جس کا اظہار، ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں
سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دلائل سے
واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے، جس کی وضاحت اس
آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر)۔

۲۔ یعنی ابھی تو آیات الہی سن کر صرف تمہارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس
رویے سے توبہ نہیں کی، تو اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا، اور وہ ہے جہنم کی آگ میں
جلنا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔

۳۔ یعنی یہ معبودان باطل، جن کو تم، اللہ کو چھوڑ کر، مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت
حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انہی کو اپنا حاجت روا سمجھو، تو تمہاری عقل
قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان
مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں، (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل
و شعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں، یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے، جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا
شریک ٹھہر لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شے ”مکھی“ بھی پیدا نہیں
کر سکتے، محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جاسکتا۔

۴۔ یہ ان کی مزید بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کجا، یہ تو مکھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی
واپس نہیں لے سکتے، جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے^(۱) وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔

۷۴. انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں،^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔

۷۵. فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے،^(۳) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔^(۴)

۷۶. وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔^(۵)

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٧٤﴾

إِنَّ اللَّهَ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٧٦﴾

۱. طالب سے مراد، خود ساختہ معبود اور مطلوب سے مراد کبھی، یا بعض کے نزدیک طالب سے پجاری اور مطلوب سے اس کا معبود مراد ہے۔ حدیث قدسی میں معبودان باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جوہی پیدا کر کے دکھا دے)۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة)

۲. یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بس مخلوق کو اس کا ہمسر اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، اس کی قدرت و طاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

۳. رُسُلٌ رُسُلٌ (فرستادہ، بھیجا ہوا قاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا یعنی پیغام رسانی کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائیں، یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائیں اور انسانوں میں سے بھی جنہیں چاہا رسالت کے لیے چن لیا، اور انہیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدائی اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں، بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔

۴. وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (الأنعام: ۱۲۴) (اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے)۔

۵. جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جاسکتا اور اس کے عذاب سے کیوں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا
وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ﴿٥٨﴾



وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ
اجْتَنَبَكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ
حَرَجٍ مَلَكُةً أَوْ تَكِبَةً إِذْ بُرْهِمَهُمُ مُوسَى
الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ

۷۷۔ اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو^(۱) اور اپنے
پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو
تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔^(۲)

۷۸۔ اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا
حق ہے۔^(۳) اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر
دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی،^(۴) دین اپنے
باپ ابراہیم^(۵) کا قائم رکھو، اسی اللہ^(۶) نے تمہارا

کر بیچ سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا
حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جارہی ہے۔

۱۔ یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آرہا ہے۔ جس میں نماز بھی
شامل تھی، لیکن اس کی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔

۲۔ یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے، نہ کہ اللہ کی عبادت و اطاعت سے
گریز کر کے محض مادی اسباب و وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔

۳۔ اس جہاد سے مراد، بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض
نے اوامر الہی کی بجا آوری، کہ اس میں بھی نفسِ امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر وہ کوشش مراد
لی ہے جو حق و صداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مغلوبیت کے لیے کی جائے۔

۴۔ یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفسِ انسانی نہ ہو، (ورنہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی
ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیے۔ علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا
کر دیں، جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں۔

۵۔ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور غیر عرب
بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے، جس طرح بیٹے باپ کا احترام
کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے، علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے) حضرت
ابراہیم علیہ السلام باپ تھے، اس لیے امتِ محمدیہ کے بھی باپ ہوئے۔ اس لیے کہا گیا، یہ دین اسلام، جسے اللہ نے تمہارے لیے
پسند کیا ہے، تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اسی کی پیروی کرو۔

۶۔ ہو گا مرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی نزولِ قرآن سے پہلے تمہارا نام مسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام
ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى
النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
واعتصموا باللهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ
الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ

نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں
بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے
گواہ بن جاؤ۔^(۱) پس تمہیں چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو
اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی
تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا
ہی بہتر مددگار ہے۔

۱۔ یہ گواہی قیامت کے دن ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ، آیت ۱۴۳ کا حاشیہ۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

سورۃ مؤمنون مکی ہے اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں
اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔^(۱)

۲. جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔^(۲)

۳. اور جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔^(۳)

۴. اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔^(۴)

۵. اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۱. فَلَاحُ کے لغوی معنی ہیں، چیرنا، کاٹنا، کاشت کار کو بھی فَلَاحُ کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مُفْلِحُ (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے، یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لے اور اس کے بدلے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آجائے تو سبحان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے برعکس دنیوی آسائشوں سے بہرہ ور کو ہی کامیاب سمجھتے ہیں۔ آیت میں ان مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں نفل کی صفات ہوں گی۔ مثلاً اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔

۲. خُشُوعُ سے مراد، قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بقصد خیالات و وسوسوں کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، کھیل کود نہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے۔ بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

۳. لَعُوْ ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دنیوی نقصانات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے۔ چہ جائیکہ انہیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔

۴. اس سے مراد بعض کے نزدیک زکوٰۃ مفروضہ ہے، (جس کی تفصیلات یعنی اس کا نصاب اور زکوٰۃ کی شرح گو مدینہ میں بتلائی گئی تاہم) اس کا حکم مکہ میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے، جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔

۶. بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں۔

۷. جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔^(۱)

۸. اور جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں۔^(۲)

۹. اور جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔^(۳)

۱۰. یہی وارث ہیں۔

۱۱. جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۴)

۱۲. اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔^(۵)

۱۳. پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔^(۶)

لَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ أَوْ أَمْلَكَتْ أَيْدَاهُمْ فَأَتَهُمْ
غَيْرَ مُؤْمِنِينَ ۝

فَمَنْ أَتَّبَعِيَ وَرَأَىٰ ذَٰلِكَ فَلْيَلْكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ رَامَتْنَاهُمْ وَعَهَدْنَاهُمْ رُحُومًا ۝

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝

الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفًا فَنِيَّ قَرَارًا مَّكِينٍ ۝

۱. اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ بیوی سے مباشرت کر کے یا لونڈی سے ہم بستری کر کے۔ بلکہ اب صرف بیوی ہی اس کام کے لیے رہ گئی ہے کیونکہ اصطلاحی لونڈی کا وجود فی الحال ختم ہے تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو بیوی ہی کی طرح اس سے مباشرت جائز ہوگی۔

۲. اَمَانَاتٌ سے مراد مفوضہ ذیوٹی کی ادائیگی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عہد میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عہد و پیمان دونوں شامل ہیں۔

۳. آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا، جس سے نماز کی اہمیت و فضیلت واضح ہے۔ لیکن آج مسلمان کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

۴. ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہوں گے جو جنت کے وارث یعنی حق دار ہوں گے۔ جنت بھی جنت الفردوس، جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب درجات

المجاهدین فی سبیل اللہ، و کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

۵. مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب، ابو البشر حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل، جو خلقت انسانی کا باعث بنتا ہے، مٹی ہی ہے۔

۶. محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے، جہاں نو مہینے بچہ بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكُنُسًا الْعِظَ عِجَاءً ثُمَّ
أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ تَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿۵﴾

۱۴. پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنادیا، پھر اس خون کے لوٹھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، (۱) پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ (۲) برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ (۳)

ثُمَّ لَكُمْ بِهِ دَلَالٌ لِّمَيِّتُونَ ﴿۵﴾

۱۵. اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مرجانے والے ہو۔
۱۶. پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔

ثُمَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَبَعُونَ ﴿۶﴾

۱۷. اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں (۴)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ يُوسَّوْا لَكُمَا عِزِّ الْحَقِّ

۱. اس کی کچھ تفصیل سورہ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم وہاں مُخْلَقَہ کا جو ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت مُضْغَہ کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پہنانے، سے کر دی ہے۔ مُضْغَہ گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے۔ کیونکہ محض گوشت میں تو کوئی صلابت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے نرا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا، تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی، جو ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں زیادہ۔ تاکہ اس کے قد و قامت میں غیر موزونیت اور بھداپن پیدا نہ ہو۔ بلکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور قدرت کی تخلیق کا ایک شاہ کار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا، ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین: ۴) (ہم نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہت اچھی ترکیب یا بہت اچھے ڈھانچے میں بنایا)۔

۲. اس سے مراد وہ بچہ ہے جو نو مہینے کے بعد ایک خاص شکل و صورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور حرکت واضطراب کے ساتھ سم و لہر اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

۳. خَالِقِينَ، یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے، جو خاص خاص مقداروں میں اشیاء کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے ہیں۔ یعنی ان تمام صنعت گروں میں، اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے۔ پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے، جو تمام صنعت گروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت گر ہے۔

۴. طَرَائِقُ، طَرِيقَہ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب، اوپر تلے چیز کو بھی طریقہ کہتے ہیں۔ آسمان بھی اوپر تلے ہیں اس لیے انہیں طرائق کہا۔ یا طریقہ بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا ستاروں (کواکب) کی گزرگاہ ہے، اس لیے انہیں طرائق قرار دیا۔

عَلِيٍّ

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَقَدَرُوا فِى الْآرْضِ
وَأَنبَأَ عَلَىٰ ذَهَابٍ لَهُ لَبَدُونَ ﴿٥﴾

فَأَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْدَدْنَا لَكُمْ
فِيهَا فَاوَاكِهَ كَثِيرَةً وَمِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٦﴾

وَسَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ
وَصِبْغٍ لِلْأَكْلَيْنِ ﴿٧﴾

اور ہم مخلوقات سے غافل نہیں ہیں۔^(۱)

۱۸. اور ہم ایک صحیح اندازے سے آسمان سے پانی
برساتے ہیں،^(۲) پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں،^(۳)
اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔^(۴)

۱۹. اسی پانی کے ذریعے سے ہم تمہارے لیے کھجوروں اور
انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں، جن میں تمہارے
لیے بہت سے میوے ہوتے ہیں انہی میں سے تم کھاتے
بھی ہو۔^(۵)

۲۰. اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے جو تیل
نکالتا ہے اور کھانے والے کے لیے سالن ہے۔^(۶)

۱. خَلَقْتُ سے مراد مخلوق ہے۔ یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو
زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات
زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں (فتح القدیر) اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے
جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا
ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

۳. یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں
اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے، (کیوں کہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب
بارشیں نہ ہوں، یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

۴. یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی
کی سطح ہم اتنی نیچی کر دیں کہ تمہارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔

۵. یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہوتے ہیں، جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ
کھاتے ہو۔

۶. اس سے زیتون کا درخت مراد ہے، جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن
کو صِبْغِ رنگ کہا ہے کیوں کہ روٹی، سالن میں ڈبو کر، گویا رنگی جاتی ہے۔ طُورِ سَيْنَاءَ (پہاڑ) اور اس کا قرب و جوار
خاص طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

وَأَن لَّكُمْ فِي الْأَعْمَالِ لِعَِبَرَةٍ لَّيْسَ بِكُمْ مَّرَافِقٌ
بُظُوفُهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَذَكُّرٌ ﴿٥٦﴾

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٥٧﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَّا غَيْرَةً أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٥٨﴾

فَقَالَ الْمَلَأُو الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ سَاءَ اللَّهُ
لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٥٩﴾

إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ مَّا تَصْوَابُهَا حَتَّىٰ جِبِينَ ﴿٦٠﴾

۲۱. اور تمہارے لیے چوپایوں میں بھی بڑی عبرت ہے۔
ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور
بھی بہت سے نفع تمہارے لیے ان میں ہیں ان میں
سے بعض بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔

۲۲. اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو۔^(۱)

۲۳. اور یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف
رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ اے میری قوم کے
لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
نہیں، کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔

۲۴. اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا
کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی
حاصل کرنا چاہتا ہے۔^(۲) اگر اللہ کو منظور ہی ہوتا تو کسی
فرشتے کو اتارتا،^(۳) ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں
کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔^(۴)

۲۵. یقیناً اس شخص کو جنوں ہے، پس تم اسے ایک وقت
مقرر تک ڈھیل دو۔^(۵)

۱. یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لائق نہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی
ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔

۲. یعنی یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا
ہے، تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔

۳. اور اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے، تو وہ کسی فرشتے
کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، وہ ہمیں آکر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔

۴. یعنی اس کی دعوت توحید، ایک نرالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔

۵. یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔
یا ممکن ہے اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ مَنْ قَوْمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
الْخُرُوفَ وَأَتَوْهُمُ فِي الْحَبِيبِ الدُّنْيَا هَذَا الْأَيْبُ
مِثْلَكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا نَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَتَرَبَّ مِمَّا
تَتَرَبَّوْنَ ۝

۳۳۔ اور سرداران قوم^(۱) نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا،^(۲) کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔^(۳)

وَلَكِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا الْأَخْيَرُونَ ۝

۳۴۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو۔^(۴)

أَيُّكُمْ أَكْثَرُ إِذَا أَمِئْتُمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّكُمْ
تُخْرَجُونَ ۝

۳۵۔ کیا یہ تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر خاک اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم پھر زندہ کیے جاؤ گے۔

هَٰهَاتَ هَٰهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝

۳۶۔ نہیں نہیں دور اور بہت دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔^(۵)

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ
بِمَبْعُوثِينَ ۝

۳۷۔ (زندگی) تو صرف دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اور یہ نہیں کہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔

۱۔ یہ سرداران قوم ہی ہر دور میں انبیاء و رسل اور اہل حق کی تکذیب میں سرگرم رہے ہیں، جس کی وجہ سے قوم کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی۔ کیونکہ یہ نہایت بااثر لوگ ہوتے تھے، قوم انہی کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔

۲۔ یعنی عقیدہ آخرت پر عدم ایمان اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی، یہ دو بنیادی سبب تھے، اپنے رسول پر ایمان نہ لانے کے۔ آج بھی اہل باطل انہی اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔

۳۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسے آج بھی بہت سے مدعیان اسلام کے لیے رسول کی بشریت کا تسلیم کرنا نہایت گراں ہے۔

۴۔ وہ خسارہ ہی ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر تم اس کی فضیلت و برتری کو تسلیم کر لو گے، جب کہ ایک بشر، دوسرے بشر سے افضل کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مغالطہ ہے جو منکرین بشریت رسول کے دماغوں میں رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو رسالت کے لیے چن لیتا ہے، تو وہ اس وحی و رسالت کی وجہ سے دوسرے تمام غیر نبی انسانوں سے شرف و فضل میں بہت بالا اور نہایت ارفع ہو جاتا ہے۔

۵۔ ہَٰهَاتَ، جس کے معنی دور کے ہیں، دو مرتبہ تاکید کے لیے ہے۔

۳۸. یہ تو بس ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ (بہتان) باندھ لیا ہے،^(۱) اور ہم تو اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

۳۹. نبی نے دعا کی کہ پروردگار! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔^(۲)

۴۰. جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے۔^(۳)

۴۱. بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق چیخ^(۴) نے پکڑ لیا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا،^(۵) پس ظالموں کے لیے دوری ہو۔

۴۲. ان کے بعد ہم نے اور بھی بہت سی امتیں پیدا کیں۔^(۶)

۴۳. نہ تو کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے آگے بڑھی

إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ يُونِ ﴿۳۹﴾

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصِيبَنَّ لِي رِجْلَيْنِ ﴿۴۰﴾

فَاَخَذَ نَهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ فَجَعَلَهُمْ عَذَاءً ﴿۴۱﴾
فَبَعَثَ اللَّهُ الْمُؤْمِرَ الظُّلُمِينَ ﴿۴۲﴾

ثُمَّ اَنشَأْنَا مَمْنًا بَعْدَهُمْ قُرُونًا اٰخَرِينَ ﴿۴۳﴾

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاخِرُونَ ﴿۴۴﴾

۱. یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ، یہ ایک افتراء ہے جو یہ شخص اللہ پر باندھ رہا ہے۔

۲. بالآخر حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اس پیغمبر نے بھی بارگاہ الہی میں مدد کے لیے دست دعا دراز کر دیا۔

۳. عَمَّا، میں مآ زائد ہے جو جار مجرور کے درمیان قلت زمان کی تاکید کے لیے آیا ہے۔ جیسے ﴿فِيْمَا نَحْنُ مِنَ اللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) میں مآ زائد ہے۔ یعنی بہت جلد عذاب آنے والا ہے جس پر یہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس وقت یہ پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

۴. یہ چیخ - کہتے ہیں کہ - حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چیخ تھی، بعض کہتے ہیں کہ ویسے ہی سخت چیخ تھی، جس کے ساتھ با دصر بھی تھی۔ دونوں نے مل کر ان کو چشم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

۵. عَذَاءً اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں درختوں کے کھوکھلے خشک تنے، تنکے، اور اسی طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب پانی کا زور ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی خشک ہو کر بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان کذبین اور متکبرین کا ہوا۔

۶. اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں۔ کیوں کہ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنو اسرائیل مراد ہیں قُرُونٌ، قَرْنٌ کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔

اور نہ پیچھے رہی۔^(۱)

۳۴. پھر ہم نے لگاتار رسول بھیجے،^(۲) جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے جھٹلایا، پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگادیا^(۳) اور انہیں افسانہ^(۴) بنادیا۔ ان لوگوں کے لیے دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے۔

۳۵. پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اور اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیل^(۵) کے ساتھ بھیجا۔

۳۶. فرعون اور اس کے لشکروں کی طرف، پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی سرکش لوگ۔^(۶)

۳۷. کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت ہے۔^(۷)

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا كُلًّا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَاهُمْ بِعُضَاوٍ جَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبَعَدَ الْقَوْمَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۴﴾

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۵﴾

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۳۶﴾

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ بِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِدُونَ ﴿۳۷﴾

۱. یعنی یہ سب امتیں بھی قوم نوح اور عاد کی طرح، جب ان کی ہلاکت کا وقت موعود آگیا، تو تباہ و برباد ہو گئیں۔ ایک لمحہ آگے پیچھے نہ ہوئیں، جیسے فرمایا، ﴿إِنَّمَا أَجَاءَ أَحَدَهُمْ فَلَاكِتَابٌ يَخْرُجُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَعِدُّمُونَ﴾ (یونس: ۴۹)

۲. تَتْرَا کے معنی ہیں ”یکے بعد دیگرے“ متواتر، لگاتار۔

۳. ہلاکت و بربادی میں یعنی جس طرح یکے بعد دیگرے رسول آئے، اسی طرح تکذیب رسالت پر یہ قومیں یکے بعد دیگرے، عذاب سے دوچار ہو کر ہست سے نیست ہوتی رہیں۔

۴. جس طرح اَعَاجِيبُ، اُعْجُوبَةُ کی جمع ہے (تعجب انگیز چیز یا بات) اسی طرح أَحَادِيثُ اُحْدُوَّة کی جمع ہے بمعنی زبان زد خلائق واقعات و قصص۔

۵. آیات سے مراد وہ نو آیات ہیں، جن کا ذکر سورہ اعراف میں ہے، جن کی وضاحت گزر چکی ہے اور سُلْطَانٍ مُّبِينٍ سے مراد حجت واضحہ اور دلیل وبرہان ہے، جس کا کوئی جواب فرعون اور اس کے درباریوں سے نہ بن پڑا۔

۶. استکبار اور اپنے کو بڑا سمجھنا، اس کی بنیادی وجہ بھی وہی عقیدہ آخرت سے انکار اور اسباب دنیا کی فراوانی ہی تھی، جس کا ذکر پچھلی قوموں کے واقعات میں گزرا۔

۷. یہاں بھی انکار کے لیے دلیل انہوں نے حضرت موسیٰ و ہارون (علیہ السلام) کی ”بشریت“ ہی پیش کی اور اس بشریت کی تاکید کے لیے انہوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہماری غلام ہے۔

فَلَدَّ يَوْمَهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝

۴۸. پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا آخر وہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

۴۹. اور ہم نے تو موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (بھی) دی کہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔^(۱)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَإِسْمَاعِيلَ آيَةً وَأَوْيَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝

۵۰. اور ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا^(۲) اور ان دونوں کو بلند صاف قرار والی اور جاری پانی والی جگہ میں پناہ دی۔^(۳)

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّو مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

۵۱. اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو^(۴) تم

۱. امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تورات، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد دی گئی۔ اور نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب عام سے ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ مومنوں کو یہ حکم دیا جاتا رہا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔

۲. کیوں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی، جو رب کی قدرت کی ایک نشانی ہے، جس طرح آدم (علیہ السلام) کو بغیر ماں اور باپ کے اور حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم (علیہ السلام) سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیاں میں سے ہے۔

۳. رَبْوَةٌ (بلند جگہ) سے بیت المقدس اور مَعِينٍ (چشمہ جاری) سے وہ چشمہ مراد ہے جو ایک قول کے مطابق ولادت عیسیٰ (علیہ السلام) کے وقت اللہ نے بطور خرق عادت، حضرت مریم کے پیروں کے نیچے سے جاری فرمایا تھا۔ جیسا کہ سورہ مریم میں گزر۔

۴. طَيِّبَاتٌ سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے۔ دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں کیوں کہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے۔ خباثت کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اثرات و نتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ گو خباثت خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادت کی وجہ سے ان میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہو۔ عمل صالح وہ ہے جو شریعت یعنی قرآن و حدیث کے موافق ہو، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں کیوں کہ لوگوں کو تو بدعات بھی بہت اچھی لگتی ہیں بلکہ اہل بدعت کے ہاں جتنا اہتمام بدعات کا ہے، اتنا فرائض اسلام اور سنن و مستحبات کا بھی نہیں ہے۔ اکل حلال کے ساتھ عمل صالح کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اکل حلال سے عمل صالح آسان اور عمل صالح انسان کو اکل حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں باتوں کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام پیغمبر محنت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے، جس طرح حضرت داود (علیہ السلام) کے بارے میں آتا ہے كَانَ يَأْكُلُ مِنْ كَسْبِ يَدِهِ (صحیح البخاری، البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده) ”اپنے ہاتھ کی

إِنِّي بِمَا تَعْبُدُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾

وَأَنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۵۲﴾

فَقُتِّعُوا أَمْرَهُم بِذُنُوبِهِمْ ذُرًّا أُكُلَ حَرْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَيَرْحُونَ ﴿۵۳﴾

فَذَرْنَهُمْ فِي غَمَرَاتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۴﴾

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ نَالٍ وَنَبِينٍ ﴿۵۵﴾

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾

جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔

۵۲۔ اور یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے ^(۱) اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

۵۳۔ پھر انہوں نے خود (ہی) اپنے امر (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے۔

۵۴۔ پس آپ (بھی) انہیں ان کی غفلت میں ہی کچھ مدت پڑا رہنے دیں۔ ^(۲)

۵۵۔ کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں؟ کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں۔

۵۶۔ وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔

۵۷۔ یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

کمانی سے کھاتے تھے“ اور نبی ﷺ نے فرمایا (ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قریط کے عوض چراتا رہا ہوں)۔ (صحیح البخاری، کتاب الإجارة، باب رعي الغنم علی قریط) آج کل بلیک میلروں، اسمگلروں، رشوت و سود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے محنت مزدوری کر کے حلال روزی کھانے والوں کو حقیر اور پست طبقہ بنا کر رکھ دیا ہے ورنہ حالیکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں حرام خوروں کے لیے عزت و شرف کا کوئی مقام نہیں، چاہے وہ قارون کے خزانوں کے مالک ہوں، احترام و تکریم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال کی روزی کھاتے ہیں چاہے روکھی سوکھی ہی ہو۔ اس لیے نبی ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ حرام کمانی والے کا صدقہ قبول فرماتا ہے نہ اس کی دعا ہی“۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب)

۱۔ اُمۃ سے مراد دین ہے، اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے عقیدہ و عمل پر خوش ہے۔ چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔

۲۔ عَمْرَۃ، ماء کثیر کو کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ گرائی کی تاریکیاں بھی اتنی گہبیر ہوتی ہیں کہ اس میں گھرے ہوئے انسان کی نظروں سے حق اوجھل ہی رہتا ہے۔ غمرہ سے مراد حیرت، غفلت اور ضلالت ہے۔ آیت میں بطور تہدید ان کو چھوڑنے کا حکم ہے، مقصود وعظ و نصیحت سے روکنا نہیں ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَاوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَةً أَنَّهُمْ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾

أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْحَزَنِاتِ وَهُمْ لَهَا سِبْغُونَ ﴿۶۱﴾

وَلَا يَخْلِفُ نَسْأَلُ إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْصُطِقُ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُفْلِكُونَ ﴿۶۲﴾

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَيْرِ مَقَرٍّ ۖ هَذَا أَكْمَالُ مَن
دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عِلَلُونَ ﴿۶۳﴾

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ
يَجُورُونَ ﴿۶۴﴾

۵۸. اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

۵۹. اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔

۶۰. اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔^(۱)

۶۱. یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں۔

۶۲. اور ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے،^(۲) اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے، اور ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

۶۳. بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان کے لیے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں^(۳) جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔

۶۴. یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا^(۴) تو وہ بلبلائے لگے۔

۱. یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ نامقبول قرار نہ پائے۔ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ”ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بدکاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا، نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ نامقبول نہ ٹھہریں۔“ (ترمذی، تفسیر سورة المؤمنون، مسند أحمد: ۱۲۰/۶، ۱۹۵)

۲. ایسی ہی آیت سورہ بقرہ کے آخر میں گزر چکی ہے۔

۳. یعنی شرک کے علاوہ دیگر کبائر یا وہ اعمال مراد ہیں، جو مومنوں کے اعمال (خشیت الہی، ایمان بالتوحید وغیرہ) کے برعکس ہیں۔ تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

۴. مُتْرَفِیْنَ سے مراد آسودہ حال (مُتَنَعِّمِیْنَ) ہیں۔ عذاب تو آسودہ اور غیر آسودہ حال دونوں کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن آسودہ حال لوگوں کا نام خصوصی طور پر شاید اس لیے لیا گیا ہے کہ قوم کی قیادت بالعموم انہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے،

لَا تَحْزَنُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مَعَنَا لَنُصْرُونَ ﴿۱۹﴾

۶۵. آج مت بلبلو یقیناً تم ہمارے مقابلہ پر مدد نہ کیے جاؤ گے۔ (۱)

ذَٰكَانَتْ إِلَيْنِ مَنَاصِلُ الْكَافِرِينَ ﴿۲۰﴾

۶۶. میری آیتیں تو تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں (۲) پھر بھی تم اپنی ایڑیوں کے بل اٹے بھاگتے تھے۔ (۳)

مُسْتَكْبِرِينَ ﴿۲۱﴾

۶۷. اکڑتے اٹھتے (۴) افسانہ گوئی کرتے اسے چھوڑ دیتے تھے۔ (۵)

وہ جس طرف چاہیں، قوم کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کریں اور اس پر ڈٹے رہیں تو انہی کی دیکھا دیکھی قوم بھی ٹس سے مس نہیں ہوتی اور توبہ و ندامت کی طرف نہیں آتی۔ یہاں مترفین سے مراد وہ کفار ہیں، جنہیں مال و دولت کی فراوانی اور اولاد و احفاد سے نواز کر مہلت دی گئی۔ جس طرح کہ چند آیات قبل ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا مراد چودھری اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔ اور عذاب سے مراد اگر دنیوی ہے، تو جنگ بدر میں جو کفار مکہ مارے گئے بلکہ نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں بھوک اور قحط سالی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا، وہ مراد ہے یا پھر مراد آخرت کا عذاب ہے، مگر یہ سیاق سے بعید ہے۔

۱. یعنی دنیا میں عذاب الہی سے دوچار ہوجانے کے بعد کوئی چیخ پکار اور جزع و فزع انہیں اللہ کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتی۔ اسی طرح عذاب آخرت سے بھی انہیں چھڑانے والا یا مدد کرنے والا، کوئی نہیں ہوگا۔
۲. یعنی قرآن مجید یا احکام الہی، جن میں پیغمبر کے فرمودات بھی شامل ہیں۔

۳. نُكُوصُ کے معنی ہیں رَجَعَهُ فَهَقَرَى (اٹے پاؤں لوٹنا) لیکن بطور استعارہ اعراض اور روگردانی کے معنی و مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی آیات و احکام الہی سن کر تم منہ پھیر لیتے تھے اور ان سے بھاگتے تھے۔

۴. یہ کا مرجع جمہور مفسرین نے اَلْبَيْتِ الْعَتِيقِ (خانہ کعبہ) یا حرم لیا ہے۔ یعنی انہیں اپنی تولیت خانہ کعبہ اور اس کا خادم و مکران ہونے کا جو غرہ تھا، اس کی بنا پر آیات الہی کا انکار کیا اور بعض نے اس کا مرجع قرآن کو بنایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل میں کبر و نخوت پیدا ہو جاتی جو انہیں قرآن پر ایمان لانے سے روک دیتی۔

۵. سَمَرُ کے معنی ہیں رات کی گفتگو، یہاں اس کے معنی خاص طور پر ان باتوں کے ہیں جو قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں وہ کرتے تھے اور اس کی بنا پر وہ حق کی بات سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے یعنی چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے ہجر کے معنی ہذیان گوئی اور بعض نے فحش گوئی کے کیے ہیں۔ یعنی راتوں کی گفتگو میں تم قرآن کی شان میں ہذیان بکتے ہو یا بے ہودہ اور فحش باتیں کرتے ہو جن میں کوئی

بھلائی نہیں۔ (فتح القدیر، البیر القادر)

۶۸. کیا انہوں نے اس بات میں غور و فکر ہی نہیں کیا؟^(۱)
بلکہ ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے
پاس نہیں آیا تھا؟^(۲)

۶۹. یا انہوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے
منکر ہو رہے ہیں۔^(۳)

۷۰. یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟^(۴) بلکہ وہ تو ان
کے پاس حق لایا ہے۔ ہاں ان میں سے اکثر حق سے
چڑنے والے ہیں۔^(۵)

۷۱. اور اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے
تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم
برہم ہو جائے۔^(۱) حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان
کی نصیحت پہنچادی ہے لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ
موڑنے والے ہیں۔

أَفَكُم بِهِدَى الْقَوْلِ أَجَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمْ
الْأَوَّلِينَ ﴿۶۸﴾

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۶۹﴾

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ وَكَذَّبُوهُ
بِالْحَقِّ كُذِّبُوا ﴿۷۰﴾

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُؤْخِرَ عَنْكُمْ ذِكْرَ اللَّهِ وَتُؤْخِرُوا
وَمَنْ فِيهِمْ بَلَىٰ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ ثُمَّ عَنْ ذِكْرِهِمْ
مُعْرِضُونَ ﴿۷۱﴾

۱. بات سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی اس میں غور کر لیتے تو انہیں اس پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی۔

۲. یہ اُم منقطعہ یا انتقالیہ یعنی بل کے معنی میں ہے یعنی ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباء
واجداد زمانہ جاہلیت میں محروم رہے۔ جس پر انہیں اللہ کا شکر ادا کرنا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔

۳. یہ بطور توتنج کے ہے، کیونکہ وہ پیغمبر کے نسب، خاندان اور اسی طرح اس کی صداقت وامانت، راست بازی اور اخلاق
و کردار کی بلندی کو جانتے تھے اور اس کا اعتراف کرتے تھے۔

۴. یہ بھی زجر و توتنج کے طور پر ہی ہے یعنی اس پیغمبر نے ایسا قرآن پیش کیا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر
ہے، اسی طرح اس کی تعلیمات نوع انسانی کے لیے رحمت اور امن و سکون کا باعث ہیں۔ کیا ایسا قرآن اور ایسی تعلیمات
ایسا شخص بھی پیش کر سکتا ہے جو دیوانہ اور مجنون ہو؟

۵. یعنی ان کے اعراض اور استکبار کی اصل وجہ حق سے ان کی کراہت (ناپسندیدگی) ہے جو عرصہ دراز سے باطل کو اختیار
کیے رکھنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

۶. حق سے مراد دین اور شریعت ہے۔ یعنی اگر دین ان کی خواہشات کے مطابق اترے تو ظاہر بات ہے کہ زمین و آسمان
کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ ایک معبود کے بجائے متعدد معبود ہوں، اگر فی الواقع ایسا ہو،
تو کیا نظام کائنات ٹھیک رہ سکتا ہے؟ وَعَلَىٰ هَٰذَا الْقِيَاسِ ان کی دیگر خواہشات ہیں۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خِزْيًا فَعَرَضُ رَبِّكَ حَيْثُ يَشَاءُ وَهُوَ خَبِيرٌ
الرَّزِيقِينَ ﴿۴۲﴾

وَأِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾

وَلَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصَّرَاطِ
لَنُكَفِّرُنَّ ﴿۴۴﴾

وَلَوْ جِئْنَاهُم بِكَافَّةٍ لَعَبَدُوا مِنْ حُدِّ لَكَجُوفٍ
طُعْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۴۵﴾

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ
وَبَاتُوا ضَرَعُونَ ﴿۴۶﴾

حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ
إِذَا هُمْ فِيهِ مُبَسِّئُونَ ﴿۴۷﴾

۴۲۔ کیا آپ ان سے کوئی اجرت چاہتے ہیں؟ یاد رکھیے کہ آپ کے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے۔

۴۳۔ اور یقیناً آپ تو انہیں راہِ راست کی طرف بلا رہے ہیں۔

۴۴۔ اور بیشک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے مڑ جانے والے ہیں۔^(۱)

۴۵۔ اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کی تکلیفیں دور کر دیں تو یہ تو اپنی اپنی سرکشی میں جم کر اور بہکنے لگیں۔^(۲)

۴۶۔ اور ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی۔^(۳)

۴۷۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے۔^(۴)

۱۔ یعنی صراطِ مستقیم سے ان کے انحراف کی وجہ آخرت پر عدم ایمان ہے۔

۲۔ اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں جو بغض و عناد تھا اور کفر و شرک کی دلدل میں جس طرح وہ پھنسے ہوئے تھے، اس میں ان کا بیان ہے۔

۳۔ عذاب سے مراد یہاں وہ شکست ہے جو جنگِ بدر میں کفار مکہ کو ہوئی، جس میں ان کے ستر آدمی بھی مارے گئے تھے یا وہ قحطِ سالی کا عذاب ہے جو نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں ان پر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی «اللَّهُمَّ أَعِزَّنِي عَلَيْهِمْ بِسَبْعِ كَسْبَعِ يُونُسَ» (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین و مسلم، کتاب المساجد باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاة إذا نزلت بالمسلمین نازلة) (اے اللہ، جس طرح حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانے میں سات سال قحط رہا، اسی طرح سات سال (انہیں قحطِ سالی میں مبتلا کر کے) ان کے مقابلے میں میری مدد فرما)۔ چنانچہ کفار مکہ اس قحطِ سالی میں مبتلا کیے گئے جس پر حضرت اوسیان نبی ﷺ کے پاس آئے اور انہیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ اب تو ہم جانوروں کی کھالیں اور خون تک کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر) ۴۔ اس سے دنیا کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی، جہاں وہ تمام راحت اور خیر سے مایوس اور محروم ہوں گے اور تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ السَّعَةَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۹﴾

۷۸. اور وہ اللہ ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے، مگر تم بہت (ہی) کم شکر کرتے ہو۔^(۱)

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۸۰﴾

۷۹. اور وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔^(۲)

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۱﴾

۸۰. اور یہ وہی ہے جو چلاتا اور مارتا ہے اور رات دن کے دو بدل^(۳) کا مختار بھی وہی ہے۔ کیا تم کو سمجھ بوجھ نہیں؟^(۴)

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۲﴾

۸۱. بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو اگلے کہتے چلے آئے۔

قَالُوا إِذْ أٰمَنَّا وَكُنَّا رِبَايَا وَعِظَامًا ۖ لَبِيعُونَ ﴿۸۳﴾

۸۲. کہ کیا جب ہم مرکز مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا پھر بھی ہم ضرور اٹھائے جائیں گے؟

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِنْ قَبْلُ ۖ اِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۴﴾

۸۳. ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ ہوتا چلا آیا ہے کچھ نہیں یہ تو صرف اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔^(۵)

۱. یعنی عقل و فہم اور سننے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعے سے وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں۔ یہی ان نعمتوں کا شکر ہے۔ مگر یہ شکر کرنے والے یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہیں۔

۲. اس میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے تمہیں پیدا کر کے مختلف اطراف میں پھیلا دیا ہے، تمہارے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، زبانیں بھی مختلف اور عادات و رسومات بھی مختلف۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو زندہ کر کے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔

۳. یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا، پھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا۔
۴. جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ اس ایک اللہ کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔

۵. اَسَاطِيرُ، اُسْطُورَةُ کی جمع ہے یعنی مُسَطَّرَةٌ مَكْتُوبَةٌ لکھی ہوئی حکایتیں، کہانیاں۔ یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ کب سے ہوتا چلا آ رہا ہے، ہمارے آباء و اجداد سے! لیکن ابھی تک رو بعل تو نہیں ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آرہی ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

۸۴. پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟

۸۵. فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔

۸۶. دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت با عظمت عرش کا رب کون ہے؟

۸۷. وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟^(۱)

۸۸. پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے^(۲) اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا،^(۳) اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟

۸۹. یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟^(۴)

قُلْ لِّبَنِ الْأَرْضِ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾

قُلْ مَنْ يَدِينُكُمْ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَاذِ عَلَيْهِمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُشْحَرُونَ ﴿۸۹﴾

۱. یعنی جب تمہیں تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق بھی ایک اللہ ہی ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے، تو پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟

۲. یعنی جس کی وہ حفاظت کرنا چاہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لے، کیا اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟

۳. یعنی جس کو وہ نقصان پہنچانا چاہے، کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے کہ وہ اسے نقصان سے بچالے اور اللہ کے مقابلے میں اپنی پناہ میں لے لے؟

۴. یعنی پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے، انہیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا۔ یعنی عبادت صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس لیے انہیں کہ آسمان و زمین کی تخلیق یا اس کی تدبیر میں کوئی اور بھی شریک ہے بلکہ صرف اور صرف اس مغالطے کی بنا پر کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے تھے، ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی مغالطہ آج کل کے مردہ پرست اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لیے پکارتے، ان کے

۹۰. حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بیشک جھوٹے ہیں۔

۹۱. نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔ جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں ان سے اللہ پاک (اور بے نیاز) ہے۔

۹۲. وہ غائب حاضر کا جاننے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے۔

۹۳. آپ دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا وعدہ انہیں دیا جا رہا ہے۔

۹۴. تو اے رب! تو مجھے ان ظالموں کے گروہ میں نہ کرنا۔^(۱)

۹۵. اور ہم جو کچھ وعدے انہیں دے رہے ہیں سب آپ کو دکھا دینے پر یقیناً قادر ہیں۔

بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۰﴾

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ
إِذَا ذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾

عَلِيمُ الْغَيْبِ وَاللَّهَادِ فَتَعَلَّىٰ عَمَّا يُتْرَكُونَ ﴿۹۲﴾

قُلْ رَبِّ إِنَّمَا رُبِّي مَا يُدْعَوْنَ ﴿۹۳﴾

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۹۴﴾

وَأَنَا عَلَىٰ أَنْ تُبْرِيكَ مَا وَعَدْتَهُمْ لَقَدْ رَوْنُ ﴿۹۵﴾

نام کی نذر و نیاز دیتے اور ان کو اللہ کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی فوت شدہ بزرگ، ولی یا نبی کو اختیارات دے رکھے ہیں، تم ان کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرو، یا انہیں مدد کے لیے پکارو یا ان کے نام کی نذر و نیاز دو۔ اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا۔ یعنی یہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ اگر اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں، تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، نہیں، بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے اس شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک، اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصے کی مخلوق کا انتظام اپنی مرضی سے کرتا اور ہر ایک شریک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام کائنات میں ایسی کشمکش نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے، جو مشرکین اس کی بابت باور کراتے ہیں۔

۱. چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ دعا فرماتے تھے ”وَإِذَا أَرَدْتُ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مُفْتُونٍ“ (ترمذی، تفسیر سورۃ صّٰ و مسند احمد، جلد: ۵، ص: ۲۳۳) (اے اللہ جب تو کسی قوم پر آزمائش یا عذاب بھیجے گا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالے)۔

۹۶. برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہو،^(۱) جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔

۹۷. اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔^(۲)

۹۸. اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ وہ میرے پاس آجائیں۔^(۳)

۹۹. یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے۔

۱۰۰. کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کروں،^(۴) ہرگز ایسا نہیں ہوگا،^(۵) یہ تو صرف ایک قول

إِذْ قَرَأَ يٰ اَيُّهَا الَّذِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِهَا يَصِفُوْنَ ۝

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ ۝

وَاعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝

حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝

لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرَزَخٌ اِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُوْنَ ۝

۱. جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا (برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو اچھا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن بھی، تمہارا گہرا دوست بن جائے گا)۔ (حم السجدة: ۳۲-۳۵)

۲. چنانچہ نبی ﷺ شیطان سے اس طرح استعاذہ کرتے «أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ» (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما يستفتح به الصلوٰۃ من الدعاء والترمذي، باب ما يقول عند افتتاح الصلوٰۃ)

۳. اسی لیے نبی ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتداء اللہ کے نام سے کرو یعنی بسم اللہ پڑھ کر۔ کیوں کہ اللہ کی یاد شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی لیے آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے «اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ، وَمِنْ الْعَرَقِ، وَاعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِي الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ» (ابو داؤد، کتاب التوثر، باب في الاستعاذۃ بمعناه) رات کو گہرا ہٹ میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔ «بِسْمِ اللّٰهِ، اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَسَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ وَأَنْ يَّحْضُرُوْنِ» (مسند أحمد: ۱۸/۲۔ ابو داؤد، کتاب الطب، باب كيف الرقي۔ والترمذي، أبواب الدعوات)

۴. یہ آرزو ہر کافر موت کے وقت، دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت، بارگاہ الہی میں قیام کے وقت اور جہنم میں دھکیل دیے جانے کے وقت کرتا ہے اور کرے گا، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً الانعام: ۲۷-۲۸، الاعراف: ۵۳، ابراہیم: ۴۴، السجدة: ۱۲، فاطر: ۷۷، المؤمن: ۱۱-۱۲، الشوریٰ: ۴۴، المنافقون: ۱۰-۱۱، وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ۔

۵. کَلَّا، ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔

ہے جس کا یہ قائل ہے،^(۱) ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔^(۲)

۱۰۱۔ پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ۔^(۳)

۱۰۲۔ جن کے ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات والے ہو گئے۔

۱۰۳۔ اور جن کے ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے۔

۱۰۴۔ ان کے چہروں کو آگ جھلکتی رہے گی^(۴) اور وہ

وَإِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ
يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ^(۱)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ^(۲)

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا
أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ^(۳)

تَلَفَعُوا فِي وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ^(۴)

۱۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جائگی) کے وقت کہتا ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ یہ صرف بات ہی بات ہے عمل نہیں، اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو ان کا یہ قول، قول ہی رہے گا، عمل صالح کی توفیق انہیں پھر بھی نصیب نہیں ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ (الأنعام: ۲۸) (اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا)۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا، بلکہ عمل صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا۔ اس لیے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ عمل صالح کر لیے جائیں تاکہ کل قیامت کو یہ آرزو کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (ابن کثیر)

۲۔ دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہو گا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی، جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلا ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے، برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہوگا، ظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہوگا، یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا یا دریاؤں میں بہا دیا گیا ہوگا یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدان محشر میں جمع فرمائے گا۔

۳۔ محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے ابتداء ایسا ہوگا۔ بعد میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی کریں گے۔

۴۔ چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم اور اشرف حصہ ہے، ورنہ جہنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی محیط ہوگی۔

وہاں بد شکل بنے ہوئے ہوں گے۔^(۱)

۱۰۵. کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھٹلاتے تھے۔

۱۰۶. کہیں گے کہ اے پروردگار! ہماری بد بختی ہم پر غالب آگئی^(۲) اور (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ۔

۱۰۷. اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں۔

۱۰۸. اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھٹکارے ہوئے عیسٰی پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

۱۰۹. میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

۱۱۰. (لیکن) تم انہیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ (اس مشغلے نے) تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے۔

۱۱۱. میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں۔^(۳)

أَلَمْ تَكُنْ الَّتِي تَسْتَعِیْ عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۱۰۵﴾

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۱۰۷﴾

قَالَ احْسُوفِيْهَا وَلَا تَحْزَنُونَ ﴿۱۰۸﴾

إِنَّهُ كَانَ قَرِیْبٌ مِّنْ عِبَادِيْ یَقُولُونَ رَبَّنَا ائْتِنَا بِغَفْرِ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَبِیْرُ الرَّحِیْمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

فَاتَّخَذَتْهُمْ سَعِیْرًا حَتَّىٰ أَنْصَبُوا لَكَ دُرُیْ وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَصْحُلُونَ ﴿۱۱۰﴾

إِنِّیْ جَزَیْتُهُمْ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوا إِنَّهُمْ هُمُ الْفَاكِرُونَ ﴿۱۱۱﴾

۱. کَلَج کے معنی ہوتے ہیں جوٹ سکر کر دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں، جب یہ جہنم کی آگ سے سمٹ اور سکر جائیں گے تو دانت ظاہر ہو جائیں گے، جس سے انسان کی صورت بد شکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔

۲. لذات اور شہوات کو، جو انسان پر غالب رہتی ہیں، یہاں بد بختی سے تعبیر کیا ہے کیوں کہ ان کا نتیجہ دائمی بد بختی ہے۔

۳. دنیا میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جب دین و ایمان کے مقتضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے نا آشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انہیں استہزاء و ملامت کا نشانہ بنالیتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان ملامتوں سے ڈر کر بہت سے احکام الہیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جیسے داڑھی ہے، پردے کا مسئلہ ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کسی بھی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے اور اللہ و رسول کی اطاعت سے کسی بھی موقع پر انحراف نہیں کرتے۔ ﴿وَالْكَافِرُونَ لَوْمَةً لَّائِيَةً﴾ (المائدہ: ۵۳)

۱۱۲. اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں باعتبار برسوں کی گنتی کے کس قدر رہے؟

۱۱۳. وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، گنتی گننے والوں سے بھی پوچھ لیجیے۔^(۱)

۱۱۴. اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو اے کاش! تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے؟^(۲)

۱۱۵. کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔

۱۱۶. اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے وہ بڑی بلندی والا ہے،^(۳) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے۔^(۴)

قُلْ كَمْ لَكُمْ يَوْمَ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝۱۱۲

قَالُوا الْيَوْمَ نَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِ الْعَادِّينَ ۝۱۱۳

قُلْ إِنْ لَكُمْ لِسَمْعٌ إِلَّا قَلِيلٌ لَّوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۱۱۴

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝۱۱۵

فَتَحْلِلْ لِلَّهِ الْمُلْكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝۱۱۶

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے گا اور انہیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔ جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۱. اس سے مراد فرشتے ہیں، جو انسانوں کے اعمال اور عمریں لکھنے پر مامور ہیں یا وہ انسان مراد ہیں جو حساب کتاب میں مہارت رکھتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیاں، ان کے ذہنوں سے دنیا کی عیش و عشرت کو محو کر دیں گی اور دنیا کی زندگی انہیں ایسے لگے گی جیسے دن یا آدھا دن۔ اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم تو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت دنیا میں رہے، بے شک تو فرشتوں سے یا حساب جاننے والوں سے پوچھ لے۔

۲. اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں یقینی دنیا کی زندگی بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن اس نکتے کو دنیا میں تم نے نہیں جانا۔ کاش تم دنیا میں اس حقیقت سے دنیا کی بے ثباتی سے آگاہ ہو جاتے، تو آج تم بھی اہل ایمان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔

۳. یعنی وہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمہیں بغیر کسی مقصد کے یوں ہی ایک کھیل کے طور پر بے کار پیدا کرے۔ اور تم جو چاہو کرو، تم سے اس کی کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ بلکہ اس نے تمہیں ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ ہے اس کی عبادت کرنا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۴. عرش کی صفت کریم بیان فرمائی کہ وہاں سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ
لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
الْكَافِرُونَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو
پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا
حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بیشک کافر لوگ
نجات سے محروم ہیں۔^(۱)

وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ
الْرَّحِيمِينَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اور کہو کہ اے میرے رب! تو بخش اور رحم کر اور
تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے۔

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت میں عذاب الہی سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی دولت اور آسائشوں کی فراوانی، کامیابی نہیں، یہ تو دنیا میں کافروں کو بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فلاح کی نفی فرما رہا ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اصل فلاح آخرت کی فلاح ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آئے گی، نہ کہ دنیوی مال و اسباب کی کثرت، جو کہ بلا تفریق مومن و کافر، سب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

سُورَةُ التَّوْرِ

سورہ نور مدنی ہے اور اس کی چونسٹھ آیتیں
اور نور کو ع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ اَنْزَلْنَاهَا وَكَرَّضْنَاهَا وَاَنْزَلْنَا فِيهَا الْاٰیَاتِ بَيِّنَاتٍ
لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
مِائَةً جَلْدَةً وَلَا تَأْخُذْ بَعِيْرًا فِيْ دِيْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے ^(۱) اور مقرر
کردی ہے اور جس میں ہم نے کھلی آیتیں (احکام) اتاری
ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔

۲۔ زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو
کوڑے لگاؤ۔ ^(۲) ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری
کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر

☆ سورہ نور، احزاب اور نساء یہ تینوں سورتیں ایسی ہیں، جن میں عورتوں کے خصوصی مسائل اور معاشرتی زندگی کی بابت
اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کی ساری ہی سورتیں اللہ کی نازل کردہ ہیں، لیکن اس سورت کی بابت جو یہ کہا تو اس سے اس سورت میں
بیان کردہ احکام کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

۲۔ بدکاری کی ابتدائی سزا، جو اسلام میں عبوری طور پر بتلائی گئی تھی، وہ سورۃ النساء، آیت ۱۵ میں گزر چکی ہے، اس
میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے، ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو پھر
جب سورہ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق بدکار
مرد و عورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو، اور وہ ہے کنوارے (غیر شادی شدہ) مرد اور
عورت کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سو سو کوڑے اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔ (صحیح
مسلم، کتاب الحدود باب حد الزانی، والسنن) پھر آپ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزائے رجم دی اور سو کوڑے (جو
چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا صرف رجم (سنگساری) ہے۔ عہد
رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے
فقہاء و علماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج تک قائل ہیں۔ صرف خوارج نے اس سزا کا انکار کیا برصغیر میں اس
وقت بھی کچھ ایسے افراد ہیں جو اس سزا کے منکر ہیں۔ اس انکار کی اصل بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے۔ کیونکہ رجم کی
سزا صحیح اور نہایت قوی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے روایت کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ علماء
نے اسے متواتر روایات میں شمار کیا ہے۔ اس لیے حدیث کی جیت کا اور دین میں اس کے ماخذ شرعی ہونے کا قائل
شخص رجم کا انکار نہیں کر سکتا۔

تمہیں اللہ پر اور قیمت کے دن پر ایمان ہو۔^(۱) ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔^(۲)

۳. زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے نکاح نہیں کرتا اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرکہ مرد کے اور نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔^(۳)

وَلَيْسَ هَذَا عَذَابًا يُعَذِّبُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

الَّذِينَ لَا يَنْكِحُوا إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً
وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ
وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝

۱. اس کا مطلب یہ ہے کہ ترس کھا کر سزا دینے سے گریز مت کرو، ورنہ طبعی طور پر ترس کا آنا، ایمان کے منافی نہیں، مجملہ خواص طبائع انسانی میں سے ہے۔

۲. تاکہ سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہو سکے۔ بد قسمتی سے آج کل برسرعام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف باور کرایا جا رہا ہے۔ یہ سراسر جہالت، احکام الہی سے بغاوت اور بزعیم خویش اللہ سے بھی زیادہ انسانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بننا ہے۔ درآں حالیکہ اللہ سے زیادہ رؤف رحیم کوئی نہیں۔

۳. اس کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام طور پر بدکار قسم کے لوگ نکاح کے لیے اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، چنانچہ زانیوں کی اکثریت زانیوں کے ساتھ ہی نکاح کرنا پسند کرتی ہے اور مقصود اس سے اہل ایمان کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح زنا ایک نہایت قبیح اور بڑا گناہ ہے، اسی طرح زناکاروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا بھی منع اور حرام ہے۔ امام شوکانی نے اس مفہوم کو رائج قرار دیا ہے اور احادیث میں اس کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بدکار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ ایک شخص نے جس عورت سے یا عورت نے جس مرد سے بدکاری کی ہو۔ ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خالص توبہ کر لیں تو پھر ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) بعض کہتے ہیں کہ یہاں نکاح، سے مراد معروف نکاح نہیں ہے بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے اور مقصد زنا کی شاعت و قبحات بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدکار مرد اپنی جنسی خواہش کی ناجائز طریقے سے تسکین کے لیے بدکار عورت کی طرف اور اسی طرح بدکار عورت بدکار مرد کی طرف رجوع کرتی ہے، مومنوں کے لیے ایسا کرنا یعنی زناکاری حرام ہے۔ اور مشرکہ مرد و عورت کا ذکر اس لیے کر دیا کہ شرک بھی زنا سے ملتا جلتا گناہ ہے، جس طرح مشرکہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے در پر جھکتا ہے اسی طرح ایک زناکار اپنی بیوی کو چھوڑ کر یا بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ کر غیروں سے اپنا منہ کالا کرتی ہے۔ یوں مشرکہ اور زانی کے درمیان ایک عجیب معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا
بِإَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ
شُهَدَاءُ أُولَئِكَ يَرْجُونَ عَذَابَ اللَّهِ
الْعَظِيمِ ①

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ②
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ
شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعَةٌ
شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ④

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ
الْكَاذِبِينَ ⑤

۴. اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ فاسق لوگ ہیں۔^(۱)

۵. ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں^(۲) تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

۶. اور جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچوں میں سے ہیں۔

۷. اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔^(۳)

۱. اس میں قذف (بہتان تراشی) کی سزا بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے (اسی طرح جو عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت عائد کرے) اور وہ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کے لیے تین حکم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں، (۲) ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے، (۳) وہ عند اللہ وعند الناس فاسق ہیں۔

۲. توبہ سے کوڑوں کی سزا تو معاف نہیں ہوگی، وہ تائب ہو جائے یا اصرار کرے، یہ سزا تو بہر حال ملے گی۔ البتہ دوسری دو باتیں جو ہیں، مردود الشہادۃ اور فاسق ہونا، اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء اس استثناء کو فسق تک محدود رکھتے ہیں یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہیں رہے گا۔ اور بعض مفسرین دونوں جملوں کو اس میں شامل سمجھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد مقبول الشہادۃ بھی ہو جائے گا۔ امام شوکانی نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور اَبَدًا کا مطلب بیان کیا ہے مَا دَامَ قَاذِفًا یعنی جب تک وہ بہتان تراشی پر قائم رہے جس طرح کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہیں، تو یہاں ”کبھی“ کا مطلب یہی ہو گا کہ جب تک وہ کافر ہے۔

۳. اس میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد نے اپنی بیوی کو اپنی آنکھوں سے کسی غیر کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھا، جس کا وہ خود تو چشم دید گواہ ہے لیکن چونکہ زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی آنکھوں دیکھی گواہی ضروری ہے، اس لیے جب تک وہ اپنے ساتھ مزید تین چشم دید گواہ پیش نہ کرے، اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ایسی بدچلن بیوی کو برداشت کرنا بھی اس کے لیے ناممکن ہے۔ شریعت نے

وَيَذَرُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ
شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١﴾

وَالْحَامِسَةَ أَنْ غَضَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ لَأَنْ كَانَ مِنَ
الضَّالِّينَ ﴿٢﴾

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ
حَكِيمٌ ﴿٣﴾

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مُمَنُّوهُ

۸. اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔

۹. اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو۔^(۱)

۱۰. اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا^(۲) (تو تم پر مشقت اترتی) اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا بالکمت ہے۔

۱۱. جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں^(۳) یہ بھی

اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ یہ شخص عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے یا یہ بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔

۱. یعنی اگر خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے (اور میں جھوٹی ہوں) تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ اسے لعان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایسے بعض واقعات پیش آئے، جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وہی واقعات ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔

۲. اس کا جواب محذوف ہے، تو تم میں سے جھوٹے پر فوراً اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن چونکہ وہ تَوَّابٌ ہے اور حکیم بھی، اس لیے ایک تو اس نے ستر پوشی کر دی، تاکہ اس کے بعد اگر کوئی سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اسے اپنے دامان رحمت میں ڈھاپ لے گا اور حکیم بھی ہے کہ اس نے لعان جیسا مسئلہ بیان کر کے غیور مردوں کے لیے ایک نہایت معقول اور آسان تجویز مہیا کر دی ہے۔

۳. اِفْکٌ سے مراد وہ واقعہ اُفک ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت و عزت کو داغ دار کرنا چاہا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی اور عفت کو واضح تر کر دیا۔ مختصر آیت واقعہ یوں ہے کہ حکم حجاب کے بعد غزوہ بنی المصطلق (مریض) سے واپسی پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج بھی، جو خالی تھا، اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اس کے اندر ہی ہوں گی۔ اور وہاں سے روانہ

لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُم لَئِنْ أُمِرْتُمْ
مِنْهُمْ تَأْتِيكُم مِّنَ الْأَنْحَاءِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ
مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۱

لَوْلَا إِذْ سَبَعْتُمْ هَذِهِ طَرَفَ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
يَأْتِيهِمْ خَيْرٌ وَأَوَّلُ هَذَا فَاتُكُمْ مُّيِّنٌ ۝۱۲

تم میں سے ہی ایک گروہ ہے۔^(۱) تم اسے اپنے لیے برا نہ
سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔^(۲) ہاں ان میں
سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور
ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام
دیا ہے اس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔^(۳)

۱۲۔ اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے
حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ

ہو گئے، درآں حالیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہار کی تلاش میں باہر گئی ہوئی تھیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔
تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہوگا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے۔ تھوڑی
دیر کے بعد صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ آگئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلے کی رہ جانے والی چیزیں سنبھال لیں۔
انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی انا للہ الخ پڑھا اور سمجھ گئے کہ قافلہ
غلطی سے یا بے علمی میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں اپنے اونٹ
پر بٹھایا اور خود نکیل تھامے پیدل چلتے قافلے سے جا ملے۔ منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح بعد میں اکیلے
حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا
کہ یہ تمہاری اور علیحدگی بے سبب نہیں، اور یوں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مطعون
کر دیا، درآں حالیکہ دونوں ان باتوں سے یکسر بے خبر تھے۔ بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار
ہو گئے، مثلاً حضرت حسان، مطح بن اثاثہ اور حمہ بنت جحش رضی اللہ عنہم (اس واقعہ کی پوری تفصیل صحیح احادیث میں موجود
ہے) نبی ﷺ پورے ایک مہینے تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے اور
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لاعلمی میں اپنی جگہ بے قرار و مضطرب۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو اختصار و جامعیت
کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اِنْكَافُ کے معنی ہیں کسی چیز کو الٹا دینا۔ اس واقعے میں بھی چونکہ منافقین نے معاملے کو الٹا دیا
تھا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ثناء و تعریف کی مستحق تھیں، عالی نسب اور رفعت کردار کی مالک تھیں نہ کہ قذف کی۔ لیکن
ظالموں نے اس پیکرِ عفت کو اس کے برعکس طعن اور بہتان تراشی کا ہدف بنالیا۔

۱۔ ایک گروہ اور جماعت کو عَصْبَة کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت اور عصبيت کا باعث ہوتے ہیں۔

۲۔ کیونکہ اس سے ایک تو تمہیں کرب اور صدمے کے سبب ثواب عظیم ملے گا، دوسرا آسمانوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کی براءت سے ان کی عظمت شان اور ان کے خاندان کا شرف و فضل نمایاں تر ہو گیا، علاوہ ازیں اہل ایمان کے لیے اس
میں عبرت و موعظت کے اور کئی پہلو ہیں۔

۳۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے جو اس سازش کا سرغنہ تھا۔

تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے۔^(۱)

۱۳۔ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔

۱۴۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

۱۵۔ جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔

۱۶۔ اور تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یا اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے۔^(۲)

لَوْلَاجَاءَ وَعَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شَهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا
بِالشَّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ﴿۱۳﴾

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
لَمَسَكْتُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ مِنْهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۱۴﴾

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ
لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسِبُونَهُ هَيِّئًا وَكَمْ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ
بِهَٰذَا سُبْحَنَكَ هَٰذَا بَهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾

۱۔ یہاں سے تربیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جو اس واقعے میں مضر ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان ایک جان کی طرح ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی اور اسے بہتان صریح کیوں قرار نہیں دیا؟

۲۔ دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتلائی کہ اس بہتان پر انہوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا۔ جب کہ اس کے لیے چار گواہ ضروری تھے، اس کے باوجود تم نے ان بہتان تراشوں کو جھوٹا نہیں کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو حد قذف لگائی گئی۔ (مسند احمد، جلد: ۶، ص: ۳۰، ترمذی: ۳۱۸۱، أبو داود: ۴۳۷۳، ابن ماجہ: ۲۵۶۷) عبد اللہ بن ابی کربہ سزا اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے لیے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا اور مومنوں کو سزا دے کر دنیا میں ہی پاک کر دیا گیا۔ دوسرا اس کے پیچھے ایک پورا جتھہ تھا، اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نمٹنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے مصلحتاً اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا۔ (فتح القدیر)

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کا فضل و احسان تم پر نہ ہوتا تو تمہارا یہ رویہ کہ تم نے بلا تحقیق اس افواہ کو آگے پھیلانا شروع کر دیا۔ عذاب عظیم کا باعث تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افواہ سازی اور اس کی نشر و اشاعت بھی جرم عظیم ہے جس پر انسان عذاب عظیم کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔

۱۷. اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔

۱۸. اور اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔

۱۹. جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں،^(۱) اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

۲۰. اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان

يُعْطِيكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا بِالْمَلِكَةِ لَبَدًّا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝

وَيَذِیْنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَإِنَّ اللَّهَ زَوَّافٌ حَكِيمٌ ۝

چوتھی بات: کہ یہ معاملہ براہ راست حرم رسول ﷺ اور ان کی عزت و آبرو کا تھا لیکن تم نے اسے قرار واقعی اہمیت نہیں دی، اور اسے ہلکا سمجھا۔ اس سے بھی یہ سمجھنا مقصود ہے کہ محض آبروریزی ہی بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی حد سو کوڑے یا رجم ہے بلکہ کسی کی عزت و آبرو پر اس طرح حملہ کرنا اور کسی عفت مآب خاندان کی تذلیل و اہانت کا سروسامان کرنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہلکا مت سمجھو۔ اسی لیے آگے پھر مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یہ یقیناً بہتان عظیم ہے۔ اسی لیے امام مالک فرماتے ہیں کہ جو نام نہاد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا الزام عائد کرے وہ کافر ہے کیوں کہ وہ اللہ کی اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔ (ایضاً التفاسیر)

۱. فَاحِشَةُ کے معنی بے حیائی کے ہیں اور قرآن نے بدکاری کو بھی فاحشہ قرار دیا ہے، (بنی اسرائیل) اور یہاں بدکاری کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا باعث قرار دیا ہے، جس سے بے حیائی کے بارے میں اسلام کے مزاج کا اور اللہ تعالیٰ کی مثلاً کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت عند اللہ اتنا بڑا جرم ہے تو جو لوگ رات دن ایک مسلمان معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی اور فلموں ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلا رہے ہیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں، اللہ کے ہاں یہ لوگ کتنے بڑے مجرم ہوں گے؟ اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کیوں کر اشاعت فاحشہ کے جرم سے بری الذمہ قرار پائیں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں ٹی وی لاکر رکھنے والے، جس سے ان کی آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے، وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم کیوں نہیں ہوں گے؟ اور یہی معاملہ فواحش اور منکرات سے بھرپور روزنامہ اخبارات کا ہے کہ ان کا بھی گھروں کے اندر آنا، اشاعت فاحشہ کا ہی سبب ہے، یہ بھی عند اللہ جرم ہو سکتا ہے۔ کاش مسلمان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور اس بے حیائی کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی مقتدر بھر سہی کریں۔

ہے^(۱) (تو تم پر عذاب اتر جاتا)۔

۲۱۔ ایمان والو! شیطان کے قدم بدمم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں کا ہی حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے، کر دیتا ہے۔^(۲) اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے۔

۲۲۔ اور تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھالینی چاہیے، بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے؟^(۳) اور اللہ قصوروں کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا ذُكِرْتُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ^(۱)

وَلَا يَأْتِلْ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ^(۲)

۱۔ جواب محذوف ہے، تو پھر اللہ کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لیتا۔ یہ محض اس کا فضل اور اس کی شفقت و رحمت ہے کہ اس نے تمہارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیا۔

۲۔ اس مقام پر شیطان کی پیروی سے ممانعت کے بعد یہ فرمانا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا، اس سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعہ اقلک میں ملوث ہونے سے بچ گئے، یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے جو ان پر ہوا، ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہہ جاتے، جس میں بعض مسلمان بہہ گئے تھے۔ اس لیے شیطان کے داؤ اور فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور دوسرا جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے فریب کا شکار ہو گئے ہیں، ان کو زیادہ ہدف ملامت مت بناؤ، بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

۳۔ حضرت مسیح، جو واقعہ اقلک میں ملوث ہو گئے تھے، فقراء مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے، اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے کفیل اور معاش کے ذمے دار تھے، جب یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف مہم میں شریک ہو گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا، جو ایک فطری امر تھا چنانچہ نزول براءت کے بعد غصے میں انہوں نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسیح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم، جو اگرچہ انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی، تاہم مقام صدیقیت، اس سے بلند تر کردار کا متقاضی تھا، اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل فرمائی، جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انہیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے۔ تو پھر تم بھی دوسروں کے

معاف فرمانے والا مہربان ہے۔

۲۳۔ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔^(۱)

۲۴۔ جس دن ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔^(۲)

۲۵۔ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے (اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے۔

۲۶۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔^(۳) ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ

إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ الْخَصَصَاتِ الْغُفْلَاتِ الْمُوَيْدَاتِ
لِعَوْنِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

يَوْمَ نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾

يَوْمَئِذٍ يُؤْفِكُهُمُ اللَّهُ دِيْنَهُمْ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ
أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ
لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ
مِمَّا يَقُولُونَ لَكُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۲۶﴾

ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرمادے؟ یہ انداز بیان اتنا موثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ساختہ پکار اٹھے ”کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم ضرور یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے“ اس کے بعد انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق مسطح کی مالی سرپرستی شروع فرمادی۔ (فتح اللہ، ابن کثیر)

۱۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کہ اس آیت میں بطور خاص ان پر تہمت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے اور اس میں وہی حد قذف بیان کی گئی ہے، جو پہلے گزر چکی ہے۔ اگر تہمت لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب ہو گا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بعد کا مستحق۔ اور اگر کافر ہے، تو مفہوم واضح ہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ملعون یعنی رحمت الہی سے محروم ہے۔

۲۔ جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی اور احادیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ اس کا ایک مفہوم تو یہی بیان کیا گیا ہے جو ترجمے سے واضح ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿الَّذِينَ لَا يَدْعُونَ إِلَى الْإِسْلَامِ﴾ کے ہم معنی آیت ہوگی، اور خبیثات اور خبیثون سے زانی مرد و عورت اور طیبات اور طیبون سے مراد پاک دامن عورت اور مرد ہوں گے۔ دوسرے معنی اس کے ہیں کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک باتوں کے لیے ہیں

بکواس (بہتان باز) کر رہے ہیں وہ ان سے بالکل بری ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی۔^(۱)

۲۔ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو،^(۲) یہی تمہارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔^(۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَلَسْتُمْ عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَلِكُمْ حَتَّىٰ تَمْلِكُمْ لَكُمْ تَذَرُّوْنَ ۝

اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ ناپاک باتیں وہی مرد و عورت کرتے ہیں جو ناپاک ہیں اور پاکیزہ باتیں کرنا پاکیزہ مردوں اور عورتوں کا شیوہ ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاکی کا الزام عائد کرنے والے ناپاک اور ان سے اس کی براءت کرنے والے پاک ہیں۔“

۱۔ اس سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔

۲۔ گزشتہ آیات میں زنا اور قذف اور ان کی حدوں کا بیان گزرا، اب اللہ تعالیٰ گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرما رہا ہے تاکہ مرد و عورت کے درمیان اختلاط نہ ہو جو عام طور پر زنا یا قذف کا سبب بنتا ہے۔ اسْتِیْنَاسٌ کے معنی ہیں، معلوم کرنا، یعنی جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اندر کون ہے اور اس نے تمہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو۔ لَبْصٌ نے تَسْتَأْذِنُوا کے معنی تَسْتَأْذِنُوا کے کیے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ آیت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر پہلے اور سلام کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پہلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ تین مرتبہ آپ ﷺ اجازت طلب فرماتے، اگر کوئی جواب نہیں آتا تو آپ ﷺ واپس لوٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اجازت طلبی کے وقت آپ ﷺ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے، تاکہ ایک دم

سامنا نہ ہو جس میں بے پردگی کا امکان رہتا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب التسليم والاستئذان ثلاثا۔ مسند أحمد ۳۸/۳، أبو داود، کتاب الأدب، باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان) اسی طرح آپ ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر کوئی نگاہ نہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب من اطلع فی بیت قوم ففقدوا عینہ فلا یدلہ۔ مسلم، کتاب الأدب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ) آپ ﷺ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ جب اندر سے صاحب خانہ پوچھے، کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ”میں“ ”میں“ ”میں“ کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نام لے کر اپنا تعارف کرائے۔ (صحیح البخاری، کتاب الاستئذان

باب إذا قال من ذا؟ قال أنا۔ مسلم، کتاب الأدب باب کراهة قول المستأذن أنا إذا قیل من هذا؟ وأبو داود، کتاب الأدب)

۳۔ یعنی عمل کرو، مطلب یہ ہے کہ اجازت طلبی اور سلام کرنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہونا، دونوں کے لیے اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔

وَلَنْ يَكْمِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ
لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكى لَكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۳۰﴾

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ
فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۳۱﴾

قُلْ لِلَّهِ مِيرَاتُ يَغْضُوبُ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُ
فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكى لَهُمْ إِنْ اللَّهَ خَيْرٌ لِمَا
يَصْنَعُونَ ﴿۳۲﴾

وَقُلْ لِلَّهِ مِيرَاتُ يَغْضُوبُ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُ
فُرُوجَهُمْ وَلَكِنَّ بَيْنَهُنَّ الْآلَامَ أَظْهَرَ مِنْهَا

۲۸۔ اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت
ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا
جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ، یہی بات تمہارے لیے پاکیزہ
ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

۲۹۔ ہاں غیر آباد گھروں میں۔ جہاں تمہارا کوئی فائدہ یا
اسباب ہو۔ جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔^(۱) تم جو کچھ
بھی ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ
جانتا ہے۔^(۲)

۳۰۔ مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی
رکھیں،^(۳) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔^(۴) یہی
ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ
سب سے خبردار ہے۔

۳۱۔ اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی
رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں^(۵) اور اپنی

۱۔ اس سے مراد کون سے گھر ہیں، جن میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ
اس سے مراد وہ گھر ہیں، جو بطور خاص مہمانوں کے لیے الگ تیار یا مخصوص کر دیے گئے ہوں۔ ان میں صاحب خانہ کی
پہلی مرتبہ اجازت کافی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائے ہیں جو مسافروں کے لیے ہی ہوتی ہیں یا تجارتی گھر
ہیں، مَتَاع کے معنی، منفعت کے ہیں یعنی جن میں تمہارا فائدہ ہو۔

۲۔ اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے وقت مذکورہ آداب کا خیال نہیں رکھتے۔
۳۔ جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی غض بصر (آنکھوں
کو پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم دے دیا تاکہ اجازت طلب کرنے والا بھی بالخصوص اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھے۔

۴۔ یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انہیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ دونوں
مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں بے احتیاطی
ہی حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ عورتیں بھی اگرچہ غض بصر اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں، جو تمام مومنین کو دیا گیا ہے اور مومنین میں
مومن عورتیں بھی بالعموم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي مُبَّرَهِينَ عَلَىٰ جُيُوشِهِمْ وَكَانَ يُبْدِيْنَ
زَيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اُولَآئِهِنَّ اَبْغَضُّوْنَهُنَّ اَوْ
اَبْنَاءَهُنَّ اَوْ اَبْنَاءَ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَخْوَانَهُنَّ اَوْ اَبْنَاءَ
اَخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي اَخْوَانِهِنَّ اَوْ اَسْبَاطَهُنَّ اَوْ اَمْلَکَهُنَّ
اِبْمَآئُهُنَّ اَوَالْتَحِبُّوْنَ غَيْرَ اُولَآئِیْهِ مِنَ الرِّجَالِ

زینت کو ظاہر نہ کریں،^(۱) سوائے اس کے جو ظاہر ہے^(۲) اور
اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں،^(۳) اور اپنی
آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں،^(۴) سوائے اپنے
خاوندوں کے^(۵) یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے
لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں

حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علماء نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے
لیے عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث
سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کا کھیل دیکھنے کا ذکر ہے (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ،
باب أصحاب الحراب فی المسجد) بغیر ثبوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورتوں کو اجازت دی ہے۔

۱. زینت سے مراد وہ لباس اور زیور ہے جو عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے پہنتی ہیں، جس
کی تاکید انہیں اپنے خاوندوں کے لیے کی گئی ہے۔ جب لباس اور زیور کا اظہار غیر مردوں کے سامنے عورت کے لیے
ممنوع ہے تو جسم کو عریاں اور نمایاں کرنے کی اجازت اسلام میں کب ہو سکتی ہے؟ یہ تو بطریق اولیٰ حرام اور ممنوع ہو گا۔
۲. اس سے مراد وہ زینت اور حصہ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے
لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا، یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہوئی یا مہندی لگی
ہوئی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاجل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقعہ یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت
ہی ہے۔ تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں، جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے۔

۳. تاکہ سر، گردن، سینے اور چھاتی کا پردہ ہو جائے، کیونکہ انہیں بھی بے پردہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۴. یہ وہی زینت (سنگھار) یا آرائش ہے جسے ظاہر کرنے کی ممانعت اس سے پہلے کی گئی تھی۔ یعنی لباس اور زیور وغیرہ
کی، جو چادر یا برقعہ کے نیچے ہوتی ہے۔ یہاں اس کا ذکر اب استثناء کے ضمن میں آیا ہے۔ یعنی ان ان لوگوں کے سامنے
اس زینت کا اظہار جائز ہے۔

۵. ان میں سر فہرست خاوند ہے۔ اسی لیے خاوند کو سب پر مقدم بھی کیا گیا ہے۔ کیوں کہ عورت کی ساری زینت خاوند
ہی کے لیے ہوتی ہے، اور خاوند کے لیے تو عورت کا سارا بدن ہی حلال ہے۔ اس کے علاوہ جن محارم اور دیگر بعض
افراد کا ہر وقت گھر میں آنا جانا رہتا ہے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے یا دیگر وجوہ سے طبعی طور پر ان کی طرف
جنسی میلان بھی نہیں ہوتا، جس سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو شریعت نے ایسے لوگوں کے سامنے، جن سے
کوئی خطرہ نہ ہو اور تمام محارم کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس مقام پر ماموں اور چچا کا
ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں سے ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی
ہے اور بعض کے نزدیک یہ محارم میں سے نہیں ہیں۔ (فتح القدیر)

أَوَ الظِّلِّ الَّذِينَ كَفَّوْا عَنَّا وَاعْلَىٰ عَوْرَتِ الْمَسَاءِ
وَالْأَيْصَرِينَ بَارِئِينَ لِبُعْلُكُمَا يُخْفِينَ مِنْ
زِينَتِهِمْ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيَّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ﴿٩﴾

کے یا اپنے بھتیجیوں کے یا اپنے بھانجوں کے ^(۱) یا اپنے میل
جول کی عورتوں کے ^(۲) یا غلاموں کے ^(۳) یا ایسے نوکر چاکر
مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں ^(۴) یا ایسے بچوں کے
جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔ ^(۵) اور
اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی
پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے، ^(۶) اے مسلمانو! تم سب کے
سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ نجات پاؤ۔ ^(۷)

۱. باپ میں دادا، پردادا، نانا، پر نانا اور اس سے اوپر سب شامل ہیں۔ اسی طرح خسر میں خسر کا باپ، دادا، پردادا، اوپر
تک۔ بیٹوں میں پوتا، پڑپوتا، نواسہ پر نواسہ نیچے تک۔ خاوندوں کے بیٹوں میں پوتے، پڑپوتے، نیچے تک، بھائیوں میں
تینوں قسم کے بھائی (یعنی، اخیانی اور علاقائی) اور ان کے بیٹے، پوتے، پڑپوتے، نواسے، نیچے تک۔ بھتیجیوں میں ان کے بیٹے،
نیچے تک اور بھانجوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد شامل ہے۔

۲. ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت، اس کا حسن و ہمال
اور جسمانی خدوخال اپنے خاوند کے سامنے بیان کریں۔ ان کے علاوہ کسی بھی کافر عورت کے سامنے اظہار زینت منع ہے
بہی رائے حضرت عمر و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد اور امام احمد بن حنبل سے منقول ہے۔ بعض نے اس سے وہ مخصوص
عورتیں مراد لی ہیں، جو خدمت وغیرہ کے لیے ہر وقت ساتھ رہتی ہیں، جن میں باندیاں (لونڈیاں) بھی شامل ہیں۔

۳. بعض نے اس سے مراد صرف لونڈیاں اور بعض نے صرف غلام لیے ہیں اور بعض نے دونوں ہی۔ حدیث میں بھی
صراحت ہے کہ غلام سے پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابو داؤد، کتاب اللباس باب فی العبد بنظر الی شعر مولانہ) اسی طرح
بعض نے اسے عام رکھا ہے جس میں مومن اور کافر دونوں غلام شامل ہیں۔

۴. بعض نے ان سے صرف وہ افراد مراد لیے ہیں جن کا گھر میں رہنے سے، کھانے پینے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔
بعض نے بے وقوف، بعض نے نامرد اور خصی اور بعض نے بالکل بوڑھے مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جن
کے اندر بھی قرآن کی بیان کردہ صفت پائی جائے گی، وہ سب اس میں شامل اور دوسرے خارج ہوں گے۔

۵. ان سے ایسے بچے خارج ہوں گے جو بالغ ہوں یا بلوغت کے قریب ہوں کیونکہ وہ عورتوں کے پردوں کی باتوں سے
واقف ہوتے ہیں۔

۶. تاکہ پازنبوں کی جھنکار سے مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اسی میں اونچی ایڑی کے وہ سینڈل بھی آجاتے ہیں جنہیں
عورت پہن کر چلتی ہے تو تک ٹک کی آواز، زیور کی جھنکار سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ عورت کے
لیے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلتا جائز نہیں، جو عورت ایسا کرتی ہے، وہ بدکار ہے۔ (ترمذی، أبواب الاستئذان، أبو داؤد، کتاب الترجل)
۷. یہاں پردے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان احکام کی جو

۳۲. اور تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردو^(۱) اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔^(۲) اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا۔^(۳) اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

۳۳. اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے^(۴) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالضَّالِّجِينَ مِن عِبَادِكُمْ
وَأَمَّا لَكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵﴾

وَلَيْسَتْ صِفَتِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَاشَىٰ
يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ

خلاف ورزی بھی تم کرتے رہے ہو، وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں، اس لیے اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور ان احکام مذکورہ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کر لیا تو فلاح و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت تمہارا مقدر ہے۔

۱. اَيَّامِي، اَيِّم کی جمع ہے۔ اَيِّم ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، جس میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ تینوں آجاتی ہیں۔ اور ایسے مرد کو بھی اَيِّم کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ آیت میں خطاب اولیاء سے ہے کہ نکاح کردو، یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کرلو، کہ مخاطب نکاح کرنے والے مرد و عورت ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح امر کے صیغے سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے، جب کہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔ تاہم استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت مؤکدہ بلکہ بعض حالات میں واجب ہے اور اس سے اعراض سخت و عید کا باعث ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے «فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي، فَلَيْسَ مِنِّي» (صحیح البخاری: ۵۰۶۳ و مسلم: ۱۳۰۱) ”جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔“

۲. یہاں صالحیت سے مراد ایمان ہے، اس میں اختلاف ہے کہ مالک اپنے غلام اور لونڈیوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اکراہ کے قائل ہیں، بعض نہیں۔ تاہم اندیشہ ضرر کی صورت میں شرعاً مجبور کرنا جائز ہے۔ بصورت دیگر غیر مشروع۔ (البر والتقیر)

۳. یعنی محض غربت اور تنگ دستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہیے۔ ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ ان کی تنگ دستی کو اپنے فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے۔ حدیث میں آتا ہے۔ تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے۔ (۱) نکاح کرنے والا، جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے۔ (۲) مکاتب غلام، جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے۔ (۳) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ترمذی، أبواب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی المجاہد، والمکاتب والنکاح)

۴. حدیث میں پاک دامنی کے لیے، جب تک شادی کی استطاعت حاصل نہ ہو جائے، نفلی روزے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا (اے لوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، اسے (اپنے وقت پر) شادی کر لینی چاہیے، اس لیے کہ اس سے آنکھوں اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، اسے چاہیے کہ وہ

مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَا يَذْمُوكُمْ إِنِ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ
خَيْرًا وَإِنَّهُمْ لَمِنْ مَّا لَمْ يَدْرُوا أَنَّ اللَّهَ أَلَدُّ الْإِنْسَانِ لَكُمُ وَلَا
تَذْكُرُوا أَنِّي بَدَلْتُكُمْ عَلَى الْبَغَاءِ إِنِ ارْتَدَّ مَعْصِدًا لِّتَتَّبِعُوا
عَرَضَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يَكْذِبْهُمْ فَوَاقِنِ اللَّهُ
مِنْ بَعْدِ الْإِكْرَامِ هُنَّ عَفْوَكَ رَحِيمٌ ۝

انہیں اپنے فضل سے مالدار بنادے، تمہارے غلاموں
میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادی کی تحریر
کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو اگر تم کو ان
میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو،^(۱) اور اللہ نے جو مال تمہیں
دے رکھا ہے اس میں سے انہیں بھی دو،^(۲) تمہاری جو
لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی
کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو^(۳) اور
جو انہیں مجبور کر دے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر کے بعد بخش
دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔^(۴)

(کثرت سے نفلی) روزے رکھے، روزے اس کی جنسی خواہش کو قابو میں رکھیں گے۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب
الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة مسلم أول كتاب النكاح)

۱. مُكَاتَبٌ، اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر دوں گا تو آزادی
کا مستحق ہو جاؤں گا۔ ”بھلائی نظر آنے“ کا مطلب ہے، اس کے صدق و امانت پر تمہیں یقین ہو یا کسی حرفت و صنعت
سے وہ آگاہی رکھتا ہو۔ تاکہ وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کر دے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی حوصلہ
شغنی کی پالیسی اپناتی تھی، اس لیے یہاں بھی مالکوں کو تاکید کی گئی کہ مکاتبت کے خواہش مند غلاموں سے معاہدہ کرنے
میں تامل نہ کرو بشرطیکہ تمہیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمہاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ بعض
علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استیباب کے لیے ہے۔

۲. اس کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اس نے جو معاہدہ کیا ہے اور اب وہ رقم کا ضرورت مند
ہے تاکہ معاہدے کے مطابق وہ رقم ادا کر دے تو تم بھی اس کے ساتھ مالی تعاون کرو، اگر اللہ نے تمہیں صاحب حیثیت
بنایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے جو مصارف ثنائیہ (التوبہ ۶۰ میں) بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک وَفِي الرِّقَابِ
بھی ہے جس کے معنی ہیں، گردنیں آزاد کرانے میں یعنی غلاموں کی آزادی پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

۳. زمانہ جاہلیت میں لوگ محض دنیوی مال کے لیے اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ خواہی خواہی
انہیں یہ داغ ذلت برداشت کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا اِنْ اَرَدَنْ غَالِبِ اَحْوَالِ كِے
اعتبار سے ہے۔ ورنہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری کو پسند کریں تو پھر تم ان سے یہ کام کروالیا کرو۔ بلکہ حکم دینا
یہ مقصود ہے کہ لونڈیوں سے، دنیا کے تھوڑے سے مال کے لیے، یہ کام مت کرواؤ، اس لیے کہ اس طرح کی کمائی ہی
حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

۴. یعنی جن لونڈیوں سے جبراً یہ بے حیائی کا کام کروایا جائے گا، تو گناہ گار مالک ہو گا یعنی جبر کرنے والا، نہ کہ لونڈی جو

۳۴۔ اور ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتار دی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت۔

۳۵۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا،^(۱) اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ اس بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے جائے،^(۳)

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبِينَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ
الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾

اَللّٰهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِثْقَا
فِيهَا وَمِصْبَاحٌ اِلْيَاسٍ فِي زُجَاجَةٍ الرَّجُلُ جَافٍ
كَانَهَا كَاكِبٌ دَرِيٌّ يُوَفِّدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ
زَيْتُونَةٍ اَوْ لَسْرُقِيَّةٍ وَلَا عَرَبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يَضِيّ
وَلَوْ اَنَّ تَمَسَّسَهُ تَاَذَنُورٌ عَلٰى فَرْطِهَا لَنُورِيَ
مِنْ نَّيَّارِهِ وَيَقْرَبُ اَللّٰهُ اَلْمِثَالُ لِلنَّاسِ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

مجبور ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ”میری امت سے، خطا، نسیان اور ایسے کام جو جبر سے کرائے گئے ہوں، معاف ہیں۔“

(ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره والناسي)

۱. یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں، نہ آسمان و زمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی۔ پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے، جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔ حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے۔ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْہِنَّ (صحیح البخاری، باب التہجد باللیل، ومسلم، کتاب صلوة المسافرین باب الدعاء فی صلاۃ اللیل) (پس اللہ، اس کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے۔) (ابن القایم)

۲۔ یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو، جو شیشے کی قندیل میں ہو، اس میں ایک باہرکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈالا گیا ہو کہ وہ آگ (دیا سلائی) دکھائے بغیر ہی بذات خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق میں مجتمع ہو گئیں اور وہ بقیہ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ کے نازل کردہ دلائل و براہین کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بھی یعنی نور علی نور، جو مشرقی ہے نہ مغربی کا مطلب ہے، وہ درخت ایسے کھلے میدان اور صحرا میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج کے چڑھنے کے وقت یا غروب کے وقت ہی نہیں پڑتی، بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے اور ایسے درخت کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے اور مراد اس سے زیتون کا درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔

۳. ثُوْر سے مراد ایمان و اسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے، ان کی اس نور کی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے، جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔

لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے،^(۱) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔
۳۶۔ ان گھروں میں جن کے بلند کرنے، اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے^(۲) وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔^(۳)

فِي بُيُوتٍ أُذِنَ لِلَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ
 يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا الْعَدُوُّ وَالْأَصِلُ

۳۷۔ ایسے لوگ^(۴) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ
 الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ
 الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

۱۔ جس طرح اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی جس میں اس نے ایمان کو اور اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔
 ۲۔ جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان و ہدایت اور علم ہے، اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قندیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔ تو اب اس کا محل بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ قندیل ایسے گھروں میں ہیں، جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ مراد مسجدیں ہیں، جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ بلندی سے مراد محض سنگ و خشت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویت اور غیر مناسب اقوال و افعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان اور فلک بوس بنا دینا مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زر نگار اور زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ (ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی بناء المساجد) علاوہ ازیں، جس طرح مسجدوں میں تجارت و کاروبار اور شور و شغب ممنوع ہیں کیونکہ یہ مسجد کے اصل مقصد، عبادت کے منافی ہیں، اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکارا جائے۔ ﴿وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَنْحُوا مَعَهُ اللَّهُ أَحَدًا﴾ (الحج: ۱۸) (مسجیں، اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو)۔

۳۔ تسبیح سے مراد نماز ہے۔ اَصْلًا، اَصْلَیٰ کی جمع ہے بمعنی شام۔ یعنی اہل ایمان، جن کے دل ایمان و ہدایت کے نور سے روشن ہوتے ہیں، صبح وشام مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

۴۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں جاکر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نہایت سادہ لباس میں، بغیر خوشبو لگائے اور باپردہ جائیں، جس طرح کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ تاہم ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا

دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔^(۱)

۳۸. اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے۔^(۲)

۳۹. اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے۔^(۳) اور اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے۔

۴۰. یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو، پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ الغرض

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ
وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يَحْسَبُهُ
الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ
اللَّهُ عِندَهُ قُوتَهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَعْثٍ لَّيْلِ يَخْشَىٰ مَوْجٌ مِّن قُوَّتِهِ مَوْجٌ
مِّن قُوَّتِهِ سَابَّ ظُلُمَتٍ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ
إِذَا أَخْرَجَ يَدُهُ لَمْ يَكِدْ يُرْسِلُهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ

۱. یعنی شدت فزع اور ہولناکی کی وجہ سے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ يَوْمَ الْأَرْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاطْمِئِنَّ﴾ (المؤمن: ۱۸) (ان کو قیامت کے دن سے ڈراؤ، جس دن دل، گلوں کے پاس آجائیں گے، غم سے بھرے ہوئے)۔ ابتداءً دلوں کی یہ کیفیت سب کی ہی ہوگی، مومن کی بھی اور کافر کی بھی۔

۲. قیامت کے دن اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً (کئی کئی گنا) کی صورت میں دیا جائے گا اور بہت سوں کو بے حساب ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں رزق کی فراوانی اور اس میں جو تنوع و تملذ ہوگا، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

۳. أَعْمَالٌ سے مراد، وہ اعمال ہیں جنہیں کافر و مشرک نیکیاں سمجھ کر کرتے ہیں، جیسے صدقہ و خیرات، صلہ رحمی، بیت اللہ کی تعمیر اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ سَرَابٌ، اس چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں، جو دور سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پانی نظر آتی ہے۔ سَرَابٌ کے معنی ہی چلنے کے ہیں۔ وہ ریت، چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے قِيَعَةٍ، قَاع کی جمع ہے، زمین کا نشیبی حصہ، جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چٹیل میدان۔ یہ کافروں کے عملوں کی مثال ہے کہ جس طرح سراب دور سے پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہ ریت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کافر کے عمل عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انہیں نہیں ملے گا۔ ہاں جب وہ اللہ کے پاس جائے گا، تو وہ اس کے عملوں کا پورا پورا حساب چکالے گا۔

لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ

اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے درپے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی قریب ہے کہ نہ دیکھ سکے،^(۱) اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔^(۲)

۳۱. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کی کل مخلوق اور پر پھیلائے^(۳) اڑنے والے کل پرند اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے،^(۴) لوگ جو کچھ کریں اس سے اللہ بخوبی واقف ہے۔^(۵)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْخَرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالْغَيْرِ صَافً كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ

۱. یہ دوسری مثال ہے کہ ان کے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی انہیں سراب سے تشبیہ دے لیا اندھیروں سے۔ یا گزشتہ مثال کافر کے اعمال کی تھی اور یہ اس کے کفر کی مثال ہے جس میں کافر ساری زندگی گھرا رہتا ہے، کفر و ضلالت کا اندھیرا، اعمال سیدہ و عقائد مشرکانہ کا اندھیرا اور رب سے اور اس کے عذاب اخروی سے عدم واقفیت کا اندھیرا۔ یہ اندھیرے اسے راہ ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتے۔ جس طرح اندھیرے میں انسان کو اپنا ہاتھ بھی بھائی نہیں دیتا۔
۲. یعنی دنیا میں ایمان و اسلام کی روشنی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کو ملنے والے نور سے وہ محروم رہیں گے۔
۳. صَافَّاتٌ کے معنی ہیں بِاسِطَاتٌ اور اس کا مفعول أَجْنَحَتْهَا محذوف ہے۔ اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ﴿مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ میں پرندے بھی شامل تھے۔ لیکن یہاں ان کا ذکر الگ سے کیا، اس لیے کہ پرندے، تمام حیوانات میں ایک نہایت ممتاز مخلوق ہیں، جو اللہ کی قدرت کاملہ سے آسمان و زمین کے درمیان فضاء میں اڑتے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ یہ مخلوق اڑنے پر بھی قدرت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام حیوانات محروم ہیں اور زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت بھی رکھتی ہے۔

۴. یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو یہ علم الہام والقاء کیا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کس طرح کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخت و اتفاق کی بات نہیں بلکہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا تسبیح کرنا اور نماز ادا کرنا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا ایک مظہر ہے، جس طرح ان کی تخلیق اللہ کی ایک صنعت بدیع ہے، جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔

۵. یعنی اہل زمین و اہل آسمان جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، یہ گویا انسانوں اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمہیں اللہ نے شعور اور ارادے کی آزادی دی ہے تو تمہیں تو دوسری مخلوقات سے زیادہ اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دیگر مخلوقات تو تسبیح الہی میں مصروف ہیں۔ لیکن شعور اور ارادے سے بہرہ ور مخلوق اس میں کوتاہی کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس پر یقیناً وہ اللہ کی گرفت کی مستحق ہوگی۔

۴۲. اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔^(۱)

۴۳. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر انہیں ملاتا ہے پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے۔ وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑ میں سے اولے برساتا ہے،^(۲) پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹا دے۔^(۳) بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا اب آنکھوں کی روشنی لے چلی۔^(۴)

۴۴. اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات کو ردو بدل کرتا رہتا ہے^(۵) آنکھوں والوں کے لیے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَرْسِلُ مَخَابِلَہٗ مِنْۢ بَيْنِہٖ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَّامًا فَتَرٰی الْوَدَّیَ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِہٖ ثُمَّ یَنْزِلُ مِنْ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْہَا مِنْۢ بَرَدٍ فَبِصْبٍ یَّہْمَنَّ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُہٗ عَنِ مَّنْ یَّشَآءُ ۚ یَکَذِّبُ سَنَآءُ بَرَقَہٗ یَذْہِبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۱۹﴾

یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَیْکَ وَاللّٰہَ اَرٰنَ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۲۰﴾

۱. پس وہی اصل حاکم ہے، جس کے حکم کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں، اور وہی معبود برحق ہے جس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کے بارے میں عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔
۲. اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے۔ (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ سماء بلندی کے معنی میں ہے اور جبال کے معنی ہیں بڑے بڑے ٹکڑے، پہاڑوں جیسے، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے، (فتح القدیر) یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔
۳. یعنی وہ اولے اور بارش بطور رحمت جنہیں چاہتا ہے پہنچاتا ہے، اور جنہیں چاہتا ہے ان سے محروم رکھتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ژالہ باری (اولے) کے عذاب سے جسے چاہتا ہے دوچار کر دیتا ہے، جس سے ان کی فصلیں تباہ اور کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں اور جن پر اپنی رحمت کرنا چاہتا ہے ان کو اس سے بچا لیتا ہے۔
۴. یعنی بادلوں میں چمکنے والی بجلی، جو عام طور پر بارش کی نوید جاں فزا ہوتی ہے اس میں اتنی شدت کی چمک ہوتی ہے کہ وہ آنکھوں کی بصارت لے جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اس کی صنایع کا ایک نمونہ ہے۔
۵. یعنی کبھی دن بڑے، راتیں چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس۔ یا کبھی دن کی روشنی کو بادلوں کی تاریکیوں سے اور رات کے اندھیروں کو چاند کی روشنی سے بدل دیتا ہے۔

۳۵۔ اور تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں،^(۱) بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں۔^(۲) اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔^(۴) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۶۔ بلا شک و شبہ ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔^(۵)

۳۷۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے۔ یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں۔^(۶)

۳۸۔ اور جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّا فِیْہُمْ مِّنْ نَّسِیۡۃٍ عَلٰی بَطْنِہٖۤ وَوَعَدُہُمْ مِّنْ نَّسِیۡۃٍ عَلٰی رِجْلِہِۚۤ وَوَعَدُہُمْ مِّنْ نَّسِیۡۃٍ عَلٰی اَرْبَعٍ یَّخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۸﴾

لَقَدْ اَنزَلْنَا اٰیٰتِ مُّبِیۡنٰتٍ وَاللّٰهُ یُہِدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیۡمٍ ﴿۱۹﴾

وَقَالُوۡنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاٰخُذْنَا حَمٰۤیۡۃًۭ بِیَدِیۡۡ فَرِیۡقٍ مِّنْہُمْ مِّنۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَمَا اُوْلٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾

وَاِذَا دُعُوۡا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِحُکْمٍ یَّبِیۡہُمۡ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنْہُمْ مُّعٰوِضُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۱۔ جس طرح سانپ، مچھلی اور دیگر حشرات الارض کيرے کوڑے ہیں۔

۲۔ جیسے انسان اور پرند ہیں۔

۳۔ جیسے تمام چوپائے اور دیگر حیوانات ہیں۔

۴۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے بھی زیادہ پاؤں رکھتے ہیں، جیسے کیکڑا، مکڑی اور بہت سے زمینی کيرے۔

۵۔ آیات مُبِیِّنَات سے مراد قرآن کریم ہے جس میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کا تعلق انسان کے دین و اخلاق سے ہے جس پر اس کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے۔ ﴿مَّا تَوْفِیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (الانعام: ۳۸) (ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان میں کوتاہی نہیں کی)۔ جسے ہدایت نصیب ہونی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نظر صحیح اور قلب صادق عطا فرمادیتا ہے جس سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صراطِ مستقیم سے مراد یہی ہدایت کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں، اسے اختیار کر کے انسان اپنی منزل مقصود جنت تک پہنچ جاتا ہے۔

۶۔ یہ منافقین کا بیان ہے جو زبان سے اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن دلوں میں کفر و عناد تھا یعنی اعتقاد صحیح سے محروم تھے۔ اس لیے زبان سے اظہار ایمان کی نفی کی گئی۔

وَأَنْ يَكُنْ لَهُمُ الْخُشْيَ يَا تَوَّالِيَهُ مَذْعَنِينَ ﴿٥١﴾

۴۹. اور ہاں اگر انہی کو حق پہنچتا ہو تو مطیع و فرماں بردار ہو کر اس کی طرف چلے آتے ہیں۔^(۱)

۵۰. کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کریں؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظالم ہیں۔^(۲)

۵۱. ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔^(۳) یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

۵۲. اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، خوف الہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں۔^(۴)

أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْيِيَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ رَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٢﴾

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٣﴾

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَإِنَّكَ لَهُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٤﴾

۱. کیوں کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ عدالت نبوی ﷺ سے جو فیصلہ صادر ہوگا، اس میں کسی کی روعیت نہیں ہوگی، اس لیے وہاں اپنا مقدمہ لے جانے سے ہی گریز کرتے ہیں۔ ہاں اگر وہ جانتے ہیں کہ مقدمے میں وہ حق پر ہیں اور ان ہی کے حق میں فیصلہ ہونے کا غالب امکان ہے، تو پھر خوشی خوشی وہاں آتے ہیں اِذْعَانُ کے معنی ہوتے ہیں، اقرار اور انقیاد و اطاعت کے۔

۲. جب فیصلہ ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا ہے تو اس سے اعراض و گریز کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہے، یا انہیں نبوت محمدی ﷺ میں شک ہے، یا انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ﷺ ظلم کرے گا، حالانکہ ان کی طرف سے ظلم کا کوئی امکان ہی نہیں، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود ہی ظالم ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جب قضاء و فیصلے کے لیے ایسے حاکم و قاضی کی طرف بلایا جائے جو عادل اور قرآن و سنت کا عالم ہو، تو اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ البتہ اگر وہ قاضی کتاب و سنت کے علم اور ان کے دلائل سے بے بہرہ ہو تو اس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ضروری نہیں۔

۳. یہ اہل کفر و نفاق کے مقابلے میں اہل ایمان کے کردار و عمل کا بیان ہے۔

۴. یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور انہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الہی اور تقویٰ سے متصف ہیں، نہ کہ دوسرے لوگ، جو ان صفات سے محروم ہیں۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ
لَيَعْرُجُنَّ قُلُوبُهُمْ لَا تَقْسِمُوا عَالَمَهُ مَعْرُوفَةٌ
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور بڑی چٹنگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں ^(۱) کہ آپ کا حکم ہوتے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دیجیے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے۔ ^(۲) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔ ^(۳)

۵۴۔ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے ^(۴) اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے ^(۵) ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔ ^(۶) سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔ ^(۷)

۵۵۔ تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَأِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ
تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

۱۔ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ میں جَهْدُ فعل محذوف کا مصدر ہے جو بطور تاکید کے ہے، يَجْهَدُونَ أَيْمَانَهُمْ جَهْدًا یا یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مُجْتَهِدِينَ فِي أَيْمَانِهِمْ مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت بھر قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)
۲۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم قسمیں جھوٹی کھاتے ہو، تمہاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔ بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ تمہارا معاملہ طاعت معروف ہونا چاہیے۔ یعنی معروف میں بغیر کسی قسم کے حلف کے اطاعت، جس طرح مسلمان کرتے ہیں، پس تم بھی ان کے مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

۳۔ یعنی وہ تم سب کے حالات سے باخبر ہے کہ کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان؟ پس حلف اٹھا کر اطاعت کے اظہار کرنے سے، جب کہ تمہارے دل میں اس کے خلاف عزم ہو، تم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے، اس لیے کہ وہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے اور وہ تمہارے سینوں میں پلنے والے رازوں سے بھی آگاہ ہے اگرچہ تم زبان سے اس کے خلاف اظہار کرو۔

۴۔ یعنی تبلیغ و دعوت، جو وہ ادا کر رہا ہے۔

۵۔ یعنی اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔

۶۔ اس لیے کہ وہ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔

۷۔ کوئی اس کی دعوت کو ماننے یا نہ ماننے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿فَأَنذَرْتُكُمْ الْبَلَاءَ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد: ۴۰) (اے پیغمبر! تیرا کام صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) یہ حساب ہماری ذمہ داری ہے)۔

لَيْسَتْ خَلْفَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَكِنَّهُمْ رِجْزُهُمُ الَّذِي لَمْ يَنْقُضُوا أَمْرَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمَّا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۹﴾

نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا،^(۱) وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔^(۲) اور اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔^(۳)

۱. بعض نے اس وعدہ الہی کو صحابہ کرام کے ساتھ یا خلفائے راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور عہد خیر القرون میں اس وعدہ الہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین اسلام کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ پہلے مسلمان کفار عرب سے ڈرتے تھے، پھر اس کے برعکس معاملہ ہو گیا۔ نبی ﷺ نے بھی جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں، وہ بھی اس عہد میں پوری ہوئیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حیرہ سے ایک عورت تن تنہا اسیلی چلے گی اور بیت اللہ کا آکر طواف کرے گی، اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا۔ کسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام) نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا «إِنَّ اللَّهَ زَوَىٰ لِيَ الْأَرْضَ، فَأَرَأَيْتَ مَشَارِقَهَا وَمَعَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوَىٰ لِيَ مِنْهَا» (صحیح مسلم کتاب الفتن وأشرار الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض) (اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیر دیا، پس میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھے، عنقریب میری امت کا دائرہ اقتدار وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک میرے لیے زمین سکیر دی گئی)۔ حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی، اور فارس و شام اور مصر و افریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر و شرک کی جگہ توحید و سنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا پھر پورا چار دانگ عالم میں لہر اٹھ گیا۔ لیکن یہ وعدہ مشروط تھا، جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان کی عزت کو ذلت میں، ان کے اقتدار اور غلبے کو غلامی میں اور ان کے امن و استحکام کو خوف اور دہشت میں بدل دیا۔

۲. یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ایک اور بنیادی شرط ہے جس کی وجہ سے مسلمان اللہ کی مدد کے مستحق، اور اس وصف توحید سے عاری ہونے کے بعد وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔

۳. اس کفر سے مراد، وہی ایمان، عمل صالح اور توحید سے محرومی ہے، جس کے بعد ایک انسان اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا اور کفر و فسق کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

۵۶۔ اور نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے

رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔^(۱)

۵۷۔ یہ خیال آپ کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں

(ادھر ادھر بھاگ کر) ہمیں ہرا دینے والے ہیں،^(۲) اور

ان کا اصلی ٹھکانا جہنم ہے جو یقیناً بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

۵۸۔ اے ایمان والو! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں

کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں

(اپنے آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی

ضروری ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ

تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد،^(۳)

یہ تینوں وقت تمہاری (خلوت) اور پردہ کے ہیں۔^(۴)

ان وقتوں کے ماسوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔^(۵)

تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاتَّبِعُوا الرُّسُلَ

لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾

لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَجِّزِينَ فِي الْأَرْضِ

وَمَا لَهُمْ النَّارُ وَلَيْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ

أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ

مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ

ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ

ثَلَاثَ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ طَوْفُونَ عَلَيْكُمْ بِعُصَاكُمْ عَلَى

بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حَكِيمٌ ﴿۵۸﴾

۱۔ یہاں مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ اللہ کی رحمت اور مدد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے، اور اسی پر چل کر صحابہ کرام

کو اللہ کی رحمت و مدد حاصل ہوئی۔

۲۔ یعنی آپ کے مخالفین اور مکذبین اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔

۳۔ غلاموں سے مراد، باندیاں اور غلام دونوں ہیں ثلاث مرّات کا مطلب اوقات، تین وقت ہیں۔ یہ تینوں اوقات ایسے

ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ بکرا خاص مصروف، یا ایسے لباس میں ہو سکتا ہے کہ جس میں کسی کا ان کو

دیکھنا جائز اور مناسب نہیں۔ اس لیے ان اوقات ثلاثہ میں گھر کے ان خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے

کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے گھر کے اندر داخل ہوں۔

۴۔ عَوْرَاتِ کی جمع ہے، جس کے اصل معنی خلل اور نقص کے ہیں۔ پھر اس کا اطلاق ایسی چیز پر کیا جانے لگا

جس کا ظاہر کرنا اور اس کو دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ خاتون کو بھی اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر اور عریاں ہونا

اور دیکھنا شرعاً نا پسندیدہ ہے۔ یہاں مذکورہ تین اوقات کو عورات کہا گیا ہے یعنی یہ تمہارے پردے اور خلوت کے اوقات

ہیں جن میں تم اپنے مخصوص لباس اور ہیئت کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔

۵۔ یعنی ان اوقات ثلاثہ کے علاوہ گھر کے مذکورہ خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اجازت طلب کیے بغیر

گھر کے اندر آجاسکتے ہیں۔

جانے والے ہو^(۱)، (بی)، اللہ اس طرح کھول کھول کر اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمت والا ہے۔

۵۹. اور تمہارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح انکے اگلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے،^(۲) اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی علم و حکمت والا ہے۔

۶۰. اور بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش) نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں،^(۳) تاہم اگر وہ بھی احتیاط رکھیں تو ان

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۹﴾

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۚ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۶۰﴾

۱. یہ وہی وجہ ہے جو حدیث میں لمبی کے پاک ہونے کی بیان کی گئی ہے۔ «إِنَّهَا لَيَسَّتُ بِنَجَسٍ؛ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِينِ عَلَيْكُمْ أَوْ الطَّوَافَاتِ» (لمبی ناپاک نہیں ہے اس لیے کہ وہ کثرت تمہارے پاس (گھر کے اندر) آنے جانے والی ہے)۔ (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ باب سؤر الہرق، ترمذی، کتاب و باب مذکور وغیرہ) خادم اور مالک، ان کو بھی آپس میں ہر وقت ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی ضرورت عامہ کے پیش نظر اللہ نے یہ اجازت مرحمت فرمادی، کیونکہ وہ علیم ہے، لوگوں کی ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور حکیم ہے، اس کے ہر حکم میں بندوں کے مفادات اور حکمتیں ہیں۔

۲. ان بچوں سے مراد احرار بچے ہیں، بلوغت کے بعد ان کا حکم عام مردوں کا سا ہے، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے گھر آئیں تو پہلے اجازت طلب کریں۔

۳. ان سے مراد وہ بوڑھی اور ازکار رفتہ عورتیں ہیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور ولادت کے قابل نہ رہی ہوں۔ اس عمر میں بالعموم عورت کے اندر مرد کے لیے فطری طور پر جو جنسی کشش ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے، نہ وہ کسی مرد سے نکاح کی خواہش مند ہوتی ہیں، نہ مرد ہی ان کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پردے میں تخفیف کی اجازت دے دی گئی ہے "کپڑے اتار دیں" سے وہ کپڑا مراد ہے جو شلوار قمیص کے اوپر عورت پردے کے لیے بڑی چادر، یا برقعہ وغیرہ کی شکل میں لیتی ہے بشرطیکہ مقصد اپنی زینت اور بناؤ سنگھار کا اظہار نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی جنسی کشش کھوجانے کے باوجود اگر بناؤ سنگھار کے ذریعے سے اپنی "جنسیت" کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا ہو تو اس تخفیف پردہ کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہوگی اور اس کے لیے مکمل پردہ کرنا ضروری ہوگا۔

کے لیے بہت افضل ہے،^(۱) اور اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔
 ۶۱۔ اندھے پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر (مطلقاً) کوئی
 حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھا لو یا اپنے باپوں کے
 گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے
 گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں
 کے گھروں سے^(۲) یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے
 ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان
 گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں
 کے گھروں سے۔^(۳) تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم
 سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔^(۴) پس جب تم

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ
 حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرْغَبِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى
 أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ
 بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
 إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
 أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَلِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
 أَهْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ
 قَمَاقِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
 جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بَعْضِهَا وَآخَرَتَهَا إِذَا
 دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَاسْلُمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ

۱۔ یعنی مذکورہ بوزھی عورتیں بھی پردے میں تخفیف نہ کریں بلکہ بدستور بڑی چادر یا برقعہ بھی استعمال کرتی رہیں تو یہ
 ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں جاتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آیت میں مذکور معذورین کو اپنے
 گھروں کی چابیاں دے جاتے اور انہیں گھر کی چیزیں بھی کھانے پینے کی اجازت دے دیتے۔ لیکن یہ معذور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے
 باوجود، مالکوں کی غیر موجودگی میں، وہاں سے کھانا پینا جائز نہ سمجھتے، اللہ نے فرمایا کہ مذکورہ افراد کے لیے اپنے اقارب کے
 گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں، ان سے کھانے پینے میں کوئی حرج (گناہ) نہیں ہے۔ اور بعض نے اس کا
 مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تندرست صحابہ رضی اللہ عنہم معذور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا اس لیے ناپسند کرتے کہ وہ معذوری
 کی وجہ سے کم کھائیں گے اور یہ زیادہ کھائیں گے، اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں ظلم کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ اس طرح
 خود معذور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی دیگر لوگوں کے ساتھ کھانا اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت
 محسوس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے وضاحت فرمادی کہ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں ہے۔

۳۔ تاہم بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ اس سے وہ عام قسم کا کھانا مراد ہے جس کے کھا جانے سے کسی کو گرانی محسوس
 نہیں ہوتی۔ البتہ ایسی عمدہ چیزیں جو مالکوں نے خصوصی طور پر الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی نظر ان پر نہ پڑے، اسی
 طرح ذخیرہ شدہ چیزیں، ان کا کھانا اور ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ (البر القافیر) اسی طرح یہاں بیٹوں کے گھر
 انسان کے اپنے ہی گھر ہیں، جس طرح حدیث میں ہے أَنْتَ وَمَالُكَ لِإِيَّتِكَ (ابن ماجہ: ۲۲۹۱، مسند أحمد: ۷/۲، ۷۹/۲، ۲۰۳، ۲۱۴)
 (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)۔ دوسری حدیث میں ہے وَلَدُ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ (ابن ماجہ: ۲۱۳۷، ابوداؤد: ۳۵۲۹،
 وصحیحہ الابنانی) (آدمی کی اولاد، اس کی کمائی سے ہے)۔

۴۔ اس میں ایک اور تنگی کا ازالہ فرمادیا گیا ہے۔ بعض لوگ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے، اور کسی کو ساتھ بٹھا کر کھانا

تَحِيَّۃً مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً كَثِيْرَةً
كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۸﴾

گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو^(۱)
دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف
سے نازل شدہ، یوں ہی اللہ تعالیٰ کھول کھول کر تم سے اپنے
احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

۶۲. یا ایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اسکے
رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملہ میں جس
میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے
ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں
نہیں جاتے۔ جو لوگ ایسے موقع پر آپ سے اجازت لے
لیتے ہیں حقیقت میں یہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے
رسول پر ایمان لاکچے ہیں۔^(۲) پس جب ایسے لوگ آپ
سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ
ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے
لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگیں، بیشک اللہ بخشنے
والا مہربان ہے۔

۶۳. تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو
جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے۔^(۳) تم میں

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦ
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهُ عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْكَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦؕ وَاِذَا
اَسْتَاْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَاۡئِهِمْ قَاذَنٌ لَّنْ يُّشْرَكَ
مِنْهُمْ وَاَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹﴾

لَا تَجْعَلُوْا دُوَاعَ الرُّسُوْلِ يَبَيِّنُ لَكُمْ كُنْءَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ وَمِنْكُمْ

ضروری خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اکٹھے کھاو یا الگ الگ، دونوں طرح جائز ہے، گناہ کسی میں نہیں۔ البتہ
اکٹھے ہو کر کھانا زیادہ باعث برکت ہے، جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

۱. اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض
کرو، آدمی کے لیے اپنی بیوی بچوں کو سلام کرنا بالعموم گراں گزرتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ
کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے۔

۲. یعنی جمعہ وعیدین کے اجتماعات میں، یا داخلی و بیرونی مسئلے پر مشاورت کے لیے بلائے گئے اجلاس میں اہل ایمان تو
حاضر ہوتے ہیں، اسی طرح اگر وہ شرکت سے معذور ہوتے ہیں تو اجازت طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب دوسرے
لفظوں میں یہ ہوا کہ منافقین ایسے اجتماعات میں شرکت سے اور آپ ﷺ سے اجازت مانگنے سے گریز کرتے ہیں۔

۳. اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، رسول اللہ ﷺ کو اس طرح

سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں۔^(۱) سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے^(۲) یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

۶۴. آگاہ ہو جاؤ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔^(۳) جس روش پر تم ہو وہ اسے بخوبی جانتا ہے،^(۴) اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اس دن ان کو ان کے کیے سے وہ خبردار کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔

لِوَادًا قَلْبُهُمْ خَافُوا الدِّينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

الَّذِينَ يَلْبِسُونَ غِلَظَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِمْ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيَنْصِتُهُمْ لِمَا عَمِلُوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

مت پکارو۔ مثلاً یا محمد ﷺ نہیں بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ وغیرہ کہو۔ (یہ آپ کی زندگی کے لیے تھا جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرورت پیش آتی تھی کہ آپ سے مخاطب ہوں) دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول کی بددعا کو دوسروں کی بددعا کی طرح مت سمجھو، اس لیے کہ آپ کی دعا تو قبول ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کی بددعا مت لو، تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ ۱۔ یہ منافقین کا رویہ ہوتا تھا کہ اجتماع مشاورت سے چپکے سے کھسک جاتے۔

۲۔ اس آفت سے مراد دلوں کی وہ کجی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ نبی ﷺ کے احکام سے سرتابی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان سے محرومی اور کفر پر خاتمہ، جہنم کے دائمی عذاب کا باعث ہے۔ جیسا کہ آیت کے اگلے جملے میں فرمایا۔ پس نبی ﷺ کے منہاج، طریقے اور سنت کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو اقوال و اعمال اس کے مطابق ہوں گے، وہی بارگاہ الہی میں مقبول اور دوسرے سب مردود ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (صحیح مسلم، کتاب الأفضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور - والسنن) (جس نے ایسا کام کیا، جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے، وہ مردود ہے)۔

۳۔ خلق کے اعتبار سے بھی، ملک کے اعتبار سے بھی اور ماتحتی کے اعتبار سے بھی۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس چیز کا چاہے، حکم دے۔ پس اس کے رسول ﷺ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی جائے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے، اس کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ رسول ﷺ کے بھیجے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

۴۔ یہ مخالفین رسول ﷺ کو تنبیہ ہے کہ جو کچھ حرکات تم کر رہے ہو، یہ نہ سمجھو کہ وہ اللہ سے مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس کے علم میں سب کچھ ہے اور وہ اس کے مطابق قیمت کے دن جزاء و سزا دے گا۔

سُورَةُ الْفُرْقَانِ

سورہ فرقان کی ہے اور اس میں ستر آیتیں
اور پچھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر
فرقان ^(۱) اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے ^(۲) آگاہ کرنے
والا بن جائے۔

۲. اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی ^(۳) اور وہ
کوئی اولاد نہیں رکھتا، ^(۴) نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس
کا ساجھی ہے ^(۵) اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک
مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ^(۶)

۳. اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا

يَسْمِ اللّٰهَ الرَّحْمٰنَ الرَّحِيْمَ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ
لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

لِلَّذِيْ لَهُ نَزْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ سَیْرٌ فِی الْمَلٰئِكَةِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ
فَعَدَدًا قَدِيْرًا ۝

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِہٖ اِلٰهَةً لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَہُمْ

۱. فرقان کے معنی ہیں حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، اس قرآن نے کھول کر ان
امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لیے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔

۲. اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی نبوت عالم گیر ہے اور آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہادی و رہنما بنا کر
بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِیْعًا﴾ (الاعراف: ۱۵۸)
(آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں) اور حدیث میں بھی فرمایا بُعِثْتُ
إِلَی الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ (صحیح مسلم، کتاب المساجد) كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَ يُبْعَثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً
(صحیح البخاری، کتاب التیمم و مسلم کتاب المساجد) (مجھے احمر و اسود سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے)۔ (پہلے نبی کسی
ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ رسالت و نبوت کے بعد، توحید
کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

۳. یہ پہلی صفت ہے یعنی کائنات میں مقتصف صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

۴. اس میں نصاریٰ یہود اور بعض ان عرب قبائل کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

۵. اس میں صنم پرست مشرکین اور ثنویت (دو خداؤں شر اور خیر، ظلمت اور نور کے خالق) کے قائلین کا رد ہے۔

۶. ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے اور اپنی حکمت و مشیت کے مطابق اس نے اپنی مخلوقات کو ہر وہ چیز بھی مہیا کی ہے جو اس
کے مناسب حال ہے یا ہر چیز کی موت اور روزی اس نے پہلے سے ہی مقرر کر دی ہے۔

يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا شَوْرًا ﴿١٠﴾

رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، وہ تو اپنی جان کے نقصان اور نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔^(۱)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِنْ هَذَا إِلَّا أَرَاكُنَا
لِفِتْنَةٍ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ
جَاءُوا ظُلُمًا وَزُورًا ﴿١١﴾

۴. اور کافروں نے کہا یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی ہے،^(۲) دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور سرتاسر جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔
۵. اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھا رکھے ہیں بس وہی صبح و شام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔

وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى
عَلَيْهِ بِكُرَّةٍ وَكُفْلٍ ﴿١٢﴾

۶. کہہ دیجیے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔^(۳) بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔^(۴)

قُلْ أَتُزَكُّهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٣﴾

۱. لیکن ظالموں نے ایسے ہمہ صفات موصوف رب کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو رب بنالیا ہے جو اپنے بارے میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ کسی اور کے لیے کچھ کر سکنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے بعد منکرین نبوت کے شبہات کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔

۲. مشرکین کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) نے یہ کتاب گھڑنے میں یہود سے یا ان کے بعض موالی (مثلاً أَبُو فکیہہ یسار، عدّاس اور جَبَر و غیر ہم) سے مدد لی ہے۔ جیسا کہ سورۃ النحل، آیت ۱۰۳ میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن نے اس الزام کو ظلم اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے، بھلا ایک امی شخص دوسروں کی مدد سے ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں بے مثال ہو، حقائق و معارف بیانی میں بھی معجز نگار ہو، انسانی زندگی کے لیے احکام و قوانین کی تفصیلات میں بھی لاجواب ہو اور اخبار ماضیہ اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نشاندہی اور وضاحت میں بھی اس کی صداقت مسلم ہو؟

۳. یہ ان کے جھوٹ اور افتراء کے جواب میں کہا کہ قرآن کو تو دیکھو، اس میں کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی بات غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ بلکہ ہر بات بالکل صحیح اور سچی ہے، اس لیے کہ اس کو اتارنے والی ذات وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

۴. اس لیے وہ غفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ ان کا قرآن سازی کا الزام بڑا سخت ہے جس پر وہ فوری طور پر عذاب الہی کی گرفت میں آسکتے ہیں۔

۷. اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے،^(۱) اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔^(۲)

۸. یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا^(۳) یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا۔^(۴) اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔^(۵)

۹. خیال تو کیجیے کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔ پس جس سے خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آسکتے۔^(۶)

۱۰. اللہ تعالیٰ تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے تو آپ کو بہت سے ایسے باغات عنایت فرمادے جو ان کے کہے ہوئے باغ سے بہت ہی بہتر ہوں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہوں اور آپ کو بہت سے (پننت) محل

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَنْتَعِي فِي الْكَسَافِ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۝

أَوْ يُنْفِثُ إِلَيْهِ كَذًا وَتَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۝ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا جَبَلًا مَسحُورًا ۝

أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا إِلَيْكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا ۝ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ سَبِيلًا ۝

تَبَارَكَ الَّذِي أَنْشَأَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝ وَيَجْعَلُ لَكَ فُصُورًا ۝

۱. قرآن پر طعن کرنے کے بعد رسول پر طعن کیا جا رہا ہے اور یہ طعن رسول کی بشریت پر ہے۔ کیوں کہ ان کے خیال میں بشریت، عظمت رسالت کی متحمل نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ تو کھاتا پیتا اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے۔ حالانکہ رسول کو تو بشر نہیں ہونا چاہیے۔

۲. مذکورہ اعتراض سے نیچے اتر کر کہا جا رہا ہے کہ چلو کچھ اور نہیں تو ایک فرشتہ ہی اس کے ساتھ ہو جو اس کا معاون اور مصدق ہو۔

۳. تاکہ وہ طلب رزق سے بے نیاز ہوتا۔

۴. تاکہ اس کی حیثیت تو ہم سے کچھ ممتاز ہو جاتی۔

۵. یعنی جس کی عقل و فہم سحر زدہ اور مختل ہے۔

۶. یعنی اے پیغمبر! آپ کی نسبت یہ اس قسم کی باتیں اور بہتان تراشی کرتے ہیں، کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی مسکور و مجنون اور کبھی کذاب و شاعر۔ حالانکہ یہ ساری باتیں باطل ہیں اور جن کے پاس ذرہ برابر بھی عقل و فہم ہے، وہ ان کا جھوٹا ہونا جانتے ہیں، پس یہ ایسی باتیں کر کے خود ہی راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، انہیں راہ راست کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

بھی دے دے۔^(۱)

۱۱. بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں^(۲) اور قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

۱۲. جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصے سے پھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔^(۳)

۱۳. اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں مشکلیں کس کر پھینک دیے جائیں گے تو وہاں اپنے لیے موت ہی موت پکاریں گے۔

۱۴. (ان سے کہا جائے گا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی اموات کو پکارو۔^(۴)

۱۵. آپ کہہ دیجیے کہ کیا یہ بہتر ہے^(۵) یا وہ بے شکلی والی

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝

إِذَا رَأَوْهُم مِّنْ مَّكَانٍ يَبْعِدُ سَمِعُوا لَهَا نَغِيظًا وَزَفِيرًا ۝

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝

قُلْ أَذْكَاءٌ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعدَ

۱. یعنی یہ آپ کے لیے جو مطالبے کرتے ہیں، اللہ کے لیے ان کا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو ان سے بہتر باغات اور محلات دنیا میں آپ کو عطا کر سکتا ہے جو ان کے دماغوں میں ہیں۔ لیکن ان کے مطالبے تو تکذیب و عناد کے طور پر ہیں نہ کہ طلب ہدایت اور تلاش نجات کے لیے۔

۲. قیامت کا یہ جھٹلانا ہی تکذیب رسالت کا بھی باعث ہے۔

۳. یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدان محشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن غضب میں لینے کے لیے چلائے گی اور جھنجھلائے گی، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَعَ الْوَالِهَاتِ فَسَمِعُوا نَغِيظًا وَهِيَ تَفُورُ﴾ (الملک: ۸-۷) (جب جہنمی جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوش غضب سے اچھلتی ہوگی، ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی)۔ جہنم کا دیکھنا اور چلانا، ایک حقیقت ہے، استعارہ نہیں۔ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک کی قوت پیدا کر دینا مشکل نہیں ہے، جو وہ چاہے کر سکتا ہے۔ آخر قوت گویائی بھی تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا اور وہ ﴿هَلْ مِنْ عِزِّينَ﴾ کی صدا بلند کرے گی۔ (ق: ۳۰)

۴. یعنی جہنمی جب جہنم کے عذاب سے تنگ آکر آرزو کریں گے کہ کاش انہیں موت آجائے، وہ فناء کے گھاٹ اتر جائیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت نہیں کئی موتوں کو پکارو۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمہاری قسمت میں ہمیشہ کے لیے انواع و اقسام کے عذاب ہیں یعنی موتیں ہی موتیں ہیں، تم کہاں تک موت کا مطالبہ کرو گے۔

۵. ”یہ“ اشارہ ہے جہنم کے مذکورہ غذاؤں کی طرف، جن میں جہنمی جیلر بند ہو کر مبتلا ہوں گے۔ کہ یہ بہتر ہے جو کفر

جنت جس کا وعدہ پر ہیز گاروں سے کیا گیا ہے، جو ان کا بدلہ ہے اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے۔

۱۶. وہ جو چاہیں گے ان کے لیے وہاں موجود ہوگا، ہمیشہ رہنے والے۔ یہ تو آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل طلب ہے۔^(۱)

۱۷. اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے، انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟^(۲)

۱۸. وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے^(۳) بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے،

الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءٌ وَاصِبَةٌ ﴿۱۶﴾

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُورًا ﴿۱۷﴾

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ يُقُولُونَ إِنَّمَا أَضَلَّتْهُمُ عِبَادَتِي هَؤُلَاءِ أَمْرُهُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۸﴾

قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يُنْبِئُ كُنَّا إِنَّا نَتَّخِذُ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُودًا ﴿۱۹﴾

وشرک کا بدلہ ہے یا وہ جنت، جس کا وعدہ متقین سے ان کے تقویٰ و اطاعت الہی پر کیا گیا ہے۔ یہ سوال جہنم میں کیا جائے گا لیکن اسے یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ شاید جہنمیوں کے اس انجام سے عبرت پکڑ کر لوگ تقویٰ و اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں اور اس انجام بد سے بچ جائیں، جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے۔

۱. یعنی ایسا وعدہ، جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، جیسے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنے ذمے یہ وعدہ واجب کر لیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لیے اس حسن جزاء کو اپنے لیے ضروری قرار دے لیا ہے۔

۲. دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ ان میں ہمدادات (پتھر، لکڑی اور دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی صورتیں) بھی ہیں، جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں مثلاً حضرت عزیر، حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے۔ اسی طرح فرشتے اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیر عاقل ہمدادات کو بھی شعور و ادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا۔ اور ان سب معبودوں سے پوچھے گا کہ بتلاؤ تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمہاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے تھے؟

۳. یعنی جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کے بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔^(۱)

۱۹. تو انہوں نے تو تمہیں تمہاری تمام باتوں میں جھٹلایا، اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد کرنے کی،^(۲) تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے^(۳) ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔

۲۰. اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے^(۴) اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے^(۵) اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنادیا۔^(۶) کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔^(۷)

فَقَدْ كَذَّبُوا بِمَا تَقُولُونَ مَا سَيُطِيعُونَ
صَوْرًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِمُ مِنْكُمْ نُذِقْهُ
عَذَابًا كَبِيرًا ۝

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ
لَيَكُونَنَّ الظَّالِمُونَ يَبْشُرُونَ فِي الْأَسْوَاقِ
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً
أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝

۱. یہ شرک کی علت ہے کہ دنیا کے مال واسباب کی فراوانی نے انہیں تیری یاد سے غافل کر دیا اور ہلاکت و تباہی ان کا مقدر بن گئی۔

۲. یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو مشرکین سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم جن کو اپنا معبود گمان کرتے تھے، انہوں نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے تم سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ گویا جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے، وہ مددگار ثابت نہیں ہوئے۔ اب کیا تمہارے اندر یہ طاقت ہے کہ تم میرے عذاب کو خود سے پھیر سکو اور اپنی مدد کر سکو؟

۳. ظلم سے مراد وہی شرک ہے، جیسا کہ سیاق سے بھی واضح ہے اور قرآن میں دوسرے مقام پر شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

۴. یعنی وہ انسان تھے اور غذا کے محتاج۔

۵. یعنی رزق حلال کی فراہمی کے لیے کسب و تجارت بھی کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزیں منصب نبوت کے منافی نہیں، جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

۶. یعنی ہم نے ان انبیاء کی اور ان کے ذریعے سے ان پر ایمان لانے والوں کی بھی آزمائش کی، تاکہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے، جنہوں نے آزمائش میں صبر کا دامن پکڑے رکھا وہ کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔ اسی لیے آگے فرمایا ”کیا تم صبر کرو گے؟“

۷. یعنی وہ جانتا ہے کہ وحی و رسالت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حَيُّ لَا يَمُوتُ﴾ (الأنعام: ۱۶۴) حدیث میں بھی آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ بادشاہ نبی بنوں یا بندہ رسول؟ میں نے بندہ رسول بننا پسند کیا۔ (ابن کثیر)

۲۱. اور جنہیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟^(۱) یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟^(۲) ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کر لی ہے۔^(۳)

۲۲. جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن ان گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی^(۴) اور کہیں گے یہ محروم ہی محروم کیے گئے۔^(۵)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا
أَنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِيكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا
فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا^(۱)

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِيْنَ
وَيَقُولُوْنَ حٰجِرًا مَّحْجُوْرًا^(۲)

۱. یعنی کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کے بجائے، کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتے بھی نازل ہوتے، جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ اس بشر رسول کی تصدیق کرتے۔

۲. یعنی رب آکر ہمیں کہتا کہ محمد (ﷺ) میرا رسول ہے اور اس پر ایمان لانا تمہارے لیے ضروری ہے۔

۳. اسی استکبار اور سرکشی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبے کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشا کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ایمان بالغیب کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا ہے۔ اگر وہ فرشتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے اتار دے یا آپ خود زمین پر نزول فرمالمے تو اس کے بعد ان کی آزمائش کا پہلو ہی ختم ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسا کام کیوں کر کر سکتا ہے جو اس کی حکمت تخلیق اور مشیت تکوین کے خلاف ہے؟

۴. اس دن سے مراد موت کا دن ہے یعنی یہ کافر فرشتوں کو دیکھنے کی آرزو تو کرتے ہیں لیکن موت کے وقت جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشی اور مسرت نہیں ہوگی، اس لیے کہ فرشتے انہیں اس موقع پر عذاب جہنم کی وعید سناتے ہیں اور کہتے ہیں اے خبیث روح خبیث جسم سے نکل! جس سے روح دوڑتی اور بھاگتی ہے، جس پر فرشتے اسے مارتے اور کوٹتے ہیں جیسا کہ سورۃ الأنعام: ۹۳، سورۃ الأنفال: ۵۰ میں ہے۔ اس کے برعکس مومن کا حال وقت اختصار (جان کنی کے وقت) یہ ہوتا ہے کہ فرشتے اسے جنت اور اس کی نعمتوں کی نوید جاں فرماتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ حم السجدة ۳۰-۳۲ میں ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ (فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں، اے پاک روح، جو پاک جسم میں تھی، نکل! اور ایسی جگہ چل جہاں اللہ کی نعمتیں ہیں اور وہ رب ہے جو تجھ سے راضی ہے)۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مسند أحمد: ۳۶۲/۲-۳۶۵، ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں ہی قول صحیح ہیں۔ اس لیے کہ دونوں ہی دن ایسے ہیں کہ فرشتے مومن اور کافر دونوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ مومنوں کو رحمت و رضوان الہی کی خوش خبری اور کافروں کو ہلاکت و خسران کی خبر دیتے ہیں۔

۵. حَجَر کے اصل معنی ہیں منع کرنا، روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا صغر سنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِي عَلَىٰ فُلَانٍ قَاضِي نے فلاں کو تصرف

۲۳۔ اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پرانگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔^(۱)

۲۴۔ البتہ اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ ہوگی۔^(۲)

۲۵۔ اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا^(۳) اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے۔

وَقَدْ مَنَّ الْإِلَهُ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا بِحَبْلِهِ فَقَالَ هَبْأَمْثَلُ مَا تَنْتَوُونَ^(۱)

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا^(۲)

وَيَوْمَ تَشْقَى السَّمَاءُ بِالسَّاعِدِ وَالْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا^(۳)

کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت، اس کے بیرونی حصے سے گزرنا چاہیے جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ اور عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عقل بھی انسانوں کو ایسے کاموں سے روکتی ہے جو انسان کے لائق نہیں ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے کافروں کو کہتے ہیں کہ تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی خوش خبری متقین کو دی جاتی ہے۔ یعنی یہ حَرَامًا مَحْرَمًا عَلَیْكُمْ کے معنی میں ہے۔ آج جنت الفردوس اور اس کی نعمتیں تم پر حرام ہیں، اس کے مستحق صرف اہل ایمان و تقویٰ ہوں گے۔

۱۔ هَبْأَمْثَلُ ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انہیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت کے دن ان ہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ایمان و اخلاص سے بھی خالی ہوں گے اور موافقت شریعت سے بھی عاری۔ جب کہ عند اللہ قبولیت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ ایمان و اخلاص بھی اور شریعت اسلامیہ کی مطابقت بھی۔ یہاں کافروں کے اعمال کو جس طرح بے حیثیت ذروں کے مثل کہا گیا ہے، اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف پکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری تمثیلات پہلے گزر چکی ہیں ملاحظہ ہو سورة البقرة: ۲۴۳، سورة ابراہیم: ۱۸، اور سورة النور: ۳۹۔

۲۔ بعض نے اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے قیامت کا یہ ہولناک دن اتنا مختصر اور ان کا حساب اتنا آسان ہوگا کہ قبولے کے وقت تک یہ فارغ ہو جائیں گے اور جنت میں یہ اپنے اہل خاندان اور حور عین کے ساتھ دوپہر کو استراحت فرما ہوں گے، جس طرح حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے یہ دن اتنا ہلکا ہوگا کہ جتنے میں دنیا میں ایک فرض نماز ادا کر لینا۔ (مسند احمد ۷/۴)

۳۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سایہ قَلَنْ ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں، میدان محشر میں، جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی، حساب کتاب کے لیے جلوہ فرما ہوگا، جیسا کہ سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۰ سے بھی واضح ہے۔

الْمَلَكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝

وَيَوْمَ يَعْصُ الْقُلُوبُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي
اِتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝

يَوْمَئِذٍ لَيْسَ لَكَ لِيَتَنَوَّى لَمْ اَتَّخِذْ فَلَا تَاخِلْ لَكَ ۝

لَقَدْ اَصْلَحْنِي عَنْ الَّذِي كُنتُ عَادِ جَانًّا ۚ وَكَانَ
الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا
الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ
وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝

۲۶۔ اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمن کا ہی ہو گا اور
یہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا۔

۲۷۔ اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا کر کھے گا
ہائے کاش کہ میں نے رسول (ﷺ) کی راہ اختیار کی ہوتی۔

۲۸۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ
بنایا ہوتا۔^(۱)

۲۹۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت
میرے پاس آپہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر)
دغا دینے والا ہے۔

۳۰۔ اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بیشک
میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔^(۲)

۳۱۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہ گاروں
کو بنا دیا ہے۔^(۳) اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد
کرنے والا کافی ہے۔^(۴)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہیے، اس لیے کہ صحبت صالح سے انسان
اچھا اور صحبت طالح سے انسان برا بنتا ہے۔ اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرنا
ہی ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید اور بری صحبت سے اجتناب کو ایک بہترین مثال سے واضح

کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحین۔)

۲۔ مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور کرتے تاکہ قرآن نہ سنا جاسکے، یہ بھی ہجران ہے، اس پر ایمان نہ
لانا اور عمل نہ کرنا بھی ہجران ہے، اس پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی
ہجران ہے۔ اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا، یہ بھی ہجران ہے یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا
ہے، جس کے خلاف قیامت کے دن اللہ کے پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر فرمائیں گے۔

۳۔ یعنی جس طرح اے محمد! (ﷺ) تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح
گزشتہ امتوں میں بھی تھا، یعنی ہر نبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو گناہ گار تھے، وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے
تھے سورۃ الانعام، آیت: ۱۱۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ یعنی یہ کافر گو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں لیکن تیرا رب جس کو ہدایت دے، اس کو ہدایت سے کون

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ نَزَّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ
جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ
وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝

وَلَا يَتُوبُ عَلَيْكَ بِشْرُ الْإِجْنُونِ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ
تَقْصِيرًا ۝

الَّذِينَ يَحْمُرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ
شَرُّ مَكَانٍ ۚ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ
وَزِيرًا ۝

فَقُلْنَا لَهُمَا كُنَّا بِنُورٍ أَلَمَّا كُنَّا بِنُورٍ أَلَمَّا كُنَّا بِنُورٍ
فَدَنَّا لَهُمَا تَدْوِيرًا ۝

وَقَوْمُ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَا سُلَكًا
لَهُمْ ۚ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

۳۲۔ اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارا کا سارا ایک
ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا ^(۱) اسی طرح ہم نے (تھوڑا تھوڑا
کر کے) اتارا تاکہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں، اور
ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سنایا ہے۔ ^(۲)

۳۳۔ اور یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس
کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتادیں گے۔ ^(۳)

۳۴۔ جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں
گے۔ وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں۔

۳۵۔ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور ان
کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو ان کا وزیر بنادیا۔

۳۶۔ اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو
ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں بالکل
ہی پامال کر دیا۔

۳۷۔ اور قوم نوح (علیہ السلام) نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا
کہا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے انہیں

روک سکتا ہے؟ اصل ہادی اور مددگار تو تیرا رب ہی ہے۔

۱۔ جس طرح تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کتابیں بیک مرتبہ نازل ہوئیں۔

۲۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے حالات و ضروریات کے مطابق اس قرآن کو ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا
تاکہ اسے پیغمبر ﷺ تیرا اور اہل ایمان کا دل مضبوط ہو اور ان کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح دوسرے مقام
پر فرمایا ﴿وَقُلْنَا فَرِّقْنَاهُ لِنَعْلَمَ عَلَى الْكَافِرِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۶) (اور قرآن، اس کو ہم نے جدا جدا کیا، تاکہ
تو اسے لوگوں پر رک رک کر پڑھے اور ہم نے اس کو وقفے وقفے سے اتارا) اس قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے۔
بارش جب بھی نازل ہوتی ہے، مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش
وقتاً فوقتاً نازل ہو، نہ کہ ایک ہی مرتبہ ساری بارش کے نزول سے۔

۳۔ یہ قرآن کے وقفے وقفے سے اتارے جانے کی حکمت و علت بیان کی جارہی ہے کہ یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال
یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یا وضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انہیں
لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

نشان عبرت بنادیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

۳۸۔ اور عادیوں اور شہودیوں اور کنوئیں والوں کو^(۱) اور ان کے درمیان کی بہت سی امتوں کو^(۲) (ہلاک کر دیا)۔
۳۹۔ اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں بیان کیں^(۳) پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا۔^(۴)

۴۰۔ اور یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جن پر بری طرح کی بارش برسائی گئی۔^(۵) کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں مر کر جی اٹھنے کی امید ہی نہیں۔^(۶)

۴۱۔ اور تمہیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن کرنے لگتے ہیں۔ کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔^(۷)

وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيِّنَ
ذَلِكَ كَثِيرًا ﴿۳۸﴾

وَكُلًّا ضَرَبْنَاهُ الْأُمَمَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿۳۹﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا عَلَى الْفَرِثَةِ الْغِيَّ الْمَطْرَ الْمَهِشَ
أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنها بَلْ كَانُوا لَا يَتَّخِذُونَ
نُشُورًا ﴿۴۰﴾

وَإِذَا رَأَوْا كُنُوزَنا يَتَّبِعُونَ وَالْآهَرُونَ أَهَذَا الَّذِي
بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿۴۱﴾

۱۔ رَسِّ کے معنی کنوئیں کے ہیں أَصْحَابُ الرَّسِّ، کنوئیں والے۔ اس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں کا ذکر سورۃ البروج میں ہے۔ (ابن کثیر)

۲۔ قَرْنُ کے صحیح معنی ہیں، ہم عصر لوگوں کا ایک گروہ۔ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسری نسل دوسرا قرن کہلائے گی۔ (ابن کثیر)، اس معنی میں ہر نبی کی امت بھی ایک قرن ہو سکتی ہے۔

۳۔ یعنی دلائل کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی۔

۴۔ یعنی اتمام حجت کے بعد۔

۵۔ بستی سے، قوم لوط کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہا مراد ہیں اور بری بارش سے پتھروں کی بارش مراد ہے۔ ان بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا اور اس کے بعد ان پر کنکر پتھروں کی بارش کی گئی تھی جیسا کہ سورۃ ہود: ۸۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بستیاں شام و فلسطین کے راستے میں پڑتی ہیں، جن سے گزر کر ہی اہل مکہ آتے جاتے تھے۔

۶۔ اس لیے ان تباہ شدہ بستیوں اور ان کے کھنڈرات دیکھنے کے باوجود عبرت نہیں پکڑتے۔ اور آیات الہی اور اللہ کے رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے۔

۷۔ دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ﴿أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْكَلُ﴾ (الانبیاء: ۳۶) (کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟) یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان

إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَيْتَالِ لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۱۹﴾

أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ إِذَا نَزَّاتُكَوْنُ عَلَيْهِ وَكَيْدًا ﴿۲۰﴾

أَمْ يَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۲۱﴾

۴۲. اگر ہم اپنے عقیدے پر جتنے نہ ہوتے تو وہ ہمیں ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیے ہوتے۔^(۱) اور یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو انہیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے بھٹکا ہوا کون تھا؟^(۲)

۴۳. کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟^(۳)

۴۴. کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔^(۴)

کے معبودوں کی توہین تھی، جیسے آج بھی قبر پرستوں کو کہا جائے کہ قبروں میں مدفون بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، تو کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔

۱. یعنی ہم ہی اپنے آباء و اجداد کی تقلید اور روایتی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں آئے ورنہ اس پیغمبر ﷺ نے تو ہمیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا کہ کس طرح وہ شرک پر جتنے ہوئے ہیں کہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔

۲. یعنی اس دنیا میں تو ان مشرکین اور غیر اللہ کے پجاریوں کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں لیکن جب یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے اور وہاں انہیں شرک کی وجہ سے عذاب الہی سے دوچار ہونا پڑے گا تو پتہ لگے گا کہ گمراہ کون تھا؟ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے یا در پر اپنی جبینیں جھکانے والے؟

۳. یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی، اسی کو اپنا دین و مذہب بنالیا، کیا ایسے شخص کو تو راہ یاب کر سکتا ہے یا اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ”کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا، پس وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ یاب۔ پس تو ان پر حسرت و افسوس نہ کر۔“ (فاطر: ۸۰)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں آدمی ایک عرصے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا، جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آجاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا۔ (ابن کثیر)، مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص، جو عقل و فہم سے اس طرح عاری اور محض خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ اسے پیغمبر کیا تو ان کو ہدایت کے راستے پر لگا سکتا ہے؟ یعنی نہیں لگا سکتا۔

۴. یعنی یہ چوپائے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اسے وہ سمجھتے ہیں۔ لیکن انسان، جسے صرف ایک اللہ کی عبادت

۴۵. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟^(۱) اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا۔^(۲) پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا۔^(۳)

۴۶. پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔^(۴)
۴۷. اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ بنایا^(۵) اور نیند کو راحت بنائی^(۶) اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت۔^(۷)

۴۸. اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی

الَّذِي رَزَقْنَاكَ مِنْ غَيْرِ الْمَآءِ وَالْظَّلَّةُ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَائِبًا تَمُّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿١﴾

لَمْ يَصْنَعِ الْبَنَّا قِصًّا كَبِيرًا ﴿٢﴾
وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِأَسَآءِ النَّوْمِ سُبَاتًا
وَجَعَلَ النَّهَارَ سُبُورًا ﴿٣﴾

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَنِي يَدَىٰ
رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤﴾

کے لیے پیدا کیا گیا تھا، وہ رسولوں کی یاد دہانی کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا اور در پر اپنا ماتھا ٹیکتا پھرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ یقیناً چوپائے سے بھی زیادہ بدتر اور گمراہ ہے۔

۱۔ یہاں سے پھر توحید کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کس طرح سایہ پھیلا دیا ہے، جو صبح صادق کے بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، دھوپ کے ساتھ یہ سمٹا اور سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

۲۔ یعنی ہمیشہ سایہ ہی رہتا، سورج کی دھوپ سائے کو ختم ہی نہ کرتی۔

۳۔ یعنی دھوپ سے ہی سائے کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا، تو سائے سے بھی لوگ متعارف نہ ہوتے۔

۴۔ یعنی وہ سایہ آہستہ آہستہ ہم اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس کی جگہ رات کا گیمبر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

۵۔ یعنی لباس، جس طرح لباس انسانی ڈھانچے کو چھپا لیتا ہے، اسی طرح رات تمہیں اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔

۶۔ سبات کے معنی کاٹنے کے ہوتے ہیں۔ نیند انسان کے جسم کو عمل سے کاٹ دیتی ہے، جس سے اس کو راحت میسر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک سبات کے معنی تمدد پھینکے کے ہیں۔ نیند میں بھی انسان دراز ہو جاتا ہے، اس لیے اسے سبات کہل۔ (البر القاییر دفع القدر)

۷۔ یعنی نیند، جو موت کی بہن ہے، دن کو انسان اس نیند سے بیدار ہو کر کاروبار اور تجارت کے لیے پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ صبح بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ» (رواہ البخاری ومشکوٰۃ، کتاب الدعوات) (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے)۔

برساتے ہیں۔^(۱)

۴۹. تاکہ اس کے ذریعے سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں۔

۵۰. اور بیشک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کیا^(۲) تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں۔^(۳)

۵۱. اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔^(۴)

۵۲. پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔^(۵)

لِنُجِیَ بِهِ بَلَدًا مَّيْتًا وَنُسْقِیَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا
وَأَنبَاءً كَثِيرًا ۝

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ
إِلَّا كُفُورًا ۝

وَلَوْ شَاءَ لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ تَذَكُّيرًا ۝

فَلَا ظِلْمَ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ
جِهَادًا كَبِيرًا ۝

۱. طَهُورٌ (بَفَتْحِ الطَّاءِ) فعول کے وزن پر آلے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ جیسے وضو کے پانی کو وضو اور لہندھن کو وقود کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طاہر (خود بھی پاک) اور مطہر (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے «إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» (ابو داود، الترمذی: ۶۲، النسائی وابن ماجہ وصححه الألبانی فی السنن) (پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی) ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔ کما فی الحدیث۔

۲. یعنی قرآن کریم کو۔ اور بعض نے صَرَّفْنَاهُ میں ھا کا مرجع بارش قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں یعنی کبھی ایک علاقے میں، کبھی دوسرے علاقے میں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ہی شہر کے ایک حصے میں بارش ہوتی ہے، دوسروں میں نہیں ہوتی اور کبھی دوسرے حصوں میں ہوتی ہے، پہلے حصے میں نہیں ہوتی یہ اللہ کی حکمت و مشیت ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، کہیں بارش برساتا ہے اور کہیں نہیں اور کبھی کسی علاقے میں اور کبھی کسی اور علاقے میں۔

۳. اور ایک کفر اور ناشکری یہ بھی ہے کہ بارش کو مشیت الہی کے بجائے ستاروں کی گردش کا نتیجہ قرار دیا جائے، جیسا کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے، کَمَا فِي الْحَدِيثِ۔

۴. لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بستیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

۵. جَاهِدْهُمْ بِهِ میں ھا کا مرجع قرآن ہے یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں، یہ آیت مکی ہے، ابھی جہاد کا حکم نہیں ملا تھا۔ اس لیے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے اوامر و نواہی کھول کھول کر بیان کریں اور اہل کفر کے لیے جو زجر و توبیخ اور وعیدیں ہیں، وہ واضح کریں۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا
مِلْحٌ أجاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا حَجَرًا مَّحْجُورًا ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے
ہیں، یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا،^(۱)
اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ
کردی۔^(۲)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا جَعَلَهُ نَسَبًا
وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر
اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔^(۳) بلاشبہ

۱۔ آبِ ثیریں کو فرات کہتے ہیں، فُرَات کے معنی ہیں کاٹ دینا، توڑ دینا، میٹھا پانی پیاس کو کاٹ دیتا ہے یعنی ختم کر دیتا
ہے۔ اُجاج سخت کھاری یا کڑوا۔

۲۔ جو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔ بعض نے حَجَرًا مَّحْجُورًا کے معنی کیے ہیں حَرَامًا مُحَرَّمًا، ان پر حرام
کر دیا گیا ہے کہ میٹھا پانی کھاری یا کھاری پانی میٹھا ہو جائے۔ اور بعض مفسرین نے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کا ترجمہ کیا ہے، خَلَقَ
الْمَاءَيْنِ، دو پانی پیدا کیے، ایک میٹھا اور دوسرا کھاری۔ میٹھا پانی تو وہ ہے جو نہروں، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں
آبادیوں کے درمیان پایا جاتا ہے جس کو انسان اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور کھاری پانی وہ ہے جو مشرق
و مغرب میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندروں میں ہے، جو کہتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ ہیں اور ایک چوتھائی
حصہ خشکی کا ہے جس میں انسانوں اور حیوانوں کا بسیرا ہے۔ یہ سمندر ساکن ہیں۔ البتہ ان میں مدو جزر ہوتا رہتا اور
موجوں کا تلاطم جاری رہتا ہے۔ سمندری پانی کے کھاری رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ میٹھا پانی زیادہ دیر تک
کہیں ٹھہرا رہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے، اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ کھاری پانی خراب نہیں ہوتا،
نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے نہ رنگ اور بو۔ اگر ان ساکن سمندروں کا پانی بھی میٹھا ہوتا، تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، جس
سے انسانوں اور حیوانوں کا زمین میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس میں مرنے والے جانوروں کی سڑاند اس پر مستزاد۔ اللہ
کی حکمت تو یہ ہے کہ ہزاروں برس سے یہ سمندر موجود ہیں اور ان میں ہزاروں جانور مرتے ہیں اور انہی میں گل
سڑ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ نے ان میں ملاحیت (نمکیات) کی اتنی مقدار رکھ دی ہے کہ وہ اس کے پانی میں ذرا بھی بدبو پیدا
نہیں ہونے دیتی۔ ان سے اٹھنے والی ہوائیں بھی صحیح ہیں اور ان کا پانی بھی پاک ہے حتیٰ کہ ان کا مردار بھی حلال ہے،
كما في الحديث۔ (موطأ إمام مالك، ابن ماجه، أبو داود، الترمذی، كتاب الطهارة، النسائي، كتاب المياه، تفسير ابن كثير)۔

۳۔ نسب سے مراد وہ رشتے داریاں ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں اور صہر سے مراد وہ قرابت داری ہے جو
شادی کے بعد بیوی کی طرف سے ہو، جس کو ہماری زبان میں سسرالی رشتے کہا جاتا ہے۔ ان دونوں رشتے داریوں کی
تفصیل آیت ﴿حُوتٌ عَلَيْكُمْ﴾ (النساء: ۲۳) اور ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَهَ آبَاؤُكُمْ﴾ (النساء: ۲۲) میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور رضاعی
رشتے داریاں حدیث کی رو سے نبی رشتوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ﴾

آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔

۵۵. اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو انہیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں، اور کافر تو ہے ہی اپنے رب کے خلاف (شیطان کی) مدد کرنے والا۔

۵۶. اور ہم نے آپ کو خوشخبری اور ڈر سنانے والا (نبی) بنا کر بھیجا ہے۔

۵۷. کہہ دیجیے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے۔^(۱)

۵۸. اور اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔

۵۹. وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں پیدا کر دیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رحمٰن ہے، آپ اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھ لیں۔

۶۰. اور ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمٰن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے رہا ہے اور اس (تبلیغ) نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا۔^(۲)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝

وَأَكْسَدْنَاكَ الْإِمْبِيرَ أَوْ نَذِيرًا ۝

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۝ وَكَفَىٰ بِهِ بَذْنُكَ عَذَابًا حَقِيرًا ۝

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَسَلِّ بِحَمْدِهِ ۝

وَإِذْ أَقْبَلُ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَعْبُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝

۱۰۱

۱. یعنی یہی میرا اجر ہے کہ رب کا راستہ اختیار کر لو۔

۲. رَحْمَنُ، رَحِيمُ اللہ کی صفات اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں لیکن اہل جاہلیت، اللہ کو ان ناموں سے نہیں پہچانتے تھے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ نے معاہدے کے آغاز پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوایا، تو مشرکین مکہ نے کہا، ہم رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔ (سیرت ابن ہشام ۴/۳۱۵) مزید دیکھیے سورہ

تَذَكَّرَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا
وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۝

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الْكِبْلَ وَاللَّهُمَّا خُلْفَةً لِّبَنِّ آدَمَ
أَنْ يَذْكُرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۝

۶۱. بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے^(۱) اور
اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی۔

۶۲. اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے
پیچھے آنے جانے والا بنایا^(۲) اس شخص کی نصیحت کے
لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا
ارادہ رکھتا ہو۔

۶۳. اور رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر
فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان
سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ
سلام ہے۔^(۳)

۶۴. اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے
ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں۔

۶۵. اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار!
ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ، کیونکہ اس

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا
وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝

وَالَّذِينَ يَسْتَعِينُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ
جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝

بنی اسرائیل: ۱۱۰، الرعد: ۳۰، یہاں بھی ان کا رحمٰن کے نام سے بدکنے اور سجدہ کرنے سے گریز کرنے کا ذکر ہے۔

۱. بُرُوجُ بُرُوج کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لیے گئے ہیں۔ اور اسی مراد پر کلام کا
نظم واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے۔ بعد کے مفسرین
نے اس سے اہل نجوم کے ”اصطلاحی بروج“ مراد لے لیے۔ اور یہ بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ،
میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اور یہ برج سات بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں۔ جن کے نام ہیں۔ مریخ،
زہرہ، عطارد، قمر، شمس، مشتری اور زحل۔ یہ کواکب (سیارے) ان برجوں میں اس طرح اترتے ہیں، جیسے یہ ان کے
لیے عالی شان محل ہیں۔ (البر النقاہ)

۲. یعنی رات جاتی ہے تو دن آجاتا ہے اور دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے
فوائد ومصالح محتاج وضاحت نہیں۔ بعض نے خِلْفَةً کے معنی ایک دوسرے کے مخالف کے کیے ہیں یعنی رات تاریک
ہے تو دن روشن۔

۳. سلام سے مراد یہاں اعراض اور ترک بحث و مجادلہ ہے۔ یعنی اہل ایمان، اہل جہالت و اہل سفاہت سے الجھتے نہیں ہیں
بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض و گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔

کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔^(۱)

۶۶. بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔

۶۷. اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں۔^(۲)

۶۸. اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے،^(۳) نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں^(۴) اور جو کوئی یہ کام کرے وہ

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۶۶﴾

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا
وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا
يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ
وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿۶۸﴾

۱. اس سے معلوم ہوا کہ رحمن کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آجائیں، اس لیے وہ عذاب جہنم سے بھی پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مواخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادت و طاعت الہی پر کسی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَةً إِنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَاجِعُونَ﴾ (المؤمنون: ۶۰) (اور وہ لوگ کہ جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔ ڈر صرف اسی بات کا نہیں کہ انہیں بارگاہ الہی میں حاضر ہونا ہے، بلکہ اس کے ساتھ اس کا بھی کہ ان کا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں آیت کی تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔ (الترمذی، کتاب التفسیر، سورة المؤمنون)

۲. اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف اور اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا بخیلی اور اللہ کے احکام و اطاعت کے مطابق خرچ کرنا قوام ہے (فتح القدیر)۔ اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آسکتا ہے، اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔

۳. اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں، اسلام کے بعد کوئی دوبارہ کفر اختیار کرے، جسے ارتداد کہتے ہیں، یا شادی شدہ ہو کر بدکاری کا ارتکاب کرے یا کسی کو قتل کر دے۔ ان صورتوں میں قتل کیا جائے گا۔

۴. حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کہ تو

اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔

۶۹۔ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔

۷۰۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں،^(۱) ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے،^(۲) اور اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

يُضَعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَصْلُدُ فِيهِ مُهْلَكًا ۝

الْأَمَنُ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے درآں حالیکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے کہا، اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا، اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی، اس نے پوچھا، پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة البقرة ومسلم، کتاب الإيمان، باب کون الشریک اقبح الذنوب)

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ اور سورہ نساء کی آیت ۹۳ میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے، تو وہ اس صورت پر محمول ہوگی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کیے ہی فوت ہو گیا ہو۔ ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمی کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبة)

۲۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حال تبدیل فرما دیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا، اب نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کرتا تھا، اب صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا، اب مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں اس شخص کو جانتا ہوں، جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہوگا۔ یہ وہ آدمی ہوگا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، بڑے گناہ ایک طرف رکھ دیے جائیں گے۔ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار کی اسے طاقت نہ ہوگی، علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہوگا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے۔ کہ اتنے میں اس سے کہا جائے گا کہ جا، تیرے لیے ہر برائی کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مہربانی دیکھ کر وہ کہے گا، کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ میں انہیں یہاں نہیں دیکھ رہا، یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہو گئے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها)

۷۱۔ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو (حقیقتاً) اللہ تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔^(۱)

۷۲۔ اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے^(۲) اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔^(۳)

۷۳۔ اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔^(۴)

۷۴۔ اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما^(۵) اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔^(۶)

۷۵۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالاخانے دیے جائیں گے جہاں انہیں دعا سلام پہنچایا جائے گا۔

۷۶۔ اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْ لَنَا مَمْتَرِينَ ۝

أُولَٰئِكَ يَجْزُونَ الْعُقُوبَةَ بِصَابِرٍ وَابِلَقُونَ فِيهَا حَيَّةً وَسَلَمًا ۝

خَالِدِينَ فِيهَا أَحْسَنَتْ مَسَافِرًا أَوْ مَعَامِلًا ۝

۱۔ پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے۔ اس توبہ کا تعلق دیگر معاصی اور کوتاہیوں سے ہے۔

۲۔ زُور کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ہر باطل چیز بھی جھوٹ ہے، اس لیے جھوٹی گواہی سے لے کر کفر و شرک اور ہر طرح کی غلط چیزیں مثلاً لہو و لعب، گانا اور دیگر بیہودہ جاہلانہ رسوم و افعال، سب اس میں شامل ہیں اور عباد الرحمن کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ کسی بھی جھوٹ میں اور جھوٹ کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

۳۔ لَغْوٌ ہر وہ بات اور کام ہے، جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ایسے کاموں اور باتوں میں بھی وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔

۴۔ یعنی وہ ان سے اعراض و غفلت نہیں برتتے، جیسے وہ بہرے ہوں کہ سین ہی نہیں یا اندھے ہوں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے اور انہیں آویزہ گوش اور حرز جان بناتے ہیں۔

۵۔ یعنی انہیں اپنا بھی فرماں بردار بنا اور ہمارا بھی اطاعت گزار، جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

۶۔ یعنی ایسا اچھا نمونہ کہ خیر میں وہ ہماری اقتداء کریں۔

قُلْ مَا يَعْبُدُ إِلَهُكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ وَسُوفَ يَكُونُ لِرَبِّكُمْ

۷۷. کہہ دیجیے اگر تمہاری دعا التجا (پکارنا) نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری مطلق پرواہ نہ کرتا، ^(۱) تم تو جھٹلا چکے اب عنقریب اس کی سزا تمہیں چٹ جانے والی ہوگی۔ ^(۲)

۱. دعا والتجا کا مطلب اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت ہے، اگر یہ نہ ہو تو اللہ کو تمہاری کوئی پرواہ نہ ہو۔ یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدر و قیمت اس کے اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ہے۔

۲. اس میں کافروں سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کو جھٹلادیا ہے سو اب اس کی سزا بھی لازماً تمہیں چکھنی ہے، چنانچہ دنیا میں یہ سزا بدر میں شکست کی صورت میں انہیں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔

سورہ شعراء کی ہے اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. طسّم۔

۲. یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں۔

۳. ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھودیں گے۔^(۱)

۴. اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جائیں۔^(۲)

۵. اور ان کے پاس رحمن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آئی یہ اس سے روگردانی کرنے والے بن گئے۔

۶. ان لوگوں نے جھٹلایا ہے، اب ان کے پاس جلدی سے اس کی خبریں آجائیں گی جس کے ساتھ یہ مسخر اپن کر رہے ہیں۔^(۳)

۷. کیا انہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں؟ کہ ہم نے اس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر

يَسْمِعُ ۝ وَاللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝

طسّم ۱

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝

لَإِنْ شَاءَ نَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۝

وَأَيُّ آيَتِهِمْ مِّنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ مُحَدِّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۝

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَهْلٌ مَّكَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَوْءٍ وَكُنُوزٍ ۝

۱. نبی ﷺ کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی بدلیت کے لیے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔

۲. یعنی جسے مانے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جبر کا پہلو شامل ہو جاتا، جب کہ ہم نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے۔ اس لیے ہم نے ایسی نشانی بھی اتارنے سے گریز کیا، جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیاء و رسل بھیجئے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

۳. یعنی تکذیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب عنقریب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا، جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزاء و مذاق کرتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے، جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں، بصورت دیگر آخرت میں تو اس سے کسی صورت چھٹکارا نہیں ہو گا۔ مَا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ نہیں کہا بلکہ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ کہا۔ کیوں کہ استہزاء ایک تو اعراض و تکذیب کو بھی مستلزم ہے۔ دوسرا یہ اعراض و تکذیب سے زیادہ بڑا جرم ہے۔ (فتح القدیر)

اگائے ہیں؟^(۱)

۸. بیشک اس میں یقیناً نشانی ہے^(۲) اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔^(۳)

۹. اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے۔^(۴)

۱۰. اور جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو آواز دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا۔^(۵)

۱۱. قوم فرعون کے پاس، کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔

۱۲. موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا (نہ) دیں۔

۱۳. اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے^(۶) میری زبان چل نہیں رہی^(۷) پس تو ہارون (علیہ السلام) کی طرف بھی (وجہ) بھیج۔^(۸)

إِنِّي فِي ذَلِكَ لَكَايَةٌ وَمَا كَانُوا لَهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَأَنَّ رَبَّكَ أَعْلَمُ الْغُيُوبِ ۝

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنَّ أَنتَ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

قَوْمٌ فَسَقُونَ أَفَلَا يَتَّقُونَ ۝

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝

وَيَضْحَكُ صَدْرِي وَلَا يَتَخَلَّىٰ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ

هَارُونَ ۝

۱. رُوح کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیے گئے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں یعنی انسان کے لیے بہتر اور فائدے مند ہیں جس طرح غلہ جات ہیں، پھل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔

۲. یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیزیں پیدا کر سکتا ہے، تو کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

۳. یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔

۴. یعنی ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے اس لیے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مہلت دیتا ہے اور اس کے بعد مواخذہ کرتا ہے۔

۵. یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس آرہے تھے، راستے میں انہیں حرارت حاصل کرنے کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کر دیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ ان کو سونپ دیا گیا۔

۶. اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف انبیاء کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

۷. یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زیادہ فصیح اللسان نہیں تھے۔ یا اس طرف کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی، جسے اہل تفسیر بیان کرتے ہیں۔

۸. یعنی ان کی طرف جبرائیل (علیہ السلام) کو وحی دے کر بھیج اور انہیں بھی وحی و نبوت سے سرفراز فرما کر میرا معاون بنا۔

وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَذَتْهُمُ الْيَقِينُ ﴿١٤﴾

قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبْ إِلَىٰ الْيَمِينِ ۖ إِنَّكَ مَعَهُمْ مُّسْمِعُونَ ﴿١٥﴾

فَأَنبَأَ فِرْعَوْنَ فَقَوْلًا ۖ إِنَّكَ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

إِنَّا أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا ۖ وَقَالَ لِرَبِّكَ فِينَا وَلَكِنَّا لَا نَبْتَلِيكَ فِينَا ۖ مَن عِندَكَ

سَيِّئٌ ﴿١٧﴾

۱۴۔ اور ان کا مجھ پر میرے ایک قصور کا (دعویٰ) بھی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں۔^(۱)

۱۵۔ جناب باری نے فرمایا: ہرگز ایسا نہ ہوگا، تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ^(۲) ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں۔^(۳)

۱۶۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔

۱۷۔ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔^(۴)

۱۸۔ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟^(۵) اور تو نے اپنی عمر کے

۱۔ یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا اور مقتول قبلی یعنی فرعون کی قوم سے تھا، اس لیے فرعون اس کے بدلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا، جس کی اطلاع پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ اس واقعے پر اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے، مگر فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود تھا کہ فرعون ان کو اس جرم میں پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے۔ اس لیے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام اس کو پہنچاؤ، تمہیں جو اندیشے لاحق ہیں ان سے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ آیات سے مراد وہ دلائل وبراہین ہیں جن سے ہر پیغمبر کو آگاہ کیا جاتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، جیسے ید بیضا اور عصا۔

۳۔ یعنی تم جو کچھ کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا، ہم سن رہے ہوں گے۔ اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہیں فریضہ رسالت سونپ کر تمہاری حفاظت سے بے پروا نہیں ہو جائیں گے۔ بلکہ ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ معیت کا مطلب مصاحبت نہیں، بلکہ نصرت و معاونت ہے۔

۴۔ یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انہیں شام کی سرزمین پر لے جاؤں، جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

۵۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کے بجائے، ان کی تحقیر و تنقیص کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا، جب کہ ہم بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے؟

بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟^(۱)

۱۹. اور پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں ہے۔^(۲)

۲۰. (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔^(۳)

۲۱. پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم و علم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا۔^(۴)

۲۲. اور مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے؟ جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔^(۵)

۲۳. فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟^(۶)
۲۴. (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔

وَفَعَلْتَ فَعَلْتَكَ الْيَقِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

قَالَ لَعَلَّهَا إِذَا أَنَا مِنَ الصَّالِينَ ۝

فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خَفَيتُكَ فَهَبْ لِي رَبِّي حُكْمًا
وَجْعَلْنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

وَلَيْكَ بِعَمَلِي تَعْمَهُمَا عَلَى أَنْ عِبَدْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّكُمْ لَمُوقِنِينَ ۝

۱. بعض کہتے ہیں کہ ۱۸ سال فرعون کے محل میں بسر کیے، بعض کے نزدیک ۳۰ اور بعض کے نزدیک چالیس سال۔ یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد، چند سال ادھر ادھر کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا ہے؟

۲. پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔

۳. یعنی یہ قتل ارادۂ نہیں تھا بلکہ ایک گھوسنہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا، جس سے اس کی موت ہی واقع ہو گئی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جب کہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔

۴. یعنی پہلے جو کچھ ہوا، اپنی جگہ، لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں، اگر میری اطاعت کرے گا تو بچ جائے گا، بصورت دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہوگی۔

۵. یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتا رہا ہے کہ مجھے تو یقیناً تو نے غلام نہیں بنایا اور آزاد چھوڑے رکھا لیکن میری پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس ظلم عظیم کے مقابلے میں اس احسان کی آخر حیثیت کیا ہے؟

۶. یہ اس نے بطور استہنام کے نہیں، بلکہ استکبار اور استنکار کے طور پر کہا، کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي﴾ (القصص: ۳۸) (میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود جانتا ہی نہیں)۔

قَالَ لَيْنَ حَوْلَهُ اَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۲۵﴾

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَائِكُمُ الْاَوَّلِينَ ﴿۲۶﴾

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمْ الَّذِي اَرْسَلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

قَالَ لَيْنَ اَتَخَذَتِ الْهٰغَرٰى اَكْحَلًا تَكْفُرُ مِنَ الْمَسْجُوْرِيْنَ ﴿۲۹﴾

قَالَ اَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِمِائَةِ مُبِينٍ ﴿۳۰﴾

قَالَ فَاَتِ يٰۤاِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

فَاَتَقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَعْبٰۤا۟ مُبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

۲۵۔ فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟^(۱)

۲۶۔ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔

۲۷۔ فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔

۲۸۔ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے،^(۲) اگر تم عقل رکھتے ہو۔

۲۹۔ فرعون کہنے لگا سن لے اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا۔^(۳)

۳۰۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں؟^(۴)

۳۱۔ فرعون نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر۔

۳۲۔ آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا (زبردست) اژدھا بن گئی۔^(۵)

۱۔ یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معبود ہے؟

۲۔ یعنی جس نے مشرق کو مشرق بنایا، جس سے کواکب طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کو مغرب بنایا جس میں کواکب غروب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے، ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔

۳۔ فرعون نے جب دیکھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) مختلف انداز سے رب العالمین کی ربوبیت کاملہ کی وضاحت کر رہے ہیں، جس کا کوئی معقول جواب اس سے نہیں بن پا رہا ہے۔ تو اس نے دلائل سے صرف نظر کر کے دھمکی دینی شروع کر دی اور موسیٰ (علیہ السلام) کو حوالہ زنداں کرنے سے ڈرایا۔

۴۔ یعنی ایسی کوئی چیز یا معجزہ جس سے واضح ہو جائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں، تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟

۵۔ بعض جگہ تُعْبَانُ کو حَیۃٌ اور بعض جگہ جَانُ کہا گیا ہے۔ تُعْبَانُ وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور جَانُ چھوٹے سانپ

وَمَرْيَدَهُ إِذَا لَمْ يَبْصُرْ لِلْظُّلُمِينَ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا۔^(۱)

قَالَ لِلْمَلَاحِقَةِ إِنَّ هَذَا السَّحْرَ عَلَيْنَا ﴿٣٤﴾

۳۴۔ فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا بھئی یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے۔^(۲)

يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِحُرِّهِمَا ذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سرزمین سے ہی نکال دے، بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو۔^(۳)

قَالُوا أَجِئَهُ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ خُضُرًا ﴿٣٦﴾

۳۶۔ ان سب نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور تمام شہروں میں ہر کارے بھیج دیجیے۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾

۳۷۔ جو آپ کے پاس ذی علم جادوگروں کو لے آئیں۔^(۴)

فَجَمِيعَ السَّحَرَةِ لِبِقَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿٣٨﴾

۳۸۔ پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کیے گئے۔^(۵)

کو کہتے ہیں اور حینۃ چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) گویا لاشی نے پہلے چھوٹے سانپ کی شکل اختیار کی پھر دیکھتے دیکھتے اڑدھا بن گئی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۱۔ یعنی گریبان سے ہاتھ نکالا تو وہ چاند کے ٹکڑے کی طرح چمکتا تھا۔ یہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔

۲۔ فرعون بجائے اسکے کہ ان معجزات کو دیکھ کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا، اس نے تکذیب و عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ تو کوئی بڑا فن کار جادوگر ہے۔

۳۔ پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لیے کہا کہ وہ ان شعبہ بازیوں کے ذریعے سے تمہیں یہاں سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اب بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

۴۔ یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو، اور تمام شہروں سے جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کے کرتب کا جواب اور تیری تائید و نصرت ہو جائے۔ اور یہ اللہ ہی کی طرف سے تلوینی انتظام تھا تاکہ لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں اور ان دلائل و براہین کا پچشم خود مشاہدہ کریں، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔

۵۔ چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد ۱۲ ہزار، ۱۷ ہزار، ۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) بتلائی جاتی ہے۔ اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیوں کہ کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات اس سے قبل سورہ اعراف، سورہ طہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ گویا

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْرِمُونَ ﴿۳۹﴾

۳۹. اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟^(۱)

لَعَلَّانْتَبِعُمُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۰﴾

۴۰. تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ الْفِرْعَوْنُ إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۱﴾

۴۱. جادوگر آکر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّمَا أَذِلَّةٌ الْمُنَفَّرِينَ ﴿۴۲﴾

۴۲. فرعون نے کہا ہاں، (بڑی خوشی سے) بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَ مَا أَنْتُمْ مُلْكُونَ ﴿۴۳﴾

۴۳. (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جادوگروں سے فرمایا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔^(۲)

فَأَلْقَوْا حِبًا لَهُمْ وَغَرِيبَهِمْ وَقَالُوا بَعْزَةُ فِرْعَوْنَ إِنَّ لَنَا نَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾

۴۴. انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے عزت فرعون کی قسم! ہم یقیناً غالب ہی رہیں گے۔^(۳)

فرعون کی قوم، ”قبط“ نے اللہ کے نور کو اپنے مومنوں سے بھٹانا چاہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کفر و ایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر ختم ٹھوٹک کر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے، تو ایمان کو اللہ تعالیٰ سرخروئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا، ﴿بَلْ لَقِّنْ فِی الْبَاطِلِ قَبْدَ مَعْنَىٰ قَدْ أَهْوَاهُ﴾ (الانبیاء: ۱۸) (بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں، پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے)۔
۱. یعنی عوام کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ تمہیں بھی یہ معرکہ دیکھنے کے لیے ضرور حاضر ہونا ہے۔

۲. حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف سے جادوگروں کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کے لیے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کا پیغمبر اتنی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادوگروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب بعد میں اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبہ بازیوں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بلکہ جادوگر ہی سب سے پہلے ایمان لے آئے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۳. جیسا کہ سورہ اعراف اور طہ میں گزرا کہ ان جادوگروں نے اپنے خیال میں بہت بڑا جادو پیش کیا ﴿سَحَرُوا عَيْنَ الْمَلَائِكِ وَأَسْتَوْهَوْنَهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَزِيزٍ﴾ (الاعراف: ۱۱۶) حتیٰ کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ﴿فَأَوْجَسَ فِی نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ﴾ (طہ: ۶۷) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا، جیسا کہ یہاں ان

۴۵. اب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی اپنی لاٹھی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے جھوٹ موٹ کے کرتب کو نگلنا شروع کر دیا۔

۴۶. یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے۔
۴۷. اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے۔

۴۸. یعنی موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کے رب پر۔

۴۹. فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا (سردار) ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے،^(۱) سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا، قسم ہے میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں اٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔^(۲)
۵۰. انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں،^(۳) ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ہی۔

فَألقى موسى عصاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾

فَألقى السِّحْرَ سِحْرًا مِجْدِينَ ﴿٤٦﴾

قَالُوا الْمَنَارِبُ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾

قَالَ امْنَعُوهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِيَ لَكُمْ إِلَهَهُ لِكَيْبُرِكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ لَا تَقْطَعْنَ آيِدِيكُمْ وَارْجِعْ لَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصِيَّاتُكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾

قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾

الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تسلی دی، کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لاٹھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو۔ چنانچہ لاٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اثر دے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو وہ نگل گیا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

۱. فرعون کے لیے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حیرت ناک تھا کہ جن جادوگروں کے ذریعے سے وہ فتح و غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے، جس نے حضرت موسیٰ و ہارون (علیہ السلام) کو دلائل و معجزات دے کر بھیجا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا، اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد لگتے ہو اور تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کی ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو، ﴿إِنَّ هَذَا لَهُمْ مَكْرٌ مُّؤَمَّرٌ فِي الْمَكِيدَةِ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا﴾ - (الأعراف: ۱۲۳)

۲. اٹے طور پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب، دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر ہے۔ اس پر سولی مستزاد۔ یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی، مزید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔
۳. لاصیر کوئی حرج نہیں یا ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔

إِنَّا نَضَعُكَ أَنْ يَغْفِرَ لَكَ رَبُّكَ خَطِيئَتَكَ إِنَّكَ أَوَّلُ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۱﴾

وَإِذْ قَالَ آلِي مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِإِذْنِ رَبِّكَ بِمَنْ يَكْفُرُونَ ﴿۵۲﴾

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۳﴾

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَكَايِدَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾

وَالَهُمْ كُنَاكِرُ الْأُطْرُونِ ﴿۵۵﴾

وَأَنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿۵۶﴾

فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۷﴾

وَكُنُوزٍ مَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۵۸﴾

كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهُمَا بَنِي إِسْرَٰءِيلَ ﴿۵۹﴾

۵۱۔ اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے
ہیں ^(۱) ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں
معاف فرمادے گا۔

۵۲۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ راتوں رات
میرے بندوں کو نکال لے چل تم سب پیچھا کیے جاؤ گے۔ ^(۲)

۵۳۔ فرعون نے شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیا۔

۵۴۔ کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔ ^(۳)

۵۵۔ اور اس پر یہ ہمیں سخت غضب ناک کر رہے ہیں۔ ^(۴)

۵۶۔ اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے چوکنے والے
والے۔ ^(۵)

۵۷۔ بالآخر ہم نے انہیں نکال باہر کیا باغات سے اور
چشموں سے۔

۵۸۔ اور خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے۔ ^(۶)

۵۹۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث

۱۔ اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انہوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

۲۔ جب بلاد مصر میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قیام لمبا ہو گیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت
قائم کر دی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے، تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں
عذاب سے دوچار کر کے سامان عبرت بنادیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل
کو لے کر یہاں سے نکل جائیں، اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا، گھبراتا نہیں۔

۳۔ یہ بطور تحقیر کے کہا، ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتلائی جاتی ہے۔

۴۔ یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لیے غیظ و غضب کا باعث ہے۔

۵۔ اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔

۶۔ یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب
ہی نہیں ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث دوسروں کو
بنادیا۔

بنی اسرائیل کو بنادیا۔^(۱)

۶۰۔ پس فرعونی سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکلے۔^(۲)

۶۱۔ پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا، تو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھیوں نے کہا، ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔^(۳)

۶۲۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، ہرگز نہیں۔ یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔^(۴)

۶۳۔ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ سمندر پر اپنی لاٹھی مار،^(۵) پس اسی وقت سمندر پھٹ گیا اور پانی

فَاتَّبَعُوهُمْ شُرَاقِبَیْنِ ۝

فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمَكْدُورُونَ ۝

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ مَرِيٍّ إِلَىٰ كَلْبَرٍ عَظِيمٍ ۝

۱۔ یعنی جو اقتدار اور بادشاہت فرعون کو حاصل تھی، وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ و جلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا۔ کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے۔ نیز سورہ دخان میں فرمایا گیا ہے ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ﴾ (۲۸) کہ (ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا) (ایسر القاسم) اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ قَوْمًا آخَرِينَ میں قوم کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں سورہ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آگئی ہے، تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل ہی ہوگی۔ مگر خود قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنو اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لیے یہ داخلہ مؤخر کر کے میدان تہ میں بھٹکایا گیا۔ پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قبر - حدیث اسراء کے مطابق - بیت المقدس کے قریب ہی ہے۔ اس لیے صحیح معنی یہی ہے کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں، ویسی ہی نعمتیں اب بنو اسرائیل کو عطا کی گئیں۔ لیکن مصر میں نہیں بلکہ فلسطین میں، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۲۔ یعنی جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں، تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

۳۔ یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب پھر دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہوگی۔

۴۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے تسلی دی کہ تمہارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشاندہی فرمائے گا۔

۵۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی اور نشاندہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں اور

وَأَقْلَنَّا نَحْمَ الْآخِرِينَ ﴿٦٣﴾

کا ہر ایک حصہ بڑے پہاڑ کے مانند ہو گیا۔^(۱)۶۳. اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لاکھڑا کر دیا۔^(۲)

وَأَجْبَنَّا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٤﴾

۶۴. اور موسیٰ (علیہ السلام) کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی۔

ثُمَّ أَعْرَفْنَا الْآخِرِينَ ﴿٦٥﴾

۶۵. پھر اور سب دوسروں کو ڈبودیا۔^(۳)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٦﴾

۶۶. یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں۔^(۴)

وَأَنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٧﴾

۶۷. اور بیشک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے۔

وَأَنشَأْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ بَرِّهِمْ ﴿٦٨﴾

۶۸. اور انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ بھی سنا دو۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٦٩﴾

۶۹. جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظُنُّهَا آلِهَةً مُّطَهَّرَةً ﴿٧٠﴾

۷۰. انہوں نے جواب دیا کہ عبادت کرتے ہیں بتوں کی، ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں۔^(۵)

بائیں طرف کا بائیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ میں راستہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے، واللہ اعلم۔

۱. فِرْعَوْنُ: قطعہ بحر، سمندر کا حصہ، طَوْدٌ: پہاڑ۔ یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مججزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم فرعون سے نجات پالے، اس تائید الہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔

۲. اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے یعنی ہم نے دوسروں کو سمندر کے قریب کر دیا۔

۳. موسیٰ (علیہ السلام) اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انہی راستوں سے گزرنے لگا تو ہم نے سمندر کو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا، جس سے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

۴. یعنی اگرچہ اس واقعے میں، جو اللہ کی نصرت و معونت کا واضح مظہر ہے، بڑی نشانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

۵. یعنی رات دن ان کی عبادت کرتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْعَوْنَكَ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝

۷۲. آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟

اَوْ يَنْفَعُوْكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝

۷۳. یا تمہیں نفع و نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔^(۱)

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

۷۴. انہوں نے کہا یہ (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا۔^(۲)

قَالَ اَفَرَأَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ مَّعْبُدُوْنَ ۝

۷۵. آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے^(۳) جنہیں تم پوج رہے ہو؟

اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ اِلٰهٌ مُّوْنٌ ۝

۷۶. تم اور تمہارے اگلے باپ دادا۔

وَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ الْاَدْرَبَ الْعٰلِيْنَ ۝

۷۷. وہ سب میرے دشمن ہیں۔^(۴) بجز سچے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہان کا پالنہار ہے۔^(۵)

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْ ۝

۷۸. جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے۔^(۶)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ ۝

۷۹. اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔^(۷)

وَاِذَا رَمِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِيْ ۝

۸۰. اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفاء عطا فرماتا ہے۔^(۸)

۱. یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں؟

۲. جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا۔ جیسے آج بھی لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتلائی جائے تو یہی عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں تو ہمارے آباء و اجداد سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

۳. اَفَرَأَيْتُمْ؟ کے معنی ہیں فَهَلْ اَبْصَرْتُمْ وَتَفَكَّرْتُمْ؟ کیا تم نے غور و فکر کیا؟

۴. اس لیے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن کی تم اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبود میرے دشمن ہیں یعنی میں ان سے بیزار ہوں۔

۵. یعنی وہ دشمن نہیں، بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا ولی اور دوست ہے۔

۶. یعنی دین و دنیا کے مصالح اور منافعی کی طرف۔

۷. یعنی انواع و اقسام کے رزق پیدا کرنے والا، اور جو پانی ہم پیتے ہیں اسے مہیا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔

۸. بیماری کو دور کر کے شفاء عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔ یعنی دواؤں میں شفاء کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔

وَالَّذِي يُبَيِّنُ لِي ثُمَّ يُخَيِّبُنِي ۚ

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝۵۱

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَنْصِفْنِي بِالْظُلَمِ ۝۵۲

وَأَجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝۵۳

وَأَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝۵۴

وَأَعْفِرْ لِي إِنْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝۵۵

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝۵۶

۸۱. اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا۔^(۱)۸۲. اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزاء میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔^(۲)۸۳. اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ^(۳) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے۔۸۴. اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔^(۴)

۸۵. اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

۸۶. اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔^(۵)۸۷. اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلّائے جائیں مجھے رسوا نہ کرنا۔^(۶)

ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے۔ لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ بلکہ اپنی طرف کی۔ یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب و احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا۔

۱. یعنی قیامت کے دن، جب وہ سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

۲. یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے۔ کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید یقینی کیوں نہیں ہوگی۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے لیے عَسَىٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔ خَطِیئَتِي، خَطِیئَةٌ واحد کا صیغہ ہے لیکن خَطَايَا (جمع) کے معنی میں ہے۔ انبیاء ﷺ اگرچہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔ پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہِ الہی میں عفو طلب ہوں گے۔

۳. حکم یا حکمت سے مراد علم و فہم، قوت فیصلہ، یا نبوت و رسالت یا اللہ کے حدود و احکام کی معرفت ہے۔

۴. یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزاء اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔

۵. یہ دعا اس وقت کی تھی، جب ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ مشرک (اللہ کے دشمن) کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں، جب اللہ نے یہ واضح کر دیا، تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (التوبة: ۱۱۴)

۶. یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مواخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے، حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿۵۸﴾

إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۵۹﴾

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۶۰﴾

وَبُرَزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغُيُورِ ﴿۶۱﴾

وَقِيلَ لَهُمْ إِنَّمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۶۲﴾

مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْصُرُونَ ﴿۶۳﴾

فَلْيَكْبُرُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿۶۴﴾

۵۸۔ جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔

۵۹۔ لیکن فائدہ والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر آئے گا۔^(۱)

۶۰۔ اور پرہیزگاروں کے لیے جنت بالکل نزدیک لا دی جائے گی۔

۶۱۔ اور گمراہ لوگوں کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔^(۲)

۶۲۔ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے وہ کہاں ہیں؟

۶۳۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں۔^(۳)

۶۴۔ پس وہ سب اور کل گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔^(۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے، تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لیے مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لیے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر ان کے باپ کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بنو کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری، سورۃ الشعراء و کتاب الانبیاء، باب قول الله واتخذ الله ابراهيم خلیلاً)

۱۔ قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو۔ یعنی قلب مومن۔ اس لیے کہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں، بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن دل، بعض کے نزدیک، دنیا کے مال و متاع کی محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک جہالت کی تاریکیوں اور اخلاقی رذائلوں سے پاک دل۔ یہ سارے مفہوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قلب مومن مذکورہ تمام ہی برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

۳۔ یعنی تم سے عذاب نال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچالیں۔

۴۔ یعنی معبودین اور عابدین سب کو جانوروں کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾

قَالُوا وَهَمَّ فِتْنَتُصُمُونَ ﴿٩٦﴾

تَاللَّهِ إِنَّ كَلَّ الْفِتْنَى ضَلِيلٌ مُبِينٌ ﴿٩٧﴾

إِذْ تُسَوِّدُكُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾

وَمَا ضَلُّوا إِلَّا الْمَجْمُوعُونَ ﴿٩٩﴾

فَبَالِغَيْنِ شُفْعَيْنِ ﴿١٠٠﴾

وَلَا صَدِيقٍ حَافِيَةٍ ﴿١٠١﴾

فَلَاؤَنَّ لَكَ أَكَرُّ فَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

إِنِّي فِي ذَلِكَ لَكَلِيمٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

۹۵. اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر بھی،^(۱)

۹۶. وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔

۹۷. کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔

۹۸. جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے

تھے۔^(۲)

۹۹. اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ

نہیں کیا تھا۔^(۳)

۱۰۰. اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں۔

۱۰۱. اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست۔^(۴)

۱۰۲. اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم بچے

سچے مومن بن جاتے۔^(۵)۱۰۳. یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشانی ہے^(۶) ان میں

۱. اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

۲. دنیا میں تو ہر ترشا ہوا پتھر اور قبر پر بنا ہوا خوش نما قبہ مشرکوں کو خدائی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ یہ تو کھلی گمراہی تھی کہ وہ انہیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔

۳. یعنی وہاں جاکر احساس ہو گا کہ ہمیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔ دنیا میں انہیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام گمراہی ہے، بدعت ہے، شرک ہے، تو نہیں مانتے، نہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں کہ حق و باطل ان پر واضح ہو سکے۔

۴. گناہ گار اہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیاء و صلحاء بالخصوص حضرت نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔ لیکن کافروں اور مشرکوں کے لیے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہوگی نہ حوصلہ، اور نہ وہاں کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔

۵. اہل کفر و شرک، قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

۶. یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ و محاجہ اور اللہ کی توحید کے دلائل، یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔^(۱)

۱۰۴. اور یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

۱۰۵. قوم نوح (علیہ السلام) نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔^(۲)

۱۰۶. جب کہ ان کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟

۱۰۷. سنو، میں تمہاری طرف اللہ کا امانتدار رسول ہوں۔^(۳)

۱۰۸. پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔^(۵)

۱۰۹. اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے۔^(۶)

۱۱۰. پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو۔^(۷)

۱۱۱. قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ تیری تابعداری تو ذلیل لوگوں نے کی ہے۔^(۸)

وَلَنْ رَبَّكَ لَهْوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عَمَلًا

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عَمَلًا

قَالُوا أَنْتُمْ لَكُمْ وَابْتِغَاءَ الْآزْدَلُونَ

۱. بعض نے اس کا مرجع مشرکین مکہ یعنی قریش کو قرار دیا ہے یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔

۲. قوم نوح علیہ السلام نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی۔ مگر چونکہ ایک نبی کی تکذیب، تمام نبیوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ قوم نوح علیہ السلام نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

۳. بھائی اس لیے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔

۴. یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلا کم و کاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔

۵. یعنی میں تمہیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔

۶. میں تمہیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا، بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو قیمت کو وہ عطا فرمائے گا۔

۷. یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنا پر بھی، پہلے اطاعت کی دعوت، امانت داری کی بنیاد پر تھی اور اب یہ دعوت اطاعت عدم طمع کی وجہ سے ہے۔

۸. الْأَزْدَلُونَ، اَزْدَل کی جمع ہے۔ جاہ و مال نہ رکھنے والے، اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے اور

قَالَ وَمَا عَلَيَّ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰. آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟^(۱)

إِنْ حَسِبْتُمْ إِلَّا عَٰلَمِي رَبِّي لَأَعْلَمُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱. ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے^(۲) اگر تمہیں شعور ہو تو۔

وَأَنَّا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲. اور میں ایمان والوں کو دھکے دینے والا نہیں۔^(۳)

إِنَّا أَنَا لَا نَذِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳. میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں۔^(۴)

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَنُوحًا لَّتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴. انہوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَوِّمْنِي كَمَا بَوِّتَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵. آپ نے کہا اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلادیا۔

فَأَقْصَيْتَنِي وَيَذَرُهُمْ فِتْنًا وَيَجْزِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶. پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے۔

فَأَجْبِئْهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْخُوفِ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷. چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی۔

ثُمَّ أَكْفَرُوا بَعْدَ الْبَاقِينَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸. بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا۔^(۵)

ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱. یعنی مجھے اس بات کا مکلف نہیں بٹھرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب و نسب، امارت و غربت اور ان کے پیشوں کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی حیثیت کا حامل ہو، اسے اپنی جماعت میں شامل کر لوں۔

۲. یعنی ان کے ضماں اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔

۳. یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔

۴. پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا رذیل، جلیل ہو یا حقیر۔

۵. یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بد اخلاقی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی

إِنِّي فِي ذَلِكَ لَكَلِيمٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾

۱۲۱۔ یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾

۱۲۲۔ اور بیشک آپ کا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم کرنے والا۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْإِمْرَسَلِينَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳۔ عاد یوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔^(۱)

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾

۱۲۴۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾

۱۲۵۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عَمْرَأَهُ

۱۲۶۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو!

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ

۱۲۷۔ اور میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے۔

الْعَالَمِينَ ﴿١٢٨﴾

۱۲۸۔ کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار

اتَّبَعُونَ بِحُلٍّ رِجْعٌ إِلَيْكُمْ تَعْبُونَ ﴿١٢٩﴾

۱۲۹۔ اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل تعمیر) کر رہے

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ ﴿١٣٠﴾

۱۳۰۔ بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری سازو سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو تو بچالیا گیا اور باقی سب لوگوں کو، حتیٰ کہ بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

۱۔ عاد، ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا، جس کے نام پر قوم کا نام پڑ گیا۔ یہاں عاد کو قبیلہ تصور کر کے كَذَّبَتْ (صیغہ مونث) لایا گیا ہے۔

۲۔ ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا، جس کی طرف اسے مبعوث کیا جاتا تھا اور اسی اعتبار سے انہیں اس قوم کا بھائی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیاء و رسل کی یہ ”بشریت“ بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کو بشر نہیں، مافوق البشر ہونا چاہیے۔ آج بھی اس مسئلہ حقیقت سے بے خبر لوگ پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم ﷺ کو مافوق البشر باور کرانے پر تلے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف اولاد ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

۳۔ رِجْع، رِجْعۃ کی جمع ہے۔ ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزرگاہوں پر کوئی غارت تعمیر کرتے جو ارتفاع اور علو میں ایک نشانی یعنی ممتاز ہوتی۔ لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ہو، گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔^(۱)

۱۳۰۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو۔^(۲)

۱۳۱۔ اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔^(۳)

۱۳۲۔ اور اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی جنہیں تم جانتے ہو۔

۱۳۳۔ اس نے تمہیں عنایت فرمائے جانور اور اولاد۔

۱۳۴۔ اور باغات اور چشے۔

۱۳۵۔ مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔^(۴)

۱۳۶۔ انہوں نے کہا کہ آپ وعظ کہیں یا وعظ کہنے والوں میں نہ ہوں ہم پر یکساں ہے۔

۱۳۷۔ یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے۔^(۵)

۱۳۸۔ اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیے جائیں گے۔^(۶)

وَاِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِيْنَۙ

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَۙ

وَاتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَّاۤکُمْ مَّا تَعْلَمُوْنَۙ

اَمَّاۤکُمْ بِاَنْعَامٍۭ وَّبَنِیۡنَۙ

وَجَنَّتٍ وَّعِیُوْنَۙ

اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍۭ عَظِیْمٍۙ

قَالُوْۤا سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَعْظَمْتَ اَمْ لَمْ تَنْکُنْ مِّنَ الْوَعٰیظِیۡنَۙ

اِنَّ هٰذَاۤ اِلَّا الْخُلُقُ الْاَوَّلٰیۡنَۙ

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیۡنَۙ

۱۔ اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے، جیسے وہ ہمیشہ انہی محلات میں رہیں گے۔

۲۔ یہ ان کے ظلم و تشدد اور قوت و طاقت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ جب ان کے اوصاف قبیحہ بیان کیے جو ان کے دنیا میں انہماک اور ظلم و سرکشی پر دلالت کرتے ہیں تو پھر انہیں دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

۴۔ یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ نے تمہیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا نہیں کیا، تو تم عذاب الہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب و ثواب کے لیے۔ وہاں تو عذاب سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

۵۔ یعنی وہی باتیں ہیں جو پہلے بھی لوگ کرتے آئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں، وہ وہی ہیں جن پر ہمارے آباء و اجداد کاربند رہے، مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ہم آبائی مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

۶۔ جب انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے، تو اس میں عقیدہ آخرت کا انکار بھی

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۰﴾

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطُغْيَانِهِ وَاتَّبَعَتْهُ إِتْرَافٌ كَافَّةٌ ﴿۱۴۱﴾

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَدْعُونَ إِلَهُكُمُ الَّذِي ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ فِي هَٰؤُلَاءِ الْأَمْثَلِ ﴿۱۴۲﴾

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۴۳﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿۱۴۴﴾

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجِرِيَ إِلَّا عَلَيَّ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۵﴾

أَتَدْعُونَ فِي هَٰؤُلَاءِ أَمِينِينَ ﴿۱۴۶﴾

۱۳۹۔ چونکہ عاد یوں نے حضرت ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا، اس لیے ہم نے انہیں تباہ کر دیا، (۱) یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر بے ایمان تھے۔

۱۴۰۔ اور بیشک آپ کا رب وہی ہے غالب مہربان۔

۱۴۱۔ ثمود یوں (۲) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

۱۴۲۔ ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟

۱۴۳۔ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں۔

۱۴۴۔ تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

۱۴۵۔ اور میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے۔

۱۴۶۔ کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (۳)

تھا۔ اس لیے انہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا۔ کیونکہ عذاب الہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو مانتا اور روز جزاء کو تسلیم کرتا ہے۔

۱۔ قوم عاد، دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی، جس کی بابت اللہ نے فرمایا ہے، ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَلَعْنَةُ الْعَالَمِينَ﴾ (الفجر: ۸) (اس جیسی قوم پیدا ہی نہیں کی گئی) یعنی جو قوت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اسی لیے یہ کہا کرتی تھی۔ ﴿مَنْ أَشَدُّ مَقَامًا﴾ (خمس السجدات: ۱۵) (کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟) لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان و تقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔ باد تند آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضاء میں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پٹختی۔ جس سے اس کا دماغ پھٹ اور ٹوٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاشے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ انہوں نے پہاڑوں، کھوؤں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں، پینے کے لیے گہرے کنوئیں کھود رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔

۲۔ ثمود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں ہے، آج کل اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ (ابن القایم) یہ عرب تھے۔ نبی ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

۳۔ یعنی یہ نعمتیں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمہیں موت آئے گی نہ عذاب؟ استفہام انکاری اور توبیخی ہے۔

فِي جَحَنٍّ وَغَيُّونَ ﴿۱۴۷﴾

وَزُرُّوعٌ وَخَلٌّ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِهِينَ ﴿۱۴۹﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۵۰﴾

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۵۱﴾

الَّذِينَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحِّينَ ﴿۱۵۳﴾

مَا أَنْتَ إِلَّا كَبِيرٌ مُشْنَانٌ قَالَتْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُنْتُمْ مِنَ

الضَّالِّينَ ﴿۱۵۴﴾

قَالَ هَذِهِ نَافَةٌ لَهَا تِرْبٌ وَلَهَا تِرْبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾

۱۴۷۔ یعنی ان باغوں اور ان چشموں میں۔

۱۴۸۔ اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔^(۱)

۱۴۹۔ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو۔^(۲)

۱۵۰۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۱۵۱۔ اور بے باک حد سے گزر جانے والوں کی^(۳) اطاعت سے باز آ جاؤ۔

۱۵۲۔ جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

۱۵۳۔ وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

۱۵۴۔ تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو سچوں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ۔

۱۵۵۔ آپ نے فرمایا یہ ہے اونٹنی، پانی پینے کی ایک

یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے، جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمہارا مقدر ہے۔

۱۔ یہ نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بہرہ ور تھے، طلع، کھجور کے اس شگوفے کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلتا یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پھل بلح، پھر بُسر، پھر رطب اور اس کے بعد تمر کہلاتا ہے۔ (ابن القایم) باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے۔ لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا۔ هَضِيمٌ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً لطیف اور نرم و نازک، تہ بہ تہ وغیرہ۔

۲۔ فَارِهِينَ یعنی ضرورت سے زیادہ نقص، تکلف اور فنکارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، یا اتراتے اور فخر وغرور کرتے ہوئے۔ جیسے آج کل لوگوں کا حال ہے۔ آج بھی عمارتوں پر غیر ضروری آرائشوں اور فنکارانہ مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر وغرور کا اظہار بھی۔

۳۔ مُسْرِفِينَ سے مراد وہ رؤساء اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفت حق میں پیش پیش تھے۔

باری اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی تمہاری۔^(۱)

۱۵۶۔ اور (خبردار!) اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمہاری گرفت کر لے گا۔^(۲)

۱۵۷۔ پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں،^(۳) بس وہ پشیمان ہو گئے۔^(۴)

۱۵۸۔ اور عذاب نے انہیں آدب چلا۔^(۵) بیشک اس میں عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

۱۵۹۔ اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے۔
۱۶۰۔ قوم لوط ^(۶) (علیہ السلام) نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔

وَلَا تَسْأَلُهَا بِئُوتٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

فَعَقَرُوهَا فَاصْبِرُوا لِدُنْيَاكُمْ ۝

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝

۱۔ یہ وہی اونٹنی تھی جو ان کے مطالبے پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی۔ ایک دن اونٹنی کے لیے اور ایک دن ان کے لیے پانی کا مقرر کر دیا گیا تھا، اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمہارا پانی لینے کا ہوگا، اونٹنی گھاٹ پر نہیں آئے گی اور جو دن اونٹنی کے پانی پینے کا ہوگا، تمہیں گھاٹ پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

۲۔ دوسری بات انہیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے۔ چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دوہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

۳۔ یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ اونٹنی، اللہ کی قدرت کی ایک نشانی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم ثمود ایمان نہیں لائی اور کفر و شرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کی زندہ نشانی ”اونٹنی“ کی کوچیں کاٹ ڈالیں یعنی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو زخمی کر دیا، جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔

۴۔ یہ اس وقت ہوا جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح ^(۷) نے کہا کہ اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے، چوتھے دن تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب واقعی عذاب کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہو گئیں، تو پھر ان کی طرف سے بھی اظہارِ ندامت ہونے لگا۔ لیکن علاماتِ عذاب دیکھ لینے کے بعد ندامت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

۵۔ یہ عذاب زمین سے بھونچال (زلزلے) اور اوپر سے سخت چٹکھڑ کی صورت میں آیا، جس سے سب کی موت واقع ہو گئی۔

۶۔ حضرت لوط ^(۸)، حضرت ابراہیم ^(۹) کے بھائی حاران بن آذر کے بیٹے تھے۔ ان کو حضرت ابراہیم ^(۱۰) ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم ”سدوم“ اور ”عمورہ“ میں رہتی تھی۔ یہ بستیاں شام کے علاقے میں تھیں۔

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَحُوهُمْ لُوطُ الْاَتَمُّونَ ﴿١٦١﴾

۱۶۱۔ ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کہا کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾

۱۶۲۔ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا أَمْرِي

۱۶۳۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

۱۶۴۔ اور میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔

أَتَأْتُونَ الذِّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾

۱۶۵۔ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾

۱۶۶۔ اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا جوڑ بنایا ہے ان کو چھوڑ دیتے ہو، ^(۱) بلکہ تم ہو ہی حد سے گزر جانے والے۔ ^(۲)

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾

۱۶۷۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا۔ ^(۳)

قَالَ إِنِّي لَعَلَّكُمْ مِنَ الْفَالِسِينَ ﴿١٦٨﴾

۱۶۸۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارے کام سے سخت ناخوش

۱۔ یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی، جس کی ابتداء اسی قوم سے ہوئی تھی، اسی لیے اس فعل بد کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ بد فعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا لیکن اب یہ بد فعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یعنی ان کے ہاں اب یہ سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہو کہ مرد و عورت کا ناجائز جنسی ملاپ (بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو) ان کے نزدیک جرم نہ ہو، تو وہاں دو مردوں کا آپس میں بد فعلی کرنا کیونکر گناہ اور ناجائز ہو سکتا ہے؟ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۲۔ عَاذُونَ، عَادِ کی جمع ہے۔ عربی میں عَادِ کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کی فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد کی دہر کو حرام۔ قوم لوط نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی دہر اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔

۳۔ یعنی حضرت لوط (علیہ السلام) کے وعظ و نصیحت کے جواب میں انہوں نے کہا کہ تو بڑا پاکباز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو باز نہ آیا تو ہم اپنی ہستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔ آج بھی بدیوں کا اتنا غلبہ اور بدوں کا اتنا زور ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اور نیکیوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔

(۱) ہوں۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٥٨﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٩﴾

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿٦٠﴾

وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَلْسِنَتِي مَبِينٌ ﴿٦١﴾

وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٢﴾

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّ الْأُولَىٰ ﴿٦٣﴾

۱۷۷۔ جب کہ ان سے شعیب (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر خوف نہیں؟

۱۷۸۔ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔

۱۷۹۔ اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو۔

۱۸۰۔ اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تمام جہانوں کے پالنے والے کے پاس ہے۔

۱۸۱۔ ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو۔^(۱)

۱۸۲۔ اور سیدھی صحیح ترازو سے تول کر دو۔^(۲)

۱۸۳۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو،^(۳) بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔^(۴)

۱۸۴۔ اور اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔^(۵)

ذکر بھی ملتا ہے، کیونکہ مدین، قوم کا نام ہے۔ ﴿وَالَّذِي مَدَّيْنًا أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ (الأعراف: ۸۵) بعض مفسرین نے اصحاب الایکہ اور مدین کو الگ الگ بستیاں قرار دے کر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں، جن کی طرف باری باری حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ مدین کی طرف اور دوسری مرتبہ اصحاب الایکہ کی طرف۔ لیکن امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا، یہی وعظ یہاں اصحاب الایکہ کو کیا جا رہا ہے، جس سے صاف واضح ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، دو نہیں۔

۱۔ یعنی جب تم لوگوں کو ناپ کر دو تو اسی طرح پورا دو، جس طرح لیتے وقت تم پورا ناپ کر لیتے ہو۔ لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ مت رکھو، کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو۔

۲۔ اسی طرح تول میں ڈنڈی مت مارو، بلکہ پورا صحیح تول کر دو۔

۳۔ یعنی لوگوں کو دیتے وقت ناپ یا تول میں کمی مت کرو۔

۴۔ یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو، اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ رہزنی لی ہے، جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ (الأعراف: ۸۶) (راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو)۔ (ابن کثیر)

۵۔ جِبِلَّةٌ اور جِبِلُّ مخلوق کے معنی میں ہے، جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ أَصَلَّ مِنْكُمْ

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾

۱۸۵. انہوں نے کہا تو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے۔

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ﴿١٨٦﴾

۱۸۶. اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں۔^(۱)

فَأَسْخَطُوا عَلَيْكَ صَعْنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾

۱۸۷. اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے۔^(۲)

قَالَ رَبِّيَ عَلَّمَهُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾

۱۸۸. کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔^(۳)

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾

۱۸۹. چونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔^(۴) وہ بڑے بھاری دن

جِبَالًا كَثِيرًا ﴿١٩٠﴾ (یس: ۶۲) (اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا) اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ ذُو الْعَدَدِ الْكَثِيرِ مِنَ النَّاسِ. (فتح القدیر)

۱. یعنی تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا سمجھتے ہیں، کیونکہ تو بھی ہم جیسا ہی انسان ہے۔ پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے؟

۲. یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تہدید کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جا ہم تجھے نہیں مانتے، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر دکھائے۔

۳. یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزاء تمہیں دے گا، اگر چاہے گا تو دنیا میں بھی دے دے گا، یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔

۴. انہوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرمادیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا۔ لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑنے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ لگن ہوا، اس لیے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔

☆ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر قوم شعیب علیہم السلام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور تینوں جگہ موقع کی مناسبت سے الگ الگ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ اعراف: ۹۱ میں زلزلہ کا ذکر ہے، سورۃ ہود: ۹۴ میں صیحۃ (چین)

کا عذاب تھا۔

۱۹۰. یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہ تھے۔

۱۹۱. اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وہی ہے غلبہ والا مہربانی والا۔

۱۹۲. اور بیشک شبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔

۱۹۳. اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔^(۱)

۱۹۴. آپ کے دل پر اترا ہے^(۲) کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں۔^(۳)

۱۹۵. صاف عربی زبان میں ہے۔

۱۹۶. اور اگلے (گزشتہ) نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔^(۴)

۱۹۷. کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو

إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾

وَأَنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹۱﴾

وَإِنَّهُ لَنَزْلُغَلُغٌ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۲﴾

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾

عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿۱۹۴﴾

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿۱۹۵﴾

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۹۶﴾

أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿۱۹۷﴾

کا اور یہاں شعراء میں آسمان سے نکلے گرانے کا یعنی تین قسم کا عذاب اس قوم پر آیا۔

۱. کفار مکہ نے قرآن کے وحی الہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الہی ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لیے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ یعنی جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے۔

۲. دل کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ حواس باطنہ میں دل ہی سب سے زیادہ ادراک اور حفظ کی قوت رکھتا ہے۔

۳. یہ نزول قرآن کی علت ہے۔

۴. یعنی جس طرح پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کا اور آپ ﷺ کی صفات جمید کا تذکرہ کچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی صحف سابقہ میں دی گئی تھی۔ ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن مجید، باعتبار ان احکام کے، جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، کچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔

بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔^(۱)

۱۹۸. اور اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے۔

۱۹۹. پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے

باور کرنے والے نہ ہوتے۔^(۲)

۲۰۰. اسی طرح ہم نے گناہ گاروں کے دلوں میں اس

انکار کو داخل کر دیا ہے۔^(۳)

۲۰۱. وہ جب تک دردناک عذابوں کو ملاحظہ نہ کر لیں

ایمان نہ لائیں گے۔

۲۰۲. پس وہ عذاب ان کو ناگہاں آجائے گا اور انہیں

اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔

۲۰۳. اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی

جائے گی؟^(۴)

۲۰۴. پس کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہے

ہیں؟^(۵)

۲۰۵. اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی

فائدہ اٹھانے دیا۔

وَلَوْ كُنَّا عَلٰی بَعْضِ الْأَعْيٰنِ

فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۸﴾

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهِ حَتّٰی یُرَوِّا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۰﴾

فَیَبْهَتُهُمْ بِعَذَابِهِمْ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

فَیَقُولُوْا اٰهَلْ مَعْنٰ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اَفَعَدَّ اِیْمَانًا سَعِیْجُلُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اَفَرَّیْتَا اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿۲۰۴﴾

۱. کیونکہ ان کتابوں میں آپ ﷺ کا ذکر قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جاننا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ پھر یہ یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

۲. یعنی کسی عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حم السجدة: ۴۴ میں ہے۔

۳. یعنی سَلَكْنَاهُ میں ضمیر کا مرجع کفر و تکذیب اور تجدد و عناد ہے۔

۴. لیکن مشاہدہ عذاب کے بعد مہلت نہیں دی جاتی، نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے، ﴿فَلَمْ یَكُنْ لَّیْمَانُهُمْ لَبًّا اِذَا

بَاسًا﴾ (المؤمن: ۸۵)

۵. یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔

ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۵۵﴾

۲۰۶. پھر انہیں وہ عذاب آگیا جن سے یہ دھمکائے جاتے تھے۔

مَا عَنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَستَعِينُونَ ﴿۵۶﴾

۲۰۷. تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے اس میں سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔^(۱)

وَمَا أَهْلَكَ نَارَ مَنْ قَرِيَةٍ إِلَّا هُمْ أَتَوْهُم بِهَارٍ وَبَاقٍ ﴿۵۷﴾

۲۰۸. اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ اس کے لیے ڈرانے والے تھے۔

ذُرِّيَّتِهِ وَمَا كَانَ لَطِيفِينَ ﴿۵۸﴾

۲۰۹. نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔^(۲)

وَمَا تَزِيدُ بِهِ السَّيِّطِينَ ﴿۵۹﴾

۲۱۰. اور اس قرآن کو شیاطین نہیں لائے۔

وَمَا يَنْفَعِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۶۰﴾

۲۱۱. اور نہ وہ اس کے قابل ہیں، نہ انہیں اس کی طاقت ہے۔

أَنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَاعْوَدُونَ ﴿۶۱﴾

۲۱۲. بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں۔^(۳)

۱. یعنی اگر ہم انہیں مہلت دے دیں اور پھر انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں، تو کیا دنیا کا مال و متاع ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انہیں عذاب سے بچا سکے گا؟ نہیں یقیناً نہیں۔ ﴿وَمَا هُوَ بِمُخْرِجِهِم مِّنَ الْعَذَابِ أَن يُعْمَرَ﴾ (البقرہ: ۹۶)، ﴿وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى﴾۔ (اللیل: ۱۱)

۲. یعنی ارسال رسل اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، ہم نے ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پہلے ہر بستی میں رسول بھیجے، جنہوں نے اہل قریہ کو عذاب الہی سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انہوں نے پیغمبر کی بات نہیں مانی، تو ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ یہی مضمون بنی اسرائیل: ۱۵، اور قصص: ۵۹ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۳. ان آیات میں قرآن کی -شیطانی دخل اندازیوں سے- حفاظت کا بیان ہے۔ ایک تو اس لیے کہ شیاطین کا قرآن لے کر نازل ہونا ان کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد شر و فساد اور منکرات کی اشاعت ہے، جب کہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سد باب ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرا یہ کہ شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے، تیسرا نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سننے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں پر ستاروں کو چوکیدار بنادیا گیا تھا اور جو بھی شیطان اوپر جاتا یہ ستارے اس پر برق خافظ بن کر گرتے اور بھسم کر دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا الْخَرَفْتَكُمْ مِنَ
الْمُعَذِّبِينَ ﴿٢١٣﴾

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

وَاحْضِرْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

وَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّسُولَ ﴿٢١٧﴾

الَّذِي يُرِيدُ رِزْقَكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾

وَيَقْلِبُكَ فِي السُّجُودِ ﴿٢١٩﴾

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَكْذِبُ الشَّيْطَانُ ﴿٢٢١﴾

۲۱۳۔ پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائے۔

۲۱۴۔ اور اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرا دے۔^(۱)

۲۱۵۔ اور اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے۔

۲۱۶۔ اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو۔

۲۱۷۔ اور اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ۔

۲۱۸۔ جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے۔

۲۱۹۔ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی۔^(۲)

۲۲۰۔ وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے۔

۲۲۱۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔

۱۔ پیغمبر کی دعوت صرف رشتے داروں کے لیے نہیں، بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی ﷺ تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قریبی رشتے داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں، بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجیحی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آذر کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اس حکم کے بعد نبی ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور یا صَبَاحَہ کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دشمن اچانک حملہ کر دے، اس کے ذریعے سے قوم کو خبردار کیا جاتا ہے۔ یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، بتلاؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابولہب نے کہا تَبَّ لَكَ أَمَا دَعَوْتَنَا إِلَّا لِهَذَا تِیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ تبت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ المسد) آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی چھوٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا، تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کر لو، میں وہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔

(صحیح مسلم کتاب الإيمان، باب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ)

۲۔ یعنی جب تو تنہا ہوتا ہے، تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔

تَنَزَّلَ عَلَىٰ كُلِّ أَقْلٍ مُّثْقَلٍ ۖ

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْتَرَهُمْ كِبَۜؤُنَ ۚ

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۚ

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَؤْمِنُونَ ۚ

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۚ

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ

۲۲۲۔ وہ ہر ایک جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں۔^(۱)۲۲۳۔ (اچھتی) ہوئی سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔^(۲)

۲۲۴۔ اور شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں۔

۲۲۵۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔

۲۲۶۔ اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔^(۳)۲۲۷۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے^(۴) اور نیک عمل

۱۔ یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے، کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گناہ گاروں (یعنی کاہنوں، نجومیوں وغیرہ) پر اترتے ہیں نہ کہ انبیاء و صالحین پر۔

۲۔ یعنی ایک آدھ بات، جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کاہنوں کو آکر بتلا دیتے ہیں، جن کے ساتھ وہ جھوٹی باتیں اور ملا لیتے ہیں (جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے)۔ ملاحظہ ہو (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قراءة الفاجر والمنافق وبدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، وصحیح مسلم، کتاب السلام باب تحریم الکھانة وإتيان الکھان) يُلْقُونَ السَّمْعَ شَاطِئِينَ آسمان سے سنی ہوئی بعض باتیں کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں، اس صورت میں سمع کے معنی مسموع کے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کا مطلب حاسر ساعت (کان) ہے، تو مطلب ہو گا کہ شاطیئین آسمانوں پر جا کر کان لگا کر چوری چھپے بعض باتیں سن آتے ہیں اور پھر انہیں کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

۳۔ شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح و ذم میں، اصول و ضابطے کے بجائے، ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تخیلات میں کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھٹکتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کے پیچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں۔ اسی قسم کے اشعار کے لیے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ”پیٹ کا لہو پیپ سے بھر جانا، جو اسے خراب کر دے، شعر سے بھر جانے سے بہتر ہے“۔ (ترمذی، أبواب الآداب و مسلم وغیرہ) یہاں اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر کاہن ہے نہ شاعر۔ اس لیے کہ یہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی آپ ﷺ کے شاعر ہونے کی نفی کی گئی ہے مثلاً سورۃ یسین: ۶۹، سورۃ الحاقۃ: ۴۰، ۴۳۔

۴۔ اس سے ان شاعروں کو متنبیٰ فرما دیا گیا، جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور استثناء ایسے الفاظ سے فرمایا جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صالح پر کاربند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا شاعر غلط شاعری، جس

كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ
الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٦﴾

کیے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے
بعد انتقام لیا،^(۱) اور جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی
جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔^(۲)

میں جھوٹ، غلو اور افراط و تفریط ہو، کربہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مومنانہ صفات سے عاری ہوں۔
۱. یعنی ایسے مومن شاعر، ان کا فر شعراء کا جواب دیتے ہیں، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی ہجو (برائی) کی ہو۔ جس
طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی ہجویہ شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے کہ
(ان کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبرائیل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة،
ومسلم، فضائل الصحابة باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی شاعری جائز ہے جس میں کذب و مبالغہ
نہ ہو اور جس کے ذریعے سے مشرکین و کفار اور مبتدعین و اہل باطل کو جواب دیا جائے اور مسلک حق اور توحید و سنت
کا اثبات کیا جائے۔

۲. یعنی اَيَّ مَرْجَعٍ يَرْجِعُونَ یعنی کون سی جگہ وہ لوٹتے ہیں؟ اور وہ جہنم ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے سخت وعید
ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے (تم ظلم سے بچو؛ اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا)۔

سورہ نمل کی ہے اور اس کی ترانوں آیتیں
اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. طس، یہ آیتیں ہیں قرآن کی (یعنی واضح) اور روشن
کتاب کی۔

۲. ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لیے۔

۳. جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔^(۱)

۴. جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے انہیں
ان کے کروت زینت دار کر دکھائے ہیں،^(۲) پس وہ بھٹکتے
پھرتے ہیں۔^(۳)

۵. یہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طَسَّ تِلْكَ الْبُتُّ الْقُرْآنُ وَكَتَابٍ يُبَيِّنُ

هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ

الَّذِينَ يُعِمُّونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ
بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّاتُ لَهُمْ
أَعْمَالُهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي

☆ نَمْلُ چبوتی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چبوتیوں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو سورہ نمل کہا
جاتا ہے۔

۱. یہ مضمون متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ قرآن کریم ویسے تو پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے لیکن اس سے
حقیقتاً راہ یاب وہی ہوں گے جو ہدایت کے طالب ہوں گے، جو لوگ اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو حق کے دیکھنے اور سننے
سے بند یا اپنے دلوں کو گناہوں کی تارکیوں سے مسخ کر لیں گے، قرآن انہیں کس طرح سیدھی راہ پر لگا سکتا ہے؟ ان
کی مثال اندھوں کی طرح ہے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے، درآں حالیکہ سورج کی روشنی پورے عالم کی
درخشانی کا سبب ہے۔

۲. یہ گناہوں کا وبال اور بدلہ ہے کہ برائیاں ان کو اچھی لگتی ہیں اور آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس
کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ہر کام اس کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تاہم اس میں بھی اللہ کا وہی اصول
کارفرما ہے کہ نیکوں کے لیے نیکی کا راستہ اور بدوں کے لیے بدی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے
کسی ایک راستے کا اختیار کرنا، یہ انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے۔

۳. یعنی گمراہی کے جس راستے پر وہ چل رہے ہوتے ہیں، اس کی حقیقت سے وہ آشنا نہیں ہوتے اور صحیح راستے کی طرف
رہنمائی نہیں پاتے۔

الْآخِرَةِ هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿۱﴾

وَالَّذِ كَلَّمَنِ الْقُرْآنَ مِنْ كُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿۲﴾

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَائِيَةً مِنْهَا
يَخْرُجُ آوَابٌ مِّنْهَا فَيَنفُخُ فِيهَا نَفْسٌ تَغِيثُ لَكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۳﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ نُورٌ مِنْ أُنْجُوتٍ فِي النَّارِ وَهُمْ
يُتَوَلَّوْنَ لَهَا وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۴﴾

يُؤْمِنُ بِآيَاتِهِ الْكَرِيمِ ﴿۵﴾

میں بھی وہ سخت نقصان یافتہ ہیں۔

۶. اور بیشک آپ کو اللہ حکیم و علیم کی طرف سے قرآن
سکھایا جا رہا ہے۔

۷. (یاد ہو گا) جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھر والوں سے
کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی
خبر لے کر یا آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے کر ابھی
تمہارے پاس آ جاؤں گا تاکہ تم سینک تاپ کر لو۔^(۱)

۸. جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو
اس آگ میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے
آس پاس ہے^(۲) اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے
والا ہے۔^(۳)

۹. اے موسیٰ! (علیہ السلام) سن بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ
ہوں غالب با حکمت۔^(۴)

۱. یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر واپس آرہے تھے، رات کو
اندھیرے میں راستے کا علم نہیں تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔

۲. دور سے جہاں آگ کے شعلے لپکتے نظر آئے، وہاں پہنچے یعنی کوہ طور پر، تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت سے آگ کے
شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، اللہ کا نور تھا، جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی مَنْ
فِي النَّارِ میں مَنْ سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ اور نَار سے مراد اس کا نور ہے اور وَمَنْ حَوْلَهَا (اس کے ارد گرد) سے
مراد موسیٰ (علیہ السلام) اور فرشتے، حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب، (پردے) کو نور (روشنی) اور ایک روایت میں نار
(آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ”اگر اپنی ذات کو بے نقاب کر دے تو اس کا جلال تمام مخلوقات کو جلا کر
رکھ دے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب إن الله لا ينَام، تفصیل کے لیے دیکھیں فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۵، ص ۳۵۹-۳۶۲)

۳. یہاں اللہ کی تنزیہ و تقدیس کا مطلب یہ ہے کہ اس ندائے غیبی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آگ یا درخت میں
اللہ حلول کیے ہوئے ہے، جس طرح کہ بہت سے مشرک سمجھتے ہیں بلکہ یہ مشاہدہ حق کی ایک صورت ہے جس سے
نبوت کے آغاز میں انبیاء (علیہم السلام) کو بالعموم سرفراز کیا جاتا ہے۔ کبھی فرشتے کے ذریعے سے اور کبھی خود اللہ تعالیٰ اپنی تجلی
اور ہمکامی سے جیسے یہاں موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

۴. درخت سے نداء کا آنا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے باعث تعجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ! (علیہ السلام) تعجب نہ کر
میں ہی اللہ ہوں۔

۱۰. اور تو اپنی لاشی ڈال دے، موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اسے ہلتا جلتا دیکھا اس طرح کہ گویا وہ ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ! (علیہ السلام) خوف نہ کھا،^(۱) میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔

۱۱. لیکن جو لوگ ظلم کریں^(۲) پھر اس کے عوض نیکی کریں اس برائی کے پیچھے، تو میں بھی بخشنے والا مہربان ہوں۔^(۳)

۱۲. اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا بغیر کسی عیب کے،^(۴) تو نو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا،^(۵) یقیناً وہ بدکاروں کا گروہ ہے۔

۱۳. پس جب ان کے پاس ہمارے آنکھیں کھول دینے والے^(۶) معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

۱۴. اور انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔^(۷) پس دیکھ لیجیے کہ

وَالَّذِينَ عَصَاكَ أَلَّا يَسْمَعُوا كَلَامَ رَسُولِيكَ أَفَلَا تَتَذَكَّرُ ﴿١٠﴾
مُذَّبَّرًا لَمْ يَعْصِيَنَّ لَوْ لَمْ يَكُنْ لَكَ يَوْمَئِذٍ لَاحِظٌ

لَا أَمِنْ ظُلْمِكُمْ بَدَلٍ حَسَنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١﴾

وَادْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِمَّنْ عَدُوٌّ
سُوءٍ فَنُفِثَ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ
كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ إِلَيْنَا مُبْصِرَةٌ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ
مُبِينٌ ﴿١٣﴾

وَوَحَّدُوا إِلَهُاءَ وَاسْتَفْتَنَاهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

۱. اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے، ورنہ موسیٰ (علیہ السلام) اپنے ہاتھ کی لاشی سے نہ ڈرتے۔ دوسرا طبعی خوف پیغمبر کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں۔

۲. یعنی ظالم کو تو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہ فرمالے۔

۳. یعنی ظالم کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہوں۔

۴. یعنی بغیر برص وغیرہ کی بیماری کے۔ یہ لاشی کے ساتھ دوسرا معجزہ انہیں دیا گیا۔

۵. فِي تِسْعِ آيَاتٍ یعنی یہ دو معجزے ان ۹ نشانیوں میں سے ہیں، جن کے ذریعے سے میں نے تیری مدد کی ہے۔ انہیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا۔ (ان ۹ نشانیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے، سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱۰۱ کا حاشیہ)

۶. مُبْصِرَةٌ واضح اور روشن یا یہ اسم فاعل مفعول کے معنی میں ہے۔

۷. یعنی علم کے باوجود جو انہوں نے انکار کیا تو اس کی وجہ ان کا ظلم اور استکبار تھا۔

ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔

۱۵. اور ہم نے یقیناً داود اور سلیمان (علیہ السلام) کو علم دے رکھا تھا^(۱) اور دونوں نے کہا، تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

۱۶. اور داود (علیہ السلام) کے وارث سلیمان (علیہ السلام) ہوئے^(۲) اور کہنے لگے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے^(۳) اور ہمیں سب کچھ میں سے دیا گیا ہے۔^(۴) بیشک یہ بالکل کھلا ہوا فضل الہی ہے۔

۱۷. اور سلیمان (علیہ السلام) کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرند میں سے جمع کیے گئے^(۵) (ہر ہر قسم کی)

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَ الْاَحْمَدُ بَلَدًا
الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾

وَوَرِّثُ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ لَیَا اَیُّهَا النَّاسُ عِلْمَنَا
مَنْطِقُ الطَّیْرِ وَآؤْتِنَاكُمْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هَذَا لَهَوُ
الْفَضْلِ الْاِیْمٰنِ ﴿۱۶﴾

وَجِئْرُ سُلَيْمٰنَ جُنُودًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ
فَمَنْ یُّدْعَوْنَ ﴿۱۷﴾

۱. سورت کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے سکھایا جاتا ہے، اس کی دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ مختصراً بیان فرمایا اور اب دوسری دلیل حضرت داود (علیہ السلام) و سلیمان (علیہ السلام) کا یہ قصہ ہے۔ انبیاء (علیہ السلام) کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ علم سے مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم ہے جن سے حضرت داود (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کو بطور خاص نوازا گیا تھا جیسے حضرت داود (علیہ السلام) کو لوہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا، لیکن صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

۲. اس سے مراد نبوت اور بادشاہت کی وراثت ہے، جس کے وارث صرف سلیمان (علیہ السلام) قرار پائے۔ ورنہ حضرت داود (علیہ السلام) کے اور بھی بیٹے تھے جو اس وراثت سے محروم رہے۔ ویسے بھی انبیاء کی وراثت علم ہی ہوتی ہے، جو مال و اسباب وہ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، جیسا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الغنائض، و مسلم، کتاب الجہاد)

۳. بولیاں تو تمام جانوروں کی سکھائی گئی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ پرندے سائے کے لیے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی تھیں اور چوہنٹیاں بھی منجملہ پرندوں کے ہیں۔ (فتح القدیر)

۴. جس کی ان کو ضرورت تھی، جیسے علم، نبوت، حکمت، مال، جن و انس اور طیور حیوانات کی تسخیر وغیرہ۔

۵. اس میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی اس انفرادی خصوصیت و فضیلت کا ذکر ہے، جس میں وہ پوری تاریخ انسانیت میں ممتاز ہیں کہ ان کی حکمرانی صرف انسانوں پر ہی نہیں تھی بلکہ جنات، حیوانات اور چرند و پرند حتیٰ کہ ہوا تک ان کے

الگ الگ درجہ بندی کردی گئی۔^(۱)

۱۸. جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان (علیہ السلام) اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔^(۲)

۱۹. اس کی اس بات سے سلیمان (علیہ السلام) مسکرا کر ہنس دیے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں^(۳) اور میرے ماں باپ پر، اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے مجھے

حَتَّىٰ إِذْ أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِطْكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^(۵)

فَتَبَسَّ صَاحِبًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ^(۶)

مات تھی، اس میں کہا گیا ہے کہ سلیمان (علیہ السلام) کے تمام لشکر یعنی جنوں، انسانوں اور پرندوں سب کو جمع کیا گیا۔ یعنی کہیں جانے کے لیے یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا۔

۱. یہ ترجمہ (توزیع بمعنی تفریق) کے اعتبار سے ہے۔ یعنی سب کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم (قسم وار) کر دیا جاتا تھا، مثلاً انسانوں، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کے گروہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی اس کے ”پس وہ روکے جایا کرتے تھے“ یعنی یہ لشکر اتنی بڑی تعداد میں ہوتا تھا کہ راستے میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا کہ شاہی لشکر بد نظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو یہ وَزَعَ يَزَعُ سے ہے، جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی مادے میں ہمزہ سلب کا اضافہ کر کے أَوْزَعْنِي بنایا گیا ہے جو اگلی آیت: ۱۹ میں آ رہا ہے یعنی ایسی چیزیں مجھ سے دور فرما دے، جو مجھے تیری نعمتوں پر تیرا شکر کرنے سے روکتی ہیں۔ اس کو اردو میں ہم الہام و توفیق سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ (فتح القدیر، المر القامیر و ابن کثیر)

۲. اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور موجود ہے۔ گو وہ انسانوں سے بہت کم اور مختلف ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) اتنی عظمت و فضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے، اسی لیے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روند نہ دیے جائیں۔ تیسرا یہ کہ حیوانات بھی اسی عقیدہ صحیحہ سے بہرہ ور تھے اور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ جیسا کہ آگے آنے والے دہد کے واقعے سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا، جس طرح تسخیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔

۳. چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو سن کر سمجھ لینے سے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے دل میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا ہے۔

اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔^(۱)

۲۰. اور آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟^(۲)

۲۱. یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح کر ڈالوں گا، یا میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔

۲۲. کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آکر اس نے کہا میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں،^(۳) میں سب^(۴) کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں۔

۲۳. میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے^(۵) جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا

وَقَفَّكَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ^(۱)

لَأَعَذِّبَنَّكَ عَبْدًا بِاتِّبَاعِهِ أَوْلَاكَ إِذْ بَعَثَهُ أَولِيَاءُ بَنِي سُلَيْمَانَ مُبِينِينَ^(۲)

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ نَحْطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ لِنَبِّئُكَ لَقِينُ^(۳)

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ^(۴)

۱. اس سے معلوم ہوا کہ جنت، مومنوں ہی کا گھر ہے، اس میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اسی لیے حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”سیدھے سیدھے اور حق کے قریب رہو اور یہ بات جان لو کہ کوئی شخص بھی صرف اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، جب تک اللہ کی رحمت مجھے اپنے دامن میں نہیں ڈھانک لے گی۔“ (صحیح البخاری: ۶۳۶۷، مسلم: ۲۱۷۷)

۲. یعنی موجود تو ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا یا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔

۳. احاطہ کے معنی ہیں کسی چیز کی بابت مکمل علم اور معرفت حاصل کرنا۔

۴. سبباً ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا بھی۔ یہاں شہر مراد ہے۔ یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلے پر ہے اور مارب یمن کے نام سے معروف ہے۔ (فتح القدیر)

۵. یعنی ہدہد کے لیے بھی یہ امر باعث تعجب تھا کہ سب میں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ حالانکہ قرآن نے ایک واقعے کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔^(۱)

۲۴. میں نے اسے اور اس کی قوم کو، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا، شیطان نے ان کے کام انہیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے^(۲) پس وہ ہدایت پر نہیں آتے۔

۲۵. کہ اسی اللہ کے لیے سجدے کریں جو^(۳) آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے،^(۴) اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔

۲۶. اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔^(۵)

وَجَدْتُهُمْ قَوْمًا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنُ أُمِّ الشَّيْطَانِ أَعْمَأَمٌ فَصَدَّ هُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾

الَّذِي يَخْرِجُ الْحَبَّ مِنَ الْعَبْوَةِ فِي السَّنَةِ وَالْأَرْضَ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾

إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾



۱. کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۸۰ ہاتھ عرض ۴۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرہ جڑے ہوئے تھے، واللہ اعلم۔ (فتح القدیر) ویسے یہ قول مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ یمن میں بلقیس کا جو محل ٹوٹی چھوٹی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے بڑے تخت کی گنجائش نہیں۔

۲. اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پرندوں کو یہ شعور ہے کہ غیب کا علم انبیاء بھی نہیں جانتے، جیسا کہ ہدہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا کہ میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی بے خبر ہیں، اسی طرح وہ اللہ کی وحدانیت کا احساس و شعور بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہاں ہدہ نے حیرت و استعجاب کے انداز میں کہا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے، سورج کی پجاری ہے اور شیطان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ جس نے ان کے لیے سورج کی عبادت کو بھلا کر کے دکھلایا ہوا ہے۔

۳. اَلَّا يَسْجُدُوا اس کا تعلق بھی زین کے ساتھ ہے۔ یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لیے مزین کر دیا ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔ یا اس میں لَا يَهْتَدُونَ عامل ہے اور لَا زائد ہے۔ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ کو کریں۔ (فتح القدیر)

۴. یعنی آسمان سے بارش برساتا اور زمین سے اس کی مخفی چیزیں نباتات، معدنیات اور دیگر زمینی خزانے ظاہر فرماتا اور نکالتا ہے۔ حَبَّءٌ مصدر ہے مفعول مَحْبُوٌّ (چھپی ہوئی چیز) کے معنی میں۔

۵. مالک تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا ہے لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا، ایک تو اس لیے کہ عرش الہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرا یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سب کا تخت شاہی بھی گوہر بڑا ہے لیکن اسے اس عرش عظیم سے کوئی نسبت نہیں ہے، جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ ہدہ نے چونکہ

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾

إِذْ هَبَّ بِكُلِّبِي هَذَا فَأَقْبَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ
فَأَنْظَرْنَا ذَا يُرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَلَيْسَ الْبُقْعَى إِلَى الْكِتَابِ كَرِيمًا ﴿٢٩﴾

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾

أَلَا تَعْلَمُونَ عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ
قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾

قَالُوا لَنْ نَمْنُكَ أَوْلَىٰ قُوَّةٌ وَأُولُو أَيْمَانٍ شِدِيدَةٌ وَالْأَمْرُ
إِلَيْكَ فَإَنْظِرْ مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾

۲۷۔ سلیمان (علیہ السلام) نے کہا، اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔

۲۸۔ میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے پھر ان کے پاس سے ہٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔^(۱)

۲۹۔ وہ کہنے لگی اے سردارو! میری طرف ایک با وقعت خط ڈالا گیا ہے۔

۳۰۔ جو سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے۔

۳۱۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔^(۲)

۳۲۔ اس نے کہا اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو، میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی۔

۳۳۔ ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔^(۳) آگے آپ کو

توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے (چار جانوروں کو قتل مت کرو۔ چوٹی، شہد کی مکھی، ہمدرد اور صرد یعنی لئورا)۔ (مسند احمد ۳۳۲/۱، ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی قتل الذر۔ وابن ماجہ، کتاب الصيد، باب ما ینہی عن قتله) صرد (لئورا) اس کا سر بڑا، پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔ (حاشیہ ابن کثیر)

۱۔ یعنی ایک جانب ہٹ کر چھپ جا اور دیکھ کہ وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔

۲۔ جس طرح نبی ﷺ نے بھی بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے، جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بھی اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بذریعہ خط دی۔ آج کل مکتوب الیہ کا نام خط میں پہلے لکھا جاتا ہے۔ لیکن سلف کا طریق یہی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اختیار کیا کہ پہلے اپنا نام تحریر کیا۔

۳۔ یعنی ہمارے پاس قوت اور اسلحہ بھی ہے اور لڑائی کے وقت نہایت پامردی سے لڑنے والے بھی ہیں، اس لیے جھکتے اور دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں۔^(۱)

۳۴. اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں^(۲) تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔^(۳) اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔^(۴)

۳۵. اور میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔^(۵)

۳۶. پس جب قاصد حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟^(۱) مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو۔^(۲)

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَاجَ أَهْلِهَا آذِلَّةً ۚ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۴﴾

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرْهُ بِمِرْجٍ مُّسْتَلُونٍ ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمْنُونُ ذُنُوبَكُمْ فَمَا لَنِ بَرَّ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا أَنْتُمْ بَلَّكُمْ أَنْتُمْ يَهْدِيكُمْ فَرَحُونَ ﴿۳۶﴾

۱. اس لیے کہ ہم تو آپ کے تابع ہیں، جو حکم ہوگا، بجالائیں گے۔

۲. یعنی طاقت کے ذریعے سے فتح کرتے ہوئے۔

۳. یعنی قتل و غارت گری کر کے اور قیدی بنا کر۔

۴. بعض مفسرین کے نزدیک یہ اللہ کا قول ہے جو ملکہ سبا کی تائید میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ بلقیس ہی کا کلام اور اس کا تہمت ہے اور یہی سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

۵. اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان (علیہ السلام) کوئی دنیا دار بادشاہ ہے یا نبی مرسل، جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ اگر ہدیہ قبول نہیں کیا تو یقیناً اس کا مقصد دین کی اشاعت و سر بلندی ہے، پھر ہمیں بھی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

۶. یعنی تم دیکھ نہیں رہے، کہ اللہ نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے۔ پھر تم اپنے اس ہدیے سے میرے مال و دولت میں کیا اضافہ کر سکتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔

۷. یہ بطور توبيخ کے کہا کہ تم ہی اس ہدیے پر فخر کرو اور خوش ہو، میں تو اس سے خوش ہونے سے رہا، اس لیے کہ ایک تو دنیا میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ دوسرا اللہ نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو پورے جہان میں کسی کو نہیں دیا۔ تیسرا مجھے نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔

۳۷۔ جا ان کی طرف واپس لوٹ جا،^(۱) ہم ان (کے مقابلہ) پر وہ لشکر لائیں گے جن کا سامنا کرنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انہیں ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے۔^(۲)

۳۸۔ آپ نے فرمایا اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لادے۔^(۳)

۳۹۔ ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا آپ اپنی اس مجلس سے اٹھیں^(۴) اس سے پہلے ہی پہلے میں اسے آپ کے پاس لادیتا ہوں، یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔^(۵)

۴۰۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔^(۶) جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود

إِذْ جَعَلْنَا إِلَهُهُمْ يُجْزِي لَكَ قَبْلَ لَكُمْ بِهَا
وَلَنْخْرِجَهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۳۷﴾

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ الْأَكْمَرُ يَا بُنَيَّ إِنَّ عَرْشَهَا قَبْلَ أَنْ
يَأْتُوَنِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا الْبَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ
مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيَّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا الْبَيْتُكَ
بِهِ قَبْلَ أَنْ تَنزِلَ إِلَيْكَ طَرَفُكَ فَلَمَّا رَاَهُ
مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ﴿۴۰﴾

۱۔ یہاں صیغہ واحد سے مخاطب کیا، جب کہ اس سے قبل صیغہ جمع سے خطاب کیا تھا۔ کیونکہ خطاب میں کبھی پوری جماعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کبھی امیر کو۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہ ہی نہیں تھے، اللہ کے پیغمبر بھی تھے۔ اس لیے ان کی طرف سے تو لوگوں کو ذلیل و خوار کیا جانا ممکن نہیں تھا، لیکن جنگ و قتال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جنگ نام ہی کشت و خون اور اسیری کا ہے اور ذلت و خواری سے یہی مراد ہے، ورنہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو خواہ مخواہ ذلیل و خوار نہیں کرتے۔ جس طرح نبی ﷺ کا طرز عمل اور اسوۂ حسنہ جنگوں کے موقع پر رہا۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب سے ملکہ نے اندازہ لگالیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مطیع و منقاد ہو کر آنے کی تیاری شروع کر دی۔ سلیمان علیہ السلام کو بھی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تو آپ نے انہیں مزید اپنی اعجازی شان دکھانے کا پروگرام بنایا اور ان کے پہنچنے سے قبل ہی اس کا تخت شاہی اپنے پاس منگوانے کا بندوبست کیا۔ اس سے وہ مجلس مراد ہے، جو مقدمات کی سماعت کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے نصف النہار تک منعقد فرماتے تھے۔

۴۔ یعنی میں اسے اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں اور اس کی کسی چیز میں ہیرا پھیری بھی نہیں کروں گا۔

۵۔ یہ کون شخص تھا جس نے یہ کہا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ اور یہ علم کیا تھا، جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا؟ اس میں

لِيَبْلُوَنِي ؕ أَشْكُرْ أَمْ أَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيَ غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾

پایا تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار (بے پروا اور بزرگ) غنی اور کریم ہے۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرَ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۵۱﴾

۵۱. حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ پھیر بدل کر دو (۱) تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پالیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ (۲)

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ ؕ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ؕ وَأُوتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۵۲﴾

۵۲. پھر جب وہ آگئی تو اس سے کہا (دریافت کیا) گیا کہ ایسا ہی تیرا (بھی) تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی ہے، (۳) ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور

مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے الفاظ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ وہ کوئی انسان ہی تھا، جس کے پاس کتاب الہی کا علم تھا، اللہ تعالیٰ نے کرامت اور اعجاز کے طور پر اسے یہ قدرت دے دی کہ پلک جھپکتے میں وہ تخت لے آیا۔ کرامت اور معجزہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہری اسباب اور امور عادیہ کے یکسر خلاف ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لیے نہ شخصی قوت قابل تعجب ہے اور نہ اس علم کے سراغ لگانے کی ضرورت، جس کا ذکر یہاں ہے۔ کیونکہ یہ تو اس شخص کا تعارف ہے جس کے ذریعے سے یہ کام ظاہری طور پر انجام پایا، ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت الہی ہی کی کار فرمائی ہے جو چشم زدن میں جو چاہے کر سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا۔

۱. یعنی اس کے رنگ روپ یا وضع و ہیئت میں تبدیلی کر دو۔

۲. یعنی وہ اس بات سے آگاہ ہوتی ہے کہ یہ تخت اسی کا ہے یا اس کو سمجھ نہیں پاتی؟ دوسرا مطلب ہے کہ وہ راہ ہدایت پاتی ہے یا نہیں؟ یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی اس پر راہ ہدایت واضح ہوتی ہے یا نہیں؟

۳. ردوبدل سے چونکہ اس کی وضع و ہیئت میں کچھ تبدیلی آگئی تھی، اس لیے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور ردوبدل کے باوجود انسان پھر بھی اپنی چیز کو پہچان ہی لیتا ہے، اس لیے اپنے ہونے کی نفی بھی نہیں کی۔ اور یہ کہا ”یہ گویا وہی ہے“ اس میں اقرار ہے نہ نفی۔ بلکہ نہایت مختاط جواب ہے۔

ہم مسلمان تھے۔^(۱)

۴۳۔ اور اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی، یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔^(۲)

۴۴۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں،^(۳) فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے، کہنے لگی میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔^(۴)

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ^(۵)

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ^(۶)

۱۔ یعنی یہاں آنے سے قبل ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے۔ لیکن امام ابن کثیر و شوکانی وغیرہ نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا گیا تھا کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور صَدَّهَا کا فاعل مَا كَانَتْ تَعْبُدُ ہے یعنی اسے اللہ کی عبادت سے جس چیز نے روک رکھا تھا، وہ غیر اللہ کی عبادت تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک کافر قوم سے تھا، اس لیے توحید کی حقیقت سے بے خبر رہی بعض نے صَدَّهَا کا فاعل اللہ کو اور بعض نے سلیمان علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے یا اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر)

۳۔ یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا۔ لُجَّةً گہرے پانی یا حوض کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت کے اعجازی مظاہر دکھانے کے بعد مناسب سمجھا کہ اسے اپنی اس دنیوی شان و شوکت کی بھی ایک جھلک دکھلا دی جائے جس میں اللہ نے انہیں تاریخ انسانیت میں ممتاز کیا تھا۔ چنانچہ اس محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا، جب وہ داخل ہونے لگی تو اس نے اپنے پانچے چڑھالیے۔ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا جس سے اپنے کپڑوں کو بچانے کے لیے اس نے کپڑے سیٹ لیے۔

۴۔ یعنی جب اس پر فرش کی حقیقت واضح ہوئی تو اپنی کوتاہی اور غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور اعتراف تصور کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ صاف چکنے گھڑے ہوئے پتھروں کو مُمَرَّدُ کہا جاتا ہے۔ اسی سے امرد ہے جو اس خوش شکل بچے کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر ابھی داڑھی موچھ نہ ہو۔ جس درخت پر پتے نہ ہوں اسے شجرۃ مرداء کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) لیکن یہاں یہ تعبیر یا جَزَاءُ کے معنی میں ہے۔ یعنی شیشوں کا بنا ہوا یا جڑا ہوا محل۔

ملحوظہ: ملکہ سبا (بلقیس) کے مسلمان ہونے کے بعد کیا ہوا؟ قرآن میں یا کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں

وَلَقَدْ أَسَلْنَا إِلَىٰ نَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَن
اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور یقیناً ہم نے نمود کی طرف ان کے بھائی صالح (ؑ) کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔^(۱)

قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
تَرْحَمُونَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے ہو؟^(۲) تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قَالُوا الْخَيْرُ نَاقٍ وَبَيْنَ مَعَكَ قَالَ طَرِكُوا عِندَ
اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّفْتَنُونَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ وہ کہنے لگے ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں؟^(۳) آپ نے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے،^(۴) بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔^(۵)

وَكَانَ فِي الْمَدْيَنَةِ سَعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ
وَلَا يُضِلُّونَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

ملتی۔ تفسیری روایت میں یہ ضرور ملتا ہے کہ ان کا باہم نکاح ہو گیا تھا۔ لیکن جب قرآن و حدیث اس صراحت سے خاموش ہیں تو اس کی بابت خاموشی ہی بہتر ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ۔

۱۔ ان سے مراد کافر اور مومن ہیں، جھگڑنے کا مطلب ہر فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے۔

۲۔ یعنی ایمان قبول کرنے کے بجائے تم کفر ہی پر کیوں اصرار کر رہے ہو، جو عذاب کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اپنے عناد و سرکشی کی وجہ سے کہتے بھی تھے کہ ہم پر عذاب لے آ۔ جس کے جواب میں حضرت صالح (ؑ) نے یہ کہا۔

۳۔ أُطِيرْنَا اصل میں تَطِيرْنَا ہے۔ اس کی اصل طیر (اڑنا) ہے۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو اسے بدشگونی سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے (فتح القرآن) اسلام میں یہ بدشگونی اور نیک شگونی جائز نہیں ہے البتہ نقاول جائز ہے۔

۴۔ یعنی اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سبب اللہ ہی کے پاس ہے، کیونکہ قضاء و تقدیر اسی کے اختیار میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو نحوست (قحط وغیرہ) پہنچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمہارا کفر ہے۔ (فتح القرآن)۔

۵۔ یا اگر اہی میں ڈھیل دے کر تمہیں آزمایا جا رہا ہے۔

قَالُوا تَقَسُّمُوا بِاللَّهِ لَنَنِيَّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ
لِرَبِّنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ نَامَوْكَ أَهْلَهُ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٥٩﴾

۴۹. انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح (علیہ السلام) اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے، ^(۱) اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ ^(۲)

وَمَكْرُوا مَكْرًا وَمَكْرًا مَكْرًا وَأَهُمَّ لَأَيُّكُمْ عَرُونَ ﴿٥٩﴾

۵۰. اور انہوں نے مکر (خفیہ تدبیر) کیا ^(۳) اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی ^(۴) اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔ ^(۵)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَأَتَاكَ مَرْزُوقٌ
وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾

۵۱. (اب) دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا۔ ^(۶)

فَبَلَكَ نَبِيُّهُمْ خَاوِبَةً يَبْأَخْلَبُوا لَإِنْ فِي ذَلِكَ
لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

۵۲. یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں، بے شک جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔

۱. یعنی صالح (علیہ السلام) کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے، یہ قسمیں انہوں نے اس وقت کھائیں، جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ عذاب کے آنے سے قبل ہی ہم صالح (علیہ السلام) اور ان کے گھر والوں کا صفایا کر دیں۔

۲. یعنی ہم قتل کے وقت وہاں موجود نہ تھے نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کون انہیں قتل کر گیا ہے۔

۳. ان کا مکر یہی تھا کہ انہوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبہ قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح (علیہ السلام) اور ان کے گھر والوں کو ٹھکانے لگا دیں۔

۴. یعنی ہم نے ان کی اس سازش کا بدلہ دیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ اسے بھی مَكْرًا مَكْرًا سے مشکلات کے طور پر تعبیر کیا گیا ہے

۵. اللہ کی اس تدبیر (مکر) کو سمجھتے ہی نہ تھے۔

۶. یعنی ہم نے مذکورہ ۹ سرداروں کو ہی نہیں، بلکہ ان کی قوم کو بھی مکمل طور پر ہلاک کر دیا۔ کیونکہ وہ قوم ہلاکت کے اصل سبب کفر و جود میں مکمل طور پر ان کے ساتھ شریک تھی اور گو بالفعل ان کے منصوبہ قتل میں شریک نہ ہو سکی تھی کیونکہ یہ منصوبہ خفیہ تھا، لیکن ان کی منشا اور دلی آرزو کے عین مطابق تھا اس لیے وہ بھی گویا اس مکر میں شریک تھی جو ۹ افراد نے حضرت صالح (علیہ السلام) اور ان کے اہل کے خلاف تیار کیا تھا، اس لیے پوری قوم ہی ہلاکت کی مستحق قرار پائی۔

۵۳. اور ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے اور پرہیزگار تھے بال بال بچالیا۔

۵۴. اور لوط (علیہ السلام) کا (ذکر کر) جب کہ ^(۱) اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا باوجود دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تم بدکاری کر رہے ہو؟ ^(۲)

۵۵. یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو؟ ^(۳) حق یہ ہے کہ تم بڑی ہی نادانی کر رہے ہو۔ ^(۴)

۵۶. قوم کا جواب بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ تو بڑے پاکباز بن رہے ہیں۔ ^(۵)

۵۷. پس ہم نے اسے اور اس کے سارے اہل و عیال کو بچالیا سوائے اس کی بیوی کے، اس کا اندازہ تو باقی رہ جانے والوں میں ہم لگا ہی چکے تھے۔ ^(۶)

۵۸. اور ان پر ایک (خاص قسم کی) بارش برساتی، ^(۷)

وَأَجْبَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۳﴾

وَلَوْ طَآءُذْنَا لَقَوْمِهِ أَتَانُونَ الْفَاحِشَةَ
وَأَنْتُمْ تَبْصُرُونَ ﴿۵۴﴾

أَيُّكُمْ لَكَانُوا الرِّجَالُ شَهْوَةً مِنْ دُونِ
النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ
لُوطٍ مِمَّنْ قَرَّبَكُمْ إِلَيْهِمْ أَنْتُمْ أَنْتُمْ تَبْطَحُونَ ﴿۵۶﴾
فَأَجْبَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ فَتَدْرَنَهَا مِنْ
الْغَابِرِينَ ﴿۵۷﴾

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۸﴾

۱. یعنی لوط علیہ السلام کا قصہ یاد کرو جب لوط علیہ السلام نے کہا، یہ قوم عموماً اور سدوم بستیوں میں رہائش پذیر تھی۔

۲. یعنی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔ یہ بصارت قلب ہے۔ اور اگر بصارت ظاہری یعنی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہو تو معنی ہوں گے کہ نظروں کے سامنے یہ کام کرتے ہو، یعنی تمہاری سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ چھپنے کا تکلف بھی نہیں کرتے ہو۔

۳. یہ تکرار توبیخ کے لیے ہے کہ یہ بے حیائی وہی لواطت ہے جو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے غیر طبعی شہوت رانی کے طور پر کرتے ہو۔

۴. یا اس کی حرمت سے یا اس محصیت کی سزا سے تم بے خبر ہو۔ ورنہ شاید یہ کام نہ کرتے۔

۵. یہ بطور طنز اور استہزاء کے کہا۔

۶. یعنی پہلے ہی اس کی بابت یہ اندازہ یعنی تقدیر الہی میں تھا کہ وہ انہی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی جو عذاب سے دوچار ہوں گے۔

۷. ان پر جو عذاب آیا، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا اور اس کے بعد ان پر تہ بہ تہ کنکر پتھروں کی بارش ہوئی۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ اللَّهُ خَيْرٌ مَّا يَشْتَرُونَ ﴿۵۹﴾

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْعَادِلِينَ ﴿۶۰﴾

پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی۔^(۱)
۵۹. تو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔^(۲) کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں۔^(۳)
۶۰. بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے،^(۴) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟^(۵) بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں^(۶) (سیدھی راہ سے)۔

۱. یعنی جنہیں پیغمبروں کے ذریعے سے ڈرایا گیا اور ان پر جہت قائم کر دی گئی۔ لیکن وہ تکذیب و انکار سے باز نہیں آئے۔
۲. جن کو اللہ نے رسالت اور بندوں کی رہنمائی کے لیے چنا تاکہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔
۳. یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اللہ ہی کی عبادت بہتر ہے کیونکہ جب خالق، رازق اور مالک وہی ہے تو عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیوں کر ہو سکتا ہے جو نہ کسی چیز کا خالق ہے نہ رازق اور مالک؟ خیر اگرچہ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن یہاں تفضیل کے معنی میں نہیں ہے، مطلق بہتر کے معنی میں ہے، اس لیے کہ معبودان باطلہ میں تو سرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔
۴. یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل دیے جا رہے ہیں کہ وہی اللہ پیداؤں، رزق اور تدبیر وغیرہ میں متفرد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا، ان میں درختاں، کوکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا، اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار کھیتیاں اور انواع و اقسام کے طیور و حیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو زمین سے درخت ہی اگر دکھا دے؟ اس سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر ہے۔ (مثلاً سورۃ العنکبوت: ۶۳)
۵. یعنی ان سب حقیقتوں کے باوجود کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہستی ایسی ہے، جو عبادت کے لائق ہو؟ یا جس نے ان میں سے کسی چیز کو پیدا کیا ہو؟ یعنی کوئی ایسا نہیں جس نے کچھ بنایا ہو یا عبادت کے لائق ہو۔ اَمَّنْ کا ان آیات میں مفہوم یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کو بنانے والی ہے، اس شخص کی طرح ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)
۶. اس کا دوسرا ترجمہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کا ہمسر اور نظیر ٹھہراتے ہیں۔

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا
وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ
حَاجِزًا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ أَكْثَرُوا لَهُمْ لَآئِعِلُونَ ﴿۱﴾

۶۱. کیا جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا ^(۱) اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنادی ^(۲) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا ۖ وَيَكْشِفُ السُّوءَ
وَجَعَلَ خِلَالَ الْأَرْضِ الْعَالَةَ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا
مَا تَدَّكُرُونَ ﴿۲﴾

۶۲. بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ ^(۳) اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، ^(۴) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ
يُرْسِلُ الرِّيحَ بَشِيرًا لِّبَنِي يَدَيَّ رَحْمَةٍ
عَالَةَ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳﴾

۶۳. کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے ^(۵) اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے، ^(۶) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں اس سب سے

۱. یعنی ساکن اور ثابت، نہ ہلتی ہے، نہ ڈولتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین پر رہنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بنانے کا مقصد بھی زمین کو حرکت کرنے سے اور ڈولنے سے روکنا ہی ہے۔

۲. اس کی تشریح کے لیے دیکھیں سورۃ الفرقان: ۵۳ کا حاشیہ۔

۳. یعنی وہی اللہ ہے جسے شہداء کے وقت پکارا جاتا اور مصیبتوں کے وقت جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں مُضْطَرٌّ (لاچار) اس کی طرف رجوع کرتا اور برائی کو وہی دور کرتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۶۷، سورۃ النحل: ۵۳۔

۴. یعنی ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے۔ ورنہ اگر وہ سب کو ایک ہی وقت میں وجود بخش دیتا تو زمین بھی تنگ دامانی کا شکار نہ ہوتی، آکسب معیشت میں بھی دشواریاں پیدا ہوتیں اور یہ سب ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں ہی مصروف و سرگرداں رہتے۔ یعنی یکے بعد دیگرے انسانوں کو پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا، یہ بھی اس کی کمال مہربانی ہے۔

۵. یعنی آسمانوں پر ستاروں کو درخشانی عطا کرنے والا کون ہے؟ جن سے تم تاریکیوں میں راہ پاتے ہو۔ پہاڑوں اور وادیوں کا پیدا کرنے والا کون ہے جو ایک دوسرے کے لیے سرحدوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راستوں کی نشاندہی کا بھی۔

۶. یعنی بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں، جو بارش کی پیامبر ہی نہیں ہوتیں، بلکہ ان سے خشک سال کے مارے ہوئے لوگوں میں خوشی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔

اللہ بلند وبالا تر ہے۔

۶۴. کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا^(۱) اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

۶۵. کہہ دیجیے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا،^(۲) انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْغَافِلِينَ
قُلْ هَآؤُنَا بُرْهَانُكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝

۱. یعنی قیامت کے دن تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔

۲. یعنی آسمان سے بارش نازل فرما کر، زمین سے اس کے مخفی خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

۳. یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ متفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی والہام کے ذریعے سے انہیں بتلا دیتا ہے اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ عالم الغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے، ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہ ہو۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لیے صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی ﷺ آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اس لیے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ ”آسمان وزمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے“۔ (صحیح البخاری: ۴۸۵۵، صحیح مسلم: ۲۸۷، الترمذی: ۳۰۶۸) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقصد کے لیے بنائے ہیں۔ آسمان کی زینت، رہنمائی کا ذریعہ اور شیطان کو گسٹار کرنا۔ لیکن اللہ کے احکام سے بے خبر لوگوں نے ان سے غیب کا علم حاصل کرنے (کہانت) کا ڈھونگ رچالیا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں جو فلاں فلاں ستارے کے وقت نکاح کرے گا تو یہ یہ ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت سفر کرے گا تو ایسا ایسا ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت پیدا ہوگا تو ایسا ایسا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے قیاسات کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں، پرندوں اور جانوروں سے غیب کا علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ جب کہ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (ابن کثیر)

بَلْ اذْكُرْ عَلِمَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ ﴿۵۱﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّ اَبَآؤُنَا اِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۵۲﴾

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۵۳﴾

ثُمَّ سَيَّرُوْا فِي الْاَرْضِ فَاَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

وَيَقُولُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۵۶﴾

۶۶۔ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ختم ہو چکا ہے، ^(۱) بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں۔ ^(۲)

۶۷۔ اور کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، تو کیا ہم پھر نکالے جائیں گے؟!

۶۸۔ ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پہلے سے یہ وعدے دیے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں۔ ^(۳)

۶۹۔ کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ گناہ گاروں کا کیا انجام ہوا؟ ^(۴)

۷۰۔ اور آپ ان کے بارے میں غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں۔

۷۱۔ اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگر سچے ہو تو بتلا دو۔

۱۔ یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا وقت جاننے سے عاجز ہے۔ یا ان کا علم آخرت کے بارے میں برابر ہے جیسے نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے استفسار پر فرمایا تھا کہ ”قیامت کے بارے میں مسئول عنہا (نبی اکرم ﷺ) بھی سائل (حضرت جبرائیل علیہ السلام) سے زیادہ علم نہیں رکھتے“ یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا، اس لیے کہ انہوں نے قیامت کے بارے میں کیے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان کے لیے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں وہ اسے جھٹلاتے رہے تھے جیسے فرمایا ﴿اَسْمِعْ يَهُودَ وَاَنْصَارَ يَوْمَ يَكُوْنُ الْاَلْظِمُ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (مریم: ۳۸) (کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے، لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں)۔

۲۔ یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں۔

۳۔ یعنی اس میں حقیقت کوئی نہیں، بس ایک دوسرے سے سن کر یہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔

۴۔ یہ ان کافروں کے قول کا جواب ہے کہ بچھلی قوموں کو دیکھو کہ کیا ان پر اللہ کا عذاب نہیں آیا؟ جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیامت اور اس کی زندگی کے بارے میں بھی ہمارے رسول جو کہتے ہیں، یقیناً سچ ہے۔

۷۲. جواب دیجیے کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی چاہے ہو تم سے بہت ہی قریب ہو گئی ہوں۔^(۱)

۷۳. اور یقیناً آپ کا پروردگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔^(۲)

۷۴. اور بیشک آپ کا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپا رہے ہیں اور جنہیں ظاہر کر رہے ہیں۔

۷۵. اور آسمان وزمین کی کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو۔^(۳)

۷۶. یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا بیان کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔^(۴)

۷۷. اور یہ قرآن ایمان والوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے۔^(۵)

قُلْ عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدْفٌ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ^(۱)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُونَ^(۲)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ^(۳)

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ^(۴)

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُضُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^(۵)

وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ^(۶)

۱. اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل اور اسیری کی شکل میں کافروں کو پہنچا، یا عذاب قبر ہے رَدْف، قرب کے معنی میں ہے، جیسے سواری کی عقبی نشست پر بیٹھنے والے کو رَدیف کہا جاتا ہے۔

۲. یعنی عذاب میں تاخیر، یہ بھی اللہ کے فضل و کرم کا ایک حصہ ہے، لیکن لوگ پھر بھی اس سے اعراض کر کے ناشکری کرتے ہیں۔

۳. اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان ہی غائب چیزوں میں اس عذاب کا علم بھی ہے جس کے لیے یہ کفار جلدی مچاتے ہیں۔ لیکن اس کا وقت بھی اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے جسے صرف وہی جانتا ہے، اور جب وہ وقت آجاتا ہے جو اس نے کسی قوم کی تباہی کے لیے لکھ رکھا ہوتا ہے، تو پھر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ مقررہ وقت آنے سے پہلے جلدی کیوں کرتے ہیں؟

۴. اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنفیص اور توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو۔ حتیٰ کہ انہیں، اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ قرآن کریم نے ان کے حوالے سے ایسی باتیں بیان فرمائیں جن سے حق واضح ہو جاتا ہے، اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے عقائدی اختلافات ختم اور ان کا تفرق و انتشار کم ہو سکتا ہے۔

۵. مومنوں کا اختصاص اس لیے کہ وہی قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انہیں میں وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔

۷۸. آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا،^(۱) وہ بڑا ہی غالب اور خوب جاننے والا ہے۔

۷۹. پس آپ یقیناً اللہ ہی پر بھروسہ رکھیے، یقیناً آپ سچے اور کھلے دین پر ہیں۔^(۲)

۸۰. بیشک آپ نہ مردوں کو سُنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سُنا سکتے ہیں،^(۳) جب کہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہوں۔^(۴)

۸۱. اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر رہنمائی کر سکتے ہیں^(۵) آپ تو صرف انہیں سُنا سکتے ہیں

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ
الْمُسْتَقِيمِ ۝

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
الدُّعَاءَ إِذَا كُنُوا مُدْبِرِينَ ۝

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ
إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ

۱. یعنی قیمت میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزاء و سزا کا اہتمام فرمائے گا، یا انہوں نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کی ہیں دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔
۲. یعنی اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اور اسی پر اعتماد کریں، وہی آپ کا مددگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ دین حق پر ہیں، دوسری وجہ آگے آ رہی ہے۔

۳. یہ ان کافروں کی پرواہ نہ کرنے اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مردہ ہیں جو کسی کی بات سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ راہ یاب ہونے والے ہیں۔ گویا کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی جن میں حس ہوتی ہے نہ عقل، اور بہروں سے جو وعظ و نصیحت سنتے ہیں نہ دعوت الی اللہ قبول کرتے ہیں۔

۴. یعنی وہ حق سے مکمل طور پر گریزاں اور متنفر ہیں کیونکہ بہرہ آدمی رو در رو بھی کوئی بات نہیں سن پاتا چہ جائیکہ اس وقت سن سکے جب وہ منہ موڑ لے اور پیٹھ پھیرے ہوئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سماع موتی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے۔ البتہ اس سے صرف وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جہاں سماعت کی صراحت کسی نص سے ثابت ہوگی۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ مردے کو جب دفنا کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے (صحیح البخاری: ۳۳۸، صحیح مسلم: ۲۲۰۱) یا جنگ بدر میں کافر مقتولین کو جو قلب بدر میں پھینک دیے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے خطاب فرمایا، جس پر صحابہ نے کہا ”آپ ﷺ بے روح جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تم سے زیادہ میری بات سن رہے ہیں۔“ یعنی معجزانہ طور اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات مردہ کافروں کو سنوا دی۔ (صحیح البخاری: ۱۳۰۷)

۵. یعنی جن کو اللہ تعالیٰ حق سے اندھا کر دے، آپ ان کی اس طرح رہنمائی نہیں فرما سکتے جو انہیں مطلوب یعنی ایمان تک پہنچا دے۔

مُسْلِمُونَ ﴿۵﴾

جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں پھر وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔

۸۲. اور جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا^(۱) تو ہم زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہو گا^(۲) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔^(۳)

۸۳. اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے گھیر گھار کر لائیں گے پھر وہ سب کے سب الگ کر دیے جائیں گے۔^(۴)

۸۴. جب سب کے سب آپہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں کو باوجودیکہ تمہیں ان کا پورا علم نہ تھا کیوں جھٹلایا؟^(۵) اور یہ بھی بتلاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے رہے؟^(۶)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۵﴾

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مَّسْنُونًا يُكَلِّمُ بِاللِّسَانِ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۵﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ قَالَ أَكُنْتُمْ بِآيَاتِي أَعْمَىٰ وَلَمْ يُحِطُوا بِهَا عُلَمَاءُ مَاءَدًا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾

۱. یعنی جب نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں رہ جائے گا۔

۲. یہ دابة وہی ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے۔“ (صحیح مسلم کتاب الفتن، باب فی الآيات التي تكون قبل الساعة، والسنن) دوسری روایت میں ہے ”سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی، وہ ہے سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ظاہر ہوگی، دوسری اس کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو جائے گی۔“ (صحیح مسلم، باب فی خروج الدجال ومکته فی الأرض)

۳. یہ جانور کے نکلنے کی علت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی اس لیے دکھلائے گا کہ لوگ اللہ کی نشانیوں یا آیتوں (احکام) پر یقین نہیں رکھتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ وہ جانور اپنی زبان سے ادا کرے گا اور اس جانور کے لوگوں سے کلام کرنے میں تو کوئی شک نہیں کیونکہ قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔

۴. یا قسم قسم کر دیے جائیں گے۔ یعنی زانیوں کا ٹولہ، شرابیوں کا ٹولہ وغیرہ۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کو روکا جائے گا۔ یعنی ان کو ادھر ادھر اور آگے پیچھے ہونے سے روکا جائے گا اور سب کو ترتیب وار لا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۵. یعنی تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔

۶. کہ جس کی وجہ سے تمہیں میری باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾

۸۵. اور بسبب اس کے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا ان پر بات جم جائے گی اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے۔^(۱)

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الْيَمْلَ لَيْسَ لَنَاؤُافِيهِ وَاللَّيْلُ مَبْعُورٌ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

۸۶. کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کر لیں اور دن کو ہم نے دکھلانے والا بنایا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان و یقین رکھتے ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ وَكُلُّ أَتَوٰةٍ ذٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷. اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے^(۲) مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے،^(۳) اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔

وَتَرَى الْجِبَالِ تَحْصِبُهَا جَٰمِدًا ۖ وَهِيَ نُفْرٌ مَّرْمَرٌ السَّحَابُ دُخَانٌ مِّنَ النَّارِ الذِّيْ اَنْفَقَ كُلُّ مَسِيٍّ لِّاِنَّهٗ حَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸. اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جے ہوئے خیال کرتے ہیں لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے،^(۴) یہ ہے صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط

۱. یعنی ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا کہ جسے وہ پیش کر سکیں۔ یا قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے بولنے کی قدرت سے ہی محروم ہوں گے اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے جب ان کے مونہوں پر مہر لگادی جائے گی۔
۲. تاکہ وہ اس میں کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکیں۔

۳. صور سے مراد وہی قرن ہے جس میں اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے۔ یہ نفخہ دو یا دو سے زیادہ ہوں گے۔ پہلے نفخہ (پھونک) میں ساری دنیا گھبرا کر بے ہوش اور دوسرے نفخہ میں موت سے ہمکنار ہو جائے گی۔ تیسرے نفخہ میں سب لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک اور چوتھا نفخہ ہوگا جس سے سب لوگ میدان محشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہاں کون سا نفخہ مراد ہے؟ امام ابن کثیر کے نزدیک یہ پہلا نفخہ اور امام شوکانی کے نزدیک تیسرا نفخہ ہے جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔

۴. یہ مستثنیٰ لوگ کون ہوں گے۔ بعض کے نزدیک انبیاء و شہداء، بعض کے نزدیک فرشتے اور بعض کے نزدیک سب اہل ایمان ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمام مذکورین ہی اس میں شامل ہوں کیونکہ اہل ایمان حقیقی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے)۔

۵. یہ قیامت کے دن ہوگا کہ پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے۔

بنایا ہے،^(۱) جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ بانبر ہے۔

۸۹. جو لوگ نیک عمل لائیں گے انہیں اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔^(۲)

۹۰. اور جو برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو تم کرتے رہے۔

۹۱. مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے،^(۳) جس کی ملکیت ہر چیز ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں ہو جاؤں۔

۹۲. اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہ راست پر آجائے وہ اپنے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا۔ اور جو بہک جائے تو کہہ دیجیے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں۔^(۴)

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّمَّا وَهُمْ مِنْ قَوْمٍ يُؤْمِنُ بِالْأَمْنِ^(۱)

وَمَنْ جَاءَ بِالْأَسْوَةِ فَلَهُ شَرٌّ مِّمَّا وَهُمْ مِنْ قَوْمٍ يُؤْمِنُ بِالْأَمْنِ^(۲)

إِنَّمَا أُرِيتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدِ الَّذِي حَرَّمَ هَذَا كُلُّ شَيْءٍ وَأُرِيتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ^(۳)

وَأَنْ أَتْلُو الْقُرْآنَ فَمِنْ أُمَّتِي وَأَنَا مِمَّنْ يَنْفَعُ^(۴)

۱. یعنی یہ اللہ کی عظیم قدرت سے ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روٹی کے گالوں کی طرح کر دینے پر قادر ہے۔

۲. یعنی حقیقی اور بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ ہوں گے۔ ﴿لَا يَخْزُهُمُ الْقَوْمُ الْكَبِيرُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳) (وہ بڑی گھبراہٹ (بھی) انہیں غمگین نہ کر سکے گی)۔

۳. اس سے مراد کہ شہر ہے اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ اسی میں خانہ کعبہ ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ ”حرمت والا“ کا مطلب ہے اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا حتیٰ کہ کاٹنا توڑنا بھی منع ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب الحج باب تحریم مکة وصيدھا، والسنن)

۴. یعنی میرا کام صرف تبلیغ ہے۔ میری دعوت و تبلیغ سے جو مسلمان ہو جائے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا، اور جو میری دعوت کو نہیں مانے گا، تو میرا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے حساب لے لے گا اور اسے جہنم کے عذاب کا مزہ پکھائے گا۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبُّكُمْ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ ۚ
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

۹۳. اور کہہ دیجیے، کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں^(۱)
وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم (خود) پہچان
لو گے۔^(۲) اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آپ کا رب
غافل نہیں۔^(۳)

۱. کہ جو کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک حجت قائم نہیں کر دیتا۔

۲. دوسرے مقام پر فرمایا ﴿سَبُّهُمْ إِلَيْنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعَنَ لَهُمُ اللَّهُ الْحَقُّ﴾ (حم السجدة: ۵۳) (عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے)۔ اگر زندگی میں یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے تو موت کے وقت تو ان نشانیوں کو دیکھ کر ضرور پہچان لیتے ہیں۔ لیکن اس وقت کی معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، اس لیے کہ اس وقت ایمان مقبول نہیں۔

۳. بلکہ ہر چیز کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس میں کافروں کے لیے تربیب شدید اور تہدید عظیم ہے۔



سورہ قصص مکی ہے اور اس میں اٹھاسی آیتیں
اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. طسّم۔

طسّم ۱

۲. یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔

تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۱

۳. ہم آپ کے سامنے موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا صحیح واقعہ
بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۱)

نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُّوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ
لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۲

۴. یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی^(۲) اور
وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا^(۳) اور ان میں سے
ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا^(۴) اور ان کے لڑکوں کو تو
ذبح کر ڈالتا تھا^(۵) اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔
بے شک و شبہ وہ تھا ہی مفسدوں میں سے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلٰی اَرْضٍ وَجَّعَلَ اَهْلَهَا
شِیْعًا یَّسْتَضَعِفُ طَآئِفَةً مِنْهُمْ یُدْرِیْهُمْ
اَبْنَاءَهُمْ وَیَسْتَكْفِیْ نِسَاءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُفْسِدِیْنَ ۳

۱. یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحی الہی کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس
طریقے سے بیان کر دینا جس طرح وہ پیش آئے، ناممکن ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہوگا،
کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔

۲. یعنی ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور خود کو بڑا معبود کہلاتا تھا۔

۳. جن کے ذمے الگ الگ کام اور ذمہ داریاں تھیں۔

۴. اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جو اس وقت کی افضل ترین قوم تھی لیکن ابتلاء و آزمائش کے طور پر فرعون کی غلام اور
اس کی ستم رانیوں کا نتیجہ مشق بنی ہوئی تھی۔

۵. جس کی وجہ بعض جومیوں کی یہ پیش گوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت
اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ جس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ہر پیدا ہونے والا اسرائیلی بچہ قتل کر دیا جائے۔ حالانکہ اس
احق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کاہن سچا ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا چاہے وہ بچے قتل کروا تا رہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو قتل
کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ (فتح القدیر) بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ خوشخبری منتقل ہوتی
چلی آ رہی تھی کہ ان کی نسل سے ایک بچہ ہوگا جس کے ہاتھوں سلطنت مصر کی تباہی ہوگی۔ قطبیوں نے یہ بشارت بنی
اسرائیل سے سنی اور فرعون کو اس سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مردانا شروع کر دیا۔ (ابن کثیر)

۵. اور پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم انہیں پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں۔^(۱)

۶. اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں^(۲) اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔^(۳)

۷. اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کو وحی کی^(۴) کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج و غم نہ کرنا،^(۵) ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں^(۶) اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝

وَنُمَكِّنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ إِذًا فَذَا حَضَبٌ عَلَيْهِ ۖ وَآلَقْنَاهُ فِي الدِّمَاءِ وَلَا تَحْزَنْ وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَأَوْنَاهُ إِلَيْكَ ۖ وَجَاعَلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

۱. چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزور اور غلام قوم کو مشرق و مغرب کا وارث (مالک و حکمران) بنادیا۔ (الاعراف: ۱۳۷) نیز انہیں دین کا پیشوا اور امام بھی بنادیا۔

۲. یہاں زمین سے مراد ارض شام ہے جہاں وہ کنعانیوں کی زمین کے وارث بنے کیونکہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل مصر واپس نہیں گئے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۳. یعنی انہیں جو اندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے ملک و لشکر کی تباہی ہوگی، ان کے اس اندیشے کو ہم نے حقیقت کر دکھایا۔

۴. وحی سے مراد یہاں دل میں بات ڈالنا ہے، وہ وحی نہیں ہے، جو انبیاء پر فرشتے کے ذریعے سے نازل کی جاتی تھی اور اگر فرشتے کے ذریعے سے بھی آئی ہو، تب بھی اس ایک وحی سے ام موسیٰ (علیہ السلام) کا نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ فرشتے بعض دفعہ عام انسانوں کے پاس بھی آجاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں اقرع، ابرص اور اعمیٰ کے پاس فرشتوں کا آنا ثابت ہے۔ (متفق علیہ، صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبياء)

۵. یعنی دریا میں ڈوب جانے یا ضائع ہوجانے سے نہ ڈرنا اور اس کی جدائی کا غم نہ کرنا۔

۶. یعنی ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کی نجات یقینی ہو، کہتے ہیں کہ جب قتل اولاد کا یہ سلسلہ دراز ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہوجائے اور پھر مشقت والے کام ہمیں نہ کرنے پڑیں۔ اس اندیشے کا ذکر انہوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کیے اور ایک سال چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت ہارون (علیہ السلام) اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے، جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) قتل والے سال میں پیدا ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سر و سامان اس طرح پیدا فرمایا کہ ایک تو ان کی والدہ پر حمل

۸. آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا^(۱) تاکہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہو اور ان کے رنج کا باعث بنے،^(۲) کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطاکار۔^(۳)

۹. اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو،^(۴) بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں^(۵) اور یہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے۔^(۶)

۱۰. اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا،^(۷)

فَالْتَفَتَهُ الْفِرْعَوْنُ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا
وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا
كَانُوا خَاطِئِينَ ۝

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنِي
وَلَكَّ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَلَيَّ أَنْ يَنْفَعَنَّا
أَوْ نَنْجُوهُ وَلَكِنَّا أَهْمٌ لَا نَشْعُرُونَ ۝

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَاوِنَ كَادَتْ

کے آثار اس طرح ظاہر نہیں فرمائے، جس سے وہ فرعون کی چھوٹی ہوئی دائیوں کی نگاہ میں آجائیں۔ اس لیے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ ہو گیا اور یہ واقعہ حکومت کے منصوبہ بندوں کے علم میں نہیں آیا، لیکن ولادت کے بعد قتل کا اندیشہ موجود تھا، جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی والقاء کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو سمجھادیا۔ چنانچہ انہوں نے اسے تابوت میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر)

۱. یہ تابوت بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، جو لب دریا ہی تھا اور وہاں فرعون کے نوکروں چاکروں نے پکڑ کر باہر نکال لیا۔

۲. یہ لام عاقبت کے لیے ہے۔ یعنی انہوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا، نہ کہ دشمن سمجھ کر۔ لیکن انجام ان کے اس فعل کا یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور رنج و غم کا باعث ثابت ہوا۔

۳. یہ باقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دشمن کیوں ثابت ہوئے؟ اس لیے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطاکار تھے، اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے پروردہ کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنادیا۔

۴. انہوں نے یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین و جمیل بچہ دیکھا۔ بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے تھے تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (ایسر التفاسیر) جمع کا صیغہ یا تو اس لیے بطور تعظیم کے کہا یا ممکن ہے وہاں اس کے کچھ درباری موجود رہے ہوں۔

۵. کیوں کہ فرعون اولاد سے محروم تھا۔

۶. کہ یہ بچہ، جسے وہ اپنا بچہ بنا رہے ہیں، یہ تو وہی بچہ ہے جس کو مارنے کے لیے سینکڑوں بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔
۷. یعنی ان کا دل ہر چیز اور فکر سے فارغ (خالی) ہو گیا اور ایک ہی فکر یعنی موسیٰ علیہ السلام کا غم دل میں سا گیا، جس کو اردو میں بے قراری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لَسُبُّدِي بِهِ لَوْلَا اَنْ رَّبَّنَا عَلٰى قَلْبِهَا
لَيَسْكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠﴾

وَقَالَتْ لِاخْتِبِ قُصِيْبَهُ فَبَصَرْتُ بِهِ عَن
جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١١﴾

وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ
أَدْلُكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَهُ لَكُمْ وَهُمْ
لَهُ نَصِيْحُوْنَ ﴿١٢﴾

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَىٰ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
وَلَنَعْلَمَنَّ اَنْ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم
ان کے دل کو ڈھارس نہ دے دیتے یہ اس لیے کہ وہ
یقین کرنے والوں میں رہے۔^(۱)

۱۱. اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے اس کی بہن^(۲) سے کہا
کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا، تو وہ اسے دور ہی دور سے
دیکھتی رہی^(۳) اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔

۱۲. اور ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر
دایوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔^(۴) یہ کہنے لگی کہ کیا میں
تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں^(۵) جو اس بچے کی تمہارے لیے
پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ۔

۱۳. پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچا
دیا،^(۶) تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزدہ خاطر
نہ ہو اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے^(۷) لیکن

۱. یعنی شدت غم سے یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ ان کا بچہ ہے لیکن اللہ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا جس پر انہوں نے
صبر کیا اور یقین کر لیا کہ اللہ نے اس موسیٰ (علیہ السلام) کو بخیریت واپس لوٹانے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہو گا۔

۲. خواہر موسیٰ (علیہ السلام) کا نام مریم بنت عمران تھا جس طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ مریم بنت عمران تھیں۔ نام اور
ولادت دونوں میں اتحاد تھا۔

۳. چنانچہ وہ دریا کے کنارے کنارے، دیکھتی رہی تھی، حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ اس کا بھائی فرعون کے محل میں چلا گیا ہے۔

۴. یعنی ہم نے اپنی قدرت اور تکوینی حکم کے ذریعے سے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انا کا دودھ پینے سے منع
کر دیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انا انہیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

۵. یہ سب منظر ان کی ہمشیرہ خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں، بالآخر بول پڑیں کہ میں تمہیں ”ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس
بچے کی تمہارے لیے پرورش کرے“۔

۶. چنانچہ انہوں نے ہمشیرہ موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ، چنانچہ وہ دوڑی دوڑی گئی اور اپنی ماں کو، جو
موسیٰ (علیہ السلام) کی بھی ماں تھی، ساتھ لے آئی۔

۷. جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا، تو فرعون نے والدہ موسیٰ (علیہ السلام) سے محل میں رہنے کی استدعا کی
تاکہ بچے کی صحیح پرورش اور نگہداشت ہو سکے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی۔

اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۱)

۱۴. اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا،^(۲) اور نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

۱۵. اور موسیٰ (علیہ السلام) ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔^(۳) یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا، یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے،^(۴) اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴﴾

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا
فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَةِ
وَهَٰذَا مِنْ عَدُوٍّ ۖ فَاسْتَعَاثَ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ
عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوٍّ ۖ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ
قَالَ هَٰذَا مِنْ غِلِّ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لے جائیں اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی اجرت انہیں شاہی خزانے سے دی جائے گی، سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے، دودھ اپنے بچے کو پلائیں اور تنخواہ فرعون سے وصول کریں، رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقے سے پورا فرمایا۔ ﴿فَصَبَّحْنَاهُ أَتَذْكُرُ مَلَكُوتَ مَلِكٍ شَعْبٍ﴾ (یس: ۸۳) (پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے) ایک مرسل روایت میں ہے۔ ”اس کاریگر کی مثال“ جو اپنی بنائی ہوئی چیز میں ثواب اور خیر کی نیت بھی رکھتا ہے، موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کی طرح ہے جو اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی اجرت بھی وصول کرتی ہے۔“ (مراسیل ابی داؤد)

۱. یعنی بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انجام کی حقیقت سے اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں لیکن اللہ کو اس کے حسن انجام کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ہو سکتا ہے جس چیز کو تم برا سمجھو، اس میں تمہارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو تم پسند کرو، اس میں تمہارے لیے شر کا پہلو ہو) (البقرة: ۲۱۶) دوسرے مقام پر فرمایا (ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو، اور اللہ اس میں تمہارے لیے خیر کثیر پیدا فرمادے) (النساء: ۱۹) اس لیے انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے قطع نظر ہر معاملے میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کر لے کہ اسی میں اس کے لیے خیر اور حسن انجام ہے۔

۲. حکم اور علم سے مراد اگر نبوت ہے تو اس مقام تک کس طرح پہنچے، اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نبوت نہیں بلکہ عقل و دانش اور وہ علوم ہیں جو انہوں نے اپنے آبائی اور خاندانی ماحول میں رہ کر سیکھے۔

۳. اس سے بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت اور بعض نے نصف النہار مراد لیا ہے۔ جب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔

۴. یعنی فرعون کی قوم قبط میں سے تھا۔

سے تھا اس سے فریاد کی، جس پر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو مکا مارا جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے،^(۱) یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔^(۲)

۱۶. پھر دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، تو مجھے معاف فرما دے،^(۳) اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، یقیناً وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

۱۷. کہنے لگے اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ بنوں گا۔^(۴)

۱۸. صبح ہی صبح ڈرتے^(۵) اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے کو شہر میں گئے، کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تو تو صریح بے راہ ہے۔^(۶)

قَالَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ
اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ^(۱)

قَالَ رَبِّ بِمَا اَنَعَمْتَ عَلَيَّ كَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ^(۲)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي
اَسْتَنْصَرُكَ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُكَ قَالَ لَهُ مُوسٰى
اِنَّكَ لَعَوِيْ مُّبِيْنٌ^(۳)

۱. اسے شیطانی فعل اس لیے قرار دیا کہ قتل ایک نہایت سنگین جرم ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا مقصد اسے ہرگز قتل کرنا نہیں تھا۔

۲. جس کی انسان سے دشمنی بھی واضح ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ جو جو جتن کرتا ہے، وہ بھی مخفی نہیں۔

۳. یہ اتفاقیہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا، کیونکہ کبار سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا جس کے لیے طلب بخشش انہوں نے ضروری سمجھا۔ دوسرا، انہیں خطرہ تھا کہ فرعون کو اس کی اطلاع ملی تو اس کے بدلے انہیں قتل نہ کر دے۔

۴. یعنی جو کافر اور تیرے حکموں کا مخالف ہوگا، تو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے، اس کے سبب میں اس کا مددگار نہیں ہوں گا۔ بعض نے اس انعام سے مراد اس گناہ کی معافی لی ہے جو غیر ارادی طور پر قطعی کے قتل کی صورت میں ان سے صادر ہوا۔

۵. خائف کے معنی ڈرتے ہوئے یَتَرَقَّبُ، ادھر ادھر جھانکتے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا۔

۶. یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو ڈانٹا کہ تو کل بھی لڑتا ہوا پایا گیا تھا اور آج پھر تو کسی سے دست بگریبان ہے، تو صریح بے راہ یعنی جھگڑا لے رہا ہے۔

۱۹. پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا^(۱) وہ فریادی کہنے لگا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے، تو تو ملک میں ظالم و سرکش ہی ہونا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔

۲۰. اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا^(۲) اور کہنے لگا اے موسیٰ! (علیہ السلام) یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، پس تو بہت جلد چلا جا مجھے اپنا خیر خواہ مان۔

۲۱. پس موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے،^(۳) کہنے لگے اے پروردگار! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچالے۔^(۴)

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ يَأْتِيهِ هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا يَقَالُ يَهُوسُفُ أَنْ تَرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا يَا لَأَمْسٍ إِنَّ رَبِّي لَدَلِيلٌ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تَرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُوحِينَ^(۱)

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ يَسْعَىٰ قَالُ يَهُوسُفُ إِنَّ الْمَلَكَ يَأْتِيهِمْ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ^(۲)

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ^(۳)

۱. یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے چاہا کہ قبلی کو پکڑ لیں، کیونکہ وہی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا، تاکہ لڑائی زیادہ نہ بڑھے۔

۲. فریادی (اسرائیلی) سمجھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) شاید اسے پکڑنے لگے ہیں تو وہ بول اٹھا کہ اے موسیٰ! اَتَرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي... جس سے قبلی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا اس کا قاتل موسیٰ (علیہ السلام) ہے، اس نے جاکر فرعون کو بتلادیا جس پر فرعون نے اس کے بدلے میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔

۳. یہ آدمی کون تھا؟ بعض کے نزدیک یہ فرعون کی قوم سے تھا جو در پردہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا خیر خواہ تھا۔ اور ظاہر ہے سرداروں کے مشورے کی خبر ایسے ہی آدمی کے ذریعے آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ موسیٰ (علیہ السلام) کا قریبی رشتے دار اور اسرائیلی تھا۔ اور اقصائے شہر سے مراد منف ہے جہاں فرعون کا محل اور دار الحکومت تھا اور یہ شہر کے آخری کنارے پر تھا۔

۴. جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علم میں یہ بات آئی تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت میں نہ آسکیں۔

۵. یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے، جنہوں نے باہم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کا مشورہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیوں کہ مصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا، پہلے سے کوئی خیال یا منصوبہ نہیں تھا، چنانچہ اللہ نے گھوڑے پر ایک فرشتہ بھیج دیا، جس نے انہیں راستے کی نشاندہی کی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (ابن کثیر)

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَلَىٰ رَاسِهِ أَنِ
يُعْذِرْنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ
النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ
تَذَوَّدَنِ ۖ قَالَ مَا حَظُّكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ
يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝

فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي
لَمَّا أَتَيْتُكَ لَمْ أَبْرِئْكَ ۝

۲۲. اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے
مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔^(۱)

۲۳. اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ
لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے^(۲) اور دو
عورتیں الگ کھڑی اپنے (جانوروں کو) روکتی ہوئی دکھائی
دیں، پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے،^(۳) وہ بولیں کہ جب تک
یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں^(۴) اور
ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔^(۵)

۲۴. پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر
سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے اے پروردگار!
تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج
ہوں۔^(۶)

۱. چنانچہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایسے سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی فرمادی جس سے ان کی دنیا بھی سنور گئی
اور آخرت بھی، یعنی وہ ہادی بھی بن گئے اور مہدی بھی، خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت کا راستہ بتلانے والے۔

۲. یعنی جب مدین پہنچے تو اس کے کنویں پر دیکھا کہ لوگوں کا جھوم ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے۔ مدین یہ قبیلے
کا نام تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے جو
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے (حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے) تھے۔ یوں اہل مدین اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان یہی تعلق
بھی تھا۔ (البر التفسیر) اور یہی حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن و مبعث بھی تھا۔

۳. دو عورتوں کو اپنے جانور روکے کھڑے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رحم آیا اور ان سے پوچھا کیا بات ہے
تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟

۴. تاکہ مردوں سے ہمارا اختلاط نہ ہو۔ رُعَاءُ رَاع (چرواہا) کی جمع ہے۔

۵. اس لیے وہ خود گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے نہیں آسکتے۔

۶. حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنا لمبا سفر کر کے مصر سے مدین پہنچے تھے، کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا، جب کہ سفر کی تکان اور
بھوک سے نڈھال تھے۔ چنانچہ جانوروں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سائے تلے آکر مصروف دعا ہو گئے۔ خیر کئی چیزوں
پر بولا جاتا ہے، کھانے پر، امور خیر اور عبادات پر، قوت و طاقت پر اور مال پر۔ (البر التفسیر) یہاں اس کا اطلاق کھانے پر
ہوا ہے۔ یعنی میں اس وقت کھانے کا ضرورت مند ہوں۔

۲۵۔ اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی،^(۱) کہنے لگی کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے (جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں،^(۲) جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی۔^(۳)

۲۶۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اباجی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔^(۴)

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَتَشَتَّى عَلَى امْتِعَاتِهَا قَالَتْ إِنَّ
إِنِّي يَدْعُو لِي بِعِزِّي أَجْرًا مَا سَقَيْتُ لَنَا فَكَلِمًا جَاءَهُ
وَقَضَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ
الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا بَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ
اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۝

۱۔ اللہ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا قبول فرمائی اور دونوں میں سے ایک لڑکی انہیں بلانے آگئی۔ لڑکی کی شرم وحیا کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کا اصل زیور ہے۔ اور مردوں کی طرح حیا و حجاب سے بے نیازی اور بے باکی عورت کے لیے شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

۲۔ بچیوں کو باپ کون تھا؟ قرآن کریم نے صراحت سے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے اس سے مراد حضرت شعیب (علیہ السلام) کو لیا ہے جو اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ امام شوکانی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کا زمانہ نبوت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے بہت پہلے کا ہے۔ اس لیے یہاں حضرت شعیب (علیہ السلام) کا برادر زادہ یا کوئی اور قوم شعیب (علیہ السلام) کا شخص مراد ہے، واللہ اعلم۔ بہر حال حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بچیوں کے ساتھ جو ہمدردی اور احسان کیا، وہ بچیوں نے جاکر بوڑھے باپ کو بتلایا، جس سے باپ کے دل میں بھی داعیہ پیدا ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیا جائے یا اس کی محنت کی اجرت ہی ادا کر دی جائے۔

۳۔ یعنی اپنی مصر کی سرگزشت اور فرعون کے ظلم و ستم کی تفصیل سنائی جس پر انہوں نے کہا کہ یہ علاقہ فرعون کی حدود حکمرانی سے باہر ہے اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے ظالموں سے نجات عطا فرمادی ہے۔

۴۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ باپ نے بچیوں سے پوچھا تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی۔ جس پر بچیوں نے بتلایا کہ جس کنویں سے پانی پلایا، اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے دس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ اس شخص نے وہ پتھر اکیلے ہی اٹھالیا اور پھر بعد میں رکھ دیا۔ اسی طرح جب میں اس کو بلا کر اپنے ساتھ لاری تھی، تو چونکہ راستے کا علم مجھے ہی تھا، میں آگے آگے چل رہی تھی اور یہ

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِكَ بِحَدِيثِ رَبِّكَ فَتَكُونَ عَلَى آثَارِنَا حَبِيبًا قَالَ أَلَمْ يَأْتِكُمْ عَشْرًا مِمَّنْ بَعْدَ مَا أُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِكَ عَلَيْهِمْ سَبْعِينَ لَيْلَةً قَدْ جَاءَ الْفُلُوكَ مِنْ الصُّلَحِينَ ۝

۲۷۔ اس بزرگ نے کہا میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں^(۱) اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔^(۲) ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطور احسان کے ہے میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں،^(۳) اللہ کو منظور ہے تو آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔^(۴)

۲۸۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو،^(۵) اور ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔^(۶)

قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْغَلَبَيْنِ أَحَبُّتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝

پچھے پیچھے۔ لیکن ہوا سے میری چادر اڑ جاتی تھی تو اس شخص نے کہا کہ تو پیچھے چل، میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری نگاہ تیرے جسم کے کسی حصے پر نہ پڑے۔ راستے کی نشاندہی کے لیے پیچھے سے پتھر، کنکری مار دیا کر، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَالِ صَحَّتِهِ۔ (ابن کثیر)

۱۔ ہمارے ملک میں کسی لڑکی والے کی طرف سے نکاح کی خواہش کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شریعت الہیہ میں یہ مذموم نہیں ہے۔ صفات محمودہ کا حامل لڑکا اگر مل جائے تو اس سے یا اس کے گھر والوں سے اپنی لڑکی کے لیے رشتے کی بابت بات چیت کرنا برا نہیں ہے، بلکہ محمود اور پسندیدہ ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہی طریقہ تھا۔ ۲۔ اس سے علماء نے اجارے کے جواز پر استدلال کیا ہے یعنی کرائے اور اجرت پر مرد کی خدمات حاصل کرنا جائز ہے۔ ۳۔ یعنی مزید دو سال کی خدمت میں مشقت اور ایذا محسوس کریں تو آٹھ سال کے بعد جانے کی اجازت ہوگی۔ ۴۔ نہ جھگڑا کروں گا نہ اذیت پہنچاؤں گا، نہ سختی سے کام لوں گا۔

۵۔ یعنی آٹھ سال کے بعد یا دس سال کے بعد جانا چاہوں تو مجھ سے مزید رہنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

۶۔ یہ بعض کے نزدیک شعیب علیہ السلام یا برادر زادہ شعیب علیہ السلام کا قول ہے اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ممکن ہے دونوں ہی کی طرف سے ہو۔ کیونکہ جمع کا صیغہ ہے گویا دونوں نے اس معاملے پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کی لڑکی اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہو گیا۔ باقی تفصیلات اللہ نے ذکر نہیں کی ہیں۔ ویسے اسلام میں طرفین کی رضامندی کے ساتھ صحت نکاح کے لیے دو عادل گواہ بھی ضروری ہیں۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا عَلَيَّ إِنِّي كُنْتُ مِنْكُمْ مَّخْبِرًا وَمَا جَدُّوهُ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۳۰﴾

فَلَمَّا كَانَتْهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُّوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۱﴾

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهَنَّرُ كَأَنَّمَا جَاءَهُ وَقِيلَ مُدْبِرًا وَكَأَنَّمَا يُعِيقُ ۖ يُّوسَىٰ أَجْبَلُ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّكَ مِنَ الْأُمْنِينَ ﴿۳۲﴾

۲۹۔ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت^(۱) پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے^(۲) تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو۔

۳۰۔ پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیے گئے^(۳) کہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار۔^(۴)

۳۱۔ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنی لاشی ڈال دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھینپھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑکر رخ بھی نہ کیا، ہم نے کہا اے موسیٰ! (علیہ السلام) آگے آ، ڈر مت، یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے۔^(۵)

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مدت سے دس سالہ مدت مراد لی ہے، کیونکہ یہی اکمل اور اطمینان خسر موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے خوشگوار اور مرغوب تھی اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا۔ (فتح الباری کتاب الشهادات، باب من أمر بانجاز الوعد)

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔

۳۔ یعنی آواز وادی کے کنارے سے آرہی تھی، جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف تھی۔ یہاں درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جو دراصل رب کی تجلی کا نور تھا۔

۴۔ یعنی اے موسیٰ! (علیہ السلام) تجھ سے جو اس وقت مخاطب اور ہم کلام ہے، وہ میں اللہ ہوں رب العالمین۔

۵۔ یہ موسیٰ (علیہ السلام) کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر، نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ معجزہ خرق عادت معاملے کو کہا جاتا ہے یعنی جو عام عادات اور اسباب ظاہری کے خلاف ہو۔ ایسا معاملہ چونکہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر پیغمبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے جب موسیٰ (علیہ السلام) کے اپنے ہاتھ کی لاشی، زمین پر پھینکنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھینکارتی سانپ بن گئی، تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انہیں عطا فرمایا ہے۔

۳۲. اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا بالکل سفید،^(۱) اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے،^(۲) پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کی جماعت کی طرف، یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں۔^(۳)

۳۳. موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں۔^(۴)

۳۴. اور میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج^(۵) تاکہ وہ میری تصدیق کرے، مجھے تو خوف ہے کہ

أَسْأَلُكَ بِكَ فِي جَنِّبِكَ تَخَرُّبَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سَوَاءٍ وَأَضْمُرُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذُلُّكَ بَرْهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَأُولَٰئِكَ فَاسِقِينَ ﴿۳۲﴾

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسًا نَا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ زِدَّ أُيُسُيَ فَعَلَىٰ زَيْدٍ أَخَافُ أَنْ يُكَيِّدُونِ ﴿۳۴﴾

۱. یہ یَدِ بَيْضَاءَ دوسرا معجزہ تھا جو انہیں عطا کیا گیا۔ کَمَا مَرَّ۔

۲. لائھی کے اڑدھا بن جانے کی صورت میں جو خوف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو لاحق ہوتا تھا، اس کا حل بتلادیا گیا کہ اپنا بازو اپنی طرف ملا لیا کر یعنی بغل میں دبایا کر، جس سے خوف جاتا رہا کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عام ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی خوف محسوس ہو تو اس طرح کرنے سے خوف دور ہو جائے گا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی اقتداء میں جو شخص بھی گھبراہٹ کے موقع پر اپنے دل پر ہاتھ رکھے گا، تو اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

۳. یعنی فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے یہ دونوں معجزے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرو۔ یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں اور اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔

۴. یہ وہ خطرہ تھا جو واقعی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی جان کو لاحق تھا، کیونکہ ان کے ہاتھوں ایک قبیلے کا قتل ہو چکا تھا۔

۵. اسرائیلی روایت کی رو سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زبان میں لکنت تھی، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے آگ کا انگارہ اور کھجور یا موتی رکھے گئے تو آپ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس سے آپ کی زبان جل گئی۔ یہ وجہ صحیح ہے یا نہیں؟ تاہم قرآن کریم کی اس نص سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں حضرت ہارون (علیہ السلام) فصیح اللسان تھے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زبان میں گرہ تھی۔ جس کے کھولنے کی دعا انہوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی۔ رَدِّ اَعَا کے معنی ہیں معین، مددگار، تقویت پہنچانے والا۔ یعنی ہارون (علیہ السلام) اپنی فصاحت لسانی سے مجھے مدد اور تقویت پہنچائیں گے۔

وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔

۳۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے^(۱) اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے،^(۲) بسبب ہماری نشانیوں کے، تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔^(۳)

۳۶۔ پس جب ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے دیے ہوئے کھلے معجزے لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صرف گھڑا گھڑایا جادو ہے ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانہ میں بھی یہ نہیں سنا۔^(۴)

۳۷۔ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے میرا رب تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو اس کے پاس کی ہدایت لے کر آتا ہے^(۵) اور جس کے لیے آخرت کا (اچھا) انجام ہوتا ہے۔^(۶)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَجُعَلْ لَكَ سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا أَنْتُمْ وَمَنِ اتَّبَعُكُمْ الْغَالِبُونَ ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا يَتَذَكَّرُ أَلَمْ يَأْمُرْهُمُ اللَّهُ أَنْ يُؤَيِّدُوهُ بِخِزْيَانِهِمْ هَٰؤُلَاءِ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۳۶﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَهُ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدِّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْغَالِبُونَ ﴿۳۷﴾

۱۔ یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا قبول کر لی گئی اور ان کی سفارش پر حضرت ہارون (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے سرفراز فرما کر ان کا ساتھی اور مددگار بنادیا گیا۔

۲۔ یعنی ہم تمہاری حفاظت فرمائیں گے، فرعون اور اس کے حوالی موالی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

۳۔ یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا مثلاً، المائدہ: ۶۷، الأحزاب: ۳۹، المؤمن: ۵۱، ۵۲، المجادلہ: ۲۱۔

۴۔ یعنی یہ دعوت کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ اس کے لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ ہمارے لیے بالکل نئی ہے۔ یہ ہم نے سنی ہے نہ ہمارے باپ دادا اس توحید سے واقف تھے۔ مشرکین کہہ نہ سکتے تھے کہ نبی ﷺ کی بات کہا تھا ﴿اجْعَلِ اللَّهُ لَهُمْ آيَةً كَآيَةِ الْغُلَامِ﴾ (ہص: ۵) (اس نے تو تمام معبودوں کو (ختم کر کے) ایک ہی معبود بنادیا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے)۔

۵۔ یعنی مجھ سے اور تم سے زیادہ ہدایت کا جاننے والا اللہ ہے، اس لیے جو بات اللہ کی طرف سے آئے گی وہ صحیح ہوگی یا تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کی؟

۶۔ اچھے انجام سے مراد آخرت میں اللہ کی رضامندی اور اس کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پاجانا ہے اور یہ استحقاق صرف اہل توحید کے حصے میں آئے گا۔

یقیناً بے انصافوں کا بھلا نہ ہو گا۔^(۱)

۳۸. اور فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکوا^(۲) پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر تو میں موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک لوں^(۳) اور اسے میں جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں۔^(۴)

۳۹. اور اس نے اور اس کے لشکروں نے ناحق طریقے پر ملک میں تکبر کیا^(۵) اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے۔

۴۰. بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا،^(۱) اب دیکھ لے کہ ان گناہ گاروں کا انجام

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي فَأَوْثِدَ لِي يَهُامُنُّ عَلَى الطِّينِ فَأَجْعَلَ لِي صَرَخًا لَعَلَّ أَظْلَمَ إِلَى اللَّهِ مُوسَى وَإِنِّي لأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

وَأَسْتَكْبَرُوا وَجُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَكُفُّوا أَعْيُنَهُمْ لِكِبْرِهِمْ لَا يُرْجَعُونَ ۝

فَأَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ كَفَدَيْنَاهُمْ فِي إِلَهِهِ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝

۱. ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں۔ کیونکہ ظلم کے معنی ہیں وَضَعَ الشَّيْءَ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ مشرک بھی چونکہ الوہیت کے مقام پر ایسے لوگوں کو بٹھادیتے ہیں جو اس کے مستحق نہیں ہوتے، اسی طرح کافر بھی رب کے اصل مقام سے نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ سب سے بڑے ظالم ہیں اور یہ کامیابی سے یعنی آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہیں گے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ دنیا میں خوش حالی اور مال و اسباب کی فراوانی حقیقی کامیابی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عارضی کامیابی اہل کفر و شرک کو بھی دنیا میں مل جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کامیابی کی نفی فرما رہا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے نہ کہ دنیا کی چند روزہ عارضی خوش حالی و فراوانی۔

۲. یعنی مٹی کو آگ میں تپا کر اینٹیں تیار کر۔ ہامان، فرعون کا وزیر، مشیر اور اس کے معاملات کا انتظام کرنے والا تھا۔

۳. یعنی ایک اونچا اور مضبوط محل تیار کر، جس پر چڑھ کر میں آسمان پر یہ دیکھ سکوں کہ وہاں میرے سوا کوئی اور رب ہے؟

۴. یعنی موسیٰ (علیہ السلام) جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمانوں پر رب ہے جو ساری کائنات کا پالنا رہا ہے، میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

۵. زمین سے مراد ارض مصر ہے جہاں فرعون حکمران تھا اور استکبار کا مطلب، بغیر استحقاق کے اپنے کو بڑا سمجھنا ہے۔ یعنی ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں تھی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے دلائل و معجزات کا رد کر سکتی لیکن استکبار بلکہ عدوان کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ہٹ دھرمی اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔

۶. یعنی جب ان کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا اور کسی طرح بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے تو بالآخر ایک صبح ہم

کیا کچھ ہوا؟

۴۱. اور ہم نے انہیں ایسے امام بنادیے کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں^(۱) اور روز قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں گے۔

۴۲. اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔^(۲)

۴۳. اور ان اگلے زمانے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسی کتاب عنایت فرمائی^(۳) جو لوگوں کے لیے دلیل اور ہدایت و رحمت ہو کر آئی تھی^(۴) تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔^(۵)

۴۴. اور طور کے مغربی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم احکام کی وحی پہنچائی تھی، نہ تو تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا۔^(۶)

وَجَعَلْنَاهُمْ اٰيَةً يَذْكُرُوْنَ اِلَى الْاٰثَرِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنصَرُوْنَ ﴿۶۱﴾

وَاَتَعْنَاهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۶۲﴾

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُولٰٓئِ بِاَصْحٰبِ الْاِلٰهٰسِ وَهَدٰى وَرَحْمَةً لِّعَلَّاهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۳﴾

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعُرْوٰى اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوسٰى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّٰهِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

نے انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ (جس کی تفصیل سورہ شعراء میں گزر چکی ہے)

۱. یعنی جو بھی ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید یا اس کے وجود کے منکر ہوں گے، تو ان کا امام و پیشوا یہی فرعون بنی سبھے جائیں گے جو جہنم کے داعی ہیں۔

۲. یعنی دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی اور آخرت میں بھی وہ بدحال ہوں گے۔ یعنی چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں۔ جیسا کہ جہنمیوں کے تذکرے میں آتا ہے۔

۳. یعنی فرعون اور اس کی قوم یا قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی۔

۴. جس سے وہ حق کو پہچان لیں اور اسے اختیار کریں اور اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔

۵. یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں جو انہیں خیر و رشد اور فلاح حقیقی کی طرف بلاتے ہیں۔

۶. یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسے وحی و رسالت سے نوازا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو نہ وہاں موجود تھا اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں سے تھا۔ بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے سے تجھے بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تو اللہ کا سچا پیغمبر ہے۔ کیونکہ نہ تو نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں نہ خود ہی

۴۵۔ اور لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں^(۱) جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں،^(۲) اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا^(۳) کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے رہے۔^(۴)

۴۶۔ اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی^(۵) بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے،^(۶) تاکہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا،^(۷) کیا عجب کہ وہ

وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَرَّا عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ تَأْوِيهِمْ أَهْلَ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۶﴾

ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران: ۴۴، سورۃ ہود: ۴۹، ۱۰۰، سورۃ یوسف: ۱۰۲، سورۃ طہ: ۹۹، وَغَيْرَهَا مِنَ الْآيَاتِ۔

۱۔ قُرُونٌ، قَرْنٌ کی جمع ہے، زمانہ۔ لیکن یہاں امتوں کے معنی میں ہے یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو زمانہ ہے اس میں ہم نے کئی امتیں پیدا کیں۔

۲۔ یعنی مرور ایام سے شرائع و احکام بھی متغیر ہو گئے اور لوگ بھی دین کو بھول گئے، جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عہد کو فراموش کر دیا اور یوں اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ایک نئے نبی کو مبعوث کیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ طول زمان کی وجہ سے عرب کے لوگ نبوت و رسالت کو بالکل ہی بھلا بیٹھے، اس لیے آپ کی نبوت پر انہیں تعجب ہو رہا ہے اور اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۳۔ جس سے آپ خود اس واقعے کی تفصیلات سے آگاہ ہو جاتے۔

۴۔ اور اسی اصول سے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پچھلے حالات و واقعات سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں۔

۵۔ یعنی اگر آپ رسول برحق نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کا علم بھی آپ کو نہ ہوتا۔

۶۔ یعنی آپ کا یہ علم، مشاہدہ و رویت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا اور وحی سے نوازا۔

۷۔ اس سے مراد، اہل مکہ اور عرب ہیں جن کی طرف نبی ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ خاندان ابراہیمی ہی میں رہا اور ان کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہی ہوتی رہی۔ بنی اسماعیل یعنی عربوں میں نبی ﷺ پہلے نبی تھے اور سلسلہ نبوت کے خاتم تھے۔ ان کی طرف نبی بھیجنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی گئی ہوگی کہ دوسرے انبیاء کی دعوت اور ان کا پیغام ان کو پہنچتا رہا ہوگا۔ کیونکہ اس کے بغیر ان کے لیے کفر و شرک پر جیسے رہنے کا عذر موجود رہے گا اور یہ عذر اللہ نے کسی کے لیے باقی نہیں چھوڑا ہے۔

نصیحت حاصل کر لیں۔

۴۷۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انہیں ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔^(۱)

۴۸۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے دیے گئے تھے موسیٰ (علیہ السلام)^(۲) اچھا تو کیا موسیٰ (علیہ السلام) کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا،^(۳) صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں۔^(۴)

وَلَوْلَا اَنْ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ يَّمْلَأَنَّ الْقُلُوبَ
اَيْدِيَهُمْ فَيَقُولُوا بَلْ اَوَّلْنَا بَلَاغًا لِّبَنِي
رَسُوْلًا فَنَنْتَبِهَنَّ اِلَيْكَ وَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا
اَوْتِيَ مِثْلَ مَا اُوْتِيَ مُوسٰى اَوْ لَوْ كُنْهُمْ وَا
يٰۤاَوْتِيَ مُوسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ
تَكَهَرَّا سِوَا الْقُلُوْبِ اِلَّا رِيْضًا لِّكُفْرُوْنَ ۝۴۸

۱۔ یعنی ان کے اسی عذر کو ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گزشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نئے نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات (قرآن و حدیث) کو مسخ ہونے اور تغیر و تحریف سے محفوظ رکھا ہے اور ایسا تکوینی انتظام فرمادیا ہے جس سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور جو شخص اس ”ضرورت“ کا دعویٰ کرے نبوت کا ڈھونگ رچاتا ہے، وہ جھوٹا اور دجال ہے۔

۲۔ یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے سے معجزات، جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا وغیرہ۔

۳۔ یعنی مطلوبہ معجزات اگر دکھا بھی دیے جائیں تو کیا فائدہ؟ جنہیں ایمان نہیں لانا ہے، وہ ہر طرح کی نشانیوں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ (علیہ السلام) کے مذکورہ معجزات دیکھ کر فرعونؑی مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے کفر نہیں کیا؟ یا یٰکُفُّرُوْا کی ضمیر قریش مکہ کی طرف ہے یعنی کیا انہوں نے نبوت محمدیہ سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کفر نہیں کیا؟

۴۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) و ہارون (علیہ السلام) ہوں گے اور سِحْرَانِ بمعنی سَاحِرَانِ ہو گا۔ اور دوسرے مفہوم میں اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم سب کے یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اور محمد (ﷺ) کے منکر ہیں۔ (فتح القدیر)

قُلْ فَأَتُوايُكُنُبُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ الْهُدَى
مِنْهُمْ أَتَبِعُهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو میں اسی کی پیروی کروں گا^(۱)۔

فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُغَيِّرُونَ
أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ يَفْضَلُ
هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ پھر اگر یہ تیری بات نہ مانیں^(۲) تو تو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو^(۳) بغیر اللہ کی رہنمائی کے؟ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۴)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور ہم برابر پے درپے لوگوں کے لیے اپنا کلام بھیجتے رہے^(۵) تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔^(۶)

الَّذِينَ اتَّبَعَهُ الْكُفْبُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ
يُؤْمِنُونَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جس کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی وہ تو اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔^(۷)

۱۔ یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ قرآن مجید اور تورات دونوں جادو ہیں، تو تم کوئی اور کتاب الہی پیش کر دو، جو ان سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کر لوں گا۔ کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب اور پیرو ہوں۔

۲۔ یعنی قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت والی کتاب پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔

۳۔ یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کی پیروی کرنا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور اس لحاظ سے یہ قریش مکہ سب سے بڑے گمراہ ہیں جو اسی حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

۴۔ اس میں اللہ کی اسی سنت (طریقے) کا بیان ہے جو ظالموں کے لیے اس کے ہاں مقرر ہے کہ وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء کی تکذیب، آیات الہی سے اعراض اور مسلسل کفر و عناد ایسا جرم ہے کہ جس سے قبول حق کی استعداد اور اثر پذیری کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان ظلم و عصبیان اور کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہی بھٹکتا پھرتا ہے، اسے ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

۵۔ یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب ہم بھیجتے رہے اور اس طرح مسلسل، لگاتار ہم اپنی بات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

۶۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ پچھلے لوگوں کے انجام سے ڈر کر ہماری باتوں سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں۔

۷۔ اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یا وہ عیسائی ہیں جو جوشہ سے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر)

۵۳۔ اور جب اس کی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں۔^(۱)

۵۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں انکے صبر کے بدلے میں دوہرا اجر دیا جائے گا۔^(۲) یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں^(۳) اور ہم نے جو انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

۵۵۔ اور جب بیہودہ بات^(۴) کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہو،^(۵) ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

وَاذْكُرْ اٰتَيْنَا عَلَيْهِمْ قَالُوْا اَمَّا بِيْهِ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِيْنَ

اُولٰٓئِكَ يُؤْتُوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَبِذِكْرِهِمْ بِالْحَسَنَةِ الَّتِي بَيَّنَّوْا وَبِمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ

وَاذْكُرْ اٰتَيْنَا اللّٰغُوْا اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَّا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِيْ الْجَاهِلِيْنَ

۱۔ یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے جس دین کی دعوت دی، وہ اسلام ہی تھا اور ان نبیوں کی دعوت پر ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ یہود یا نصاریٰ وغیرہ کی اصطلاحیں لوگوں کی اپنی خود ساختہ ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئیں۔ اسی اعتبار سے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والے اہل کتاب (یہود یا عیسائیوں) نے کہا کہ ہم تو پہلے سے ہی مسلمان چلے آ رہے ہیں۔ یعنی سابقہ انبیاء کے پیروکار اور ان پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

۲۔ صَبْر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الہی پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے۔ پہلی کتاب آئی تو اس پر، اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا۔ پہلے نبی پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسرا نبی آگیا تو اس پر ایمان لائے۔ ان کے لیے دوہرا اجر ہے، حدیث میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کے لیے دوہرا اجر ہے، ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لے آیا۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امتہ واهلہ، وسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۔ یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔

۴۔ یہاں لغو سے مراد وہ سب و شتم اور دین کے ساتھ استہزاء ہے جو مشرکین کرتے تھے۔

۵۔ یہ سلام، سلامِ تجہ نہیں بلکہ سلامِ متارکہ ہے یعنی ہم تم جیسے جاہلوں سے بحث اور گفتگو کے روادار ہی نہیں۔ جیسے اردو میں بھی کہتے ہیں، جاہلوں کو دور ہی سے سلام، ظاہر ہے سلام سے مراد ترک مخاطبت ہی ہے۔

۵۶. آپ جسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔^(۱)

۵۷. اور کہنے لگے اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابع دار بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں، کیا ہم نے انہیں امن وامان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟^(۲) جہاں تمام چیزوں کے پھل کھنے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے بطور رزق کے ہیں،^(۳) لیکن ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔

۵۸. اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش و عشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہائش کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ^(۱)

وَقَالُوا إِنَّا تَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ نَتَّخِظُكَ مِنْ أَصْنَانًا أَوْ لُحْمٍ يُسَبَّحُ لَهُمْ حَرَمًا مِمَّا يُحْيَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَاعِلَمُونَ^(۲)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطُوتَ مَعِشَتَهَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ^(۳)

۱۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی، جب نبی ﷺ کے ہمدرد اور غم گسار چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو آپ ﷺ نے کوشش فرمائی کہ چچا اپنی زبان سے ایک مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دیں تاکہ قیامت کے دن میں اللہ سے ان کی مغفرت کی سفارش کر سکوں۔ لیکن وہاں دوسرے رؤسائے قریش کی موجودگی کی وجہ سے ابو طالب قبول ایمان کی سعادت سے محروم رہے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گیا۔ نبی ﷺ کو اس بات کا بڑا قلق اور صدمہ تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نبی ﷺ پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت اور رہنمائی ہے۔ لیکن ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازنا چاہیں نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة القصص، ومسلم، کتاب الإيمان، باب أول الإيمان قول لا إله إلا الله)

۲۔ یعنی ہم جہاں ہیں، وہاں ہمیں رہنے نہ دیا جائے گا اور ہمیں اذیتوں سے یا مخالفین سے جنگ و پیکار سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ بعض کفار نے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کیا۔

۳۔ اللہ نے جواب دیا۔ یعنی ان کا یہ عذر غیر معقول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو، جس میں یہ رہتے ہیں، امن والا بنایا ہے۔ جب یہ شہر ان کے کفر و شرک کی حالت میں ان کے لیے امن کی جگہ ہے تو کیا اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ان کے لیے امن کی جگہ نہیں رہے گا؟

۴۔ یہ کہہ کی وہ خصوصیت ہے جس کا مشاہدہ لاکھوں حاجی اور عمرہ کرنے والے ہر سال کرتے ہیں کہ مکہ میں پیداوار نہ ہونے کے باوجود نہایت فراوانی سے ہر قسم کا پھل بلکہ دنیا بھر کا سامان ملتا ہے۔

گیں^(۱) اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ کے وارث۔^(۲)

۵۹. اور تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنادے^(۳) اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں۔^(۴)

۶۰. اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف دنیوی زندگی کا سامان اور اس کی رونق ہے، ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیرپا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔^(۵)

۶۱. کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے مثل اس شخص کے ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کی کچھ یونہی سی منفعت دے دی پھر بالآخر وہ قیامت کے روز پکڑا باندھا حاضر کیا جائے گا؟^(۶)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ^(۱)

وَمَا أَوْتَيْنَا مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ^(۲)

أَمِنْ وَعْدِنَا وَعَلَا حَسَنًا فَهَؤُلَاءِ قِيَمٌ مِّمَّنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ^(۳)

۱. یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اللہ کی ناشکری کرنے اور سرکشی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج ان کی بیشتر آبادیاں کھنڈر بنی ہوئی ہیں یا صرف صفحات تارخ پر ان کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب آتے جاتے مسافر ہی ان میں کچھ دیر کے لیے سستالیں تو سستالیں، ان کی نحوست کی وجہ سے کوئی بھی ان میں مستقل رہنا پسند نہیں کرتا۔

۲. یعنی ان میں سے تو کوئی بھی باقی نہ رہا جو ان کے مکانوں اور مال و دولت کا وارث ہوتا۔

۳. یعنی اتمام حجت کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اُمِّہَا (بڑی بستی) کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے علاقے میں نبی نہیں آیا، بلکہ مرکزی مقامات پر نبی آتے رہے اور چھوٹے علاقے اس کے ذیل میں آجاتے رہے ہیں۔

۴. یعنی نبی بھیجنے کے بعد وہ بستی والے ایمان نہ لاتے اور کفر و شرک پر اپنا اصرار جاری رکھتے تو پھر انہیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہی مضمون سورہ ہود: ۱۱۷ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۵. یعنی کیا اس حقیقت سے بھی تم بے خبر ہو کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی بھی ہیں اور حقیر بھی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنے پاس جو نعمتیں، آسائشیں اور سہولتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ دائمی بھی ہیں اور عظیم بھی۔ حدیث میں ہے (اللہ کی قسم دنیا، آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہو گا؟) (صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا و بیان الحشر)

۶. یعنی سزا اور عذاب کا مستحق ہو گا۔ مطلب ہے اہل ایمان، وعدہ الہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۱۷﴾

۶۲. اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں؟^(۱)

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّكْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِلَّا نَاعِبِدُكَ وَنُحْنُ

۶۳. جن پر بات آچکی وہ جواب دیں گے^(۲) کہ اے ہمارے پروردگار! یہی وہ ہیں جنہیں ہم نے بہکا رکھا تھا،^(۳) ہم نے انہیں اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکتے تھے،^(۴) ہم تیری سرکار میں اپنی دست برداری کرتے ہیں،^(۵) یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔^(۶)

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمُ فَلَمْ

۶۴. اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ،^(۷) وہ بلائیں گے

سے دوچار۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

۱. یعنی وہ اصنام یا اشخاص ہیں، جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانتے تھے، انہیں مدد کے لیے پکارتے تھے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے، آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے اور تمہیں میرے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ یہ تفریق و توہین کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا، ورنہ وہاں اللہ کے سامنے کس کو مجال دم زدنی ہوگی؟ یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام، آیت: ۹۴ اور دیگر بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

۲. یعنی جو عذاب الہی کے مستحق قرار پائے ہوں گے، مثلاً سرکش شیاطین اور داعیان کفر و شرک وغیرہ، وہ کہیں گے۔

۳. یہ ان جاہل عوام کی طرف اشارہ ہے جن کو داعیان کفر و ضلال نے اور شیاطین نے گمراہ کیا تھا۔

۴. یعنی ہم تو تھے ہی گمراہ لیکن ان کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیے رکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، بس ہمارے ادنیٰ سے اشارے پر ہماری طرح ہی انہوں نے بھی گمراہی اختیار کر لی۔

۵. یعنی ہم ان سے بیزار اور الگ ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں یہ تابع اور متبع، چیلے اور گردو ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

۶. بلکہ درحقیقت اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے تھے۔ یعنی وہ معبود، جن کی لوگ دنیا میں عبادت کرتے تھے، اس بات سے ہی انکار کر دیں گے کہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ: ۱۶۶-۱۶۷، سورۃ الانعام: ۳۹، سورۃ مریم: ۸۱-۸۲، سورۃ العنکبوت: ۲۵، سورۃ الاحقاف: ۲-۵ وغیرہا من الآیات۔

۷. یعنی ان سے مدد طلب کرو جس طرح دنیا میں کرتے تھے۔ کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ پس وہ پکاریں گے۔ لیکن وہاں کس کو یہ جرأت ہوگی کہ جو یہ کہے کہ ہاں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں؟

لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور سب عذاب دیکھ لیں گے، ^(۱) کاش یہ لوگ ہدایت پالیتے۔ ^(۲)

۶۵. اور جس دن انہیں بلا کر پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ ^(۳)

۶۶. تو اس دن ان کی تمام دلیلیں گم ہو جائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے۔ ^(۴)

۶۷. ہاں جو شخص توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔

۶۸. اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں، ^(۵) اللہ ہی کے لیے پاکی ہے وہ بلند تر ہے ہر اس چیز سے جو کہ لوگ شریک کرتے ہیں۔

۶۹. اور ان کے سینے جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے

يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٥﴾

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٦﴾

فَعَبِدْتَ عَلَيْهِمْ أَلَمْ تَكُنْ يَوْمَئِذٍ نَذِيرًا لَهُمْ لَا يَخْلَعُونَ ﴿٦٧﴾

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَغُفِرَ إِنَّ يُكَوِّنُ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٨﴾

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَنِ عَشِيرَتِ كُؤُن ﴿٦٩﴾

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٠﴾

۱. یعنی یقین کر لیں گے کہ ہم سب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

۲. یعنی عذاب دیکھ لینے کے بعد آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ہدایت کا راستہ اپنالیتے تو آج وہ اس حشر سے بچ جاتے۔ سورۃ الکہف: ۵۲، ۵۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۳. اس سے پہلے کی آیات میں توحید سے متعلق سوال تھا، یہ ندائے ثانی رسالت کے بارے میں ہے، یعنی تمہاری طرف ہم نے رسول بھیجے تھے، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ان کی دعوت قبول کی تھی؟ جس طرح قبر میں سوال ہوتا ہے، تیرا پیغمبر کون ہے؟ اور تیرا دین کون سا ہے؟ مومن تو صحیح جواب دے دیتا ہے۔ لیکن کافر کہتا ہے ہا ہا ہا لَا أَدْرِي مجھے تو کچھ معلوم نہیں، اسی طرح قیامت کے دن انہیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا ”ان پر تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی“۔ یعنی کوئی دلیل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جسے وہ پیش کر سکیں۔ یہاں دلائل کو اخبار سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان کے باطل عقائد کے لیے حقیقت میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، صرف قصص و حکایات ہیں۔ جیسے آج بھی قبر پرستوں کے پاس من گھڑت کرباتی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔

۴. کیونکہ انہیں یقین ہو چکا ہو گا کہ سب جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔

۵. یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں، چہ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔

ہیں آپ کا رب سب کچھ جانتا ہے۔

۷۰۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔
۷۱۔ کہہ دیجیے کہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات ہی رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللہ کے کون معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لائے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟

۷۲۔ پوچھیے کہ یہ بھی بتادو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ جس میں تم آرام حاصل کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو؟

۷۳۔ اور اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو،^(۱) یہ اس لیے

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷۰﴾

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْكَيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنَ الْإِلَهِ غَيْرَ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بِهِيَاءُ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۷۱﴾

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْكَيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنَ الْإِلَهِ غَيْرَ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِيَاءُ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۷۲﴾

وَمِنْ نَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ الْكَيْلَ وَاللَّيْلَ لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾

۱۔ دن اور رات، یہ دونوں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ رات کو تاریک بنایا تاکہ سب لوگ آرام کر سکیں۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے۔ ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقے سے سونے کا موقع نہ پاتا، جب کہ معاشی تنگ دود اور کاروبار جہاں کے لیے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوتی۔ اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تنگ و تاز ہوتے، تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل پڑتا، نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے، جب کہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون و تناسل کا محتاج ہے اس لیے اللہ نے رات کو تاریک کر دیا تاکہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں خلل نہ ہو سکے۔ اسی طرح دن کو روشن بنایا تاکہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقے سے کر سکے۔ دن کی یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کے حوالے سے اپنی توحید کا اثبات فرمایا ہے کہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کا یہ نظام ختم کر کے ہمیشہ کے لیے تم پر رات ہی مسلط کر دے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ایسا ہے جو تمہیں دن کی روشنی

کہ تم شکر ادا کرو۔^(۱)

۴۴۔ اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟

۴۵۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے^(۲) کہ اپنی دلیلیں پیش کرو^(۳) پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف ہے،^(۴) اور جو کچھ افتراء وہ جوڑتے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا۔^(۵)

۴۶۔ قارون تھا تو قوم موسیٰ (علیہ السلام) سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا^(۶) ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقتور لوگ بمشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے،^(۷) ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اتر

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

إِن قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُتُوبِ مِائَةَ مِائَةِ لَكُنَّا بِالْعَصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝

عطا کر دے؟ یا اگر وہ ہمیشہ کے لیے دن ہی دن رکھے تو کیا کوئی تمہیں رات کی تاریکی سے بہرہ ور کر سکتا ہے، جس میں تم آرام کر سکو؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ یہ صرف اللہ کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کا ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ رات آتی ہے تو دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق آرام کر لیتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن کی روشنی سے کائنات کی ہر چیز نمایاں اور واضح تر ہو جاتی ہے اور انسان کسب و محنت کے ذریعے سے اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتا ہے۔
۱۔ یعنی اللہ کی حمد و ثناء بھی بیان کرو (یہ زبانی شکر ہے) اور اللہ کی دی ہوئی دولت، صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس کے احکام و ہدایات کے مطابق استعمال کرو۔ (یہ عملی شکر ہے)

۲۔ اس گواہ سے مراد پیغمبر ہے۔ یعنی ہر امت کے پیغمبر کو اس امت سے الگ کھڑا کر دیں گے۔

۳۔ یعنی دنیا میں میرے پیغمبروں کی دعوت توحید کے باوجود تم جو میرے شریک ٹھہراتے تھے اور میرے ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے تھے، اس کی دلیل پیش کرو۔

۴۔ یعنی وہ حیران اور سکت کھڑے ہوں گے، کوئی جواب اور دلیل انہیں نہیں سوجھے گی۔

۵۔ یعنی ان کے کام نہیں آئے گا۔

۶۔ اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس کا ظلم یہ تھا کہ اپنے مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کا استخفاف کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کی طرف سے یہ اپنی قوم بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔

۷۔ تَنْوُّوْہ کے معنی ہیں تَوَمَّيْلُ (جھکانا) یعنی جس طرح کوئی شخص بھاری چیز اٹھاتا ہے تو بوجھ کی وجہ سے ادھر ادھر لڑکھڑاتا ہے، اس کی چابیوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ ایک طاقت ور جماعت بھی اسے اٹھاتے ہوئے دقت اور گرانی محسوس کرتی تھی۔

مت! (۱) اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ (۲)
 ۷۷۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس
 میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ (۳) اور اپنے
 دنیوی حصے کو بھی نہ بھول (۴) اور جیسے کہ اللہ نے تیرے
 ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر (۵) اور ملک
 میں فساد کا خواہاں نہ ہو، (۶) یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو
 ناپسند رکھتا ہے۔

۷۸۔ قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی
 بنا پر ہی دیا گیا ہے، (۷) کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ
 نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ
 إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ
 اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ
 أَنَّ اللَّهَ فَدَّاهُكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ هَٰؤُلَاءِ

- ۱۔ یعنی مال و دولت پر فخر اور غرور مت کرو، بعض نے بخل، معنی کیے ہیں، بخل مت کر۔
- ۲۔ یعنی تکبر اور غرور کرنے والوں کو یا بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
- ۳۔ یعنی اپنے مال کو ایسی جگہوں اور رازوں پر خرچ کر، جہاں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری آخرت سنورے گی اور وہاں اس کا تجھے اجر و ثواب ملے گا۔
- ۴۔ یعنی دنیا کے مباحات پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کر۔ مباحات دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا، بیوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے، ہر حق والے کو اس کا حق دے۔
- ۵۔ اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔
- ۶۔ یعنی تیرا مقصد زمین میں فساد پھیلانا نہ ہو۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بدسلوکی مت کر، نہ معصیتوں کا ارتکاب کر کہ ان تمام باتوں سے فساد پھیلتا ہے۔
- ۷۔ ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ مجھے کسب و تجارت کا جو فن آتا ہے، یہ دولت تو اس کا نتیجہ اور ثمر ہے، اللہ کے فضل و کرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟“ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ اللہ نے مجھے یہ مال دیا ہے تو اس نے اپنے علم کی وجہ سے دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور میرے لیے اس نے یہ پسند کیا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر انسانوں کا ایک اور قول اللہ نے نقل فرمایا ہے ”جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی نعمت سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے ﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ (القصص: ۷۸) آئی: عَلٰی عِلْمٍ مِّنَ اللَّهِ یعنی مجھے یہ نعمت اس لیے ملی ہے کہ اللہ کے علم میں میں اس کا مستحق تھا۔ ایک مقام پر ہے ”جب ہم انسان پر تکلیف کے بعد اپنی رحمت کرتے ہیں تو کہتا ہے ﴿هَٰذَا لِي﴾ (حم السجدة: ۵۰) آئی: هَٰذَا أَسْتَحِقُّہُ یہ تو میرا استحقاق ہے۔“ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ قارون کو کیمیا (سونا بنانے کا) علم آتا تھا، یہاں یہی مراد ہے اسی کیمیا گری سے اس نے

أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُشْئِلُ عَنْ
ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٦٠﴾

عَزَّوَجَلَّ عَلَى قُوَّتِهِ قَالِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْلِيَّتْ لَنَسْأَلَنَّ مَا أَوْتَىٰ قَارُونَ
إِنَّهُ لَنَوْحِظُكُمْ ﴿٦١﴾

وَقَالَ الَّذِينَ يُؤْتُوا الْعِلْمَ وَيُؤْتُونَ ثَوَابَ اللَّهِ حَيًّا
لَيْسَ أَمْنٌ وَعَلَىٰ صَالِحَةٍ وَلَكِنَّهَا آلَا
الظَّيْرُونَ ﴿٦٢﴾

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے۔^(۱) اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس نہیں کی جائیگی۔^(۲)

۷۹۔ پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا،^(۳) تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے^(۴) کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔

۸۰۔ اور ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں^(۵) یہ بات انہی کے^(۶) دل میں

اتنی دولت کمائی تھی۔ لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ علم سراسر جھوٹ، فریب اور دھوکہ ہے۔ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت تبدیل کر دے۔ اس لیے قارون کے لیے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دوسری دھاتوں کو تبدیل کر کے سونا بنالیا کرتا اور اس طرح دولت کے انبار جمع کر لیتا۔

۱۔ یعنی قوت اور مال کی فراوانی، یہ فضیلت کا باعث نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں۔ اس لیے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنے اور اسے باعث فضیلت گردانے کا کوئی جواز نہیں۔

۲۔ یعنی جب گناہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں کہ ان کی وجہ سے وہ مستحق عذاب قرار دے دیے گئے ہوں تو پھر ان سے باز پرس نہیں ہوتی، بلکہ اچانک ان کا مواخذہ کر لیا جاتا ہے۔

۳۔ یعنی زینت و آرائش اور خدم و حشم کے ساتھ۔

۴۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایمان والے ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہر سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔

۵۔ یعنی جن کے پاس دین کا علم تھا اور دنیا اور اس کے مظاہر کی اصل حقیقت سے باخبر تھے، انہوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے اہل ایمان اور اعمال صالح بجالانے والوں کے لیے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا)۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ یریدون ان یدلوا کلام اللہ۔ ومسلم، کتاب الإیمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة)

۶۔ یعنی یَقْلَقُهَا میں ہا کا مرجع، کلمہ ہے اور یہ قول اللہ کا ہے۔ اور اگر اسے اہل علم ہی کے قول کا تہمہ قرار دیا جائے

ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہار والے ہوں۔

۸۱. (آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا^(۱) اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔

۸۲. اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے^(۲) کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟^(۳)

فَخَسَفْنَا لَهُ وَبَدَارَهُ الْأَرْضَ مِمَّا كَانَ لَهُ مِنْ فِتْنَةٍ
يَتَصَوَّرُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِينَ ۝

وَأَصْحَابُ الَّذِينَ تَمَتَّعُوا مَكَانَهُ بِالْأَمْوَالِ يَقُولُونَ
وَمَا كَانَ اللَّهُ بِبَاسِطِ الرِّزْقِ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْكَ لَخَسَفَ بِكَ
وَمَا كَانَ لَكَ الْفَيْلُ الْكَافِرُونَ ۝

تو ہا کا مرجع جنت ہوگی یعنی جنت کے مستحق وہ صابر ہی ہوں گے جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

۱. یعنی قارون کو اس کے تکبر کی وجہ سے اس کے محل اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ایک آدمی اپنی ازار زمین پر لٹکائے جا رہا تھا) اللہ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا) اور اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنسا چلا جائے گا۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب من جَرَّ ثَوْبَهُ مِنَ الْخِيَلَاءِ)

۲. مکان سے مراد وہ دنیاوی مرتبہ و منزلت ہے جو دنیا میں کسی کو عارضی طور پر ملتا ہے۔ جیسے قارون کو ملا تھا، اُمس، گزشتہ کل کو کہتے ہیں۔ مطلب زمانہ قریب ہے۔ وَيَكُنَّ، اصل میں ”وَبَلَكَ إِعْلَمَ أَنَّ“ ہے اس کو مخفف کر کے وَيَكُنَّ، بنادیا گیا ہے، یعنی وَيَكُنَّ أَنَّ یعنی افسوس یا تعجب ہے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ بعض کے نزدیک یہ اَلَمْ تَرَ کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر) جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قارون کی سی دولت و حشمت کی آرزو کرنے والوں نے جب قارون کا عبرت ناک حشر دیکھا تو کہا کہ مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب مال سے راضی بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اس کا تعلق اس کی مشیت اور حکمت بالغہ سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور مال کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے نہ یہ معیار فضیلت ہی ہے۔

۳. یعنی ہم بھی اسی حشر سے دوچار ہوتے جس سے قارون دوچار ہوا۔

۴. یعنی قارون نے دولت پا کر شکر گزاری کے بجائے ناشکری اور مصیبت کا راستہ اختیار کیا تو دیکھ لو اس کا انجام بھی کیسا

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَالِيَةِ
لِلْمُتَّقِينَ ۝

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِمَّا وَمَنْ جَاءَ
بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ
إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى
مَعَادٍ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَى
وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

۸۳۔ آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ اور پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔^(۱)

۸۴۔ جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا^(۲) اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے بد اعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔^(۳)

۸۵۔ جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے^(۴) وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے،^(۵) کہہ دیجیے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔^(۶)

ہوا؟ دیکھو مجھے جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو۔

۱۔ عُلُوًّا کا مطلب ہے ظلم و زیادتی، لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرنا، تکبر اور فخر و غرور کرنا، اور فساد کے معنی ہیں ناحق لوگوں کا مال ہتھیانا، یا نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ فرمایا کہ متقین کا عمل و اخلاق ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبر کے بجائے ان کے اندر تواضع، فروتنی اور معصیت کیشی کے بجائے اطاعت کیشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر یعنی جنت اور حسن انجام انہی کے حصے میں آئے گا۔
۲۔ یعنی کم از کم ہر نیکی کا بدلہ دس گنا تو ضرور ہی ملے گا، اور جس کے لیے اللہ چاہے گا، اس سے بھی زیادہ، کہیں زیادہ، عطا فرمائے گا۔

۳۔ یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا۔ یعنی نیکی کی جزاء میں اللہ کے فضل و کرم کا اور بدی کی جزاء میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہوگا۔

۴۔ یا اس کی تلاوت اور اس کی تبلیغ و دعوت آپ پر فرض کی ہے۔

۵۔ یعنی آپ کے مولد مکہ، جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں اس کی یہی تفسیر نقل ہوئی ہے۔ چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اور آپ ۸ ہجری میں فاتحانہ طور پر مکہ میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے۔ یعنی قیامت کے دن آپ کو اپنی طرف لوٹائے گا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا۔

۶۔ یہ مشرکین کے اس جواب میں ہے جو وہ نبی ﷺ کو ان کے آبائی اور روایتی مذہب سے انحراف کی بنا پر گمراہ سمجھتے

وَمَا كُنْتُمْ تَرْجُونَ أَن يُلْقِيَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ
إِلَّا رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونُوا ظَهْمِيرًا
لِّلْكَافِرِينَ ۝

۸۶. اور آپ کو تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ
آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی^(۱) لیکن یہ
(قرآن مجید) آپ کے رب کی مہربانی سے اترا۔^(۲) اب
آپ کو ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہیے۔^(۳)

وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آلِيتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ
إِلَيْكَ وَإِذْ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ ۝

۸۷. اور خیال رکھیے کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں
کی تبلیغ سے روک نہ دیں^(۴) اس کے بعد کہ یہ آپ کی
جانب اتاری گئیں، تو آپ اپنے رب کی طرف بلا تے
رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِلَّا إِلَهُ الْإِسْلَامِ كُلِّ
شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ

۸۸. اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا^(۵) بجز
اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں، ہر چیز فنا ہونے والی

تھے۔ فرمایا ”میرا رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ میں ہوں جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں، یا تم ہو جو اللہ کی
طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہو؟“

۱. یعنی نبوت سے قبل آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کو رسالت کے لیے چنا جائے گا اور آپ پر کتاب
الہی کا نزول ہو گا۔

۲. یعنی یہ نبوت و کتاب سے سرفرازی، اللہ کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے جو آپ پر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت
کوئی کبھی چیز نہیں ہے، جسے محنت اور سعی و کاوش سے حاصل کیا جاسکتا رہا ہو۔ بلکہ یہ سراسر ایک وہبی چیز تھی۔ اللہ
تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا رہا، نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو
اس سلسلہ الذہب کی آخری کڑی قرار دے کر اسے موقوف فرما دیا گیا۔

۳. اب اس نعمت اور فضل الہی کا شکر آپ اس طرح ادا کریں کہ کافروں کی مدد اور ہمنوائی نہ کریں۔

۴. یعنی ان کافروں کی باتیں، ان کی ایذا و رسانی اور ان کی طرف سے تبلیغ و دعوت کی راہ میں رکاوٹیں، آپ کو
قرآن کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں۔ بلکہ آپ پوری تندہی اور یکسوئی سے رب کی طرف بلا تے
کام کرتے رہیں۔

۵. یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرنا، نہ دعا کے ذریعے سے، نہ نذر و نیاز کے ذریعے سے، نہ ہی قربانی کے ذریعے سے، کہ
یہ سب عبادات ہیں جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا
گیا ہے، جس سے مقصود اسی نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے پکارنا، ان سے استمداد و استغاثہ
کرنا، ان سے دعائیں اور التجائیں کرنا یہ ان کی عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔

تَرْجَمُونَ ۴

ہے مگر اسی کا منہ ^(۱) (اور ذات)۔ اسی کے لیے فرمانروائی
ہے ^(۲) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ^(۳)

-
۱. وَجْهَهُ (اس کا منہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے جو وجہ (چہرہ) سے متصف ہے۔ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز ہلاک اور فنا ہو جانے والی ہے۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ * وَيَسْفِيْ سَ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ - (الرحمن: ۲۶، ۲۷) (جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والا ہے۔ اور صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی)۔
 ۲. یعنی اسی کا فیصلہ، جو وہ چاہے، نافذ ہوتا ہے اور اسی کا حکم، جس کا وہ ارادہ کرے، چلتا ہے۔
 ۳. تاکہ وہ نیکیوں کو ان کی نیکیوں کی جزاء اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا دے۔



سورۃ عنکبوت مکی ہے اور اس کی نہتر آیتیں
اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. التَّوْبَةُ

التَّوْبَةُ

۲. کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف
اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر
آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟^(۱)

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُونَ^(۱)

۳. اور ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا۔^(۲) یقیناً
اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور
انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ^(۲)

۴. کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں انہوں نے
یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ
يَسْفُتُنَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ^(۳)

۱. یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد، بغیر امتحان لیے، انہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں۔ بلکہ انہیں
جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور
مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔

۲. یعنی یہ سنت الہیہ ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا، جس طرح
پہلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ ان آیات کی شان نزول کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ظلم و ستم کی
شکایت کی جس کا نشانہ وہ کفار مکہ کی طرف سے بنے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالیٰ
ان کی مدد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (یہ تشدد و ایذا تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پہلے بعض مومنوں کا
یہ حال کیا گیا کہ انہیں ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا، جس سے ان کے
جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیری گئیں۔ لیکن یہ ایذا نہیں
انہیں دین حق سے پھرنے میں کامیاب ہوئیں)۔ (صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب علامات النبوة فی الإسلام)
حضرت عمار، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور والد حضرت یاسر، حضرت صہیب، بلال و مقداد و غیر ہم رضوان اللہ علیہم اجمعین
پر اسلام کے ابتدائی دور میں جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، وہ صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ واقعات ہی ان آیات
کے نزول کا سبب بنے۔ تاہم عموم الفاظ کے اعتبار سے قیامت تک کے اہل ایمان اس میں داخل ہیں۔

ہو جائیں گے،^(۱) یہ لوگ کیسی بری تجویزیں کر رہے ہیں۔^(۲)

۵. جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے،^(۳) اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔^(۴)

۶. اور ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش کرتا ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔^(۵)

۷. اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مطابق سنت کام کیے ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلے دیں گے۔^(۶)

۸. اور ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے^(۷) ہاں اگر وہ یہ کوشش

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ لَكَ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

وَمَنْ جُهِدْ فَإِنَّهَا بِجَاهِدٍ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ
لَعَلِيَّ عَنِ الْعَالَمِينَ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ
عَنَّهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي
كَانُوا يَعْمَلُونَ

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ
جُهِدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

۱. یعنی ہم سے بھاگ جائیں گے اور ہماری گرفت میں نہ آسکیں گے۔

۲. یعنی اللہ کے بارے میں کس ظن فاسد میں یہ مبتلا ہیں، جب کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات سے باخبر بھی۔ پھر اس کی نافرمانی کر کے اس کے مواخذہ و عذاب سے بچنا کیوں کر ممکن ہے؟

۳. یعنی جسے آخرت پر یقین ہے اور وہ اجر و ثواب کی امید پر اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی امیدیں برلائے گا اور اسے اس کے عملوں کی مکمل جزاء عطا فرمائے گا، کیونکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور اللہ کی عدالت ضرور قائم ہوگی۔

۴. وہ بندوں کی باتوں اور دعاؤں کا سننے والا اور ان کے چھپے اور ظاہر سب عملوں کو جاننے والا ہے۔ اس کے مطابق وہ جزاء و سزا بھی یقیناً دے گا۔

۵. اس کا مطلب وہی ہے جو ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ﴾ (الجاثیہ: ۱۵) کا ہے (یعنی جو نیک عمل کرے گا، اس کا فائدہ اسی کو ہو گا)۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے۔ اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہو گا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی۔ الفاظ کی مناسبت سے اس میں جہاد مع الکفار بھی شامل ہے کہ وہ بھی منجملہ اعمال صالحہ ہی ہے۔

۶. یعنی باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ محض اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کو ان کے عملوں کی بہترین جزاء عطا فرمائے گا۔ اور ایک ایک نیکی پر کئی کئی گنا اجر و ثواب دے گا۔

۷. قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک

فَلَا تَطْعَمُهَا إِلَّا لِمَا رَزَقَكُمْ فَأَنْتُمْ بِهَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱﴾

کریں کہ آپ میرے ساتھ اسے شریک کر لیں جس کا
آپ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانے، ^(۱) تم سب کا لوٹنا
میری ہی طرف ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے
تھے تمہیں خبر دوں گا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ
فِي الصَّالِحِينَ ﴿۲﴾

۹. اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے
انہیں میں اپنے نیک بندوں میں شمار کر لوں گا۔ ^(۲)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ
فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً النَّاسَ كَعَذَابِ اللَّهِ
وَلَكِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا
مَعَكُمْ أَوْ لَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ

۱۰. اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں
کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی
مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ تعالیٰ
کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں، ^(۳) ہاں اگر اللہ کی مدد

کی تاکید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ربوبیت (الہ واحد) کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے وہی سمجھ
سکتا اور ادا کر سکتا ہے جو والدین کی اطاعت و خدمت کے تقاضوں کو سمجھتا اور ادا کرتا ہے۔ جو شخص یہ بات سمجھنے سے
قاصر ہے کہ دنیا میں اس کا وجود والدین کی باہمی قربت کا نتیجہ اور اس کی تربیت و پرداخت، ان کی غایت مہربانی اور
شفقت کا ثمرہ ہے۔ اس لیے مجھے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی اور ان کی اطاعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے، وہ یقیناً
خالق کائنات کو سمجھنے اور اس کی توحید و عبادت کے تقاضوں کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے گا۔ اسی لیے احادیث میں بھی
والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں والدین کی رضا مندی کو اللہ کی رضا اور ان کی
ناراضگی کو رب کی ناراضگی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

۱. یعنی والدین اگر شرک کا حکم دیں (اور اسی میں دیگر معاصی کا حکم بھی شامل ہے) اور اس کے لیے خاص کوشش بھی
کریں۔ (جیسا کہ مجاہدہ کے لفظ سے واضح ہے) تو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ «لَا طَاعَةَ لِّأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ
اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى» (مسند أحمد: ۶/۵، والصحیحة للابانی: ۱۷۹) ”اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔“

اس آیت کے شان نزول میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ
نے کہا کہ میں نے کھادیں گی نہ پیوں گی، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے یا پھر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دے،
بالآخر یہ اپنی والدہ کو زبردستی منہ کھول کر کھلاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، ترمذی، تفسیر سورۃ العنکبوت)

۲. یعنی اگر کسی کے والدین مشرک ہوں گے تو مومن بیٹا نیکیوں کے ساتھ ہوگا، والدین کے ساتھ نہیں۔ اس لیے کہ گو
والدین دنیا میں اس کے بہت قریب رہے ہوں گے لیکن اس کی محبت دینی اہل ایمان ہی کے ساتھ تھی بنا بریں الممرء
مَعَ مَنْ أَحَبَّ کے تحت وہ زمرہ صالحین میں ہوگا۔

۳. اس میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی وجہ سے انہیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب

الْعَالَمِينَ ۝

آجائے^(۱) تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھی ہیں^(۲) کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ واقف نہیں ہے؟^(۳)

۱۱. اور جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں بھی ظاہر کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔^(۴)

۱۲. اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے،^(۵) حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے، یہ تو محض جھوٹے ہیں۔^(۶)

وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

الہی کی طرح وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے اور دین عوام کو اختیار کر لیتے ہیں۔
۱. یعنی مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہو جائے۔

۲. یعنی تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ ”وہ لوگ تمہیں دیکھتے رہتے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے، تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر حالات کافروں کے لیے کچھ سازگار ہوتے ہیں تو کافروں سے جا کر کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہیں لیا تھا اور مسلمانوں سے تم کو نہیں بچایا تھا؟“ (النساء: ۱۳۱)
۳. یعنی کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو تمہارے دلوں میں ہے اور تمہارے ضمیروں میں پوشیدہ ہے۔ گو تم زبان سے مسلمانوں کا ساتھی ہونا ظاہر کرتے ہو۔

۴. اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تاکہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا وہ مومن ہے، اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اپنے حظ نفس کا مطیع ہے، اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْكُمْ وَالنَّافِقِينَ وَابْنُوا أَعْيَادَكُمْ﴾ (محمد: ۳۱) (ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، تاکہ ہم جان لیں تم میں مجاہد اور صابر کون ہیں اور تمہارے دیگر حالات بھی جانیں گے)۔ جنگ احد کے بعد، جس میں مسلمان اختیار و امتحان کی بھٹی سے گزرے گئے تھے، فرمایا ﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذْهِبَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰی مَا كُنْتُمْ عَلَيْكُمْ حَتَّىٰ تَبَيَّنَ الْخَيْبَةُ مِنَ الْكَلْبِ﴾ (آل عمران: ۱۷۹) (نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو اس حالت پر جس پر کہ تم ہو، یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے)۔

۵. یعنی تم اسی آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ، جس پر ہم ابھی تک قائم ہیں، اس لیے کہ وہی دین صحیح ہے۔ اگر اس روایتی مذہب پر عمل کرنے سے تم گناہ گار ہو گے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں، وہ بوجہ ہم اپنی گردنوں پر اٹھائیں گے۔

۶. اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جھوٹے ہیں۔ قیامت کا دن تو ایسا ہو گا کہ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ
وَلَيَسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۳﴾

۱۳. اور البتہ یہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ہی اور بوجھ بھی۔^(۱) اور جو کچھ افتراء پردازیاں کر رہے ہیں ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی۔

۱۴. اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے،^(۲) پھر ان (کی قوم) کو طوفان نے آ پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم۔

۱۵. پھر ہم نے انہیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنادیا۔

۱۶. اور ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو، اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا الْخَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾

وَأَبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَانْتَهُوا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

وَذُرِّيَّتَهُ ﴿فاطر: ۱۸﴾ وہاں تو ایک دوست، دوسرے دوست کو نہیں پوچھے گا چاہے ان کے درمیان نہایت گہری دوستی ہو۔ ﴿وَلَا يَسْئَلُ حِمِيمٌ حِمِيمًا﴾ (المعارج: ۱۰) حتیٰ کہ رشتے دار ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے ﴿وَإِن تَذَكَّرْهُمْ مُّعَذِّلًا إِلَىٰ جِذْلِهَا لَا يَجْمَعْنَ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (فاطر: ۱۸) اور یہاں بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی نفی فرمائی۔

۱. یعنی یہ ائمہ کفر اور داعیان ضلال اپنا ہی بوجھ نہیں اٹھائیں گے، بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر ہوگا جو ان کی سعی و کوشش سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ مضمون سورۃ النحل آیت: ۲۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے (جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اپنی نیکیوں کے اجر کے ساتھ ان لوگوں کی نیکیوں کا اجر بھی ہوگا جو اس کی وجہ سے قیامت تک ہدایت کی پیروی کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جو گمراہی کا داعی ہوگا، اس کے لیے اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جو قیامت تک اس کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں گے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو)۔ (ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ۔ ابن ماجہ، المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة) اسی اصول سے قیامت تک ظلم سے قتل کیے جانے والوں کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) پر ہوگا۔ اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے ناحق قتل کیا تھا۔ (مسند احمد: ۳۸۳/۱ وقد أخرجه الجماعة سوى أبي داود من طرق)

۲. قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ہے۔ ان کی پوری عمر کشتی تھی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ بعض کہتے ہیں چالیس سال نبوت سے قبل اور ساٹھ سال طوفان کے بعد، اس میں شامل کر لیے جائیں۔ اور بھی کئی اقوال ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

لَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا
وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا
عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا
لَهُ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾

وَأَنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ
قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ

۱۷۔ تم تو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔^(۱) سنو، جن جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو^(۲) اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔^(۳)

۱۸۔ اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے،^(۴) رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر

۱۔ اَوْثَانٌ، وَثَنٌ کی جمع ہے۔ جس طرح اَصْنَامٌ، صَنَمٌ کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی بت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں صنم، سونے، چاندی، پیتل اور پتھر کی مورت کو اور وثن مورت کو بھی اور چونے کے پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے آستانوں کو بھی کہتے ہیں۔ تَخْلُقُونَ إِفْكًا کے معنی ہیں تَكْذِبُونَ كَذِبًا، جیسا کہ متن کے ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرے معنی ہیں تَعْمَلُونَ نَهَا وَتَنْجُوْنَ نَهَا لِلْإِفْكِ، جھوٹے مقصد کے لیے انہیں بناتے اور گھڑتے ہو۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ تو پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اپنے دل سے ہی تم نے انہیں گھڑ لیا ہے کوئی دلیل تو ان کی صداقت کی تمہارے پاس نہیں ہے۔ یا یہ بت تو وہ ہیں جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور گھڑتے ہو اور جب ان کی ایک خاص شکل و صورت بن جاتی ہے تو تم سمجھتے ہو کہ اب ان میں خدائی اختیارات آگئے ہیں اور ان سے امیدیں وابستہ کر کے انہیں حاجت روا اور مشکل کشا باور کر لیتے ہو۔

۲۔ یعنی جب یہ بت تمہاری روزی کے اسباب و وسائل میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ زمین میں درخت اگا سکتے ہیں اور نہ سورج کی حرارت پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں وہ صلاحیتیں دے سکتے ہیں، جنہیں بروئے کار لا کر تم قدرت کی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے ہو، تو پھر تم روزی اللہ ہی سے طلب کرو، اسی کی عبادت اور اسی کی شکر گزاری کرو۔

۳۔ یعنی مَر کر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب اسی کی طرف لوٹنا ہے، اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو پھر اس کا در چھوڑ کر دوسروں کے در پر اپنی جبین نیاز کیوں جھکاؤ؟ اس کے بجائے دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟

۴۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے، جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں، تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے پہلی امتیں بھی رسولوں کو جھٹلائی اور اس کا نتیجہ بھی وہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں بھگتی رہی ہیں۔

الْمُؤْمِنِينَ ۝

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ۝

فَلْيَسِّرْ لِّى الْاَرْضَ فَاَنْظُرْ اَكَيْفَ
بَدَا الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ
الْاٰخِرَةَ اِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ
وَالِىَهُ تَقْلِبُونَ ۝

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى
السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلٰى
وَلَا نَصِيرٍ ۝

پہنچا دینا ہی ہے۔^(۱)

۱۹. کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مخلوق کی ابتداء کی پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا،^(۲) یہ تو اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان ہے۔^(۳)

۲۰. کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی^(۴) کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداء پیدائش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۱. جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے، تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۵)

۲۲. اور تم نہ تو زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں، اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی والی ہے نہ مددگار۔

۱. اس لیے آپ بھی تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔ اس سے کوئی راہ یاب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں، نہ آپ سے اس کی بابت پوچھا جائے گا، کیونکہ ہدایت دینا نہ دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے، جو اپنی سنت کے مطابق، جس میں ہدایت کی طلب صادق دیکھتا ہے، اس کو ہدایت سے نواز دیتا ہے اور دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

۲. توحید و رسالت کے اثبات کے بعد، یہاں سے معاد (آخرت) کا اثبات کیا جا رہا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ فرمایا پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جب تمہارا سرے سے وجود ہی نہیں تھا، پھر تم دیکھنے سننے اور سمجھنے والے بن گئے اور پھر جب مر کر تم مٹی میں مل جاؤ گے، بظاہر تمہارا نام و نشان تک نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔
۳. یعنی یہ بات چاہے تمہیں کتنی ہی مشکل لگے، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

۴. یعنی آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں دیکھو زمین پر غور کرو، کس طرح اسے بچھایا، اس میں پہاڑ، وادیاں، نہریں اور سمندر بنائے، اسی سے انواع و اقسام کی روزیاں اور پھل پیدا کیے۔ کیا یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ انہیں بنایا گیا ہے اور ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

۵. یعنی وہی اصل حاکم اور متصرف ہے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ تاہم اس کا عذاب یا رحمت، یوں ہی ال الٹ نہیں ہوگی، بلکہ ان اصولوں کے مطابق ہوگی جو اس نے اس کے لیے طے کر رکھے ہیں۔

۲۳۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہو جائیں^(۱) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۲۴۔ ان کی قوم کا جواب بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے مار ڈالو یا اسے جلا دو۔^(۲) آخرش اللہ نے انہیں آگ سے بچالیا،^(۳) اس میں ایمان والے لوگوں کے لیے تو بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكْسِبُونَ نَصَبَهُمْ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْزَلْنَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۴﴾

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت، دنیا میں عام ہے جس سے کافر اور مومن، منافق اور مخلص اور نیک اور بد سب یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائشیں اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَنَحْنُ بَعِيثُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الأعراف: ۱۵۶) (میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے)۔ لیکن آخرت چونکہ دار الجزاء ہے، انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا، اسی کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی، جیسے عمل کیے ہوں گے، اسی کی جزاء اسے وہاں ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرا قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکیوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت اور بروں کو ان کی برائیوں کی جزاء میں جہنم دی جائے۔ اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہوگی۔ جسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور معاد کے ہی منکر ہوں گے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے یعنی ان کے حصے میں رحمت الہی نہیں آئے گی۔ سورۃ اعراف میں اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے ﴿فَسَاءَ لَّهُمَّ الْكَذِبُ يَتَفَتَحُونَ الزُّكُوفَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف: ۱۵۶) (میں یہ رحمت (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو متقی، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہوں گے)۔

۲۔ ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، اب پھر اس کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے وعظ کا حصہ ہے، جس میں انہوں نے توحید و معاد کے اثبات میں دلائل دیے ہیں، جن کا کوئی جواب جب ان کی قوم سے نہیں بنا تو انہوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا، جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دیا جلا ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الائ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منہنق کے ذریعے سے اس میں پھینک دیا۔

۳۔ یعنی اللہ نے اس آگ کو گلزار کی صورت میں بدل کر اپنے بندے کو بچالیا، جیسا کہ سورۃ انبیاء میں گزرا۔

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا
مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ
وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ
وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٥٥﴾

۲۵۔ اور (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے انہیں تم نے اپنی آپس کی دنیوی دوستی کی بنا ٹھہرائی ہے، (۱) تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔ (۲) اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

فَأَمِّن لَّهٗ لَوْظًا وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي
إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥٦﴾

۲۶۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے (۳) اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ (۴) وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي
ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَّخَذُوا أُجُورًا
فِي الدُّنْيَا وَأَوَانًا فِي الْآخِرَةِ لَمَنِ

۲۷۔ اور ہم نے انہیں (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق و یعقوب (علیہ السلام) عطا کیے اور ہم نے ان کی اولاد میں ہی نبوت اور کتاب کردی (۵) اور ہم نے دنیا میں بھی

۱۔ یعنی یہ تمہارے قومی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمہاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

۲۔ یعنی قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور دوستی کے بجائے ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تابع، متبوع کو ملامت اور متبوع، تابع سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

۳۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد تھے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، بعد میں ان کو بھی ”سodom“ کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا گیا۔

۴۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور بعض کے نزدیک حضرت لوط علیہ السلام نے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں نے ہی ہجرت کی۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوط علیہ السلام کے لیے اپنے علاقے، ”کوٹی“ میں، جو حران کی طرف جاتے ہوئے کوفہ کی ایک بستی تھی، اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو گئی تو وہاں سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں چلے گئے۔ تیسری ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سارہ تھیں۔

۵۔ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور انہی میں سارے انبیاء ہوئے، اور کتابیں آئیں۔ آخر میں حضرت نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی ہوئے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا۔

الْصَّالِحِينَ ﴿۵﴾

اسے ثواب دیا^(۱) اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے۔^(۲)

وَلَوْ طَآذِقَالَ لِقَوْمِهِ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
الْفَاحِشَةَ مَسْبِقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ
الْعَالَمِيْنَ ﴿۶﴾

۲۸. اور حضرت لوط (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو^(۳) جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرَّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ
وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ

۲۹. کیا تم مردوں کے پاس بدفعی کے لیے آتے ہو^(۴) اور راستے بند کرتے ہو^(۵) اور اپنی عام مجلسوں

۱. اس اجر سے مراد رزق دنیا بھی ہے اور ذکر خیر بھی۔ یعنی دنیا میں ہر مذہب کے لوگ (عیسائی، یہودی وغیرہ) حتیٰ کہ مشرکین بھی) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی کے پیرو، ان کے ہاں وہ محترم کیوں نہ ہوں گے؟

۲. یعنی آخرت میں بھی وہ بلند درجات کے حامل اور زمرہ صالحین میں ہوں گے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَّالَّذِيْنَ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾ (النحل: ۱۲۲)

۳. اس بدکاری سے مراد وہی لواطت ہے جس کا ارتکاب قوم لوط (علیہ السلام) نے ہی سب سے پہلے کیا، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

۴. یعنی تمہاری شہوت پرستی اس انتہاء کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے طبعی طریقے تمہارے لیے ناکافی ہو گئے ہیں اور غیر طبعی طریقہ تم نے اختیار کر لیا ہے۔ جنسی شہوت کی تسکین کے لیے طبعی طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے مباشرت کی صورت میں رکھا ہے۔ اسے چھوڑ کر اس کام کے لیے مردوں کی دہر استعمال کرنا غیر فطری اور غیر طبعی طریقہ ہے۔

۵. اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں، نوواردوں اور گزرنے والوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو، جس سے لوگوں کے لیے راستوں سے گزرنا مشکل ہو گیا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے ہو یا اذراہ شرارت انہیں کنکریاں مارتے ہو۔ تیسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ سرراہ ہی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ کسی ایک خاص سبب کی تعیین تو مشکل ہے تاہم وہ ایسا کام ضرور کرتے تھے، جس سے عملاً راستہ بند ہو جاتا تھا، قطع طریق کے ایک معنی قطع نسل کے بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی عورتوں کی شرم گاہوں کو استعمال کرنے کے بجائے مردوں کی دہر استعمال کر کے تم اپنی نسل بھی منقطع کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ (فتح القدیر)

قُوَّةٍ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبِعْنَا عَذَابَ اللَّهِ إِنْ لَكُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۹﴾

میں بے حیائیوں کا کام کرتے ہو؟^(۱) اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ بس جا اگر سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ۔^(۲)

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ حضرت لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ پروردگار! اس مفسد قوم پر میری مدد فرما۔^(۳)

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں،^(۴) یقیناً یہاں کے رہنے والے گناہ گار ہیں۔

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا لَنَنْجِيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں، فرشتوں نے کہا یہاں جو ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔^(۵) لوط (علیہ السلام) کو اور اس کے خاندان کو ہم بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے، کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔^(۶)

۱۔ یہ بے حیائی کیا تھی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، مثلاً لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی مسافر کا استہزاء و استخفاف، مجلسوں میں پاد مارنا، ایک دوسرے کے سامنے اغلام بازی، شطرنج وغیرہ قسم کی قمار بازی، رنگے ہوئے کپڑے پہننا، وغیرہ۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ”کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی منکرات کرتے رہے ہوں۔“

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب انہیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا۔

۳۔ یعنی جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو اللہ سے مدد کی دعا فرمائی۔

۴۔ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہلاک کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی ہلاک کرنے آئے ہیں۔

۵۔ یعنی ہمیں علم ہے کہ اختیار اور مومن کون ہیں اور اشرار کون؟

۶۔ یعنی ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے، جن کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا جانا ہے وہ چونکہ مومنہ نہیں تھی بلکہ اپنی قوم کی طرفدار تھی، اس لیے اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

وَلَمَّا اَنَّ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا بِهِمْ
وَصَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَحْصِفْ
وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوكَ وَاهْلَاكَ اِلَّا
اَمْرًا تَكَّ كَانَتْ مِنَ الْغَيْرِیْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور پھر جب ہمارے قاصد لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔^(۱) قاصدوں نے کہا آپ نہ خوف کھائیے نہ آزرده ہوں، ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے^(۲) مگر آپ کی بیوی کہ وہ عذاب کے لیے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔

اِنَّا مُنَزِّلُوْنَ عَلٰی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ
السَّمَاءِ رَبَّآ كَانُوْا يَسْتَفْتُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں^(۳) اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں۔

وَلَقَدْ شَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ
يَعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور یقیناً ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنادیا^(۴) ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔^(۵)

۱۔ سِيقًا بِهِمْ کے معنی ہیں۔ ان کے پاس ایسی چیز آئی جو انہیں بری لگی اور اس سے ڈر گئے۔ اس لیے کہ لوط (علیہ السلام) نے ان فرشتوں کو، جو انسانی شکل میں آئے تھے، انسان ہی سمجھا۔ ڈرے اپنی قوم کی عادت بد اور سرکشی کی وجہ سے کہ ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم اگر انہیں ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے، جس سے میری رسوائی ہوگی۔ صَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا یہ کنایہ ہے عاجزی سے۔ جیسے ضَاقَتْ يَدُهُ (ہاتھ کا تنگ ہونا) کنایہ ہے فقر سے۔ یعنی ان خوش شکل مہمانوں کو بدخصلت قوم سے بچانے کی کوئی تدبیر انہیں نہیں سوچھی، جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں پریشانی تھے۔

۲۔ فرشتوں نے حضرت لوط (علیہ السلام) کی اس پریشانی اور غم و حزن کی کیفیت کو دیکھا تو انہیں تسلی دی، اور کہا کہ آپ کوئی خوف اور حزن نہ کریں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو، سوائے آپ کی بیوی کے، نجات دلانا ہے۔

۳۔ اس آسمانی عذاب سے وہی عذاب مراد ہے جس کے ذریعے سے قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے ان کی بستیوں کو زمین سے اکھڑا آسمان کی بلندیوں تک لے گئے، پھر ان کو انہی پر اٹا دیا گیا، اس کے بعد کھنکر پتھروں کی بارش ان پر ہوئی اور اس جگہ کو سخت بدبودار بحیرہ (چھوٹے سمندر) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

۴۔ یعنی پتھروں کے وہ آثار، جن کی بارش ان پر ہوئی سیاہ بدبودار پانی اور الٹی ہوئی بستیاں، یہ سب عبرت کی نشانیاں ہیں، مگر کن کے لیے؟ دانش مندوں کے لیے۔

۵۔ اس لیے کہ وہی معاملات پر غور کرتے، اسباب و عوامل کا تجزیہ کرتے اور نتائج و آثار کو دیکھتے ہیں لیکن جو لوگ عقل و شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں، انہیں ان چیزوں سے کیا تعلق؟ وہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں جنہیں ذبح کے لیے

۳۶. اور مدین کی طرف ^(۱) ہم نے ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو قیامت کے دن کی توقع رکھو ^(۲) اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ ^(۳)

۳۷. پھر بھی انہوں نے انہیں جھٹلایا آخرش انہیں زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ گئے۔ ^(۴)

۳۸. اور ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں ^(۵) اور شیطان نے انہیں ان کی بد اعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انہیں راہ سے روک دیا تھا باوجودیکہ یہ آنکھوں والے

وَالِی مَدَیْنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ لِقَوْمِ
اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاَرْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْتَوْا
فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝

فَكَذَّبُوهُ فَاَخَذَ نَهُمُ الرِّجْفَ فَاصْبَحُوا
فِیْ دَارِهِمْ جَحِیْمٌ ۝

وَعَادًا وَاَثْمُوْدًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُم مِّنْ مَّسٰكِدِهِمْ
وَدَرَكْنَ لَّهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّقَهُمْ عَنِ
السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْرِیْنَ ۝

ذبح خانے لے جایا جاتا ہے لیکن انہیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لیے بھی تعریض ہے کہ وہ بھی تکذیب کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ لوگوں کا وطیرہ ہے۔

۱. مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا، بعض کے نزدیک یہ ان کے پوتے کا نام ہے، بیٹے کا نام مدیان تھا۔ ان ہی کے نام پر اس قبیلے کا نام پڑ گیا، جو ان ہی کی نسل پر مشتمل تھا۔ اسی قبیلہ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین شہر کا نام تھا، یہ قبیلہ یا شہر لوط علیہ السلام کی بستی کے قریب ہی تھا۔

۲. اللہ کی عبادت کے بعد، انہیں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی یا تو اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر تھے یا اس لیے کہ وہ اسے فراموش کیے ہوئے تھے اور معصیتوں میں مبتلا تھے اور جو قوم آخرت کو فراموش کر دے، وہ گناہوں میں دلیر ہوتی ہے۔ جیسے آج مسلمانوں کی اکثریت کا حال ہے۔

۳. ناپ تول میں کمی اور لوگوں کو کم دینا، یہ بیماری ان میں عام تھی اور ارتکاب معاصی میں بھی انہیں باک نہیں تھا، جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی۔

۴. حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بالآخر بادلوں کے سائے والے دن، جبرائیل علیہ السلام کی ایک سخت چیخ سے زمین زلزلے سے لرز اٹھی، جس سے ان کے دل ان کی آنکھوں میں آگئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

۵. قوم عاد کی بستی۔ احقاف، حضرموت (یمن) کے قریب اور ثمود کی بستی، حجر، جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں، حجاز کے شمال میں ہے۔ ان علاقوں سے عربوں کے تجارتی قافلے آتے جاتے تھے، اس لیے یہ بستیاں ان کے لیے انجان نہیں، بلکہ ظاہر تھیں۔

اور ہوشیار تھے۔^(۱)

۳۹. اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی، اور ان کے پاس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے پھر بھی انہوں نے زمین میں متکبر کیا^(۲) لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔^(۳)

۴۰. پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا،^(۴) ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا^(۵) اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا^(۶) اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا^(۷)

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ^(۱)

فَكَرًّا أَخَذْنَا بِنَبِيٍّ فِيمَهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَسَفْنَا لَهُ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَعْرَفْنَا وَمَا كَانِ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ

۱. یعنی تھے وہ عقل مند اور ہوشیار۔ لیکن دین کے معاملے میں انہوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کچھ کام نہیں لیا، اس لیے یہ عقل اور سمجھ ان کے کام نہ آئی۔

۲. یعنی دلائل و معجزات کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا، اور بدستور متکبر بنے رہے یعنی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے گریز کیا۔

۳. یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکے اور ہمارے عذاب کے شکنجے میں آکر رہے۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے کہ ”یہ کفر میں سبقت کرنے والے نہیں تھے“ بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اسی طرح کفر و عناد کا راستہ اختیار کیے رکھا تھا۔

۴. یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک کی، ان کے گناہوں کی پاداش میں، ہم نے گرفت کی۔

۵. یہ قوم عاد تھی، جس پر نہایت تند و تیز ہوا کا عذاب آیا۔ یہ ہوا زمین سے کنکریاں اڑا اڑا کر ان پر برساتی، بالآخر اس کی شدت اتنی بڑھی کہ انہیں اچک کر آسمان تک لے جاتی اور انہیں سر کے بل زمین پر دے مارتی، جس سے ان کا سر الگ اور دھڑ الگ ہو جاتا گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ (ابن کثیر)

بعض مفسرین نے حاصبا کا مصداق قوم لوط علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن امام ابن کثیر نے اسے غیر صحیح اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کو منقطع قرار دیا ہے۔

۶. یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود ہے۔ جنہیں ان کے کہنے پر ایک چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی کو ہی مار ڈالا۔ جس کے تین دن بعد ان پر سخت چنگھاڑ کا عذاب آیا، جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو خاموش کر دیا۔

۷. یہ قارون ہے، جسے مال و دولت کے خزانے عطا کیے گئے تھے، لیکن یہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا کہ یہ مال و دولت اس

يُظِلُّمُونَ ﴿۳۰﴾

اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا، ^(۱) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ ^(۲)

۳۱۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے، حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے، ^(۳) کاش! وہ جان لیتے۔

۳۲۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں وہ اس کے سوا پکار رہے ہیں، وہ زبردست اور ذی حکمت ہے۔

۳۳۔ اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں ^(۴) اور انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ ^(۵)

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۳۳﴾

بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کے ہاں معزز و محترم ہوں۔ مجھے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اسے اس کے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

۱۔ یہ فرعون ہے، جو ملک مصر کا حکمران تھا، لیکن حد سے تجاوز کر کے اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو، جس کو اس نے غلام بنا رکھا تھا، آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک صبح اس کو اس کے پورے لشکر سمیت دریائے قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

۲۔ یعنی اللہ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے۔ اس لیے پچھلی قومیں، جن پر عذاب آیا، محض اس لیے ہلاک ہوئیں کہ کفر و شرک اور تکذیب و معاصی کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

۳۔ یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت بودا، کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، ہاتھ کے ادنیٰ سے اشارے سے وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی ہے، یعنی بالکل بے فائدہ ہے، کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آسکتے۔ اس لیے غیر اللہ کے سہارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپائیدار ہیں۔ اگر یہ پائیدار یا نفع بخش ہوتے تو یہ معبود گزشتہ اقوام کو تباہی سے بچا لیتے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ انہیں نہیں بچا سکے۔

۴۔ یعنی انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے، شرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور ہدایت کا راستہ بھاننے کے لیے۔

۵۔ اس علم سے مراد اللہ کا، اس کی شریعت کا اور ان آیات و دلائل کا علم ہے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔

۴۴. اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے،^(۱) بے شک ایمان والوں کے لیے تو اس میں بڑی بھاری دلیل ہے۔^(۲)

۴۵. جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیے^(۳) اور نماز قائم کریں،^(۴) یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے،^(۵) بیشک اللہ کا ذکر بہت

حَقَّقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۶﴾

اَنْلُ مَا اَوْجَى إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلِكِنَّ اللَّهَ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

۱. یعنی عبث اور بے مقصد نہیں۔

۲. یعنی اللہ کے وجود کی، اس کی قدرت اور علم و حکمت کی۔ اور پھر اسی دلیل سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

۳. قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر و ثواب کے لیے، اس کے معانی و مطالب پر تدبر و تفکر کے لیے، تعلیم و تدریس کے لیے، اور وعظ و نصیحت کے لیے، اس حکم تلاوت میں ساری ہی صورتیں شامل ہیں۔

۴. کیوں کہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم و ثبات کا باعث، اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے (اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو) (البقرہ: ۱۵۳) نماز اور صبر کوئی مرئی چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا کچھ کر ان سے مدد حاصل کر لے۔ یہ تو غیر مرئی چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم قدم پر اس کی دستگیری اور رہنمائی کرتا ہے اسی لیے نبی ﷺ کو رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز بھی پڑھنے کی تاکید کی گئی، کیوں کہ آپ ﷺ کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا، اس میں آپ ﷺ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام فرماتے «إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَأَنِ إِلَى الصَّلَاةِ»۔ (مسند احمد، وأبو داود)

۵. یعنی، بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب؟ جب دواؤں کا التزام کیا جائے۔ ایک دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے۔ دوسرا پرہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت، جب نماز کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ان آداب و شرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً اس کے لیے پہلی چیز اخلاص ہے، دوسری طہارت قلب، یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو، تیسری باجماعت اوقات مقررہ پر اس کا اہتمام۔ چوتھی ارکان صلوٰۃ (قراءت، رکوع، قنویہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال و اطمینان، پانچویں خشوع و خضوع اور رقت کی کیفیت۔

مَا تَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾

بڑی چیز ہے،^(۱) اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔

۳۶۔ اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو،^(۲) مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں^(۳) اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی،^(۴) ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اور ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں۔

۳۷۔ اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں^(۵) اور ان (مشرکین) میں بعض اس

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ
إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي
أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ وَالْهَذَا وَهَذَا وَاحِدٌ
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۳۰﴾

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ
الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ
وَمَا يَجِدُ إِلَّا إِلَهُ الْكَافِرُونَ ﴿۳۱﴾

چھٹی مواظبت یعنی پابندی کے ساتھ اس کا التزام، ساتویں رزق حلال کا اہتمام۔ ہماری نمازیں ان آداب و شرائط سے عاری ہیں، اس لیے ان کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں، جو قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امر کے کیے ہیں۔ یعنی نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ بے حیائی کے کاموں سے اور برائی سے رک جائے۔ ۱۔ یعنی بے حیائی اور برائی سے روکنے میں اللہ کا ذکر، اقامت صلوٰۃ سے بھی زیادہ موثر ہے۔ اس لیے کہ آدمی جب تک نماز میں ہوتا ہے، برائی سے رکا رہتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ہر وقت اللہ کا ذکر اس کے لیے ہر وقت برائی میں مانع رہتا ہے۔

۲۔ اس لیے کہ وہ اہل علم و فہم ہیں، بات کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ بنا بریں ان سے بحث و گفتگو میں تلخی اور تندی مناسب نہیں۔

۳۔ یعنی جو بحث و مبادلہ میں افراط سے کام لیں تو تمہیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بعض نے پہلے گروہ سے مراد وہ اہل کتاب لیے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت و نصاریت پر قائم رہے اور بعض نے ظَلَمُوا مِنْهُمْ کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے اور جدال و قتال کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں، یا جزیہ دیں۔

۴۔ یعنی تورات و انجیل پر۔ یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور یہ کہ یہ بعثت محمدیہ تک شریعت الہیہ تھیں۔ ۵۔ اس سے مراد عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ ایتائے کتاب سے مراد اس پر عمل ہے۔ گویا اس پر جو عمل نہیں کرتے، انہیں یہ کتاب دی ہی نہیں گئی۔

پر ایمان رکھتے ہیں^(۱) اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔

۴۸. اور اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے^(۲) اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے^(۳) کہ یہ باطل پرست لوگ شک و شبہ میں پڑتے۔^(۴)

۴۹. بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں،^(۵) ہماری آیتوں کا منکر بجز ظالموں کے اور کوئی نہیں۔

۵۰. اور انہوں نے کہا کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کچھ نشانیاں (معجزات) کیوں نہیں اتارے گئے؟ آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں^(۶) اور میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔

۵۱. کیا انہیں یہ کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے،^(۷) بے شک اس

وَمَا كُنْتُمْ تَقْرَءُ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُطُ بِمِصْرِينَكَ إِذْ أَلَزَمْنَاكَ الْاَلْفَافُ الْاَلْفَافُ ۝

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ اَرَادُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِالْحَقِّ اِلَّا الظَّالِمُونَ ۝

وَقَالُوا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَمَّا اَنَّا نَزَّلْنَاهُ بِرُؤْيُوتِنَا ۝

اَوَلَمْ يَفْقَهُمْ اَنَّا اَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُنْقَلُ عَلَيْهِمْ ۝ اِنْ فِي ذٰلِكَ لَرَحْمَةٌ وَذِكْرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

۱. ان سے مراد اہل مکہ ہیں جن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔

۲. اس لیے کہ ان پڑھ تھے۔

۳. اس لیے کہ لکھنے کے لیے بھی علم ضروری ہے، جو آپ نے کسی سے حاصل ہی نہیں کیا تھا۔

۴. یعنی اگر آپ ﷺ پڑھے لکھے ہوتے یا کسی استاد سے کچھ سیکھا ہوتا تو لوگ کہتے کہ یہ قرآن مجید فلاں کی مدد سے یا اس سے تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

۵. یعنی قرآن مجید کے حافظوں کے سینوں میں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ لفظ بہ لفظ سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

۶. یعنی یہ نشانیاں اس کی حکمت و مشیت، جن بندوں پر اتارنے کی مقتضی ہوتی ہے، وہاں وہ اتارتا ہے، اس میں اللہ کے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے۔

۷. یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اور جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لاکر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دیں۔ جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لارہے ہیں تو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انہیں معجزے دکھا بھی دیے جائیں، تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟

میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت (بھی) ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔^(۱)

۵۲۔ کہہ دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا کافی ہے^(۲) وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا عالم ہے، جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے ہیں^(۳) وہ زبردست نقصان اور گھائے میں ہیں۔^(۴)

۵۳۔ اور یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔^(۵) اگر میری طرف سے مقرر کیا ہوا وقت نہ ہوتا تو ابھی تک ان کے پاس عذاب آچکا ہوتا،^(۶) یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آپہنچے گا۔^(۷)

۵۴۔ یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور (تسلی رکھیں) جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔^(۸)

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْحٰرُونَ ﴿٥٢﴾

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ اَنَّ اَجَلَ مُّسَيِّئٰهُمْ
الْعَذَابِ وَاٰتٰتَنَّهُمْ بَعْتَهُ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٣﴾

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ
بِالْكَافِرِيْنَ ﴿٥٤﴾

۱۔ یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے، کیوں کہ وہی اس سے مستمع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

۲۔ اس بات پر کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی ہے، یقیناً من جانب اللہ ہے۔

۳۔ یعنی غیر اللہ کو عبادت کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور جو فی الواقع مستحق عبادت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کا انکار کرتے ہیں۔

۴۔ کیوں کہ یہی لوگ فساد عقلی اور سوء فہم میں مبتلا ہیں، اسی لیے انہوں نے جو سودا کیا ہے کہ ایمان کے بدلے کفر اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے، اس میں یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۵۔ یعنی پیغمبر کی بات ماننے کے بجائے، کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا دے۔

۶۔ یعنی ان کے اعمال و اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ انہیں فوراً صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا جائے۔ لیکن ہماری سنت ہے کہ ہر قوم کو ایک وقت خاص تک مہلت دیتے ہیں، جب وہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ہمارا عذاب آ جاتا ہے۔

۷۔ یعنی جب عذاب کا وقت مقرر آجائے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ وقت مقرر وہ ہے جو اس نے اہل مکہ کے لیے لکھ رکھا تھا، یعنی جنگ بدر میں اسارت و قتل، یا پھر قیامت کا وقوع ہے جس کے بعد کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

۸۔ پہلا یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بطور خبر کے تھا اور یہ دوسرا بطور تعجب کے ہے یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عذاب کی جگہ (جہنم)

۵۵. اس دن ان کے اوپر تلے سے انہیں عذاب ڈھانپ رہا ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا^(۱) کہ اب اپنے (بد) اعمال کا مزہ چکھو۔

۵۶. اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔^(۲)

۵۷. ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۳)

۵۸. اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ہم یقیناً جنت کے ان بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں^(۴) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے،^(۵) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔

۵۹. وہ جنہوں نے صبر کیا^(۱) اور اپنے رب تعالیٰ پر

يَوْمَ نَغْشَهُمُ الْعَذَابُ مِنَ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَجْلِهِمْ وَيَقُولُ دُفُّوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

يُعْبَادِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِيْ وَاِسْعٰى فَاَيَّايْ فَاَعْبُدُوْنِ ۝

كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ عُرْشًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

ان کو اپنے گھرے میں لیے ہوئے ہے۔ پھر بھی یہ عذاب کے لیے جلدی چاہے ہیں؟ حالاں کہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے، اسے دور کیوں سمجھتے ہیں؟ یا پھر یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

۱. يَقُولُ، کا فاعل اللہ ہے یا فرشتے، یعنی جب چاروں طرف سے ان پر عذاب ہو رہا ہوگا تو کہا جائے گا۔

۲. اس میں ایسی جگہ سے، جہاں اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو اور دین پر قائم رہنا دو بھر ہو رہا ہو، ہجرت کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے پہلے مکہ سے حبشہ کی طرف اور پھر بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

۳. یعنی موت کا جرعہ تلخ تو لامحالہ ہر ایک کو پینا ہے، ہجرت کرو گے تب بھی اور نہ کرو گے تب بھی، اس لیے تمہارے لیے وطن کا، رشتے داروں کا، اور دوست احباب کا چھوڑنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ موت تو تم جہاں بھی ہو گے آجائے گی۔ البتہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے مرو گے تو تم اخروی نعمتوں سے شاد کام ہو گے، اس لیے کہ مر کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔

۴. یعنی اہل جنت کے مکانات بلند ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ نہریں پانی، شراب، شہد اور دودھ کی ہوں گی، علاوہ ازیں انہیں جس طرف پھیرنا چاہیں گے، ان کا رخ اسی طرف ہو جائے گا۔

۵. ان کے زوال کا خطرہ ہوگا، نہ انہیں موت کا اندیشہ نہ کسی اور جگہ پھر جانے کا خوف۔

۶. یعنی دین پر مضبوطی سے قائم رہے، ہجرت کی تکلیفیں برداشت کیں، اہل و عیال اور عزیز و اقرباء سے دوری کو محض اللہ کی رضا کے لیے گوارا کیا۔

بھروسہ رکھتے ہیں۔^(۱)

۶۰. اور بہت سے ^(۲) جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے، ^(۳) ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، ^(۴) اور وہ بڑا ہی سننے والا ہے۔^(۵)

۶۱. اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمانوں کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ، ^(۶) پھر کدھر اٹے جارہے ہیں۔^(۷)

۶۲. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔^(۸) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر

وَكَايْنٍ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِمْلًا ۖ وَاللَّهُ يَرُدُّهَا وَيَأْتِيهَا وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۰﴾

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَحَمَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْنَنَّ اللّٰهُ فَاَنىٰ يُوَفُّوْنَ ﴿۶۱﴾

اَللّٰهُ يُمِطُّ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهُ اِنْ اَنَّ اللّٰهَ يَجْعَلْ شَيْءًا عَلَيِّمْ ۖ ﴿۶۲﴾

۱. دین اور دنیا کے ہر معاملے اور حالات میں۔

۲. کائنات کے معنی ہیں کتے ہی یا بہت سے۔

۳. کیوں کہ اٹھارے جانے کی ان میں ہمت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ ذخیرہ بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق کسی خاص جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لیے عام ہے وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا، نیز تھوڑے ہی عرصے کے بعد انہیں عرب کے متعدد علاقوں کا حکمران بنادیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ۔

۴. یعنی کوئی کمزور ہے یا طاقتور، اسباب و وسائل سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ، اپنے وطن میں ہے یا مہاجر اور بے وطن، سب کا روزی رساں وہی اللہ ہے جو چوٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواؤں میں اور مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ فقر وفاقہ کا ڈر ہجرت میں رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمام مخلوقات کی روزی کا ذمہ دار ہے۔

۵. وہ جاننے والا ہے تمہارے اعمال و افعال کو اور تمہارے ظاہر و باطن کو، اس لیے صرف اسی سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے مت ڈرو، اسی کی اطاعت میں سعادت و کمال ہے اور اس کی معصیت میں شقاوت و نقصان۔

۶. یعنی یہ مشرکین، جو مسلمانوں کو محض توحید کی وجہ سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں، ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سورج اور چاند کو اپنے اپنے مدار پر چلانے والا کون ہے؟ تو وہاں یہ اعتراف کیے بغیر انہیں چارہ نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔

۷. یعنی دلائل و اعتراف کے باوجود حق سے یہ اعراض اور گریز باعث تعجب ہے۔

۸. یہ مشرکین کے اعتراف کا جواب ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو پھر غریب اور کمزور کیوں ہو؟

چیز کا جاننے والا ہے۔^(۱)

۶۳. اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا اللہ تعالیٰ نے۔ آپ کہہ دیں کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔^(۲)

۶۴. اور دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے^(۳) البتہ آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے،^(۴) کاش! یہ جانتے ہوتے۔^(۵)

۶۵. پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔^(۶)

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ تَزُلُّ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاتْكِيَاءِ
الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ
لِلَّهِ بَلْ أَنتُمْ لَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۳﴾

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ
الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَاةُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۶۴﴾

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَاوُا اللَّهَ مَخْلَصِينَ لَهُ
الَّذِينَ هُمْ قَلْبًا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ
يُنْشَرُونَ ﴿۶۵﴾

اللہ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور کسی اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے کم یا زیادہ دیتا ہے، اس کا تعلق اس کی رضا مندی یا غضب سے نہیں ہے۔

۱. اس کو بھی وہی جانتا ہے کہ زیادہ رزق کس کے لیے بہتر ہے اور کس کے لیے نہیں؟

۲. کیوں کہ عقل ہوتی تو اپنے رب کے ساتھ پتھروں کو اور مردوں کو رب نہ بناتے۔ نہ ان کے اندر یہ تناقض ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت کے اعتراف کے باوجود، بتوں کو حاجت روا اور لائق عبادت سمجھ رہے ہیں۔

۳. یعنی جس دنیا نے انہیں آخرت سے اندھا اور اس کے لیے توشہ جمع کرنے سے غافل رکھا ہے، وہ ایک کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کافر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، اس کے لیے شب و روز محنت کرتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بچے سارا دن مٹی کے گھروندوں سے کھیلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، سوائے تھکاوٹ کے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۴. اس لیے ایسے عمل صالح کرنے چاہیے جن سے آخرت کا یہ گھر سنور جائے۔

۵. کیوں کہ اگر وہ یہ بات جان لیتے تو آخرت سے بے پرواہ ہو کر دنیا میں مگن نہ ہوتے۔ اس لیے ان کا علاج علم ہے، علم شریعت۔

۶. مشرکین کے اس تناقض کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تناقض کو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے انہیں قبول اسلام کی توفیق حاصل ہو گئی۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَتَّبِعُوا ذُرِّيَّتَهُمْ فَيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَتَّبِعُوا ذُرِّيَّتَهُمْ فَيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَتَّبِعُوا ذُرِّيَّتَهُمْ فَيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَ الْمَنَاجِزِ يُحَفِّظُ النَّاسَ
مِنْ حَوْلِهِمْ اَقْبَابًا لِئَلَّا يَكْفُرُوا بِالْحَقِّ فَيَتَنَبَّهُوا عَلَيْهِمْ وَيَقُولُوا هٰذَا
يَكْفُرُونَ ۝۵۰

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
بِالْحَقِّ لِيَتَّخِذَ الْاَكْثَرُ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

۶۶. تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکر تے رہیں اور
برتتے رہیں۔^(۱) ابھی ابھی پتہ چل جائے گا۔

۶۷. کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو با امن بنادیا
ہے حالانکہ ان کے ارد گرد سے لوگ اچک لیے جاتے
ہیں،^(۲) کیا یہ باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں پر ناشکری کرتے ہیں۔^(۳)

۶۸. اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ
باندھے^(۴) یا جب حق اس کے پاس آجائے تو اسے^(۵)

سے فرار ہو گئے تاکہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ جائیں۔ یہ حبشہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے، کشتی گرداب میں
پھنس گئی، تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ
یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے
سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا
کہ اگر میں یہاں سے بحیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا۔
چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رضی اللہ عنہ (ابن کثیر بحوالہ سیرت محمد بن اسحاق)

۱. یہ لام کئی ہے جو علت کے لیے ہے۔ یعنی نجات کے بعد ان کا شرک کرنا، اس لیے ہے کہ وہ کفران نعت کریں اور دنیا کی
لذتوں سے متمتع ہوتے رہیں۔ کیوں کہ اگر وہ یہ ناشکری نہ کرتے تو اخلاص پر قائم رہتے اور صرف اللہ واحد کو ہی ہمیشہ پکارتے۔
بعض کے نزدیک یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی گو ان کا مقصد کفر کرنا نہیں ہے لیکن دوبارہ شرک کے ارتکاب کا نتیجہ
بہر حال کفر ہی ہے۔

۲. اللہ تعالیٰ اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اہل مکہ پر اس نے کیا کہ ہم نے ان کے حرم کو امن والا بنایا جس میں اس
کے باشندے قتل و غارت، اسیری، لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ جب کہ عرب کے دوسرے علاقے اس امن و سکون
سے محروم ہیں قتل و غارت گری ان کے ہاں معمول اور آئے دن کا مشغلہ ہے۔

۳. یعنی کیا اس نعمت کا شکر یہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں، اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے
رہیں۔ اس احسان کا اقتضا تو یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کرتے۔

۴. یعنی دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے درآں حالیکہ ایسا نہ ہو یا کوئی یہ کہے کہ میں بھی وہ چیز
اتار سکتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ یہ افتراء ہے اور مدعی مفتری۔

۵. یہ تمذیب ہے اور اس کا مرکب مذب۔ افتراء اور تمذیب دونوں کفر ہیں جس کی سزا جہنم ہے۔

لِّلْكَافِرِينَ ۝۱۹

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْحَمْسِينَ ۝۲۰

جھٹلائے؟ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟

۲۹. اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے
ہیں ^(۱) ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے۔ ^(۲) اور یقیناً
اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔ ^(۳)

۱. یعنی دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔

۲. اس سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

۳. احسان کا مطلب ہے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ہر نیکی کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا، سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرنا، برائی کے بدلے میں برائی کے بجائے حسن سلوک کرنا، اپنا حق چھوڑ دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔
یہ سب احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔



سورہ روم کی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں
اور چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ

عَلَبَتِ الرُّومَ

فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَلٰیہُمْ
سَیِّغِلُوْنَ ۝

فِیْ بَضْعِ سِنِیْنَ ۚ ؕ اِنَّہٗ اَلْمُرْسِیْنَ قَبْلَ وَیَمِّنَ
بَعْدَ ۚ وَیَوْمَیْنِ یَفْصَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

یَنْصُرِ اللّٰهُ یَنْصُرُ مَنۢ یَّشَآءُ ۚ

۱. اَلَمْ

۲. رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔

۳. نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد
عنقریب غالب آجائیں گے۔

۴. چند سال میں ہی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی
اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور اس روز مسلمان شادمان
ہوں گے۔

۵. اللہ کی مدد سے،^(۱) وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

۱. عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی، دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست اور دوسری عیسائی یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیوں کہ دونوں غیر اللہ کے پجاری تھے، جب کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں، اس لیے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وحی و رسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ نبی ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آگئی، جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا، اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ بَضْعِ سِنِیْنَ کے اندر رومی پھر غالب آجائیں گے اور غالب مغلوب اور مغلوب غالب ہو جائیں گے۔ بظاہر اسباب یہ پیش گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی۔ تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے یہ شرط باندھ لی کہ رومی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ بَضْعِ کالْفَتْنِ سے دس تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے تم نے ۵ سال کی مدت کم رکھی ہے، اس میں اضافہ کرلو۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مدت میں اضافہ کروالیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی ۹ سال کی مدت کے اندر اندر یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آگئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ (ترجمہ، تفسیر سورۃ الروم) بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی، جب بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا، اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک

وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

وَعَدَ اللَّهُ لَا يَخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ
الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ ۝

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا إِنِّي أَنفَعُهُمْ تَخَلَّقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِآخِذٍ وَأَجَلَ مُّسَمًّى
وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَبَلَايَىٰ رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ ۝

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

اصل غالب اور مہربان وہی ہے۔

۶. اللہ کا وعدہ ہے، ^(۱) اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف
ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۷. وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے
ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔ ^(۲)

۸. کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا؟ کہ
اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان
جو کچھ ہے سب کو بہترین قرینے سے مقرر وقت تک کے
لیے (ہی) پیدا کیا ہے، ^(۳) ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی
ملاقات کے منکر ہیں۔ ^(۴)

۹. کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا ^(۵)

کی زمین سے مراد، عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں، یعنی شام و فلسطین وغیرہ، جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔
۱. یعنی اے محمد! ^(صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی، فارس پر دوبارہ غالب آجائیں گے، یہ اللہ
کا سچا وعدہ ہے جو مدت موعود کے اندر یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

۲. یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے۔ چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چابک دستی اور مہارت فن کا مظاہرہ
کرتے ہیں جن کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جن کا نفع مستقل اور پائیدار
ہے۔ یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

۳. یا ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکیوں کو ان کی نیکیوں کی
جزاء اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دی جائے۔ یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح انہیں نیست سے
ہست کیا اور پانی کے ایک حقیر قطرے سے ان کی تخلیق کی۔ پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع و عریض
سلسلہ قائم کیا، نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔
مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت والوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا
انہیں ادراک و احساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔

۴. اور اس کی وجہ وہی کائنات میں غور و فکر کا فقدان ہے ورنہ قیامت کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔

۵. یہ آثار و کھنڈرات اور نشانات عبرت پر غور و فکر نہ کرنے پر توبخ کی جارہی ہے۔ مطلب ہے کہ چل پھر کر وہ مشاہدہ
کر چکے ہیں۔

کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا؟^(۱) وہ ان سے بہت زیادہ توانا (اور طاقتور) تھے^(۲) اور انہوں نے (بھی) زمین بوئی جوتی تھی^(۳) اور ان سے زیادہ آباد کی تھی^(۴) اور ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔^(۵) یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا^(۶) لیکن (دراصل) وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔^(۷)

۱۰. آخر کار برا کرنے والوں کا بہت ہی برا انجام ہوا،^(۸) اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔

۱۱. اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا^(۹) پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۱۰)

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا اتَّخَذُوا مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ①

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا الشُّوْا۟ى اَنْ كَذَّبُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا هٰۤیَسْتَهْزِوْنَ ②

اَللّٰهُ يَبْدَا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ③

۱. یعنی ان کافروں کا، جن کو اللہ نے ان کے کفر باللہ، حق کے انکار اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا۔

۲. یعنی قریش اور اہل مکہ سے زیادہ۔

۳. یعنی اہل مکہ تو کھیتی باڑی سے نا آشنا ہیں لیکن کچھلی قومیں اس وصف میں بھی ان سے بڑھ کر تھیں۔

۴. اس لیے کہ ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں، جسمانی قوت میں بھی زیادہ تھے اسباب معاش بھی ان کو زیادہ حاصل تھے، پس انہوں نے عمارتیں بھی زیادہ بنائیں، زراعت و کاشتکاری بھی کی اور وسائل رزق بھی زیادہ مہیا کیے۔

۵. لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ نتیجتاً تمام تر قوتوں، ترقیوں اور فراغت و خوش حالی کے باوجود ہلاکت ان کا مقدر بن کر رہی۔

۶. کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب میں مبتلا کر دیتا۔

۷. یعنی اللہ کا انکار اور رسولوں کی تکذیب کر کے۔

۸. شُوَا۟ی، بروزن فُعْلٰی، شُوَا۟ سے اَسْوَا۟ کی تانیث ہے جیسے حُسْنٰی، اَحْسَنُ کی تانیث ہے۔ یعنی ان کا جو انجام ہوا، بدترین انجام تھا۔

۹. یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ انہیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے کہ دوبارہ پیدا کرنا، پہلی مرتبہ سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

۱۰. یعنی میدان محشر اور موقف حساب میں، جہاں وہ عدل و انصاف کا اہتمام فرمائے گا۔

۱۲. اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گناہ گار حیرت زدہ رہ جائیں گے۔^(۱)

۱۳. اور ان کے تمام تر شریکوں میں سے ایک بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا^(۲) اور (خود یہ بھی) اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔^(۳)

۱۴. اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن (جماعتیں) الگ الگ ہو جائیں گی۔^(۴)

۱۵. جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے وہ تو جنت میں خوش و خرم کر دیے جائیں گے۔^(۵)

۱۶. اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا وہ سب عذاب میں پکڑ کر حاضر رکھے جائیں گے۔^(۶)

وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۲﴾

وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَاءٍ شَفَعُوا
وَكَانُوا إِشْرَكَاءٍ لَهُمْ كَفَرَيْنَ ﴿۱۳﴾

وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ يُتَفَرَّقُونَ ﴿۱۴﴾

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيهِمْ
فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿۱۵﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ
الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۱۶﴾

۱. اِنْبِلَاسُ کے معنی ہیں، اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکتا اور حیران و ساکت کھڑے رہنا۔ اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مُبْلِسٌ وہ ہوگا جو ناامید ہو کر خاموش کھڑا ہو اور اسے کوئی دلیل نہ سوجھ رہی ہو، قیامت کے دن کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا یعنی معاینۂ عذاب کے بعد وہ ہر خبر سے مایوس اور دلیل و حجت پیش کرنے سے قاصر ہوں گے مُجْرِمُونَ سے مراد کافر و مشرک ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

۲. شریکوں سے مراد وہ معبودان باطلہ ہیں جن کی مشرکین، یہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے، اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔ لیکن اللہ نے یہاں وضاحت فرمادی کہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔

۳. یعنی وہاں ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے کیوں کہ وہ دیکھ لیں گے کہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ (فتح القدیر) دوسرے معنی ہیں کہ یہ معبود اس بات سے انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک گردان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ تو ان کی عبادت سے ہی بے خبر ہیں۔

۴. اس سے مراد ہر فرد کا دوسرے فرد سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب مومنوں کا اور کافروں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے اور ان کے درمیان دائمی جدائی ہو جائے گی، یہ دونوں پھر کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے یہ حساب کے بعد ہوگا۔ چنانچہ اسی علیحدگی کی وضاحت اگلی آیات میں کی جارہی ہے۔

۵. یعنی انہیں جنت میں اکرام و انعام سے نوازا جائے گا، جن سے وہ مزید خوش ہوں گے۔

۶. یعنی ہمیشہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں رہیں گے۔

۱۷. پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔

۱۸. اور تمام تعریفوں کے لائق آسمانوں اور زمین میں صرف وہی ہے تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اس کی پاکیزگی بیان کرو)۔^(۱)

۱۹. (وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔^(۲) اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔^(۳)

۲۰. اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب انسان بن کر (چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو۔^(۴)

فَسَبِّحْ لِلّٰهِ حِينَ تُمْسُوْنَ وَحِينَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

وَمِنَ الْاٰيَةِ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ كٰتِبَةٌ تَتَشٰبَرُوْنَ ﴿۲۰﴾

۱. یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات مقدسہ کے لیے تسبیح و تحمید ہے، جس سے مقصد اپنے بندوں کی رہنمائی ہے کہ ان اوقات میں، جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور جو اس کے کمال قدرت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں، اس کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ شام کا وقت، رات کی تاریکی کا پیش خیمہ اور سپیدہ سحر دن کی روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ عشاء شدت تاریکی کا اور ظہر خوب روشن ہوجانے کا وقت ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جو ان سب کی خالق ہے اور جس نے ان تمام اوقات میں الگ الگ فوائد رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد نماز ہے اور دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ تُمْسُوْنَ میں مغرب وعشاء، تُصْبِحُوْنَ میں نماز فجر، عَشِيًّا (سہ پہر) میں عصر اور تُظْهِرُوْنَ میں نماز ظہر آجاتی ہے۔ (فتح القدیر) ایک ضعیف حدیث میں ان دونوں آیات کو صبح وشام پڑھنے کی یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے شب وروز کی کوتاہیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ (ابو داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا أصبح)

۲. جیسے انڈے کو مرغی سے، مرغی کو انڈے سے۔ انسان کو نطفے سے، نطفے کو انسان سے اور مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔

۳. یعنی قبروں سے زندہ کر کے۔

۴. إِذَا فُجِّئَتْهُ ہے۔ مقصود اس سے ان اطوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر بچے پورا انسان بنتا ہے جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ تَتَشٰبَرُوْنَ سے مراد انسان کا کسب معاش اور دیگر حاجات و ضروریات بشریہ کے لیے چلنا پھرنا ہے۔

۲۱. اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں^(۱) تاکہ تم ان سے آرام پاؤ^(۲) اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی،^(۳) یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

۲۲. اور اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے،^(۴) دانش مندوں کے لیے اس میں یقیناً بڑی

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْتَكِرُونَ ﴿۲۱﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَكِ وَالْأَرْضِ وَخَلْقُ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِ رَبِّهِ ثُمَّ يَرْجِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَمِطٍ مَعِينٍ ﴿۲۲﴾

۱. یعنی تمہاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ وہ تمہاری بیویاں بنیں اور تم جوڑا جوڑا ہو جاؤ زَوْجُ عربی میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے زوج ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت ”حضرت حوا“ کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا۔ پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

۲. مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی، مثلاً عورتیں جنات یا حیوانات میں سے ہوتیں، تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو اس وقت دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے سے نفرت و وحشت ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی بیویاں، انسان ہی بنائیں۔

۳. مَوَدَّةٌ یہ ہے کہ مرد بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور ایسے ہی بیوی شوہر سے۔ جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے دنیا میں کسی بھی دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ اور رحمت یہ ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی سہولت اور آسائشیں بہم پہنچاتا ہے، جس کا مکلف اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ایسے ہی عورت بھی اپنے قدرت و اختیار کے دائرہ میں۔ تاہم انسان کو یہ سکون اور باہمی پیار انہی جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوتے ہیں اور اسلام انہی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو وہ جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں زانی اور بدکار قرار دیتا ہے اور ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار شیاطین ان مذہب کو ششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشرہ کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی نکاح کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بدکار مرد و عورت کو ”جوڑا“ (couple) تسلیم کر دیا جائے اور ان کے لیے سزا کے بجائے وہ حقوق منوائے جائیں، جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ فَاتْلَهُمْ اللَّهُ أَنْتَ يُؤْفِكُونَ۔

۴. دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، عربی ہے، ترکی ہے، انگریزی ہے، اردو، ہندی ہے، پشتو، فارسی، بلوچی وغیرہ ہے۔ پھر ایک ایک زبان کے مختلف لہجے اور اسلوب ہیں۔ ایک انسان ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک اور فلاں علاقہ کا ہے۔ صرف زبان ہی اس کا مکمل تعارف کرا دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم و حوا علیہما السلام) سے ہونے کے باوجود رنگ ایک

نشانیاں ہیں۔

۲۳۔ اور (بھی) اس کی (قدرت کی) نشانی تمہاری راتوں اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل (یعنی روزی) کو تمہارا تلاش کرنا بھی ہے۔^(۱) جو لوگ (کان لگا کر) سننے کے عادی ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

۲۴۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لیے بجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے^(۲) اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اس میں (بھی) عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

۲۵۔ اور اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا تو صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے۔^(۳)

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَابْتِعَاؤُكُمْ مِنْ فُضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ
مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۴﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ
إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمُ
تَخْرُجُونَ ﴿۲۵﴾

دوسرے سے مختلف ہیں۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی نیلیوں ہے تو کوئی گندمی رنگ کا، پھر کالے اور سفید رنگ میں بھی اتنے درجات رکھ دیے ہیں کہ بیشتر انسانی آبادی دو رنگوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ان کی بیسیوں قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے یکسر الگ اور ممتاز۔ پھر ان کے چہروں کے خدوخال، جسمانی ساخت اور قد و قامت میں ایسا فرق رکھ دیا گیا ہے کہ ایک ایک ملک کا انسان الگ سے پہچان لیا جاتا ہے۔ یعنی باوجود اس بات کے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نہیں ملتا، حتیٰ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے مختلف ہے لیکن اللہ کی قدرت کا کمال ہے کہ پھر بھی کسی ایک ہی ملک کے باشندے، دوسرے ملک کے باشندوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

۱۔ نیند کا باعث سکون و راحت ہونا چاہیے وہ رات کو ہو یا بوقتِ قیلولہ، اور دن کو تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا، یہ مضمون کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۲۔ یعنی آسمان میں بجلی چمکتی اور بادل کڑکتے ہیں، تو تم ڈرتے بھی ہو کہ کہیں بجلی گرنے یا زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے کھیتیاں برباد نہ ہو جائیں اور امیدیں بھی وابستہ کرتے ہو کہ بارشیں ہوں گی تو فصل اچھی ہوگی۔

۳۔ یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو آسمان وزمین کا یہ سارا نظام، جو اس وقت اس کے حکم سے قائم ہے، درہم برہم ہو جائے گا اور تمام انسان قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلِّ لَهٗ
فَنُتُوْنَ ﴿۵﴾

وَهُوَ الَّذِي يَبْدُءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ
عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءٍ فَمَا
رَزَقْنَاهُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوهُمْ
كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿۷﴾

۲۶. اور آسمانوں و زمین کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے
اور ہر ایک اس کے فرمان کے تحت ہے۔^(۱)

۲۷. اور وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر
اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان
ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے،^(۲) آسمانوں میں
اور زمین میں بھی اور وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔

۲۸. اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک مثال خود تمہاری ہی
بیان فرمائی، جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس
میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک
ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟^(۳) اور
تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا،^(۴) ہم عقل
رکھنے والوں کے لیے اسی طرح کھول کھول کر آیات بیان
کر دیتے ہیں۔^(۵)

۱. یعنی اس کے نیکوینی حکم کے آگے سب بے بس اور لاچار ہیں۔ جیسے موت و حیات، صحت و مرض، ذلت و عزت وغیرہ میں۔

۲. یعنی اتنے کمالات اور عظیم قدروں کا مالک، تمام مثالوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

۳. یعنی جب تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر، جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، وہ تمہارے مال
و دولت میں شریک اور تمہارے برابر ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے، چاہے وہ فرشتے ہوں،
پیغمبر ہوں، اولیاء و صلحاء ہوں یا شجر و حجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں جب کہ وہ بھی اللہ
کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں؟ یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی، دوسری بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ کے ساتھ
دوسروں کی بھی عبادت کرنا اور انہیں بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

۴. یعنی کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم (آزاد لوگ) آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے
ہو، یعنی جس طرح مشرک کہ کاروبار یا جائیداد میں سے خرچ کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شریک باز پرس
کریں گے۔ کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو؟ یعنی نہیں ڈرتے۔ کیوں کہ تم انہیں مال و دولت میں شریک قرار
دے کر اپنا ہم مرتبہ بنا ہی نہیں سکتے تو اس سے ڈر بھی کیسا؟

۵. کیوں کہ وہ اپنی عقلوں کو استعمال میں لا کر اور غور و فکر کا اہتمام کر کے آیات تَنْزِيْلِيَّةً اور تَخْوِيْفِيَّةً سے فائدہ اٹھاتے
ہیں، اور جو ایسا نہیں کرتے ان کی سمجھ میں توحید کا مسئلہ بھی نہیں آتا جو بالکل صاف اور نہایت واضح ہے۔

۲۹۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے خواہش پرستی کر رہے ہیں،^(۱) اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ تعالیٰ راہ سے ہٹا دے،^(۲) اور ان کا ایک بھی مددگار نہیں۔^(۳)

۳۰۔ پس آپ یکسو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔^(۴) اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،^(۵) اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں،^(۶) یہی سیدھا دین ہے^(۷) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔^(۸)

۳۱۔ (لوگو!) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ مُّصْرِئِينَ ۝

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

مُتَّبِعِينَ الْيَأْسَ وَالْقُوَّةَ وَاقْبُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

۱۔ یعنی اس حقیقت کا انہیں ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ علم سے بے بہرہ اور ضلالت کا شکار ہیں اور اسی بے علمی اور گمراہی کی وجہ سے وہ اپنی عقل کو کام میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات اور آرائے فاسدہ کے پیروکار ہیں۔

۲۔ کیوں کہ اللہ کی طرف سے ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے اندر ہدایت کی طلب اور آرزو ہوتی ہے، جو اس طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں، انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۳۔ یعنی ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں ہدایت سے بہرہ ور کر دے یا ان سے عذاب کو پھیر دے۔

۴۔ یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور ادیان باطلہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔

۵۔ فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں۔ یہاں مراد ملت اسلام (وتوحید) ہے مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش - بغیر مسلم و کافر کی تفریق کے - اسلام اور توحید پر ہوتی ہے، اس لیے توحید ان کی فطرت یعنی جبلت میں شامل ہے جس طرح کہ عہد اُکسنت سے واضح ہے۔ بعد میں بہت سوں کو ماحول یا دیگر عوارض، فطرت کی اس آواز کی طرف نہیں آنے دیتے، جس کی وجہ سے وہ کفر پر ہی باقی رہتے ہیں جس طرح نبی ﷺ کی حدیث ہے (ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن پھر اس کے ماں باپ، اس کو یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بنادیتے ہیں)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الروم، ومسلم کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة)

۶۔ یعنی اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کرو بلکہ صحیح تربیت کے ذریعے سے اس کی نشوونما کرو تاکہ ایمان وتوحید بچوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے۔ یہ خبر بمعنی انشاء ہے یعنی نفی، نہی کے معنی میں ہے۔

۷۔ یعنی وہ دین جس کی طرف یکسو اور متوجہ ہونے کا حکم ہے، یا جو فطرت کا تقاضا ہے وہ یہی دین قیّم ہے۔

۸۔ اسی لیے وہ اسلام اور توحید سے نا آشنا رہتے ہیں۔

نہ ہو جاؤ۔^(۱)

۳۲. ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے^(۲) ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔^(۳)

۳۳. اور لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف (پوری طرح) رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے۔

۳۴. تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہے^(۴) اچھا تم فائدہ اٹھاؤ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

۳۵. کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرتی ہے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں۔^(۵)

مِنَ الَّذِينَ تَتَوَدَّيْهِمْ وَكَانُوا شِرَاعًا كُلًّا
حِزْبًا لِّمَا لَدَيْهِمْ فِرْعَوْنٌ ۝

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ
ثُمَّ إِذَا أَذَاهُمْ مِّنْهُ رَحِمَهُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَرْجِعُ
يُنْفِرُونَ ۝

لِيَقُولُوا بِمَا آتَيْنَاهُم مُّبْتَلَا فَبُوفُ الْعُلَمُونَ ۝

أَمْ أُنْزِلْنَا عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَهَؤُلَاءِ يَكْفُرُونَ
يُنْفِرُونَ ۝

۱. یعنی ایمان و تقویٰ اور اقامت صلوٰۃ سے گریز کر کے، مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

۲. یعنی اصل دین کو چھوڑ کر یا اس میں من مانی تبدیلیاں کر کے الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، جیسے کوئی یہودی، کوئی نصرانی، کوئی مجوسی وغیرہ ہو گیا۔

۳. یعنی ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر، اور جو سہارے انہوں نے تلاش کر رکھے ہیں، جن کو وہ دلائل سے تعبیر کرتے ہیں، ان پر خوش اور مطمئن ہیں، بد قسمتی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا بھی ہر فرقہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے، حالانکہ حق پر صرف ایک ہی گروہ ہے جس کی پہچان نبی ﷺ نے بتلادی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلنے والا ہو گا۔
۴. یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ عبکوت کے آخر میں گزرا۔

۵. یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بلا دلیل ہے۔ اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لیے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا جب کہ اس نے سارے پیغمبر بھیجے ہی اس لیے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے

وَلَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبَهُمْ
سَيِّئَةٌ مِمَّا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ اِذْ اَهُمُّ بِصَفْوَتِهِمْ ۝

۳۶. اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں۔^(۱)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَيَقْدِرُ عَلَيْهِ فَاِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۝

۳۷. کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ،^(۲) اس میں بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں۔

فَاِنَّ ذَا الْقُرْبٰى حَقُّهُ وَالْيَسِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ

۳۸. پس قربات دار کو اور مسکین کو اور مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دیجیے،^(۳) یہ ان کے لیے بہتر ہے جو

آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔ اور آج اہل توحید مسلمانوں کو بھی نام نہاد مسلمانوں میں توحید و سنت کا وعظ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیوں کہ مسلمان عوام کی اکثریت شرک و بدعت میں مبتلا ہے۔ هَذَا هُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔
۱. یہ وہی مضمون ہے جو سورہ ہود میں گزرا اور جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے کہ راحت میں وہ اترا نہ لگتے ہیں اور مصیبت میں ناامید ہو جاتے ہیں۔ البتہ اہل ایمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تکلیف میں صبر اور راحت میں اللہ کا شکر یعنی عمل صالح کرتے ہیں۔ یوں دونوں حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔

۲. یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے وہ کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ عقل و شعور میں اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں۔ لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہستی ہے، جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

۳. جب وسائل رزق تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور وہ جس پر چاہے اس کے دروازے کھول دیتا ہے تو اصحاب ثروت کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کا وہ حق ادا کرتے رہیں جو ان کے مال میں ان کے مستحق رشتے داروں، مسکین اور مسافروں کا رکھا گیا ہے۔ رشتے دار کا حق اس لیے مقدم کیا کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ غریب رشتے دار کے ساتھ احسان کرنا دوہرے اجر کا باعث ہے۔ ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ علاوہ ازیں اسے حق سے تغیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ امداد کر کے ان پر تم احسان نہیں کرو گے بلکہ ایک حق کی ہی ادائیگی کرو گے۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۰﴾

اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنا چاہتے ہیں،^(۱) اور ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

۳۹. اور تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا۔^(۲) اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنے کے لیے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں جو اپنا (مال) دوچند کرنے والے ہیں۔^(۳)

۴۰. اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا بتاؤ تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو؟ اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی اور برتری ہے ہر اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں۔

۴۱. خشکی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھادے (بہت) ممکن ہے کہ وہ

وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ رَبِّا لَّيْرَبُوْا فِىْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرُوْنَ اَعْنَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ زَكٰوةٍ فَرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْضِعُوْنَ ﴿۳۱﴾

اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيْبُكُمْ ثُمَّ يُعِيْبُكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مِّنْ يَّفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۲﴾

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِبِئْسَ يَفْعَلُهُمْ بَعْضُ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۳﴾

۱. یعنی جنت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔

۲. یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے اس آیت میں رَبَّآ سے مراد سود (بیاج) نہیں، بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی کسی مال دار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم اپنے مخدوم کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ اسے رَبَّآ سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے تاہم اللہ کے ہاں اس پر اجر نہیں ملے گا، ﴿فَلَا يَرُوْنَ اَعْنَ اللّٰهِ﴾ سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا ”جو تم عطیہ دو، اس نیت سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے، پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں۔“ (ابن کثیر، البر التقاہیر)

۳. زکوٰۃ و صدقات سے ایک تو روحانی و معنوی اضافہ ہوتا ہے یعنی بقیہ مال میں اللہ کی طرف سے برکت ڈال دی جاتی ہے۔ دوسرا قیمت کے دن اس کا اجر و ثواب کئی کئی گنا ملے گا، جس طرح حدیث میں ہے کہ حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بڑھ بڑھ کر احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

باز آجائیں۔^(۱)

۴۲. زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ اگلوں کا انجام کیا ہوا۔ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے۔^(۲)

۴۳. پس آپ اپنا رخ اس سچے اور سیدھے دین کی طرف ہی رکھیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کا ٹل جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ہی نہیں،^(۳) اس دن سب متفرق ہو جائیں گے۔^(۴)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾

فَاقْمِ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَبِيحِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ
يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّقُونَ ﴿۴۳﴾

۱. خشکی سے مراد انسانی آبادیاں، اور تری سے مراد سمندر، سمندری راستے اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن و سکون نہ وبالا اور ان کے عیش و آرام میں خلل واقع ہو۔ اس لیے اس کا اطلاق معاصی و سینات پر بھی صحیح ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، اللہ کی حدود کو پامال اور اخلاقی ضابطوں کو توڑ رہے ہیں اور قتل و خونریزی عام ہو گئی ہے اور ان ارضی و سماوی آفات پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے۔ جو اللہ کی طرف سے بطور سزا و تنبیہ نازل ہوتی ہیں۔ جیسے قحط، کثرت موت، خوف اور سیلاب وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا وطیرہ بنالیں تو پھر مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے اعمال و کردار کا رخ برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے امن و سکون ختم اور اس کی جگہ خوف و دہشت، سلب و نہب اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی و سماوی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑ یا آفات الہیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے باز آجائیں، توبہ کر لیں اور ان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الہی پر قائم ہو اور اللہ کی حدیں نافذ ہوں، ظلم کی جگہ عدل کا دور دورہ ہو۔ وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے (زمین میں اللہ کی ایک حد کا قائم کرنا، وہاں کے انسانوں کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے)۔ (النسائی، کتاب قطع ید السارق، باب الترغیب فی إقامة الحد۔ وابن ماجہ) اسی طرح یہ حدیث ہے کہ (جب ایک بدکار (فاجر) آدمی فوت ہو جاتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے شہر، درخت اور جانور بھی آرام پاتے ہیں)۔ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب سكرات الموت۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی مستريح و مستراح منه)

۲. شرک کا خاص طور پر ذکر کیا، کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دیگر سینات و معاصی بھی آجاتی ہیں۔ کیوں کہ ان کا ارتکاب بھی انسان اپنے نفس کی ہنگامی ہی اختیار کر کے کرتا ہے، اسی لیے اسے بعض لوگ عملی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳. یعنی اس دن کے آنے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لیے اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے پہلے اطاعت الہی کا راستہ اختیار کر لیں اور نیکیوں سے اپنا دامن بھر لیں۔

۴. یعنی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک مومنوں کا دوسرا کافروں کا۔

۴۴. کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال ہو گا اور نیک کام کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں۔^(۱)

۴۵. تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے جزاء دے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے،^(۲) وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

۴۶. اور اس کی نشانیوں میں سے خوش خبریاں دینے والی ہواؤں کو چلانا بھی ہے^(۳) اس لیے کہ تمہیں اپنی رحمت سے لطف اندوز کرے،^(۴) اور اس لیے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں^(۵) اور اس لیے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو^(۶) اور اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو۔^(۷)

۴۷. اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس دلیلیں لائے۔ پھر ہم نے گناہ گاروں سے انتقام لیا۔ اور ہم پر مومنوں کی

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نُغْنِي عَنْهُ يَوْمًا وَّحْدًا ۝

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ۝

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ يُرْسِلَ الرِّیْحَ مُبَشِّرَاتٍ
وَلِيُبَدِّلَ لَكُمْ مِّنْ مَّحَبَّتِهٖ وَيَجْزِيَ الْفُلْكَ بِاَمْرِهٖ
وَلِيَتَنَبَّهَكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ
فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَاتَّخَذْتُمُ الْاٰذِيْنَ
اَجْرُمُوْا ۚ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ

۱. مَہُڈ کے معنی ہیں راستہ ہموار کرنا، فرش بچھنا، یعنی یہ عمل صالح کے ذریعے سے جنت میں جانے اور وہاں اعلیٰ منازل حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

۲. یعنی محض نیکیاں دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہوں گی، جب تک ان کے ساتھ اللہ کا فضل بھی شامل حال نہ ہو گا۔ پس وہ اپنے فضل سے ایک ایک نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے زیادہ بھی دے گا۔

۳. یعنی یہ ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں۔

۴. یعنی بارش سے انسان بھی لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور فصلیں بھی لہلہا اٹھتی ہیں۔

۵. یعنی ان ہواؤں کے ذریعے سے کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ مراد بادبانی کشتیاں ہیں۔ اب انسان نے اللہ کی دی ہوئی دماغی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے دوسری کشتیاں اور جہاز ایجاد کر لیے ہیں جو مشینوں کے ذریعے سے چلتے ہیں۔ تاہم ان کے لیے بھی موافق اور مناسب ہوائیں ضروری ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی طوفانی موجوں کے ذریعے سے غرق آب کر دینے پر قادر ہے۔

۶. یعنی ان کے ذریعے سے مختلف ممالک میں آ جا کر تجارت و کاروبار کر کے۔

۷. ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر، جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ یعنی یہ ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ تمہیں اس لیے بہم پہنچاتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ کی بندگی و اطاعت بھی کرو۔

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۸﴾

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیْحَ فَتَنْثُرُ سَحَابًا
مِّبْطَطَةً فِی السَّمَاءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهُ
کَسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهٖ فَاِذَا
اَصَابَ بِهِ مِنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِذَا هُمْ
یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

وَلَاۤنْ کَانُوۡا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیۡنَ ﴿۵۰﴾

فَاَنْظُرْ اِلَآ اِلَّا رَحِمَتِ اللّٰهُ کَیْفَ یُحِیُّ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِکَ لَمُبِیۡحِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی
کُلِّ شَیْءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۵۱﴾

مدد کرنا لازم ہے۔^(۱)

۴۸. اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے وہ ابر کو اٹھاتی ہیں^(۲) پھر اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے^(۳) اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے^(۴) پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں،^(۵) اور جنہیں اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

۴۹. اور یقیناً وہ ان پر بارش برسنے سے پہلے مایوس ہو رہے تھے۔

۵۰. پس آپ رحمت الہی کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے،^(۱)

۱. یعنی اے محمد! (ﷺ) جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، ان کے ساتھ دلائل اور معجزات بھی تھے، لیکن قوموں نے ان کی تکذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے۔ بالآخر ان کے اس جرم تکذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انہیں اپنی سزا و تعزیر کا نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی نصرت و تائید کی جو ہم پر لازم ہے۔ یہ گویا نبی ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کی روش تکذیب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہوگی، جس میں پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ حَقًّا کان کی خبر ہے، جو مقدم ہے نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اس کا اسم ہے۔

۲. یعنی وہ بدل جہاں بھی ہوتے ہیں، وہاں سے ہوائیں ان کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

۳. کبھی چلا کر، کبھی ٹھہرا کر، کبھی تہہ بہ تہہ کر کے، کبھی دور دراز تک۔ یہ آسمان پر بادلوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

۴. یعنی ان کو آسمان پر پھیلانے کے بعد، کبھی ان کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

۵. وَدْقُ کے معنی بارش کے ہیں، یعنی ان بادلوں سے اللہ اگر چاہتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے، جس سے بارش کے ضرورت مند خوش ہو جاتے ہیں۔

۶. آثار رحمت سے مراد وہ غلہ جات اور میوے ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے اور خوش حالی و فارغ البالی کا باعث ہوتے

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵۱. اور اگر ہم بادِ تند چلا دیں اور یہ لوگ انہی کھیتوں کو (مرجھائی ہوئی) زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔^(۱)

۵۲. بیشک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے^(۲) اور نہ بہروں کو (اپنی) آواز سنا سکتے ہیں^(۳) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر مر گئے ہوں۔^(۴)

۵۳. اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے والے ہیں^(۵) آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں^(۶) پس وہی

وَلَكِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفًا الظُّلُمَاتِ
مِنْ بَعْدِ يَكْفُرُونَ^(۱)

فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ
إِذَا وَلَوْ وَدِدُوا^(۲)

وَأَنَّا نَبْهِدُ الْعُمْيَ عَنْ صَلَاتِهِمْ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا
مَنْ يُؤْمِنُ بآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْمِعُونَ^(۳)

ہیں۔ دیکھنے سے مراد نظر عبرت سے دیکھنا ہے تاکہ انسان اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ قیامت کے دن اسی طرح مردوں کو زندہ فرما دے گا۔

۱. یعنی ان ہی کھیتوں کو، جن کو ہم نے بارش کے ذریعے سے شاداب کیا تھا، اگر سخت (گرم یا ٹھنڈی) ہوائیں چلا کر ان کی ہریالی کو زردی میں بدل دیں۔ یعنی تیار فصل کو تباہ کر دیں تو یہی بارش سے خوش ہونے والے اللہ کی ناشکری پر اتر آئیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نہ ماننے والے صبر اور حوصلے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اور ذرا سی ابتلاء پر فوراً ناامید اور گریہ کنناں ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں ان سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

۲. یعنی جس طرح مردے فہم و شعور سے عاری ہوتے ہیں، اسی طرح یہ آپ ﷺ کی دعوت کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

۳. یعنی آپ ﷺ کا وعظ و نصیحت ان کے لیے بے اثر ہے جس طرح کوئی بہرا ہو، اسے تم اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

۴. یہ ان کے اعراض و انحراف کی مزید وضاحت ہے کہ مردہ اور بہرہ ہونے کے ساتھ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہیں، حق کی بات ان کے کانوں میں کس طرح پڑ سکتی اور کیوں کر ان کے دل و دماغ میں سما سکتی ہے؟

۵. اس لیے کہ یہ آنکھوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانے سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے محروم ہیں۔ یہ گمراہی کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس سے کس طرح نکلیں؟

۶. یعنی یہی سن کر ایمان لانے والے ہیں، اس لیے کہ یہ اہل تفکر و تدبر ہیں اور آثارِ قدرت سے مؤثر حقیقی کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔

اطاعت کرنے والے ہیں۔^(۱)

۵۴. اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت^(۲) میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی،^(۳) پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا^(۴) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،^(۵) وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے۔

۵۵. اور جس دن قیامت^(۶) برپا ہو جائے گی گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشِبْیَہٗ یَخْلُقْ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

وَبِیَوْمِ نَفُوسُ السَّاعَةِ یُقْسَمُ الْمُبْتَلُوْنَ لَا یَالِیْتُوْا عِیْسَیۡہٗ کَذٰلِکَ کَانُوْا یُفٰکُوْنَ ﴿۵۵﴾

۱. یعنی حق کے آگے سر تسلیم خم کر دینے والے اور اس کے پیروکار۔

۲. یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور کمال بیان فرما رہا ہے اور وہ ہے مختلف اطوار سے انسان کی تخلیق۔ ضعف (کمزوری کی حالت) سے مراد نطفہ یعنی قطرہ آب ہے یا عالم طفولیت۔

۳. یعنی جوانی، جس میں قوائے عقلی و جسمانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

۴. کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی و جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہو جاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا وہ دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔ ہمت پست، ہاتھ پیروں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہو جاتی ہیں۔ قرآن نے انسان کے یہ چار بڑے اطوار بیان کیے ہیں۔ بعض علماء نے دیگر چھوٹے چھوٹے اطوار بھی شمار کر کے انہیں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے اجمال کی توضیح اور اس کے اعجاز بیان کی شرح ہے مثلاً امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان کے بعد دیگرے ان حالات و اطوار سے گزرتا ہے۔ اس کی اصل مٹی ہے۔ یعنی اس کے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یا انسان جو کچھ کھاتا ہے، جس سے وہ مٹی پیدا ہوتی ہے جو رحم مادر میں جا کر اس کے وجود و تخلیق کا باعث بنتی ہے، وہ سب مٹی ہی کی پیداوار ہے پھر وہ نطفہ، نطفہ سے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں، جنہیں گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پھر ماں کے پیٹ سے اس حال میں نکلتا ہے کہ نحیف و نزار اور نہایت نرم و نازک ہوتا ہے۔ پھر بتدریج نشو و نما پاتا، بچپن، بلوغت اور جوانی کو پہنچتا ہے اور پھر بتدریج رجعت و تہقیر کا عمل شروع ہو جاتا ہے، کہولت، شیخوخت اور پھر کبر سنی (بڑھاپا) تا آنکہ موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

۵. انہی اشیاء میں ضعف و قوت بھی ہے۔ جس سے انسان گزرتا ہے جیسا کہ ابھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

۶. ساعت کے معنی ہیں، گھڑی، لمحہ، مراد قیامت ہے، اس کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا وقوع جب اللہ چاہے گا، ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔ یا اس لیے کہ یہ اس گھڑی میں ہوگی جو دنیا کی آخری گھڑی ہوگی۔

نہیں ٹھہرے،^(۱) اسی طرح یہ بیکے ہوئے ہی رہے۔^(۲)

۵۶. اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ جواب دیں گے کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے^(۳) یوم قیامت تک ٹھہرے رہے۔^(۵) آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں کرتے تھے۔^(۴)

۵۷. پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر بہانہ کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان سے توبہ اور عمل طلب کیا جائے گا۔^(۷)

۵۸. اور بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں۔^(۸) آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں،^(۹) یہ کافر تو یہی کہیں گے کہ تم (بے ہودہ گو) بالکل جھوٹے ہو۔^(۱۰)

وَقَالَ الَّذِينَ اُوتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَئِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۶

فِيْهِمْ مِّنْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعِيَ زَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْتَفَعُوْنَ ۝۵۷

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلٰكِنْ جِنَّةُكُمْ بِالْاٰيَةِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۸

۱. دنیا میں یا قبروں میں۔ یہ اپنی عادت کے مطابق جھوٹی قسم کھائیں گے، اس لیے کہ دنیا میں وہ جتنا عرصہ رہے ہوں گے، ان کے علم میں ہی ہو گا اور اگر مراد قبر کی زندگی ہے تو ان کا حلف جہالت پر ہو گا کیوں کہ وہ قبر کی مدت نہیں جانتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت کے شہداء اور ہولناک احوال کے مقابلے میں دنیا کی زندگی انہیں گھڑی کی طرح ہی لگے گی۔

۲. أَفَأَنَّ الرَّجُلَ کے معنی ہیں۔ سچ سے پھر گیا، مطلب ہو گا، اسی پھرنے کے مثل وہ دنیا میں پھرتے رہے یا بیکے رہے۔

۳. جس طرح یہ علماء دنیا میں بھی سمجھاتے رہے تھے۔

۴. كِتَابِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا علم اور اس کا فیصلہ یعنی لوح محفوظ۔

۵. یعنی پیدائش کے دن سے قیامت کے دن تک۔

۶. کہ وہ آئے گی بلکہ استہزاء اور تکذیب کے طور پر اس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔

۷. یعنی انہیں دنیا میں بھیج کر یہ موقعہ نہیں دیا جائے گا کہ وہاں توبہ و اطاعت کے ذریعے سے عتاب الہی کا ازالہ کر لو۔

۸. جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا بطلان نمایاں ہوتا ہے۔

۹. وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی معجزہ وغیرہ۔

۱۰. یعنی جادو وغیرہ کے جیر و کار۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی نشانی اور واضح سے واضح دلیل بھی اگر وہ دیکھ لیں، تب بھی ایمان بہر حال نہیں لائیں گے، کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

۵۹. اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے
یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔

۶۰. پس آپ صبر کریں ^(۱) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔
اور آپ کو وہ لوگ ہلکا (بے صبر) نہ کریں ^(۲) جو یقین
نہیں رکھتے۔

كَذٰلِكَ يَطۡعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ
لَا یَعْلَمُوۡنَ ﴿۵۹﴾

فَاَصۡبِرْ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا یَسۡتَخِفُّكَ
الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۰﴾

جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کا کفر و طغیان اس آخری حد کو پہنچ گیا ہے جس کے بعد حق کی طرف واپسی کے
تمام راستے ان کے لیے مسدود ہیں۔

۱. یعنی ان کی مخالفت و عناد پر اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر، اس لیے کہ اللہ نے آپ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً
حق ہے جو بہر صورت پورا ہوگا۔

۲. یعنی آپ کو غضب ناک کر کے صبر و حلم ترک کرنے یا مداہنت پر مجبور نہ کر دیں بلکہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں
اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں۔

سورۃ لقمان مکی ہے اور اس میں
چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اللہ۔^(۱)

۲. یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

۳. جو نیکو کاروں کے لیے^(۲) رہبر اور (سراسر) رحمت ہے۔

۴. جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں
اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں۔^(۳)

۵. یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر
ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔^(۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُ

تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ

هٰذِیْ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُحْسِنِیْنَ

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُوْفُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هٰذِیْ سَبَّحُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

۱. اس کے آغاز میں بھی یہ حروف مقطعات ہیں، جن کے معنی و مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو فوائد بڑے اہم بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قرآن اسی قسم کے حروف مقطعات سے ترتیب و تالیف پایا ہے جس کے مثل تالیف پیش کرنے سے عرب عاجز آگئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے، جو شریعت وہ لے کر آیا ہے، انسان اس کا محتاج ہے اور اس کی اصلاح اور سعادت کی تکمیل اسی شریعت سے ممکن ہے۔ دوسرا، یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز ان حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں کیوں کہ یہ انداز بیان نیا اور اچھوتا تھا۔ (ابن القایم) واللہ اعلم۔

۲. مُحْسِنِیْنَ، مُحْسِن کی جمع ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ۔ دوسرے معنی ہیں، نیکیاں کرنے والا، یعنی برائیوں سے مجتنب اور نیکوکار۔ تیسرے معنی ہیں اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والا۔ جس طرح حدیث جبرائیل علیہ السلام میں ہے، اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ... قرآن ویسے تو سارے جہاں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں، اس لیے یہاں اس طرح فرمایا۔

۳. نماز، زکوٰۃ اور آخرت پر یقین۔ یہ تینوں نہایت اہم ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا، ورنہ محسنین و متقین تمام فرائض و سنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

۴. فلاح کے مفہوم کے لیے دیکھیے سورۃ بقرۃ اور سورۃ مومنون کا آغاز۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُتْلَىٰ لَهُمْ يَبْتَغِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُتْلَىٰ لَهُمْ يَبْتَغِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُتْلَىٰ لَهُمْ يَبْتَغِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُتْلَىٰ لَهُمْ

۶. اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں^(۱) کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔^(۲)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُ الْمُنَادِي مَسْتَكْبِرًا كَانُوا يَسْتَهْزِئُوهَا كَانُوا فِي أَذُنَيْهِمْ وَقَرَأُوا فَلْيَسِّرْهُ يَحْدِثُ الْبَلَاءَ

۷. اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں،^(۳) آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ

۸. بیشک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک (مطابق سنت) کیے ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔

۱. اہل سعادت، جو کتاب الہی سے راہ یاب اور اس کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں، ان کے ذکر کے بعد ان اہل شقاوت کا بیان ہو رہا ہے جو کلام الہی کے سننے سے تو اعراض کرتے ہیں۔ البتہ ساز و موسیقی، نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ لَهْوَ الْحَدِيثِ سے مراد گانا بجانا، اس کا ساز و سامان اور آلات، ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصے، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناول اور جلی اور سنسنی خیز لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آجاتے ہیں اور جدید ترین عبادات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عہد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سن کر بہلاتی رہیں تاکہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں جو آج کل فنکار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب، خوش نما اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

۲. ان تمام چیزوں سے یقیناً انسان اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور دین کو استہزاء و تمسخر کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

۳. ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت، ادارے، اخبارات کے مالکان، اہل قلم اور فیچر نگار بھی اسی عذاب مبہین کے مستحق ہوں گے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

۴. یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ لہو و لعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ اور اللہ و رسول کی باتیں سن کر بہرا بن جاتا ہے حالاں کہ وہ بہرا نہیں ہوتا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں، کیوں کہ اس کے سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے، اس لیے اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وَقَرَأَا کے معنی ہیں کانوں میں ایسا بوجھ جو اسے سننے سے محروم کر دے۔

۹. جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہے،^(۱) اور وہ بہت بڑی عزت و غلبہ والا اور کامل حکمت والا ہے۔

۱۰. اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے تم انہیں دیکھ رہے ہو^(۲) اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ تمہیں جنبش نہ دے سکے^(۳) اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیے۔^(۴) اور ہم نے آسمان سے پانی برساکر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیے۔^(۵)

۱۱. یہ ہے اللہ کی مخلوق^(۶) اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ^(۷) (کچھ نہیں)، بلکہ یہ

خَلَدَيْنَ فِيهَا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوٰهَا وَاَلْقٰ فِي الْاَرْضِ رَوٰاٰسِیَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَنٰ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ①

هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ فَاَرْوٰی مَاذَا خَلَقَ الْاَدْنٰی مِنْ دُوْنِهٖۤ اَبِلَ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ①

۱. یعنی یہ یقیناً پورا ہوگا، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ.

۲. تَرَوْنَهَا، اگر عمدہ کی صفت ہو تو معنی ہوں گے ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ یعنی آسمان کے ستون ہیں لیکن ایسے کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

۳. رَوَاسِیَ، رَاسِبَۃ کی جمع ہے جس کے معنی ثَابِتَہ کے ہیں۔ یعنی پہاڑوں کو زمین پر اس طرح بھاری بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے کہ جن سے زمین ثابت رہے یعنی حرکت نہ کرے۔ اسی لیے آگے فرمایا، اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یعنی كَرَاهَۃً اَنْ تَمِيْدَ (تَمِيْلَ) بِكُمْ اَوْ لَيْثًا تَمِيْدُ یعنی اس بات کی ناپسندیدگی سے کہ زمین تمہارے ساتھ ادھر ادھر ڈولے، یا اس لیے کہ زمین ادھر ادھر نہ ڈولے۔ جس طرح ساحل پر کھڑے بحری جہازوں میں بڑے بڑے لنگر ڈال دیے جاتے ہیں تاکہ جہاز نہ ڈولے زمین کے لیے پہاڑوں کی بھی حیثیت ہے۔

۴. یعنی انواع و اقسام کے جانور زمین میں ہر طرف پھیلا دیے جنہیں انسان کھاتا بھی ہے، سواری اور بار برداری کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور بطور زینت اور آرائش کے بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔

۵. زَوْجِ یہاں صَنَف کے معنی میں ہے یعنی ہر قسم کے غلے اور میوے پیدا کیے۔ ان کی صفت کریم، ان کے حسن لون اور کثرت منافع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۶. هٰذَا (یہ) اشارہ ہے اللہ کی ان پیدا کردہ چیزوں کی طرف جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا۔

۷. یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور انہیں مدد کے لیے پکارتے ہو، انہوں نے آسمان و زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ کوئی ایک چیز تو بتلاؤ؟ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے، تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

۱۲. اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی^(۱) کہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر کر^(۲) ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔

۱۳. اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا^(۳) بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔^(۴)

۱۴. اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے،^(۵) اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر^(۶)

وَلَقَدْ آتَيْنَا لَقْمَانَ الْوَحْيَ الْخَكِيمَةَ اِنْ اَشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَشْكُرْ
فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ
حَمِيدٌ ﴿۱۲﴾

وَاِذْ قَالَ لَقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنٰی لَكَ لِلّٰهِ
اِنَّ الشِّرْكَ اَكْظَمُ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهَنًا اَعْلٰی
وَهْنٍ وَفَصْلَتْهُ فِيْ عَامِيْنِ اِنْ اَشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

۱. حضرت لقمان، اللہ کے نیک بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت یعنی عقل و فہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا تمہیں یہ فہم و شعور کس طرح حاصل ہوا؟ انہوں نے فرمایا، راست بازی، امانت کے اختیار کرنے اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ ان کا حکمت و دانش پر مبنی ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ یہ غلام تھے، ان کے آقا نے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بہترین دو حصے لاؤ، چنانچہ وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر آقا نے ان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بدترین حصے لاؤ۔ وہ پھر وہی زبان اور دل لے کر چلے گئے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ زبان اور دل، اگر صحیح ہوں تو یہ سب سے بہتر ہیں اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن کثیر)

۲. شکر کا مطلب ہے، اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثناء اور اس کے احکام کی فرماں برداری۔

۳. اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔

۴. یہ بعض کے نزدیک حضرت لقمان ہی کا قول ہے اور بعض نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں وہ حدیث پیش کی ہے جو ﴿اَلَمْ يَنْ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَكُوْنُوْا اِلٰهًا اَنْهٰهُمْ يُّظَلُّوْا﴾ (الأنعام: ۸۲) کے نزول کے تعلق سے وارد ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے اور آیت ﴿اِنَّ الشِّرْكَ اَكْظَمُ عَظِيْمٌ﴾ کا حوالہ دیا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۷۶) مگر درحقیقت اس سے اللہ کا قول ہونے کی نہ تائید ہوتی ہے نہ تردید۔

۵. توحید و عبادت الہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے اس نصیحت کی اہمیت واضح ہے۔

۶. اس کا مطلب ہے کہ رحم مادر میں بچہ جس حساب سے بڑھتا جاتا ہے، ماں پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے جس سے عورت کمزور

اِلَى الْمَصِيْدِ ۱۵

اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے^(۱) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

۱۵۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اسکی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو^(۲) پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے پھر تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔^(۳)

۱۶۔ پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو^(۴) پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو

وَلَنْ جَهْدَكَ عَلَى أَنْ تَشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُ الْمَالِ يُعْرِضُكَ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۱۵

يُذِئِي إِلَهَانِ تَكَ مُنْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ حَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمُوتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ

سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ماں کی اس مشقت کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرتے وقت ماں کو مقدم رکھا جائے، جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

۲۔ یعنی مومنین کی راہ۔

۳۔ یعنی میری طرف رجوع کرنے والوں (اہل ایمان) کی پیروی اس لیے کرو کہ بالآخر تم سب کو میری ہی بارگاہ میں آنا ہے، اور میری ہی طرف سے ہر ایک کو اس کے (اچھے یا برے) عمل کی جزاء ملنی ہے۔ اگر تم میرے راستے کی پیروی کرو گے اور مجھے یاد رکھتے ہوئے زندگی گزارو گے تو امید ہے کہ قیامت کے روز میری عدالت میں سرخرو ہو گے بصورت دیگر میرے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ سلسلہ کلام حضرت لقمان کی وصیتوں سے متعلق تھا۔ اب آگے پھر وہی وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ درمیان کی دو آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر ماں باپ کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی، جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ لقمان نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو نہیں کی تھی کیونکہ اس میں ان کا اپنا ذاتی مفاد بھی تھا۔ دوسرا یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کی توحید و عبادت کے بعد والدین کی خدمت و اطاعت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کا حکم والدین بھی دیں، تو ان کی بات نہیں مانی چاہیے۔

۴۔ اِنْ تَكَ كَ مَرْجِعِ خَصِيَّةٍ ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کام ہے اور اگر اس کا مرجع خَصِيَّةٌ ہو تو مطلب اچھائی یا برائی کی خصلت ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا کام کتنا بھی چھپ کر کرے، اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت

يَا بَنِيَّ اِيَّاكَ وَاللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٥﴾

یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے۔

۱۷۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا^(۱) (یقین مان) کہ یہ بڑے تاکید کی کاموں میں سے ہے۔^(۲)

۱۸۔ اور لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا^(۳) اور زمین پر اترا کر نہ چل۔^(۴) کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الصَّلٰوةَ وَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهٰوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرُوْا عَلٰی مَا اَصَابَكُمْ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٥﴾

وَلَا تَصْعِقُوْا خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿٦﴾

کے دن اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر لے گا۔ یعنی اس کی جزاء دے گا، اچھے عمل کی اچھی جزاء، برے عمل کی بری جزاء۔ رائی کے دانے کی مثال اس لیے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن محسوس ہوتا ہے نہ تول میں وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا سکتا ہے۔ اسی طرح چٹان (آبادی سے دور جنگل، پہاڑ میں) مخفی ترین اور محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ”اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ کے پتھر میں بھی عمل کرے گا، جس کا کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرمادے گا، چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔“ (مسند احمد، ۳/۲۸) اس لیے کہ وہ لطیف (باریک بین) ہے، اس کا علم مخفی ترین چیز تک محیط ہے، اور خیر ہے، اندھیری رات میں چلنے والی چوٹی کی حرکات و سکنات سے بھی وہ باخبر ہے۔

۱۔ اِقَامَةُ صَلَاةٍ، اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ، نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ اور مصائب پر صبر کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ تینوں اہم ترین عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔

۲۔ یعنی مذکورہ باتیں ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اور بندوں پر انہیں فرض قرار دیا ہے۔ یا یہ ترغیب ہے عزم و ہمت پیدا کرنے کی کیوں کہ عزم و ہمت کے بغیر طاعات مذکورہ پر عمل ممکن نہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک ذَلِکَ کا مرجع صبر ہے۔ اس سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت ہے اور اس راہ میں شدائد و مصائب اور طعن و ملامت ناگزیر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد صبر کی تلقین کر کے واضح کر دیا کہ صبر کا دامن تھامے رکھنا کہ یہ عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اہل عزم و ہمت کا ایک بڑا ہتھیار ہے۔ اس کے بغیر فریضہ تبلیغ کی ادائیگی ممکن نہیں۔

۳۔ یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منہ پھیر لے۔ یا گفتگو کے وقت اپنا منہ پھیرے رکھے۔ صَعْر ایک بیماری ہے جو اونٹ کے سر یا گردن میں ہوتی ہے۔ جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ یہاں بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ (ابن کثیر)

۴۔ یعنی ایسی چال یا رویہ، جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ

اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

۱۹. اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر،^(۱) اور اپنی آواز پست کر^(۲) یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے۔

۲۰. کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے^(۳) اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں،^(۴)

وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْصُصْ مِنْ صَوْتِكَ
إِنَّ أَكْثَرَ الصَّوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ فَاى السَّمٰوٰتِ وَفَاى
اَلْاَرْضِ وَاَسَبَّغَ عَلَيْكُمْ فَضْلَهُ ؕ وَبَاطِنَةً وَمِمَّنْ
النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى

اللہ کو ناپسند ہے، اس لیے کہ انسان ایک بندہ عاجز و حقیر ہے، اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی و انکساری ہی اختیار کیے رکھے اس سے تجاوز کر کے بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے زبہا ہے جو تمام اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ (وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا) (مسند أحمد: ۴/۱۳۲، ترمذی، ابواب البر، ماجاء فی الکبر) (جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو کھینچنے (کھینٹنے) ہوئے چلے گا، اللہ اس کی طرف (قیامت کے دن) نہیں دیکھے گا)۔ (مسند أحمد: ۹/۵، ۱۰ وانظر البخاری، کتاب اللباس) تاہم تکبر کا اظہار کیے بغیر اللہ کے انعامات کا ذکر یا اچھا لباس اور خوراک وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

۱. یعنی چال اتنی سست نہ ہو جیسے کوئی بیمار ہو اور نہ اتنی تیز ہو کہ شرف و وقار کے خلاف ہو۔ اسی کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ﴿يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْكًا﴾ (الفراقان: ۶۳) (اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں)۔
۲. یعنی چیخ یا چلا کر بات نہ کر، اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ (گدھے

کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو)۔ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق اور مسلم وغیرہ)

۳. تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو ”یہاں کام سے لگادیا“ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنادیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ دوسرا مطلب تسخیر کا تابع بنادینا ہے۔ چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنادیا گیا ہے جنہیں انسان اپنی حسب منشا استعمال کرتا ہے جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (بخاری)

۴. ظاہری سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا ادراک عقل، حواس وغیرہ سے ممکن ہو اور باطنی نعمتیں وہ جن کا ادراک وحاس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔

وَلَا تَكُنْ مِّنْهُمْ ۝

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔^(۱)

وَإِذْ أَقْبَلُ لَهُمْ آتَيْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ قَالَ بَلْ أَنشَأْنَاهُم بَنَاتٍ أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

۲۱. اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے،^(۲) اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔

وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

۲۲. اور جو (شخص) اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے^(۳) اور ہو بھی وہ نیکوکار^(۴) یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا،^(۵) اور تمام کاموں کا انجام اللہ کی طرف ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزَنُكَ كُفْرُهُ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

۲۳. اور کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں،^(۶) آخر ان سب کا لوٹنا تو ہماری جانب ہی ہے پھر ہم ان کو بتائیں گے جو انہوں نے کیا ہے،^(۷) بے شک اللہ سینوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔^(۸)

۱. یعنی اس کے باوجود لوگ اللہ کی بابت جھگڑتے ہیں، کوئی اس کے وجود کے بارے میں، کوئی اس کے ساتھ شریک گردانے میں اور کوئی اس کے احکام و شرائع کے بارے میں۔

۲. یعنی طرح لگی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے، نہ کسی ہادی کی ہدایت اور نہ کسی صحیفہ آسمانی سے کوئی ثبوت، گویا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

۳. یعنی صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی کرے۔

۴. یعنی مامور بہ چیزوں کا اتباع اور منہیات کو ترک کرنے والا۔

۵. یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عہد لے لیا کہ وہ اس کو عذاب نہیں کرے گا۔

۶. اس لیے کہ ایمان کی سعادت ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ آپ کی کوششیں اپنی جگہ بجا اور آپ کی خواہش بھی قابل قدر لیکن اللہ کی تقدیر اور مشیت سب پر غالب ہے۔

۷. یعنی ان کے عملوں کی جزاء دے گا۔

۸. پس اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔

۲۴. ہم انہیں گو کچھ یونہی سا فائدہ دے دیں لیکن (بالآخر) ہم انہیں نہایت بچاؤ کی حالت میں سخت عذاب کی طرف ہنکالے جائیں گے۔^(۱)

۲۵. اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ،^(۲) تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے،^(۳) لیکن ان میں کے اکثر بے علم ہیں۔

۲۶. آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے^(۴) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑا بے نیاز^(۵) اور سزاوار حمد و ثناء ہے۔^(۶)

۲۷. اور روئے زمین کے (تمام) درخت اگر قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی اور اس کی مدد کو سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے،^(۷) بیشک اللہ تعالیٰ

نَمَتْنَهُمْ قَلِيلًا لَّتَمُصَّطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

يَدَّبُّهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْحَكِيْمُ ۝

وَلَوْ اَنَسَّ اِىَّ الْاَرْضُ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامًا وَّالْبَحْرُ يَمِيْنًا ؕ مِنْۢ بَعْدِ سَبْعَةِ اُبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

۱. یعنی دنیا میں آخر کب تک رہیں گے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے کہاں تک شاد کام ہوں گے؟ یہ دنیا اور اس کی لذتیں تو چند روزہ ہیں، اس کے بعد ان کے لیے سخت عذاب ہی عذاب ہے۔

۲. یعنی ان کو اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ وہ معبود جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

۳. اس لیے کہ ان کے اعتراف سے ان پر حجت قائم ہو گئی۔

۴. یعنی ان کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی اور مدبر و متصرف کائنات بھی وہی۔

۵. بے نیاز ہے اپنے ماسوا سے، یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

۶. اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں میں۔ پس اس نے جو کچھ پیدا کیا اور جو احکام نازل فرمائے، اس پر آسمان و زمین میں سزاوار حمد و ثناء صرف اسی کی ذات ہے۔

۷. اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، جلالت شان، اس کے اسمائے حسنی اور صفات علیا اور اس کے وہ کلمات جو اس کی عظمتوں پر دلالت کماں ہیں کا بیان ہے کہ وہ اتنے ہیں کہ کسی کے لیے ان کا احاطہ یا ان سے آگاہی یا ان کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور حیطہ تحریر میں لانا چاہے، تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم گیس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنائی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے، لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق و صنعت کے عجائبات اور اس کی عظمت و جلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ سات سمندر بطور مبالغہ ہے، حصر مراد نہیں ہے۔

غالب اور باحکمت ہے۔

۲۸. تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

۲۹. کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے،^(۲) سورج اور چاند کو اسی نے فرماں بردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو

مَا خَلَقْنَا وَلَا بَعَثْنَا إِلَّا نَفْسًا وَاحِدَةً
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾

الْقُرْآنَ اللَّهُ يُرْسِلُ الْبَلَدَ فِي النَّهَارِ وَيُورِلُهُ النَّهَارَ
فِي الْبَيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى
أَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾

اس لیے کہ اللہ کی آیات و کلمات کا حصر و احصاء ممکن ہی نہیں ہے (ابن کثیر) اسی مفہوم کی آیت سورہ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔

۱. یعنی اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا یا قیامت کے دن زندہ کرنا، ایک نفس کے زندہ کرنے یا پیدا کرنے کی طرح ہے۔ اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ کُنْ سے پلک جھپکتے میں معرض وجود میں آجاتا ہے۔

۲. یعنی رات کا کچھ حصہ لے کر دن میں شامل کر دیتا ہے، جس سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ جیسے گرمیوں میں ہوتا ہے، اور پھر دن کا کچھ حصہ لے کر رات میں شامل کر دیتا ہے، جس سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔ جیسے سردیوں میں ہوتا ہے۔

۳. ”مقررہ وقت تک“ سے مراد قیامت تک ہے یعنی سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا یہ نظام، جس کا اللہ نے ان کو پابند کیا ہوا ہے، قیامت تک یوں ہی قائم رہے گا دوسرا مطلب ہے ”ایک متعینہ منزل تک“ یعنی اللہ نے ان کی گردش کے لیے ایک منزل اور ایک دائرہ متعین کیا ہوا ہے جہاں ان کا سفر ختم ہوتا ہے اور دوسرے روز پھر وہاں سے شروع ہو کر پہلی منزل پر آکر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، جانتے ہو، یہ سورج کہاں جاتا (غروب ہوتا) ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں“ فرمایا، ”اس کی آخری منزل عرش الہی ہے یہ وہاں جاتا ہے اور زیر عرش سجدہ ریز ہوتا ہے پھر (وہاں سے نکلنے کی) اپنے رب سے اجازت مانگتا ہے ایک وقت آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا۔ ارجعی من حیث جئت ”تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا“ تو وہ مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔“ جیسا کہ قرب قیامت کی علامات میں آتا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، و مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الزمن الذي لا يقبل فيه الإیمان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”سورج رہٹ کی طرح ہے، دن کو آسمان پر اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے، جب غروب ہو جاتا ہے، تو رات کو زمین کے نیچے اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔“ (ابن کثیر)

خبردار ہے۔

۳۰۔ یہ سب (انتظامات) اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں^(۱) اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلندیوں والا اور بڑی شان والا ہے۔^(۲)

۳۱۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے،^(۳) یقیناً اس میں ہر ایک صبر و شکر کرنے والے^(۴) کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

۳۲۔ اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت) خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔^(۵) پھر جب وہ (باری تعالیٰ)

ذَٰلِكَ يَٰۤاَنۡدَ اللّٰهُ هُوَ الْحَقُّ وَاَنۡ مَّٰيَدَعُوۡنَ مِّنۡ دُوۡنِهٖ
الْبَاطِلُ وَاَنۡ اللّٰهُ هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیۡرُ ﴿۱﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلَکَ تَجۡرِیۡ فِی الْبَحۡرِ بِعِمَّتِ اللّٰهِ
لِیُؤِیۡکُم مِّنۡ اٰیٰتِهٖ اِنَّ فِی ذَٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ
شَکُوۡرٍ ﴿۲﴾

وَ اِذۡ اَعۡشِیۡہُمۡ مَّوۡجًا ظَلَمَ دَعَا اللّٰهُ مُخْلِصِیۡنَ لَہٗ
الَّذِیۡنَ ءَقَلَمَّاۤ اٰتٰہُمۡ اِلَی الْبَرِّ فَبِہِمۡ
مَّقۡصِدٌ وَّ مَا یَجۡعَدُ بِالۡاِیۡتِنَاۤ اِلَّا کُلُّ خَیۡرٍ کَافُوۡرٍ ﴿۳﴾

۱۔ یعنی یہ انتظامات یا نشانیاں، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف ایک اللہ ہے، جس کے حکم اور مشیت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور اس کے سوا سب باطل ہے یعنی کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں کیوں کہ سب اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک ذرے کو بھی ہلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

۲۔ اس سے برتر شان والا کوئی ہے نہ اس سے بڑا کوئی۔ اس کی عظمت و شان، علو مرتبت اور بڑائی کے سامنے ہر چیز حقیر اور پست ہے۔

۳۔ یعنی سمندر میں کشتیوں کا چلنا، یہ بھی اس کے لطف و کرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت تسخیر کا ایک نمونہ ہے۔ اس نے ہوا اور پانی دونوں کو ایسے مناسب انداز سے رکھا کہ سمندر کی سطح پر کشتیاں چل سکیں، ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے۔

۴۔ تکلیفوں میں صبر کرنے والے، راحت اور خوشی میں اللہ کا شکر کرنے والے۔

۵۔ یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنچہ انہیں اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی الہ کو پکارتے ہیں جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں،^(۱) اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں۔^(۲)

۳۳۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا^(۳) (یادرکھو) اللہ کا وعدہ سچا ہے (دیکھو) تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمہیں دھوکے میں ڈال دے۔

۳۴۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَآخِشُوا يَوْمَ مَا لَا جَبَرُ
وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَاذِعٌ
وَالِدٌ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرُّكُمْ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا ۖ وَلَا تَغُرُّكُمْ بِاللَّهِ الْعُرُودُ ۝

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُرْسِلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا
تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ
تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

۱۔ بعض نے مُقْتَصِد کے معنی بیان کیے ہیں عہد کو پورا کرنے والا، یعنی بعض ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج گرداب میں انہوں نے کیا تھا۔ ان کے نزدیک کلام میں حذف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگا۔ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ ”پس بعض ان میں سے مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں۔“ (فتح القدیر) دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں اعتدال پر رہنے والا اور یہ باب انکار سے ہوگا۔ یعنی اتنے ہولناک حالات اور پھر وہاں رب کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے وہاں سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا؟ اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے، جب کہ وہ حالات، جن سے گزر کر آیا ہے، مکمل بندگی کا تقاضا کرتے ہیں، نہ کہ اعتدال کا۔ (ابن کثیر) مگر پہلا مفہوم سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

۲۔ خَتَّارِ غدار کے معنی میں ہے۔ بدعہدی کرنے والا، کَفُورِ ناشکری کرنے والا۔

۳۔ جَاذِع اسم فاعل ہے جَزَى يَجْزِي سے، بدلہ دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی جان کا بدلہ، یا بیٹا باپ کے لیے اپنی جان بطور معاوضہ پیش کر دے، تو وہاں یہ ممکن نہیں ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ جب باپ بیٹا ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے تو دیگر رشتے داروں کی کیا حیثیت ہوگی؟ اور وہ کیوں کر ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے؟

مرے گا۔^(۱) (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔

۱۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ پانچ چیزیں مفاتیح الغیب ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة لقمان و کتاب الاستسقاء باب لا یدری منی یجیء المطر الا اللہ) (۱) قرب قیامت کی علامات تو نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، کسی فرشتے کو، نہ کسی نبی مرسل کو۔ (۲) بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جاسکتا ہے لیکن یہ بات ہر شخص کے تجربہ اور مشاہدے کا حصہ ہے کہ یہ تخمینہ کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط۔ حتیٰ کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ بارش کا یقینی علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (۳) رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی؟ لیکن ماں کے پیٹ میں نشوونما پانے والا یہ بچہ نیک بخت ہے یا بد بخت، ناقص ہوگا یا کامل، خوب رو ہوگا کہ بد شکل، کالا ہوگا یا گورا، وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ (۴) انسان کل کیا کرے گا؟ وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا؟ کسی کو آنے والے کل کے بارے میں علم نہیں ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں؟ اور اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ (۵) موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیدار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی آرزوؤں اور خواہشات کی تکمیل کے بعد آئے گی یا اس سے پہلے؟ کسی کو معلوم نہیں۔

سُورَةُ السَّجْدَةِ

سورہ سجدہ کی ہے اور اس میں تیس آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اَللّٰهُمَّ

اَللّٰهُمَّ

۲. بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہانوں کے پروردگار کی
طرف سے ہے۔^(۱)

۳. کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔^(۲) (نہیں
نہیں) بلکہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے
تاکہ آپ انہیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی
ڈرانے والا نہیں آیا^(۳) تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔

۴. اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں وزمین کو اور جو
کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا
پھر عرش پر قائم ہوا،^(۴) تمہارے لیے اس کے سوا کوئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰهٗ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ
لَیْسَ زَیْدٌ مَّا اَتٰهُمْ مِنْ نَّذِیْرِ مِنْ قَبْلِكَ
لَعَلَّھُمْ یَهْتَدُوْنَ

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا
فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَکُمْ مِنْ
دُوْنِہِ مِنْ وَّاسٍ وَّاسْتَفِیْضُ اَفَلَا تَتَذٰکُرُوْنَ

☆ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں اَلَمْ السَّجْدَةِ (اور دوسری رکعت میں) ﴿هَلْ اُنِیْ عَلٰی الْاِنْسَانِ﴾ (سورہ دہر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری ومسلم کتاب الجمعة، باب ما یقرأ فی صلوٰۃ الفجر یوم الجمعة) اسی طرح یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۃ اَلَمْ السَّجْدَةِ اور سورۃ ملک پڑھا کرتے تھے۔

(ترمذی: ۸۹۲، ومسند أحمد: ۳/۳۴۰)

۱. مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف
سے صحیفہ ہدایت ہے۔

۲. یہ بطور توثیق ہے کہ کیا رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اسے خود (محمد ﷺ
نے) گھڑ لیا ہے؟

۳. یہ نزول قرآن کی علت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت گزر چکی ہے) کہ عربوں میں
نبی ﷺ پہلے نبی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس
اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش ہوں گے جن کی طرف کوئی نبی آپ ﷺ سے پہلے نہیں آیا۔

۴. اس کے لیے دیکھیے سورۃ اعراف: ۵۴ کا حاشیہ۔ یہاں اس مضمون کو دہرانے سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

مددگار اور سفارشی نہیں۔^(۱) کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔^(۲)

۵. وہ آسمان سے لے کر زمین تک (ہر) کام کی تدبیر کرتا ہے^(۳) پھر (وہ کام) ایک ایسے دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔^(۴)

۶. یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا، زبردست غالب بہت ہی مہربان۔

۷. جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی^(۵) اور

يُدِيرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا تَأْتُونَ ۝

ذَلِكَ عَلِيمُ الْغُيُوبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ

کے کمال قدرت اور عجائب صنعت کے ذکر سے شاید وہ قرآن کو سنیں اور اس پر غور کریں۔

۱. یعنی وہاں کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا، جو تمہاری مدد کر سکے اور تم سے اللہ کے عذاب کو ٹال دے، نہ وہاں کوئی سفارشی ہی ایسا ہوگا جو تمہاری سفارش کر سکے۔

۲. یعنی اے غیر اللہ کے پجاریو اور دوسروں پر بھروسہ رکھنے والو! کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

۳. آسمان سے، جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل فرماتا یعنی تدبیر کرتا اور زمین پر ان کا نفاذ ہوتا ہے۔ جیسے موت اور زندگی، صحت اور مرض، عطاء اور منع، غناء اور فقر، جنگ اور صلح، عزت اور ذلت، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔

۴. یعنی پھر اس کی یہ تدبیر یا امر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے ایک ہی دن میں، جسے فرشتے لے کر جاتے ہیں اور صعود (چڑھنے) کا یا آنے جانے کا فاصلہ اتنا ہے کہ غیر فرشتہ ہزار سال میں طے کرے۔ یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس دن انسانوں کے سارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اس ”یوم“ کی تعیین تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں توقف کو پسند فرمایا اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ امام شوکانی نے ۱۵، ۱۶ اقوال اس ضمن میں ذکر کیے ہیں، صاحب امیر التفاسیر کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ تین مقامات پر آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ دن مراد ہے سورہ حج (آیت: ۴۷) میں ”یوم“ کا لفظ عبارت ہے اس زمانہ اور مدت سے جو اللہ کے ہاں ہے اور سورہ معارج میں، جہاں یوم کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے، یوم حساب مراد ہے اور اس مقام (زیر بحث) میں یوم سے مراد دنیا کا آخری دن ہے، جب دنیا کے تمام معاملات فنا ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے۔

۵. یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ چوں کہ اس کی حکمت و مصلحت کا اقتضاء ہے، اس لیے اس میں اپنا ایک حسن اور

اَلْاِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝

ثُمَّ جَعَلْ نَسْلَكَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝

ثُمَّ سَوَّاهُ وَخَوَّاهُ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

وَقَالُوا اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ اِذَا لَيْفَى خَلْقٍ
جَدِيدٍ ذٰلِكُمْ بِرَبِّكُمُ كُفْرُكُمْ ۝

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ
اِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝

انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی۔^(۱)

۸. پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے
چلائی۔^(۲)

۹. جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی،^(۳)
اور اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے^(۴) (اس
پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو۔^(۵)

۱۰. اور انہوں نے کہا کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں
گے^(۶) کیا پھر نئی پیدائش میں آجائیں گے؟ بلکہ (بات یہ
ہے) کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔

۱۱. کہہ دیجیے کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا
جو تم پر مقرر کیا گیا ہے^(۷) پھر تم سب اپنے پروردگار کی

انفرایت ہے۔ یوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز حسین ہے اور بعض نے اَحْسَنَ کے معنی اَتَقَنَ وَاَحْكَمَ کے کیے ہیں، یعنی ہر چیز
مضبوط اور پختہ بنائی۔ بعض نے اسے اَللّٰہم کے مفہوم میں لیا ہے، یعنی ہر مخلوق کو ان چیزوں کا الہام کر دیا جس کی وہ محتاج ہے۔
۱. یعنی انسان اول ”آدم علیہ السلام“ کو مٹی سے بنایا، جن سے انسانوں کا آغاز ہوا۔ اور اس کی زوجہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی
بائیں پبلی سے پیدا کر دیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۲. یعنی منی کے قطرے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسانی جوڑا بنانے کے بعد، اس کی نسل کے لیے ہم نے یہ طریقہ
مقرر کر دیا کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کریں، ان کے جنسی ملاپ سے جو قطرہ آب عورت کے رحم میں جائے گا،
اس سے ہم ایک انسانی بیکر تراش کر باہر بھیجتے رہیں گے۔

۳. یعنی اس بچے کی ماں کے پیٹ میں نشوونما کرتے، اس کے اعضاء بناتے سنوارتے ہیں اور پھر اس میں روح پھونکتے ہیں۔

۴. یعنی یہ ساری چیزیں پیدا کیں تاکہ وہ اپنی تخلیق کی تکمیل کر دے، پس تم ہر سننے والی بات کو سن سکو، دیکھنے والی چیز
کو دیکھ سکو اور ہر عقل و فہم میں آنے والی بات کو سمجھ سکو۔

۵. یعنی اتنے احسانات کے باوجود انسان اتنا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بہت ہی کم ادا کرتا ہے یا شکر کرنے والے آدمی
بہت تھوڑے ہیں۔

۶. جب کسی چیز پر کوئی دوسری چیز غالب آجائے اور پہلی کے تمام اثرات مٹ جائیں تو اس کو ضلالت (گم ہو جانے) سے
تعبیر کرتے ہیں صَلَّٰنَا فِي الْأَرْضِ کے معنی ہوں گے کہ جب مٹی میں مل کر ہمارا وجود زمین میں غائب ہو جائے گا۔

۷. یعنی اس کی ذمہ داری ہی یہ ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آجائے تو وہ آکر روح قبض کر لے۔

طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۱۲. اور کاش کہ آپ دیکھتے جب کہ گناہ گار لوگ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے،^(۱) کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا^(۲) اب تو ہمیں واپس لوٹادے ہم نیک اعمال کریں گے ہم یقین کرنے والے ہیں۔^(۳)

۱۳. اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرمادیتے،^(۴) لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پُر کر دوں گا۔^(۵)

۱۴. اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو، ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا^(۶) اور اپنے کیے ہوئے اعمال (کی شامت) سے ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔

۱۵. ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں^(۷) جنہیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں^(۸) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُرْسَلُونَ تَأْتُوا رَسُولَهُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ رَبَّنَا بَصُرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿۱۱﴾

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۲﴾

فَذُقُوا مَائِدَتِي لَعْنَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُقُوا أَصَابَ الْقُلُوبِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِالآيَاتِ الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۴﴾



۱. یعنی اپنے کفر و شرک اور معصیت کی وجہ سے مارے ندامت کے۔

۲. یعنی جس کی تکذیب کرتے تھے، اسے دیکھ لیا، جس کا انکار کرتے تھے، اسے سن لیا۔ یا تیری وعیدوں کی سچائی کو دیکھ لیا اور پیغمبروں کی تصدیق کو سن لیا لیکن اس وقت کا دیکھنا، سنا ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

۳. لیکن اب یقین کیا تو کس کام کا؟ اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا جسے جھگھٹنا ہو گا۔

۴. یعنی دنیا میں، لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی، جس میں امتحان کی گنجائش نہ ہوتی۔

۵. یعنی انسانوں کی دو قسموں میں سے جو جہنم میں جانے والے ہیں، ان سے جہنم کو بھرنے والی میری بات سچ ثابت ہو گئی۔

۶. یعنی جس طرح تم ہمیں دنیا میں بھلائے رہے، آج ہم بھی تم سے ایسا ہی معاملہ کریں گے ورنہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تو بھولنے والا نہیں ہے۔

۷. یعنی تصدیق کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۸. یعنی اللہ کی آیات کی تعظیم اور اس کے سطوت و عذاب سے ڈرتے ہوئے۔

تسبیح پڑھتے ہیں^(۱) اور تکبر نہیں کرتے ہیں۔^(۲)

۱۶. ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں^(۳) اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں^(۴) اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔^(۵)

۱۷. کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے،^(۶) جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔^(۷)

تَجَانِبُ جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۱۶﴾

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

۱. یعنی رب کو ان چیزوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اسکے ساتھ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں جن میں سب سے بڑی اور کامل نعت ایمان کی ہدایت ہے۔ یعنی وہ اپنے سجدوں میں «سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ» یا «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى وَبِحَمْدِهِ» وغیرہ کلمات پڑھتے ہیں۔

۲. یعنی اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں اور کافروں کی طرح تکبر نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اللہ کی عبادت سے تکبر کرنا، جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخْرِينَ﴾ (المؤمن: ۶۰) اس لیے اہل ایمان کا معاملہ ان کے برعکس ہوتا ہے، وہ اللہ کے سامنے ہر وقت عاجزی، ذلت و مسکینی اور خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔

۳. یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھتے توبہ و استغفار، تسبیح و تحمید اور دعا والحاظ و زاری کرتے ہیں۔

۴. یعنی اس کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غضب اور مواخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بدعمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر و ضلالت ہے۔

۵. اتفاق میں صدقات واجبہ (زکوٰۃ) اور عام صدقہ و خیرات دونوں شامل ہیں۔ اہل ایمان دونوں کا حسب استطاعت اہتمام کرتے ہیں۔

۶. نَفْسُ، نکرہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان نعمتوں کو جو اس نے مذکورہ اہل ایمان کے لیے چھپا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں، کسی کان نے نہیں سنی، نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا)۔ (صحیح البخاری،

تفسیر سورة السجدة)

۷. اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اعمال صالحہ کا اہتمام ضروری ہے۔

۱۸. کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟^(۱)
یہ برابر نہیں ہو سکتے۔

۱۹. جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کیے
ان کے لیے بیشکی والی جنتیں ہیں، مہمانداری ہے ان کے
اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔

۲۰. اور لیکن جن لوگوں نے حکم عدولی کی ان کا ٹھکانا
دوزخ ہے۔ جب کبھی اس سے باہر نکلتا چاہیں گے اسی
میں لوٹا دیے جائیں گے۔^(۲) اور کہہ دیا جائے گا^(۳) کہ
اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو۔

۲۱. اور بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض
عذاب^(۴) اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ
لوٹ آئیں۔^(۵)

۲۲. اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ
کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا اَلَا يَسْتَوُونَ ﴿۱﴾

اَۤانَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنَّٰتُ
الْمَأْوٰی نُزُلًا مِّنْهَا کَانُوْا فِیْهَا مُتَّعَمِدُوْنَ ﴿۲﴾

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَاَمَّا وَاٰهُمْ النَّارُ کَلَّمَا اٰرَادُوْا
اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِیْذُوْا فِیْهَا وَفِیْهَا لَهُمْ دُوْۤنُهَا
عَذَابُ النَّارِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہِ تَلَذُّۢوْنَ ﴿۳﴾

وَلَنُذِیْقَنَّہُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاٰلَآءِیْ دُوْنَ
الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴﴾

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ دُکِّرَ بِالْاٰیٰتِ رَیۡہُ نَعۡرَ
اَعۡوَضَ عَنْہَا اَۤانَا مِنَ الْمَجۡرِمِیۡنَ مُتَّبِعُوْنَ ﴿۵﴾

۱. یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق و تفاوت ہوگا مومن اللہ کے مہمان ہوں گے اور اعزاز و اکرام کے مستحق اور فاسق و کافر تعزیر و عقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلیں گے۔ اس مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ص: ۲۸، سورہ جاثیہ: ۲۱، سورہ حشر: ۲۰، وغیرہا۔

۲. یعنی جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر باہر نکلتا چاہیں گے تو فرشتے انہیں پھر جہنم کی گہرائیوں میں دھکیل دیں گے۔

۳. یہ فرشتے کہیں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی بہر حال اس میں مذبذب کی ذلت و رسوائی کا جو سامان ہے، وہ مخفی نہیں۔

۴. عذاب ادنیٰ (چھوٹے سے یا قریب کے بعض عذاب) سے دنیا کا عذاب یا دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں وغیرہ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ قتل اس سے مراد ہے جس سے جنگ بدر میں کافر دوچار ہوئے، یا وہ قحط سالی ہے جو اہل مکہ پر مسلط کی گئی تھی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں یہ تمام صورتیں ہی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔

۵. یہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجنے کی علت ہے کہ شاید وہ کفر و شرک اور مصیبت سے باز آجائیں۔

پھیر لیا،^(۱) (یقین مانو) کہ ہم بھی گناہ گاروں سے انتقام لینے والے ہیں۔

۲۳. اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی، پس آپ کو ہرگز اس کی ملاقات میں شک نہ کرنا چاہیے^(۲) اور ہم نے اسے^(۳) بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا۔

۲۴. اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔^(۴)

۲۵. آپ کا رب ان (سب) کے درمیان ان (تمام) باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔^(۵)

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ مِنْ مَّرِيَّةٍ مِّنْ لِّقَابِهِ وَّجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ ۝

وَجَعَلْنٰ مِنْهُمْ اِيْمَةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ بِفَصْلِ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَمَّا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

۱. یعنی اللہ کی آیتیں سن کر جو ایمان و اطاعت کی موجب ہیں جو شخص ان سے اعراض کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔

۲. کہا جاتا ہے کہ یہ اشارہ ہے اس ملاقات کی طرف جو معراج کی رات نبی ﷺ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان ہوئی، جس میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا تھا۔

۳. ”اسے“ سے مراد کتاب (تورات) ہے یا خود حضرت موسیٰ (علیہ السلام)۔

۴. اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے۔ صبر کا مطلب ہے اللہ کے اوامر کے بجالانے اور ترک زواجر میں اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، انہیں خندہ پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا، ان کے صبر کرنے اور آیات الہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔ لیکن جب انہوں نے اس کے تبدیل و تحریف کا ارتکاب شروع کر دیا، تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر ان کا عمل صالح رہا اور نہ ان کا اعتقاد صحیح۔

۵. اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو اہل کتاب میں باہم برپا تھا، ضمناً وہ اختلافات بھی آجاتے ہیں۔ جو اہل ایمان اور اہل کفر، اہل حق اور اہل باطل اور اہل توحید و اہل شرک کے درمیان دنیا میں رہے اور ہیں چونکہ دنیا میں تو ہر گروہ اپنے دلائل پر مطمئن اور اپنی ڈگر پر قائم رہتا ہے۔ اس لیے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل کفر و باطل کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْقُرُونِ يَسْتُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِمْ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْتَعِيْنُوْنَ ﴿۳۰﴾

۲۶. کیا اس بات نے بھی انہیں ہدایت نہیں دی کہ
ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا
جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں۔^(۱) یقیناً
اس میں تو (بڑی) بڑی نشانیاں ہیں۔ کیا پھر بھی یہ
نہیں سنتے؟

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ
فَنَخْرِجُ مِنْهُ رِزْقًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

۲۷. کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بخر (غیر آباد) زمین
کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں پھر اس سے ہم کھیتیاں
نکالتے ہیں جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں،^(۲)
کیا پھر بھی یہ نہیں دیکھتے؟

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

۲۸. اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو
(تو بتلاؤ)۔^(۳)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِيْمَانُهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

۲۹. جواب دے دو کہ فیصلے والے دن ایمان لانا
بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی
جائے گی۔^(۴)

۱. یعنی پچھلی امتیں، جو تمذیب اور عدم ایمان کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ آج ان کا وجود دنیا میں
نہیں ہے، البتہ ان کے مکانات ہیں جن کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں۔ مطلب اس سے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمہارا حشر
بھی یہی ہو سکتا ہے، اگر ایمان نہ لائے۔

۲. پانی سے مراد آسمانی بارش اور چشموں نالوں اور وادیوں کا پانی ہے، جسے اللہ تعالیٰ ارض جزر (بخر اور بے آباد) علاقوں
کی طرف بہا کر لے جاتا ہے اور اس سے پیداوار ہوتی ہے جو انسان کھاتے ہیں اور جو بھوسی یا چارہ ہوتا ہے، وہ جانور کھالیتے
ہیں۔ اس سے مراد کوئی خاص زمین یا علاقہ مراد نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ جو ہر بے آباد، بخر اور چٹیل زمین کو شامل ہے۔

۳. اس فیصلے (فتح) سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو کفار مکہ نبی ﷺ سے طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے
محمد! (ﷺ) تیرے اللہ کی مدد تیرے لیے کب آئے گی؟ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ فی الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں
کہ تجھ پر ایمان لانے والے چپے پھرتے ہیں۔

۴. اس یوم الفتح سے مراد آخرت کے فیصلے کا دن ہے، جہاں ایمان مقبول ہوگا اور نہ مہلت دی جائے گی۔ فتح مکہ
کا دن مراد نہیں ہے کیوں کہ اس دن تو طلقاء کا اسلام قبول کر لیا گیا تھا، جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ (ابن کثیر)
طلقاء سے مراد، وہ اہل مکہ ہیں جن کو نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن، سزا و تعزیر کے بجائے معاف فرمادیا تھا اور

فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ إِلَهُهُمْ مُتَنَظِّرُونَ ﴿۳۰﴾ اب آپ ان کا خیال چھوڑیں ^(۱) اور منتظر رہیں۔ ^(۲)
یہ بھی منتظر ہیں۔ ^(۳)

یہ کہہ کر آزاد کر دیا تھا کہ آج تم سے تمہاری کچھلی ظالمانہ کاروائیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ چنانچہ ان کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔

۱۔ یعنی ان مشرکین سے اعراض کر لیں اور تبلیغ و دعوت کا کام اپنے انداز سے جاری رکھیں، جو وحی آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی کریں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الأنعام: ۱۰۶) (آپ خود اس طریقے پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے)۔

۲۔ یعنی اللہ کے وعدے کا کہ کب وہ پورا ہوتا ہے اور تیرے مخالفوں پر تجھے غلبہ عطا فرماتا ہے؟ وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

۳۔ یعنی یہ کافر منتظر ہیں کہ شاید یہ پیغمبر ہی گردشوں کا شکار ہو جائے اور اس کی دعوت ختم ہو جائے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ پر گردشوں کے منتظر مخالفوں کو ذلیل و خوار کیا ان کو آپ کا غلام بنادیا۔



سورہ احزاب مدنی ہے اور اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ
وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

وَأَتِمُّوا مَائِجِدَ الْيَنَاقِ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ
أَزْوَاجَكُمْ أَلْفًا تُظْهَرُونَ مِنْهُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَمَا جَعَلَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اے نبی! (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا^(۱) اور
کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آجانا، بے شک اللہ
تعالیٰ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔^(۲)

۲. اور جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے
وجی کی جاتی ہے^(۳) اس کی تابعداری کریں (یقین مانو) کہ
اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔^(۴)

۳. اور آپ اللہ ہی پر توکل رکھیں،^(۵) اور وہ کار سازی کے
لیے کافی ہے۔^(۶)

۴. کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں
رکھے،^(۷) اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو

۱. آیت میں تقویٰ پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ طلق بن حبیب کہتے ہیں، تقویٰ کا مطلب
ہے کہ تو اللہ کی اطاعت، اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی معصیت،
اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق ترک کر دے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ (ابن کثیر)

۲. پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس لیے کہ عواقب کو وہی جانتا ہے اور اپنے اقوال و افعال
میں وہ حکیم ہے۔

۳. یعنی قرآن کی اور احادیث کی بھی، اس لیے کہ احادیث کے الفاظ گو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں
لیکن ان کے معانی و مفہیم من جانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لیے ان کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

۴. پس اس سے تمہاری کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

۵. اپنے تمام معاملات اور احوال میں۔

۶. ان لوگوں کے لیے جو اس پر بھروسہ رکھتے، اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۷. بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منافق یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ایک دل مسلمانوں کے
ساتھ ہے اور دوسرا دل کفر اور کافروں کے ساتھ ہے۔ (مسند احمد ۲۶۷/۱) یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ

أَدْعِيَاءَكُمْ أَيْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ
يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝

انہیں اللہ نے تمہاری (سچ مچ کی) مانیں نہیں بنایا،^(۱) اور
نہ تمہارے لے پالک لڑکوں کو (واقعی) تمہارے بیٹے بنایا
ہے،^(۲) یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ
حق بات فرماتا ہے^(۴) اور وہ (سیدھی) راہ بھاتا ہے۔

۵. لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت
کر کے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے۔^(۵) پھر

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَّمْ
تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَاخْرُجُوا فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۝

ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی اطاعت جمع ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں
کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جمیل بن معمر فہری تھا، جو بڑا ہوشیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ
میرے تو دو دل ہیں جن سے میں سوچتا سمجھتا ہوں۔ جب کہ محمد (ﷺ) کا ایک ہی دل ہے۔ یہ آیت اس کے رد میں
نازل ہوئی۔ (ابن القایم) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کیے جا رہے ہیں، یہ ان کی تمہید ہے یعنی جس
طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے یعنی یہ کہہ دے کہ تیری
پشت میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی بیوی، اس کی ماں نہیں بن جائے
گی۔ یوں اس کی دو مانیں نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا (لے پالک) بنالے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں
بن جائے گا، بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ (ابن کثیر)

۱. یہ مسئلہ ظہار کہلاتا ہے، اس کی تفصیل سورہ محالہ میں آئے گی۔

۲. اس کی تفصیل اسی سورت میں آگے چل کر آئے گی۔ اَدْعِيَاءَ، دَعِيَ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا۔

۳. یعنی کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جائے گی، نہ بیٹا کہنے سے وہ بیٹا بن جائے گا، یعنی ان پر امومت اور
بنوت کے شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۴. اس لیے اس کا اتباع کرو اور ظہار والی عورت کو ماں اور لے پالک کو بیٹا مت کہو، خیال رہے کہ کسی کو پیار اور محبت
میں بیٹا کہنا اور بات ہے اور لے پالک کو حقیقی بیٹا تصور کر کے بیٹا کہنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے، یہاں مقصود
دوسری بات کی ممانعت ہے۔

۵. اس حکم سے اس رواج کی ممانعت کر دی گئی جو زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی رائج تھا
کہ لے پالک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کو (جنہیں
رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر کے بیٹا بنالیا تھا) زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارا کرتے تھے، حتیٰ کہ قرآن کریم کی
آیت ﴿ادْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ﴾ نازل ہو گئی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو
حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا، جنہوں نے سالم کو بیٹا بنایا ہوا تھا جب منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے
سے روک دیا گیا تو اس سے پردہ کرنا ضروری ہو گیا نبی ﷺ نے حضرت ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کی بیوی کو کہا کہ اسے دودھ پلا کر اپنا

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِنْ
تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ
تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، (۱) تم سے بھول چوک
میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، (۲)
البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔ (۳) اور اللہ
تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

۶. پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے
والے ہیں (۴) اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، (۵)
اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے - بہ نسبت دوسرے

الَّذِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ نَفْسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ
أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ
فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ

رضاعی مینا بنا لو کیوں کہ اس طرح تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب
رضاعة الكبير، ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فیمن حرم به)

۱. یعنی جن کے حقیقی باپوں کا علم ہے۔ اب دوسری نسبتیں ختم کر کے انہیں کی طرف انہیں منسوب کرو۔ البتہ جن کے
باپوں کا علم نہ ہو سکے تو تم انہیں اپنا بھائی اور دوست سمجھو، مینا مت سمجھو۔

۲. اس لیے کہ خطا و نسیان معاف ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت ہے۔

۳. یعنی جو جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا، وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے۔ ”جس نے جاننے بوجھتے
اپنے کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ اس نے کفر کا ارتکاب کیا“۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب باب نسبة الیمن الی
إسماعیل علیہ السلام)

۴. نبی ﷺ اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے، محتاج وضاحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس شفقت
اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے اس آیت میں آپ ﷺ کو مومنوں کے اپنے نفوس سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی
محبت کو دیگر تمام محبتوں سے فائق تر اور آپ ﷺ کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے۔ اس لیے مومنوں
کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ ان کے جن مالوں کا مطالبہ اللہ کے لیے کریں، وہ آپ ﷺ پر نچھاور کر دیں چاہے
انہیں خود کتنی ہی ضرورت ہو، آپ ﷺ سے اپنے نفوس سے بھی زیادہ محبت کریں۔ (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے)
آپ ﷺ کے حکم کو سب پر مقدم اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔ جب تک یہ خود سپردگی نہیں ہوگی
﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ.....﴾ (النساء: ۶۵) کے مطابق آدمی مومن نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک آپ کی محبت، تمام
محبتوں پر غالب نہیں ہوگی لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ... کی رو سے مومن نہیں، ٹھیک
اسی طرح اطاعت رسول ﷺ میں کوتاہی بھی لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا حِثُّ بِهِ کا مصداق
بنادے گی۔

۵. یعنی احترام و تکریم میں اور ان سے نکاح نہ کرنے میں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مائیں بھی ہیں۔

مومنوں اور مہاجروں کے - آپس میں زیادہ حق دار ہیں^(۱)
(ہاں) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک
کرنا چاہو۔^(۲) یہ حکم کتاب (الہی) میں لکھا ہوا ہے۔^(۳)

۷. اور جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور
(بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور
موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) سے، اور ہم
نے ان سے (پکا اور) پختہ عہد لیا۔^(۴)

۸. تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں
دریافت فرمائے،^(۵) اور کافروں کے لیے ہم نے المناک

تَفْعَلُوا إِلَىٰ أُولَٰئِكَ مَعْرُوفًا كَانُ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ
مَسْطُورًا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ
نُوْحٍ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا
مِنْهُمْ مِّيثَاقًا عَلِيْطًا

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ
عَذَابًا اَلِيْمًا

۱. یعنی اب مہاجرت، اخوت اور مواصلت کی وجہ سے وراثت نہیں ہوگی۔ اب وراثت صرف قریبی رشتہ کی بنیاد پر ہی ہوگی۔
۲. ہاں تم غیر رشتہ داروں کے لیے احسان اور ہر وصلہ کا معاملہ کر سکتے ہو، نیز ان کے لیے ایک تہائی مال میں سے وصیت
بھی کر سکتے ہو۔

۳. یعنی لوح محفوظ میں اصل حکم یہی ہے، گو عارضی طور پر مصلحت دوسروں کو بھی وارث قرار دے دیا گیا تھا، لیکن اللہ
کے علم میں تھا کہ یہ منسوخ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اسے منسوخ کر کے پہلا حکم بحال کر دیا گیا ہے۔

۴. اس عہد سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جو ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کا انبیاء (علیہم السلام) سے لیا گیا
تھا جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ میں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے، جس کا ذکر سورہ شوریٰ کی آیت: ۱۳
میں ہے کہ دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ مت ڈالنا۔ یہ عہد اگرچہ تمام انبیاء (علیہم السلام) سے لیا گیا تھا لیکن یہاں بطور خاص
پانچ انبیاء (علیہم السلام) کا نام لیا گیا ہے جس سے ان کی اہمیت و عظمت واضح ہے اور ان میں بھی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر سب سے پہلے
ہے درآں حالیکہ نبوت کے لحاظ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے متاخر ہیں، اس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت اور شرف کا جس
طرح اظہار ہو رہا ہے، محتاج وضاحت نہیں۔

۵. یہ لَامِ کُحٰی ہے۔ یعنی یہ عہد اس لیے لیا تاکہ اللہ سچے نبیوں سے پوچھے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اپنی قوموں تک ٹھیک
طریقہ سے پہنچایا تھا؟ یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء سے پوچھے کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا جواب کس
طرح دیا؟ ثبت انداز میں یا منفی طریقہ سے؟ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ہے کہ (نہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی
طرف رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے)۔ (الأعراف: ۶) اس میں داعیانِ حق کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ
دعوتِ حق کا فریضہ پوری تن و دہی اور اخلاص سے ادا کریں تاکہ بارگاہِ الہی میں سرخرو ہو سکیں، اور ان لوگوں کے لیے بھی
وعید ہے جن کو حق کی دعوت پہنچائی جائے کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے تو عند اللہ مجرم اور مستوجبِ سزا ہوں گے۔

عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

۹۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد کرو جب کہ تمہارے مقابلے کو فوجوں پر فوجیں آئیں پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں،^(۱) اور جو کچھ تم کرتے ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا لِنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ جُنُودُهُ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيًّا وَتُجُودًا أَلَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا

۱۔ ان آیات میں غزوہ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو ۵ ہجری میں پیش آیا۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اسلام دشمن گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کے مرکز ”مدینہ“ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ احزاب حزب (گروہ) کی جمع ہے۔ اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تاکہ دشمن مدینے کے اندر نہ آسکیں۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس کی مسلسل بدعہدی کی وجہ سے مدینے سے جلاوطن کر دیا تھا، یہ قبیلہ خیبر میں جا آباد ہوا، اس نے کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا، اسی طرح غطفان وغیرہ قبائل نجد کو بھی امداد کا یقین دلا کر آمادہ قتال کیا اور یوں یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرکین مکہ کی قیادت ابوسفیان کے پاس تھی، انہوں نے احد کے آس پاس پڑاؤ ڈال کر تقریباً مدینے کا محاصرہ کر لیا، ان کی مجموعی تعداد ۱۰ ہزار تھی، جب کہ مسلمان تین ہزار تھے۔ علاوہ ازیں جنوبی رخ پر یہودیوں کا تیسرا قبیلہ بنو قریظ آباد تھا، جس سے ابھی تک مسلمانوں کا معاہدہ قائم اور وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اسے بھی بنو نضیر کے یہودی سردار جی بن اخطب نے ورغلا کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے حوالے سے، اپنے ساتھ ملا لیا۔ یوں مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے زرخ میں گھر گئے۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی، جس کی وجہ سے دشمن کا لشکر مدینے کے اندر نہیں آسکا اور مدینے کے باہر قیام پذیر رہا۔ تاہم مسلمان اس محاصرے اور دشمن کی متحدہ یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔ کم و بیش ایک مہینے تک یہ محاصرہ قائم رہا اور مسلمان سخت خوف اور اضطراب کے عالم میں مبتلا رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردہ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی ان آیات میں انہی سر اسیمہ حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ پہلے جُنُود سے مراد کفار کی فوجیں ہیں، جو جمع ہو کر آئی تھیں۔ تیز و تند ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو سخت طوفان اور آندھی کی شکل میں آئی، جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا، جانور رسیاں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور سب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ وہی ہوا تھی جس کی بابت حدیث میں آتا ہے، نُصِرْتُ بِالْصَّبَا وَأَهْلِكْتُ عَادًا بِالْدَّبُورِ (صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب نصرت بالصبا، مسلم، باب فی ریح الصبا والذبور) ”میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد دبور (بجھی) ہوا سے ہلاک کیے گئے۔“ ﴿وَجُنُودًا أَلَمْ تَرَوْهَا﴾ سے مراد فرشتے ہیں، جو مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے۔ انہوں نے دشمن کے دلوں پر ایسا خوف اور دہشت طاری کر دی کہ انہوں نے وہاں سے جلد بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے۔

۱۰. جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے^(۱) اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔^(۲)

۱۱. میںیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح جھنجھوڑ دیے گئے۔^(۳)

۱۲. اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکے اور فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔^(۴)

۱۳. اور ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینہ والو! تمہارے لیے ٹھکانہ نہیں، چلو لوٹ چلو،^(۵) اور ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی (ﷺ) سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں،^(۶) حالانکہ وہ (کھلے ہوئے اور) غیر محفوظ نہ تھے (لیکن) ان کا پختہ

اِذْ جَاءَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبُكَغَتِ الْقُلُوبُ اخْتِاجًا وَنَظُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَ ۝

هٰذَا لِكِ اِبْنِی الْمُؤْمِنُوْنَ وَذُرِّ لَوْ اِذْ لَزَّ الْاَسَدُ یَدِیْ ۝

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

وَ اِذْ قَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یَا هٰذَا یَتْرَبُ لَا مَقَامَ لَكُمْ فَاْجْعُوْا وَیَسْتَاْذِنُ قَرِیْبٌ مِّنْهُمْ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَّمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنَّ اَنْزِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝

۱. اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے دشمن آگئے یا اوپر سے مراد غطفان، ہوازن اور دیگر نجد کے مشرکین ہیں اور نیچے کی سمت سے قریش اور ان کے اعوان و انصار۔

۲. یہ مسلمانوں کی اس کیفیت کا اظہار ہے جس سے اس وقت دو چار تھے۔

۳. یعنی مسلمانوں کو خوف، قتال، بھوک اور محاصرے میں مبتلا کر کے ان کو جانچا پرکھا گیا تاکہ منافق الگ ہو جائیں۔

۴. یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ایک فریب تھا۔ یہ تقریباً ستر منافقین تھے جن کی زبانوں پر وہ بات آگئی جو دلوں میں تھی۔

۵. یثرب اس پورے علاقے کا نام تھا، مدینہ اسی کا ایک حصہ تھا، جسے یہاں یثرب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یثرب اس لیے پڑا کہ کسی زمانے میں عمالقدہ میں سے کسی نے یہاں پڑاؤ کیا تھا جس کا نام یثرب بن غمیل تھا۔ (فتح القدیر)

۶. یعنی مسلمانوں کے لشکر میں رہنا تو سخت خطرناک ہے، اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔

۷. یعنی بنو قریظہ کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہے یوں اہل خانہ کی جان و مال اور آبرو خطرے میں ہے۔

ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا۔^(۱)

۱۴. اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (الشکر) داخل کیے جاتے پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت۔^(۲)

۱۵. اور اس سے پہلے تو انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدہ کی باز پرس ضرور ہوگی۔^(۴)

۱۶. کہہ دیجیے کہ گو تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے۔^(۵)

۱۷. پوچھیے تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے (یا تم سے روک سکے؟)،^(۶) اپنے لیے بجز اللہ تعالیٰ

وَلَوْ دَجَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اطَّارِهَاتِهِمْ سُلُوْا الْقِنْدَةَ لَا تَوْهَامَا وَتَاكَبْتُوْا بِهَا لَا يَسِيْرُ ۝

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهِدُوْا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْتُوْنَ الْاَكْبَاْرَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْغَرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوْ الْقَتْلِ وَاِذَا لَمْ تَعْنُوْا الْاَقْلِيَا ۝

قُلْ مَنَ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْرِ اللّٰهِ وَاِيَّاءُ النَّصِيْرَ ۝

۱. یعنی جو خطرہ وہ ظاہر کر رہے ہیں، نہیں ہے وہ اس بہانے سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ عَوْرَةً کے لغوی اور معروف معنی کے لیے دیکھیے، سورہ نور، آیت: ۸۵ کا حاشیہ۔

۲. یعنی مدینے یا ان کے گھروں میں چاروں طرف سے دشمن داخل ہو جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ تم کفر و شرک کی طرف دوبارہ واپس آ جاؤ، تو یہ ذرا توقف نہ کریں گے اور اس وقت گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر بھی نہیں کریں گے بلکہ فوراً مطالبہ شرک کے سامنے جھک جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک ان کو مرغوب ہے اور اس کی طرف یہ پلکتے ہیں۔

۳. بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منافقین جنگ بدر تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب مسلمان فاتح ہو کر اور مال غنیمت لے کر واپس آئے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا اظہار کیا بلکہ یہ عہد بھی کیا کہ آئندہ جب بھی کفار سے معرکہ پیش آیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ضرور لڑیں گے، یہاں ان کو وہی عہد یاد کیا گیا ہے۔

۴. یعنی اسے پورا کرنے کا ان سے مطالبہ کیا جائے گا اور عدم وفا پر سزا کے وہ مستحق ہوں گے۔

۵. یعنی موت سے تو کسی صورت مفر نہیں ہے۔ اگر میدان جنگ سے بھاگ کر آ بھی جاؤ گے، تو کیا فائدہ؟ کچھ عرصے بعد موت کا پیالہ تو پھر بھی پینا ہی پڑے گا۔

۶. یعنی تمہیں ہلاک کرنا، بیمار کرنا، یا مال و جائیداد میں نقصان پہنچانا یا قحط سالی میں مبتلا کرنا چاہے، تو کون ہے جو تمہیں

کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔

۱۸. اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں (بخوبی) جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ۔^(۱) اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں آتے ہیں۔^(۲)

۱۹. تمہاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں،^(۳) پھر جب خوف و دہشت کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جمادیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔^(۴) پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں^(۵) مال کے بڑے ہی حریص ہیں،^(۶) یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں^(۷) اللہ تعالیٰ

فَدَيَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلَمْ يَلْتَأَوْا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

أَسْبَحَ عَلَيْهِمْ ۖ فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنْظَرُونَ ۚ اِلَيْكَ تَدْرُسُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَفُوْكُمْ ۚ يَا كَيْسَ فَاِذَا اِدَّ اَسْبَحَ عَلَى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا ۚ فَاصْطَبْ اَللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اس سے بچا سکے؟ یا اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو وہ روک سکے؟

۱. یہ کہنے والے منافقین تھے، جو اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے روکتے تھے۔

۲. کیوں کہ وہ موت کے خوف سے پیچھے ہی رہتے تھے۔

۳. یعنی تمہارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمہارے ساتھ مل کر لڑنے میں بخیل ہیں۔

۴. یہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے۔

۵. یعنی اپنی شجاعت و مردانگی کی بابت ڈینگیں مارتے ہیں، جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں، یا غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی و طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں۔

۶. یا دوسرا مفہوم ہے کہ خیر کا جذبہ بھی ان کے اندر نہیں ہے۔ یعنی مذکورہ خرابیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی وہ محروم ہیں۔

۷. یعنی دل سے، بلکہ یہ منافق ہیں، کیوں کہ ان کے دل کفر و عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔

نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیے ہیں،^(۱) اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے۔^(۲)

۲۰۔ سمجھتے ہیں کہ لشکر اب تک نہیں گئے،^(۳) اور اگر فوجیں آجائیں تو تمنائیں کرتے ہیں کہ کاش وہ صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے! کہ تمہاری خبریں دریافت کیا کرتے،^(۴) اگر وہ تم میں موجود ہوتے (تو بھی کیا؟) نہ لڑتے مگر برائے نام۔^(۵)

۲۱۔ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے،^(۶) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور

يَعْبُوْنَ الْكَرَّابَ لَمْ يَدَّبَّوْا اِنْ يَأْتِ الْكَرَّابَ
يَوْدُوْا لَوْ اَنَّهُمْ يَادُوْنَ فِي الْكَرَّابِ يَسْأَلُوْنَ
عَنْ اَيِّكُمْ لَوْ كَانُوْا فَيَكْتُمُوْا اِلَّا قَلِيْلًا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن
كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَكَرِهَ اللّٰهَ كِتْبًا

۱۔ اس لیے کہ وہ مشرک اور کافر ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں، جن پر کوئی اجر و ثواب نہیں۔ یا اَخْبَطَ اَظْهَرَ کے معنی میں ہے، یعنی ان کے عملوں کے بطلان کو ظاہر کر دیا، اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں ہی نہیں کہ وہ ثواب کے متقاضی ہوں اور اللہ ان کو باطل کر دے۔ (فتح القدیر)

۲۔ ان کے اعمال کا برباد کر دینا، یا ان کا نفاق۔

۳۔ یعنی ان منافقین کی بزدلی، دوس ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں۔ لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں۔

۴۔ یعنی بالفرض اگر کفار کی ٹولیاں دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آجائیں تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ شہر کے اندر رہنے کے بجائے، باہر صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں لوگوں سے تمہاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں؟ یا لشکر کفار کا مایاب رہا یا ناکام؟

۵۔ محض عار کے ڈر سے یا ہم وطنی کی حمیت کی وجہ سے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو جہاد سے گریز کرتے یا اس سے پیچھے رہتے ہیں۔

۶۔ یعنی اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے، پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتیٰ کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے، اس کا چہرہ زخمی ہو گیا، اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ (ﷺ) کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام ہے یعنی آپ (ﷺ) کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ (ﷺ) کی اقتداء ضروری ہے چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت

قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔^(۱)

۲۲. اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (بے ساختہ) کہہ اٹھے کہ انہیں کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا،^(۲) اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوہ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا۔^(۳)

۲۳. مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا،^(۴) بعض نے

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْكَحْرَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ

سے، معیشت سے، سیاست سے۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔ ﴿وَمَا أَتَاكَ الرَّسُولُ فَخُذْهُ﴾ (الآیۃ الحشر: ۷) اور ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ﴾ (آل عمران: ۳۱) کا مفاد بھی یہی ہے۔

۱. اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسوۂ رسول ﷺ کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ آج مسلمان بھی بالعموم ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوۂ رسول ﷺ کی بھی کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان میں جو اہل دین ہیں ان کے پیشوا، پیر اور مشائخ ہیں اور جو اہل دنیا و اہل سیاست ہیں ان کے مرشد و رہنما آقا یان مغرب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے زبانی دعوے بڑے ہیں، لیکن آپ ﷺ کو مرشد اور پیشوا ماننے کے لیے ان میں سے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ فَإِلَى اللَّهِ الْمُنْتَهَى۔

۲. یعنی منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اور رسول ﷺ کے وعدے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلاء و امتحان سے گزارنے کے بعد تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا، وہ سچا ہے۔

۳. یعنی حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا، بلکہ ان کے ایمان میں جذبہ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں اور ان کے مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔

۴. یہ آیت ان بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے اس موقع پر جال نثاری کے عجیب و غریب جوہر دکھائے تھے اور انہیں میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انہوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اب آئندہ کوئی معرکہ پیش آیا، تو جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے، جیسے انس بن نضر وغیرہ رضی اللہ عنہم، جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے ۸۰ سے اوپر زخم تھے، شہادت

وَمَا لَكُمْ لَأَنْتُمْ بِلَا إِلَهِ إِلَّا اللَّهُ

تو اپنا عہد پورا کر دیا^(۱) اور بعض (موقعہ کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔^(۲)

لَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيَعَذِّبَ
الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا

۲۴. تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے،^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے۔

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِإِعْظَمِهِمْ لَمْ يَأْلُوا حَيْثُ أُولُوا
وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ
قَوِيًّا عَزِيزًا

۲۵. اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی (نامراد) لوٹا دیا انہوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا،^(۴) اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا^(۵) اور اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ
صَيِّبٍ صَبَّاهُمْ وَقَدْ نَفَى قُلُوبُهُمُ الرُّعْبَ فَرُفِقًا

۲۶. اور جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی انہیں (بھی) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا

کے بعد ان کی ہشیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پور سے پچپنا۔ (مسند احمد، ج: ۴، ص: ۱۹۴)

۱. نَحْبُ کے معنی عہد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں۔ مطلب ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عہد یا نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔

۲. اور دوسرے وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں تاہم اس کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں اور شہادت کی سعادت کے آرزو مند ہیں، اپنی اس نذر یا عہد میں انہوں نے تبدیلی نہیں کی۔

۳. یعنی انہیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

۴. یعنی مشرک جو مختلف جہات سے جمع ہو کر آئے تھے تاکہ مسلمانوں کا نشان مٹادیں۔ اللہ نے انہیں ان کے غیظ و غضب سمیت واپس لوٹا دیا۔ نہ دنیا کا مال و متاع ان کے ہاتھ لگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، کسی بھی قسم کی خیر انہیں حاصل نہیں ہوئی۔

۵. یعنی مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعے سے اپنے مومن بندوں کی مدد کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدُهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَكْحَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ» (صحیح البخاری، کتاب العمرة، باب ما يقول إذا رجع من الحج أو العمرة أو الغزوة، مسلم، باب ما يقول إذا قفل من سفر الحج وغيره) ”ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو سرخرو کیا، اور تمام گروہوں کو اکیلے اس نے ہی شکست دے دی، اس کے بعد کوئی شے نہیں“۔ یہ دعا، عمرہ، جہاد اور سفر سے واپسی پر بھی پڑھنی چاہیے۔

تَقْتُلُونُ وَيَأْتِيهِمْ قُرْآنٌ ﴿٥٠﴾

اور ان کے دلوں میں (بھی) رعب بھر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بنارہے ہو۔

۲۷. اور اس نے تمہیں ان کی زمینوں کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے مال کا وارث کر دیا^(۱) اور اس زمین کا بھی جس کو تمہارے قدموں نے روندنا نہیں،^(۲) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۸. اے نبی! (ﷺ) اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔

۲۹. اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ

وَأَوْزَنَكُمْ أَرْضَهُمْ وَيَدْيَاهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّهُمْ تَطْوَاهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٥١﴾

يَأْتِيهَا اللَّيْلُ قُلٌّ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَرَبَّتْنَهَا فَعَلَّيْنِ أَمْتِعَكُنَّ وَأَسْرِحَكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٥٢﴾

وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْأَرْضَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥٣﴾

۱. اس میں غزوہ بنی قریظہ کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس قبیلے نے نقض عہد کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں اور دوسرے یہودیوں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ جنگ احزاب سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ ابھی غسل ہی فرما سکے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آگئے اور کہا کہ آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیے؟ ہم فرشتوں نے تو نہیں رکھے ہیں۔ چلیے، اب بنو قریظہ کے ساتھ مٹھنا ہے، مجھے اللہ نے اسی لیے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں میں اعلان فرمادیا بلکہ ان کو تاکید کر دی کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھنی ہے۔ ان کی آبادی مدینے سے چند میل کے فاصلے پر تھی۔ یہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، باہر سے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جو کم و بیش پچیس روز جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (ثالث) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیں گے، ہمیں منظور ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں، عورتوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہی فیصلہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ اس کے مطابق ان کے جنگجو افراد کی گردنیں اڑادی گئیں۔ اور مدینے کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا گیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری، باب غزوہ خندق، اَنْزَلَ قُلْعُونَ سے نیچے اتار دیا، ظَاهَرُوهُمْ کافروں کی انہوں نے مدد کی۔

۲. بعض نے اس سے خیبر کی زمین مراد لی ہے کیوں کہ اس کے بعد ہی ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر فتح کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مکہ ہے اور بعض نے ارض فارس وروم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک تمام وہ زمینیں ہیں جو قیامت تک مسلمان فتح کریں گے۔ (فتح اللہ)

چھوڑے ہیں۔^(۱)

۳۰۔ اے نبی ﷺ کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا،^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے۔

۳۱۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے

نِيسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مَنكُم مِّنْهَا حَشَةً مُّبَيَّنَةً يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

وَمَنْ يَقْنُتْ مِنكُمُ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْدَدْنَا لَهَا

۱۔ فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہوگئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی نان و نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے ازواج مطہرات کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنی جو ایک مہینے تک جاری رہی بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر انہیں اختیار دیا تاہم انہیں کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے والدین سے مشورے کے بعد کوئی اقدام کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور رسول ﷺ کو پسند کرتی ہوں۔ یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الأحزاب) اس وقت آپ ﷺ کے حوالہ عقد میں ۹ بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور چار ان کے علاوہ، یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور جویریہ تھیں۔ رضی اللہ عنہن۔ بعض لوگ مرد کی طرف سے اختیار علیحدگی کو طلاق قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اختیار علیحدگی کے بعد اگر عورت علیحدگی کو پسند کر لے، پھر تو یقیناً طلاق ہو جائے گی (اور یہ طلاق بھی رجعی ہوگی نہ کہ بائنہ، جیسا کہ بعض علماء کا مسلک ہے) تاہم اگر عورت علیحدگی کو اختیار نہیں کرتی تو پھر طلاق نہیں ہوگی، جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے علیحدگی کے بجائے حرم رسول ﷺ میں ہی رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من خیر نساء۔ مسلم، باب بیان أن تخیر امرأته لا یكون طلاقاً إلا بالنیة)

۲۔ قرآن میں الْفَاحِشَةُ (مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن فَاحِشَةٌ (مکرہ) کو برائی کے لیے، جیسے یہاں ہے۔ یہاں اس کے معنی بد اخلاقی اور نامناسب رویے کے ہیں۔ کیوں کہ نبی ﷺ کے ساتھ بد اخلاقی اور نامناسب رویہ، آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے جس کا ارتکاب کفر ہے۔ علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں، اس لیے انہیں دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

رَبِّمَا كَرِيمًا ۝

اجر (بھی) دوہرا دیں گے^(۱) اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔

۳۲۔ اے نبی (ﷺ) کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو،^(۲) اگر تم پر ہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے^(۳) اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔^(۴)

۳۳۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو^(۵) اور قدیم

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ اَتَّقِيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهٖ مَّرَضٌ وَّكُنَّ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

وَكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ

۱۔ یعنی جس طرح گناہ کا وبال دوگنا ہوگا، نیکوں کا اجر بھی دوہرا ہوگا۔ جس طرح نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِذَا لَدَمْتُكَ ضَعْفَ الْحَيٰوةِ ضَعْفَ الْمَبٰتِلِ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۵) (پھر تو ہم بھی آپ کو دہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دہرا ہی موت کا)۔

۲۔ یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور رسول ﷺ کی طرح تمہیں بھی امت کے لیے ایک نمونہ بننا ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے کچھ ہدایت دی جا رہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں جنہیں امہات المؤمنین قرار دیا گیا ہے، لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے۔ اس لیے یہ ہدایت تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بنا بریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھا پن ہو۔ تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

۴۔ یعنی یہ روکھا پن، صرف لہجے کی حد تک ہی ہو، زبان سے ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ اِنَّ اَتَّقِيْتُنَّ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات، جو آگے آرہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں، کیونکہ انہیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الہی سے عاری ہیں، انہیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

۵۔ یعنی تک کر رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کردی گئی کہ عورت کا دائرہ عمل امور سیاست و جہانپانی نہیں، معاشی جھیلے بھی نہیں، بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے۔

الْأُولَىٰ وَآخِرَتِ الصَّلَاةِ وَابْتِغَاءَ الرِّكَوَّةِ
وَإِطْعَمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ الْكَمَائِلَ بِإِذْنِ اللَّهِ
عَنْكَوِ الرِّجْسِ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرُهُمْ
تَطْهِيرًا

وَأَذْكُرَنَّ مَا يُعَلِّي فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ
اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو^(۱)
اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس
کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔^(۲) اللہ تعالیٰ یہی چاہتا
ہے کہ اے نبی (ﷺ) کی گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم
کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

۳۴۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول
کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو،^(۳) یقیناً

۱۔ اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے
انداز سے، جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ جیسے بے پردہ ہو کر، جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی
وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے۔ بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو تَبَرُّج بے پردگی اور
زینب وزینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج، جاہلیت ہے، جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ
بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی
خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

۲۔ پچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

۳۔ اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے ازواجِ مطہرات کو مراد لیا ہے، جیسا کہ
یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواجِ مطہرات ہی کو اہل بیت کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے
مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ ہود آیت: ۳۷ میں۔ اس لیے ازواجِ مطہرات کا اہل بیت ہونا نص
قرآنی سے واضح ہے۔ بعض حضرات، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور
حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواجِ مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جب کہ اول الذکر، ان اصحاب
اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواجِ مطہرات
تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد و اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی ﷺ نے
ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بھی میرے اہل بیت
سے ہیں یا یہ دعا ہے کہ یا اللہ ان کو بھی ازواجِ مطہرات کی طرح، میرے اہل بیت میں شامل فرمادے۔ اس طرح تمام
دلائل میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر، للذہبی)

۴۔ یعنی ان پر عمل کرو۔ حکمت سے مراد احادیث ہیں۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ
حدیث بھی قرآن کی طرح ثواب کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ آیت بھی ازواجِ مطہرات کے اہل بیت
ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ وحی کا نزول، جس کا ذکر اس آیت میں ہے، ازواجِ مطہرات کے گھروں میں ہی

اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبردار ہے۔

۳۵. بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ^(۱) مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب کے) لیے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

۳۶. اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، ^(۲) (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفَظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفَظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُبِينًا ۝

ہوتا تھا، بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

۱. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد ۳۰/۲، ترمذی: ۳۲۱۱) اس میں عورتوں کی دلداری کا اہتمام کر دیا گیا ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں سوائے ان مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت و اطاعت الہی اور اخروی درجات و فضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے اور دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر و ثواب کما سکتے ہیں۔ جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۲. یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جو اگرچہ اصلاً عرب تھے، لیکن کسی نے انہیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا۔ نبی ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں رسول اللہ ﷺ کو بہہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا تھا۔

کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔
 ۳۔۷ اور (یاد کر) جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ تو اس سے ڈرے،^(۱) پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی^(۲) ہم نے اسے

وَاذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَ لِلْكِتَابِ لِيَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا وَلَهُمْ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝

نبی ﷺ نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر انہیں اور ان کے بھائی کو خاندانی وجاہت کی بنا پر تامل ہوا، کہ زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ہمارا تعلق ایک اونچے خاندان سے ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر دے۔ چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا وغیرہ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور ان کا باہم نکاح ہو گیا۔

۱۔ لیکن چونکہ ان کے مزاج میں فرق تھا، بیوی کے مزاج میں خاندانی نسب و شرف رچا ہوا تھا، جب کہ زید رضی اللہ عنہ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا، ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی جس کا تذکرہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے۔ لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق دینے سے روکتے اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرمادیا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا تاکہ جاہلیت کی اس رسم تنہیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا، احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں انہی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اللہ کا انعام یہ تھا کہ انہیں قبول اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے نجات دلائی، نبی ﷺ کا احسان ان پر یہ تھا کہ ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی سے ان کا نکاح کرا دیا۔ دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتلائی گئی تھی، آپ ﷺ ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعے سے اس رسم کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ فطری تھا، اسکے باوجود آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی گئی۔ ظاہر کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ نکاح ہوگا، جس سے یہ بات سب کے ہی علم میں آجائے گی۔

۲۔ یعنی نکاح کے بعد طلاق دی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا عدت سے فارغ ہو گئیں۔

تیرے نکاح میں دے دیا^(۱) تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں،^(۲) اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔^(۳)

۳۸. جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے مقرر کی ہیں ان میں نبی پر کوئی حرج نہیں،^(۴) (یہی) اللہ کا دستور ان میں بھی رہا جو پہلے ہوئے^(۵) اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔^(۶)

۳۹. یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے،^(۷) اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔^(۸)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا كَوَّنَ اللَّهُ لَهُ
سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ
وَمَا كَانَ أَمْرُ اللَّهِ فَعْدًا يُقَدَّرُ ۝

إِلَّا الَّذِينَ يَبْلُغُونَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا يَشْتَرُونَ
وَلَا يَخْتَنُونَ أَحَدًا إِلَّا لِلَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

۱. یعنی یہ نکاح معروف طریقے کے برعکس صرف اللہ کے حکم سے نکاح قرار پاگیا، نکاح خوانی، ولایت، حق مہر اور گواہوں کے بغیر ہی۔

۲. یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت واقفہاء لے پالک بیٹی کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے۔

۳. یعنی پہلے سے ہی تقدیر الہی میں تھا جو بہر صورت ہو کر رہنا تھا۔

۴. یہ اسی واقعہ نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ ہے، چونکہ یہ نکاح آپ ﷺ کے لیے حلال تھا، اس لیے اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے۔

۵. یعنی گزشتہ انبیاء علیہم السلام بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیے جاتے تھے چاہے قومی اور عوامی رسم و رواج ان کے خلاف ہی ہوتے۔

۶. یعنی خاص حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، دنیوی حکمرانوں کی طرح وقتی اور فوری ضرورت پر مشتمل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

۷. اس لیے کسی کا ڈر یا سطوت انہیں اللہ کا پیغام پہنچانے میں مانع بنتا تھا نہ طعن و ملامت کی انہیں پرداہ ہوتی تھی۔

۸. یعنی ہر جگہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی ہے اور اللہ

۴۰. (لوگو) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں^(۱) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (بخوبی) جاننے والا ہے۔

۴۱. اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔

۴۲. اور صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔

۴۳. وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

۴۴. جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا،^(۳) اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے باعزت اجر

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِحُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝

يَحْتَفَتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝

کے دین کی تبلیغ و دعوت میں انہیں جو مشکلات آتی ہیں، ان میں وہ ان کی چارہ سازی فرماتا اور دشمنوں کے مذموم ارادوں اور سازشوں سے انہیں بچاتا ہے۔

۱. اس لیے وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر انہیں مورد طعن بنایا جاسکے کہ انہوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر لیا؟ بلکہ ایک زید رضی اللہ عنہ ہی کیا، وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ کیونکہ زید رضی اللہ عنہ تو حارثہ کے بیٹے تھے، آپ ﷺ نے تو انہیں منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور جاہلی دستور کے مطابق انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ حقیقتاً وہ آپ ﷺ کے صلیبی بیٹے نہیں تھے۔ اسی لیے ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ﴾ کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے تین بیٹے قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک بچہ ابراہیم ماریہ قطیبہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوا۔ لیکن یہ سب کے سب بچپن میں ہی فوت ہو گئے، ان میں سے کوئی بھی عمر رجولیت کو نہیں پہنچا۔ بنا بریں آپ ﷺ کی صلیبی اولاد میں سے بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں۔ (ابن کثیر)

۲. خاتمہ مہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا، آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہوگا۔ احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے، تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ نبی ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے، اس لیے ان کا نزول عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

۳. یعنی جنت میں فرشتے اہل ایمان کو یا مومن آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

تیار کر رکھا ہے۔

۴۵۔ اے نبی! (ﷺ) یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا،^(۱) خوشخبریاں سننے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔

۴۶۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔^(۲)

۴۷۔ اور آپ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

۴۸۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانے اور جو ایذا (ان کی طرف سے پہنچے) اس کا خیال بھی نہ کیجیے اللہ پر بھروسہ کیے رہیں، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا۔

۴۹۔ اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو،^(۳) پس

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
وَنَذِيرًا ۝

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝

وَبَشِيرًا الْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا اللَّهُ فَضْلًا كَبِيرًا ۝

وَلَا تُظِلُّ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعَا لَهُمْ وَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ
طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ
عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِنْ عَوْنِكُمْ

۱۔ بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ نبی ﷺ اپنی امت کی گواہی دیں گے، ان کی بھی جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی بھی جنہوں نے تکذیب کی۔ آپ ﷺ قیامت کے دن اہل ایمان کو ان کے اعضائے وضو سے پہچان لیں گے جو چپکتے ہوں گے، اسی طرح آپ ﷺ دیگر انبیاء علیہم السلام کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچادیا تھا اور یہ گواہی اللہ کے دیے ہوئے یقینی علم کی بنیاد پر ہوگی۔ اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں، یہ عقیدہ تو نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

۲۔ جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے۔

۳۔ نکاح کے بعد جن عورتوں سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور وہ ابھی جوان ہوں، ایسی عورتوں کو طلاق مل جائے تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ (البقرة: ۲۲۸) یہاں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جن سے نکاح ہوا ہے لیکن میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں ہے یعنی ایسی غیر مدخولہ مطلقہ بغیر عدت

وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَبِيلًا ۝

تم کچھ نہ کچھ انہیں دے دو^(۱) اور بھلے طریق پر انہیں رخصت کر دو۔^(۲)

۵۰۔ اے نبی! (ﷺ) ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنہیں تو ان کے مہر دے چکا ہے^(۳) اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں^(۴) اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالائوں کی بیٹیاں بھی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَتِكَ وَبَنَاتِ خَالَكَ وَبَنَاتِ خَلِيلِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ ۖ وَأَمْرًا كَـمُؤْمِنَةٍ إِنْ وَّهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ

گزارے فوری طور پر کہیں نکاح کرنا چاہے، تو کر سکتی ہے، البتہ اگر ہم بستر سے قبل خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے ۴ مہینے ۱۰ دن ہی مدت گزارنی پڑے گی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر) چھوٹا یا ہاتھ لگانا، یہ کنایہ ہے جماع (ہم بستر سے)۔ نکاح کا لفظ خاص جماع اور عقد زواج دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں عقد کے معنی میں ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے۔ اس لیے جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں عورت سے میں نے نکاح کیا تو اسے طلاق، تو ان کے نزدیک اس عورت سے نکاح ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق، تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا، طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں بھی وضاحت ہے۔ «لَا طَّلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ» (ابن ماجہ) «لَا طَّلَاقَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» (ابوداؤد، باب فی الطلاق قبل النکاح، ترمذی، ابن ماجہ ومسند أحمد: ۱۸۹/۳) اس سے واضح ہے کہ نکاح سے قبل طلاق، ایک فعل عث ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

۱۔ یہ متاع، اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو نصف مہر ہے ورنہ حسب توفیق کچھ دے دیا جائے۔

۲۔ یعنی انہیں عزت و احترام سے، بغیر کوئی ایذا پہنچائے علیحدہ کر دیا جائے۔

۳۔ بعض احکام شرعیہ میں نبی ﷺ کو امتیاز حاصل تھا، جنہیں آپ ﷺ کی خصوصیات کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل علم کی ایک جماعت کے بقول قیام اللیل (تہجد) آپ ﷺ پر فرض تھا، صدق آپ ﷺ پر حرام تھا، اسی طرح کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن کریم کے اس مقام پر کیا گیا ہے جن کا تعلق نکاح سے ہے۔ جن عورتوں کو آپ ﷺ نے مہر دیا ہے، وہ حلال ہیں چاہے تعداد میں وہ کتنی ہی ہوں اور آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ بصورت نقد سب کو مہر ادا کیا تھا۔ صرف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔

۴۔ چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا ملکیت میں آئیں جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر کے نکاح کر لیا، اور ریحانہ رضی اللہ عنہا اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا یہ بطور لونڈی آپ کے پاس رہیں۔

أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ
ذَوِي الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْكُمْ فِي
أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا
يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے،^(۱) اور وہ باایمان عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کر دے یہ اس صورت میں کہ خود نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے،^(۲) یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں،^(۳) ہم ان احکام کو بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کر رکھے ہیں،^(۴) یہ اس لیے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو،^(۵) اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے اور بڑے رحم والا ہے۔

تُرْجِي مَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَتُؤَيِّدُ لَكَ مَنْ شَاءَ
وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ
أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا حَزَنَ فِي رِضْوَانِ بَيْتِ
الَّذِينَ هُنَّ لِأَنْ يَعْلَمَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ

۵۱۔ ان میں سے جسے تو چاہے دور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے،^(۱) اور اگر تو ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنہیں تو نے الگ کر رکھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں،^(۲) اس میں اس بات کی زیادہ توقع

۱۔ اس کا مطلب ہے جس طرح آپ ﷺ نے ہجرت کی، اسی طرح انہوں نے بھی مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ساتھ تو کسی عورت نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔

۲۔ یعنی نبی کریم ﷺ کو اپنا آپ ہبہ کرنے والی عورت، اگر آپ ﷺ اس سے نکاح کرنا پسند فرمائیں تو بغیر مہر کے آپ ﷺ کے لیے اسے اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے۔

۳۔ یہ اجازت صرف آپ ﷺ کے لیے ہے۔ دیگر مومنوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ حق مہر ادا کریں، تب نکاح جائز ہوگا۔
۴۔ یعنی عقد کے جو شرائط اور حقوق ہیں جو ہم نے فرض کیے ہیں کہ مثلاً چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت کوئی شخص اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، نکاح کے لیے ولی، گواہ اور حق مہر ضروری ہے۔ البتہ لونڈیاں جتنی کوئی چاہے، رکھ سکتا ہے، تاہم آج کل لونڈیوں کا مسئلہ ختم ہے۔

۵۔ اس کا تعلق اِنَّا أَحْلَلْنَا سے ہے یعنی مذکورہ تمام عورتوں کی آپ ﷺ کے لیے حلت اس لیے ہے تاکہ آپ ﷺ کو تنگی محسوس نہ ہو اور آپ ﷺ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح میں گناہ نہ سمجھیں۔

۶۔ اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت کا بیان ہے، وہ یہ کہ بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کرنے میں آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا آپ ﷺ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں، یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔

۷۔ یعنی جن بیویوں کی باریاں موقوف کر رکھی تھیں اگر آپ ﷺ چاہیں کہ ان سے بھی مباشرت کا تعلق قائم کیا جائے،

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

ہے کہ ان عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تو انہیں دیدے اس پر سب کی سب راضی رہیں،^(۱) اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ (خوب) جانتا ہے۔^(۲) اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم اور حلم والا ہے۔

۵۲۔ اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ یہ (درست ہے) کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے (نکاح کرے) اگرچہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو^(۳)

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْكَلَ
بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

تو یہ اجازت بھی آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

۱۔ یعنی باری موقوف ہونے اور ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے باوجود وہ خوش ہوں گی، ٹمگین نہیں ہوں گی اور جتنا کچھ آپ ﷺ کی طرف سے انہیں مل جائے گا، اس پر مطمئن رہیں گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ پیغمبر ﷺ یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اجازت سے کر رہے ہیں اور یہ ازواجِ مطہرات اللہ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو یہ اختیار ملنے کے باوجود آپ ﷺ نے اسے استعمال نہیں کیا اور سوائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے (کہ انہوں نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہمہ کردی تھی) آپ ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات کی باریاں برابر برابر مقرر کر رکھی تھیں، اسی لیے آپ ﷺ نے مرض الموت میں ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارے، ﴿أَنْ تَقْرَأَ عَيْنُكَ﴾ کا تعلق آپ ﷺ کے اسی طرزِ عمل سے ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ (دوسرے لوگوں کی طرح) واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے تقسیم کو اختیار فرمایا، تاکہ آپ ﷺ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور آپ ﷺ کے اس حسن سلوک اور عدل و انصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ ﷺ نے خصوصی اختیار استعمال کرنے کے بجائے ان کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا۔

۲۔ یعنی تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے، ان میں یہ بات بھی یقیناً ہے کہ سب بیویوں کی محبت دل میں یکساں نہیں ہے۔ کیوں کہ دل پر انسان کا اختیار ہی نہیں ہے۔ اس لیے بیویوں کے درمیان باری میں، نان و نفقہ اور دیگر ضروریات زندگی اور آسائشوں میں مساوات ضروری ہے، جس کا اہتمام انسان کر سکتا ہے۔ دلوں کے میلان میں مساوات چونکہ اختیار ہی میں نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر گرفت بھی نہیں فرمائے گا بشرطیکہ دلی محبت کسی ایک بیوی سے امتیازی سلوک کا باعث نہ ہو۔ اسی لیے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے (یا اللہ یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے، لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا)۔ (ابوداؤد، باب القسم فی النساء، ترمذی، نسائی،

ابن ماجہ، مسند أحمد: ۶/۱۳۴)

۳۔ آیت تنبیہ کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات نے دنیا کے اسبابِ عیش و راحت کے مقابلے میں عسرت کے ساتھ، نبی ﷺ

رَقِيبًا ۵۱

مگر جو تیری مملوکہ ہوں۔^(۱) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (پورا) نگہبان ہے۔

۵۳۔ اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو، کھانے کے لیے ایسے وقت میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو بلکہ جب بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمہاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (بیان) حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا،^(۲) جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو،^(۳) تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَبِزٍ مِنْهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَبِرُوا وَلَا مُسْتَأْذِنِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَجِی مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَجِی مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنَازِلُوهُنَّ بِمَا بَعْدَ الْعَبَاةِ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۵۱

کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا، اس کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ ﷺ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت ۹ تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرمادید۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں آپ ﷺ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ (ابن کثیر)

۱۔ یعنی لونڈیاں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض نے اس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر لونڈی بھی رکھنے کی آپ ﷺ کو اجازت تھی اور بعض نے ﴿وَلَا تُسْئَلُونَ عَنْهُنَّ﴾ (الممتحنہ: ۱۰) کے پیش نظر اسے آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں سمجھا۔ (فتح القدیر)

۲۔ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ ﷺ کو خاص تکلیف ہوئی، تاہم حیاء و اخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جانے کے لیے کہا نہیں۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الاحزاب) چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلا دیے گئے کہ ایک تو اس وقت جاؤ، جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے سے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دوسرا کھاتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، وہاں بیٹھے ہوئے باتیں مت کرتے رہو۔ کھانے کا ذکر تو سبب نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی تمہیں بلایا جائے چاہے کھانے کے لیے یا کسی اور کام کے لیے، اجازت کے بغیر گھر کے اندر داخل مت ہو۔

۳۔ یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر نازل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس اچھے برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، کاش آپ اہمات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں تو کیا اچھا ہو۔ جس پر اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ وتفسیر سورة البقرة۔ مسلم، باب فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

کامل پاکیزگی یہی ہے،^(۱) نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ (ﷺ) کو تکلیف دو^(۲) اور نہ تمہیں یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا (گناہ) ہے۔^(۳)

۵۴۔ تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو اللہ تو ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے۔

۵۵۔ ان عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجیوں اور بھانجوں اور اپنی (میل جول کی) عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں (لوٹری، غلام) کے سامنے ہوں۔^(۴) (عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر شاہد ہے۔^(۵)

إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تَخْفَوْهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۵۶﴾

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي آبَائِهِمْ وَلَا أَبْنَائِهِمْ وَلَا إِخْوَانِهِمْ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِمْ وَلَا مَمْلُوكَاتُ آبَائِهِمْ وَلَا تَقْبَلِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۵۷﴾

۱۔ یہ پردے کی حکمت اور علت ہے کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

۲۔ چاہے وہ کسی بھی لحاظ سے ہو۔ آپ (ﷺ) کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا، آپ (ﷺ) کی خواہش کے بغیر گھر میں بیٹھے رہنا اور بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے گفتگو کرنا، یہ امور بھی ایذا کے باعث ہیں، ان سے بھی اجتناب کرو۔
۳۔ یہ حکم ان ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جو وفات کے وقت نبی (ﷺ) کے حوالہ عقد میں تھیں۔ تاہم جن کو آپ (ﷺ) نے ہم بستری کے بعد زندگی میں طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں دو رائے ہیں۔ بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن آپ (ﷺ) کی ایسی کوئی بیوی تھی ہی نہیں۔ اس لیے یہ محض ایک فرضی شکل ہے۔ علاوہ ازیں ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ (ﷺ) کا نکاح ہوا لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ (ﷺ) نے طلاق دے دی۔ ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تیسرا ابن کثیر)

۴۔ جب عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتہ داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل سورہ نور کی آیت: ۳۱ ﴿وَالَّذِينَ فِي ذُرِّيَّتِهِمْ عِلْمٌ﴾ میں بھی گزر چکی ہے، اسے ملاحظہ فرمایا جائے۔

۵۔ اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ①

۵۶۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی (ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔^(۱)

مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے، وہ یقیناً تمہیں حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔

۱۔ اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ و منزلت کا بیان ہے جو ملاً اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی ثنا و تعریف کرتا اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں تاکہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (یعنی التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ پڑھتے ہیں) ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ ﷺ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الاحزاب) علاوہ ازیں احادیث میں درود کے اور بھی صیغے آتے ہیں، جو پڑھے جاسکتے ہیں۔ نیز مختصراً صلی اللہ علی رسول اللہ وسلم بھی پڑھا جاسکتا ہے تاہم الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! پڑھنا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں نبی ﷺ سے خطاب ہے اور یہ صیغہ نبی کریم سے عام درود کے وقت منقول نہیں ہے اور التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ چونکہ آپ ﷺ سے منقول ہے اس وجہ سے اس وقت میں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں مزید برآں اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ ﷺ اسے براہ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدہ فاسدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے، جو ثواب نہیں، گناہ ہے۔ احادیث میں درود کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ جمہور علماء اسے سنت سمجھتے ہیں اور امام شافعی اور بہت سے علماء واجب۔ اور احادیث سے اس کے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آخری تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے، پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنے کی وہی حیثیت ہے۔ اس لیے نماز کے دونوں تشہد میں درود پڑھنا ضروری ہے۔

اس کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہے۔

ایک دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر سلام کس طرح پڑھنا ہے، یہ تو ہم نے جان لیا (کہ ہم تشہد میں السَّلَامُ عَلَيْكَ پڑھتے ہیں) لیکن جب ہم نماز میں ہوں تو آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی کی تلقین فرمائی (الفتح الربانی، ج ۴، ص ۲۱۰-۲۱۱) مسند احمد کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، سنن کبریٰ بیہقی، مستدرک حاکم اور ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ اس میں صراحت ہے جس طرح سلام نماز میں پڑھا جاتا ہے یعنی تشہد میں، اسی طرح یہ سوال بھی نماز کے اندر درود

لَإِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝

۵۷۔ یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے
ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان
کے لیے نہایت رسوا کن عذاب ہے۔^(۱)

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا
وَمُتَابَعَةً أَحْمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۝

۵۸۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں
کو ایذا دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد
ہوا ہو، وہ (بڑے ہی) بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ

پڑھنے سے متعلق تھا، نبی ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہیے، اور اس کا مقام تشہد ہے۔ اور حدیث میں یہ عام ہے، اسے پہلے یا دوسرے تشہد کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ (پہلے اور دوسرے) دونوں تشہد میں سلام اور درود پڑھا جائے۔ اور جن روایات میں تشہد اول کا بغیر درود کے ذکر ہے، انہیں سورۃ احزاب کی آیت صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن اس آیت کے نزول یعنی ۵ ہجری کے بعد جب نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر درود کے الفاظ بھی بیان فرمادیے تو اب نماز میں سلام کے ساتھ صلوٰۃ (درود شریف) کا پڑھنا بھی ضروری ہو گیا، چاہے وہ پہلا تشہد ہو یا دوسرا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ (بعض دفعہ) رات کو ۹ رکعات ادا فرماتے، آٹھویں رکعت میں تشہد میں بیٹھتے تو اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر ﷺ پر درود پڑھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے تو اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے پھر سلام پھیر دیتے (السنن الکبریٰ، للبیہقی، ج: ۲، ص: ۷۴۰، طبع جدید سنن النسائي، مع التعليقات السلفية، کتاب قیام اللیل، ج: ۱، ص: ۲۰۲، مزید ملاحظہ ہو، صفة صلوٰۃ النبی ﷺ، للآلبانی، صفحہ: ۱۳۵) اس میں بالکل صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی رات کی نماز میں پہلے اور آخری دونوں تشہد میں درود پڑھا ہے۔ یہ اگرچہ نفلی نماز کا واقعہ ہے لیکن مذکورہ عمومی دلائل کی آپ ﷺ کے اس عمل سے تائید ہو جاتی ہے، اس لیے اسے صرف نفلی نماز تک محدود کر دینا صحیح نہیں ہوگا۔

۱۔ اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جسے وہ ناپسند فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے؟ جیسے مشرکین، یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کے رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الجاثیہ وسلم، کتاب الألفاظ من الأدب، باب النهی عن سب الدهر) یعنی یہ کہنا کہ زمانے نے یا فلک کج رفتار نے ایسا کر دیا، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ افعال اللہ کے ہیں، زمانے یا فلک کے نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچانا، آپ ﷺ کی تکذیب، آپ ﷺ کو شاعر، کذاب، ساحر وغیرہ کہنا ہے۔ علاوہ ازیں بعض احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص و اہانت کو بھی آپ ﷺ نے ایذا قرار دیا ہے۔ لعنت کا مطلب، اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

اٹھاتے ہیں۔^(۱)

۵۹۔ اے نبی! (ﷺ) اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں،^(۲) اس سے بہت جلد

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَكَافِيَكَ اللَّهُ

۱۔ یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر بہتان باندھنا، ان کی ناجائز تنقیص و توہین کرنا۔ جیسے روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں ”رافضی منکوس القلوب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔“

۲۔ جَلَابِيبُ، جَلْبَابُ کی جمع ہے، جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و بہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقعے کی جو مختلف صورتیں ہیں، عہد رسالت میں یہ برقعے عام نہیں تھے، پھر بعد میں معاشرت میں وہ سادگی نہیں رہی جو عہد رسالت اور صحابہ و تابعین کے دور میں تھی، عورتیں نہایت سادہ لباس پہنتی تھیں، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پردے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ تجل اور زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہو گئی، جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے برقعے عام ہو گئے۔ گو اس سے بعض دفعہ عورت کو، بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ دقت بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم جو عورت برقعے کے بجائے پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پردے کے حکم کو بجالاتی ہے، کیونکہ برقعہ ایسی لازمی شے نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لیے لازمی قرار دیا ہو۔ لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ پہلے وہ برقعے کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں۔ پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقعے کا استعمال ہی صحیح ہے کیوں کہ جب سے برقعے کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہو گئی ہے بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ بہر حال اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ باور کراتے ہیں، یا اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کی ایک بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

عَفُوًّا رَحِيمًا ۝

لَئِنْ كَذَبْتَهُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ
بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَادِرُونَكَ فِيهِمْ إِلَّا أَقَلِيلًا ۝

مُتَعَوِّذِينَ ۝ أَيْ مَا تَقْفُوا أَحَدًا وَأَوْفُوا لِقَوْلِ الْقَبِيلَةِ ۝

سُئِلَ اللَّهُ فِي الَّذِينَ حَكَمُوا مِنْ قَبْلُ
وَلَنْ يَحْدِلَ السَّاعَةُ اللَّهُ تَبْدِيلًا ۝

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
اللَّهِ وَمَا يُذِيرُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۝

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۝

خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ لَا يُعْجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا يُصِيرُوا ۝

ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی،^(۱)
اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

۶۰۔ اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں
بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے
والے ہیں^(۲) باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان (کی تباہی) پر
مسلط کر دیں گے پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس
(شہر) میں رہ سکیں گے۔

۶۱۔ ان پر پھنکار برسائی گئی، جہاں بھی مل جائیں پکڑے
جائیں اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔^(۳)

۶۲۔ ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا۔
اور تو اللہ کے دستور میں ہرگز رد و بدل نہ پائے گا۔

۶۳۔ لوگ آپ سے قیمت کے بارے میں سوال کرتے
ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، اور
آپ کو کیا خبر بہت ممکن ہے قیمت بالکل ہی قریب ہو۔
۶۴۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور
ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

۶۵۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہ کوئی حامی
و مددگار نہ پائیں گے۔

۱۔ یہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا بیان ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور باحیاء عورت اور بے شرم اور
بدکار عورت کے درمیان پہچان ہوگی۔ پردے سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھپڑ چھاڑ کی جرأت کسی
کو نہیں ہوگی، اس کے برعکس بے پردہ عورت ادبائشوں کی نگاہوں کا مرکز اور ان کی بولہوسی کا نشانہ بنے گی۔

۲۔ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے منافقین افواہیں اڑاتے رہتے تھے کہ مسلمان فلاں علاقے میں مغلوب
ہو گئے، یا دشمن کا لشکر جرار حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ یہ حکم نہیں ہے کہ ان کو پکڑ کر مار ڈالا جائے، بلکہ بددعا ہے کہ اگر وہ اپنے نفاق اور ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو
ان کا نہایت عبرت ناک حشر ہوگا بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم ہے۔ لیکن یہ منافقین نزول آیت کے بعد اپنی حرکتوں سے باز
آگئے تھے، اس لیے ان کے خلاف یہ کاروائی نہیں کی گئی جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا تھا۔ (فتح القدیر)

يَوْمَ تُقْلَبُ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ لَيْسَتْ بِنَا
أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿٥﴾

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا
السَّبِيلَ ﴿٦﴾

رَبَّنَا إِنَّهُمْ ضَعُفٌ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَمِ لَعْنَا
كَيْدًا ﴿٧﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا
مُوسَىٰ قَبْرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَائِلِينَ ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ
وَجِيهًا ﴿٨﴾

۶۶. اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے
جائیں گے۔ (حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم
اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرتے۔

۶۷. اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے
سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست
سے بھٹکا دیا۔^(۱)

۶۸. پروردگار تو انہیں دو گنا عذاب دے اور ان پر بہت
بڑی لعنت نازل فرما۔

۶۹. اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں
نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تکلیف دی پس جو بات انہوں نے
کہی تھی اللہ نے انہیں اس سے بری فرمادیا،^(۲) اور وہ اللہ

۱. یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیان دین کے بجائے اپنے ان بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی، لیکن آج ہمیں معلوم
ہوا کہ انہوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکائے رکھا۔ آباء پرستی اور تقلید فرنگ آج بھی
لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔ کاش مسلمان آیات الہی پر غور کر کے ان پگڈنڈیوں سے نکلیں اور قرآن و حدیث کی صراط
مستقیم کو اختیار کر لیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی پیروی میں ہی ہے۔ نہ کہ مشائخ و اکابر کی تقلید میں یا
آباء و اجداد کے فرسودہ طریقوں کے اختیار کرنے میں۔

۲. اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نہایت باحیاء تھے، چنانچہ اپنا جسم انہوں نے کبھی
لوگوں کے سامنے نہیں کھولا۔ بنو اسرائیل کہنے لگے کہ شاید موسیٰ (علیہ السلام) کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی اس قسم کی
آفت ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تنہائی میں غسل کرنے
لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے۔ پتھر (اللہ کے حکم سے) کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام)
اس کے پیچھے پیچھے دوڑے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے، انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بے لباس
دیکھا تو ان کے سارے شہادت دور ہو گئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نہایت حسین و جمیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب سے پاک تھے۔
یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پتھر کے ذریعے سے ان کی اس الزام اور شبہ سے براءت کر دی جو بنی اسرائیل
کی طرف سے ان پر کیا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا
ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا مت پہنچاؤ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات ایسی
بات مت کرو جسے سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسے ایک موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں ایک
شخص نے کہا کہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک یہ الفاظ پہنچے تو غضب ناک ہوئے

کے نزدیک باعزت تھے۔

۷۰۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔^(۱)

۷۱۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرمادے،^(۲) اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پائی۔

۷۲۔ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اسے اٹھالیا،^(۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَتُؤْتُوا قَوْلَ سَيِّدِكُمْ

يُضِلِّكُمْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

حتیٰ کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا ”موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، انہیں اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی، لیکن انہوں نے صبر کیا“۔ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبہم علی الإسلام۔)

۱۔ یعنی ایسی بات جس میں کجی اور اخلاف ہو، نہ دھوکہ اور فریب۔ بلکہ سچ اور حق ہو۔ سَدِيدٌ، تَسْدِيدٌ السَّهْمِ سے ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اسی طرح تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمہارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر اخلاف نہ ہو۔

۲۔ یہ تقویٰ اور قولِ سدید کا نتیجہ ہے کہ تمہارے عملوں کی اصلاح ہوگی اور مزید توفیقِ مرضیات سے نوازے جاؤ گے اور کچھ کمی کو تابی رہ جائے گی، تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اطاعت کا اجر و ثواب اور اہل معصیت کا وبال اور عذاب بیان کر دیا تو اب شرعی احکام اور اس کی صعوبت کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہوگا۔ جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے۔ لیکن جب انسان پر یہ چیز پیش کی گئی تو وہ اطاعتِ الہی (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بارگراں کو اٹھانے پر آمادہ ہو گیا۔ احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرمادیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے، جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اور آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا؟ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا؟ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا ہے، گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ انکار انہوں نے سرکشی و بغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ

بے شک وہ بڑا ہی ظالم و جاہل ہے۔^(۱)

۷۳۔ (یہ اس لیے) کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ
وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اس میں یہ خوف کارفرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکتے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی۔ انسان چونکہ جلد باز ہے، اس نے عقوبت و تعزیر کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔

۱۔ یعنی یہ بارگراں اٹھا کر اس نے اپنے نفس پر ظلم کا ارتکاب اور اس کے مقتضیات سے اعراض یا اس کی قدر و قیمت سے غفلت کر کے جہالت کا مظاہرہ کیا۔

۲۔ اس کا تعلق حَمَلَهَا سے ہے یعنی انسان کو اس امانت کا ذمہ دار بنانے سے مقصد یہ ہے کہ اہل نفاق و اہل شرک کا نفاق و شرک اور اہل ایمان کا ایمان ظاہر ہو جائے اور پھر اس کے مطابق انہیں جزاء و سزا دی جائے۔

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ

سورہ سبکی ہے اور اس میں چوں آیتیں
اور چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس کی
ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں
ہے ^(۱) آخرت میں بھی تعریف اسی کے لیے ہے، ^(۲) اور
وہ (بڑی) حکمتوں والا اور (پورا) خبردار ہے۔

۲. جو زمین میں جائے ^(۳) اور جو اس سے نکلے، جو آسمان
سے اترے ^(۴) اور جو چڑھ کر اس میں جائے ^(۵) وہ سب
سے باخبر ہے۔ اور وہ مہربان نہایت بخشش والا ہے۔

۳. اور کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئیگی۔ آپ
کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے
کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی ^(۶) اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ
وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَكِيمُ ۝

يَعْلَمُ مَا يَكْبُحُونَ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْفُونَ مِنْهَا
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا
وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَى
وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عِلْمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ
ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ

۱. یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ اس میں نافذ ہوتا ہے۔ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے،
وہ اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کا احسان ہے، اسی لیے آسمان و زمین کی ہر چیز کی تعریف دراصل ان نعمتوں پر اللہ ہی
کی حمد و تعریف ہے جن سے اس نے اپنی مخلوق کو نوازا ہے۔

۲. یہ تعریف قیامت کے دن اہل ایمان کریں گے مثلاً ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ﴾ (الزمر: ۷۳)، ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي هَدانا لهذا﴾ (الأعراف: ۴۳)، ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ﴾ (فاطر: ۳۴) وغیرہا من الآيات تاہم دنیا میں
اللہ کی حمد و تعریف، عبادت ہے جس کا مکلف انسان کو بنایا گیا ہے اور آخرت میں یہ اہل ایمان کی روحانی خوراک ہوگی،
جس سے انہیں لذت و فرحت محسوس ہوا کرے گی۔ (فتح القدیر)

۳. مثلاً بارش، خزانہ اور دقینہ وغیرہ۔

۴. بارش، اولے، گرج، بجلی اور برکات الہی وغیرہ، نیز فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا نزول۔

۵. یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال۔

۶. قسم بھی کھائی اور صیغہ بھی تاکید کا اور اس پر مزید لام تاکید یعنی قیامت کیوں نہیں آئے گی؟ وہ تو بہر صورت یقیناً
آئے گی۔

ذٰلِكَ وَاَكْبَرُ اَلَا فِي كَيْدٍ مُّبِينٍ ۝

کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں^(۱) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔^(۲)

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۙ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

۴. تاکہ وہ ایمان والوں اور نیکوکاروں کو بھلا بدلہ عطا فرمائے،^(۳) یہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا عَلٰى الْاٰيٰتِ مُعْجِزِينَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رَّجْزٍ اَلِيمٌ ۝

۵. اور ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی جنہوں نے کوشش کی ہے^(۴) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔

وَيَرٰى الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْعِلْمَ الَّذِيْ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

۶. اور جنہیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسر) حق ہے^(۵) اور خوبیوں والے غالب اللہ کی راہ

۱. لَا يَعْزُبُ، غائب اور پوشیدہ اور دور نہیں، یعنی جب آسمان وزمین کا کوئی ذرہ اس سے غائب اور پوشیدہ نہیں، تو پھر تمہارے اجزائے منتشرہ کو، جو مٹی میں مل گئے ہوں گے، جمع کر کے دوبارہ تمہیں زندہ کر دینا کیوں ناممکن ہوگا؟

۲. یعنی وہ لوح محفوظ میں موجود اور درج ہے۔

۳. یہ وقوع قیامت کی علت ہے یعنی قیامت اس لیے برپا ہوگی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے دوبارہ زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزاء عطا فرمائے، کیونکہ جزاء کے لیے ہی اس نے یہ دن رکھا ہے۔ اگر یہ یوم جزاء نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بات عدل وانصاف کے قطعاً منافی اور بندوں بالخصوص نیکوں پر ظلم ہوگا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ.

۴. یعنی ہماری ان آیتوں کے بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ مُعْجِزِينَ، یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان کی گرفت سے عاجز ہوں گے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کسی کے سامنے اپنے کیے دھرے کی جواب دہی کریں گے؟ ان کا یہ سمجھنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مواخذہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہوگا، اس لیے قیامت کا خوف ہمیں کیوں ہو؟

۵. یہاں رویت سے مراد رویت قلبی یعنی علم یقینی ہے، محض رویت بصری (آنکھ کا دیکھنا) نہیں۔ اہل علم سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا مومنین اہل کتاب یا تمام ہی مومنین ہیں یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

کی رہبری کرتا ہے۔^(۱)

۷۔ اور کافروں نے کہا^(۲) (آؤ) ہم تمہیں ایک ایسا شخص بتائیں^(۳) جو تمہیں یہ خبر پہنچا رہا ہے^(۴) کہ جب تم بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی پیدائش میں آؤ گے۔^(۵)

۸۔ (ہم نہیں کہہ سکتے) کہ خود اس نے (ہی) اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے دیوانگی ہے^(۱) بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔^(۲)

۹۔ پس کیا وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھ نہیں رہے ہیں؟^(۳) اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُبَيِّنُ لَكُمْ إِذَا مِرْقَتُمْ كُلَّ مِرْقَةٍ ۖ لَكُمْ فِيهِ حَلْقٌ جَدِيدٌ ۝

أَفَتَدْرِي عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ حِفَّةٌ يُبَلِّغُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلِيلِ الْبُعِيدِ ۝

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ تَشَاقُفَ بِهِمُ الدُّرُصُ

۱۔ یہ عطف ہے حق پر، یعنی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب ہے اور اپنی مخلوق میں محمود (قابل تعریف) ہے۔ اور وہ راستہ کیا ہے؟ توحید کا راستہ جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

۲۔ یہ اہل ایمان کے مقابلے میں منکرین آخرت کا قول ہے جو آپس میں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

۳۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو ان کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے تھے۔

۴۔ یعنی عجیب و غریب خبر، ناقابل فہم خبر۔

۵۔ یعنی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تمہارا ظاہری وجود ناپید ہو جائے گا، تمہیں قبروں سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دوبارہ وہی شکل و صورت تمہیں عطا کر دی جائے گی جس میں تم پہلے تھے۔ یہ گفتگو انہوں نے آپس میں استہزاء اور مذاق کے طور پر کی۔

۶۔ یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے، کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی و رسالت کا دعویٰ، یہ اس کا اللہ پر افتراء ہے۔ یا پھر اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے جو غیر معقول ہیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بات اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل و فہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں، جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غلیت درجہ دور ہے۔

۸۔ یعنی اس پر غور نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آخرت کا یہ انکار، آسمان و زمین

یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں،^(۱) یقیناً اس میں پوری دلیل ہے ہر اس بندے کے لیے جو (دل سے) متوجہ ہو۔

۱۰. اور ہم نے داود (علیہ السلام) پر اپنا فضل کیا،^(۲) اے پہاڑو! اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی^(۳) (یہی حکم ہے) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا۔^(۴)
۱۱. کہ تو پوری پوری زر ہیں بنا^(۵) اور جوڑوں میں اندازہ رکھ^(۶)

أَوْتَقِطْ عَلَيْهِمْ كَيْفَ مَنَّ السَّامَاءُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يٰ جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَالْكَاتِلَةُ الْحَبِيدَ ۝

إِنِ اعْمَلْ سَبْعَتِ وَقَدَّرَ فِي السَّيِّئِ مَا عَمِلُوا

کی پیدائش میں غور و فکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو ذات آسمان جیسی چیز، جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز، جس کا طول و عرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ہی پیدا کردہ چیز کا دوبارہ پیدا کر دینا اور اسے دوبارہ اسی حالت میں لے آنا، جس میں وہ پہلے تھی، کیوں کر ناممکن ہے؟

۱. یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسری، کفار کے لیے تنبیہ و تہدید، کہ جو اللہ آسمان و زمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا کر بھی، جس طرح قارون کو دھنسا یا آسمان کے ٹکڑے گرا کر، جس طرح اصحاب الایکہ کو ہلاک کیا گیا۔

۲. یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔

۳. ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو جاتے، اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے اُوَّیْبِی کے معنی ہیں تسبیح دہراؤ۔ یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے کہا، چنانچہ یہ بھی داود (علیہ السلام) کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے وَالطَّيْرَ کا عطف یا جِبَالُ کے محل پر ہے۔ اس لیے کہ جِبَالُ تقدیراً منصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے نَادَيْنَا الْجِبَالَ وَالطَّيْرَ (ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا) یا پھر اس کا عطف فَضْلًا پر ہے اور معنی ہوں گے وَسَخَّرْنَا لَهُ الطَّيْرَ (اور ہم نے پرندے ان کے تابع کر دیے)۔ (فتح القدیر)

۴. یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر، اسے موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح، جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنا لیتے۔

۵. سَبَّاحَاتِ مخدوف موصوف کی صفت ہے دُرُوعًا سَابِغَاتِ یعنی پوری لمبی زر ہیں، جو لڑنے والے کے پورے جسم کو صحیح طریقے سے ڈھانک لیں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔

۶. تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں، یا سخت یا نرم نہ ہوں یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کیل اتنے باریک نہ ہوں کہ جوڑ حرکت کرتے رہیں اور ان میں قرار و ثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑ ہی ڈالیں یا جس سے حلقہ

صَالِحَاتٍ لِّيَ إِذَا تَعَلَّوْنَ بَصِيرَةٌ ۝

تم سب نیک کام کیا کرو۔^(۱) (یقین مانو) کہ میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں۔

وَلَسْلَيْمَنَ الرِّيحَ عَذُّهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ ۝
وَأَسْلَنَّا لَهُ عَيْنَ الْفُطْرِ وَمِنَ الْجَنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ
يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَنْزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذْأَلْهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

۱۲. اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی^(۲) اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔^(۳) اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سر تابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔^(۴)

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ وَتَدَائِيلَ وَجِفَانٍ
كَالْجُؤَابِ وَفُؤُورٍ لَّيْسَتْ أَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ۝
وَقِيلَ لِمَنْ عِبَادِي الشُّكْرُ ۝

۱۳. جو کچھ سلیمان (علیہ السلام) چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور محبستے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جی ہوئی مضبوط دیگیں،^(۵) اے آل داود (علیہ السلام) اس

تنگ ہو جائے اور اسے پہنا نہ جاسکے۔ یہ زرہ بانی کی صنعت کے بارے میں حضرت داود (علیہ السلام) کو ہدایات دی گئیں۔
۱. یعنی ان نعمتوں کے بدلے میں عمل صالح کا اہتمام کرو تاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اسے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور نافرمانی سے بچا جائے۔

۲. یعنی حضرت سلیمان (علیہ السلام) مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے، اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوائیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت، صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک، ایک مہینے جتنی مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔
۳. یعنی جس طرح حضرت داود (علیہ السلام) کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لیے تانبے کا چشمہ ہم نے جاری کر دیا تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں بنائیں۔

۴. اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت کے دن دی جائے گی۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ دنیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمادیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سونٹا ہوتا تھا۔ جو جن حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے حکم سے سر تابی کرتا، فرشتہ وہ سونٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔ (فتح القدیر)

۵. مَحَارِبٌ، مِحْرَابٌ کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد و معابد

کے شکریے میں نیک عمل کرو، میرے بندوں میں سے
شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔

۱۴۔ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان
کی خبر جنت کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیرے
کے جو ان کی عصا کو کھا رہا تھا۔ پس جب (سلیمان علیہ السلام)
گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب
دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔^(۱)

۱۵۔ قوم سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرت الہی کی)
نشانی تھی^(۲) ان کے دائیں بائیں دو باغ تھے^(۳) (ہم نے

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ
إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ
الْجِنَّ أَنَّ لَوْكَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا كُنْتُمْ فِي
الْعَذَابِ الْمُبِينِ ۝

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِهُمْ آيَةٌ جَنَّتِ عَنْ يَمِينٍ
وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ

تَمَائِيل، تِمْنَال کی جمع ہے، تصویر۔ یہ تصویریں غیر حیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء و صلحاء کی
تصاویر مسجدوں میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انہیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب
تسلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی۔ جو صحیح نہیں۔ تاہم اسلام میں تو
نہایت سختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ جَفَان، جَفَنَّة کی جمع ہے، لگن، جَوَاب، جَابِيَّة کی جمع ہے، حوض، جس میں
پانی جمع کیا جاتا ہے۔ یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لگن، قُدُور و دِگیں، رَاسِبَات بھی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دِگیں
پہاڑوں کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ جنہیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جاسکتا تھا، اس میں بیک وقت
ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنت کرتے تھے۔

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنت کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ
نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کے فساد کو واضح کر دیا۔

۲۔ سَبَا، وہی قوم تھی، جس کی ملکہ سبا مشہور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے
نام پر ملک کا نام بھی سبّا تھا، آج کل یمن کے نام سے یہ علاقہ معروف ہے۔ یہ بڑا خوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری
تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا
باعث ہوتی ہیں۔ اسی مال و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ کہتے ہیں کہ شہر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشموں اور نالوں کا پانی بہہ بہہ کر شہر میں آتا تھا، ان کے
حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے تعمیر کر دیے اور ان کے ساتھ باغات لگا دیے گئے، جس سے پانی کا رخ بھی متعین
ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آ گیا۔ انہی باغات کو، دائیں بائیں دو باغوں، سے تعبیر کیا گیا ہے۔
بعض کہتے ہیں، جَنَّتین سے دو باغ نہیں، بلکہ دائیں بائیں کی دو جہتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر
نظر اٹھا کر دیکھیں، باغات، ہریالی اور شادابی ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدیر)

بَلَدَةً طَيِّبَةً ۚ وَرَبِّ عَفْوَۃٍ ۝

ان کو حکم دیا تھا کہ) اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ^(۱)
اور اس کا شکر ادا کرو،^(۲) یہ عمدہ شہر^(۳) اور وہ بخشنے والا
رب ہے۔^(۴)

۱۶. لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور
کا سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے (ہرے بھرے)
باغوں کے بدلے دو (ایسے) باغ دیے جو بدمزہ میوؤں
والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں
والے تھے۔^(۵)

فَاَعْرِضُوْا فَاٰرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ اُكْحُلٍ خَطَاطٍ وَّاشِلٍ وَّشَيْ
مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝

۱۷. ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ انہیں دیا۔ اور ہم
(ایسی) سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں۔

ذٰلِكَ جَزَآئُهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَاُوْهَلُ عُجْرٍۭۙ اِلَّا الْكُفُوْۗرُ ۝

۱۸. اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن
میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد)
رکھی تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں،^(۶) اور ان میں چلنے کی

وَسَّعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقَرٰى الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا اَنْهٰى
ظَاهِرًا وَّكَفَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سَيَّرُوْا فِيْهَا لِبَالًا
وَاَيَّامًا اَمِيْنِيْنَ ۝

۱. یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کہلوا یا گیا یا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے، جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

۲. یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اسکی نافرمانی سے اجتناب۔

۳. یعنی باغوں کی کثرت اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شہر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے یہ
شہر مکھی، مچھر اور اس قسم کے دیگر موذی جانوروں سے بھی پاک تھا، واللہ اعلم۔

۴. یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان توبہ
کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سب انعام کا سبب نہیں بنتے، بلکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔

۵. یعنی انہوں نے پہاڑوں کے درمیان پستے اور بند تعمیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و باغبانی کے کام
میں لاتے تھے، ہم نے تند و تیز سیلاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پشتوں کو توڑ ڈالا اور شاداب اور پھل دار باغوں کو ایسے
باغوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھکاڑ ہوتے ہیں، جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی میں لگتا بھی
ہے تو سخت کمزور، کسیدا اور بدمزہ جنہیں کوئی کھا ہی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کالٹے زیادہ اور
بیر کم تھے۔ عَرِمٌ، عَرِمَةٌ کی جمع ہے، پشت یا بند۔ یعنی ایسا زور کا پانی بھیجا جس نے اس بند میں شگاف ڈال دیا اور پانی شہر میں
بھی آ گیا، جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور باغوں کو بھی اجاڑ کر ویران کر دیا۔ یہ بند سد مارب کے نام سے مشہور ہے۔

۶. برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ یعنی ہم نے ملک سبا (يمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں

منزلیں مقرر کر دی تھیں^(۱) ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن وامان چلتے پھرتے رہو۔^(۲)

۱۹. لیکن انہوں نے پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر دور دراز کر دے^(۳) چونکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا برا کیا اس لیے ہم نے انہیں (گزشتہ) فسانوں کی صورت میں کر دیا^(۴) اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے،^(۵) بلاشبہ ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے اس (ماجریے) میں بہت سی عبرتیں ہیں۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مِرْقٍ إِنَّ فِي
ذَلِكَ لَا آيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾

آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظاہرۃً کے معنی مَتَوَاصِلَةً، ایک دوسرے سے پیوست اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین نے ان بتیوں کی تعداد ۴ ہزار سات سو بتلائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی، جس کی وجہ سے ایک تو ان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زاد راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرا، ویرانی کی وجہ سے لوٹ مار اور قتل و غارت کا جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔

۱. یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا، اور اس کے حساب سے وہ بآسانی اپنا سفر طے کر لیتے تھے۔ مثلاً صبح سفر کا آغاز کرتے تو دوپہر تک کسی آبادی اور قریے تک پہنچ جاتے، وہاں کھاپی کر قبیلہ کرتے اور پھر سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا بیٹھتے۔

۲. یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زاد راہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ رات اور دن کی جس گھڑی میں تم سفر کرنا چاہو، کرو، نہ جان و مال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سامان سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔

۳. یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنسان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں سخت برف ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لیے ہمیں زاد راہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل نے من و سلوئی اور دیگر سہولتوں کے مقابلے میں دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ یا زبان حال سے ان کی یہ دعا تھی۔

۴. یعنی انہیں اس طرح ٹاپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زد خلاق ہو گیا۔ اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا۔

۵. یعنی انہیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سامیں آباد مشہور قبیلہ مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی یثرب و مکہ آ گیا، کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ
إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۰﴾

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لَنَعْلَمَ مَنْ
يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ
وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۱﴾

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي
الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ
مِنْهُمْ مِنْ ظَلِمٍ ﴿۵۲﴾

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى
إِذَا فُزِّعَ عَنْ ثُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ

۲۰۔ اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا کر
دکھایا یہ لوگ سب کے سب اس کے تابعدار بن گئے
سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔

۲۱۔ اور شیطان کا ان پر کوئی زور (اور دباؤ) نہ تھا مگر
اس لیے کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں
ظاہر کر دیں ان لوگوں میں سے جو اس سے شک میں
ہیں۔ اور آپ کا رب (ہر) چیز پر نگہبان ہے۔

۲۲۔ کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان
ہے (سب) کو پکارلو، (۱) نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں
اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے (۲) نہ ان
کا ان میں کوئی حصہ ہے (۳) نہ ان میں سے کوئی اللہ کا
مددگار ہے۔ (۴)

۲۳۔ اور شفاعت (سفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں
دیتی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔ (۵)

۱۔ یعنی معبود ہونے کا۔ یہاں زَعَمْتُمْ کے دو مفعول محذوف ہیں۔ زَعَمْتُمْهُمْ آلِهَةً، یعنی جن جن کو تم معبود گمان
کرتے ہو۔

۲۔ یعنی انہیں نہ خیر پر کوئی اختیار ہے نہ شر پر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے، نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان
وزمین کا ذکر عموم کے لیے، کیوں کہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی ظرف ہیں۔

۳۔ نہ پیدائش میں، نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

۴۔ جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلا شرکت غیر تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے تعاون
کے بغیر ہی سارے کام کرتا ہے۔

۵۔ ”جن کے لیے اجازت ہو جائے“ کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں۔ اس
لیے کہ کسی اور کی سفارش فائدے مند ہی ہوگی، نہ انہیں اجازت ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت یعنی
انبیاء علیہم السلام و ملائکہ اور صالحین صرف انہی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیوں کہ اللہ
کی طرف سے انہی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی۔ کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء
علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی سفارش اہل ایمان گناہ گاروں کے لیے

قَالُوا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ

تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا^(۱) اور وہ بلند وبالا اور بہت بڑا ہے۔

قُلْ مَنْ بَرَزَكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ لِيَائُكُمْ لَعَلْ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

۲۴. پوچھیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے؟ (خود) جواب دیجیے: کہ اللہ تعالیٰ (سنو) ہم یا تم یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔^(۲)

قُلْ لَسْتُ لَكُمْ عَمَّا أَجْمَعُونَ أَوْ لَسْتُ لَكُمْ عَمَّا لَعَلُّوْنَ ۝

۲۵. کہہ دیجیے: کہ ہمارے کیے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی۔

قُلْ يَجْعَلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُم مِّمَّا يَفْتَعِلُونَ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۝

۲۶. انہیں خبر دے دیجیے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سے فیصلے کر دے گا۔^(۳) اور وہ فیصلے چکانے والا اور دانا ہے۔

قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ ادَّعَىٰ الْحَقُّ بِهِمْ شُرَكَاءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

۲۷. کہہ دیجیے: کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھا دو جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو، ایسا ہرگز

ہی کر سکیں گے، کافر و مشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرمادی ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵) اور ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ (الانبیاء: ۲۸)

۱. اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وحی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے بہت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش بردار فرشتے دوسرے فرشتوں کو، اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خبر پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) فَتَرَعُ میں سلب نأخذ ہے۔ یعنی جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔

۲. ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہوگا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان وزمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، نہ وہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ کچھ اگا سکتے ہیں۔ اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں، نہ کہ دونوں۔

۳. یعنی اس کے مطابق جزاء دے گا، نیکیوں کو جنت میں اور بروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

نہیں، ^(۱) بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت۔

۲۸. اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔ ^(۲)

۲۹. اور پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہو تو بتادو۔ ^(۳)

۳۰. جواب دیجیے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔ ^(۴)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا
وَالَّذِينَ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنَّا كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾
قُلْ لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْجِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً
وَلَا تَسْتَعْتِفُونَ ﴿۳۰﴾

۱. یعنی اس کا کوئی نظیر ہے نہ ہم سر، بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔

۲. اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کریم ﷺ کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو پوری نسل انسانی کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا، یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ ﷺ کی خواہش اور کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت اور بھی دوسرے مقامات پر فرمائی ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا، ﴿قُلْ يَٰكُفَّہُ النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الأعراف: ۱۵۸) ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدٍ لِّیَكُوْنُ لِّلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (الفرقان: ۱) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) مبینہ کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔ (۲) تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آجائے، میری امت وہاں نماز ادا کر لے۔ (۳) مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا، جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ (۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ (۵) پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب التیمم، صحیح مسلم، کتاب المساجد) ایک اور حدیث میں فرمایا بُعِثْتُ اِلٰی الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ (صحیح مسلم، کتاب المساجد) احمر واسود سے مراد بعض نے جن و انس اور بعض نے عرب و عجم لیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں، دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح اکثریت کی بے علمی اور گمراہی کی وضاحت فرمائی۔ ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) (آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے) ﴿وَأَن تَضِلَّ أَكْثَرُ مَنَ فِي الْأَرْضِ ضَلُّوْكَ عَن سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (الأنعام: ۱۱۶) (اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے) جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔

۳. یہ بطور استہزاء کے پوچھتے تھے، کیوں کہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔

۴. یعنی اللہ نے قیمت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آجائے گا تو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔ ﴿إِنِّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾ (نوح: ۴)

۳۱. اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ تو اس قرآن کو مانیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو^(۱) اے دیکھنے والے کاش! کہ تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے^(۲) کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے^(۳) اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔^(۴)

۳۲. یہ بڑے لوگ ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آچکنے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم (خود) ہی مجرم تھے۔^(۵)

۳۳. اور (اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ ان متکبروں سے کہیں گے، (نہیں نہیں) بلکہ دن رات مکر و فریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر کرنے کا تمہارا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ تُؤْمِنُونَ هَذَا الْقُرْآنُ وَلَا يَأْتِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَاُولَٰئِكَ تَرَىٰ اِذَا الظَّالِمُونَ اٰمُوْهُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ اِلَقَوْلِ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتَضَعُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكَبَرُوْا لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكَبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَضَعُوْا اَنْتُمْ صَدَدْتُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاءَكُمْ هَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتَضَعُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكَبَرُوْا اَبَلْ مَكَرًا اَكْبَلُ وَالْمَكَارِ اِذَا تَامَرُوْا فَمَا نَآءُ عَنْكُمْ يَا اَللّٰهُ وَنَجْعَلْ لَّهٗ اَنْتَ اَدَاوَاۡكُمْ وَاَلَا تَلْمِزُوْا اَوَّلًا الْعٰدَابَ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۢ عُنُقِ الَّذِيْنَ

۱. جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے بَیِّنَ یَدَیْہِ سے مراد دارِ آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تر دلائل کے باوجود قرآن کریم اور دارِ آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

۲. یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناطے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے، لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے۔

۳. یعنی دنیا میں یہ لوگ، جو سوچے سمجھے بغیر، روش عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن کے وہ دنیا میں پیروکار بنے رہے تھے۔

۴. یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیانِ حق کے پیچھے چلنے سے روک رکھا تھا، اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً ایمان والے ہوتے۔

۵. یعنی ہمارے پاس کوئی طاقت تھی کہ ہم تمہیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو؟ حالانکہ سب کچھ تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہو نہ کہ ہم۔

كُفَرُوا هَلْ يَنْجُزُونَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

ہوا،^(۱) اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے،^(۲) اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے^(۳) انہیں صرف ان کے کیے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔^(۴)

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۲﴾

۳۳۔ اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے خوش حال لوگوں نے ہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔^(۵)

وَقَالُوا خُذْ آلَكَرْمِ أَمْوَالِ الْأَوْلَادِ وَأَمْوَالَنَا نَبْغِدُ بِهَا ﴿۲۳﴾

۳۵۔ اور کہا ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم عذاب دیے جائیں۔^(۶)

۱۔ یعنی ہم مجرم تو تب ہوتے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات دن ہمیں گمراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے، جس سے بالآخر ہم تمہارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔

۲۔ یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن شتات اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔

۳۔ یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔

۴۔ یعنی دونوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی، لیڈروں کو ان کے مطابق، اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لِكُلِّ ضَعْفٍ وَلَكِنْ لَّا تَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: ۳۸) یعنی ہر ایک کو دوگنا عذاب ہو گا۔

۵۔ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کئے کے رؤساء اور چودھری آپ ﷺ پر ایمان نہیں لارہے ہیں اور آپ ﷺ کو ایذا نہیں پہنچا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے اکثر خوش حال لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی ہوتے تھے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا، ﴿أَتُؤْمِنُ بِكَ وَالْجَعَلُوكَ الرَّكَّةَ لَوْ﴾ (الشعراء: ۱۱۱) (کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جب کہ تیرے پیروکار کہیں لوگ ہیں)۔ ﴿وَمَا نَرْسُلُكَ بِكَلَامٍ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا هُمُ الرَّاكَّةُ لَوْ﴾ (ہود: ۲۷) دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے ہی کہا، ملاحظہ ہو۔ سورة الأنعام: ۵۳، ۱۳۳، سورة الأعراف: ۷۵، سورة بنی اسرائیل: ۱۶ وغیرہ۔ مُتْرَفُونَ کے معنی ہیں، اصحاب ثروت و ریاست۔

۶۔ یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے، تو قیامت بھی اگر برپا ہوگی تو ہمیں عذاب نہیں

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾

۳۶۔ کہہ دیجیے کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی
کشاہدہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے،^(۱) لیکن اکثر
لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّذِي نَقَرْنَا بِكُمْ
عِنْدَنَا زُلْفَىٰ ۖ الْأَمَنُ وَوَعْدُ صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ حَرْزُ الْصُّعْتِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ
فِي الْغُرُفِ الْمُؤْنِ ﴿۲﴾

۳۷۔ اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے
پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں^(۲) ہاں جو ایمان لائیں
اور نیک عمل کریں^(۳) ان کے لیے ان کے اعمال کا دوبرا
اجر ہے^(۴) اور وہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں
گے۔

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي الْيَتَامَىٰ مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ
فِي الْعَذَابِ مُخَصَّرُونَ ﴿۳﴾

۳۸۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلے کی تنگ و دو
میں لگے رہتے ہیں یہی ہیں جو عذاب میں پکڑ کر حاضر
رکھے جائیں گے۔

ہوگا۔ گویا انہوں نے دار آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافر و مومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی
ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا، حالانکہ آخرت تو دار الجزاء ہے، وہاں تو دنیا میں کیے گئے اعمال کی جزاء
ملتی ہے، اچھے اعمال کی جزاء اچھی اور برے اعمال کی بری۔ جب کہ دنیا دار الامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور
آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انہوں نے دنیاوی مال و اسباب کی فراوانی کو رضائے الہی
کا مظہر سمجھا، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو سب سے زیادہ مال
و اولاد سے نوازتا۔

۱۔ اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم
رضا کی مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے۔ اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس
کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے فقیر
رکھتا ہے۔

۲۔ یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمہیں خاص مقام حاصل ہے۔
۳۔ یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا (اللہ
تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب

تحريم ظلم المسلم)

۴۔ بلکہ کئی کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، ^(۱) تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا ^(۲) اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ ^(۳)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ ^(۴)

۱۔ پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن کس لیے؟ استدرج کے طور پر، اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، کس لیے؟ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے۔ اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضا کی، اور اس کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

۲۔ إِخْلَافٌ کے معنی ہیں، عوض اور بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَتَفِقُ أَنْفَقَ عَلَيْكَ (صحیح البخاری، سورۃ ہود) (تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا) (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے «اللَّهُمَّ اعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا» (یا اللہ نہ خرچ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے) دوسرا کہتا ہے، «اللَّهُمَّ اعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا» (اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما)۔ (صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب فَا مِمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى)

۳۔ کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق و تمیز اور اس کی تقدیر سے ہی ہے۔ حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح بچوں کا باپ بچوں کا، یا بادشاہ اپنے لشکر کا کفیل کہلاتا ہے حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس درحقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا۔ تاہم یہ اس کا مزید فضل و کرم ہے کہ اس کے دیے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

۴۔ یہ مشرکین کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا (کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو، اللہ کے سوا، معبود بنالینا؟) (المائدہ: ۱۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ”یا اللہ تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا، وہ بات میں کیوں کر کہہ سکتا تھا؟“ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا، جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت: ۱۷) میں بھی گزرا۔ کہ کیا یہ تمہارے کہنے پر تمہاری عبادت کرتے تھے؟

۴۱. وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ ^(۱) بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ^(۲) ان میں سے اکثر کا انہی پر ایمان تھا۔

۴۲. پس آج تم میں سے کوئی (بھی) کسی کے لیے (بھی) کسی قسم کے (نفع و نقصان کا مالک نہ ہوگا۔ ^(۳)) اور ہم ظالموں ^(۴) سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے۔

۴۳. اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے ^(۵) جو تمہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے (اس کے سوا کوئی بات نہیں)، اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے ^(۶) اور حق ان کے پاس آچکا پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ^(۷)

قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مَنْ دُونَهُمْ كَيْفَ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْإِنِّ أَنْ أَكْثَرَهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾

قَالِ يَوْمَ لَا يُغْنِيكَ عَنْكُمْ بَعْضُكُمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا اذْهَبُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ فِيهَا تَكْفُرُونَ ﴿۲﴾

وَإِذْ أَتَى عَلَىٰ آلِهِمْ إِلَهُآبَانِ بَيِّنَاتٍ قَالُوا لِمَ آهَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَبْذُوكُمْ عَمَّا كَانُ يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ وَقَالُوا لِمَ آهَذَا إِلَّا آفَاكٌ مُفْتَرَىٰ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا أَسْحَرُؤُنَّ يَبِينُ ﴿۳﴾

۱. یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہارِ براءت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق؟

۲. جن سے مراد شیاطین ہیں۔ یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے پجاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور انہیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنْ يَذَّكَّرُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنتَاهَا وَلَنْ يَذَّكَّرُونَ إِلَّا شَيْطَانًا فَرِيدًا﴾ (النساء: ۷۷)۔

۳. یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے، تمہاری سفارش کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تمہیں نجات دلوائیں گے۔ جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن، آج دیکھ لو کہ یہ لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔

۴. ظالموں سے مراد، غیر اللہ کے پجاری ہیں، کیونکہ شرک ظلمِ عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔

۵. شخص سے مراد، حضرت نبی کریم ﷺ ہیں۔ باپ دادا کا دین، ان کے نزدیک صحیح تھا، اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کا ”جرم“ یہ بیان کیا کہ یہ تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے آباء عبادت کرتے رہے۔

۶. اس دوسرے ہذا سے مراد قرآن کریم ہے، اسے انہوں نے تراشا ہوا بہتان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔

۷. قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کہا اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مفہوم و مطالب سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے معجزانہ نظم و اسلوب اور اعجاز و بلاغت سے۔ (فتح القدیر)

۴۴۔ اور ان (کہہ والوں) کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا۔^(۱)

۴۵۔ اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا اور انہیں ہم نے جو دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، (پھر دیکھ کہ) میرا عذاب کیا (سخت) تھا۔^(۲)

۴۶۔ کہہ دیجیے کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی، تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں،^(۳) وہ تو تمہیں ایک بڑے (سخت) عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔^(۴)

وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿٢٢﴾

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ مَا آتَيْنَاهُمْ فَلَا بَوَارِعَ لَهُمْ فَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٢٣﴾

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلَ خِيَالِكُمْ وَقَدْ أَدَّى نَسْخَ تِلْكَ الْأَمْثَالِ لَكُمْ مِنْ جَنَّةٍ أَنْ هُوَ الْإِنْدِيَّةُ بَيْنَ يَدَيَّ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٢٤﴾

۱۔ اس لیے وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفہ آسمانی نازل ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں آئیں تو انکار کر دیا۔

۲۔ یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم نے تکذیب و انکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم سے کچھلی امتیں بھی، اس راستے پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمروں کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورہٴ اخاف کی آیت: ۲۶ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

۳۔ یعنی میں تمہیں تمہارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ضد، اور اناہیت چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک ایک دو دو ہو کر میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گزری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے؟ تم اگر عصبيت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے۔

۴۔ یعنی وہ تو صرف تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمہیں جگمگاتا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا ”یا صباحا“ جسے

۴۷۔ کہہ دیجیے کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمہارے لیے ہے ^(۱) میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے ہے۔ اور وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے۔

۴۸۔ کہہ دیجیے کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے ^(۲) وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔

۴۹۔ کہہ دیجیے کہ حق آپ کا باطل نہ تو پہلے کچھ کر سکا ہے اور نہ کر سکے گا۔ ^(۳)

۵۰۔ کہہ دیجیے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بھینکنے (کا وبال) مجھ پر ہی ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بسبب اس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۰﴾

قُلْ إِنْ رَّبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَ الْغُيُوبِ ﴿۵۱﴾

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعْجِدُ ﴿۵۲﴾

قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَى نَفْسِي وَإِنْ

اهْتَدَيْتُ فِيمَا أُبْخِي إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿۵۳﴾

سن کر قریش جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا ”بلاؤ، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟“ انہوں نے کہا ”کیوں نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر سن لو کہ میں تمہیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں“ یہ سن کر ابو لہب نے کہا ”تَبَّ لَكَ! اَلْهَذَا جَمَعْنَنَا“ تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ ﴿كَذَّبْتَ يَدَاكَ الْيَمِينُ وَتَبَّ﴾ نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ سبّا) ۱۔ اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرمادیا تاکہ ان کے دلوں میں اگر یہ شک و شبہ پیدا ہو کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد کہیں دنیا کمانا تو نہیں، تو وہ دور ہو جائے۔

۲۔ قَذَفَ کے معنی، تیر اندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دوسرے معنی ہی ہیں یعنی وہ حق کے ساتھ گفتگو فرماتا، اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح فرماتا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿يُنْفِخُ الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (المؤمن: ۱۵) یعنی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔

۳۔ حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آگیا ہے، جس سے باطل مضل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا ﴿بَلْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الانبیاء: ۱۸) (بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے) حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ ﷺ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور یہ آیت اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ۸۱ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّى الْبَاطِلُ﴾ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب أين ركن النبي ﷺ الراية يوم الفتح)

کرتا ہے ^(۱) یقیناً وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے۔ ^(۲)

۵۱. اور اگر آپ (وہ وقت) ملاحظہ کریں جب کہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی ^(۳) اور قریب کی جگہ سے گرفتار کر لیے جائیں گے۔

۵۲. اور اس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے (مطلوبہ چیز) کیسے ہاتھ آسکتی ہے۔ ^(۴)

۵۳. اور اس سے پہلے تو انہوں نے اس سے کفر کیا تھا، اور دور دراز سے بن دیکھے ہی پھینکتے رہے۔ ^(۵)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فِرْعَوْنُ أَفْلَحَ وَاتَّخَذُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝

وَقَالَ الْاِمْتَاٰیہٗ وَاٰتٰی لَہُمُ التَّنَاوُسُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ۝

وَقَدْ کَفَرُوْا بِہٖ مِنْ قَبْلُ وَیَقِیْنُوْنَ بِالْعِیْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ۝

۱. یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے، اس میں رشد و ہدایت ہے، صحیح راستہ لوگوں کو اسی سے ملتا ہے۔ پس جو گمراہ ہوتا ہے، تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے، «أَقُولُ فِيْهَا بِرَأْيِيْ؛ فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ، وَإِنْ يَكُنْ خَطَاً فَمِنْنِيْ وَمِنْ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرِيْتَانِ مِنْهُ» (ابن کثیر) (میں اپنی رائے کے مطابق یہ کہہ رہا ہوں، اگر یہ صحیح ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں)۔

۲. جس طرح حدیث میں فرمایا «إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا مُّجِيبًا» (صحیح البخاری، کتاب الدعاء، باب الدعاء إذا علا عقیقہ) (تم بھری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب ہے، اور قبول کرنے والا ہے)۔

۳. فَلَا فَوْتَ کہیں بھاگ نہیں سکیں گے؟ کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

۴. تَنَاوُسُ کے معنی تادل یعنی پکڑنے کے ہیں یعنی اب آخرت میں انہیں ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے، دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے کسی چیز کو پکڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی گنجائش نہیں۔

۵. یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو، گھڑا

وَجِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ
مِنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۝

۵۴. اور ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ حائل
کر دیا گیا ^(۱) جیسے کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے
ساتھ کیا گیا، ^(۲) وہ بھی (انہی کی طرح) شک و تردد میں
(پڑے ہوئے) تھے۔ ^(۳)

ہوا جھوٹ اور بچھلوں کی کہانیاں ہیں یا محمد ﷺ کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے یا
مجنون ہے۔ جب کہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

۱. یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے، لیکن ان کے درمیان
اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کر دیا یعنی اس خواہش کو رد کر دیا جائے گا۔

۲. یعنی جھپٹی امتوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معاینہ کے بعد ایمان لائیں۔

۳. اس لیے اب معاینہ عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہو سکتا ہے؟ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ریب
و شک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہوگا، اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت کے دن یقین

پر ہی اٹھے گا۔“ (ابن کثیر)



سورۃ فاطر مکی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا^(۱) اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے،^(۲) مخلوق میں جو چاہے اضافہ کرتا ہے^(۳) اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

۲. اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں^(۴) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

۳. اے لوگو! تم پر جو انعام اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةَ رُسُلًا اَوْۤیْ اَجْنَحَةً مِّنۡۢ مَّتٰی وَتِلْكَ وَرِیْعٌ یَّرِیْدُنٰی فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱

مَا یَنْفَعُ اللّٰهَ النَّاسُ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یَضُرُّ اللّٰهَ النَّاسُ مِنْۢ بَعْدٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا۟ اَنْعَمَتَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

۱. فاطر کے معنی ہیں مخترع، پہلے پہل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان و زمین پہلے پہل بغیر نمونے کے بنائے، تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کونسا مشکل ہے؟

۲. مراد جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی طرف یا مختلف مہمات پر قاصد بنا کر بھیجتا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں، جن کے ذریعے سے وہ زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔

۳. یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا، میں نے معراج کی رات جبرائیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا، ان کے چہرہ سو پر تھے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة النجم، باب فکان قاب قوسین أو أدنی) بعض نے اس کو عام رکھا ہے، جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہر چیز کا حسن داخل ہے۔

۴. ان ہی نعمتوں میں سے ارسال و رسل اور انزال کتب بھی ہے۔ یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے، اور واپس لینے یا روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوا نہ کوئی معطی اور منعم ہے اور نہ مانع و قابض۔ جس طرح نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ «اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَاۤ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَاۤ مَنَعْتَ»۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَآلِي تَوْفُكُونَ ①

وَأَنْ يَكِيدَ بُولُغَهُ كَذِبَتِ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى
اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ②

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّكُمْ
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَتَلَبِّثُوا كُفْرَكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ③

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حَاجِزَ بَيْنَكُمْ
وَاللَّهُ وَابِعُ السَّبِيحِ ④

آسمان وزمین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبود
نہیں۔ پس تم کہاں الٹے جاتے ہو؟^(۱)

۴. اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام
رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اور تمام کام اللہ ہی کی
طرف لوٹائے جاتے ہیں۔^(۲)

۵. اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے^(۳) تمہیں دنیوی
زندگی دھوکے میں نہ ڈالے،^(۴) اور نہ دھوکے باز شیطان
تمہیں غفلت میں ڈالے۔^(۵)

۶. یاد رکھو شیطان تمہارا دشمن ہے، تم اسے دشمن جانو^(۶)
وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ وہ سب
جہنم واصل ہو جائیں۔

۱. یعنی اس بیان ووضاحت کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو؟ تَوْفُكُونَ اگر اَلْفَک سے ہو تو معنی ہوں گے پھرنا،
تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ اور اگر اِفْک سے ہو تو معنی ہیں جھوٹ، جو سچ سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے
اندر توحید اور آخرت کا انکار کہاں سے آگیا، جب کہ تم مانتے ہو کہ تمہارا خالق اور رازق اللہ ہے۔ (فتح القدیر)

۲. اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ ﷺ کو جھٹلا کر یہ کہاں جائیں گے؟ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی
کرنا ہے۔ جس طرح جھپٹلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملا؟ اس لیے یہ بھی اگر باز
نہ آئے، تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

۳. کہ قیمت برپا ہوگی اور نیک و بد کو ان کے اعمال کی جزاء و سزا دی جائے گی۔

۴. یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے لیے
تیار کر رکھی ہیں۔ پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نظر انداز نہ کرو۔

۵. یعنی اس کے داؤ اور فریب سے بچ کر رہو، اس لیے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے
میں مبتلا کر کے اور رکھ کے جنت سے محروم کرنا ہے۔ یہی الفاظ سورہ لقمان: ۳۳ میں بھی گزر چکے ہیں۔

۶. یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے انسان
کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ ﴿أَفَتَتَّخِذُونَ زِينَةً أُولَئِكَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
يَشْتَرِي لَظْلُمِينَ بَنَّا﴾ (الکہف: ۵۰) (کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ
تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔)

۷۔ جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے بخشش ہے اور (بہت) بڑا اجر ہے۔^(۱)

۸۔ کیا پس وہ شخص جس کے لیے اس کے برے اعمال مزین کر دیے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے^(۲) (کیا وہ ہدایت یافتہ شخص جیسا ہے)، (یقین مانو) کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے۔^(۳) پس آپ کو ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے،^(۴) یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔^(۵)

۹۔ اور اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

أَمَّا زَيْنٌ لَهُ سُوءُ عَقِلَةٍ فَرَاهُ حَسَنًا فَأَنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبْ فَنُصُكُ عَلَيْهِمْ خَسْرٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِيمَا يُصْنَعُونَ ۝

وَاللَّهُ الَّذِي أَسْكَلَ الرِّيحَ ذَنُوبًا فَسَبَّابًا فَسُقْنَاهُ إِلَى بَدْيِ مَمْنُونٍ فَاَحْيَيْنَاهُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَلِكَ النُّشُورُ ۝

۱۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ، عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں، کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہوگا۔

۲۔ جس طرح کفار و فاجر ہیں، وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ پس ایسا شخص جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے؟ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے؟ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی رو سے اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے کو اس کا مستحق ٹھہرا چکنا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔

۴۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر اور علم تام پر مبنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔

۵۔ یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خبیر اور ایک حکیم کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا الٹل ٹپ استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشنام پر ہی خلعتوں سے نواز دیتے ہیں۔

ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے۔^(۱)

۱۰۔ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے،^(۲) تمام تر سحرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں^(۳) اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے،^(۴) جو لوگ برائیوں کے داؤں گھات میں لگے رہتے ہیں^(۵) ان کے لیے سخت تر عذاب ہے، اور ان کا یہ مکر برباد ہو جائے گا۔^(۶)

مَنْ كَانَ يُرِيدَ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكُلُّ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ النَّيِّبَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُؤُا لِيَدٍ هُوَ يُبَوِّرُ

۱۔ یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مرده) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت کے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریڑھ کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی۔“ ﴿كُلُّ جَسَدٍ ابْنِ آدَمَ بَيْلَى، إِلَّا عَجَبَ الذَّنْبِ، مِنْهُ خَلِقُ، وَمِنْهُ يُرْكَبُ﴾ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ عم، مسلم، کتاب الفتن، باب مابین النفتختین)

۲۔ یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے، تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزتیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی عزیز ہوگا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَالَّذِينَ يَبْغُونِ الْكَفْرَ بَيْنَ أَوْلِيَاءِ كَرَمٍ دُونَ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَبْتَغُونَهُمْ الْوَدَّةَ فَإِنَّ الْوَدَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ (النساء: ۱۳۹)

۳۔ اَلْكَلِمُ، کَلِمَۃ کی جمع ہے، سحرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ چڑھتے ہیں کا مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا انہیں لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزاء دے۔

۴۔ يَرْفَعُهُ، میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کہتے اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ ہے۔ یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے۔ یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی بھی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں يَرْفَعُهُ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا کرنے والا فی الواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے (فتح اللہ) گویا قول، عمل کے بغیر، اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔

۵۔ خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو مکر کہتے ہیں کفر و شرک کا ارتکاب بھی مکر ہے کہ اس طرح اللہ کے راستہ کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی ﷺ کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار کہہ کرتے رہے، وہ بھی مکر ہے، ریا کاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

۶۔ یعنی ان کا مکر بھی برباد ہوگا اور اس کا وبال بھی انہی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا۔ ﴿وَلَا يَجْنِي الْمَكْرَ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ (فاطر: ۴۳) (اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے)۔

۱۱. اور لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے،^(۱) پھر تمہیں جوڑے جوڑے (مرد و عورت) بنادیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے،^(۲) اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے۔

۱۲. اور برابر نہیں دو دریا یہ بیٹھا ہے پیاس بجھاتا پینے میں خوشگوار اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا، تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے والی^(۴) ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ يُنْفَخُ ثُمَّ
جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا وَابْتَغَىٰ مِنْ اَنْثٰى وَلَا تَضَعُ
الْاَبْعِيْضُ وَاَبْعَمَرُ مِنْ مَّعْمَرٍ وَلَا يَنْفُسُ مِنْ عَمْرٍ
الَّذِيْ كُنْتُمْ اَنْذَرْتُمْ عَلَيْهِ يَوْمَ السَّيْرِ ۝

وَمَا يَسْتَوِي الْيَحْيٰى هَٰذَا اَعْدَبُ فَرَأَتْ سَالِمٌ
شَرَّاهُ وَهَٰذَا اَمْلَحُ اَجَابُ وَمِنْ كُلِّ تَاْكُلُوْنَ
لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حَلِيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى
الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَآخِرُ لَتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

۱. یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمہاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا، جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔

۲. یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، حتیٰ کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی تاریکیوں میں نشوونما پانے والے بیج کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الانعام: ۵۹)

۳. اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر و قضاء سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں جس سے عمر لمبی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلہ رحمی وغیرہ ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقصیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی عمر ۷۰ سال ہے لیکن کبھی اسباب زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرمادیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کردیتا ہے جب وہ اسباب نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی ﴿وَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ اَلَيْسَتْ اَسَاعَةٌ وَّلَا يَنْتَفِيْضُ مَوْنٌ﴾ (الاعراف: ۳۴) (جو جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے) کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے ﴿يَمْحُوْا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثَبِّتُ مَا يَّوْعَدُ ۚ وَالْاَمْرُ اِلَيْهِ﴾ (الرعد: ۳۹) (جو چاہتا ہے، مٹاتا اور مثبت کرتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے)۔ (فتح القدیر)

۴. مَوَآخِرُ، وہ کشتیاں جو آتے جاتے پانی کو پھیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دوسری چیزوں کی وضاحت سورۃ الفرقان میں گزر چکی ہے۔

۱۳. وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک معاد معین پر چل رہا ہے۔ یہی ہے اللہ ^(۱) تم سب کا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ ^(۲)

۱۴. اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ^(۳) اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے، ^(۴) بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ ^(۵) اور آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔ ^(۶)

۱۵. اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو ^(۷) اور اللہ بے نیاز ^(۸)

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْعَوْا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَبِعُوا مَا اسْتَجَابُوا إِلَيْكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُقَعِّدُونَ ۝
يَشْرِكُكُمْ وَلَا يَنْفَعُكُمْ بِشَيْءٍ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ

۱. یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔

۲. یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ قِطْمِيرٌ اس جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کی گٹھلی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پتلا سا چھلکا گٹھلی پر لفافے کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

۳. یعنی اگر تم انہیں مصائب میں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ وہ عبادات یا یمنوں مٹی کے نیچے مدفون۔
۴. یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ، اس لیے کہ وہ تمہاری التجاؤں کے مطابق تمہارا کام نہیں کر سکتے۔

۵. اور کہیں گے ﴿مَّا نَدْعُوهُ إِلَّا نَاغِبُونَ﴾ (یونس: ۲۸) (تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے) ﴿إِنْ كُنَّا لَعَنُ عِبَادَتَكُمْ لَغَلِبُنَا﴾ (یونس: ۲۹) (ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے)۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں عاقل (ملائکہ، جن شیاطین اور صالحین) بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔

۶. اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کنہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کو نہ سننا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔

۷. نَاسٌ کا لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام و صلحاء سب آجاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی محتاج ہیں۔ لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔

۸. وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

اِنْ يَشَاءْ يُدْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُمْتَلَكَةٌ
اِلٰى جِهْلِهَا لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا
قُرْبٰى اِلَّا سَمَاعُ ذِي الرَّايِئِنِ يَخَشَوْنَ رَبَّهٖمْ
يَالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَمِنْ تَرَكٰى
فَاَتَمَّ اَيُّ تَرَكٰى لِنَفْسِهٖ وَاِلٰى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

خوبیوں والا ہے۔^(۱)

۱۶. اگر وہ چاہے تو تم کو فناء کر دے اور ایک نئی مخلوق
پیدا کر دے۔^(۲)

۱۷. اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔

۱۸. اور کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ
نہیں اٹھائے گا،^(۳) اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا
بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ
بھی نہ اٹھائے گا گو قربت دار ہی ہو۔^(۴) تو صرف
انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب
سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں^(۵)
اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے

کے اطاعت گزار بن جائیں، تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے
اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

۱. یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے۔ پس ہر نعمت، جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد و شکر کا مستحق ہے۔
۲. یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اتار کے تمہاری جگہ ایک
نئی مخلوق پیدا کر دے جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمان نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ ایک نئی مخلوق اور نیا عالم پیدا
کر دے جس سے تم نا آشنا ہو۔

۳. ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہوگا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا، جیسا
کہ آیت ﴿وَلِكُلِّ جُلُودٍ لِّقَالِهِمْ وَأَقْلَامُ أَقْلَالِهِمْ﴾ (العنکبوت: ۱۳) اور حدیث «مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَبَّيْتَهُ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا
وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ» (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة...) سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ
بھی درحقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ انہوں نے ہی ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔

۴. مُثْقَلَةٌ، اَی: نَفْسٌ مُثْقَلَةٌ، ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہوگا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو
بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہوگا۔

۵. یعنی تیرے انذار و تبلیغ کا فائدہ انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، گویا تو انہی کو ڈراتا ہے، ان کو نہیں جن کو انذار سے کوئی
فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿اِنَّمَّا اَنْتَ مُنْذِرٌ مِّمَّنْ يَنْشُرُهَا﴾ (النازعات: ۳۵) اور ﴿اِنَّمَّا تُنذِرُ مِمَّنْ اَتَّبَعَ

الذِّكْرِ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ الْغَیْبَ﴾ - (یس: ۱۱)

پاک ہوگا۔^(۱) اور لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔

۱۹. اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔

۲۰. اور نہ تاریکیاں اور روشنی۔^(۲)

۲۱. اور نہ چھاؤں اور دھوپ۔^(۳)

۲۲. اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے،^(۴) اللہ

تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے،^(۵) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔^(۶)

۲۳. آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔^(۷)

۲۴. ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔

۲۵. اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس

وَمَا يَنْتَوِي الْأَعْلَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾

وَلَا الظُّلُّ وَلَا الْحَرُّ ﴿٢١﴾

وَمَا يَنْتَوِي الْحَيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ

مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي

الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ

وَأَنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

وَأَنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۖ وَالْكِتَابِ

۱. تَطَهَّرُ اور تَزَكِّي کے معنی ہیں شرک اور فواحش کی آلودگی سے پاک ہونا۔

۲. اندھے سے مراد کافر اور آنکھوں والا سے مومن، اندھیروں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس لیے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متعدد نہیں، ایک ہے، اس لیے اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

۳. یہ ثواب و عقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔

۴. أَحْيَاءُ سے مومن اور أَمْوَاتُ سے کافر، یا علماء اور جاہل، یا عاقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔

۵. یعنی جسے اللہ ہدایت سے نوازے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے، اسے حجت و دلیل سننے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

۶. یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے ہسکار کر دیا ہے، اسے پیغمبر! ﷺ تو انہیں حق کی بات نہیں سنا سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسمت میں بدبختی لکھی ہے، دعوت و تبلیغ سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا۔

۷. یعنی آپ ﷺ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت اللہ کے اختیار میں ہے۔

النَّبِيِّ ۱

بھی ان کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔^(۱)

۲۶. پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا؟^(۲)

۲۷. کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے^(۳) اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔^(۴)

۲۸. اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں،^(۵) اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں^(۶)

ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ بَعْدِي ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝

وَمِنَ النَّاسِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝

۱. تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ بنا بریں اللہ نے ہر امت میں نبی بھیجا، جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد: ۷) ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ (النحل: ۳۶)۔

۲. یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

۳. یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور اختلاف ہے۔ مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔ حتیٰ کہ ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔ ۴. اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، جُودُ جُودَہ کی جمع ہے، راستہ یا لکیر۔ غَرَابِيبُ، غَرَابِيبُ کی جمع اور سُودُ، اَسْوَدُ (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غریب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غریب، جس کے معنی ہوتے ہیں، بہت گہرا سیاہ۔

۵. یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔

۶. یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صنایع کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے مراد کتاب و سنت اور اسرار الہیہ کا علم ہے اور جتنی انہیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں، گویا جن کے اندر خشیت الہی نہیں ہے، سمجھ لو کہ علم صحیح سے بھی وہ محروم ہیں سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ علماء

واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔^(۱)

۲۹. جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں^(۲) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں^(۳) اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں^(۴) وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی۔^(۵)

۳۰. تاکہ ان کو ان کی اجر میں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے^(۶) بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے۔^(۷)

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ

لِيُؤْتِيَهُمُ أَجْرَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ

کی تین قسمیں ہیں۔ عالم باللہ اور عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا صرف عالم باللہ، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے علم ہے۔ تیسرا، صرف عالم بامر اللہ، جو حدود و فرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الہی سے عاری ہے۔ (ابن کثیر)

۱. یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرمادے۔

۲. کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے ”تلاوت کرتے ہیں“ یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

۳. اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اعتدال ارکان اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنا۔

۴. یعنی رات دن، علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرچ کرتے ہیں، بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نفلی صدقہ اور علانیہ سے صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) مراد ہے۔

۵. یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ سے ہاں یقینی ہے، جس میں مندرے اور کمی کا امکان نہیں۔

۶. لِيُؤْتِيَهُمْ، متعلق ہے لَنْ تَبُورَ سے، یعنی یہ تجارت مندرے سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل مخدوف سے متعلق ہے کہ وہ یہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں، یا اللہ نے انہیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انہیں اجر دے۔

۷. یہ تَوْفِیۃ اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ خلوص دل سے توبہ کریں، ان کے جذبہ اطاعت و عمل صالح کا قدردان ہے، اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ہے ^(۱) جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ ^(۲) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ ^(۳)

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَى الْكِتَابِ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
فِي الْبَيْتِ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَقْصُودٌ وَمِنْهُمْ
سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُرِيدُونَ اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ
الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر ان میں سے بعض تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ^(۴) اور ان میں سے بعض متوسط درجے کے ہیں ^(۵) اور ان میں سے بعض اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ ^(۶) یہی بڑا فضل ہے۔ ^(۷)

۱۔ یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔

۲۔ تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے کچھلی کتابیں نازل کی تھیں، جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔

۳۔ یہ اس کے علم و خبر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرمادی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کچھلی کتابیں تحریف و تغیر کا شکار ہو گئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہی ہیں۔

۴۔ کتاب سے قرآن اور چنے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے۔ یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف و فضل سے نوازا۔ یہ تقریباً وہی مفہوم ہے جو آیت ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ امَّةٍ سَلْطَانًا وَلِئَلَّا يَكْفُرَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرة: ۱۳۳) کا ہے۔

۵۔ امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے، جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔

۶۔ یہ دوسری قسم ہے۔ یعنی ملے جلے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محرمات کے تارک تو ہیں لیکن کبھی مستحبات کا ترک اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک تو ہیں لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔

۷۔ یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

۸۔ یعنی کتاب کا وارث کرنا اور شرف و فضل میں ممتاز (مصطفیٰ) کرنا۔

۳۳۔ یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل ہوں گے^(۱) جہاں انہیں سونے کے نلگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی۔^(۲)

۳۴۔ اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔

۳۵۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لاتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔

۳۶۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضاء ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

۳۷۔ اور وہ لوگ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے،^(۳) (اللہ کہے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا^(۴) وہ

جَدَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا يَحْمِلُونَ فِيهَا مِنْ
أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ
إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾

إِلَّا الَّذِي أَحْصَا دَارَ الْمَقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ
لَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا النَّصَبُ وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا الْغُوبُ ﴿٣٥﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ
فِيْمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا
كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ﴿٣٦﴾

وَهُمْ يَصْطَرِّحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ
صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلْ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم
مَا يَبْدَأُ كُفْرُكُمْ مَنْ تَذَكَّرْ وَجَاءَكُمُ التَّنْذِيرُ
فَذَرُوا هَٰؤُلَاءِ لِلظَّالِمِينَ مَنْ يُصِيبُ ﴿٣٧﴾

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقون جائیں گے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور مقتصدین آسمان حساب کے بعد اور ظالمین شفاعت سے یا سزا بھگتے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ کا قول ہے ”یہ امت مرحومہ ہے، ظالم یعنی گناہ گار کی مغفرت ہو جائے گی، مقتصد، اللہ کے ہاں جنت میں ہوگا اور سابق بالخیرات درجات عالیہ پر فائز ہوگا۔“ (ابن کثیر)

۲۔ حدیث میں آتا ہے کہ (ریشم اور دیباچ دنیا میں مت پہنو، اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا)۔ (صحیح البخاری، وصحیح مسلم، کتاب اللباس)

۳۔ یعنی غیروں کے بجائے تیری عبادت اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں گے۔

۴۔ اس سے مراد کتنی عمر ہے؟ مفسرین نے مختلف عمریں بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے

سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا،^(۱) سو مزہ چکھو کہ (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۳۸. بیشک اللہ تعالیٰ جانے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا،^(۲) بیشک وہی جانے والا ہے سینوں کی باتوں کا۔^(۳)

۳۹. وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کے لیے ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
إِنَّهُ عَلِيمُ بِذَاتِ الصُّدُورِ

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مَنْ كَفَرَ
فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يُزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يُزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ
إِلَّا اخْسَارًا ۝

کہا ہے کہ ۶۰ سال کی عمر مراد ہے۔ (ان کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعیین صحیح نہیں، اس لیے کہ عمریں مختلف ہوتی ہیں، کوئی جوانی میں، کوئی کھولت میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے، پھر یہ ادوار بھی لچھڑا گزراں کی طرح مختصر نہیں ہوتے، بلکہ ہر دور خاصا ممتد (لمبا) ہوتا ہے۔ مثلاً جوانی کا دور، بلوغت سے کھولت تک اور کھولت کا دور شیخوخت بڑھاپے تک اور بڑھاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار، نصیحت خیزی اور اثر پذیری کے لیے چند سال، کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہوگا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا، پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

۱۔ اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ یعنی یاد دہانی اور نصیحت کے لیے پیغمبر ﷺ اور اس کے منبر و محراب کے وارث علماء اور دعاۃ تیرے پاس آئے، لیکن تو نے اپنی عقل و فہم سے کام لیا نہ داعیان حق کی باتوں کی طرف دھیان کیا۔

۲۔ یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے۔ لیکن ہمیں علم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمہیں اگر دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے، تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا اِلَيْهَا مُهْمًا﴾ (الانعام: ۲۸) (اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا)۔

۳۔ یہ بچھلی بات کی تعلیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو، جب کہ وہ سینوں کی باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔

باعث ہوتا ہے۔^(۱)

۴۰. آپ کہیے کہ تم اپنے شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا (حصہ) بنایا ہے؟ یا ان کا آسمانوں میں کچھ سا جہا ہے؟ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں؟^(۲) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں۔^(۳)

۴۱. یقین بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں^(۴) اور اگر وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔^(۵) بے شک

قُلْ اَرَاَيْكُمْ شُرَكَاءُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرَاَيْتُمْ اِمَّا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ اَمْ اَنْزَلْنٰهُمْ كُتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنٰتٍ مِّنْهُ يَلُوْنَ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا الْاٰخِرُوْنَ ۝

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلٰكِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّكَ ۗ اِنَّكَ كَانَ حٰلِيْمًا عَفُوْرًا ۝

۱. یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا، بلکہ اس سے اللہ کے غضب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہوگا اور انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔

۲. یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو، جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کچھ شریک ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق میں حصے دار اور شریک ہیں۔

۳. یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔ ان کے لیڈر اور پیر کہتے تھے کہ یہ معبود انہیں نفع پہنچائیں گے، انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ باتیں شیاطین مشرکین سے کہتے تھے۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جس کا اظہار وہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے جس سے ان کو اپنے کفر پر جے رہنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

۴. كَرَاهَةً اَنْ تَزُوْلَا، لِئَلَّا تَزُوْلَا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت و صنعت کا بیان ہے۔ بعض نے کہا، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک کا اقتضاء ہے کہ آسمان و زمین اپنی حالت پر برقرار نہ رہیں بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں۔ جیسے آیت ﴿كَذٰلِكَ السَّمٰوٰتُ يَنْتَظِرُوْنَ وَمِنْهُنَّ نَسْفُكُ الْاَرْضِ وَنَحْنُ الْجِبَالُ هٰكِيًا﴾ * ﴿اَنْ دَعَوُا لِلْوَحْمٰنِ وَلِكُلٍّ﴾ (مریم: ۹۰-۹۱) کا مفہوم ہے۔

۵. یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کے ساتھ اس کی کمال مہربانی بھی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے۔ اور انہیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ہے، ورنہ پلک جھپکتے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ انہیں تھامے نہ رکھے اور انہیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان کو تھام لے ﴿اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اِنْ نَّافِیَہٗ۔ اللہ نے اپنے اس احسان اور نشانی کا تذکرہ دوسرے مقامات پر بھی فرمایا ہے مثلاً ﴿وَيُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ اَنْ تَقَعْنَ عَلٰی

وہ حلیم ہے غفور ہے۔^(۱)

۴۲. اور ان کفار نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہونگے۔^(۲) پھر جب ان کے پاس ایک پیغمبر آئے^(۳) تو بس ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا۔

۴۳. دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے،^(۴) اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے^(۵) اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے،^(۶) سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا^(۷)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ يَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ أَوَّلَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ قَاذَاهُمْ إِلَى الْفُتُورِ ﴿١٢١﴾

لَا سَبْكَ رَأَى الْأَرْضِ وَمَكْرُ السَّيِّئِ
وَلَا يَجِئُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا يَأْخُذُ بِهِ
يَنْظُرُونَ إِلَّا سَدَّتِ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ
لِسَدَّتِ اللَّهِ بَدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسَدَّتِ اللَّهِ

الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴿الحج: ۶۵﴾ (اسی نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے، مگر جب اس کا حکم ہوگا)۔ اور ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ (الروم: ۲۵) (اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں)۔

۱. اتنی قدرتوں کے باوجود وہ حلیم ہے۔ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کفر و شرک اور نافرمانی کر رہے ہیں، پھر بھی وہ ان کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے، اور غفور بھی ہے کوئی تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، توبہ و استغفار و ندامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ معاف فرمادیتا ہے۔

۲. اس میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ بعثت محمدی سے قبل یہ مشرکین عرب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری طرف کوئی رسول آیا، تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر ایمان لانے میں ایک مثالی کردار ادا کریں گے۔ یہ مضمون دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورة الأنعام: ۱۵۶-۱۵۷، سورة الصافات: ۱۶۷-۱۷۰۔

۳. یعنی حضرت محمد ﷺ ان کے پاس نبی بن کر آگئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔

۴. یعنی آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے بجائے، انکار و مخالفت کا راستہ محض استکبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔

۵. اور بری تدبیر یعنی حیل، دھوکہ اور عمل قبیح کی وجہ سے کیا۔

۶. یعنی لوگ مکر و حیل کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور اس کا وبال بالآخر مکر و حیل کرنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔

۷. یعنی کیا یہ اپنے کفر و شرک، رسول ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کو ایذا نیک پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے، جس طرح پچھلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں؟

تَحْوِيلًا ۝

ہے۔ سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے،^(۱) اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔^(۲)

۴۴۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ یقیناً وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔

۴۵۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب داروگیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا،^(۳) لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین^(۴) تک مہلت دے رہا ہے، سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔^(۵)

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۝

وَلَوْ يُدْخِلُ اللَّهُ الْكَافِرِينَ فِيهَا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ مِنْ ذَابِقَةٍ ۚ وَالْكَافِرُ يُؤْخَرُ لَهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

۱۔ بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مذہب (جھٹلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

۲۔ یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھیرنے والا نہیں ہے یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے، کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیر دے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ڈرانا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، وہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں، ورنہ وہ اس سنت الہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آکر رہیں گے، کوئی اس قانون الہی کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الہی کو پھیرنے پر۔

۳۔ انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرما دیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب جاندار مر جاتے۔

۴۔ یہ میعاد معین دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

۵۔ یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجر و ثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب و عقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔

سورہ یٰسین کی ہے اور اس میں تراسی آیتیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. یٰس۔^(۱)

۲. قسم ہے قرآن باحکمت کی۔^(۲)

۳. کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔^(۳)

۴. سیدھے راستے پر ہیں۔^(۴)

۵. یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو
زبردست ہے مہربان ہے۔^(۵)

يٰسُورَةُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰس

وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ

عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ

☆ سورہ یٰسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن کا دل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ: حدیث: ۱۶۹)

۱. بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی ﷺ کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بتلایا ہے۔ لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروف مقطعات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲. یا قرآن محکم کی، جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم یعنی پختہ ہے۔ واؤ قسم کے لیے ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

۳. مشرکین نبی ﷺ کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے، ﴿كُنْتَ مُنْكَرًا﴾ (الرعد: ۴۳) (تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے)۔ اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ ﷺ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کے شرف و فضل کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کے لیے قسم نہیں کھائی یہ بھی آپ ﷺ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ ﷺ

۴. یہ إِنَّكَ کی دوسری خبر ہے۔ یعنی آپ ﷺ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوبہ منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

۵. یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے جہم ہے یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا، اس کے لیے نہایت مہربان ہے۔

۶. تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے

نہیں ڈرائے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں۔^(۱)

۷. ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو

یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔^(۲)

۸. ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں

پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، جس سے ان کے سر اوپر کو

الٹ گئے ہیں۔^(۳)

۹. اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی اور ایک آڑ

ان کے پیچھے کردی،^(۴) جس سے ہم نے ان کو ڈھانک

لِنُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آبَاؤَهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَىٰ

الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۝

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ

سَدًّا فَأَعْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝

۱. یعنی آپ ﷺ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ ﷺ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی ﷺ سے پہلے براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

۲. جیسے ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ (میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا) (السجدة: ۱۳) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا (میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا)۔ (ص: ۸۵) یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جہنم کا مستحق قرار دے لیا، کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جہنم کا ایندھن بن گئے یہ نہیں کہ اللہ نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا، کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

۳. جس کی وجہ سے وہ ادھر ادھر دیکھ سکتے ہیں، نہ سر جھکا سکتے ہیں، بلکہ وہ سر اوپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے عدم قبول حق کی اور عدم اتفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزائے جہنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (البر القایر)

۴. یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کردی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے، جس کی وجہ سے وہ لہذا دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے اور ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

دیا^(۱) سو یہ نہیں دیکھ سکتے۔

۱۰۔ اور آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔^(۲)

۱۱۔ بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں^(۳) جو نصیحت پر چلے اور رحمن سے بے دیکھے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجیے۔

۱۲۔ بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے،^(۴) اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں^(۵)

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ
يَا لَغَيْبٍ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿۱۱﴾

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا
وَأَنزَلْنَاهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ

۱۔ یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا یعنی رسول ﷺ سے عداوت اور آپ ﷺ کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی، یا انہیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔

۲۔ یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انداز بے فائدہ رہتا ہے۔
۳۔ یعنی انداز سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۴۔ یعنی قیامت کے دن۔ یہاں احیائے موتی کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنالیتے ہیں۔

۵۔ مَا قَدَّمُوا سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور اَنَزَلْنَاهُمْ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (ایچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ وہ اعمال بجالاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے (جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو)۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی صدقۃ ولو بشق تمرہ) اسی طرح یہ حدیث ہے ”جب انسان مرتا جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے۔ ایک علم، جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، (۲) نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے، (۳) یا صدقہ جاریہ، جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں۔“ (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته) دوسرا مطلب اَنَزَلْنَاهُمْ کا

نشانات قدم ہے۔ یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں۔ جیسے عہد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنو سلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا

یٰس ۳۶

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔^(۱)

۱۳. اور آپ ان کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال (اس وقت کا) بیان کیجیے جب کہ اس بستی میں (کئی) رسول آئے۔^(۲)

۱۴. جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا سو ان لوگوں نے (اول) دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی سو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۳)

۱۵. ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔

۱۶. ان (رسولوں) نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔

۱۷. اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۱﴾

اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ﴿۱۲﴾

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا كَاذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

قَالُوْا رَبَّنَا عَلِّمْنَا لَآلِئِكَ لَمَّا مُرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ﴿۱۵﴾

دِيَارَكُمْ يُكَلِّبُ اَثَارَكُمْ (دو مرتبہ فرمایا) یعنی ”تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں، لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے ہیں“۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل كثرة الخطى إلى المساجد) امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں، ان کے درمیان منافات نہیں ہے۔ بلکہ اس دوسرے مفہوم میں سخت تنبیہ ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے نشانات تک لکھے جاتے ہیں، تو انسان جو اچھایا برا نمونہ چھوڑ جائے جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولیٰ لکھے جائیں گے۔

۱. اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔

۲. تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں، بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔

۳. یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں، لیکن نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے، جو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

۱۸۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔^(۱) اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔

۱۹۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے،^(۲) کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

۲۰۔ اور ایک شخص (اس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔^(۳)

۲۱۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔

۲۲۔ اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۴)

قَالُوا إِنَّا نَطَّعُكَ يَا كُفْرَانٌ كَمْ تَذَنَّهُمْ
لَكَرْجَبْنُكَ وَلَيَسَّيَنَّكَ مَتَاعَذَابُ إِلِيمٍ ۝

قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ إِنَّكُمْ ذُكِّرْتُمْ
بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ
يَقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝

اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ
مُهِتَدُونَ ۝

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ
رُجْعُون ۝

۱۔ ممکن ہے کچھ لوگ ایمان لے آئے ہوں اور ان کی وجہ سے قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ہو، جس کو انہوں نے رسولوں کی نعوذ باللہ نحوست قرار دیا۔ یا بارش کا سلسلہ موقوف رہا ہو، تو وہ سمجھے ہوں کہ یہ ان رسولوں کی نحوست ہے۔ نعوذ باللہ مِنْ ذَلِكَ، جیسے آج کل بھی بدنہاد اور دین و شریعت سے بے بہرہ لوگ، اہل ایمان و تقویٰ کو ہی ”منحوس“ سمجھتے ہیں۔

۲۔ یعنی وہ تو تمہارے اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

۳۔ یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپناتی رہی ہے، تو اس نے آکر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

۴۔ اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے، جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

ءَاَكْبَنُ مِنْ دُوْدِهِ الْهَءَاُءُ اِنْ بُرْدُنَ الرَّحْمَنُ بِضُرِّ
لَا تَعْنُ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ﴿٢٣﴾

۲۳. کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ
اگر (اللہ) رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان
کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچاسکے اور نہ وہ مجھے
بچاسکیں۔^(۱)

إِنِّي إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾

۲۴. پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔^(۲)

إِنِّي أَمَنْتُ بِرَبِّكَ فَاسْمِعُونِ ﴿٢٥﴾

۲۵. میری سنو! میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب
پر ایمان لاچکا۔^(۳)

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ لَيْسَتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

۲۶. (اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کہنے لگا کاش!
میری قوم کو بھی علم ہو جاتا۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ رَبِّكَ وَجَعَلْنَاهُ مِنَ الْمَكْرُمِينَ ﴿٢٧﴾

۲۷. کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت
لوگوں میں سے کر دیا۔^(۴)

۱. یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے
نکالنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نہ بچاسکیں کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ
بچا نہیں سکتے۔

۲. یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح، اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں،
تو میں بھی کھلی گمراہی میں جاگروں گا۔ یا ضلال، یہاں خسران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے
کا سودا ہے۔

۳. اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب
کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین
حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کرلو، لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر
ہے، جو تمہارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ رَحِمَهُ
اللَّهُ تَعَالَى

۴. یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش میری قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی
ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد
بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے،
بدخواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بیشک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک

وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا نُنْزِلُہُمْ

۲۸. اور اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا،^(۱) اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔^(۲)

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خُمُودٌ ۝

۲۹. وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بچھ بچھا گئے۔^(۳)

يُخَسِّدُهُ عَلَى الْعِبَادَةِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

۳۰. (ایسے) بندوں پر افسوس! کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

۳۱. کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا^(۴) کہ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

وَإِنْ كُلُّ لُحْيَةٍ لِّبَاسٍ صَبِغْنَاهُ بِدُونِ الْمَصَرُورِ ۝

۳۲. اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کی جائے گی۔^(۵)

چاہیں کریں، حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

۱. یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔

۲. یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔

۳. کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری، جس سے سب کے جسموں سے روئیں نکل گئیں اور وہ بھیجی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی، شعلہ فروزاں ہے اور موت، اس کا بچھ کر راکھ کا ڈھیر ہو جانا۔

۴. حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت کے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش انہوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا اللہ تعالیٰ بندوں کے رویے پر افسوس کر رہا ہے کہ انکے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کے ساتھ استہزاء ہی کیا۔

۵. اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ تکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

۶. اس میں ان نافیہ ہے اور کَمَّا، إِلَّا کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی، سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہوگا۔

۳۳. اور ان کے لیے ایک نشانی^(۱) (خشک) زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔

۳۴. اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیے،^(۲) اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیے ہیں۔

۳۵. تاکہ (لوگ) اس کے پھل کھائیں،^(۳) اور اس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔^(۴) پھر کیوں شکر گزاری نہیں کرتے۔

۳۶. وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔^(۵)

وَاٰیةٌ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُۙ اَحْيٰیہَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَاٰیةٌ لِّیَاكُوْنُوْنَ ﴿۲۳﴾

وَجَعَلْنَا فِیْہَا جَبَلًا مِّنْ نَّحِیْلِ وَاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْہَا مِّنَ الْعُیُوْنِ ﴿۲۴﴾

لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِہَا وَاَعْمَلْنَا فِیْہَا مِّنْہُمْ اَفْلاٰیۡتُشْكُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

مُسَبِّحُ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّہَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِہُمْ وَاَعْمَلُیْکُوْنَ ﴿۲۶﴾

۱. یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔

۲. یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے، بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے۔ پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

۳. یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں، جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔

۴. امام ابن جریر کے نزدیک یہاں ”مَا“ نافیہ ہے یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و محنت، کد و کاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک ”مَا“ موصولہ ہے جو اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور ان چیزوں کو جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً انہیں چوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف پھلوں کو ملا کر چاٹ بنانا، وغیرہ۔

۵. یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور

۳۷. اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ دیتے ہیں تو وہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔^(۱)

۳۸. اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔^(۲) یہ ہے مقرر کردہ غالب، با علم اللہ تعالیٰ کا۔

۳۹. اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں،^(۳) یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔^(۴)

وَالْيَاكُوهُ الْبَلَدُ سَلَّمَ مِنْهُ الْبَارِقُ إِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۝

وَالشَّمْسُ بَجَرَى لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝

زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے۔ پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے۔ حتیٰ کہ آخرت کی زندگی، دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کونائیوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں۔

۱. یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے، جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سَلَّمَ کے معنی ہوتے ہیں جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا، جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ أَظْلَمَ کے معنی ہیں، اندھیرے میں داخل ہونا۔ جیسے أَصْبَحَ اور أَمْسَى اور أَظْهَرَ کے معنی ہیں، صبح شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

۲. یعنی اپنے اس مدار (فلک) پر چلتا رہتا ہے، جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوتا، کہ کسی دوسرے سیرے سے ٹکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں ”اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک“ اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جو صفحہ ۸۹۵ پر گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جاکر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ یسین) دونوں مفہوم کے اعتبار سے لِمُسْتَقَرٍّ میں لام، علت کے لیے ہے۔ اَی: لَا جَلَّ مُسْتَقَرٌّ لَهَا بعض کہتے ہیں کہ لام، اِلیٰ کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہو گا۔ یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت کے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

۳. چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر دو راتیں غائب رہ کر تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

۴. یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو، جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انہی گردشوں سے سکّان ارض اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الْبَلَدُ سَابِقُ
الْفَجَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۰﴾

وَالَّذِي لَهُمْ أَتَا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفَلَكِ الْمَشْجُونِ ﴿۳۱﴾

وَحَقَّقْنَا لَكُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرَكُونَ ﴿۳۲﴾

وَأَنْ نَّشَاعُرَهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُقَدَّرُونَ ﴿۳۳﴾

إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۴﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَاتَّقُوا
لَعْنَتَكُمْ رَجَعُوا ﴿۳۵﴾

۳۰۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے ^(۱) اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، ^(۲) اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔ ^(۳)

۳۱۔ اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ ^(۴)

۳۲۔ اور ان کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ ^(۵)

۳۳۔ اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے۔ پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہوتا نہ وہ بچائے جائیں۔

۳۴۔ لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لیے انہیں فائدے دے رہے ہیں۔

۳۵۔ اور ان سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے (گناہوں) سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۱۔ یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا، جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

۲۔ بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

۳۔ کُلُّ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کو اکب مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں، ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

۴۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرمادیا، حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّةً سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح عَلَیْہِ السَّلَام ہے۔ یعنی سفینہ نوح عَلَیْہِ السَّلَام میں ان لوگوں کو بٹھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آباء اس میں سوار تھے۔

۵۔ اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آگئیں۔ جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیاء۔

۳۶. اور ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیاں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رحمی نہ برتتے ہوں۔^(۱)

۳۷. اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرو،^(۲) تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا؟^(۳) تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں۔^(۴)

۳۸. اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا؟ سچے ہو تو بتاؤ۔

۳۹. انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آچکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے۔^(۵)

وَمَا لَنَا بِهٖم مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمْ اِلَّا كَاٰثَرًا عٰثَرًا مُّضٰیۡۤیۡنًا ﴿۳۶﴾

وَاِذَا قِيلَ لَهُمۡ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوْا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا اَنْطَعُم مِّنۡ کُلِّ شَیْءٍ اللّٰہُ اَطْعَمَنَا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِی ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۷﴾

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾

مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا الصِّیۡحَةَ وَاجِدًا یَّأْخُذْہُمْ وَہُمْ یَخِیۡضَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۱. یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔

۲. یعنی غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

۳. یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں۔

۴. یعنی یہ کہہ کر کہ، غرباء کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت ہی سے تھی، لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنالینا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غرباء و مساکین کی امداد کی جائے۔ اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے، جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

۵. یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی یہ نفع اولیٰ ہو گا جسے نفع فزع بھی کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نفع ہو گا۔ نَفْحَةُ الصَّعْقِ جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا، سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے

۵۰۔ اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے۔

۵۱۔ اور صور کے پھونکنے جاتے ہی^(۱) سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے۔

۵۲۔ کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟^(۲) یہی ہے جس کا وعدہ رحمن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔

۵۳۔ یہ نہیں ہے مگر ایک جج، کہ پھر یکا یک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔

۵۴۔ پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔

۵۵۔ جنتی لوگ آج کے دن اپنے (دلچسپ) مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں۔^(۳)

۵۶۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

۵۷۔ ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور وہ سب بھی جو وہ طلب کریں گے۔

۵۸۔ مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں ”سلام“ کہا

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ كَوْصِيَّةً ۖ وَالْأَلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

وَنُفَعِّرُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْإِجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾

قَالُوا الْيَوْمَ لَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۖ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدُنَا عُخْرُونَ ﴿٥٣﴾

فَالْيَوْمَ لَا نَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَأَلْزَمُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَكَّهُونَ ﴿٥٥﴾

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَكِنُونَ ﴿٥٦﴾

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۖ وَلَهُمْ مَائِدَتُورُنَ ﴿٥٧﴾

سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَجْوَةٍ ﴿٥٨﴾

۱۔ پہلے قول کی بنا پر یہ نفخہ ثانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفخہ ثالثہ ہوگا، جسے نَفْحَةُ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ کہتے ہیں، اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

۲۔ قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا۔ بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے، اس کے مقابلے میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہوگی۔

۳۔ فَاکْهُونَ کے معنی ہیں فَرِحُونَ خوش، مسرت کمنار۔

(۱) جائے گا۔

۵۹. اور اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔^(۲)

۶۰۔ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول و قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،^(۳) وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔^(۴)

۶۱. اور میری ہی عبادت کرنا۔^(۵) سیدھی راہ یہی ہے۔^(۶)

۶۲. اور شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (۷)

۶۳۔ یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

وَأَمَّا زُوالُ الْيَوْمِ أَيْهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٦﴾

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ لِيُنْزِلَ بَيْنِي أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٠﴾

وَإِنْ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾

۱۔ اللہ کا یہ سلام، فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

۲. یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو۔ یعنی میدانِ محشر میں اہل ایمان و اطاعت اور اہل کفر و معصیت الگ کر دیے جائیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ يُؤْمِنُ يَتَزَيُّونَ﴾ (الروم: ۱۳) ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (الروم: ۳۳) اُن: يَصِيرُونَ صَدْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ (اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے)۔ دوسرا مطلب ہے کہ جبرِ مین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مثلاً یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صابئین اور مجوسیوں کا گروہ، زانوں کا، شرابیوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ اس سے مراد عہد الست ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبانی لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان و زمین میں اللہ نے قائم کئے ہیں۔ (فتح القدیر)

۴۔ یہ اس کی علت ہے کہ تمہیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسوسے قبول کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمہیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

۵۰. یعنی یہ بھی عہد لیا تھا کہ تمہیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

۶۔ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے، جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلاتے رہے اور یہی منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

۷۔ یعنی اتنی عقل بھی تمہارے اندر نہیں کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمہارا رب ہوں، میں ہی تمہیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمہاری رات دن حفاظت کرتا ہوں لہذا تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

إِصْلَٰهَآ الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۶۴﴾

۶۴. اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لیے آج اس میں داخل ہو جاؤ۔^(۱)

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَنَنصِتُهُمْ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۶۵﴾

۶۵. ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔^(۲)

وَلَوْ شَاءَ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَلَّا يَبْصِرُونَ ﴿۶۶﴾

۶۶. اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے پھر یہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی دیتا؟^(۳)

وَلَوْ شَاءَ لَنَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿۶۷﴾

۶۷. اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے پھر نہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے۔^(۴)

وَمَنْ تَعْبُرُهُ الْوُدُ فِي الْحُلُقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۶۸﴾

۶۸. اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اسے پیدائشی حالت کی طرف پھر الٹ دیتے ہیں^(۵) کیا پھر بھی وہ نہیں

۱. یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔

۲. یہ مہر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت کے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے ﴿وَاللَّوْزِیْنَا مَا كُنَّا مُشْرِکِیْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) (اللہ کی قسم، جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا، جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرمادے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا بول کر گواہی دینا، حجت و استدلال میں زیادہ بلیغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدیر) اس مضمون کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الزہد)

۳. یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔
۴. یعنی نہ آگے جاسکتے، نہ پیچھے لوٹ سکتے، بلکہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے ہیں، یعنی انسان سے پتھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔

۵. یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں۔ یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشو و نما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کھولت

(۱) سمجھتے۔

۶۹۔ اور نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔^(۲)

۷۰۔ تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے،^(۳)

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾

لِيُنْذِرَ مَنِ كَانَ حَيًّا وَيَجِزَّ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾

کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

۱۔ کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

۲۔ مشرکین مکہ نبی ﷺ کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھائے، نہ اشعار کی اس پر وحی کی، بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی اُتیت بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا، جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحر کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح حسنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ایک اور موقع پر آپ ﷺ کی انہی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيَّتْ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتْ

(صحیح البخاری و مسلم، کتاب الجہاد)۔

۳۔ یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔^(۱)

۷۱۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی^(۲) ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے^(۳) (بھی) پیدا کر دیے، جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔^(۴)

۷۲۔ اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنادیا ہے۔^(۵) جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔

۷۳۔ اور انہیں ان سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں،^(۶) اور پینے کی چیزیں۔ کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟
۷۴۔ اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کیے جائیں۔^(۷)

۷۵۔ (حالانکہ) ان میں انکی مدد کی طاقت ہی نہیں، (لیکن) پھر بھی (مشرکین) ان کے لیے حاضر باش

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا مِثْلَهُمْ يَنْتَظِرُونَ أَنَّا آتَاؤُهُمْ لَهَامٍ لِّكُونٍ^①

وَذَلَّلْنَا لَهُم مَّا مِثْلَهُمْ هَامٍ لِّكُونِهِمْ وَمِنَ الْبَاطِلِ لُؤْلُؤٌ^②

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاقِبُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ^③

وَالْعَنَّا وَاٰمَنَ دُونَ اللَّهِ إِلَهَةً لَّعَلَّهُمْ يَبْصُرُونَ^④

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ^⑤

۱۔ یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ لِيُنْذَرَ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

۲۔ اس سے غیروں کی شرکت کی نفی ہے، ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا ان کے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

۳۔ اَنْعَام، نَعَم کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیر، دنبہ) ہیں۔

۴۔ یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔

۵۔ یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ انہیں ذبح بھی کر دیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انہیں کھینچے پھرتے ہیں۔

۶۔ یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں مثلاً ان کی اون اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

۷۔ یہ ان کے کفرانِ نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں، جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں، لیکن بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت کریں، غیروں سے امیدیں وابستہ کرتے اور انہیں معبود بناتے ہیں۔

شکری ہیں۔^(۱)

۷۶۔ پس آپ کو ان کی بات غمناک نہ کرے، ہم ان کی پوشیدہ اور علانیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں۔

۷۷۔ کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکا یک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔

۷۸۔ اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟

۷۹۔ آپ جواب دیجیے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے،^(۲) جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔

۸۰۔ وہی جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یکا یک آگ سلگاتے ہو۔^(۳)

فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ بَائِرُونَ وَمَا يَعْلَمُونَ

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ حَصِيمٌ مُّبِينٌ

وَصَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَبَيَّ حَلْفَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ

كُلُّ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ

إِلَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقُونَ

۱۔ جُنْد سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، مُحْضَرُونَ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انہیں کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے، تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں، نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

۲۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کی قدرت احیاء موتی کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا والے دن خشکی میں اڑادی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا، تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحیح البخاری، الانبیاء، والرقاق، باب الخوف من اللہ)

۳۔ کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں مرغ اور عفار، ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

۸۱. جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جیسوں^(۱) کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔

۸۲. وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔^(۲)

۸۳. پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے^(۳) اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔^(۴)

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ
عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ ۖ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ
نُرجِعُونَ ۝

۱. یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب، انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن: ۵۷) (آسمانوں و زمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے)۔ سورہ احقاف: ۳۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۲. یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کونسا مشکل معاملہ ہے؟

۳. ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحْمَةٌ اور رَحْمَوْتُ، رَهْبَةٌ اور رَهْبَوْتُ، جَبَرٌ اور جَبَرَوْتُ وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغہ کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح اللہ) یعنی مَلَكَوْتُ مُلْكٌ کا مبالغہ ہے۔

۴. یعنی یہ نہیں ہو گا کہ مٹی میں رل مل کر تمہارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں، بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہو گا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمہیں بہر حال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو گا، جہاں وہ اعمال کے مطابق اچھی یا بری جزاء دے گا۔

سورۂ صافات کہی ہے اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصُّفَّتِ صَفًّا ۝

فَالرُّجُوتِ رَجْرًا ۝

فَالثَّيْلِیْتُ ذُكْرًا ۝

اِنَّ الْهَکْمَ لَوَاحِدٌ ۝

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَلِیْکُھُمَا وَرَبُّ

الْمَشَارِقِ ۝

اِذَا زَیَّتِ السَّمَاءُ الذِّبَابُ یَرْبِیۡنَہُ الْکَوَکِبُ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔

۲. پھر بری طرح ڈانٹنے والے (فرشتوں) کی۔

۳. پھر اللہ کے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی۔

۴. یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔^(۱)

۵. آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں
اور مشرقوں کا رب وہی ہے۔^(۲)

۶. ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔

۱. صَفَاتٌ، زَاجِرَاتٌ، ثَالِیَّاتٌ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے، یا اللہ کے حکم کے انتظار میں صف بستہ، وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہانک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں، جیسا کہ مشرکین بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے۔ لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا، کہ عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

۲. مطلب ہے مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ، بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورۂ رَمٰن میں مَشْرِقَیْنِ اور مَغْرِبَیْنِ ثنّیہ کے ساتھ ہیں یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دوسرا مختصر یا قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

وَحَفَظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ تَارِدٍ ۝

لَا يَتَمَنَّوْنَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ وَيَقْدِرُونَ مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝

دُحْرًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝

إِلَّا مَن خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شَهَابٌ ثَائِبٌ ۝

وَأَسْتَفْهِمُ أَمْ أَنَا خَلَقًا أَمْ مَن خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝

بَلْ عَجَبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝

وَلَا ذِكْرُوا الْآيَةَ كُذِّبُوا ۝

وَلَا ذَرَاؤُا إِلَآ يَسْتَسْخَرُونَ ۝

وَقَالُوا إِن هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّؤْمِنٌ ۝

۷۔ اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔^(۱)

۸۔ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہر طرف سے مارے جاتے ہیں۔

۹۔ بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

۱۰۔ مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اس کے پیچھے دکھتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔

۱۱۔ ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (ان کا) جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) پیدا کیا؟^(۲)

ہم نے (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے؟^(۳)

۱۲۔ بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخر اپن کر رہے ہیں۔^(۴)

۱۳۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے۔

۱۴۔ اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔

۱۵۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے۔^(۵)

۱۔ یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ، ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو۔ چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گر جاتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں۔ جیسا کہ اگلی آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سے گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔ یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تحقیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

۳۔ یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مستبعد کیوں سمجھتے ہیں درآں حالیکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جب کہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل و اتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر)

۴۔ یعنی آپ کو تو مکبرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟

۵۔ یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزاء کرتے اور انہیں جادو باور کراتے ہیں۔

عَلَا مِئْتًا وَكَتَابًا وَعَظَامًا أَنَا لَبِيعُوتُونَ ﴿١٦﴾

۱۶. کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے پھر کیا (بچ مچ) ہم اٹھائے جائیں گے؟

أَوَابًا وَأَنَا لَذَوُونَ ﴿١٧﴾

۱۷. کیا ہم سے پہلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟

قُلْ نَعْمَ وَأَنْتُمْ ذُرِّيُّونَ ﴿١٨﴾

۱۸. آپ جواب دیجیے کہ ہاں ہاں، اور تم ذلیل (بھی) ہو گے۔^(۱)

فَأَمَّا هِيَ زَجْرًا وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١٩﴾

۱۹. وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے^(۲) کہ یکایک یہ دیکھنے لگیں گے۔^(۳)

وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾

۲۰. اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزاء (سزا) کا دن ہے۔

هَذَا يَوْمُ الْقِيَامِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَنْذِرُونَ ﴿٢١﴾

۲۱. یہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔^(۴)

أَحْسِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجُهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾

۲۲. ظالموں کو^(۵) اور ان کے ہمراہیوں کو^(۶) اور (جن) جن کی وہ پرستش کرتے تھے (ان سب کو)

۱. جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَكُلُّ أَكُوفَةٍ ذُرِّيَّةٌ﴾ (النمل: ۸۷) (سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے)۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُرِّيَّةً﴾ (المومن: ۶۰) (جو لوگ میری عبادت سے انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے)۔

۲. یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی پھونک (نفخہ ثانیہ) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔
۳. یعنی ان کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدانِ محشر کی سختیاں ہوں گی جنہیں وہ دیکھیں گے۔ نفخہ یا چیخ کو زَجْرَةٌ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا، کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

۴. وَيْلٌ کا لفظ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معاینۂ عذاب کے بعد انہیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی ہوگی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

۵. یعنی جنہوں نے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔

۶. اس سے مراد کفر و شرک اور تکذیبِ رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات و شیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں جو کفر و شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

جمع کرو۔^(۱)

۲۳. (ان سب کو) اللہ کو چھوڑ کر، پھر انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔

۲۴. اور انہیں ٹھہرا لو،^(۲) (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں۔

۲۵. تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

۲۶. بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے۔

۲۷. اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے۔

۲۸. کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے۔^(۳)

۲۹. وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے۔^(۴)

۳۰. اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں۔ بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے۔^(۵)

مِنْ دُونَ اللَّهِ فَأَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝

وَيَقُولُ لَهُمْ رَبُّهُمْ سُبُّوا ۝

مَا لَكُمْ لَا تَنصَحُونَ ۝

بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُتَسَلِّمُونَ ۝

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝

قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝

قَالُوا بَلْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَٰغِينَ ۝

۱. مّا، عام ہے تمام معبودین کو، چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی تذلیل کے لیے جمع کیا جائے گا۔ تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا، اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

۲. یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہوگا، کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔

۳. اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے، ہر طرف سے آتے تھے، وَالشَّمَالِ محذوف ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا (میں ان کے آگے، پیچھے سے، ان کے دائیں بائیں سے ہر طرف سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا)۔ (الأعراف: ۱۷)

۴. لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟

۵. تابعین اور متبوعین کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ ملامت

فَحَيَّ عَلَيْنَا قَوْلَ رَبِّنَا إِنَّكَ لَدَائِقُونَ ﴿۳۱﴾

۳۱. اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم (عذاب) چکھنے والے ہیں۔

فَأَنذَرْتُكُمْ إِنَّا كَانُوا غَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

۳۲. پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے۔^(۱)

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾

۳۳. سو اب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں شریک ہیں۔^(۲)

إِنَّا كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾

۳۴. ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔^(۳)

إِنَّمْ كَانُوا إِذَاقِينَ لَهُمْ لَذَّةُ الْإِلَهِ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۵﴾

۳۵. یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔^(۴)

وَيَقُولُونَ إِنَّمَا لَنَا شَاعِرٌ عَجُوزٌ ﴿۳۶﴾

۳۶. اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟^(۵)

عرصہ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہوگی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ ملاحظہ ہو: الأعراف: ۳۸-۳۹، الأحزاب: ۶۸-۶۹، سبا: ۳۱-۳۲، المؤمن: ۴۷-۴۸ وَغَيْرَهَا مِنَ الْآيَاتِ.

۱. یعنی جس بات کی پہلے، انہوں نے نفی کی، کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمہیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمہیں گمراہ کیا تھا۔ لیکن یہ اعتراف اس تنبیہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ، اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے، ہم نے تمہیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنائی۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کہے گا: ﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقَّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (ابراہیم: ۲۲)۔

۲. اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے، شرک، معصیت اور شر و فساد ان سب کا وطیرہ تھا۔

۳. یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

۴. یعنی دنیا میں، جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے تم بھی یہ پڑھ لو، تاکہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر و غضب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الہی سے تمہیں دوچار ہونا نہ پڑے، تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ» (متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الإیمان بحوالہ ابن کثیر) (مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی)۔

۵. یعنی انہوں نے نبی کریم ﷺ کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ (نہیں نہیں) بلکہ (نبی) تو حق (سچا دین) لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں۔^(۱)

إِنَّكُمْ لَذَاقُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ یقیناً تم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھنے والے ہو۔

وَمَا تَجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔^(۲)

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمَخْلُصِينَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ مگر اللہ تعالیٰ کے خالص برگزیدہ بندے۔^(۳)

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ انہیں کے لیے مقررہ روزی ہے۔

فَوَاكِهُ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ (ہر طرح کے) میوے، اور وہ باعزت و اکرام ہوں گے۔

فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ نعمتوں والی جنتوں میں۔

عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكُلِّ فِرَاقٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہو گا۔^(۴)

بَيضَاءَ لَدَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہو گی۔^(۵)

لَا يَمَسُّهُمُ فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ نہ اس سے دردِ سر ہو اور نہ اس کے پینے سے بہکیں۔^(۶)

کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے مبعودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزاگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

۱۔ یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے وہ سچ ہے، اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

۲۔ یہ جنہیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کردی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمہارے اپنے اعمال کا بدلہ ہے۔

۳۔ یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا اگر کچھ ہوں گی، اور ایک ایک نیکی کا اجر انہیں کسی کئی گنا دیا جائے گا۔

۴۔ کُأْسٌ، شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قدح خالی جام کو کہتے ہیں۔ مَعِين کے معنی ہیں ”جاری چشمہ“ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح، جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔

۵۔ دنیا میں شراب عام طور پر بدرنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہو گی خوش رنگ بھی ہو گی۔

۶۔ یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں قے، سر درد، بدمستی اور ہنسنے کا اندیشہ نہیں ہو گا۔

وَعِنْدَهُمْ ثَمَرُ الْظَّرْفِ عَيْنٌ

۴۸. اور ان کے پاس نیچی نظروں اور بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔^(۱)

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ لَّكُونٌ

۴۹. ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے۔^(۲)

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ

۵۰. (جنتی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے۔^(۳)

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ

۵۱. ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔

يَقُولُ أَفْلَاكَ لَيْسَ الْمَصْدَقِينَ

۵۲. جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں میں سے ہے؟^(۴)

إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَلَمْ يَكُنْ يَوْمًا

۵۳. کیا جب کہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا اس وقت ہم جزاء دیے جانے والے ہیں؟^(۵)

قَالَ هَلْ أُنْتُمْ مُظْلِمُونَ

۵۴. کہے گا تم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟^(۶)

فَاظْلَمَ فَرَادَىٰ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ

۵۵. جھانکتے ہی اسے بچوں بیچ جہنم میں (جلتا ہوا) دیکھے گا۔

۱. بڑی اور موٹی آنکھیں حسن کی علامت ہے یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔

۲. یعنی شتر مرغ اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ، صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و رعنائی میں ہے۔

۳. جنتی، جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے، دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔ ۴. یعنی یہ بات وہ استہزاء اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر یقین رکھتا ہے؟

۵. یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزاء دی جائے گی؟

۶. یعنی وہ جنتی، اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جہنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آجائے تو تمہیں بتاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَ لَتُرْدِيْنَ ۝

وَلَوْلَا رَحْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتَ مِنَ الْمُخْضَرِّیْنَ ۝

اَفَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝

اَلَمْوَسَّوْنَاْ الْاَوَّلٰی وَاَنْحُنَّ بِمَعْدُوْبِيْنَ ۝

اِنَّ هٰذَا لَهَوٌ اَوْ اَفْوٰزٌ عَظِيْمٌ ۝

لِيُبْثِلَ هٰذَا اَقْلِبْ عَمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝

اَذٰلِكَ خَيْرٌ مُّرْثَرًا مَّا شَجَرَةُ الزَّقُوْمِ ۝

۵۶. کہے گا واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے۔

۵۷. اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی

دوزخ میں حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا۔^(۱)

۵۸. کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟^(۲)

۵۹. بجز پہلی ایک موت کے،^(۳) اور نہ ہم عذاب کیے

جانے والے ہیں۔

۶۰. پھر تو (ظاہر بات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے۔^(۴)

۶۱. ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل

کرنا چاہیے۔^(۵)

۶۲. کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا سینڈھ (زقوم) کا درخت؟^(۱)

۱. یعنی جھانکنے پر اسے جہنم کے وسط میں وہ شخص نظر آجائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا، ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔

۲. جہنمیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی کہ جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں، کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک سینڈھ کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

۳. جو دنیا میں آچکی۔ اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

۴. اس لیے کہ جہنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پاجانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی؟

۵. یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہی سب سے نفع بخش تجارت ہے۔ نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے۔ اور خسارے کا سودا ہے۔

۶. زَقُوْمٌ، زَقُوْمٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی بدبودار اور کریہہ چیز کو نکلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل کھانا بھی اہل جہنم کے لیے سخت ناگوار ہوگا۔ کیوں کہ یہ سخت بدبودار، کڑوا اور نہایت کریہہ ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرب درخت ہے جو تھامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے، اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (خ اللہ بہ) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ

۶۳. جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا ہے۔^(۱)

۶۴. بے شک وہ درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے۔^(۲)

۶۵. جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں۔^(۳)

۶۶. (جہنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔^(۴)

۶۷. پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی۔^(۵)

۶۸. پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی (آگ کے ڈھیر کی) طرف ہوگا۔^(۶)

۶۹. یقین مانو کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو بہکا ہوا پایا۔
۷۰. اور یہ انہیں کے نشان قدم پر دوڑتے رہے۔^(۷)

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿۶۳﴾

إِنهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَبَّةِ ﴿۶۴﴾

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿۶۵﴾

فَإِنَّهُمْ لَكَاظِمُونَ وَمِنْهَا الْفُتُورُ وَمِنْهَا الْبُطُونُ ﴿۶۶﴾

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا تُرَابًا مِّنْ حَبِيرٍ ﴿۶۷﴾

ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَبَّةِ ﴿۶۸﴾

إِنَّهُمْ لَكَاظِمُونَ الْآبَاءَ هُمْ ضَالِّينَ ﴿۶۹﴾

فَهُمْ عَلَىٰ أَثَرِهِمْ يَنْهَرُونَ ﴿۷۰﴾

وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔

۱. آزمائش اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انہوں نے انکار کیا کہ جہنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جہنم ہیں جن پر جہنم واجب ہوگی۔

۲. یعنی اس کی جڑ جہنم کی گہرائی میں ہوگی البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔

۳. اسے شاعت و قباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی، جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں گویا کہ وہ فرشتہ ہے۔

۴. یہ انہیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہر بات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے۔

۵. یعنی کھانے کے بعد انہیں پانی کی طلب ہوگی تو کھولتا ہوا گرم پانی انہیں دیا جائے گا، جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں کٹ جائیں گی۔ (سورہ محمد: ۱۵)۔

۶. یعنی ترقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انہیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۷. یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تقلید کو اپنائے رکھا، إِهْرَاعٌ إِسْرَاعٌ کے معنی میں ہے یعنی دوڑنا اور نہایت شوق

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۝

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝

وَجَبَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝

۱۔ اور ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں۔^(۱)

۲۔ اور جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے۔^(۲)

۳۔ اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا ان کا انجام کیسا کچھ ہوا۔

۴۔ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔^(۳)

۵۔ اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو (دیکھ لو کہ) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔^(۴)

۶۔ اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو^(۵) اس زبردست مصیبت سے بچالیا۔

۷۔ اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنادیا۔^(۶)

سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

۱۔ یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔

۲۔ یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انہوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انہیں تباہ کر دیا گیا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔

۳۔ یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچالیا۔ مُخْلَصِينَ، وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، مُنْذَرِينَ (تباہ ہونے والی قوموں) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند مُنْذَرِينَ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۴۔ یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا۔ ﴿قَدْ عَارَظَكَ اَنِّي مَعْلُوبٌ فَاَتَقَهَّرُ﴾ (القمر: ۱۰) (یا اللہ میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما)۔ چنانچہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا۔

۵۔ اَھْلٌ سے مراد، حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لانے والے ہیں، جن میں ان کے گھر کے افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں، جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے۔ کرب عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلاب عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔

۶۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق حضرت نوح (علیہ السلام) کے تین بیٹے تھے۔ حام، سام، یافث۔ انہی سے بعد کی نسل انسانی

وَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٥٨﴾

۷۸. اور ہم نے اس کا (ذکر خیر) پچھلوں میں باقی رکھا۔^(۱)

سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٥٩﴾

۷۹. نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٠﴾

۸۰. ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں۔^(۲)

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦١﴾

۸۱. وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔

ثُمَّ أَخَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٢﴾

۸۲. پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔

وَأَنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٦٣﴾

۸۳. اور اس (نوح علیہ السلام) کی تابعداری کرنے والوں میں سے (ہی) ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔^(۳)

إِذْ جَاءَ رَبُّكَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٦٤﴾

۸۴. جب کہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا عَبَدُونَ ﴿٦٥﴾

۸۵. انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ تُرِيدُونَ ﴿٦٦﴾

۸۶. کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟^(۴)

چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی طرح، آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے ابوالبشر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک) یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، حبشہ قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے صقالہ، ترک، خزر اور یاجوج ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح اللہ) وَاللَّهُ أَعْلَمُ

۱. یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام سمجھتے رہیں گے۔

۲. یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو بھی اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہوگا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے۔

۳. شیعۃ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین و اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح انابت الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی۔

۴. یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، درآں حالیکہ یہ پتھر اور مورتیاں ہیں۔

فَمَا أَطْعَمُ رَبِّي الْعَالَمِينَ ﴿۸۷﴾

۸۷. تو یہ (بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟^(۱)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿۸۸﴾

۸۸. اب ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی۔

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿۸۹﴾

۸۹. اور کہا میں تو بیمار ہوں۔^(۲)

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۹۰﴾

۹۰. اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے۔

فَوَارَعَ إِلَى الْهَيْمِ فَقَالَ آلَا تَأْكُلُونَ ﴿۹۱﴾

۹۱. آپ (چپ چپاتے) ان کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟^(۳)

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿۹۲﴾

۹۲. تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔

فَوَارَعَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿۹۳﴾

۹۳. پھر تو (پوری قوت کے ساتھ) دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے۔^(۴)

۱. یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہوگا اور تمہیں سزا نہیں دے گا۔

۲. آسمان پر غور و فکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا، جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ان کی قوم کا وہ دن آیا، جسے وہ باہر جاکر بطور عید اور قومی تہوار منایا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقع کی تلاش میں تھے، تاکہ ان کے بتوں کا تیا پانچہ کیا جاسکے۔ چنانچہ انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا۔ اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں یا آسمانوں کی گردش بتلاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، ہر انسان کچھ نہ کچھ بیمار ہوتا ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا ایک مستقل روگ تھا، جسے دیکھ کر وہ کڑھتے رہتے تھے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریے کا اظہار فرمایا جو اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا لیکن مخاطب اس کے متبادر مفہوم سے مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کی ضروری تفصیل سورہ انبیاء: ۶۳ میں گزر چکی ہے۔

۳. یعنی جو حلیات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انہیں نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

۴. رَاغ کے معنی ہیں، مَالٌ، ذَهَبٌ، أَقْبَلٌ، یہ سب قریب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے ضَرْبٌ بِالْيَمِينِ کا

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿۹۴﴾

۹۴. وہ (بت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔^(۱)

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَحْمِلُونَ ﴿۹۵﴾

۹۵. تو آپ نے فرمایا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں (خود) تم تراشتے ہو؟

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

۹۶. اور حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔^(۲)

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْفَوْهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿۹۷﴾

۹۷. وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اسے (دبکتی ہوئی) آگ میں ڈال دو۔

فَأَرْكَبُوهُ كَيْدًا فَجَعَلَهُمُ السَّعِيرِينَ ﴿۹۸﴾

۹۸. انہوں نے تو اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہیں کو نچا کر دیا۔^(۳)

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِيَنِي ﴿۹۹﴾

۹۹. اور اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔^(۴) وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰. اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

مطلب ہے ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔

۱. يَزْفُونَ، يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے۔ یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا، کہ یہ کام اسی نے کیا ہوگا، جیسا کہ سورہ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے چنانچہ انہیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

۲. یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انہیں معبود سمجھتے ہو، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

۳. یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے کمر و حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، اور آزمائش کو عطاء میں اور شر کو خیر میں بدل دیتا ہے۔

۴. حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جاکر اولاد کے لیے دعا کی۔ (فتح القدیر)

فَقَبَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤُا لِيْ اَرَى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اُذْجَبُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَابَتْ اَفْعَلْ مَا تُؤْمُرُ سَيِّدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ الصَّبْرِ ۝

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝

وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا بَرِّمُومُ
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّكَ لَازِلُكَ بِخَزِي
الْمُحْسِنِينَ ۝
اِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْعُمِيُّ ۝

۱۰۱۔ تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔^(۱)

۱۰۲۔ پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے،^(۲) تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟^(۳) بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجالائیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

۱۰۳۔ غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی^(۴) کے بل گرا دیا۔

۱۰۴۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! (علیہ السلام)۔

۱۰۵۔ یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا،^(۵) بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزاء دیتے ہیں۔

۱۰۶۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔^(۶)

۱۔ حَلِيمُ کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر بردبار ہو گا۔

۲۔ یعنی دوڑ دھوپ کے لائق ہو گیا یا بوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ ۱۳ سال کا تھا۔

۳۔ پیغمبر کا خواب، وحی اور حکم الہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

۴۔ ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جَبْهَةٌ) اس لیے لِلْجَبِينِ کا زیادہ صحیح ترجمہ ”کروٹ پر“ ہے یعنی اس طرح کروٹ پر لٹالیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ ”پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا“ ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

۵۔ یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے، حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

۶۔ یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخرو رہا۔

وَقَدَّيْنَاهُ بِذِي بَعْ عَظِيمٍ ۝

وَتَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝

سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

إِنَّهُم مِّنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝

وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ يَدْعَا مِن الصَّالِحِينَ ۝

وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اسْحَاقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ

وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

۱۰۷۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔^(۱)

۱۰۸۔ اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔

۱۰۹۔ ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔

۱۱۰۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

۱۱۱۔ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔

۱۱۲۔ اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی جو

نبی ہوگا صالح لوگوں میں ہوگا۔^(۲)

۱۱۳۔ اور ہم نے ابراہیم واسحاق (علیہ السلام) پر برکتیں نازل

فرمائیں،^(۳) اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو نیک

بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے

ہیں۔^(۴)

۱۔ یہ بڑا ذبیحہ ایک سینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف ہے کہ ذبح کون ہے، اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ امام شوکانی نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر فتح القدیر اور تفسیر ابن کثیر)

۳۔ یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء و رسل کی زیادہ تعداد انہیں کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور بھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

۴۔ شرک و معصیت اور ظلم و فساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک و بد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آباء کی نسبت، اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی

وَلَقَدْ مَنَّ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ

۱۱۳. اور یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بڑا احسان کیا۔^(۱)

وَجَعَلْنَاهُمَا قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۖ

۱۱۵. اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی۔^(۲)

وَصَرَّحْنَاهُمْ فَمَا نَوَّاهُمُ الْغُلَبِينَ ۖ

۱۱۶. اور ان کی مدد کی تو وہی غالب رہے۔

وَاتَيْنَاهُمَا الْكُتُبَ الْمُسَيَّنِينَ ۖ

۱۱۷. اور ہم نے انہیں (واضح اور) روشن کتاب دی۔

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۖ

۱۱۸. اور انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَرْضِ نَازِلًا ۖ

۱۱۹. اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی۔

سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ

۱۲۰. کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو۔

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ

۱۲۱. بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں۔

إِنَّهُمْ آمَنُوا بِعِبَادِنَا الْغُلَامِينَ ۖ

۱۲۲. یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

وَإِنَّ الْيَأْسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ

۱۲۳. اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔^(۳)

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَاتَقْتُمُونِ ۖ

۱۲۴. جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ

اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک و معصیت پر مبنی ہیں۔ اس لیے یہ اونچی نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

۱. یعنی انہیں نبوت و رسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔

۲. یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔

۳. یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بعلبک تھا، بعض کہتے ہیں اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بعل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا)

سے ڈرتے نہیں ہو؟^(۱)

۱۲۵. کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟

۱۲۶. اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے۔^(۲)

۱۲۷. لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر رکھے جائیں گے،^(۳)

۱۲۸. سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے۔

۱۲۹. اور ہم نے (الیاس علیہ السلام) کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا۔

۱۳۰. کہ الیاس (علیہ السلام) پر سلام ہو۔^(۴)

۱۳۱. ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

۱۳۲. بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔^(۵)

اَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ احْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿۱﴾

اللّٰهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَائِكُمُ الْاَوَّلٰينَ ﴿۲﴾

فَلَذَّبُوْهُ فَاَتٰهُمْ كَمُحْضَرُوْنَ ﴿۳﴾

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴﴾

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۵﴾

سَلِّمْ عَلٰٓى اِيْلِ يٰ اِسْمٰعِيْلَ ﴿۶﴾

اِنَّكَ ذٰلِكَ لَنَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷﴾

اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

۱. یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے، کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

۲. یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر و نیاز دینے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو، جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

۳. یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔

۴. الیاسین، الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو ”طور سینین“ بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو دوسری کتابوں میں ”ایلیا“ بھی کہا گیا ہے۔

۵. قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ جس سے دو مقصد ہیں۔ ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جزء ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیاء کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں۔ یعنی وہ پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ الہ یا اس کے جزء یا اس کے شریک۔

وَاِنَّ لَوْطًا لِّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾

اِذْ جَعَلْنَاهُ وَاَهْلًا اَجْعَبَيْنِ ﴿۱۳۴﴾

اِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَدِيرِ ﴿۱۳۵﴾

ثُمَّ دَمَرْنَا الْاٰخَرَيْنِ ﴿۱۳۶﴾

وَاِنَّا لَمَتَّبِعُونَ عَلَيْهِمْ مُّصْحِحِينَ ﴿۱۳۷﴾

وَيَاٰتِلَ اَقْلَامٍ لِّعَمَلٍ ﴿۱۳۸﴾

وَاِنَّ يُوْنُسَ لِمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۹﴾

اِذْ اَتٰهُ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۴۰﴾

فَسَاھَمَ فَمَّا كَانَ مِنَ الْمَدْحُضِيِّنَ ﴿۱۴۱﴾

فَاَلْقٰهُمُ الْحَوْثَ وَهُوَ يَلْعَبُ ﴿۱۴۲﴾

۱۳۳۔ اور بیشک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔

۱۳۴۔ ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو سب کو

نجات دی۔

۱۳۵۔ جزا اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی۔^(۱)

۱۳۶۔ پھر ہم نے اووروں کو ہلاک کر دیا۔

۱۳۷۔ اور تم تو صبح ہونے پر ان کی بستیوں کے پاس سے

گزرتے ہو۔

۱۳۸۔ اور رات کو بھی، کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟^(۲)

۱۳۹۔ اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔

۱۴۰۔ جب بھاگ کر پہنچے بھری کشتی پر۔

۱۴۱۔ پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے۔

۱۴۲۔ تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ

کو ملامت کرنے لگ گئے۔^(۳)

۱۔ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی، کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔

۲۔ یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے، گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب بحیرہ مردار ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ مکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بد انجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں کر ہو گا؟ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو، جو انہوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں کر محفوظ رہو گے؟

۳۔ حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینوی (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ آشوریوں کا پایہ تخت تھا، انہوں نے ایک لاکھ نو اسراہیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا، چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا، لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور

۱۴۳. پس اگر یہ پاک بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔

۱۴۴. تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔^(۱)

۱۴۵. پس انہیں ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھے۔^(۲)

۱۴۶. اور ان پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت^(۳) ہم نے اگادیا۔

۱۴۷. اور ہم نے انہیں ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔

۱۴۸. پس وہ ایمان لائے،^(۴) اور ہم نے انہیں ایک زمانہ تک عیش و عشرت دی۔

۱۴۹. ان سے دریافت کیجیے کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور ان کے بیٹے ہیں؟

۱۵۰. یا یہ اس وقت موجود تھے جب کہ ہم نے فرشتوں

قَالُوا أَأَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسِيحِينَ

لَكَيْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ

وَأَبْتَدْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْزَيْنَ وَنَافِئُونَ

فَأَمْنُوا بِمَا نَحْنُ لَهُمُ إِلَى حِينٍ

فَأَسْقَيْنَهُمُ الْبِرَّ الْبَنَاتِ وَلَهُمُ الْبَنُونَ

أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ

سامانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی، جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے، یعنی طوعاً و کرہاً اپنے کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ثابت نکل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

۱. یعنی توبہ و استغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، (جیسا کہ انہوں نے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الانبیاء: ۸۷) کہا) تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

۲. جیسے ولادت کے وقت بچہ یا جانور کا چوزہ ہوتا ہے، مضطرب، کمزور اور ناتواں۔

۳. يَقْطِينُ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تئیں پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، کدو وغیرہ کی بیل۔ یعنی اس چٹیل میدان میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت۔ ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔

۴. ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورہ یونس: ۹۸ میں گزر چکا ہے۔

کو مؤنث پیدا کیا۔^(۱)

۱۵۱. آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افتراء پر دازی سے کہہ رہے ہیں۔

۱۵۲. کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں۔

۱۵۳. کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی۔^(۲)

۱۵۴. تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟

۱۵۵. کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟^(۳)

۱۵۶. یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔

۱۵۷. تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ۔^(۴)

۱۵۸. اور ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان

بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے،^(۵) حالانکہ خود جنات کو معلوم ہے کہ وہ (اس عقیدہ کے لوگ عذاب کے سامنے) پیش کیے جائیں گے۔^(۶)

أَلَا لَهُمْ مِّنْ أَفْكَهَمْ لِيَقُولُونَ ﴿۵۸﴾

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَهُمْ لَكِذْبُونَ ﴿۵۹﴾

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۶۰﴾

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۶۱﴾

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۲﴾

أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿۶۳﴾

فَأْتُوا بِآيٰتِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۶۴﴾

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَآءً وَلَقَدْ عَلِمَتْ

الْجَنَّةُ أَنَّهُمْ كٰذِبُونَ ﴿۶۵﴾

۱. یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے اور انہوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔

۲. جب کہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔

۳. کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو ذکر ہوتی، جس کو تم بھی پسند کرتے اور بہتر سمجھتے ہو، نہ کہ بیٹیاں، جو تمہاری نظروں میں کمتر اور حقیر ہیں۔

۴. یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مؤنث، چلو کوئی نقلی دلیل ہی دکھاؤ، کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو؟

۵. یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہی بنات اللہ، فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قرابت داری (سسرالی رشتہ) قائم ہو گیا۔

۶. حالانکہ یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا؟ کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انہیں عذاب الہی بھگتنے کے لیے ضرور جہنم میں جانا ہوگا، تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

۱۵۹. جو کچھ یہ (اللہ کے بارے میں) بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے۔

۱۶۰. سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔^(۱)

۱۶۱. یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے معبودان (باطل)۔

۱۶۲. کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے۔

۱۶۳. بجز اس کے جو جہنمی ہی ہے۔^(۲)

۱۶۴. اور (فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر

ایک کی جگہ مقرر ہے۔^(۳)

۱۶۵. اور ہم تو (بندگی الہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں۔

۱۶۶. اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔^(۴)

۱۶۷. اور کفار تو کہا کرتے تھے۔

۱۶۸. کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کا ذکر ہوتا۔

۱۶۹. تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے۔^(۵)

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱﴾

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۲﴾

وَأَنَّا لَمَوْلَىٰ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۳﴾

مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ بِفَاعِلِينَ ﴿۴﴾

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۵﴾

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۶﴾

وَأَنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ ﴿۷﴾

وَأَنَّا لَنَحْنُ السَّيِّحُونَ ﴿۸﴾

وَأَنَّا كَانُوا يَلْقَوْنَ ﴿۹﴾

لَوْ أَنَّا عِنْدَ نَادٍ ذُرِّئًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۰﴾

لَلَّكُمَا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۱﴾

۱. یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (چنے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ لَمْ حَضَرُوا سے استثناء اور تسبیح بملء معترضہ ہے۔

۲. یعنی تم اور تمہارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی جہنمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔

۳. یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

۴. مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اسکی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں، نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

۵. ذکر سے مراد کوئی کتاب الہی یا پیغمبر ہے۔ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی، جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور مندر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا، تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

۱۷۰۔ لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے،^(۱) پس اب عنقریب جان لیں گے۔^(۲)

۱۷۱۔ اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے۔

۱۷۲۔ کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے۔

۱۷۳۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔^(۳)

۱۷۴۔ اب آپ کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لیجیے۔^(۴)

۱۷۵۔ اور انہیں دیکھتے رہیے،^(۵) اور یہ بھی آگے چل کر دیکھ لیں گے۔

۱۷۶۔ کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی پجارہے ہیں؟

۱۷۷۔ سنو! جب ہمارا عذاب ان کے میدان میں اتر آئے گا اس وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا بڑی بری صبح ہوگی۔^(۶)

۱۷۸۔ اور آپ کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دیجیے۔

فَكَفَرُوا بِآيِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۰﴾

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِجِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۱﴾

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾

وَأَنَّ جُنُودَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۷۳﴾

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حَبْنُ ﴿۱۷۴﴾

وَأَبْصُرُهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ﴿۱۷۵﴾

أَفِعِدَّا إِنِّي نَسْتَعِجِلُونَ ﴿۱۷۶﴾

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۷﴾

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حَبْنُ ﴿۱۷۸﴾

۱۔ یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول ﷺ ہادی بن کر آگئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کا انکار کر دیا۔

۲۔ یہ تہدید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

۳۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ (المجادلة: ۲۱) (اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے)۔

۴۔ یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجیے۔

۵۔ کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

۶۔ مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے، تو یہودی انہیں دیکھ کر گھبرا گئے، جس پر نبی ﷺ نے بھی اللہ اکبر کہہ کر فرمایا تھا۔ «خَرَبْتُ خَيْبَرَ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ» (خیبر خراب ہو (یعنی اہل خیبر ہمارے مقابلہ میں ناکامیاب ہوں) بیشک ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو جن کو پہلے سے ڈرا دیا گیا ہے ان کی صبح بہت بُری ہوتی ہے)۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، مسلم، کتاب الجہاد باب غزوة خیبر)

وَأَبْرَصُونَ يُصْرُونَ ﴿۱۷۹﴾

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾

وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۲﴾

۱۷۹. اور دیکھتے رہے یہ بھی ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔^(۱)۱۸۰. پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں۔^(۲)۱۸۱. اور پیغمبروں پر سلام ہے۔^(۳)۱۸۲. اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔^(۴)

۱. یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر و احد اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔

۲. اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً اس کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کوتاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔

۳. کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا، جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔

۴. یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر الہی کرو۔ حمد کے معنی ہیں بقصد تعظیم ثناء جمیل، ذکر خیر اور عظمتِ شان بیان کرنا۔

سورہ ص کی ہے اور اس میں اٹھاسی آیتیں
اور پانچ رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ص وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ

بَلِ الدِّیْنِ کُفْرًا وَّابِیْ عَرَّةٍ وَشِقَاقِی ۝

کَؤُھْلَکُم مِّنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَ ذَاکَ اٰتِ
حِیْنَ مَنَاصِی ۝

وَعِیْجُوْا اِنَّ جَاءَکُمْ مِّنْذِرْنٰهُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ
هٰذَا سِحْرٌ کَذٰبٌ ۝

اَجَعَلَ الْاِلٰهَۃَ الْاِلٰهَۃَ اِوْحٰدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجَبٌ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ص! اس نصیحت والے قرآن کی قسم۔^(۱)

۲. بلکہ کفار غرور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۲)

۳. ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سی امتوں کو تباہ
کر ڈالا^(۳) انہوں نے ہر چند جج و پکار کی لیکن وہ وقت
چھٹکارے کا نہ تھا۔^(۴)

۴. اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس
ایک ڈرانے والا ان ہی میں سے آگیا^(۵) اور کہنے لگے کہ
یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔

۵. کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود

۱. جس میں تمہارے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں، جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔
بعض نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتب والا، کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اس لیے
کہ قرآن عظمت و شان کا حامل بھی ہے اور اہل ایمان و تقویٰ کے لیے نصیحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب
محذوف ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) ساحر، شاعر یا کاذب ہیں۔ بلکہ وہ
اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔

۲. یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے لیے نصیحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں البتہ ان کافروں کو
اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت و عناد۔ عزت
کے معنی ہوتے ہیں، حق کے مقابلے میں اکڑنا۔

۳. جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر و تکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئے۔

۴. یعنی انہوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھا نہ فرار کا۔ اس
لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے لآت، لا ہی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے نَم کو
نَمَہ بھی بولتے ہیں مَنَاص، نَاصِ یُنَوِّصُ کا مصدر ہے، جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔

۵. یعنی انہی کی طرح کا ایک انسان، رسول کس طرح بن گیا۔

کر دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔^(۱)

۶. اور ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو جی اور اپنے معبودوں پر جے رہو،^(۲) یقیناً اس بات میں تو کوئی غرض ہے۔^(۳)

۷. ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی،^(۴) کچھ نہیں یہ تو صرف گھڑنت ہے۔^(۵)

۸. کیا ہم سب میں سے اسی پر کلام الہی نازل کیا گیا ہے۔^(۶) دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں،^(۷) بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) انہوں نے اب تک میرا عذاب چکھا ہی نہیں۔^(۸)

وَأَطْلَقَ الْمَلَكُ مِنْهُمْ أَنْ أَمْسُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ إِلَٰهِكُمْ
إِنَّ هَذَا لَكُنَّ يُرَآؤُ

مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمَلَكَةِ الْآخِرَةِ إِنَّ هَذَا إِلَّا
اخْتِلَافٌ

أَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِ أَكْبَلِ هُمْ فِي سَكَنٍ مِنْ
ذِكْرِي بَلْ لَمَّا يَدْعُونَ عَذَابًا

۱. یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے؟ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔

۲. یعنی اپنے دین پر جے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (ﷺ) کی بات پر کان مت دھرو۔

۳. یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت و سیادت منوالا چاہتا ہے۔

۴. پچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے، یا پھر دین نصاریٰ۔ یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی بابت تو ہم نے کسی بھی دین میں نہیں سنا۔

۵. یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھڑت ہے، ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے۔

۶. یعنی مکہ میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو چھوڑ کر وحی و رسالت کے لیے محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟ یہ گویا انہوں نے اللہ کے انتخاب میں کیرٹے نکالے۔ سچ ہے خوئے بد را بہانہ بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ زخرف ۳۱-۳۲۔

۷. یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انہیں محمد (ﷺ) کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت عقل سے انہیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب و شک میں مبتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔

۸. کیونکہ عذاب کا مزہ کچھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے۔ اور جب یہ تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے تو وہ وقت ایسا ہوگا کہ پھر نہ تصدیق کام آئے گی، نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔

۹. یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں۔^(۱)

۱۰. یا کیا آسمانوں و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ان ہی کی ہے، تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں۔^(۲)

۱۱. یہ بھی (بڑے بڑے) لشکروں میں سے شکست پایا ہوا (چھوٹا سا) لشکر ہے۔^(۳)

۱۲. ان سے پہلے بھی قوم نوح اور عاد اور میتوں والے فرعون^(۴) نے جھٹلایا تھا۔

۱۳. اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں^(۵) نے بھی، یہی (بڑے) لشکر تھے۔

أَمْعِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝

أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَنْتَظِرُوٓا۟ اِنِ ٱلْأَسْبَابُ ۝

جُنُودُهُمْ مُّهِزُّوۡمٌ مِّنَ ٱلْأَحْزَابِ ۝

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو ٱلْأَوْتَارِ ۖ

وَشُعُرٌ مِّنْ قَوْمٍ لُّوٓطٍ وَٱصْحٰبُ ٱلنَّارِ ۚ ۝

۱. کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، انہی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بہت دینے والا ہے، تو پھر انہیں نبوت محمدی ﷺ سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نوازنے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔

۲. یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد ﷺ پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب، سبب کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو۔ اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے کا بھی کیا گیا ہے، جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ یعنی سیرھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کر دیں۔ (فتح القدیر)

۳. جُنُودٌ، مبتدا محذوف، ہُم کی خبر ہے اور مَا بطور تاکید تعظیم و تحقیر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے۔ یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، بڑا ہے۔ یا حقیر، اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں نہ اس سے خوف کھائیں، شکست اس کا مقدر ہے۔ هُنَالِكَ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر اور یوم فح کہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں کافر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

۴. فرعون کو میتوں والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غضب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں، پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا، یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت و شوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے یعنی میتوں سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے، اس کا لشکر جبار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت و استحکام کا باعث تھے۔

۵. أَصْحَابُ النَّارِ کے لیے دیکھیے سورہ شعراء: ۱۷۶ کا حاشیہ۔

إِنْ كُلُّ الْأَكْدَبِ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابٌ ۝

وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝

وَقَالُوا إِنَّا نَعَجِّلُ لَكَ قِطْعًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

إِصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَادْخُلْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْكَرِيمِ إِنَّهُ آوَابٌ ۝

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَصِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝

وَالظَّيْرِ كَشُورَةٍ كُلُّ لَهْ أَوَابٌ ۝

۱۴. ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو پس میری سزا ان پر ثابت ہوگئی۔

۱۵. اور انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے ^(۱) جس میں کوئی توقف (اور ڈھیل) نہیں ہے۔ ^(۲)

۱۶. اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری سرنوشت تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے۔ ^(۳)

۱۷. آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داود (علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا، ^(۴) یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔

۱۸. ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔

۱۹. اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر، سب کے سب اس کے

۱. یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہو جائے گی۔

۲. دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ دیر بعد بچے کو اونٹنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد بچے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے، یہ فَوَاقٍ کہلاتا ہے۔ یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا، بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

۳. قِطْعٌ کے معنی ہیں، حصہ، مراد یہاں نامۂ عمل یا سرنوشت ہے۔ یعنی ہمارے نامۂ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں اچھی یا بری سزا جو بھی ہے، یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ یَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انہوں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہا۔

۴. یہ آئید، یَدٌ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ آدَیْنِید کا مصدر آئید ہے، قوت و شدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت و صلابت ہے، جس طرح حدیث میں آتا ہے (اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز، داود علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے، داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے، پھر اٹھ کر رات کا تہائی حصہ قیام کرتے اور پھر اس کے چھ حصے میں سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نافع کرتے اور جنگ میں فرار نہ

زیر فرمان رہتے۔^(۱)

۲۰. اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا^(۲) اور اسے حکمت دی تھی^(۳) اور بات کا فیصلہ کرنا۔^(۴)

۲۱. اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر ملی؟ جب کہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے۔^(۵)

۲۲. جب یہ (حضرت) داود (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، پس یہ ان سے ڈر گئے،^(۱) انہوں نے کہا خوف نہ کیجیے، ہم دو فریقِ مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور ناانصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجیے۔^(۲)

۲۳. (سنیے) یہ میرا بھائی ہے^(۸) اس کے پاس نناوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے لیکن یہ

وَسَدَدْنَا لَكُمُ الْوَيْبَةَ الْكُبَىٰ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ۝

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسُوَّرُ الْجُنَابِ ۝

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَعْصِفْ خَصْمَيْنِ فَبُغِيَ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاجْلَمَ بَيْنُنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الْخِرَابِ ۝

إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعَجَةً وَقَدْ آتَتْهُ وَاحِدَةً فَقَالَ أَمْلَيْتُهَا وَعِزَّنِي عَلَىٰ الْخِطَابِ ۝

۱. یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ محشورۃ کا معنی مجموعہ ہے۔

۲. ہر طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے سے۔

۳. یعنی نبوت، اصابت رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

۴. یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت و تفقہ اور استدلال و بیان کی قوت۔

۵. مَحْرَاب سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پہرے دار ہوتے، تاکہ کوئی اندر آکر عبادت میں مغل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آگئے۔

۶. ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کے بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرا، انہوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا، انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب و کمال نبوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو مادی اسباب سے۔

۷. آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔

۸. بھائی سے مراد دینی بھائی یا شریک کاروبار یا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔

مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے^(۱) اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتا ہے۔^(۲)

۲۴. آپ نے فرمایا! اس کا اپنی ذمیوں کے ساتھ تیری ایک دینی ملا لینے کا سوال بیشک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور اکثر حصہ دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں،^(۳) سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں^(۴) اور (حضرت) داود (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے^(۵) اور (پوری طرح) رجوع کیا۔

۲۵. پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف کر دیا،^(۶) یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَجْوِكَ إِلَىٰ رِجَالِكَ أَصْحَابُكَ
كَتَبْنَا لَهُمُ الْخُطَاةَ أَفِيئَةً لِّبَعْضِهِمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لَّا
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَقِيلَ لَهُمْ
وَكُلْنَ دَاوُدُ إِنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا
وَأَنَابَ ۚ



فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّا لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنُ
مَآبٍ ۝

۱. یعنی یہ ایک دینی بھی میری ذمیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤں۔
۲. دوسرا ترجمہ ہے ”اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے“ یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی و طراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔
۳. یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔
۴. البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور وہ عمل صالح کے پابند ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں۔ تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔
۵. ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

۶. حضرت داود (علیہ السلام) کا یہ کام تھا جس پر انہیں کوتاہی کا اور توبہ و ندامت کے اظہار کا احساس ہوا، اور اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں، جو ایک نبی کی شان سے فروتر ہیں۔ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن و حدیث اس معاملے میں خاموش ہیں

بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔

۲۶۔ اے داؤد! (عَلَيْهِ السَّلَام) ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَوْمَ الْحِسَابِ

تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مفسرین کا ایک تیسرا گروہ ہے جو اس واقعے کی بعض جزئیات اور تفصیلات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے۔ تاہم یہ کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فوجی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ اس زمانے کے عرف میں معیوب بات نہیں تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا، جس کی بنا پر ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہیے نہ کہ ایک عام سی عورت۔ تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیض یاب ہو۔ یہ خواہش کتنے بھی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو، لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے۔ دوسرے بادشاہ وقت کی طرف سے اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک تمثیلی واقعے سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا اور انہیں فی الواقع اس پر تنبیہ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے یہ دو شخص فرشتے تھے جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوئے، حضرت داؤد علیہ السلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لیے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی اور بارگاہ الہی میں جھک گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے، انسان ہی تھے اور یہ فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لیے وہ آئے تھے اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعے میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پہلو تھے، ایک تو بلا اجازت دیوار پھاند کر آنا۔ دوسرا، عبادت کے مخصوص اوقات میں آکر خلل ہونا۔ تیسرا، ان کا طرز تکلم بھی آپ کی حاکمانہ شان سے فروتر تھا (کہ زیادتی نہ کرنا وغیرہ) لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ مشغول نہیں ہوئے اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ لیکن دل میں جو طبعی ناگواری کا ہلکا سا احساس بھی پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوتاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی، اس لیے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہیے تھا، جس پر انہوں نے توبہ و استغفار کا اہتمام کیا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۲۷۔ اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ناحق پیدا نہیں کیا،^(۱) یہ گمان تو کافروں کا ہے، سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی۔

۲۸۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟
۲۹۔ یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

۳۰۔ اور ہم نے داود کو سلیمان (عَلَيْهِمَا السَّلَامُ) (نامی فرزند) عطا فرمایا، جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع کرنے والا تھا۔
۳۱۔ جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے گھوڑے پیش کیے گئے۔^(۲)

۳۲۔ تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا۔

۳۳۔ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔^(۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِإِذْنِ ذَلِكَ ظُنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

كُنْزٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِيَذَّكَّرُوا أَلِيَّةَ وَلِيَّتْ ذَكَّرُوا وَلَوْ الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾

إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعِشِيِّ الْمُصَفَّتِ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾

رُدُّوْهَا عَلَيَّ طَفِيفٌ مِّسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْتَانِ ﴿٣٣﴾

۱۔ بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادت کریں، جو ایسا کرے گا، میں اسے بہترین جزاء سے نوازاں گا اور جو میری عبادت و اطاعت سے سرتابی کرے گا، اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

۲۔ صَافِنَاتٌ، صَافِنٌ یا صَافِنَةٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ جِیَادٌ جَوَادٌ کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یعنی حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے بغرض جہاد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے، وہ عمدہ اسیل تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام پر معاینے کے لیے پیش کیے گئے۔ عِشِيٌّ، ظہر یا عصر سے لے کر آخر دن تک کے وقت کو کہتے ہیں، جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۔ اس ترجمے کی رو سے أَحَبَبْتُ، بمعنی اَثَرْتُ (ترجیح دینا) اور عَنْ بمعنی عَلٰی ہے۔ اور تَوَارَتْ کا مرجع شَمْسٌ ہے جو آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے، لیکن قرینہ اس پر دال ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں ﴿مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْتَانِ﴾ کا

۳۴. اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا^(۱) پھر اس نے رجوع کیا۔

۳۵. کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو،^(۲) تو بڑا ہی دینے والا ہے۔

وَلَقَدْ فْتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَاعِلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۝

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

ترجمہ بھی ذبح کرنا ہوگا یعنی مَسْحًا بِالسَّيْفِ کا مفہوم۔ مطلب ہوگا کہ گھوڑوں کے معاینہ میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی عصر کی نماز یا وظیفہ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انہیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پردہ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد، نماز یا وظیفے سے غافل رہا۔ چنانچہ اس کی تلافی اور ازالے کے لیے انہوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں ذبح کر ڈالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عَنْ أَجَلٍ کے معنی میں ہے اَيُّ: لِأَجَلٍ ذِكْرٍ رَبِّي، یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔ یعنی اس کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے۔ پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انہیں دوبارہ طلب کیا اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خَيْرٌ، قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے۔ تَوَارِثَ کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۱. یہ آزمائش کیا تھی، کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعے کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہمبستری کروں گا تاکہ ان سے شاہ سوار پیدا ہوں جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور اس پر ان شاء اللہ انہیں کہا (یعنی صرف اپنی ہی تدبیر پر سارا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص یعنی آدھا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اگر سلیمان (علیہ السلام) ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔ (صحیح البخاری، کتاب الأنبياء، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الاستثناء) ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا یا صرف اپنی تدبیر پر اعتماد کرنا یہی فتنہ ہو، جس میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) مبتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص اَخْلَقْتُ بچہ ہو۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۲. یعنی شاہ سواروں کی فوج پیدا ہونے کی آرزو، تیری حکمت و مشیت کے تحت پوری نہیں ہوئی، لیکن اگر مجھے ایسی باختیار بادشاہت عطا کر دے کہ وہی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو، تو پھر اولاد کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

مَقَرَّنَا لَهُ الرَّجْمَ جَزَاءً لِّمَا حَقَّتْ أَصَابُهُ ۖ

وَالشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَاءٍ وَعَوَاصٍ ۖ

وَالْآخَرِينَ مَقَرَّرِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝

هَذَا عَطَاؤُنَا لِلْآمِنِ أَوَّامٍ سِكَ بَعْدَ حَسَابٍ ۝

وَأَنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحَسَنَ مَّآلٍ ۖ

وَأَذِّنْ لِلْعِبَادِ أَنَّ أَيُّوبَ إِذْ دَاوَىٰ رَبَّهُ أَتَىٰ مَسْتَوًى
الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۖ

۳۶۔ پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔^(۱)
۳۷۔ اور (طاقت ور) جنات کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔

۳۸۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔^(۲)

۳۹۔ یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کر یا روک رکھ، کچھ حساب نہیں۔^(۳)

۴۰۔ اور ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔^(۴)

۴۱۔ اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا (بھی) ذکر کر، جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے۔^(۵)

۱۔ یعنی ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی، یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بنایا ہے، جب کہ دوسرے مقام پر اسے تند و تیز کہا ہے، (الانبیاء: ۸۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدا انشی قوت کے لحاظ سے تند ہے۔ لیکن سلیمان (علیہ السلام) کے لیے اسے نرم کر دیا گیا، یا حسب ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم، جس طرح حضرت سلیمان (علیہ السلام) چاہتے۔ (فتح القدیر)

۲۔ جنات میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے، انہیں بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا، تاکہ وہ اپنے کفر یا سرکشی کی وجہ سے سرتابی نہ کر سکیں۔

۳۔ یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نوازا دیا، اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے، جسے چاہے نہ دے، تجھ سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

۴۔ یعنی دنیاوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو قرب خاص اور مقام خاص حاصل ہو گا۔

۵۔ حضرت ایوب (علیہ السلام) کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشہور ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی تباہی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ رہ گئی جو صبح و شام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کو کہیں کام کاج کر کے بقدر کفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر متعدد

۴۲. اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔^(۱)

۴۳. اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی اسی کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے،^(۲) اور عقلمندوں کی نصیحت کے لیے۔^(۳)

۴۴. اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے کر مار دے اور قسم کے خلاف نہ کر،^(۴) سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور یقیناً

أَرْضُ بِرَجْلِكَ هَذَا مُعْتَسِلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِمَّا لَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا
وَوَدَّعَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝

وَعُدُّ بِبِكَ ضَعْفًا قَاصِرٌ بِهِ وَلَا تَحْنُتْ رَأَا
وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ نَصَب سے جسمانی تکالیف اور عذاب سے مالی ابتلاء مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے درآن حالیکہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، کہ ممکن ہے شیطان کے وسوسے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

۱. اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیہ مارو، جس سے ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ اس کا پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔

۲. بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال و اولاد سے انہیں نواز دیا جو پہلے سے دو گنا تھا۔

۳. یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا، تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلاء و شدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔

۴. بیماری کے ایام میں خدمت گزار بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی، صحت یاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار دے، تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر حادث ہونے سے بچ سکتا ہے؟ بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جاسکتا ہے۔ (فتح القدیر) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بھی ایک معذور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ (مسند احمد: ۲۲۴/۵ ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الکبیر والمریض یجب علیہ الحد، صحیحہ الابنابی) جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

بہت رجوع کرنے والا تھا۔

۴۵. اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔^(۱)

۴۶. ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔^(۲)

۴۷. اور یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔
۴۸. اور اسماعیل، یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔^(۳)

۴۹. یہ نصیحت ہے اور یقین مانو کہ پرہیزگاروں کے لیے بڑی اچھی جگہ ہے۔

۵۰. (یعنی بیشگی والی) جنتیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

۵۱. جن میں با فراغت تکیے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں۔

۵۲. اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔^(۴)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَأِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الْكَلَامِ ۝

وَأَنَّمْ عِنْدَنَا لِكُلِّ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝
وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَذَا الْكُفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝

هَذَا ذِكْرٌ وَإِن لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَّآبٍ ۝

جَدَّتْ عَدْنٌ مُّفْتَحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝

مُنْكِبِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكٍ كَثِيرَةٍ وَسَرَّابٍ ۝

وَعِنْدَهُمْ قُصُورُ الْمَرْفُوعِ الْأَرْبَابُ ۝

۱. یعنی عبادت الہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی و علمی بصیرت میں ممتاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اَیْدِیٰ بمعنی نَعَم ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام واحسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔
۲. یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا، چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد و تقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں کوشاں رہتے تھے۔

۳. یسع علیہ السلام کہتے ہیں حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، آل تعریف کے لیے ہے اور عجی نام ہے، ذوالکفل کے لیے دیکھیے سورۃ الانبیاء آیت: ۸۵ کا حاشیہ۔ اَخْيَارٌ، خَيْرٌ یا خَيْرٌ کی جمع ہے جیسے مَيِّتٌ کی جمع اَمَوَاتٌ ہے۔

۴. یعنی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے متجاوز نہیں ہوں گی اَتْرَابٌ، تَرْبٌ کی جمع ہے، ہم عمر یا لازوال حسن و جمال کی حامل۔ (فتح القدیر)

۵۳۔ یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کے لیے کیا جاتا تھا۔

۵۴۔ بیشک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔^(۱)

۵۵۔ یہ تو ہوئی جزاء،^(۲) (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے^(۳) بری جگہ ہے۔

۵۶۔ دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ) کیا ہی برا بچھونا ہے۔

۵۷۔ یہ ہے، پس اسے چمکیں، گرم پانی اور پیپ۔^(۴)

۵۸۔ اور اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب^(۵)

۵۹۔ یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ (آگ میں) جانے والی ہے،^(۱) ان کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں ہے^(۲) یہی

هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾

إِنَّ هَذَا لِرِزْقِنَا مَالَكُم مِّنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

هَذَا وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ أَشْرَمَ مَالٍ ﴿٥٥﴾

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَيَسْأَلُ الْيَهُودَ

هَذَا فَلْيَذُوقُوا حِمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٥٧﴾

وَأَخْرَمٍ سَكَلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾

هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْجَا لَهُمْ

لَأَنَّهُمْ صَالُوا النَّارَ ﴿٥٩﴾

۱۔ رزق، بمعنی عطیہ ہے اور ہذا سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام و اعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ یاب ہوں گے۔ نفاد کے معنی انقطاع اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز و اکرام بھی دائمی۔

۲۔ ہذا، مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی الَاَمْرُ هَذَا یا هَذَا مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے یعنی هَذَا كَمَا ذَكَرَ یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

۳۔ طَاغِينَ، جنہوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی۔ یَصْلَوْنَ کے معنی ہیں یَدْخُلُونَ، داخل ہوں گے۔

۴۔ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ، ہذا کی خبر ہے یعنی هَذَا حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ فَلْيَذُوقُوا یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے چکھو۔ حَمِيمٌ، گرم کھولتا ہوا پانی، جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ غَسَّاقٌ، جہنمیوں کی کھالوں سے جو پیپ اور گندا لہو نکلے گا۔ یا سخت ٹھنڈا پانی، جس کا پینا، نہایت مشکل ہوگا۔

۵۔ سَكَلِهِ، اس جیسے اَزْوَاجِ انواع و اقسام یعنی حمیم و غساق جیسے اور بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔

۶۔ جہنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے، ائمہ کفر اور پیشوایان ضلالت سے کہیں گے، جب پیروکار قسم کے کافر جہنم میں جائیں گے۔ یا ائمہ کفر و ضلالت آپس میں یہ بات پیروکاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

۷۔ یہ لیڈر، جہنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے۔ رَحْبَةً کے معنی وسعت و فراخی کے ہیں۔ مرحبا یہ کَلِمَةٌ تَرَجِيبٌ یعنی خیر مقدمی الفاظ ہیں جو آنے والے مہمان کے استقبال کے وقت کہے جاتے ہیں۔ لَا مَرْجَا اس کے برعکس ہے۔

تو جہنم میں جانے والے ہیں۔^(۱)

۶۰. وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو جن کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا،^(۲) پس رہنے کی بڑی بری جگہ ہے۔

۶۱. وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لیے پہلے سے نکالی ہو^(۳) اس کے حق میں جہنم کی دو گنی سزا کر دے۔^(۴)

۶۲. اور جہنمی کہیں گے کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔^(۵)

۶۳. کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا^(۶) یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں۔^(۷)

۶۴. یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہو گا۔^(۸)

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ أَمْوَجَاءُكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مُمُؤُّو
لَكُمْ قَسَمٌ الْفَارُ ۝

قَالُوا إِنَّمَا مَن قَدْ مَرَّ لَنَا هَذَا فِرْدَوْهَ عَدَا بِلَا ضِعْفًا
فِي النَّارِ ۝

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّن
الْأَشْرَارِ ۝

أَخَذَ لَهُمْ سَعِيرٌ بِأُفْرِزَاجَتِ عَنْهُمْ الْكَصْبَارِ ۝

إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَافُ أَهْلَ النَّارِ ۝

۱. یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے۔ یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجہ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جہنم میں داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، یہ بھی عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔
۲. یعنی تم ہی کفر و ضلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذاب جہنم کے پیش کار تو تم ہی ہو۔ یہ پیر و کار، اپنے مقتداؤں کو کہیں گے۔

۳. یعنی جنہوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنہوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھجوا۔

۴. یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورة الاعراف: ۳۸، سورة الاحزاب: ۶۸۔

۵. اَشْرَارٌ سے مراد فقرءا مومنین ہیں۔ جیسے عمار، خباب، صہیب، بلال و سلمان وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم، انہیں رؤسائے مکہ ازراہ جث "برے لوگ" کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد، انتہا پسند وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔

۶. یعنی دنیا میں، جہاں ہم غلطی پر تھے؟

۷. یا وہ بھی ہمارے ساتھ ہی یہیں کہیں ہیں، ہماری نظریں انہیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں؟

۸. یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو مورد طعن بنانا، ایک ایسی حقیقت ہے، جس میں متخلف نہیں ہو گا۔

۶۵. کہہ دیجیے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں^(۱)
اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں۔

۶۶. جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ
ان کے درمیان ہے ان سب کا، وہ زبردست ہے اور بڑا
بخشنے والا ہے۔

۶۷. آپ کہہ دیجیے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے۔^(۲)

۶۸. جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو۔

۶۹. مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم
ہی نہیں جب کہ وہ تکرار کر رہے تھے۔^(۳)

۷۰. میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو
صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔^(۴)

۷۱. جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے
ارشاد فرمایا^(۵) کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے
والا ہوں۔^(۶)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِّنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ۝

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝

قُلْ هُوَ بَوَّابُ عَظِيمٍ ۝

أَن تَوَعْنَهُ مَعْرُضُونَ ۝

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝

إِنْ يُؤَخِّرْ لِي إِلَّا إِلَهُكَ إِنَّا نَزِيرٌ مُّبِينٌ ۝

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا
مِّنْ طِينٍ ۝

۱. یعنی جو تم گمان کرتے ہو، میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔

۲. یعنی میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے، جس سے اعراض
وغفلت نہ برتو، بلکہ اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۳. ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے، اس اختصام (بحث
ونکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی۔ جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

۴. یعنی میری ذمہ داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض وسنن تمہیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الہی سے
بچ جاؤ گے اور ان محرمات ومعاصی کی وضاحت کردوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الہی کے اور بصورت دیگر اس کے
غضب وعقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انذار ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

۵. یہ قصہ اس سے قبل سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب
اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

۶. انسان کو بشر، زمین سے اس کے تعلق کی وجہ سے کہا۔ یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ
اسی زمین پر کر رہا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بادی البشرۃ ہے۔ یعنی اس کا جسم یا چہرہ ظاہر ہے۔

۷۲. سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں^(۱) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں،^(۲) تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔^(۳)

۷۳. چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔^(۴)

۷۴. مگر ابلیس نے (نہ کیا)، اس نے تکبر کیا^(۵) اور وہ تھا کافروں میں سے۔^(۶)

۷۵. (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! تجھے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔^(۷) کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا ہے؟ یا تو بڑے

فَاذْأَسْوَيْتُهُ وَلَقَعْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي فَتَقُوْا لَهُ
سُجْدًا ۝۴۰

مَسْجَدًا اَلَيْسَ لَّكَ كُلُّهُمْ اٰجِعُوْنَ ۝۴۱

اِلَّا اَبْلِسُ اَسْتَكْبَرُ وَاَنْ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ۝۴۲

قَالَ يٰۤاَبْلِسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ
بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِيْنَ ۝۴۳

۱. یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزاء درست اور برابر کر لوں۔

۲. یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی، زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ انسان کے شرف و عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔

۳. یہ سجدہ تحیہ یا سجدہ تعظیم ہے، سجدہ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا، اسی لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو اس کا حکم دیا۔ اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا، اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب عشرة النساء، بحوالہ ترمذی وقال الألبانی، وهو حدیث صحیح لشواہدہ)

۴. یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مسجود ملائک بنا دیا۔ یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تعظیماً سجدہ کیا۔ کُلُّهُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد اَجْمَعُوْنَ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے یک وقت ہی کیا۔ مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تاکید در تاکید تعمیم میں مبالغے کے لیے ہے۔ (فتح القدر)

۵. اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ استثناء متصل ہوگا یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہوگا، بصورت دیگر یہ استثناء منقطع ہے یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا گیا۔ مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔

۶. یہ کان صَاَرَ کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے استکبار کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔

۷. یہ بھی انسان کے شرف و عظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا، ورنہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

درجے والوں میں سے ہے۔

۷۶. اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا، اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔^(۱)

۷۷. ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا۔

۷۸. اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھینکا ہے۔

۷۹. کہنے لگا میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے۔

۸۰. (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو مہلت والوں میں سے ہے۔

۸۱. متعین وقت کے دن تک۔

۸۲. کہنے لگا پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکادوں گا۔

۸۳. بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں۔

۸۴. فرمایا سچ تو یہ ہے، اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں۔

۸۵. کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی) جہنم کو بھر دوں گا۔

۸۶. کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا^(۲) اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔^(۳)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيمٌ ۝

وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝

قَالَ فَيُعَذِّبُكَ لَعْنَتِي يَوْمَ يُجْعَلُونَ ۝

إِلَّا عِبَادًا مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ۝

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَتَّبِعُكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝

۱. یعنی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ سب جواہر متفاضل (ہم جنس یا قریب قریب ایک درجے میں) ہیں۔ ان میں سے کسی کو، دوسرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض، آگ کے مقابلے میں، مٹی کے حصے میں آیا، کہ اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف و عظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آگ کا کام جلا کر خاکستر کر دینا ہے، جب کہ مٹی اس کے برعکس انواع و اقسام کی پیداوار کا ماخذ ہے۔

۲. یعنی اس دعوت و تبلیغ سے میرا مقصد صرف امتثال امر الہی ہے، دنیا کمانا نہیں۔

۳. یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو یا میں تمہیں ایسی بات کی

إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

۸۷. یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت
(و عبرت) ہے۔^(۱)

وَلَعَلَّكُمْ يَتَّخِذُونَ يَوْمَ بَعْدَ حِينٍ ۝

۸۸. اور یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد
(صحیح طور پر) جان لو گے۔^(۲)

طرف دعوت دوں جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو۔ بلکہ کوئی کمی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہہ دینا چاہیے، اللہ اعلم یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا، فرمادیجئے ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ابن کثیر) علاوہ ازیں اس سے عام معاملات زندگی میں بھی تکلف و تصنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «نُهِنَا عَنِ التَّكَلُّفِ» (صحیح البخاری: ۷۲۹۳) (ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے) حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں «نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِمَّا نَعْلَمُ أَنَّهُ مَعْلُومٌ لِّرَبِّهِ» (صحیح الجامع الصغیر، للالبانی: ۹۸۷۱) (ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلفات، جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے، اصحاب حیثیت کا شعار اور وطیرہ بن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔

۱. یعنی یہ قرآن، یا وحی یا وہ دعوت، جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کا قصد کرے۔

۲. یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے، جو وعدے و وعید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت و صداقت بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گی۔ چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔

سورہ زمر کی ہے اور اس میں پچھتر آیتیں
اور اٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَثْرِیْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝

اِنَّا اَنْزَلْنَاكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَهُ الدِّیْنَ ۝

اَللّٰهُ الَّذِیْنَ اَخْلَصُوا وَلَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهِ
اَوْلِیَاءَ مَا تَعْبُدُوْهُمْ اِلَّا لِيُقْرِبُوْكَ اِلَى اللّٰهِ ذَلٰلًی
اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اس کتاب کا اتارنا غالب باحکمت اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہے۔

۲. یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ
نازل فرمایا ہے ^(۱) پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی
کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ ^(۲)

۳. خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے ^(۳)
اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور
کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے

☆ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت فرماتے تھے۔ (صحیحہ
الالبانی فی صحیح الترمذی)

۱. یعنی اس میں توحید و رسالت، معاد اور احکام و فرائض کا جو اثبات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انہی کے ماننے اور
اختیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔

۲. دین کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل
کرنا۔ آیت، نیت کے وجوب اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہہ کر
واضح کر دی گئی ہے کہ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے) یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے
لیے کیا جائے گا، (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، وہ
نامقبول ہوگا۔

۳. یہ اسی اخلاص عبادت کی تاکید ہے جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت و اطاعت صرف ایک اللہ ہی
کا حق ہے، نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے۔ نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے۔ البتہ
رسول ﷺ کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اس لیے رسول ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی
اطاعت ہے، کسی غیر کی نہیں۔ تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں۔ اس لیے عبادت اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے
رسول کی بھی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ عام افراد و اشخاص کی، جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر خدائی اختیارات کا حامل قرار
دے رکھا ہے۔ ﴿مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (یوسف: ۴۰) (اللہ کی طرف سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے)۔

إِنَّ اللَّهَ لَإِيَّاهُ يَمُنُّ مَنْ هُوَ كَذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۱﴾

ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں،^(۱) یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔^(۲) جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔^(۳)

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ وَلَدًا لَمْ يَخْلُقْ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَنَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۲﴾

۴۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا جن لیتا۔ (لیکن) وہ تو پاک ہے،^(۴) وہ وہی اللہ تعالیٰ ہے یگانہ اور قوت والا۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُونُ الْكَافِرُ عَلَى الْكَافِرِ وَيَكُونُ الْتَّوَّابُ عَلَى الْكَافِرِ وَيَكُونُ الْكَافِرُ عَلَى الْكَافِرِ وَالْقَهْرُ كُلُّ يَوْمٍ لِلَّهِ يَكُونُ الْكَافِرُ عَلَى الْكَافِرِ ۝

۵۔ نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے^(۵) اور اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے۔

۱۔ اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے۔ پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿هَؤُلَاءِ شَفَعَاءُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۸) (یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں)۔

۲۔ کیوں کہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزاء و سزا دے گا۔

۳۔ یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودان باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو جھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

۴۔ یعنی پھر اس کی اولاد لڑکیاں ہی کیوں ہوتیں؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں، لیکن وہ تو اس نقص سے ہی پاک ہے۔ (ابن کثیر)

۵۔ تَكْوِينٌ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز پر لپیٹ دینا، رات کو دن پر لپیٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو ڈھانپنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر لپیٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے۔ یہ وہی مطلب ہے جو ﴿يَفْثِي الْكَلْبَ الْتَّوَّابُ﴾ (الأعراف: ۵۴) (وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے)۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَأَنزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنعَامِ ثَمَنِيَّةً فَزَادُوا فِي خُلُقُكُمْ فِي
بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ
ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَائِمٌ
تَصَرُّفُونَ ﴿۱﴾

إِنْ تَقْرَأُوا فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّي عَنكُمْ وَلَا يَرْضَى
لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ
وِزْرَةَ وِزْرٍ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ

۶. اس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے،^(۱)
پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا^(۲) اور تمہارے لیے
چوپایوں میں سے (آٹھ ز وادہ) اتارے^(۳) وہ تمہیں
تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری
بناوٹ پر بناتا ہے^(۴) تین تین اندھیروں میں،^(۵) یہی اللہ
تعالیٰ تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے، اس کے
سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہک رہے ہو۔^(۶)

۷. اگر تم ناشکری کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تم (سب)
سے بے نیاز ہے،^(۷) اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے
خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے

۱. یعنی حضرت آدم ﷺ سے، جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تھی۔

۲. یعنی حضرت حوا کو حضرت آدم ﷺ کی بایں پسلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمال قدرت ہے کیونکہ حضرت حوا
کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق، کسی آدمی کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور اللہ کی قدرت
کی نشانیوں میں سے ہے۔

۳. یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بکری، اونٹ، گائے، جو ز اور مادہ مل کر آٹھ ہوجاتے ہیں، جن کا ذکر
سورہ انعام، آیت: ۱۴۳-۱۴۴، میں گزر چکا ہے۔ اَنْزَلَ بِمَعْنَى خَلَقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق، پہلے اللہ نے انہیں
جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انہیں نازل کیا، پس یہ انزال حقیقی ہوگا۔ یا اَنْزَلَ کا اطلاق مجازاً ہے اس لیے کہ یہ جانور چارے
کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے۔ جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے سے اترتا ہے۔ یوں
گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں۔ (فتح القدیر)

۴. یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پہلے نطفۃً پھر عَلَقۃً پھر مُضْغۃً، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ، جس کے اوپر
گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔

۵. ایک ماں کے پیٹ کا اندھیرا، دوسرا رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا مشیمہ کا اندھیرا، وہ جھلی یا پردہ جس کے اندر بچہ
لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

۶. یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟

۷. اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورہ ابراہیم آیت: ۸ کا حاشیہ۔

يَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

پسند کرے گا۔^(۱) اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کا لوٹنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمہیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں سے واقف ہے۔

۸. اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالو، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے۔

۹. بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو،^(۳) بتاؤ تو علم

وَلَا تَمَسَّ الْإِنْسَانَ عُذْرًا رَّبِّهِ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا حَوَلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لَهُ آتَادًا لِلْبُضْلِ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ مَتَمِّعْ يَكْفُرًا قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ

أَمَنْ هُوَ قَالَتْ إِنَّهُ الْبَيْلُ سَاجِدًا أَقْبَلْنَا بِحَبْدَرِ الْآخِرَةِ وَيَرْجُوا رَحْمَةً رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

۱. یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، کیوں کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا نہ ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا۔ یعنی اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقامات پر کی جا چکی ہے۔ دیکھیے سورہ نمل کی آیت: ۶۵ کا حاشیہ۔

۲. یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دوسرے کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر، اللہ سے دعا کرتا تھا یا اس رب کو بھول جاتا ہے، جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تضرع کرتا تھا، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳. مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشی میں، رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرماں برداری کا اظہار کرتے ہوئے، سجدہ و قیام میں گزارتا ہے۔ آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے۔ یعنی خوف و رجاء دونوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف و رجاء کے بارے میں حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس گئے جب کہ اس پر سرکرات الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا ”تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟“ اس نے کہا ”میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور

اُولُو الْاَلْبَابِ ۝

والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟^(۱) یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔^(۲)

۱۰۔ کہہ دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو،^(۳) جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے^(۴) اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے^(۵) بے شک صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔^(۶)

قُلْ لِّعِبَادِ الدِّينِ اَمَّا اتَّقُوا رَبَّ الَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّاَرْضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةٌ اَتَتَابِعُوْنِي الضَّيِّقُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ۝

اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرمادیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ)

۱۔ یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب و عقاب کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے، اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے، یہ دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم و جہل میں فرق ہے، اسی طرح عالم و جاہل برابر نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم و غیر عالم کی مثال سے یہ سمجھنا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ کا فرمان بردار اور اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عامل اور غیر عامل کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔

۲۔ اور یہ اہل ایمان ہی ہیں، نہ کہ کفار۔ گو وہ اپنے آپ کو صاحب دانش و بصیرت ہی سمجھتے ہوں۔ لیکن جب وہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کر کے غور و تدبر ہی نہیں کرتے اور عبرت و نصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ چوپایوں کی طرح عقل و دانش سے محروم ہیں۔

۳۔ اس کی اطاعت کر کے، معاصی سے اجتناب کر کے اور عبادت و اطاعت کو اس کے لیے خالص کر کے۔

۴۔ یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض فی ہذہ الدُّنْيَا کو حَسَنَةً سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں ”جو نیکی کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے“ یعنی اللہ انہیں دنیا میں صحت و عافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

۵۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان و تقویٰ پر عمل مشکل ہو، تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں، بلکہ وہاں سے ہجرت اختیار کر کے ایسے علاقے میں چلا جانا چاہیے جہاں انسان احکام الہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان و تقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔

۶۔ اسی طرح ایمان و تقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات و لذات نفس کی قربانی بھی ضروری ہے، جس کے

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝

۱۱. آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کر لوں۔

وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝

۱۲. اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں۔^(۱)

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

۱۳. کہہ دیجیے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔

قُلْ اللَّهُ أَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ۝

۱۴. کہہ دیجیے کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْنُتْ لَهُ مِنْ دُونِهِ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخَسِرَانِ الْبُيِّنُ ۝

۱۵. تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو، کہہ دیجیے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے، یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔

أَمْ مِنْ دُونِهِمْ خُلُقٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِهِمْ خُلُقٌ ۚ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ يُعِيدُهُمْ فَالْقَوْمُ ۝

۱۶. انہیں نیچے اوپر سے آگ کے (شعلے) سانبان (کے مانند) ڈھانک رہے ہوں گے۔^(۲) یہی (عذاب) ہے جن

لیے صبر کی ضرورت ہے۔ اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے، کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حسنت کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ یعنی ان کا اجر لامتناہی ہوگا۔ کیوں کہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو، وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جزع و فزع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت ٹل نہیں جاتی، جس خیر اور فائدے سے محرومی ہوگئی ہے، وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورت حال پیش آچکی ہوتی ہے، اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجر عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

۱. پہلا اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔

۲. ظُلِّلْ، ظُلَّةً کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں اطباق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدیر)

سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے،^(۱) اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو۔

۱۷. اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہم تن) اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔

۱۸. جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو^(۲) اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔^(۳)

۱۹. بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے،^(۴) تو کیا آپ اسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔^(۵)

۲۰. ہاں وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالاخانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالاخانے ہیں^(۶) (اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ رب کا

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْهُم بِمَا كَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ وَاللَّهُ وَلِيُّكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ وَاللَّهُ وَلِيُّكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝

لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا اللَّهَ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَوْلِهِمْ غَرَوٌ ۚ مَبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَعَدَ اللَّهُ لِلَّذِينَ يَحْمِلُونَ اللَّهَ الْيَمْعَادَ ۝

۱. یعنی یہی مذکور خسران مین اور عَذَابِ ظُلْم ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اطاعت الہی کا راستہ اختیار کر کے اس انجام بد سے بچ جائیں۔

۲. أَحْسَنُ سے مراد محکم اور پختہ بات، یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات، یا عزیمت و رخصت میں سے عزیمت یا عقوبت کے مقابلے میں عفو و درگزر اختیار کرتے ہیں۔

۳. کیوں کہ انہوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے، جب کہ دوسروں نے اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

۴. یعنی قضاء و تقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر و ظلم اور جرم و عدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی۔ جیسے ابو جہل اور عاص بن وائل وغیرہ۔ اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جہنمی ہو گیا۔

۵. نبی ﷺ چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آگئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا، اسے آپ جہنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

۶. اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے، ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں،

وعدہ ہے ^(۱) اور وہ وعدہ خلائی نہیں کرتا۔

۲۱. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا اور اسے زمین میں چشموں کی شکل میں جاری فرمایا، ^(۲) پھر اسی کے ذریعہ سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے ^(۳) پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں اور آپ انہیں زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، ^(۴) اس میں عقل مندوں کے لیے بہت زیادہ نصیحت ہے۔ ^(۵)

۲۲. کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفًى ثُمَّ يَعْلَهِ جُفَاءً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ ذِي قُوَّةٍ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَاشِفِ الضُّرِّ وَالْكَوْبِ ۚ

جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالا خانے ہوں گے، جن کے درمیان سے اہل جنت کی خواہش کے مطابق دودھ، شہد، پانی اور شراب کی نہریں چل رہی ہوں گی۔

۱. جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہوگا، کہ اللہ سے وعدہ خلائی ممکن نہیں۔

۲. يَنَابِيعُ، يَنْبُوعُ کی جمع ہے، سوتے، چشمے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے، پھر وہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہو جاتا ہے۔

۳. یعنی اس پانی سے، جو ایک ہوتا ہے، انواع و اقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے، جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

۴. یعنی شادابی اور تروتازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی اور زرد ہو جاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح لکڑی کی ٹہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

۵. یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بہت جلد زوال و فنا سے ہم کنار ہو جائے گی۔ اس کی رونق و بہجت، اس کی شادابی و زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں، جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائمی ہے، جسے زوال نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتارا، جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکالتا ہے جو ایک دوسرے سے بہتر ہوتا ہے، پس مومن تو ایمان و یقین میں زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، وہ اس طرح خشک ہو جاتا ہے جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر)

أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۷﴾

نور پر ہے ^(۱) اور ہلاکت ہے ان پر جن کے دل یاد الہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (بتلا) ہیں۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَابًا
تَتَجَافَى مِنْهُ الْجُلُودُ الَّذِينَ يَخُشُونَ رَبَّهُمْ ۖ ثُمَّ
تَلَيْنَ جُلُودُهُمْ وَقُلُوا هُمُ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ
هُدًى مِنَ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَن يُضْلِلِ
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ ﴿۷﴾

۲۳۔ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، ^(۲) جس سے ان لوگوں کے روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں ^(۳) آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں، ^(۴) یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت جس کے

۱۔ یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرح صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لیے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

۲۔ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ سے مراد قرآن مجید ہے، ملتی جلتی کا مطلب، اس کے سارے حصے حسن کلام، اعجاز و بلاغت، صحت معانی وغیرہ خوبیوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یا یہ بھی سابقہ کتب آسمانی سے ملتا ہے یعنی ان کے مشابہ ہے۔ مثانی، جس میں قصص و واقعات اور مواضع و احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

۳۔ کیونکہ وہ ان وعیدوں کو اور تنویف و تہدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لیے اس میں ہے۔

۴۔ یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و ہوش باقی نہ رہے، کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ”وجد و حال یا سکرو موتی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں، اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سماع، قرآن کریم کی تلاوت ہے، جب کہ کفار کا سماع، بے حیاء مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا، سنا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سماع مشرکانہ غلو پر مبنی قوالیاں اور نعتیں ہیں) دوسرا، یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے رجاء و محبت سے اور علم و فہم سے رو پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کفار شور کرتے اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرا، اہل ایمان سماع قرآن کے وقت ادب و تواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابہ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے

ذریعہ جسے چاہے راہ راست پر لگادیتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ بھلا دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔

۲۴. بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذاب کی سپر (ڈھال) اپنے منہ کو بنائے گا۔ اور (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ اپنے کیے کا (وبال) چکھو۔^(۱)

۲۵. ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا، پھر ان پر وہاں سے عذاب آپڑا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔^(۲)

۲۶. اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا^(۳) اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے کاش کہ یہ لوگ سمجھ لیں۔

۲۷. اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔^(۴)

۲۸. قرآن ہے عربی میں جس میں کوئی کجی نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔^(۵)

أَمَّن يَتَّبِعِ وَجْهَهُ سَوْءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۲۴﴾

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْتَهُمُ الْعَذَابِ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۵﴾

فَإَذَاهُمْ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ
الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ
كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۸﴾

روٹے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ (ابن کثیر)

۱. یعنی کیا یہ شخص، اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو قیامت کے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہو گا؟ یعنی محذوف عبارت ملا کر اس کا یہ مفہوم ہو گا۔

۲. اور انہیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔

۳. یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو ان کا یہ حال ہوا، اور تم اشرف الرسل اور افضل الناس کی تکذیب کر رہے ہو، تمہیں بھی اس تکذیب کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

۴. یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ نصیحت حاصل کریں۔

۵. یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی، انحراف اور التباس نہیں ہے تاکہ لوگ اس میں بیان کردہ وعیدوں سے ڈریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصداق بننے کے لیے عمل کریں۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ
وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ كُلِّبَيْنِ مَثَلًا لِّلْحَدِّ لِيُدْلِيَ
بَلَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

۲۹. اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں، اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا (غلام) ہے، کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے۔^(۲) بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔^(۳)

إِنَّا كَذَبْنَاكَ وَإِنَّهُمْ يَعْبَثُونَ ﴿۴۰﴾

۳۰. یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔

ثُمَّ إِنَّا كُنَّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَحْتَصُونَ ﴿۴۱﴾

۳۱. پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھکڑو گے۔^(۴)

۱. اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے۔ یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترک ہے، چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے، جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے، اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ مخلص مومن، جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا برابر نہیں ہو سکتے۔

۲. اس بات پر کہ اس نے جنت قائم کر دی۔

۳. اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

۴. یعنی اے پیغمبر! (ﷺ) آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی، سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہمارے پاس آخرت میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمہارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے، لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جہنم میں داخل کروں گا۔ اس آیت سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، جس طرح کہ سورہ آل عمران کی آیت: ۱۴۴ سے بھی ہوتا ہے اور انہی آیات سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا تحقق فرمایا تھا۔ اس لیے نبی ﷺ کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے، جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ ﷺ

قَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ
بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْكَافِرِينَ ۝

۳۲۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ
پر جھوٹ بولے؟^(۱) اور سچا دین جب اس کے پاس
آئے تو اسے جھوٹا بتائے؟^(۲) کیا ایسے کفار کا ٹھکانا
جہنم نہیں ہے؟

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

۳۳۔ اور جو سچے دین کو لائے^(۳) اور جس نے اس کی
تصدیق کی^(۴) یہی لوگ پارسائیں۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَا
الْمُحْسِنِينَ ۝

۳۴۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے
جو یہ چاہیں،^(۵) نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔^(۶)

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ
أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

۳۵۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور
کردے اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کا اچھا
بدلہ عطا فرمائے۔

- ۱۔ یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی بیوی ہے دراصل حالیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔
- ۲۔ جس میں توحید ہے، احکام و فرائض ہیں، عقیدہ بعث و نشر ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے لیے خوش خبری اور کافروں کے لیے وعیدیں ہیں۔ یہ دین و شریعت جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے، اسے وہ جھوٹا بتلائے۔
- ۳۔ اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔
- ۴۔ بعض اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرمادے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا، کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی خواہش ہوتی ہے علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔

۶۔ مُحْسِنِينَ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا، وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے حدیث میں ”احسان“ کی تعریف کی گئی ہے، اَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)۔ تیسرا، جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا، ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع و خضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں ”حسن“ کا خیال رکھتے ہیں۔

۳۶. کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟^(۱)
یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں
اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی
نہیں۔^(۲)

۳۷. اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے
والا نہیں،^(۳) کیا اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں
ہے؟^(۴)

۳۸. اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین
کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے
کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں
تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا
چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ
مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک
سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے،^(۵) توکل
کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔^(۶)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّذُكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝

وَمَنْ يُّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَيْسَ اللّٰهُ
بَعَزِيزٌ ذِيْ انْتِقَامٍ ۝

وَلَيْنِ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ثُمَّ اَفَرَّءَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضَرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰثِفٰتُ صُرٰطٍ اَوْ اَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ
مُمْسِكَتٌ رَّحْمَتِهٖ ثُمَّ اَحْسِبِ اللّٰهَ
عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

۱. اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین اس میں شامل ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں
بگاڑ سکتا۔ وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

۲. جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگا دے۔

۳. جو اس ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے۔ یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو
چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت سے نوازے۔

۴. کیوں نہیں، یقیناً ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر و عناد سے باز نہ آئے، تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان
سے انتقام لے گا اور انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔

۵. بعض کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا، تو انہوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں
نال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے، جس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔

۶. جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لیے اہل ایمان صرف اس پر

۳۹. کہہ دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں،^(۱) ابھی ابھی تم جان لو گے۔

۴۰. کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے^(۲) اور کس پر دائمی مار اور تیشگی کی سزا ہوتی ہے۔^(۳)

۴۱. آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لیے نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہ راست پر آجائے اس کے اپنے لیے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی کا (وبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمے دار نہیں۔^(۴)

قُلْ يُقَوْمُوا عَمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۝
سَوْفَ نَعْتَبُوهَا

مَنْ يَأْتِ بِعَذَابٍ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّضْعِفٌ ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ قَمِينَ
أَهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّٰ فَلِنَافْسِهِ ۖ
عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔

۱. یعنی اگر تم میری اس دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، تو ٹھیک ہے، تمہاری مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔

۲. جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و تمکّن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔

۳. اس سے مراد عذاب جہنم ہے جس میں کافر ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

۴. نبی ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ ﷺ مکلف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں انہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مکلف اور ذمے دار کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سوچتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے، کیوں کہ اس کے احساس و ادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں۔ البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

۳۲. اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت ^(۱) اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، ^(۲) پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے ^(۳) اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ ^(۴) غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ ^(۵)

۳۳. کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا (اوروں کو) سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔ ^(۱)

۳۴. کہہ دیجیے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ ^(۲) تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لیے ہے تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ كُنَتْ فِي مَنَاقِبِهَا لَكُمْ سَيِّئَاتُ الْآتِي قَطْعِي عَلَيْهَا الْهُمُوتَ وَيُرْسِلُ الْخُرَاقِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَبِرُونَ ﴿۳۲﴾

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۖ قُلْ أَكُلُوا كَانُوا لَا يَلْبِسُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۳﴾

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾

۱. یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔

۲. یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انہیں وفات صغریٰ سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

۳. یہ وہی وفات کبریٰ ہے، جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔

۴. یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی روحوں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات صغریٰ ہے، یہی مضمون سورۃ الانعام: ۶۰-۶۱ میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغریٰ کا ذکر پہلے اور وفات کبریٰ کا بعد میں ہے۔ جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے۔

۵. یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا ارسال اور توفی اور احیاء، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت کے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔

۶. یعنی شفاعت کا اختیار تو کجا، انہیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں، کیوں کہ وہ پتھر ہیں یا بے خبر۔

۷. یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تاکہ وہ راضی ہو جائے اور شفاعت کے لیے کوئی سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

وَاذْكُرْ لِلّٰهِ وَحْدَهُ الشَّمَاكُتْ قُلُوبُ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ يَا الْاُخْرَىٰ وَاذْكُرْ الَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهِ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے
دل نفرت کرنے لگتے ہیں ^(۱) جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے
اور جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل
کھل کر خوش ہو جاتے ہیں۔ ^(۲)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ
فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ آپ کہہ دیجیے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین
کے پیدا کرنے والے، چھپے کھلے کے جاننے والے تو ہی
اپنے بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ
الجھ رہے تھے۔ ^(۳)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ فَلَحُوا مٰلًا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا
وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْءِ الْعَذٰبِ
یَوْمَ الْقٰیْمَةِ تَوْبَكَ اللّٰهُ مِنْ اَمَلِهٖ
یَكُوْنُوْا یَخْتَسِبُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو
روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو
بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب
کچھ دے دیں، ^(۴) اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے

۱۔ یا کفر اور استکبار، یا انقباض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبود صرف ایک
ہی ہے تو ان کے دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

۲۔ ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں، یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ
بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں، تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ مخرفرین کا یہی حال آج بھی ہے۔ جب
ان سے کہا جائے کہ صرف ”یا اللہ مدد“ کہو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں ہے، تو تیغ پا ہو جاتے ہیں، یہ
جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ”یا علی مدد“ یا ”یا رسول اللہ مدد“ کہا جائے، اسی طرح دیگر مردوں سے استمداد
واستغاثہ کیا جائے مثلاً ”یا شیخ عبد القادر شیناً اللہ“ وغیرہ تو پھر ان کے دل کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔ فَتَسَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ...

۳۔ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے آغاز میں یہ پڑھا کرتے تھے ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکٰئِیْلَ
وَإِسْرَافِیْلَ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، عَلٰی غَیْبِ وَالشَّهَادَةِ، اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ
یَخْتَلِفُوْنَ، اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ، اِنَّکَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (صحیح مسلم،
برقم: ۴۰۰، کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل وقیامہ)

۴۔ لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے۔ ﴿فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ وِیْلٌ اِلَی الْاَرْضِ ذَهَبًا
وَلَوْ اَفْتَدٰی بِهٖ﴾ (آل عمران: ۹۱) (وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں، تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا)۔ اس لیے کہ
﴿وَلَا یُؤْتٰی مِنْهَا عَدٰلٌ﴾ (البقرہ: ۲۸) (وہاں معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا)۔

وہ ظاہر ہو گا جس کا گمان بھی انہیں نہ تھا۔^(۱)

۴۸. اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کی برائیاں ان پر کھل پڑیں گی^(۲) اور جس کا وہ مذاق کرتے تھے وہ انہیں آگھرے گا۔^(۳)

۴۹. انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے،^(۴) پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنے علم کی وجہ سے دیا گیا ہوں،^(۵) بلکہ یہ آزمائش ہے^(۶) لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔^(۷)

۵۰. ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں پس ان کی کاروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔^(۸)

۵۱. پھر اُن کی کی ہوئی تمام برائیاں^(۹) ان پر آپڑیں، اور

وَدَدَ اللَّهُ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۸﴾

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ
نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلِ هِيَ
فِتْنَةٌ وَلَٰكِن أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۹﴾

فَقَالُوا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ مِمَّا أَعْنَىٰ عَنْهُمْ
ثُمَّ كَانُوا يُكْسَبُونَ ﴿۵۰﴾

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا

۱. یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع و اقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آئی ہوں گی۔

۲. یعنی دنیا میں جن محارم و مآثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔

۳. وہ عذاب انہیں گھر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے، اس لیے اس کا استہزاء کرتے تھے۔

۴. یہ انسان کا باعتبار جنس، ذکر ہے۔ یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب ان کو بیماری، فقر وفاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعائیں کرتا اور اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔

۵. یعنی نعمت ملنے ہی سرکشی اور طغیان کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان؟ یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے، اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیوں کہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔

۶. یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا بیان کر رہا ہے، بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر؟

۷. اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے۔

۸. جس طرح قارون نے بھی کہا تھا، لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ فَمَا أَعْنَىٰ میں مَا

استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ دونوں طرح معنی صحیح ہے۔

۹. برائیوں سے مراد ان کی برائیوں کی جزاء ہے، ان کو مشاکلت کے اعتبار سے سینات کہا گیا ہے، ورنہ برائی کی جزاء، برائی

نہیں ہے۔ جیسے ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوری: ۴۰) (اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے) میں ہے۔ (فتح القدیر)

ان میں سے بھی جو گناہ گار ہیں ان کی کی ہوئی برائیاں ان پر آپڑیں گی، یہ (ہمیں) ہر دینے والے نہیں۔^(۱)

۵۲. کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ (بھی)، بے شک ایمان لانے والوں کے لیے اس میں (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔^(۲)

۵۳. (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔^(۳)

مَنْ هُوَ أَظْلَمُ سَيُصِيبُهُمْ سَيَأْتُ مَا كَسَبُوا وَإِنَّهُمْ بِمُعْجِزَاتِنَا

أَوْ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ^(۱)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذَّنْبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ^(۲)

۱. یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قتل، قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔

۲. یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے، رزق فراواں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے ان فیصلوں میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتے ہیں، کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ ان میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیوں کہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

۳. اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو“ کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا توبۃ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے جنہوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ کی دعوت صحیح ہے لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطاکار ہیں، اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ زمر) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ۔ اس کے احکام و فرائض کی مطلق پرواہ نہ کرو اور اس کے حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت نادانستی و خام خیالی ہے۔ یہ تخم حنظل بو کر ثمرات و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غَفُورٌ رَحِيمٌ ہے، وہاں وہ

۵۴. اور تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔

۵۵. اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔^(۱)

۵۶. (ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص کہے ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی^(۲) بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا۔

۵۷. یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں میں ہوتا۔^(۳)

۵۸. یا عذاب کو دیکھ کر کہے کاش! کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکوکاروں میں ہو جاتا۔

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوهُ ۚ إِنَّ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ لَأَنْتُمْ تُنْصَرُونَ ﴿۵۴﴾

وَأَتِمُّوا أَحْسَنَ مَا نَزَّلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً ۚ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۵﴾

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحْسِنُ إِلَىٰ مَافَعَلْتُ فِيْ جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿۵۶﴾

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۷﴾

أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرْهُ فَآكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

نافرانوں کے لیے عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً ﴿يَبْتَغِي عِبَادِيَ أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ * وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْكَلِيمُ ﴿الحجر: ۴۹-۵۰﴾ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز یا عِبَادِي (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا کجی توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف فرمادے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور و رحیم ہے۔ جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ کا واقعہ ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الأنبياء، مسلم، کتاب التوبة، باب قبول توبة القتال وإن كثرت قتله)

۱. یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کرلو، کیوں کہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمہیں علم و شعور بھی نہیں ہوگا، اس سے مراد دنیوی عذاب ہے۔

۲. فِيْ جَنْبِ اللَّهِ کا مطلب، اللہ کی اطاعت یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا جَنْبِ کے معنی قرب اور جوار کے ہیں۔ یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (یعنی جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔

۳. یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے بچ جاتا۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے، ﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا﴾ (الأنعام: ۱۳۸) (اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے) ان کا یہ قول کَلِمَةً حَقٌّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ... کا مصداق ہے (خ القرآن)۔

بَلْ قَدْ جَاءَ نَكَالِیْ فَلَذَّبْنَا بِهَا وَالْاِسْتَكْبَارُ
وَكُنْتُ مِنَ الْكَافِرِیْنَ ۝

۵۹. ہاں (ہاں) بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی
تھیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی
کافروں میں۔^(۱)

وَبِیَوْمِ الْقِیَمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوا عَلٰی اللّٰهِ
وَوُجُوهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوٰی
لِلْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝

۶۰. اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ
دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ
ہو گئے ہوں گے کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم
میں نہیں؟^(۲)

وَنُفِیْیَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا اِمْبَارًا فِیْهِمْ دَلًا
یَسْتَهْمُ السَّوْءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

۶۱. اور جن لوگوں نے پرہیزگاری کی انہیں اللہ تعالیٰ ان
کی کامیابی کے ساتھ بچالے گا،^(۳) انہیں کوئی دکھ چھو بھی
نہ سکے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔^(۴)

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَكِیْلٌ ۝

۶۲. اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر
نگہبان ہے۔^(۵)

لَهُ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا

۶۳. آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک وہی ہے،^(۶)

۱. یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔

۲. جس کی وجہ عذاب کی ہولناکیاں اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہوگا۔

۳. حدیث میں ہے «الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَعَمَظُ النَّاسِ» (حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا، کبر ہے) یہ استفہام تقریری
ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

۴. مَفَازَةٌ، مصدر مبیی ہے۔ یعنی فَوْزُ (کامیابی) شر سے بچ جانا اور خیر اور سعادت سے ہم کنار ہو جانا، مطلب ہے، اللہ
تعالیٰ پرہیزگاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرمادے گا، جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔
۵. وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انہیں کوئی غم نہیں ہوگا، وہ چونکہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے،
اس لیے انہیں کسی بات کا غم نہ ہوگا۔

۶. یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت
اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سرتابی یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، بمعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر
کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

۷. مَقَالِیْدُ، مَقْلَبٌ اور مَقْلَادٌ کی جمع ہے۔ (فتح القدیر) بعض نے اس کا ترجمہ ”چابیاں“ اور بعض نے ”خزانے“ کیا ہے،
مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

قُلْ أَفَبِعِزَّتِ اللَّهِ تَأْمُرُونَنِي أَنْ أَعْبُدَ أَيُّهَا
الْجَاهِلُونَ ۝

وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
وَلَتَكُنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

بَلِ اللَّهِ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ وَالْأَرْضُ
جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّتُ

جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی خسارہ
پانے والے ہیں۔^(۱)

۶۴. آپ کہہ دیجیے (اے جاہلو!) کیا تم مجھ سے اللہ کے
سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو۔^(۲)

۶۵. اور یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام
نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک
کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں
کاروں میں سے ہو جائے گا۔^(۳)

۶۶. بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر^(۴) اور شکر کرنے والوں
میں سے ہو جا۔

۶۷. اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی
چاہیے تھی نہیں کی،^(۵) ساری زمین قیامت کے دن اس

۱. یعنی کامل خسارہ۔ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلے گئے۔

۲. یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے
آباؤ دین کو اختیار کر لیں، جس میں بتوں کی عبادت تھی۔

۳. ”اگر تو نے شرک کیا“ کا مطلب ہے، اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے
جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی۔ کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے
ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

۴. إِنَّاكَ تَعْبُدُ کی طرح یہاں بھی مفعول (اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔

۵. کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی، جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے
خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی ﷺ کی خدمت
میں آیا اور کہا کہ ہم اللہ کی بابت (کتابوں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت کے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں
کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور ثری (ترے) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور
فرمائے گا، ”میں بادشاہ ہوں۔“ آپ ﷺ نے مسکرا کر اس کی تصدیق فرمائی اور آیت وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ کی تلاوت فرمائی۔

(صحیح بخاری تفسیر سورہ زمر) محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیحہ میں ہے، (جس
طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے) ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف کے ایمان

کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دانے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے،^(۱) وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔

۶۸. اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے^(۲) مگر جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔^(۳)

۶۹. اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی،^(۴) نامہ اعمال حاضر کیے جائیں گے نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا^(۵) اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ

يَسْبِيهِ سُبْحَتَهُ وَتَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۸﴾

وَنُفَعْنَا فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ تَكُنْ نَفْحَتُهُ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ بِنُورِهِ يُبْظَرُونَ ﴿۶۹﴾

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ يُبْظَلُونَ ﴿۷۰﴾

رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ و قوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

۱. اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَنَا الْمَلِكُ، اَيْنَ مُلْكُكَ الْأَرْضُ؟ (تیں بادشاہ ہوں۔ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟) (حوالہ مذکورہ)

۲. بعض کے نزدیک (نَفْحَةُ فَرْع کے بعد) یہ نَفْحَةُ ثَانِيہ یعنی نَفْحَةُ صَعَق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض کے نزدیک یہ نَفْحَةُ اوْلٰی ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے ان نفحات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔ پہلا نَفْحَةُ الْفَنَاءِ، دوسرا نَفْحَةُ الْبُعْثِ، تیسرا نَفْحَةُ الصَّعَقِ، چوتھا نَفْحَةُ الْقِيَامِ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (البرہان القاسم) بعض کے نزدیک صرف دو ہی نفثے ہیں نَفْحَةُ الْمَوْتِ، اور نَفْحَةُ الْبُعْثِ، اور بعض کے نزدیک تین۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۳. یعنی جن کو اللہ چاہے گا، ان کو موت نہیں آئے گی، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام۔ بعض کہتے ہیں رضوان فرشتہ، حَمَلَةُ الْعَرْشِ (عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت و جہنم پر مقرر داروغے۔ (فتح القدیر)

۴. چار نفثوں کے قائلین کے نزدیک یہ چوتھا، تین کے قائلین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائلین کے نزدیک یہ دوسرا نفثہ ہے۔ بہر حال اس نفثے سے سب زندہ ہو کر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے، جہاں حساب کتاب ہوگا۔

۵. اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (قَالَ السُّوْكَانِي فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ)

۶. نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے

وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٦٠﴾

وَسَيُنْزِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ مَرَاتٍ إِذَا
جَاءَهُمْ فَتَحَّتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا
أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمُ الْآيَاتِ
رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا
بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٦١﴾

فیصلے کر دیے جائیں گے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے۔^(۱)

۶۰۔ اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے بھرپور دے دیا جائے گا، جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ بخوبی جاننے والا ہے۔^(۲)

۶۱۔ اور کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہٹائے جائیں گے،^(۳) جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیے جائیں گے،^(۴) اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے^(۵) لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔^(۶)

تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا، اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا، جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔

۱۔ یعنی کسی کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔
۲۔ یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور حجت اور قطع معذرت کے ہوں گے۔

۳۔ زُمَرٌ زَمَرٌ سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہے کہ کافروں کو جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوہ ازیں انہیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہٹایا جائے گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ تَارِيحِهِمْ دَعَا﴾ (الطور: ۱۳) (یعنی جس دن انہیں جہنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا)۔

۴۔ یعنی ان کے پیچھے ہی فوراً جہنم کے ساتوں دروازے کھول دیے جائیں گے تاکہ سزا میں تاخیر نہ ہو۔
۵۔ یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے، وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجانے کے بعد، بحث و جدال کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی، اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

۶۔ یعنی ہم نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے، جب کہ ہم نے حق سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۃ الملک: ۸-۱۰ میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا
فَإِنَّكُمْ مَسْمُومِي الْمَكَارِبِ ۝

۷۲. کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہیں گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔

وَيَسِقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ
إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا
خَالِدِينَ ۝

۷۳. اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے^(۱) یہاں تک کہ جب اس کے پاس آجائیں گے اور دروازے کھول دیے جائیں گے^(۲) اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔

وَقَالُوا الصُّدُورُ الَّتِي صَدَقْنَا وَعَدَا
وَأَوْرَثْنَا الْأَمْرَ ضَرَبْنَا مِنْ الْجَنَّةِ حَدِيثٌ

۷۴. اور یہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنادیا کہ جنت

۱. اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقربین، پھر ابرار، اس طرح درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، صدیقین، شہداء اپنے ہم جنسوں کے ساتھ، علماء اپنے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کے مثل کے ساتھ ہوگی۔ (ابن کثیر)

۲. حدیث میں آتا ہے، جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے، جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۵۷، مسلم: ۸۰۸) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلوٰۃ، باب الصدقۃ، باب الجہاد وغیرہ (صحیح البخاری، کتاب الصیام، مسلم، کتاب الزکوٰۃ) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگی، اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد) سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے نبی ﷺ ہوں گے۔ (مسلم، کتاب الایمان، باب أنا أول الناس یشفع) جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و ہراز اور تھوک، بلغم سے پاک ہوں گے، ان کی نگھٹیاں سونے کی اور پسینہ کستوری ہوگا، ان کی انگلیٹھیوں میں خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کی بیویاں الحور العین ہوں گی، ان کا قد آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ ہوگا۔ (صحیح البخاری، اول کتاب الانبیاء) صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہوگا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔ (کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة) بعض نے کہا یہ دو بیویاں حوروں کے علاوہ، دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔ لیکن چونکہ ۷۲ حوروں والی روایت سنداً صحیح نہیں۔ اس لیے بظاہر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ہر جنتی کی کم از کم حور سمیت دو بیویاں ہوں گی۔ تاہم وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشْتَهُونَ کے تحت زیادہ بھی ممکن ہیں۔ واللہ اعلم (مزید دیکھیے فتح الباری، باب مذکور)

نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ۝

وَرَى الْمَلَائِكَةُ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَنُفِىَ بِهِمْ بِالْحَقِّ
وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

میں جہاں چاہیں مقام کریں پس عمل کرنے والوں کا کیا
ہی اچھا بدلہ ہے۔

۷۵۔ اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے ارد گرد حلقہ
باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے
دیکھے گا^(۱) اور ان میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور
کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لیے ہے جو
تمام جہانوں کا پالنا ہے۔^(۲)

۱۔ قضائے الہی کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا
نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الہی کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

۲۔ یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق و غیر ناطق) کی
زبان پر حمد الہی کے ترانے ہوں گے۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ

سورہ مؤمن کی ہے اور اس میں پچاسی آیتیں
اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي
الْقَوْلِ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهَهُ الْمُبْدِي

مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا
يَعْرُوكُ تَعْلِيهِمْ فِي الْمَكِيدِ

۱. حَمْدٌ

۲. اس کتاب کا نازل فرمانا (۱) اس اللہ کی طرف سے ہے
جو غالب اور دانا ہے۔ (۲)

۳. گناہ کا بخشتے والا اور توبہ کا قبول فرمانے والا (۳) سخت
عذاب والا (۴) انعام و قدرت والا، (۵) جس کے سوا کوئی
معبود نہیں۔ اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔

۴. اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو
کافر ہیں (۶) پس ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو

☆ اس سورت کو سورۃ غافر اور سورۃ الطول بھی کہتے ہیں۔

۱. یا تَنْزِيلُ، مُنَزَّلُ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں۔

۲. جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں چاہے
وہ کتنے بھی کثیف پر دوں میں چھپا ہو۔

۳. گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں
کے لیے غافر ہے اور کافر و مشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

۴. ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور تہمید و طغیان کا راستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے۔
﴿يَتَّبِعْ عِبَادِي أَتَىٰ أَنَا الْعَفْوَ الرَّحِيمُ * وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْكَلِيمُ﴾ (الحجر: ۳۹-۵۰) (میرے بندوں کو بتلا دو کہ میں غفور
ورہیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے) قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان کیے گئے
ہیں تاکہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے۔ کیونکہ محض خوف ہی خوف، انسان کو رحمت و مغفرت الہی سے مایوس
کر سکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔

۵. طَوَّلُ کے معنی فراخی اور توغمری کے ہیں، یعنی وہی فراخی اور توغمری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی
ہیں، انعام اور تفضل۔ یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔

۶. اس جھگڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھگڑا (جدال) ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب اور اس کی تردید و تغلیط ہے۔ ورنہ

دھوکے میں نہ ڈالے۔^(۱)

۵. ان سے پہلے قوم نوح (علیہ السلام) نے اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا^(۲) اور باطل کے ذریعے کج بحثیاں کیں، تاکہ ان سے حق کو بگاڑ دیں^(۳) پس میں نے ان کو پکڑ لیا، سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی۔^(۴)

۶. اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔^(۵)

۷. عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے (فرشتے) اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر

كَذَبَتْ بَعْبَهُمْ قَوْمٌ مُّؤْمِرُونَ وَالْكَذَّابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوا وَجَدَ لَهُمُ الْبَاطِلُ يُدْجُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝

وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝

جس جدال (بحث و مناظرہ) کا مقصد ایضاح حق، ابطال باطل اور منکرین و معتزین کے شبہات کا ازالہ ہو، وہ مذموم نہیں نہایت محمود و مستحسن ہے۔ بلکہ اہل علم کو تو اس کی تاکید کی گئی ہے، ﴿لَتُبَيِّنُنَا لِلنَّاسِ الْوَحْيَ وَلَا تَكْفُرُونَ﴾ (آل عمران: ۱۸۴) (تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا، اسے چھپانا نہیں)۔ بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے دلائل و براہین کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے۔ (البقرة: ۱۵۹)

۱. یعنی یہ کافر و مشرک جو تجارت کرتے ہیں، اس کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے اور کثیر منافع حاصل کرتے ہیں، یہ اپنے کفر کی وجہ سے جلد ہی مؤاخذہ الہی میں آجائیں گے، یہ مہلت ضرور دیے جا رہے ہیں لیکن انہیں مہمل نہیں چھوڑا جائے گا۔
۲. تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔

۳. یعنی اپنے رسولوں سے انہوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیڑے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔

۴. چنانچہ میں نے ان حامیان باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس طرح آیا اور کیسے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا یا انہیں نشانِ عبرت بنادیا گیا۔

۵. مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح کچھلی امتوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی گئیں، اگر یہ اہل مکہ بھی تیری تکذیب اور مخالفت سے باز نہ آئے اور جدال بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے، پھر کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا۔

رکھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔^(۱)

۸. اے ہمارے رب! تو انہیں بیشکی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں سے (بھی) ان (سب) کو جو نیک ہیں۔^(۲) یقیناً تو تو غالب و باحکمت ہے۔

۹. انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ،^(۳) حق تو یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچالیا اس پر تو نے رحمت کردی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے۔^(۴)

رَبَّنَا وَادْخُلْنَاهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آلِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ
وَوَرِثَتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ
فَقَدْ رَجَمْتَهُ ۚ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

۱. اس میں ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ان فرشتوں کا ہے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے ارد گرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، یعنی نقائص سے اس کی تنزیہ، کمالات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز و تذلل یعنی (ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں، مگر قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہوگی۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرمادے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الطور: ۲۱) (وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی، ملا دیا ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا)۔ یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انہیں ادنیٰ مقام پر لے آئے، بلکہ ادنیٰ کو اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔

۳. سیئات سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزاء محذوف ہے یعنی انہیں آخرت کی سزاؤں سے یا برائیوں کی جزاء سے بچانا۔
۴. یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس لیے کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوشخبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحِقُهُمُ اللَّهُ بِآبَائِهِمُ الصَّالِحِينَ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَمَقْتٌ إِلَهُ
الْكَافِرِينَ مَقْتُهُمْ أَنْفُسُهُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى
الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم غصہ ہوتے تھے اپنے جی سے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر کفر کرنے لگتے تھے۔^(۱)

قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَفَنُؤْمِنُكَ وَأَحْبَبْنَا أَفَنُؤْمِنُكَ
فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ
سَبِيلٍ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار ہی جلایا،^(۲) اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں،^(۳) تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟^(۴)

ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَلَنْ
يُشْرَكَ بِهِ تَوُفُّوْهُمُ إِلَى اللَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ یہ (عذاب) تمہیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے^(۵) پس

۱۔ مَقْتٌ، سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے کو جہنم کی آگ میں جھلتے دیکھیں گے، تو اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہوتا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

۲۔ جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق، دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نیست) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی، یہ دنیوی زندگی ہے، جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام وفات پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی۔ انہی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ، ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَانًا فَكَيْفَ يُؤْمِنُكُمْ ثُمَّ يُبْدِيكُمْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (البقرة: ۲۸) (تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا) میں بھی کیا گیا ہے۔

۳۔ یعنی جہنم میں اعتراف کریں گے جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پشیمان ہونگے جہاں پشیمانی کی کوئی حیثیت نہیں۔
۴۔ یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے، تاکہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔

۵۔ یہ ان کے جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بیان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمہیں مرغوب تھا، اس لیے اب جہنم کے دائمی عذاب کے سوا تمہارے لیے کچھ نہیں۔

اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔^(۱)

۱۳. وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے روزی اتارتا ہے،^(۲) نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتے ہیں۔^(۳)

۱۴. تم اللہ کو پکارتے رہو اس کے لیے دین کو خالص کر کے گو کافر برائیاں۔^(۴)

۱۵. بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے،^(۵) تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

۱۶. جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے،^(۶) ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ۝

قَادُوا اللَّهَ مَخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

رَفِيعَ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْزِلَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

۱. اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمہارے لیے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ جو عَلَیَّ یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور کَبِیرٌ یعنی ان باتوں سے بہت بڑا ہے کہ اس کے کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا شریک ہو۔

۲. یعنی پانی جو تمہارے لیے تمہاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اظہار آیات کو انزال رزق کے ساتھ جمع فرمادیا ہے۔ اس لیے کہ آیات قدرت کا اظہار، ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں۔ یوں یہاں دونوں بنیادوں کو جمع فرمادیا گیا ہے۔ (فتح اللہ)۔

۳. اللہ کی اطاعت کی طرف، جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض الہی کی پابندی کرتے ہیں۔

۴. یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہے کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، اس کے لیے عبادت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

۵. رُوح سے مراد وحی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر، اس پر نازل فرماتا ہے، وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقاء و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ اسی طرح وحی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔

۶. یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔

ہے؟^(۱) فقط اللہ واحد وقہار کی۔^(۲)

۱۷. آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔^(۳)

۱۸. اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی^(۴) (قیامت سے) آگاہ کر دیجیے، جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے،^(۵) اور ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہو گا نہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جائے گی۔

۱۹. وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے۔^(۶)

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَذْقَانِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَازِبِينَ ذَمًّا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيمٍ وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ۝

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝

۱. یہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدانِ محشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (صحیح بخاری، سورہ زمر)

۲. جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا، جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدیر)

۳. اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غور و فکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

۴. آذِقَّة کے معنی ہیں قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی قریب آنے والی ہے۔

۵. یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ كَازِبِينَ غم سے بھرے ہوئے، یاروتے ہوئے، یا خاموش، اس کے تینوں معنی کیے گئے ہیں۔

۶. اس میں اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیاء کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے تو اس کی نافرمانی سے اجتناب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے۔ جیسے راہ چلتے کسی حسین عورت کو نکلیوں سے دیکھنا۔ (سینوں کی باتوں میں) وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں یعنی ایک لمحہ گزراں کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوں گے۔ لیکن جب وہ عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مواخذہ ہو سکتا ہے، چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔

۲۰۔ اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے۔

۲۱۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا نتیجہ کیسا کچھ ہوا؟ وہ باعتبار قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے ان سے بہت زیادہ تھے، پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا۔^(۲)

۲۲۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے،^(۳) پس اللہ انہیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾

اَوْ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَنْتَارُوْا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢١﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَاَكْفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدٌ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

۱۔ اس لیے کہ انہیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے خبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی، جب کہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، کیونکہ اسے کسی کا خوف ہو گا نہ کسی سے حرص و طمع۔

۲۔ گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں، جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک کی گئیں جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے، اور اگر یہ آگیا تو پھر کوئی تمہارا پشت پناہ نہ ہو گا۔

۳۔ یہ ان کی ہلاکت کی وجہ بیان کی گئی ہے، اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب۔ اب سلسلہ نبوت و رسالت تو بند ہے تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں وعظ و تذکر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں۔ اس لیے آج بھی جو آیات الہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور منکرین رسالت سے مختلف نہیں ہو گا۔

۲۳. اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔^(۱)
۲۴. فرعون ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر اور جھوٹا ہے۔^(۲)
۲۵. پس جب ان کے پاس (موسیٰ علیہ السلام) ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو^(۳) اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے وہ غلطی میں ہی ہے۔^(۴)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ
كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾
فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا
أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ
وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾

۱. آیات سے مراد وہ نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، یا عصا اور ید بیضاء والے دو بڑے واضح معجزات بھی، سُلْطَانٍ مُّبِينٍ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضح، جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا، جبر ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔

۲. فرعون، مصر میں آباد قبط کا بادشاہ تھا، بڑا ظالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہامان، فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مال دار ترین آدمی تھا، ان سب نے پہلے لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور کذاب کہا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا، ﴿كَذٰلِكَ مَا قَالِیَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رُسُلٍ اِلَّا اَوَّاٰ سَآجِرًا یَّخْتَبِیْنَ﴾ ﴿تَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَٰغُوْنَ﴾ (الذاریات: ۵۲-۵۳) (اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے پاس جو بھی نبی آیا۔ انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں)۔

۳. فرعون یہ کام پہلے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو، جو نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق، اس کی بادشاہت کے لیے خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تذلیل و ہانت کے لیے دیا، نیز تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور محسوس کا باعث سمجھیں، جیسا کہ فی الواقع انہوں نے کہا، ﴿اَوْذِیْنٰا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیْنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (الاعراف: ۱۴۹) (اے موسیٰ! تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے)۔

۴. یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور اس کی عزت میں کمی نہ ہو۔ یہ اسے حاصل نہیں ہوا، بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا وارث بنا دیا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ دُرُوءِي افْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ
رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ وَأَنْ
يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفُسَادَ ۖ

۲۶. اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو مار ڈالوں^(۱) اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے،^(۲) مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کر دے۔^(۳)

وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ
مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۖ

۲۷. اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتے۔^(۴)

وَقَالَ نَجِبٌ مِّنْ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ
إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ
وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنْ يَكُ
كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا فَلَيْسَ بِهِ
بَعْضُ الَّذِي يَعْبُدُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَآ يَهْدِي
مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۖ

۲۸. اور ایک مومن شخص نے -جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا- کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے،^(۵) اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو، تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر

۱. یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔

۲. یہ فرعون کی دیدہ دلیری کا اظہار ہے کہ میں دیکھوں گا اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے، اسے پکار کر دیکھ لے، یا رب ہی کا انکار ہے کہ اس کا کون سا رب ہے جو بچالے گا، کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔

۳. یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگا دے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی، تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث و تکرار کریں گے جس سے ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گا جو فساد کا ذریعہ بنے گا یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو فساد کی قرار دیا۔ درآں حالیکہ فساد ہی وہ خود تھا اور غیر اللہ کی عبادت ہی فساد کی جڑ ہے۔

۴. حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انہوں نے اللہ سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا مانگی۔ نبی ﷺ کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے «اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيهِ نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ» (مسند أحمد: ۲۱۵/۴) (اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں)۔

۵. یعنی اللہ کی ربوبیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا، بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔

آپڑے گا،^(۱) اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔^(۲)

۲۹. اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو^(۳) لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟^(۴) فرعون بولا، میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔^(۵)

۳۰. اور اس مومن نے کہا اے میری قوم (کے لوگو) مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز بد (عذاب) نہ آئے جو اور امتوں پر آیا۔

۳۱. جیسے امت نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا)،^(۱) اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا

يَقُولُ لَكَ اِنَّكَ الْيَوْمَ ظَاهِرٌ فِي الْاَرْضِ
فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ اِنْ جَاءَنَا مَقَالٌ
فِرْعَوْنُ مَا اُرِيكُمْ اِلَّا مَا اَرٰى وَمَا اَهْدِيكُمْ
اِلَّا السَّبِيلَ ۝۱۰

وَقَالَ الَّذِي اٰمَنَ يَقُولُ اِنِّي اَخَافُ
عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

مِثْلَ ذٰلِكَ يَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثُودٍ الَّذِيْنَ
مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰبِدِ ۝۱۲

۱۔ یہ اس نے بطور تنزیل کے کہا، کہ اگر اس کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی صحت تم پر واضح نہیں ہوئی، تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دینا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذا نہیں پہنچائیں تو پھر یقیناً وہ تمہیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے، تم پر ان میں سے کوئی عذاب آسکتا ہے۔ ۲۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کراتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دلائل و معجزات سے نہ نوازتا، جب کہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک کر دے گا، تمہیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو، اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔

۴۔ یہ فوجی اور لشکر تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ اللہ کے عذاب ہی کو ٹال سکیں گے اگر وہ آگیا۔ یہاں تک اس مومن کا کلام تھا جو ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

۵۔ فرعون نے اپنے دنیوی جاہ و جلال کی بنیاد پر جھوٹ بولا اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہی تمہیں بتلا رہا ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ﴾ (ہود: ۷۹) (اور فرعون کا کوئی حکم درست تھا ہی نہیں)۔

۶۔ یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے، تو خطرہ ہے کہ

نہیں چاہتا۔^(۱)

۳۲. اور مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے۔^(۲)

۳۳. جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے،^(۳) تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔^(۴)

۳۴. اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف (علیہ السلام) دلیلیں لے کر آئے،^(۵) پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہ ہی کرتے رہے^(۶) یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی^(۷) تو کہنے لگے ان کے بعد تو

وَيَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝

يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۝
وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَهَالِكُ مَنْ هَادٍ ۝

وَلَقَدْ جَاءَ يُوسُفُ مِنْ قَبْلِ يٰأَيُّهَا قَدْ
رَلْنَا فِي سَنِكَ مَسَاجِدَ مُرَبِّهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلُومُ
لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَوَآءٌ لَكَ يُضِلُّ
اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٍ ۝

گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے۔

۱. یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی ہلاک کیا، ورنہ وہ شفیق و رحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت ان پر اللہ کا ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنیٰ نہیں۔

از مکافات عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

۲. تَنَادَىٰ کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو «يَوْمَ التَّنَادِ» اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو ندائیں دیں گے۔ (الأعراف ۳۸-۳۹) بعض کہتے ہیں کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، اس کی بدبختی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا، بعض کہتے ہیں کہ اعمال کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا، جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جہنم کو اے جہنمیو! امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام بغوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

۳. یعنی موقف (میدان محشر) سے جہنم کی طرف جاؤ گے، یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔

۴. جو اسے ہدایت کا راستہ بتا سکے یعنی اس پر چلا سکے۔

۵. یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے قبل تمہارے اسی علاقے میں، جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف (علیہ السلام) بھی دلائل و براہین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں تمہارے آباء و اجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی یعنی جَاءَکُمْ سے مراد جَاءَ إِلَىٰ آبَائِکُمْ ہے یعنی تمہارے آباء و اجداد کے پاس آئے۔

۶. لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک و شبہ ہی کرتے رہے۔

۷. یعنی یوسف (علیہ السلام) پیغمبر کی وفات ہو گئی۔

اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں،^(۱) اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک وشبہ کرنے والا ہو۔^(۲)

۳۵. جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں،^(۳) اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے،^(۴) اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔^(۵)

۳۶. اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بالاخانہ بنا^(۱) شاید کہ میں دروازوں تک پہنچ جاؤں۔

لَا الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ
كُفْرًا مَّقْتَضِعًا لِلَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذِبًا
يُطِيعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارًا ﴿٣٥﴾

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانَ ابْنِي لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْنِئُهُ
الْأَسْبَابَ ﴿٣٦﴾

۱. یعنی تمہارا شیوہ چونکہ ہر پیغمبر کی تکذیب اور مخالفت ہی رہا ہے، اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں آئے گا، یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا، تمہارے لیے برابر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اب ایسا با عظمت انسان کہاں پیدا ہو سکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد از مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔

۲. یعنی اس واضح گمراہی کی طرح، جس میں تم مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا اور اللہ کے دین، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں وعیدوں میں شک کرتا ہے۔

۳. یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے احکام میں جھگڑتے ہیں، جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا وطیرہ رہا ہے۔

۴. یعنی ان کی اس حرکت شنیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

۵. یعنی جس طرح ان مجادلین کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے، جو اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف ان کو معروف، اور منکر منکر نظر نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر ان کے ہاں معروف، اور معروف منکر قرار پاتا ہے۔

۶. یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے، یا راستے کے ہیں۔ مزید دیکھیے سورۃ القصص

۳۷۔ آسمانوں کے دروازوں تک اور موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک لوں^(۱) اور بیشک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے^(۲) اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اسے بھلی دکھائی گئیں^(۳) اور راہ سے روک دیا گیا^(۴) اور فرعون کی (ہر) حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی۔^(۵)

۳۸۔ اور اس مومن شخص نے کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو) تم (سب) میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔^(۶)

۳۹۔ اے میری قوم! یہ حیات دنیا متاع فانی ہے،^(۷) (یقین مانو کہ قرار) اور بیشکی کا گھر تو آخرت ہی ہے۔^(۸)

۴۰۔ جس نے کوئی گناہ کیا اسے اس کے گناہ کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا^(۹) اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد

أَسْبَابَ الْمَمُوتِ فَأُطْلِمَ إِلَى اللَّهِ مُوسَىٰ وَآتَىٰ
لَكَفُّهُ كَاذِبًا وَكَذَلِكَ يُرَىٰ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ
وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي
تَبَابٍ ۝

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَدَيْكُمْ سَبِيلَ
الرَّشَادِ ۝

يَقُومُ لِمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ
الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ
عَمِلَ صَالِحًا مِمَّنْ ذَكَرْنَا أَنُحْيِيَ لَهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

۱۔ یعنی دیکھو کہ آسمانوں پر کیا واقعی کوئی اللہ ہے؟

۲۔ اس بات پر کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

۳۔ یعنی شیطان نے اس طرح اسے گمراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آتے رہے۔

۴۔ یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔

۵۔ تَبَابٌ، خسارہ، ہلاکت۔ یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہی نکلا۔ اور بالآخر اپنے لشکر سمیت پانی میں ڈبو دیا گیا۔

۶۔ فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھٹکا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) دعوت دے رہے ہیں۔

۷۔ جس کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صبح یا شام کی ایک گھڑی کے برابر۔

۸۔ جس کو زوال اور فناء نہیں، نہ وہاں سے انتقال اور کوچ ہوگا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں، دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری، شقاوت اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جہنم کو۔

۹۔ یعنی برائی کے مثل ہی جزاء ہوگی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ جو عدل و انصاف کا آئینہ دار ہوگا۔

ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ^(۱) جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔^(۲)

۲۱. اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلارہا ہوں^(۳) اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلارہے ہو۔^(۴)

۲۲. تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک کروں جس کا کوئی علم مجھے نہیں اور میں تمہیں غالب بخشے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔^(۵)

۲۳. یہ یقینی امر ہے^(۶) کہ تم مجھے جس کی طرف بلارہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے^(۷) نہ

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرَرَّرُ قَوْلٌ فِيْهَا بِعَبْرِ حَسَابٍ ۝

وَيَقَوْمًا اِلٰی اَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَتَدْعُوْنَہِمْ اِلَى النَّارِ ۝

تَدْعُوْنَہِمْ اِلٰی الْکُفْرِ بِاللّٰهِ وَاُنْشُرْکَ بِہٖ مَا لَیْسَ بِہٖ عِلْمٌ وَاَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْعَقْلٰرِ ۝

لَا جَرَمَ اَلَا تَدْعُوْنَہِ اِلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنْ مَّرْکَنَا اِلَى اللّٰهِ

۱. یعنی وہ جو ایماندار بھی ہوں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہوگی۔ عند اللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

۲. یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔
۳. اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو، جو اس نے تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

۴. یعنی توحید کے بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت ہے۔

۵. عَزِیْزٌ (غالب) جو کافروں سے انتقام لینے اور ان کو عذاب دینے پر قادر ہے۔ غَفَّارٌ، اپنے ماننے والوں کی غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا۔ جب کہ تم جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلارہے ہو، وہ بالکل حقیر اور کم تر چیزیں ہیں، نہ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں، کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔

۶. لَا جَرَمَ یہ بات یقینی ہے، یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

۷. یعنی وہ کسی کی پکار سننے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچائیں یا الوہیت کا استحقاق انہیں حاصل ہو۔ اس کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے، ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ

وَإِنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿۳۰﴾

آخرت میں،^(۱) اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے^(۲) اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً) اہل دوزخ ہیں۔^(۳)

مَسْتَكِرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَفُصِّصُ أُمُورِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

۴۳۔ پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے^(۴) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں،^(۵) یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔^(۶)

قَوْلُهُ اللَّهُ سَيَاتِ مَا مَكَرُوا وَاحِدٌ يَالِ فِرْعَوْنَ سَوْءُ الْعَذَابِ ﴿۳۲﴾

۴۵۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام بری چالوں سے اس کی حفاظت فرمائی^(۷) اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا۔^(۸)

مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَمْ يَنْعَمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غُفْلُونَ ﴿۵﴾ (الاحقاف: ۵) اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا؟ جو اللہ کے سوا اللہوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ﴿۱﴾ (فاطر: ۱۴) (اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے)۔

۱۔ یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں؟ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود بنیں اور ان کی عبادت کی جائے؟
۲۔ جہاں ہر ایک کا حساب ہو گا اور عمل کے مطابق اچھی یا بری جزاء دی جائے گی۔

۳۔ یعنی کافر و مشرک، جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں گے، جن کی نافرمانیاں "اسراف" کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی، انہیں بھی کچھ عرصہ جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ تاہم بعد میں شفاعت رسول ﷺ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴۔ غفرتیب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت، اور جن باتوں سے روکتا تھا، ان کی شاعت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر تم ندامت کا اظہار کرو گے، مگر وہ وقت ایسا ہو گا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

۵۔ یعنی اسی پر بھروسہ کرتا اور اسی سے ہر وقت استعانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔
۶۔ وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ پس وہ مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا اور ضلالت کا استحقاق رکھنے والے کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان امور میں جو حکمتیں ہیں، ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

۷۔ یعنی اس کی قوم قبط نے اس مومن کے اظہار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، ان سب کو ناکام بنادیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہو گا۔

۸۔ یعنی دنیا میں انہیں سمندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا سخت ترین عذاب ہے۔

۴۶. آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں^(۱) اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔^(۲)

۴۷. اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر والوں سے (جن کے یہ تابع تھے) کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟

۴۸. وہ بڑے لوگ جواب دیں گے ہم تو سبھی اس آگ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

وَإِذْ يَتَحَايَوْنَ فِي النَّارِ يُقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ بَعْثًا فَمَهِّلْ أَنْتُمْ مَعْزُونَةٌ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۝

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝

۱. اس آگ پر برزخ میں یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں، جس سے عذاب قبر کا ثبات ہوتا ہے۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں، احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَعَمَ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر) (ہاں! قبر کا عذاب حق ہے)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ”جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح وشام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا“۔ (صحیح البخاری، باب المیت یرض علیہ مقعده بالغداة والعشي. مسلم، کتاب الجنة، باب عرض مقعد المیت) اس کا مطلب ہے کہ منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲. اس سے بالکل واضح ہے کہ عرض علی النار کا معاملہ، جو صبح وشام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے برزخ اور قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت کے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہو تو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس کے باوجود عذاب قبر کا انکار، محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ صرف انسان کا تڑپنا اور تمللانا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ تڑپے اور تمللائے۔

۴۹. اور (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے۔

۵۰. وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو^(۱) اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے۔^(۲)

۵۱. یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیوی زندگی میں بھی کریں گے^(۳) اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے^(۴) کھڑے ہوں گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۖ

قَالُوا أَوَلَمْ تَكُنَّا نَدْعُكُمْ بِالْمَعْنَىٰ قَالُوا بَلَىٰ فَاذْعَبُوا وَمَا ذُعُوا الصُّفْرَيْنِ الرَّافِي ضَلِيلٌ ۝

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝

۱. ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی؟

۲. یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شنوائی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو، ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دار الجزاء ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا، اس کا نتیجہ وہاں بگلتنا ہوگا۔

۳. یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ بعض نبی قتل کر دیے گئے، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہ السلام وغیرہما، اور بعض ہجرت پر مجبور ہو گئے جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، وعدہ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟ دراصل یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرمادیا جاتا ہے۔ لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخرو ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہ السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انہیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں نے یہودیوں کو خوب ذلت کا عذاب کچھایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے رفقاء یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد جنگ بدر، احد، احزاب، غزوہ خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر اور اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ (ابن کثیر)

۴. اَشْهَادٌ، شَہِید (گواہ) کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشرف ہے۔ قیمت کے دن فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گواہی

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ
وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ جس دن ظالموں کو ان کی (عذر) معذرت کچھ نفع
نہ دے گی ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے
برا گھر ہوگا۔^(۱)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا
بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت نامہ عطا فرمایا^(۲)
اور بنو اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔^(۳)

هُدًى وَذِكْرَىٰ لِرَبِّهِ الْأَكْبَرِ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ کہ وہ ہدایت و نصیحت تھی عقل مندوں کے لیے۔^(۴)

فَاَصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ
لِذُنُوبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ

۵۵۔ پس اے نبی! تو صبر کر اللہ کا وعدہ بلا شک (وشیہ)
سچا ہی ہے تو اپنے گناہ کی^(۵) معافی مانگتا رہ اور صبح شام^(۶)

دیں گے۔ یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی
تکذیب کی۔ علاوہ ازیں امت محمدیہ اور نبی کریم ﷺ بھی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے
قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے
اعمال کی جزاء دی جائے گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۱۔ یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا فائدہ اس لیے نہیں ہوگا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں، اس لیے
یہ معذرت، معذرت باطلہ ہوگی۔

۲۔ یعنی نبوت اور تورات عطا کی۔ جیسے فرمایا، ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (المائدة: ۴۴) (ہم نے تورات نازل
فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے)۔

۳۔ یعنی تورات، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بھی باقی رہی، جس کے نسل بعد نسل وہ وارث ہوتے رہے۔ یا کتاب سے مراد
وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔

۴۔ هُدًى وَذِكْرَىٰ، مصدر ہیں اور حال کی جگہ واقع ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ بمعنی ہاد اور مُذَكَّرٌ ہدایت دینے والی
اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے اور
ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تو لدا ہوتا ہے لیکن وہ
اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے؟

۵۔ گناہ سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں، جو بقضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی
طرف سے کردی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر و ثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے،
یا مقصد امت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔

۶۔ عَشِيِّ سے دن کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ، اور أَبْكَارُ سے رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

وَالْإِنْبَارِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ
سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِنَّ فِي صُدُورِهِمُ الْاَكْبَرُ
مَاهُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ
إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ
النَّاسِ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَكِنْ لَا تَأْتِيهِمْ
السَّاعَةُ إِلَّا بِغَيْرِ اذْيَبِ فِيهَا وَلَكِنْ أَكْثَرُ
النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

وَقَالَ رَبُّكَ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ
إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي

اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ۔

۵۶. جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے
آیات الہی میں جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں بجز
نری بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اس تک پہنچنے والے ہی
نہیں، (۱) سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بیشک وہ پورا سننے والا اور
سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے۔

۵۷. آسمانوں اور زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش
سے بہت بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر
لوگ بے علم ہیں۔ (۲)

۵۸. اور اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ لوگ جو ایمان
لائے اور بھلے کام کیے بدکاروں کے (برابر ہیں)، (۳) تم
(بہت) کم نصیحت حاصل کر رہے ہو۔

۵۹. قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے، لیکن (یہ
اور بات ہے کہ) بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

۶۰. اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ
سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا (۴) یقین

۱. یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث و جھگڑا کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے
جو ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہوگا۔

۲. یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ جب کہ یہ کام آسمان
وزمین کی تخلیق سے بہت آسان ہے۔

۳. مطلب ہے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکو کار اور بدکار برابر نہیں۔ بلکہ قیامت کے
دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہوگا، وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آئے گا۔

۴. گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا، تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے، جسے
اختیار کر کے انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مراد لی
ہے۔ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔
الدَّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اور الدَّعَاءُ مُخَّ الْعِبَادَةِ (مسند أحمد: ۲۴۱/۳، مشکوٰۃ، الدعوات) علاوہ انہیں اس کے بعد یَسْتَكْبِرُونَ

سَيِّدٌ خُلُونَا جَهَنَّمَ دُخْرَيْنَ ۝

مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔^(۱)

۶۱. اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات بنادی کہ تم اس میں آرام حاصل کرو^(۲) اور دن کو دیکھنے والا بنا دیا،^(۳) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے لیکن اکثر لوگ شکرگزاری نہیں کرتے۔^(۴)

۶۲. یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟^(۵)

۶۳. اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

۶۴. اللہ ہی ہے^(۶) جس نے تمہارے لیے زمین کو

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْكَيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى
النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
فَإِنِّي تَوَّابٌ ۝

كَذَٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ
يَجْحَدُونَ ۝

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ

عَنْ عِبَادَتِي کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے یعنی اللہ سے جلب نفع اور دفع ضرر کا سوال کرنا، کیوں کہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ علاوہ ازیں دعا اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے بھی عبادت ہی ہے، کیونکہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ (فتح القدیر) مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔

۱. یہ اللہ کی عبادت سے انکار و اعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔

۲. یعنی رات کو تاریک بنایا، تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن و سکون سے سو سکیں۔

۳. یعنی روشن بنایا تاکہ معاشی محنت اور تگ و دو میں تکلیف نہ ہو۔

۴. اللہ کی نعمتوں کا، اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر و جہود کی وجہ سے، جیسا کہ کافروں کا شیوہ ہے۔ یا منعم کے واجبات شکر سے اہمال و غفلت کی وجہ سے، جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

۵. یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بدکتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور اٹھتے ہو۔

۶. آگے نعمتوں کی کچھ قسمیں بیان کی جارہی ہیں تاکہ اللہ کی قدرت کاملہ بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلا شرکت غیرے معبود ہونا بھی۔

بَنَاءٌ وَصَوْرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ
وَمَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّلَاطِيتِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ
رَبُّكُمْ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۵﴾

ٹھہرنے کی جگہ ^(۱) اور آسمان کو چھت بنادیا ^(۲) اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں ^(۳) اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں، ^(۴) یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾

۶۵. وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو، ^(۵) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي
وَأُمرْتُ أَنْ أَسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷﴾

۶۶. آپ کہہ دیجیے کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو، ^(۶) اس بنا پر کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کا تابع

۱. جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہمکنار ہو کر قیامت تک کے لیے اسی میں آسودہ خواب رہتے ہو۔

۲. یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیند سو سکتا تھا نہ کسی کے لیے کاروبار حیات کرنا ممکن ہوتا۔

۳. جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور متناسب الاعضاء بنایا ہے۔

۴. یعنی اقسام و انواع کے کھانے تمہارے لیے مہیا کیے، جو لذیذ بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔

۵. یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے۔ دوسرا کوئی بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں، تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا، استدلال و استغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے پر قادر ہے۔ دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟

۶. چاہے وہ پتھر کی مورتیاں ہوں، انبیاء علیہم السلام اور صلحاء ہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر و نیاز مت دو، ان کے ورد نہ کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ کرو۔ کیوں کہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔

فرمان ہو جاؤں۔^(۱)

۶۷۔ وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے^(۲) پھر خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا پھر تمہیں بچہ کی صورت میں نکالتا ہے، پھر (تمہیں بڑھاتا ہے کہ) تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ پھر بوڑھے ہو جاؤ۔^(۳) تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں،^(۴) (وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے) تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ^(۵) اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو۔^(۶)

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوعًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى مِنْ قَبْلٍ وَلِبَلَّغُوا أَجَلَ مُسَمًّى وَالْعَلَّامُ تَعْقِلُونَ ﴿۶۷﴾

۱۔ یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید یعنی اللہ کے واحد الہ اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے، جو قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لیے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا۔ یعنی اللہ کے احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سرتابی نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

۲۔ یعنی تمہارے باپ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو مٹی سے بنایا جو ان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے۔ پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کی بقاء و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا۔ اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں جاکر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے، ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

۳۔ یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

۴۔ یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے سے قبل کہولت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے اور اتنی زندگی دنیا میں گزار لے۔

۶۔ یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے علقتہ، پھر مضغہ پھر بچہ، پھر جوانی، کہولت اور بڑھاپا، تو تم جان لو گے کہ تمہارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمہارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت کے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔

۶۸. وہی ہے جو جلاتا ہے اور مار ڈالتا ہے،^(۱) پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جائیس وہ ہو جاتا ہے۔^(۲)

۶۹. کیا تو نے انہیں دیکھا کہ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں،^(۳) وہ کہاں پھیر دیے جاتے ہیں؟^(۴)

۷۰. جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا انہیں ابھی ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔

۷۱. جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی گھیٹے جائیں گے۔^(۵)

۷۲. کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔^(۶)

۷۳. پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟

۷۴. جو اللہ کے سوا تھے^(۷) وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے بہک گئے^(۸) بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ أَذَا فُتًى ۚ أَمَّا أَتَى ۚ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنِّي يُصَرِّفُونَ ۝

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

إِذَا الْإِنْفُلُ فِي أَعْنَاقِهِمُ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ۝

فِي الْحَبِيمِ ۚ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝

ثُمَّ يَمِيلُ لَهُمُ آيَنُ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝

مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا قُلْ لَّكُمْ نَارُكُمْ تَبَدُّعُوا مِنْ قَبْلُ سَيِّئَاتِكُمْ ۚ إِنَّكُمْ إِضْلَالُ اللَّهِ

۱. زندہ کرنا اور مارنا، اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادی میں سلا دیتا ہے۔

۲. اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ کُنْ (ہو جا) سے وہ چیز معرض وجود میں آ جاتی ہے، جس کا وہ ارادہ کرے۔

۳. انکار و تکذیب کے لیے یا اس کے رد و ابطال کے لیے۔

۴. یعنی ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

۵. یہ وہ نقشہ ہے جو جہنم میں ان کذبین کا ہو گا۔

۶. مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، یعنی یہ لوگ اس کا ایندھن بنے ہوں گے۔

۷. کیا وہ آج تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟

۸. یعنی پتہ نہیں، کہاں چلے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟

الْكَافِرِينَ ۝

ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ فِي الْأَرْضِ يَعْبُرُ
الْحَقُّ وَبِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

أَدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِمَا كُنتُمْ
تَكْفُرُونَ ۝

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَمَا تُصْبِرُكَ بِعَصْرِ
الَّذِي نَجَدُ هُمُ أَذْنَوْ قَيْدِكَ ۚ فَاَلَيْسَ يُرْجَعُونَ ۝

نہ تھے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔ (۲)

۷۵۔ یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے
نہ سماتے تھے۔ اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے۔ (۳)

۷۶۔ (اب آؤ) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے (اس کے)
دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بری جگہ ہے تکبر
کرنے والوں کی۔ (۴)

۷۷۔ پس آپ صبر کریں اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے، (۵)
انہیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں ان میں سے کچھ
ہم آپ کو دکھائیں (۶) یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو وفات

۱۔ اقرار کرنے کے بعد، پھر ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَاللَّهُ رَئِيفًا كُنُوزًا مُّسْتَكِينًا﴾ (الانعام: ۲۳) (اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک ٹھہراتے ہی نہیں تھے)۔ کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو سن سکتی تھیں، نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدیر) اور اس کا دوسرا معنی واضح ہے اور وہ یہ کہ وہ شرک کا سرے سے انکار ہی کریں گے۔

۲۔ یعنی ان مکذبین ہی کی طرح، اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل تکذیب اور کفر، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلودہ ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قبول حق کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ یعنی تمہاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و تکذیب اور فسق و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔

۴۔ یہ جہنم پر مقرر فرشتے، اہل جہنم کو کہیں گے۔

۵۔ کہ ہم کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہو سکتا ہے۔ یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب مشیت الہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی قیامت کے دن ہم انہیں سزا دیں۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

۶۔ یعنی آپ کی زندگی میں ان کو مبتلائے عذاب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور پھر نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

دے دیں، ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے۔^(۱)

۷۸۔ اور یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ سے بیان ہی نہیں کیے^(۲) اور کسی رسول کا یہ (مقدور) نہ تھا کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لاسکے^(۳) پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا^(۴) حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا^(۵) اور اس جگہ اہل باطل

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِمَّنْ
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِمَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ
وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ فَفُتِنَى بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ
الْمُظِلُّونَ ۝

۱۔ یعنی اگر کافر دنیوی مواخذہ وعذاب سے بچ بھی گئے تو آخر جائیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں ان کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔

۲۔ اور یہ تعداد میں، بہ نسبت ان کے جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو صرف ۲۵ انبیاء و رسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ آیت سے مراد یہاں معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے، جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار پیغمبروں سے مطالبے کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی کریم ﷺ سے کفار مکہ نے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کے مطالبے پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلا دے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو تو ابتداء ہی سے معجزے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھلایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے، جو بعض اولیاء کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے، خرق عادت امور (کرامات) کا اظہار کر دیتے تھے۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبر کو یہ اختیار نہیں دیا، جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے اس کی ضرورت بھی تھی، تو کسی ولی کو یہ اختیار کیوں کر مل سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے معجزہ ان کی ضرورت تھی۔ لیکن اللہ کی حکمت و مشیت اس کی مقتضی نہ تھی، اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے انہیں معجزے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلا ضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے؟

۴۔ یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت معین آجائے گا۔

۵۔ یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔

خسارے میں رہ جائیں گے۔

۷۹. اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے^(۱) جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو۔^(۲)

۸۰. اور ان میں تمہارے لیے اور بھی بہت سے نفع ہیں^(۳) اور تاکہ تم اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو ان پر سواری کر کے حاصل کر لو اور تم ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار کیے جاتے ہو۔^(۴)

۸۱. اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے،^(۵) پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں کے منکر بنتے رہو گے۔^(۶)

۸۲. کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا؟^(۷) جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے قوت میں سخت اور زمین میں بہت ساری یاد گاریں چھوڑی تھیں،^(۸) ان کے کیے کاموں نے انہیں کچھ بھی

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَكْتَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُودُكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفَالِكِ تَحْمِلُونَ ﴿٨٠﴾

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَآيَ آيَاتِ اللَّهِ تُشْكِرُونَ ﴿٨١﴾

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدُّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا عَصَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

۱. اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بکھیرے۔ یہ نر، مادہ مل کر آٹھ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانعام: ۱۴۳-۱۴۴ میں ہے۔

۲. یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، (جیسے بکری، گائے اور اونٹنی کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے اور بار برداری کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

۳. جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے گھی، مکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتا ہے۔

۴. ان سے مراد بچے اور عورتیں ہیں جنہیں ہودج سمیت اونٹ وغیرہ پر بٹھادیا جاتا تھا۔

۵. جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمہارے نفسوں کے اندر بھی ہیں۔

۶. یعنی یہ اتنی واضح، عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی منکر انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔

۷. یعنی جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی، یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہی ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟

۸. یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کھیتوں کی شکل میں ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کاریگری کے میدان میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔

فائدہ نہ پہنچایا۔^(۱)

۸۳. پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے،^(۲) بالآخر جس چیز کو مذاق میں اڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔

۸۴. ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن جن کو ہم اس کا شریک بنا رہے تھے ہم نے ان سب سے انکار کیا۔

۸۵. لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کے ایمان نے انہیں نفع نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے^(۳) اور اس جگہ کافر خراب و خستہ ہوئے۔^(۴)

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَحُوا بِآيَاتِنَا مِنْ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۵﴾

فَلَمَّا رَأَوْا آيَاتِنَا فَاَلَوْا امْنًا بِاللّٰهِ وَحَدَّاهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُصْرِئِينَ ﴿۶﴾

فَلَمْ يَكْ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا آيَاتِنَا سَدَّتْ اللّٰهُ اَبْتٰى قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ ﴿۷﴾

۱. فَمَا أَغْنَىٰ میں مَّا استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ نافیہ کا مفہوم تو ترجمے سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو سے مطلب ہوگا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچایا؟ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔

۲. علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات، توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انہیں علم سے بطور استہزاء تعبیر فرمایا وہ چونکہ انہیں علمی دلائل سمجھتے تھے، ان کے خیال کے مطابق ایسا کہنا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات و توہمات پر اتراتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے، یہ احکام و فرائض الہی کے مقابلے میں انہی کو ترجیح دیتے رہے۔

۳. یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

۴. یعنی معاینہ عذاب کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔

سُورَةُ الْحَجِّ

سورہ حم السجدة کی ہے اور اس میں چوں آیتیں
اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حَمَّ

۱. حَمَّ

تَنْزِیْلٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۲. اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی
طرف سے۔

کِتٰبٍ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ فَرٰا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ

۳. (ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل
کی گئی ہے،^(۱) (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں
ہے^(۲) اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔^(۳)

☆ اس سورت کا دوسرا نام فُصِّلَتْ ہے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلخ و فصیح آدمی ”عتبہ بن ربیعہ“ کا انتخاب کیا، تاکہ وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ ﷺ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے، تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں، قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ ﷺ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ﷺ ہمارے مہمودوں کو برا کہتے ہیں، تو ہم اپنے خرچ پر آپ ﷺ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی، جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سرداران قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کہانت ہے نہ شعر و شاعری۔ مطلب اس کا آپ ﷺ کی دعوت پر سرداران قریش کو غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ لیکن وہ غور و فکر کیا کرتے؟ الٹا عتبہ پر الزام لگادیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیرو ہو گیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر و تفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ”یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انہوں نے عتبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا اور نبی ﷺ نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔“

۱. یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا ثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟

۲. یہ حال ہے یعنی اس کے الفاظ عربی ہیں، جن کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔

۳. یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی و مفہیم اور اس کے اسرار و اسلوب کو جانتی ہے۔

بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ الْأَكْثَرُ عَنْهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٥﴾

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ أَكْثَرِ مَّيْمَانٍ عَمَّا نَزَّلْنَا بِهِ وَفِيْ
أَذَانِنَا وَأُفْرُؤْ مِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ
إِنَّا لَعَامِلُونَ ﴿٦﴾

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىَّ أَنْمَأَ اللَّهُ إِلَيْهِ
وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا
وَوَيْلٌ لِلْمُصْرِكِينَ ﴿٧﴾

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ

۴. خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے،^(۱) پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔^(۲)

۵. اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں^(۳) اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے^(۴) اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اب اپنا کام کیے جا ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں۔^(۵)

۶. آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے^(۶) سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لیے (بڑی ہی) خرابی ہے۔

۷. جو زکوٰۃ نہیں دیتے^(۷) اور آخرت کے بھی منکر ہی

۱. ایمان اور اعمال صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین و مکذبین کو عذاب نار سے ڈرانے والا۔

۲. یعنی غور و فکر اور تدبر و عقل کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انہیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت سے محروم ہے۔
۳. اَکْثَرُ، کِنَانُ کی جمع ہے ”پردہ“ یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید و ایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

۴. وَقَرُّ کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہرا پن ہے، جو حق کے سننے میں مانع تھا۔

۵. یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کرتا ہے، اسے دیکھ نہیں سکتے۔ اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں، تو ہمارے دین پر عمل نہیں کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

۶. یعنی میرے اور تمہارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بجز وحی الہی کے۔ پھر یہ بعد و حجاب کیوں؟ علاوہ ازیں میں جو دعوت توحید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل و فہم میں نہ آسکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟

۷. یہ سورت کہی ہے۔ زکوٰۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم مسلمانوں کو مکہ میں بھی دیا جاتا رہا، جس طرح پہلے صرف صبح و شام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل

هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۹﴾

لَئِنْ الْكَافِرِينَ أَنتُواَوْعْلُوا الصَّلٰوةِ لَهُمْ أَجْرٌ
غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۱۰﴾قُلْ إِنَّمَا لَكُمْ كُفْرُؤُنْ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي
يَوْمَيْنِ وَيَتَحَمَّلُونَ لَهُ أَنَاذًا ذٰلِكَ رُبُّ
الْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِي مِّنْ ذَهَبٍ وَبَرَكٌ فِيهَا وَفَدَّرَ
فِيهَا أَنْوَاعًا مِّنْ ثَمَرَاتٍ مُّتَوَسِّطَةً
لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۲﴾

رہتے ہیں۔

۸. بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ان کے
لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔^(۱)۹. آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور
تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں
زمین پیدا کر دی،^(۲) سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے۔۱۰. اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے^(۳)
اور اس میں برکت رکھ دی^(۴) اور اس میں (رہنے والوں
کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی^(۵) (صرف) چارلیلۃ الإسراء کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکوٰۃ سے یہاں مراد کلمہ شہادت ہے، جس سے نفس انسانی شرک
کی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

۱. ﴿اَجْرٌ مِّنْ مَّنُونٍ﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿عَطَاةٌ غَيْرُ مَحْذُوزَةٍ﴾ (ہود: ۱۰۸) کا ہے۔ یعنی نہ ختم ہونے والا اجر۔

۲. قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا“ یہاں اس کی
کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا، زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں یَوْمَ الْاَحَدِ (اتوار) اور یَوْمَ الْاِثْنَيْنِ
(پیر)، سورۃ نازعات میں کہا گیا ہے ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰیهَا﴾ (النازعات: ۳۰) (اور اس کے بعد زمین کو (ہموار)
بچھادیا) جس سے اظہار معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا گیا ہے جب کہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان
کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور
دَحٰی جو اصل میں دَحُوْ ہے (بچھانا یا پھیلانا) اور چیز۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی، جیسا کہ یہاں بھی بیان
کیا گیا ہے اور دَحُوْ کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے
پیداواری ضروریات کا خزان بنایا گیا۔ ﴿اَخْرَجْنَا مِمَّا دَحٰیہَا وَاَصْرَعْنَاہَا﴾ (النازعات: ۳۱) (اس میں سے پانی اور چارہ نکالا) اس
میں پہاڑ، ٹیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دو دنوں میں کیا گیا۔ یوں زمین اور اس
کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ حم السجدہ)

۳. یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر نہ ڈولے۔

۴. یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف، یہ زمین کی برکت
ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

۵. أَفْوَاطٌ، فُؤُتٌ (غذا، خوراک) کی جمع ہے۔ یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے

دن میں،^(۱) ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر۔^(۲)

۱۱. پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔^(۳) دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔

۱۲. پس دو دن میں سات آسمان بنادیے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام کی وحی بھیج دی^(۴) اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی،^(۵) یہ تدبیر اللہ غالب ودانا کی ہے۔

۱۳. اب بھی یہ روگرداں ہوں تو کہہ دیجیے کہ میں تمہیں اس کڑک (آسانی عذاب) سے ڈراتا ہوں جو عادیلوں اور ثمودیوں کی کڑک کے مانند ہوگی۔

۱۴. ان کے پاس جب ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے

ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِنِّيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝۱۱

فَقَضَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰی فِی كُلِّ سَمَاءٍ اِمْرًا وَزَيْنًا السَّمَاءُ الذِّیَا اَعْصٰی عَنْهُ وَحَطَّطَ ۝۱۲ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۱۳

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صُفْعَةً مِّثْلَ صُفْعَةٍ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝۱۴

اِذْ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَنِیْ اٰیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا یُعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ

یا بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلو لیٹر اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تاکہ ہر علاقے کی یہ مخصوص پیداوار ان علاقوں کی تجارت و معیشت کی بنیادیں بن جائیں۔ چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

۱. یعنی تخلیق کے پہلے دو دن اور وحی کے دو دن سارے دن ملا کے یہ کل چار دن ہوئے، جن میں یہ سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔
۲. سَمَوَاتٍ کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دَحْو کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا یا برابر جواب ہے سائلیں کے لیے۔

۳. یہ آنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا مفہوم لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں۔ چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم دیا، سورج، چاند اور ستارے نکال، اور زمین کو کہا نہریں جاری کر دے اور پھل نکال دے (ابن کثیر) یا مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آ جاؤ۔

۴. یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اواراد و وظائف کا پابند کر دیا۔

۵. یعنی شیطان سے نگہبانی، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے، ستاروں کا ایک تیسرا مقصد دوسری جگہ اِهْتِدَاء (راستہ

معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے۔ (النحل: ۱۶)

مَلِكَةً فَأَنبَا سَلَّمَ بِهِ لَعْنُونَ ﴿۱۰﴾

فَأَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِبَنِي الْحِثِّ
وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي
خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا
يَجْحَدُونَ ﴿۱۱﴾

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ
لِنَنْزِفَهُمْ عَذَابَ الْحِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْثَرُ وَلَهُمْ لَا نُصْرُونَ ﴿۱۲﴾

جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔
ہم تو تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں۔^(۱)

۱۵. اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی
اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟^(۲) کیا
انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان
سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے،^(۳) اور وہ (آخر تک)
ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔^(۴)

۱۶. بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی^(۵) منحوس
دنوں میں^(۶) بھیج دی کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت
کے عذاب کا مزہ چکھادیں، اور (یقین مانو) کہ آخرت کا
عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور وہ مدد نہیں
کیے جائیں گے۔

۱. یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو، اس لیے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجتا ہوتا تو فرشتوں
کو بھیجتا نہ کہ انسان کو۔

۲. اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں، کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔ یہ
انہوں نے اس وقت کہا جب ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو انذار و تنبیہ کے لیے عذاب الہی سے ڈرایا۔

۳. یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں، جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں قوت و طاقت سے نوازا۔ کیا ان کو بنانے
کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استفہام، استنکار اور توتیخ کے لیے ہے۔

۴. ان معجزات کا جو انبیاء کو ہم نے دیے تھے، یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات تکوینیہ
کا جو کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔

۵. صَرْصَر، صُرَّة (آواز) سے ہے۔ یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی۔ یعنی نہایت تند اور تیز ہوا، جس میں آواز
بھی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ صر سے ہے، جس کے معنی برد (ٹھنڈک) کے ہیں۔ یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی
طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں وَالْحَقُّ أَنَّهَا مُتَصَفَّةٌ بِجَمِيعِ ذَلِكَ، وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔

۶. نَحِسَاتٌ کا ترجمہ، بعض نے متواتر پے در پے کا کیا ہے۔ کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔
بعض نے سخت، بعض نے گردوغبار والے اور بعض نے نحوس والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ ایام
جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منحوس ہیں۔

۱۷. اور رہے شمود، سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی^(۱)
پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی^(۲)
جس بنا پر انہیں (سراپا) ذلت کے عذاب کی کڑک نے
ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا۔^(۳)

۱۸. اور (ہاں) ایمان دار اور پارسائوں کو ہم نے (بال
بال) بچا لیا۔

۱۹. اور جس دن^(۴) اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے
جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کر دیا جائے گا۔^(۵)

۲۰. یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے تو
ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی
کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔^(۶)

وَأَمَّا شَوْذُ قَهْدِيئِهِمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى
فَاَخَذَتْهُمْ صِعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ^①

وَبَحَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ^②

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ
يُبْذَرُونَ^③

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ
وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^④

۱. یعنی ان کو توحید کی دعوت دی، اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے
سے ان پر حجت تمام کی۔

۲. یعنی انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی، حتیٰ کہ اس اونٹنی تک کو ذبح کر ڈالا جو بطور معجزہ ان کی خواہش پر چٹان سے
ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔

۳. صَاعِقَةٌ، عذاب شدید کو کہتے ہیں، ان پر یہ سخت عذاب چنگھاڑ اور زلزلے کی صورت میں آیا، جس نے انہیں ذلت
ورسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا۔

۴. یہاں اذْکُرْ محذوف ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے یعنی اول سے آخر تک
کے دشمنوں کا اجتماع ہو گا۔

۵. أَيْ: يُحْبَسُ أَوْ يُهْمُّ عَلَىٰ آخِرِهِمْ لِيُكَلِّمَهُمُ (فتح القدیر) یعنی ان کو روک روک کر اول و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔
(اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے سورۃ النمل آیت نمبر ۱۷ کا حاشیہ)

۶. یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر
لگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے إِذَا مَا جَاءُوهَا میں مَا زائد ہے
تاکید کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیسری جلد (کھال) کا ذکر ہے جو مس یا لمس کا
آلہ ہے۔ یوں حواس کی تین قسمیں ہو گئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (پکھنا) بوجہ لمس میں داخل
ہے، کیونکہ یہ پکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شے کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سونگھنا

۲۱. اور یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی،^(۱) وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔^(۲)

۲۲. اور تم (اپنی بد اعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی،^(۳) ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے۔^(۴)

وَقَالُوا الْجُودُ هُمْ يَشْهَدُونَ عَلَيْنَا مَا قَالُوا
أَنطقت الله الذي أنطق كل شيء وهو
خلقكم أول مرة واليه ترجعون ⑤

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ
سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ
أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ⑥

(شم) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شے ناک کی جلد پر نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلود کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔ (فتح القدیر)۔

۱. یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں، تو ازراہ تعجب یا بطور عقاب اور ناراضی ان کے اس سے یہ کہیں گے۔

۲. بعض کے نزدیک وَهُوَ سے اللہ کا کلام مراد ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک جلود انسانی ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انہی کے کلام کا تتمہ ہے۔ قیامت کے دن انسانی اعضاء کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل سورہ نور: ۲۴، سورہ یسین: ۶۵، میں بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً جب اللہ کے حکم سے انسانی اعضاء بول کر بتلائیں گے تو بندہ کہے گا، بَعْدًا لَكُنَّ وَشَحَقًا؛ فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أَنَا ضِلُّ (صحیح مسلم، کتاب الزہد) (تمہارے لیے ہلاکت اور دوری ہو، میں تو تمہاری ہی خاطر جھگڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا)۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں اور میرے فرشتے کراماً کا تین گواہی کے لیے کافی نہیں۔ پھر اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ (حوالہ مذکورہ)۔

۳. اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف تمہیں نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اپنے اعضاء بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس کرتے۔ اس کی وجہ ان کا بعث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔

۴. اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔

وَذَلِكُمْ فَلَكُمْ اِكْذٰبِيْ طَلَبْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَدْنٰكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَاَلَا تَمْتُوْیْ لَهُمْ وَاِنْ يَّسْتَغْبِیْوْا
فَمَا لَهُمْ مِنَ الْمُعْتَبِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۳۔ اور تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کر دیا^(۱) اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے۔

۲۴۔ اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ اور اگر یہ (عذر) معافی کے خواستگار ہوں تو بھی (معذور و) معاف نہیں کیے جائیں گے۔^(۲)

۲۵۔ اور ہم نے ان کے کچھ ہم نشین مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا رکھے تھے^(۳) اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول ان امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گزر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے۔

۲۶۔ اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو ہی مت^(۴)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
فِيْ اَمْمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ
وَ الْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ

۱۔ یعنی تمہارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو ہمارے بہت سے اعمال کا علم نہیں ہوتا، تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا، کیوں کہ اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے۔ فریہ بدن، قلیل الفہم۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا ”ہماری جبری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔“ ایک اور نے کہا ”اگر وہ ہماری جبری (اونچی) باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔“ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ نازل فرمائی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة حم السجدة)

۲۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتْبٰی رضا طلب کریں گے) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیز ان کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ (البرہ القاسرہ وضع القدیر) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہوگی۔ (ابن جریر طبری) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہے، اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ دنیا میں بعض دفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آجاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں، مگر اس میں بھی انہیں ناکامی ہی ہوگی۔

۳۔ ان سے مراد وہ شیطاں انس و جن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جو انہیں کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں، حتیٰ کہ انہیں موت آجاتی ہے اور وہ خسارہ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

۴۔ یہ انہوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے لَا تَسْمَعُوْا کے معنی کیے ہیں، اس کی اطاعت نہ کرو۔

وَالْعَوَافِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

فَلَنْذَيِّقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا سَدِيدًا
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۱﴾

ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا
دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءٌ لِّمَا كَانُوا يَافِكُنَا
يَجْحَدُونَ ﴿۶۲﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا ۖ أَرَنَا الَّذِينَ أَضَلْنَا
مِنَ الْجِبِّ وَالْأَيْسِ ۖ نَجْعَلُهُمُ أَتَدَامِنَا
لِيَكُونُوا مِنَ الْآسِفِينَ ﴿۶۳﴾

(اس کے پڑھے جانے کے وقت) اور بیہودہ گوئی کرو^(۱)
کیا عجب کہ تم غالب آجاؤ۔^(۲)

۲۷۔ پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ
چکھائیں گے۔ اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ
(ضرور) ضرور دیں گے۔^(۳)

۲۸۔ اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس
میں ان کے لیے بیٹھگی کا گھر ہے (یہ) بدلہ ہے ہماری
آیتوں سے انکار کرنے کا۔^(۴)

۲۹۔ اور کافر لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں
جنوں اور انسانوں (کے وہ دونوں فریق) دکھا جنہوں نے
ہمیں گمراہ کیا^(۵) (تاکہ) ہم انہیں اپنے قدموں تلے ڈال
دیں تاکہ وہ جہنم میں سب سے نیچے (سخت عذاب میں)
ہو جائیں۔^(۶)

۱۔ یعنی شور کرو، تالیاں، سیٹیاں بجاؤ چیخ کر باتیں کرو تاکہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے
دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔

۲۔ یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (ﷺ) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے سن کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

۳۔ یعنی ان کے بعض اچھے اعمال کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً اکرام ضیف، صلہ رحمی وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کی دولت سے
وہ محروم رہے تھے، البتہ برے اعمال کی جزاء انہیں ملے گی، جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔

۴۔ آیتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے، وہ دلائل وبراہین واضح ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ
معجزات ہیں جو انہیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل تکوینیہ ہیں جو کائنات یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافر
ان سب ہی کا انکار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

۵۔ اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے
زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے قابل مراد لیا ہے، جس
نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت
تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ بھی اس کو ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

۶۔ یعنی اپنے قدموں سے انہیں روندیں اور اس طرح ہم انہیں خوب ذلیل ورسوا کریں۔ جہنیوں کو اپنے لیڈروں پر جو

۳۰. (واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ^(۱) پھر اسی پر قائم رہے ^(۲) ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں ^(۳) کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو ^(۴) (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔ ^(۵)

۳۱. تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، ^(۱) جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔

۳۲. غفور و رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخْفُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾

تَنَزَّلُ أُولَئِكَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾

تُزَكَّرُونَ عَنْ مَعْصِيَةِ رَبِّكُمْ ﴿۳۲﴾

غصہ ہوگا، اس کی تفسی کے لیے وہ یہ کہیں گے۔ ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَيْسَ ضَعْفٌ وَلَكِنْ لَّا تَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: ۳۸) (سب ہی کا دو گنا ہے، لیکن تم کو خبر نہیں) جہنیوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہا ہے، جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تاکہ تربیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ تربیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انذار کے بعد اب تبشیر۔

۱. یعنی ایک اللہ وحدہ لا شریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا تو اقرار، لیکن الوہیت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

۲. یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے معنی اخلاص کیے ہیں۔ یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا مجھے ایسی بات بتادیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا «قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ» (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب جامع أوصاف الإسلام) (کہہ، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر)۔

۳. یعنی موت کے وقت، بعض کہتے ہیں فرشتے یہ خوش خبری تین جگہوں پر دیتے ہیں، موت کے وقت، قبر میں اور قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت۔

۴. یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال و اولاد جو چھوڑ آئے ہو، ان کا غم نہ کرو۔

۵. یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمہیں دیا گیا تھا۔

۶. یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے، دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوش خبری ہے۔

مہانی کے ہے۔

۳۳۔ اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔^(۱)

۳۴۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔^(۲) برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔^(۳)

۳۵۔ اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں^(۴) اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔^(۵)

۳۶۔ اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔^(۶) یقیناً وہ بہت ہی سننے والا جاننے والا ہے۔^(۷)

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾

وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۴﴾

وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُرِّيٌّ عَظِيمٌ ﴿۳۵﴾

وَمَا يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ تَرْغُهُ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۶﴾

۱۔ یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔

۲۔ بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔

۳۔ یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو۔ یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پیاسا، تمہارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔

۴۔ یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔

۵۔ حَظٌّ عَظِيمٌ (بڑا نصیب) سے مراد جنت ہے یعنی مذکورہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبے والا ہوتا ہے، یعنی جنتی جس کے لیے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔

۶۔ یعنی شیطان، شریعت کے کام سے پھیرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

۷۔ اور جو ایسا ہو یعنی ہر ایک کی سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا سُبُحُودَ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۴۱﴾

فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿۴۲﴾



وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُجِى الْمَوْتِ إِنَّهُ عَلَى شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۳﴾

۳۷۔ اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، ^(۱) تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو ^(۲) بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، ^(۳) اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔

۳۸۔ پھر بھی اگر یہ کبر وغرور کریں تو وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور (کسی وقت بھی) نہیں اکتاتے۔

۳۹۔ اور اس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دہائی دیکھتا ہے ^(۴) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔ ^(۵) جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ

ماقبل کی تعلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کی قدرت کاملہ اور اس کی قوت و تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ یعنی رات کو تاریک بنانا تاکہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنانا تاکہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو۔ پھر یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا۔ اور کبھی اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور مالک ہے۔ نیز وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔

۲۔ اس لیے کہ یہ بھی تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں، خدائی اختیارات سے بہرہ ور یا ان میں شریک نہیں ہیں۔

۳۔ خَلَقَهُنَّ، میں جمع مونث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خَلَقَ هَذِهِ الْأَرْبَعَةَ الْمَذْكُورَةَ کے مفہوم میں ہے، کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مونث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس و قمر ہی ہیں اور بعض ائمہ نضاۃ کے نزدیک تشبیہ بھی جمع ہے یا پھر مراد الآیات ہیں۔ (فتح اللہ)

۴۔ خَاشِعَةً کا مطلب، خشک اور قحط زدہ یعنی مردہ۔

۵۔ یعنی انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔

کرنے والا ہے،^(۱) بے شک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے۔

۴۰. بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں^(۲) وہ ہم سے (کچھ) مخفی نہیں،^(۳) (بتلاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟^(۴) تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ،^(۵) بے شک وہ تمہارا سب کیا کرایا دیکھ رہا ہے۔

۴۱. یقیناً جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس سے کفر کیا، (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں)^(۶) اور بے شک یہ بڑی باوقعت کتاب ہے۔^(۷)

۴۲. جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَغْفُونَ عَلَيْهَا
أَقْسَمُ نُلْقِيَ فِي النَّارِ خَيْرًا مِّنْ بَرِّئِي أَمِنَّا يَوْمَ
الْقِيَامَةِ أَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالَّذِي كُنَّا جَاءُهُمْ
وَلَهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَبِيبٍ

۱. مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دینا اور اسے روئیدگی کے قابل بنادینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا۔

۲. یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض، انحراف اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کے معنی کیے ہیں وَضَعَ الْكَلَامَ عَلَى غَيْرِ مَوَاضِعِهِ، جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرقے بھی آجاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد و نظریات کے اثبات کے لیے آیات الہی میں تحریف معنوی اور دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔
۳. یہ طہرین (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔

۴. یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ طہرین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت کے دن بے خوف ہوں گے۔

۵. یہ امر کا لفظ ہے، لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تہدید ہے۔ کفر و شرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔
۶. توہین میں دیے گئے الفاظِ اِنَّ کی خبر محذوف کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محذوف مانے ہیں۔ مثلاً يُجَاوِزُونَ بِكُفْرِهِمْ (انہیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی) یا هَالِكُونَ (وہ ہلاک ہونے والے ہیں) یا يُعَذَّبُونَ (انہیں عذاب دیا جائے گا)۔

۷. یعنی یہ کتاب، جس سے اعراض و انحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں کے طعن سے بہت بلند اور ہر عیب سے پاک ہے۔

والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے۔^(۱)

۴۳. آپ سے وہی کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں سے بھی کہا گیا ہے،^(۲) یقیناً آپ کا رب معافی والا^(۳) اور دردناک عذاب والا ہے۔^(۴)

۴۴. اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے^(۵) کہ اس کی آیتیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئیں؟^(۶) یہ کیا کہ عجمی کتاب اور آپ عربی رسول؟^(۷)

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قَبِلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ
إِنْ رَّبُّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَذُوْ عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۴۳﴾

وَكُوجَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجْمِيًّا لَّا تُلَوِّحُ بِالسُّوْرِ
الْيَتْلُوْا عَجَبِيْ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ أَمَّاوَا
هٰذِيْ وَشِعْمَاءُ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ أَذَانِهِمْ

۱. یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگے سے کا مطلب ہے کی، اور پیچھے سے کا مطلب ہے زیادتی، یعنی باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کی اور نہ اس کے پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغیر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اور حمید یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غایات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھے اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)۔

۲. یعنی کچھ قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے جو کچھ کہا کہ یہ ساحر ہیں، مجنون ہیں، کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ، وہی کچھ کفار مکہ نے بھی آپ ﷺ کو کہا ہے۔ یہ گویا آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی تکذیب اور آپ ﷺ کی سحر، کذب اور جنوں کی طرف نسبت، نئی بات نہیں ہے، ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كَذٰلِكَ مَا آتٰی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رُّسُلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مُجْنُوْنَ﴾ * اَتَوَاصِيْهِ بَلٰى هُمْ قَوْمٌ طٰغُوْنَ ﴿ (الذاریات: ۵۲-۵۳) (اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں)۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ کو توحید اور اخلاص کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ وہی باتیں ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کو بھی کہی گئی تھیں۔ اس لیے کہ تمام شریعتیں ان باتوں پر متفق رہی ہیں بلکہ سب کی اولین دعوت ہی توحید و اخلاص تھی۔ (فتح القدیر)۔

۳. یعنی ان اہل ایمان و توحید کے لیے جو مستحق مغفرت ہیں۔

۴. ان کے لیے جو کافر اور اللہ کے پیغمبروں کے دشمن ہیں۔ یہ آیت بھی سورہ حجر کی آیات ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْغَفُوْرَ الرَّحِيْمَ﴾ وَاَنْ عَلٰى اِيْنِ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿ (۳۹-۵۰) (میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں۔ اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے)۔ کی طرح ہے۔

۵. یعنی عربی کے بجائے کسی اور زبان میں قرآن نازل کرتے۔

۶. یعنی ہماری زبان میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا، جسے ہم سمجھ سکتے، کیونکہ ہم تو عرب ہیں، عجمی زبان نہیں سمجھتے۔

۷. یہ بھی کافروں ہی کا قول ہے کہ وہ تعجب کرتے کہ رسول تو عربی ہے اور قرآن اس پر عجمی زبان میں نازل ہوا ہے۔

وَقَدْ وَهَمُوا عَلَيْهِمْ عَمَّا أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ
يَعْبُدُونَ ﴿٢٥﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِّي
بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿٢٦﴾

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٧﴾

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ

آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں تو (بہر) پن اور) بوجھ ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جارہے ہیں۔^(۱)

۲۵۔ اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی، سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر (وہ) بات نہ ہوتی (جو) آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے^(۲) تو ان کے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا،^(۳) اور یہ لوگ تو اس کے بارے میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں۔^(۴)

۲۶۔ جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کے لیے اور جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔^(۵)

۲۷۔ قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے^(۶) اور

مطلب یہ ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں نازل فرما کر اس کے اولین مخاطب عربوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے۔ اگر یہ غیر عربی زبان میں ہوتا تو وہ عذر کر سکتے تھے۔

۱۔ یعنی جس طرح دور کا شخص، دوری کی وجہ سے پکارنے والے کی آواز سننے سے قاصر رہتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کی عقل و فہم میں قرآن نہیں آتا۔

۲۔ کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مہلت دی جائے گی۔ ﴿وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (فاطر: ۳۵)

۳۔ یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

۴۔ یعنی ان کا انکار عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کیے رکھتا ہے۔

۵۔ اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو دیتا ہے جو گناہگار ہوتا ہے، نہ کہ جس کو چاہے یوں ہی عذاب میں مبتلا کر دے۔

۶۔ یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں۔ اسی لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا، «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» "اس کی بابت مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا تجھے ہے، میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔" دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰهَا﴾ (النازعات: ۳۴) (اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے)۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ (الأعراف: ۱۸) (اس

ثَمَرَاتٍ مِّنَ الْكُلَامِهَا وَمَا تَحِيلُ مِنَ الْأَنْثَىٰ
وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ
شُرَكَائِيَ قَالُوا أَذَلَّكَ مَا مَنَّا مِن شَيْءٍ ۖ

جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے^(۱) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (شرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں، وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ نہیں۔^(۲)

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ وَظَلُّوا
مَالَهُمْ مِّنْ غَيْرِ ۖ

۴۸. اور یہ جن (جن) کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے^(۳) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لیے کوئی بچاؤ نہیں۔^(۴)

لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنَّمَسَّهُ السُّرُ
قُيُوسٌ مُّوْطُ ۖ

۴۹. بھلائی کے مانگنے سے انسان ٹھکتا نہیں^(۵) اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔^(۶)

کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔

۱. یہ اللہ کے علم کا محیط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ یعنی اس طرح کا علم کامل کسی کو حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں۔ انہیں بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں وحی کے ذریعے سے بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وحی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے متعلق ہی ہوتا ہے نہ کہ دیگر فنون و معاملات سے متعلق۔ اس لیے کسی بھی نبی اور رسول کو، چاہے وہ کتنی ہی عظمت شان کا حامل ہو، عَالِمٌ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ صرف ایک اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہو گا۔

۲. یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے؟

۳. یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انہوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔

۴. یہ گمان، یقین کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُّوَاعِقُوهَا وَلَمْ يَحِصُوا عَذَابَهَا مَصْرُفًا﴾ (الکہف: ۵۳) (اور نگاہ گار جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے)۔

۵. یعنی دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں ٹھکتا، بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔

۶. یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جب کہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ

۵۰. اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے اس کے بعد اگر ہم اسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار ہی تھا^(۱) اور میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لیے اس کے پاس بہتری ہے،^(۲) یقیناً ہم ان کفار کو ان کے اعمال سے خبردار کریں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

۵۱. اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے^(۳) اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔^(۴)

۵۲. آپ کہہ دیجیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اسے نہ مانا تو اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہوگا^(۵) جو مخالفت میں (حق سے)

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ عَذَابٍ مَشْتَتٍ
لَيَقُولَنَّ هَذَا إِلَىٰ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ ۚ وَلَئِنْ رُدُّنَا
رَحْمَتَنَا إِلَىٰ رَبِّنَا إِنَّ لِي عِنْدَ اللَّهِ خُسْفًا
فَلَنَذِقُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِنِعْمَتِ اللَّهِ ۚ وَلَنَذِقُنَّهُمْ
مِنْ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ
وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَوَدَّ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

قُلْ إِيَّاكُمْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ
بِهِ مِنْ أَضَلِّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

ایک تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرا تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارہٴ سینا اور رفع درجات کا باعث گردانتے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

۱. یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ حالاں کہ دنیا کی کمی بیشی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟

۲. یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔

۳. یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔

۴. یعنی بارگاہ الہی میں تضرع و زاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرمادے۔ یعنی شدت میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوشحالی میں بھول جاتا ہے، نزولِ نعمت کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصولِ نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا۔

۵. یعنی ایسی حالت میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہوگا۔

دور چلا جائے۔^(۱)

۵۳. عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے،^(۲) کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔^(۳)

۵۴. یقین جانو! کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں ہیں،^(۴) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔^(۵)

سَرُّهُمْ الَّتِي تَنَافَى الْآفَاقُ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى
يَذَكِّرُنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ
أَلَا إِنَّهُمْ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطُونَ

۱. شِقَاقِ کے معنی ہیں، ضد، عناد اور مخالفت۔ بَعِيدٌ مل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بہت زیادہ مخالفت اور عناد سے کام لیتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی تکذیب کر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر گمراہ اور بدبخت کون ہو سکتا ہے؟

۲. جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا۔ یعنی اَنَّهُ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو بتلایا ہے۔ مال سب کا ایک ہی ہے۔ آفَاقُ، اُفُق کی جمع ہے۔ کنارہ، مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔ چنانچہ آسمان وزمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے، رات اور دن، ہوا اور بارش، گرج چمک، بجلی، کڑک، نباتات و جمادات، اشجار، پہاڑ، اور انہار و بحار وغیرہ۔ اور آیاتِ انفس سے انسان کا وجود، جن اخلاط و مواد اور ہیئتوں سے مرکب ہے وہ مراد ہیں۔ جن کی تفصیلات طب و حکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض کہتے ہیں، آفاق سے مراد شرق و غرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں۔ جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرمادیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے، جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی گئی۔

۳. استفہام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے، اور وہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

۴. اس لیے اس کی بابت غور و فکر نہیں کرتے، نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔

۵. بنا بریں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیوں کہ تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ و تصرف ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے، کر سکتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔

سورہ شوریٰ مکی ہے اور اس میں تین آیتیں
اور پانچ رکوع ہیں۔

سُورَةُ الشُّورَىٰ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. حَمَّ

حَمَّ

۲. عَسَقَ

عَسَقَ

۳. اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اسی
طرح تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا
رہا۔^(۱)

كَذَلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ
اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

۴. آسمانوں کی (تمام) چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے
سب اسی کا ہے وہ برتر اور عظیم الشان ہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

۵. قریب ہے آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں^(۲) اور تمام
فرشتے اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے
ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔^(۳)
خوب سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا رحمت
والا ہے۔^(۴)

تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَقِرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّكَ أَلَمْ يَسْتَغْفِرُوا لِمَنْ فِي
الْأَرْضِ إِلَّا أَنْ اللَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

۱. یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ وحی،
اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ
سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے سخت
ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور
وہ جو کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت
ختم ہوتی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے ہوتے۔ (صحیح البخاری، باب بدء الوحي)
۲. اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے۔

۳. یہ مضمون سورہ مومن کی آیت: ۷ میں بھی بیان ہوا ہے۔

۴. اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے، کیوں کہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا بلکہ
انہیں ایک وقت معین تک مہلت دینا، یہ بھی اس کی رحمت و مغفرت ہی کی قسم سے ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيفٌ عَلَيْهِمْ
وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

۶. اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کارساز بنالیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ہے^(۱) اور آپ ان کے ذمے دار نہیں ہیں۔^(۲)

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَتُنْذِرَ
أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَأَدْبَابٍ
فِيهِ قُرْآنٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝

۷. اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے^(۳) تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں^(۴) اور جمع ہونے کے دن سے^(۵) جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ڈرا دیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا۔^(۶)

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً
وَلَٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۝

۸. اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت کا بنا دیتا^(۷) لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل

۱. یعنی ان کے اعمال کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزاء دے۔

۲. یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگادیں یا ان کے گناہوں پر ان کا مواخذہ فرمائیں، بلکہ یہ کام ہمارے ہیں، آپ کا کام صرف البلاغ (پہنچاننا) ہے۔

۳. یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا، اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے، کیونکہ آپ کی قوم ہی زبان بولتی اور سمجھتی ہے۔

۴. اُمُّ الْقُرَىٰ، مکہ کا نام ہے۔ اسے ”بستیوں کی ماں“ اس لیے کہا گیا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ گویا یہ تمام بستیوں کی ماں ہے جنہوں نے اسی سے جنم لیا ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا میں اس کے شرق و غرب کے تمام علاقے شامل ہیں۔ ان سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر و شرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب الہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

۵. قیامت کے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان جمع ہوں گے علاوہ ازیں ظالم مظلوم اور مومن و کافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزاء و سزا سے بہرہ ور ہوں گے۔

۶. جو اللہ کے احکام کو بجا لایا ہوگا اور اس کی منہیات و محرمات سے دور رہا ہوگا وہ جنت میں، اور اس کی نافرمانی اور محرمات کا ارتکاب کرنے والا جہنم میں ہوگا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیسرا گروہ نہیں ہوگا۔

۷. اس صورت میں قیامت کے دن صرف ایک ہی گروہ ہوتا یعنی اہل ایمان اور اہل جنت کا لیکن اللہ کی حکمت و مشیت نے اس جبر کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی، جس نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا، اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا۔ چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت کے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ
وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ
ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

فَاطْرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّوكُمْ فِيهِ
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

کر لیتا ہے اور ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں۔

۹. کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنالیے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔^(۱)

۱۰. اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے،^(۲) یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں۔

۱۱. وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنادیے ہیں^(۳) اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں^(۴) تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے^(۵) اس جیسی کوئی چیز نہیں^(۶) وہ سننے اور

۱. جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

۲. اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر مذہب کا پیروکار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، درآں حالیکہ سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راستہ پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے۔ لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الہی کو اپنا حکم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

۳. یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمہاری جنس سے ہی اس نے تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔

۴. یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکر و مؤنث) کا سلسلہ ہم نے چوپایوں میں بھی رکھا ہے، چوپایوں سے مراد وہی نر اور مادہ آٹھ جانور ہیں جن کا ذکر سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے۔

۵. يَذُرُّكُمْ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں یعنی وہ تمہیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا نسل بعد نسل پیدا کر رہا ہے۔ انسانی نسل کو بھی اور چوپائے کی نسل کو بھی فیہ کا مطلب ہے فی ذلک الخلق علیٰ ہذہ الصّفۃ، یعنی اس پیدائش میں اس طریقہ پر وہ تمہیں ابتداء سے پیدا کرتا رہا ہے۔ یا ”رحم میں“ یا ”بیٹ میں“ مراد ہے۔ یا فیہ بمعنی بہ ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا یا پھیلاتا ہے کیوں کہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

۶. نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔

دیکھنے والا ہے۔

۱۲. آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں،^(۱) جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

۱۳. اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیجا ہے، اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا^(۲) اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا^(۳) جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو (ان) مشرکین پر گراں گزرتی ہے،^(۴) اللہ تعالیٰ

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ يُحِيطُ بِشَيْءٍ عَالِمٌ

مَرَّةً لَّكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّي بِهِ نُوْحًا اِذْ قَالَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَاهُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَفْوَاهِيْذَ كَثُوْرٍ عَلٰى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَن يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَن يُنِيبُ

۱. مَقَالِيدُ، مِفْتَاحُ اور مِفْلَاذُ کی جمع ہے۔ خزانے یا چابیاں۔

۲. شَرَعَ کے معنی ہیں، بیان کیا، واضح کیا اور مقرر کیا، لَكُمْ، (تمہارے لیے) یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیاء کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیاء کے نام ذکر فرمائے۔

۳. الدِّين سے مراد، اللہ پر ایمان، توحید، اطاعت رسول اور شریعت الہیہ کو ماننا ہے۔ تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی دعوت وہ اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے۔ اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منہج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمَعْنًا﴾ (المائدة: ۴۸) (تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے)۔ لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترک تھے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: (ہم انبیاء کی جماعت علاقائی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے) (صحیح بخاری وغیرہ) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا تباہی اور تفاوت ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دارومدار ہے۔

۴. صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و اختلاف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگیزی ہے، جس سے ”پھوٹ نہ ڈالنا“ کہہ کر منع کیا گیا ہے۔

۵. اور وہ وہی توحید اور اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے^(۱) اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔^(۲)

۱۴. اور ان لوگوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے^(۳) اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لیے پہلے ہی سے قرار پائی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا^(۴) اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۵)

۱۵. پس اسی لیے آپ لوگوں کو بلاتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے مضبوطی سے جم جائیں^(۱) اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں^(۲) اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ
بَغْيًا يَبْغِيهِمْ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى
أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا
الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَأَنفَضُوا شَرِّكَ مِنْهُ مُرِيٍّ^(۱)

فَلَيْلَا لَكَ فَادُمْ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ
أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ أَمَرْتُ بِمَا أُنْزِلَ اللَّهُ مِنْ
كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِإِعْصِلَ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبَّنَا
وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ

۱. یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے، اسے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔

۲. یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت و عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۳. یعنی انہوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم یعنی ہدایت آجانے اور اتمام حجت کے بعد اختیار کیا، جب کہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بغض و عناد، ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش مکہ مراد لیے ہیں۔

۴. یعنی اگر ان کی بابت عقوت میں تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہوتا تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔

۵. اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے سے ماقبل کے یہود و نصاریٰ کے بعد کتاب یعنی تورات و انجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انہیں قرآن کا وارث بنایا۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے ”الکتاب“ سے تورات و انجیل اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

۶. یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے، جس کا ذکر پہلے ہوا، آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر سچے رہیں۔

۷. یعنی انہوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گھڑ لی ہیں، مثلاً بتوں کی عبادت وغیرہ، اس میں ان کی خواہش کے پیچھے مت چلیں۔

يَبْنَانَا وَيَبْنِيكُمْ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَالْبَيْدُ
الْمَصِيرُ ⑤

حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہو۔^(۱) ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ جتی نہیں^(۲) اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

۱۶. اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (مخلوق) اسے مان چکی^(۳) ان کی کٹ جتی اللہ کے نزدیک باطل ہے،^(۴) اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

۱۷. اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے)^(۵) اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت

وَالَّذِينَ يُجَاجِلُونَ فِي اللَّهِ مِنْ عَدُوٍّ مَا تُجِيبُ لَهُ
حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ عَذَابٌ
وَكَثِيرٌ شَدِيدٌ ⑥

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ
وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ⑦

۱. یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

۲. یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔

۳. یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے، تاکہ انہیں پھر راہ ہدایت سے ہٹادیں۔ یا مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمہارے نبی سے پہلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔

۴. دَاحِضَةً کے معنی کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔

۵. الْكِتَاب سے مراد جنس ہے یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور سچی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل وانصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری اور انصاف کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں۔ ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا بِالْإِسْلَامِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُ الْكِتَابَ وَالْوِزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: ۲۵) (یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو (انصاف) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔) ﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ * أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ * وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ (سورة الرحمن: ۷-۹) (اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تو لے میں کی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو)۔

قریب^(۱) ہی ہو۔

۱۸. اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے^(۲) اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈر رہے ہیں^(۳) انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں،^(۴) وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۵)

۱۹. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت، بڑے غلبہ والا ہے۔

۲۰. جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے^(۱) اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ
آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ
الَّذِينَ الَّذِينَ يُبَادُونَ فِي السَّاعَةِ لَعْنَى
ضَلَّالٍ بَعِيدٍ ۝

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ
وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي
حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ
مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝

۱. قَرِيبٌ، مذکر اور مؤنث دونوں کی صفت کے لیے آجاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ موصوف مؤنث غیر حقیقی ہو۔ ﴿إِنْ رِجَصْتَ
اللَّهُ قَرِيبًا مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (فتح القدیر)

۲. یعنی استہزاء کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کو آنا ہی کہاں ہے؟ اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔

۳. اس لیے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرا ان کو خوف ہے کہ اس روز بے لاگ حساب ہوگا، کہیں وہ بھی مواخذۃ الہی کی زد میں نہ آجائیں۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَةً أَلَهُمْ
إِلَى رَبِّهِمْ لِحُمُومٍ﴾ (المؤمنون: ۶۰)

۴. يُبَادِرُونَ، مُمَارَاةً سے ہے جس کے معنی لڑنا جھگڑنا ہیں۔ یا مَرِيَّةً سے ہے، بمعنی ریب و شک۔

۵. اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور و فکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل و فہم میں آسکتے ہیں۔ اس لیے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

۶. حَرْثُ کے معنی تخم ریزی کے ہیں۔ یہاں یہ بطریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد پر بولا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال و محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔

دیں گے، ^(۱) ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ^(۲)

۲۱. کیا ان لوگوں نے (اللہ کے) ایسے شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ ^(۳) اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً (ان) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔

۲۲. آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے ^(۴) جن کے وبال ان پر واقع ہونے والے ہیں، ^(۵) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے وہ جو خواہش کریں گے اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل۔

۲۳. یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور (سنت کے مطابق) نیک عمل کیے تو کہہ دیجیے کہ میں اس پر تم سے کوئی

أَمَلُهُمْ شُرَكَاءُ اسْتَرْعَوْا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُتْنَىٰ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُمْ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَةٍ أَلْبَدًا لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ وَعِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝

ذَلِكَ الَّذِي يُبَيِّرُ اللَّهُ عِبَادَةَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْرِضْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا

۱. یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔

۲. یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بنی اسرائیل: ۱۸ میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے، کیوں کہ وہ سب کی روزی کا ذمہ لیے ہوئے ہے، طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی۔ تاہم جو طالب آخرت ہوگا یعنی آخرت کے لیے کسب و محنت کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اجر و ثواب عطا فرمائے گا، جب کہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے کچھ نہیں ہوگا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں۔

۳. یعنی شرک و معاصی، جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے، ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔

۴. یعنی قیامت کے دن۔

۵. حالانکہ دُرنا بے فائدہ ہوگا کیوں کہ اپنے کیے کی سزا تو انہیں بہر حال بھگتنی ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی،^(۱) جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں اور خوبی بڑھادیں گے۔^(۲) بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا (اور) بہت قدردان ہے۔^(۳)

۲۴. کیا یہ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے^(۴) اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا

أَم يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنَّ اللَّهَ يَخْتَصِمُ عَلَىٰ قَلْبِكَ وَيَوْمَ اللَّهِ الْبَاطِلُ وَسَخِطُ اللَّعْنَةِ بِحَسْبِهِ إِنَّهُ عَلَيْهِ بُرْكَاتُ الصُّدُورِ

۱. قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتے داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری و قرابت کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روڑہ نہ بنو کہ میں فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی کیے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الشورى) نبی کریم ﷺ کی آل، یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے اس سے محبت، اس کی تعظیم و توقیر جزو ایمان ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے بھی احادیث میں ان کی تکریم اور حفاظت کی تاکید فرمائی ہے لیکن اس آیت کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انہوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہما تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انہیں معصوم اور الہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے جو نبی ﷺ کی شان ارفع سے بہت ہی فروتر ہے آپ ﷺ کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے کے باوجود آپ ﷺ کی طلب تو صرف قرابت اور صلہ رحمی کی بنیاد پر محبت برقرار رکھنے کی تھی پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا جس کی خود سائنس محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

۲. یعنی اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

۳. اس لیے وہ پردہ پوشی فرماتا اور معاف کر دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

۴. یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوئی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگادیتے، جس سے وہ قرآن ہی مو ہو جاتا جس کے گھرنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔

ہے^(۱) اور سچ کو ثابت رکھتا ہے۔ وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

۲۵. اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے^(۲) اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) جانتا ہے۔

۲۶. اور ایمان والوں اور نیکو لوگوں کی سنتا ہے^(۳) اور انہیں اپنے فضل سے اور بڑھا کر دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت عذاب ہے۔

۲۷. اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے^(۴) لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔

۲۸. اور وہی ہے جو لوگوں کے نا امید ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے^(۵) اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۲۵﴾

وَيَسْمِعُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَبَرَزُوا لَهُم مِّنْ قُضَائِهِمْ وَأَلْكَرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾

وَلَوْ بَسَّطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقُدْرٍ مَّائِيَّةٍ إِنَّكَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾

وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْسِرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾

۱. یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ ملذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا ڈالتا، جیسا کہ اس کی عادت ہے۔

۲. توبہ کا مطلب ہے، معصیت پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ تو بہ کر لینا یا اس گناہ اور معصیت کے کام کو تو نہ چھوڑنا اور توبہ کا اظہار کیے جانا، توبہ نہیں ہے۔ یہ استہزاء اور مذاق ہے۔ تاہم خالص اور سچی توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

۳. یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ (اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مح کھانے پینے کے سامان کے، صحراء، بیابان میں گم ہوجائے اور وہ نا امید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب یعنی شدت فرح میں وہ غلطی کر جائے)۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بہا)

۴. یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرمادیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر و فساد اور بغی و عدوان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا، جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔

۵. جو انواع رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب ناامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس نعمت

ہے کارساز اور قابل حمد و ثناء۔^(۱)

۲۹. اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے انہیں جمع کر دے۔^(۲)

۳۰. اور تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کروت کا بدلہ ہیں، اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمادیتا ہے۔^(۳)

۳۱. اور تم ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو،^(۴)

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا مِنْ دَآبَّۃٍ ۚ وَہُوَ عَلٰی جَمِیْعِہُمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ ۚ وَیَعْفُو عَنْ کَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِنْ

کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔

۱. کارساز ہے، اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انہیں منافع سے نوازتا اور شرور و مہلکت سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراوان پر قابل حمد و ثناء ہے۔

۲. دَابَّۃٌ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا لفظ عام ہے، جس میں جن وانس کے علاوہ وہ تمام حیوانات شامل ہیں، جن کی شکلیں، رنگ، زبانیں، طبائع، اور انواع و اجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔

۳. اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہو گا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمہیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرمادیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گی۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”مومن کو جو بھی تکلیف اور غم و حزن پہنچتا ہے، حتیٰ کہ اس کے پیر میں کاٹنا بھی چھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے“۔ (صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب ما جاء فی کفارة المرض۔

مسلم، کتاب البر، باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض) اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہو گا کہ تمہیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمہارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگزر ہی فرمادیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبت و تعزیر میں تاخیر، یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہْرِہُمْ اِنْ دَابَّۃٌ﴾ (فاطر: ۲۵) (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مواخذہ شروع فرمادے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے)۔ اسی مفہوم کی آیت سورۃ النحل: ۶۱ بھی ہے۔

۴. یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جاسکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آسکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

اور تمہارے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کارساز ہے
نہ مددگار۔

۳۲. اور دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی
نشانیوں میں سے ہیں۔^(۱)

۳۳. اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں
سمندروں پر رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے
والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں۔

۳۴. یا انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے،^(۲)
وہ تو بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمایا کرتا ہے۔^(۳)

۳۵. اور تاکہ جو لوگ ہماری نشانوں میں جھگڑتے ہیں^(۴)
وہ معلوم کر لیں کہ ان کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔^(۵)

۳۶. تو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا کچھ یونہی
سبب ہے،^(۱) اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے بدرجہا
بہتر اور پائیدار ہے،^(۲) وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے
اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ذُوْنَ اللّٰهِ مِنْ رَّبِّیْ وَلَا نَصِیْرٌ ۝

وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْجَوَارِیْ الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ۝

اِنْ شِئَاۤیْنٰ لَیَكُنَّ رِیْحٌ مُّغْیَلٌۭ لِّہُمْ دَوَّاکِدٌ عَلٰی ظُہُوْرٍ
اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝

اَوْ یُوَفِّیْھُمْ بِمَا کُتِبَ عَلَیْھُمْ عَنْ کَثِیْرٍ ۝

وَلَیَعْلَمَنَّ الَّذِیْنَ یَجَادِلُوْنَ فِیْ الْاٰیٰتِ مَا لَھُمْ مِنْ
مَّخِیْصٍ ۝

فَمَاۤ اَوْفِیْیْہُمْ مِنْ شَیْءٍ فَمَتَّاعٌۭ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَآءِ
وَمَاعِنَدَ اللّٰهِ خَبِیْرٌۭ وَّاَبْغٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی
رِیْبِھُمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝

۱. الْجَوَارِیْ یَا الْجَوَارِیْ جَارِیَّةٌ (چلنے والی) کی جمع ہے، بمعنی کشتیاں، جہاز، یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ
سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی
کھڑے رہیں۔

۲. یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجوں میں طغیانی آجائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔

۳. ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آسکے۔

۴. یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔

۵. یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کہیں بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

۶. یعنی معمولی اور حقیر ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں مبتلا نہ ہونا، اس لیے
کہ یہ عارضی اور فانی ہے۔

۷. یعنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، کیوں کہ اس
کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو پچھتاؤ گے۔

۳۷۔ اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں۔^(۱)

۳۸۔ اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں^(۲) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں^(۳) اور ان کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے،^(۴) اور جو ہم نے انہیں دے رکھا

وَالَّذِينَ يَحْتَنِبُونَ كَلِمَةَ الْإِفْخَارِ وَالْفَوَاحِشِ وَإِذَا مَآغَصُوا لَهُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٨﴾

۱۔ یعنی لوگوں سے عفو و درگزر کرنا ان کے مزاج و طبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے۔ «مَا أَنْتَمَ لِنَفْسِهِ قَطُّ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَاتُ اللَّهِ». (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب یسروا ولا تعسروا، مسلم، کتاب الفضائل، باب مبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم للآثام) (نبی ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا توڑا جانا آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا)۔

۲۔ یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔

۳۔ نماز کی پابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

۴۔ شُورَى، کا لفظ ذِکْرَى اور بُشْرَى کی طرح باب مفاعلہ سے اسم مصدر ہے۔ یعنی اہل ایمان ہر اہم کام باہمی مشاورت سے کرتے ہیں، اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے خود نبی ﷺ کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے مشورہ کرو (آل عمران: ۱۵۹) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خنجر کے وار سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امر خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرمادیے۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور دیگر لوگوں سے بھی مشاورت کی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے مقرر فرمادیا۔ بعض لوگ مشاورت کے اس حکم اور تاکید سے ملوکیت کی تردید اور جمہوریت کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ مشاورت کا اہتمام ملوکیت میں بھی ہوتا ہے۔ بادشاہ کی بھی مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر اہم معاملے پر سوچ بچار ہوتا ہے اس لیے اس آیت سے ملوکیت کی نفی قطعاً نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے۔ مشاورت ہر کہ و مہ سے نہیں ہو سکتی، نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے جو اس معاملے کی نزاکتوں اور ضرورتوں کو سمجھتے ہیں جس میں مشورہ درکار ہوتا ہے۔ جیسے بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو، کسی تانگہ بان، درزی یا رکشہ ڈرائیور سے نہیں، کسی انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، کسی مرض کے بارے میں مشورے کی ضرورت ہوگی تو طب و حکمت کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جب کہ جمہوریت میں اس کے برعکس ہر بالغ شخص کو مشورے کا اہل سمجھا جاتا ہے، چاہے وہ کورا ان پڑھ، بے شعور اور امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے خبر ہو۔ بنا بریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات، تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں، اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانے سے سوشلزم مشرف بہ اسلام نہیں ہو سکتا، اسی طرح ”جمہوریت“ میں ”اسلامی“ کی بیہند کاری سے مغربی

ہے اس میں سے (ہمارے نام پر) دیتے ہیں۔

۳۹. اور جب ان پر ظلم (زیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں۔^(۱)

۴۰. اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے،^(۲) اور جو معاف کردے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

۴۱. اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔

۴۲. یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۴۳. اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

۴۴. اور جسے اللہ تعالیٰ بہکا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں، اور تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۳۹﴾

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾

وَلَمَنْ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۴۱﴾

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ ۚ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۴۳﴾

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَتْدٍ ۚ مِّنْ بَعْدِهِ ۚ وَتَوَرَّى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ﴿۴۴﴾

جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آسکتی۔ مغرب کا یہ پودا اسلام کی سرزمین پر نہیں پنپ سکتا۔

۱. یعنی بدلہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے ہیں جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے عفو عام کا اعلان فرمادیا، حدیبیہ میں آپ نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لہید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا، جس کی تکلیف آپ دم واپس تک محسوس فرماتے رہے، ﷺ (ابن کثیر)

۲. یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی کہا گیا ہے۔

وَكُرْهُمُ يُعْضَوْنَ عَلَيْهِمْ خُسْبَيْنَ مِنَ الدَّلَالِ
يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا
إِنَّ الْخُسْبَيْنَ الَّذِينَ حَذَرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ أَلَأَنْ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُقِينٍ ۝

۴۵۔ اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (جنہم کے) سامنے
لاکھڑے کیے جائیں گے مارے ذلت کے بھگتے جارہے
ہوں گے اور کن آنکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان
والے صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہی ہیں جنہوں
نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں
کو نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی
عذاب میں ہیں۔^(۱)

۴۶۔ اور ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے الگ
ان کی امداد کر سکیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے
لیے کوئی راستہ ہی نہیں۔

۴۷۔ اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ اللہ کی
جانب سے وہ دن آجائے جس کا ہٹ جانا ناممکن ہے،^(۲)
تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر
انجان بن جانے کی۔^(۳)

۴۸۔ اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان
بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُوهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ
وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۝

اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَنَّ يَوْمَ لَا مَرْدَ لَهُ
مِّنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مُّجَآئِزٍ مَّوْپِدٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكَرٍ ۝

وَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا إِنَّ عَلَيْكَ
إِلَٰهَ الْبَلَاةِ وَإِنَّا إِذَا ذُنَّبُوا الْإِنْسَانُ وَمَا رَحْمَةً فَرِحَ

۱۔ یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں بے خوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے، جب کہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح
دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنہوں
نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی
سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

۲۔ یعنی جس کو رد کرنے ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔

۳۔ یعنی تمہارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی، کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہچانے نہ جاسکو یا نظر میں نہ
آسکو جیسے فرمایا ﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْزُ * كَلَّا لَا وَزَرَ * إِلَىٰ ذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾ (الْقِيَامَةِ: ۱۰-۱۲) (اس دن
انسان کہے گا، کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہوگی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہوگا)۔
یا تکبر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کرسکو گے کیوں کہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرا خود
انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار
نہیں کرسکو گے، کیوں کہ اعتراف گناہ کے بغیر تمہیں چارہ نہیں ہوگا۔

يَعَا وَانْصَبْهُمْ سَيْتَةً يَبَادَدَتْ مَتَّ اَيِّدِيْهِمْ
وَإِنَّ الْإِنْسَانَ لَكُفُورٌ

ہے، (۱) اور ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں (۲) تو وہ اس پر اترا جاتا ہے (۳) اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے (۴) تو بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (۵)

بَلَلَهُ مَلَكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَيِّفَلُ مَابَدَتْ يَدَايِهِ
لَمَنْ يَشَاءُ إِنَّا كَاتِبُونَ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ

۴۹. آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (۶) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔

أَوْبَنُ وَجْهِمْ ذُكْرًا وَإِنَّا كَاتِبُونَ لِمَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا

۵۰. یا انہیں جمع کر دیتا ہے (۷) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی

۱. جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (البقرة: ۲۷۲)، ﴿وَالْمَا عَلَى الْبَلَاءِ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد: ۳۰)، ﴿فَذُكْرًا إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ * لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضَيِّرٍ ﴿ (الغاشية: ۲۴-۲۱) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مابین نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی، کیونکہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

۲. یعنی وسائل رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔

۳. یعنی تکبر اور غرور کا اظہار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار ہونا، ناپسندیدہ امر نہیں، لیکن وہ تحذیر نعت اور شکر کے طور پر ہونہ کہ فخر و ریاء اور تکبر کے طور پر۔

۴. مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔

۵. یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور مُنْعِمٌ (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غالب اکثریت کے اعتبار سے ہے جس میں ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل الایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا «إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ» (صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب المؤمن أمره خیر کله)۔ (اگر مومن کو خوشی حاصل ہو تو اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرے تو بھی یہ اس کے لیے خیر ہے اور یہ دونوں چیزیں سوائے مومن کے کسی اور کو حاصل نہیں)۔

۶. یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

۷. یعنی جس کو چاہتا ہے، مذکر اور مؤنث دونوں دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ جن کو صرف بیٹے دیے۔ دوسرے وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے وہ جن کو بیٹے بیٹیاں دونوں اور چوتھے وہ جن کو بیٹا نہ

اِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۱﴾

اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔

۵۱. اور ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے،^(۱) بیشک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔

۵۲. اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے،^(۲) آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟^(۳) لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں،^(۴) بیشک آپ راہ راست کی

وَكَانَ لِشَرِّكَانَ يُكَلِّمُهُ اللَّهُ بِالْأَوَّلِ آمِنٌ وَذَرَّآئِ
حِجَابٍ أَوْ رُسُلٍ رَسُولًا فَيُنْجِي بِأُذُنِهِ مَا بُنِيتُ
اِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ﴿۱﴾

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا فَهَدٰى بِهٖ
مَنْ شَآءَ اَمِنَ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَهْدٰى اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲﴾

بیٹوں کو لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔ باپوں کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ ماں، (۲) حضرت حوا کو آدم علیہ السلام سے یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں ہے۔ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے، (۴) اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ الْعَلِيمِ الْقَدِيرِ (ابن کثیر)۔

۱. اس آیت میں وحی الہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری، پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔ تیسری، فرشتے کے ذریعے اپنی وحی بھیجنا، جیسے جبرائیل علیہ السلام کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔

۲. رُوْحٌ سے مراد قرآن ہے۔ یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی ہے۔ قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

۳. کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر تھے جو شریعت میں مطلوب ہیں۔

۴. یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی انہی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تڑپ ہوتی ہے وہ اسے طلب

رہنمائی کر رہے ہیں۔

۵۳۔ اس اللہ کی راہ کی^(۱) جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔^(۲)

صِرَاطَ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
الَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿۵۳﴾

ہدایت کی نیت سے پڑھتے، سنتے اور غور و فکر کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں، کانوں میں ڈاٹ لگالیں اور عقل و فہم کو ہی بروئے کار نہ لائیں تو انہیں ہدایت کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے، جیسے فرمایا ﴿قُلْ هُوَ الْكَذِبُ الْمُنْتَوَاهِدِي وَشِعَارُ الْكَافِرِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِيْ اِذَا نَفَعَهُمْ وَفَرَّوْهُ عَلَيْهِمْ عَمَّا اُولٰٓئِكَ يَنْتَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ (حم السجدة: ۴۳) (آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں تو (بہرا پن اور) بوجھ ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جارہے ہیں)۔

۱۔ یہ صراطِ مستقیم، اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ جس سے اس راستے کی عظمت و فخامت شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔

۲۔ یعنی قیامت کے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، اس میں سخت و عید ہے، جو مجازات (جزاء و سزا) کو مستلزم ہے۔

سورہ زخرف مکی ہے اور اس میں نواسی آیتیں
اور سات رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ

وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ الَّذِي كُنْتُمْ تُوقِنُونَ
مُسْرِفِينَ

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ

وَمَا يَنْتَهِيهِمْ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. حمد۔

۲. قسم ہے اس واضح کتاب کی۔

۳. ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے ^(۱) تاکہ تم
سمجھ لو۔

۴. اور یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند
مرتبہ حکمت والی ہے۔ ^(۲)

۵. کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم
حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ ^(۳)

۶. اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے۔

۷. اور جو نبی ان کے پاس آیا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔

۱. جو دنیا کی فصیح ترین زبان ہے، دوسرے اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، انہی کی زبان میں قرآن اتارا تاکہ وہ
سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔

۲. اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو ملاً اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تاکہ اہل زمین بھی اس
کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے
لیے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے اُمُّ الْکِتَاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

۳. اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں مثلاً (۱) تم چوں کہ گناہوں میں بہت منہک اور ان پر مصر ہو، اس لیے کیا تم یہ
گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ (۲) یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ نہ کہیں گے
اور تم سے درگزر کر لیں گے۔ (۳) یا ہم تمہیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمہیں حکم دیں نہ منع کریں۔ (۴) چوں کہ تم
قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو، اس لیے ہم انزال قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری
مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی
طرف دعوت دینے کا سلسلہ موقوف نہیں فرمایا، اگرچہ وہ اعراض و انکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے، تاکہ جس کے لیے
ہدایت مقدر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنالے اور جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی ہے ان پر حجت قائم ہو جائے۔

۸. پس ہم نے ان سے زیادہ زور آوروں^(۱) کو تباہ کر ڈالا اور اگلوں کی مثال گزر چکی ہے۔^(۲)

۹. اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انہیں غالب ودانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے۔^(۳)

۱۰. وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش (بچھونا)^(۴) بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیے تاکہ تم راہ پالیا کرو۔^(۵)

۱۱. اسی نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل فرمایا،^(۶) پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔^(۷)

فَاَهْلَكَ اللَّهُ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ يَقُوْلُوْنَ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لِكُلِّ وِيْجِهٍ سَبِيْلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۲۷﴾

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَنَقَدَّرْنَا فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلَدَةً مِّمَّائِذَا كُنَّا لِكَ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۸﴾

۱. یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدُّ قُوَّةً﴾ (المؤمن: ۸۲) (وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے)۔

۲. یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہدید ہے کہ پچھلی قومیں رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی تکذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کے مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔

۳. لیکن اس اعتراف کے باوجود انہیں مخلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شاعت و قباحت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاہت و جہالت کا اظہار بھی۔

۴. ایسا بچھونا، جس میں ثبات و قرار ہے، تم اس پر چلتے ہو، کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو، پھرتے ہو، اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جمادیا تاکہ اس میں حرکت و جنبش نہ ہو۔

۵. یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنا دیے تاکہ کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آجاسکو۔

۶. جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے، کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمہارے لیے مفید ثابت نہ ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی، جس میں تمہارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔

۷. یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیمت کے دن تمہیں بھی زندہ کر کے قبروں سے نکال لیا جائے گا۔

۱۲. جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے^(۱) اور تمہارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

۱۳. تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو^(۲) پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ، اور کہو پاک ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی۔^(۳)

۱۴. اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔^(۴)

۱۵. اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جزء ٹھہرا دیا^(۵) یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکر ہے۔

۱۶. کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود

وَالَّذِي خَلَقَ الذُّرَارَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْغَبُونَ ﴿۲۵﴾

لِتَسْتَوِيَ عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۲۶﴾

وَأَنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۲۷﴾

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۲۸﴾

أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَدَنًا وَأَصْفَكُمْ بِالْبَنِينَ ﴿۲۹﴾

۱. یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، زر اور مادہ، نباتات، کھیتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں زر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔

۲. لِسْتَوُوا بِمَعْنَى لِسْتَسْقَرُوا يَالِسْتَعْلُوا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ظُهُورِهِ میں ضمیر واحد باعتبار جنس کے ہے۔ ۳. یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انہیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، باربرداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے، مُقْرِنِينَ، بمعنی مُطِيقِينَ ہے۔

۴. نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور سُبْحَنَ الَّذِي... سے لَمُنْقَلِبُونَ تک آیت پڑھتے۔ علاوہ ازیں خیر وعافیت کی دعا مانگتے، جو دعاؤں کی کتابوں میں دیکھی جاے۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما يقول إذا ركب۔)

۵. عِبَادًا سے مراد فرشتے اور جُزْءًا سے مراد بیٹیاں یعنی فرشتے، جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جزء مانتے تھے، حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جزء سے یہاں نذر و نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک حصہ بتوں کے نام پر نکالا کرتے تھے جس کا ذکر سورۃ الانعام: ۱۳۶ میں ہے۔

رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔^(۱)

۱۷. (حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے (اللہ) رحمٰن کے لیے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔

۱۸. کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں) جو زیورات میں پلین اور بھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں؟^(۲)

۱۹. اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے عبادت گزار ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔^(۳)

۲۰. اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں،^(۴) یہ تو صرف اٹکل

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا عَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ
وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ^(۱)

أَمِنْ يَنْتَوِي إِلَى الْحَيْةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ
غَيْرُ مُبِينٍ^(۲)

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ
إِنَا لِلْإِنْسَانِ أَشْهَدٌ وَآخَفَهُمْ سِتْرَكَ^(۳) شَهِدَتْهُمْ
وَيُسْأَلُونَ^(۴)

وَقَالُوا الْوَسْءَاءُ لِلرَّحْمَنِ مَا لَمْ يَمْلِكُوا لَهُمْ يَدًا
مِنْ عِلْمِهِ^(۵) إِنَّهُمْ إِلَّا يَخْصُرُونَ^(۶)

۱. اس میں ان کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے جو انہوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہوتا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہوتیں اور تمہیں وہ لڑکوں سے نوازتا۔
۲. يُسْأَلُوا، نُسْأَلُ سے ہے، بمعنی تربیت اور نشو و نما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ (۱) ان کی تربیت اور نشو و نما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے، یعنی شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال افروز چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے۔ مقصد اس وضاحت سے یہ ہے کہ جن کی حالت یہ ہے، وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے درست کرنے کی بھی استعداد و صلاحیت نہیں رکھتیں۔ (۲) اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے (فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کر سکتیں نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ ہی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن کی بنا پر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سیاق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے، کیوں کہ گفتگو اسی ضمن میں یعنی مرد و عورت کے درمیان جو فطری تفاوت ہے، جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا، ہو رہی ہے۔

۳. یعنی جزاء کے لیے۔ کیوں کہ فرشتوں کے بنائے اللہ ہونے کی دلیل ان کے پاس نہیں ہوگی۔

۴. یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سہارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیوں کہ ظاہر آئے بات صحیح ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضا سے مختلف

پیچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔

۲۱. کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی ہے جسے نہ مضبوط تھا مے ہوئے ہیں۔^(۱)

فَاتَّقِمْتُمْ اَمْرَهُمْ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِرَبِّهٖ لَا يَدْعُوْهُ اِلٰهٖ اِنِّىۤ اَتٰىنِىۤ بَرَاۤءًا مِّنْهَا
تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اِلَّا الَّذِىۤ اٰتٰى فُطْرٰى فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْٓنِ ﴿۲۷﴾

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَّآقِيَةً فِىۤ ذِكْرِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ
وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

۲۵۔ پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے
والوں کا کیا انجام ہوا؟

۲۶۔ اور جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور
اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن
کی تم عبادت کرتے ہو۔

۲۷۔ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی
مجھے ہدایت بھی کرے گا۔^(۱)

۲۸۔ اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی
رہنے والی بات قائم کر گئے^(۲) تاکہ لوگ (شرک سے)
باز آتے رہیں۔^(۳)

۲۹۔ بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں
کو سامان (اور اسباب) دیا،^(۴) یہاں تک کہ ان کے پاس
حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آگیا۔^(۵)

اندھی تقلید کے بطلان اور اس کی قباحت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر، لشوکانی)

۱۔ یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے گا اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی
کی عبادت کروں گا۔

۲۔ یعنی اس کلمہ لا اِلهَ اِلاَ اللہ کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے۔ جیسے فرمایا ﴿وَوَضٰى بِهَاۤ اِبْرٰهِيْمُ رُبِّيْنُوْا وَیَعْقُوْبُ﴾ (البقرہ: ۱۳۲)
(اور اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کو کی) بعض نے جَعَلَهَا میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے۔ یعنی
اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

۳۔ یعنی اولاد ابراہیم علیہ السلام میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے تاکہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے
رہیں۔ لَعَلَّهُمْ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا
دین تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔

۴۔ یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انہیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی
بلکہ انہیں پوری مہلت دی، جس سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔

۵۔ حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ مُبٰیْنٌ رسول کی صفت ہے، کھول کر بیان کرنے
والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے، اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

۳۰۔ اور حق کے پہنچنے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔^(۱)

۳۱۔ اور کہنے لگے، یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔^(۲)

۳۲۔ کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ہی ان کی دنیوی زندگی کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے^(۳) جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اس سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّوَرَّاثٌ بِهِ
كُفْرُونٌ ﴿۳۰﴾

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ
الْقُرَيْشِ لَكُنَّا بِكَ عَظِيمُونَ ﴿۳۱﴾

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ
مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا عَصَرًا
وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۳۲﴾

۱۔ قرآن کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیا، اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تحقیر و تنقیص کی۔

۲۔ دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکہ کا ولید بن مغیرہ اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو، یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا نہ کہ محمد ﷺ پر، جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی ہے، اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔

۳۔ رحمت، نعمت کے معنی میں ہے، اور یہاں سب سے بڑی نعمت، نبوت، مراد ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے۔ یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں، بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیوں کہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازنا ہے۔

۴۔ یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق و تفاوت اس لیے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا، کم مال والے سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے، اور عقل و فہم میں حظ وافر رکھنے والا، اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں، منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی طرح کم تر اور حقیر سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی، کوئی ایک شخص، چاہے وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو، دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کر ہی نہیں سکتا۔

بہتر ہے۔^(۱)

۳۳. اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے^(۲) تو رَحْمَن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنادیتے۔ اور زینوں کو (بھی) جن پر چڑھا کرتے۔

۳۴. اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا لگا کر بیٹھتے۔

۳۵. اور سونے کے بھی،^(۳) اور یہ سب کچھ یونہی سا دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک (صرف) پرہیزگاروں کے لیے (ہی) ہے۔^(۴)

۳۶. اور جو شخص رَحْمَن کی یاد سے غفلت کرے^(۵) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی

وَكُلُوا لَّأَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِعَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۳۳﴾

وَلِيُؤْثِقَ لَهُمُ الْبُيُوتَ وَيُسْرِّرَ عَلَيْهِمُ الْبُكُورُونَ ﴿۳۴﴾

وَنُحْرَفًا وَلِأَنْ كُلَّ ذَلِكَ لِنُتَمَتَّعَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ عِنْدَ رَبِّكَ لِمَنْ تَشَاءُ ﴿۳۵﴾

وَمَنْ يُعْشِ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُفَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿۳۶﴾

۱. اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

۲. یعنی دنیا کے مال و اسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضائے الہی اور آخرت کی طلب سب فراموش کر دیں گے۔

۳. یعنی بعض چیزیں چاندی کی اور بعض سونے کی، کیوں کہ تنوع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال ہماری نظر میں اتنا بے وقعت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کے سب منکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حقارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ «لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا نَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَىٰ كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ» (ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الزہد) (اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک مچھر کے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا)۔

۴. جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے، ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو زوال و فنا نہیں۔

۵. عَشَا يَعْشُو کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری رتوند یا اس کی وجہ سے جو اندھا پن ہوتا ہے۔ یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہو جائے۔

رہتا ہے۔^(۱)

۳۷۔ اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔^(۲)

۳۸۔ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی (تو) بڑا برا ساتھی ہے۔^(۳)

۳۹۔ اور جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے تو تمہیں آج ہرگز تم سب کا عذاب میں شریک ہونا کوئی نفع نہ دے گا۔

۴۰۔ تو کیا تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو۔^(۴)

۴۱۔ پس اگر ہم تجھے یہاں سے لے بھی جائیں^(۵) تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔^(۶)

وَالَهُمْ لِيَصُدُّوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۳۷﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ لِيَكُنْتِ يَدِينِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَيَسَّرُ الْقَرْيُنَ ﴿۳۸﴾

وَلَكِنْ يَنْفَعُكَ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۹﴾

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾

فَأَمَّا أَنْ هَبْنَا بِكَ فَإِنَّا لَمَنُومٌ مِّنْ مُّتَقِمُونَ ﴿۴۱﴾

۱۔ وہ شیطان، اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔

۲۔ یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے انہیں روکتے ہیں اور انہیں برابر بھٹاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو، حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (خ القدر)

۳۔ مَسْرِقَيْنِ (ستنیہ ہے) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ فَيَسَّرُ الْقَرْيُنَ کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ أَنتَ أَيُّهَا الشَّيْطَانُ اے شیطان تو بہت برا ساتھی ہے۔ یہ کافر قیامت کے دن کہے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ؟

۴۔ یعنی جس کے لیے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرہ اور اندھا ہے، تیری دعوت و تبلیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آسکتا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے، نابینا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تاکہ ایسے لوگوں کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

۵۔ یعنی تجھے موت آجائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے، یا تجھے کسے سے نکال لے جائیں۔

۶۔ دنیا میں ہی، اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

۴۲. یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے ^(۱) وہ تجھے دکھا دیں ہم ان پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ ^(۲)

۴۳. پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے رہیں ^(۳) بیشک آپ راہ راست پر ہیں۔ ^(۴)

۴۴. اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے ^(۵) اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے۔

۴۵. اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا ^(۶) کہ کیا ہم نے سوائے رحمن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ^(۷)

أَوُنَبِّئُكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُ فَإِنَّا عَلَيَّهِ مُقْتَدِرُونَ ﴿۴۲﴾

فَأَتَمَّتْ سِوَاكَ بِالَّذِي أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَأْيَكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾

وَأِنَّكَ لَدِكُرُوكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۴۴﴾

وَسَأَلْنَا مَنْ أَدَّبَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ دُسِّلْنَا أَجَعَلْنَا مَنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿۴۵﴾

۱. یعنی تیری موت سے قبل ہی، یا کے میں ہی تیرے رستے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیں۔

۲. یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں، کیوں کہ ہم ان پر قادر ہیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست، اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

۳. یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔

۴. یہ فَاسْتَمْسِكْ کی علت ہے۔

۵. اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں۔ بلکہ اولین مخاطب چوں کہ قریش تھے، اس لیے ان کا ذکر فرمایا، ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (القلم: ۵۲) جیسے آپ کو حکم دیا گیا کہ ﴿وَإِنِّي مُبَشِّرُكَ الْآفِرِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۳) (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائے) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتہ داروں کو ہی پہنچانا ہے۔ بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتداء اپنے ہی خاندان سے کریں بعض نے یہاں ذکر بمعنی شرف لیا ہے۔ یعنی یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے شرف و عزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی زبان میں اترے، اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پاسکتے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ اس کو اپنائیں اور اس کے مقتضاء پر سب سے زیادہ عمل کریں۔

۶. پیغمبروں سے یہ سوال یا تو اسراء و معراج کے موقع پر، بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیہم السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا اَتَّبَعَ لفظ محذوف ہے۔ یعنی ان کے پیرو کاروں (اہل کتاب، یہود و نصاریٰ) سے پوچھو، کیوں کہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔

۷. جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا گیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٦﴾

۴۶۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر
فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تو (موسیٰ علیہ السلام
نے جاکر) کہا کہ میں تمام جہانوں کے رب کا رسول
ہوں۔^(۱)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذْ أُلْهِمَهُمْ شِقَاقَ كُوفٍ ﴿٢٧﴾

۴۷۔ پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے
تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے۔^(۲)

وَمَا يُغْنِيهِمْ مِنْ آيَةِ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ أَخْتِهِنَّ
وَأَخَذْنَهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

۴۸۔ اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے
بڑھی چڑھی ہوتی تھی^(۳) اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا
تاکہ وہ باز آجائیں۔^(۴)

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَكَ رَبَّكَ بِمَا عَاهَدَ

۴۹۔ اور انہوں نے کہا اے جادوگر! (۵) ہمارے لیے

۱۔ قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجتا ہی تو کے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو صاحب مال
وجاہ ہوتا۔ جیسے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ ”میں موسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہوں اور یہ مجھ
سے کمتر ہے، یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا“ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت
موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ دہرایا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی تسلی کا پہلو ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انہوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ بھی کفار
مکہ کی ایذاؤں اور ناروا رویوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بالآخر
فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون ہی کی طرح ناکام و نامراد ہوں گے۔

۲۔ یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت تو حید دی تو انہوں نے ان کے رسول ہونے
کی دلیل طلب کی، جس پر انہوں نے وہ دلائل و معجزات پیش کیے جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے تھے۔ جنہیں دیکھ کر
انہوں نے استہزاء اور مذاق کیا اور کہا کہ یہ کون سے ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔

۳۔ ان نشانوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون وغیرہ کی شکل میں یکے بعد دیگرے
انہیں دکھائی گئیں، جن کا تذکرہ سورہ اعراف آیت: ۱۳۳-۱۳۵ میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہر نشانی پہلی نشانی
سے بڑی چڑھی ہوتی، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔

۴۔ مقصد ان نشانوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آجائیں۔

۵۔ کہتے ہیں اس زمانے میں جادو مذموم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب
کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں معجزات اور نشانوں کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے فن جادوگری کا کمال
ہے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب کیا۔

عِنْدَکَ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ﴿۵۰﴾

اپنے رب سے ^(۱) اس چیز کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، ^(۲) یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔ ^(۳)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُشُونَ ﴿۵۱﴾

۵۰۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹالیا تو انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا۔

وَلَاذِي فِرْعَوْنَ فِي قَوْمِهِ قَالَ لِقَوْمِ الْكَاسِ لِي مُلْكٌ وَمَصْرٌ هَذِهِ الْأَنْهَارُ يَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۵۲﴾

۵۱۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی ^(۴) اور کہا اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (محلوں کے) نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں، ^(۵) کیا تم دیکھتے نہیں؟

أَمَّا آخِرُ بَيِّنَاتٍ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكِيدُ يُبِينُ ﴿۵۳﴾

۵۲۔ بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے ^(۶) اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ ^(۷)

فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ آسُورَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ

۵۳۔ اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آپڑے ^(۸) یا

۱۔ ”اپنے رب سے“ کے الفاظ اپنی مشرکانہ ذہنیت کی وجہ سے کہے کیونکہ مشرکوں میں مختلف رب اور الہ ہوتے تھے، موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے یہ کام کروالو۔

۲۔ یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ٹالنے کا وعدہ۔

۳۔ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورۃ اعراف میں بھی گزرا۔

۴۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی نشانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپانے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں مبتلا رکھنے کے لیے یہ نئی چال چلی کہ اپنے اختیار و اقتدار کے حوالے سے موسیٰ علیہ السلام کی بے توقیری اور کمتری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت و سطوت سے ہی مرعوب رہے۔

۵۔ اس سے مراد دریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں۔

۶۔ اُمّ ضرب کے لیے یعنی بَلّ (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفہامیہ ہی ہے۔

۷۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کلکت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورۃ طہ میں گزرا۔

۸۔ اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہنتے تھے، اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں

الْبَلَدُ الْمَقْرُورُ ﴿۵۴﴾

فَاسْتَحَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا
فَاسِقِينَ ﴿۵۵﴾

فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَفَيْنَا مِنْهُمْ فَأَعْرَضُوا عَنْهُمْ أَجْبَعِينَ ﴿۵۶﴾

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿۵۷﴾

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ
يَصِدُونَ ﴿۵۸﴾

وَقَالُوا إِنَّمَا تَاخِيرُ أَمْهُوَ مَا صَرَّفُوا لَكَ الْإِجْدَالَ
بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۹﴾

اس کے ساتھ پرابندھ کر فرشتے ہی آجاتے۔^(۱)

۵۴۔ اس نے اپنی قوم کو بہلایا پھسلایا اور انہوں نے اسی
کی مان لی،^(۲) یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔

۵۵۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان
سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔

۵۶۔ پس ہم نے انہیں گنا گزرا کر دیا اور پچھلوں کے لیے
مثال بنادی۔^(۳)

۵۷۔ اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے
تیری قوم (خوشی سے) چیخنے لگی ہے۔

۵۸۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟
تجھ سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے،
بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔^(۴)

ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں
کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہیے تھے۔

۱۔ جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس
کے ساتھ ہوتے۔

۲۔ یعنی اسْتَحَفَّ عَقُولَهُمْ (ان کی عقل کو ہلکا سمجھا یا کر دیا اور انہیں اپنی جہالت و ضلالت پر قائم
رہنے کی تاکید کی، اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔

۳۔ آسَفُونَا بمعنی اسْحَطُونَا یا اَغْضَبُونَا، سَلَفٌ، سَالِفٌ کی جمع ہے جیسے خَدَمٌ، خَادِمٌ کی اور حَرَسٌ، حَارِسٌ کی
ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو۔ یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنادیا۔ کہ
وہ اس طرح کفر و ظلم اور علو و فساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تاکہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔

۴۔ شرک کی تردید اور جھوٹے معبودوں کی بے وقعتی کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمہارے ساتھ
تمہارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ
وہ نیک لوگ، جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے
انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے ﴿إِنَّ
الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۱) (بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی

اِنَّ هُوَ الْاَعْمٰی اَعْمٰی عَلَیْہِ وَّجَعَلْنٰہُ مَثَلًا
لِّبَنِيْ اِمْرَآءٍ ۝۱۵

وَلَوْ نَشَاۤءُ لَجَعَلْنٰ مِنْکُمْ مَّٰلِکَۃً فِی الْاَرْضِ
یَخْلُقُوْنَ ۝۱۶

وَ اِنَّہٗ لَاعْلَمُۢ السَّاعَۃَ فَلَا تَمْتَرُوْنَ بِہَا وَ اَلْبَعُوْنَ
ہٰذَا اَصْرَاطُ مَسْتَفِیْمٍ ۝۱۷

۵۹. عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے
احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا۔^(۱)

۶۰. اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو
زمین میں جانشینی کرتے۔^(۲)

۶۱. اور یقیناً عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی علامت ہے^(۳) پس تم
(قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری

ٹھہر چکی ہے۔ وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔ کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے
اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ مآ ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَرِدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۹۸) اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے، جن کو لوگوں نے اپنے طور پر
معبود بنائے رکھا ہوگا۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جہنم
میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہر حال جہنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت
مسح علیہ السلام کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ جتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں درآں حالیکہ عیسائیوں نے
انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا، ان کا خوشی سے چلانا، ان کا جدل
محض ہے۔ جدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات
کی بیج میں بحث و تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

۱. ایک اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرا، خود انہیں جو معجزات دیے گئے، احیائے موتی وغیرہ،
اس لحاظ سے بھی۔

۲. یعنی تہیں ختم کر کے تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی
کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور
قضاء ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔

۳. علم بمعنی علامت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا،
جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہوگا کہ اب قیامت قریب ہے اسی لیے بعض نے
اسے عین اور لام کے زبر کے ساتھ (عَلَمٌ) پڑھا ہے، جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انہیں
قیامت کی نشانی قرار دینا، ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کی یہ
پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمادے گا، اس لیے قدرت الہی کو
دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اِنَّہٗ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

۶۲. اور شیطان تمہیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

۶۳. اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) معجزے لائے تو کہا۔ کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو، انہیں واضح کر دوں،^(۱) پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

۶۴. بیشک میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس تم سب اس کی عبادت کرو۔ راہ راست (یہی) ہے۔

۶۵. پھر (بنی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا،^(۲) پس ظالموں کے لیے خرابی ہے دکھ والے دن کی آفت سے۔

۶۶. یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔

۶۷. اس دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔^(۳)

وَلَا يَصْدَقُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عِيسَىٰ ۚ

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦٣﴾

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ قَوْلًا لَكِنَّ يَنْ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْآزِمِ ﴿٦٤﴾

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّامَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٥﴾

أَلَا يَخْلَعُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا إِلَّا الْفَاقِقِينَ ﴿٦٦﴾

۱. اس کے لیے دیکھیے آل عمران، آیات: ۴۹-۵۱ کا حاشیہ۔

۲. اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تنقیص کی اور انہیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جب کہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انہیں معبود بنالیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک انہیں ابن اللہ، دوسرا اللہ اور ثالث ثلاثہ کہتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں ہی کی طرح انہیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

۳. کیوں کہ کافروں کی دوستی، کفر و فسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر و فسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان و تقویٰ کی باہمی محبت، چوں کہ دین اور رضائے الہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین و ایمان خیر و ثواب کا باعث ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہوگا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

۶۸. اے میرے بندو! آج تو تم پر کوئی خوف (وہراس) ہے اور نہ تم (بد دل اور) غمزدہ ہو گے۔^(۱)

۶۹. جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ مسلمان (فرماں بردار)۔

۷۰. تم اور تمہاری بیویاں ہشاش بشاش (راضی خوشی) جنت میں چلے جاؤ۔^(۲)

۷۱. ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا،^(۳) ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں، سب وہاں ہوگا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔^(۴)

۷۲. اور یہی وہ بہشت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے ہو۔

۷۳. یہاں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے۔

۷۴. بیشک گناہ گار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

۷۵. یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ

يُعَادِلُ لَخَوْفٍ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَالْكَوَابِ
وَفِيهَا مَا نَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ
وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾

وَبِذَلِكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أَوْفِئْتُمْ مَائِمًا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

إِنَّ الْمَاجِرِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾

لَا يُفَرِّجُهُمْ فِيهِمْ مُبْسَوْنَ ﴿٧٥﴾

۱۔ یہ قیامت کے دن ان متقین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔

۲۔ اَزْوَاجُكُمْ سے بعض نے مومن بیویاں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی عین بیویاں مراد لی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہوگا۔ تُحْبَرُونَ حَبَّرَ سے مانوڑے یعنی وہ فرحت و مسرت جو انہیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ہوگی۔

۳۔ صِصَافٌ، صَحْفَةٌ کی جمع ہے، رکابی، سب سے بڑے برتن کو جَفْنَةٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصْعَةٌ (جس سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں) پھر صَحْفَةٌ (قَصْعَةٌ سے نصف) پھر مِکِيلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو کھانے ملیں گے، وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے۔ (فتح القدیر)

۴۔ یعنی جس طرح ایک وارث، میراث کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی۔

اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔^(۱)

۷۶. اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔

۷۷. اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے،^(۲) وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔^(۳)

۷۸. ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے۔^(۴)

۷۹. کیا انہوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے، تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں۔^(۵)

۸۰. کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں)^(۶) بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾
وَنَادُوا إِلَيْنَا لِنُقْضَ عَلَيْكَ رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مُرْكَتُونَ ﴿٧٧﴾

لَقَدْ جِئْتُمُ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ﴿٧٨﴾

أَمْ أَمْرُكُمْ أَمْ أَمَرْنَا إِيَّاكُمْ مَبْرُورُونَ ﴿٧٩﴾

أَمْ يَحْسُبُونَ أَنَّا لَأَنسَاهُمْ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

۱. یعنی نجات سے مایوس۔

۲. مالک، داروغہ جہنم کا نام ہے۔

۳. یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔

۴. یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوگا۔

۵. یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا ہی قول بطور نیابت الہی ہے۔ جیسے کوئی افسر مجاز ”ہم“ کا استعمال حکومت کے مفہوم میں کرتا ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جہنمی، یا پھر اکثر سے مراد رؤسا اور لیڈر ہیں۔ باقی جہنمی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد، اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا۔ آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔

۶. اِبْرَامَ کے معنی ہیں، اتقان و احکام، پختہ اور مضبوط کرنا، اُمّ اضراب کے لیے ہے بَلّ کے معنی میں۔ یعنی ان جہنمیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿أَمْ يُؤَيَّدُونَ كَيْدًا فَاتَّذِينَ كَفَرًا وَأَهُمُ الْمُؤَيَّدُونَ﴾ (الطور: ۴۲) (کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟ تو یقین کر لیں کہ فریب خوردہ خود کافر ہی ہیں)۔

۷. یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفسوں میں چھپائے پھرتے ہیں یا غلوت میں آہستگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں

لکھ رہے ہیں۔^(۱)

۸۱. آپ کہہ دیجیے کہ اگر بالفرض رحمن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔^(۲)

۸۲. آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے (بہت) پاک ہے۔^(۳)

۸۳. اب آپ انہیں اسی بحث مباحثہ میں اور کھیل کود میں چھوڑ دیجیے،^(۴) یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس کا یہ وعدہ دیے جاتے ہیں۔^(۵)

۸۴. اور وہی آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے^(۶) اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے۔

۸۵. اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت ہے،^(۷) اور

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَوَّلُ الْعٰلَمِیْنَ ۝

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝

فَذَرُهُمْ یُفَوِّضُوْا وِیَعْبُوْا حَتّٰی یَلْقٰوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوعَدُوْنَ ۝

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝

وَتَبَرٰكَ الَّذِیْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَالَّذِیْ یُرجِعُوْنَ ۝

کرتے ہیں، کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟ مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔

۱. یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

۲. کیوں کہ میں اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ان کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا ابطال اور رد ہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔

۳. یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے، یا رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اور آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ و تقدیس بیان کی جن کا انتساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔

۴. یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کود میں لگا رہنے دیں۔ یہ تہدید و تنبیہ ہے۔

۵. ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس رویے کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔

۶. یہ نہیں ہے کہ آسمانوں کا معبود کوئی اور ہو اور زمین کا کوئی اور بلکہ جس طرح ان دونوں کا خالق ایک ہے، معبود بھی ایک ہی ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرُّكُمْ وَجَهْرُكُمْ لَیَعْلَمَنَّ مَا تَکْسِبُوْنَ﴾ (الانعام: ۳) آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ ہے، وہ تمہاری پوشیدہ اور جہری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔

۷. ایسی ذات کو، جس کے پاس سارے اختیارات اور زمین و آسمان کی بادشاہت ہو، اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟

قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے^(۱) اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے۔^(۲)

۸۶. اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے،^(۳) ہاں (مستحق شفاعت وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو۔^(۴)

۸۷. اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں؟

۸۸. اور ان کا (پیغمبر کا اکثر) یہ کہنا^(۵) کہ اے میرے رب! یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

۸۹. پس آپ ان سے منہ پھیر لیں اور کہہ دیں۔ (اچھا بھائی) سلام!^(۶) انہیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۶﴾

وَقِيلَ لَهُ رَبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾

فَاَصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾

۱. جس کو وہ اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

۲. جہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء و سزا دے گا۔

۳. یعنی دنیا میں جن بتوں کی یہ عبادت کرتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ ان معبودوں کو شفاعت کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

۴. حق بات سے مراد کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور یہ اقرار بھی علم و بصیرت کی بنیاد پر ہو، محض رسمی اور تقلیدی نہ ہو۔ یعنی زبان سے کلمہ توحید ادا کرنے والے کو پتہ ہو کہ اس میں صرف ایک اللہ کا اثبات اور دیگر تمام معبودوں کی نفی ہے، پھر اس کے مطابق اس کا عمل ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں اہل شفاعت کی شفاعت مفید ہوگی۔ یا مطلب ہے کہ شفاعت کرنے کا حق صرف ایسے لوگوں کو ملے گا جو حق کا اقرار کرنے والے ہوں گے، یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے۔ نہ کہ معبودان باطل کو، جنہیں مشرکین اپنا شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔

۵. وَقِيلَ اس کا عطف وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ پر ہے یعنی وَعِلْمُ قَبْلِهِ، اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے پیغمبر کے شکوے کا علم ہے۔

۶. یہ سلام متارکہ ہے، جیسے ﴿سَلَامٌ عَلَيْكَ لَا تَتَّبِعِ الْفٰجِحِيْنَ﴾ (القصص: ۵۵) ﴿قَالُوْا سَلَامًا﴾ (الفرقان: ۶۳) میں ہے۔ یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمہاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام کیے جارہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

سورۂ دخان مکی ہے اور اس میں انسھ آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حَمْدٌ

۱. حَمْدٌ۔

وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝

۲. قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ ۝

۳. یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات^(۱) میں اتارا ہے بیشک
ہم ڈرانے والے ہیں۔^(۲)

مُنذِرِينَ ۝

۴. اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا
جاتا ہے۔^(۳)

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝

۱. بابرکت رات (لَيْلَةُ مُبَارَكَةٍ) سے مراد شب قدر (لَيْلَةُ الْقَدْرِ) ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرة: ۱۸۵) (رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا)۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۴) (ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا)۔ یہ شب قدر رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ یہاں قدر کی اس رات کو بابرکت رات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک تو اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرا، اس میں فرشتوں اور روح الامین کا نزول ہوتا ہے۔ تیسرا، اس میں سارے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) چوتھا، اس رات کی عبادت ہزار مہینے (یعنی ۸۳ سال ۴ ماہ) کی عبادت سے بہتر ہے شب قدر یا لَيْلَةُ مُبَارَكَةٍ میں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ یعنی پہلے پہل اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات قرآن بیت العزت میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت ۲۳ سالوں تک مختلف اوقات میں نبی ﷺ پر اترتا رہا۔ بعض لوگوں نے لَيْلَةُ مُبَارَكَةٍ سے شعبان کی پندرھویں رات مراد لی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شب براءت مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں شب براءت (شعبان کی پندرھویں رات) کی بابت جتنی بھی روایات آتی ہیں، جن میں اس کی فضیلت کا بیان ہے یا ان میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے، تو یہ سب روایات سنداً ضعیف ہیں۔ یہ قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہیں؟

۲. یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔

۳. يُفْرَقُ، يُفَصِّلُ وَيُبَيِّنُ، فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ کام کو اس سے متعلق فرشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حَكِيمٌ، بمعنی پر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُحْكَمٍ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر و تبدیلی کا امکان نہیں۔ صحابہ

أَمْرًا مِّنْ عِندِ تَائِبَاتٍ مُّرْسَلِينَ ﴿٥٠﴾

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٥١﴾

رَبِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ مَنَّكُمْ مُّؤْتِقِينَ ﴿٥٢﴾

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٣﴾

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَّعْتَمُونَ ﴿٥٤﴾

فَارْتَبِعْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿٥٥﴾

۵. ہمارے پاس سے حکم ہو کر،^(۱) ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے۔

۶. آپ کے رب کی مہربانی سے۔^(۲) یقیناً وہ ہی ہے سننے والا جاننے والا۔

۷. جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

۸. کوئی معبود نہیں اس کے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی۔^(۳)

۹. بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔^(۴)

۱۰. آپ اس دن کے منتظر رہیں جب کہ آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔^(۵)

وتابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت و حیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ (ان کثیر)

۱. یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم واذن اور ہماری تقدیر و مشیت سے ہوتے ہیں۔

۲. یعنی انزال کتب کے ساتھ إِسْرَافُ رُسُلٍ (رسولوں کا بھیجنا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔

۳. یہ آیت بھی سورہ اعراف کی آیت کی طرح ہیں، ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِیْعًا اِنِّیْ لَکُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾۔ (الاعراف: ۱۵۸)

۴. یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آگئے۔ لیکن وہ اس پر ایمان لانے کے بجائے شک میں مبتلا ہیں اور اس شک کے ساتھ استہزاء اور کھیل کود میں پڑے ہیں۔

۵. یہ ان کفار کے لیے تہدید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جب کہ آسمان پر دھوئیں کا ظہور ہو گا۔ اس کے سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاندانہ رویے سے تنگ آکر نبی ﷺ نے ان کے لیے خط سالی کی بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں ان پر خط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ ہڈیاں، کھالیں، اور مردار وغیرہ تک کھانے پر مجبور ہو گئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں دھواں سا نظر آتا۔ بالآخر تنگ آکر

يَقْتَضِي النَّاسُ هَذَا عَذَابُ الْيَوْمِ ①

رَبَّنَا انْتَفِ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُونَ ②

اَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ③

لَهُمْ تَوَكُّوعُهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ④

اِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا اِنَّكُمْ عَائِدُونَ ⑤

يَوْمَ يَمْشِي الْبَاطِلَةُ الْكُبْرَى اِنَّا مُنْصِفُونَ ⑥

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ
رَسُولٌ كَرِيمٌ ⑦

۱۱. جو لوگوں کو گھیر لے گا، یہ دردناک عذاب ہے۔

۱۲. کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں۔^(۱)

۱۳. ان کے لیے نصیحت کہاں ہے؟ کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر ان کے پاس آچکے۔

۱۴. پھر بھی انہوں نے ان سے منہ پھیرا اور کہہ دیا کہ سکھایا پڑھایا ہوا باؤلا ہے۔

۱۵. ہم عذاب کو تھوڑا دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے۔

۱۶. جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے،^(۲) بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں۔

۱۷. اور یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو (بھی) آزما چکے ہیں^(۳) جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا۔

نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب تلنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا، لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر و عناد پھر اسی طرح عود کر آیا۔ چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) بعض کہتے ہیں کہ قرب قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن بہت کم۔ آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جب کہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں، دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اس کی شان نزول کے اعتبار سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔ تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے، اس وقت بھی اس کا ظہور ہوگا۔

۱. پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کہا اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کہیں گے۔

۲. اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے، جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنالیے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت کے دن ہوگی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی، کیوں کہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا تاہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر نافرمان اس میں شامل ہوگا۔

۳. آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں دنیوی خوشی، خوشحالی و فراغت سے نوازا اور پھر اپنا جلیل القدر پیغمبر بھی ان

۱۸. کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو،^(۱)
یقین مانو کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔^(۲)
۱۹. اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو،^(۳) میں
تمہارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں۔^(۴)
۲۰. اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں
اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔^(۵)
۲۱. اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ
ہی رہو۔^(۶)
۲۲. پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب
گناہ گار لوگ ہیں۔^(۷)
۲۳. (ہم نے کہہ دیا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو
لے کر نکل، یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔^(۸)

- أَنْ أَذُو الْإِلَهِ عِبَادُ اللَّهِ إِيَّاكُمْ رَسُولُ آمِينَ ﴿٥﴾
وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ إِيَّاكُمْ بَسُلْطِينَ مُبِينِ ﴿٦﴾
وَأَنْ عَذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُونِ ﴿٧﴾
وَأَنْ لَكُمْ تَوَكُّلٌ فَأَعْتَبُونِ ﴿٨﴾
فَدَعَا رَبَّهُ أَنْ هُوَ لَكُمْ قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ﴿٩﴾
فَأَسْرِعْ بَعْدِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ﴿١٠﴾

کی طرف ارسال کیا لیکن انہوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔

۱. عِبَادُ اللَّهِ سے مراد یہاں موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

۲. اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

۳. یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو۔

۴. یہ باقبل کی علت ہے کہ میں ایسی حجت واضحہ ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

۵. اس دعوت و تبلیغ کے جواب میں فرعون نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انہوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

۶. یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ، لیکن مجھے قتل کرنے کی یا اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔

۷. یعنی جب انہوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بجائے، اس کا کفر و عناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

۸. چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو گھبرانا نہیں، تمہارا پیچھا بھی ہو گا۔

وَأَنزَلْنَا الْبَحْرَ لَهُوَالْإِنْهَامُ جَدُّ مُعْرِضُونَ ﴿۳۷﴾

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جِدَّتٍ وَعِيُونٍ ﴿۳۸﴾

وَذُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۳۹﴾

وَوَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿۴۰﴾

كَذَٰلِكَ تَدْرَأُونَ مَا قَوْلَنَا آخَرِينَ ﴿۴۱﴾

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿۴۲﴾

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينَ ﴿۴۳﴾

مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۴۴﴾

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْغَالِبِينَ ﴿۴۵﴾

۲۴. اور تو سمندر کو ساکن چھوڑ کر چلا جا،^(۱) بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔

۲۵. وہ بہت سے باغات^(۲) اور چشمے چھوڑ گئے۔

۲۶. اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے۔

۲۷. اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔

۲۸. اسی طرح ہو گیا^(۳) اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنادیا۔^(۴)

۲۹. سو ان پر نہ تو آسمان وزمین روئے^(۵) اور نہ انہیں مہلت ملی۔

۳۰. اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو (سخت) رسوا کن سزا سے نجات دی۔

۳۱. (جو) فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی۔ فی الواقع وہ سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا۔

۳۲. اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان

۱. رَهِوًا بمعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لاشی مارنے سے دریا معجزانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑ دینا تاکہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

۲. کَمْ، خبریہ ہے جو تکثیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عالی شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ ہمیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

۳. یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔

۴. بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کا دوبارہ مصر آنا تاریخی طور پر ثابت نہیں اس لیے ملک مصر کی وارث کوئی اور قوم بنی، بنی اسرائیل نہیں۔

۵. یعنی ان فرعونوں کے نیک اعمال ہی نہیں تھے جو آسمان پر چڑھتے اور ان کا سلسلہ منقطع ہونے پر آسمان روتے، نہ زمین پر ہی وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ اس سے محرومی پر زمین روتی۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین میں سے کوئی بھی ان کی ہلاکت پر رونے والا نہیں تھا۔ (فتح القدیر)

والوں پر فوقیت دی۔^(۱)

۳۳. اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی۔^(۲)

۳۴. یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں۔^(۳)

۳۵. کہ (آخری چیز) یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مرجانا ہے ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔^(۴)

۳۶. اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ۔^(۵)

۳۷. کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے لوگ اور جو ان سے بھی پہلے تھے۔ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گناہ گار تھے۔^(۶)

وَاتَّبَعَهُم مِّنَ الْآلِيَةِ مَأْمِيَةً بَدَا مُبِينٌ ﴿٣٣﴾

إِن هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾

إِن هِيَ إِلَّا أَمْوَاتُنَا الْأُولَى وَمَا عَنَّا بِمُسْتَعْرَبٍ ﴿٣٥﴾

فَأَنذِرْ بِلَايَاتِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُعَيْمٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

أَهْلَكْنَاهُمْ أَفَهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾

۱. اس جہان سے مراد، بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔ علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے۔ کیوں کہ قرآن میں امت محمدیہ کو کُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہاں والوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان کی یہ فضیلت اس استحقاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔

۲. آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، ان میں آزمائش کا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے۔ مثلاً فرعونین کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ اور من و سلویٰ کا نزول وغیرہ۔ اس میں آزمائش یہ ہے کہ ان احسانات کے بدلے میں یہ قوم اللہ کی فرماں برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔

۳. یہ اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے۔ اس لیے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا، دیکھ لو، اس کا کیا حشر ہوا۔ اگر یہ بھی اپنے کفر و شرک پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

۴. یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

۵. یہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ یہ ان کا جدل اور کٹ جتنی تھی کیوں کہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا یا کر دینا۔

۶. یعنی یہ کفار مکہ کیا تبع اور ان سے پہلے کی قومیں، عاد و ثمود وغیرہ سے زیادہ طاقتور اور بہتر ہیں، جب ہم نے انہیں ان

۳۸. اور ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔^(۱)

۳۹. بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے،^(۲) لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۳)

۴۰. یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا طے شدہ وقت ہے۔^(۴)

۴۱. اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی۔^(۵)

۴۲. مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے وہ زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَإِيَّاتٍ ۖ

مَا خَلَقْنَاهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَإِيَّاتٍ كَوْنٍ ۚ

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۖ

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۚ

إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

کے گناہوں کی پاداش میں، ان سے زیادہ قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تیج سے مراد قوم سب ہے۔ سب میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تیج کہتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور حبشہ کے فرماں روا کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تبعہ میں سے بعض کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ بعض مورخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سرقند تک پہنچ گئے، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت و طاقت، شوکت و حشمت اور فراغت و خوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا (تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ سبکی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تیج کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب و شتم نہ کرو (مجمع الزوائد ۸۶/۸۷، صحیح الجامع للآلبانی ۱۱۳۱۹) تاہم ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

۱. یہی مضمون اس سے قبل سورۃ الحجۃ: ۸۵ سورۃ المؤمنون: ۱۱۵-۱۱۶، سورۃ ص: ۷۷، وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے۔

۲. وہ مقصد یا درست تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکیوں کو ان کی نیکیوں کی جزاء اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا دی جائے۔

۳. یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپرواہ اور دنیا میں منہمک ہیں۔

۴. یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔

۵. جیسے فرمایا ﴿وَاذْذُرْهُمْ فِي الصُّورِ فَلَا أَكْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ (المؤمنون: ۱۰۱) (پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ) ﴿وَلَا يَسْأَلُ حُمِلِمٌ حُمِلًا﴾ (المعارج: ۱۰) (اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا)۔

إِنَّ سَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝

طَعَامُ الْإِنْسَانِ ۝

كَالْمُهْلِ يَغْشَى فِي الْبَطْنِ ۝

كَغَلِي الْحَبِيبِ ۝

خَذُوهُ وَاعْتَلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيمِ ۝

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝

إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝

إِنَّ الْمُبْتَلِينَ فِي مَقَامِ آيَتِنِ ۝

فِي جَبَّتٍ وَعَيْنِ ۝

يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ۝

كَذَلِكَ وَرَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينِ ۝

۴۳. بیشک ز قوم (تھوہر) کا درخت۔

۴۴. گناہ گار کا کھانا ہے۔

۴۵. جو تلچھٹ^(۱) کے مانند ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے۔

۴۶. مثل تیز گرم پانی کے۔^(۲)

۴۷. اسے پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچاؤ۔^(۳)

۴۸. پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ۔

۴۹. (اس سے کہا جائے گا) چکھتا جا تو تو بڑا ذی عزت اور

بڑے اکرام والا تھا۔^(۴)

۵۰. یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

۵۱. بیشک (اللہ سے) ڈرنے والے امن اور چین کی جگہ

میں ہوں گے۔

۵۲. باغوں اور چشموں میں۔

۵۳. باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے

سامنے بیٹھے ہوں گے۔^(۵)

۵۴. یہ اسی طرح ہے^(۱) اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی

حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔^(۲)

۱. مُہْلُ پگھلا ہوا تانبہ، آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تلچھٹ تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلی سی مٹی کی تہ رہ جاتی ہے۔

۲. وہ زقوم کی خوراک، کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی۔

۳. یہ جہنم پر مقرر فرشتوں سے کہا جائے گا، سواء: بمعنی وسط۔

۴. یعنی دنیا میں اپنے طور پر تو بڑا ذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو تحارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

۵. اہل کفر و فسق کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے اپنا دامن کفر و فسق اور معاصی

سے بجائے رکھا تھا۔ امین کا مطلب ایسی جگہ، جہاں ہر قسم کے خوف اور اندیشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔

۶. یعنی متقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معاملہ ہوگا۔

۷. حُورٌ حُورَاءُ کی جمع ہے۔ یہ حُورٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی انتہائی سیاہ

ہو۔ حُورَاءُ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی عینٌ، عَيْنَاءُ کی جمع ہے،

يَدْعُونَ فِيهَا لِلْجَلِّ فَالْكَهَةِ الْمُنِينَ ﴿٥٥﴾

۵۵۔ دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میوؤں کی فراشتیں کرتے ہوں گے۔^(۱)

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَّعَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾

۵۶۔ وہاں وہ موت پکھنے کے نہیں ہاں پہلی موت^(۲) (جو وہ مر چکے)، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾

۵۷۔ یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے،^(۳) یہی ہے بڑی کامیابی۔

فَإِنَّمَا يَسَّرُنَا رَبَّنَا لِكَفِّ غَمِّهِمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸۔ ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹۔ اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں۔^(۴)

کاشادہ چشم۔ جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو حوریں ضرور ملیں گی۔ جو حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہوں گی۔ البتہ ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے، کہ شہید کو خصوصی طور پر ۷۲ حوریں ملیں گی۔ (ابواب فضائل الجہاد، باب ما جاء أي الناس أفضل)

۱۔ آمِنِينَ (بے خوفی کے ساتھ) کا مطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو گا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف یا موت، تھکاؤ اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔

۲۔ یعنی دنیا میں انہیں جو موت آئی تھی، اس موت کے بعد انہیں موت کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا۔ جیسے حدیث میں آتا ہے ”کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لاکر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا، اے جنتیو! تمہارے لیے جنت کی زندگی دائمی ہے، اب تمہارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمہارے لیے جہنم کا عذاب دائمی ہے، موت نہیں“ (صحیح البخاری، تفسیر سورة مريم، مسلم، کتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء) دوسری حدیث میں فرمایا ”اے جنتیو! تمہارا مقدر اب صحت و قوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ تمہارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمہارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، ان میں کمی نہیں ہوگی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہو گا۔“ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل ومسلم کتاب مذکور)

۳۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا ”یہ بات جان لو تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا“ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ﷺ آپ کو بھی؟ فرمایا ”ہاں مجھے بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں ڈھانپ لے گا۔“ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل ومسلم، کتاب مذکور)

۴۔ تو عذاب الہی کا انتظار کر، اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ منتظر ہیں اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ و نفوذ سے قبل ہی شاید آپ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔

سورہ جاثیہ مکی ہے اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. حَمْد۔

حَمْدٌ

۲. یہ کتاب غالب اور حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

۳. آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ

۴. اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ ذُلَالَةٍ لِّآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ

۵. اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے،^(۱) (اس میں) اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔^(۲)

وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

۶. یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو راستی سے سنا رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَسْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ

۱. آسمان وزمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ، آفاق و انفس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔
۲. یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال وجنوب کو، کبھی پورب پچھم (مشرق ومغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوائیں اور کبھی بری ہوائیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوائیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوائیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ جھلسادینے والی اور محض گرد و غبار کا طوفان۔ ہواؤں کی اتنی قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دو یا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سارا اور ہر قسم کا تصرف صرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنیٰ سا تصرف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورہ بقرہ کی آیت: ۱۶۳ بھی ہے۔

کس بات پر ایمان لائیں گے۔^(۱)

۷۔ ”ویل“ اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گناہ گار پر۔^(۲)

۸۔ جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں،^(۳) تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجیے۔

۹۔ اور وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے،^(۴) یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوائی کی مار ہے۔

۱۰۔ ان کے پیچھے دوزخ ہے،^(۵) جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا^(۶) اور نہ وہ (کچھ) کام آئیں گے (جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز)^(۷)

وَيْلٌ لِّكَ أَفَّا لَيْتَ ۖ

يَعْمَلُ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ لِقَائِهِ يُعْجِلُ ۚ أَلَمْ يَسْمَعْ أَفْتَبًا ۚ

يَسْمَعُ أَفْتَبًا ۚ بَعْدَ مَا يَرْجِعُ ۚ

وَاذْأَعْلَمُ مِنَ الْيَتِيمِ ۚ إِنَّهَا تُنْشِئُ الْإِنْسَانَ أَذْهَبًا ۚ

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۖ

مِنْ قَوْلِهِمْ جَهَنَّمَ ۚ وَلَا يُعْنِي عَنْهُمْ تَوَكُّبُهُمْ ۚ

وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَلْوِيَةً ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۖ

۱۔ یعنی اللہ کا نازل کردہ قرآن، جس میں اس کی توحید کے دلائل وبراہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانیوں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں، جن پر یہ ایمان لائیں گے؟ بَعْدَ اللّٰهِ کا مطلب ہے، بَعْدَ حَدِيثِ اللّٰهِ وَبَعْدَ آيَاتِهِ یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے ﴿اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ (الزمر: ۲۳) میں ہے۔

۲۔ أَفَّا لَيْتَ ۖ بمعنی کَذَّاب، اُنْثِم، بہت گناہ گار۔ وَيْلٌ بمعنی ہلاکت یا جہنم کی ایک وادی کا نام۔

۳۔ یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غرور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

۴۔ یعنی اول تو وہ قرآن کو غور سے سنتا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزاء اور مذاق کا موضوع بنا لیتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نافرمانی کی وجہ سے یا کفر و محصیت پر اصرار و استکبار کی وجہ سے۔

۵۔ یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جہنم ہے۔

۶۔ یعنی دنیا میں جو مال انہوں نے کمایا ہوگا، جن اولاد اور جتنے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے، وہ قیامت کے دن انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

۷۔ جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبود بنا رکھا تھا، وہ اس روز ان کو نظر ہی نہیں آئیں گے، مدد تو انہوں نے کیا کرنی ہوگی؟

بنارکھا تھا، ان کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔

۱۱. یہ (سرتاپا) ہدایت ہے ^(۱) اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لیے بہت سخت دردناک عذاب ہے۔ ^(۲)

۱۲. اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو تابع بنادیا ^(۳) تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں ^(۴) اور تم اس کا فضل تلاش کرو ^(۵) اور تاکہ تم شکر بجالاؤ۔ ^(۶)

۱۳. اور آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے۔ ^(۷) جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔

هٰذَا هُدًى وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْآيَاتِ رَحْمَتُ رَبِّهِمْ أَعْدَابٌ
مِّن رَّحْمَةِ اللَّهِ

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْزِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ
وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

وَسَخَّرَ لَكُمُ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَبَابًا مِّنْهُ
إِن فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

۱. یعنی قرآن۔ کیوں کہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے۔ اس لیے اس کے سرتاپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس کے لیے اپنا سینہ وا کرے گا۔ بصورت دیگر تو بقول شاعر: ”راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں“ والا معاملہ ہوگا۔

۲. اَلَيْسَ، عَذَابٌ کی صفت ہے، بعض اسے رَجْز کی صفت بتاتے ہیں۔ رَجْزُ بمعنی عَذَابٌ شَدِيدٌ۔

۳. یعنی اس کو ایسا بنادیا کہ تم کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کر سکو۔

۴. یعنی سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، یہ تمہارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔ ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجوں کو اتنا سرکش بنادیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا۔ جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندر میں سفر کرنے کے قائل نہ ہوتے۔

۵. یعنی تجارت کے ذریعے سے، اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (مچھلی وغیرہ) کا شکار کر کے۔

۶. یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تسخیر بحر کی وجہ سے تمہیں حاصل ہوتی ہیں۔

۷. مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمہارے مصالح و منافع اور تمہاری معاش سب انہی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روشن ستارے، بارش، بادل اور ہوائیں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا مطلب، اپنی رحمت اور فضل خاص سے۔

۱۴۔ آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے،^(۱) تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے۔^(۲)

۱۵۔ جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے،^(۲) پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۳)

۱۶۔ اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت^(۵) اور نبوت دی تھی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی تھیں^(۶) اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی۔^(۷)

۱۷۔ اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں،^(۸)

قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُ وَالَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ
لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ، وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ
وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

وَاتَيْنَهُم بِيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مَن بَعْدَ

۱۔ یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور ایمان اللہ سے مراد وقائع ہیں۔ ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا﴾ (ابراہیم: ۵) میں ہے۔ مطلب ہے کہ ان کافروں سے عفو و درگزر سے کام لو، جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قابل ہو گئے تو پھر سختی کا اور ان سے ٹکرا جانے (جہاد) کا حکم دے دیا گیا۔

۲۔ یعنی جب تم ان کی ایذاؤں پر صبر اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو گے، تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں گے، جن کی سزا ہم قیامت کے دن ان کو دیں گے۔

۳۔ یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھا یا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس میں نیکی کی ترغیب بھی ہے، اور بدی سے ترہیب بھی۔

۴. پس وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔ نیکیوں کو نیک اور بروں کو بری۔

۵۔ کتاب سے مراد تورات، حکم سے حکومت و بادشاہت یا فہم و قضاء کی وہ صلاحیت ہے جو تنازعات کو نمٹانے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔

۶. وہ روزیاں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من و سلویٰ کا نزول بھی تھا۔

۷۔ یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔

۸۔ کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام۔ پامعجزات مراد ہیں۔ پانی ﷺ کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور آپ کی

پھر انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد اور بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا،^(۱) یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت کے دن ان کے درمیان (خود) تیرا رب کرے گا۔

۱۸. پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا،^(۲) سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں۔^(۳)

۱۹. (یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے۔ (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا کارساز اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۰. یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں ہیں^(۴) اور ہدایت و رحمت ہے^(۵) اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔

۲۱. کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے

مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيَا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبِّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ①

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِّ ذُرِّيَّتِهِ مِنَ الْمَذْمُومَاتِ ②
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ③

إِنَّهُمْ لَنْ يَغْنُوكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ④

هَذَا ابْصَارُ الْبَنَاتِ وَهَدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ
يُوقِنُونَ ⑤

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَحْمَلَهُمْ
كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ عِندَ اللَّهِ

ہجرت گاہ کی تعیین مراد ہے۔

۱. بَعِيَا بَيْنَهُمْ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض و عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جاہ و منصب کی خاطر۔ انہوں نے اپنے دین میں، علم آجانے کے باوجود، اختلاف یا نبی ﷺ کی رسالت سے انکار کیا۔

۲. شریعت کے لغوی معنی ہیں، راستہ ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی ہے۔ پس شریعت سے یہاں مراد، وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے۔ ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے جو آپ کو حق تک پہنچا دے گا۔

۳. جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

۴. یعنی ان دلائل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات و حاجات وابستہ ہیں۔

۵. یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الہی کا موجب ہے۔

وَمِمَّا أُنْمِئَتْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥﴾

اور نیک کام کیسے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے، (۱) برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَئِنْ لَكُنْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦﴾

۲۲. اور آسمانوں اور زمین کو اللہ نے بہت ہی عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کام کا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۲)

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اللَّهُ هَوًى وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَلَقَهُ عَلَى سَبْعَةٍ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرٍ غَشَوَةً مِّنْ يَّجْعِدُ يَوْمَ يُعَذِّبُ اللَّهُ أَفْكَالًا تَذْكُرُونَ ﴿٧﴾

۲۳. کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے (۳) اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے (۴) اور اس کے کان اور دل

۱. یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ برابر تھے، آخرت میں بھی وہ برابر ہی رہیں گے کہ مر کر یہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید؟ نہ بدکار کو سزا، نہ ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا ان کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔
۲. اور یہ عدل یہی ہے کہ قیامت کے دن بے لاگ فیصلہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق اچھی یا بری جزاء دے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے، جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے، جس کی تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے۔ کیوں کہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مسلمات سے انحراف بھی۔ اس لیے جس طرح کانٹے بوکر انگور کی فصل حاصل نہیں کی جاسکتی، اسی طرح بدی کا ارتکاب کر کے وہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔

۳. پس وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا قرار دیتا ہے۔ یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے۔ حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر یا مفادات کی اسیر ہو کر، خواہش نفس کی طرح، غلط فیصلہ کر سکتی ہے۔ ایک معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں، جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت اور برہان کے بغیر اپنی مرضی کے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پتھر کو پوجتا تھا، جب اسے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا، تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنالیتا۔ (فتح القدیر)۔

۴. یعنی بلوغ علم اور قیام حجت کے باوجود، وہ گمراہی ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جیسے بہت سے پندار علم میں مبتلا گمراہ اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن ”ہم چوما دیگرے نیست“ کے گھمنڈ میں وہ اپنے ”دلائل“ کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے تارے توڑ لائے ہیں۔ اور یوں ”علم وفہم“ رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الضَّالِّ وَالْفَهْمِ السَّقِيمِ وَالْعَقْلِ الزَّائِعِ۔

پر مہر لگادی ہے ^(۱) اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، ^(۲) اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔ ^(۳) کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔ ^(۴)

۲۴۔ اور انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے، ^(۵) (دراصل) انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قیاس اور) اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں۔

۲۵۔ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لاؤ۔ ^(۶)

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نُهْلِكُنَا إِلَّا اللَّهُ هُوَ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۴﴾

وَإِذْ أُنْزِلَ عَلَيْهِمُ الْبُيُوتُ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبُوا آبَاءَنَا إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾

۱۔ جس سے اس کے کان وعظ و نصیحت سننے سے اور اس کا دل ہدایت کے سمجھنے سے محروم ہو گیا۔

۲۔ چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

۳۔ جیسے فرمایا ﴿مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ﴾ وَيَذْكُرْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿الاعراف: ۱۸۲﴾ (جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے)۔

۴۔ یعنی غورو فکر نہیں کرتے تاکہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔

۵۔ یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ، محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے۔ جیسے فلسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ، بغیر کسی صانع اور مدبر کے، از خود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ یہ گروہ دوریہ کہلاتا ہے (ابن کثیر) ظاہر بات ہے، یہ نظریہ، اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے) (یعنی اس کی طرف افعال کی نسبت کر کے، اسے برا کہتا ہے) حالانکہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں

ہی پھیرتا ہوں۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الجاثية، مسلم، کتاب الالفاظ من الأدب، باب النهي عن سب الدهر)

۶۔ یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ جتنی کا مظہر ہے۔

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

وَلَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِخُ بَنَفْسُ الْمُبِطِلُونَ ﴿٦﴾

وَنَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَانِبَهُ كُلِّ امَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُحْجَرُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾

هَذَا كِتَابُنَا يُنْفِطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنْ كُنْتُمْ تُسْتَنبِخُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿٩﴾

۲۶۔ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

۲۷۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔

۲۸۔ اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔^(۱) ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

۲۹۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے،^(۲) ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے۔^(۳)

۳۰۔ پس لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے^(۴) تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت تلے

۱۔ ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیاء کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف و دہشت کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے (خج اللہ) تا آنکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا، جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔

۲۔ اس کتاب سے مراد، وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿وَوَضَعُ الْكِتَابَ وَجَافًا بِالْبَيِّنَاتِ وَالشُّهُدَاءِ﴾ (الزمر: ۶۹) (اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شہداء کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا)۔ یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا۔ ﴿مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾ (الکہف: ۴۹) (یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا، سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے)۔

۳۔ یعنی ہمارے علم کے علاوہ، فرشتے بھی ہمارے حکم سے تمہاری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔

۴۔ یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کردی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہایت اہتمام اور ذوق و شوق کے ساتھ کرے جیسے بہت سی بدعت مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جو ان حلقوں میں فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اہمیت

لے لے گا،^(۱) یہی صریح کامیابی ہے۔

۳۱. لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو (میں ان سے کہوں گا) کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟^(۲) پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گناہ گار لوگ۔^(۳)

۳۲. اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔^(۴)

۳۳. اور ان پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔^(۵)

۳۴. اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو بھلادیا تھا^(۶) اور تمہارا

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ أَفْلَهُمْ تُكُنُّ إِلَيْنِ تُنْزِلُ عَلَيْكُمْ قَاسِقَاتُكُمْ وَلَنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝

وَإِذْ أُقْبِلَ إِنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقَّ السَّاعَةِ لَدَرِيبٍ فِيهَا قُلُومٌ مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنْ نُنْظُرُ إِلَّا الظُّلُمَاتُ وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِينَ ۝

وَبَدَأَ اللَّهُ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْفُسُكُمْ كَمَا أَنفُسُكُمْ لَفَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَا لَكُمْ لَلَّذِئِذِ وَمَا لَكُمْ مِنْ تُبُورِينَ ۝

رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرائض و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعات کا ایسا التزام ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے۔ حالاں کہ نبی ﷺ نے بدعات کو شر الامور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

۱. رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جیسے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا اَنْتَ رَحْمَتِيْ اَرْحَمُ بِكَ مِنْ اَنْسَاءِ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ ق) ”تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (یعنی تجھ میں داخل کر کے) میں جس پر چاہوں گا، رحم کروں گا۔“

۲. یہ بطور توبخ کے ان سے کہا جائے گا، کیوں کہ رسول ان کے پاس آئے تھے، انہوں نے اللہ کے احکام انہیں سنائے تھے، لیکن انہوں نے پرواہ ہی نہیں کی تھی۔

۳. یعنی حق کے قبول کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے، بلکہ تم تھے ہی گناہ گار۔

۴. یعنی قیامت کا وقوع، محض ظن و تخمین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔

۵. یعنی قیامت کا عذاب، جسے وہ مذاق یعنی انہونا سمجھتے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

۶. جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا ”کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔“ وہ کہے گا ہاں یہ تو ٹھیک ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ”کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا؟ وہ کہے گا، نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ”فَالْيَوْمَ اَنْفُسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِيْ“ پس آج میں بھی (تجھے جہنم میں ڈال کر)

ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں۔

۳۵۔ یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و معذرت قبول کیا جائے گا۔^(۱)

۳۶۔ پس اللہ کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہان کا پالنہار ہے۔

۳۷۔ اور تمام (بزرگی اور) بڑائی آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے^(۲) اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

ذَلِكُمْ بِأَنَّكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَعَظَمْتُمْ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا قَالِیَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا
وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاصِبٌ ۝

قَبْلَهُ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝

وَلَهُ الْكِبَرُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھولے رہا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

۱۔ یعنی اللہ کی آیات و احکام کا استہزاء اور دنیا کے فریب و غرور میں مبتلا رہنا، یہ دو جرم ایسے ہیں جنہوں نے تمہیں عذاب جہنم کا مستحق بنادیا، اب اس سے نکلنے کا امکان ہے اور نہ اس بات کی ہی امید کہ کسی موقع پر تمہیں توبہ اور رجوع کا موقع دے دیا جائے، اور تم توبہ و معذرت کر کے اللہ کو منالو لَا یُسْتَعْتَبُونَ اَیَّ لَا یُسْتَرْضَوْنَ وَلَا یُطَلَّبُ مِنْهُمْ الرُّجُوعُ اِلَی طَاعَةِ اللَّهِ، لِأَنَّهُ یَوْمَ لَا تُقْبَلُ فِيهِ تَوْبَةٌ وَلَا تَنْفَعُ فِيهِ مَعْذَرَةٌ۔ (ت القدر)

۲۔ جیسے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «الْعَظَمَةُ إِزَارِي وَالْكَبَرِيَاءُ رِدَائِي، فَمَنْ نَارَعَ عَنِي وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَسْكَنْتُهُ نَارِي» (بزرگی میرا ازار ہے اور بڑا پین میری چادر ہے جو ان میں سے کسی کو بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا میں اس کو اپنی جہنم میں ڈال دوں گا)۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الکبر)

سورۂ احقاف مکی ہے اور اس میں پینتیس آیتیں
اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. حَمَّ -^(۱)

۲. اس کتاب کا اتارنا غالب اور حکمت والے اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہے۔

۳. ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان
کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک مدت
معین کے لیے پیدا کیا ہے،^(۲) اور کافر لوگ جس چیز سے
ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں۔^(۳)

۴. آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا
پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا
کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ
ہے؟^(۴) اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمَّ ①

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ②

مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا
بِالْحَقِّ وَلَجِلُّ شُعْئِي وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذَرُوا
مُعْرِضُونَ ③

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي
مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي
السَّمَوَاتِ أَلِیُّونَ بِكُتُبٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَشْرَافُ
مَنْ عَلَّمَهُمْ صَدِيقِينَ ④

۱. یہ فوائضِ سُورِ، ان متشابہات میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے
کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں، جنہیں ہم سورۂ لقمان کی پہلی آیت کے
حاشیہ میں بیان کر آئے ہیں۔

۲. یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انسانوں کی آزمائش۔ دوسرا، اس کے لیے ایک
وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا۔ نہ آسمان، یہ
آسمان ہوگا، نہ زمین، یہ زمین ہوگی۔ ﴿يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ﴾ - (ابراہیم: ۴۸)

۳. یعنی عدم ایمان کی صورت میں لعن، حساب اور جزاء سے جو انہیں ڈرایا جاتا ہے، وہ اس کی پرواہ ہی نہیں کرتے، اس
پر ایمان لاتے ہیں، نہ عذابِ اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔

۴. اَرَأَيْتُمْ بمعنی اَخْبِرُونِي یا اَرُونِي یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے بتلاؤ یا دکھاؤ
کہ انہوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی
ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان غیر حق معبودوں کو اللہ کی

کوئی علم ہی جو نقل کیا جاتا ہو، میرے پاس لے آؤ۔^(۱)

۵. اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیمت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔^(۲)

۶. اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔^(۳)

۷. اور انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آپکی، کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ ①

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ②

وَإِذَا نُفِّلَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ③

عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟

۱. یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لا کر دکھاؤ تاکہ تمہاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے آثَارَہٗ مِّنْ عِلْمِہٖ کے معنی واضح علمی دلیل کے کیے ہیں، اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور آثَارَہٗ مِّنْ عِلْمِہٖ سے عقلی دلیل مراد ہوگی۔ یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے اثر سے مانوڈ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِیَّةً مِّنْ عِلْمِہٖ پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو، اس میں یہ بات ہو۔

۲. یعنی یہی سب سے بڑے گمراہ ہیں جو پتھر کی مورتیوں کو یا فوت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیمت تک جواب دینے سے قاصر ہیں اور قاصر ہی نہیں بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔

۳. یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ یونس: ۲۹، سورۃ مریم: ۸۱-۸۲، سورۃ عبکوت: ۲۵، وغیرہا من الآیات۔ دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیر ذی روح جمادات و نباتات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویائی عطا فرمائے گا، اور یہ چیزیں بول کر بتلائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدائی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قال سے نہیں، زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ اعلم۔ معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین میں سے ہیں۔ جیسے عیسیٰ، حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر عباد اللہ الصالحین ہیں، یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے۔ علاوہ ازیں شیطان بھی انکار کریں گے۔ جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ﴿تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا آلَآئِكَ يَٰ كَافِرُونَ﴾ (الفصل: ۱۳) (ہم) تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

۸. کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود گھڑ لیا ہے^(۱) آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں ہی اسے بنا لایا ہوں تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، تم اس (قرآن) کے بارے میں جو کچھ کہہ سن رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے،^(۲) میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے وہی کافی ہے،^(۳) اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔^(۵)

۹. آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں^(۱) نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔^(۲) میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ أَكُنِيَ بِهٖ شَهِيدًا يُبَيِّنُ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِلِقَاءِ رَبِّكَ إِلَّا أَنِّي مَأْمُورٌ وَإِنِّي أَنذِرُ مُبِينٌ ۝

۱. اس حق سے مراد، جو ان کے پاس آیا، قرآن کریم ہے، اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے، پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بنتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔
۲. یعنی اگر تمہاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے، پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں، اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا۔ بلکہ ایسی حالت میں مجھے مواخذہ الہی سے بچانے کا تمہیں کوئی اختیار ہی نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ * لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ * ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ * فَمَا يَمْلِكُ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ (الحاقة: ۴۳-۴۷)
۳. یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، کبھی اسے جادو، کبھی کہانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یعنی وہی تمہاری ان مذموم حرکتوں کا تمہیں بدلہ دے گا۔
۴. وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمہاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت وعید ہے۔

۵. اس کے لیے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

۶. یعنی پہلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں، بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آپکے ہیں۔

۷. یعنی دنیا میں۔ میں کے میں ہی رہوں گا یا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمہارے ہاتھوں میرا قتل ہو گا؟ تم جلدی ہی سزا سے دوچار ہو گے یا لمبی مہلت تمہیں دی جائے گی؟ ان تمام باتوں کا علم

ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں۔

۱۰. آپ کہہ دیجیے اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو،^(۱) تو بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

۱۱. اور کافروں نے ایمان داروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے، اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہدایت
(۲) ہے۔

قُلْ اَوَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَٰهَدٌ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى مِثْلِهِ قَاۡمًا وَاَسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْا اِلَيْهِ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهِ فَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا اِنْكِرَآءٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱

صرف اللہ کو ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کل کیا ہوگا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جہنم میں جائیں گے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وفات پر، جب ان کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کیا گیا، تو فرمایا «وَاللّٰهُ مَا اُذْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ» (صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب مقدم النبی وأصحابہ المدینة) (اللہ کی قسم مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟) اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی انجام کے علم کی نفی ہے۔ الایہ کہ ان کی بابت بھی نص موجود ہو۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر وغیرہ۔

۱. اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان لانے والا اس کا مصداق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے، کیونکہ یہ سورت مکہ کی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبد اللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب مناقب عبد اللہ بن سلام، مسلم، فضائل الصحابة) اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ علیٰ مِثْلِهِ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کے مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد تمہارے انکار و استکبار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمہیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیے۔

۲. کفار مکہ، حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو، جو غریب و قلاش قسم کے لوگ تھے،

۱۲. اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی۔ اور یہ کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکو کاروں کو بشارت ہو۔

۱۳. بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جسے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ممکن ہوں گے۔

۱۴. یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے، ان اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

۱۵. اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جمیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔^(۱) اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ

وَمَنْ قَبْلَهُ كُتِبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا نَعَزَّ بِالنَّبِيِّينَ الَّذِينَ قَبْلَهُ
وَيُشِيرُ إِلَىٰ الْحُسَيْنِ^(۱۲)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَفْتَاؤُا فَالْخَوْفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ^(۱۳)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۱۴)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا
حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اأَشَدَّاهُ وَلَبَّاهُ اأَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اأَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ

لیکن اسلام قبول کرنے میں انہیں سہایت کا شرف حاصل ہوا، دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے۔ یعنی اپنے طور پر انہوں نے اپنی بابت یہ فرض کر لیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا، اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا جھوٹ ہے۔ یعنی قرآن کو انہوں نے پرانا جھوٹ قرار دیا ہے۔ جیسے وہ اسے اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ بھی کہتے تھے، حالانکہ دنیوی مال و دولت میں ممتاز ہونا، عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عند اللہ مقبولیت کے لیے تو ایمان و اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اس دولت ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے، جیسے وہ مال و دولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

۱. اس مشقت و تکلیف کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماں، اس حکم احسان میں، باپ سے مقدم ہے، کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی (وضع حمل) کی تکلیف، صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے، باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے پھر یہی پوچھا، آپ ﷺ نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا، چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تمہارا

وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي
دُرَرِي أَيُّهَا ابْنُ أَبِي بَكْرٍ إِنَّكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑤

تیس مہینے کا ہے۔^(۱) یہاں تک کہ جب وہ اپنی چنگلی
اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا^(۲) تو کہنے لگا اے میرے
پروردگار! مجھے توفیق دے^(۳) کہ میں تیری اس نعمت کا
شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام
کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے
تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں
تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے
ہوں۔

۱۶۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول
فرمالتے ہیں اور جن کے بد اعمال سے درگزر کر لیتے ہیں،
(یہ) جنتی لوگوں میں ہیں۔ اس سچے وعدے کے مطابق
جو ان سے کیا جاتا تھا۔

۱۷۔ اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں
تنگ آگیا،^(۴) تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے

أُولَئِكَ الَّذِينَ تَقْبَلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَاعَلَوْا وَتَجَاوَزُ
عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَ الصَّادِقُ الَّذِي
كَانُوا يَعْتَدُونَ ⑥

وَالَّذِي قَالَ لِلْوَالِدَيْنِ إِقْبِلَا كَمَا أَقْعَدَ بَنِيَّ أَنْ أُخْرَجَ
وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِهِ وَهُمَا يَسْتَعْجِلُونَ اللَّهَ

۱۔ فصلاً کے معنی، دودھ چھڑانا ہیں۔ اس سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے۔
یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی کا ہوگا، حرام کا نہیں۔ اس لیے کہ قرآن
نے مدت رضاعت دو سال (۲۴ مہینے) بتلائی ہے (لقمان: ۱۴، البقرة: ۲۳۳) اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی
رہ جاتی ہے۔

۲۔ کمال قدرت (اَشَدُّهُ) کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے ۱۸ سال سے تعبیر کیا ہے، حتیٰ کہ پھر بڑھتے
بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عرقوائے عقلی کے مکمل بلوغ کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر
نبی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (فتح القدیر)

۳۔ اَوْزَعْنِي بمعنی اَلْهَمْنِي ہے، مجھے توفیق دے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ اس عمر کے بعد انسان
کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے۔ یعنی رَبِّ اَوْزَعْنِي سے مِنَ الْمُسْلِمِينَ تک۔

۴۔ مذکورہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا، جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق
میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بد بخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی
سے پیش آتی ہے۔ اُفَّ لَكُمَا افسوس ہے تم پر، اف کا کلمہ، ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نافرمان

وَيَلَيْكَ الْمُنِيرُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا سَأْطِيلُ الْكَافِرِينَ ﴿١٥﴾

کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پہلے بھی امتیں گزر چکی ہیں،^(۱) وہ دونوں جناب باری میں فریادیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں۔^(۲)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ بَنِي إِدْرِيسَ وَالْإِنْسِ وَالْإِنْسِ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٦﴾

۱۸۔ وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کا) وعدہ صادق آگیا،^(۳) ان جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں،^(۴) یقیناً یہ نقصان پانے والے تھے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ أُولَٰئِكَ فِيهِمْ أََعْمَالُهُمْ وَهُمْ كَذِبْلَهُمْ ﴿١٧﴾

۱۹۔ اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے^(۵) تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۶)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلْهَبْتُمْ

۲۰۔ اور جس دن کافر جہنم کے سرے پر لائے

اولاد، باپ کی ناصحانہ باتوں پر یا دعوت ایمان و عمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصداق ہے۔

۱۔ مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آئے۔ حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت کے دن زندہ ہونا ہے جس کے بعد حساب ہوگا۔

۲۔ ماں باپ مسلمان ہوں اور اولاد کافر، تو وہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح تکرار اور بحث ہوتی ہے جس کا ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ جو پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا، یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا ﴿لَا تَسْتَعْجِلْ بِهِ ۚ فَخُذْ بِذُنُوبِ الْكَافِرِينَ﴾ (کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی) جہنم کو بھر دوں گا)۔

۴۔ یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہو گئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت کے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

۵۔ مومن اور کافر، دونوں کا، ان کے اعمال کے مطابق، اللہ کے ہاں مرتبہ ہوگا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں گے اور کافر جہنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔

۶۔ گناہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکو کار کے صلے میں کمی نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر ایک کو خیر یا شر میں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔

يُطَبِّئُكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ اللَّهُ نَبَاوَأَسْتَعْتَمُ بِهَا
فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ
تَسْكُنُونَ فِي الْأَرْضِ بَعْدَ الْحَقِّ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ

جائیں گے^(۱) (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی
زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے،
پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی،^(۲)
اس باعث کے تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور
اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے۔^(۳)

وَأَذْكُرُ أَعَاذِي إِذْ أُنْذِرَكُمْ مَاءَ الْأَحْقَافِ
وَقَدْ خَلَّتِ الشُّدُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ

۲۱. اور عاد کے بھائی کو یاد کرو، جب کہ اس نے اپنی قوم
کو احقاف میں ڈرایا^(۴) اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے

۱. یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے جائیں گے اور وہ جہنم کی آگ دیکھ رہے یا اس
کے قریب ہوں گے۔ بعض نے يُعْرَضُونَ کے معنی يُعَذَّبُونَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کلام میں قلب ہے۔
مطلب ہے، جب آگ ان پر پیش کی جائے گی تُعْرَضُ النَّارُ عَلَيْهِمْ۔ (فتح اللہ)

۲. طِبَّاتٌ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق و شوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور لذت و فرحت محسوس
کرتے ہیں۔ لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہو تو بات اور ہے، جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ
احکام الہی کی اطاعت کر کے شکر الہی کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے۔ لیکن فکر آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال
انسان کو سرکش اور باغی بنادیتا ہے جیسے کافر کرتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے۔ چنانچہ مومن کو تو اس کے شکر
و اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی۔

جب کہ کافروں کو وہی کچھ کہا جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ ﴿أَذْهَبَتْكُمْ طِبَّاتُكُمْ﴾ کا دوسرا ترجمہ ہے (دنیا کی
زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھا لیا)۔

۳. ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے، ناحق تکبر، جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور
دوسرا فسق۔ بے خوفی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترکہ ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان
دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔

ملحوظہ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے سامنے عمدہ چیز آتی تو یہ آیت انہیں یاد آ جاتی اور
وہ اسے اس ذرے ترک کر دیتے کہ کہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں لوٹ
لیے۔ تو یہ ان کی وہ کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی مظہر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا
استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

۴. أَحْقَافٌ، حَقْفٌ کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلہ، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت
ہود علیہ السلام کی قوم - عاد اولیٰ - کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضرموت (یمن) کے قریب تھا۔ کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ بیشک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں۔^(۱)

۲۲. قوم نے جواب دیا، کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں؟^(۲) پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کرتے ہیں اسے ہم پر لا ڈالیں۔

۲۳. (حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں^(۳) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔^(۴)

۲۴. پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے تو کہنے لگے، یہ ابر ہم پر برسنے والا ہے،^(۵) (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے،^(۶) ہوا ہے

خَلْقَهُ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ①

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَا عَنِ الْهَوْنَاءِ قَالَتْنَا بِمَا نَعْبُدُ نَأْتِيكَ كُنْتَ مِنَ الضَّالِّينَ ②

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ③

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقِيمًا أَوْيَتْ بِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّسْطَرٌّ نَّأْتِيكَ هَوْمًا أَسْتَعْجِلُكُمْ بِهِ رَبِّكُمْ فِيمَا عَذَابُ إِلَيْكُمْ ④

۱. یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے، جسے اس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔

۲. لِنَأْفِكْنَا، لِنَصْرِفْنَا یا لِنُزِيلْنَا، سب متقارب المعنی ہیں۔ تاکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔

۳. یعنی عذاب کب آئے گا؟ یا دنیا میں نہیں آئے گا، بلکہ آخرت میں تمہیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

۴. کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرا، مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

۵. عرصہ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، امنڈتے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی۔ بادل کو عارض اس لیے کہا ہے کہ بادل عرض آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

۶. یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں کہا کہ یہ محض بادل نہیں ہے، جیسے تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے۔ جسے تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

جس میں دردناک عذاب ہے۔^(۱)

۲۵. جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی، پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔^(۲) گناہ گاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں۔

۲۶. اور بالیقین ہم نے (قوم عاد) کو وہ مقدور دیے تھے جو تمہیں تو دیے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان، آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔ لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا^(۳) جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔^(۴)

تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَاصْبِرْ ۚ
يُرَى الْإِمْلَاقُ لَهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِينَ ۝

وَلَقَدْ مَكَنَّا فِيْمَا أَنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيْهِ
وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً ۚ فَمَا
أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا
أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ
بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِءُونَ ۝

۱. یعنی وہ ہوا، جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی اٹھی اور نکلی اور اللہ کی مشیت سے ان کو اور ان کی ہر چیز کو تباہ کر گئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی، لیکن آپ ﷺ کے چہرے پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا، جب کہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا ”یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا“۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الأحقاف، مسلم، کتاب صلوٰۃ الاستسقاء باب التعوذ عند رؤية الريح والغيم والفرح بالمطر) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب باد تند چلی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيْهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ“۔ اور جب آسمان پر بادل گہرے ہو جاتے تو آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ ﷺ پر طاری ہو جاتی جس سے آپ ﷺ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ ﷺ اطمینان کا سانس لیتے۔ (صحیح مسلم، باب مذکور)

۲. یعنی مکین (گھر والے) سب تباہ ہو گئے اور صرف مکانات (گھر) نشان عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔

۳. یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں، جنہیں ہم نے ہلاک کیا، قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دل) کو حق کے سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا، تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آ سکیں۔

۴. یعنی جس عذاب کو وہ انہوں نے سمجھ کر بطور استہزاء کہا کرتے تھے کہ لے آ اپنا عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے،

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ
وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں ^(۱) اور ہم نے اپنی طرح طرح کی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں۔ ^(۲)

فَلَوْلَا نَصَرَ لَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ
اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً لَّنْ صَلَّوْا عَنْهُمْ وَذَلِكُمْ
إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پس قرب الہی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ ان کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔ ^(۳)

وَإِذْ صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَافِثًا مِنَ الْوَعْدِ
الْقُرْآنِ فَلَئِمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصَبُوا فَلَئِمَّا
قُضِيَ وَلَوْ إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور یاد کرو جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش ہو جاؤ، ^(۴)

وہ عذاب آیا اور اس نے انہیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔

۱۔ آس پاس سے عاد، ثمود اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف آتے جاتے ان سے ان کا گزر ہوتا تھا۔

۲۔ یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کر لیں۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

۳۔ یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، انہوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی، بلکہ وہ اس موقع پر آئے ہی نہیں، بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو الہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں بارگاہ الہی میں قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس وسیلہ کو یہاں اقل (جھوٹ) اور افتراء (بہتان) قرار دے کر واضح فرمادیا کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

۴۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نخلہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان پر ہم پر بہت زیادہ سختی کر دی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے، کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جاکر اپنی قوم کو بھی بتلایا (مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن۔ صحیح البخاری میں بھی بعض باتوں کا ذکر ہے۔ کتاب مناقب الأنصار، باب ذکر الجن) بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے

پھر جب پڑھ کر ختم ہو گیا^(۱) تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے۔

۳۰۔ کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

۳۱۔ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو، اس پر ایمان لاؤ^(۲) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا۔^(۳)

۳۲۔ اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں

قَالُوا الْقَوْمَ مَا آتَا سَبْعًا كُنْ بَأْتُرِلَ مِنْ بَعْدِ
مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ
وَالِى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ

يَقَوْمًا لِحُبُونِ آدَمِ اللَّهِ وَآمَنُوا بِهِ يَعُونَ لَكُمْ مِنَ
دُؤْيَكُمْ وَيُجِدْكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ

وَمَنْ لَا يُبِ دَاعِى اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ
وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ

کہ اس کے بعد آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انہیں جاکر اللہ کا پیغام سنایا، اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (فتح الباری، تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

۱۔ یعنی آپ ﷺ کی طرف سے تلاوت قرآن ختم ہو گئی۔

۲۔ جنوں نے اپنی قوم کو نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس سے قبل قرآن کریم کے متعلق بتلایا کہ یہ تورات کے بعد ایک اور آسمانی کتاب ہے جو سچے دین اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

۳۔ یہ ایمان لانے کے وہ فائدے بتلائے جو آخرت میں انہیں حاصل ہوں گے۔ مِنْ دُؤْيَكُمْ میں مِنْ تَبْعِيضٍ کے لیے ہے یعنی بعض گناہ معاف فرمادے گا اور یہ وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہوگا۔ کیوں کہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب و عقاب اور اوامر و نواہی میں جنات کے لیے بھی وہی حکم ہے جو انسانوں کے لیے ہے۔

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں؟ ظاہر آیت قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیاء و رسل ﷺ انسان ہی ہوئے ہیں۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا ظَنَّمْنَا الْإِنَّمَا﴾ (النحل: ۴۳) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لَكَاكِلُؤُنِ الطَّعَامِ وَكَانُوا فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۲۰) ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جتنے بھی رسول ہوئے، وہ انسان تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کے لیے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپ ﷺ ہی ہیں اور آپ ﷺ کے پیغام کو بھی جنات تک پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اس مقام سے ظاہر ہے۔

کر سکتا،^(۱) نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے،^(۲) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

۳۳۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، وہ یقیناً مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہ ہو؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔^(۳)

۳۴۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی^(۴) (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا، اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔^(۵)

۳۵۔ پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبرِ عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو،^(۱) یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں تو (یہ معلوم

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَلَمْ يَعْصِ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُنْجِيَ الْمُؤْمِنِينَ
بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۲)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا
بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ^(۳)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا وَلَوْ الْعَزِيزُ مِنَ الرُّسُلِ
وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يُرَدُّونَ
مَآلِكُ وَعْدُونَ لَمْ يَكُنُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ
بَلَاغٌ لِّقَوْمٍ يَهْلِكُونَ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ^(۴)

۱۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ زمین کی وسعتوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اللہ کی گرفت میں نہ آ سکے۔

۲۔ جو اسے اللہ کے عذاب سے بچالیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے بچنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

۳۔ رائی سے، رویتِ قلبی مراد ہے، یعنی کیا انہوں نے نہیں جانا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوا بِأَنَّ اللَّهَ يَتَفَكَّرُونَ، کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے، جن کی وسعت و بے کرانی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنا کر تھکا بھی نہیں۔ کیا وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ علیٰ کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی صفت سے متصف ہے۔

۴۔ وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے۔ لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے، کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اعتراف نہیں تو کیا انکار کریں گے؟

۵۔ اس لیے کہ جب ماننے کا وقت تھا، اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر اور انکار کا بدلہ ہے، جو اب تمہیں بھگتنا ہی بھگتنا ہے۔

۶۔ یہ کفار مکہ کے رویے کے مقابلے میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں)
 ٹھہرے تھے،^(۱) یہ ہے پیغام پہنچا دینا،^(۲) پس بدکاروں کے
 سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔^(۳)

۱۔ قیامت کا ہولناک عذاب دیکھنے کے بعد انہیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہوگی جیسے دن کی صرف ایک گھڑی یہاں گزار کر گئے ہیں۔

۲۔ یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے۔ اَيُّ: هَذَا الَّذِي وَعَظْتَهُمْ بِهِ بَلَاغٌ یہ وہ نصیحت یا پیغام ہے جس کا پہنچانا تیرا کام ہے۔
 ۳۔ اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔

سورۃ محمد (ﷺ) مدنی ہے اور اس میں اڑتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

سُورَةُ مُحَمَّدٍ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ^(۱) اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔ ^(۲)

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَلَوْا سَبِيلَ اللَّهِ أَصْلَ
أَعْمَالِهِمْ ①

۲. اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ہے ^(۳) اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے، اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیے ^(۴) اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔ ^(۵)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ
عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ②

☆ سورۃ محمد (ﷺ) اس کا دوسرا نام القتال بھی ہے۔

۱. بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں۔ لیکن یہ عام ہے ان کے ساتھ سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔

۲. اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم (ﷺ) کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے انہیں ناکام بنادیا اور انہی پر ان کو الٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکرم اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، مہمان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

۳. ایمان میں اگرچہ وحی محمدی یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور نمایاں کرنے کے لیے اس کا علیحدہ بھی ذکر فرمادیا۔

۴. یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرمادیں۔ جیسا کہ نبی (ﷺ) کا بھی فرمان ہے کہ ”اسلام باقبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے“۔ (صحیح الجامع الصغیر لألبانی)

۵. بِالْأَهْلِ: کے معنی اُمُورُہُمْ، شَأْنُہُمْ، حَالُہُمْ، یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ انہیں معاصی سے بچا کر رشد و خیر کی راہ پر لگادیا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی۔ کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں، علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں، بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے نبی (ﷺ) نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ

۳۔ یہ اس لیے^(۱) کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے۔^(۲)

۴۔ تو جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار مارو۔^(۳) جب ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو،^(۴) (پھر اختیار ہے) کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر^(۵) تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔^(۶) یہی حکم ہے^(۷) اور اگر اللہ چاہتا

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْبَتْتُمُوهُمْ فَسُدُّوا أَلْوَانَكُمْ وَأَنَاقُوا مَاءَ الْيَمِّ بَعْدَ ذَلِكَ وَفَنَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذَٰلِكَ وَكُوِّنَ لِشِئَاءِ اللَّهِ لَكُم مِّنْهُم مَّا لَكِنْ لَّيْسَ لَكُم بِهِ مَكْرٌ بِبَعْضِ الْيَوْمِ الَّذِي تَعْتَلُونَ سَيَلَّ اللَّهُ مَكْرَ لَكُمْ يَصِلُ

۱۔ ذَٰلِكَ، یہ مبتدا ہے، یا خبر ہے مبتدا مخدوف کی آئی: الْأَمْرُ ذَٰلِكَ یہ اشارہ ہے ان وعیدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مومنوں کے لیے بیان ہوئے۔

۲۔ تاکہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز و فلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔

۳۔ جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کے بجائے، گردنیں مارنے کا حکم دیا، کہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدیر) ۴۔ یعنی زور دار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد، ان کے جو آدمی قابو میں آجائیں، انہیں قیدی بنالو اور مضبوطی سے انہیں جکڑ کر رکھو تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

۵۔ مَنْ کا مطلب ہے بغیر فدیہ لیے بطور احسان چھوڑ دینا اور فِدَاء کا مطلب، کچھ معاوضہ لے کر چھوڑنا ہے۔ قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا گیا جو صورت، حالات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔

۶۔ یعنی کافروں کے ساتھ جنگ ختم ہو جائے، یا مراد ہے کہ محارب دشمن شکست کھا کر یا صلح کر کے ہتھیار رکھ دے یا اسلام غالب آجائے اور کفر کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ صورت حال نہ ہو جائے، کافروں کے ساتھ تمہاری معرکہ آرائی جاری رہے گی جس میں تم انہیں قتل بھی کرو گے قیدیوں میں تمہیں مذکورہ دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ آیت منسوخ ہے اور سوائے قتل کے کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ اور امام وقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے، کافروں کو قتل کرے یا قیدی بنائے۔ قیدیوں میں سے جس کو یا سب کو چاہے بطور احسان چھوڑ دے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ (فتح القدیر)

۷۔ یا تم اسی طرح کرو، اِفْعَلُوا ذَٰلِكَ، یا ذَٰلِكَ حُكْمُ الْكُفَّارِ۔

اعمالِ اہم

تو (خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا،^(۱) لیکن (اس کا منشا یہ ہے) کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے کے ذریعہ سے لے لے،^(۲) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔^(۳)

۵. انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا۔^(۴)

۶. اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے۔^(۵)

۷. اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا^(۶) اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔^(۷)

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحْ بَالَهُمْ ①

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ رَافِقَهُمُ ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ نَصْرَ وَاللَّهِ يَنْصُرْكُمْ ③
وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ④

۱. مطلب کافروں کو ہلاک کر کے یا انہیں عذاب میں مبتلا کر کے۔ یعنی تمہیں ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔
۲. یعنی تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ سے آزمائے تاکہ وہ جان لے کہ تم میں سے اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں؟ تاکہ ان کو اجر و ثواب دے اور ان کے ہاتھوں سے کافروں کو ذلت و شکست سے دوچار کرے۔
۳. یعنی ان کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

۴. یعنی انہیں ایسے کاموں کی توفیق دے گا جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا۔

۵. یعنی جسے وہ بغیر رہنمائی کے پہچان لیں گے اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو از خود ہی اپنے اپنے گھروں میں جا داخل ہوں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں نبی ﷺ نے فرمایا (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ایک جنتی کو اپنے جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کہیں زیادہ علم ہوگا، جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا)۔ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الفصاص يوم القيامة)

۶. اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعہ سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہو گئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا تھا، انہوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انہیں بھی دنیا پر غالب فرمادیا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَبْغِي﴾ (الحج: ۴۰) (اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے)۔

۷. یہ لڑائی کے وقت ثَبِّتْ أَقْدَامِ یہ عبارت ہے موطنِ حرب میں نصر و معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسلام، یا پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

۸. اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکت ہو اور اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا۔

۹. یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے،^(۱) پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیے۔^(۲)

۱۰. کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟^(۳) اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔^(۴)

۱۱. وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔^(۵)

۱۲. جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور چوپایوں کے مانند کھا رہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ①

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ②

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهُمْ ③

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ④

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ⑤

۱. یعنی قرآن اور ایمان کو انہوں نے ناپسند کیا۔

۲. اعمال سے مراد، وہ اعمال ہیں جو صورتہ اعمال خیر ہیں لیکن عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔
۳. جن کے بہت سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بعض تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات اور آثار موجود تھے، اس لیے انہیں چل پھر کر ان کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔

۴. یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمہارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہو سکتی ہے؟ اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح، تمہیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جاسکتا ہے۔

۵. چنانچہ جنگ احد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے۔ مثلاً اَعْلَىٰ هُبْلَىٰ، اَعْلَىٰ هُبْلَىٰ، (ہبل بت کا نام بلند ہو) کے جواب میں اللہ اَعْلَىٰ وَاَجَلٌ، کافروں کے انہی نعروں میں سے ایک نعرہ لَنَا الْعَزَىٰ وَلَا عَزَىٰ لَكُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ (صحیح البخاری، غزوہ احد) ”اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا کوئی مددگار نہیں۔“

ہیں،^(۱) اور ان کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے۔

۱۳. اور کتنی بستیاں جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس سے تجھے نکالا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ہے، پھر ان کا کوئی مددگار نہ اٹھا۔

۱۴. کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے؟ جس کے لیے اس کا برا کام مزین کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟^(۲)

۱۵. اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں،^(۳) اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ

وَكَايِنَ مِّنْ قَرْيَةٍ أَشَدَّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْنَاكَ أَهْلُكَ هُمْ فَكَرًا صِرْ لَهُمْ^{۱۳}

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ كَذَّبَ نُزِينَ لَهُ سُوءٌ عَمَلُهُ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ^{۱۴}

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ

۱. یعنی جس طرح جانوروں کو پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصد زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے، جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیوں کہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔ احادیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے، جس سے کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔ دیکھیے زاد المعاد۔

۲. برے کام سے مراد، شرک و معصیت ہیں، مطلب وہی ہے جو پہلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن و کافر، مشرک و موحد اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر و ثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں، جب کہ دوسرے کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس جنت کی خوبیاں اور محاسن، جس کا وعدہ متقین سے ہے۔

۳. آمین کے معنی، متغیر۔ یعنی بدل جانے والا، غیر آسن نہ بدلنے والا۔ یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذائقے میں تبدیلی آ جاتی ہے جس سے وہ مضر صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہوگی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب پیو، تازہ، مفرح اور صحت افزا جب دنیا کا پانی خراب ہو سکتا ہے تو شریعت نے اسی لیے پانی کی بابت کہا ہے کہ یہ پانی اس وقت تک پاک ہے، جب تک اس کا رنگ یا بو نہ بدلے، کیونکہ رنگ یا بو متغیر ہونے کی صورت میں پانی ناپاک ہو جائے گا۔

مُصَّغًى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ لِمَنْ
رَزَقْنَاهُمْ مِنْهُ خَالِدِينَ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا
فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ^(۱۵)

نہیں بدلا،^(۱) اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں
کے لیے بڑی لذت ہے^(۲) اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت
صاف ہیں^(۳) اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں
اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ اس
کے مانند ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں
گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے
ٹکڑے کر دے گا۔^(۴)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ
عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ

۱۶۔ اور ان میں بعض (ایسے بھی ہیں) کہ تیری طرف
کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے

۱۔ جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گایوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا
ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا، بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لیے جس طرح
وہ نہایت لذیذ ہوگا، خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا۔

۲۔ دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بد مزہ اور بدبودار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم
حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول فول بکتا ہے اور اپنے جسم تک کا ہوش اسے نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین،
ڈالنے میں اعلیٰ اور نہایت خوشبودار ہوگی اور اسے پی کر کوئی انسان بے گناہ نہ کوئی گرانی محسوس کرے گا۔ بلکہ ایسی لذت
و فرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا میں ممکن نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿لَا يَجْعَلُونَ كَلِمَةً وَلَا يَسْمَعُونَ﴾
(الصافات: ۴۷) (نہ اس سے چکر آئے گا نہ عقل جائے گی)۔ مزید دیکھیے سورۃ الواقعة: ۱۹۔

۳۔ یعنی شہد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے، جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی
اندیشہ نہیں ہوگا۔ بالکل صاف شفاف ہوگا، کیونکہ یہ دنیا کی طرح کھپوں سے حاصل کردہ نہیں ہوگا، بلکہ اس کی بھی
نہیں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ (جب بھی تم سوال کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو
اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش
ہے)۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ)

۴۔ یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے کیا وہ ایسے جہنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال
ہوگا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک درجات میں ہوگا اور دوسرا درکات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں داد
طرب و عیش دے رہا ہوگا، دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہوگا۔ ایک اللہ کا مہمان ہوگا جہاں انواع و اقسام کی
چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ و کسیدا
کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔

جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی اور لاپرواہی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟^(۱) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

۱۷. اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔^(۲)

۱۸. تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے یقیناً اس کی علامتیں تو آچکی ہیں،^(۳) پھر جب کہ ان کے پاس قیامت آجائے تو انہیں نصیحت حاصل کرنا کیسے ممکن ہو گا؟^(۴)

۱۹. سو (اے نبی ﷺ) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں^(۵) اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور

انْفَعُوا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى ۖ وَالَّذِينَ تَقَوَّيْهُمْ ۝

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ ۝

فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُوا لِذَنبِكُمْ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ

۱. یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی، اس لیے نبی ﷺ کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آکر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟
۲. یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے۔

۳. یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قرب قیامت کی ایک علامت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے بھی فرمایا بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (صحیح البخاری تفسیر سورة النازعات) (میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے)۔ آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے ذرا سا آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ذرا سا بعد ہے۔
۴. یعنی جب قیامت اچانک آجائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے۔ ورنہ وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ ان کی توبہ بھی غیر مفید ہوگی۔

۵. یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں، کیونکہ یہی توحید اور اطاعت الہی، مدار خیر ہے اور اس سے انحراف یعنی شرک اور معصیت، مدار شر ہے۔

وَمَوْلَاكُمْ

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی،^(۱) اللہ تم لوگوں کی آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔^(۲)

۲۰. اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟^(۳) پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت^(۴) نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو،^(۵) پس بہت بہتر تھا ان کے لیے۔

۲۱. فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا۔^(۶) پھر جب کام

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ قَدْ آتَتْ
أَنْزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ
الْمُعْتَصِي عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْصَدَقُوا

۱. اس میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تَوْبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی ﷺ فی الیوم والليلة) (لوگو! بارگاہ الہی میں توبہ واستغفار کیا کرو، میں بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں)۔

۲. یعنی دن کو تم جہاں پھرتے اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے اور استقرار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

۳. جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین، جو جذبہ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

۴. یعنی ایسی سورت جو غیر منسوخ ہو۔

۵. یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گزرتا تھا، ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ شامل ہو جاتے تھے۔ سورہ نساء، آیت: ۷۷ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۶. یعنی حکم جہاد سے گھبرانے کے بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سب طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت، گستاخی کے بجائے، اچھی بات کہتے۔ یہ 'أُولَىٰ' بمعنی أَجْدَرُ (بہتر) ہے، جسے ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے اولیٰ کو تہدید و وعید کا کلمہ یعنی بددعا قرار دیا ہے۔ مَعْنَاهُ قَارِبَةٌ مَا يُهْلِكُهُ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے، ان کی بزدلی

اللَّهُ لَكَانَ خَيْرٌ لَّهُمْ ۝

مقرر ہو جائے،^(۱) تو اگر اللہ کے ساتھ سچے رہیں^(۲) تو ان کے لیے بہتری ہے۔^(۳)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوا اَرْحَامَكُمْ ۝

۲۲. اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو^(۴) اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاصْمَحْ لَهُمْ وَاَعْلٰى اَبْصَارُهُمْ ۝

۲۳. یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھینکا ہے اور جن کی ساعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔^(۵)

اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ اَنْ اَمَرَ عَلَىٰ قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

۲۴. کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔^(۶)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَلٰى اٰدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْهُدٰى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاٰتٰى لَهُمْ ۝

۲۵. جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح ہو چکی^(۷) یقیناً شیطان نے

اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ جملہ متنافہ ہوگا اور اس کی خبر مخدوف ہوگی خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (فتح القدر، اہل التفسیر)

۱. یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آجائے۔

۲. یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر، اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں، یا رسول کے سامنے رسول ﷺ کے ماتحت ہو کر لڑنے کا جو عہد کرتے ہیں، اس میں اللہ سے سچے رہیں۔

۳. یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ و اخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔

۴. ایک دوسرے کو قتل کر کے۔ یعنی اختیار و اقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ کیا ہے ”تم جہاد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو“ یعنی تم پھر زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تاکید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن کثیر)

۵. یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سننے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) اندھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمالِ سیدہ کا۔

۶. جس کی وجہ سے قرآن کے معانی و مفاہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

۷. اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنہوں نے جہاد سے گریز کر کے اپنے کفر و ارتداد کو ظاہر کر دیا۔

ان کے لیے (ان کے اعمال کو) مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔^(۱)

۲۶. یہ اس لیے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہا^(۲) کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں^(۳) میں تمہارا کہا مانیں گے، اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔^(۵)

۲۷. پس ان کی کیسی (درگت) ہوگی جب کہ فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گے۔^(۶)

۲۸. یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضا مندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔

۲۹. کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا۔^(۷)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا الَّذِيْنَ كَرِهُوا مَا تَكِلَ اللّٰهُ سُلٰطِيْعَهُمْ فِيْ بَعْضِ الْاُمُوْرَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

كَفَيْتَ اِذَا تَوَلَّوْا هُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يُصَوِّرُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاذْباْرَهُمْ ﴿٢٧﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اتَّبَعُوْا مَا اسَاطَتْ اللّٰهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَاحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَالَهُمْ ﴿٢٩﴾

۱. اس کا فاعل بھی شیطان ہے۔ یعنی مَدَّ لَهُمْ فِي الْاَمَلِ وَعَدَهُمْ طَوْلَ الْعُمَرِ یعنی انہیں لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں مبتلا کر دیا کہ ابھی تو تمہاری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گناتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انہیں ڈھیل دی۔ یعنی فوراً ان کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

۲. ”یہ“ سے مراد ان کا ارتداد ہے۔

۳. یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔

۴. یعنی نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔

۵. جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يَبْغُوْنَ﴾ (النساء: ۸۱) (ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے)۔

۶. یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انہیں پکڑتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورۃ انعام: ۹۳ اور سورۃ انفال: ۵۰ میں بھی گزر چکا ہے۔

۷. اَضْغَانٌ، ضِعْنٌ کی جمع ہے، جس کے معنی حسد، کینہ اور بغض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے

۳۰. اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا،^(۱) اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے پہچان لے گا،^(۲) تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں۔

۳۱. اور یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں۔^(۳)

۳۲. یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی وہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے۔^(۴) عنقریب وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے اعمال غارت کر دے گا۔^(۵)

۳۳. اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا

وَلَوْ نَشَاءُ لَكُنَّا لَهُمْ فَاعِرَةً لِّمَن يَشَاءُ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۖ وَنَبْلُوَنَّكُمْ أَعْيَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنُيَقِّضَنَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيُطِئُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

خلاف بغض و عناد تھا، اس کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟
۱. یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان دہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عیناً پہچان لیا جاتا۔ لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں۔ دوسرا اس نے انسانوں کو ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲. البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے اے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے۔ یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے، انسانوں کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اسے لاکھ چھپائے لیکن انسان کی گفتگو، حرکات و سکنات اور بعض مخصوص کیفیات، اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

۳. اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا وقوع اور ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے حَتَّىٰ تَعْلَمَ وَتُوقِعَهُ ہم اس کے وقوع کو جان لیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے لَنَرِي، تاکہ ہم دیکھ لیں۔ (ابن کثیر) اور یہی معنی زیادہ واضح ہے۔

۴. بلکہ اپنا ہی بیڑا غرق کریں گے۔

۵. کیونکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ ایمان و اخلاص ہی ہر عمل خیر کو اس قابل بناتا ہے کہ اس پر اللہ کے ہاں اسے اجر ملے۔

وَلَا تَبْتَغُوا أَجْزَالَكُمْ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ
مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝

فَلَا تَهْوُوا دُورَ عَوَالِي السَّلَامَةِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۝
وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَبْزِلَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۝

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَكُمْ دُورٌ تَوْمِيًّا
وَتَتَقَوُّوا بِوَيْرَتِكُمْ أَجُوزَكُمْ وَلَا يَسْتَلَكُمُ أَمْوَالُكُمْ ۝

مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔^(۱)

۳۴. بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے
اوروں کو روکا پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے (یقین
کرلو) کہ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

۳۵. پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ
جب کہ تم ہی بلند وغالب رہو گے^(۲) اور اللہ تمہارے ساتھ
ہے،^(۳) ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے۔^(۴)

۳۶. واقعی دنیوی زندگی تو صرف کھیل کود ہے^(۵) اور اگر
تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں
تمہارے اجر دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگتا۔^(۶)

۱. یعنی منافقین اور مرتدین کی طرح ارتداد و نفاق اختیار کر کے، اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔ یہ گویا اسلام پر استقامت کا
حکم ہے۔ بعض نے کبائر و فواحش کے ارتکاب کو بھی حیطہ اعمال کا باعث گردانا ہے۔ اسی لیے مومنین کی صفات میں ایک
صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے گناہ اور فواحش سے بچتے ہیں۔ (النجم: ۳۲) اس اعتبار سے کبائر و فواحش سے بچنے
کی اس میں تاکید ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو اگر اللہ اور
اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے۔

۲. مطلب یہ ہے کہ جب تم تعداد اور قوت و طاقت کے اعتبار سے دشمن پر غالب اور فائق تر ہو تو ایسی صورت میں کفار کے ساتھ
صلح اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو، بلکہ کفر پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ اللہ کا دین سر بلند ہو جائے۔ غالب و برتر ہوتے ہوئے کفر
کے ساتھ مصالحت کا مطلب، کفر کے اثر و نفوذ کے بڑھانے میں مدد دینا ہے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ
کافروں کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اجازت یقیناً ہے، لیکن ہر وقت نہیں۔ صرف اس وقت ہے جب مسلمان
تعداد میں کم اور وسائل کے لحاظ سے فروتر ہوں۔ ایسے حالات میں لڑائی کی بہ نسبت صلح میں زیادہ فائدہ ہے تاکہ مسلمان
اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھرپور تیاری کر لیں، جیسے خود نبی ﷺ نے کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ معاہدہ کیا تھا۔
۳. اس میں مسلمانوں کے لیے دشمن پر فتح و نصرت کی عظیم بشارت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو، اس کو کو شکست
دے سکتا ہے؟

۴. بلکہ وہ اس پر پورا اجر دے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

۵. یعنی ایک فریب اور دھوکہ ہے، اس کی کسی چیز کی بنیاد ہے نہ اس کو ثبات اور نہ اس کا اعتبار۔

۶. یعنی وہ تمہارے مالوں سے بے نیاز ہے۔ اسی لیے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت

۳۷۔ اگر وہ تم سے تمہارا مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس سے بخیل کرنے لگو گے اور وہ تمہارے کینے ظاہر کر دے گا۔^(۱)

۳۸۔ خبردار! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو،^(۲) تو تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیل کرتا ہے۔^(۳) اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو^(۴) اور اگر تم روگردان ہو جاؤ^(۵) تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے۔^(۶)

إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُفَكِّمُمْ تَبَخُلًا وَيُخْرِجْ أَصْغَانَكُمْ ۝

هَآئَكُمْ هَآؤَ لَآ تَدْعُونَ لِنُفْسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَحْمِلْ عَنْ نَفْسِهِ ۖ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۖ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَلَكُمْ ۝

- ۱۔ قلیل حصے کا یعنی صرف ڈھائی فی صد کا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے ہی بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔
- ۲۔ یعنی اگر ضرورت سے زائد کل مال کا مطالبہ کرے اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دے کر تو یہ انسانی فطرت ہے کہ تم بخل بھی کرو گے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض و عناد کا اظہار بھی۔ یعنی اس صورت میں خود اسلام کے خلاف بھی تمہارے دلوں میں عناد پیدا ہو جاتا کہ یہ اچھا دین ہے جو ہماری محنت کی ساری کمائی اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔
- ۳۔ یعنی کچھ حصہ زکوٰۃ کے طور پر اور کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔
- ۴۔ یعنی اپنے ہی نفس کو انفاق فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے۔
- ۵۔ یعنی اللہ تمہیں خرچ کرنے کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ وہ تمہارے مال کا ضرورت مند ہے۔ نہیں، وہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے، وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لیے تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس سے ایک تو تمہارے اپنے نفسوں کا تزکیہ ہو۔ دوسرا تمہارے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ تیسرا تم دشمن پر غالب اور برتر رہو۔ اس لیے اللہ کی رحمت اور مدد کے محتاج تم ہو نہ کہ اللہ تمہارا محتاج ہے۔
- ۶۔ یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔

۶۔ بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ”اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی لڑکا ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔“ (الترمذی، ذکرہ الألبانی فی الصحیحۃ: ۱۴/۳)

سُورَةُ الْمُنَجِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا

لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ
نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا

سورہ فتح مدنی ہے اور اس میں اُنٹیس آیتیں ہیں
اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. بے شک (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو ایک کھلی
فتح دی ہے۔

۲. تاکہ جو کچھ آپ کے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے
سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے،^(۱) اور تجھ پر اپنا احسان

☆ ۶۔ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اور ۱۴ سو کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم عمرے کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے، لیکن مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا، آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا تاکہ وہ رؤسائے قریش سے گفتگو کر کے انہیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند باتوں کا معاہدہ ہوا، جنہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نگاہ رسالت نے اس کے دور رس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے، کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری، جس میں صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا گیا چونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اور نبی ﷺ نے اس سورت کی بابت فرمایا کہ آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية وتفسير سورة الفتح)

۱. اس سے مراد ترک اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے فہم واجتہاد سے کیے، لیکن اللہ نے انہیں ناپسند فرمایا، جیسے عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ کا واقعہ ہے جس پر سورہ عبس کا نزول ہوا، یہ معاملات وامور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں، لیکن آپ ﷺ کی شان ارفع کے پیش نظر انہیں بھی کوتاہیاں شمار کر لیا گیا، جس پر معافی کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ لِيُغْفِرَ میں لام تعلیل کے لیے ہے۔ یعنی یہ فتح مبین ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت ذنوب کا سبب، اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا، جس سے آپ ﷺ کے اجر عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنات و بلندی درجات میں بھی۔

پورا کر دے^(۱) اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔^(۲)

۳. اور آپ کو ایک زبردست مدد دے۔

۴. وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں،^(۳) اور آسمانوں اور زمین کے (کل) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔^(۴) اور اللہ تعالیٰ دانا با حکمت ہے۔

۵. تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے^(۵) جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے، اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ۝

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُذْذُوا وَإِيمَانًا لَهُمْ وَأَمْرًا وَبِاللَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَلَكُمْ عَنْهُمْ سَبَابٌ كَثِيرٌ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قُورْءًا عَظِيمًا ۝

۱. اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو۔ یا فتح وغلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت یہی اتمام نعت ہے۔ (فتح القدیر)

۲. یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔

۳. یعنی اس اضطراب کے بعد، جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی، جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی پیش ہوتی ہے۔

۴. یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروا دے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کے بجائے مومنوں کو قتل وجہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت علیم و حکیم بیان فرمائی ہے۔ یا مطلب ہے کہ آسمان وزمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت وقوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر گروہ کو ہی دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کی مدد کا کام کسی بھی گروہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن کثیر والبر التاویر)

۵. حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۃ فتح کا ابتدائی حصہ سنا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ تَوَّابًا ۝۱۱۱ سے کہا ”آپ ﷺ کو مبارک ہو، ہمارے لیے کیا ہے؟“ جس پر اللہ نے آیت لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ نازل فرمادی (صحیح البخاری، باب غزوة الحديبية) بعض کہتے ہیں کہ یہ لِيُذْذُوا وَإِيمَانًا يَنْصُرَكَ سے متعلق ہے۔

۶. اور تاکہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں،^(۱) (در اصل) انہیں پر برائی کا پھیرا ہے،^(۲) اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار کی اور وہ (بہت) بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

۷. اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔^(۳)

۸. یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

۹. تاکہ (اے مسلمانو)، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام۔

۱۰. بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں،^(۴) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے،^(۵) تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی

وَلَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْمُشْرِكَاتُ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظُنَّ السُّوءَ عَلَيْهِمْ
ذِكْرُ السُّوءِ وَعَذِيبُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ
وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

وَلِلَّهِ جُودُ السُّلُوتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝

لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَفُّوهُ
وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ رَاسُ الْمِيثَاقِ
فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَدِهِ يَكُونُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ
أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَنْ يَسِيئْ يَأْخُذْ بِالْأُخْرَى ۝

۱. یعنی اللہ کو اس کے حکموں پر متمم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی یہ جس گردش، عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے منتظر ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔
۳. یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت ان کو جتنی چاہے مہلت دے دے۔

۴. یعنی یہ بیعت دراصل اللہ ہی کی ہے، کیونکہ اسی نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفوس اور مالوں کا جنت کے بدلے اللہ کے ساتھ سودا ہے۔ (التوبة: ۱۱۱) یہ اسی طرح ہے جیسے ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)

۵. آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر ان کا انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود ۱۴ یا ۱۵ سو مسلمانوں سے لی تھی۔

کرتا ہے^(۱) اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے^(۲) تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔

۱۱. دبہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور بال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔^(۳) یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔^(۴) آپ جواب دے دیجیے کہ تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے^(۵) تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے^(۶) تو، بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْنَا يَقُولُونَ
يَا لَيْسَتْ لَهُم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَبْلُغُ
لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ
نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا^(۱۱)

۱. نَكْتُ (عہد شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا توڑ دینا یعنی عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے۔ یعنی جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

۲. کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح وغلبہ عطا فرمادے۔

۳. اس سے مدینہ کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جبینہ، اسلم اور دکل مراد ہیں۔ جب نبی ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے مکہ جانے کی عام منادی کرا دی۔ مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جاسکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت مکہ جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرما رہا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے طلب مغفرت کی التجائیں کریں گے۔

۴. یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی گمرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا، لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا، نفاق اور اندیشہ موت کی وجہ سے تھا۔

۵. یعنی اگر اللہ تمہارے مال ضائع کرنے اور تمہارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔

۶. یعنی تمہیں مدد پہنچانا اور تمہیں غنیمت سے نوازنا چاہیے۔ تو کوئی روک سکتا ہے؟ یہ دراصل مذکورہ متخلفین (پیچھے

اللہ خوب باخبر ہے۔^(۱)

۱۲. (نہیں) بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا۔^(۲) دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاک ہونے والے۔^(۳)

۱۳. اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

۱۴. اور زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔^(۴)

۱۵. جب تم غنیمتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجیے،^(۵) وہ چاہتے ہیں کہ

بَلْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ كُنْ تَقْبَلُ الرِّسُولَ وَالْمُؤْمِنُونَ اِلَى اَهْلِيهِمْ اَبَدًا وَذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنُّكُمْ طَرَفٌ السَّوْءُ وَكُنْتُمْ قَوْمًا لُّوْرًا^(۱)

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَعِيْرًا^(۲)

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَعْلَمُ مَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا^(۳)

سَيَقُوْلُ الْخٰفِقُوْنَ اِذَا اُنْظِلُّوْا اِلٰى مَعٰرِمٍ لِّتَاْخُذُوْهَا ذُرُوْرًا تَكْفَعُوْكُمْ يُّرِيْدُوْنَ اَنْ يُبَيِّدُوْا كَلِمَ اللّٰهِ قُلْ لَنْ تَكْفَعُوْا

رہ جانے والوں) کا رد ہے جنہوں نے گمان کر لیا تھا کہ وہ اگر نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے۔ حالانکہ نفع و ضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۱. یعنی تمہیں تمہارے اعمال کی پوری جزاء دے گا۔

۲. اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔

۳. بُؤْرًا، بَآئِرًا کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدر ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں تو بچ کر نہیں جاسکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتنا ہوگا۔

۴. اس میں متخلفین کے لیے توبہ و اناہت الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا، وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

۵. اس میں غزوہ خیبر کا ذکر ہے جس کی فتح کی نوید اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہوگا وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کی وجہ سے خیبر پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ متخلفین

كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلِ مَنِيْقُوْنٌ
بَلْ تَصُدُّوْنَ عَنَّا بَلْ كَاْنُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ
اِلَّا قَوْلًا ۝

اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں^(۱) آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے،^(۲) وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو،^(۳) (اصل بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔^(۴)

قُلْ لِلْمُخَلِفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتَدْعُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ
اَوَّلٰى بَابٍ شَدِيْدٍ نُّقَاتِلُوْهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ اِنْ
يُطِيعُوْا يُوْثِقُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَّاِنْ تَنْتَوٰكُومَا
تَوَلَّيْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ يَحْدِثَ بَكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

۱۶. آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدوؤں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے^(۵) پس اگر تم اطاعت کرو گے^(۶) تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا^(۷) اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔^(۸)

نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جسے منظور نہیں کیا گیا۔ آیت میں مغنم سے مراد مغنم خیر ہی ہیں۔

۱. اللہ کے کلام سے مراد، اللہ کا خیر کی غنیمت کو اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔

۲. یہ نفی بمعنی نفی ہے یعنی تمہیں ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔

۳. یعنی یہ متخلفین کہیں گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تاکہ مال غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں۔

۴. یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں، بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے۔ لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

۵. اس جنگجو قوم کی تعین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً ہوازن یا ثقیف، جن سے حنین کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا مسیلہ الکذاب کی قوم بنو حنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے مجوسی و عیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمہیں بلایا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری اور ان کی جنگ ہوگی۔

۶. یعنی خلوص دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

۷. دنیا میں غنیمت اور آخرت میں پچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔

۸. یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے سے گریز کیا تھا، اسی طرح اب بھی تم جہاد

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمُرْغَبِ حَرْجٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَتَوَلَّ يَدَّ بِنُ عَذَابِ اللَّهِ عَظِيمًا

۱۷. اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے،^(۱) جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا۔

۱۸. یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔^(۲) ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا^(۳) اور ان پر اطمینان نازل فرمایا^(۴) اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔^(۵)

۱۹. اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں

لَقَدْ رَفَعَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَايَعُواكَ عَنَتَ الشَّجَرَةِ فَهَلُمَّ مَافِي فَلَوْ يَهْمُ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنَابَهُمْ فَتَضَافَرُوا

وَمَعَانِهِمْ كَثِيرَةً يُأْخَذُونَ بِهَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ

سے بھاگو گے، تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمہارے لیے تیار ہے۔

۱. بصارت سے محرومی اور لنگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری۔ یہ دونوں عذر تو لازمی ہیں۔ ان اصحاب عذر یا ان جیسے دیگر معذورین کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حرج کے معنی گناہ کے ہیں ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں، وہ عارضی عذر ہیں، جب تک وہ واقعی بیمار ہے، شرکت جہاد سے مستثنیٰ ہے۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

۲. یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضائے الہی اور ان کے پکے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ ۳. یعنی ان کے دلوں میں جو صدق و صفا کے جذبات تھے، اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ منافق تھے۔

۴. یعنی وہ نہتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تاہل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر و سکینت ان پر نازل فرمادی جس کی بنا پر انہیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔

۵. اس سے مراد وہی فتح خیبر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا، اور حدیبیہ سے واپسی پر مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

حَکِيمًا ۵

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَعَانِهِ كَثِيرَةً تَأْخُذُ وَنَهَا فَعَجَلْ لَكُمْ
هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ الثَّامِنِ عَنْكُمْ وَلَيَكُنْ آيَةً
لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۶

وَإِغْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ
بَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۷

وَكُوَفَّا قِتْلَكُمْ الْإِنِّينَ كَفَرُوا وَلَوْ كُنُوا
لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۸

گے^(۱) اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

۲۰. اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے^(۲) جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرمادی^(۳) اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے،^(۴) تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی ہو جائے^(۵) اور (تاکہ) وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے۔^(۶)

۲۱. اور تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے^(۷) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۲. اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار۔^(۸)

۱. یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خیر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کا مال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔
۲. یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں۔
۳. یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ، کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہو گئیں۔
۴. حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیبر میں یہودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیے، یعنی ان کے حوصلہ پست کر دیے اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔
۵. یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگالیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظ اور دشمنوں پر ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا، تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی ہے۔
۶. یعنی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمہیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔
۷. یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح چار دیواری کر کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی بابت بے فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو اپنے حیطہ اقتدار میں لیا ہوا ہے۔ یعنی گو ابھی تمہاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے۔ لیکن اللہ نے انہیں تمہارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا، تمہیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا، جس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے احاطہ کے معنی علم کے کیے ہیں، یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ علاقے بھی تم فتح کرو گے۔
۸. یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار

۲۳. اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے،^(۱) اور تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

۲۴. اور وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا،^(۲) اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

۲۵. یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے لیے موقوف جانور کو اس کی قربان گاہ میں پہنچنے سے (روکا)،^(۳) اور اگر ایسے (بہت

سُئِيَ اللَّهُ الَّتِي دَخَلْتَ مِنْ قَبْلُ وَلَكِنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

وَهُوَ الَّذِي لَعَنَ آيِدِيَهُمْ عَنْهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ حِلَّكَ وَلَوْلَا رِجَالُ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ

کرتے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمہاری مدد کرتے اور ہمارے مقابلے میں کس کو ٹھہرنے کی طاقت ہے؟

۱. یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پہلے سے چلی آ رہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرما کر حق کو سر بلندی عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمہاری مدد کی گئی۔

۲. جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے ۸۰ آدمی، جو ہتھیاروں سے لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انہیں موقع مل جائے تو دھوکے سے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کاروائی کریں چنانچہ یہ مسلح جتھہ جبل تنعیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا، جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہو گیا اور انہوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ ان کا جرم تو شدید تھا اور ان کو جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی۔ لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی۔ جب کہ نبی ﷺ اس موقع پر جنگ کے بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب کو معاف کر کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول اللہ تعالیٰ وهو الذی کف ایڈیبہم عنکم) بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے۔ یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمہیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا۔ یہ اللہ نے احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔

۳. ہڈی اس جانور کو کہا جاتا ہے جو حیا یا معتر (عمرہ کرنے والا) اپنے ساتھ مکہ لے جاتا تھا۔ یا وہیں سے خرید کر ذبح کرتا تھا مَحِلَّ (حلال ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے جاہلیت کے زمانے میں یہ مقام معتر کے لیے مروہ پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منیٰ تھا۔ اور اسلام میں ذبح کرنے کی جگہ مکہ، منیٰ اور پورے حدود حرم ہیں۔ مَعْكُوفًا، حال ہے۔ یعنی یہ جانور اس انتظار میں رکے ہوئے تھے کہ مکہ میں داخل ہوں

فَصَبِّحْهُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةً يُعَدِّرْهُمْ لِيَدْخُلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۵﴾

سے) مسلمان مرد اور (بہت سی) مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی ^(۱) یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا، ^(۲) (تو تمہیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی ^(۳) لیکن ایسا نہیں کیا گیا) ^(۴) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔ ^(۵)

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا

۲۶۔ جب کہ ^(۱) ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی ^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقوے کی بات پر

تاکہ انہیں قربان کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں نے ہی تمہیں بھی مسجد حرام سے روکا اور تمہارے ساتھ جو جانور تھے، انہیں بھی اپنی قربان گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔

۱۔ یعنی مکہ میں اپنا ایمان چھپائے رہ رہے تھے۔

۲۔ کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں ممکن تھا کہ یہ بھی مارے جاتے اور تمہیں ضرر پہنچتا، مَعْرَةً کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد کفارہ اور وہ برائی اور شرمندگی ہے جو کافروں کی طرف سے تمہیں اٹھانی پڑتی۔ یعنی ایک تو قتل خطا کی دیت دینی پڑتی اور دوسرا کفار کا یہ طعنہ سہنا پڑتا کہ یہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔

۳۔ یہ لولا کا محذوف جواب ہے۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمہیں مکہ میں داخل ہونے کی اور قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔

۴۔ بلکہ اہل مکہ کو مہلت دے دی گئی تاکہ جس کو اللہ چاہے قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

۵۔ تَزَيَّلُوا بمعنی تَمَيَّزُوا ہے مطلب یہ ہے کہ مکہ میں آباد مسلمان، اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے، تو ہم تمہیں اہل مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دیتے اور تمہارے ہاتھوں ان کو قتل کرواتے اور اس طرح انہیں دردناک سزا دیتے۔ عذاب الیم سے مراد یہاں قتل، قیدی بنانا اور قہر وغلبہ ہے۔

۶۔ إِذْ کا ظرف یا تو لَعَذَّبْنَا ہے یا وَادَّكُرُوا محذوف ہے۔ یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کہ ان کافروں نے.....

۷۔ کفار کی اس حمیت جاہلیہ (عار اور غرور) سے مراد اہل مکہ کا مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ انہوں

نے کہا کہ انہوں نے ہمارے بیٹوں اور باپوں کو قتل کیا ہے۔ لات و عزریٰ کی قسم ہم انہیں کبھی یہاں داخل نہیں ہونے دیں گے یعنی انہوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنالیا۔ اسی کو حمیت جاہلیہ کہا گیا ہے، کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجاتی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر مکہ جانے پر اصرار کرتے، جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی، اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی یعنی انہیں صبر و تحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ میں ہی ٹھہرے رہے جوش اور جذبے میں آکر مکہ جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حمیت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انہوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاہدہ دونوں مسلمانوں کے لیے بظاہر ناقابل برداشت تھا۔ لیکن انجام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرمادیا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کر لی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دید۔ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا۔ انہوں نے اس پر اعتراض کر دیا کہ رحمن، رحیم کو ہم نہیں جانتے۔ ہمارے ہاں جو لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ یعنی بِاسْمِکَ اللّٰہِ (اے اللہ تیرے نام سے) لکھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی طرح لکھوایا۔ پھر آپ ﷺ نے لکھوایا ”یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے“ قریش کے نمائندوں نے کہا، اختلاف کی بنیاد تو آپ ﷺ کی رسالت ہی ہے، اگر ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑا ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ ﷺ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ ﷺ یہاں ”محمد رسول اللہ“ کی جگہ ”محمد بن عبد اللہ“ لکھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دید۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نہایت اشتعال انگیز صورت حال تھی، اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ مٹانے اور کاٹنے سے انکار کر دیا، تو نبی کریم ﷺ نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد خود آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد اس معاہدے یا صلح نامے میں تین باتیں لکھی گئیں۔ (۱) اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ (۲) جو مسلمان اہل مکہ سے جا ملے گا، وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ (۳) مسلمان آئندہ سال مکہ میں آئیں گے اور یہاں تین دن قیام کر سکیں گے، تاہم انہیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ) اور اس کے ساتھ دو باتیں اور لکھی گئیں۔ (۱) دس سال لڑائی موقوف رہے گی۔ (۲) قبائل میں سے جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ اور جو چاہے قریش کے ساتھ ہو جائے۔

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

جمائے رکھا^(۱) اور وہ اس کے اہل اور زیادہ مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۲۷۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے سرمندواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے (چین کے ساتھ) نڈر ہو کر،^(۲) وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے،^(۳) پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی۔^(۴)

۲۸۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے،^(۵) اور

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ أَحْرَافًا إِنَّ شَاءَ اللَّهُ الْإِيمَانُ يَحْلِفُونَ لَا يُخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَعَجَلْ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتَحًا قَرِيبًا ۝

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكُنِيَ بِاللَّهِ

۱۔ ان سے مراد کلمہ توحید و رسالت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ہے، جس سے حدیبیہ والے دن مشرکین نے انکار کیا (ابن کثیر) یا وہ صبر و وقار ہے جس کا مظاہرہ انہوں نے حدیبیہ میں کیا یا وہ ایفائے عہد اور اس پر ثبات ہے جو تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ (فتح القدیر)۔

۲۔ واقعہ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف و عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ نبی کا خواب بھی بمنزلہ وحی ہی ہوتا ہے۔ تاہم اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہوگا، لیکن نبی ﷺ اور مسلمان، اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے، عمرے کے لیے فوراً ہی آمادہ ہو گئے اور اس کے لیے عام منادی کرا دی گئی اور چل پڑے۔ بالآخر حدیبیہ میں وہ صلح ہوئی، جس کی تفصیل ابھی گزری، دراصل حالیکہ اللہ کے علم میں اس خواب کی تعبیر آئندہ سال تھی، جیسا کہ آئندہ سال مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ یہ عمرہ کیا اور اللہ نے اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

۳۔ یعنی اگر حدیبیہ کے مقام پر صلح نہ ہوتی تو جنگ سے مکہ میں مقیم کمزور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا، صلح کے ان فوائد کو اللہ ہی جانتا تھا۔

۴۔ اس سے فتح خیبر و فتح مکہ کے علاوہ، صلح کے نتیجے میں جو بکثرت مسلمان ہوئے وہ بھی مراد ہے، کیونکہ وہ بھی فتح کی ایک عظیم قسم ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس کے دو سال بعد جب مسلمان مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

۵۔ اسلام کا یہ غلبہ دیگر ادیان پر دلائل کے لحاظ سے تو ہر وقت مسلم ہے۔ تاہم دنیوی اور عسکری لحاظ سے بھی قرون اولیٰ اور اس کے مابعد عرصہ دراز تک، جب تک مسلمان اپنے دین پر عامل رہے انہیں غلبہ حاصل رہا، اور آج بھی یہ مادی غلبہ ممکن ہے بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں ﴿وَأَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹) (اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو) یہ دین غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

شَهِيدًا ۝

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
وَحَمَّاءُ بَيْنَهُمْ يَرَوْنَهُمْ كَعَصْبٍ جَدِيدٍ يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّنْ
اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِّيَمْلَأَهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ
ذَٰلِكَ مَتْلُفُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَتْلُفُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَذَّبَ
أَحْزَبٌ شَطَطًا فَالَّذِرَّةُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَى
سُقُوطِهِ يُعْجِبُ الرُّزَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً
وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا۔

۲۹. محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے
ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو
انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ
کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان
ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی
مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ^(۱) اس
کھیتی کے مانند جس نے اپنا اکھوا نکالا ^(۲) پھر اسے مضبوط
کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور
کسانوں کو خوش کرنے لگا ^(۳) تاکہ ان کی وجہ سے کافروں
کو چڑائے، ^(۴) ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے
اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ ^(۵)

۱. انجیل پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہی خوبیاں
تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور آگے کَزْرَع میں اس سے پہلے ہُمْ محذوف ہوگا۔ اور بعض فی التَّوْرَةِ پر وقف
کرتے ہیں یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور ﴿وَمَتْلُفُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ کو کَزْرَع کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی انجیل
میں ان کی مثال، مانند اس کھیتی کے ہے۔ (فتح القدیر)

۲. شَطَطًا سے پودے کا وہ پہلا ظہور ہے جو دانہ پھاڑ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔

۳. یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتداء میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہو گئے، جیسے کھیتی،
ابتداء میں کمزور ہوتی ہے، پھر دن بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط تنے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔

۴. یا کافر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افزوں قوت و طاقت،
کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔ اس
آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ علاوہ
ازیں اس فرقہء ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔

۵. اس پوری آیت کا ایک ایک جزء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے،
اس کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے مسلمانی
میں سچا سمجھا جاسکتا ہے؟

سورۃ حجرات مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے
آگے نہ بڑھو^(۱) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ
سننے والا، جاننے والا ہے۔

۲۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر
نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے
آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ
ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی
نہ ہو۔^(۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصِدُوا آيَةَ اللّٰهِ
وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ
لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

☆۔ یہ طویل مفصل میں پہلی سورت ہے۔ حجرات سے نازعات تک کی سورتیں طَوَالُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں۔ بعض نے
سورۃ ق کو پہلی سورت قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر، فتح البدر) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور عین سے سورۃ
الشس تک اَوْسَاطُ مُفَصَّلٍ اور سورۃ ضحیٰ سے والناس تک قِصَارُ مُفَصَّلٍ ہیں۔ ظہر اور عشاء میں اوساط اور مغرب میں
تصار پڑھنی مستحب ہیں۔ (البدر القاسم)

۱۔ اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو، بلکہ اللہ اور
رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد، اللہ اور رسول ﷺ سے آگے بڑھنے
کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ، قرآن و حدیث میں غور و فکر کے
بغیر نہ دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہونا واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں
دیے گئے حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے سامنے سر تسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے
نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

۲۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔
پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند
نہ ہو۔ دوسرا ادب، جب خود نبی ﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ
کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے
کہ یا محمد، یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب و احترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے

إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَمْرًا عَنْهُمْ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۵﴾

۳. بیشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں
اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے
دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان
کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔^(۱)

إِنَّ الَّذِينَ يُبَادُونَكَ مِنَ زُرَّاءِ الْحُجُرَاتِ أَتَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶﴾

۴. بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے
ہیں ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔^(۲)

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷﴾

۵. اور اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود
سے نکل کر ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لیے بہتر
ہوتا،^(۳) اور اللہ غفور و رحیم ہے۔^(۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا
أَنْ تُبَيِّنُوا قَوْلًا بَيِّنًا لِّمَا قَالُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ

۶. اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم
اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو^(۵) ایسا نہ ہو کہ نادانی میں

تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمہارے عمل برباد ہو سکتے ہیں اس آیت کی شان نزول کے لیے دیکھیے
صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحجرات، تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔

۱. اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے۔
۲. یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے بعض اعرابوں (گنوار قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز
دوپہر کے وقت، جو کہ نبی ﷺ کے قبولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی
آوازیں لگائیں تاکہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند أحمد: ۳/۳۸۸-۳۹۳/۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی اکثریت
بے عقل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب و احترام کے تقاضوں کا خیال
نہ رکھنا، بے عقلی ہے۔

۳. یعنی آپ ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ ﷺ کو ندا دینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں لحاظ
سے بہتر ہوتا۔

۴. اس لیے مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تاکید فرمادی۔

۵. یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ
نے بنو المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے آکریوں ہی رپورٹ دے دی کہ انہوں
نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا، تاہم پھر پیہ لگ گیا کہ
یہ بات غلط تھی اور ولید رضی اللہ عنہ تو وہاں گئے ہی نہیں۔ لیکن سند اور امر واقعہ دونوں اعتبار سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

نَدِيبِينَ ﴿۱﴾

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ﴿۲﴾

کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔
۷۔ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں،^(۱) اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیں، تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنادیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔

۸۔ اللہ کے احسان و انعام سے^(۲) اور اللہ دانا اور با حکمت ہے۔
۹۔ اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو۔^(۳) پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف

فَضَّلَ مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۳﴾
وَلَنْ تَلْفَنَّاكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَقْبَلْتُمَا
فَاصْلِحَا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَعَثَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ
فَقَاتِلُوا النَّبِيَّ تَبَعِي حَتَّى تَفْعَلَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ
فَارَكْتَ فَاصْلِحَا إِنَّهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسَطُ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۴﴾

اس لیے اسے ایک صحابی رسول ﷺ پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ تاہم شان نزول کی بحث سے قطع نظر اس میں ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

۱۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ان پر وحی اترتی ہے۔ پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو۔ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری پسند کی باتیں ماننا شروع کردیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكُمْ سَبِيلَ اللَّهِ﴾ (المؤمنون: ۷۸) (اور اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے)۔

۲۔ یہ آیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

۳۔ اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

لوٹ آئے،^(۱) اگر لوٹ آئے تو پھر عدل کے ساتھ صلح کرادو^(۲) اور انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۳)

۱۰۔ (یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو،^(۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔^(۵)

۱۱۔ اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَأَقْضُوا لِلَّهِ لَكُمْ تُرْجِحُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ
يَكُونُوا خَيْرًا مِنْكُمْ وَلَا نِسَاءً مِنْ نِسَاءِ عَسَىٰ أَنْ

۱۔ یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو، بلکہ بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

۲۔ یعنی باغی گروہ، بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرادی جائے۔

۳۔ اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزاء سے نوازے گا۔

۴۔ یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے۔ یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انہیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھیے سورہ توبہ، آیت ۱۰۱ کا حاشیہ)

۵۔ اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ تَرْجَى (امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

اس آیت میں باغی گروہ سے قتال کا حکم ہے درآں حالیکہ حدیث میں مسلمان سے قتال کو کفر کہا گیا ہے۔ تو یہ کفر اس وقت ہوگا جب بلاوجہ مسلمان سے قتال کیا جائے۔ لیکن اس قتال کی بنیاد اگر بغاوت ہے تو یہ قتال نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جو تاکید اور استنباب پر دال ہے۔ اسی طرح باغی گروہ کو قرآن نے مومن ہی قرار دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بغاوت سے، جو کبیرہ گناہ ہے، وہ گروہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبائر ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔

ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں،^(۱) اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ^(۲) اور نہ کسی کو برے لقب دو۔^(۳) ایمان کے بعد فسق برا نام ہے،^(۴) اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

۱۲۔ اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔^(۵) اور بھید نہ

يَكُنْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ
وَلَا تَنَابَزُوا بِاللُّغَابِ بِغَيْرِ اسْمٍ فَسَوْفَ يُعَذِّبُ
الْإِيمَانَ وَمَنْ يَكُ يَدْبُ قَوْلُكَ هُمْ الظَّالِمُونَ^(۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ
بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم

۱۔ ایک شخص، دوسرے کسی شخص کا استہزاء یعنی اس سے مسخر اپن اسی وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان و عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس لیے اپنے کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ بنا بریں آیت میں اس سے منع فرما دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کو حقیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (ابوداؤد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر) اور کبر اللہ کو نہایت ہی ناپسند ہے۔ ۲۔ یعنی ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو، مثلاً تو تو فلاں کا بیٹا ہے، تیری ماں ایسی ولمی ہے، تو فلاں خاندان کا ہے نا وغیرہ۔ ۳۔ یعنی اپنے طور پر استہزاء اور تحقیر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انہیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تناہز بالالغاب ہے، جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔

۴۔ یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے نام تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے خطاب کرنا، مثلاً اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ، یہ بہت برا کام ہے۔ الاسْمُ یہاں الذِّكْرُ کے معنی میں ہے یعنی بَشَرِ الْاسْمِ الَّذِي يُذَكَّرُ بِالْفُسُوقِ بَعْدَ دُخُولِهِمْ فِي الْإِيمَانِ (فتح القدیر) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لیے مشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنا پر کالا یا کالو مشہور ہو جائے۔ وغیرہ (قرطبی)

۵۔ ظنُّ کے معنی ہیں گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل اصلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تہمت و افتراء کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو أَكْذَبُ الْحَدِيثِ (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب یاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیرًا مِّنَ الظَّنِّ۔ صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظن والتجسس) ورنہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گناہوں پر بدگمانی رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا

بَعْضًا أَحَبُّ أَحَدٍمِّنْ يَأْكُلُ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَكُّبٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶﴾

ٹٹولا کرو^(۱) اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔^(۲) کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،^(۳) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِن دَرٍّ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۷﴾

۱۳۔ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے^(۴) اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کہنے اور قبیلے بنادیے ہیں،^(۵) اللہ کے

گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ الْقَبِيحُ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْقَبِيحُ۔ (القرطبي)

۱۔ یعنی اس ٹوہ میں رہنا کہ کوئی خامی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی خامی، کوتاہی تمہارے علم میں آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔ نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو، بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک، جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو گیا ہے۔

۲۔ غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں۔

۳۔ یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

۴۔ یعنی آدم و حوا عليهما السلام سے۔ یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم عليه السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔

۵۔ شُعُوبٌ، شَعْبٌ کی جمع ہے۔ برادری یا بڑا قبیلہ شعب کے بعد قبیلہ، پھر غمارہ، پھر بطن، پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہے (فتح القدر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ تاکہ آپس میں

نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔^(۱) یقیناً مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

۱۴۔ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے) حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔^(۲) تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۵۔ مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔^(۳)

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ^(۱)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا وَجْهَهُدُوا يَأْمُرُ اللَّهُمَّ وَانْقَبَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ^(۲)

صلیہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے۔ جیسا کہ بد قسمتی سے حسب و نسب کو برتری کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے اگر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

۱۔ یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علماء کی دلیل ہے جو نکاح میں کفالت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

۲۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنہوں نے خط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (بخ اللہ) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ لیکن دعویٰ انہوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انہیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔

۳۔ نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

۱۶. کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دہنداری سے آگاہ کر رہے ہو، ^(۱) اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ^(۲)

۱۷. اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی، اگر تم راست گو ہو۔ ^(۳)

۱۸. یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔

قُلْ أَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يُعَلِّمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِحَيْثُ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

۱. تعلیم، یہاں اعلام اور اخبار کے معنی میں ہے۔ یعنی آمنا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین و ایمان سے آگاہ کر رہے ہو؟ یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتلا رہے ہو؟

۲. تو کیا تمہارے دلوں کی کیفیت پر یا تمہارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

۳. یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کی مدد کی، جب کہ دوسرے عرب آپ ﷺ سے برسر پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا، تم اللہ پر اسلام لانے کا احسان مت جتلاؤ، اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا، نہ کہ اللہ کو۔ اس لیے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمہارا احسان اللہ پر ہے۔

سورۃ ق کی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ

بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هَٰذَا سَیِّئٌ عَجِیْبٌ

اَلَا اَمَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا کِتٰبٌ حَفِیْظٌ

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَمَنْ ذِیْ اَمْرِ فِیْهِمْ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ق بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔^(۱)

۲. بلکہ انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے۔^(۲)

۳. کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے۔^(۳)

۴. زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔^(۴)

۵. بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جب کہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی پس وہ ایک الجھاؤ میں

☆ نبی ﷺ عید کی نماز میں سورۃ ق اور اقتربت الساعة پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، باب ما یقرأ بہ فی صلاۃ العیدین) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے مجموعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث و نشور، معاد و قیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب و عتاب اور ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔ ۱. اس کا جواب قسم محذوف ہے لَتَعْلَمُنَّ (تم ضرور قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں اس کا جواب ما بعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدیر وائین کثیر)

۲. حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

۳. حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

۴. یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انہیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

پڑ گئے ہیں۔^(۱)

۶. کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے^(۲) اور زینت دی ہے^(۳) اس میں کوئی شکاف نہیں۔^(۴)

۷. اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگادی ہیں۔^(۵)

۸. تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔^(۶)

۹. اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔^(۷)

۱۰. اور کھجوروں کے بلند وبالا درخت جن کے خوشے تہ

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝

وَالْأَرْضِ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَجَلَّاسْنَاهَا بِمَنْ كُلِّ ذَوْجٍ لَّيْهٍ ۝

تَبَعْرَةً وَذُكْرَى لِلْحُلِّ عِبْدٌ مُّسَبِّحُونَ ۝

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا لِهٖ جَدَّتٍ وَحَبَّ الْحُمَيْدِ ۝

وَالنَّخْلُ لِيُسْقَىٰ لَهَا طَلْعٌ مُّضَيَّدٌ ۝

۱. حَقُّ (سچی بات) سے مراد قرآن، اسلام یا نبوت محمدیہ ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے مَرِیج کے معنی مختلط، مضطرب یا ملتبس کے ہیں۔ یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادوگر کہتے ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

۲. یعنی بغیر ستون کے، جن کا اسے کوئی سہارا ہو۔

۳. یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

۴. اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوتٍ فَإِذْ جَعَلَ الْبَصَرَ كُلًّا لِّتَىٰ مِنْ فُطُورٍ * ثُمَّ رَاجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ حَاسِبًا وَهُوَ حَسِيبٌ﴾۔ (الملك: ۳-۴)

۵. اور بعض نے زوج کے معنی جوڑا کیے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیاء کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ بَهِیج کے معنی، خوش منظر، شاداب اور حسین۔

۶. یعنی آسمان وزمین کی تخلیق اور دیگر اشیاء کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

۷. کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں، جن سے گندم، کئی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

بہ تہ ہیں۔^(۱)

۱۱. بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبروں سے) نکلتا ہے۔^(۲)

۱۲. ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور رس والوں^(۳) نے اور ثمود نے جھٹلایا۔

۱۳. اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط (علیہ السلام) نے۔

۱۴. اور ایکہ^(۴) والوں نے اور تبع کی قوم^(۵) نے (بھی) تکذیب کی تھی (سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا)^(۶) پس میرا وعدہ عذاب ان پر صادق آگیا۔

رَبُّكَ لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا لَهُ بَلَدًا مِّمَّا كَذَّبَتْ
الْقُرُونُ^①

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ^②

وَعَادُ وَفِرْعَوْنُ وَآخُوتَانُ لُوطُ^③

وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ ثَعْلَبٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرَّسْلَ
فَحَقَّ وَعِيدُ^④

۱. بَاسِقَاتِ کے معنی طَوَّالًا شَاحِقَاتِ، بلند و بالا طَلْعُ کجور کا وہ گدرا گدرا پھل، جو پہلے پہل نکلتا ہے۔ نَصِيدُ کے معنی تہ بہ تہ۔ باغات میں کجور کا پھل بھی آجاتا ہے۔ لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

۲. یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔

۳. أَصْحَابُ الرَّسِّ کی تعین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انہیں اصحاب اُحدود قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر سورہ بروج میں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ابن کثیر و فتح

القدیر، سورۃ الفرقان آیت: ۳۸)

۴. أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ کے لیے دیکھیے سورۃ الشعراء، آیت: ۱۷۶ کا حاشیہ۔

۵. قَوْمُ ثَعْلَبِ کے لیے دیکھیے سورۃ الدخان، آیت: ۳۷ کا حاشیہ۔

۶. یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے۔ گویا آپ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرا اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

أَفَعِدْنَا يَا خَلْقُ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعَلَهُ مَادُّوْسُوْسٍ بِهٖ نَفْسَهُ ﴿١٦﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِّنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٧﴾

۱۵. کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ (۱) بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔ (۲)

۱۶. اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں (۳) اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (۴)

۱. کہ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَهُوَ الْكَافِي يَبْدُ وَالْخَلْقُ تَوْبِيْعُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (الروم: ۲۷) (اور وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے)۔ سورہ لیلین، آیت: ۷۸-۷۹ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا، دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے“ یعنی اگر مشکل ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا نہ کہ دوسری مرتبہ۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الاخلاص)

۲. یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔

۳. یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرمادیا ہے یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے)۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان باب اذا حنت ناسیا فی

الایمان. مسلم، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب اذا لم تستقر)

۴. وَرَيْدٌ، شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نَحْنُ سے مراد فرشتے ہیں۔ یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں ﴿يَتَلَفَّى الصَّافَيْنِ﴾ کے معنی ہیں يَأْخُذَانِ وَثُبَّتَانِ، امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن

۱۷. جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔

۱۸. (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔^(۱)

۱۹. اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آجپنچی،^(۲) یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔^(۳)

۲۰. اور صور بھونک دیا جائے گا۔ وعدہ عذاب کا دن یہی ہے۔

۲۱. اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا۔^(۴)

۲۲. یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

۲۳. اور اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا۔^(۵)

۲۴. ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو۔

۲۵. جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا۔

إِذْ تَلَقَى الْمُتَلَقَيْنِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ رَءِيفٌ ۖ

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَ مَا سَاءَتْ ۖ وَشَهِيدٌ ۝

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ ۖ وَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝

وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَىٰ عَتِيدٍ ۝

الْقِيَامِ فِي جَهَنَّمَ كُلٌّ لِّغَارِ عَذَابٍ ۝

مَّمَارٍ لِّلْخَيْرِ وَمَعْتَدٍ مُّرِيبٍ ۝

کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ الگ اور دن کے دو فرشتے الگ۔ (فتح القدیر)

۱. رَقِيبٌ، محافظ، نگہران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ عَتِيدٌ حاضر اور تیار۔

۲. دوسرے معنی اس کے ہیں، موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی، یعنی موت کے وقت، حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیمت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء ﷺ کرتے رہے ہیں۔

۳. تَحِيدٌ، تَوَيْلٌ عَنْهُ وَتَقَرُّ، تو اس موت سے بدکتا اور بھاگتا تھا۔

۴. سَاءَتْ (ہانکنے والا) اور شَهِيدٌ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

۵. یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فرد عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

لَاذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا خَرَفًا لَقِيَهُ فِي الْعَذَابِ
الشَّدِيدِ ۝

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطَعَيْنَاهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ
بَعِيدٍ ۝

قَالَ لَأَنصَحَنَّكَ وَالَّذِي وَقَدَّ قَدَمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۝

بِأَيُّ الْقَوْلِ لَكَذَىٰ وَمَا أَنَا بِظَالِمٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

يَوْمَ نَقُولُ لِمَن هُمْ أَمْتَلَأْتِ وَقَوْلُ هَلْ مِنْ
عَرِيدٍ ۝

۲۶۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنالیا تھا پس
اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔^(۱)

۲۷۔ اس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب!
میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز
کی گمراہی میں تھا۔^(۲)

۲۸۔ حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھگڑے کی
بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعید (وعدہ
عذاب) بھیج چکا تھا۔^(۳)

۲۹۔ میرے ہاں بات بدلتی نہیں^(۴) اور نہ میں اپنے
بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا ہوں۔^(۵)

۳۰۔ جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ
جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟^(۶)

۱۔ اللہ تعالیٰ اس فرد عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ اَلْقِيَا سے الشَّدِيدُ تک اللہ کا قول ہے۔

۲۔ اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی، اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا۔ یہاں قَرِينٌ
(ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔

۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے
جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں
سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

۴۔ یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول
کے مطابق تمہارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

۵۔ کہ بغیر جرم کے جو انہوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟
ظَلَامٌ یہاں ظالم کے معنی میں ہے۔ یا محاورہ بولا گیا ہے، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلاموں پر بڑا
ظلم کرتا ہے، فلاں شخص بڑا ظالم ہے مقصد، مبالغہ کا نہیں بلکہ صرف اس کی طرف سے ظلم کیے جانے کا اظہار ہوتا
ہے۔ یا مقصود نفی میں مبالغہ ہے۔ یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا تَمْلِكُ جَهَنَّمَ مِنْ الْخَبَثِ وَالْكَافِرِينَ﴾ (السجدة: ۱۳) (میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے
بھردوں گا)۔ اس وعدے کا جب ایفاء ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن وانس کو جہنم میں ڈال دے گا، تو جہنم سے پوچھے گا

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝

۳۱۔ اور جنت پر ہمیز گاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی۔^(۱)

هَذَا مَا نُوْعِدُكُمْ لِكُلِّ آوَابٍ حَفِيفٌ ۝

۳۲۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔^(۲)

مَنْ حَشَى الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝

۳۳۔ جو رحمن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔^(۳)

لَا دُخْلَ هَاهُنَا إِلَّا بِذَلِكَ يَوْمَ الْخُلُودِ ۝

۳۴۔ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝

۳۵۔ یہ وہاں جو چاہیں گے انہیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔^(۴)

کہ تو بھر گئی ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی، کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے ”آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کہے گی: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ کیا کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جہنم پکار اٹھے گی، قَطَّ قَطَّ، یعنی بس، بس“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ ق) اور جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء)

۱۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت، جس روز جنت قریب کر دی جائے گی، دور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی اور کُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ اور جو بھی آنے والی چیز ہے، وہ قریب ہی ہے دور نہیں۔ (ابن کثیر)

۲۔ یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اوپ اور حفیظ سے کیا گیا تھا۔ اوپ، بہت رجوع کرنے والا، یعنی اللہ کی طرف، کثرت سے توبہ و استغفار اور تسبیح و ذکر الہی کرنے والا، خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گر گڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ حفیظ، اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا، یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اوامر و نواہی کو یاد رکھنے والا۔ (فتح القدیر)

۳۔ مُنِيبٌ، اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل۔ یا بمعنی سَلِيمٌ، شرک و معصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔

۴۔ اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہو گا، جیسا کہ ﴿لَا يَذِيبَنَّ أَحْسَنُوا الْحَشَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶) کی تفسیر میں گزرا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّخْبُتٍ ۝

إِن فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَنَاْمَسْنَا مِنْ لَّغْوٍ ۝

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ النُّجُودِ ۝

۳۶. اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے، کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے؟

۳۷. یقیناً اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جودل^(۲) سے متوجہ ہو کر کان لگائے^(۳) اور وہ حاضر ہو۔^(۴)

۳۸. اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھو اتک نہیں۔

۳۹. پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی۔^(۵)

۴۰. اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں^(۶) اور نماز

۱. ﴿مَقْبُورٍ فِي الْبِلَادِ﴾ (شہروں میں چلے پھرے) کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے۔ لیکن ہمارا عذاب آیا تو انہیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

۲. یعنی دل بیدار، جو غور و فکر کر کے حقائق کا ادراک کر لے۔

۳. یعنی توجہ سے وہ وحی الہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

۴. یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو۔ اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

۵. یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

۶. مِن، تبعیض کے لیے ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹) (رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے) بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی ﷺ کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر)

کے بعد بھی۔^(۱)

۴۱. اور سن رکھیں^(۲) کہ جس دن ایک پکارنے والا^(۳) قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا۔^(۴)

۴۲. جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے، یہ دن ہوگا نکلنے کا۔^(۵)

۴۳. بیشک ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں^(۶) اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے۔^(۷)

۴۴. جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے^(۸) (نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے۔

وَأَسْمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمَ الْخُرُوجِ ۝

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝

يَوْمَ نَشْغُفُّ الْأَرْضَ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝

۱. یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں، جن کے پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے۔ مثلاً ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللَّهِ، ۳۳ مرتبہ الْحَمْدُ لِلَّهِ، اور ۳۴ مرتبہ اللَّهُ أَكْبَرُ، وغیرہ (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰۃ، مسلم، کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبيان صفتہ) مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ادبار السجود سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔
۲. یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے ہیں، انہیں توجہ سے سنیں۔

۳. یہ پکارنے والا اسرافیل فرشتہ ہوگا یا جبرائیل اور یہ ندا وہ ہوگی جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ یعنی نَفْثَ ثانیہ۔

۴. اس سے بعض نے صخرہ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آرہی ہے۔ (بخ القدر) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

۵. یعنی یہ چیخ یعنی نَفْثَ قیامت یقیناً ہوگا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہوگا۔
۶. یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دینا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔
۷. وہاں ہم ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء دیں گے۔

۸. یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے۔ جس نے آواز دی ہوگی۔ مُسْمِرَ عَيْنٍ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ (بخ القدر) نبی ﷺ نے فرمایا: (جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے قبر سے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا) «أَنَا أَوَّلُ

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ
فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدَ ۝

۴۵. یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں،^(۱) تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میری وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔^(۲)

۱. یعنی آپ ﷺ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ ﷺ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

۲. یعنی آپ ﷺ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہوگا۔ اسی لیے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے «اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدَكَ، وَيَرْجُو مَوْعُودَكَ، يَا بَارَّ يَا رَحِيمٌ» (اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے)۔

سورہ ذاریات مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّذِي ذَرَأَا

۱. قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔^(۱)

فَالْحَبْلِ ذُرِّيَّتًا

۲. پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔^(۲)

فَالْجِبْرِیَّتِ يُسْرِئًا

۳. پھر چلنے والیاں نرمی سے۔^(۳)

فَالْمَقْسَمَاتِ أَمْرًا

۴. پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔^(۴)

إِنَّمَا تَوْعَدُونَ لَصَادِقٌ

۵. یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں (سب)

سچے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ لَوَاعِقُهُ

۶. اور بیشک انصاف ہونے والا ہے۔

۱. اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

۲. وَفَرًّا، ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حاملات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے چوپائے، حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

۳. جَارِیَات، پانی میں چلنے والی کشتیاں، یُسْرًا آسانی سے۔

۴. مُقَسَّمَاتُ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (یعنی قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے، کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت کے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْجَبَلِ ۝

إِنَّمَا لَقِيْ قَوْلٍ مِّنْ عِزَّتِيْ ۝

يُؤْتِكُ عَنْهُ مَنَ أَوَّلُكَ ۝

فَتِلْكَ الْقُرْصُونَ ۝

الَّذِينَ هُمْ فِيْ غَمَرٍ سَاهُونَ ۝

يَمْلِكُونَ أَكْثَانَ يَوْمِ الدِّينِ ۝

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۝

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُونَ ۝

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ جَدَّتٍ وَعِیُونَ ۝

اِخْذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ

مُخْسِرِينَ ۝

كَانُوا قَبْلَ لَیْسَ الْبَلِّ مَا يَهْجَعُونَ ۝

۷۔ قسم ہے راہوں والے آسمان کی۔^(۱)

۸۔ یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔^(۲)

۹۔ اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو۔^(۳)

۱۰۔ بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیے گئے۔

۱۱۔ جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔

۱۲۔ پوچھتے ہیں کہ یوم جزاء کب ہوگا؟

۱۳۔ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر تپائے جائیں گے۔^(۴)

۱۴۔ اپنی فتنہ پردازی کا مزہ چکھو،^(۵) یہی ہے جس کی تم

جلدی مجاہد تھے۔

۱۵۔ بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں

ہوں گے۔

۱۶۔ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے

رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیکو کار تھے۔

۱۷۔ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔^(۶)

۱۔ دوسرا ترجمہ، حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کوکب و سیارات، روشن ستارے، اس کی بلندی

اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

۲۔ یعنی اے اہل کلمہ! تمہارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر،

کوئی کاذب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار علاوہ ازیں ایک طرف

اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

۳۔ یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانے سے، یا حق سے یعنی بعث و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا

گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے۔ دوسرے میں مدح۔

۴۔ یُفْتَنُونَ، کے معنی ہیں یُحَرِّقُونَ وَ یُعَذِّبُونَ، جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پر کھا جاتا ہے، اسی طرح

یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

۵۔ فِتْنَةٌ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔

۶۔ مُجْعُونَ کے معنی ہیں، رات کو سونا۔ مَا یَهْجَعُونَ میں مَا تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے، مطلب ہے

وَالْأَسْحَارُ هُمْ يَسْتَعْمِدُونَ ﴿۱۸﴾

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾

قَوْرَبِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ سَبِّحُونَ ﴿۲۳﴾

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ صَيْبِ بْنِ إِسْهَيمَ الْكُوفِيِّ ﴿۲۴﴾

۱۸. اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔^(۱)

۱۹. اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔^(۲)

۲۰. اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

۲۱. اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

۲۲. اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔^(۳)

۲۳. آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ^(۴) بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو۔

۲۴. کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟^(۵)

ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گزر گزرتے ہوئے گزارتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا: (لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رُحی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو، جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے)۔ (مسند احمد: ۳۵۱/۵)

۱. وقت سحر، قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ (جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں، کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے)۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرين، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل والإجابة فیہ)

۲. محروم سے مراد، وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے۔ چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ، آفت ارضی و سماوی میں، تباہ ہو جائے۔

۳. یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت، دوزخ، ثواب و عتاب بھی آسمانوں میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

۴. اِنَّہ میں ضمیر کا مرجع (یہ) وہ امور و آیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

۵. ہَلْ استفہام کے لیے ہے جس میں نبی ﷺ کو یہ تنبیہ ہے کہ اس قصے کا تجھے علم نہیں، بلکہ ہم تجھے وحی کے ذریعے سے مطلع کر رہے ہیں۔

۲۵. وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام) نے سلام کا جواب دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔^(۱)

۲۶. پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فرہہ بچھڑے (کا گوشت) لائے۔

۲۷. اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟^(۲)

۲۸. پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے^(۳) انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجیے۔^(۴) اور انہوں نے اس (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔

۲۹. پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت^(۵) میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ۔

۳۰. انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔^(۶)

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنتَكِرُونَ ﴿۲۵﴾

قَرَأَ إِلَىٰ آلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿۲۶﴾

فَعَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾

فَأَوَّحَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَوْ كُنَّا نَبْرُوهُ بِعِلْمٍ عَلَيْهِ ﴿۲۸﴾

فَأَبْلَتْ أُمْرَاتُهُنَّ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۲۹﴾

قَالُوا لَئِنْ لَدَيْكَ آيَةٌ هَٰؤُلَاءِ مَا الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۳۰﴾

۱. یہ اپنے جی میں کہا ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

۲. یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھایا تو پوچھا۔

۳. ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے، یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

۴. حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

۵. صرّہ کے دوسرے معنی ہیں چیخ و پکار، یعنی چیختے ہوئے کہا۔

۶. یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع دے رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لاحالہ ہو کر رہتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾

۳۱. (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمہارا کیا مقصد ہے؟^(۱)

قَالُوا إِنَّا آتَيْنَاكَ إِلًا قَوْمِ مُجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾

۳۲. انہوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔^(۲)

لَنُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَلَّةً ذِينَ ظُنُّوا

۳۳. تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں۔^(۳)

مُتَوَكِّفَةً عِنْدَ رِجَالِكُمُ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۴﴾

۳۴. جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے۔^(۴)

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

۳۵. پس جتنے ایمان والے وہاں تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔^(۵)

فَبَايَعْنَا فِيهَا عَبْدَ اللَّهِ بِتَوَكُّفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾

۳۶. اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔^(۶)

۱. خَطْبُ شَان، قصہ۔ یعنی اس بشارت کے علاوہ تمہارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔

۲. اس سے مراد قوم لوط ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

۳. برسائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انہیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں خالص پتھر کی تھیں نہ آسمانی اولے تھے، بلکہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔

۴. مُتَوَكِّفَةً (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انہیں پہچان لیا جاتا تھا، یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہوئی تھی، اس پر اسکا نام لکھا ہوتا تھا مُسْرِفِينَ، جو شرک و مصلحت میں بہت بڑھے ہوئے اور فتن و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

۵. یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

۶. اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا، جس میں انکی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (ابن القایر) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت فم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا، اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے۔ اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت

۳۷. اور وہاں ہم نے ان کے لیے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک (کامل) علامت چھوڑی۔^(۱)

۳۸. اور موسیٰ (علیہ السلام) کے قصے میں (بھی ہماری طرف سے تنبیہ ہے) کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا۔

۳۹. پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا^(۲) اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

۴۰. بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھا ہی ملامت کے قابل۔^(۳)

۴۱. اور اسی طرح عادیوں میں^(۴) بھی (ہماری طرف سے

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ
الْاَلِيمَ ۝

وَقِي مُوسٰى اِذَا رَسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

فَقَتَلُوْهُ بِرُءُوْسِهِ وَقَالَ الْيَهُودُ وَجْهٌ مُّجْتَوٍ ۝

فَاَخَذْنٰهُ وَجُودًا كَذٰبًا فَذَرْنٰهُ فِي الْبَحْرِ وَهُوَ مَيْتٌ ۝

وَقِي عَادٍ اِذَا رَسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيْمَ ۝

شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث جبرائیل (علیہ السلام) سے ثابت ہے۔ جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، لا الہ الا اللہ کی شہادت، اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، حج اور صیام رمضان۔ اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا ”اللہ پر ایمان لانا، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں، آخرت اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا“ یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان اور ہر مسلمان مومن ہے (بخ القدر) اور جو مومن اور مسلم کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے اس کی رو سے ہر مومن، مسلم بھی ہے، تاہم ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں (ابن کثیر) بہر حال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

۱. یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انہی کے لیے ہیں جو عذاب الہی سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی وہی کرتے ہیں۔

۲. جانب اقویٰ کو رکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

۳. یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

۴. اَی: تَرَكْنَا فِیْهِ قِصَّةَ عَادٍ اَیَّةَ عَاد کے قصے میں بھی ہم نے نشانی چھوڑی۔

تنبیہ ہے) جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی
آندھی بھیجی۔^(۱)

۴۲. وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی
طرح (چورا چورا) کر دیتی تھی۔^(۲)

۴۳. اور ثمود (کے قصے) میں بھی (عبرت) ہے جب
ان سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھاؤ۔^(۳)

۴۴. لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی
جس پر انہیں ان کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تند) کڑا کے^(۴)
نے ہلاک کر دیا۔

۴۵. پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے^(۵) اور نہ بدلہ لے
سکے۔^(۶)

۴۶. اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی)
حال ہو چکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے۔^(۷)

مَا تَدْعُنَ شَيْءٌ آتَتْ عَلَيْهِ الْإِجْعَلَةُ
كَالرَّيْمِ ۝

وَفِي نَادِيٍّ لَّهُمْ تَمْتَعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْقَةُ وَهُمْ
يَنْظُرُونَ ۝

فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَكَانُوا مُتَمِيزِينَ ۝

وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا
فَاسِقِينَ ۝

۱. الرِّيحُ الْعَقِيمُ (باجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو ٹھراؤر کرنے والی تھی نہ بارش کی پیامبر،
بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

۲. یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل
چلتی رہی۔ (الحاقہ)

۳. یعنی جب انہوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کر دیا، تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے
مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیے جاؤ گے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی
ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔

۴. یہ صَاعِقَةُ (کڑا کا) آسمانی چیخ تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَةٌ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورہ اعراف: ۸ میں ہے۔
۵. چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

۶. یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

۷. قوم نوح، عاد، فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الہی کے بجائے اس کی بغاوت کا
راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِيَدَيْهِ وَإِنَّ الْكُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمُهْدُونَ ﴿۴۸﴾

وَمَنْ لِّسَمٰى خَلَقْنَا رُوحَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾

فَقُرْ وَالِی اللّٰہِ اِنِّی لَکُمْ مِّنْہٗ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰہِ الْخَرَائِیِّ لَکُمْ مِّنْہٗ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

۴۷۔ اور آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے^(۱) اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔^(۲)

۴۸۔ اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔^(۳) پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔

۴۹۔ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے^(۴) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔^(۵)

۵۰۔ پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو،^(۶) یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔

۵۱۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔^(۷)

۱۔ السَّمَاءُ منصوب ہے۔ بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا۔

۲۔ یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا مُوسِعٌ کو مُوسِعٌ سے قرار دیا جائے (طاقت و قدرت رکھنے والے) تو مطلب ہوگا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت و قدرت موجود ہے۔ ہم آسمان و زمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی انتہاء ہی نہیں ہے۔

۳۔ یعنی فرش کی طرح اسے بچھادیا ہے۔

۴۔ یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے۔ جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ، حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان) اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔

۵۔ یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

۶۔ یعنی کفر و معصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہِ الہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

۷۔ یعنی میں تمہیں کھول کھول کر ڈرا رہا اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ
إِلَّا أَفَالُوا سَاحِرًا وَّجُنُونًا ۝۲۷

أَتَوَصَّوهُ بِالْعَمَلِ فَهُمْ يَقُولُونَ ۝۲۸

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَتَتْ بِمَلَأَةٍ ۝۲۹

وَذَكَرَ فَإِنَّ اللَّهَ كَرَّمَ تَعْمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝۳۰

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي ۝۳۱

مَا أَرِيدُ مِنْكُمْ مِنْ زِينَةٍ وَمَا أَرِيدُ أَنْ
يُطْعَمُوا ۝۳۲

۵۲۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

۵۳۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔^(۱) (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔^(۲)

۵۴۔ تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں۔

۵۵۔ اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔^(۳)

۵۶۔ اور میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔^(۴)

۵۷۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔^(۵)

۱۔ یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے کچھلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔
۲۔ یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے۔ اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدمین نے کہا اور کیا۔
۳۔ اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انہیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔

۴۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعقیق ارادہ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا۔ یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، جسے اگر انہوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔

۵۔ یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں، جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصود ہوتا ہے، بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ⑤

۵۸. بیشک اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔

فَإِنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِّثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعِجِلُونَ ⑥

۵۹. پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے ساتھیوں کے حصہ کے مانند حصہ ملے گا، ^(۱) لہذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔ ^(۲)

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ⑦

۶۰. پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن کی جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں۔

کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہو گا۔

۱. ذُنُوبُ کے معنی بھرے ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

۲. لیکن یہ حصہ عذاب انہیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔

سورۂ طور کی ہے اور اس میں انچاس آیتیں ہیں
اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے طور کی۔^(۱)

۲. اور لکھی ہوئی کتاب کی۔^(۲)

۳. جو جہلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔^(۳)

۴. اور آباد گھر کی۔^(۴)

۵. اور اونچی چھت کی۔^(۵)

۶. اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی۔^(۶)

وَالطُّورِ

وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ

فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ

وَالسَّعْفِ الْمُرْوُورِ

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ

۱. طُور، وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا، بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے
اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

۲. مَسْطُور کے معنی ہیں۔ مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کا مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام
کتب منزلہ یا وہ انسانی اعمال نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

۳. یہ متعلق ہے مَسْطُور سے۔ رَقٍّ، وہ باریک چڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ مَنْشُور بمعنی مَبْسُوط، پھیلا یا کھلا ہوا۔

۴. یہ بیت معمور، ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے
اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری
نہیں آتی۔ جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں، جو عبادت کے لیے
آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔

۵. اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ”محفوظ چھت“
کہا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۚ وَهُمْ عَنْ آيَاتِنَا مَعْزُومُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۲) بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام
مخلوقات کے لیے چھت ہے۔

۶. مسجور کے معنی ہیں، بھڑکے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں، اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت کے
دن بارش نازل ہوگی، اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں، ان میں قیامت کے
دن آگ بھڑک اٹھے گی۔ جیسے فرمایا ﴿وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ (التکویر: ۶) (اور جب سمندر بھڑک دیا جائے گا)۔ امام شوکانی نے
اسی مفہوم کو اولیٰ قرار دیا ہے اور بعض نے مَسْجُور کے معنی مَمْلُوء (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں، یعنی فی الحال سمندروں

۷. بیشک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے۔
 ۸. اسے کوئی روکنے والا نہیں۔^(۱)
 ۹. جس دن آسمان تھر تھرانے لگے گا۔^(۲)
 ۱۰. اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے۔
 ۱۱. اس دن جھٹلانے والوں کی (پوری) خرابی ہے۔
 ۱۲. جو اپنی بیہودہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں۔^(۳)
 ۱۳. جس دن وہ دھکے دے دے کر^(۴) آتش جہنم کی طرف لائے جائیں گے۔
 ۱۴. یہی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے۔^(۵)
 ۱۵. (اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے؟^(۶) یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔^(۷)

- إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝
 نَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝
 يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝
 وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝
 فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَلْمِزُونَ ۝
 الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝
 يَوْمَ يَدْعُونَ إِلَى تَارِحِهِمْ دَعْوًا ۝
 هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُمْ بِهَا تكَذِّبُونَ ۝
 أَفَسِحْرُهُ أَمْ أَنْتُمْ لَأَبْصَرُونَ ۝

- میں آگ تو نہیں ہے، البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں، امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر)
۱. یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں، جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہوگا۔
۲. مَوْرٌ کے معنی ہیں حرکت و اضطراب۔ قیامت کے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہوگا، اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے طرف ہے۔ یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جب آسمان تھر تھرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روٹی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔
۳. یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی تکذیب و استہزاء میں لگے ہوئے ہیں۔
۴. الدَّعْوُ کے معنی ہیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔
۵. یہ جہنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انہیں کہیں گے۔
۶. جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر کہا کرتے تھے، بتلاؤ کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے؟
۷. یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندھے تھے، یہ عذاب بھی تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ یہ تفریق و توتیخ کے لیے انہیں کہا جائے گا، ورنہ ہر چیز ان کے مشاہدے میں آچکی ہوگی۔

إِصْلَاحُهَا فَأَصْبِرُوا وَلَا تَصْیُرُوا سَوَاءً عَلَيْكُمْ
إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾

۱۶. جاؤ دوزخ میں، اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا
تمہارے لیے یکساں ہے۔ تمہیں فقط تمہارے کیے کا بدلہ
دیا جائے گا۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۷﴾

۱۷. یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں۔^(۱)
۱۸. انہیں ان کے رب نے جو دے رکھا ہے اس پر
خوش خوش ہیں،^(۲) اور ان کے پروردگار نے انہیں جہنم
کے عذاب سے بھی بچالیا ہے۔

فَكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَلَهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابٌ
الْبَاقِي ﴿۱۸﴾

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا لِّمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

۱۹. تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بدلے
جو تم کرتے تھے۔^(۳)

مُتَّكِئِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿۲۰﴾

۲۰. برابر بچھے ہوئے شاندار تختے پر تکیے لگائے ہوئے۔^(۴)
اور ہم نے ان کے نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں)
سے کر دیے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا
بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلْتَنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ
كُلٌّ أُمَمٌ لِّمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾

۲۱. اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی
ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان
تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ

۱. اہل کفر و اہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۲. یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین و جمیل بیویاں (حور عین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش
ہوں گے، کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گی اور «مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ
عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ» کا مصداق۔

۳. دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا لِّمَا كَسَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ (مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال
کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ
اعمال صالحہ بہت ضروری ہیں۔

۴. مَصْفُوفَةٌ، ایک دوسرے کے ساتھ لے ہوئے۔ گویا وہ ایک صف ہیں۔ یا بعض نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے کہ ان
کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس
مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ (الصافات: ۴۴) (ایک دوسرے کے
سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے)۔

کریں گے،^(۱) ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروہ ہے۔^(۲)

۲۲. اور ہم ان کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے۔^(۳)

۲۳. (خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام (شراب) کی چھینا جھٹی کریں گے^(۴) جس شراب کے سرور میں بیہودہ گوئی ہوگی نہ گناہ۔^(۵)

وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِغَايَةِ ذِكْمٍ وَمَا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٍ فِيهَا وَلَا تَأْسٍ ﴿۲۳﴾

۱. یعنی جن کے باپ اپنے اخلاص و تقویٰ اور عمل و کردار کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کرے، ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انہیں لے آئے۔ یعنی اہل ایمان پر دوگنا احسان فرمائے گا۔ ایک تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا، یہ کہ کم تر درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرما دے گا۔ ورنہ دونوں کے ملاپ کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے کلاس والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل و احسان سے فروتر ہوگی، اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر، آباء کے اعمال کی برکت سے ہوگا اور حدیث میں آتا ہے کہ اولاد کی دعا و استغفار سے آباء کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک شخص کے جب جنت میں درجے بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند أحمد: ۵۰۹/۳) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ (جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ البتہ تین چیزوں کا ثواب، موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ۔ دوسرا وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیسری نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو)۔ (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته)

۲. رَهِيْنٌ بِمَعْنَى مَرْهُوْنٌ (گروہ شدہ چیز) ہر شخص اپنے عمل کا گروہ ہوگا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھایا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بری جزاء پائے گا۔ یا اس سے مراد صرف کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۖ اِلَّا اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ﴾ (المدرثر: ۳۸-۳۹) ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہوگا۔ سوائے اصحاب الیمین (اہل ایمان) کے)۔

۳. اَمَدَدْنَاهُمْ بِمَعْنَى زِدْنَاهُمْ، یعنی خوب دیں گے۔

۴. يَتَنَازَعُوْنَ، يَتَعَاطَوْنَ وَيَتَنَازَلُوْنَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ کأس، اس پیالے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو کاس نہیں کہتے۔ (فتح القدیر)

۵. اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہوگی، اسے پی کر نہ کوئی ہنکے گا کہ لغو گوئی کرے نہ اتنا مدہوش اور مست ہوگا کہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

۲۴. اور ان کے ارد گرد ان کے نو عمر غلام چل پھر رہے ہوں گے، گویا کہ وہ موتی تھے جو ڈھکے رکھے تھے۔^(۱)

۲۵. اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔^(۲)

۲۶. کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان بہت ڈرا کرتے تھے۔^(۳)

۲۷. پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔^(۴)

۲۸. ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے،^(۵) بیشک وہ محسن اور مہربان ہے۔

۲۹. تو آپ سمجھاتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانہ۔^(۶)

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكَوْنٌ ﴿۲۴﴾

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿۲۶﴾

فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَدَابَ السَّعِيرِ ﴿۲۷﴾

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾

فَذَكِّرْهُمْ أَلَمْ يَنْصَبْتَ رَبِّكَ لِبَآهِنٍ
وَالْمَجْنُونِ ﴿۲۹﴾

۱. یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انہیں نو عمر خادم بھی دیے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی اور رعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی، جسے ڈھک کر رکھا گیا ہو، تاکہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک دمک ماند نہ پڑے۔

۲. ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان و عمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے؟

۳. یعنی اللہ کے عذاب سے۔ اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے، اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ تنگ و دو بھی کرتا ہے۔

۴. سَمُومٌ، لو، جھلسانے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں، جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

۵. یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذاب جہنم سے بچنے کے لیے دعا کرتے تھے۔

۶. اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں، ان کی طرف کان نہ دھریں، اس لیے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانہ (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے، جو کہ کاہن پر نہیں آتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں، وہ دانش و بصیرت کا آمینہ دار ہوتا ہے، ایک دیوانے سے اس طرح کی گفتگو کیوں کر ممکن ہے؟

۳۰. کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے جس پر ہم زمانے کے حوادث (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں۔^(۱)
۳۱. کہہ دیجیے تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔^(۲)
۳۲. کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں؟^(۳) یا یہ لوگ ہی سرکش۔^(۴)
۳۳. کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔^(۵)
۳۴. اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (ہی) بات یہ (بھی) تو لے آئیں۔^(۶)
۳۵. کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟^(۷) یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟^(۸)

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ مَّتَرَفٍ بِهِ رَيْبٌ
الْمُنُونِ ۝

قُلْ تَرْتَضَوْنَ لِيَّ مَعَكُمْ مِنَ الْمَرْتَضِينَ ۝

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَاهُمْ بِهَذَا أَمْرُهُمْ قَوْمٌ طَائِفُونَ ۝

أَمْ يَقُولُونَ نَقُولُهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝

۱. رَیْبٌ کے معنی ہیں حوادث، مَنُونٌ، موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مطلب ہے کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ زمانے کے حوادث سے شاید اس (محمد ﷺ) کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے، جو اس کی دعوت توحید نے ہم سے چھین لیا ہے۔
۲. یعنی دیکھو موت پہلے کسے آتی ہے؟ اور ہلاکت کس کا مقدر بنتی ہے؟
۳. یعنی یہ تیرے بارے میں جو اس طرح اناپ شاپ جھوٹ اور غلط سلط باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سمجھاتی ہیں؟
۴. نہیں بلکہ یہ سرکش اور گمراہ لوگ ہیں، اور یہی سرکشی اور گمراہی انہیں ان باتوں پر برا لگینہ کرتی ہے۔
۵. یعنی قرآن گھڑنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفر ہی ہے۔
۶. یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کر دیں جو نظم، اعجاز و بلاغت، حسن بیان، ندرت اسلوب، تعین حقائق اور حل مسائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔
۷. یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انہیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے، تو ظاہر ہے اس کا انہیں پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے، وہ انہیں پیدا کر کے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟
۸. یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

۳۶. کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟
بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔^(۱)

۳۷. یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟^(۲)
یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں۔^(۳)

۳۸. یا کیا ان کے پاس کوئی سیدھی ہے جس پر چڑھ کر
سنتے ہیں؟^(۴) (اگر ایسا ہے) تو ان کا سننے والا کوئی روشن
دلیل پیش کرے۔

۳۹. کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں اور تمہارے ہاں لڑکے ہیں؟
۴۰. کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اس
کے تاوان سے بوجھل ہو رہے ہیں۔^(۵)

۴۱. کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟^(۶)
۴۲. کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟^(۷) تو یقین
کر لیں کہ فریب خوردہ خود کافر ہی ہیں۔^(۸)

أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ۝

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُحْصِيُونَ ۝

أَمْ لَهُمْ سُلُبُكُمُ الْعُرُونُ فَبِمَا كَلِمَاتٍ مُّسْتَعِجُهُمْ
يُسْطَلُّونَ فَبِئْسَ ۝

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمْ الْبَنُونَ ۝

أَمْ نَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّعْرُومٍ مُّتَقَلِّبُونَ ۝

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ
الْمُكِيدُونَ ۝

۱. بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔

۲. کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔

۳. مُصْطَبِرٌ یا مُسْتَبِطٌ، سَطْر سے ہے، لکھنے والا، جو محافظ و نگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے، اس لیے یہ محافظ اور نگران
کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

۴. یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیدھی کے ذریعے سے یہ بھی محمد ﷺ کی طرح آسمانوں پر جاکر ملائکہ کی باتیں یا ان
کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، وہ سن آئے ہیں۔

۵. یعنی اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو۔

۶. کہ ضرور ان سے پہلے محمد ﷺ مر جائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔

۷. یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ، جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔

۸. یعنی کید و مکر ان ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انہی کو ہوگا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَجِئُ الْكَافِرُ النَّصْرَ إِلَّا يَأْخُذُهُ﴾
(فاطر: ۴۳) (اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے) چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی

جگہوں پر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔

۴۳. کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔

۴۴. اور اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہہ دیں کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے۔^(۱)

۴۵. تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیے جائیں گے۔

۴۶. جس دن انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ دے گا اور نہ یہ مدد کیے جائیں گے۔

۴۷. اور بیشک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں^(۲) لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں۔^(۳)

۴۸. اور تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بیشک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے^(۴) اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔

أَمْ لَهُمْ آلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَتَّبِعُونَ اللَّهَ عَمَائِرُ كُونَ ﴿۴۳﴾

وَأَن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾

فَذَرَهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾

وَأَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا ذُوْنَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾

۱. مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی باز نہ آئیں گے، بلکہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب نہیں، بلکہ ایک پر ایک بادل چنٹھا آرہا ہے، جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔

۲. یعنی دنیا میں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَنَذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَذَى ذُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السجدة: ۲۱)

۳. اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب، اس لیے ہیں تاکہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ نکتہ چونکہ نہیں سمجھتے اس لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ (منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا؟) (ابوداؤد، کتاب الجنائز: ۳۰۸۹)

۴. اس کھڑے ہونے سے کونا کھڑا ہونا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں جب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ جیسا کہ آغاز نماز میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ... پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں، جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تہلیل مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

۳۹. اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ^(۱) اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی۔^(۲)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۳۹﴾

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. (مسند الترمذی، أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا قام من مجلسه)

۱. اس سے مراد قیام اللیل یعنی نماز تہجد ہے، جو عمر بھر نبی ﷺ کا معمول رہا۔

۲. اُی: وَقْتُ إِدْبَارِهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ حفاظت فرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا (فجر کی دو سنتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں)۔ (صحیح

البخاری، کتاب التہجد، باب تعاهد رکعتی الفجر ومن سماهما تطوعاً، وصحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب رکعتی الفجر)

سورہ نجم کی ہے اور اس میں باسٹھ آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا حَوَىٰ ۝

وَالْبَطْنُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔^(۱)

۲. کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہِ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی
راہ پر ہے۔^(۲)

۳. اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔

۴. وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔^(۳)

☆ یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ نجم) بعض روایتوں میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیع بتلایا گیا ہے (تفسیر ابن کثیر) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ ﷺ کے سامنے کی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا (صحیح بخاری، باب مذکور) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

۱. بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم۔ ہویٰ، اوپر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے، یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت کے دن گریں گے۔

۲. یہ جواب قسم ہے۔ صَاحِبُكُمْ (تمہارا ساتھی) کہہ کر نبی ﷺ کی صداقت کو واضح کر کیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جاننا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہِ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غولیت، وہ کبھی ہو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ بیان فرمائی۔

۳. یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحی الہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی

۵. اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔
 ۶. جو زور آور ہے ^(۱) پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔
 ۷. اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ ^(۲)
 ۸. پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ ^(۳)
 ۹. پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ ^(۴)
 ۱۰. پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی ^(۵) جو بھی پہنچائی۔
 ۱۱. دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ ^(۶)
 ۱۲. کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔
- عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝
 ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝
 وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝
 ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝
 فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝
 فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝
 مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝
 أَفَتَمُرُّونَهُ عَلَىٰ مَائِدَتِي ۝

کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ (سنن الترمذی، أبواب البر، باب ما جاء في المزاح) اسی طرح حالت غضب میں، آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (ابو داؤد، کتاب العلم، باب في كتاب العلم)

۱. اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے جو قوی اعضاء کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے سکھانے والا یہی فرشتہ ہے۔

۲. یعنی جبرائیل علیہ السلام یعنی وحی سکھانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔

۳. یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی ﷺ کے قریب ہوئے۔

۴. بعض نے ترجمہ کیا ہے، دو ہاتھوں کے بقدر، یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی ادوار کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔

۵. یعنی جبرائیل علیہ السلام، اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے، وہ انہوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا۔

۶. یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا، اس کو آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں، بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝

لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝

وَمِنَ الثَّالِثَةِ الْاُخْرَىٰ ۝

۱۳. اور اس نے تو اسے ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔

۱۴. سدرۃ المنتہی کے پاس۔^(۱)۱۵. اسی کے پاس جنتہ الماویٰ ہے۔^(۲)۱۶. جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو اس پر چھا رہی تھی۔^(۳)۱۷. نہ تو نگاہ بھی نہ حد سے بڑھی۔^(۴)۱۸. یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔^(۵)

۱۹. کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔

۲۰. اور تیسرے پچھلے منات کو۔^(۶)

۱. یہ لیلیۃ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، اس کا بیان ہے۔ یہ سدرۃ المنتہی، ایک بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جاسکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی نہیں سے وصول کرتے ہیں۔

۲. اسے جنت الماویٰ، اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ روہیں یہاں آکر جمع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر)۔

۳. سدرۃ المنتہی کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوگا۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ذکر سدرۃ المنتہی)

۴. یعنی نبی ﷺ کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کردی گئی تھی۔ (البر التفسیر)

۵. جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام اور سدرۃ المنتہی کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔

۶. یہ مشرکین کی توقع کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی تو یہ شان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں، جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم

اَلْكُفَّ الدَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثَى ۝

۲۱. کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں؟^(۱)

يُنَاكَ اِذَا قَسَمَةُ ضِيَرِي ۝

۲۲. یہ تو بڑی نا انصافی کی تقسیم ہے۔^(۲)

کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے۔ لَاتٌ، بعض کے نزدیک یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے، بعض کے نزدیک لَاتٌ یَلِیْتُ سے ہے، جس کے معنی موٹنے کے ہیں، پجاری اپنی گردنیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں، کہ لات میں تا مشدد ہے۔ لَتَّ یَلُتُّ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنالیا، پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا۔ عَزَّیٰ کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عَزَّیْز سے ماخوذ ہے، اور یہ اَعَزُّ کی تانیث ہے بمعنی عَزَّیْزہ بعض کہتے ہیں کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی (بھوتنی) تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ سنگ ایضاً تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔ مَنَوَہ، مَنَیٰ یعنی سے ہے جس کے معنی صَبَّ (بہانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا۔ (فتح القدیر) یہ قدید کے بالمقابل مشعل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج یکہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس بت کا طواف بھی کرتے تھے۔ (البر القاسمہ وابن کثیر) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرمادیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کروادیں، ان درختوں کو کٹوا دیا جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انہوں نے جاکر ان سب کو ڈھاکر سر زمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن کثیر) قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوة شیخ محمد بن عبد الوہاب کو توفیق دی، انہوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبد العزیز والی نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھاکر سنت نبوی ﷺ کا احیاء فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی مزار۔

۱. مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔

۲. ضَمِیْرُی، حق و ثواب سے بٹٹی ہوئی۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيَتْ بِهَا أَنْتُمْ وَالْبَاؤُكُمْ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ
إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ
مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَى ۝

أَمَّا لِلنَّاسِ مَا تَمَنَّى ۝

فَلِللَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى ۝

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا
إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِبَنِّ إِسْرَءِيلَ وَيَرْضَى ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْتَوْفُونَ أَجْرَهُم
بِمِثْلِ الْأَنْثَى ۝

وَاللَّهُ بِهِ مِنْ عَلَمٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ
وَأَنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ
إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝

۲۳۔ دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے
باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی
کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے
اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور
یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت
آچکی ہے۔

۲۴۔ کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟^(۱)

۲۵۔ اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان اور وہ جہان۔^(۲)

۲۶۔ اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی
سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے
کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے
چاہے اجازت دے دے۔^(۳)

۲۷۔ بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ
فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں۔

۲۸۔ اور حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے
گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بیشک وہم (وگمان)
حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔

۲۹۔ تو آپ ان سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ
موڑے اور جن کا ارادہ بجز دنیوی زندگی کے اور کچھ
نہ ہو۔

۱۔ یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انہیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

۲۔ یعنی وہی ہو گا، جو وہ چاہے گا، کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

۳۔ یعنی فرشتے، جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے
لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی؟ جن سے تم آس
لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا، جب کہ شرک اس کے
نزدیک ناقابل معافی ہے؟

۳۰۔ یہی ان کے علم کی انتہاء ہے۔ آپ کا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہے۔

۳۱۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے۔^(۱)

۳۲۔ ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی^(۲) سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔^(۳) بیشک

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى ۝

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحَسَنٰتِ ۝

الَّذِيْنَ يَحْتَسِبُوْنَ كَثِيْرًا اِلٰلٰهًا وَّالْفَوَاحِشُ اِلَّا اللّٰهُمَّ اِنَّ رَبَّكَ وَاَسْعٰ الْمَغْفِرَةَ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذَا اُنْتَاكُمْ

۱۔ یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے، تاکہ نیکو کار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ یہ جملہ معترضہ ہے اور لِيَجْزِيَ کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔ (فتح اللہ)

۲۔ کِبَارُ، کَبِيْرَہ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی وعید ہے، یا جس کے مرتکب کی سخت مذمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنادیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے معنی اور مابیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح، اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علماء نے انہیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے کتاب الکبائر للذہبی اور الزواجر وغیرہ۔ فَوَاحِشُ، فَاحِشَہ کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، لواطت وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو ”تہذیب“ سمجھ لیا گیا ہے، حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس ”تہذیب بے حیائی“ کو اپنالیا ہے۔ چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے، بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وطیرہ بنالیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، درآں حالیکہ یہ سب ”فواحش“ میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے، وہ کبائر و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔

۳۔ لَمَمَ کے لغوی معنی ہیں، کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں اَلَمَّ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا) اَلَمَّ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھایا)، اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک مرتبہ

مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا أَنْتُمْ أَيْحَتُهُ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ
فَلَا تَزُولُ أَنْفُسُكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّبَى ۝

تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے، وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے^(۱) پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو،^(۲) وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

۳۳۔ کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا؟

۳۴۔ اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا۔^(۳)

۳۵۔ کیا اسے غیب کا علم ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟^(۴)

۳۶۔ کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا؟

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى

وَاعْطَى قَلِيلًا وَآكَدَى ۝

أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهَوَّيَرَى ۝

أَمْ لَمْ يَنْبَأْ بِمَا فِي صُفْهِ مُوسَى ۝

یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال کا گزرنا، یہ سب صورتیں لَمَمَ کہلاتی ہیں۔ (نسخ القدر) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب، لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کبار سے اجتناب کی برکت سے معاف فرمادے گا۔

۱۔ أَجِنَّةً، جِنَّین کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

۲۔ یعنی جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمہیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمہارے تمام احوال سے وہ واقف تھا، تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو۔ تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔

۳۔ یعنی تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا اَكْدَى کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں اَكْدَى یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچائے۔

۴۔ یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا؟ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۝

أَلَّا تَسْزُرُوا زُرَّةً وَذُرَّ آخُرَى ۝

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَسْغَىٰ ۝

وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يُؤْتَىٰ ۝

ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوْفَىٰ ۝

وَأَنْ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۝

۳۷۔ اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا۔

۳۸۔ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

۳۹۔ اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔^(۱)۴۰۔ اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔^(۲)

۴۱۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۴۲۔ اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔

۱۔ یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی۔ (اس جزاء کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم کے اہل علم اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں) البتہ اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص یا اشارۃ النص سے اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل، عمل خیر ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اسے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات و قربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا۔ البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تو وہ یہی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی ﷺ نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، کتاب البيوع، باب الحث على الكسب) صدقہ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ ﴿وَتَكُنُّبُ مَا كَدَّمُوا وَأَثَارُهُمْ﴾ (بقرہ: ۱۳۲) (اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں) اسی طرح وہ علم، جس کی اس نے لوگوں میں نشر و اشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتداء کی، تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصدق حدیث نبوی «مَنْ دَعَا إِلَىٰ هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا» (سنن أبي داود کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ) اقتداء کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا۔ اس لیے یہ حدیث، آیت کے منافی نہیں ہے۔ (ابن کثیر)۔

۲۔ یعنی دنیا میں اس نے اچھا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت کے دن سامنے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزاء دی جائے گی۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضَعَكَ وَأَنبَغِي ۝

وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ۝

وَأَنَّهُ خَلَقَ الثَّوَجِينَ الذَّكْرَ وَالْأُنثَى ۝

مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى ۝

وَأَن عَلَيْهِ الشَّأْنُ الْآخِرَى ۝

وَأَنَّهُ هُوَ أَعْنَى وَأَقْنَى ۝

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِى ۝

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ۝

وَنُوحًا إِذْ نَبَغِي ۝

وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلِ أَن يَهْلِكُوا أَهْلَهُمْ أَظْلَمُ وَأَطْلَى ۝

وَالْبُؤْسُ فَكَأْهُوِي ۝

فَغَشَّاهَا مَا غَشَّى ۝

فِي أَيِّ الْكَرْبِ لَيْتَ تَتَمَلَّأِي ۝

۴۳۔ اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے وہی رلاتا ہے۔

۴۴۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔

۴۵۔ اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے۔

۴۶۔ نطفہ سے جب کہ وہ ٹپکایا جاتا ہے۔

۴۷۔ اور یہ کہ اسی کے ذمے دوبارہ پیدا کرنا ہے۔

۴۸۔ اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔^(۱)۴۹۔ اور یہ کہ وہی شعرے (ستارے) کا رب ہے۔^(۲)۵۰۔ اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا ہے۔^(۳)

۵۱۔ اور ثمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔

۵۲۔ اور اس سے پہلے قوم نوح کو، یقیناً وہ بڑے ظالم اور

سرکش تھے۔

۵۳۔ اور مؤنّفکۃ (شہر یا الٹی ہوئی بستیوں کو) اسی نے

الٹ دیا۔^(۴)۵۴۔ پھر اس پر چھا دیا جو چھایا۔^(۵)

۵۵۔ پس (اے انسان) تو اپنے رب کی کس کس نعمت

کے بارے میں جھگڑے گا؟^(۶)

۱۔ یعنی کسی کو اتنی تو نگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

۲۔ رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔

۳۔ قوم عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی، یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں، عاد نامی دو قومیں گزری ہیں، یہ پہلی ہے جسے باند تدمت سے ہلاک کیا گیا جب کہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔

۴۔ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں، جن کو ان پر الٹ دیا گیا۔

۵۔ یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

۶۔ یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا، جب کہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا انفاء ہی۔

هَذَا نَذِيرٌ مِنَ اللَّهِ لِلأُولَى ⑤

أَبْرَهَةَ الْكَافَّةُ ⑥

لَيْسَ لَهُمْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ⑦

أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ⑧

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَتَّبِعُونَ ⑨

وَأَنْتُمْ سِيدُونَ ⑩

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَعِبُدُوا ⑪

۵۶۔ یہ (نبی) ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔

۵۷۔ آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔

۵۸۔ اللہ کے سوا اس کا (وقت معین پر کھول کر) دکھانے والا اور کوئی نہیں۔

۵۹۔ پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ ①

۶۰۔ اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟

۶۱۔ اور (بلکہ) تم کھیل رہے ہو۔

۶۲۔ اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔ ②



۱۔ بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزاء کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تعجب والی کوئی بات ہے نہ استہزاء و تکذیب والی۔

۲۔ یہ مشرکین اور مکذبین کی توتیخ کے لیے حکم دیا۔ یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کے بجائے، اس کا استہزاء و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے، تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ نے اور صحابہ کرام نے سجدہ کیا، حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا، جیسا کہ احادیث میں ہے۔



سورہ قمر کی ہے اور اس میں پچپن آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنشَأَتِ السَّاعَةَ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①

وَأَن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَقَرٌّ ②

وَلَا يَرْجِعُونَ ③

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ④

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قیامت قریب آگئی^(۱) اور چاند پھٹ گیا۔^(۲)

۲. اور یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور
کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔^(۳)

۳. اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی
اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے۔^(۴)

۴. اور یقیناً ان کے پاس وہ خیریں آچکی ہیں^(۵) جن میں
ڈانٹ ڈپٹ (کی نصیحت) ہے۔^(۶)

☆ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔ کَمَا مَرَّ۔

۱. ایک تو باعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا، کیونکہ جو باقی ہے، وہ تھوڑا ہے۔ دوسرا ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے۔ چنانچہ
نبی ﷺ نے بھی اپنی بابت فرمایا کہ میرا وجود قیامت سے متصل ہے، یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۲. یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حراء پہاڑ کو اس کے
درمیان دیکھا۔ یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار،

باب انشقاق القمر وتفسیر سورة اقتربت الساعة وصحیح مسلم کتاب صفة القيامة، باب انشقاق القمر) جمہور سلف وخلف کا یہی مسلک ہے
(فتح القدیر) امام ابن کثیر لکھتے ہیں ”علماء کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی ﷺ کے زمانے میں ہوا اور یہ

آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے، صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔“

۳. یعنی قریش نے، ایمان لانے کے بجائے، اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روش برقرار رکھی۔

۴. یہ کفار مکہ کی تکذیب اور اتباع اہواء کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہاء ہے، وہ کام اچھا
ہو یا برا۔ یعنی بالآخر اس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا

ہے اگر اللہ کی مشیت مقتضی ہو، ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

۵. یعنی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انہوں نے تکذیب کی۔

۶. یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو بچ سکتا
ہے۔ مُزْدَجَرٌ اصل میں مُزْتَجَرٌ ہے زَجَرٌ سے مصدر میمی۔

حِكْمَةً بِالْعَلَّةِ فَمَا لَعْنُ النَّذْرِ ۝

فَقَوْلَ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ مُّكْتَرٍ ۝

خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ
جِرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝

مُطَّعِنِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا
يَوْمَ عَرِ ۝

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا
مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۝

فَدَعَا رَبِّي أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرَ ۝

۵. اور کامل عقل کی بات ہے ^(۱) لیکن ان ڈراؤنی باتوں
نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔ ^(۲)

۶. پس (اے نبی ﷺ) تم ان سے اعراض کرو، جس
دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ^(۳)

۷. یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے
ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔ ^(۴)

۸. پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے، ^(۵) اور کافر
کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے۔

۹. ان سے پہلے قوم نوح (علیہ السلام) نے بھی ہمارے بندے
کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا گیا تھا۔ ^(۶)

۱۰. پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس

۱. یعنی ایسی بات جو تباہی سے پھیر دینے والی ہے دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم حکمت بالغہ ہے جس میں کوئی نقص یا خلل نہیں ہے۔ تیسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے یا گمراہ کر دے اس میں بھی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

۲. یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مہر لگادی ہے، اس کو پیغمبروں کا ڈراوا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اس کے لیے تو ﴿مَوَاسٍ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ رَءُوفٌ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّهُمْ﴾ (البقرة: ۶) (کافروں کو آپ کا ڈرانا، یا نہ ڈرانا برابر ہے) والی بات ہے۔ تقریباً اسی مفہوم کی یہ آیت ہے۔ ﴿قُلْ قَبْلَهُ الْحَقُّهُ الْبَالِغَةُ فَكُوشَاءَ لَهَذَا لَكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (الانعام: ۱۳۹) (آپ کہیے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی۔ پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا)۔

۳. یَوْمَ سے پہلے اذْکُرْ محذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ نُکِّرُ، نہایت ہولناک اور دہشت ناک مراد میدانِ محشر اور موقفِ حساب کے احوال اور آزمائشیں ہیں۔

۴. یعنی قبروں سے نکل کر وہ اس طرح پھیلیں گے اور موقفِ حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے، گویا ٹڈی دل ہے جو آنا فنا فضاءِ بسیط میں پھیل جاتا ہے۔

۵. مُطَّعِنِينَ، مُسْرِعِينَ، دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔

۶. وَازْدُجِرَ وَازْتَجَرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی نہیں کی، بلکہ انہیں جھڑکا اور ڈرایا دھمکایا بھی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿قَالُوا لَئِنْ كُنْتُمْ نَبِيًّا فَرِّقُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ آلِ هَارَانَ﴾ (الشعراء: ۱۱۹) (اے نوح! علیہ السلام) اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سگسار کر دیا جائے گا۔

ہوں تو میری مدد کر۔

۱۱. پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے بینہ سے کھول دیا۔^(۱)

۱۲. اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا پس اس کام کے لیے جو مقدر کیا گیا تھا (دونوں) پانی جمع ہو گئے۔^(۲)

۱۳. اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔^(۳)

۱۴. جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔

۱۵. اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر باقی رکھا^(۴) پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔^(۵)

۱۶. بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟

۱۷. اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے^(۶) پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝

وَجَعَلْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ رُدِّدَ ۝

وَصَلَّيْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوْدَادِ وَدُسِّرَ ۝

تَحِيرَى بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرًا ۝

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرٍ ۝

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝

۱. مُنْهَمِرٌ، بمعنی کثیر یا زوردار ھَمَرٌ، صَبَّ (بہنے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب زور سے پانی برستا رہا۔

۲. یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کر وہ کام پورا کر دیا جو قضاء و قدر میں لکھ دیا گیا تھا یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔

۳. دُسِّرَ، دَسَّاء کی جمع ہے، وہ رسیاں، جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے، یا وہ کیلیں اور میخیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔

۴. تَرَكْنَاهَا میں ضمیر کا مرجع سَفِينَةٌ ہے۔ يَا فِعْلَةً یعنی تَرَكْنَا هَذِهِ الْفِعْلَةَ الَّتِي فَعَلْنَاهَا بِهِمْ عِبْرَةً وَوَعْدَ عِظَةٍ۔ (فتح القدیر)

۵. مُذَكِّرٌ، اصل میں مُذَكِّرٌ ہے۔ تا کو دال سے بدل دیا گیا اور ذال مجملہ کو دال بنا کر، دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ معنی ہیں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدیر)

۶. یعنی اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا، اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود، کوئی

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابُ رَبِّكَ ۖ وَيُنذِرُ ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ رَحْمَةً صَرَافِي يَوْمِ رَبِّكَ ۖ
مُتَمِّمَةً ۝

تَنْزِيلُ النَّاسِ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝

فَكَيْفَ كَانَ عَدَابُ رَبِّكَ ۖ وَيُنذِرُ ۝

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝

فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثْلَآءِ آبَائِنَا الَّذِیْنَ صَلَّی
وَسُعِّرَ ۝

۱۸. قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیا ہوا میرا عذاب اور
میری ڈرانے والی باتیں۔

۱۹. ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا، ایک پیہم
منحوس دن میں بھیج دی۔^(۱)

۲۰. جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی، گویا کہ وہ جڑ
سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔^(۲)

۲۱. پس کیسی رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟

۲۲. اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان
کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

۲۳. قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔

۲۴. اور کہنے لگے کیا ہمیں میں سے ایک شخص کی ہم
فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی

شخص تھوڑی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معانی و بلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے، اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے، جو لفظ بلفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سے چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے درتچے وارکھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

۱. کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی، جب اس تند، سخ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل ۷ راتیں اور ۸ دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اٹھتی اور اس طرح زور سے انہیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوست ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ مُسْتَمِرٌّ کا مطلب، یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

۲. یہ درازی قد کے ساتھ ان کی بے بسی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درآں حالیکہ انہیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ أَعْجَازُ کی جمع ہے، جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ مُنْقَعِرٌ، اپنی جڑ سے اکھڑ جانے اور کٹ جانے والا۔ یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح، جو اپنی جڑ سے اکھڑ اور کٹ چکے ہوں، ان کے لاشے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

میں پڑے ہوئے ہوں گے۔^(۱)

۲۵. کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خور ہے۔^(۲)

۲۶. اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور شیخی خور تھا؟^(۳)

۲۷. بیشک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔^(۴) پس (اے صالح) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر۔^(۵)

۲۸. اور ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے، ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا۔^(۶)

۲۹. انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی^(۷) جس نے (اونٹنی پر) وار کیا^(۸) اور (اس کی) کوچیں کاٹ دیں۔

إِلَّيَّ الدُّعَاءُ عَلَيْهِمْ مِنْ رَبِّنَا لَبِئْسَ الْكُذَّابُ ۝۱۰

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ الْكَاشِرُ ۝۱۱

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فَمَنْ فَمَنْ قَاتِبَهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝۱۲

وَنَبِّهِهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شَرْبٍ مُخْتَصِرٌ ۝۱۳

فَتَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ۝۱۴

۱. یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا، ان کے نزدیک گمراہی اور دیوانگی تھی۔ سُعْرٌ، سَعِيرٌ کی جمع ہے، آگ کی لپٹ۔ یہاں اس کو دیوانگی یا شدت و عذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

۲. أَشِيرٌ، بمعنی مُتَكَبِّرٌ، یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بہت بڑا۔ کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آتی تھی؟ یا اس ذریعے سے ہم پر اپنی بڑائی جتاناس کا مقصود ہے۔

۳. یہ خود، پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے۔ یا حضرت صالح علیہ السلام؟ جن کو اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا۔ غَدًا یعنی کل سے مراد قیامت کا دن ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔

۴. کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پتھر کی ایک چٹان سے ظاہر فرمائی تھی۔

۵. یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی ایذاؤں پر صبر کر۔

۶. یعنی ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔

۷. مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص ہے جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے دوسرا اس روز نہ آئے شُرْبٌ، حصہ آب۔

۸. یعنی جس کو انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا، جس کا نام قدار بن سالف بتلایا جاتا ہے، اس کو پکارا کہ وہ اپنا کام کرے۔

۹. یا تلوار یا اونٹنی کو پکڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے فَتَعَاطَى کے معنی فَجَسَرَ کیے ہیں، پس اس نے جسارت کی۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ مَيْمِحَةً وَاحِدَةً ۖ فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَطِرِ ۝

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالَّذِي ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا ۖ لَا آلَ لُوطٍ نَجِّيْنَهُمْ بِسِحْرِ ۝

رَبِّعَهُ ۖ مِنْ عِنْدِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالَّذِي ۝

۳۰۔ پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔

۳۱۔ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسے باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس۔^(۱)

۳۲۔ اور یقیناً ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے۔

۳۳۔ قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔

۳۴۔ بیشک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی^(۲) سوائے لوط (علیہ السلام) کے گھر والوں کے، انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی۔^(۳)

۳۵۔ اپنے احسان سے^(۴) ہر ایک شکر گزار کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

۳۶۔ اور یقیناً اس (لوط علیہ السلام) نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا^(۵) لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے بارے میں (شک و شبہ اور) جھگڑا کیا۔^(۶)

۱۔ حَظِيرَةٌ، بمعنی مَحْظُورَةٌ، باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ مُحْتَطِرٌ، اسم فاعل ہے صَاحِبُ الْحَظِيرَةِ - هَشِيمٌ، خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھیتی یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔

۲۔ یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو کنکریاں مارتی تھی۔ یعنی ان کی بستیوں کو ان پر اتا دیا گیا، اس طرح کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر، اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورہ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔

۳۔ آل لوط سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں، جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں، جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے۔

۴۔ یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔

۵۔ یعنی عذاب آنے سے پہلے، ہماری سخت گرفت سے ڈرایا تھا۔

۶۔ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔

۳۷۔ اور یقیناً ان (لوط علیہ السلام) کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا^(۱) پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں،^(۲) (اور کہہ دیا) کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔

۳۸۔ اور یقیناً بات ہے کہ انہیں صبح سویرے ہی ایک جگہ پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا۔^(۳)

۳۹۔ پس میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو۔
۴۰۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کو پسند و وعظ کے لیے آسان کر دیا ہے۔^(۴) پس کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا۔

۴۱۔ اور بیشک فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔^(۵)
۴۲۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں^(۶) پس ہم نے انہیں بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا۔^(۷)

وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذْرِي ۝

وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ ۝

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذْرِي ۝

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝

وَلَقَدْ جَاءَهُ الرَّعُونَ النَّذْرُ ۝

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذْبًا فَخَذَّاهُمْ أَحَدًا عَزِيزٌ مُقْتَدِرٌ ۝

۱۔ یا بھلایا یا مانگا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کو معلوم ہوا کہ چند خورو نوجوان لوط علیہ السلام کے ہاں آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم اپنے بگڑے ہوئے ذوق کی ان سے تسکین کریں۔

۲۔ کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرائیل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جب انہوں نے بد فعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انہیں مارا، جس سے ان کی آنکھوں کے ڈھیلے ہی باہر نکل آئے، بعض کہتے ہیں، صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہر حال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بدعتی سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یا بینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے۔ اور پھر صبح اس عذاب عام میں تباہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳۔ یعنی صبح ان کے پاس عذاب مستقر آ گیا۔ مستقر کے معنی، ان پر نازل ہونے والا، جو انہیں ہلاک کیے بغیر نہ چھوڑے۔
۴۔ تیسرے قرآن کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم و حفظ کو آسان کر دینا، اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔ نُذْرٌ، نَذِيرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنی اِنْذَارٌ مصدر ہے۔ (فتح القدیر)

۶۔ وہ نشانیاں، جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونوں کو ڈرایا۔ یہ نو نشانیاں تھیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۷۔ یعنی ان کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ عذاب، ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا۔

اَلْكَافِرُ كَذِبٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَمْرٌ لَّكَمَّ بَرَآءَةٌ فِى
الرُّبُوبِ ۝

اَمْ يَقُولُونَ لَنْ نَجِدَ لَكُمْ نَصْرًا ۝

سَيَهْرَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْخٰى وَاَمْرًا ۝

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِى صَلٰلٍ وَّسُعْرٍ ۝

يَوْمَ يُصْعَقُونَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ
سَقَرٍ ۝

۴۳۔ (اے قریشو!) کیا تمہارے کافر ان کافروں سے کچھ
بہتر ہیں؟^(۱) یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھکارا لکھا
ہوا ہے؟^(۲)

۴۴۔ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔^(۳)

۴۵۔ عنقریب اس جماعت کو شکست دے دی جائے گی
اور پیٹھ دے کر بھاگے گی۔^(۴)

۴۶۔ بلکہ انہیں (عذاب کے لیے) دیا گیا وقت تو قیامت کا
دن ہی ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی چیز ہے۔^(۵)

۴۷۔ بیشک گناہ گار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں۔

۴۸۔ جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھیٹے
جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کی آگ

۱۔ یہ استفہام انکار یعنی نفی کے لیے ہے۔ یعنی اے اہل عرب! تمہارے کافر، گزشتہ کافروں سے، بہتر نہیں ہیں، جب
وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے، تو تم جب کہ تم ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟
۲۔ زُبُر سے مراد گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں ہیں۔ یعنی کیا تمہاری بابت کتب منزلہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ
یہ قریش یا عرب، جو مرضی کرتے رہیں، ان پر عذاب نہیں آئے گا۔
۳۔ تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے، کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ
مجمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

۴۔ اللہ نے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی، جماعت سے مراد کفار مکہ ہیں۔ چنانچہ بدر میں انہیں شکست ہوئی اور یہ
پیٹھ دے کر بھاگے، رؤسائے شرک اور اساطین کفر ہلاک کر دیے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب نبی ﷺ نہایت
الحاح و زاری سے اپنے خیمے میں مصروف دعا تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! اَلْحَحْتُ
عَلٰی رَبِّكَ (بس کیجیے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے رب کے سامنے بہت الحاح و زاری کر لی)۔ چنانچہ آپ ﷺ خیمے
سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت تھی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة اقترت الساعة)

۵۔ اَذْهٰی دھما سے ہے، سخت رسوا کرنے والا، اَمْرٌ مَّرَآةٌ سے ہے، نہایت کڑوا۔ یعنی دنیا میں جو یہ قتل کیے گئے، قیدی
بنائے گئے وغیرہ، یہ ان کی آخری سزا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت کے دن دی جائیں گی
جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

لگنے کے مزے چکھو۔^(۱)

۴۹. بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔^(۲)

۵۰. اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ (کا ایک کلمہ) ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

۵۱. اور بیشک ہم نے تم جیسے بہت سوں کو ہلاک کر دیا ہے،^(۳) پس کوئی ہے نصیحت لینے والا۔

۵۲. اور انہوں نے جو کچھ (اعمال) کیے ہیں سب نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔^(۴)

۵۳. اور (اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔^(۵)

۵۴. یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہو گئے۔^(۶)

۵۵. راستی اور عزت کی بیٹھک میں^(۷) قدرت والے بادشاہ کے پاس۔^(۸)

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بَالِبٍ ۝

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَكُمْ فَهُمْ مِنْ مُدْرِكٍ ۝

وَكُلُّ شَيْءٍ عَعْلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَوْرٌ ۝

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَذَّتٍ وَنَهْرٍ ۝

فِي مَقْعَدٍ صَدِيقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُقْتَدِرٍ ۝

۱. سَقَر بھی جہنم کا نام ہے یعنی اس کی حرارت اور شدت عذاب کا مزہ چکھو۔

۲. ائمہ سنت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الہی کا اثبات کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا اور اس نے سب کی تقدیر لکھ دی ہے اور فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جس کا ظہور عہد صحابہ کے آخر میں ہوا۔ (ابن کثیر)

۳. یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو، جو کفر میں تمہارے ہی جیسے تھے۔ اَشْيَاءَكُمْ أَيُّ: اَشْبَاهَكُمْ وَنُظَرَ آءَكُمْ۔ (فتح القدیر)

۴. یا دوسرے معنی ہیں، لوح محفوظ میں درج ہیں۔

۵. یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال و افعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشیاء کے ذکر کے بعد اب سعداء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۶. یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ نَهْرٌ، بطور جنس کے ہے جو جنت کی تمام نہروں کو شامل ہے۔

۷. مَقْعَدٍ صَدِيقٍ، عزت کی بیٹھک یا مجلس حق، جس میں گناہ کی بات ہوگی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔

۸. مَلِكٍ مُقْتَدِرٍ، قدرت والا بادشاہ یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ عِنْدَ (پاس) یہ کنایہ ہے اس شرف منزلت اور عزت و احترام سے، جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہو گا۔

سورہ رحمن مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. رحمن نے۔
۲. قرآن سکھایا۔^(۱)
۳. اسی نے انسان کو پیدا کیا۔^(۲)
۴. اور اسے بولنا سکھایا۔^(۳)
۵. آفتاب اور مانتاب مقررہ حساب سے ہیں۔^(۴)
۶. اور ستارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔^(۵)

الرَّحْمَنُ
عَلَّمَ الْقُرْآنَ
خَلَقَ الْإِنْسَانَ
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حِسَابًا
وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ

☆ اس کو بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ کلی ہے (فتح القدیر) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوئی ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی ﴿فَيَأْتِي الْأَرْضَ رُكُوعًا ثُمَّ يُنَادِي بِنِجْمَاتٍ﴾ پڑھتا، تو وہ اس کے جواب میں کہتے (لَا يَشْيَاءُ مَنْ نَعَمَكَ رَبَّنَا نَكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ)۔ (ترمذی، تفسیر سورة الرحمن، ذكره الألباني في صحيح الترمذی)

۱. کہتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رحمن کیا ہے؟ قرآن سکھانے کا مطلب ہے، اسے آسان کر دیا، یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے اسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدیر)

۲. یعنی یہ بندر وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ڈارون کا فلسفہ ارتقاء ہے۔ بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔

۳. اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے از خود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے، حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے، جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

۴. یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

۵. جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿الَّذِينَ اللَّهُ يَسْجُدُ لَهُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ

۷. اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔^(۱)
۸. تاکہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو۔^(۲)
۹. اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو۔
۱۰. اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھادی۔
۱۱. جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت ہیں۔^(۳)
۱۲. اور بھس والا اناج ہے^(۴) اور خوشبودار پھول ہیں۔
۱۳. پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۵)
۱۴. اس نے انسان کو بننے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی۔^(۶)

- وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿۱﴾
 أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿۲﴾
 وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿۳﴾
 وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿۴﴾
 فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿۵﴾
 وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالزَّيْتَانِ ﴿۶﴾
 يَأْتِي الْآبَاءَ رِيبًا تَارِكًا بَنِينَ ﴿۷﴾
 خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۸﴾

- وَالذَّلَّالُ ﴿۱﴾ (الحج: ۱۸) (کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور)۔
۱. یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: ۲۵) (یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں)۔
۲. یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔
۳. أَكْمَامٌ، کِم کی جمع ہے، وعاء التمر، کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔
۴. حَبٌّ سے مراد ہر وہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خشک ہو کر اس کا پودا بھس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔

۵. یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے۔ یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے، میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)
۶. صَلْصَالٍ خشک مٹی، جس میں آواز ہو۔ فَخَّارٌ آگ میں پکی ہوئی مٹی، جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کا پہلے مٹی سے پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں

وَحَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵

فَإِنِّي الْآءُ رِيكُمَا تَكْدِبِينَ ۝۱۶

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷

فَإِنِّي الْآءُ رِيكُمَا تَكْدِبِينَ ۝۱۸

مَوَازٍ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَمِتَانِ ۝۱۹

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝۲۰

۱۵. اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔^(۱)

۱۶. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۲)

۱۷. وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا۔^(۳)

۱۸. تو (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس

نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۱۹. اس نے دو دریا جاری کر دیے جو ایک دوسرے سے

مل جاتے ہیں۔

۲۰. ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں

سکتے۔^(۴)

پہلی سے حوا کو پیدا فرمایا، اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

۱. اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابوالجن ہے، یا جن بطور جنس کے ہے۔ جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ مارج آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔

۲. یعنی تمہاری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟

۳. ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے۔ اس لیے دونوں کو تشبیہ ذکر کیا ہے، موسموں کے اعتبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کے لیے بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

۴. مَرَجَ بمعنی اُڑ سَلا جاری کر دیے۔ اس کی تفصیل سورۃ الفرقان، آیت: ۵۳ میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے بیٹھے پانی کے دریا ہیں، جن سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کا پانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے، جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی بیٹھے پانی کی لہریں چلتی ہیں اور یہ دونوں لہریں آپس میں نہیں ملتیں، بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر بیٹھے پانی کی لہریں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تہ میں نیچے چھوٹے آب شیریں۔ جیسا کہ واقعاً بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر بیٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جاکر گرتا ہے، وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ

فَيَأْتِي الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

يَعُودُ مَرَّةً مَّا الْوَلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝

فَيَأْتِي الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝

فَيَأْتِي الْآءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

۲۱۔ پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۲۲۔ ان دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔^(۱)۲۳۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۲)

۲۴۔ اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں وہ جہاز جو سمندروں

میں پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں۔^(۳)

۲۵۔ پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس

نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۴)

ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا دریائی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں۔ لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ برزخ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

۱۔ مَرْجَانٌ سے چھوٹے موتی یا پھر مونگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنے مونہہ کھول دیتی ہیں، جو قطرہ انکے اندر پڑ جاتا ہے، وہ موتی بن جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ موتی وغیرہ میٹھے پانی کے دریاؤں سے نہیں، بلکہ صرف آب شور یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں۔ لیکن قرآن نے تنزیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موتی نکلتے ہیں۔ چونکہ موتی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں، اس لیے اس کی شہرت ہو گئی ہے۔ تاہم شیریں دریاؤں سے اس کی نفی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ میٹھے دریا میں بھی موتی ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موتی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے، ان میں سے کسی ایک سے بھی موتی نکل جائیں تو ان پر تنزیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ شیریں دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لیے گو منع دریائے شور ہی ہوئے، لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات اور تکلفات کی ضرورت نہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۲۔ یہ جواہر اور موتی زیب و زینت اور حسن و جمال کا مظہر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انہیں اپنے ذوق جمال کی تسکین اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

۳۔ الْجَوَارِ، جَارِيَّةٌ (چلنے والی) کی جمع اور محذوف موصوف (السُّفُنُ) کی صفت ہے۔ مُنْشَآتٌ کے معنی مرفوعات ہیں، یعنی بلند کی ہوئیں، مراد بادبان ہیں، جو بادبانی کشتیوں میں جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی مصنوعات کے کیے ہیں یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔

۴۔ ان کے ذریعے سے بھی نقل و حمل کی جو آسانیاں ہیں، محتاج وضاحت نہیں، اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

۲۶. جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والا ہے۔

۲۷. اور صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔

۲۸. پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۱)

۲۹. سب آسمانوں اور زمین والے اسی سے مانگتے ہیں۔^(۲)
ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔^(۳)

۳۰. پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۴)

۳۱. (جنوں اور انسانوں کے گروہو!) عنقریب ہم تمہاری طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں گے۔^(۵)

۳۲. پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۳۳. اے گروہ جنات وانسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو^(۶) بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔^(۷)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝

وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۝

يَسْأَلُكُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۝

سَنَقَرُ لَكُمْ أَنفُسَهُمُ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۝

يُعَذِّرُ الْبَلَاءَ وَالْأَلْسُنَ إِن اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ وَالْأَنْفُسُ لِلَّهِ ۝

۱. فناء دنیا کے بعد، جزاء و سزا یعنی عدل کا اہتمام ہوگا، لہذا یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے جس پر شکر الہی واجب ہے۔

۲. یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں۔

۳. ہر روز کا مطلب، ہر وقت۔ شان کے معنی امر یا معاملہ، یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے، کسی کو بیمار کر رہا ہے، کسی کو شفیاب، کسی کو تو مگر بنا رہا ہے تو کسی تو مگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلندیوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو بستی میں گرا رہا ہے، کسی کو بہت سے نیست اور نیست کو بہت کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر و مشیت سے ہو رہے ہیں اور شب و روز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ۔

۴. اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور و معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔

۵. اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورہ بولا گیا ہے جس کا مقصد وعید و تہدید ہے۔ ثَقَلَانِ (جن وانس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو تکالیف شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے، اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق مشغول ہے۔

۶. یہ تہدید بھی نعمت ہے کہ اس سے بدکار، بدیوں کے ارتکاب سے باز آجائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔

۷. یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاء سے تم بھاگ کر کہیں جاسکتے ہو تو چلے جاؤ، لیکن یہ طاقت کس میں ہے؟ اور بھاگ کر آخر

۳۴. پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
۳۵. تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا^(۱) پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔^(۲)
۳۶. پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
۳۷. پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چمڑا۔^(۳)
۳۸. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
۳۹. اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرش نہ کی جائے گی۔^(۴)
۴۰. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
۴۱. گناہ گار صرف حلیہ سے ہی پہچان لیے جائیں گے^(۵)

- فَيَأْتِي الْآلَاءَ رِيكًا مَّكْدَرِينَ ﴿۳۴﴾
يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ﴿۳۵﴾
فَيَأْتِي الْآلَاءَ رِيكًا مَّكْدَرِينَ ﴿۳۶﴾
وَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾
فَيَأْتِي الْآلَاءَ رِيكًا مَّكْدَرِينَ ﴿۳۸﴾
فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعْمِلُ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿۳۹﴾
فَيَأْتِي الْآلَاءَ رِيكًا مَّكْدَرِينَ ﴿۴۰﴾
يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالْأُؤَامِ ﴿۴۱﴾

کہاں جائے گا؟ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تہدید ہے جو مذکورہ تہدید کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا، جب کہ فرشتے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھے ہوں گے۔ دونوں ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

۱. مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن کہیں بھاگ کر گئے بھی، تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر یا پگھلا ہوا تانبہ تمہارے سروں پر ڈال کر تمہیں واپس لے آئیں گے۔ نَحَاسٌ کے دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں۔

۲. یعنی اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی تم قدرت نہیں رکھو گے۔

۳. قیامت کے دن آسمان پھٹ پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نار جہنم کی شدت حرارت سے پگھل کر سرخ نری کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دِهَانٌ، سرخ چمڑا۔

۴. یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا، کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہوگا اور اللہ کے علم میں بھی۔ البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے؟ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضاء خود بول کر ہر بات بتلائیں گے۔

۵. یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہوگی کہ ان کے اعضاء وضو پکھتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلیوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔

اور ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے۔^(۱)

۴۲. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۴۳. یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے۔

۴۴. اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے۔^(۲)

۴۵. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۴۶. اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں۔^(۳)

۴۷. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۴۸. (دونوں جنتیں) بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں۔^(۴)

۴۹. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۵۰. ان دونوں (جنتوں) میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں۔^(۵)

۵۱. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۵۲. ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوؤں کی دو

وَالْأَعْدَادُ ۝

فَيَأْتِي الْآلَاءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

هَذَا جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝

يُطَوَّقُونَ فِيهَا وَبَيْنَ حَبِيرٍ ۝

فَيَأْتِي الْآلَاءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَيْنِ ۝

فَيَأْتِي الْآلَاءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۝

فَيَأْتِي الْآلَاءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

فِي مِائِيْن عَيْنٍ مُّتَجَرِّدِينَ ۝

فَيَأْتِي الْآلَاءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

فِي مِائِيْن عَيْنٍ مُّتَجَرِّدِينَ ۝

۱. فرشتے ان کی پیشانیاں ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے، یا کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انہیں پکڑیں گے۔

۲. یعنی کبھی انہیں جحیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی مَاءٌ حَمِيمٌ پینے کا عذاب۔ آن، گرم۔ یعنی سخت کھولتا ہوا گرم پانی، جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ دے گا۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا۔

۳. جیسے حدیث میں آتا ہے۔ (دو باغ چاندی کے ہیں، جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب سونے کے ہی ہوں گے)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الرحمن) بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین مُقَرَّبِينَ اور چاندی کے باغ عام مومنین أَصْحَابُ الْيَمِينِ کے لیے ہوں گے۔ (ابن کثیر)۔

۴. یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گہرا ہوگا، نیز پھلوں کی کثرت ہوگی، کیونکہ کہتے ہیں ہر شاخ اور ٹہنی پھلوں سے لدی ہوگی۔ (ابن کثیر)

۵. ایک کا نام تَسْنِيمٌ اور دوسرے کا سَلْسَبِيلٌ ہے۔

قسمیں ہوں گی۔^(۱)

۵۳. پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۵۴. جنتی ایسے فرشتوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے

جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے،^(۲) اور ان دونوں

جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے۔^(۳)

۵۵. پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۵۶. وہاں (شرعی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں^(۴) جنہیں

ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا۔^(۵)

۵۷. پس اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۵۸. وہ حوریں یاقوت اور مونگے کے مانند ہوں گی۔^(۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا

الْعَالَمِينَ عَلَىٰ أَرْضٍ بَّاطِلٍ أَلَمِنَ اسْتَبْرَئِي وَجَنَّا

الْجَنَّتَيْنِ دَارِنَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا

فِيهِنَّ فَصُرَتْ لَهُنَّ الظُّرُفُ لَا يَبْصُرُهُنَّ النَّاسُ قَبْلَهُمْ وَلَا

جَانِبَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ

۱. یعنی ذاتکے اور لذت کے اعتبار سے ہر پھل دو قسم کا ہوگا، یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے۔ بعض نے کہا کہ ایک قسم خشک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہوگی۔

۲. ابری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر (ابری) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا۔

۳. اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے، ﴿فُتُوهُنَّ أَزْوَاجٌ﴾ (الحاقة: ۲۳) (جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے)۔

۴. جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔

۵. یعنی بارگاہ اور نئی نیلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے ماقبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی کچھ ہوگا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہوگا۔

۶. یعنی صفائی میں یاقوت اور سفیدی و سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ يَرَىٰ مُخِ شَوْقِهِنَّ مِنْ وَرَاءِ الْعِظَمِ وَاللَّحْمِ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة و صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعيمها، باب أول زمرة تدخل الجنة) (ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا، گوشت اور ہڈی کے باہر سے نظر آئے گا)۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ (جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین و جمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان وزمین

۵۹. پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۶۰. احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔^(۱)

۶۱. پس اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۶۲. اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں۔^(۲)

۶۳. پس تم اپنے پرورش کرنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۶۴. جو دونوں سیاہی مائل گہری سبز ہیں۔^(۳)

۶۵. بتاؤ اب اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

۶۶. ان میں دو (جوش سے) ابلنے والے چشمے ہیں۔^(۴)

۶۷. پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟

۶۸. ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔^(۵)

۶۹. کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟

۷۰. ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔^(۶)

يَمَّا يَئِي الْآدَاءُ رَبُّكُمْ أَكْثَرُ ۝

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

يَمَّا يَئِي الْآدَاءُ رَبُّكُمْ أَكْثَرُ ۝

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۝

يَمَّا يَئِي الْآدَاءُ رَبُّكُمْ أَكْثَرُ ۝

مُدَاهَمَتَيْنِ ۝

يَمَّا يَئِي الْآدَاءُ رَبُّكُمْ أَكْثَرُ ۝

فِيهِمَا عَيْنَانِ تَصَّاحَتَانِ ۝

يَمَّا يَئِي الْآدَاءُ رَبُّكُمْ أَكْثَرُ ۝

فِيهِمَا قَالِكُهُ وَغُلٌّ وَرَمَانٌ ۝

يَمَّا يَئِي الْآدَاءُ رَبُّكُمْ أَكْثَرُ ۝

فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۝

کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے، اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الحور العین)

۱. پہلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعت الہی اور دوسرے احسان سے اس کا صلہ، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

۲. دُونِہما سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں پچھلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت: ۴۶ میں گزرا، کم تر ہوں گے۔

۳. کثرت سیرابی اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے وہ مائل بسیاہی ہوں گے۔

۴. یہ صفت تَجْرِیَانِ سے ملکی ہے الْحَزْرِيُّ أَقْوَىٰ مِنَ النَّصْحِ۔ (ابن کثیر)

۵. جب کہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں بتلایا گیا ہے کہ تمام پھل دو قسم کے ہوں گے۔ ظاہر ہے اس میں شرف و فضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔

۶. خَيْرَاتٌ سے مراد اخلاق و کردار کی خوبیاں ہیں اور حِسَانٌ کا مطلب ہے حسن و جمال میں کیتا۔

- ۱۔ ۱۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
 ۲۔ ۲۔ (گوری رنگت کی) حوریں جنتی خیموں میں رہنے والیاں ہیں۔
 ۳۔ ۳۔ پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
 ۴۔ ۴۔ ان کو ہاتھ نہیں لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے قبل۔
 ۵۔ ۵۔ پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟
 ۶۔ ۶۔ سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔
 ۷۔ ۷۔ پس (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
 ۱۔ ۱۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ
 ۲۔ ۲۔ حُورٌ مَّقْصُودَاتٌ فِي الْخِيَامِ
 ۳۔ ۳۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ
 ۴۔ ۴۔ لَمْ يُطْبَعْ لَهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ
 ۵۔ ۵۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ
 ۶۔ ۶۔ مُتَكَبِّرِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ
 ۷۔ ۷۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

۱۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا (جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے، ان کا عرض ساٹھ میل ہوگا، اس کے ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھومے گا)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الرحمن و کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة، صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب في صفة خيام الجنة)

۲۔ رَفْرَفٍ، مسند، غالیچہ یا اس قسم کا عمدہ فرش، عَبْقَرِيٍّ، ہرنیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا، فَلَمْ أَرِ عَبْقَرِيًّا يَقْرِئُ قَرْيَةً (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضل عمر و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضي الله عنه) (میں نے کوئی عبقری ایسا نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کام کرتا ہو) مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروکش ہوں گے جس پر سبز رنگ کی مسندیں، غالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بچھے ہوں گے۔

۳۔ یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی اقسام و انواع کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے، حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امور آخرت کی یاد دہانی بھی نعمت عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سعی کر لیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی، کہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے بلکہ انسانوں کے بعد یہ دوسری مخلوق ہے جسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا

۷۸. تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے^(۱) جو عزت و جلال والا ہے۔

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مکلف ہیں، اسی لیے انہیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیسرا، نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے خلاف ہے اور نہ تعلق مع اللہ میں مانع، جیسا کہ بعض اہل تصوف باور کراتے ہیں۔ چوتھا، بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ یہ توبیخ اور تہدید کے طور پر ہے، جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے، جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور مہیا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ لَا يَشْيءٌ مِنْ نَعْمِكَ رَبَّنَا نَكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے، پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں)۔ (سنن الترمذی والصحیحۃ للالبانی) لیکن اندرونِ صلاۃ اس جواب کا پڑھنا مشروع نہیں۔

۱. تَبَارَكَ، برکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے، یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علو شان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت و رفعت والی ہوگی۔



سورۃ واقعہ کلی ہے اور اس میں چھپیانوے آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱

۱۔ جب قیامت قائم ہو جائے گی۔^(۱)

لَیْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲

۲۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

۳۔ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔^(۲)

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْجًا ۝۴

۴۔ جب کہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلادی جائے گی۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ سَيْسًا ۝۵

۵۔ اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے۔^(۳)

مَكَانَتْ هَبَاءٌ مُّبِينًا ۝۶

۶۔ پھر وہ پرآگندہ غبار کے مانند ہو جائیں گے۔

وَأَنْتُمْ أَزْوَاجٌ ثَلَاثَةٌ ۝۷

۷۔ اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے۔^(۴)

فَأَصْحَابُ الِیْمَنَةِ ۝۸

۸۔ پس داہنے ہاتھ والے، کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ

والے۔^(۵)

وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝۹

۹۔ اور بائیں ہاتھ والے، کیا حال ہے بائیں ہاتھ

والوں کا۔^(۶)

☆ اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سُورَةُ الْغِنَى (توگمری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو کھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھیے الأحادیث الضعیفة للألبانی، حدیث: ۹۱-۲۹ ج ۱/۳۰۵)

۱۔ واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے، کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والی ہے، اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

۲۔ پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے۔ یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز و مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذلیل و خوار۔

۳۔ رَجَا کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور بَسَّاس کے معنی ریزہ ریزہ ہوجانے کے ہیں۔

۴۔ أَزْوَاجًا: أَصْنَافًا کے معنی میں ہے۔

۵۔ اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

۶۔ اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

۱۰. اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں۔^(۱)
 ۱۱. وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔
 ۱۲. نعمتوں والی جنتوں میں ہیں۔
 ۱۳. (بہت بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہو گا۔
 ۱۴. اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے۔^(۲)
 ۱۵. یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔
 ۱۶. ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔^(۳)
 ۱۷. ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی)۔^(۴)

- وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝
 أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝
 فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝
 ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝
 وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝
 عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝
 مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝
 يُطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخْلَدُونَ ۝

۱. ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں، تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

۲. ثُلَّةٌ، اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گنا نا ممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی ﷺ تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سالفین کا ایک بڑا گروہ ہے، کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیاء کے سالفین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سالفین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے تھوڑے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ (مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے)۔ (صحیح مسلم: ۲۰۰) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں۔ کیونکہ امت محمدیہ کے سالفین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے محض سالفین کی کثرت (سابقہ امتوں میں) سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہوگی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں۔ یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سالفین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ مقررہ ہے، فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ اور عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ کے درمیان۔

۳. مَوْضُونَةٌ، بنے ہوئے، جڑے ہوئے۔ یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے یعنی رو در رو ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت۔

۴. یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدو خال اور قد و قامت میں کوئی تغیر واقع ہوگا، بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نو عمر لڑکے ہوتے ہیں۔

رہیں گے آمد و رفت کریں گے۔

۱۸. آنجورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پر ہو۔

۱۹. جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے۔^(۱)

۲۰. اور ایسے میوے لیے ہوئے جو ان کی پسند کے ہوں۔

۲۱. اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں۔

۲۲. اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔

۲۳. جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔^(۲)

۲۴. یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔

۲۵. نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔

۲۶. صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔^(۳)

۲۷. اور داسنہ ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داسنہ ہاتھ والے۔^(۴)

۲۸. وہ بغیر کانٹوں کی بیروں میں۔

يَا كُؤَابُ الْبَارِئِ وَكَأْسُ مَنْ مَعِي ۝

لَا يَصْدَعُونَ عَنْهَا وَلَا يُزْفُونَ ۝

وَكَاكِبُهُمْ مِمَّا يَتَخَذِرُونَ ۝

وَكِحْرٌ طَرِبَ مَا يَشْتَهُونَ ۝

وَوُجُوهُ ۝

كَأَمْثَالِ الْمَوْلُودِ الْمَكْنُونِ ۝

جَزَاءُ بَمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝

إِلَّا قِيلَ سَلَامٌ سَلَامًا ۝

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ هُمْ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝

فِي سِدْرٍ مَخْضُودٍ ۝

۱. صُدَاعُ، ایسے سر درد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور شمار کی وجہ سے ہو اور اِنْزَافُ کے معنی، وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہوگی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔ مَعِينُ، چشمہ جاری جو خشک نہ ہو۔

۲. مَكْنُونُ، جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد و غبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

۳. یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بہن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف و نزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض و عناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی، سب و شتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی، بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام و تہیہ تو ہوگا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

۴. اب تک سابقین (مَقَرَّيْنِ) کا ذکر تھا، أَصْحَابُ الْيَمِينِ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔

وَطَلَّ مَنْصُودٌ ﴿۲۹﴾

۲۹. اور تہ بہ تہ کیلوں میں۔

وَطَلَّ مَمْدُودٌ ﴿۳۰﴾

۳۰. اور لمبے لمبے سايوں میں۔^(۱)

وَأَسْكُوبُ ﴿۳۱﴾

۳۱. اور بہتے ہوئے پانیوں میں۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿۳۲﴾

۳۲. اور بکثرت پھلوں میں (ہونگے)۔

لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿۳۳﴾

۳۳. جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں۔^(۲)

وَدُرِّشَ مَرْجُوعَةٍ ﴿۳۴﴾

۳۴. اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے۔^(۳)

إِنَّا أَنْشَأْنَهُنَّ إِنْسَاءً ﴿۳۵﴾

۳۵. بیشک ہم نے ان (کی بیویوں کو) خاص طور پر

بنایا ہے۔

فَجَعَلْنَهُنَّ أَجْزَارًا ﴿۳۶﴾

۳۶. اور ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے۔^(۴)

عَرَبًا أَوَّلَابًا ﴿۳۷﴾

۳۷. محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔^(۵)

لَا ضَعْفَ الْيَمِينِ ﴿۳۸﴾

۳۸. دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔

۱. جیسے ایک حدیث میں ہے کہ (جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی

وہ سایہ ختم نہیں ہوگا)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الواقعة، مسلم کتاب الجنة، باب إن فی الجنة شجرة...)۔

۲. یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک نلیدہ ہو جائیں، بلکہ ہر وقت دستیاب

رہیں گے۔

۳. بعض نے فرشوں سے بیویوں اور مرفوعہ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

۴. اَنَشَأْنَهُنَّ کا مرجع اگرچہ قریب میں نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو

ملنے والی بیویاں اور حور عین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی، بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر

انہیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا، اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی، تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو

بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بد شکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی

اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بد شکل، بد شکل بلکہ سب بارگہ (کنواری) کی

حیثیت میں ہوں گی۔

۵. عُرُبٌ، عَرُوبَةٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔

أَتْرَابٌ تَرَبُّبٌ کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی، جیسا کہ حدیث

میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جتنی ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، (سنن ترمذی، باب ما جاء فی سنن أهل الجنة) یا مطلب ہے

کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾

۳۹. جم غفیر ہے اگلوں میں سے۔^(۱)

وَأُثْلُثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

۴۰. اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے۔^(۲)

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ إِنَّمَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾

۴۱. اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہیں بائیں ہاتھ والے۔^(۳)

فِي مَقْعَدٍ وَحَمِيمٍ ﴿٤٢﴾

۴۲. گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے)۔

وَوَيْلٌ مِّنَ يَّحْمُومٍ ﴿٤٣﴾

۴۳. اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔^(۴)

لَّا بَارِدٌ وَلَا زَكِيٌّ ﴿٤٤﴾

۴۴. جو نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش۔^(۵)

إِنَّمَا كَانُوا أَقْبَلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿٤٥﴾

۴۵. بیشک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے۔^(۶)

وَكَانُوا يُصْرَتُونَ عَلَى الْجَنَّةِ الْعُظْمَىٰ ﴿٤٦﴾

۴۶. اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔

وَكَانُوا يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُمْ وَإِنَّا بِآبَائِهِمْ كَاذِبُونَ ﴿٤٧﴾

۴۷. اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے؟ اور مٹی

اور ہڈی ہو جائیں گے؟ تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟

وَأَنَّا كَاذِبُونَ ﴿٤٨﴾

۱. یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر نبی ﷺ تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے اگلوں میں سے۔

۲. یعنی نبی ﷺ کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔

۳. اس سے مراد اہل جہنم ہیں، جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے، جو ان کی مقدر شدہ شقاوت کی علامت ہوگی۔

۴. سَمُومٌ، آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ حَمِيمٌ، کھولتا ہوا پانی، يَحْمُومٌ، حَمَمَةٌ سے ہے، بمعنی سیاہ، اور أحم بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کہا جاتا ہے، يَحْمُومٌ، کے معنی سخت کالا دھواں مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آکر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے، لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَمٌّ سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہوگئی ہو۔ بعض کہتے ہیں، یہ حَمَمٌ سے ہے، جو کونسلے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے امام ضحاک فرماتے ہیں۔ آگ بھی سیاہ ہے، اہل نار بھی سیاہ رہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہوگا، سیاہ ہی ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ اجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔

۵. یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے، لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے، وہ سایہ ہی نہیں ہوگا، جو ٹھنڈا ہو، وہ تو جہنم کا دھواں ہوگا، وَلَا كَرِيمٌ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں۔ یا حلاوت نہیں۔

۶. یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

أَوَابُوا أَنَا الْكَافِرُونَ ﴿۴۸﴾

قُلْ إِنَّ الْكَافِرِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿۴۹﴾

لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۵۰﴾

ثُمَّ أَنَا إِلَهُهَا الْمَصْطُونُونَ ﴿۵۱﴾

لَا يَكُونُ مِن شَجَرٍ مِّن زُفُورٍ ﴿۵۲﴾

فَمَا لَتَوْنَ مِنْهَا الْبُظُونَ ﴿۵۳﴾

فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿۵۴﴾

فَشَرِبُونَ شُرَبَ الرِّهِيمِ ﴿۵۵﴾

هَذَا أَنزَلَهُ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۵۶﴾

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ ﴿۵۸﴾

۴۸. اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟^(۱)

۴۹. آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے۔

۵۰. ضرور جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت۔

۵۱. پھر تم اے گمراہو جھٹلانے والو!

۵۲. یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو۔

۵۳. اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔^(۲)

۵۴. پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو۔

۵۵. پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح۔^(۳)

۵۶. قیامت کے دن ان کی مہمانی یہ ہے۔^(۴)

۵۷. ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور

نہیں کرتے؟^(۵)

۵۸. اچھا پھر یہ تو بتاؤ کہ جو منی تم ٹپکاتے ہو۔

۱. اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ آخرت کا انکار ہی کفر و شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور، اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے، تو ان میں بھی فسق و فجور عام ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

۲. یعنی اس کریہہ المنظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمہیں اگرچہ سخت ناگوار ہوگا، لیکن بھوک کی شدت سے تمہیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہوگا۔

۳. ھیم، اھیم کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پیو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے، بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیے جاؤ گے لیکن تمہاری پیاس دور نہیں ہوگی۔

۴. یہ بطور استہزاء اور تہکم کے فرمایا، ورنہ مہمانی تو وہ ہوتی ہے جو مہمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا ﴿فَتَشْرَبُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (آل عمران: ۲۱) (ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے)۔

۵. یعنی تم جانتے ہو کہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو؟ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے؟

ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۹﴾

۵۹. کیا اس کا (انسان) تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟^(۱)

نَحْنُ قَدْ زَيَّابْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمُسَبِّحِينَ ﴿۶۰﴾

۶۰. ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے^(۲) اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں۔^(۳)

عَلَىٰ أَنْ يُبْدِلَ أَمْثَالَكُمْ وَتُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾

۶۱. کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو۔^(۴)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۲﴾

۶۲. اور تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟^(۵)

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْمِلُونَ ﴿۶۳﴾

۶۳. اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو۔

ءَأَنْتُمْ تَرْغَبُونَ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۶۴﴾

۶۴. اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔^(۶)

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿۶۵﴾

۶۵. اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔^(۷)

۱. یعنی بیویوں سے مباشرت کے نتیجے میں جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم؟

۲. یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے، جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

۳. یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں، بلکہ قادر ہیں۔

۴. یعنی تمہاری صورتیں مسخ کر کے تمہیں بندر اور خنزیر بنادیں اور تمہاری جگہ تمہاری شکل و صورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

۵. یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمہیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

۶. یعنی زمین میں تم جو بیج بوتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو پھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے؟ یہ بھی منی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمہارے کسی ہنر یا چھو متر کا نتیجہ ہے؟

۷. یعنی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے بعد، جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفَكَّهُۥ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعت و خوش حالی بھی ہیں اور حزن و یاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تَتَوَعَّوْنَ كَلَامَكُمْ، تَتَذَمُّوْنَ، تَحْزَنُوْنَ،

إِنَّا لَعَرُومُونَ ﴿۶۶﴾

بَلْ لَعَنَ مَحْرُومُونَ ﴿۶۷﴾

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿۶۸﴾

ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ

الْمُنزِلُونَ ﴿۶۹﴾

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿۷۰﴾

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿۷۱﴾

ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿۷۲﴾

نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۳﴾

۶۶. کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا۔^(۱)

۶۷. بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔

۶۸. اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔

۶۹. اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟

۷۰. اگر ہماری مشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟^(۲)

۷۱. اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔

۷۲. اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟^(۳)۷۳. ہم نے اسے سبب نصیحت^(۴) اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے۔^(۵)

تَعَجُّبُونَ، تَلَاوْمُونَ اور تَفْجَعُونَ وغیرہ۔ ظَلَمْتُمْ، اَصْل میں ظَلَمْتُمْ بمعنی صِرْتُمْ اور تَفَكَّهُوْنَ تَتَفَكَّهُوْنَ ہے۔

۱. یعنی ہم نے پہلے زمین پر بل چلا کر اسے ٹھیک کیا پھر بیج ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے، لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہو گئی، اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا یعنی یہ سارا خرچ اور محنت، ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے، بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا بردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

۲. یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

۳. کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں، مرغز اور عفار، ان دونوں سے ٹہنیاں لے کر، ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلے ہیں۔

۴. کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے، پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے، ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے ۶۹ درجہ حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (کَمَا فِي الْحَدِيثِ)

۵. مُقْوِينَ، مُقْوَى کی جمع ہے، قَوَاءً یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مقْوَى سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْعِنِينَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے

۷۴. پس اپنے بہت بڑے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔
 ۷۵. پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی۔^(۱)
 ۷۶. اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔
 ۷۷. کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔^(۲)
 ۷۸. جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔^(۳)
 ۷۹. جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔^(۴)
 ۸۰. یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔
 ۸۱. پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے ہو؟^(۵)

مَسْبَحٌ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ
 فَلَا أَقْسَمُ بِمَا قِمِ النُّجُومُ
 وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ
 إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ
 فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ
 لَا يَسْجُدُ إِلَّا الْمَلَائِكَةُ
 تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ
 أَفَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ هُمْ عَنْ قُرْآنِهِ هُمْ سَاهُونَ

ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے، (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی منع الماء، وسنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث) امام ابن کثیر نے اس مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے۔

۱. فَلَا أَقْسَمُ میں لَا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے، بلکہ ماقبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے۔ یعنی یہ قرآن کہانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے... مَوَاقِعُ النُّجُوم سے مراد ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے ”قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں“ (موضح القرآن) یعنی نجوم، قرآن کی آیات اور مواقع، قلوب انبیاء بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بتدریج اترنا اور بعض نے قیامت کے دن ستاروں کا جھڑنا مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر)
 ۲. یہ جواب قسم ہے۔
 ۳. یعنی لوح محفوظ میں۔

۴. لَا يَسْجُدُ، میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے، بعض نے اس کا مرجع، قرآن کریم کو بنایا ہے یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

۵. حدیث سے مراد قرآن کریم ہے مَدَاهَنَةً، وہ نرمی جو کفر و نفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے درآں حالیکہ ان کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے۔ یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے

وَجَعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ ﴿۱﴾

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُمُومَ ﴿۲﴾

وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ﴿۳﴾

وَمَنْ أَأَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۴﴾

فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ مُعِدِّينَ ﴿۵﴾

تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۶﴾

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۷﴾

فَرَوْحٌ وَرِيحٌ وَجَبَّتْ بُعِثَ ﴿۸﴾

۸۲. اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو۔

۸۳. پس جب کہ روح نذرے تک پہنچ جائے۔

۸۴. اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھتے رہو۔^(۱)

۸۵. اور ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ

قریب ہوتے ہیں^(۲) لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔^(۳)

۸۶. پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں۔

۸۷. اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو

لوناؤ۔^(۴)

۸۸. پس جو کوئی بارگاہ الہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔^(۵)

۸۹. اسے تو راحت ہے اور غذا میں ہیں اور آرام والی

جنت ہے۔

لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔

۱. یعنی روح نکلتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اسے ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

۲. یعنی مرنے والے کے ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

۳. یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمہیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

۴. دَانَ يَدِينُ کے معنی ہیں، ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا۔ یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزاء و سزا کا دن نہیں آئے گا، تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لونا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء دے گا۔

۵. سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقررین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقررین بارگاہ الہی قرار پاتے ہیں۔

وَأَتَانُكَانَ مِّنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٩٠﴾

فَسَلِّطْكَ مِّنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٩١﴾

وَأَتَانُكَانَ مِّنْ الْمَكِيدِينَ الصَّالِينَ ﴿٩٢﴾

فَنُزِّلْ مِّنْ حَبِيرٍ ﴿٩٣﴾

وَوَصَّلِيَّةٌ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿٩٥﴾

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

۹۰. اور جو شخص داسنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے۔^(۱)

۹۱. تو سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داسنے والوں میں

سے ہے۔

۹۲. اور لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے

ہے۔^(۲)

۹۳. تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔

۹۴. اور دوزخ میں جانا ہے۔

۹۵. یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔

۹۶. پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔^(۳)

۱. یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

۲. یہ تیسری قسم ہے جنہیں آغاز سورت میں أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملینِ نحوست۔ یہ اپنے کفر و نفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

۳. حدیث میں آتا ہے کہ دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبال پر ہلکے اور وزن میں بھاری۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ

سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ (صحیح البخاری "آخری حدیث" و صحیح مسلم کتاب الذکر، باب فضل التهلیل والتسبیح والدعاء)

سُورَةُ الْحَزَنِ

سورہ حدید مدنی ہے اور اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

۱. آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں،^(۱) وہ زبردست باحکمت ہے۔

لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعْيِظُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

۲. آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے،^(۲) وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الْذِي خَلَقَ الْأَرْضَ وَالْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

۳. وہی پہلے ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی،^(۳) اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُعَلِّمُ مَا يَشَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا

۴. وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی^(۴) ہو گیا۔ یہ (خوب) جانتا ہے

۱۔ یہ تسبیح زبان حال سے نہیں، بلکہ زبان قال سے ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے، ﴿وَلَكِنْ لَا تَقْفَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۳۳) (تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے)۔ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے، (الانبیاء: ۷۹) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

۲۔ اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملک میں ہیں۔

۳۔ وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے یعنی جب کچھ نہ ہوگا وہ ہوگا، وہی ظاہر ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں اور عقلوں سے مخفی ہے۔ (فتح القدیر) نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ «اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، أَفْضِي عَنَّا الدِّينَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع) اس دعا میں، جو ادائیگی قرض کے لیے مسنون ہے، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرمادی گئی ہے۔

۴۔ اسی مفہوم کی آیات سورہ اعراف: ۵۴، سورہ یونس: ۳، اور سورہ السجدہ: ۴ وغیرہا من الآیات میں گزر چکی ہیں۔ ان کے

يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرِوهُ مِنْهَا
وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اس چیز کو جو زمین میں جائے^(۱) اور جو اس سے نکلے^(۲)
اور جو آسمان سے نیچے آئے^(۳) اور جو کچھ چڑھ کر اس
میں جائے،^(۴) اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ
ہے^(۵) اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

لَهُ الْمُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

۵. آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام
کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ
وَهُوَ عَالِمُ بَدَائِتِ الصُّدُورِ

۶. وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو
رات میں داخل کر دیتا ہے^(۶) اور سینوں کے بھیدوں کا

حواشی ملاحظہ فرمائیے جائیں۔

۱. یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کیمت و کیفیت کو وہ
جانتا ہے۔

۲. جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے
بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَعِنْدَ مَا خَفِيَ الْغَيْبُ أَلَيْسَ اللَّهُ بِذَوِ
الْعَرْشِ الْعَلِيِّ﴾ (الأنعام: ۵۹) (اور اللہ تعالیٰ
ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیاء کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا جز اللہ کے، اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی
میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ کوئی زمین کے تاریک حصوں
میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گر گئی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں)۔

۳. بارش، اولے، برف، تقدیر اور وہ احکام، جو فرشتے لے کر اترتے ہیں۔

۴. فرشتے انسانوں کے جو عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ (اللہ کی طرف رات کے عمل دن
سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں)۔ (صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب إن الله لا ينام)

۵. یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں، رات ہو یا دن، گھروں میں ہو یا صحراؤں میں، ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصیرت کے
لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمہاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی
مضمون سورہ ہود: ۳، سورہ رعد: ۱۰، اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۶. یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی
رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی
سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

وہ پورا عالم ہے۔

۷۔ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دوسروں کا) جانشین بنایا ہے^(۱) پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔

۸۔ اور تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے۔^(۲)

۹۔ وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۱۰۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِ ۗ فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ يَدْعُوْكُمْ لَتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِنْكُمْ اٰمِيْنًا فَاَمَّا كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدٍ اِلٰیٰیۤ يَبْنِيْٓ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرْءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ مَبْرٰتٌ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ

۱۔ یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اس کے وارث بنیں گے، اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اس کے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ (انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کھا پی کے فناء کر دیا، دوسرا وہ ہے جسے پہن کر بوسیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا)۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد و مسند أحمد: ۲۳/۳)

۲۔ ابن کثیر نے اخذ کا فاعل الرسول کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سب و طاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا، جو عہد الست کہلاتا ہے، جس کا ذکر سورۃ الاعراف: ۱۷۲ میں ہے۔

مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَالَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةٍ
مِّنَ الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُواْ وَكُلُواْ وَعَدَّ
اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(تنہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، ^(۱) بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔ ^(۲) ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے ^(۳) اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔

۱۱. کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے

مَنْ ذَا الَّذِي يُقرضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ
لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

۱. فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح مہین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہر حال صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا، دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کے تھے، جب کہ فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت و تعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔

۲. کیونکہ پہلوں کا اتفاق اور جہاد، دونوں کام نہایت کٹھن حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل و عزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف و فضل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں، کیوں کہ مومن اول بھی وہی ہیں اور منفق اول اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا، اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابہ کرام) نے انہیں استحقاق خلافت میں مقدم رکھا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ.

۳. اس میں وضاحت فرمادی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے، جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں طلقاء کہہ کر ان کی تنقیص و اہانت کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا کہ لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي (میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے بھی برابر نہیں)۔ (صحیح البخاری

لیے پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے۔^(۱)

۱۲. (قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا^(۲) آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔^(۳)

۱۳. اس دن منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔^(۴) جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ^(۵) اور روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے اور ان کے درمیان^(۶) ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا۔ اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت^(۷)

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّتُ بَجَرَىٰ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ خُلِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورَةٍ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهَرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝

۱. اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا۔ یہ مال، جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا، یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ وہ اس اتفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

۲. یہ عرصہ محشر میں پل صراط پر ہوگا، یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہوگا، جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہا نے وَبِأَيْمَانِهِمْ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

۳. یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

۴. یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرمادے گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

۵. اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جاکر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزاء کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جاکر اسے تلاش کرو۔

۶. یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

۷. اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔^(۱)

۱۴. یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے^(۲) وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں پھنسا رکھا تھا^(۳) اور انتظار میں ہی رہے^(۴) اور شک و شبہ کرتے رہے^(۵) اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا^(۶) یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا^(۷) اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا۔^(۸)

۱۵. الغرض، آج تم سے نہ فدیہ (اور نہ بدلہ) قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے^(۹) اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

۱۶. کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے

يُنَادُوهُمْ أَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ وَلِلَّهِ فَنَقُصُّكُمْ
أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصُّهُمْ وَأَرَبَّتُمْ وَعَزَّيْتُمْ الرِّمَافِ
حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَعَزَّيْتُمْ بِاللَّهِ الْعِزُّورِ ۝

فَالْيَوْمَ لَا يَنْفَعُكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
مَأْوَاكُمْ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ
اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا

۱. یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہوگی۔

۲. یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے، اور جہاد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟

۳. کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔

۴. کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

۵. دین کے معاملے میں، اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلائل و معجزات کو۔

۶. جس میں تمہیں شیطان نے مبتلا کیے رکھا۔

۷. یعنی تمہیں موت آگئی، یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمہاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

۸. یعنی اللہ کے حکم اور اس کے قانون امہال (مہلت دینے) کی وجہ سے تمہیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

۹. مولیٰ اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متولی یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انہیں سخت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں، یعنی اب جہنم کی آگ ہی ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا پس وہ کافروں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرے گی۔ یعنی ان کی والی بنے گی اور انہیں عذاب الیم سے دوچار کرے گی۔

نرم ہو جائیں^(۱) اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی^(۲) پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے^(۳) اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔^(۴)

۱۷. یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔

۱۸. بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو قرض حسن دے رہے ہیں، ان کے لیے یہ بڑھایا جائے گا^(۵) اور ان کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔^(۶)

الْكِتَابِ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ^(۱)

إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ^(۲)

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفَ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ^(۳)

۱. خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خشوع کے معنی ہیں، دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا، حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

۲. جیسے یہود و نصاریٰ ہیں۔ یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

۳. چنانچہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی، اس کے عوض دنیا کا ثمن قلیل حاصل کرنے کو انہوں نے شعار بنالیا، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنا رب بنالیا، مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرو ورنہ تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر لعنت الہی کا سبب بنے، تمہیں اچھے لگیں گے۔

۴. یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿فَبِمَا نَقُضُهُمْ وَعِدْنَاهُمْ لَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (المائدہ: ۱۳) (پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے)۔

۵. یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص، نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا، وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے، جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔

۶. یعنی جنت اور اس کی نعمتیں، جن کو کبھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں مُصَدِّقِينَ اصل میں مُتَصَدِّقِينَ ہے۔ تا کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔

۱۹۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق^(۱) اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے، اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔

۲۰۔ خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشائیت اور آپس میں فخر (وغور) اور مال واولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں^(۲) کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو زرد رنگ میں دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے^(۳) اور آخرت میں سخت عذاب^(۴) اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ آمَنُوا عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ

إِنَّمَا أَهْلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لَكَفَّٰرٌ وَلَهُمْ دَرَجَاتٌ وَنَفَٰثَةٌ يُنِذِرُكُمْ أَنَّكُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ آجَبٍ الْفَنَآئِنَ بَآئِنَهُمْ يَوْمَ يُخْرِجُ فَتْرَتَهُمْ مَّصْرَآئِمُ يَكُونُ حُطَّاءُ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمَتًا ۖ الْعُرُورُ ۝

۱۔ بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے وَالشَّهَادَةُ کو الگ جملہ قرار دیا ہے صدیقیت کمال ایمان اور کمال صدق و صفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ (آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے) (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان) ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انہیں حاصل ہوگا۔ فرمایا ”جنتی، اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو“ یعنی ان کے درمیان درجات کا اتنا فرق ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا، یہ انبیاء کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔“

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وأهلها مخلوقة) یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔ (فتح الباری)

۲۔ کُفَّار کسانوں کو کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے، اس لیے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ بھی زمین میں سچ بولتے یعنی انہیں چھپا دیتے ہیں۔

۳۔ یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھلی لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب و زینت، مال اور اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل لبھاتی ہیں۔ لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی ہے، اس کو بھی ثبات و قرار نہیں۔

۴۔ یعنی اہل کفر و عصیان کے لیے، جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انہوں نے حاصل زندگی سمجھا۔

ہے^(۱) اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں۔^(۲)

۲۱. (آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف^(۳) اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے^(۴) یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے^(۵) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔^(۶)

۲۲. نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے^(۷) نہ (خاص) تمہاری جانوں میں،^(۸) مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے،^(۹) یہ

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

۱. یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے، جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا، بلکہ اسے عارضی، فانی اور دار الامتحان سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایت کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

۲. لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں مبتلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا، اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

۳. یعنی اعمال صالحہ اور توبہ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

۴. اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہوگا؟ کیونکہ طول، عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

۵. ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

۶. وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے کوئی روک نہیں سکتا، اور جس سے روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

۷. مثلاً قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی و سماوی۔

۸. مثلاً بیماریاں، تعب و تکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

۹. یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دیں ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «قَدَّرَ اللَّهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِحَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ» (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسی علیہما السلام) (اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی

ساری تقدیریں لکھ دی تھیں)۔

(کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔

۲۳. تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترائے جاؤ،^(۱) اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔

۲۴. جو (خود بھی) بخل کریں اور دوسروں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیں۔ سنو جو بھی منہ پھیرے^(۲) تو اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثناء ہے۔

۲۵. یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا^(۳) تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو اتارا^(۴) جس میں سخت ہیبت و قوت ہے^(۵) اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں^(۶) اور اس لیے

لَيْلًا لَّاسْوَاعَى مَا فَاتَكُمْ وَلَاقَتْكُمْ جَوَابًا اَتَاكُمْ وَاللَّهُ لَكَيْتٌ كُلُّ غُفَاتٍ فَخُورٌ ﴿۲۳﴾

لَا يَذْنِبُ يَخْلُونَ وَيَا مَرْوُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۴﴾

لَقَدْ ارْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنْفَعٌ لِّلْكَائِسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

۱. یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے، وہ وہ غم اور خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا، یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور راحت پر، اتراتا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل و کرم اور اس کا احسان ہے۔

۲. یعنی اتفاق فی سبیل اللہ سے، کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔

۳. میزان سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو تول کر پورا پورا حق دو۔

۴. یہاں بھی اتارا، پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب اللہ کے اس الہام و ارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔

۵. یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں۔ جیسے تلوار، نیزہ، بندوق اور اب اسٹم، توپیں، جنگی جہاز، آبدوزیں، گنیں، راکٹ اور مینک وغیرہ بے شمار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔

۶. یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام میں آتی ہیں، جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، تجارت (برہمنی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور سازو سامان۔

بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بن دیکھے کون کرتا ہے،^(۱) بیشک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔^(۲)

۲۶. اور بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر بہت نافرمان رہے۔

۲۷. ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے درپے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا^(۳) ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی^(۴) ہم نے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا
الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ فَبَيْنَهُمْ مُهْمِدًا وَكَافِرًا مِّنْهُمْ
فَاسْقُون ۝

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِمُوسَىٰ وَهَارُونَ فَقَفَّيْنَا بِعِيسَىٰ ابْنِ
مَرْيَمَ وَآلِئِنَّهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ
اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا
مَا كُنْزُهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا بَيْعٌ عَصَاَنِ اللَّهِ فَمَا
دَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ

۱. یہ لَقُوم پر عطف ہے۔ یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو دیکھے بغیر، ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

۲. اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں، بلکہ وہ چاہے تو اس کے بغیر ہی ان کو غالب فرمادے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔

۳. رَأْفَةً کے معنی نرمی اور رَحْمَةً کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواری ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ رَحْمَاءَ بَيْنَهُمْ۔ یہود، آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم خوار نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکار تھے۔

۴. رَهْبَانِيَّة رَهْب (خوف) سے ہے یا رَهْبَان (درویش) کی طرف منسوب ہے اس صورت میں رے پر پیش رہے گا، یا اسے رَهْبَنۃ کی طرف منسوب مانا جائے تو اس صورت میں رے پر زہر ہوگا۔ رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے یعنی دنیا اور علاق دنیا سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جاکر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ایسے بادشاہ ہوئے جنہوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی، جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بادشاہوں کے ڈر سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا، جس کی بنیاد اضطراب پر تھی۔ لیکن ان کے بعد آنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شہر بدری کو عبادت کا ایک طریقہ

أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۰﴾

ان پر اسے واجب نہ کیا^(۱) تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔^(۲) سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی،^(۳) پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا^(۴) اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔

۲۸۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دھرا حصہ دے گا^(۵) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھر وگے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۹۔ یہ اس لیے کہ اہل کتاب^(۶) جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے، اور اللہ ہے ہی بڑے فضل والا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالْمُؤْمِنِينَ
يُؤْتِكُمْ كَفْلًا مِّنْ دُونِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا
تَمْشُونَ بِهِ وَيَعْرِفْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۱﴾

لَيْسَ لَكُمُ الْعِلْمُ أَهْلُ الْكِتَابِ لَا يَغْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ
مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن
يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۵۲﴾

بنالیا اور اپنے آپ کو گرجاؤں اور معبدوں میں محبوس کر لیا اور اس کے لیے علاقہ دنیا سے انقطاع کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداء (خود گھڑنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔

- ۱۔ یہ پچھلی بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہنیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔
- ۲۔ یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ اللہ کی رضا، دین میں اپنی طرف سے بدعت ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہو۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہوگی۔
- ۳۔ یعنی گو انہوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا، لیکن اس کی انہوں نے پوری رعایت نہیں کی، ورنہ وہ ابتداء (بدعت ایجاد کرنے) کے بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔
- ۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسائی پر قائم رہے تھے۔

۵۔ یہ دو گنا اجر ان اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل اُمّته وَاَهْلَهُ وَصَحْبِهِ مُسْلِمًا، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

۶۔ لَيْسَ لَكُمُ الْعِلْمُ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يَتَأَلَّوْا شَيْئًا مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ۔ (بخاری)

سورۃ مجادلہ مدنی ہے اور اس میں بائیں آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ
سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور
اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں
کے سوال وجواب سن رہا تھا،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا
دیکھنے والا ہے۔

۲. تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے
ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی
مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے
بطن سے وہ پیدا ہوئے،^(۲) یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِی تُجَادِلُكَ فِی
رَوْحِهَا وَتَسْتَكْبِرُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ مَا وَرَّكُمَا
اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ

اَلَّذِیْنَ یُظْهِرُونَ مِنْكُمْ مَنْ یَسَاءِلُهُمْ تَاهُنْ اَنْ تَقُولُوا
اِنْ اُنْهَضْنَا اِلَّا اِلَیَّ وَلَوْ اَنْهَضُوْهُ لَقَوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَرَدُّوْا اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوْ غُوْرٌ

۱. یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہہ دینا اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهَرْتُ اُمِّی (تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ ﷺ سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئیں، جن میں مسئلہ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرمادیا گیا۔ (ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی ﷺ سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی، مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی۔ (سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فیما انکرت الجہمیۃ۔ صحیح البخاری میں بھی تفسیر اس کا مختصر ذکر ہے۔ کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا)

۲. یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمہارے کہہ دینے سے تمہاری بیوی تمہاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کے بجائے کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اسے ظہار قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے علماء اسے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (بہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علماء کہتے ہیں کہ اگر ظہار کی نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہوگا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔^(۱)

۳. اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کر لیں^(۲) تو ان کے ذمے آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے^(۳) ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کے ذریعے تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

۴. ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمے دو مہینوں کے لگاتار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ بَيْنِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

مَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِمَنْ عَادَ إِلَى ظَنِّهِ ذَلِكُمْ حَدُّهُ مِنَ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِنَ الْعَذَابِ أَلْوَنٌ

اگر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہوگا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ ظہار صرف پیٹھ کی طرح کہنے سے ہی ہوگا۔ (فتح اللہ)

۱. اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنادیا۔

۲. اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے، بیوی سے ہم بستری کرنا چاہیں۔

۳. یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں۔ (۱) ایک غلام آزاد کرنا۔ (۲) اس کی طاقت نہ ہو تو پے درپے بلا ناغہ دو مہینے کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ (۳) اگر پے درپے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں ایک مد کافی ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جاسکتی ہے۔ (فتح اللہ) تاہم یہ ضروری ہے جب تک یہ تعداد پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک بیوی سے ہم بستری جائز نہیں۔

۵. بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے^(۱) جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کیے گئے تھے،^(۲) اور بیشک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں اور کافروں کے لیے تو ذلت والا عذاب ہے۔

۶. جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جسے یہ بھول گئے تھے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔^(۴)

۷. کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے^(۵) جہاں بھی وہ ہوں،^(۶) پھر قیامت کے

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتِ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ

يَوْمَ يَجْعَلُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَنْبِتُهُمْ بِمَا عَمِلُوا
أَحْصَاهُ اللَّهُ وَسُورَةُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ
إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ
مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ
إِنَّ اللَّهَ جَمْلُ شَيْءٍ عَلِيمٌ

۱. کُتِبُوا، ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت تھا۔

۲. اس سے مراد گزشتہ آیتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

۳. یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع کہ ان کا احصاء بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمہیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

۴. اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

۵. یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

۶. خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شہروں میں ہوں یا جنگل صحرائوں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں بیابانوں اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

دن انہیں انکے اعمال سے آگاہ کرے گا^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

۸. کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں^(۲) اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں،^(۳) اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا^(۴) اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا،^(۵) ان کے لیے جہنم کافی (سزا) ہے جس میں یہ جائیں گے،^(۶) سو وہ برا ٹھکانا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ الْجَوِيِّ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَبَّهُونَ بِالْآثِمِ وَالْعَادِلِينَ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذْ أَوْفَوْا حَتَّىٰ لَوْ بَدَأَهُمُ الْحَيَاةُ بِدِينِهِ لَوَفُّوا لَوَعْدِنَا إِنَّا بِلِقَاؤِهِمْ حَاسِبُونَ ۖ يَصْلَحُونَهَا فَيُحْسِنُ الْبَصِيرُ ۝

۱. یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزاء دے گا۔ نیک کو اس کی نیکیوں کی جزاء اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا۔
۲. اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا پھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں، یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

۳. یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں، بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی ہوتی ہیں مثلاً کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے کو رسول ﷺ کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

۴. یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تَمُ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، کہو لیکن یہ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کے بجائے کہتے السَّامَ عَلَيْكُمْ يَا عَلِيَّكَ (تم پر موت وارد ہو) اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ وَعَلَيْكُمْ يَا وَعَلَيْكَ (اور تم پر ہی ہو) اور مسلمانوں کو بھی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمہیں سلام کرے تو تم جواب میں (عَلَيْكَ) کہا کرو یعنی عَلَيْكَ مَا قُلْتُ (تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ پر ہی وارد ہو)۔ (صحیح البخاری و مسلم، کتاب الأدب، باب لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا)۔

۵. یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس فتنج حرکت پر ہماری گرفت ضرور فرماتا۔

۶. اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کی فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ

۹. اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم (وزیادت) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں، ^(۱) بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کرو ^(۲) اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔

۱۰. یقیناً (بری) سرگوشیاں، بس شیطانی کام ہے تاکہ ایمان والوں کو رنج پہنچے۔ گو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ ^(۳)

۱۱. اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کشادگی پیدا کرو تو تم جگہ کشادہ کردو ^(۵) اللہ تمہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَنَاجُوا بِالْأَلَمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجُوا بِالْبِرِّ وَالْتَقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ①

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَسَحَّجُوا فِي الْمَجْلِسِ فَاسْحَحُوا لِغُفْرَانِ اللَّهِ لَكُمْ وَلَا تَزِدُوا

آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ ۱. جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمہاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اٹم وعدوان پر نہیں چاہئیں۔ ۲. یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔ ۳. یعنی اٹم وعدوان اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہیں، کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں مبتلا کرے۔

۴. لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں، لہٰذا یہ کہ اللہ کی مشیت ہو اس لیے تم اپنے دشمنوں کی ان اوجھی حرکتوں سے پریشان نہ ہوا کرو۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، نہ کہ یہود اور منافقین، جو تمہیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ جب تم تین آدمی اکٹھے ہو، تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں، کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا۔ (صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة فلا بأس بالمسارعة والمناجاة، وصحیح مسلم کتاب السلام، باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث بغیر رضاه) البتہ اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا، کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہوگا۔

۵. اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے، جو ہر اس مجلس کو شامل ہے، جس میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسیر القرطبی) ”کھل کر بیٹھو“ کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت

کشاوی دے گا،^(۱) اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ^(۲) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا،^(۳) اور اللہ تعالیٰ (ہر اس کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبر دار ہے۔

۱۲۔ اے ایمان والو! جب تم رسول ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو^(۴) یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے،^(۵) ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اَنْشُرُوا اَنْشُرُوا يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ اٰتَوْا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِذَا جِئْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا
بَيْنَ يَدَيْكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْوَا
فَاِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے بھی فرمایا (کوئی شخص، کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے، اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کرلو)۔ (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب لا یقیم الرجل آخاه یوم الجمعة ویقعد فی مکانہ۔ وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم إقامة الإنسان من موضعه المباح الذی سبق الیه)

۱۔ یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے طالب ہو گے، مثلاً مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمہیں فراخی عطا فرمائے گا۔

۲۔ یعنی جہاد کے لیے، نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا جائے، تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی ﷺ سے خلوت میں کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

۳۔ یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفع درجات کا باعث ہے۔

۴۔ ہر مسلمان نبی ﷺ سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا، جس سے نبی ﷺ کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی ﷺ سے مناجات میں مصروف رہتے تھے، جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا، تاکہ آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔

۵۔ بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمہارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہوگا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ ایک عمل صالح اور اطاعت الہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور استجاب کے تھا، وجوب کے لیے نہیں۔

ءَاشْفَعُمْ اَنْ يُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ
صَدَقْتُ فَاَذْكُمُ فَعَلُوا اَوْ تَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾

۱۳. کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟
پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں
معاف فرمادیا^(۱) تو اب (بخوبی) نمازوں کو قائم رکھو زکوٰۃ
دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی
تابعداری کرتے رہو۔^(۲) تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب)
سے اللہ (خوب) خبردار ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا فَوَاعَصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَاهُمْ
بَيْنَكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَخْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ ﴿۶﴾

۱۴. کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس
قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے،^(۳) نہ یہ
(منافق) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں^(۴) باوجود علم کے
پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔^(۵)

اَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا اِلَآئِهِمْ سَاءَ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۷﴾

۱۵. اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا
ہے،^(۶) تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں۔

اِخْتَدَا اٰيْمَانَهُمْ جُمُعَةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
فَاَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۸﴾

۱۶. ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۷)
اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں^(۸) ان کے لیے

۱. یہ امر گو استغاب تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرمادیا۔

۲. یعنی فرائض و احکام کی پابندی، اس صدقہ کا بدل بن جائے گی، جسے اللہ نے تمہاری تکلیف کے لیے معاف فرمادیا ہے۔

۳. جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے
منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج
پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلا وطن نہیں کیا گیا تھا۔

۴. یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں۔ پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟ صرف
اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی ﷺ اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔

۵. یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے ان کے رابطے نہیں ہیں۔

۶. یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

۷. اٰیْمَانٌ، یَمِیْنٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم۔ یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔
اسی طرح انہوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

۸. یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں

رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

۱۷. ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔

۱۸. جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے^(۱) اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی (دلیل) پر ہیں،^(۲) یقین مانو کہ بیشک وہی جھوٹے ہیں۔

۱۹. ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے،^(۳) اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے^(۴) یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے۔^(۵)

۲۰. بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ

لَنْ نَقْبَعَنَّهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَزْوَاجُهُمْ مِنَ اللَّهِ سَيِّئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ^(۱)

يَوْمَ يَبْعَهُمُ اللَّهُ جَبَبًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ^(۲)

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُونَ^(۳)

إِنَّ الَّذِينَ يَخْذَوْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي

حقیقت واقعیہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غرے میں آکر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

۱. یعنی ان کی بد بختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت کے دن، جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چشمانہ جسارت کریں گے۔

۲. یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھالیتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

۳. اسْتَحْوَذَ کے معنی ہیں گھیر لیا، احاطہ کر لیا، جمع کر لیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کر لیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں یہ سارے مفہوم آجاتے ہیں۔

۴. یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کر دیا ہے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرواتا ہے، انہیں خوب صورت دکھا کر، یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں اور آرزوؤں میں مبتلا کر کے۔

۵. یعنی مکمل خسارہ انہی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے جنت کا سودا گراہی لے کر کر لیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

الْأَذَلِّينَ ⑥

مخالفت کرتے ہیں^(۱) وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔^(۲)

۲۱. اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے^(۳) کہ بیشک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔^(۴)

۲۲. اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے^(۵) گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلہ) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔^(۶) یہی لوگ ہیں جن کے

كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبَنَ آتَا رَسُولُ اللَّهِ أَنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑥

لَا يَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيَجْعَلُهُمْ حَبِيبًا تُحِبُّهُمُ مِنَ الْأَنفَرِ وَلَٰكِنَّ خُلَافَئَهُمْ فِيهَا أَضَى اللَّهُ

۱. مُحَادَّةٌ، ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ماننا نہایت مشکل ہو، گویا دونوں دو کناروں (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے دربان اور پہرے دار کو بھی حداد کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

۲. یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول ﷺ کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انہیں اہل ذلت میں ہوگا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

۳. یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ مضمون سورہ مؤمن: ۵۱-۵۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

۴. جب یہ بات لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے؟ مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے۔

۵. اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ و رسول ﷺ کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورہ آل عمران: ۲۸، سورہ توبہ: ۲۴ وغیرہ۔

۶. اس لیے ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، ابوت، نبوت، اخوت اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے چچا، ماموں اور دیگر رشتہ داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حملیت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و توارخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ
حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۸﴾

دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے^(۱) اور جن کی
تائید اپنی روح سے کی ہے^(۲) اور جنہیں ان جنتوں میں
داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ
ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے
خوش ہیں^(۳) یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بیشک اللہ کے
گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔^(۴)

ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کا فریدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورة الانفال: ۶۷ کا حاشیہ)۔

۱. یعنی راسخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

۲. روح سے مراد اپنی نصرت خاص، یا نور ایمان ہے جو انہیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

۳. یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز واقارب سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نوازا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز ”رضی اللہ عنہم ورضوانہ“ اگرچہ خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے، تاہم وہ اس کا مصداق اولین اور مصداق اتم ہیں۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (دعاۓ جملہ کے طور پر) اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اہل سنت نے ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا لکھنا جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ گویا شعار ہیں۔ رضی اللہ عنہم صحابہ کے لیے اور علیہم الصلوٰۃ والسلام انبیاء کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو، یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دعاۓ کلمہ ہے جس کے ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں۔ لیکن ان کا استعمال مردوں کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے زندہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ ۴. یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہوگا، دوسرے ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے، جیسے وہ فلاح سے بالکل محروم ہیں، جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

سورہ حشر مدنی ہے اور اس میں چوبیس آیتیں
اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی
ہے، اور وہ غالب باحکمت ہے۔

۲. وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان
کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا،^(۱) تمہارا گمان
(بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود (بھی) سمجھ رہے
تھے کہ ان کے (سگین) قلعے انہیں اللہ (کے عذاب)
سے بچالیں گے^(۲) پس ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ
سے آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا^(۳) اور ان کے دلوں

يَسْمِعُ اللَّهُ الرِّجَالَ وَالرَّحِيمِ ۝

سَمِعَ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ
دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا
أَنْهُمْ لَا تُغَارِبُهُمْ فَصَبَّوهُمْ مِنَ اللَّهِ فَكَلَبَهُمُ اللَّهُ مِنْ
حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ
يَخْرُجُونَ يَنْوِتُهُمْ بِالْكِبَرِ وَالْيَدَى الْمَوْمِنِينَ
فَلَعَبُوا بِأُولَى الْأَنْصَارِ ②

☆۔ یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۃ النضیر بھی کہتے ہیں۔
(صحیح البخاری تفسیر سورۃ الحشر)

۱۔ مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی ﷺ
نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ درپردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے خلاف رابطہ رکھا،
حتیٰ کہ ایک موقع پر جب کہ آپ ﷺ ان کے پاس گئے ہوئے تھے، بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ پر اوپر سے ایک
بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی، جس کی وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ کو بروقت اطلاع
کردی گئی، اور آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان
پر لشکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انہوں نے جان بخشی کی صورت میں جلاوطنی پر آمادگی کا
اظہار کیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اسے اول حشر (پہلی بار اجتماع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی
جلاوطنی تھی، جو مدینے سے ہوئی، یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے، وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں
انہیں دوبارہ جلاوطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کا آخری حشر ہوگا۔

۲۔ اس لیے کہ انہوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے جس پر انہیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی
آسانی سے یہ قلعے فتح نہیں ہو سکیں گے۔

۳۔ اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

میں اللہ نے رعب ڈال دیا^(۱) وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ رہے تھے^(۲) اور مسلمانوں کے ہاتھوں (برباد کروا رہے تھے)^(۳) پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔^(۴)

۳۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب دیتا،^(۵) اور آخرت میں (تو) ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی۔

۴۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو

وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَّ لَءَدَّبْنَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْآخِرَةِ عَذَابٌ اَلَدٌّ ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاخُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ سَبِيْلَ اللّٰهِ سَلٰطِيْنًا عَظِيْمًا ۝

۱۔ اس رعب کی وجہ سے ہی انہوں نے جلاوطنی پر آمادگی کا اظہار کیا، ورنہ عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور دیگر لوگوں نے انہیں بیگمات بھیجے تھے کہ تم مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک مہینے کی مسافت پر آپ ﷺ سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اس لیے سخت دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہو گئی۔ اور تمام تر اسباب و وسائل کے باوجود انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور صرف یہ شرط مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لاد کر لے جاسکتے ہیں انہیں لے جانے کی اجازت ہو، چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہتیر تک اکھیر ڈالے تاکہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

۲۔ یعنی جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب جلاوطنی ناگزیر ہے تو انہوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے بھی کام کے نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے وہ اپنے اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتے تھے، اپنے گھر ادھیر ادھیر کر وہ سامان انہوں نے اونٹوں پر رکھ لیا۔

۳۔ باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے تاکہ ان پر گرفت آسان ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ادھیرے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تخریب سے کام لینا پڑا۔

۴۔ کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ درآں حالیکہ وہ ایک نہایت طاقت ور اور باوسائل قبیلہ تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت عمل ختم ہو گئی اور اللہ نے اپنے مواخذے کے نتیجے میں کسے کا فیصلہ کر لیا تو پھر ان کی اپنی طاقت اور وسائل ان کے کام آئے نہ دیگر اعوان و انصار ان کی کچھ مدد کر سکے۔

۵۔ یعنی اللہ کی تقدیر میں پہلے سے ہی اس طرح ان کی جلاوطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کر دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یہود کے ایک دوسرے قبیلہ (بنو قریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ ان کے جوان مردوں کو قتل کر دیا گیا، دوسروں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غنیمت بنا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔

۵. تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے۔^(۱)

۶. اور ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۷. بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قربات والوں کا اور یتیموں کا مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَبَنَةٍ أَوْ نَزَعْتُمْهَا فَأَلَيْمَةٌ عَلَىٰ أَوْلِيَّهَا فَإِنَّ اللَّهَ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أُوتِيتُمْ عَلَيْهِ مِنْ حَيْلٍ وَلَا كَيْدٍ وَاللَّهُ يُمْسِكُ بِرُكْبَتِهِ ۝

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَارِثُ السَّبِيلِ ۚ لَيْسَ لَكُم مَّا بَيْنَ الْأَعْيُنِ مِنْكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّسُولَ فَمَا دُوهُ وَمَا نَهَكَم عَنْهُ فَإِنَّهُمْ أَوْ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

۱. لَبَنَةٍ، کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجوہ، برنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران محاصرہ نبی ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے بنوفضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا دی، کچھ کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ تمہارے اموال و جائیداد میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی کی تصویب فرمائی اور اسے یہود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

۲. بنوفضیر کا یہ علاقہ، جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، یعنی مسلمانوں کو اس کے لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یعنی اس میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی طرح لڑنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بغیر لڑے ان پر غالب فرمادیا۔ اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فِئَہ قرار دیا گیا، جس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے۔ گویا وہ مال فِئَہ ہے، جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے، وہ غنیمت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

۸. (فیء کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔^(۱)

۹. اور (ان کے لیے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ میں) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے^(۲) اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے^(۳) بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو^(۴)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيُصْخَرُونَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ۝

وَالَّذِينَ بَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

۱. اس میں مال فیء کا ایک صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت، ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے، جس کی بعد ان کے ایمان میں شک کرنا، گویا قرآن کا انکار ہے۔

۲. ان سے انصار مدینہ مراد ہیں، جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے قبل، ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجرین کے ایمان لانے سے پہلے، یہ انصار ایمان لاپکے تھے، کیونکہ ان کی اکثریت مہاجرین کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائی ہے۔ یعنی مِنْ قَبْلِهِمْ کا مطلب مِنْ قَبْلُ هِجَرَتِهِمْ ہے۔ اور دَارٌ سے دَارُ الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔

۳. یعنی مہاجرین کو اللہ کا رسول ﷺ جو کچھ دے، اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فیء کا اولین مستحق بھی ان کو قرار دیا گیا، لیکن انصار نے برا نہیں مانا۔

۴. یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکا رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا، لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گئے، گھر جاکر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں، صبح جب وہ صحابی

(بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بغل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔^(۱)

۱۰. اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کے لیے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال،^(۲) اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

۱۱. کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کیے گئے

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ

أَلَمْ تَر إِلَى الَّذِينَ نَافَثُوا يَقُولُونَ لَإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أَخْرَجَ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ ﴿وَيُنَادُونَ عَلَىٰ آبَائِهِمْ﴾ (صحیح البخاری، تفسیر سورة الحشر) ان کے لہار کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح)

۱. حدیث میں ہے ”شخ سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خون ریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کر لیا“۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظلم)

۲. یہ مال فقی کے مستحقین کی تیسری قسم ہے، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے۔ اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان و تقویٰ آگئے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد رکھنے والے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے إِنَّ الرَّافِضِي الَّذِي يَسُبُّ الصَّحَابَةَ، لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْفَيِّ نَصِيبٌ لِعَدَمِ اتِّصَافِهِ بِمَا مَدَحَ اللَّهُ بِهِ هَؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ رَاضِيٌ كَرَامَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ پر سب و شتم کرتے ہیں مال فقی سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی مذمت کرتے ہیں۔ (ابن کثیر) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ «أُمِرْتُ بِالْأَسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَسَبَّيْتُهُمْ! سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ يَقُولُ: لَا تَذْهَبْ هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَلْعَنَ آخِرُهَا أَوَّلُهَا» (رواہ البغوي) (تم لوگوں کو اصحاب محمد ﷺ کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے آخرین اولین پر لعنت نہ کریں)۔ (حوالہ مذکور)

تو ضرور بالضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے،^(۱) لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔^(۲)

۱۲. اگر وہ جلا وطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد (بھی) نہ کریں گے^(۳) اور اگر (بالفرض) مدد پر آ بھی گئے^(۴) تو پیٹھ پھیر کر (بھاگ کھڑے) ہوں گے^(۵) پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔^(۶)

۱۳. (مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں^(۷) بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔^(۸)

لَمْ يَخْرُجْ مَعَكُمْ وَلَا يَضَعُ يَدَهُ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنْ نَنْصُرَكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ^(۱)

لَيْنَ الْخُرُوجِ لَمْ يَخْرُجْ مَعَهُمْ وَلَكِنْ قُوتِلُوا لَاصْنُرُوهُمْ وَلَكِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُؤْكِنَ الْأَذْبَارُ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَّ^(۲)

لَا تُمْ أَسَدُ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ^(۳)

۱. جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنو نضیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔

۲. چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ بنو نضیر جلاوطن کر دیے گئے، لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچے نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔

۳. یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنو نضیر جلاوطن اور بنو قریظہ قتل اور اسیر کیے گئے، لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔

۴. یہ بطور فرض بات کی جارہی ہے، ورنہ جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرمادے، اس کا وجود کیوں کر ممکن ہے، مطلب ہے کہ اگر یہود کی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔

۵. یعنی شکست کھا کر۔

۶. مراد یہود ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہود کس طرح منصور و کامیاب ہوں گے؟ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مدد نہیں کیے جائیں گے، بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور ان کا نفاق ان کے لیے نافع نہیں ہوگا۔

۷. یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔

۸. یعنی تمہارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے، ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ

لَا يَقَاتِلُوكُمْ جَمِيعًا الْآفِي قُرَى مُحَصَّنَةً
أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ
تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ذَلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٩﴾

۱۴. یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں،^(۱) ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت سخت ہے^(۲) گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔^(۳) اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔^(۴)

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمًا قُتِلُوا
وَبَالَ أَمْرُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٠﴾

۱۵. ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا^(۵) اور جن کے لیے المناک عذاب (تیار) ہے۔^(۶)

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا
كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ

۱۶. شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری

مسلمانوں کا غلبہ و تسلط، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

۱. یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمہاری ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں۔

۲. یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے ان میں باہم تو فکار اور تھکا فٹختی عام ہے۔

۳. یہ منافقین کے آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا، یا مشرکین اور اہل کتاب کا، مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں، لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے بھرے ہوئے۔

۴. یعنی یہ اختلاف اور تشدد ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان لیتے اور اسے اپنالیتے۔

۵. اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں، جنہیں غزوہ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک شکست ہوئی تھی۔ یعنی یہ بھی مغلوبیت اور ذلت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنو قینقاع کو مراد لیا ہے جنہیں بنو نضیر سے قبل جلاوطن کیا جا چکا تھا، جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر)

۶. یعنی یہ وبال جو انہوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔

الْعٰلَمِيْنَ ۝

كَانَ عَاقِبَتُهُمْ اَنَّهُمْ فِي النَّارِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا
وَذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَسْتُمْ بِأَنَّفُسِكُمْ
مَّا قَدَّمْتُمْ لِغَيْرِهِ تَعْتَدُونَ ۝

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ سَأَلَ اللَّهَ فَاسْتَجَبْ
أَنفُسُهُمْ أَوْلٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝

ہوں،^(۱) میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔^(۲)

۱۷۔ پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہمیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔^(۳)

۱۸۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو^(۴) اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔^(۵) اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔^(۶)

۱۹۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلادیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے غافل کردیا،^(۷) اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یارومددگار چھوڑ دیا، جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

۲۔ شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

۳۔ یعنی خلود فی النار، جہنم کی دائمی سزا۔

۴۔ اہل ایمان کو خطاب کر کے انہیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں بجالاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تعقولی (اللہ کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

۵۔ اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں، قریب ہی ہے۔

۶۔ چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء دے گا، نیک کو نیکی کی جزاء، بروں کو برائیوں کا بدلہ۔

۷۔ یعنی اللہ نے بطور جزاء انہیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے اعمال سے غافل ہو گئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفوس کو عذاب الہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے، اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان حق کے سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں، نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جس میں اس کی اپنی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

۲۰۔ اہل نار اور اہل جنت (باہم) برابر نہیں۔^(۱) جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں (اور جو اہل نار ہیں وہ ناکام ہیں)^(۲)

۲۱۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے^(۳) تو تو دیکھتا کہ وہ خوف الہی سے پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا^(۴) ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔^(۵)

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

لَوْ أَنزَلْنَاهُذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَهُ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ
الْمَثَالُ نَصْرٌ لِّلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُونَ ۝

۱۔ جنہوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم، جن کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاؤں بیٹتے تھے، جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے، جنہوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری، ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انہیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی، یہ دونوں فریق یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے، بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں؟ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا، دوسرا اپنے انجام سے غافل رہا اس لیے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت برتی۔

۲۔ جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و تقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے، کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے، جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انجام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہو گا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا، وہ خاسر و ناکام ہو گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِينَ۔

۳۔ اور پہاڑ میں فہم و ادراک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔

۴۔ یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت و فصاحت، قوت و استدلال اور وعظ و تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انہیں سن کر پہاڑ بھی، باوجود اتنی سختی اور وسعت و بلندی کے، خوف الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئیں ہیں، لیکن اگر قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہو گا۔

۵۔ تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن یہ آپ ﷺ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اتنا تقویٰ اور مضبوط کر دیا کہ آپ ﷺ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدیر) اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرما رہا ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔

۲۲. وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے کھلے کا جاننے والا، مہربان اور رحم کرنے والا۔

۲۳. وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

۲۴. وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اسی کے لیے (نہایت) اچھے نام ہیں،^(۲) ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے،^(۳) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔^(۵)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ الْغَيْبُ
وَالشَّهَادَةُ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۳﴾

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ
الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۴﴾

۱. غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب ہو۔ حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چلنے والی چوٹی کو بھی جانتا ہے۔
۲. کہتے ہیں کہ خَلَقَ کا مطلب ہے اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق اندازہ کرنا اور برآ کے معنی ہیں اسے پیدا کرنا، گھڑنا، وجود میں لانا۔

۳. اسمائے حسنیٰ کی بحث سورہ اعراف: ۱۸۰ میں گزر چکی ہے۔

۴. زبان حال سے بھی اور زبان مقال سے بھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۵. جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

سورہ ممتحنہ مدنی ہے اور اس میں تیرہ آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود)
اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ^(۱) تم تو دوستی سے ان
کی طرف پیغام بھیجتے ہو^(۲) اور وہ اس حق کے ساتھ جو
تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود
تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم
اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو،^(۳) اگر تم میری راہ میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ
تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْبُودَةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنْ
الرَّسُولِ وَإِنَّا لَهُمْ عَذَابٌ مُّزِينٌ
إِن كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِنَا وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِنَا
فِيُؤْنِ إِلَيْهِم بِالْبُودَةِ وَإِنَّا أَعْلَمُ بِمَا تَخْفِيهِمْ وَمَا
أَعْلَنُكُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ

۱. کفار مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مہاجر بدری صحابی تھے، جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن ان کے بیوی بچے مکہ میں ہی تھے، انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کی تیاری کی اطلاع کر دوں تاکہ اس احسان کے بدلے وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں، چنانچہ انہوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف روانہ کر دیا، جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی ﷺ کو کر دی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جاؤ روضہ خانہ پر ایک عورت ہوگی جو مکہ جا رہی ہوگی، اس کے پاس ایک رقعہ ہے، وہ لے آؤ، چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقعہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا، آپ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر وارتداد کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتے دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں، آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا۔ تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرمادیں، تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الممتحنہ، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة)

۲. مطلب ہے نبی ﷺ کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو؟

۳. جب ان کا تمہارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمہارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرو؟

السَّيِّئِلِ ①

جہاد کے لیے اور میری رضا مندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو)،^(۱) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا۔^(۲)

۲. اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور (دل سے) چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔^(۳)

۳. تمہاری قرابتیں، رشتہ داریاں، اور اولاد تمہیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی،^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا^(۵) اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔

۴. (مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) میں اور

لَا يَنْفَعُكُمْ بَيْتُكُمْ وَلَا أَعْدَاءُ وَيَسْطُرُ إِلَيْكُمْ
أَيُّدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ بِالشَّوْرِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ②

لَنْ نَنْفَعَكُمْ أَرْحَامَكُمْ وَلَا أُولَادَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
يَقِصُّ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ④

۱. یہ جواب شرط، جو محذوف ہے، کا ترجمہ ہے۔

۲. یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انہیں خفیہ نامہ وی پیام بھیجنا، گمراہی کا راستہ ہے، جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

۳. یعنی تمہارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بغض و عناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی پیٹنگیں بڑھا رہے ہو؟

۴. یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو۔ قیامت کے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔

۵. دوسرے معنی ہیں تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جہنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ جیسے فرمایا ﴿يَوْمَ يُفَرِّدُ الْمَرْءُ مِنْ أَجْنَلِهِ﴾ (عبس: ۳۴) یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔

إِذَا قَالُوا الْعَمَلُ مَهْمُ إِنَّا بُرَءُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ كُفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَلْنَا بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبُغْضَاءَ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّهُ الْأَقْوَلُ
إِبْرَاهِيمُ لَا يُبَدِّلُ لَكُمْ شَيْئًا لَكُمْ وَمَا أَتَاكُمْ مِنْ
اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رُبَّمَا عَلَيْكُمْ تَوَكُّلُنَا وَإِلَيْكَ آئِبْنَا
وَالَّذِيكَ الْمَصِيرُ ﴿۱۰﴾

ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے،^(۱) جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔^(۲) ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی^(۳) لیکن ابراہیم (علیہ السلام) کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی^(۴) کہ میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے^(۵) اور تیری ہی

۱. کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے، اُسوۃ کے معنی ہوتے ہیں، ایسا نمونہ جس کی اقتداء کی جائے۔

۲. یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟
۳. یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپنالو گے۔ ہاں جب تم ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بغض محبت میں بدل جائے گا۔

۴. یہ ایک استثناء ہے جو فی ابراہیم میں مقدر مخدوف مضاف سے ہے۔ یعنی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوۃٌ حَسَنَةً فِی مَقَالَاتِ اِبْرٰہِیْمَ اِلَّا قَوْلَهُ لَا یَبِیْہُ یَا اُسُوۃٌ حَسَنَةً سے استثناء ہے، اس لیے کہ قول بھی نغملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے۔ (قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوۃٌ حَسَنَةً فِی اِبْرٰہِیْمَ فِی جَمِیْعِ اَقْوَالِہٖ وَاَفْعَالِہٖ اِلَّا قَوْلَهُ لَا یَبِیْہُ) (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے، البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی بابت علم نہیں تھا، چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی اظہار براءت کر دیا، جیسا کہ سورۃ براءت: ۱۱۳ میں ہے۔ (سورۃ براءت سورۃ تہ کہہ جاتا ہے)

۵. توکل کا مطلب ہے۔ امکانی حد تک ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا جائے، اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہوگا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اونٹ کو باہر کھڑا کر کے اندر آ گیا، آپ ﷺ نے پوچھا تو کہا میں اونٹ اللہ کے سپرد کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، یہ توکل نہیں ہے۔ «اعْقِلْ وَتَوَكَّلْ» (پہلے اسے کسی چیز سے باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر) (ترمذی) انابت کا مطلب ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹتا ہے۔

۵. اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال اور اے ہمارے پالنے والے! ہماری خطاؤں کو بخش دے، بیشک تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔

۶. یقیناً تمہارے لیے ان میں^(۲) اچھا نمونہ (اور عمدہ پیروی ہے خاص کر) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیمت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو،^(۳) اور اگر کوئی روگردانی کرے^(۴) تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور سزاوار حمد و ثناء ہے۔

۷. کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے۔^(۵) اور اللہ کو سب قدرتیں ہیں اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔

۸. جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی^(۱) اور تمہیں جلا وطن نہیں

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْزِزْ لَنَا رَبَّنَا
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ
هُوَ الْغَفِيُّ الْوَهِيدُ ﴿۲﴾

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ هَادَيْتُمْ
وَهُمْ مُّوَدَّةٌ وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳﴾

لَا يَأْتِيهِمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا تَوَكَّلُوا فِي الَّذِينَ
وَلَمْ يَخْرُجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ أَن تَبْرُدَهُمْ وَتَقْطَعُوا

۱. یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے، یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی؟

۲. یعنی ابراہیم علیہ السلام کے اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

۳. کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، یہی لوگ حالات و واقعات سے عبرت پکڑتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۴. یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے۔

۵. یعنی ان کو مسلمان کر کے تمہارا بھائی اور ساتھی بنادے، جس سے تمہارے مابین عداوت، دوستی اور محبت میں تبدیلی ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور ان کے مسلمان ہوتے ہی نفرتیں، محبت میں تبدیل ہو گئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست و بازو بن گئے۔

۶. یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات دی جارہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے، یہ پہلی شرط ہے۔

إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿١﴾

إِنَّمَا يَسْكُنُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي الدِّينِ
وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِحْرَاجِكُمْ أَن
تُكُونُوا مِنْ يَتَوَكَّلُكُمْ قَاتِلُكُمْ فَإِنَّهُمْ الظَّالِمُونَ ﴿٢﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهْجِرَاتٍ
فَأَمْسِكُوهُنَّ إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنَّ

کیا^(۱) ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ
(بھلے) برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا،^(۲) بلکہ
اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۳)

۹. بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت
سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں
لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دس نکالے دیے اور دس نکالا
دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت
کریں^(۴) وہ (قطعاً) ظالم ہیں۔^(۵)

۱۰. اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں
ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔^(۱) دراصل ان

۱. یعنی تمہارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسری شرط
یہ ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے، کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔
مشورے اور رائے سے اور نہ ہتھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔

۲. یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے۔ جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا
نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی مشرکہ ماں کی بابت صلہ رحمی یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: صِلِي
أُمَّكَ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقة والصدقة علی الأقرین، صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب صلة الوالد المشرك)
(اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)۔

۳. اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت یوں
بیان ہوئی ہے ﴿إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ، عَلَىٰ مَنَازِلٍ مِّنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكُنَّا يَدِيَهُ يَمِينٌ﴾.
الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ، وَمَا وَلَّوْا (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل) (انصاف کرنے
والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، جو اپنے فیصلوں
میں، اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں)۔

۴. یعنی ارشاد الہی اور امر ربانی سے اعراض کرتے ہوئے۔

۵. کیوں کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے، اور یوں انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انہیں
اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَكَّلْهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدة: ۵۱)

۶. معاہدہ حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ مکہ سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔

عَلِمْتُمْ مَن مُّؤْمِنٌ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ
لَا مَن جَلَّ لَهُمْ وَلَا لَهُمْ يَحْيَوْنَ لَهُنَّ وَاللَّهُ مَعَهُمَا
أَنْفَقُوا وَلَكِنْ تَمَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُنْكِحُوهُنَّ إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ
أُجُورُهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَافِرِ وَاسْأَلُوا
مَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمَا أَنْفَقُوا أَذْ لَكُمْ حُكْمُ اللَّهِ
يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾

کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں ^(۱) تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں، ^(۲) اور جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو، ^(۳) ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ^(۴) اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو ^(۵)

لیکن اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر ”کوئی“ (أَحَدٌ) میں دونوں ہی شامل تھے۔ چنانچہ بعد میں بعض عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس پر اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ ہجرت کر کے آنے والی عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے، اپنے کافر خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مسلمان کے عشق میں یا کسی اور غرض سے تو نہیں آئی ہے اور صرف یہاں پناہ لینے کی خاطر ایمان کا دعویٰ کر رہی ہے۔

۱. یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمہیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

۲. یہ انہیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا، چنانچہ نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص بن ربیع کے ساتھ ہوا تھا، جب کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا، اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انہیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد ہجرت کر کے آئے۔

۳. یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مہر ادا کیا ہے، وہ تم انہیں ادا کر دو۔

۴. یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں، جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کا حق مہر تم ادا کرو۔ تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہوگا۔ یعنی ایک تو انفصائے عدت (استبراء رحم) کے بعد ہوگا۔ دوسرا، اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ البتہ عورت مدخول بہا نہیں ہے تو پھر بلا عدت فوری نکاح جائز ہے۔

۵. عِصْمٌ، عِصْمَةٌ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) البتہ اگر بیوی کتابیہ (یہودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا

اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو،^(۱) مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو^(۲) وہ بھی مانگ لیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم (اور) حکمت والا ہے۔

۱۱. اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے^(۴) تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو، اور اس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

۱۲. اے پیغمبر (ﷺ)! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ

وَلَنْ قَاتِلَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقِبَتُهُمْ قَاتِلُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ
مَا اَنْفَقُوا وَاَتَقُوا لِلَّهِ الَّذِي اَنْتُمْ بِهٖ مُّؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

لَا يَأْتِيَنَّكَ الْيَهُودُ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ بِمَا بَيْنَكَ عَلَى اَنْ
لَا يَشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ
وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهٖتَانٍ
يَفْتَرِيْتهٖ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ

ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پہلے سے ہی بیوی کی حیثیت سے تمہارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱. یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔

۲. یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے آگئی ہیں۔

۳. یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مہر ادا کریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح القدیر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہو گا۔ بصورت دیگر نہیں۔

۴. فَعَاقِبَتُهُمْ (پس تم سزا دو یا بدلہ لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر، جو تمہیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے، وہ تم ان مسلمان کو دے دو، جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا۔ (یعنی یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے)۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو، جن کی بیویاں دار الکفر چلی گئی ہیں، ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبر (ازالہ) یہ بھی سزا ہے (البر القایر واہن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (البر القایر)

وَلَا يَصْبِيحُ بِكَ فِي مَعْرُوفٍ فَيَا بَعْثُ عَنْ وَاسْتَعْفُ
لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں
اور کسی نیک کام میں تیری حکم عدولی نہ کریں گی تو آپ
ان سے بیعت کر لیا کریں،^(۱) اور ان کے لیے اللہ سے
مغفرت طلب کریں بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے اور معاف کرنے
والا ہے۔

۱۳۔ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن
پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے^(۲) جو آخرت سے اس
طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر سے کافر
ناامید ہیں۔^(۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ قَدْ يَسْأَلُونَ مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَسْأَلُونَ
مَنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ②

۱۔ یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں ہجرت کر کے آئیں، جیسا کہ صحیح بخاری تفسیر سورہ متحنہ میں ہے۔ علاوہ ازیں
فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ ﷺ صرف زبان سے
عہد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ ﷺ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”اللہ کی قسم بیعت میں
نبی ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ ﷺ صرف یہ فرماتے کہ میں
نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ الممتحنہ) بیعت میں آپ ﷺ یہ عہد بھی عورتوں
سے لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی، گریبان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح بین
نہیں کریں گی۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم وغیرہما) اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس
لیے کہ یہ ارکان دین اور شعائر اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ ﷺ نے بطور خاص ان چیزوں
کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا، تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ، ان چیزوں سے بھی اجتناب
کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء ودعاة اور واعظین حضرات اپنا زور خطابت ارکان دین کے بیان کرنے میں
ہی صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں، بلکہ ان خرابیوں اور رسموں کی بھی پر زور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے
میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

۲۔ اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے،
کیونکہ اس میں یہود و منافقین بھی آجاتے ہیں، علاوہ ازیں سارے کفار ہی غضب الہی کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ
ہو گا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔ اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں)
سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے
یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے۔ کیونکہ مکرر انہوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ
لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں؟ (ابن جریر طبری)

سُورَةُ الصَّفِّ

سورہ صف مدنی ہے اور اس میں چودہ آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَعْمَلُوْنَ ②

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَعْمَلُوْنَ ③

اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَالُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا
كَانَتْهُمْ بَنِيَّانُ مَرْصُوصٌ ④

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ لَعَنُوا ذٰىنِىْ وَقَدْ
تَعْمَلُوْنَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللَّهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْا زَاغَ
اللَّهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. زمین و آسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی
ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

۲. اے ایمان والو! (۱) تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے
نہیں۔

۳. تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند
ہے۔ (۲)

۴. بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس
کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی
ہوئی عمارت ہیں۔ (۳)

۵. اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے
کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو
حالانکہ تمہیں (بخوبی) معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب
اللہ کا رسول ہوں (۴) پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے

☆ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ
عمل ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے چاہیے تاکہ ان پر عمل کیا جاسکے، لیکن آپ ﷺ کے پاس جاکر پوچھنے کی جرأت
کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی۔ (مسند أحمد: ۴۵۲/۵، وسنن الترمذی تفسیر سورة الصف)
۱. یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں أَحَبُّ الْأَعْمَالِ کا علم
ہو جائے تو ہم انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض پسندیدہ عمل بتلائے گئے تو ست ہو گئے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو توبیخ
کی جارہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو، کرتے کیوں نہیں ہو، جو بات منہ سے نکالتے ہو، اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟
جو زبان سے کہتے ہو، اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟

۲. یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

۳. یہ جہاد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔

۴. یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں، بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے

تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا،^(۱) اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

۶. اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں^(۲) اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔^(۳) پھر جب وہ ان کے پاس

وَلَا قَالِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ
اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ
وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّؤْتَمِنٌ ۝۱

تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی عیوب ان کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔

۱. یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو، خیر کے مقابلے میں شر کو، اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر ہدایت سے پھیر دیا، کیونکہ یہی سنت اللہ چلی آرہی ہے، کفر وضلالت پر دوام و استمرار ہی دلوں پر مہر لگنے کا باعث ہوتا ہے، پھر فسق، کفر اور ظلم اس کی طبیعت اور عادت بن جاتی ہے، جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا، اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے، اب کون اسے ہدایت دے سکتا ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟

۲. حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی نافرمانی کی، اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا بھی انکار کیا، اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء (علیہم السلام) کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں، وہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے، اس لیے جس طرح تم موسیٰ و ہارون اور داود و سلیمان (علیہم السلام) پر ایمان لائے، مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لیے کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

۳. یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوش خبری سنائی۔ چنانچہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: أَنَا دَعَوْتُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبِشَارَةُ عِيسَى (ایسر التفاسیر) ”میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت کا مصداق ہوں۔“ احمد، یہ فاعل سے اگر مبالغے کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کی گئی، اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (بخاری، فتح القدیر)

کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے۔^(۱)
۷۔ اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر
جھوٹ (افتراء) باندھے^(۲) حالانکہ وہ اسلام کی طرف
بلایا جاتا ہے^(۳) اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں
دیتا۔

۸۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے
بجھادیں^(۴) اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا
ہے^(۵) گو کافر برامانیں۔

۹۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا
دین دے کر بھیجا تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب
کر دے^(۶) اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔^(۷)

۱۰۔ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتا دوں^(۸)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ
إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَنُورِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ
وَلَذِكْرَةَ الْكَافِرِينَ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَذِكْرَةَ الْمُشْرِكِينَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ

۱۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو سے تعبیر کیا، جس طرح گزشتہ قومیں بھی اپنے پیغمبروں کو اسی
طرح کہتی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نبی ﷺ لیے ہیں اور قَالُوا کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔

۲۔ یعنی اللہ کی اولاد قرار دے، یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیے، ان کو حرام باور کرائے۔

۳۔ جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے، اس لیے جو شخص ایسا ہو، اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افتراء
گھڑے، چہ جائیکہ اللہ پر افتراء باندھے؟

۴۔ نور سے مراد قرآن، یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں۔ ”منہ سے بجھادیں“ کا مطلب، وہ طعن و تشنیع کی باتیں
ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی تھیں۔

۵۔ یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے، یا مادی غلبے
کے لحاظ سے یا دونوں لحاظ سے۔

۶۔ یہ گزشتہ بات ہی کی تاکید ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

۷۔ تاہم یہ لاحالہ ہو کر رہے گا۔

۸۔ اس عمل (یعنی ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اس میں بھی انہیں تجارت کی طرح ہی نفع
ہوگا، اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا، اور وہ نفع کیا ہے؟ اس بات
کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ﴾ (التوبة: ۱۱۱)

مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ①

تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ②

يَعْرِفُ لَكُمْ دُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ
ذَٰلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ③

وَأُخْرَىٰ يُغْنِي عَنْهَا كَثِيرٌ مِنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ
وَبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ④

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيسَى
ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰهِ قَالَ

جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟

۱۱. اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔

۱۲. اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ان جہنموں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۳. اور تمہیں ایک دوسری (نعت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے، ^(۱) اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔ ^(۲)

۱۴. اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔ ^(۳) جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے

(اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدلے میں کر لیا ہے)۔

۱. یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے، تو وہ بھی تمہیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔ ﴿إِنْ تَصْرُوا لِلّٰهِ يُنْصِرْكُمْ وَيُغْنِيَكُمْ عَنْكَ آمَلَكُمْ﴾ (محمد: ۷) (اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا)۔ ﴿وَلِيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَكَفٍ عَزِيزٌ﴾ (الحج: ۴۰) (جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے)۔ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب، قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ جو خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

۲. جنت کی مرنے کے بعد اور فتح و نصرت کی دنیا میں۔ بشرطیکہ اہل ایمان ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔ ﴿وَأَنْتُمْ أَزْعَفُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹) (اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو)۔ آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دین کی نصرت کی مزید ترغیب دے رہا ہے۔

۳. تمام حالتوں میں، اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمہیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کہو، جس طرح حواریین نے عیسیٰ (علیہ السلام) کی پکار پر لبیک کہا۔

أَحْوَارِيُونَ عَنْ أَنْصَارِ اللَّهِ فَأَمَّتْ خَلِيفَةُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ خَلِيفَةُ فَأَيَّدَ الْكَاذِبِينَ الْمُؤَاوِلِي عَدُوَّهُمْ فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝

حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں،^(۱) پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا^(۲) تو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی پس وہ غالب آگئے۔^(۳)

۱. یعنی ہم آپ ﷺ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشر و اشاعت کا حکم اللہ نے آپ ﷺ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ ایام حج میں فرماتے ”کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، اس لیے کہ قریش مجھے فریضہ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔“ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی اس پکار پر مدینے کے اوس اور خزرج قبیلے نے لبیک کہا، آپ ﷺ کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی اور آپ ﷺ کی مدد کا وعدہ کیا، نیز آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں تو آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں، چنانچہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انہوں نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی، حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی ”انصار“ رکھ دیا اور اب یہ ان کا علم بن گیا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ (ابن کثیر)

۲. یہ یہود تھے جنہوں نے نبوت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر اور ان کی ماں پر بہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف و تفرق اس وقت ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا، ایک نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا، اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ نسطوریہ فرقہ نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، باپ نے بیٹے کو آسمان پر بلایا ہے، تیسرے فرقہ نے کہا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، یہی فرقہ صحیح تھا۔

۳. یعنی نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم نے اسی آخری جماعت کی، دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی۔ چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حامل جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت و سلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہو گا جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہو گا، جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت صحیح احادیث میں تواتر کے ساتھ منقول ہے۔



سورۃ جمعہ مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلٰٓئِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

۱. (ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ ہے نہایت پاک (ہے) غالب ہے باحکمت ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

۲. وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں^(۱) میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

وَالْاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَنَبَايِلُحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

۳. اور دوسروں کے لیے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے۔^(۲) اور وہی غالب باحکمت ہے۔

☆ نبی ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے، (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ما یقرأ فی صلوة الجمعة) تاہم ان کا جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ البتہ ایک ضعیف روایت میں ایسا آتا ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر ترجمۃ سعید بن مساک بن حرب)

۱. اُمَمِیْنَ سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت دوسروں کے لیے نہیں تھی، لیکن چونکہ اولین مخاطب وہ تھے، اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔

۲. یہ اُمَمِیْنَ پر عطف ہے یعنی بَعَثَ فِیْ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ، اٰخَرِیْنَ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ مراد ہیں جو قیامت تک آپ ﷺ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب و عجم کے وہ تمام لوگ ہیں جو عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد قیامت تک ہوں گے چنانچہ اس میں فارس، روم، بربر، سوڈان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی نبوت سب کے لیے ہے چنانچہ یہ سب ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ بھی مِنْهُمْ کا مصداق یعنی اولین اسلام لانے والے اُمَمِیْنَ میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں۔ اسی ضمیر کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ آخرین سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع اُمَمِیْنَ ہیں۔ (فتح اللہ)

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ①

مَثَلُ الَّذِينَ حَبَلُوا النَّوْرَةَ لَمْ يَجْعَلُوا كَمَثَلِ
الْجَارِ يَصِلُ أَشْفَاؤُا يَسْ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا
بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ②

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّا أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ
مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ③

۴۔ یہ اللہ کا فضل ہے ^(۱) جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔

۵۔ جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ ^(۲) اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۶۔ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا ^(۳) تو تم موت کی تمنا کرو ^(۴) اگر تم سچے ہو۔ ^(۵)

۱۔ یہ اشارہ نبوت محمدی (عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ) کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔

۲۔ اَسْفَاؤُا، سَفَر کی جمع ہے۔ معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے۔ اس لیے کتاب کو بھی سفر کہا جاتا ہے (فتح اللہ)۔ یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں، ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں، اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں، لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے مقتضاء پر عمل کرتے ہیں، بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے، جب کہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿أُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف: ۱۷۹) (یہ چوپائے کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ)۔ یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علماء کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں، اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے مقتضاء پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں)۔ (المائدہ: ۱۸) اور دعویٰ کرتے تھے کہ (جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہو گا)۔ (البقرہ: ۱۱۱)

۴۔ تاکہ تمہیں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جو تمہارے زعم کے مطابق تمہارے لیے ہونا چاہیے۔

۵۔ اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ مرنے کے بعد اس کے لیے جنت ہے، وہ تو وہاں جلد پہنچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ

وَلَا يَمُوتُونَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ إِلَيْهِمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْفٍ عَلَيْكُمْ
وَتُرْجَعُونَ إِلَىٰ حِلْمِ الْغَيْبِ وَاللَّهُ هَادٍ فَتَبَيَّنْكُمْ
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا دُعِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

۷۔ یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں پہنچ رکھے ہیں^(۱) اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۸۔ کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جانے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کیے ہوئے تمام کام بتا دے گا۔

۹۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔^(۲) یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

ابن کثیر نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے۔ یعنی اس میں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نبوت محمدیہ ﷺ کے انکار اور اپنے دوائے ولایت و محبوبیت میں سچے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ مباہلہ کرلو۔ یعنی مسلمان اور یہودی دونوں مل کر بارگاہ الہی میں دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہلکنا فرمادے۔ (دیکھیے سورہ بقرہ: ۹۳ کا تاشیہ) ۱۔ یعنی کفر و معاصی اور کتاب الہی میں تحریف و تغیر کا جو ارتکاب یہ کرتے رہے ہیں، ان کے باعث کبھی بھی یہ موت کی آرزو نہیں کریں گے۔

۲۔ یہ اذان کس طرح دی جائے، اس کے الفاظ کیا ہوں؟ یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہے نہ اس پر عمل کرنا ہی۔ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ ہر چیز کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا، یوں گویا تمام مخلوقات کا اس دن اجتماع ہو گیا، یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بنا پر کہتے ہیں۔ (بخاری) فَاسْعَوْا کا مطلب یہ نہیں کہ دوڑ کر آؤ، بلکہ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد آ جاؤ اور کاروبار بند کر دو۔ کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا ممنوع ہے، وقار اور سکینت کے ساتھ آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الاذان و صحیح مسلم، کتاب المساجد) بعض حضرات نے ذَرُوا الْبَيْعَ (خرید و فروخت چھوڑ دو) سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ صرف شہروں میں فرض ہے، اہل دیہات پر نہیں۔ کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شہروں میں ہی ہوتی ہے، دیہاتوں میں نہیں۔ حالانکہ اول تو دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو، اس لیے یہ دعویٰ ہی خلاف واقعہ ہے۔ دوسرا بیع اور کاروبار سے مطلب، دنیا کے مشاغل ہیں، وہ جیسے بھی اور جس قسم کے بھی ہوں، اذان جمعہ کے بعد انہیں ترک کر دیا جائے۔ کیا اہل دیہات کے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی، کاروبار اور مشاغل دنیا سے مختلف چیز ہے؟

۱۰. پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو^(۱) اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

۱۱. اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔^(۲) آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے پاس جو ہے^(۳) وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔^(۴) اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے۔^(۵)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَبِهُوا إِلَى الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوهَا قَائِمًا عَلَى مَاعِذَةِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱﴾

۱. اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے۔ یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو جاؤ۔ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔

۲. ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ آگیا، لوگوں کو پتہ چلا تو خطبہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے کہ کہیں سامان فروخت ختم نہ ہو جائے صرف ۱۲ آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (صحیح البخاری، تفسیر سورة الجمعة وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب وإذا رأوا تجارة أو لهوا...) انفصاض کے معنی ہیں، مائل اور متوجہ ہونا، دوڑ کر منتشر ہو جانا۔ إِلَيْهَا میں ضمیر کا مرجع تِجَارَةٌ ہے۔ یہاں صرف ضمیر تجارت پر اکتفا کیا، اس لیے کہ جب تجارت بھی، باوجود جائز اور ضروری ہونے کے، دوران خطبہ مذموم ہے تو کھیل وغیرہ کے مذموم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں قَائِمًا سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر دینا سنت ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ کے دو خطبہ ہوتے تھے، جن کے درمیان آپ ﷺ بیٹھتے تھے، خطبے میں آپ ﷺ قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ (صحیح مسلم، كتاب الجمعة)

۳. یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جو جزائے عظیم ہے۔

۴. جس کی طرف تم دوڑ کر گئے اور مسجد سے نکل گئے اور خطبہ جمعہ کی ساعت بھی نہیں کی۔

۵. پس اسی سے روزی طلب کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اسی کی طرف وسیلہ پکڑو۔ اس کی اطاعت اور اس کی طرف انابت تحصیل رزق کا بہت بڑا سبب ہے۔

سورہ منافقون مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس
بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں،^(۱)
اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں۔^(۲)
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔^(۳)
۲. انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۴) تو
اللہ کی راہ سے رک گئے^(۵) بیشک برا ہے وہ کام جو یہ
کر رہے ہیں۔

۳. یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر
ہو گئے^(۶) پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اب یہ
نہیں سمجھتے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَ الْمُنفِقُونَ قَالَُوا اتَّبَعْنَاكَ لَوْ أَنَّكَ لِرَسُولِ اللَّهِ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ
لَكَاذِبُونَ ①

إِذْ خَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ②

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَفْقَهُونَ ③

۱. منافقین سے مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھا
کھا کر کہتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

۲. یہ جملہ معترضہ ہے جو مضمون ماقبل کی تاکید کے لیے ہے جس کا اظہار منافقین بطور منافقت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا یہ تو ویسے ہی زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس یقین سے خالی ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی
اللہ کے رسول ہیں۔

۳. اس بات میں کہ وہ دل سے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان
سے دھوکہ دینے کے لیے اظہار کرتے ہیں۔

۴. یعنی وہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، انہوں نے
اپنی اس قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے اس کے ذریعے سے وہ تم سے بچے رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ تمہاری تلواروں
کی زد میں نہیں آتے۔

۵. دوسرا ترجمہ ہے کہ انہوں نے شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔

۶. اس سے معلوم ہوا کہ منافقین بھی صریح کافر ہیں۔

وَاِذَا رَأَوْهُمُ مُّجِبًا اَجْسَامُهُمْ وَانْ يَقُولُوا سَمِعْنَا
لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسْتَدَّةٌ يُّحْسِنُونَ كَلِمًا صَبِيحًا
عَلَيْهِمْ ثُمَّ اَعَدُّوا حَزَرَهُمْ قَاتِلَهُمُ اللّٰهُ اَلَيْ يُوَفُّوْنَ ۝

۴. اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں،^(۱) یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر (اپنا) کان لگائیں،^(۲) گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئیں،^(۳) ہر (سخت) آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔^(۴) یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو اللہ انہیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

وَإِذْ أَمَرْنَا لَهُمُ نَعَالَیَ أَنْ یَسْتَغْفِرَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوْ وَا
رَوْوْهُمْ وَرَأَوْهُمْ یُصَدِّقُونَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝

۵. اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹاتے ہیں^(۵) اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔^(۶)

سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ أَسْأَلْتَهُمْ لَمْ يَنْفَعُوا لَهُمْ لَمْ یَسْتَغْفِرْ لَهُمْ كُنْ
یَعْرِ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ ۝

۶. ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے۔^(۷) اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔^(۸) بیشک اللہ

۱. یعنی ان کے حسن و جمال اور رونق و شادابی کی وجہ سے۔

۲. یعنی زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے۔

۳. یعنی اپنی درازی قد اور حسن و رعنائی، عدم فہم اور قلت خیر میں ایسے ہیں گویا کہ دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہیں لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مطلب ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ (فتح القدیر)

۴. یعنی بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زوردار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہو گئی ہے۔ یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کاروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے۔ جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔

۵. یعنی استغفار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں۔

۶. یعنی کہنے والے کی بات سے منہ موڑ لیں گے یا رسول اللہ ﷺ سے اعراض کر لیں گے۔

۷. اپنے نفاق پر اصرار اور کفر پر استمرار کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں استغفار اور عدم استغفار ان کے حق میں برابر ہے۔

۸. اگر اسی حالت نفاق میں وہ مر گئے۔ ہاں اگر وہ زندگی میں کفر و نفاق سے تائب ہو جائیں تو بات اور ہے، پھر ان کی مغفرت ممکن ہے۔

تعالیٰ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۷۔ یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں^(۱) حالانکہ آسمانوں اور زمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں^(۲) لیکن یہ منافق ناسمجھ ہیں۔^(۳)

۸۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔^(۴) سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان داروں کے لیے ہے^(۵) لیکن یہ منافق

هُمْ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

يَقُولُوْنَ لَیْسَ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیْخُرَّجَنَّ الْاَعْزٰی مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

۱۔ ایک غزوے میں (جسے اہل سیر غزوہ مریسج یا غزوہ بنی المصطلق کہتے ہیں) ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی حمایت کے لیے انصار اور مہاجرین کو پکارا، جس پر عبد اللہ بن ابی (منافق) نے انصار سے کہا کہ تم نے مہاجرین کی مدد کی اور ان کو اپنے ساتھ رکھا، اب دیکھ لو، اس کا نتیجہ سامنے آرہا ہے یعنی یہ اب تمہارا کھاکر تمہیں پر غرا رہے ہیں۔ ان کا علاج تو یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو، یہ اپنے آپ تتر بتر ہو جائیں گے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ ہم (جو عزت والے ہیں) ان ذیلوں (مہاجروں) کو مدینے سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خبیثہ سن لیے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آکر بتلایا، آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو سخت ملال ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صداقت کے اظہار کے لیے سورہ منافقون نازل فرمادی، جس میں ابن ابی کے کردار کو پوری طرح طشت از بام کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ المنافقون)

۲۔ مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ رزق کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جس کو جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔

۳۔ منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انصار اگر مہاجرین کی طرف دست تعاون دراز نہ کریں تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔

۴۔ اس کا کہنے والا رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا، عزت والے سے اس کی مراد تھی وہ خود اور اس کے رفقاء اور ذلت والے سے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ اور مسلمان۔

۵۔ یعنی عزت اور غلبہ صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت و غلبہ عطا فرمادے۔ چنانچہ وہ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عزت اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے نافرمان

جانتے نہیں۔^(۱)

۹. اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔^(۲) اور جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاں کار لوگ ہیں۔

۱۰. اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) اس سے پہلے خرچ کرو^(۳) کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا؟^(۴) کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

۱۱. اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی باخبر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ^①

وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ وَأَكُنْ مِنَ الصَّاحِقِينَ^②

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ^③

ہوں۔ یہ منافقین کے قول کی تردید فرمائی کہ عزتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معزز بھی وہی ہے جسے وہ معزز سمجھے، نہ کہ وہ جو اپنے آپ کو معزز یا اہل دنیا جس کو معزز سمجھیں اور اللہ کے ہاں معزز صرف اور صرف اہل ایمان ہوں گے، کافر اور اہل نفاق نہیں۔

۱. اس لیے ایسے کام نہیں کرتے جو ان کے لیے مفید ہیں اور ان چیزوں سے نہیں بچتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔
۲. یعنی مال اور اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آجائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حلال و حرام کی حدوں کی پرواہ نہ کرو۔ منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا کردار ہے جو انسان کو خسارے میں ڈالنے والا ہے۔ اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں، یعنی اس کے احکام و فرائض کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔
۳. خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔

۴. اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اور اسی طرح اگر حج کی استطاعت ہو تو اس کی ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آجائے؟ اور یہ فرائض اس کے ذمے رہ جائیں کیونکہ موت کے وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سورۃ تغابن مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱. (تمام چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی
پاکी بیان کرتی ہیں ^(۱) اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی
تعریف ہے، ^(۲) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يَسْبِغْ لِهٖ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ لَهٗ
الْمُلْكُ وَلَهٗ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱

۲. اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض تو کافر
ہیں اور بعض ایمان والے ہیں، اور جو کچھ تم کر رہے ہو
اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔ ^(۳)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ کَافِرٌ وَمِنْكُمْ
مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۲

۳. اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو عدل و حکمت سے
پیدا کیا، ^(۴) اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
صُوْرَكُمْ ۝۳

۱. یعنی آسمان و زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے منزہ و تقدس بیان کرتی ہے۔ زبان حال سے بھی اور
زبان مقال سے بھی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

۲. یعنی یہ دونوں خوبیاں بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے،
کسی کے پاس کچھ حسن و کمال ہے تو اسی مبداء فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہے، اس لیے اصل تعریف کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

۳. یعنی انسان کے لیے خیر و شر، نیکی اور بدی اور کفر و ایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی جو
آزادی دی ہے۔ اس کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے۔ اس نے کسی پر جبر نہیں کیا۔ اگر وہ جبر کرتا
تو کوئی شخص بھی کفر و معصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر ہی نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جب
کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزماتا تھا ﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْبَشَرَ وَالْجِبَّ وَیَبْلُوْهُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (المک: ۲) (جس نے موت
اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے) بنا بریں جس طرح کافر کا خالق اللہ
ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل و کسب ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح
مومن اور ایمان کا خالق بھی اللہ ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل
پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزاء ملے گی، کیونکہ وہ سب کے عمل دیکھ رہا ہے۔

۴. اور وہ عدل و حکمت یہی ہے کہ محسن کو اس کے احسان کی اور بدکار کو اس کی بدی کی جزاء دے، چنانچہ وہ اس عدل
کا مکمل اہتمام قیامت کے دن فرمائے گا۔

بنائیں^(۱) اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔^(۲)

۴. وہ آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ (سب کو) جانتا ہے۔ اللہ تو سینوں کی باتوں تک کو جاننے والا ہے۔^(۳)

۵. کیا تمہارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا^(۴) اور جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۵)

۶. یہ اس لیے^(۶) کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کرے گا؟^(۷) پس انکار کر دیا^(۸) اور منہ پھیر لیا^(۹)

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُحْسِرُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذٰلِكَ الصُّدُوْرِ ۝

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوۡءُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَاَتَوْا وِبٰلْاٰرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّهُۥ كَانَتْ تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَعَالَوْا الْاَبْرَءَ يَهُدُوۡا وِنَا۟ كُفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَاسْتَعٰى اللّٰهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَمِيْدٌ ۝

۱. تمہاری شکل و صورت، قد و قامت اور خدو خال نہایت خوب صورت بنائے، جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا خَزَنَ لَكَ الْكَرِيمُ * اَلَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوَّدَكَ لَعْدًا لَّكَ * فِيْ اٰوٰى صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَزَقَكَ﴾ (الانفطار: ۸-۶) ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوْرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (المؤمن: ۶۴)

۲. کسی اور کی طرف نہیں، کہ اللہ کے محتاجے اور مؤاخضے سے بچاؤ ہو جائے۔

۳. یعنی اس کا علم کائنات ارضی و سماوی سب پر محیط ہے بلکہ تمہارے سینوں کے رازوں تک سے وہ واقف ہے۔ اس سے قبل جو وعدے اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں، یہ ان کی تاکید ہے۔

۴. یہ اہل مکہ سے بالخصوص اور کفار عرب سے بالعموم خطاب ہے۔ اور ماقبل کافروں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ہیں۔ جنہیں ان کے کفر و معصیت کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے دوچار کر کے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ۵. یعنی دنیوی عذاب کے علاوہ آخرت میں۔

۶. ذٰلِكَ، یہ اشارہ ہے اس عذاب کی طرف، جو دنیا میں انہیں ملا اور آخرت میں بھی انہیں ملے گا۔

۷. یہ ان کے کفر کی علت ہے کہ انہوں نے یہ کفر، جو ان کے عذاب داریں کا باعث بنا، اس لیے اختیار کیا کہ انہوں نے ایک بشر کو اپنا ہادی ماننے سے انکار کر دیا۔ یعنی ایک انسان کا رسول بن کر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آنا، ان کے لیے ناقابل قبول تھا جیسا کہ آج بھی اہل بدعت کے لیے رسول کو بشر ماننا نہایت گراں ہے۔ هٰذَا هُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

۸. چنانچہ اس بنا پر انہوں نے رسولوں کو رسول ماننے سے اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

۹. یعنی ان سے اعراض کیا اور جو دعوت وہ پیش کرتے تھے، اس پر انہوں نے غور و تدبر ہی نہیں کیا۔

اور اللہ نے بھی بے نیازی کی،^(۱) اور اللہ تو ہے ہی بہت بے نیاز^(۲) سب خوبیوں والا۔^(۳)

۷۔ ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔^(۴) آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم سب ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے^(۵) پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیے جاؤ گے^(۶) اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔^(۷)

۸۔ سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر^(۸) اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ^(۹) اور اللہ تعالیٰ

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ كُنْ يُعَذِّبُهُمْ قُلٌّ
بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا
عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

۱۔ یعنی ان کے ایمان اور ان کی عبادت سے۔

۲۔ اس کو کسی کی عبادت سے کیا فائدہ اور اس کی عبادت سے انکار کرنے سے کیا نقصان؟

۳۔ یا محمود ہے (تعریف کیا گیا) تمام مخلوقات کی طرف سے، یعنی ہر مخلوق زبان حال و قال سے اس کی حمد و تعریف میں رطب اللسان ہے۔

۴۔ یعنی یہ عقیدہ کہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، یہ کافروں کا محض گمان ہے، جس کی پشت پر دلیل کوئی نہیں۔ زعم کا اطلاق کذب پر بھی ہوتا ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کرے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ مقام ہے اس سے قبل ایک مقام سورہ یونس، آیت: ۵۳، اور دوسرا مقام سورہ سبا، آیت: ۳ ہے۔

۶۔ یہ وقوع قیامت کی حکمت ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کیوں دوبارہ زندہ کرے گا؟ اس لیے تاکہ وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری جزاء دی جائے۔ کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جزاء مکمل شکل میں بالعموم نہیں ملتی۔ نیک کو نہ بد کو۔ اب اگر قیامت کے دن بھی مکمل جزاء کا اہتمام نہ ہو تو دنیا ایک کھلنڈرے کا کھیل اور فعل عبث ہی قرار پائے گی، جب کہ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو کوئی فعل عبث نہیں، چہ جائیکہ جن و انس کی تخلیق کو بے مقصد اور ایک کھیل سمجھ لیا جائے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنِ ذَلِكَ عَلُوًّا كَبِيرًا۔

۷۔ یہ دوبارہ زندگی، انسانوں کو کتنی ہی مشکل یا مستبعد نظر آتی ہو، لیکن اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

۸۔ فَأْمِنُوا میں فاعلیہ ہے جو شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے۔ اَيُّ: إِذَا كَانَ الْأَمْرُ هَكَذَا فَصَدَّقُوا بِاللَّهِ یعنی جب معاملہ اس طرح ہے جو بیان ہوا، تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو۔

۹۔ آپ ﷺ کے ساتھ نازل ہونے والا یہ نور قرآن مجید ہے جس سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹتی ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔

دیتا ہے^(۱) اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

۱۲. اور (لوگو) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔ پس اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔^(۲)

۱۳. اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے۔^(۳)

۱۴. اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں^(۴) پس ان سے ہوشیار رہنا^(۵) اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کرجاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔^(۶)

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾

إِلَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۷﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ مِنْكُمْ ذُو إِجْحَمٍ وَذُو لَدُنْمٍ عَدَاؤُكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَنَصَحُوا وَتَعَفَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸﴾

۱. یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی پہنچا ہے، پس وہ صبر اور رضا بالقضاء کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اس کے دل میں یقین راسخ کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک جانے والی ہے، وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں، اللہ کا کام رسول بھیجتا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔ (فتح القدیر)

۳. یعنی تمام معاملات اسی کو سونپیں، اسی پر اعتماد کریں اور صرف اسی سے دعا والتجاء کریں، کیونکہ اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ہی نہیں۔

۴. یعنی جو تمہیں عمل صالح اور اطاعت الہی سے روکیں، سمجھ لو وہ تمہارے خیر خواہ نہیں، دشمن ہیں۔

۵. یعنی ان کے پیچھے لگنے سے بچو۔ بلکہ انہیں اپنے پیچھے لگاؤ تاکہ وہ بھی اطاعت الہی اختیار کریں، نہ کہ تم ان کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب کرلو۔

۶. اسکا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا، جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا۔ لیکن انکے بیوی بچے آڑے آگئے اور انہوں نے انہیں ہجرت نہیں کرنے دی۔ پھر بعد میں جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بہت زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انہیں اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا، جنہوں نے انہیں ہجرت سے روک رکھا، چنانچہ انہوں نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس میں انہیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین

۱۵. تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔^(۱) اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے۔^(۲)

۱۶. پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ^(۳) اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمہارے لیے بہتر ہے^(۴) اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔

۱۷. اگر تم اللہ کو اچھا قرض دوگے (یعنی اس کی راہ میں خرچ کرو گے)^(۵) تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔^(۶) اور اللہ بڑا قدردان بڑا بردبار ہے۔^(۷)

۱۸. وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا (ہے)۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا ۝
وَأَقْفُوا خَبِيرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُؤْتِكُمْ شَيْءٌ فَمِنْ لَّدُنْهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

۱. جو تمہیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں، پس اس آزمائش میں تم اسی وقت سرخرو ہو سکتے ہو، جب تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ مال اور اولاد جہاں اللہ کی نعمت ہیں، وہاں یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون؟
۲. یعنی اس شخص کے لیے جو مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

۳. یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی باتوں کو توجہ اور غور سے سنو اور ان پر عمل کرو۔ اس لیے کہ صرف سن لینا بے فائدہ ہے، جب تک عمل نہ ہو۔

۴. خَيْرًا أَيْ: إِنْفَاقًا خَيْرًا، يَكُنُ الْإِنْفَاقُ خَيْرًا إِنْفَاقُ عَامٍ هُوَ، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔

۵. یعنی اخلاص نیت اور طیب نفس کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

۶. یعنی کئی کئی گنا بڑھانے کے ساتھ وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

۷. وہ اپنے اطاعت گزاروں کو أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اجر و ثواب سے نوازتا ہے اور معصیت کاروں کا فوری مواخذہ نہیں فرماتا۔

سُورَةُ الطَّلَاقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ
وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ
بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ
وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْرِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أُمَّرًا ۝

سورۃ طلاق مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ اے نبی! (ﷺ) (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی
بیویوں کو طلاق دینا چاہو^(۱) تو ان کی عدت (کے دنوں کے
آغاز) میں انہیں طلاق دو^(۲) اور عدت کا حساب رکھو،^(۳)
اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو، نہ تم انہیں
ان کے گھروں سے نکالو^(۴) اور نہ وہ (خود) نکلیں^(۵)

۱۔ نبی ﷺ سے خطاب آپ کے شرف و مرتبت کی وجہ سے ہے، ورنہ حکم تو امت کو دیا جا رہا ہے۔ یا آپ ہی کو بطور
خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ طَلَّقْتُمْ کا مطلب
ہے جب طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلو۔

۲۔ اس میں طلاق دینے کا طریقہ اور وقت بتلایا ہے لِعَدَّتِهِنَّ میں لام توقیت کے لیے ہے۔ یعنی لَأَوَّلِ یا لِاسْتِقْبَالِ
عِدَّتِهِنَّ (عدت کے آغاز میں) طلاق دو۔ یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق
دو۔ حالت طہر اس کی عدت کا آغاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں یا طہر میں ہم بستری کرنے کے
بعد طلاق دینا غلط طریقہ ہے۔ اس کو فقہاء طلاق بدعی سے اور پہلے (صحیح) طریقے کو طلاق سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس
کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی
کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اور انہیں اس سے رجوع کرنے کے ساتھ حکم دیا کہ حالت طہر میں
طلاق دینا، اور اس کے لیے آپ ﷺ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق) تاہم حیض میں
دی گئی طلاق بھی، باوجود بدعی ہونے کے واقع ہو جائے گی۔ محدثین اور جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابن
قیم اور امام ابن تیمیہ طلاق بدعی کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے نیل الأوطار، کتاب الطلاق، باب النہی عن
الطلاق فی الحيض وفي الطهر اور دیگر شروح حدیث)۔

۳۔ یعنی اس کی ابتداء اور انتہاء کا خیال رکھو، تاکہ عورت اس کے بعد نکاح ثانی کر سکے، یا اگر تم ہی رجوع کرنا چاہو، (پہلی
اور دوسری طلاق کی صورت میں) تو عدت کے اندر رجوع کر سکو۔

۴۔ یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو، بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو، اور اس وقت تک
رہائش اور نان و نفقہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

۵۔ یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، اِلَّا یہ کہ کوئی بہت ہی ضروری معاملہ ہو۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں،^(۱) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا،^(۲) تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔^(۳)

۱. یعنی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے یا بدزبانی یا بد اخلاق کا مظاہرہ کرے جس سے گھر والوں کو تکلیف ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کا اخراج جائز ہوگا۔

۲. یعنی احکام مذکورہ، اللہ کی حدیں ہیں، جن سے تجاوز خود اپنے آپ پر ہی ظلم کرنا ہے، کیونکہ اس کے دینی اور دنیوی نقصانات خود تجاوز کرنے والے کو ہی بھگتنے پڑیں گے۔

۳. یعنی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے، جیسا کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (فتح القدیر) اسی سے امام احمد اور دیگر بعض علماء نے استدلال بھی کیا ہے کہ رہائش اور نفقہ کی جو تاکید کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے لیے ہے جن کو ان کے خاوندوں نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو۔ کیونکہ ان میں خاوند کے رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ اور جس عورت کو مختلف اوقات میں دو طلاقیں مل چکی ہوں تو تیسری طلاق اس کے لیے طلاق بت یا بانہ ہے، اس کا سُکُنٰی (رہائش) اور نفقہ خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ اس کو فوراً خاوند کے مکان سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا، کیونکہ خاوند اب اس سے رجوع کر کے اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ اس لیے اب اسے خاوند کے پاس رہنے کا اور اس سے نان و نفقہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب ان کے خاوند نے ان کو تیسری طلاق بھی دے دی اور اس کے بعد انہیں خاوند کے مکان سے نکلنے کے لیے کہا گیا تو وہ آمادہ نہیں ہوئی بالآخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کے لیے رہائش اور نفقہ نہیں ہے، انہیں فوراً کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ بلکہ بعض روایات میں صراحت بھی ہے، اِنَّمَا النِّفْقَةُ وَالسُّكْنٰی لِلْمَرْأَةِ اِذَا كَانَ لِرَّوْحِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ (رواہ أحمد والنسائی) البتہ بعض روایات میں حاملہ عورت کے لیے بھی نفقہ اور رہائش کی صراحت ہے۔ (تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھیے، نبل الأوطار، باب ما جاء في نفقة المبتوتة وسكنائها وباب النفقة والسكنى للمعتدة الرجعية) بعض لوگ ان روایات کو قرآن کے مذکورہ حکم ﴿لَا تَجْزِيَنَّهُنَّ مِنْ يُبُوتِهِنَّ﴾ کے خلاف باور کر کے ان کو رد کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کا حکم اپنی گرد و پیش کے قرآن کے پیش نظر مطلقہ رجعیہ سے متعلق ہے۔ اور اگر اسے عام مان بھی لیا جائے تو یہ روایات اس کی مخصوص ہیں

۲. پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو^(۱) اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو^(۲) اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔^(۳) یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔^(۴)

۳. اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔^(۵) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔^(۶)

۴. تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو^(۷) اور حاملہ عورتوں

وَإِذَا بَلَغَ الْأَجَلُ مِنْ نَفْسِهِمْ بَعْرُوفٍ أَوْ
فَارِقُوهُمْ بَعْرُوفٍ وَأَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِنْكُمْ
وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَلِكَ يُؤْخَذُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَشْقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ
مُخْرَجًا

وَبَرِّقَتْهُمْ مِنْ حَبِّ لَاحِظٍ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ
شَيْءٍ نَدْرًا

وَالَّذِي يَسْنُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَمْ يَحِيضْ وَأُولَئِكَ
الْأَحْصَاءُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ

یعنی قرآن کے عموم کو ان روایات نے مطلقہ رجعیہ کے لیے خاص کر دیا اور مطلقہ بائنہ کو اس عموم سے نکال دیا ہے۔

۱. مطلقہ مدخلہ کی عدت تین حیض ہے۔ اگر رجوع کرنا مقصود ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلو۔ بصورت دیگر انہیں معروف کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

۲. اس رجعت اور بعض کے نزدیک طلاق پر گواہ کرلو۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں، استیباب کے لیے ہے۔ یعنی گواہ بنا لینا بہتر ہے تاہم ضروری نہیں۔

۳. یہ تاکید گواہوں کو ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت اور لالچ کے بغیر صحیح صحیح گواہی دیں۔

۴. یعنی شدائد اور آزمائشوں سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

۵. یعنی وہ جو چاہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

۶. تنگی کے لیے بھی اور آسانی کے لیے بھی۔ یہ دونوں اپنے وقت پر انتہاء پذیر ہو جاتے ہیں۔ بعض نے اس سے حیض اور عدت مراد لی ہے۔

۷۔ یہ ان کی عدت ہے جن کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا، یا جنہیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا۔

کی عدت ان کے وضع حمل ہے^(۱) اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا۔

۵۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔

۶۔ تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو^(۲) اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ^(۳) اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا

يَعْلَلُ لَهُ مِنْ أَمْرِ يُدْرِكُ ۝

ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝

أَسْكَنْتُمْ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ دُونِهَا
وَلَا تَضْرِبُوا عَلَيْهِمْ أَصْحَابُ الْأَرْوَاحِ
فَأَنْفُسُهُمْ حَتَّى يَخْضَعُوا لَكُمْ فَإِنْ أَضَعْنَ لَكُمْ

۱۔ مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چاہے دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھیے صحیح البخاری و صحیح مسلم اور دیگر سنن، کتاب الطلاق) دیگر عورتیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں، ان کی عدت ۴ مہینے ۱۰ دن ہے۔ (بقرة: ۲۳۴)

۲۔ یعنی مطلقہ رجعی کو۔ اس لیے کہ مطلقہ بانہ کے لیے تو رہائش اور نفقہ ضروری ہی نہیں ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحے میں بیان ہوا۔ اپنی طاقت کے مطابق رکھنے کا مطلب ہے کہ اگر مکان فراخ ہو اور اس میں متعدد کمرے ہوں تو ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ بصورت دیگر اپنا کمرہ اس کے لیے خالی کر دے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ قریب رہ کر عدت گزارے گی تو شاید خاوند کا دل پلٹ جائے اور رجوع کرنے کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر اگر بچے بھی ہوں تو پھر رغبت اور رجوع کا قوی امکان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اس حکم کے فوائد و حکم سے بھی وہ محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں طلاق کے ساتھ ہی جس طرح عورت کو فوراً اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے، یا بعض دفعہ لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں، یہ رواج قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

۳۔ یعنی نان نفقہ میں یا رہائش میں اسے تنگ اور بے آبرو کرنا تاکہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ عدت کے دوران ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے قریب ہو تو پھر رجوع کر لے اور بار بار ایسا کرے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ جس کے سدباب کے لیے شریعت نے طلاق کے بعد رجوع کرنے کی حد مقرر فرمادی تاکہ کوئی شخص آئندہ اس طرح عورت کو تنگ نہ کرے، اب ایک انسان دو مرتبہ تو ایسا کر سکتا ہے یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لے۔ لیکن تیسری مرتبہ جب طلاق دے گا تو اس کے بعد اس کے رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

فَالْوَهْنُ الْجُرْمُ وَالْوَهْنُ الْبَيْنُ وَالْوَهْنُ الْبَعْدُ وَإِنْ
تَعَاثَرَتْ فَسَرُّضٌ لَهُ الْغُرَى ①

لِيَنْفَعُ دُوسَعَةً مِنْ سَعْيِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ
فَلْيَتَّقِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ لَكَلِيفُ النَّفْسَ الْأَمَّا نَهَا
سَيِّعُ اللَّهُ بَعْدَ عَمْرٍ هَسْرًا ②

وَكَايِنٌ مِّنْ قُرْبَى عَتَّ عَنْ كُرْبَى وَرَسُولُهُ فَحَاسِبْنَهَا
حَسَابًا شَدِيدًا وَعَدَّ بَهَا عَدَا بَابُ الْكُرَا ③

کرو^(۱) پھر اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم
انہیں ان کی اجرت دے دو^(۲) اور باہم مناسب طور پر
مشورہ کر لیا کرو^(۳) اور اگر تم آپس میں کشاکش کرو تو اس
کے کہنے سے کوئی اور دودھ پلائے گی۔^(۴)

۷۔ کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے^(۵)
اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو^(۶) اسے چاہیے
کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے
(اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں
دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے،^(۷) اللہ
تنگی کے بعد آسانی و فراغت بھی کر دے گا۔^(۸)

۸۔ اور بہت سی بستی والوں نے اپنے رب کے حکم سے
اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی^(۹) تو ہم نے بھی ان

- ۱۔ یعنی مطلقہ خواہ بائنہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ و کفلی ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔
- ۲۔ یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائے، تو اس کی اجرت تمہارے ذمے ہے۔
- ۳۔ یعنی باہمی مشورے سے اجرت اور دیگر معاملات طے کر لیے جائیں۔ مثلاً بچے کا باپ عرف کے مطابق اجرت دے
اور ماں، باپ کی استطاعت کے مطابق اجرت طلب کرے، وغیرہ۔
- ۴۔ یعنی آپس میں اجرت وغیرہ کا معاملہ طے نہ ہو سکے تو کسی دوسری انا کے ساتھ معاملہ کر لے جو اس کے بچے کو دودھ پلائے۔
- ۵۔ یعنی دودھ پلانے والی عورتوں کو اجرت اپنی طاقت کے مطابق دی جائے اگر اللہ نے مال و دولت میں فرافی عطا فرمائی
ہے تو اسی فرافی کے ساتھ مرضعۃ (دودھ پلانے والی) کی خدمت ضروری ہے۔
- ۶۔ یعنی مالی لحاظ سے وہ کمزور ہو۔

۷۔ اس لیے وہ غریب اور کمزور کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ دودھ پلانے والی کو زیادہ اجرت ہی دے۔ مطلب ان ہدایات
کا یہ ہے کہ بچے کی ماں اور بچے کا باپ دونوں ایسا مناسب رویہ اختیار کریں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور بچے
کو دودھ پلانے کا مسئلہ سنگین نہ ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَا تَهْزَأْ وِلَادُ الْغُلَامِ عَلَيْهَا وَلَا كُمُولُهُ لَهَا يَوْمَئِذٍ﴾ (البقرة: ۲۳۳) (نہ
ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو)۔

۸۔ چنانچہ جو اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آسانی و کشادگی سے بھی نواز دیتا ہے۔

۹۔ عَتَّتْ، أَيْ: تَمَرَّدَتْ وَطَعَتْ وَاسْتَكْبَرَتْ عَنِ اتِّبَاعِ أَمْرِ اللَّهِ وَمُتَابَعَةِ رُسُلِهِ.

سے سخت حساب کیا اور انہیں عذاب دیا ان دیکھا (سخت) عذاب۔^(۱)

۹. پس انہوں نے اپنے کرتوت کا مزہ چکھ لیا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا۔

۱۰. ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو۔ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت اتاری ہے۔

۱۱. (یعنی) رسول^(۲) جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے،^(۳) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے^(۴) اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بیشک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

رُسُلًا لَّنُزِّلُوا عَلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ مَبِينَاتٍ لِّتُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝

۱. نُكْرًا، مُنْكَرًا فَظًّيعًا حساب اور عذاب، دونوں سے مراد دنیاوی مواخذہ اور سزا ہے، یا پھر بقول بعض کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ عَذَابًا نُكْرًا وہ عذاب ہے جو دنیا میں قحط، خف و مخ و غیرہ کی شکل میں انہیں پہنچا، اور حِسَابًا شَدِيدًا وہ ہے جو آخرت میں ہوگا۔ (فتح القدیر)

۲. رسول، ذکر سے بدل ہے، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا، جیسے کہتے ہیں، وہ تو مجسم عدل ہے۔ یا ذکر سے مراد قرآن ہے اور رسولاً سے پہلے اُرْسَلْنَا محذوف ہے یعنی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور رسول کو ارسال کیا۔

۳. یہ رسول کا منصب اور فریضہ بیان کیا گیا کہ وہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اخلاقی پستیوں سے شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ رسول سے یہاں مراد الرسول یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

۴. عمل صالح میں دونوں باتیں شامل ہیں، احکام و فرائض کی ادائیگی اور معاصی و منہیات سے اجتناب۔ مطلب ہے کہ جنت میں وہی اہل ایمان داخل ہوں گے، جنہوں نے صرف زبان سے ہی ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے ایمان کے تقاضوں کے مطابق فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب کیا تھا۔

۱۲. اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔^(۱) اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو باعتبار علم گھیر رکھا ہے۔^(۲)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْوَاجُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

۱. اَيُّ خَلَقَ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات آسمانوں کی طرح، اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقلیم مراد لیے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اوپر نیچے سات آسمان ہیں، اسی طرح سات زمینیں ہیں، جن کے درمیان بعد و مسافت ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق آباد ہے (الطبری) احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا «مَنْ أَخَذَ شَبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظَلَمًا فَإِنَّهُ يَطْوُفُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الظلم) (جس نے کسی کی ایک باشت زمین بھی ہتھیالی تو قیامت کے دن اس زمین کا اتنا حصہ ساتوں زمینوں سے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا)۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں «خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ» (اس کو قیامت والے دن ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا)۔ (صحیح البخاری، کتاب المظالم باب إثم من ظلم شئنا من الأرض) بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر زمین میں، اسی طرح کا پیغمبر ہے، جس طرح کا پیغمبر تمہاری زمین پر آیا، مثلاً آدم، آدم کی طرح۔ نوح، نوح کی طرح۔ ابراہیم، ابراہیم کی طرح۔ عیسیٰ، عیسیٰ کی طرح (ﷺ)۔ لیکن یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

۲. یعنی جس طرح ہر آسمان پر اللہ کا حکم نافذ اور غالب ہے، اسی طرح ہر زمین پر اس کا حکم چلتا ہے، آسمانوں کی طرح ساتوں زمینوں کی بھی وہ تدبیر فرماتا ہے۔

۳. پس اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چاہے وہ کیسی ہی ہو۔

سورہ تحریم مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱. اے نبی! (ﷺ) جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟^(۱) (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضا مندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَوَازِيَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ①

۱. نبی ﷺ نے جس چیز کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا، وہ کیا تھی؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس سلسلے میں ایک تو وہ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے اور وہاں شہد پیتے، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے وہاں معمول سے زیادہ دیر تک آپ کو ٹھہرنے سے روکنے کے لیے یہ اسکیم تیار کی کہ ان میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لائیں تو وہ ان سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول! آپ ﷺ کے منہ سے مغفیر (ایک قسم کا پھول، جس میں بسند ہوتی ہے) کی بو آرہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تو زینب (رضی اللہ عنہا) کے گھر صرف شہد پیا ہے، اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں پیوں گا، لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتانا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة التحريم) سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو آپ ﷺ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے) (سنن النسائي: ۸۳/۳) جب کہ کچھ دوسرے علماء اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا گئے گھر آگئی تھیں، جب کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آگئیں، انہیں نبی ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے نبی ﷺ نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے قسم کھا کر ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتائے۔ امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طرق سے نقل ہوا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یک وقت دونوں یہ واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ (فتح الباری، تفسیر سورة التحريم) امام شوکانی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور دونوں قصوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔

قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْبَانِكُمْ وَاللَّهُ
مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ①

۲. یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قسموں کو کھول
ڈالنا مقرر کر دیا ہے ^(۱) اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی
(پورے) علم والا، حکمت والا ہے۔

وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا
بَيَّنَّاتٍ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ
وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا بَيَّنَّاهُ لَهُ قَالَتْ مَنْ
أَبْنَاكَ هَذَا قَالَ بَنَاتِي الْعَلِيمُ الْحَبِيبُ ②

۳. اور یاد کر جب نبی (ﷺ) نے اپنی بعض عورتوں
سے ایک پوشیدہ بات کہی، ^(۲) پس جب اس نے اس
بات کی خبر کر دی ^(۳) اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر
آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتادی اور
تھوڑی سی ٹال گئے، ^(۴) پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی
کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس
نے دی۔ ^(۵) کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے
والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ہے۔ ^(۶)

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ

۴. (اے نبی ﷺ کی دونوں بیویاں!) اگر تم دونوں اللہ

۱. یعنی کفارہ ادا کر کے اس کام کو کرنے کی، جس کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہو، اجازت دے دی، قسم کا یہ کفارہ سورہ مائدہ: ۸۹
میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے بھی کفارہ ادا کیا۔ (فتح القدیر) اس امر میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ اگر کوئی
شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے
سے وہ چیز حرام ہوگی نہ اس پر کفارہ ہے، اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو اس سے اس کا مقصد اگر طلاق ہے، تو
طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو رائج قول کے مطابق یہ قسم ہے، اس کے لیے کفارہ یمین (قسم کے
کفارہ) کی ادائیگی ضروری ہے۔ (البر القاسم)

۲. وہ پوشیدہ بات شہد کو یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے والی بات تھی جو آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔

۳. یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جاکر بتلادی۔

۴. یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلادیا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے۔ تاہم اپنی تکریم و عظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے
سے اعراض فرمایا۔

۵. جب نبی ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ تم نے میرا راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہوئیں کیونکہ انہوں نے حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتلائی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ آپ کو بتلادیں گی،
کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔

۶. اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

تَظْهَرُ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ

کے سامنے توبہ کرلو (تو بہت بہتر ہے) ^(۱) یقیناً تمہارے
دل جھک پڑے ہیں ^(۲) اور اگر تم نبی ﷺ کے خلاف
ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے
اور جبریل (علیہ السلام) ہیں اور نیک اہل ایمان اور ان کے
علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔ ^(۳)

عَنْ رَبِّهِ إِنَّ كَلِمَتَيْنِ أَنْ يُبَدِّلَ أَرْوَاجًا
خَيْرٌ أَمِنْكَ مَسْلُومٌ مُؤْمِنٌ قُتِلَ تَبَّتْ
عِظَتُ سَيِّحَتِ تَبَّتْ وَأَكْبَارًا ۝

۵. اگر وہ (پیغمبر ﷺ) تمہیں طلاق دے دیں تو بہت
جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں
عنایت فرمائے گا، ^(۴) جو اسلام والیاں، ایمان والیاں
اللہ کے حضور جھکنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت
بجالانے والیاں، روزے رکھنے والیاں ہوں گی بیوہ اور
کنواریاں۔ ^(۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
وَفُودَهَا النَّاسُ وَابْحَارَةً عَلَيْهَا مَلَائِكَةُ غِلَظَ

۶. اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو
اس آگ سے بچاؤ ^(۶) جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر

۱. یا تمہاری توبہ قبول کر لی جائے گی، یہ شرط (إِنْ تَتُوبَا) کا جواب محذوف ہے۔

۲. یعنی حق سے ہٹ گئے ہیں اور وہ ہے ان کا ایسی چیز کا پسند کرنا جو نبی ﷺ کے لیے ناگوار تھی۔ (بخاری)

۳. یعنی نبی ﷺ کے مقابلے میں تم جتنے بدمعاش کرو گی تو نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، اس لیے کہ نبی کا مددگار تو اللہ بھی
ہے اور مومنین اور ملائکہ بھی۔

۴. یہ تنبیہ کے طور پر ازواج مطہرات کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔

۵. نِسَاءً، نِسَبٌ کی جمع ہے، (لوٹ آنے والی) بیوہ عورت کو نِسَبٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوٹ آتی
ہے اور پھر اس طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ أَبْكَارٌ، بَحْرٌ کی جمع ہے، کنواری عورت۔ اسے بکر اسی لیے
کہتے ہیں کہ یہ ابھی اپنی اسی پہلی حالت پر ہوتی ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ (بخاری) بعض روایات میں آتا ہے
کہ نِسَبٌ سے حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور بَحْرٌ حضرت مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مراد ہیں۔ یعنی جنت
میں ان دونوں کو نبی ﷺ کی بیویاں بنادیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن ان روایات کی بنیاد پر ایسا خیال رکھنا یا
بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سنداً یہ روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

۶. اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نہایت اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے، اپنے ساتھ اپنے گھر
والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ اس لیے

يَشِدَّ اُذُنُ الْاَعْمٰىنَ اللّٰهُ مَا اَمَرَهُمْ
وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَدُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا
جُئْتُمُونَ بِالَّذِي نَعْتَدُ لَكُمْ ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا
عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنْ يَغْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَذْخَبْكُمْ
جَلَّتْ عُقْبَىٰ مَنْ يَحْتَمِلِ الْإِنْفُسَ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ
النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَأَيْمَانِهِمْ يَقْوُونَ رَبَّنَا أَنَّمَا كُنَّا نَافِقُونَ أَعْمَضْنَا
إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ③

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ
عَلَيْهِمْ وَمَا وَهُمْ بِبَشِيرٍ ④

جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ
جو حکم دیتا ہے اسکی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا
جائے بجالاتے ہیں۔

۷۔ اے کافرو! آج تم عذر وہانے مت کرو۔ تمہیں
صرف تمہارے کروتوت کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

۸۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ
کرو۔^(۱) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور
کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن
کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور
ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان
کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ
دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمیں کامل نور
عطا فرما^(۲) اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۹۔ اے نبی! (صَلِّیْکَ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کافروں اور منافقوں سے جہاد
کرو^(۳) اور ان پر سختی کرو^(۴) ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو، اور دس سال کی عمر
کے بچوں میں نماز سے تمائل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (سنن ابی داود، وسنن الترمذی، کتاب الصلوٰۃ) فقہاء نے کہا ہے،
اسی طرح روزے ان سے رکھوائے جائیں اور دیگر احکام کے اتباع کی تلقین انہیں کی جائے۔ تاکہ جب وہ شعور کی عمر کو
پہنچیں تو اس دین حق کا شعور بھی انہیں حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر)

۱۔ خالص توبہ یہ ہے کہ: (۱) جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کر دے۔ (۲) اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا
اظہار کرے۔ (۳) آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم رکھے۔ (۴) اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے،
اس کا ازالہ کرے، جس کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے معافی مانگے۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔
۲۔ یہ دعا اہل ایمان اس وقت کریں گے جب منافقین کا نور بجھادیا جائے گا، جیسا کہ سورہ حدید میں تفصیل گزری۔ اہل
ایمان کہیں گے، جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھ اور اس کا اتمام فرما۔

۳۔ کفار کے ساتھ جہاد و قتال کے ساتھ، اور منافقین سے ان پر حدود الہی قائم کر کے، جب وہ ایسے کام کریں جو موجب حد ہوں۔
۴۔ یعنی دعوت و تبلیغ میں سختی اور احکام شریعت میں درستی اختیار کریں۔ کیونکہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے

بہت بری جگہ ہے۔^(۱)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) کی بیوی اور لوط (عَلَيْهِ السَّلَام) کی بیوی کی مثال بیان فرمائی^(۲) یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو (شائستہ اور) نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انہوں نے خیانت کی^(۳) پس وہ دونوں (نیک بندے) ان سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے^(۴) اور حکم دے دیا (اے عورتو) دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔^(۵)

حَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ لُوطٍ
وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا
صَالِحَيْنِ فَخَانَتَهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ
شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاسِينَ ﴿٥﴾

ماننے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمت تبلیغ کبھی نرمی کی مقتضی ہوتی ہے اور کبھی سختی کی۔ ہر جگہ نرمی بھی مناسب نہیں اور ہر جگہ سختی بھی مفید نہیں رہتی۔ تبلیغ و دعوت میں حالات و ظروف اور اشخاص و افراد کے اعتبار سے نرمی یا سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ یعنی کافروں اور منافقوں دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

۲۔ مَثَلٌ کا مطلب ہے کسی ایسی حالت کا بیان کرنا جس میں ندرت و غرابت ہو، تاکہ اس کے ذریعے سے ایک دوسری حالت کا تعارف ہو جائے جو ندرت و غرابت میں اس کے مماثل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں کے حال کے لیے اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو نوح اور لوط (عَلَيْهِمَا السَّلَام) کی بیویوں کی ہے۔

۳۔ یہاں خیانت سے مراد عصمت میں خیانت نہیں، کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوئی۔ (فتح القدیر) خیانت سے مراد ہے کہ یہ اپنے خاوندوں پر ایمان نہیں لائیں، نفاق میں مبتلا رہیں اور ان کی ہمدردیاں اپنی کافر قوموں کے ساتھ رہیں، چنانچہ نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) کی بیوی، حضرت نوح (عَلَيْهِ السَّلَام) کی بابت لوگوں سے کہتی کہ یہ مجنون (دیوانہ) ہے اور لوط (عَلَيْهِ السَّلَام) کی بیوی اپنی قوم کو گھر میں آنے والے مہمانوں کی اطلاع پہنچاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں میں اپنے خاوندوں کی چغلیاں کھاتی تھیں۔

۴۔ یعنی نوح اور لوط (عَلَيْهِمَا السَّلَام) دونوں، باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے، جو اللہ کے مقرب ترین بندوں میں سے ہوتے ہیں، اپنی بیویوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۔

۵۔ یہ انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا یا موت کے وقت انہیں کہا گیا کافروں کی یہ مثال بطور خاص یہاں ذکر کرنے سے مقصود ازواج مطہرات کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بے شک اس رسول کے حرم کی زینت ہیں، جو تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انہوں نے رسول کی مخالفت کی یا انہیں تکلیف پہنچائی تو وہ بھی اللہ کی گرفت میں آسکتی ہیں، اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہوگا۔

۱۱. اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی^(۱) جب کہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔

۱۲. اور (مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی^(۲) جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی اور اس (مریم) نے اپنے رب کی باتوں^(۳) اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ عبادت گزاروں میں سے تھی۔^(۴)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَخَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَخَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتْ فَجْهَهَا فَفَعَّلْنَا فِيهَا مِنْ دُونِهَا وَصَدَقَتْ بِحَدِيثِ رَبِّهَا وَكَتَبَ فِيهَا وَكَانَتْ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

۱. یعنی ان کی ترغیب، ثبات قدمی، استقامت فی الدین اور شہداء میں صبر کے لیے۔ نیز یہ بتلانے کے لیے کہ کفر کی صولت و شوکت، ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔

۲. حضرت مریم علیہا السلام کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایک بگڑی ہوئی قوم کے درمیان رہتی تھیں، لیکن اللہ نے انہیں دنیا و آخرت میں شرف و کرامت سے سرفراز فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

۳. کلمات رب سے مراد، شرائع الہی ہیں۔

۴. یعنی ایسے لوگوں میں سے یا خاندان میں سے تھیں جو فرماں بردار، عبادت گزار اور صلاح و طاعت میں ممتاز تھے۔ حدیث میں ہے۔ جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ (مسند أحمد: ۲۹۳/۱، مجمع الزوائد: ۲۲۳/۹، الصحیحۃ للآلبانی: ۱۵۰۸) ایک دوسری حدیث میں فرمایا (مردوں میں تو کامل بہت ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آسیہ، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد (بنت النضر) ہیں اور عائشہ (بنت النضر) کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے)۔ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ضرب اللہ مثلاً۔ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل خدیجہ)

سورہ ملک کی ہے اور اس میں تیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمَلِكُ وَهُوَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ
أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی
ہے^(۱) اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۲. جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں
آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے،^(۲) اور وہ
غالب (اور) بخشنے والا ہے۔

۳. جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (تو اے دیکھنے

☆ اس کی فضیلت میں متعدد روایات آتی ہیں، جن میں سے صرف چند روایات صحیح یا حسن ہیں۔ ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف ۳۰ آیات ہیں، یہ آدمی کی سفارش کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے گا)۔ (سنن الترمذی، سنن أبي داود، ابن ماجه، ومسنند أحمد: ۲/۲۹۹، ۳۲۱) دوسری روایت میں ہے (قرآن مجید میں ایک سورت ہے، جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی، حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی)۔ (مجمع الزوائد: ۴/۱۶۲- ذکرہ الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر: ۳۶۳۳) سنن ترمذی کی ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۃ الم السجدہ اور سورۃ ملک ضرور پڑھتے تھے۔ (ابواب فضائل القرآن) ایک روایت شیخ ألبانی نے الصحیحہ میں نقل کی ہے سورۃ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (نمبر ۱۱۳۰، ج ۳، ص ۱۳۱) (سورۃ ملک عذاب قبر سے روکنے والی ہے)۔ یعنی اس کا پڑھنے والا امید ہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ احکام و فرائض اسلام کا پابند ہو۔

۱. تَبَارَكَ، بَرَکَۃ سے ہے، النَّمَاءُ وَالزَّيَادَةُ، بڑھوتری اور زیادتی کے معنی میں۔ بعض نے معنی کیے ہیں، مخلوقات کی صفات سے بلند اور برتر۔ تفاعل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے۔ ”اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے“ یعنی ہر طرح کی قدرت اور غلبہ اسی کو حاصل ہے، وہ کائنات میں جس طرح کا تصرف کرے، کوئی اسے روک نہیں سکتا، وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنادے، امیر کو غریب غریب کو امیر کر دے۔ کوئی اس کی حکمت و مشیت میں دخل نہیں دے سکتا۔

۲. روح، ایک ایسی غیر مرئی چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق و اتصال ہو جائے، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے، وہ موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے؟ جو اسے ایمان و اطاعت کے لیے استعمال کرے گا، اس کے لیے بہترین جزاء ہے اور دوسروں کے لیے عذاب۔

الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوُّتِ فَارَاجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى
مِنْ فُطُورٍ ۝

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ
خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ
وَجَعَلْنَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابَ السَّعِيرِ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ
وَيُسْـَٔلُ الْمَصْدِرُ ۝

إِذَا الْفُلُوفُ فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝

تَكَادُ تَسِيرُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أَلْقَى فِيهَا فَوْجٌ

والے) اللہ رحمن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے
گا، (۱) دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شکاف بھی
نظر آرہا ہے۔ (۲)

۴. پھر دوہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف
ذلیل (وعاجز) ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔ (۳)

۵. اور بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے
آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنادیا (۴)
اور شیطانوں کے لیے ہم نے (دوزخ کا جلانے والا) عذاب
تیار کر دیا۔

۶. اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے جہنم
کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔

۷. جب یہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی
بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی
ہوگی۔ (۵)

۸. قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے، (۶)

۱. یعنی کوئی تناقض، کوئی کجی، کوئی نقص اور کوئی خلل، بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے
ہیں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔

۲. بعض دفعہ دوبارہ غور سے دیکھنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو
کہ کیا تمہیں کوئی شکاف نظر آتا ہے؟

۳. یہ مزید تاکید ہے جس کا مقصد اپنی عظیم قدرت اور وحدانیت کو واضح تر کرنا ہے۔

۴. یہاں ستاروں کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں ایک آسمانوں کی زینت، کیونکہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں۔
دوسرا، شیطان اگر آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ تیسرا مقصد ان کا
یہ ہے جسے دوسرے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے بروج میں راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔

۵. شَہِیقُ اس آواز کو کہتے ہیں جو گدھا پہلی مرتبہ نکالتا ہے، یہ قہقہہ ترین آواز ہوتی ہے۔ جہنم بھی گدھے کی طرح چیخ
اور چلا رہی اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہی ہوگی۔

۶. یامارے غیظ و غضب کے اس کے حصے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ جہنم کافروں کو دیکھ کر غضب ناک

سَاَلَهُمْ حَزَنَهُمَا اَلَمْ يَأْتِيَهُمْ نَذِيرٌ ۝

جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟^(۱)

قَالُوا بَلٰی قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ؕ اَنْتُمْ اِلٰهِيْ ضَلَلْتُمْ كَبِيْرٌ ۝

۹. وہ جواب دیں گے کہ بیشک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو۔^(۲)

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

۱۰. اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔^(۳)

فَاَعْرَفُوْا بِذُنُوبِهِمْ فَسَحَّالًا اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

۱۱. اس طرح وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے^(۴) اب یہ دوزخی دفع ہوں (دور ہوں)۔^(۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْتَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

۱۲. بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے۔^(۶)

ہوگی، جس کا شعور اللہ تعالیٰ اس کے اندر پیدا فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہنم کے اندر یہ ادراک و شعور پیدا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

۱. جس کی وجہ سے تمہیں آج جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا ہے۔

۲. یعنی ہم نے پیغمبروں کی تصدیق کرنے کے بجائے انہیں جھٹلایا، آسمانی کتابوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ اللہ کے پیغمبروں کو ہم نے کہا کہ تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

۳. یعنی غور اور توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں اور نصیحتوں کو آویزہ گوش بنا لیتے، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی عقل سے بھی سوچنے سمجھنے کا کام لیتے تو آج ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔

۴. جس کی بنا پر مستحق عذاب قرار پائے، اور وہ ہے کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب۔

۵. یعنی اب ان کے لیے اللہ سے اور اس کی رحمت سے دوری ہی دوری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ، سُحْقُ، جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

۶. یہ اہل کفر و تکذیب کے مقابلے میں اہل ایمان کا اور ان نعتوں کا ذکر ہے جو انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ملیں گی۔ بِالْغَيْبِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں، لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب، یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے رہے۔

۱۳. اور تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو^(۱) وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۲)

۱۴. کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟^(۳) پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو۔^(۴)

۱۵. وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو پست و مطیع کر دیا^(۵) تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو^(۶) اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو)^(۷) اور اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

۱۶. کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھندلا دے اور اچانک زمین لرزے لگے۔^(۸)

وَأَيُّوْا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾

أَلَيْسَ لَكُمْ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾

ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾

۱. یہ پھر کافروں سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں چھپ کر باتیں کرو یا علانیہ، سب اللہ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

۲. یہ سر و بھر جانے کی تعلیل ہے کہ وہ تو سینوں کے رازوں اور دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، تمہاری باتیں کس طرح اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں؟

۳. یعنی سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے خیالات، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو کیا وہ اپنی مخلوق سے بے علم رہ سکتا ہے، استغنام، انکار کے لیے ہے، یعنی نہیں رہ سکتا۔

۴. لَطِيفٌ کے معنی ہی باریک بین کے ہیں الَّذِي لَطَفَ عِلْمُهُ بِمَا فِي الْقُلُوبِ (فتح القدیر) جس کا علم اتنا لطیف ہے کہ دلوں میں پرورش پانے والی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے۔

۵. ذَلُولٌ کے معنی، مطیع و منقاد کے ہیں جو تمہارے سامنے جھک جائے، سرتابی نہ کرے۔ یعنی زمین کو تمہارے لیے نرم اور آسان کر دیا ہے، اسے اس طرح سخت نہیں بنایا کہ تمہارا اس پر آباد ہونا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔

۶. مَنَاكِبَ مَنَكَبٌ کی جمع ہے، جانب۔ یہاں اس سے مراد اس کے راستے اور اطراف و جوانب ہیں۔ امر اباحت کے لیے ہے، یعنی اس کے راستوں میں چلو۔

۷. یعنی زمین کی پیداوار سے کھاؤ پیو۔

۸. یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر یعنی عرش پر جلوہ گر ہے، یہ کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ آسمانوں والی ذات جب چاہے تمہیں زمین میں دھندلا دے۔ یعنی وہی زمین جو تمہاری قرار گاہ ہے اور تمہاری روزی کا مخزن و منبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو، جو نہایت پرسکون ہے، حرکت و جنبش میں لا کر تمہاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

۱۷. یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسائے؟^(۱) پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔^(۲)

۱۸. اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟

۱۹. کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سیٹے ہوئے (اڑنے والے) پرندوں کو نہیں دیکھتے،^(۳) انہیں (اللہ) رحمن ہی (ہوا و فضا میں) تھامے ہوئے ہے۔^(۴) بیشک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔

۲۰. سوائے اللہ کے تمہارا وہ کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے^(۵) کافر تو سراسر دھوکے ہی میں ہیں۔^(۶)

۲۱. اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا؟^(۷) بلکہ (کافر) تو سرکشی اور بدکنے

أَمْرًا مِّنكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا أَفَنَسْتَعْمِلُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ ۝

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَجِيرٍ ۝

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفْتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُسَبِّحُهَا إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ۝

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزَأُكُمْ إِنِ أَمَسَكَ رِزْقًا بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝

۱. جیسے اس نے قوم لوط اور اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے ابراہم اور اس کے لشکر) پر برسائے اور پتھروں کی بارش سے ان کو ہلاک کر دیا۔

۲. لیکن اس وقت یہ علم، بے فائدہ ہو گا۔

۳. پرندہ جب ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پر پھیلا لیتا ہے اور کبھی دوران پرواز پروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ پھیلا نا، صَفٌّ اور سمیٹ لینا قَبْضٌ ہے۔

۴. یعنی دوران پرواز ان پرندوں کو تھامے رکھنے والا کون ہے، جو انہیں زمین پر گرنے نہیں دیتا؟ یہ اللہ رحمن ہی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

۵. یہ استفہام تقریب و توتخ کے لیے ہے۔ جُنْدُ کے معنی ہیں لشکر، جتھے یعنی کوئی لشکر اور جتھے ایسا نہیں ہے جو تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

۶. جس میں انہیں شیطان نے مبتلا کر رکھا ہے۔

۷. یعنی اللہ بارش نہ برسائے، یا زمین ہی کو پیداوار سے روک دے یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے، جیسا کہ بعض بعض دفعہ وہ ایسا کرتا ہے، جس کی وجہ سے تمہاری خوراک کا سلسلہ موقوف ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی اور ہے جو اللہ کی اس مشیت کے برعکس تمہیں روزی مہیا کر دے؟

پر اڑ گئے ہیں۔^(۱)

۲۲. اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے^(۲) یا وہ جو سیدھا (پیروں کے بل) راہ راست پر چلا ہو؟^(۳)

۲۳. کہہ دیجیے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا^(۴) اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے^(۵) تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔^(۶)

۲۴. کہہ دیجیے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔^(۷)

أَفَمَنْ يَمُنُّ بِمَا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ
أَمَّنْ يَمُنُّ سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۲﴾

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ
تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

۱. یعنی وعظ و نصیحت کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہ حق سے سرکشی اور اعراض و نفور میں ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں، عبرت پکڑتے ہیں اور نہ غور و فکر کرتے ہیں۔

۲. منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا، نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اللہ کی معصیتوں میں ڈوبا ہوا شخص آخرت کی کامیابی سے محروم رہے گا۔

۳. جس میں کوئی کجی اور اخلاف نہ ہو اور اس کو آگے اور دائیں بائیں بھی نظر آرہا ہو۔ ظاہر ہے یہ شخص اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا سیدھا راستہ اپنانے والا، آخرت میں سرخرو رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر دونوں کی اس کیفیت کا بیان ہے جو قیامت کے دن انکی ہوگی۔ کافر منہ کے بل جہنم میں لے جائے جائیں گے اور مومن سیدھے اپنے قدموں پر چل کر جنت میں جائیں گے، جیسے کافروں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَنَحْنُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۷) (ہم انہیں قیامت کے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے)۔

۴. یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

۵. جن سے تم سن سکو، دیکھ سکو اور اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکو۔ تین قوتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان سموعات، مبصرات اور معقولات کا ادراک کر سکتا ہے، یہ ایک طرح سے اتمام حجت بھی ہے اور اللہ کی ان نعمتوں پر شکر نہ کرنے کی مذمت بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا، تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔

۶. یعنی شُكْرًا قَلِيلًا یا زَمَنًا قَلِيلًا یا قَلْتَ شُكْرٍ سے مراد ان کی طرف سے شکر کا عدم وجود ہے۔

۷. یعنی انسانوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلانے والا بھی وہی ہے اور قیامت کے دن سب جمع بھی اسی کے پاس ہوں گے، کسی اور کے پاس نہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَرَاسِمَا اَنْ نَّذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾

فَلَمَّا رَاَوْهُ دُلَّهٖ سَبَّحْتَ وَجْهَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجِیْلَ هَٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكْنِیَّ اللّٰهُ وَمَنْ سِوٰیْهِ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْزُ الْکُفْرَیْنَ مِنْ عَذَابِ اِلٰهِہٗ ﴿۲۸﴾

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ الْمُتَابِعُ وَعَلِیْہِ تَوَكَّلْنَا

۲۵۔ اور (کافر) پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہو گا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ؟)۔^(۱)

۲۶۔ آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے،^(۲) میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں۔^(۳)

۲۷۔ اور جب یہ لوگ اس وعدے کو قریب تر پائیں گے^(۴) اس وقت ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔^(۵) اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔^(۶)

۲۸۔ آپ کہہ دیجیے اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے (بہر صورت یہ تو بتاؤ) کہ کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟^(۷)

۲۹۔ آپ کہہ دیجیے کہ وہی رحمن ہے ہم تو اس پر ایمان

۱۔ یہ کافر بطور استہزاء اور قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔

۲۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿قُلْ اِنَّمَا عِنْدَ رَبِّیْ﴾ (آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے)۔ (الأعراف: ۱۸۷)

۳۔ یعنی میرا کام تو اس انجام سے ڈرانا ہے جو میری تکذیب کی وجہ سے تمہارا ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں میرا کام انذار ہے، غیب کی خبریں بتلانا نہیں۔ الایہ کہ جس کی بابت خود اللہ مجھے بتلا دے۔

۴۔ رَاَوْهُ میں ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین کے نزدیک عذاب قیامت ہے۔

۵۔ یعنی ذلت، ہولناکی اور دہشت سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ جس کو دوسرے مقام پر چہروں کے سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (آل عمران: ۱۰۶)

۶۔ تَدَّعُوْنَ اور تَدَّعَوْنَ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب کرتے تھے۔ جیسے سورہ ص: ۱۶، اور الأنفال: ۳۲، وغیرہ میں ہے۔

۷۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو تو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، چاہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کو موت یا قتل کے ذریعے سے ہلاک کر دے یا انہیں مہلت دے دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم باوجود ایمان کے خوف اور رجا کے درمیان ہیں، پس تمہیں تمہارے کفر کے باوجود عذاب سے کون بچائے گا؟

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۰﴾

قُلْ اِنَّ اِيْتَكُمْ اَنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَهُمْ يَنْتَبِعُكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿۳۱﴾

لاچکے^(۱) اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔^(۲) تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟^(۳)

۳۰۔ آپ کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پئے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے ننھرا ہوا پانی لائے؟^(۴)

۱۔ یعنی اس کی وحدانیت پر، اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرتے۔

۲۔ کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں، کسی اور کے نہیں۔ جیسے مشرک کرتے ہیں۔

۳۔ تم ہو یا ہم؟ اس میں کافروں کے لیے سخت وعید ہے۔

۴۔ غَوْرٌ کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا اتنی گہرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک فرمادے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ پھر کون ہے جو تمہیں جاری، صاف اور ننھرا ہوا پانی مہیا کر دے؟ یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود وہ تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔

سُورَةُ الْقَلَمِ

سورہ قلم کی ہے اور اس میں باون آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝۱

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝۲

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝۳

وَأَنْتَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝۴

فَتَّبِعْهُ وَيُصِِرْ وَصِرُونَ ۝۵

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ن، (۱) قسم ہے قلم کی اور (۲) اس کی جو کچھ کہ وہ
(فرشتے) لکھتے ہیں۔ (۳)

۲. تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔ (۴)

۳. اور بے شک تیرے لیے بے انتہاء اجر ہے۔ (۵)

۴. اور بیشک تو بہت بڑے (عہدہ) اخلاق پر ہے۔ (۶)

۵. پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ

۱. ن، اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل ص، ق اور دیگر فواح سور گزر چکے ہیں۔

۲. قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تبیین و توضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (تفسیر سورۃ ن والقلم وقال الالبانی صحیح)

۳. یَسْطُرُونَ کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ آلہ کتابت کا ذکر کاتب کے وجود کو متکرم ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے لکھتے ہیں یا پھر مرجع فرشتے ہیں، جیسے ترجمہ سے واضح ہے۔

۴. یہ جواب قسم ہے، جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجنون (دیوانہ) کہتے تھے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ (اے وہ شخص! جس پر قرآن اتارا گیا ہے یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے)۔ (الحجر: ۶)

۵. فریضہ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں تو نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ مَنْ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔

۶. خُلُقٍ عَظِيمٍ سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے مطلب ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب و شائستگی، نرمی اور شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔

اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (صحیح مسلم، کتاب المسافرین، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں

مفہوموں پر حاوی ہے۔

لیں گے۔^(۱)

۶. کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔

۷. بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے، اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔

۸. پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان۔^(۲)

۹. وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلا پڑ جائیں۔^(۳)

۱۰. اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا، بے وقار۔

۱۱. طعنے دینے والا، چغل خور۔

۱۲. بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا، گناہ گار۔

۱۳. گردن کش، پھر ساتھ ہی بے نسب ہو۔^(۴)

۱۴. اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔^(۵)

يٰۤاَيُّهَا الْمُنٰوُن ۝

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِۦٓ

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

وَدُوّٰلُوْهُنَّ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِنَّ ۝

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلٰفٍ مَّهِينٍ ۝

هَمَزًا مَّشَآءً اٰتِيْمِيْنَ ۝

مَتَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مَعْتَدٍ اٰتِيْمٍ ۝

عَلَّٰلَ يُّعَذِّبَ ذٰلِكَ رَّبِّيْهِ ۝

اِنْ كَانَ ذٰمًا لِّوَبَيِّنٍ ۝

۱. یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔

۲. اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے۔ یعنی مشرکوں کی طرف بھٹکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔

۳. یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرے تو وہ بھی تیرے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مداہنت کا نتیجہ ہو گا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلا ہو جائیں گے۔ اس لیے حق میں مداہنت حکمت تبلیغ اور کار نبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

۴. یہ ان کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مداہنت کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ یہ صفات ذمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی؟ پہلی بات کا مآخذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں، مگر وہ غیر مستند ہیں۔ اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔ رَزِيْمٌ، ولد الحرام یا مشہور و بدنام۔

۵. یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے یعنی وہ شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ بعض نے اسے وَلَا تُطِعْ کے متعلق قرار دیا ہے۔ یعنی جس شخص کے اندر یہ

۱۵. جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں۔

۱۶. ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے۔^(۱) سَتَمُّهُ عَلَى الْخُطُوبِ^(۲)

۱۷. بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزمایا^(۳) جس طرح ہم نے باغ والوں کو^(۴) آزمایا تھا جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل اتار لیں گے۔^(۵) اِنَّا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اِذَا قَسَمُوا الْيَمْرَ مِنْهَا مُصْبِحِينَ^(۶)

۱۸. اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ وَلَا يَسْتَنْوُونَ^(۷)

۱۹. پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں طرف گھوم گئی اور یہ سو ہی رہے تھے۔^(۸) كَذَّبَتْ عَلَيْهِمْ طَائِفَةٌ مِّنْ رَبِّكَ وَهُمْ يَكُونُونَ^(۹)

خرابیاں ہوں، اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے؟

۱. بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں ان کافروں کی ناکوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیمت کے دن جہنمیوں کی علامت ہوگی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا۔ یا اس کا مطلب چہروں کی سیاہی ہے۔ جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے۔

۲. مراد اہل مکہ ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا، تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں، نہ کہ کفر و تکبر۔ لیکن انہوں نے کفر و استکبار کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا، جس میں وہ نبی ﷺ کی بددعا کی وجہ سے کچھ عرصہ مبتلا رہے۔

۳. باغ والوں کا قصہ عربوں میں مشہور تھا۔ یہ باغ صَنْعَاءَ (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غریب و مساکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سائلین کو کس طرح دیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح اللہ) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

۴. صَرْمٌ کے معنی ہیں، پھل اور کھیتی کا کاٹنا، مُصْبِحِينَ حال ہے۔ یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار کاٹ لیں گے۔

۵. بعض کہتے ہیں، راتوں رات اسے آگ لگ گئی، بعض کہتے ہیں، جبرائیل علیہ السلام نے آکر اسے تہس نہس کر دیا۔

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝

فَتَنَادَا مُصْبِحِينَ ۝

إِنِ اعْدُوا عَلٰی حَرْثِكُمْ إِنِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

فَأَنطَلَقُوا وَهُمْ يَخِفُّونَ ۝

إِن لَّابَدٌ خَلْفَهُمَا لَیَوْمَ عَذَابِكُمْ وَسَكِينٌ ۝

وَعَدُوا عَلٰی حَرْثٍ قَدِيرِينَ ۝

فَلَنَبَارُؤُهُمَا قَالُوا إِنَّا لَضَائِرُونَ ۝

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝

۲۰. پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔^(۱)

۲۱. اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں۔

۲۲. کہ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چل پڑو۔

۲۳. پھر یہ سب چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے۔^(۲)

۲۴. کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آنے پائے۔^(۳)

۲۵. اور لپکے ہوئے صبح صبح گئے۔ (سمجھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے۔^(۴)

۲۶. جب انہوں نے باغ دیکھا^(۵) تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے۔^(۶)

۲۷. نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔^(۷)

۱. یعنی جس طرح کھیتی کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے، اس طرح سارا باغ اجڑ گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے، سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ یعنی جل کر۔

۲. یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرا آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تاکہ کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔

۳. یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آکر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔

۴. حَرْد کے ایک معنی تو قوت و شدت، کیے گئے ہیں، جس کو مترجم مرحوم نے ”لپکے ہوئے“ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کیے ہیں، یعنی مساکین پر غیظ و غضب کا اظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ قَادِرِينَ حال ہے یعنی اپنے معاملے کا انہوں نے اندازہ کر لیا، یا اپنے زعم میں انہوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کر لی، یا مطلب ہے مساکین پر انہوں نے قابو پالیا۔

۵. یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ڈھیر یا اسے تباہ و برباد دیکھا۔

۶. یعنی پہلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔

۷. پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حرماں نصیبی ہے۔

۲۸. ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟^(۱)

۲۹. تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ہی ظالم تھے۔^(۲)

۳۰. پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔

۳۱. کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم سرکش تھے۔

۳۲. کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے ہم تو اب^(۳) اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں۔

۳۳. یوں ہی آفت آتی ہے^(۴) اور آخرت کی آفت بہت بڑی ہے۔ کاش انہیں سمجھ ہوتی۔^(۵)

۳۴. بیشک پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔

۳۵. کیا ہم مسلمانوں کو گناہ گاروں کے مانند کر دیں گے۔^(۶)

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝

قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اَاٰنَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ۝

قَالُوا يٰوَيْلَنَا اَاٰنَا كُنَّا لَطٰغِيْنَ ۝

عَسٰی رَبِّنَا اَنْ يُّبَدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اَاٰنَا اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُونَ ۝

كُنٰلِكَ الْعَذَابُ وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ اَكْبَرُ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُونَ ۝

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتٍ مُّغِيْمَةً ۝

اَفَتَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝

۱. بعض نے تسبیح سے مراد یہاں اِنْ شَاءَ اللہ کہنا مراد لیا ہے۔

۲. یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی، ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر مواخذہ ہو سکتا ہے، صرف وہ ارادہ معاف ہے جو دوسرے کی حد تک رہتا ہے۔

۳. کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غریاء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

۴. یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔ (اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو)

۵. لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے پروا نہیں کرتے۔

۶. مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٦٨﴾

اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٦٩﴾

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَّا تَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾

اَمْ لَكُمْ اٰيٰتَانِ عَلَيْنَا لَئٰلِئِذَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿٧١﴾

اِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ ﴿٧٢﴾

سَلِّمُوْا اَيْهُمْ بِذٰلِكَ رَعِبُوْا ﴿٧٣﴾

اَمْ لَمْ تُكَلِّمُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَشْرَكَ اَيْهُمْ اِنْ كَانُوْا ﴿٧٤﴾

صٰدِقِيْنَ ﴿٧٥﴾

يَوْمَ يَكْشَعُ عَنْ سَاقٍ وَابْدَعُوْنَ اِلٰى ﴿٧٦﴾

الشُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ ﴿٧٧﴾

۳۶. تمہیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

۳۷. کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے ^(۱) جس میں تم

پڑھتے ہو؟

۳۸. کہ اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟

۳۹. یا تم نے ہم سے کچھ قسمیں لی ہیں؟ جو قیامت تک

باقی رہیں کہ تمہارے لیے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف

سے مقرر کر لو۔ ^(۲)

۴۰. ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا

ذمے دار (اور دعویدار) ہے؟ ^(۳)

۴۱. کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ اپنے اپنے

شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔ ^(۴)

۴۲. جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے

لیے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے۔ ^(۵)

فرماں برداروں کو مجرموں یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں؟ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔

۱. جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو، کہ وہاں بھی تمہارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو؟

۲. یا ہم نے تم سے پکا عہد کر رکھا ہے، جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہو گا جس کا تم اپنی بابت فیصلہ کرو گے۔

۳. کہ وہ قیامت کے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کر دے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔

۴. یا جن کو انہوں نے شریک ٹھہرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلا دیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تاکہ ان کی صداقت واضح ہو۔

۵. بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شہداء اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں لیکن ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر

اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا، (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو

ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے، البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاوے اور شہرت

کے لیے سجدے کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریزہ کی ہڈی کے منکے، تختے کی طرح ایک ہڈی بن

جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ القلم) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُهُمْ ذُلَّةً وَقَدْ كَانُوا
يُذْعِنُونَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ﴿۳۰﴾

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

وَأُمْلِ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۳۲﴾

أَمْ سَأَلَهُمْ جَزَاءً فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۳﴾

أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۳۴﴾

۳۳. نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہوگی،^(۱) حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ صحیح سالم تھے۔^(۲)

۳۴. پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے^(۳) ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا۔^(۴)

۳۵. اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔^(۵)

۳۶. کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہوں۔^(۶)

۳۷. یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں۔^(۷)

کس طرح کی ہوگی؟ اسے وہ کس طرح کھولے گا؟ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے جس طرح ہم بلا کیف و بلا تشبیہ اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں ہے، اس پر بلا کیف ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔

۱. یعنی دنیا کے برعکس ان کا معاملہ ہوگا، دنیا میں تکبر و عناد کی وجہ سے ان کی گردنیں اُڑی ہوتی تھیں۔

۲. یعنی صحت مند اور توانا تھے، اللہ کی عبادت میں کوئی چیز ان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے یہ دور رہے۔

۳. یعنی میں ہی ان سے منٹ لوں گا، تو ان کی فکر نہ کر۔

۴. یہ اسی استدرج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود، دنیوی مال و اسباب کی فراوانی، اللہ کا فضل نہیں ہے، اللہ کے قانون امہال کا نتیجہ ہے، پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

۵. یہ گزشتہ مضمون ہی کی تاکید ہے۔ کَیْدٌ خفیہ تدبیر اور چال کو کہتے ہیں، اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کاید نہ سمجھا جائے جس میں ذمہ کی مفہوم ہوتا ہے۔

۶. یہ خطاب نبی ﷺ کو ہے لیکن توبخ ان کو کی جارہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لارہے تھے۔

۷. یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے، لوح محفوظ، ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں، نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ لاتے ہیں) اس لیے یہ تیری اطاعت اختیار کرنے اور تجھ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس

۳۸. پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے (انتظار کر) ^(۱) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب ^(۲) کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی۔ ^(۳)

۳۹. اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پالیتی تو یقیناً وہ برے حالوں میں چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا۔ ^(۴)

۵۰. اسے اس کے رب نے پھر نوازا ^(۵) اور اسے نیکو کاروں میں کر دیا۔ ^(۶)

۵۱. اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں، ^(۷) جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝

لَوْلَا أَن تَذَكَّرَهُ فِعْمَهُ مِن رَّبِّهِ لَكُنْدَ بَالِغًا ۝ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝

فَاصْبِرْ لِرَبِّهِ فَعَمَلُهُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

وَأَن يَكْذِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِكَيْ لَنَقُوتَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝

نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔

۱. فَاصْبِرْ میں فاء تفریق کے لیے ہے۔ یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اے پیغمبر! تو فریضہ رسالت ادا کرتا رہ اور ان کمزبین کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

۲. جنہوں نے اپنی قوم کی روش کمذیب کو دیکھتے ہوئے غلت سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

۳. جس کے نتیجے میں انہیں مچھلی کے پیٹ میں، جب کہ وہ غم و اندوہ سے بھرے ہوئے تھے، اپنے رب کو مدد کے لیے پکارنا پڑا۔ جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۴. یعنی اللہ تعالیٰ اگر انہیں توبہ و مناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعاء قبول نہ فرماتا تو انہیں ساحل سمندر کے بجائے، جہاں ان کے سائے اور خوراک کے لیے بیل دار درخت اگادیا گیا، کسی بنجر زمین میں پھینک دیا جاتا اور عند اللہ ان کی حیثیت بھی مذموم رہتی، جب کہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہوں گے۔

۵. اس کا مطلب ہے کہ انہیں تو اتنا و تندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نوازا کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ جیسا کہ سورہ صافات: ۱۴۶ سے بھی واضح ہے۔

۶. اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ (کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں)۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فی ذکر یونس علیہ السلام)۔ مزید دیکھیے: سورہ بقرہ آیت ۲۵۳ کا حاشیہ

۷. یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت و حفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا۔ یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی۔ امام ابن کثیر نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، مزید لکھتے ہیں: ”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا دوسروں پر، اللہ کے حکم سے، اثر انداز ہونا، حق ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ

یہ تو ضرور دیوانہ ہے۔^(۱)

۵۲. اور درحقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے

لیے سراسر نصیحت ہی ہے۔^(۲)

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۵۲﴾

احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ماشاء اللہ یا بارک اللہ، کہا کرو۔ تاکہ اسے نظر نہ لگے، اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا، اسے غسل کروا کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ مجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔

۱. یعنی حسد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متاثر نہ ہوں، بلکہ اس سے دور ہی رہیں۔
یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی آپ کو ایذاء پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔

۲. جب واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن جن و انس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا ہے تو پھر اس کو لانے والا اور بیان کرنے والا مجنون (دیوانہ) کس طرح ہو سکتا ہے؟



سورہ حاقہ کئی ہے اور اس میں باون آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَاقَّةُ ۝

مَا الْحَاقَّةُ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِ ۝

فَأَتَاهُمُ الدَّمْعُ فَاهْلِكُوا بِالطَّغْيَةِ ۝

وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَةً أَيَّامًا ۝

۱. ثابت ہونے والی ^(۱)

۲. کیا ہے ثابت ہونے والی؟ ^(۲)

۳. اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت ہونے والی کیا ہے؟ ^(۳)

۴. اس کھڑکا دینے والی کو شمود اور عاد نے جھٹلادیا تھا۔ ^(۴)

۵. (جس کے نتیجے میں) شمود تو بے حد خوفناک (اور
اوپچی) آواز سے ہلاک کر دیے گئے۔ ^(۵)

۶. اور عاد بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیے
گئے۔ ^(۶)

۷. جسے ان پر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک (اللہ

۱. یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس میں امر الہی ثابت ہوگا اور خود یہ بھی بہر صورت وقوع پذیر ہونے
والی ہے، اس لیے اسے الْحَاقَّةُ سے تعبیر فرمایا۔

۲. یہ لفظاً استفہام ہے لیکن اس کا مقصد قیامت کی عظمت اور فامت شان بیان کرنا ہے۔

۳. یعنی کس ذریعے سے تجھے اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو؟ مطلب اس کے علم کی نفی ہے۔ گویا کہ تجھے
اس کا علم نہیں، کیوں کہ تو نے ابھی اسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کیا ہے، گویا کہ وہ مخلوقات کے دائرہ
علم سے باہر ہے (فتح القدیر) بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں جس کی بابت بھی صیغہ ماضی مَا أَذْرَاكَ استعمال کیا گیا ہے، اس
کو بیان کر دیا گیا ہے اور جس کو مضارع کے صیغے وَمَا يُذْرِيكَ کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، اس کا علم لوگوں کو نہیں
دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر واکبر الشافعی)۔

۴. اس میں قیامت کو کھڑکا دینے والی کہا ہے، اس لیے کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے لوگوں کو بیدار کر دے گی۔

۵. طَغْيَةً ایسی آواز جو حد سے تجاوز کر جانے والی ہو، یعنی نہایت خوف ناک اور اوپچی آواز سے قوم شمود کو ہلاک کیا
گیا، جیسا کہ پہلے متعدد جگہ گزرا۔

۶. صَرْصَرٍ پالے والی ہوا۔ عَاتِيَةٍ، سرکش، کسی کے قابو میں نہ آنے والی۔ یعنی نہایت تند و تیز، پالے والی اور بے قابو
ہوا کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

(نے) مسلط رکھا^(۱) پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تھے ہوں۔^(۲)

۸. کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟

۹. اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور جن کی بستیاں الٹ دی گئی،^(۳) انہوں نے بھی خطائیں کیں۔

۱۰. اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی (بالآخر) اللہ نے انہیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا۔^(۴)

۱۱. جب پانی میں طغیانی آگئی^(۵) تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چنوا لیا۔^(۶)

۱۲. تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنا دیں،^(۷) اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔^(۸)

۱۳. پس جب کہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی۔^(۹)

حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ
أَجْعَازٌ يُعَلِّی خَالِيَةً ۝

فَقُلْ تَرَىٰ لَهُم مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكِ
بِالْخَاطِئَةِ ۝

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُم أَخَذَةً
رَّابِيَةً ۝

إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝

لِنَجْعَلَ لَكُم مِّنْ ذِكْرٍ وَلَعِبَاءِ أُنْ
وَاعِيَةٍ ۝

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝

۱. حُسُوم کے معنی کانٹے اور جدا جدا کر دینے کے ہیں اور بعض نے حُسُومًا کے معنی پے در پے کیے ہیں۔

۲. اس سے ان کے درازی قد کی طرف بھی اشارہ ہے خَاوِيَةً کھوکھلے۔ بے روح جسم کو کھوکھلے تھے سے تشبیہ دی ہے۔

۳. اس سے قوم لوط مراد ہے۔

۴. رَابِيَةً، رَبَا يَرْبُو سے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں۔ یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسری قوموں کی گرفت سے زائد یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا أَخَذَةً رَابِيَةً کا مفہوم ہوا، نہایت سخت گرفت۔

۵. یعنی پانی ارتفاع اور بلندی میں تجاوز کر گیا یعنی پانی خوب چڑھ گیا۔

۶. حُم سے مخاطب عہد رسالت کے لوگ ہیں، مطلب ہے کہ تم جن آباء کی پشتوں سے ہو، ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر کے پھرے ہوئے پانی سے بچایا تھا۔ الْجَارِيَةِ سے مراد سفینۂ نوح عَلَیْہِ السَّلَام ہے۔

۷. یعنی یہ فعل کہ کافروں کو پانی میں غرق کر دیا اور مومنوں کو کشتی میں سوار کرا کے بچالیا، تمہارے لیے اس کو عبرت و نصیحت بنادیں تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔

۸. یعنی سننے والے، اسے سن کر یاد رکھیں اور وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔

۹. مکذبین کا انجام بیان کرنے کے بعد اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ «الْحَاقَّةُ» کس طرح واقع ہوگی اسرافیل عَلَیْہِ السَّلَام کی ایک ہی پھونک سے یہ برپا ہو جائے گی۔

۱۳. اور زمین اور پہاڑ اٹھالیے جائیں گے^(۱) اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔

۱۵. اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی۔

۱۶. اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل بودا ہو جائے گا۔^(۲)

۱۷. اور اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے،^(۳) اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔^(۴)

۱۸. اس دن تم سب سامنے پیش کیے جاؤ گے،^(۵) تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔

۱۹. سو جسے اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا^(۶) تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔^(۷)

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً
وَاحِدَةً ۝

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝

وَالْمَلَائِكَةُ أَسْفِلًا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ
فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثِيَّةٌ ۝

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ
خَافِيَةٌ ۝

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَذَا
أَمْرٌ وَأَكْبَرُ ۝

۱. یعنی اپنی جگہوں سے اٹھالیے جائیں گے اور قدرت الہی سے اپنی قرار گاہوں سے ان کو اکھڑا لیا جائے گا۔
۲. یعنی اس میں کوئی قوت اور استحکام نہیں رہے گا جو چیز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اس میں استحکام کس طرح رہ سکتا ہے؟

۳. یعنی آسمان تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر آسمانی مخلوق فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا، وہ آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے، اس کا ایک مطلب تو ہو سکتا ہے کہ فرشتے آسمان پھٹنے سے قبل اللہ کے حکم سے زمین پر آجائیں گے تو گویا فرشتے دنیا کے کنارے پر ہوں گے، یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مختلف ٹکڑوں میں ہو گا تو ان ٹکڑوں پر جو زمین کے کناروں میں اور بجائے خود ثابت ہوں گے، ان پر ہوں گے۔ (فتح القدیر)

۴. یعنی ان مخصوص فرشتوں نے عرش الہی کو اپنے سروں پر اٹھایا ہوا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ عرش ہو جو فیصلوں کے لیے زمین پر رکھا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ (ابن کثیر)

۵. یہ پیشی اس لیے نہیں ہوگی کہ جن کو اللہ نہیں جانتا، ان کو جان لے، وہ تو سب کو ہی جانتا ہے، یہ پیشی خود انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی۔ ورنہ اللہ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

۶. جو اسکی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہو گا۔

۷. یعنی وہ مارے خوشی کے ہر ایک کو کہے گا کہ لو پڑھ لو، میرا اعمال نامہ تو مجھے مل گیا ہے، اس لیے کہ اسے پتہ ہو گا کہ

۲۰. مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔^(۱)

۲۱. پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہو گا۔

۲۲. بلند و بالا جنت میں۔^(۲)

۲۳. جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔^(۳)

۲۴. (ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔^(۴)

۲۵. اور لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ تو کہے گا کہ کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔^(۵)

۲۶. اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔^(۶)

۲۷. کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔^(۷)

۲۸. میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔

إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلِقٌ حِسَابِيَّ ۝

فَهَوِّنِي عَيْشَةً رَّاضِيَةً ۝

فِي جَنَّةٍ عَلِيَّةٍ ۝

فُطُوفُهُا دَانِيَةٌ ۝

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي

الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ شِمَالَهُ ۖ يَقُولُ

يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِي ۝

وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَّ ۝

يَلَيْتَنِي كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۝

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي ۝

اس میں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی، کچھ برائیاں ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہوں گی یا ان برائیوں کو بھی حسنت میں تبدیل کر دیا ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ فضل و کرم کی یہ مختلف صورتیں اختیار فرمائے گا۔
۱. یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔

۲. جنت میں مختلف درجات ہوں گے، ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہو گا، جیسے مجاہدین کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا (جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہو گا)۔ (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، صحیح البخاری، کتاب الجہاد)

۳. یعنی بالکل قریب ہوں گے یعنی کوئی لیٹے لیٹے بھی توڑنا چاہے گا تو ممکن ہو گا۔ فُطُوفٌ، قُطُوفٌ کی جمع ہے، چنے یا توڑے ہوئے، مراد پھل ہیں۔ مَا يَقُطِفُ مِنَ الثَّمَارِ۔

۴. یعنی دنیا میں اعمال صالحہ کیے، یہ جنت ان کا صلہ ہے۔

۵. کیوں کہ نامہ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا بد بختی کی علامت ہو گا۔

۶. یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا، کیوں کہ سارا حساب ان کے خلاف ہو گا۔

۷. یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔

هَكَكَ عَتَى سُلْطَنِيَّةً ۝

خُدُوهُ فَعْلُوهُ ۝

ثَمَّ الْحَجِيرَ صَلَوَهُ ۝

ثَمَّ فِي سِلْسِلَةٍ دَرَعَهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا

فَاسْلُكُوهُ ۝

لَئِنَّكَ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللهِ الْعَظِيمِ ۝

وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْيُسْكِينِ ۝

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُهْنًا حَمِيمٌ ۝

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَنِيلٍ ۝

لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخِطُؤُنَ ۝

فَلَا أَقْسَمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝

وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝

۲۹. میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔^(۱)

۳۰. (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو۔

۳۱. پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔^(۲)

۳۲. پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی

ہے جکڑ دو۔^(۳)۳۳. بیشک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔^(۴)۳۴. اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا۔^(۵)

۳۵. پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے۔

۳۶. اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے۔^(۶)۳۷. جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔^(۷)

۳۸. پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔

۳۹. اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔^(۸)

۱. یعنی جس طرح مال میرے کام نہ آیا، جاہ و مرتبہ اور سلطنت و حکومت بھی میرے کام نہ آئی۔ اور آج میں اکیلا ہی یہاں سزا بھگتے پر مجبور ہوں۔

۲. یہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ جنہم کو حکم دے گا۔

۳. یہ ذِزَاع (ہاتھ)، کس کا ذراع ہوگا؟ اور یہ کتنا ہوگا؟ اس کی تعیین ممکن نہیں، تاہم اس سے اتنا معلوم ہوا کہ زنجیر کی لمبائی ستر ذراع ہوگی۔

۴. یہ مذکورہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔

۵. یعنی عبادت و اطاعت کے ذریعے سے اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ وہ حقوق ادا کرتا تھا، جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ گویا اہل ایمان میں یہ جامعیت ہوتی ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

۶. بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں کوئی درخت ہے، بعض کہتے ہیں کہ زقوم ہیں، کو یہاں غَسْلِین کہا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنمیوں کی پیپ یا ان کے جسوں سے نکلنے والا خون اور بدبودار پانی ہوگا اَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ۔

۷. حَاطِطُونَ سے مراد اہل جہنم ہیں جو کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے۔ اس لیے کہ یہی گناہ ایسے ہیں جو غلو فی النار کا سبب ہیں۔

۸. یعنی اللہ کی پیدا کردہ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت و طاقت پر دلالت کرتی ہیں، جنہیں تم دیکھتے ہو

لَا إِلَهَ إِلَّا قَوْلُ رَسُولِ كَرِيمٍ ۝

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝

وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ ۝

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝

لَا خَدَّ نَأْمَنُهُ بِالْيَسْبِينِ ۝

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنهُ الْوَتِينَ ۝

۴۰۔ کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے۔^(۱)

۴۱۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں^(۲) (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔

۴۲۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے،^(۳) (افسوس) بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔^(۴)

۴۳۔ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔^(۵)

۴۴۔ اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا^(۶)

۴۵۔ تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔^(۷)

۴۶۔ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔^(۸)

یا نہیں دیکھتے، ان سب کی قسم ہے آگے جواب قسم ہے۔

۱۔ بزرگ رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور قول سے مراد تلاوت ہے یعنی رسول کریم ﷺ کی تلاوت ہے یا قول سے مراد ایسا قول ہے جو یہ رسول کریم ﷺ اللہ کی طرف سے تمہیں پہنچاتا ہے۔ کیونکہ قرآن، رسول یا جبرائیل علیہ السلام کا قول نہیں ہے، بلکہ اللہ کا قول ہے، جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے، پھر پیغمبر اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

۲۔ جیسا کہ تم سمجھتے اور کہتے ہو۔ اس لیے کہ یہ اصناف شعر سے ہے نہ اس کے مشابہ ہے، پھر یہ کسی شاعر کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے؟

۳۔ جیسا کہ بعض دفعہ تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو، حالاں کہ کہانت بھی ایک شے دیگر ہے۔

۴۔ قلت دونوں جگہ نفی کے معنی میں ہے، یعنی تم بالکل قرآن پر ایمان لاتے ہو نہ اس سے نصیحت ہی حاصل کرتے ہو۔

۵۔ یعنی رسول کی زبان سے ادا ہونے والا یہ قول، رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اسے تم کبھی شاعری اور کبھی کہانت کہہ کر اس کی تکذیب کرتے ہو۔

۶۔ یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا، یا اس میں کمی پیشی کر دیتا، تو ہم فوراً اس کا مؤاخذہ کرتے اور اسے ڈھیل نہ دیتے۔ جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا۔

۷۔ یا دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کی گرفت کرتے، اس لیے کہ دائیں ہاتھ سے گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ (کَمَا فِي الْحَدِيثِ)۔

۸۔ خیال رہے یہ سزا، خاص نبی کریم ﷺ کے ضمن میں بیان کی گئی ہے جس سے مقصد آپ کی صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں یہ اصول بیان نہیں کیا گیا ہے کہ جو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو جھوٹے مدعی کو ہم فوراً سزا سے دوچار

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۳۷﴾

۳۷. پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔^(۱)

وَإِنَّهُ لَتَذَكُّرٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾

۳۸. اور یقیناً یہ قرآن پر ہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔^(۲)

وَأَنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾

۳۹. اور ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں۔

وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾

۴۰. اور بیشک (یہ جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے۔^(۳)

وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۴۱﴾

۴۱. اور بیشک (وشبہ) یہ یقینی حق ہے۔^(۴)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۴۲﴾

۴۲. پس تو اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کر۔^(۵)

کر دیں گے۔ لہذا اس سے کسی جھوٹے نبی کو اس لیے سچا باور نہیں کرایا جاسکتا کہ دنیا میں وہ مواخذۃ الہی سے بچا رہا۔ واقعات بھی شاید ہیں کہ متعدد لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اللہ نے انہیں ڈھیل دی اور دنیوی مواخذے سے وہ بالعموم محفوظ ہی رہے۔ اس لیے اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر متعدد جھوٹے مدعیان نبوت کو ”سچا نبی“ ماننا پڑے گا۔

۱. اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے رسول تھے، جن کو اللہ نے سزا نہیں دی، بلکہ دلائل و معجزات اور اپنی خاص تائید و نصرت سے انہیں نوازا۔

۲. کیوں کہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن تو سارے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے آیا ہے۔

۳. یعنی قیامت کے دن اس پر حسرت کریں گے، کہ کاش ہم نے قرآن کی تکذیب نہ کی ہوتی۔ یا یہ قرآن بجائے خود ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا، جب وہ اہل ایمان کو قرآن کا اجر ملتے ہوئے دیکھیں گے۔

۴. یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل یقینی ہے، اس میں قطعاً شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یا قیامت کی بابت جو خبر دی جا رہی ہے، وہ بالکل حق اور سچ ہے۔

۵. جس نے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔

سورۃ معارج کی ہے اور اس میں چوالیس آیاتیں
اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ

مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ
مُقَدَّرًا ۖ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ایک سوال کرنے والے^(۱) نے اس عذاب کا سوال کیا
جو واقع ہونے والا ہے۔

۲. کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔

۳. اس اللہ کی طرف سے جو سیدھیوں والا ہے۔^(۲)

۴. جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں^(۳) ایک دن
میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔^(۴)

۱. کہتے ہیں یہ نضر بن حارث تھا یا ابوجہل تھا جس نے کہا تھا، ﴿اللَّهُمَّ إِنَّكَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا
جَارَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ الآية (الأنفال: ۳۲) اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر
برسا) چنانچہ یہ شخص جنگ بدر میں مارا گیا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے
لیے بدعا کی تھی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط سالی مسلط کی گئی تھی۔

۲. یا درجاء والا، بلندیوں والا ہے، جس کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔

۳. روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، ان کی عظمت شان کے پیش نظر ان کا الگ خصوصی ذکر کیا گیا ہے، ورنہ
فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ یا روح سے مراد انسانی روہیں ہیں جو مرنے کے بعد آسمان پر لے جائی جاتی ہیں۔ جیسا
کہ بعض روایات میں ہے۔

۴. اس یوم کی تعیین میں بہت اختلاف ہے، جیسا کہ الم السجدہ کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں امام ابن کثیر
نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جو عرش عظیم سے اسفل سافلین (زمین
کے ساتویں طبقہ) تک ہے۔ یہ مسافت ۵۰ ہزار سال میں طے ہونے والی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ دنیا کی کل مدت
ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وقوع قیامت تک، اس میں سے کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا
ہے۔ تیسرا قول ہے کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے۔
یعنی کافروں پر یہ یوم حساب پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔ لیکن مومن کے لیے دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے
سے بھی مختصر ہوگا۔ (مسند احمد: ۵۱۳) امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیوں کہ احادیث سے بھی اس کی تائید
ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کو قیامت کے دن جو عذاب دیا جائے گا اس کی تفصیل بیان

۵. پس تو اچھی طرح صبر کر۔
 ۶. بیشک یہ اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں۔
 ۷. اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں۔^(۱)
 ۸. جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کے مانند ہو جائے گا۔
 ۹. اور پہاڑ رنگین اون کے مانند ہو جائیں گے۔^(۲)
 ۱۰. اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔
 ۱۱. (حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھادیے جائیں گے،^(۳)
 گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں دینا
 چاہے گا اپنے بیٹوں کو۔
 ۱۲. اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو۔
 ۱۳. اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا۔
 ۱۴. اور روئے زمین کے سب لوگوں کو تاکہ یہ اسے
 نجات دلا دے۔^(۴)
 ۱۵. (مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی (آگ) ہے۔^(۵)

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ۝
 لَّأَنَّهُمْ يَرْوَنَّهُ بَعِيدًا ۝
 وَتَرَاهُ قَرِيبًا ۝
 يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۝
 وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝
 وَلَا يَسْأَلُ حِمِيمٌ حَمِيمًا ۝
 يُخَوِّرُوهُمْ يَوْمَ الْمُجِزِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ
 عَذَابِ يَوْمٍ مِّنْ بَيْنِهِمْ ۝
 وَصَاحِبَتُهُ وَأَخِيهِ ۝
 وَصَصِيَّتُهُ الَّتِي قُوِيَ ۝
 وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَّئِنْ يُجِيبُهُ ۝
 كَلَّا إِنَّهَا لَأُظْلَى ۝

- فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعْدُونَ» (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ) (یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، ایسے دن میں، جس کی مدت تمہاری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی)۔ اس تفسیر کی رو سے فی یوم کا تعلق عذاب سے ہوگا، یعنی وہ واقع ہونے والا عذاب قیامت کے دن ہوگا جو کافروں پر پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔
۱. دور سے مراد ناممکن اور قریب سے اس کا یقینی واقع ہونا ہے۔ یعنی کافر قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ضرور آکر رہے گی اس لیے کہ کُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ (ہر آنے والی چیز قریب ہے)۔
۲. یعنی دھنی ہوئی روٹی کی طرح، جیسے سورۃ القارعہ میں ہے۔ ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْثُوشِ﴾
۳. لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، اس لیے تعارف اور شناخت کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے۔
۴. یعنی اولاد، بیوی، بھائی اور خاندان یہ ساری چیزیں انسان کو نہایت عزیز ہوتی ہیں، لیکن قیامت کے دن مجرم چاہے گا کہ اس سے فدیے میں یہ عزیز چیزیں قبول کر لی جائیں اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ فَصِلَةُ خَاندَانِ کو کہتے ہیں، کیوں کہ وہ قبیلے سے جدا ہوتا ہے۔
۵. یعنی وہ جہنم۔ یہ اس کی شدت حرارت کا بیان ہے۔

نَزَاعَةً لِّلنَّاسِ ۝

تَذَعُونَ اَمْ اَدَّبَرْتُمْ وَتَوَلَّوْا۟ ۝

وَجَمَعَ فَاُوتِيَ ۝

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًا ۝

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝

وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝

اِلَّا الْمُسْلِمِينَ ۝

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝

وَالَّذِينَ فِيۤ اٰمَوٰلِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝

لِّلنَّاسِ اِلَآلِ الْمَحْرُومِ ۝

۱۶. جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔^(۱)

۱۷. وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹا اور منہ موڑتا ہے۔

۱۸. اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے۔^(۲)۱۹. بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے۔^(۳)

۲۰. جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑبڑا اٹھتا ہے۔

۲۱. اور جب راحت ملتی ہے تو بغل کرنے لگتا ہے۔

۲۲. مگر وہ نمازی۔

۲۳. جو اپنی نماز پر بیشگی کرنے والے ہیں۔^(۴)۲۴. اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے۔^(۵)۲۵. مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔^(۶)

۱. یعنی گوشت اور کھال کو جلا کر رکھ دے گی۔ انسان صرف ہڈیوں کا ڈھنچا رہ جائے گا۔

۲. یعنی جو دنیا میں حق سے پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا تھا اور مال جمع کر کے خزانوں میں سینت سینت کر رکھتا تھا، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا نہ اس میں سے زکوٰۃ نکالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور جہنم بزبان قال خود ایسے لوگوں کو پکارے گی، جن پر ان کے اعمال کی پاداش میں جہنم واجب ہوگی۔ بعض کہتے ہیں، پکارنے والے تو فرشتے ہی ہوں گے اسے منسوب جہنم کی طرف کر دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پکارے گا، یہ صرف تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ مذکورہ افراد کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

۳. سخت حریم اور بہت جزع فزع کرنے والے کو ھَلُوُوعُ کہا جاتا ہے، جس کو ترجمے میں بڑے کچے دل والا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ایسا شخص ہی بنیل و حریم اور زیادہ جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے، آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔

۴. مراد ہیں مومن کامل اور اہل توحید، ان کے اندر مذکورہ اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے برعکس وہ صفات محمودہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے، وہ نماز میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر نماز اپنے وقت پر نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انہیں نماز سے نہیں روکتی اور دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نماز سے غافل نہیں کرتا۔

۵. یعنی زکوٰۃ مفروضہ۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں اس میں شامل ہیں۔

۶. محروم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے ہی محروم ہے، وہ بھی جو کسی آفت سماوی وارضی کی زد میں آکر اپنی پونجی سے محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفتِ تعفف کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَصِدُّونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا تُوعُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوحِهِمْ خَفِظُونَ ۝

إِذَا عَلَىٰ أَرْوَاهِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

فَأَنَّهُمْ غَيْرُ مُلْكُمِينَ ۝

فَمَنْ أَبْغَىٰ ذِرَّاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رِعُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ بِنَهْدِ تِهِمْ قَابِضُونَ ۝

۲۶. اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔^(۱)

۲۷. اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔^(۲)

۲۸. بیشک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔^(۳)

۲۹. اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں۔

۳۰. ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔^(۴)

۳۱. اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہوں گے۔

۳۲. اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں۔^(۵)

۳۳. اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں۔^(۶)

۱. یعنی وہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اس میں شک و شبہ کا اظہار۔

۲. یعنی اطاعت اور اعمال صالحہ کے باوجود، اللہ کی عظمت و جلالت کے پیش نظر اس کی گرفت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں نہیں ڈھانک لے گی، ہمارے یہ اعمال نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

۳. یہ سابقہ مضمون ہی کی تاکید ہے کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہیے۔

۴. یعنی انسان کی جنسی تسکین کے لیے اللہ نے دو جائز ذرائع رکھے ہیں ایک بیوی اور دوسری ملک یمین (لونڈی)۔ آج کل ملک یمین کا مسئلہ تو اسلام کی بتلائی ہوئی تدابیر کی رو سے تقریباً ختم ہو گیا ہے، تاہم اسے قانوناً اس لیے ختم نہیں کیا گیا ہے کہ آئندہ کبھی اس قسم کے حالات ہوں تو ملک یمین سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بہر حال اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل و تسکین کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔

۵. یعنی ان کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہوتی ہیں، اس میں وہ خیانت نہیں کرتے اور لوگوں سے جو عہد کرتے ہیں، انہیں توڑتے نہیں، بلکہ ان کی پاسداری کرتے ہیں۔

۶. یعنی اسے صحیح ادا کرتے ہیں، چاہے اس کی زد میں ان کے قریبی عزیز ہی آجائیں، علاوہ ازیں اسے چھپاتے بھی نہیں، نہ اس میں تبدیلی ہی کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾

أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿۳۵﴾

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِكَ مُهَاطِعِينَ ﴿۳۶﴾

آتے ہیں۔

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِّينَ ﴿۳۷﴾

أَيُّطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةً نَّعِيمًا ﴿۳۸﴾

كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَكْفُورُونَ ﴿۳۹﴾

فَلَا أَفْهَمُ رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿۴۰﴾

عَلَى أَنْ يُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ
بِمَسْبُوحِينَ ﴿۴۱﴾

۳۴. اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

۳۵. یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔

۳۶. پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔

۳۷. دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ۔^(۱)

۳۸. کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟

۳۹. (ایسا) ہرگز نہ ہو گا۔^(۲) ہم نے انہیں اس (چیز) سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔^(۳)

۴۰. پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں^(۴) کے رب کی (کہ) ہم یقیناً قادر ہیں۔

۴۱. اس پر کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں^(۵) اور ہم عاجز نہیں ہیں۔^(۶)

۱۔ یہ نبی ﷺ کے زمانے کے کفار کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے، لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے۔ اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی۔

۲۔ یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور اس کی تکذیب کرنے والے دونوں کو اخروی نعمتیں ملیں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ یعنی مَاءٌ مَّهِينٌ (حقیر قطرے) سے۔ جب یہ بات ہے تو کیا تکبر اس انسان کو زیب دیتا ہے؟ جس تکبر کی وجہ سے ہی یہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب بھی کرتا ہے۔

۴۔ ہر روز سورج ایک الگ جگہ سے نکلتا اور الگ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی اتنے ہی۔ مزید تفصیل کے لیے سورہ صافات: ۵ دیکھیے۔

۵۔ یعنی ان کو ختم کر کے ایک نئی مخلوق آباد کر دینے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔

۶۔ جب ایسا ہے تو کیا ہم قیامت کے دن ان کو دوبارہ زندہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

۴۲. پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے^(۱) یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔
 ۴۳. جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ وہ کسی جگہ کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔^(۲)
 ۴۴. ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی،^(۳) ان پر ذلت چھا رہی ہوگی،^(۴) یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔^(۵)

فَذَرَهُمْ يَخْرُجُونَ وَيَلْعَبُونَ حَتَّى يَلْقُوا يَوْمَهُمُ
 الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿١﴾
 يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْآبَاتِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَى
 نُصْبٍ يُؤْفَضُونَ ﴿٢﴾
 خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُفُهُمْ ذِلَّةٌ ذَلِكَ الْيَوْمُ
 الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٣﴾

۱. یعنی فضول اور لالچنی بحثوں میں پھنسے اور اپنی دنیا میں گمن رہیں، تاہم آپ اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھیں، ان کا رویہ آپ کو اپنے منصب سے غافل، یا بد دل نہ کر دے۔
۲. أَجْدَاثٌ، جمع ہے۔ جَدَثٌ کے معنی قبر ہیں۔ نُصْبٌ، تھانے، جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اور بتوں کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ یہاں اسی دوسرے معنی میں ہے۔ بتوں کے پجاری، جب سورج طلوع ہوتا تو نہایت تیزی سے اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوسہ دیتا ہے۔ بعض اسے یہاں عَلَمٌ کے معنی میں لیتے ہیں کہ جس طرح میدان جنگ میں فوجی اپنے عَلَمٌ (جھنڈے) کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے نہایت برق رفتاری سے نکلیں گے۔ يُؤْفَضُونَ یُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے۔
۳. جس طرح مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں اپنے کرتوتوں کا علم ہوتا ہے۔
۴. یعنی سخت ذلت انہیں اپنی پیٹ میں لے رہی ہوگی اور ان کے چہرے مارے خوف کے سیاہ ہوں گے۔ اسی سے عَلَامٌ مُرَاقِبٌ کی ترکیب ہے، جو قریب البلوغت ہو یعنی غَشِيَةُ الْاِخْتِلَامِ۔ (فتح القدیر)
۵. یعنی رسولوں کی زبانی اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے۔

سُورَةُ نُوحٍ

سورہ نوح کلی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا^(۱)
کہ اپنی قوم کو ڈرا دو (اور خبردار کر دو) اس سے پہلے کہ
ان کے پاس دردناک عذاب آجائے۔^(۲)

۲. (نوح علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم! میں تمہیں
صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔^(۳)

۳. کہ تم اللہ کی عبادت کرو^(۴) اور اسی سے ڈرو^(۵) اور
میرا کہنا مانو۔^(۶)

۴. تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت
مقررہ تک چھوڑ دے گا۔^(۷) یقیناً اللہ کا وعدہ جب آجاتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْکُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

قَالَ یٰقَوْمِ رَآیْتُ لَکُمْ نَذِیْرًا مُّبِیْنًا

اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْا

یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُوَخِّرْکُمْ اِلٰی اَجَلٍ
مُّسَمًّی اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُوْنَ

۱. حضرت نوح علیہ السلام جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث شفاعت میں ہے کہ یہ پہلے رسول ہیں۔
نیز کہا جاتا ہے کہ انہی کی قوم سے شرک کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

۲. قیامت کے دن عذاب یا دنیا میں عذاب آنے سے قبل، جیسے اس قوم پر طوفان آیا۔

۳. اللہ کے عذاب سے، اگر تم ایمان نہ لائے۔ اسی لیے عذاب سے نجات کا نسخہ تمہیں بتلانے آیا ہوں۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

۴. اور شرک چھوڑ دو، صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔

۵. اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرو، جن سے تم عذاب الہی کے مستحق قرار پاسکتے ہو۔

۶. یعنی میں تمہیں جن باتوں کا حکم دوں، اس میں میری اطاعت کرو، اس لیے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول اور
اس کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔

۷. اس کے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ایمان لانے کی صورت میں تمہاری موت کی جو مدت مقرر ہے، اس کو مؤخر کر کے
تمہیں مزید مہلت عمر عطا فرمائے گا اور وہ عذاب تم سے دور کر دے گا جو عدم ایمان کی صورت میں تمہارے لیے مقدر
تھا۔ چنانچہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اطاعت، نیکی اور صلہ رحمی سے عمر میں حقیقتاً اضافہ ہوتا
ہے۔ حدیث میں بھی ہے۔ صَلَۃُ الرَّحْمٰنِ تَزِیْدُ فِی الْعُمْرِ ”صلہ رحمی، اضافہ عمر کا باعث ہے“۔ (ابن کثیر) بعض کہتے
ہیں، تاخیر کا مطلب برکت ہے، ایمان سے عمر میں برکت ہوگی۔ ایمان نہیں لاؤ گے تو اس برکت سے محروم رہو گے۔

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿۷۱﴾

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿۷۲﴾

وَإِنِّي كَلِمًا دَعَوْتُهُمْ لِيُغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَحْسَبَهُمْ

فِي أَدَانِهِمْ وَاسْتَعْصَمُوا بِإِنْيَائِهِمْ وَاصْرُوا

وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷۳﴾

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَرًا ﴿۷۴﴾

ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿۷۵﴾

ہے تو مؤخر نہیں ہوتا^(۱) کاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی۔^(۲)

۵. (نوح علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے

اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔^(۳)

۶. مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے۔^(۴)

۷. اور میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لیے بلایا^(۵)

انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں^(۶) اور

اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا^(۷) اور اڑ گئے^(۸) اور بڑا تکبر کیا۔^(۹)

۸. پھر میں نے انہیں باواز بلند بلایا۔

۹. اور بیشک میں نے ان سے علانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے

بھی۔^(۱۰)

۱. بلکہ لامحالہ واقع ہو کر رہتا ہے، اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ایمان و اطاعت کا راستہ فوراً اپنالو، تاخیر میں

خطرہ ہے کہ وعدۂ عذاب الہی کی پیٹ میں نہ آجاؤ۔

۲. یعنی اگر تمہیں علم ہوتا تو تم اسے اپنانے میں جلدی کرتے جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں یا اگر تم یہ بات

جانتے ہوتے کہ اللہ کا عذاب جب آجاتا ہے تو ملتا نہیں ہے۔

۳. یعنی تیرے حکم کی تعمیل میں، بغیر کسی کوتاہی کے رات دن میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچایا ہے۔

۴. یعنی میری پکار سے یہ ایمان سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جب کوئی قوم گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچ جائے تو

پھر اس کا یہی حال ہوتا ہے، اسے جتنا اللہ کی طرف بلاؤ، وہ اتنا ہی دور بھاگتی ہے۔

۵. یعنی ایمان اور اطاعت کی طرف، جو سب مغفرت ہیں۔

۶. تاکہ میری آواز نہ سن سکیں۔

۷. تاکہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں یا اپنے سروں پر کپڑے ڈال لیے تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ یہ ان کی طرف سے شدت

عداوت کا اور وعظ و نصیحت سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ بعض کہتے ہیں، اپنے کو کپڑوں سے ڈھانک لینے کا مقصد یہ تھا کہ

پیغمبر ان کو پہچان نہ سکے اور انہیں قبولیت دعوت کے لیے مجبور نہ کرے۔

۸. یعنی کفر پر مصر رہے، اس سے باز نہیں آئے اور توبہ نہیں کی۔

۹. قبول حق اور اعتقاد امر سے انہوں نے سخت تکبر کیا۔

۱۰. یعنی مختلف انداز اور طریقوں سے انہیں دعوت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اجتماعات اور مجلسوں میں بھی انہیں دعوت دی

اور گھروں میں فرداً فرداً بھی تیرا پیغام پہنچایا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱﴾

۱۰. اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔^(۲)

يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ﴿۲﴾

۱۱. وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔^(۳)

وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَأَنْبِيَاءٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جُلُوسًا وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ﴿۳﴾

۱۲. اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔^(۴)

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿۴﴾

۱۳. تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔^(۵)

وَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ أَطْوَارًا ﴿۵﴾

۱۴. اور حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔^(۶)

۱. یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنالو، اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ لو۔

۲. وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا رحیم و غفار ہے۔

۳. بعض علماء اسی آیت کی وجہ سے نماز استسقاء میں سورہ نوح علیہ السلام کے پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک مرتبہ نماز استسقاء کے لیے منبر پر چڑھے تو صرف آیات استغفار (جن میں یہ آیت بھی تھی) پڑھ کر منبر سے اتر آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے بارش کو، بارش کے ان راستوں سے طلب کیا ہے جو آسمانوں میں ہیں۔ جن سے بارش زمین پر اترتی ہے۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصری کے متعلق مروی ہے کہ ان سے آکر کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو انہوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر و فاقہ کی شکایت کی، اسے بھی انہوں نے یہی نسخہ بتلایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اسے بھی فرمایا، استغفار کر۔ ایک شخص نے کہا، میرے گھر اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا اپنے رب سے استغفار کر۔ کسی نے جب ان سے کہا کہ آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا، کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ نے بتلایا ہے۔ (ابن القایم)

۴. یعنی ایمان و طاعت سے تمہیں اخروی نعمتیں ہی نہیں ملیں گی، بلکہ دنیاوی مال و دولت اور بیٹوں کی کثرت سے بھی نوازے جاؤ گے۔

۵. وقار، توقیر سے ہے بمعنی عظمت اور رجا خوف کے معنی میں ہے، یعنی جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے، تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ اور اس کو ایک کیوں نہیں مانتے اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

۶. پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ، پھر عظام اور لحم اور پھر خلق تام، جیسا کہ سورہ الانبیاء: ۵، المؤمنون: ۱۴، اور المؤمن: ۶۷ وغیرہا میں تفصیل گزری۔

۱۵. کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیے ہیں۔^(۱)

۱۶. اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے^(۲) اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔^(۳)

۱۷. اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے^(۴) (اور پیدا کیا ہے)

۱۸. پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور (ایک خاص طریقہ) سے پھر نکالے گا۔^(۵)

۱۹. اور تمہارے لیے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ہے۔^(۶)

۲۰. تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو۔^(۷)

۲۱. نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! ان لوگوں

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ
سِرَاجًا ۝

وَاللّٰهُ اَنْتَبٰكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اَخْرَاجًا ۝

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝

لِّتَسْلُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا

۱. جو اس کی قدرت اور کمال صناعت پر دلالت کرتے اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک اللہ ہے۔

۲. جو روئے زمین کو منور کرنے والا اور اس کے ماتھے کا جھومر ہے۔

۳. تاکہ اس کی روشنی میں انسان معاش کے لیے، جو انسانوں کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے، کسب و محنت کر سکے۔

۴. یعنی تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کو، جنہیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ یا اگر تمام انسانوں کو مخاطب سمجھا جائے، تو مطلب ہو گا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پاتی ہے۔

۵. یعنی مرکز، پھر اسی مٹی میں دفن ہونا ہے اور پھر قیامت کے دن اسی زمین سے تمہیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

۶. یعنی اسے فرش کی طرح بچھا دیا ہے، تم اس پر اسی طرح چلتے پھرتے ہو، جیسے اپنے گھر میں بچھے ہوئے فرش پر چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔

۷. سُبُلٌ، سَبِيْلٌ کی جمع اور فِجَاجٌ، فَجْجٌ (کشادہ راستہ) کی جمع ہے۔ یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ راستے بنادیے ہیں تاکہ انسان آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاسکے۔ اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہیں، جس کا انتظام کر کے اللہ نے انسانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔

نے میری تو نافرمانی کی^(۱) اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جن کے مال و اولاد نے ان کو (یقیناً) نقصان ہی میں بڑھایا ہے۔^(۲)

۲۲. اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا۔^(۳)

۲۳. اور انہوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ وہ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)۔^(۴)

۲۴. اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا^(۵) (الہی)

لَمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا هَسَارًا ۝

وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۝

وَقَالُوا لَا تَدْرِكُنَّ الْهَيْكَلَهُ وَلَا تَدْرِكُنَّ وَدًّا وَلَا سِوَاهُ ۚ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ

۱. یعنی میری نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں۔

۲. یعنی ان کے اصغر نے اپنے بڑوں اور اصحاب ثروت ہی کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انہیں دنیا اور آخرت کے خسارے میں ہی بڑھایا ہے۔

۳. یہ مکر یا فریب کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں، ان کا بعض لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کرنے پر ابھارنا تھا، بعض کہتے ہیں مال و اولاد کی وجہ سے جس فریب نفس کا وہ شکار ہوئے، حتیٰ کہ بعض نے کہا، اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ان کو یہ نعمتیں کیوں میسر آتیں؟ اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت مت چھوڑنا، بعض کے نزدیک ان کا کفر ہی، بڑا مکر تھا۔

۴. یہ قوم نوح علیہ السلام کے وہ لوگ تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہوتی رہی۔ چنانچہ ”وَد“ دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا، ”سُوع“ ساحل بحر کے قبیلہ ہذیل کا، ”يُغُوث“ سبا کے قریب جرف جگہ میں مراد اور بنی غطف کا، ”يَعُوق“، ہمدان قبیلہ کا اور ”نَسْر“، حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر، دفع القدر) یہ پانچوں قوم نوح علیہ السلام کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دوکانوں میں رکھ لو تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آباء تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ نوح)

۵. أَضَلُّوا کا فاعل (مرجع) قوم نوح کے رؤساء ہیں۔ یعنی انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اس کا مرجع یہی مذکورہ پانچ بت ہیں، اس کا مطلب ہوگا کہ ان کے سبب بہت سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا۔ ﴿رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَا كَثِيرًا وَاَمِنُ النَّاسِ﴾ (ابراہیم: ۳۲) (اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے)۔

إِلَّا ضَلَالًا ۝

مِمَّا خَطِيئَتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأَذَلُّوا نَارًا لَا تَلَهُمْ
يَجِدُوا اللَّهُمَّ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَكَ تَدْرَعُنِي الْأَرْضُ مِنَ
الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝

إِنَّكَ إِن تَذَرُهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَكِدُوا
إِلَّا فَاخِرًا كَثِيرًا ۝

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي
مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ
الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝

تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا۔

۲۵۔ وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈبو دیے گئے^(۱) اور
جہنم میں پہنچا دیے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار
انہوں نے نہ پایا۔

۲۶۔ اور (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ اے
میرے پالنے والے! تو روع زمین پر کسی کافر کو رہنے
سنبھالے والا نہ چھوڑ۔^(۲)

۲۷۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور)
بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ
کافروں ہی کو جنم دیں گے۔

۲۸۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ
اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور
تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے^(۳) اور کافروں
کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔^(۴)

۱۔ مِمَّا میں مآ زائد ہے، من خَطِيئَتِهِمْ أَيُّ: مِنْ أَجْلِهَا وَبِسَبَبِهَا أُغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ. (فتح القدیر)

۲۔ یہ بددعا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کردی
کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (ہود: ۳۶) دَيَّارٌ، فَيُضِلُّوا کے وزن پر دَيَّوَارٌ ہے۔ واؤ کو یا سے بدل کر
ادغام کر دیا گیا، مَنْ يَسْكُنُ الدِّيَارَ مطلب ہے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

۳۔ کافروں کے لیے بددعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

۴۔ یہ بددعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں
کے لیے ہے۔

سُورَةُ الْحَجِّ

سورہ جن کی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے
کہ جنوں کی ایک جماعت ^(۱) نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم
نے عجیب قرآن سنا ہے۔ ^(۲)

۲. جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ^(۳) ہم اس
پر ایمان لائے ^(۴) (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب ^(۵)
کا شریک نہ بنائیں گے۔

۳. اور بیشک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس
نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا۔ ^(۶)

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْمَعُ نَفَرٍ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا
سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا

يَعْبُدِي إِلَى الرَّسَدِ قَالَمُنَابِهْ وَلَنْ نُشْرَكَ بِرَبِّنَا
أَحَدًا

وَأَنَّهُ لَعَلَّى جَدْرَيْنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً
وَلَا وَلَدًا

۱. یہ واقعہ سورہ انفاق: ۲۹ کے حاشیے پر گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ وادی نخلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا۔ جس سے وہ متاثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سنا، آپ کے علم میں نہیں آیا، بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔
۲. عَجَبًا، مصدر ہے بطور مبالغہ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ ذَا عَجَبٍ، یا مصدر، اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجَبًا، مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بڑا عجیب ہے یا مواظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح القدیر)۔

۳. یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست یعنی حق و صواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔

۴. یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں، اس میں کفار کو توبہ و تنبیہ ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے، تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو، خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا، درآں حالیکہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے انہوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنا، علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔

۵. نہ اس کی مخلوق میں سے، نہ کسی اور معبود کو۔ اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔

۶. جَدُّ کے معنی عظمت و جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔

۴. اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کہا کرتا تھا۔^(۱)

۵. اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں۔^(۲)

۶. اور بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے^(۳) جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔^(۴)

۷. اور (انسانوں) نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا)۔^(۵)

۸. اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت

وَأَنَّهُ كَانَ يَفْعُولُ سَفِيهًا عَلَى اللَّهِ سَطَطًا ۝

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجدْنَا لَهَا مَلِكًا ۝

گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف بیوی یا اولاد کی نسبت کرتے تھے، انہوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی تزیہہ و تقدیس کی۔

۱. سَفِيهًا (ہمارے بیوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جنس۔ یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ سَطَطًا کے کئی معنی کیے گئے ہیں، ظلم، جھوٹ، باطل، کفر میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد، راہ اعتدال سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتدال و صواب سے دور، حد سے متجاوز اور کاذب و افتراء پرداز ہیں۔

۲. اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے قرآن سنا تو پھر ہم پر اس عقیدے کا بطلان واضح ہوا۔

۳. زمانہ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کہیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے، وہاں جنات سے پناہ طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی۔

۴. یعنی جب جنات نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہو گیا۔ رَهَقًا، یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور محارم کو ڈھانکنا یعنی ان کا ارتکاب کرنا۔

۵. بَعَثُ کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔

حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهَبًا ۝

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ مَقَاعِدَ لِلْمَسْمُومِ قَبْنَ
يُسْمِعُ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شُهَابًا رَّصَدًا ۝

وَإِنَّا لَنَرَىٰ أَشْرَارِيْدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ
أَمْرًا أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رُدًّا ۝

وَإِنَّا لَمِنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَّا ذُوْنَ ذَلِكِ كُنَّا
طَرَائِقُ قَدًّا ۝

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ كُنْ نُعْجِزُ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ
نُعْجِزُهُ هَرَبًا ۝

وَإِنَّا لَنَسْمَعُ أَهْلَ الْمَكَايِبِ فَهَمَّ يُؤْمِنُ
بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَعْثًا وَلَا دَهْقًا ۝

چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا۔^(۱)

۹. اور اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں
جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔^(۲) اب جو بھی کان لگاتا
ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔^(۳)

۱۰. اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی
برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے
ساتھ بھلائی کا ہے۔^(۴)

۱۱. اور یہ کہ (یشیک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور
بعض اس کے برعکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں سے
بٹے ہوئے ہیں۔^(۵)

۱۲. اور ہم نے سمجھ لیا^(۶) کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں
ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے
ہیں۔

۱۳. اور ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لاپچکے
اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان

۱. حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار، نگران) کی اور شُهَبٌ، شِهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے۔ یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے
ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیطاںیں پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

۲. اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پاکر کائناتوں کو بتلادیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔

۳. لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی تاک میں ہوتا
ہے اور ٹوٹ کر اس پر گرتا ہے۔

۴. یعنی اس حراست آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا یعنی ان پر عذاب
نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ یعنی رسول بھیجنا ہے۔

۵. قَدَدٌ، قَدْرٌ کا کثرت، صَارَ الْقَوْمُ قَدَدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ یعنی
ہم متفرق جماعتوں اور مختلف اصناف میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنت میں بھی مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی،

جووسی وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ، مرجیہ اور رافضیہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر)

۶. ظَنَّ، یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے، جیسے اور بھی بعض مقامات پر ہے۔

کا اندیشہ ہے نہ ظلم و ستم کا۔^(۱)

۱۴. اور ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں^(۲) پس جو فرماں بردار ہو گئے انہوں نے تو راہِ راست کا قصد کیا۔

۱۵. اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔^(۳)

۱۶. اور (اے نبی! ﷺ یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہِ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی پلاتے۔

۱۷. تاکہ ہم اس میں انہیں آزمائیں،^(۴) اور جو شخص

وَأَكَا مَنَا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَ الْقَاطِطُونَ مَنَ اسَلَمَ
فَأُولَئِكَ نَحْرُوزُ اسْتَدَاءِ ۝

وَأَمَّا الْقَاطِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝
وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِيَهُمْ
مَاءً غَدَقًا ۝

لِنَفْتِلَهُمْ فِيهِ وَ مَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ

۱. یعنی نہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ ان کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

۲. یعنی جو نبوتِ محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے منکر بے انصاف ہیں۔ قَاطِطٌ، ظالم اور غیر منصف اور مُقْسِطٌ، عادل یعنی غلائی مجرد سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے۔

۳. اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر ہوں گے وہ جہنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اب آگے پھر اللہ کا کلام ہے۔

۴. اَن لَّوِ اسْتَقَامُوا، اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ پر عطف ہے یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ... الطَّرِيقَةُ سے مراد راہِ راست یعنی اسلام ہے۔ غَدَقٌ، کے معنی کثیر۔ وافر پانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے۔ یعنی دنیا کا مال و اسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَى اٰمَنُوا وَاٰتَقُوا لَنَفَعْنَا عَلَيْهِمْ

بَرَكَاتِ ثَمَنِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶) (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ سورہ مائدہ: ۶۶ بعض کہتے ہیں اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفارِ قریش پر قحط سالی مسلط کر دی گئی تھی۔ الطَّرِيقَةُ کے دوسرے معنی گراہی کے راستے کے کیے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدراج کے طور

پر ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿فَلَمَّا كَانُوا مَا دُرُّوا بِهِ فَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الانعام: ۴۴) (پھر جب وہ

لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے) ﴿الْمُؤْمِنُونَ: ۵۵، ۵۶﴾ (کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں؟ کہ ہم جو

بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں۔ وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں) امام ابنِ کثیر کے نزدیک لِنَفْتِلَهُمْ کے پیشِ نظریہ دوسرا مفہوم زیادہ قرینِ قیاس ہے جب کہ امام شوکانی کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے۔

يَسْكُنُهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝

وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝

وَإِنَّكَ لَبِاقِعٌ مَعَهُ يَوْمَ يُدْعَوْنَ كَافِرًا لَا يُكَفِّرُونَ عَلَيْهِ لَبَدًا ۝

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝

قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ

اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔^(۱)

۱۸. اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔^(۲)

۱۹. اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔^(۳)

۲۰. آپ کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔^(۴)

۲۱. کہہ دیجیے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں۔^(۵)

۲۲. کہہ دیجیے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا۔^(۶)

۱. صَعَدًا، اُپنی: عَذَابًا شَاقًّا شَدِيدًا مُوجِعًا مُؤَلِمًا (ابن کثیر) نہایت سخت، المناک عذاب۔

۲. مسجد کے معنی مسجد گاہ کے ہیں۔ مسجد بھی ایک رکن نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کی عبادت، کسی اور سے دعا و مناجات، کسی اور سے استغاثہ و استمداد جائز نہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی ممنوع ہیں اور کہیں بھی غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اگر یہاں بھی غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیا گیا تو یہ نہایت ہی قبیح اور ظالمانہ حرکت ہوگی۔ لیکن بد قسمتی سے بعض نادان مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ بلکہ مسجدوں میں ایسے کتبے آویزاں کیے ہوئے ہیں، جن میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاقِيًا۔

۳. عَبْدُ اللَّهِ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں۔ اس کے اور بھی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

۴. یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور مل گئے ہیں تو آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

۵. یعنی مجھے تمہاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع و نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی و رسالت کے لیے چن لیا ہے۔

۶. اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور وہ مجھے اس پر عذاب دینا چاہے۔

مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝

إِلَّا بَلَعًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَةً وَمَنْ يَعْصِ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ ثَوْرَةً خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا ۝

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَيَسْئَلُونَ مَنْ
أَصْعَفُ نَاصِرًا أَوْ أَكْلًا عَدُوًّا ۝

قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ مِمَّا تُوعَدُونَ
أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۝

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ

اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پانہیں سکتا۔
۲۳۔ البتہ (میرا کام) اللہ کی بات اور اس کے پیغامات
(لوگوں کو) پہنچا دینا ہے،^(۱) (اب) جو بھی اللہ اور اس
کے رسول کی نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے
جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

۲۴۔ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں
جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے^(۲) پس عنقریب جان لیں
گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔^(۳)

۲۵۔ کہہ دیجیے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے
کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے دور کی
مدت مقرر کرے گا۔^(۴)

۲۶۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو
مطلع نہیں کرتا۔

۲۷۔ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے^(۵)

۱۔ یہ لَا أُمْلِكُ لَكُمْ سے مستثنیٰ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ لَنْ يُجِيرَنِي سے مستثنیٰ ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ تبلیغ رسالت کا وہ فریضہ بجلاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے۔ رِسَالَاتِهِ کا عطف اللہ پر ہے، یا بَلَاغًا پر۔ یا پھر عبارت اس طرح ہے۔ إِلَّا أَنْ أُبْلَغَ عَنِ اللَّهِ وَأَعْمَلَ بِرِسَالَتِهِ۔ (فتح القدیر)

۲۔ یا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

۳۔ یعنی اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا؟ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پجاریوں کی؟ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہوگا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہی ہوگی۔

۴۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم، یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور؟

۵۔ یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔^(۱)

۲۸. تاکہ علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے^(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس (کی تمام چیزوں) کا احاطہ کر رکھا ہے^(۳) اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔^(۴)

يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝

لِيَعْلَمَ اَنْ دَانَ اَبْلَقُوْا رُسُلَاتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

کیونکہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے، جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

۱. یعنی نزول وحی کے وقت، پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں۔ جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے۔
۲. لِيَعْلَمَ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا نگران فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع اللہ کو بنایا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضہ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کر سکیں۔ نیز وہ اس وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیے ہیں یا فرشتوں نے پیغمبروں تک وحی پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ پہلے ہی سے ہر چیز کا علم ہے لیکن ایسے موقعوں پر اللہ کے جاننے کا مطلب اس کے تحقق کا عام مشاہدہ ہے، جیسے ﴿لَعَلَّكُمْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (البقرة: ۱۳۳) (ہم جان لیں کہ رسول ﷺ کا سچا تابعدار کون ہے؟) اور ﴿وَلَعَلَّكُمْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (البقرة: ۱۳۳) (اور جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں بھی ظاہر کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا) وغیرہ آیات میں ہے۔ (ابن کثیر)

۳. فرشتوں کے پاس کی یا پیغمبروں کے پاس کی۔

۴. کیوں کہ وہی عالم الغیب ہے، جو ہو چکا اور جو آئندہ ہو گا، سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔ یعنی اس کے علم میں ہے۔

سُورَةُ الْمُزْمَلِ

سورہ مزمل مکی ہے اور اس میں بیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝

قُمِ الْإِيلَ الْإِلَاقِيْلَ ۝

تَصْمَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝

أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝

إِنَّا سَمِعْنَا عَلَيَّكَ قَوْلًا فَنَفَيْنَا ۝

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ ۝

قِيلًا ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ اے کپڑے میں لپٹنے والے! (۱)

۲۔ رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم۔

۳۔ آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے۔

۴۔ یا اس پر بڑھادے (۲) اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف)
پڑھا کر۔ (۳)

۵۔ یقیناً عنقریب ہم تجھ پر بہت بھاری بات نازل
کریں گے۔ (۴)

۶۔ بیشک رات کا اٹھنا دلجمعی کے لیے انتہائی مناسب
ہے۔ (۵) اور بات کو بہت درست کر دینے والا ہے۔ (۶)

۱۔ جس وقت ان آیات کا نزول ہوا، نبی ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے خطاب فرمایا، مطلب ہے کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بنا پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی۔ (ابن کثیر)

۲۔ یہ قَلِيلًا سے بدل ہے، یعنی یہ قیام نصف رات سے کچھ کم (ثلث) یا کچھ زیادہ (دو ثلث) ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔
۳۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کی قراءت ترتیل کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی ترتیل کے ساتھ، یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

۴۔ رات کا قیام چوں کہ نفس انسانی کے لیے بالعموم گراں ہے، اس لیے یہ جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا ہم اس سے بھی بھاری بات تجھ پر نازل کریں گے، یعنی قرآن، جس کے احکام و فرائض پر عمل، اس کے حدود کی پابندی اور اس کی تبلیغ و دعوت، ایک بھاری اور جاں گسل عمل ہے۔ بعض نے ثقات (بھاری پن) سے وہ بوجھ مراد لیا ہے جو وحی کے وقت نبی ﷺ پر پڑتا تھا جس سے سخت سردی میں بھی آپ پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ (ابن کثیر)

۵۔ اس کا دوسرا مفہوم ہے کہ رات کی تنہائیوں میں کان معانی قرآن کے فہم میں دل کے ساتھ زیادہ موافقت کرتے ہیں جو ایک نمازی تہجد میں پڑھتا ہے۔

۶۔ دوسرا مفہوم ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کو قرآن زیادہ واضح اور حضور قلب کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اس

إِنَّ لَكَ فِي اللَّهِ رَسَبًا طَوِيلًا ۝

وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

رَبُّ الشَّرْقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ

وَكِيلًا ۝

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

جَمِيلًا ۝

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ

قَلِيلًا ۝

إِنَّ لَدَيْنَا أَكْثَالَ وَجَحِيمًا ۝

وَقَطَاعًا ذَا عَصَةِ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝

يَوْمَ تَرْجَفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ

۷. یقیناً تجھے دن میں بہت مصروفیت رہتی ہے۔^(۱)

۸. اور تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق

سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔^(۲)

۹. مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں

تو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔

۱۰. اور جو کچھ وہ کہیں تو سہتا رہ اور وضعداری کے ساتھ

ان سے الگ تھلگ رہ۔

۱۱. اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو

چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے۔

۱۲. یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے۔

۱۳. اور حلق میں اتکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا

عذاب ہے۔^(۳)

۱۴. جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں گے اور پہاڑ

لیے کہ اس وقت دوسری آوازیں خاموش ہوتی ہیں۔ فضا میں سکون غالب ہوتا ہے اس وقت نمازی جو پڑھتا ہے وہ آوازوں کے شور اور دنیا کے ہنگاموں کی نذر نہیں ہوتا بلکہ نمازی اس سے خوب محفوظ ہوتا اور اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتا ہے۔

۱. سَبَّحَ کے معنی ہیں الْجَزْئِي وَالْدَّوْرَانُ (چلنا اور گھومنا پھرنا) یعنی دن کے وقت دنیاوی مصروفیتوں کا جہوم رہتا ہے۔ یہ پہلی بات ہی کی تائید ہے۔ یعنی رات کو نماز اور تلاوت زیادہ مفید اور موثر ہے۔ یعنی اس پر مداومت کر، دن ہو یا رات، اللہ کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کرتا رہ۔

۲. تَبَتَّلَ کے معنی انْقِطَاعُ اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لیے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ رہبانیت سے مختلف چیز ہے۔ رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا ہے۔ جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور تَبَتَّلَ کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع، خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود و مطلوب ہے۔

۳. اَنْكَالَ، نَكْلُ کی جمع ہے، قیود (بیڑیاں) اور بعض نے اَغْلَالَ کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی طوق۔ جَحِيمًا، بھڑکتی آگ۔ ذَا عَصَةٍ حلق میں انک جانے والا، نہ حلق سے نیچے اترے اور نہ باہر نکلے۔ یہ زَقُومٌ یا صَبْرِئِعَ کا کھانا ہوگا۔ صَبْرِئِعَ ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جو سخت بدبودار اور زہریلی ہوتی ہے۔

كَيْبًا مَّهِيلاً ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا سَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝

بھر بھری ریت کے ٹیلوں کے مانند ہو جائیں گے۔^(۱)

۱۵. بیشک ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا^(۲) رسول بھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔

۱۶. تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت (وبال کی) پکڑ میں پکڑ لیا۔^(۳)

۱۷. تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔^(۴)

۱۸. جس دن آسمان پھٹ جائے گا^(۵) اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے۔^(۶)

۱۹. بیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے۔

۲۰. یقیناً آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝

كَفَيْتَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝

إِلَّا السَّمَاءَ مَنقُطِرًا ۖ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝

إِنَّ هَٰذَا تَذَكُّرٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِّ

۱. یعنی یہ عذاب اس دن ہوگا، جس دن زمین اور پہاڑ بھونچال سے تہ وبالا ہو جائیں گے اور بڑے بڑے پُر ہیبت پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بے حیثیت ہو جائیں گے۔ کَیْبًا ریت کا ٹیلہ، مَہِیْلًا بھر بھری، پیروں کے نیچے سے نکل جانے والی ریت۔
۲. جو قیامت کے دن تمہارے اعمال کی گواہی دے گا۔

۳. اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمہارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہوا۔
۴. شِيبًا، أَشِيبُ کی جمع ہے، قیامت کے دن، قیامت کی ہولناکی سے فی الواقع بچے بوڑھے ہو جائیں گے یا تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ آدم علیہ السلام کو کہے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کے لیے نکال لے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، یا اللہ کس طرح؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے ۹۹۹۔ اس وقت حمل والی عورتوں کا حمل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت شاق گزری اور ان کے چہرے فق ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قوم یا جوج ماجوج میں ۹۹۹ ہوں گے اور تم سے ایک... اللہ کی رحمت سے مجھے امید ہے کہ تمام جنتیوں میں سے آدھا تم ہم لوگ ہونگے۔ الحدیث (صحیح البخاری تفسیر سورة الحج)

۵. یہ یوم کی دوسری صفت ہے۔ اس دن ہولناکی سے آسمان پھٹ جائے گا۔

۶. یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بعث بعد الموت، حساب و کتاب اور جنت و دوزخ کا وعدہ کیا ہوا ہے، یہ یقیناً لامحالہ ہو کر رہنا ہے۔

کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے^(۱) اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہی ہے،^(۲) وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھاسکو گے^(۳) پس اس نے تم پر مہربانی کی^(۴) لہذا جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو اتنا ہی پڑھو،^(۵) وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے،

الْبَلِیْلِ وَنُصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ۚ وَاللّٰهُ یَقْدِرُ الْاَیْمَلُ وَالنَّهَارَ عَلٰمًا اَنْ لَّنْ تَحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاَقْرَءُوْا مَا تَسْرِعُوْنَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلٰمًا اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مُّرْضٰی وَآخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۚ وَآخَرُوْنَ

۱۔ جب سورت کے آغاز میں نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ، قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی، کبھی دو تہائی سے کم، کبھی نصف رات اور کبھی ثلث (ایک تہائی حصہ) جیسا کہ یہاں ذکر ہے۔ لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا۔ دوسرا وقت کا یہ اندازہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث حصہ قیام کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل تر تھا۔ اس لیے اللہ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرمادیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے فرض کو استحباب میں بدل دیا گیا۔ اب یہ نہ امت کے لیے فرض ہے نہ نبی ﷺ کے لیے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لیے ہے۔ نبی ﷺ کے لیے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔ ۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو رات کی گھڑیاں گن سکتا ہے کہ کتنی گزر گئی ہیں اور کتنی باقی ہیں؟ تمہارے لیے یہ اندازہ ناممکن ہے۔ ۳۔ جب تمہارے لیے رات کے گزرنے کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں، تو تم مقررہ اوقات تک نماز تہجد میں مشغول بھی کس طرح رہ سکتے ہو۔

۴۔ یعنی اللہ نے قیام اللیل کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب صرف اس کا استحباب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی وقت کی پابندی کے بغیر۔ نصف شب، یا ثلث شب یا دو ثلث کی پابندی بھی ضروری نہیں۔ اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کر کے دو رکعت بھی پڑھ لو گے تو عند اللہ قیام اللیل کے اجر کے مستحق قرار پائے گے۔ تاہم اگر کوئی شخص ۸ رکعات تہجد کا اہتمام کرے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا، تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور نبی ﷺ کا تتبع قرار پائے گا۔

۵۔ فَاَقْرَءُوا کا مطلب ہے فَصَلُّوا، اور قرآن سے مراد الصَّلٰوۃ ہے۔ قیام اللیل میں چوں کہ قیام لمبا ہوتا ہے اور قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے نماز تہجد کو ہی قرآن سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے نماز میں سورۃ فاتحہ نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں، جو سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، سورۃ فاتحہ کو نماز سے تعبیر فرمایا ہے، قَسَمْتُ الصَّلٰةَ بُیِّنَیْ وَبَیْنَ عَبْدَیْ. الْحَدِیْث. اس لیے ”جتنا قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لو“ کا مطلب ہے۔ رات کو بختی نماز پڑھ سکتے ہو، پڑھ لو۔ اس کے لیے نہ وقت کی پابندی ہے اور نہ رکعات کی۔ اس آیت سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری نہیں ہے جتنا کسی کے لیے آسان ہو، پڑھ لے، اگر کوئی ایک آیت بھی کہیں سے پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اول تو یہاں قراءت بمعنی نماز ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس لیے آیت کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے؟ دوسرا، اگر اس کا تعلق قراءت سے ہی مان لیا

يُعَابِتُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَقْرَرُوا
مَا يَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّعَلَّكُمْ تَرْجِعُونَ
لَا تُفْسِدُوا مِمَّا خَلَقْتُمْ ذُرِّيَّتَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَعْظَمُ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل
(یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے^(۱) اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ
کی راہ میں جہاد بھی کریں گے،^(۲) سو تم بآسانی جتنا قرآن
پڑھ سکو پڑھو^(۳) اور نماز کی پابندی رکھو^(۴) اور زکوٰۃ دیتے
رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔^(۵) اور جو نیکی تم اپنے
لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور
ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے^(۶) اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے
رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جائے، تب بھی یہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ مَا يَسَّرَ کی تفسیر خود نبی ﷺ نے فرمادی ہے کہ وہ
کس سے کم قراءت، جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی وہ سورۃ فاتحہ ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ ضرور پڑھو جیسا
کہ صحیح اور نہایت قوی اور واضح احادیث میں یہ حکم ہے۔ اس تفسیر نبوی ﷺ کے خلاف یہ کہنا کہ نماز میں سورۃ فاتحہ
ضروری نہیں، بلکہ کوئی سی بھی ایک آیت پڑھ لو، نماز ہو جائے گی۔ بڑی جسارت اور نبی ﷺ کی احادیث سے بے اعتنائی
کا مظاہرہ ہے۔ نیز ائمہ کے اقوال کے بھی خلاف ہے جو انہوں نے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت سے
ترک فاتحہ خلف الامام پر استدلال جائز نہیں، اس لیے کہ دو آیتیں متعارض ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص جبری نماز میں امام کے
پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو بعض احادیث کی رو سے بعض ائمہ نے اسے جائز کہا ہے اور بعض نے نہ پڑھنے ہی کو ترجیح دی
ہے۔ (تفصیل کے لیے فرضیت فاتحہ خلف الامام پر تحریر کردہ کتب ملاحظہ فرمائیں)

۱۔ یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا
پڑے گا۔

۲۔ اسی طرح جہاد میں بھی پر مشقت سفر اور مشقیں کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ تینوں چیزیں۔ بیماری، سفر اور جہاد۔ نوبت بہ
نوبت ہر ایک کو لاحق ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کردی ہے۔ کیوں کہ تینوں حالتوں
میں یہ نہایت مشکل اور بڑا صبر آزما کام ہے۔

۳۔ اسباب تخفیف کے ساتھ تخفیف کا یہ حکم دوبارہ بطور تاکید بیان کر دیا ہے۔

۴۔ یعنی پانچ نمازوں کی جو فرض ہیں۔

۵۔ یعنی اللہ کی راہ میں حسب ضرورت وتوفیق خرچ کرو، اسے قرض حسن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے
بدلے میں سات سو لگانا بلکہ اس سے زیادہ تک اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۶۔ یعنی نقلی نمازیں، صدقات وخیرات اور دیگر نیکیاں جو بھی کرو گے، اللہ کے ہاں ان کا بہترین اجر پاؤ گے۔ اکثر مفسرین کے
نزدیک یہ آیت: ۲۰ دینے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اس کا نصف حصہ مکی اور نصف مدنی ہے۔ (ابن القایم)



سورہ مدثر کی ہے اور اس میں چھپن آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ ۝

۱. اے کپڑا اوڑھنے والے! ^(۱)

ثُمَّ فَاذْكُرْ ۝

۲. کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے۔ ^(۲)

وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ۝

۳. اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر۔

وَيَذِّبْكَ فَطَهِّرْ ۝

۴. اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر۔ ^(۳)

وَالرُّجُزَ فَاهْجُرْ ۝

۵. اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔ ^(۴)

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝

۶. اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ ^(۵)

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

۷. اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔

فَإِذَا نْفَرَ فِي النَّافُورِ ۝

۸. پس جب کہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔

فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝

۹. تو وہ دن بڑا سخت دن ہو گا۔

عَلَى الْكَافِرِينَ عَذَابٌ عَسِيرٌ ۝

۱۰. (جو) کافروں پر آسمان نہ ہو گا۔ ^(۶)

۱. سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ ﴿إِنزِيلَ سُورَتِكَ الَّتِي ذُكِّرَ﴾ ہے اس کے بعد وحی میں وقفہ ہو گیا اور نبی ﷺ سخت مضطرب اور پریشان رہتے۔ ایک روز اچانک پھر وہی فرشتہ جو غار حراء میں پہلی مرتبہ وحی لے کر آیا تھا، آپ نے دیکھا کہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے، جس سے آپ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا اور گھر جا کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا ڈال دیا، اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری و مسلم، سورة المدثر و کتاب الایمان) اس اعتبار سے یہ دوسری وحی اور فترت وحی کے بعد پہلی وحی ہے۔

۲. یعنی اہل مکہ کو ڈرا، اگر وہ ایمان نہ لائیں۔

۳. یعنی قلب و نیت کے ساتھ کپڑے بھی پاک رکھ۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین مکہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔

۴. یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ دے۔ یہ دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے حکم دیا جا رہا ہے۔

۵. یعنی احسان کر کے یہ خواہش نہ کر کہ بدلے میں اس سے زیادہ ملے گا۔

۶. یعنی قیمت کا دن کافروں پر بھاری ہو گا، کیوں کہ اس روز کفر کا نتیجہ انہیں بھگتنا ہو گا، جس کا ارتکاب وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔

۱۱. مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔^(۱) ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝
۱۲. اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے۔ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّسْدُودًا ۝
۱۳. اور حاضر باش فرزند بھی۔^(۲) وَبَيْنَ شُهُودًا ۝
۱۴. اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے۔^(۳) وَمَهْدَتُّ لَهُ نَهْجًا ۝
۱۵. پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔^(۴) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝
۱۶. نہیں نہیں،^(۵) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔^(۶) كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۝
۱۷. غنقریب میں اسے ایک سخت چڑھائی چڑھاؤں گا۔^(۷) سَأَرْهُقُهُ صُعُودًا ۝
۱۸. اس نے غور کر کے تجویز کی۔^(۸) إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝
۱۹. اسے ہلاکت ہو کیسی (تجویز) سوچی؟ فَتَقَدَّرَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝
۲۰. وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔^(۹) ثُمَّ قُنِيَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝

۱. یہ کلمہ وعید و تهدید ہے کہ اسے جسے میں نے ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا، اس کے پاس مال تھا نہ اولاد، اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ یعنی میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کفر و طغیان میں بہت بڑھا ہوا تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲. اسے اللہ نے اولاد ذکر سے نوازا تھا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی رہتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لیے بیٹوں کو تجارت و کاروبار کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ بعض کہتے ہیں، یہ بیٹے سات تھے بعض کے نزدیک ۱۲ اور بعض کے نزدیک ۱۳ تھے ان میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید، (نَحْنُ الْقَدِير) یعنی مال و دولت میں ریاست و سرداری میں اور درازی عمر میں۔

۳. یعنی کفر و معصیت کے باوجود، اس کی خواہش ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔

۴. یعنی میں اسے زیادہ نہیں دوں گا۔

۵. یہ کَلَّا کی علت ہے۔ عَنِيدٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو جانے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کو رد کرے۔

۶. یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا جس کا برداشت کرنا نہایت سخت ہوگا، بعض کہتے ہیں، جہنم میں آگ کا پہاڑ ہوگا جس پر اس کو چڑھایا جائے گا۔ اِذْهَاقُ کے معنی ہیں۔ انسان پر بھاری چیز لا دینا۔ (نَحْنُ الْقَدِير)

۸. یعنی قرآن اور نبی ﷺ کا پیغام سن کر، اس نے اس امر پر غور کیا کہ میں اس کا کیا جواب دوں؟ اور اپنے جی میں اس نے وہ تیار کیا۔

۹. یہ اس کے حق میں بدعنائیہ کلمے ہیں، کہ ہلاک ہو، مارا جائے، کیا بات اس نے سوچی ہے؟

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۱﴾

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲﴾

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۳﴾

فَقَالَ إِنَّ هَذَا الْأَسْحَرُ يُؤْثِرُ ﴿۴﴾

إِنَّ هَذَا إِلَّا تَوَلَّى الْبَشَرَ ﴿۵﴾

سَأَصْلِيهِ سَقَرٌ ﴿۶﴾

وَمَا أَدْرِ لَكُ مَا سَقَرُ ﴿۷﴾

لَا تَبْغِي وَلَا تَدْرِي ﴿۸﴾

لَوْ آحَاطَ الْبَشَرُ ﴿۹﴾

عَلَيْهَا سَعَةً عَشْرُ ﴿۱۰﴾

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ﴿۱۱﴾

وَمَا جَعَلْنَا عَذَابَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ﴿۱۲﴾

لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّ الَّذِينَ

۲۱. اس نے پھر دیکھا۔^(۱)۲۲. پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔^(۲)۲۳. پھر پیچھے ہٹ گیا اور غور کیا۔^(۳)

۲۴. اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا

(۴)

ہے۔

۲۵. سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں۔

۲۶. میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔

۲۷. اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟^(۵)۲۸. نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔^(۶)

۲۹. کھال کو جھلسا دیتی ہے۔

۳۰. اور اس میں انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔^(۷)

۳۱. اور ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے

رکھے ہیں۔ اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی

آزمائش کے لیے مقرر کی ہے^(۸) تاکہ اہل کتاب یقین

۱. یعنی پھر غور کیا کہ قرآن کا رد کس طرح ممکن ہے۔

۲. یعنی جواب سوچتے وقت چہرے کی سلوٹیں بدلیں، اور منہ بسوراء، جیسا کہ عموماً کسی مشکل بات پر غور کرتے وقت آدمی

ایسا ہی کرتا ہے۔

۳. یعنی حق سے اعراض کیا اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

۴. یعنی کسی سے یہ سیکھ آیا اور وہاں سے نقل کر لایا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

۵. دوزخ کے ناموں یا درجات میں سے ایک کا نام سقر بھی ہے۔

۶. ان کے جسموں پر گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی۔ یا مطلب ہے جہنمیوں کو زندہ چھوڑے گی نہ مردہ، لَا يَمُوتُ فِيهَا

وَلَا يَحْيَىٰ۔

۷. یعنی جہنم پر بطور دربان ۱۹ فرشتے مقرر ہیں۔

۸. یہ مشرکین قریش کا رد ہے، جب جہنم کے داروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابو جہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے

ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ، ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلدہ

الْمُؤْأَيِّمَانَا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وَالْمُؤْمِنُونَ وَلَيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا امْتَلًا
كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن
يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ
وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ

كَذَلِكَ الْقَمَرِ

وَاللَّيْلِ إِذَا دُبِرَ

کر لیں،^(۱) اور اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے^(۲)
اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں اور جن کے
دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس بیان سے
اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟^(۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا
ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔^(۴)
تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا،^(۵)
یہ تو کل بنی آدم کے لیے سراسر ہند و نصیحت ہے۔^(۶)

۳۲۔ سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی۔

۳۳۔ اور رات کی جب وہ پیچھے ہے۔^(۷)

نامی شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، کہا، تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، ۷۴ فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی
ہوں۔ کہتے ہیں اسی نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا۔
کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی لیکن وہ شکست کھا کر مسلمان
ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزاء یعنی آزمائش کا سبب بن گئی۔

۱۔ یعنی جان لیں کہ یہ رسول برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو پچھلی کتابوں میں بھی درج ہے۔

۲۔ کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔

۳۔ بیمار دل والوں سے مراد منافقین ہیں یا پھر وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک تھے کیوں کہ مکہ میں منافقین نہیں تھے۔
یعنی یہ پوچھیں گے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں اللہ کی کیا حکمت ہے؟

۴۔ یعنی گزشتہ گمراہی کی طرح جسے چاہتا ہے گمراہ، اور جسے چاہتا ہے راہ یاب کرتا ہے، اس میں جو حکمت بالغہ ہوتی ہے
اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

۵۔ یعنی یہ کفار و مشرکین سمجھتے ہیں کہ جہنم میں ۱۹ فرشتے ہی تو ہیں نا، جن پر قابو پانا کونسا مشکل کام ہے؟ لیکن ان کو
معلوم نہیں کہ رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنہیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں
کہ ۷۰ ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لیے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں
آئے گی۔ (صحیح البخاری و مسلم)۔

۶۔ یعنی یہ جہنم اور اس پر مقرر فرشتے، انسانوں کی ہند و نصیحت کے لیے ہیں کہ شاید وہ نافرمانیوں سے باز آجائیں۔

۷۔ گلاً، یہ اہل مکہ کے خیالات کی نفی ہے یعنی جو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو مغلوب کر لیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔
قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے یعنی جانے لگے۔

وَالضَّبْحُ إِذَا اسْقَرَ ۝

إِنَّمَا لِحَدَى الْكَبِيرِ ۝

نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ۝

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝

إِلَّا أَصْحَابَ الْمِيمَنَةِ ۝

فِي جَدَّتْ شَيْئَاءَ لَوْ ۝

عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۝

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝

وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِينَ ۝

۳۴. اور صبح کی جب کہ روشن ہو جائے۔

۳۵. کہ (یقیناً وہ جہنم) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔^(۱)

۳۶. بنی آدم کو ڈرانے والی۔

۳۷. (یعنی) اسے^(۲) جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے۔^(۳)۳۸. ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔^(۴)۳۹. مگر دائیں ہاتھ والے۔^(۵)

۴۰. کہ وہ بہشتوں میں (بیٹھے ہوئے) سوال کرتے ہوں گے۔

۴۱. گناہ گاروں سے۔^(۶)

۴۲. تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔

۴۳. وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔

۴۴. اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔^(۷)

۱. یہ جواب قسم ہے۔ کُبْرُ، کُبْرٰی کی جمع ہے، تین نہایت اہم چیزوں کی قسموں کے بعد اللہ نے جہنم کی بڑائی اور ہولناکی کو بیان کیا ہے جس سے اس کی بڑائی میں کوئی شک نہیں رہتا۔

۲. یعنی یہ جہنم ڈرانے والی ہے یا اس نذیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یا قرآن ہے کیوں کہ قرآن بھی اپنے بیان کردہ وعدہ و وعید کے اعتبار سے انسانوں کے لیے نذیر ہے۔

۳. یعنی ایمان و اطاعت میں آگے بڑھنا چاہے یا اس سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ مطلب ہے کہ انذار ہر ایک کے لیے ہے جو ایمان لائے یا کفر کرے۔

۴. رہن گروی رکھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے، وہ عمل اسے عذاب سے چھڑالے گا، (اگر نیک ہوگا)۔ یا اسے ہلاک کروا دے گا، (اگر برا ہوگا)۔

۵. یعنی وہ اپنے گناہوں کے اسیر نہیں ہوں گے، بلکہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

۶. فِيْ جَنّٰتٍ، أَصْحَابُ الْيَمِيْنِ سے حال ہے۔ اہل جنت بالاخانوں میں بیٹھے، جہنیوں سے سوال کریں گے۔

۷. نماز حقوق اللہ میں سے اور مساکین کو کھانا حقوق العباد میں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کے حقوق ادا کیے نہ بندوں کے۔

۴۵. اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر بحث و مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔^(۱)

۴۶. اور روز جزاء کو جھٹلاتے تھے۔

۴۷. یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔^(۲)

۴۸. پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔^(۳)

۴۹. انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

۵۰. گویا کہ وہ بد کے ہوئے گدھے ہیں۔

۵۱. جو شیر سے بھاگے ہوں۔^(۴)

۵۲. بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔^(۵)

۵۳. ہرگز ایسا نہیں (ہو سکتا بلکہ) وہ قیامت سے بے خوف ہیں۔^(۶)

وَكُنَّا نَحُضُّ مَعَ الْخَاطِبِينَ ﴿١﴾

وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ الدِّينِ ﴿٢﴾

حَتَّىٰ آتَيْنَا الْبَقِيَّةَ ﴿٣﴾

فَمَا نَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤﴾

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنَفَرَةٌ ﴿٦﴾

فَوَرَّتْ مِنْ مَمْرُورَةٍ ﴿٧﴾

بَلْ يَرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنشُورَةً ﴿٨﴾

كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٩﴾

۱. یعنی کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

۲. یقین کے معنی موت کے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَلَعَبْدٌ رَّبِّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے)۔ (الحجر: ۹۹)

۳. یعنی جو صفات مذکورہ کا حامل ہوگا، اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے محل شفاعت ہی نہیں ہوگا، شفاعت تو صرف ان کے لیے مفید ہوگی جو ایمان کی وجہ سے شفاعت کے قابل ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت بھی انہی کے لیے ملے گی نہ کہ ہر ایک کے لیے۔

۴. یعنی یہ حق سے نفرت اور اعراض کرنے میں ایسے ہیں جیسے وحشی، خوف زدہ گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں جب وہ ان کا شکار کرنا چاہے۔ قَسْوَرَةٌ بمعنی شیر بعض نے تیر انداز معنی بھی کیے ہیں۔

۵. یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے ایک ایک کتاب مفتوح نازل ہو جس میں لکھا ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بغیر عمل کے یہ عذاب سے براءت چاہتے ہیں، یعنی ہر ایک کو پروانہ نجات مل جائے۔ (ان کی کثیر)

۶. یعنی ان کے فساد کی وجہ ان کا آخرت پر عدم ایمان اور اس کی تکذیب ہے جس نے انہیں بے خوف کر دیا ہے۔

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرٌ ۝۳۶

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ۝۳۷

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ
التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝۳۸

۵۴. سچی بات تو یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک نصیحت
ہے۔^(۱)

۵۵. اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

۵۶. اور وہ اس وقت نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ
تعالیٰ چاہے،^(۲) وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس
لائق بھی کہ وہ بخشنے۔^(۳)

۱. لیکن اس کے لیے جو اس قرآن کے مواعظ و نصائح سے عبرت حاصل کرنا چاہے۔

۲. یعنی اس قرآن سے ہدایت اور نصیحت اسے ہی حاصل ہوگی جسے اللہ چاہے گا۔ ﴿وَمَا يَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ
الْعَالَمِينَ﴾ (التکویر: ۲۹) (اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے)۔

۳. یعنی وہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔ اس لیے وہی اس
بات کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے تاکہ انسان اس کی مغفرت و رحمت کا
سزاوار قرار پائے۔

سورۂ قیامت مکی ہے اور اس میں چالیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَمَةِ

وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ الْکَوْنِ

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ جَمْعَ عَظَمٰهٖ

بَلْ قَدَرِیْنِ عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ بَنَانَهُ

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لَیْفُجِّرَ اَمَامَهُ

یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمِ الْقِیَمَةِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔^(۱)

۲. اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو۔^(۲)

۳. کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع ہی
نہیں کریں گے۔^(۳)

۴. ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور
تک درست کر دیں۔^(۴)

۵. بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا
جائے۔^(۵)

۶. پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔^(۶)

۱. لَا اُقْسِمُ میں لَا زائدہ ہے جو عربی زبان کا ایک اسلوب ہے، جیسے ﴿مَامَنْعَكَ الْاَكْتِفَادُ﴾ (الأعراف: ۱۲) اور ﴿لَا تَلَايَعُوْكُمْ اَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ (الحديد: ۲۹) اور دیگر بہت سے مقامات میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم سے پہلے کفار کے کلام کا رد ہے، وہ کہتے تھے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لَا کے ذریعے سے کہا گیا، جس طرح تم کہتے ہو، معاملہ اس طرح نہیں ہے میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، قیامت کے دن کی قسم کھانے سے مقصد اس کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔

۲. یعنی بھلائی پر بھی کرتا ہے کہ زیادہ کیوں نہیں کی۔ اور برائیوں پر بھی، کہ اس سے باز کیوں نہیں آتا؟ دنیا میں بھی جن کے ضمیر بیدار ہوتے ہیں، ان کے نفس انہیں ملامت کرتے ہیں، تاہم آخرت میں توبہ کے ہی نفس ملامت کریں گے۔

۳. یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد یہاں کافر اور طہ انسان ہے جو قیامت کو نہیں مانتا۔ اس کا گمان غلط ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً انسانوں کے اجزاء کو جمع فرمائے گا۔ یہاں ہڈیوں کا بطور خاص ذکر ہے، اس لیے کہ ہڈیاں ہی پیدائش کا اصل ڈھانچہ اور قالب ہیں۔

۴. بَنَانٌ، ہاتھوں اور پیروں کے ان اطراف (کناروں) کو کہتے ہیں جو جوڑوں، ناخن، لطیف رگوں اور باریک ہڈیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب یہ باریک اور لطیف چیزیں ہم بالکل صحیح صحیح جوڑ دیں گے تو بڑے بڑے حصوں کو جوڑ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہوگا؟

۵. یعنی اس امید پر نافرمانی اور حق کا انکار کرتا ہے کہ کونسی قیامت آتی ہے۔

۶. یہ سوال اس لیے نہیں کرتا کہ گناہوں سے تائب ہو جائے، بلکہ قیامت کو ناممکن الوقوع سمجھتے ہوئے پوچھتا ہے اسی

فَاِذَا سِرَّقَ الْبَصَرُ ﴿۱﴾

وَحَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۲﴾

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۳﴾

يَقُولُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفْعُ ﴿۴﴾

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۵﴾

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۶﴾

يُنَبِّئُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۷﴾

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيْرَةٌ ﴿۸﴾

وَلَوْ اَلْقَىٰ مَعَاذِيْرَهُ ﴿۹﴾

۷. پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے گی۔^(۱)

۸. اور چاند بے نور ہو جائے گا۔^(۲)

۹. اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے۔^(۳)

۱۰. اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟^(۴)

۱۱. نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں۔^(۵)

۱۲. آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے۔^(۶)

۱۳. آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے سے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا۔^(۷)

۱۴. بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ حجت ہے۔^(۸)

۱۵. اگرچہ کتنے ہی بہانے پیش کرے۔^(۹)

لیے فسق و فجور سے باز نہیں آتا۔ تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے آنے کا وقت بیان فرما رہا ہے۔

۱. دہشت اور حیرانی سے برق، تَحْيَرٌ وَاَنْدَهَاسٌ جیسے موت کے وقت عام طور پر ہوتا ہے۔

۲. جب چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس وقت بھی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خسف قمر، جو علامات قیامت میں سے ہے، جب ہوگا تو اس کے بعد اس میں روشنی نہیں آئے گی۔

۳. یعنی بے نوری میں۔ مطلب ہے کہ چاند کی طرح سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی۔

۴. یعنی جب یہ واقعات ظہور پذیر ہوں گے تو پھر اللہ سے یا جہنم کے عذاب سے راہ فرار ڈھونڈے گا، لیکن اس وقت راہ فرار کہاں ہوگی؟

۵. وَزَرَ پہاڑ یا قلعے کو کہتے ہیں جہاں انسان پناہ حاصل کر لے۔ وہاں ایسی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔

۶. جہاں وہ بندوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی اللہ کی اس عدالت سے چھپ جائے۔

۷. یعنی اس کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کیا جائے گا، قدیم ہو یا جدید، اول ہو یا آخر، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾ (الکہف: ۴۹) (اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے)۔

۸. یعنی اس کے اپنے ہاتھ، پاؤں، زبان اور دیگر اعضاء گواہی دیں گے، یا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے عیوب خود جانتا ہے۔

۹. یعنی لڑے جھگڑے، ایک سے ایک تاویل کرے، لیکن ایسا کرنا نہ اس کے لیے مفید ہے اور نہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔

۱۶. (اے نبی! ﷺ) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔^(۱)

۱۷. بیشک اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔^(۲)

۱۸. ہم جب اسے پڑھ لیں^(۳) تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔^(۴)

۱۹. پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔^(۵)

۲۰. نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی (دنیا) کی محبت رکھتے ہو۔

۲۱. اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔^(۶)

۲۲. اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔

۲۳. اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔^(۷)

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُحْجِلَ بِهِ ۝

إِنَّ عَلَيْكَ جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝

فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاسْمِعْ قُرْآنَهُ ۝

ثُمَّ انْ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝

كَذَلِكَ يُخَوِّنُ الْعَاجِلَةَ ۝

وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝

وَوَجْهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرٌ ۝

إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِقٌ ۝

۱. حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ غلت سے پڑھتے جاتے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اللہ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورة القيامة) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ ﴿وَلَا تُعْجِلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ﴾ (طہ: ۱۱۳) (اور تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے)۔ چنانچہ اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے۔

۲. یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمہ داری ہے، تاکہ اس کا کوئی حصہ آپ کی یادداشت سے نہ نکلے اور آپ کے ذہن سے محو نہ ہو۔

۳. یعنی فرشتے (جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعے سے جب ہم اس کی قراءت آپ پر پوری کر لیں۔

۴. یعنی اس کے شرائع و احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کا اتباع بھی کریں۔

۵. یعنی اس کے مشکل مقامات کی تشریح اور حلال و حرام کی توضیح، یہ بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن کے جملات کی جو تفصیل، مبہات کی توضیح اور اس کے عموماًت کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے، جسے حدیث کہا جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الہام اور سمجھائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے انہیں بھی قرآن کی طرح ماننا ضروری ہے۔

۶. یعنی یوم قیامت کی تکذیب، مَا أَنزَلَ اللَّهُ کی مخالفت اور حق سے اعراض، اس لیے ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت تمہیں بالکل فراموش ہے۔

۷. یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جو اپنے حسن انجام کی وجہ سے مطمئن، مسرور اور منور ہوں گے۔ مزید دیدار الہی سے بھی حظ اندوز ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

۲۴. اور کتنے چہرے اس دن (بدرواقع اور) اداس ہوں گے۔^(۱)

۲۵. سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا۔^(۲)

۲۶. نہیں نہیں^(۳) جب روح ہنسی تک پہنچے گی۔^(۴)

۲۷. اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟^(۵)

۲۸. اور اس نے جان لیا کہ یہ وقت جدائی ہے۔^(۶)

۲۹. اور پنڈلی سے پنڈلی لیٹ جائے گی۔^(۷)

۳۰. آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔

۳۱. اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی۔^(۸)

۳۲. بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی۔^(۹)

۳۳. پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا۔^(۱۰)

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝

تَقُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝

وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ۝

وَوُكِّنَ أَنَّهَا الْمُرَاقَى ۝

وَالْتَعَبَتِ السَّائِي بِالسَّائِي ۝

إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسَائِي ۝

فَلَا صَدَقَ وَلَا وُصِّلَ ۝

وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى آهِلِهِ يَتَمَطَّى ۝

۱. یہ کافروں کے چہرے ہوں گے بَاسِرَةٌ متغیر، زرد، غم و حزن سے سیاہ اور بے رونق۔

۲. اور وہ یہی کہ جہنم میں ان کو پھینک دیا جائے گا۔

۳. یعنی یہ ممکن نہیں کہ کافر قیامت پر ایمان لے آئیں۔

۴. تَرَاقِي، تَرْفُوعٌ، کی جمع ہے۔ یہ گردن کے قریب، سینے اور کندھے کے درمیان ایک ہڈی ہے۔ یعنی جب موت کا آہنی پنجہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

۵. یعنی حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعہ سے تمہیں موت کے پنجے سے چھڑالے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ اس کی روح کون لے کر چڑھے؟ ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب؟ اس صورت میں یہ قول فرشتوں کا ہے۔

۶. یعنی وہ شخص یقین کر لے گا جس کی روح ہنسی تک پہنچ گئی ہے کہ اب، مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جدائی کا مرحلہ آگیا ہے۔
۷. اس سے یا تو موت کے وقت پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا مراد ہے، یا پے درپے تکلیفیں۔ جمہور مفسرین نے دوسرے معنی کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

۸. یعنی اس انسان نے رسول اور قرآن کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی یعنی اللہ کی عبادت نہیں کی۔

۹. یعنی رسول کو جھٹلایا اور ایمان و اطاعت سے روگردانی کی۔

۱۰. يَتَمَطَّى، اتراتا اور اُکڑتا ہوا۔

أَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۝

نُفَرِ أَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۝

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝

أَلَمْ يَكُنْ نَظْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝

نُفَرِ كَانَ عِلْقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝

أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ

الْمَوْتَىٰ ۝

۳۴. افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر۔

۳۵. وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لیے۔^(۱)

۳۶. کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔^(۲)

۳۷. کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟

۳۸. پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور

درست بنا دیا۔^(۳)

۳۹. پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔

۴۰. کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مردے

کو زندہ کر دے۔^(۴)

۱. یہ کلمہ وعید ہے اس کی اصل ہے أَوْلَاكَ اللَّهُ مَا تَكْزُهُهُ اللَّهُ تَجِبْ اِیْسَىٰ چیز سے دوچار کرے جسے تو ناپسند کرے۔

۲. یعنی اس کو کسی چیز کا حکم دیا جائے گا، نہ کسی چیز سے منع کیا جائے گا، نہ اس کا محاسبہ ہو گا نہ معاقبہ۔ یا اس کو قبر میں

ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، وہاں سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

۳. فَسَوَّىٰ، یعنی اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس کی تکمیل کی اور اس میں روح پھونکی۔

۴. یعنی جو اللہ انسان کو اس طرح مختلف اطوار سے گزار کر پیدا فرماتا ہے کیا مرنے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کرنے پر

قادر نہیں ہے؟

سورہ دہر مدنی ہے اور اس میں اکتیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں^(۱) جب
کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ
شَيْئًا ذُّكُورًا

۲. بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے
لیے پیدا کیا^(۲) اور اس کو سنتا دکھتا بنایا۔^(۳)

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ مَّبْنُوتٍ
لَّحْمُهُ سَبِيغٌ مِّثْلُ بَرْدٍ

۳. بیشک ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار
بنے خواہ ناشکرا۔^(۴)

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا
كُفُورًا

☆ اس کے مدنی اور کی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور اسے مدنی قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری دس آیات
کی ہیں، باقی سب مدنی۔ (فتح القدیر) نبی ﷺ جمع کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدة اور سورہ دہر پڑھا کرتے
تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ما یقرأ فی یوم الجمعة) اس سورت کو سورۃ الانسان بھی کہا جاتا ہے۔

۱. ہَلْ یعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ الْإِنْسَانُ سے مراد، بعض کے نزدیک ابو البشر یعنی انسان اول حضرت
آدم علیہ السلام ہیں اور حِينٌ (ایک وقت) سے مراد، روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے، جو چالیس سال ہے۔ اور اکثر
مفسرین کے نزدیک انسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور حِينٌ سے مراد حمل یعنی رحم مادر کی مدت ہے۔ جس
میں وہ قابل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب
باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکڑتا اور اترتا ہے، اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم
نیست میں تھا، تو مجھے کون جانتا تھا؟

۲. ملے جلے کا مطلب، مرد اور عورت دونوں کے پانی کا ملنا اور پھر ان کا مختلف اطوار سے گزرتا ہے۔ پیدا کرنے کا مقصد،
انسان کی آزمائش ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک: ۲) (تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے)۔
۳. یعنی اسے سماعت اور بصارت کی قوتیں عطا کیں، تاکہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکے اور اس کے بعد اطاعت یا معصیت
دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔

۴. یعنی مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ ہم نے خود بھی انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور دایمان حق کے ذریعے سے صحیح
راستے کو بیان اور واضح کر دیا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے
یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکرا بن جائے۔ جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا، «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو
فَبَائِعَ نَفْسِهِ فَمُعَيْتُهَا أَوْ مُؤَبِّقُهَا» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء) (ہر شخص اپنے نفس کی خرید و فروخت

۴. یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۱)

۵. بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہے۔^(۲)

۶. جو ایک چشمہ ہے۔^(۳) جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لے جائیں گے^(۴) (جدھر چاہیں)۔

۷. جو نذر پوری کرتے ہیں^(۵) اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔^(۶)

۸. اور اللہ تعالیٰ کی محبت^(۷) میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین،

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَاقًا وَسَعِيرًا ۝

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝

وَيُطْعَمُونَ الصَّاعِمَ عَلَى حَبِّهِ مَسْكِينًا وَنَبِيًّا ۝

کرتا ہے، پس اسے آزاد کرالیتا ہے یا اسے ہلاک کر دیتا ہے (یعنی اپنے عمل و کسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کرتا ہے، اگر شر کمائے گا تو اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کمائے گا تو نفس کو آزاد کرالے گا۔

۱. یہ اللہ کی دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔

۲. اشتیاء کے مقابلے میں یہ سعاد کا ذکر ہے، کَأْسٍ اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو اور چھلک رہا ہو۔ کافور ٹھنڈی اور ایک مخصوص خوشبو کی حامل ہوتی ہے، اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو مشام جان کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔

۳. یعنی یہ کافور ملی شراب، دوچار صراحیوں یا مشکوں میں نہیں ہوگی، بلکہ اس کا چشمہ ہوگا، یعنی یہ ختم ہونے والی نہیں ہوگی۔

۴. یعنی اس کو جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے، اپنے محلات و منازل میں، اپنی مجلسوں اور بیٹھکوں میں اور باہر میدانوں اور تفریح گاہوں میں۔

۵. یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں، نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے، اور پھر اسے پورا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ بشرطیکہ مصیبت کی نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے ”جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور جس نے مصیبت الہی کی نذر مانی ہے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے“ یعنی اسے پورا نہ کرے۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب النذر فی الطاعة)

۶. یعنی اس دن سے ڈرتے ہوئے محرمات اور معاصی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ برائی پھیل جانے کا مطلب ہے کہ اس روز اللہ کی گرفت سے صرف وہی بچے گا جسے اللہ اپنے دامن غفور و رحمت میں ڈھانک لے گا۔ باقی سب اس کے شر کی پیٹ میں ہوں گے۔

۷. یا طعام کی محبت کے باوجود، وہ اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قیدی اگر غیر مسلم ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، جیسے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ

وَأَسِيرًا ۝

إِنَّمَا نَطْعُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَنُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً
وَلَا شُكُورًا ۝

إِنَّا خَافُ مِنْ رَبِّكَ وَمَا عُبُوسًا قَطِيرًا ۝

قَوْمَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرَةً
وَسُورًا ۝

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝

مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرْكَانِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا
شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا ۝

یتیم اور قیدیوں کو۔

۹. ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے
کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری۔۱۰. بیشک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے
ہیں جو اداسی اور سختی والا ہوگا۔^(۱)۱۱. پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا^(۲)
اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی۔^(۳)۱۲. اور انہیں ان کے صبر^(۴) کے بدلے جنت اور ریشمی
لباس عطا فرمائے۔۱۳. یہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ نہ
وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ جاڑے کی سختی۔^(۵)۱۴. اور ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے^(۶)

ان کی تکریم کرو۔ چنانچہ صحابہ پہلے ان کو کھانا کھلاتے، خود بعد میں کھاتے۔ (ابن کثیر) اسی طرح غلام اور نوکر چاکر بھی
اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی کہ ”نماز اور
اپنے غلاموں کا خیال رکھنا“۔ (ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب هل أوصی رسول الله صلى الله عليه وسلم)

۱. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قَمَطَرٍ کے معنی طویل کے کیے ہیں، عَبُوسٌ، سخت۔ یعنی وہ دن نہایت سخت
ہوگا اور سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے کافروں پر بڑا لمبا ہوگا۔ (ابن کثیر)

۲. جیسا کہ وہ اس کے شر سے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔

۳. تازگی چروں پر ہوگی اور خوشی دلوں میں۔ جب انسان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بھی مسرت سے
گنار ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ”جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح روشن
ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة تبوك، مسلم، کتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك رضى الله عنه)

۴. صبر کا مطلب ہے دین کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ کی اطاعت میں نفس کی
خواہشات اور لذات کو قربان کرنا اور معصیتوں سے اجتناب کرنا۔

۵. زَمْهَرِيرٌ، سخت جاڑے کو کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی موسم رہے گا، اور وہ ہے موسم بہار، نہ سخت
گرمی اور نہ کڑا کے کی سردی۔

۶. گو وہاں سورج کی حرارت نہیں ہوگی، اس کے باوجود درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے یا یہ مطلب ہے

اور ان کے (میوے اور) گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے۔^(۱)

۱۵. اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا جو شیشے کے ہوں گے۔^(۲)

۱۶. شیشے بھی چاندی کے^(۳) جن کو (ساقی نے) اندازے سے ناپ رکھا ہو گا۔^(۴)

۱۷. اور انہیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی۔^(۵)

۱۸. جنت کی ایک نہر سے جس کا نام سلسبیل ہے۔^(۶)

۱۹. اور ان کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہوں گے وہ کسن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں^(۷) جب تو انہیں دیکھے تو

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِّنْ فَضْلِهِ وَأَكْوَابُ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝

قَوَارِيرًا مِّنْ فَضْلِهِ قَدْ رَوَّهَا نَقْدِيرًا ۝

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَاَسًا كَانَتْ مَزَاجُهُا زَنْجَبِيلًا ۝

عَيْنًا فِيهَا سُلْسُلًا ۝

وَيُطَوَّقُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝

کہ ان کی شانیں ان کے قریب ہوں گی۔

۱. یعنی درختوں کے پھل، گوش بر آواز فرماں بردار کی طرح، انسان کا جب کھانے کو جی چاہے گا تو وہ جھک کر اتنے قریب ہو جائیں گے کہ بیٹھے، لیٹے بھی انہیں توڑ لے۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی خادم انہیں لے کر جنتیوں کے درمیان پھریں گے۔

۳. یعنی یہ برتن اور آب خورے چاندی اور شیشے سے بنے ہوں گے۔ نہایت نفیس اور نازک گویا یہ صنعت ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔

۴. یعنی ان میں شراب ایسے اندازے سے ڈالی گئی ہوگی کہ جس سے وہ سیراب بھی ہو جائیں، تشنگی محسوس نہ کریں۔ اور برتنوں اور جاموں میں بھی زائد نہ بچی رہے۔ مہمان نوازی کے اس طریقے میں بھی مہمانوں کی عزت افزائی ہی کا اہتمام ہے۔

۵. زَنْجَبِيلٌ (سونٹھ، خشک اورک) کو کہتے ہیں۔ یہ گرم ہوتی ہے۔ اس کی آمیزش سے ایک خوشگوار تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عربوں کی یہ مرغوب چیز ہے۔ چنانچہ ان کے قبوہ میں بھی زنجبیل شامل ہوتی ہے۔ مطلب ہے کہ جنت میں ایک وہ شراب ہوگی جو ٹھنڈی ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری شراب گرم، جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔

۶. یعنی اس شراب زنجبیل کی بھی نہر ہوگی جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔

۷. شراب کے اوصاف بیان کرنے کے بعد، ساقیوں کا وصف بیان کیا جا رہا ہے ”ہمیشہ رہیں گے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے جنتیوں کی طرح ان خادموں کو بھی موت نہیں آئے گی۔ دوسرا، یہ کہ ان کا بچپن اور ان کی رعنائی ہمیشہ برقرار رہے گی۔

وہ نہ بوڑھے ہوں گے نہ ان کا حسن و جمال متغیر ہو گا۔

سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں۔^(۱)

۲۰. اور تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا^(۲) سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا۔

۲۱. ان کے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے^(۳) اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا۔^(۴) اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا۔

۲۲. (کہا جائے گا) کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی۔

۲۳. بیشک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے۔^(۵)

۲۴. پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ^(۶) اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان۔^(۷)

وَإِذَا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمَلَكًا كَبِيرًا ۝

عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَاسْتَبْرَقٌ
وَحُلُّوْا لِسَادٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَسَقَمَهُمْ رِيْهُمُ شَرَابًا
طَهُورًا ۝

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ۝

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا يُطِعْ مِنْهُمْ الْإِنشَاءَ الْكَفُورًا ۝

۱. حسن و صفائی اور تازگی و شادابی میں وہ موتیوں کی طرح ہوں گے ”بکھرے ہوئے“ کا مطلب، خدمت کے لیے ہر طرف پھیلے ہوئے اور نہایت تیزی سے مصروف خدمت ہوں گے۔

۲. ثم طرف مکان ہے وَإِذَا رَأَيْتَ نَعِيمًا، اُنْجِي: هُنَاكَ یعنی وہاں جنت میں جہاں کہیں بھی دیکھو گے۔

۳. سُنْدُس، باریک ریشمی لباس اور اِسْتَبْرَق، موٹا ریشم۔

۴. جیسے ایک زمانے میں بادشاہ، سردار اور ممتاز قسم کے لوگ پہنا کرتے تھے۔

۵. یعنی ایک ہی مرتبہ نازل کرنے کے بجائے حسب ضرورت و اقتضاء مختلف اوقات میں نازل کیا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے، یہ تیرا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے، جیسا کہ مشرکین دعویٰ کرتے ہیں۔

۶. یعنی اس کے فیصلے کا انتظار کر۔ وہ تیری مدد میں کچھ تاخیر کر رہا ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے۔ اس لیے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے۔

۷. یعنی اگر یہ تجھے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روکیں تو ان کا کہنا نہ مان، بلکہ تبلیغ و دعوت کا کام جاری رکھ اور اللہ پر بھروسہ رکھ، وہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا، فاجر، جو افعال میں اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور کفور جو دل سے کفر کرنے والا ہو یا کفر میں حد سے بڑھ جانے والا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اس کام سے باز آجا، ہم تجھے تیرے کہنے کے مطابق دولت مہیا کر دیتے ہیں اور عرب کی جس عورت سے تو شادی کرنا چاہے، ہم تیری شادی کرا دیتے ہیں۔ (فتح القدیر)

وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَیُحْشُونَ الْعَاجِلَةَ وَيَكْذِبُونَ

وَرَاءَهُمْ یَوْمًا ثَقِيلًا ۝

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا

بَدَلْنَاهُم مِّثْلَهُمْ بِبَدِيلٍ ۝

إِنَّ هَذِهِ نَذِيرٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ

سَبِيلًا ۝

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

۲۵۔ اور اپنے رب کے نام کا صبح و شام ذکر کیا کر۔^(۱)

۲۶۔ اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور

بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر۔^(۲)

۲۷۔ بیشک یہ لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں^(۳)

اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑ دیتے ہیں۔^(۴)

۲۸۔ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہم نے ہی ان کے جوڑ اور

بندھن مضبوط کیے^(۵) اور ہم جب چاہیں ان کے عوض

ان جیسے اوروں کو بدل لائیں۔^(۶)

۲۹۔ یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی

راہ لے لے۔^(۷)

۳۰۔ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے^(۸)

۱۔ صبح و شام سے مراد ہے، تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کر۔ یا صبح سے مراد فجر کی نماز اور شام سے عصر کی نماز ہے۔

۲۔ رات کو سجدہ کر، سے مراد بعض نے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور تسبیح کا مطلب، جو باتیں اللہ کے لائق نہیں ہیں، ان سے اس کی پاکیزگی بیان کر، بعض کے نزدیک اس سے رات کی نفلی نماز، یعنی تہجد ہے امر مندب و استحباب کے لیے ہے۔

۳۔ یعنی یہ کفار مکہ اور ان جیسے دوسرے لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور ساری توجہ اسی پر ہے۔

۴۔ یعنی قیامت کو، اس کی شدتوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے اسے بھاری دن کہا اور چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کے لیے تیاری نہیں کرتے اور اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

۵۔ یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا، یا ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ذریعے سے ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے، بلفظ دیگر: ان کا منجھا کڑا کیا۔

۶۔ یعنی ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں یا اس سے مطلب قیامت کے دن دوبارہ پیدائش ہے۔

۷۔ یعنی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرے۔

۸۔ یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ہدایت کی راہ پر لگالے، اپنے لیے کسی نفع کو جاری کر لے، ہاں اگر اللہ چاہے تو ایسا ممکن ہے، اس کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ صحیح قصد و نیت پر وہ اجر ضرور عطا فرماتا ہے إِنَّمَّا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ ”اعمال کا دار و مدار، نیتوں پر ہے، ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے۔“

عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

يَدْخُلُ مَنْ يَتَأَنَّى فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ
أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝بیشک اللہ تعالیٰ علم والا با حکمت ہے۔^(۱)۳۱. جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے، اور ظالموں
کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔^(۲)

۱. چوں کہ وہ علیم و حکیم ہے اس لیے اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، بنا بریں ہدایت اور گمراہی کے فیصلے بھی یوں ہی الٹ پ نہیں ہوتے، بلکہ جس کو ہدایت دی جاتی ہے وہ واقعی اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس کے حصے میں گمراہی آتی ہے، وہ حقیقتاً اسی لائق ہوتا ہے۔

۲. وَالظَّالِمِينَ اس لیے منصوب ہے کہ اس سے پہلے يُعَذَّبُ محذوف ہے۔

سورۃ مرسلات مکی ہے اور اس میں پچاس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے درپے بھیجی جاتی ہیں۔^(۱)
۲. پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم۔^(۲)
۳. اور پھر (ابر کو) ابھار کر پر اگندہ کرنے والیوں کی قسم۔^(۳)
۴. پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے۔^(۴)
۵. اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم۔^(۵)
۶. جو (وحی) حجت پوری کرنے یا آگاہ کر دینے کے لیے

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا

فَالْعَصْفِ عَصْفًا

وَالنَّشْرِ نَشْرًا

فَالْفُرْقَاتِ فُرْقًا

فَالْمَلَكُوتِ ذِكْرًا

عَذْرًا أَوْ تَذْرًا

☆ یہ سورت مکی ہے جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ مرسلات کا نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے مار دو، لیکن وہ تیزی سے غائب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم اس کے شر سے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا“۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ المرسلات، مسلم، کتاب قتل الحیات وغیرہا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ مغرب کی نماز میں بھی یہ سورت پڑھی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب القراءة فی المغرب، مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءة فی الصبح)

۱. اس مفہوم کے اعتبار سے عرفاً کے معنی پے درپے ہوں گے۔ بعض نے مُرْسَلَات سے فرشتے یا انبیاء مراد لیے ہیں۔ اس صورت میں عرفاً کے معنی وحی الہی، یا احکام شریعت کے ہوں گے۔ یہ مفعول لہ ہوگا لِأَجْلِ الْعُرْفِ یا مَنْصُوبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ - بِالْعُرْفِ..

۲. یا فرشتے مراد ہیں، جو بعض دفعہ ہواؤں کے عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔

۳. یا ان فرشتوں کی قسم، جو بادلوں کو منتشر کرتے ہیں یا فضاۃ آسمانی میں اپنے پر پھیلاتے ہیں۔ تاہم امام ابن کثیر اور امام طبری نے ان تینوں سے ہوائیں مراد لینے کو راجح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ ۴. یعنی ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لے کر اترتے ہیں۔ یا مراد آیات قرآنیہ ہیں، جن سے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یا رسول مراد ہیں جو وحی الہی کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔

۵. جو اللہ کا کلام پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں یا رسول مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔

ہوتی ہے۔^(۱)

۷. جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والی ہے۔^(۲)

۸. پس جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے۔^(۳)

۹. اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔

۱۰. اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیے جائیں گے۔^(۴)

۱۱. اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا۔^(۵)

۱۲. کس دن کے لیے (ان سب کو) مؤخر کیا گیا ہے؟^(۶)

۱۳. فیصلے کے دن کے لیے۔^(۷)

۱۴. اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟

۱۵. اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔^(۸)

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۝

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝

وَأِذَا السَّمَاءُ كُشِجَتْ ۝

وَأِذَا الْجِبَالُ سُفَّتْ ۝

وَأِذَا الرُّسُلُ أُقِتَتْ ۝

لَا يَوْمَ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝

وَيَوْمَ يُمَدَّنُ لِلْكَافِرِينَ ۝

۱. دونوں مفعول نہ ہیں لِأَجْلِ الْأَعْدَارِ وَالْإِنْدَارِ یعنی فرشتے وحی لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی اللہ کا پیغام ہی لے کر نہیں آیا، یا مقصد ڈرانا ہے ان کو جو انکار یا کفر کرنے والے ہوں گے، یا معنی ہیں مومنوں کے لیے خوشخبری، اور کافروں کے لیے ڈراوا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مُرْسَلَاتٌ، عَاصِفَاتٌ، اور نَاشِرَاتٌ سے مراد ہوائیں، اور فَارِقَاتٌ وَمُلْقِيَاتٌ سے فرشتے ہیں۔ یہی بات رائج ہے۔

۲. قسموں سے مراد، مقسم علیہ کی اہمیت سامعین پر واضح کرنا اور اس کی صداقت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مقسم علیہ (یا جواب قسم) یہ ہے کہ تم سے قیامت کا جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، یعنی اس میں شک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اگلی آیات میں اسے واضح کیا جا رہا ہے۔

۳. طُمَسٌ کے معنی مٹ جانے اور بے نشان ہونے کے ہیں، یعنی جب ستاروں کی روشنی ختم بلکہ ان کا نشان تک مٹ جائے گا۔

۴. یعنی انہیں زمین سے اکھڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔

۵. یعنی فصل و قضاء کے لیے، ان کے بیانات سن کر ان کی قوموں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

۶. یہ استفہام تعظیم اور تعجب کے لیے ہے یعنی کیسے عظیم دن کے لیے، جس کی شدت اور ہولناکی، لوگوں کے لیے سخت تعجب انگیز ہوگی، ان پیغمبروں کو جمع ہونے کا وقت دیا گیا ہے۔

۷. یعنی جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، کوئی جنت میں اور کوئی دوزخ میں جائے گا۔

۸. یعنی ہلاکت ہے، بعض کہتے ہیں، وَيْلٌ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہ آیت اس سورت میں بار بار دہرائی گئی ہے۔

أَلَمْ تُهْلِكِ الْوَالِدَيْنِ ۝

ثُمَّ نَسِيتَهُمُ الْآخِرِينَ ۝

كَذَلِكَ نَفْعِلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝

وَلَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝

إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝

فَقَدَرْنَا مَنَاجِمَ الْقَبْرِ وَنُورَ

وَلَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝

أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا ۝

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَكُمُ

مَاءً فُرَاتًا ۝

وَلَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

۱۶. کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟

۱۷. پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے۔^(۱)

۱۸. ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔^(۲)

۱۹. اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ویل (تباہی) ہے۔

۲۰. کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا۔

۲۱. پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا۔^(۳)

۲۲. ایک مقررہ وقت تک۔^(۴)

۲۳. پھر ہم نے اندازہ کیا^(۵) اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے

والے ہیں۔

۲۴. اس دن تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے۔

۲۵. کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

۲۶. زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی۔^(۶)

۲۷. اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنا دیے^(۷) اور

تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا۔

۲۸. اس دن جھٹلانے والوں کے لیے وائے اور افسوس ہے۔

اس لیے کہ ہر مذہب کا جرم ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہوگا اور اسی حساب سے عذاب کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی، بنا بریں اس ویل کی مختلف قسمیں ہیں جسے مختلف مکذبین کے لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

۱. یعنی کفار مکہ اور ان کے ہم مشرب، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی۔

۲. یعنی سزا دیتے ہیں دنیا میں یا آخرت میں۔

۳. یعنی رحم مادر میں۔

۴. یعنی مدت حمل تک، چھ یا نو مہینے۔

۵. یعنی رحم مادر میں جسمانی ساخت و ترکیب کا صحیح اندازہ کیا کہ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں اور دونوں کانوں کے درمیان اور دیگر اعضاء کا ایک دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔

۶. یعنی زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔

۷. رَوَاسِيَ، رَاسِیَّة کی جمع۔ ثَوَابِت، جسے ہوئے پہاڑ، شَامِخَات، بلند۔

اِنْطَلِقُوا اِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ مُكَدِّبُونَ ﴿٦٩﴾

اِنْطَلِقُوا اِلَى ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿٧٠﴾

لَا ظِلِّيلٌ وَلَا يَعْنِي مِنَ الْكَهَبِ ﴿٧١﴾

اِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٧٢﴾

كَأَنَّهُ جِدْلَتٌ صُفْرٌ ﴿٧٣﴾

وَبِلْ يَوْمَيْنِ لِّلْمُكَدِّبِينَ ﴿٧٤﴾

هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٧٥﴾

وَلَا يُؤَدُّنْ لَهُمْ فَيْعَةً يَتَذَرُونَ ﴿٧٦﴾

۲۹. اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے۔^(۱)

۳۰. چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف۔^(۲)

۳۱. جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔^(۳)

۳۲. یقیناً دوزخ ایسی چنگاریاں پھینکتی ہے جو محل کے مانند ہیں۔^(۴)

۳۳. گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔^(۵)

۳۴. آج ان جھٹلانے والوں کی درگت ہے۔

۳۵. آج (کادن) وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے۔^(۶)

۳۶. اور نہ انہیں معذرت کی اجازت دی جائے گی۔^(۷)

۱. یہ فرشتے جہنمیوں کو کہیں گے۔

۲. جہنم سے جو دھواں آئے گا، وہ بلند ہو کر تین جہتوں میں پھیل جائے گا یعنی جس طرح دیوار یا درخت کا سایہ ہوتا ہے جس میں آدمی راحت اور عافیت محسوس کرتا ہے، یہ دھواں حقیقت میں اس طرح کا سایہ نہیں ہوگا، جس میں جہنمی کچھ سکون حاصل کر لیں۔

۳. یعنی جہنم کی حرارت سے بچنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

۴. اس کا ایک اور ترجمہ ہے: جو لکڑی کے بوٹے یعنی بھاری ٹکڑے کے مثل ہیں۔ (بوٹے بمعنی شہتیر کے ٹکڑے، جسے گیلی بھی کہتے ہیں)

۵. صُفْرٌ، أَصْفَرُ (زرد) کی جمع ہے لیکن عرب میں اس کا استعمال اَسْوَدَ (سیاہ) کے معنی میں بھی ہے۔ اس معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس کی ایک ایک چنگاری اتنی اتنی بڑی ہوگی جیسے محل یا قلعہ۔ پھر ہر چنگاری کے مزید اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں۔

۶. مشر میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی، ایک وقت وہ ہوگا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ پھر جس وقت ان کو جہنم میں لے جایا جا رہا ہوگا، اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر گنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں بولیں گے تو سہی، لیکن ان کے پاس حجت کوئی نہیں ہوگی۔ گویا ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی۔ جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی، وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔

۷. مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہوگا جسے وہ پیش کر کے چھکارا پاسکیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ الْيَوْمُ الْكَلْبُ ۝۱۰

هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمْعُكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ۝۱۱

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۝۱۲

وَيَوْمَ يُنْفَخُ الْيَوْمُ الْكَلْبُ ۝۱۳

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ۝۱۴

وَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۝۱۵

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا لِّمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۶

إِذَا كُنْذَارُكَ نَجَّزَى الْمُحْسِنِينَ ۝۱۷

۳۷۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

۳۸۔ یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے۔^(۱)

۳۹۔ پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو۔^(۲)

۴۰۔ وائے ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

۴۱۔ بیشک پرہیزگار لوگ سایوں میں ہیں^(۳) اور بہتے چشموں میں۔

۴۲۔ اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں۔^(۴)

۴۳۔ (اے جنتیو!) کھاؤ پیو مزے سے اپنے کیے ہوئے اعمال کے بدلے۔^(۵)

۴۴۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزاء دیتے ہیں۔^(۶)

۱۔ یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کر لیا ہے۔

۲۔ یہ سخت و عید اور تہدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو بچ اور نکل کے دکھاؤ۔ لیکن وہاں کس میں یہ طاقت ہوگی؟ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے، جیسے یہ آیت ہے ﴿يَعْتَصِرُ الْجَنِّ وَالْإِنْسُ إِنَّ اسْتِطَعْتُمْ أَنْ تَتَّقُوا مِنْ أَتْقَارِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ فَاتَّقُوا﴾ (الرحمن: ۳۲) (اے گروہ جنت و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو)۔

۳۔ یعنی درختوں اور محلات کے سائے، آگ کے دھوئیں کا سایہ نہیں ہوگا جیسے مشرکین کے لیے ہوگا۔

۴۔ ہر قسم کے پھل، جب بھی خواہش کریں گے، آمو جو ہوں گے۔

۵۔ یہ بطور احسان انہیں کہا جائے گا۔ بِمَا كُنْتُمْ میں بآ سبب کے لیے ہے یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے تمہیں ملی ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ۔ جس کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہوگا۔ اعمال صالحہ ہیں۔ جو لوگ عمل صالح کے بغیر ہی اللہ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار بن جاتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہی ہے، جیسے کوئی زمین میں ہل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصل کا امیدوار بن جائے، یا تخم حنظل بو کر خوش ذائقہ پھلوں کی امید رکھے۔

۶۔ اس میں بھی اسی امر کی ترغیب و تلقین ہے کہ اگر آخرت میں حسن انجام کے طالب ہو تو دنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اپناؤ۔

۴۵. اس دن سچا نہ جانے والوں کے لیے ویل (افسوس) ہے۔^(۱)

۴۶. (اے جھٹلانے والو! تم دنیا میں) تھوڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھالو بیشک تم گناہ گار ہو۔^(۲)

۴۷. اس دن جھٹلانے والوں کے لیے سخت ہلاکت ہے۔

۴۸. اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کرلو تو نہیں کرتے۔^(۳)

۴۹. اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔^(۴)

۵۰. اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟^(۵)

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۵﴾

كُلُوا وَشَبِّهُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿۴۶﴾

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۷﴾

وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمُ الزُّكُوفَ لَا يُكُونُونَ ﴿۴۸﴾

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۹﴾

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۰﴾

۱. کہ اہل تقویٰ کے حصے میں تو جنت کی نعمتیں آئیں اور ان کے حصے میں بڑی بدبختی۔

۲. یہ مکذبین قیامت کو خطاب ہے اور یہ امر، تہدید و وعید کے لیے ہے، یعنی اچھا چند روز خوب عیش کرلو، تم جیسے مجرمین کے لیے شکنجہ عذاب تیار ہے۔

۳. یعنی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو نماز نہیں پڑھتے۔

۴. یعنی ان کے لیے جو اللہ کے اوامر و نواہی کو نہیں مانتے۔

۵. یعنی جب اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس کے بعد اور کونسا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ یہاں بھی حدیث کا اطلاق قرآن پر ہوا ہے، جیسا کہ اور بھی بعض مقامات پر کیا گیا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو سورہ تین کی آخری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ... الْآیَۃ پڑھے تو وہ جواب میں کہے ہلّی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ اور سورہ قیامت کے آخر کے جواب میں ہلّی اور فَبِأَيِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهُ یُؤْمِنُونَ کے جواب میں آمَنَّا بِاللّٰهِ. کہے۔ (ابو داؤد، باب مقدار الركوع والسجود، وضعیف ابی داؤد، ألبانی) بعض علماء کے نزدیک سامع کو بھی جواب دینا چاہیے۔

سُورَةُ النَّبَاِ

سورہ نبا کی ہے اور اس میں چالیس آیتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَمَّ یَسَّأَلُونَ^(۱)

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ^(۲)

الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُونَ^(۳)

كَلَّا سَیَعْلَمُونَ^(۴)

ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُونَ^(۵)

اَلَمْ یَجْعَلِ الْاَرْضَ وَهْدًا^(۶)

وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا^(۷)

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱۔ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں آپس میں پوچھ گچھ
کر رہے ہیں۔^(۱)

۲۔ اس بڑی خبر کے متعلق۔

۳۔ جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔^(۲)

۴۔ یقیناً یہ ابھی جان لیں گے۔

۵۔ پھر بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔^(۳)

۶۔ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟^(۴)

۷۔ اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟)^(۵)

۱۔ جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید، قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ نے پہلے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جو ان کی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ.....

۲۔ یعنی جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے متعلق استفسار ہے۔ اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے کافر اس کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، کوئی اسے جادو، کوئی کہانت، کوئی شعر اور کوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا اور دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ کوئی بالکل انکار کرتا تھا کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافر دونوں ہی تھے، مومنین کا سوال تو اضافۃ یقین اور اضافۃ بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا استہزاء اور تمسخر کے طور پر۔

۳۔ یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی کارگیری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انہیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا، اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

۴۔ یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سارے کام کاج کرتے ہو۔ زمین کو ڈولتا ہوا نہیں رہنے دیا۔

۵۔ اَوْتَادٌ، وَتَدٌ کی جمع ہے میخیں۔ یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے، کیوں کہ حرکت و اضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔

۸. اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝
 ۹. اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا۔^(۱) وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ مَسَاقًا ۝
 ۱۰. اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے۔^(۲) وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝
 ۱۱. اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا۔^(۳) وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝
 ۱۲. اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے۔^(۴) وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝
 ۱۳. اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ (سورج) پیدا کیا۔^(۵) وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝
 ۱۴. اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا۔^(۶) وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝
 ۱۵. تاکہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں۔^(۷) لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝
 ۱۶. اور گھنے باغ (بھی اگائیں)۔^(۸) وَجَدَّتْ آلْفَاكًا ۝
 ۱۷. بیشک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے۔^(۹) إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝
 ۱۸. جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پھر تم فوج در یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ تَنْتَوْنُ أَفْوَاجًا ۝

۱. سُبَات کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان و حیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سولیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمہارے اعمال کاٹ دیتی ہے یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔
۲. یعنی رات کا اندھیرا اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپالیتی ہے، جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپالیتا ہے۔
۳. مطلب ہے کہ دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔
۴. ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے، جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔
۵. اس سے مراد سورج ہے اور جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہے۔
۶. مُعْصِرَات وہ بدلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی برسی نہ ہوں۔ جیسے الْمُرَاةُ الْمُتَعَصِرَةُ، اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو، ثَجَّاجَا کثرت سے بہنے والا پانی۔
۷. حَبّ (دانہ) وہ اناج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، جیسے گندم، چاول، جو، مکئی وغیرہ اور نباتات، سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔
۸. اَلْفَاکَا شایخوں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت یعنی گھنے باغ۔
۹. یعنی اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع ہونے کا مقصد ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔

در فوج چلے آؤ گے۔^(۱)

۱۹. اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے۔^(۲)

۲۰. اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب ہو جائیں گے۔^(۳)

۲۱. بیشک دوزخ گھات میں ہے۔^(۴)

۲۲. سرکشوں کا ٹھکانا وہی ہے۔

۲۳. اس میں وہ مدتوں تک پڑے رہیں گے۔^(۵)

۲۴. نہ کبھی اس میں خشکی کا مزہ چکھیں گے، نہ پانی کا۔

۲۵. سوائے گرم پانی اور (بہت) پیپ کے۔^(۶)

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝

وُسِيرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝

لِلظَّالِمِينَ مَا بَأْسًا ۝

لِيَشِثْنَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝

إِلَّا صَيْمًا وَغَشَاقًا ۝

۱. بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ میدان محشر میں آئے گی۔ یہ دوسرا نفع ہوگا، جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اٹھ کر نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا، جس سے انسان کھیتی کی طرح اگ آئے گا۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری سرے کے۔ اسی سے قیامت کے دن تمام مخلوقات کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ عم)

۲. یعنی فرشتوں کے نزول کے لیے راستہ بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔

۳. سَرَاب، وہ ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے۔ اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے، ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا ﴿يَكُونُ كَالِدُخَانِ مُأْتِدًا﴾ (الحاقة: ۱۴) (۲) وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے ﴿كَالْعِهْنِ الْمُنفُوشِ﴾ (القارعة: ۵) (۳) وہ گرد و غبار ہو جائیں گے۔ ﴿فَكَانَتْ هَبًا مُّصْبًّغًا﴾ (الواقعة: ۶) (۴) ان کو اڑا دیا جائے گا ﴿يَسْفُكُنَّ كَأَنَّهُمْ نُسْجًا﴾ (طہ: ۱۰۵) اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے۔ یعنی لَاشَيْء جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ (فتح القدیر)

۴. گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جہنم کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جہنم اللہ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

۵. أَحْقَاب، حُفْب کی جمع ہے، بمعنی زمانہ۔ مراد ابد اور بیستگی ہے۔ ابد الآباد تک وہ جہنم میں ہی رہیں گے۔ یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔

۶. جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔

جَزَاءً وَفَاكًا ۝

لَا تَهُمُّ كَانُوا لَا يَزُجُونُ حَسَابًا ۝

وَكَذَّبُوا بِالْآيَاتِ الْكِبَارِ ۝

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝

وَوُكُوعَ أَثْرَابٍ ۝

وَكَأْسَادَ هَاقًا ۝

۲۶. (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا۔^(۱)

۲۷. انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی۔^(۲)

۲۸. اور بے باکی سے ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔

۲۹. اور ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔^(۳)

۳۰. اب تم (اپنے کیے کا) مزہ چکھو ہم تمہارا عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے۔^(۴)

۳۱. یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔^(۵)

۳۲. باغات ہیں اور انگور ہیں۔^(۶)

۳۳. اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں۔^(۷)

۳۴. اور چھلکتے ہوئے جام شراب ہیں۔^(۸)

۱. یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔

۲. یہ پہلے جملے کی تعلیل ہے۔ یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدہ بعث بعد الموت کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی امید رکھتے۔

۳. یعنی لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ (یس: ۱۲) (اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے)۔

۴. عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائمی ہے۔ جب ان کے چڑے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیے جائیں گے۔ (النساء: ۵۶) جب آگ بجھنے لگے گی، تو پھر بھڑکادی جائے گی۔ (بنی اسرائیل: ۹۷)

۵. اہل شقاوت کے تذکرے کے بعد، یہ اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انہیں تقویٰ کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقویٰ، ایمان و اطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ۔

۶. یہ مَفَازًا سے بدل ہے۔

۷. وَوُكُوعَ كَاعِبَةٍ کی جمع ہے، یہ كَعْبٌ (ٹخنہ) سے ہے، جس طرح ٹخنہ ابھرا ہوا ہوتا ہے، ان کی چھاتیوں میں بھی ایسا ہی ابھار ہوگا، جو ان کے حسن و جمال کا ایک مظہر ہے۔ أَثْرَابٌ ہم عمر۔

۸. دِهَاقًا، بھرے ہوئے، یا لگاتار، ایک کے بعد ایک۔ یا صاف شفاف۔ کَأْسٌ، ایسے جام کو کہتے ہیں جو لبالب بھرا

لَا يَسْمَعُونَ فِيهِ الْغَوَاؤُ وَلَا كَذِبًا ۝

جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءٌ حَسَبًا ۝

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ
لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ
إِلَّا مَن أٰذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَن شَاءَ اٰتٰ خَدًا اِلٰى رَبِّهِ
مَا بَابًا ۝

۳۵. وہاں نہ تو وہ بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ
سنیں گے۔^(۱)

۳۶. (ان کو) تیرے رب کی طرف سے (ان کے نیک
اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا۔^(۲)

۳۷. (اس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ) آسمانوں
کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان
سب کا پروردگار ہے اور بڑی بخشش کرنے والا
ہے۔ کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں
ہوگا۔^(۳)

۳۸. جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر
کھڑے ہوں گے^(۴) تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے
رحمن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے
نکالے۔^(۵)

۳۹. یہ دن حق ہے^(۶) اب جو چاہے اپنے رب کے پاس
(نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنالے۔^(۷)

۱. یعنی کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہوگی، نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔

۲. عطاء کے ساتھ حساب مبالغے کے لیے آتا ہے، یعنی اللہ کی داد و بخشش کی وہاں فراوانی ہوگی۔

۳. یعنی اس کی عظمت، ہیبت اور جلالت اتنی ہوگی کہ ابتداء اس سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی، اسی لیے اس
کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔

۴. یہاں جبرائیل علیہ السلام سمیت رُوح کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں، امام ابن کثیر نے بنی آدم (انسان) کو اَشْبَهَ (قرین
قیاس) قرار دیا ہے۔

۵. یہ اجازت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائے گا اور وہ جو بات کریں گے حق و صواب ہی ہوگی، یا یہ
مفہوم ہے کہ، اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کہی ہو۔ یعنی کلمۂ توحید کا اقرار ہی رہا ہو۔

۶. یعنی لامحالہ آنے والا ہے۔

۷. یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا ٹھکانا
مل جائے۔

۳۰. ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا (اور چوکنا کر دیا) ہے۔^(۱) جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا^(۲) اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔^(۳)

إِنَّا أَنْذَرْنَكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۖ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاؤُهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ الْيَتَمَى كُنْتُ شَرًّا ۖ

۱. یعنی قیامت کے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے۔ کیوں کہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے، کیوں کہ بہر صورت اسے آکر ہی رہنا ہے۔

۲. یعنی اچھا یا برا، جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت کے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا۔ ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾ (الکہف: ۲۹) (اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے) ﴿يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ يَمَّا قَدَّمَا وَآخَرَهُ﴾ (القیامۃ: ۱۳) (آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے سے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا)۔

۳. یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا، حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی، تو اس کا بھی بدلہ دلائے گا اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سورہ نازعات کی ہے اور اس میں چھیالیس آیاتیں
اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم^(۱)

۲. بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم^(۲)

۳. اور تیرتے پھرنے والوں کی قسم^(۳)

۴. پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم^(۴)

۵. پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم^(۵)

۶. جس دن کانپنے والی کانپے گی۔^(۶)

۷. اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے)

وَالَّذِي خَرَقَ الْعَرَقَ

وَالَّذِي شَطَّ النَّشْطَ

وَالَّذِي حَبَّ سَبَّحًا

فَالَّذِي سَبَّحًا

فَالَّذِي دَبَّ رَتَّ امْرَأَةً

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ

تَتَّبِعَهَا الْزَّارِفَةُ

۱. نَزْع کے معنی، سختی سے کھینچنا، عَرَقًا ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

۲. نَشْط کے معنی، گرہ کھول دینا۔ یعنی مومن کی جان فرشتے بہولت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

۳. سَبَّح کے معنی، تیرنا، فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر آسمان سے اترتے ہیں۔ کیوں کہ تیز رو گھوڑے کو بھی سابیح کہتے ہیں۔

۴. یہ فرشتے اللہ کی وحی انبیاء تک دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

۵. یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں، اصل مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انہیں بھی مدبر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے یعنی ﴿لَتُبْعَثُنَّ﴾ لَتُبْعَثُنَّ ﴿بِمَا عَمِلْتُمْ﴾ (تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے اور تمہیں تمہارے اعمال کی بابت خبر دی جائے گی)۔ قرآن نے اس بعث و جزاء کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے جیسے سورہ تغابن: ۷ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مذکورہ الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزاء کب ہوگی؟ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

۶. یہ نَفْثِ اوّلیٰ ہے جسے نَفْثِ فناء کہتے ہیں، جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فناء ہو جائے گی۔

آئے گی۔^(۱)

۸. (بہت سے) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔^(۲)

۹. جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی۔^(۳)

۱۰. کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے جائیں گے؟^(۴)

۱۱. کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟^(۵)

۱۲. کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے۔^(۶)

۱۳. (معلوم ہونا چاہیے) وہ تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہے۔

۱۴. کہ (جس کے ظاہر ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے۔^(۷)

۱۵. کیا موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر تمہیں پہنچی ہے؟

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِعَةٌ ۝

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝

يَقُولُونَ ءَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَاوِرَةِ ۝

ءَلَاؤُكُمَا عَظِيمًا نَّجْوَةً ۝

قَالُوا إِنَّكَ إِذَا كُنْتَ خَاسِرَةً ۝

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۝

۱. یہ دوسرا نفع ہوگا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفع پہلے نفع سے چالیس سال بعد ہوگا۔ اسے رَافِقَةُ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفع کے بعد ہی ہوگا۔ یعنی نفعِ ثانیہ، نفعِ اولیٰ کا ردیف ہے۔
۲. قیامت کے احوال اور شدائد سے۔

۳. یعنی أَبْصَارُ أَصْحَابِهَا، ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔
۴. حَافِرَةٌ، پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے۔

۵. یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جب کہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

۶. یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

۷. سَاهِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو سَاهِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا، اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سَاهِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) بہر حال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفع سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

۱۶. جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طویٰ میں پکارا۔^(۱)

۱۷. (کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے۔^(۲)

۱۸. اس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستی اور اصلاح چاہتا ہے۔^(۳)

۱۹. اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے۔^(۴)

۲۰. پس اسے بڑی نشانی دکھائی۔^(۵)

۲۱. تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔^(۶)

۲۲. پھر پلٹنا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے۔^(۷)

۲۳. پھر سب کو جمع کر کے پکارا۔^(۸)

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝

إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝

فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْلَىٰ ۝

وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۝

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۝

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝

ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝

فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ۝

۱۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ طہ کے آغاز میں گزری طُوًی اسی جگہ کا نام ہے، ہم کلامی کا مطلب نبوت و رسالت سے نوازنا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت عطا فرمادی۔

۲۔ یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

۳۔ یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔

۴۔ یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ، تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے۔ اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

۵۔ یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کیے جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کیے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے۔ مثلاً ید بیضاء اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔

۶۔ لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تکذیب و نافرمانی کے راستے پر گامزن رہا۔

۷۔ یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادو گروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جاسکے۔

۸۔ اپنی قوم کو، یا قاتل و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو، یا جادو گروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔

فَقَالَ أَنَارَ بَكْمِ الْأَعْلَى ۝

فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الزُّبُرَةِ وَالْأُولَى ۝

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَتَفَكَّرُ ۝

ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خُلُقًا أَمْ السَّمَاءُ بَيْنَهُمَا ۝

رَفَعَ سَمَكَهَا فَسَوَّيَهَا ۝

وَأَعْطَشَ لَيْكَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۝

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۝

۲۴. کہ تم سب کا رب میں ہی ہوں۔

۲۵. تو (سب سے بلند وبالا) اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔^(۱)

۲۶. بیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔^(۲)

۲۷. کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا۔

۲۸. اس کی چھت کو خوب بلند کیا پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔^(۳)

۲۹. اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو نکالا۔^(۴)

۳۰. اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔^(۵)

۱. یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمردين کے لیے نشان عبرت بنادیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے، جو اسے وہاں ملے گا۔

۲. اس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انہوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ لے کر پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

۳. یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجاہات کو پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

۴. بعض نے سَمَكُ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، کجی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔

۵. أَعْطَشَ أَطْلَمَ، أَخْرَجَ کا مطلب أَبْرَزَ اور نَهَارَهَا کی جگہ ضَحَّهَا اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

۶. یہ حم السجدة: ۹ میں گزر چکا ہے کہ خَلَقَ (پیدائش) اور چیز ہے اور دَحَى (ہموار کرنا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو مینوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً هَارًا وَمَرَعَاتٍ ۝

وَالْجِبَالُ أَرْسُهَا ۝

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّلَامَةُ الْكُبْرَى ۝

يَوْمَ يَبْدَأُ كُرَّ الْإِنْسَانِ مَاسِعِي ۝

وَبَرَزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَى ۝

فَلَمَّا مَنَ طَغَى ۝

وَأَشْرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝

فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ۝

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَعَى الْفُسْ عَنِ

الْهَوَىٰ ۝

۳۱. اس میں سے پانی اور چارہ نکالا۔

۳۲. اور پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑ دیا۔

۳۳. یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے (ہیں)۔

۳۴. پس جب وہ بڑی آفت (قیمت) آجائے گی۔

۳۵. جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا۔

۳۶. اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی۔^(۱)

۳۷. تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی)۔^(۲)

۳۸. اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی)۔^(۳)

۳۹. تو (اس کا) ٹھکانا جہنم ہی ہے۔^(۴)

۴۰. اور ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا^(۵) اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا۔^(۶)

تاکہ زمین نہ بلبے۔ جیسا کہ یہاں بھی آگے ہی بیان ہے۔

۱. یعنی کافروں کے سامنے کردی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت انہیں اس سے بچالیا، اور کافر، جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر ان کے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

۲. یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہوگا۔

۳. یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہوگا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔

۴. اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

۵. کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

۶. یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۝

فَإِنَّكَ لَا تَعْلَمُ أَيَّانَ مَوْلَاهَا ۝

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْجَلِهَا ۝

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يَخْشَاهَا ۝

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً

أَوْ ضُحًى ۝

۴۱. تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔^(۱)

۴۲. لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت

دریافت کرتے ہیں۔^(۲)

۴۳. آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟^(۳)

۴۴. اس کے علم کی انتہاء تو اللہ کی جانب ہے۔

۴۵. آپ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ

کرنے والے ہیں۔^(۴)

۴۶. جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا

کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں)

رہے۔^(۵)

۱. جہاں وہ قیام پذیر، بلکہ اللہ کا مہمان ہوگا۔

۲. یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہوگی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت

کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

۳. یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف

اللہ ہی کے پاس ہے۔

۴. یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے، نہ کہ غیب کی خبریں دینا، جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو

بھی نہیں دیا۔ مَنْ يَخْشَاهَا اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف

ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

۵. عَشِيَّةً، ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور ضُحًى طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی

جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انہیں ایسا محسوس

ہوگا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں یعنی

دنیا کی زندگی انہیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔

سورہ عبس مکی ہے اور اس میں بیالیس آیتیں
اور ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝

أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۝

وَمَا يَذْكُرُ لَكَ لَعَلَّكَ يَتَذَكَّرُ ۝

أَوَيْدُكَ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى ۝

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى ۝

فَأَنَّى لَهُ تَصَدَّى ۝

وَمَا عَلَيْكَ أَلَا يَزْكُرُ ۝

وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ۝

۱. وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔

۲. (صرف اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔^(۱)

۳. اور تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔^(۲)

۴. یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔

۵. جو بے پروائی کرتا ہے۔^(۳)

۶. اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے۔^(۴)

۷. اور حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام
نہیں۔^(۵)

۸. اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے۔^(۶)

☆ اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور

کچھ بے توجہی سی برتی۔ چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (ترمذی، تفسیر سورۃ عبس، صحیحۃ الألبانی)

۱. ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے عبس سے اور بے توجہی کو تَوَلَّى سے تعبیر فرمایا۔

۲. یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔

۳. ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت و غناء ہے۔

۴. اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مخلصین کو چھوڑ کر معرضین کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔

۵. کیوں کہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۶. اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازے۔

۹. اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے۔^(۱)
 ۱۰. تو اس سے تو بے رخی برتا ہے۔^(۲)
 ۱۱. یہ ٹھیک نہیں^(۳) قرآن تو نصیحت (کی چیز) ہے۔
 ۱۲. جو چاہے اس سے نصیحت لے۔^(۴)
 ۱۳. (یہ تو) پر عظمت صحیفوں میں (ہے)۔^(۵)
 ۱۴. جو بلند وبالا اور پاک صاف ہیں۔^(۶)
 ۱۵. ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔^(۷)
 ۱۶. جو بزرگ اور پاکباز ہیں۔^(۸)
- وَهُوَ يَحْشَى ۝
 فَانْتَ عَنهُ تَكَلِّى ۝
 كَلَّا إِنَّمَا تَذَكَّرُ ۝
 فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْكَ ۝
 فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝
 مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝
 بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝
 كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝

۱. یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے، جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

۲. یعنی ایسے لوگوں کو تو قدر افزائی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا و غلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

۳. یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔
 ۴. یعنی جو اس میں رغبت کرے، وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔
 اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے، جیسے اشراف قریش نے کیا، تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
 ۵. یعنی لوح محفوظ میں، کیوں کہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیوں کہ وہ علم و حکمت سے پُر ہیں۔

۶. مَرْفُوعَةٍ اللہ کے ہاں رفع القدر ہیں، یا شہادت اور تناقض سے بلند ہیں۔ مُطَهَّرَةٍ، وہ بالکل پاک ہیں کیوں کہ انہیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوتا ہی نہیں ہے۔ یا کی پیشی سے پاک ہے۔

۷. سَفَرَةٍ، سَفَرِ کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

۸. یعنی خلق کے اعتبار سے وہ کریم یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاکباز ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال و اطوار میں کِرَامٍ بَرَرَةٍ کا مصداق

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝

مِنْ آيٍ سَمِيٍّ خَلَقَهُ ۝

مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ۝

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ۝

ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝

ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ۝

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۝

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۝

۱۷. اللہ کی مار انسان پر، کیسا ناشکر ہے! ^(۱)

۱۸. اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟

۱۹. (اسے) ایک نطفہ سے، ^(۲) اس نے اسے پیدا کیا پھر

اس کو ایک خاص اندازے سے بنایا۔ ^(۳)

۲۰. پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔ ^(۴)

۲۱. پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا۔ ^(۵)

۲۲. پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔

۲۳. ہرگز نہیں، ^(۶) اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا

آوری نہیں کی۔

۲۴. انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے۔ ^(۷)

ہونا چاہیے۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی سَفَرَةُ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے، وہ السَّفَرَةُ الْكَرَامُ الْبَرَّةُ (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے، لیکن مشقت کے ساتھ۔ (یعنی ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھتا) اس کے لیے دو گنا اجر ہے“۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ

عبس۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الماہر بالقرآن۔)

۱. اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے، قُتِلَ بمعنی لُعن اور مَا أَكْفَرَهُ! فعل تعجب ہے، کس قدر ناشکر! ہے۔ آگے اس انسان کفر کو غورو فکر کی دعوت دی جارہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آجائے۔

۲. یعنی جس کی پیدائش ایسے حقیر قطرہ آب سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟

۳. اس کا مطلب ہے کہ اس کے مصالح نفس اسے مہیا کیے، اس کو دو ہاتھ دو پیروں اور دو آنکھیں اور دیگر آلات و خواص عطا کیے۔

۴. یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

۵. یعنی موت کے بعد، اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے حرمتی ہوتی۔

۶. یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔

۷. کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اسباب معاش مہیا کیے تاکہ وہ ان کے ذریعے سعادت اخروی حاصل کر سکے۔

۲۵. کہ ہم نے خوب پانی برسایا۔ اَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝
۲۶. پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝
۲۷. پھر اس میں سے اناج اگائے۔ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝
۲۸. اور انگور اور ترکاری۔ وَعَبَّا وَغُضْبًا ۝
۲۹. اور زیتون اور کھجور۔ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝
۳۰. اور گنجان باغات۔ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝
۳۱. اور میوہ اور چارہ (گھاس بھی اگایا)۔^(۱) وَقَاكِهِ وَأَنْبَا ۝
۳۲. تمہارے استعمال وفائدہ کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے۔ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝
۳۳. پس جب کہ کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آجائے گی۔^(۲) فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ ۝
۳۴. اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝
۳۵. اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝
۳۶. اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے۔ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝
۳۷. ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہوگی جو اس کے لیے کافی ہوگی۔^(۳) لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝

۱. آبًا، وہ گھاس چارہ جو خود رو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

۲. قیامت کو صَاحَةُ (بہرا کر دینے والی) اس لیے کہا کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہوگی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

۳. یا اپنے اقرباء اور احباب سے بے نیاز اور بے پرواہ کر دے گا۔ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدانِ محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اس طرح شرم گاہوں پر نظر نہیں پڑے گی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی یعنی ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ (الترمذی، تفسیر سورۃ عبس، النسائی، کتاب الجنائز، باب البعث) اس کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے گھر والوں سے اس لیے بھاگے گا تاکہ وہ اس کی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھیں جس میں وہ مبتلا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں، اس لیے کہ انہیں علم ہو گا کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور ان کے کچھ کام نہیں آسکتے۔ (بخاری، التقدیر)

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

۳۸۔ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔

۳۹۔ (جو) ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے۔^(۱)

۴۰۔ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔

۴۱۔ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔^(۲)

۴۲۔ وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے۔^(۳)

۱۔ یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے، جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انہیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا، جس سے ان کے چہرے خوشی سے متمل رہے ہوں گے۔

۲۔ یعنی ذلت اور معاینۂ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کدورت زدہ اور سیاہ ہوں گے، جیسے محزون اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

۳۔ یعنی اللہ کا، رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بدکردار و بد اطوار بھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

سُورَةُ التَّكْوِيرِ

سورہ تکویر مکی ہے اور اس میں انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُجِرَتْ ۝

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔^(۱)

۲. اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔^(۲)

۳. اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔^(۳)

۴. اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں
گی۔^(۴)

۵. اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔^(۵)

۶. اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔^(۶)

☆ اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے (جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے، جیسے آنکھ سے دیکھتا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ (الترمذی، تفسیر سورۃ التکویر، مسند أحمد: ۲/۲۷۷، ۳/۱۰۰۔

ذکرہ الألبانی فی الصحیحۃ: ۱۰۸۱، ج ۳)

۱. یعنی جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی روشنی از خود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے «الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مَكْرُورَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر بحسبان) (قیامت کے دن چاند اور سورج لپیٹ دیے جائیں گے)۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لپیٹ کر ان دونوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا تا کہ مشرکین مزید ذلیل و خوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔ (فتح الباری، باب مذکور)

۲. دوسرا ترجمہ ہے جھڑ کر گر جائیں گے یعنی آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔

۳. یعنی انہیں زمین سے اکھڑ کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔

۴. عِشَارٌ، عُشْرَاءُ کی جمع ہے، حمل والیاں یعنی گا بھن اونٹنیاں، جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹنی بھی ہوں گی تو وہ ان کی بھی پروا نہیں کرے گا۔

۵. یعنی انہیں بھی قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔

۶. یعنی ان میں اللہ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔

۷. اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی۔^(۱)
۸. اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔
۹. کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟^(۲)
۱۰. اور جب نامہ اعمال کھول دیے جائیں گے۔^(۳)
۱۱. اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی۔^(۴)
۱۲. اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔
۱۳. اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی۔
۱۴. تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہوگا۔^(۵)
۱۵. میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے۔
۱۶. چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی۔^(۶)

- وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾
وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾
بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾
وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾
وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾
وَإِذَا الْجِبَالُ سُعِرَتْ ﴿١٢﴾
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُنْفِلَتْ ﴿١٣﴾
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾
فَلَا أَقْسَمُ بِالْخَنَّسِ ﴿١٥﴾
الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾

۱. اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذہب و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور برے کو بروں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلَىٰ هَذَا الْقِيَاسِ۔
۲. اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہوگا نہ کہ موءودہ، جس سے بظاہر سوال ہوگا۔
۳. موت کے وقت یہ صحیفے لپیٹ دیے جاتے ہیں، پھر قیامت کے دن حساب کے لیے کھول دیے جائیں گے، جنہیں ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں پکڑا دیے جائیں گے۔
۴. یعنی وہ اس طرح ادھیڑ دیے جائیں گے جس طرح چھت ادھیڑ دی جاتی ہے۔
۵. یہ جواب ہے یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے، جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے چھ امور کا آخرت سے۔ اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آجائے گی۔
۶. اس سے مراد ستارے ہیں خَنَّسٌ، خَنَّسٌ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اور یہ زل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ہیں، یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں، کیوں کہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہو جاتے ہیں یا دن کو چھپ رہے ہیں الْجَوَارِ چلنے والے، الْكُنَّسِ چھپ جانے والے، جیسے ہرن اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

- وَأَكْبَلُ إِذَا عَسَّسَ ۝
وَالصَّبْرُ إِذَا تَنَفَّسَ ۝
إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝
مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝
وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝
وَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝
وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝
۱۷. اور رات کی جب جانے لگے۔^(۱)
۱۸. اور صبح کی جب چمکنے لگے۔^(۲)
۱۹. یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے۔^(۳)
۲۰. جو قوت والا ہے،^(۴) عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔
۲۱. جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے امین ہے۔^(۵)
۲۲. اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔^(۶)
۲۳. اور بیشک اس نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے۔^(۷)
۲۴. اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے میں بخیل بھی نہیں۔^(۸)

۱. عَسَّسَ، اضداد میں سے ہے، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، تاہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔

۲. یعنی جب اس کا ظہور و طلوع ہو جائے، یا وہ چھٹ اور نکل آئے۔

۳. اس لیے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

۴. یعنی جو کام اس کے سپرد کیا جائے، اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔

۵. یعنی فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرجع اور مطاع ہے نیز وحی کے سلسلے میں امین ہے۔

۶. یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمہارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی، (محمد ﷺ) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسا نہیں ہے، ذرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو کہ کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف و حقائق بیان کر سکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلا سکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔

۷. یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے، جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے، جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا۔ جیسا کہ سورہ نجم میں تفصیل گزر چکی ہے۔

۸. یہ نبی ﷺ کی بابت وضاحت کی جاتی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے، جو احکام و فرائض آپ کو

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝

فَأَيُّنَ تَذْهَبُونَ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَفِيدَ ۝

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

۲۵. اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔^(۱)

۲۶. پھر تم کہاں جا رہے ہو۔^(۲)

۲۷. یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے۔

۲۸. (بالخصوص) اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ

پر چلنا چاہے۔

۲۹. اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں

چاہ سکتے۔^(۳)

بتلائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضہ رسالت کی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہر بات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

۱. جس طرح نجومیوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں ادھوری شکل میں انہیں بتلا دیتے ہیں۔ قرآن ایسا نہیں ہے۔

۲. یعنی کیوں اس سے اعراض کرتے ہو؟ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے؟

۳. یعنی تمہاری چاہت، اللہ کی توفیق پر منحصر ہے، جب تک تمہاری چاہت کے ساتھ اللہ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾

(القصص: ۵۶) وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے۔

سُورَةُ الْإِنْفِطَارِ

سورہ انفطار کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ

عَلِمْتَ نَفْسٌ تَأْتَمَّتْ وَانْحَرَتْ

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَزَاكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. جب آسمان پھٹ جائے گا۔^(۱)

۲. اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔

۳. اور جب سمندر بہہ نکلے گا۔^(۲)

۴. اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑ دی جائیں گی۔^(۳)

۵. (اس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے
چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم
کر لے گا۔^(۴)

۶. اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے
بہکا یا؟^(۵)

۱. یعنی اللہ کے حکم اور اس کی بیعت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔

۲. اور سب کا پانی ایک ہی سمندر میں جمع ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ پچھمی ہوا بھیجے گا۔ جو اس میں آگ بھڑکا دے گی
جس سے فلک شکاف شعلے بلند ہوں گے۔

۳. یعنی قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ بُعْثِرَتْ، اکھاڑ دی جائیں گی، یا ان کی مٹی پلٹ دی
جائے گی۔

۴. یعنی جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا، جو بھی اچھا یا برا عمل
اس نے کیا ہوگا، وہ سامنے آجائے گا۔ پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار و عمل کے اچھے یا
برے نمونے ہیں جو دنیا میں وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے
مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی عمل کریں گے، اس کا ثواب اسے بھی پہنچتا رہے گا اور اگر برے نمونے
اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو جو بھی اسے اپنائے گا، ان کا گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا رہے گا، جس کی مساعی سے وہ برا
طریقہ یا کام رائج ہوا۔

۵. یعنی کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا، جس نے تجھ پر احسان کیا
اور تجھے وجود بخشا، تجھے عقل و فہم عطا کی اور اسباب حیات تیرے لیے مہیا کیے۔

الَّذِي خَلَقَكَ فَسُبْحَانَكَ قَدَّكَ ۝

فِي آيِ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَدَّكَ ۝

كَذَٰلِكَ تُنذِرُونَ بِالَّذِينَ ۝

وَلَا عَلَىٰكُمْ حَافِظِينَ ۝

كِتَابَ الْكِتَابِينَ ۝

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝

۷۔ جس (رب نے) تجھے پیدا کیا،^(۱) پھر ٹھیک ٹھاک

کیا،^(۲) پھر (درست اور) برابر بنایا۔^(۳)

۸۔ جس صورت میں چاہا تجھے جو دیا۔^(۴)

۹۔ ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزاء و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔^(۵)

۱۰۔ اور یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں۔

۱۱۔ جو عزت والے ہیں لکھنے والے ہیں۔

۱۲۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔^(۶)

۱۳۔ یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں

۱۔ یعنی حقیر نطفے سے، جب کہ اس سے پہلے تیرا وجود نہیں تھا۔

۲۔ یعنی تجھے ایک کامل انسان بنادیا، تو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور عقل و فہم رکھتا ہے۔

۳۔ تجھے معتدل، کھڑا اور حسن صورت والا بنایا، یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کے بجائے بے ڈھب پن ہو جاتا۔ اسی تخلیق کو دوسرے مقام پر أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ سے تعبیر فرمایا، ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾۔

۴۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنادے۔ باپ کے، ماں کے یا ماموں اور چچا کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، ڈھال دے، حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل میں ہی پیدا فرماتا ہے۔

۵۔ کَلَّا، حَقًّا کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رَأْفَت و رحمت سے دھوکے میں مبتلا ہونے پر مبنی ہے یعنی اس فریب نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزاء و سزا ہوگی۔

۶۔ یعنی تم تو جزاء و سزا کے منکر ہو، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا ہر قول اور ہر فعل نوٹ ہو رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمہاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تنبیہ ہے، کہ ہر عمل اور بات سے پہلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ مثلاً ﴿عَنِ الْمُبِينِ وَعَنِ الْكَاذِبِ الْعَمِيِّ﴾ مَآلِظُ مَن قَوْلِ الْإِلَهِ وَدَوِّبِ عَيْنَيْهِ ﴿﴾ (ق: ۱۷، ۱۸) یعنی (ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بولتا ہے، اس کے پاس نگران، تیار اور حاضر ہے) یعنی لکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں ایک فرشتہ نیکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ اور رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آگے نیکوں اور بروں، دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

میں ہوں گے۔

۱۴. اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔^(۱)

۱۵. بدلے والے دن اس میں جائیں گے۔^(۲)

۱۶. اور وہ اس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے۔^(۳)

۱۷. اور تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے۔

۱۸. میں پھر (کہتا ہوں کہ) تجھے کیا معلوم کہ جزاء (اور

سزا) کا دن کیا ہے۔^(۴)

۱۹. (وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی

چیز کا مختار نہ ہوگا، اور (تمام تر) احکام اس روز اللہ کے

ہی ہوں گے۔^(۵)

وَالَّذِينَ الْفُجَّارَ لَنُفِي جَحِيمٍ ۝

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

وَمَا لَهُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

كُلُّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ

يَوْمَ لِلَّهِ ۝

۱. جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ (الشوری: ۷) (ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا)۔

۲. یعنی جس جزاء و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے اسی دن جہنم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔

۳. یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے۔ بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

۴. تکرار، اس کی عظمت و ضخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔

۵. یعنی دنیا میں تو اللہ نے عارضی طور پر، آزمانے کے لیے، انسانوں کو کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے

رکھے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن تمام اختیارات کلیۃً صرف اور صرف اللہ کے پاس ہوں گے۔ جیسے فرمایا ﴿لِلَّهِ الْمُلْكُ

الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن: ۱۶) (آج کس کی بادشاہی ہے؟ فقط اللہ واحد و قہار کی) چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیا تھا، «لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا» (صحیح مسلم، کتاب

الإیمان) اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی متنہ فرمادیا، «أَتَقْدُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَاللَّهُ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا»

(مسلم، کتاب مذکور، صحیح البخاری، سورة الشعراء)۔

سورۃ مطفین کی ہے اور اس میں چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ

الَّذِينَ إِذَا كَانُوا عَلَى النَّاسِ سَتَوْنَهُمْ

وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعُيُورِهِمْ

أَلَا يَبْصُرُونَ أُولَٰئِكَ أَمْ لَهُمْ مَبْعُوءُونَ

لِيَوْمٍ عَظِيمٍ

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔

۲. کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے
ہیں۔

۳. اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے
ہیں۔^(۱)

۴. کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں۔

۵. اس عظیم دن کے لیے۔

۶. جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے
ہوں گے۔^(۲)

☆ بعض اسے کمی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک کمے اور مدینے کے درمیان نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول میں یہ روایت ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول کے لحاظ سے خبیث ترین لوگ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، جس کے بعد انہوں نے اپنی ناپ تول صحیح کر لی۔ (ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التوفی فی الکیل والوزن)

۱. یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دین و آخرت میں تباہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے، جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، تو اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ: ۴۰۱۹، ذکرہ الألبانی فی الصحیحہ: ۱۰۶ من عدۃ طرق ولہ شواہد)

۲. یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف اور قیامت کا ڈر نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے تو پسینہ انسانوں کے آدھے آدھے کانوں تک پہنچا ہوگا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ المطفین) ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے اتنا قریب ہوگا کہ ایک میل کی مقدار کے قریب فاصلہ ہوگا۔ (حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت والا میل مراد لیا ہے

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي مَسْجِنٍ ۝

وَمَا أَذْرٰكَ مَا مَسْجِنٌ ۝

كِتَابٌ مَرْفُوعٌ ۝

وَلَيْلٌ مُّوَسِّدٌ لِّمُكَذِّبِينَ ۝

الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بَيُوتَ رِءُوسِهِ ۝

وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝

إِذْ اشْتَلٰى عَلَيْهِ الْيَنُتَنُ قَالِ اسَاطِيرُ

الْأَوَّلِينَ ۝

كَلَّا لَئِنْ رَآنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ نَمًّا كَانُوْا يَكِيدُونَ ۝

۷. یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سحین میں ہے۔^(۱)

۸. اور تجھے کیا معلوم سحین کیا ہے؟

۹. (یہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے۔

۱۰. اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

۱۱. جو جزاء و سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے۔

۱۲. اور اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل

جانے والا (اور) گناہ گار ہوتا ہے۔

۱۳. جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو

کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں۔^(۲)

۱۴. یوں نہیں^(۳) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی

وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے۔^(۴)

یا وہ سلامتی جس سے سرمہ آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے، یہ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک ہوگا اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوا ہوگا، یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا۔ (صحیح مسلم، صفة القيامة والجنة، باب في صفة يوم القيامة)

۱. سَحِّينٌ، بعض کہتے ہیں سَحْجُنْ (قید خانہ) سے ہے، مطلب ہے کہ قید خانے کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں ایک جگہ ہے، جہاں کافروں، ظالموں اور مشرکوں کی روہیں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آگے اسے ”لکھی ہوئی کتاب“ قرار دیا ہے۔

۲. یعنی اس کا گناہوں میں اٹھنا اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ان پر غور و فکر کرنے کے بجائے، انہیں اگلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔

۳. یعنی یہ قرآن کہانیاں نہیں، جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول پر جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

۴. یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی الہی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پردے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں رُئِنْ، گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکاب گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر چھاجاتی ہے۔ حدیث میں ہے (بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے، اور اگر توبہ کے بجائے، گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھاجاتی ہے۔ یہی وہ رُئِنْ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے)۔ (ترمذی، باب تفسیر سورة

۱۵. ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔^(۱)

۱۶. پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جھونکے جائیں گے۔
۱۷. پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

۱۸. یقیناً یقیناً نیکو کاروں کا نام اعمالِ علیین میں ہے۔^(۲)

۱۹. اور تجھے کیا پتا کہ علیین کیا ہے؟

۲۰. (وہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے۔

۲۱. مقرب (فرشتے) اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۲۲. یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہوں گے۔

۲۳. مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔

۲۴. تو ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا۔^(۳)

۲۵. یہ لوگ سرِ بھر خالص شراب پلائے جائیں گے۔^(۴)

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُجُونَ ﴿٥﴾

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿٦﴾

ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٧﴾

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَرْوَاحِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿٨﴾

وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿٩﴾

كِتَابٌ مَرْفُوعٌ ﴿١٠﴾

يَسْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ ﴿١١﴾

إِنَّ الْأَرْوَاحَ لَفِي نَعْيٍ ﴿١٢﴾

عَلَى الْأَرْوَاحِ يَنْظُرُونَ ﴿١٣﴾

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِِهِمْ نَصْرَةَ الرَّحْمَنِ ﴿١٤﴾

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْمُومٍ ﴿١٥﴾

۱. ان کے برعکس اہل ایمان رؤیتِ باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔

۲. عِلِّيِّین، عَلَوُ (بلندی) سے ہے۔ یہ سَجِّین کے برعکس، آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتہیٰ یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روئیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں، جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

۳. جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر بالعموم تازگی اور شادابی ہوتی ہے جو ان آسائشوں، سہولتوں اور دنیوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انہیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تکریم اور نعمتوں کی جو ارزانی ہوگی، اس کے اثرات ان کے چہروں پر بھی ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

۴. رَحِیقٌ، صاف شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ مَخْمُومٌ، (سرِ بھر) اس کے خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی جس سے اس کا ذائقہ دو بالا اور خوشبو مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں، یہ ختم سے ہے۔ یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہوگا۔ بعض خِتَامٌ کے معنی خوشبو کرتے ہیں، ایسی شراب جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ”جس مومن نے کسی پیاسے

۲۶. جس پر مٹک کی مہر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے۔^(۱)

۲۷. اور اس کی آمیزش تسنیم کی ہوگی۔^(۲)

۲۸. (یعنی) وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے۔

۲۹. گناہ گار لوگ ایمان والوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔^(۳)

۳۰. اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے۔^(۴)

۳۱. اور جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے۔^(۵)

۳۲. اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ (بے

خِمْتُهُمْ مَسْكٌ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَفِسُونَ ۝

وَمِمَّا جَاءَهُمْ مِنْ سَنِيهِمْ ۝

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَصْحَكُونَ ۝

وَإِذَا آمَرُوا بِهِمْ يَغْفِرُونَ ۝

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝

وَإِذَا أُوهِدُوا مَالُهُمْ قَالَُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُونَ ۝

مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن الرَّحِيقُ الْمَخْتُومُ پلائے گا، جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا، جس نے کسی تنگ مومن کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔ (مسند احمد: ۱۳/۳-۱۴)

۱. یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے اعمال میں سبقت کرنی چاہیے جس کے صلے میں جنت اور اس کی یہ نعمتیں حاصل ہوں۔ جیسے فرمایا، ﴿لَيْسَ هَذَا أَفْعَلُ الْعَالُونَ﴾ - (الصفات: ۶۱)

۲. تَسْنِيمُ کے معنی، بلندی کے ہیں۔ اونٹ کا کوہان، جو اس کے جسم سے بلند ہوتا ہے، اسے سِنَامُ کہتے ہیں۔ قبر کے اونچا کرنے کو بھی تَسْنِيمُ الْقُبُورِ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تسنیم شراب کی آمیزش ہوگی جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہوگی۔

۳. یعنی انہیں حقیر جانتے ہوئے ان کا استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

۴. عَمَزُ کے معنی ہوتے ہیں، پلکوں اور ابرؤں سے اشارہ کرنا۔ یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابرؤں سے اشارہ کر کے ان کی تحقیر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے۔

۵. یعنی اہل ایمان کا ذکر کر کے خوش ہوتے اور دل لگیاں کرتے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں لوٹتے تو وہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ انہیں مل جاتا۔ اس کے باوجود انہوں نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحقیر اور ان پر حسد کرنے میں ہی مشغول رہے۔ (ابن کثیر)

راہ ہیں۔^(۱)

۳۳. یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔^(۲)

۳۴. پس آج ایمان والے ان کافروں پر
نہیں گے۔^(۳)

۳۵. تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔

۳۶. کہ اب ان منکروں نے اپنے کرتوتوں کا پورا پورا
بدلہ پالیا۔^(۴)

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۝

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ
يَصْحَكُونَ ۝

عَلَى الْأَرْكَانِ يَنْظُرُونَ ۝

هَلْ تُؤْتِبُ الْكُفَّارَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

۱. یعنی اہل توحید، اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ هَذَا هَا اللَّهُ تَعَالَىٰ.

۲. یعنی یہ کافر مسلمانوں پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال و احوال ہی دیکھتے اور ان پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مکلف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں۔

۳. یعنی جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہنستے تھے، قیامت کے دن یہ کافر اللہ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل ایمان ان پر ہنسیں گے۔ ان کو ہنسی اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کہتے اور ہم پر ہنستے تھے۔ آج ان کو پتہ چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزاء کیا جائے۔

۴. تُؤْتِبُ بمعنی أُثْبِتُ، بدلہ دے دیے گئے، یعنی کیا کافروں کو، جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے۔

سورۃ انشقاق کی ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. جب آسمان پھٹ جائے گا۔^(۱)

۲. اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا^(۲) اور اسی کے
لائق ہے وہ۔^(۳)

۳. اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی۔^(۴)

۴. اور اس میں جو کچھ ہے وہ اسے اگل دے گی اور خالی
ہو جائے گی۔^(۵)

۵. اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی^(۶) اور اسی کے
لائق ہے وہ۔

۶. اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش
اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے
والا ہے۔^(۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝

وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ۝

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝

وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ۝

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِرٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا
مَّمْلُوقٍ ۝

۱. یعنی جب قیامت برپا ہوگی۔

۲. یعنی اللہ اس کو چھٹنے کا جو حکم دے گا، اسے سنے گا اور اطاعت کرے گا۔

۳. یعنی اس کے ہی لائق ہے کہ اسے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ وہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں۔
اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے؟

۴. یعنی اس کے طول و عرض میں مزید وسعت کردی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں، سب کو
ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر کے بچھا دیا جائے گا۔ اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔

۵. یعنی اس میں جو مردے دفن ہیں، سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں، وہ
انہیں ظاہر کر دے گی، اور خود بالکل خالی ہو جائے گی۔

۶. یعنی القاء اور تخلی کا جو حکم اسے دیا جائے گا، وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔

۷. یہاں انسان بطور جنس کے ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ کَدْحُ، سخت محنت کو کہتے ہیں، وہ محنت
خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی یعنی قیامت آجائے گی

۷. تو (اس وقت) جس شخص کے واسطے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔

۸. اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔^(۱)

۹. اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔^(۲)

۱۰. اور ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

۱۱. تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔^(۳)

۱۲. اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا۔

۱۳. یہ شخص اپنے گھر والوں میں (دنیا میں) مگن تھا۔^(۴)

۱۴. اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بَيِّنَاتٍ ۖ

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۖ

وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۖ

فَسَوْفَ يَدْعُوا بُرُورًا ۖ

وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۖ

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۖ

إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّنْ يَحُورًا ۖ

تو اے انسان! تو نے جو بھی، اچھا یا برا عمل کیا ہوگا، وہ تو اپنے سامنے پالے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بری جزاء بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل ووضاحت ہے۔

۱. آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہوگا۔ اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لائی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل وکرم سے انہیں معاف فرمادے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ﷺ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا، اس کا حساب آسان ہوگا۔“ (مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہوگا لیکن وہ ہلاکت سے دوچار نہیں ہوگا) آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی ”یہ تو پیش ہے۔ (یعنی مومن کے ساتھ معاملہ حساب کا نہیں ہوگا، ایک سرسری سی پیشی ہوگی) مومن رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جس کا مناقشہ ہوا یعنی پوچھ گچھ ہوئی وہ مارا گیا۔“ (صحیح البخاری تفسیر سورة الانشقاق) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی ﷺ اپنی بعض نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ «اللَّهُمَّ حَاسِبُنِي حِسَابًا يَسِيرًا» (اے اللہ میرا حساب آسان فرما) نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا، حِسَابًا يَسِيرًا (آسان حساب) کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرمادے گا..... (مسند احمد، ۶/۳۸)

۲. یعنی جو اس کے گھر والوں میں سے جلتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حور عین اور ولدان ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔

۳. بُرُورًا ہلاکت، خسارہ۔ یعنی وہ چیخے گا، پکارے گا، واہلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہو گیا۔

۴. یعنی دنیا میں اپنی خواہشات میں مگن اور اپنے گھر والوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔

جائے گا۔^(۱)

۱۵. کیوں نہیں،^(۲) حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا تھا۔^(۳)

۱۶. مجھے شفق کی قسم۔^(۴)

۱۷. اور رات کی اور اس کی جمع کردہ چیزوں کی قسم۔^(۵)

۱۸. اور چاند کی جب کہ وہ کامل ہو جاتا ہے۔^(۶)

۱۹. یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے۔^(۷)

۲۰. انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے۔

۲۱. اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ

بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝

فَلَا أَقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَىٰ ۝

وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَسَّقَ ۝

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۝

مَّا لَهُمُ لَا يَوْمُونَ ۝

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝



۱۔ یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے۔ یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حَوْر کے معنی ہیں، لوٹنا۔ جس طرح نبی ﷺ کی دعا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْتَظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنْ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكُوْرِ (صحیح مسلم، الحج، باب ما يقول إذا ركب إلى سفر الحج وغيره، ترمذی، ابن ماجہ واللفظ للترمذی) مسلم میں بَعْدَ الْكُوْنِ ہے۔ مطلب ہے، (اے اللہ میں سفر کی مشقت و صعوبت اور واپسی کی پریشانی اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف لوٹوں)۔

۲۔ ایک ترجمہ اس کا یہ بھی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو، یا بلیٰ، کیوں نہیں، یہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔

۳۔ یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔

۴۔ شَفَقٌ، اس سرفی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشاء کا وقت شروع ہونے تک رہتی ہے۔

۵۔ اندھیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماویٰ اور مسکن کی طرف جمع اور سمت آتی ہے یعنی رات کا اندھیرا جن چیزوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

۶۔ إِذَا تَلَسَّقَ کے معنی ہیں، جب وہ مکمل ہو جائے جیسے وہ تیرھویں کی رات سے سوئیس تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔

۷۔ طَبَقٌ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت کے دن واقع ہوں گے۔ یعنی اس روز ایک سے بڑھ کر ایک حالت طاری ہوگی۔ (فتح الباری، تفسیر سورة الانشقاق) یہ جواب قسم ہے۔

نہیں کرتے۔^(۱)

۲۲. بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ جھٹلاتے ہیں۔^(۲)

۲۳. اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں۔^(۳)

۲۴. انہیں المناک عذابوں کی خوشخبری سنادو۔

۲۵. ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کے لیے بے شمار اور نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ﴿٢٢﴾

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ

أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

۱. احادیث سے یہاں نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔

۲. یعنی ایمان لانے کے بجائے جھٹلاتے ہیں۔

۳. یعنی تکذیب، یا جو افعال وہ چھپ کر کرتے ہیں۔

سُورَةُ الْبُرُوجِ

سورہ بروج کی ہے اور اس میں بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝

وَشَهِيدٍ وَشَهِيدٍ ۝

فَتِلْكَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝

النَّارِ ذَاتِ الْوُفُودِ ۝

إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝

وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. بروجوں والے آسمان کی قسم۔^(۱)

۲. وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم۔^(۲)

۳. حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم۔^(۳)

۴. (کہ) خندقوں والے ہلاک کیے گئے۔^(۴)

۵. وہ ایک آگ تھی ایندھن والی۔^(۵)

۶. جب کہ وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے تھے۔^(۶)

۷. اور مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے

☆ نبی ﷺ ظہر اور عصر میں سورۃ الطارق اور سورۃ البروج پڑھتے تھے۔ (الترمذی)

۱. بُرُوجُ بُرُجُ محل کی جمع ہے۔ بُرُجُ کے اصل معنی ہیں ظہور۔ یہ کوکب کی منزلیں ہیں جنہیں ان کے محل اور قصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انہیں بروج کہا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، الفرقان: ۶۱ کا حاشیہ) بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں۔ یعنی ستارے والے آسمان کی قسم۔ بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔ (فتح القدیر)

۲. اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔

۳. شَہِید اور مَشْہُود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے عرفہ (۹ ذوالحجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔

۴. یعنی جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے ماننے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، قَتِلَ بمعنی لُغِنَ۔

۵. النَّارِ، الْأُخْدُودِ سے بدل اشتمال ہے ذَاتِ الْوُفُودِ، النَّارِ کی صفت ہے۔ یعنی یہ خندقیں کیا تھیں؟ ایندھن والی آگ تھیں، جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لیے دہکائی گئی تھی۔

۶. کافر بادشاہ یا اس کے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

سامنے دیکھ رہے تھے۔

۸. اور یہ لوگ ان مسلمانوں (کے کسی اور گناہ کا) بدلہ نہیں لے رہے تھے، سوائے اس کے کہ وہ غالب لائق حمد اللہ کی ذات پر ایمان لائے تھے۔^(۱)

وَمَا تَقْصُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ
الْحَمِيدِ

۱. یعنی ان لوگوں کا جرم، جنہیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، مختصراً ملاحظہ فرمائیں۔

واقعہ اصحاب الاخدود: گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا ایک جادوگر اور کاہن تھا، جب وہ کاہن بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو، جسے میں یہ علم سکھا دوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب کا بھی مکان تھا، یہ لڑکا آتے جاتے اس کے پاس بھی بیٹھتا اور اس کی باتیں سنتا، جو اسے اچھی لگتیں۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ لڑکے نے سوچا، آج میں پتہ کرتا ہوں کہ جادوگر صحیح ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا ”اے اللہ، اگر راہب کا معاملہ، تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے، تاکہ لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو جائے۔“ یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔ لڑکے نے جاکر یہ واقعہ راہب کو بتلایا۔ راہب نے کہا، بیٹے! اب تم فضل و کمال کو پہنچ گئے ہو اور تمہاری آزمائش شروع ہونے والی ہے۔ لیکن اس دور ابتلاء میں میرا نام ظاہر نہ کرنا۔ یہ لڑکا مادر زاد اندھے، برص اور دیگر بعض بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ لیکن ایمان باللہ کی شرط پر، اسی شرط پر اس نے بادشاہ کے ایک نابینا مصاحب کی آنکھیں بھی، اللہ سے دعا کر کے صحیح کر دیں۔ یہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، وہ شفا عطا فرمادے گا، چنانچہ اس کی دعا سے اللہ شفا یاب فرمادیتا۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا، بعض اہل ایمان کو تو اس نے قتل کروا دیا۔ اس لڑکے کے بارے میں اس نے چند آدمیوں کو کہا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دو، اس نے اللہ سے دعا کی، پہاڑ میں لرزش پیدا ہوئی، جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچالیا۔ بادشاہ نے اسے دوسرے آدمیوں کے سپرد کر کے کہا کہ ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر کے بیچ میں لے جا کر اسے پھینک دو، وہاں بھی اس کی دعا سے کشتی الٹ گئی، جس سے وہ سب غرق ہو گئے اور یہ بچ گیا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا، اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس طریقہ یہ ہے کہ ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کرو اور «بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِ» کہہ کر مجھے تیرا مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جس سے وہ لڑکا مر گیا لیکن سارے لوگ پکار اٹھے، کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے، حتیٰ کہ ایک عورت آئی، جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ ذرا ٹھٹھکی، تو بچہ بول پڑا، ”اماں، صبر کر، تو حق پر ہے۔“ (صحیح مسلم،

۹. جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے۔ اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔

۱۰. بیشک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔

۱۱. بیشک ایمان قبول کرنے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

۱۲. یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔^(۱)

۱۳. وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔^(۲)

۱۴. اور وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

۱۵. عرش کا مالک عظمت والا ہے۔^(۳)

۱۶. جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔^(۴)

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فَمَا كَمُ يَتُوبُوا لَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ الْحَرِيقِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝

إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۝

وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۝

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝

فَعَالٌ لَمَّا يُرِيدُ ۝

ملخصاً، کتاب الزهد والرفاق، باب قصة أصحاب الأخدود) امام ابن کثیر نے اور بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں جو اس سے مختلف ہیں اور کہا ہے، ممکن ہے اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) ۱. یعنی جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت پر آئے جو اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے اور اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو پھر اس کی گرفت سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

۲. یعنی وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت کے دن دوبارہ انہیں اسی طرح پیدا فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

۳. یعنی تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش، جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا مستقر ہے۔ جیسا کہ صحابہ و تابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ المجید صاحب فضل و کرم۔ یہ مرفوع اس لیے ہے کہ یہ دُیو یعنی رب کی صفت ہے، عرش کی صفت نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اسے عرش کی صفت تسلیم کر کے اسے مجرور پڑھتے ہیں۔ معنی دونوں صحیح ہیں۔ (ابن کثیر)

۴. یعنی وہ جو چاہے کر گزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا، کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا،

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝

فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ۝

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝

وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝

فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۝

۱۷. تجھے لشکروں کی خبر بھی ملی ہے؟^(۱)

۱۸. (یعنی) فرعون اور ثمود کی۔

۱۹. (کچھ نہیں) بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے

ہیں۔

۲۰. اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے

(۲)

ہے۔

۲۱. بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا۔

۲۲. لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔^(۳)

ہاں۔ پوچھا، اس نے کیا کہا؟ فرمایا، اس نے کہا ہے، اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیدُ میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں۔ (ابن کثیر) مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیعوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آگیا ہے اور اللہ ہی اب میرا طبیب ہے، جس کی مشیت کو ٹالنے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے۔

۱. یعنی ان پر جب میرا عذاب آیا اور میں نے انہیں اپنی گرفت میں لیا، جسے کوئی ٹال نہیں سکا۔

۲. یہ ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ ہی کاثبات اور اس کی تاکید ہے۔

۳. یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت واقضاء اسے

نازل فرماتا ہے۔

سُورَةُ الطَّارِقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝

إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّنَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مَخْلُوقٌ ۝

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝

سورہ طارق کی ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے
والے کی۔

۲. اور تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے
والی چیز کیا ہے؟

۳. وہ روشن ستارہ ہے۔^(۱)

۴. کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو۔^(۲)

۵. انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

۶. وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔^(۳)

☆ حضرت خالد عدوانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار شیف میں کمان یا لاشی کے سہارے پر کھڑے دیکھا، آپ میرے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ سے سورۃ الطارق سنی، میں نے اسے یاد کر لیا درآن حالیکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ پھر مجھے اللہ نے اسلام سے نوازا اور اسلام کی حالت میں میں نے اسے پڑھا۔ (مسند أحمد: ۳/۳۳۵، مجمع الزوائد: ۱۳/۱۳۶) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں سورۃ بقرہ اور نساء پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا، تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے؟ تجھے یہی کافی تھا کہ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، وَالشَّمْسِ اور اس جیسی سورتیں پڑھتا۔ (نسائی، کتاب الافتتاح، باب القراءة في المغرب)

۱. طارق سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کر دیا۔ روشن ستارہ۔ طَارِقٌ، طُرُوقٌ سے ہے جس کے لغوی معنی کھنکھانے کے ہیں، لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

۲. یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا برے سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں، جیسا کہ سورۃ رد کی آیت ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں، جس طرح قول و فعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔

۳. یعنی منی سے، جو قضائے شہوت کے بعد زور سے نکلتی ہے۔ یہی قطرۃ آب (منی) رحم عورت میں جا کر اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے تو حمل کا باعث بنتا ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝

إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝

۷۔ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔^(۱)

۸۔ بیشک وہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے۔^(۲)

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝

۹۔ جس دن پوشیدہ بھیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی۔^(۳)

فَبَاكِهِ مِنْ قُوَّةٍ ۖ وَلَا نَاصِي ۝

۱۰۔ تو اس کے پاس کچھ زور ہوگا نہ مددگار۔^(۴)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

۱۱۔ بارش والے آسمان کی قسم^(۵)

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝

۱۲۔ اور پھٹنے والی زمین کی قسم^(۶)

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝

۱۳۔ بیشک یہ (قرآن) البتہ دو ٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔^(۷)

۱۔ کہا جاتا ہے کہ پیٹھ، مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کہ یہ دونوں مل کر ایک ہی بن جاتا ہے۔ تَرَائِبُ، تَرَيُّبَةُ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو بار پہننے کی جگہ ہے۔

۲۔ یعنی انسان کے مرنے کے بعد، اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرۂ آب کو دوبارہ شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پہلے مفہوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

۳۔ یعنی ظاہر ہو جائیں گے، کیوں کہ ان پر جزاء و سزا ہوگی۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے ”ہر غدر (بد عہدی) کرنے والے کے سرین کے پاس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔“ (صحیح البخاری، کتاب الجزیۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب تحریم الغدر) مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا۔

۴۔ یعنی خود انسان کے پاس اتنی قوت ہوگی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے، نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا مددگار مل سکے گا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

۵۔ رَجْعُ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعُ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتا ہے اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتا ہے، اس لیے بارش کو رَجْعُ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تقاؤل عرب بارش کو رَجْعُ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔ (فتح القدیر)

۶۔ یعنی زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے، زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن آئے گا کہ زمین پھٹے گی، سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شکاف والی کہا۔

۷۔ یہ جواب قسم ہے، یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔

وَمَا هُوَ إِلَّا هَزْلٌ ۝

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝

وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝

فَبَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْ لَهُمْ دُوْدٌ ۝

۱۴. اور یہ ہنسی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں۔^(۱)

۱۵. یقیناً کافر داؤ گھات میں ہیں۔^(۲)

۱۶. اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔^(۳)

۱۷. تو کافروں کو مہلت دے^(۴) انہیں تھوڑے دنوں ان کے حال پر چھوڑ دے۔

۱. یعنی کھیل کود اور مذاق والی چیز نہیں ہے، ہَزْلٌ، جِدُّ (قصد و ارادہ) کی ضد ہے۔ یعنی ایک واضح مقصد کی حامل کتاب ہے، لہو و لعب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔

۲. یعنی نبی ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں، اس کو ناکام کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں، یا نبی ﷺ کو دھوکہ اور قریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

۳. یعنی میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں، میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ کِيدٌ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، جو برے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔

۴. یعنی ان کے لیے تعجیل عذاب کا سوال نہ کر، بلکہ انہیں کچھ مہلت دے دے۔ رُوْدًا: قَلِيلًا یا قَرِيبًا یہ امہال و استدراج بھی کافروں کے حق میں اللہ کی طرف سے ایک کید کی صورت ہے جیسے فرمایا ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ وَأَهْلُ لَهُمْ إِنَّا كِذِّیْ مَتِّبُونَ ﴿ (الأعراف: ۱۸۲-۱۸۳) (ہم ان کو بتدریج (گرفت میں) لیے جارہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے)۔

سُورَةُ الْأَعْلَىٰ

سورہ اعلیٰ کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ

الَّذِي خَلَقَ قَسْوَىٰ

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهْدَىٰ

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ

فَجَعَلَ عَتَاً أَوْحَىٰ

سَعْفَرًا لَّكَ فَلَا تَلْسَنُ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔^(۱)

۲. جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا۔^(۲)

۳. اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی۔^(۳)

۴. اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی۔^(۴)

۵. پھر اس نے اس کو (سکھا کر) سیاہ کوڑا کر دیا۔^(۵)

۶. ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔^(۶)

☆ رسول اللہ ﷺ یہ سورت اور سورۃ الغاشیہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی، ان میں ایک یہ بھی تھی (صحاح میں یہ ساری تفصیل موجود ہے)۔

۱. یعنی ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اس کے جواب میں پڑھا کرتے تھے، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ۔ (مسند أحمد: ۲۳۲/۱ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء فی الصلوٰۃ وقال الألبانی صحیح)

۲. دیکھیے سورۃ الانفطار کا حاشیہ نمبر ۷۔

۳. یعنی نیکی اور بدی کی۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی۔ یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی۔ قَدَّرَ کا مفہوم ہے، اشیاء کی جنسوں، ان کی انواع و صفات اور خصوصیات کا اندازہ فرما کر انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرمادی تاکہ انسان ان سے استفادہ کر سکے۔

۴. جسے جانور چرتے ہیں۔

۵. گھاس خشک ہو جائے تو اسے عَتَا کہتے ہیں، اَحْوَىٰ سیاہ کر دیا۔ یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

۶. حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس طرح جلدی نہ کریں۔ نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے، پس آپ اسے بھولیں گے نہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے گا، لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد ہی رہا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسوخ کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھولا دے گا۔ (فتح القدیر)

اَلَا مَآ شَاءَ اللّٰهُ اِنَّهُۥ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰی ۝

وَيُبَيِّنُ رَاٰیَ الْبَیِّنٰتِ ۝

فَدَّكَّرَ اِنْ تَفَعَّلَ الْاِذْکٰی ۝

سَيَذَرُکَ مَنْ يُّخَفِّیْ ۝

وَيَجْعَلُهَا اِلَاسْمٰی ۝

الَّذِیْ یُضَلِّی النَّارَ الْاَلْبٰی ۝

ثُمَّ لَا یَبُوءُ فِیْهَا وَلَا یُحْیٰی ۝

۷۔ مگر جو کچھ اللہ چاہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔^(۱)

۸۔ اور ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیں گے۔^(۲)

۹۔ تو آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت کچھ فائدہ دے۔^(۳)

۱۰۔ ڈرنے والا تو نصیحت لے گا۔^(۴)

۱۱۔ (ہاں) بد بخت اس سے گریز کرے گا۔^(۵)

۱۲۔ جو بڑی آگ میں جائے گا۔

۱۳۔ جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جیے گا،^(۶) (بلکہ حالت

نزع میں پڑا رہے گا)۔

۱۔ یہ عام ہے، جبر قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ ﷺ یاد کر لیں، اور جو آپ کے سینے سے محو کر دیا جائے، وہ مخفی ہے۔ اس طرح جبر اونچی آواز سے پڑھے، مخفی پست آواز سے پڑھے۔ مخفی، چھپ کر عمل کرے اور جبر ظاہر، ان سب کو اللہ جانتا ہے۔

۲۔ یہ بھی عام ہے، مثلاً ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقہ کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہو گا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے، ہم آپ کے لیے ایسے افعال و اقوال آسان کر دیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپ کے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے، جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی، جس میں کوئی کجی، عسر اور تنگی نہیں ہوگی۔

۳۔ یعنی وعظ و نصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہوگی۔ یہ وعظ و نصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرمادیا۔ (ابن کثیر) امام شوکانی کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، چاہے فائدہ دے یا نہ دے۔ کیونکہ انذار و تبلیغ دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھیں۔ یعنی اَوَّلَکُمْ تَنَفَّعَ یہاں محذوف ہے۔

۴۔ یعنی آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا، ان میں خشیت الہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہو جائے گا۔

۵۔ یعنی اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے کیوں کہ ان کا کفر پر اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں انہماک جاری رہتا ہے۔

۶۔ ان کے برعکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں رہ گئے ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا۔ حتیٰ کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا، ان کو جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا، جتنی بھی ان پر پانی ڈالیں گے، جس سے وہ اس طرح جی انھیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے پر دانہ اگ آتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝

بَلْ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ۝

وَالْأَجْرُ حَيْثُ وَابَقَى ۝

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝

صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۝

۱۴. بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا۔^(۱)

۱۵. اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا

رہا۔

۱۶. لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

۱۷. اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقاء والی ہے۔^(۲)

۱۸. یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں۔

۱۹. (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہ السلام) کی کتابوں میں۔

۱. جنہوں نے اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ سے اور دلوں کو شرک و معصیت کی آلودگیوں سے پاک کر لیا۔

۲. کیوں کہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے، جب کہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اس لیے عاقل فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

سورہ غاشیہ مکی ہے اور اس میں چھپیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. کیا تجھے بھی چھپالینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے۔^(۱)
۲. اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے۔^(۲)
۳. (اور) محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔^(۳)
۴. وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔
۵. اور ان کو نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔^(۴)
۶. ان کے لیے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا۔^(۵)
۷. جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔
۸. بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اور (آسودہ حال)

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝

وَجْوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝

عَابِلَةٌ أَكَصِبَةٌ ۝

تَصَلَّى نَارًا أَحَامِيَّةً ۝

تُسْقَى مِنْ عَيْنِ أَنْبِيَةٍ ۝

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ ۝

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝

وَجْوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ۝

☆ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ کے ساتھ سورہ غاشیہ بھی پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک، باب القراءة في صلاة الجمعة)

۱. ہلّ بمعنی قَدْ ہے۔ غَاشِيَةٌ سے مراد قیامت ہے۔ اس لیے کہ اس کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانک لیں گی۔
۲. یعنی کافروں کے چہرے۔ خَاشِعَةٌ تھکے ہوئے، پست اور ذلیل۔ جیسے، نمازی، نماز کی حالت میں اللہ کے سامنے عاجزی اور تذلل سے جھکا ہوتا ہے۔
۳. نَاصِبَةٌ کے معنی ہیں، تھک کر چور ہو جانا۔ یعنی انہیں اتنا پر مشقت عذاب ہوگا کہ اس سے ان کا سخت برا حال ہوگا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کے تھکے ہوئے ہوں گے یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوں گے، اس لیے ”عبادات“ اور ”اعمال شاقہ“ کے باوجود جہنم میں جائیں گے۔ چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿عَابِلَةٌ أَكَصِبَةٌ﴾ سے نصاریٰ مراد لیے ہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر سورة الغاشية)

۴. یہاں وہ سخت کھوٹا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو۔ (فتح القدیر)

۵. یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہر حال یہ بھی زقوم کی طرح ایک نہایت تلخ، بد مزہ اور ناپاک ترین کھانا ہوگا، جو جزو بدن بنے گا نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

ہوں گے۔

۹. اپنی کوشش پر خوش ہوں گے۔

۱۰. بلند وبالا جنتوں میں ہوں گے۔

۱۱. جہاں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔

۱۲. جہاں بہتا ہوا چشمہ ہوگا۔

۱۳. (اور) اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔

۱۴. اور آنجورے رکھے ہوئے (ہوں گے)۔

۱۵. اور ایک قطار میں لگے ہوئے تیکے ہوں گے۔

۱۶. اور مخنی مسدیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔^(۱)

۱۷. کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں۔^(۲)

۱۸. اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے۔^(۳)

۱۹. اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں۔^(۴)

۲۰. اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی

لَسَعِيهَا رَاضِيَةً ۙ

فِي جَنَّاتٍ عَالِيَةٍ ۙ

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَغْوًا ۙ

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۙ

فِيهَا سُرُورٌ مَّرْغُوعٌ ۙ

وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ۙ

وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۙ

وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۙ

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ

وَالِى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ

وَالِى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ

وَالِى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۖ

۱. یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے، جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ عَيْنٌ بطور جنس کے ہے یعنی متعدد چشمے ہوں گے۔ نَمَارِقُ بمعنی وَسَائِد (تیکے) ہے زَرَابِيُّ مسدیں، قالین اور گدے بستر مَبْثُوثَةٌ پھیلی ہوئی۔ یعنی یہ مسدیں جگہ جگہ بکچی ہوں گی۔ اہل جنت جہاں آرام کرنا چاہیں گے، کر سکیں گے۔

۲. اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری یہی تھی، اس لیے اللہ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو، اللہ نے اسے کتنا بڑا وجود عطا کیا ہے اور کتنی قوت و طاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمہارے لیے نرم اور تابع ہے، تم اس پر جتنا چاہو بوجھ لا دو، وہ انکار نہیں کرے گا، تمہارا ماتحت ہو کر رہے گا۔ علاوہ ازیں اس کا گوشت تمہارے کھانے کے، اس کا دودھ تمہارے پینے کے اور اس کی اون، گرمی حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔

۳. یعنی آسمان کتنی بلندی پر ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر، پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شکاف اور کجی بھی نہیں ہے۔ نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔

۴. یعنی کس طرح انہیں زمین پر مینوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے۔ نیز ان میں جو معدنیات اور دیگر منافع ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

(۱) ہے۔

۲۱. پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔^(۲)

۲۲. آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔^(۳)

۲۳. ہاں! جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے۔

۲۴. اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب دے گا۔^(۴)

۲۵. بیشک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے۔

۲۶. پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔^(۵)

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُضَيِّطٍ

إِلَّا مَنِ تَوَلَّى وَكَفَرَ

فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ

۱. یعنی کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے، وہ اس پر چلتا پھرتا، کاروبار کرتا اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔

۲. یعنی آپ کا کام صرف تذکر اور تبلیغ و دعوت ہے، اس کے علاوہ یا اس سے بڑھ کر نہیں۔

۳. کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیت سیف سے منسوخ ہو گیا، کیوں کہ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا۔ «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) فَإِذَا قَالُوا: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ» (صحیح البخاری، باب وجوب الزکوٰۃ، مسلم کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله واللفظ لمسلم) (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جب وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیا۔ سوائے حق اسلام کے، (جو اگر ہمارے علم میں نہ آیا تو) ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے)۔

۴. یعنی جہنم کا دائمی عذاب۔

۵. مشہور ہے کہ اس کے جواب میں اللہم حسبننا حسابنا یسیرا پڑھا جائے۔ یہ دعا تو نبی ﷺ سے ثابت ہے جو آپ ﷺ اپنی بعض نمازوں میں پڑھتے تھے، جیسا کہ سورہ انشقاق میں گزرا۔ لیکن اس کے جواب میں پڑھنا، یہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

سورہ فجر کی ہے اور اس میں تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ

وَلَيْلٍ عَشِيرٍ

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ

وَالْأَيْلِ إِذَا يَسِرُّ

هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے فجر کی۔^(۱)

۲. اور دس راتوں کی۔^(۲)

۳. اور جفت اور طاق کی۔^(۳)

۴. اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔^(۴)

۵. کیا ان میں عقلمند کے واسطے کافی قسم ہے؟^(۵)

۶. کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں
کے ساتھ کیا کیا۔^(۶)

۱. اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔

۲. اس سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا (عشرہ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا پسندیدہ نہیں، سوائے اس جہاد کے جس میں انسان شہید ہی ہو جائے)۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق)

۳. اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، کہ یہ دراصل مخلوق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (اُبَیْر القاسم)

۴. یعنی جب آئے اور جب جائے، کیوں کہ سیر (چلنا) آتے جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔

۵. ذلک سے مذکورہ مقدمہ بہ اشیاء کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل ودانش کے واسطے کافی نہیں ہے؟ حجّر کے معنی ہوتے ہیں، روکنا، منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے نھیۃ بھی کہتے ہیں۔ جواب قسم یا مقسم علیہ لَتُبْعَنَّ ہے کیوں کہ کئی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِاِلْمُرْصَادِ﴾ ہے۔ آگے بطریق استشہاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرما رہا ہے جو تکذیب وعتاد کی بنا پر ہلاک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول ﷺ کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی اسی طرح مواخذہ ہو سکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ نے کیا۔

۶. ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے انہوں نے تکذیب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب ان

إِرمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

الَّتِي لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ ۝

وَشَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝

فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

۷۔ ستونوں والے ارم کے ساتھ۔^(۱)

۸۔ جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔^(۲)

۹۔ اور شمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے۔^(۳)

۱۰۔ اور فرعون کے ساتھ جو مینوں والا تھا۔^(۴)

۱۱۔ ان سبھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا۔

۱۲۔ اور بہت فساد مچا رکھا تھا۔

۱۳۔ آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا۔^(۵)

۱۴۔ یقیناً تیرا رب گھات میں ہے۔^(۶)

پر نازل کیا جو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی (الحاقة: ۷-۱۰) اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۱۔ اِرم، عَاد سے عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے دادا کا نام ہے۔ ان کا سلسلہ نسب ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ (فتح القدیر) اس کا مقصد یہ وضاحت ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہے۔ ذات العمداء (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامت کی طرف۔

علاوہ ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور نہایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ذات العمداء میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔

۲۔ یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی۔ یہ قوم کہا کرتی تھی ﴿مَنْ أَشَدُّ مَقَادًا﴾ (حکم السجدة: ۱۵) (ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے؟)۔

۳۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، اللہ نے اسے پتھر تراشنے کی خاص صلاحیت و قوت عطا کی تھی، حتیٰ کہ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے، جیسا کہ قرآن نے کہا ہے ﴿وَتَجْعَلُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا يُفْرِقُونَ﴾ (الشعراء: ۱۳۹) (اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو)۔

۴۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس خیموں کی کثرت تھی جنہیں مینیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ یا اس سے اس کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ ہے کہ مینوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا۔ (فتح القدیر)

۵۔ یعنی ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دیا، یا انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔

۶۔ یعنی تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزاء دیتا ہے۔

۱۵. انسان (کایہ حال ہے کہ) جب اس کا رب اسے آزماتا ہے اور عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا۔^(۱)

۱۶. اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اور اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی (اور ذلیل کیا)۔^(۲)

۱۷. ایسا ہرگز نہیں^(۳) بلکہ (بات یہ ہے) کہ تم (ہی) لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے۔^(۴)

۱۸. اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔

۱۹. اور (مردوں کی) میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو۔^(۵)

۲۰. اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔^(۶)

۲۱. یقیناً جس^(۷) وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی

فَإِنَّمَا لِلْإِنْسَانِ إِذَا مَا ابْتَغَىٰ رُغْبَةً فَآذَمَهُ
وَنَعَمَهُ ۚ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنَ ۝

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَغَىٰ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۚ
فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنَ ۝

كَلَّا بَلْ لَا تَكْفُرُونَ الْيَتِيمَ ۝

وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْيُسْكِينِ ۝

وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝

۱. یعنی جب اللہ کسی کو رزق و دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر بہت مہربان ہے، حالانکہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

۲. یعنی وہ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔

۳. یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ انہوں اور بیگانوں دونوں کو مبتلا کرتا ہے۔ اصل مدار دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت پر ہے۔ جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔

۴. یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے جس کے وہ مستحق ہیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے (وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر بدترین ہے جس میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے) پھر اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی ضم الیتیم)

۵. یعنی جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے لَمَّا بمعنی جَمْعًا۔

۶. جَمًّا بمعنی کَثِيرًا۔

۷. یا تمہارا عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مذکور ہوا، کیوں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب.....

جائے گی۔

۲۲. اور تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آجائیں گے)۔^(۱)

۲۳. اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی^(۲) اس دن انسان کو سمجھ آئے گی مگر آج اس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟^(۳)

۲۴. وہ کہے گا کہ کاش کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا۔^(۴)

۲۵. پس آج اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا۔

۲۶. اور نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی۔^(۵)

۲۷. اے اطمینان والی روح!

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝

وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ لَا يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ
الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۝

يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَايَتِي ۝

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَ أَحَدٍ ۝

وَلَا يُؤْثِرُ وَلَا يُوشِي وَتَأْتِيهِ أَحَدُهُ

يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝

۱. کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے، قیامت کے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہوگی، اس طرح سات صفیں ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔

۲. ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جہنم جکڑی ہوئی ہوگی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فی شدة حرار جہنم وبعد قعرها، ترمذی، أبواب صفة جہنم، باب ماجاء فی صفة النار) اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب اور انبیاء علیہم السلام گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور «يَا رَبِّ! نَفْسِي نَفْسِي» پکاریں گے۔ (فتح القدیر)

۳. یعنی یہ ہولناک منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر و معاصی پر نادم ہوگا، لیکن اس روز اس ندامت اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

۴. یہ افسوس اور حسرت کا اظہار، اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہوگی۔

۵. اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے۔ دوسرے، کسی کو اس کے سامنے رائے یا دم زنی نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے، اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حال ہوگا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہوگا، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

۲۸. تو اپنے رب کی طرف^(۱) لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش۔

۲۹. پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔

۳۰. اور میری جنت میں چلی جا۔

ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝

فَادْخُلْ فِي عَبْدِی ۝

وَادْخُلْ جَنَّتِی ۝

۱. یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں قیامت کے دن کہا جائے گا، بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا، «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ، وَتَرْضَىٰ بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ»۔ (ابن کثیر)

سُورَةُ الْبَلَدِ

سورہ بلد مکی ہے اور اس میں بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا أُنْقِصُ بِهَذَا الْبَلَدِ

وَأَنْتَ حَلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ

وَوَالِدٌ وَمَا وَلَدٌ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ

أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يُعْجِزَ عَلَيْهِ أَحَدٌ

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَا لَا بَدَأُ

أَيَحْسَبُ أَنْ لَوْ يَرَهُ أَحَدٌ

أَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔^(۱)

۲. اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔

۳. اور (قسم ہے) انسانی باپ اور اولاد کی۔^(۲)

۴. یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مشقت میں پیدا کیا ہے۔^(۳)

۵. کیا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟^(۴)

۶. کہتا (پھرتا) ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ
کر ڈالا۔^(۵)

۷. کیا (یوں) سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا (ہی)
نہیں؟^(۶)

۸. کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں۔^(۷)

۱. اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت، جب اس سورت کا نزول ہوا، نبی ﷺ کا قیام تھا، آپ ﷺ کا مولد بھی

یہی شہر تھا۔ یعنی اللہ نے آپ ﷺ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی، جس سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

۲. بعض نے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد لی ہے، اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے، ہر باپ اور اس کی
اولاد اس میں شامل ہے۔

۳. یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے۔ امام طبری نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے، یہ جواب قسم ہے۔

۴. یعنی کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں؟

۵. بُدَا، کثیر، ڈھیر۔ یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے، پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے
بیان کرتا پھرتا ہے۔

۶. اس طرح اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے؟ حالانکہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا
ہے۔ جس پر وہ اسے جزاء دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت کھیں۔

۷. جن سے یہ دیکھتا ہے۔

۹. اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے) ^(۱)
۱۰. اور ہم نے دکھا دیے اس کو دونوں راستے۔ ^(۲)
۱۱. سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا۔ ^(۳)
۱۲. اور کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟
۱۳. کسی گردن (غلام یا لونڈی) کو آزاد کرنا۔
۱۴. یا بھوک والے دن کھانا کھانا۔
۱۵. کسی رشتہ دار یتیم کو۔
۱۶. یا خاکسار مسکین کو۔ ^(۴)
۱۷. پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان
- وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝
وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝
فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝
وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝
فَكَّ رَقَبَةً ۝
أَوْ اِطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝
يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝
أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالْصَّبْرِ

۱. زبان سے وہ بولتا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔
۲. یعنی خیر کا بھی اور شر کا بھی، کفر کا بھی اور ایمان کا بھی، سعادت کا بھی اور شقاوت کا بھی۔ جیسے فرمایا، ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ (الدھر: ۳) (ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا)۔ نَجْدٌ کے معنی ہیں، اونچی جگہ۔ اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے ”ہم نے انسان کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی“ یعنی وہ عالم شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔
۳. عَقَبَةُ گھاٹی کو کہتے ہیں یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جملہ یہاں استفہام بمعنی انکار کے مفہوم میں ہے۔ یعنی اَفَلَا افْتَحَمَ الْعَقَبَةَ کیا وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا؟ مطلب ہے نہیں ہوا۔ یہ ایک مثال ہے اس محنت و مشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے وسوسوں اور نفس کے شہوانی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے، جیسے گھاٹی پر چڑھنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)
۴. مَسْغَبَةٍ، مَجَاعَةٍ (بھوک) يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ، بھوک والے دن۔ ذَا مَتْرَبَةٍ (مٹی والا) یعنی جو فقر و غربت کی وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو۔ اس کا گھر بار بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دینا، کسی بھوکے کو، رشتے دار یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلادینا، یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا۔ یتیم کی کفالت ویسے ہی بڑے اجر کا کام ہے، لیکن اگر وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے۔ ایک صدقہ کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلادینا ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک گونہ فَكَّ رَقَبَةٍ ہے۔

وَقَوَّاصُوا بِالْمَرْحَةِ ۝

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَيْنَا هُمْ أَصْحَابُ الشِّمَلَةِ ۝

عَلَيْهِمْ نَارُ مُّؤَصَّدَةٍ ۝

لاتے^(۱) اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔^(۲)

۱۸. یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے)۔

۱۹. اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں بازو (کم بختی) والے ہیں۔

۲۰. انہی پر آگ ہوگی جو چاروں طرف سے گھیری ہوئی ہوگی۔^(۳)

۱. اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال خیر، اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں گے جب ان کا کرنے والا صاحب ایمان ہوگا۔

۲. اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں۔

۳. مُؤَصَّدَةٍ کے معنی مُخَلَّقَةٌ (بند) یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا، تاکہ ایک تو آگ کی پوری شدت حرارت ان کو پہنچے۔ دوسرا وہ بھاگ کر کہیں نہ جاسکیں۔

سورہ شمس کی ہے اور اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا

وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا

وَالنَّهَارُ إِذَا جَدَّهَا

وَاللَّيْلُ إِذَا غَشَّهَا

وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنَدَهَا

وَالْأَرْضَ وَمَا طَحَّهَا

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا

فَأَلَّهَمَّا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَكَّبَهَا

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَلَّاهَا

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔^(۱)

۲. قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے۔^(۲)

۳. قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے۔^(۳)

۴. قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے۔^(۴)

۵. قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔^(۵)

۶. قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی۔^(۶)

۷. قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔^(۷)

۸. پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اسے بتادی۔^(۸)

۹. جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔^(۹)

۱۰. اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔^(۱۰)

۱. یا اس کی روشنی کی، یا مطلب ضحیٰ سے دن ہے۔ یعنی سورج کی اور دن کی قسم۔

۲. یعنی جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو، جیسا کہ پہلے نصف مبینے میں ایسا ہوتا ہے۔

۳. یا تاریکی کو دور کرے، ظلمت کا پہلے ذکر تو نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ (فتح القدیر)

۴. یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت اندھیرا چھا جائے۔

۵. یا اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ پہلے معنی کی رو سے مَا بِمَعْنَى مَنْ ہوگا۔

۶. یا جس نے اسے ہموار کیا۔

۷. یا جس نے اسے درست کیا۔ درست کرنے کا مطلب ہے، اسے متناسب الاعضاء بنایا، بے ڈھب اور بے ڈھنگا نہیں بنایا۔

۸. الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انہیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انہیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر و شر کی پہچان کروادی۔ یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کردیا۔ تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

۹. شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا، وہ اخروی فوز وفلاح سے ہمکنار ہوگا۔

۱۰. یعنی جس نے اسے گمراہ کر لیا، وہ خسارے میں رہا۔ دَسَّ، تَدْسِيسٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں۔ ایک چیز کو دوسری

كَذَبَتْ شُمُودٌ بِطُغْيَانِهَا ۝

إِذَا نَبَعَتْ أَشْقَبُهَا ۝

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝

فَكَذَّبُوهُ فَعَبْرُوا بِهَا فَنَدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَوْمَ يَبْعَهُمْ

مُسَوِّمَهُمْ ۝

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهُمْ ۝

۱۱. (قوم) شمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا۔^(۱)

۱۲. جب ان میں کا بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا۔^(۲)

۱۳. انہیں اللہ کے رسول نے فرمادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی (حفاظت کرو)۔^(۳)

۱۴. ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں،^(۴) پس ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث ان پر ہلاکت ڈالی^(۵) اور پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اس بستی کو برابر کر دیا۔^(۶)

۱۵. اور وہ نہیں ڈرتا اس کے تباہ کن انجام سے۔^(۷)

چیز میں چھپا دینا۔ دَسَّاهَا کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور اسے اللہ کی اطاعت اور عمل صالح کے ساتھ مشہور نہیں کیا۔

۱. طُغْيَانٌ، وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے اسی طغیان نے انہیں تکذیب پر آمادہ کیا۔

۲. جس کا نام مفسرین قدرا بن سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ کہیں الاشقیاء بن گیا سب سے بڑا شقی (بد بخت)۔

۳. یعنی اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو، اس میں بھی گزر بڑ نہ کی جائے۔ اونٹنی اور قوم شمود دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے پرواہ نہیں کی۔

۴. یہ کام ایک ہی شخص قدرا نے کیا تھا۔ لیکن چون کہ اس شرارت میں قوم بھی اس کے ساتھ تھی اس لیے اس میں سب کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا۔ اور تکذیب اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی۔ جس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک برائی کا ارتکاب کرنے والے اگر چند ایک افراد ہوں لیکن پوری قوم اس برائی پر نکیر کرنے کے بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ کے ہاں پوری قوم اس برائی کی مرتکب قرار پائے گی اور اس جرم یا برائی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔

۵. دَمَدَمَ عَلَيْهِمْ، ان کو ہلاک کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔

۶. عام کر دیا، یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا، کسی کو نہیں چھوڑا، چھوٹا بڑا، سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا یعنی سب کو تہ خاک کر دیا۔

۷. یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اس نے انہیں سزا دی ہے کہ کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدلہ لے گی۔ وہ انجام سے بے خوف ہے کیوں کہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر ہی ہو، جو اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتی ہو۔

سُورَةُ النِّيلِ

سورہ نیل مکی ہے اور اس میں اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْیَلِ اِذَا یَغْشٰی

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی

وَمَا خَلَقَ الذَّکْرَ وَالْاُنْثٰی

اِنْ سَعِیْکُمْ لَشَقِی

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاسْتَفٰی

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی

فَسُیِّرَۃً لِّیُسْرٰی

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔^(۱)

۲. اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو۔^(۲)

۳. اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر مادہ کو پیدا
کیا۔^(۳)

۴. یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے۔^(۴)

۵. جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور (اپنے رب سے)
ڈرا۔^(۵)

۶. اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا۔^(۶)

۷. تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے۔^(۷)

۸. اور لیکن جس نے بخیل کی اور لاپرواہی برتی۔^(۸)

۱. یعنی افق پر چھاجائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔

۲. یعنی رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔

۳. یہ اللہ نے اپنی قسم کھائی، کیوں کہ مرد و عورت دونوں کا خالق اللہ ہی ہے مآ موصولہ ہے۔ بمعنی الْمَذٰی۔

۴. یعنی کوئی اچھے عمل کرتا ہے، جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی برے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہ جواب قسم ہے سَتٰی، سَتِیْتُ کی جمع ہے، جیسے مَرِیْضٌ کی جمع مَرَضٰی۔

۵. یعنی خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور محارم سے بچے گا۔

۶. یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ انفاق اور تقویٰ کا اللہ کی طرف سے عمدہ صلہ ملے گا۔

۷. یُسْرٰی کا مطلب نیکی اور الْخَصْلَةُ الْيُسْرٰی ہے۔ یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے چھ غلام آزاد کیے، جنہیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت افیت دیتے تھے۔ (فتح القدیر)

۸. یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پرواہی کرے گا۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝

فَسَيَسْأَلُهُُ الْعَصْرَىٰ ۝

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ۝

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝

وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۝

لَا يُصْلِحُهَا إِلَّا الْأَشْقَىٰ ۝

الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝

۹. اور نیک بات کی بکندوب کی۔^(۱)

۱۰. تو ہم بھی اس کی تنگی و مشکل کے سامان میسر کر دیں گے۔^(۲)

۱۱. اور اس کا مال اسے (اوندھا) کرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا۔^(۳)

۱۲. بیشک راہ دکھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔^(۴)

۱۳. اور ہمارے ہی ہاتھ آخرت اور دنیا ہے۔^(۵)

۱۴. میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈر دیا ہے۔

۱۵. جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہو گا۔

۱۶. جس نے جھٹلایا اور (اس کی پیروی سے) منہ پھیر لیا۔^(۶)

۱. یا آخرت کی جزاء اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔

۲. عُسْرَىٰ (تنگی) سے مراد کفر و معصیت اور طریق شر ہے۔ یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راستہ آسان کر دیں گے، جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے، اس کے صلے میں اللہ اسے خیر کی توفیق سے نوازتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے علم سے لکھ رکھی ہے۔ (ابن کثیر) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا (تم عمل کرو، ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے، جو اہل سعادت سے ہوتا ہے، اسے اہل سعادت والے عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے، اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ اللیل)

۳. یعنی جب جہنم میں گرے گا تو یہ مال، جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا، کچھ کام نہ آئے گا۔

۴. یعنی حلال اور حرام، خیر اور شر، بدایت اور ضلالت کو واضح کرنا اور بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ (جو کہ ہم نے کر دیا ہے)

۵. یعنی دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم سے ہی مانگیں کیوں کہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔

۶. اس آیت سے مر جہ فرقتے نے (جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے) استدلال کیا ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گناہ گار ہو، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی، جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا دینا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جہنم میں جائیں گے،

وَسَيَحَبِّهَا الْأَنْفَى ۝

۱۷. اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہوگا۔^(۱)

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝

۱۸. جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔^(۲)

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝

۱۹. اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔^(۳)

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝

۲۰. بلکہ صرف اپنے بزرگ و بلند پروردگار کی رضا چاہنے کے لیے۔^(۴)

وَلَوْ يَظُنُّ

۲۱. اور یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضا مند ہو جائے گا۔^(۵)

پھر وہ نبی ﷺ، ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے، یہاں حصر کے انداز میں جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ کچے کافر اور نہایت بدبخت ہیں، جہنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے، جس میں وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔ اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جہنم میں جائیں گے تو وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے، بلکہ بطور سزا ان کا یہ دخول عارضی ہوگا۔ (فتح القدیر)

۱. یعنی جہنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

۲. یعنی جو اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا نفس بھی اور اس کا مال بھی پاک ہو جائے۔

۳. یعنی بدلہ اتارنے کے لیے خرچ نہ کرتا ہو۔

۴. بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔

۵. یا وہ راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا، جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ تاہم معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہیں، جو بھی ان صفات عالیہ سے متصف ہوگا، وہ بارگاہ الہی میں ان کا مصداق قرار پائے گا۔

سُورَةُ الضُّحَىٰ

سورہ ضحیٰ کی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحَىٰ

وَإِلَّٰلِ إِذَا سَجَىٰ ۝

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝

وَلَا خُزُوًا خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے چاشت کے وقت کی۔^(۱)

۲. اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔^(۲)

۳. نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار
ہو گیا ہے۔^(۳)

۴. یقیناً تیرے لیے انجام آغاز سے بہتر ہو گا۔^(۴)

۵. تجھے تیرا رب بہت جلد (انعام) دے گا اور تو راضی
(وخوش) ہو جائے گا۔^(۵)

۶. کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟^(۶)

۷. اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی۔^(۷)

☆ ایک مرتبہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اے محمد! (ﷺ) معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا۔ جس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الضحیٰ) یہ عورت ابوہب کی بیوی ام جمیل تھیں۔ (فتح الباری)

۱. چاشت (ضُحَىٰ) اس وقت کو کہتے ہیں، جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔

۲. سَجَىٰ کے معنی ہیں سکن، جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندھیرا مکمل چھا جائے، کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔

۳. جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔

۴. یا آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ دونوں مفہوم معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

۵. اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا اجر و ثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ ﷺ کو اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

۶. یعنی باپ کے سہارے سے بھی تو محروم تھا، ہم نے تیری دست گیری اور چارہ سازی کی۔

۷. یعنی تجھے دین شریعت اور ایمان کا پتہ نہیں تھا، ہم نے تجھے راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی، ورنہ اس

وَوَجَدَكَ عَلِيًّا فَأَغْنَىٰ ۝

فَأَنَا إِلَيْكَ فَلَا تَفْهَرُ ۝

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۝

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثُ ۝

۸. اور تجھے نادار پا کر تو نگریں بنا دیا؟^(۱)

۹. پس تو بھی یتیم پر سختی نہ کیا کر۔^(۲)

۱۰. اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ۔^(۳)

۱۱. اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔^(۴)

سے قبل تو ہدایت کے لیے سرگرداں تھا۔

۱. تو نگری کا مطلب ہے، اپنے سوا تجھ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس تو فقر میں صابر اور غناء میں شاکر رہا۔ جیسے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ (تو نگری، سازو سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تو نگری دل کی تو نگری ہے)۔ (صحیح

مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ليس الغنى عن كثرة العرض)

۲. بلکہ اس کے ساتھ نرمی و احسان کا معاملہ کر۔

۳. یعنی اس سے سختی اور تکبر نہ کر، نہ درشت اور تلخ لہجہ اختیار کر۔ بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دو۔

۴. یعنی اللہ نے تجھ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً ہدایت اور رسالت و نبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود تیری کفالت و سرپرستی کا انتظام کیا، تجھے قناعت و تو نگری عطا کی وغیرہ۔ انہیں جذبات تشکر و ممنونیت کے ساتھ بیان کرتا رہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت و طاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔

سُورَةُ الزُّمَرِ

سورہ الم نشرح کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نُنْشَرْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

۱. کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔^(۱)

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝

۲. اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا۔^(۲)

الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

۳. جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

۴. اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔^(۳)

۱. گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات بتلائے جا رہے ہیں۔ سینہ کھول دینا، ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سا بھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے ﴿فَمَنْ يُرِِدْ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيْكَ يَشْرَحْ صَدْرَكَ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الانعام: ۲۵) (جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے)۔ یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کا دل پھیرا اور اس سے وہ حصہ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے دھو کر بند کر دیا، (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء) دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر۔ اس موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحیحین، أبواب المعراج و کتاب الصلوۃ)

۲. یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے۔ اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو گناہوں سے محفوظ رکھا، کسی بت کے سامنے آپ ﷺ سجدہ ریز نہیں ہوئے، کبھی شراب نوشی نہیں کی اور بھی دیگر برائیوں سے دامن کش رہے، تاہم معروف معنوں میں اللہ کی عبادت و اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی۔ اس لیے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت و عدم اطاعت کا بوجھ تھا، جو حقیقت میں تو نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ کے احساس و شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا۔ اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرما کر آپ ﷺ پر احسان فرمایا۔ یہ گویا وہی مفہوم ہے جو ﴿يَغْفِرْ لَكَ اللّٰهُ مَا تَدْنِمُ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَمَا تَاْخُرُ﴾ (الفتح: ۲) کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ نبوت کا بوجھ تھا، جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ و دعوت میں آسانیاں پیدا فرمادیں۔

۳. یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ ﷺ کا نام بھی آتا ہے۔ مثلاً اذان، نماز اور دیگر بہت سے مقامات پر، گزشتہ

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

۵. پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

۶. بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔^(۱)

۷. پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر۔^(۲)

۸. اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔^(۳)

کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا، وغیرہ۔

۱. یہ آپ ﷺ کے لیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمہیں فراغت و آسانی سے نوازے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جسے ساری دنیا جانتی ہے۔

۲. یعنی نماز سے، یا تبلیغ سے یا جہاد سے، تو دعا میں محنت کر، یا اتنی عبادت کر کہ تو تھک جائے۔

۳. یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھ۔

سُورَةُ التَّيْنِ

سورہ تین مکی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ

وَصُورِ سِينِينَ

وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔

۲. اور طور سینین کی۔^(۱)

۳. اور اس امن والے شہر کی۔^(۲)

۴. یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔^(۳)

۵. پھر اسے نیچوں سے نیچا کر دیا۔^(۴)

۶. لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کیے تو

۱. یہ وہی کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔

۲. اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جس میں قتال کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے، جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحب شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طور سینا یا سینین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شہر مکہ میں سید المرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (ابن کثیر)

۳. یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے۔ پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل و تدبیر، فہم و حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں ودیعت کیں، انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے، جس کا ذکر اللہ نے تین قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح القدیر)

۴. یہ اشارہ ہے انسان کے ارذل عمر (بہت زیادہ عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھاپا اور ضعف آ جاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کردار کا وہ سفلہ پن لیا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسوائی کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جہنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔

ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔^(۱)

۷. پس تجھے اب روز جزاء کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے۔^(۲)

۸. کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے۔^(۳)

فَمَا يَكْذِبُكَ بَعْدُ بِالْذِّينِ ۝

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَكَمِينَ ۝

۱. آیت ما قبل کے پہلے مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ مبینہ ہے، مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرے تیسرے مفہوم کے اعتبار سے، ما قبل کی تاکید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا استثناء کر دیا۔ (فتح القدیر)

۲. یہ انسان سے خطاب ہے، زجر و توبخ کے لیے۔ کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے برعکس قعر مذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی تو قیامت اور جزاء کا انکار کرتا ہے؟

۳. جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی داد رسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے۔ بَلَىٰ، وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔ (الترمذی)

سُورَةُ الْعَلَقِ

سورہ علق کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔^(۱)

۲. جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔^(۲)

۳. تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔^(۳)

۴. جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔^(۴)

۵. جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

۶. سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔

۱. یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی ﷺ پر اس وقت آئی جب آپ ﷺ غار حراء میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آکر کہا، پڑھ، آپ ﷺ نے فرمایا، میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں، فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے بھینچا، اور کہا پڑھ، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ ﷺ کو بھینچا۔ (تفسیر کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، بدء الوحي، مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي) اِقْرَأْ جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ خَلَقَ، جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

۲. مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

۳. یہ بطور تاکید فرمایا اور اس میں بڑے بلیغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرمادیا، جو آپ ﷺ نے پیش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا، اللہ بہت کرم والا ہے پڑھ، یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

۴. قَلَمَ کے معنی ہیں قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پہلے زمانے میں تراش کر ہی بنائے جاتے تھے، اس لیے آلہ کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے، وہ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ البتہ قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو ہمیشہ محفوظ رہتا ہے، اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

۷. اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ (یا تو نگر) سمجھتا ہے۔
۸. یقیناً لوٹنا تیرے رب کی طرف ہے۔
۹. (بھلا) تو نے اسے بھی دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔
۱۰. جب کہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے۔^(۱)
۱۱. بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہو۔^(۲)
۱۲. یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو۔^(۳)
۱۳. بھلا دیکھو تو اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو تو۔^(۴)
۱۴. کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔^(۵)
۱۵. یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔^(۶)
۱۶. ایسی پیشانی جو جھوٹی خطا کار ہے۔^(۷)

أَنْ تَأْتِيَهُ اسْتَعْنَى ۝

إِنْ إِلَىٰ رَبِّكَ الرَّجْعَىٰ ۝

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَبْهَىٰ ۝

عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝

أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝

أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝

أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝

كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝

۱. مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابو جہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ عَبْدًا سے مراد نبی ﷺ ہیں۔

۲. یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔

۳. یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم، جس سے انسان جہنم کی آگ سے بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اس پر اس کو دھمکیاں دی جائیں؟

۴. یعنی یہ ابو جہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو اَرَأَيْتَ بمعنی اُنْخَبِرْنِي (مجھے بتلاؤ) ہے۔

۵. مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ اس کی اس کو جزاء دے گا۔ یعنی یہ اَلَمْ يَعْلَمْ مذکورہ شرطوں ﴿أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ﴾ ﴿أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ﴾ ﴿إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾ کی جزاء ہے۔

۶. یعنی نبی ﷺ کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ آیا لَنَسْفَعَنَّ کے معنی ہیں لَنَأْخُذَنَّ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ حدیث میں آتا ہے ”ابو جہل نے کہا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) کعبے کے پاس نماز پڑھنے سے باز نہ آیا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ (یعنی اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورة العلق)

۷. پیشانی کی یہ صفات بطور مجاز ہیں، جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝

سَدَّ عُرْزَبَانِيَةً ۝

كَلَّا لَا تَتَّبِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝



۱۷. یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔

۱۸. ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے۔^(۱)

۱۹. خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب

ہو جا۔

۱. حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل گزرا تو کہا اے محمد! (ﷺ) میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور آپ ﷺ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ ﷺ نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگا اے محمد! (ﷺ) تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے؟ اللہ کی قسم، اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت ملائکہ عذاب اسے پکڑ لیتے۔ (ترمذی، تفسیر سورة اقرأ، مسند أحمد: ۳۲۹/۱ و تفسیر ابن جریر) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ”میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔“ (کتاب صفۃ القیامۃ، باب إن الإنسان لیطغی) الزبانیۃ، دارونے اور پولیس۔ یعنی طاقتور لشکر، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سُورَةُ الْقَدَرِ

سورہ قدر کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدَرِ

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدَرِ

لَيْلَةُ الْقَدَرِ مِائَتٌ مِّنْ أَلْفٍ سَهْرٍ

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ

كُلِّ امْرٍئٍ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔^(۱)

۲. تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟^(۲)

۳. شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔^(۳)

۴. اس میں فرشتے اور روح (جبرائیل علیہ السلام) اترتے ہیں

اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے سرانجام دینے کو۔^(۴)

☆ اس سورت کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ قَدَرُ کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں، اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں، اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْم بھی کہتے ہیں، اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر یعنی تنگی کی رات، یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ اس کی تعین میں بھی شدید اختلاف ہے۔ (فتح القدیر) تاہم احادیث و آثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس کو مبہم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں، اللہ کی خوب عبادت کریں۔

۱. یعنی اتارنے کا آغاز کیا، یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں، جو آسمان دنیا پر ہے، ایک ہی مرتبہ اتار دیا، اور وہاں سے حسب وقائع نبی ﷺ پر اترتا رہا تا آنکہ ۲۳ سال میں پورا ہو گیا۔ اور لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرة: ۱۸۵) سے واضح ہے۔

۲. اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

۳. یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے ۸۳ سال ۴ مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرمادی۔

۴. روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت، اس رات میں زمین پر اترتے ہیں، ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَلَامٌ شَيْءٍ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

۵. یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے ^(۱) اور فجر کے طلوع ہونے تک (رہتی ہے)۔

۱. یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں، یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شب قدر کے لیے نبی ﷺ نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے «اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»۔ (ترمذی أبواب الدعوات،

ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافية)

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

سورہ بینہ مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. اہل کتاب کے کافر^(۱) اور مشرک لوگ^(۲) جب تک کہ
ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے
(وہ دلیل تھی)۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ

۲. اللہ تعالیٰ کا ایک رسول^(۳) جو پاک صحیفے پڑھے۔^(۴)

رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً

۳. جن میں صحیح اور درست احکام ہوں۔^(۵)

فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ

۴. اور اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آجانے کے بعد
ہی (اختلاف میں پڑ کر) متفرق ہو گئے۔^(۶)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ

☆ اس کا دوسرا نام سورہ لَمْ يَكُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورہ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ تجھے پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”ہاں“ جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ لَمْ يَكُنْ)

۱. اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۲. مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ مُنْفَكِّينَ باز آنے والے، بَيِّنَةُ (دلیل) سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد ﷺ قرآن لے کر آجائیں اور وہ ان کی ضلالت و جہالت بیان کریں اور انہیں ایمان کی دعوت دیں۔

۳. یعنی حضرت محمد ﷺ۔

۴. یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

۵. یہاں کُتِبَ سے مراد احکام دینیہ اور قِیمَةُ، معتدل اور سیدھے۔

۶. یعنی اہل کتاب، حضرت نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل مجتمع تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہو گئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے، لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی ﷺ کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ ﷺ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال انکار نہیں تھا۔ لیکن ان

۵. اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا^(۱) کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف^(۲) کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔^(۳)

۶. بیشک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین سب دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔^(۴)

۷. بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔^(۵)

۸. ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدِّينَ لَا حُفَاءَ يَفْعَلُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ
وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ
فِي نَارِهِمْ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ ۝

جَزَاءُ هُمْ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ
الَّذِينَ خَلَدُوا فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تفرق کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا، کیوں کہ یہ بہر حال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

۱. یعنی ان کی کتابوں میں انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ.....

۲. حَنِيفٌ کے معنی ہیں، مائل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ حُفَاءً، جمع ہے۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

۳. الْقَيِّمَةُ مخدوف موصوف کی صفت ہے۔ دِينَ الْوَلَاءَةِ الْقَيِّمَةِ أَيُّ: الْمُسْتَقِيمَةِ بِالْأُمَّةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمُعْتَدِلَةِ یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال، ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

۴. یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے۔ نیز انہیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔

۵. یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنہوں نے اعضاء کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔ جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ الْبَرِيَّةُ، بَرًّا (خَلَقَ) سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت الباری ہے۔ اس لیے بَرِيَّةٌ، اصل میں بَرِيَّةٌ ہے، ہمزہ کو یا سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کر دیا گیا۔

ذَٰلِكَ لِمَنْ حَسِبَ رَبَّهُ ۖ

رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا^(۱) اور وہ اس سے راضی ہوئے۔^(۲) یہ ہے اس کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔^(۳)

۱۔ ان کے ایمان و طاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَيُضَوِّقُونَ مِنَ اللَّهِ الْكِبْرُ﴾ (التوبة: ۷۲)۔

۲۔ اس لیے کہ اللہ نے انہیں ایسی نعمتوں سے نوازا دیا، جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں۔

۳۔ یعنی یہ جزاء اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بتقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لی، حتیٰ کہ ان کی موت اسی طاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا، معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے، حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔

سُورَةُ الزَّلْزَالِ

سورہ زلزال مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا

وَ اُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اَنْفَالَهَا

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا كَآهَا

يَوْمَئِذٍ تُخَدِّثُ اَخْبَارَهَا

يَا اَنَّا رَبِّكَ اَوْخَىٰ لَهَا

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَسْتَاثَا لَا يُرَوُّا

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی۔^(۱)

۲. اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔^(۲)

۳. اور انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟^(۳)

۴. اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔^(۴)

۵. اس لیے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہو گا۔^(۵)

۶. اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (واپس) لوٹیں گے^(۶)

☆ اس کے مدنی اور کمی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

۱. اس کا مطلب ہے سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی، یہ اس وقت ہو گا، جب پہلا نفع پھونکا جائے گا۔

۲. یعنی زمین میں جتنے انسان دفن ہیں، وہ زمین کا بوجھ ہیں، جنہیں زمین قیامت کے دن باہر نکال پھینکے گی۔ یعنی اللہ کے حکم سے سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دوسرے نفع میں ہو گا، اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔

۳. یعنی دہشت زدہ ہو کر کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، یہ کیوں اس طرح ہل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے۔

۴. یہ جواب شرط ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا، جانتے ہو، زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس کی خبریں یہ ہیں کہ ”جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہو گا، اس کی گواہی دے گی۔ کہے گی فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں کیا تھا۔“ (ترمذی، أبواب صفة القيامة وتفسير سورة إذا زلزلت، مسند أحمد: ۴/۳۷۷)

۵. یعنی زمین کو یہ قوت گویائی اللہ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے، جس طرح انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرمادے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ متکلم بنادے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔

۶. يَصْدُرُ، يَرْجِعُ (لوٹیں گے) یہ ورود کی ضد ہے۔ یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف، یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ اَسْتَاثَا، متفرق، یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ، جو ان کے جہنمی ہونے کی علامت ہو گی۔

اعْمَالَهُمْ ۝

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔^(۱)۷۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔^(۲)۸۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔^(۳)

بعض کا رخ دائیں جانب ہوگا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ ادیان و مذاہب اور اعمال و افعال کی بنیاد پر ہوں گے۔
۱۔ یہ متعلق ہے بَصْدُرُ کے یا اس کا تعلق اَوْحٰی لَهَا سے ہے۔ یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تاکہ انسانوں کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔

۲۔ پس وہ اس سے خوش ہوگا۔

۳۔ وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہوگا۔ ذَرَّةٌ بعض کے نزدیک چوٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں، انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ ذرہ ہے۔ بعض کے نزدیک سورخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد و غبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک شخص، سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدیر)

سُورَةُ الْعَدِيَّاتِ

سورۃ عادیات مکی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَدِیَّاتِ ضَبْحًا ۝

فَالْمُورِیَّاتِ قَدْحًا ۝

فَالْمَغِیْرَاتِ ضَبْحًا ۝

فَآثَرْنَ بِهٖ نَفْعًا ۝

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُودٌ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم۔^(۱)

۲. پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم۔^(۲)

۳. پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم۔^(۳)

۴. پس اس وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں۔^(۴)

۵. پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے
ہیں۔^(۵)

۶. یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔^(۶)

۱. عَادِیَّاتٌ، عَادِیَّةٌ کی جمع ہے۔ یہ عَدُوٌّ سے ہے جیسے عَزَّوْہے۔ عَازِیَّاتٌ کی طرح اس کے واو کو بھی یا سے بدل دیا گیا ہے۔ تیز رو گھوڑے۔ ضَبْحٌ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنہانہ ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنہاتے ہوئے جہاد میں تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔

۲. مُورِیَّاتٌ، اِیْرَآءٌ سے ہے۔ آگ نکالنے والے۔ قَدْحٌ کے معنی ہیں۔ صَدْحٌ چلنے میں گھٹنوں یا ایڑیوں کا ٹکرانا، یا ٹاپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بِالرَّیْنَادِ ہے۔ چمقنا سے آگ نکالنا۔ یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی ہے، جیسے چمقنا سے نکلتی ہے۔

۳. مُغِیْرَاتٌ، اَغَارٌ یُغِیْرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ ضُبْحًا صبح کے وقت، عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا، شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔

۴. اَثَارٌ، اِثْنًا، نَفْعٌ، گردوغبار۔ یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولتے ہیں تو اس جگہ پر گردوغبار چھاجاتا ہے۔

۵. فَوَسَطْنَ، درمیان میں گھس جاتے ہیں۔ اس وقت، یا حالت گردوغبار میں۔ جَمْعًا دشمن کے لشکر۔ مطلب ہے کہ اس وقت، یا جب کہ فضاء گردوغبار سے اٹھ ہوئی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھسان کی جنگ کرتے ہیں۔

۶. یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ کَنُودٌ بمعنی کَفُورٌ، ناشکر۔

وَأَنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝

وَأَنَّهُ لَئِبَ الْخَيْْرِ لَشَهِيدٌ ۝

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ خَبِيرٌ ۝

۷. اور یقیناً وہ خود بھی اس پر گواہ ہے۔^(۱)

۸. اور یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔^(۲)

۹. کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ) ہے نکال لیا جائے گا۔^(۳)

۱۰. اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کردی جائیں گی۔^(۴)

۱۱. بیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہوگا۔^(۵)

۱. یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض لَشَهِيدٌ کا فاعل اللہ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے، کیوں کہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے۔ اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

۲. خَيْرٌ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿إِنْ تَرَكْتُمْ خَيْرَ الْوَصِيَّةِ﴾ (البقرة: ۱۸۰) ((جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو (اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے)۔ اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے) میں ہے معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

۳. بُعِثَ، بُثِّرَ وَبُعِثَ یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔

۴. حُصِّلَ، مِيزَ وَبَيِّنَ یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

۵. یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے؟ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزاء دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے، اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

سورہ قارعہ مکی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْقَارِعَةُ ۱

۱. کھڑکھڑا دینے والی۔

مَا الْقَارِعَةُ ۲

۲. کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی۔^(۱)

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۳

۳. اور تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے۔

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۴

۴. جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح
ہو جائیں گے۔^(۲)

وَيَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۵

۵. اور پہاڑ دھننے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں
گے۔^(۳)

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۶

۶. پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے۔^(۴)

۱. یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً الْحَاقَّةُ،
الطَّامَّةُ، الصَّاحَّةُ، الْغَاشِيَةُ، السَّاعَةُ، الْوَاقِعَةُ وغیرہ۔ الْقَارِعَةُ، اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے
دلوں کو بیدار اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی، جیسے دروازہ کھٹکھٹانے والا کرتا ہے۔

۲. فَرَاشٌ، مچھر اور شمع کے گرد منڈلانے والے پرندے وغیرہ۔ مَبْثُوثٌ، منتشر اور بکھرے ہوئے۔ یعنی قیامت کے
دن انسان بھی پروانوں کی طرح پر آگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

۳. عِهْنٌ، اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، مَنفُوشٌ، دھنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت
بیان کی گئی ہے جو قیامت کے دن ان کی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے،
جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اب آگے ان دو فریقوں کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت کے دن اعمال کے اعتبار
سے ہوں گے۔

۴. مَوَازِينٌ، مِيزَان کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں صحائف اعمال تولے جائیں گے۔ جیسا کہ اس کا ذکر سورہ اعراف
آیت: ۸، سورہ کہف: ۱۰۵ اور سورہ انبیاء: ۷۴ میں بھی گزرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں، موزون کی
جمع ہے یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہوگا۔ (بخ القدر) لیکن پہلا مفہوم ہی رائج اور صحیح
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

۷. وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا۔^(۱)
 ۸. اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔^(۲)
 ۹. اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔^(۳)
 ۱۰. اور تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے۔^(۴)
 ۱۱. وہ تند و تیز آگ (ہے)۔^(۵)

فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝
 وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝
 فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝
 وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ ۝
 نَارُ حَامِيَةٍ ۝

۱. یعنی ایسی زندگی، جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔

۲. یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی، اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہوگا۔

۳. ہاویۃ جہنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جہنمی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمُّ (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں، جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جہنیوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ ام کے معنی دماغ کے ہیں۔ جہنمی، جہنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر)

۴. یہ استفہام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم و تصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کنہ نہیں جان سکتے۔

۵. جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے، یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۶۹ درجہ (گنا) زیادہ ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، مسلم، کتاب الجنة، باب فی شدة حر نار جہنم) ایک اور حدیث میں ہے کہ (آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت فرمادی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا ٹھنڈا سانس ہے، اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے، وہ جہنم کا گرم سانس ہے)۔ (بخاری، کتاب باب مذکور) ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا (جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے)۔ (حوالہ مذکور مسلم، کتاب المساجد)

سُورَةُ التَّكَاثُرِ

سورہ تکاثر کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۝

حَتّٰی دُرِّمْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝

لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عِیْنَ الْیَقِیْنِ ۝

ثُمَّ لَتَسْتَلْنَ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. (مال و دنیا کی) زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا۔^(۱)

۲. یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔^(۲)

۳. ہرگز نہیں^(۳) تم عنقریب معلوم کر لو گے۔

۴. ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد علم ہو جائے گا۔^(۴)

۵. ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو۔^(۵)

۶. تو بیشک تم جہنم دیکھ لو گے۔^(۶)

۷. اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔^(۷)

۸. پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہو گا۔^(۸)

۱. اَللّٰہُ یُلْہٰی کے معنی ہیں، غافل کر دینا۔ تَکَاثُرٌ، زیادتی کی خواہش۔ یہ عام ہے، مال، اولاد، اعوان و انصار اور خاندان و قبیلہ وغیرہ، سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز، جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے، جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔

۲. اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے تمہیں موت آگئی، اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

۳. یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔

۴. اس کا انجام عنقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

۵. اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو، جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمہیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں مبتلا نہ ہو۔

۶. یہ قسم محذوف کا جواب ہے یعنی اللہ کی قسم تم جہنم ضرور دیکھو گے یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

۷. پہلا دیکھنا دور سے ہو گا، یہ دیکھنا قریب سے ہو گا، اسی لیے اسے عِیْنُ الْیَقِیْنِ (جس کا یقین مشاہدہ یعنی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

۸. یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہو گا، جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی۔ جیسے آنکھ، کان، دماغ، امن و صحت، مال و دولت اور اولاد وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، یہ سوال صرف کافروں سے ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، ہر ایک سے ہی ہو گا کیوں کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنہوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہو گا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے، اور جنہوں نے نقران نعت کا ارتکاب کیا ہو گا، وہ دھر لیے جائیں گے۔

سورہ عصر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَصِرٌ

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَتَوَصَّوْا بِالْحَقِّ وَتَوَصَّوْا بِالصَّبْرِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. زمانے کی قسم۔^(۱)

۲. بیشک (بالیقین) انسان سرسراہر نقصان میں ہے۔^(۲)

۳. سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل^(۳)
کئے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی^(۴) اور
ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔^(۵)

۱. زمانے سے مراد، شب و روز کی یہ گردش اور ان کا اول بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن
طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔
یہی مرور ایام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے۔
یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم
کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

۲. یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت
کرتے ہوئے گزرتے ہیں پھر جب موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ
جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

۳. ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، کیوں کہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی
گزری ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پرسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان کی
مزید صفات کا تذکرہ ہے۔

۴. یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔

۵. یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و فرائض شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر صبر، لذات
و خواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تو اوصیٰ بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا، جس
سے اس کا شرف و فضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

سُورَةُ الْهُمَزَةِ

سورہ ہمزہ مکی ہے اور اس میں نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝

كَلَّا لَيُبَدِّلَنِي فِي لَحْمَتِهِ ۝

وَمَا أَذُرُكَ مَا لِحْمَتِهِ ۝

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا
غیبت کرنے والا ہو۔^(۱)

۲. جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔^(۲)

۳. وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا
رہے گا۔^(۳)

۴. ہرگز نہیں^(۴) یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں
پھینک دیا جائے گا۔^(۵)

۵. اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی؟^(۶)

۶. وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی۔

۱. هُمَزَةٌ اور لُمَزَةٌ، بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ هُمَزَةٌ وہ شخص ہے جو رد و رد رو
برائی کرے اور لُمَزَةٌ، وہ جو پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں هَمَزٌ، آنکھوں
اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لَمَزٌ زبان سے۔

۲. اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔
ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا
اہتمام نہ ہو۔

۳. أَخْلَدَهُ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا“ یعنی یہ مال، جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر
میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

۴. یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔

۵. ایسا بخیل شخص حُطْمَةً میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جہنم کا ایک نام ہے، توڑ پھوڑ دینے والی۔

۶. یہ استفہام اس کی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہوگی کہ تمہاری عقلیں اس کا ادراک نہیں
کر سکتیں اور تمہارا فہم شعور اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْآفِدَةِ ①

إِنَّمَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ②

فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ③

۷. جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی۔^(۱)

۸. وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔^(۲)

۹. بڑے بڑے ستونوں میں۔

۱. یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلاؤالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں ایسا نہیں ہوگا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی، لیکن موت نہیں آئے گی، بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔
۲. مُّوَصَّدَةٌ بند، یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیے جائیں گے، تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے، اور انہیں لوہے کی سیخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا، جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک عَمَد سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدیر)

سُورَةُ الْفِيلِ

سورہ فیل کی ہے اور اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝

۱. کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں
کے ساتھ کیا کیا؟^(۱)

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝

۲. کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟^(۲)

وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝

۳. اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج

۱. جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے اَلَمْ تَرَ کے معنی ہیں اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔ اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے۔
واقعہ اصحاب الفیل:

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہہ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا (عبادت خانہ) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے عبادت اور حج و عمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا، جس کی اطلاع اس کو کردی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے، جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ مکہ کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی ﷺ کے دادا کے، جو مکہ کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر عبدالمطلب نے آکر ابرہہ سے کہا کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا ہے تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے، تو جانے اور بیت اللہ کا مالک اللہ جانے۔ (ابن القایم)

۲. یعنی وہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔

(۱) دیے۔

۴. جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔^(۲)۵. پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔^(۳)تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۖ
فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ أَلْوِلٍ ۝

۱. ابابیل، پرندے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول۔

۲. سِجِّیل، مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ مہلک کام کیا۔

۳. یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

سورہ قریش مکی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنِّي لَفَرِيشٌ

الْفِهْمُ رَحْلَةُ النَّسَاءِ وَالصَّبَبُ

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ

الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. قریش کے مانوس کرنے کے لیے۔

۲. (یعنی) انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس
کرنے کے لیے۔^(۱) (اس کے شکر یہ میں)۔

۳. پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے
رہیں۔

۴. جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا^(۲) اور ڈر (اور)
خوف میں امن (وامان) دیا۔^(۳)

☆ اسے سورہ ایلاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہے۔

۱. اِيْلَافَ کے معنی ہیں، مانوس اور عادی بنانا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جانا۔ قریش کی گزران کا ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن، جو گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے، اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتا رہا ہے کہ تم جو گرمی، سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمہیں مکہ میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمہارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمہاری عزت بھی برقرار رہے اور تمہارے سفروں کا سلسلہ بھی۔ جس کے تم خوگر ہو۔ قائم رہے، اگر ابرہہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمہاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلہ سفر بھی منقطع ہو جاتا۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں۔

۲. مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔

۳. عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف و خطر سے محفوظ تھے۔

سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ

سورہ ماعون کی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَرَأَيْتَ الَّذِي يَدْعُ بِالْإِيمَانِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. کیا تو نے (اسے بھی) دیکھا جو (روز) جزاء کو
جھٹلاتا ہے؟^(۱)

فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَمِينِ

۲. یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔^(۲)

وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ

۳. اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔^(۳)

قَوْلٍ لِلْمُصَلِّينَ

۴. ان نمازیوں کے لیے ہلاکت (اور جہنم کی ویل نامی
جگہ) ہے۔

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ

۵. جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔^(۴)

☆ اس سورت کو سُورَةُ الدِّينِ، سُورَةُ اَرَأَيْتَ اور سُورَةُ الْيَتِيمِ بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

۱. رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے اور استفہام سے مقصد انہماک ہے۔ روایت معرفت کے مفہوم میں ہے اور دین سے مراد آخرت کا حساب اور جزاء ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے ”کیا تو نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے؟“ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟

۲. اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیوں کر حسن سلوک کر سکتا ہے؟ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کے بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت و محبت ہوگی۔ دوسرا اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت کے دن اچھی جزاء ملے گی۔

۳. یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکا ہی دے گا۔

۴. اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز یا تو پڑھتے ہی نہیں۔ یا پہلے پڑھتے رہے ہیں، پھر سست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کو معمول بنالیتے ہیں یا خشوع و خضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آجاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزاء اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء: ۱۱۴) (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں

الَّذِينَ هُمْ يُرَآؤْنَ ۝
وَيَسْتَعِينُ الْمَاعُونُ ۝

۶. جو ریاکاری کرتے ہیں۔^(۱)
۷. اور برتنے کی چیز روکتے ہیں۔^(۲)

تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں، اور یاد الہی تو یونہی ہی برائے نام کرتے ہیں۔
۱. یعنی ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے، کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

۲. مَعْنً: شَيْءٌ قَلِيلٌ کو کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکوٰۃ لیتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے، (دُھائی فی صد) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کنجوسی برتنا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

سُورَةُ الْكَوْثَرِ

سورہ کوثر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا عَظَمْنَا الْكَوْثَرَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر (اور بہت کچھ) دیا
ہے۔^(۱)

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

۲. پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔^(۲)

إِنَّ سَاءَ لِمَا هُوَ أَكْبَرُ

۳. یقیناً تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام و نشان ہے۔^(۳)

☆ اس کا دوسرا نام سُورَةُ النَّحْرِ بھی ہے۔

۱. کَوْثَرُ، کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے ”خیر کثیر“ کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ ﷺ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتلایا گیا ہے، جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی ﷺ کے دست مبارک سے پانی پیئیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آ رہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں ”خیر کثیر“ میں آجاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

۲. یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کر۔ نَحَرَ کے اصل معنی ہیں اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منی میں اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔ ۳. اَبْتَرُ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مقطوع الذکر ہو، یعنی اس کی ذات پر ہی اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوانہ رہے، جب نبی ﷺ کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی ﷺ کو ابتر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ ابتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نسل کو بھی باقی رکھا گو اس کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی اولاد معنوی ہی ہے، جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت کے دن فخر کریں گے، علاوہ ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے، جب کہ آپ ﷺ سے بغض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

سورہ کافرون کی ہے اور اس میں چھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝

لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝

وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝

وَلَا أَكُنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ۝

وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! ^(۱)

۲. نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

۳. اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں
عبادت کرتا ہوں۔

۴. اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

۵. اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں
عبادت کر رہا ہوں۔ ^(۲)

۶. تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ ^(۳)

☆ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت، یہ سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ (مسند أحمد: ۵/۳۵۶، ترمذی: ۳۴۰۳، أبوداؤد: ۵۰۵۵، مجمع الزوائد: ۱۲/۱۰۱) بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

۱. الْكَافِرُونَ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو گا۔ کیوں کہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر)

۲. بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے، لیکن امام شوکانی نے کہا ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے، جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے سورہ رجن، سورہ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کروں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمہاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے، تو تم بھی اس توحید اور عبادت الہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔ ۳. یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو، تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے

کیوں چھوڑوں؟ ﴿لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ - (القصص: ۵۵)

سورہ نصر مدنی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔

۲. اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا
دیکھ لے۔^(۱)

۳. تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اس
سے مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے
والا ہے۔^(۲)

☆ نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب التفسیر) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ اب نبی ﷺ کا آخری وقت آگیا ہے، اسی لیے آپ ﷺ کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے۔ (تفسیر سورة النصر)

۱. اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے، اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جو نبی ﷺ کا مولد و مسکن تھا، لیکن کافروں نے آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے، جب کہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے، جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایسا ہو تو۔

۲. یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض - جو تیرے ذمے تھا۔ پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آگیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔

سُورَةُ التَّبَّتِ

سورہ تبت کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک
ہو گیا۔^(۱)

۲. نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی
کمائی۔^(۲)

مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا کَسَبَ ۝

۳. وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا۔

سَيَصْلٰی نَارًا اِذَا تَلَهَّبَ ۝

☆ اسے سُورَةُ الْمَسَدِ بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یا صَبَاحًا! کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ذرا بتلاؤ، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے) یہ سن کر ابولہب نے کہا تَبَّتْ لَکَ! تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمادی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ تبت) ابولہب کا اصل نام عبد العزیٰ تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلہ فروزاں) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن آپ ﷺ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔

۱. یَدَا، یَدَا (ہاتھ) کا تثنیہ ہے، مراد اس سے اس کا نفس ہے، جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بددعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی ﷺ کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ وَتَبَّ (اور وہ ہلاک ہو گیا) یہ خبر ہے بددعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی۔ چنانچہ جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عدسہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلگی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی، حتیٰ کہ سخت بدبودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے، اس کے جسم پر دور سے ہی پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنادیا۔ (ابن القایم)

۲. کمائی میں اس کی رہنمائی حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے۔ یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

۴. اور اس کی بیوی بھی (جائے گی)، جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔^(۱)

۵. اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔^(۲)

وَأَمْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝

فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

۱. یعنی جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لالا کر ڈالے گی، تاکہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوگا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھونڈھو کر لاتی اور نبی ﷺ کے راستے میں لا کر بچھا دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔ چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی ﷺ کی غیبت کرتی اور انہیں آپ ﷺ کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (بخاری)۔

۲. جِدُّ گردن۔ مَسَدٌ، مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا کھجور کی پوست کی ہو یا آہنی تاروں کی۔ جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہوگا، وہ آہنی تاروں سے بنا ہوا ہوگا۔ مَسَدٌ سے تشبیہ، اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

سُورَةُ الْإِخْلَاصِ

سورہ اخلاص مکی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ

اللَّهُ الصَّمَدُ

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱. آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔

۲. اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔^(۱)

۳. نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔^(۲)

۴. اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔^(۳)

☆ یہ مختصر سی سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی ﷺ نے ثلث (ایک تہائی ۱/۳) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، وفضائل القرآن، باب فضل قل هو الله أحد) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی ﷺ نے انہیں فرمایا (تمہاری اس کے ساتھ محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی)۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، کتاب الأذان، باب الجمع بین السورتین فی الركعة. مسلم، کتاب صلاة المسافرين) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ (مسند احمد ۱۳۳/۵ - ۱۳۴)

۱. یعنی سب اس کے محتاج، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

۲. یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

۳. اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوری: ۱۱) حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، (انسان مجھے گالی دیتا ہے یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جنا ہے نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے)۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ قل هو الله أحد) اس سورت میں ان کا بھی رد ہو گیا جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں اور جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور جو اس کو دوسروں کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔

سُورَةُ الْفَلَقِ

سورہ فلق مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾

۱. آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا
ہوں۔^(۱)

☆ اس کے بعد سورۃ الناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں، جن کے مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی“ یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرين، باب فضل قراءۃ المعوذتین، والترمذی) ابو حابس جب نبی ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا ”اے ابو حابس! کیا میں تمہیں سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں، انہوں نے عرض کیا، ہاں، ضرور بتائیے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا یہ دونوں معوذتات ہیں۔“ (صحیح النسائی، للالبانی: ۵۰۲۰) نبی ﷺ انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنالیا اور باقی دوسری چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحیح الترمذی، للالبانی: ۲۱۵۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتین ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ ﷺ کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے، آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب المعوذات، مسلم، کتاب السلام، باب رقیۃ المریض بالمعوذات) جب نبی ﷺ پر جادو کیا گیا، تو جبرائیل علیہ السلام نے دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے، اور یہ جادو فلاں کنویں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھوئی ہوئی تھیں) جبرائیل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (صحیح البخاری، مع فتح الباری، کتاب الطب، باب السحر، مسلم، کتاب السلام، باب السحر، والسنن) آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے، پہلے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ﷺ ایسا کرتے۔ (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات)

۱. فَالِقَ الْرَّاحِ مَعْنٰی صَبْحِ الْیَوْمِ کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لاسکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

۲. ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔^(۱)

۳. اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔^(۲)

۴. اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی)۔^(۳)

۵. اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔^(۴)

جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

۱. یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۲. رات کے اندھیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ غَاسِقِ رات، وَقَبَ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

۳. نَفَّاثَات، مَوْنَث کا صیغہ ہے، جو النَّفُّوسُ (موصوف محذوف) کی صفت ہے مِنْ شَرِّ النَّفُّوسِ النَّفَّاثَاتِ یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفوس کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں۔ یعنی اس میں جادو گروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

۴. حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔ کیوں کہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے، جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔



سورہ ناس مکی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

۱. آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ
میں آتا ہوں۔^(۱)

مَلِكِ النَّاسِ

۲. لوگوں کے مالک کی^(۲) (اور)

اِلٰهِ النَّاسِ

۳. لوگوں کے معبود کی (پناہ میں)^(۳)

مِنْ سَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ

۴. وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر
سے۔^(۴)

الَّذِي يُوسِّسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ

۵. جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

☆ اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگو کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَوْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۱۱/۵ وقال الهیثمی إسناده حسن)

۱. رَبِّ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتداء سے ہی، جب کہ انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بالغ و عاقل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

۲. جو ذات، تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔

۳. جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو۔ چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

۴. الْوَسْوَاسُ، بعض کے نزدیک اسم فاعل الْوَسْوَاسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذی الْوَسْوَاسِ ہے۔ وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ الْخَنَّاسُ، (کھسک جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

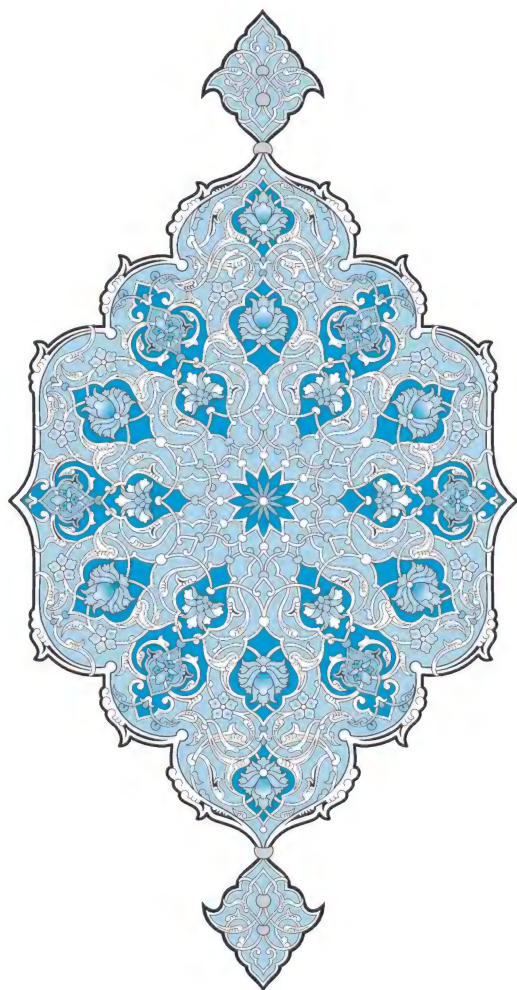
مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

۶. (خواہ) وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔^(۱)

۱. یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین الجن کو تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ﷺ کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے، اور وہ میرا مطیع ہو گیا ہے۔ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه لفتنه الناس...) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف فرماتے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ ﷺ انہیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے، تو آپ ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا کہ یہ میری اہلیہ صفیہ بنت حبی (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔

(صحیح البخاری، کتاب الأحکام، والشهادة تكون عند الحاكم في ولاية القضاء)

دوسرے شیطان، انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو ناصح، مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے یہ ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنت کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے، ورنہ جنت بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں ”رجال“ کا لفظ بولا گیا ہے۔ (الجن: ۶) اس لیے وہ بھی ناس کا مصداق ہیں۔



رموز اوقاف — قرآن مجید

ہر زبان کے اہل زباں جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں، جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں:

○ جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لگا دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ة) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ة) تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سا دائرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

۵ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفین کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م یہ علامت وقف لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ ”اٹھو، مت بیٹھو“ جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ”اٹھو مت، بیٹھو“ ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز علامت وقف مجوز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔
 ص علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ز) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلہ الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔
 ق قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔
 صل قَدْ یُوصَلُ کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف یہ لفظ قف ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔
 وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے لیکن سانس نہ توڑیں۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے، وقفہ میں زیادہ۔

لا لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کیجاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

ك كذلک کا مخفف ہے، اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے، اُس کا حکم اس پر بھی ہے۔

۞ یہ تین نقاط والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو معافتہ کہتے ہیں۔ کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں وقف گویا معافتہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے دوسرے پر نہیں۔ ہاں وقف کرنے میں رموز کی قوت اور ضعف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱	سورة الفاتحة	۱	۱
۲	سورة البقرة	۷	۳ - ۲ - ۱
۳	سورة آل عمران	۱۲۳	۴ - ۳
۴	سورة النساء	۱۹۳	۶ - ۵ - ۴
۵	سورة المائدة	۲۷۰	۷ - ۶
۶	سورة الأنعام	۳۲۶	۸ - ۷
۷	سورة الأعراف	۳۸۹	۹ - ۸
۸	سورة الأنفال	۴۵۸	۱۰ - ۹
۹	سورة التوبة	۴۸۴	۱۱ - ۱۰
۱۰	سورة يونس	۵۳۸	۱۱
۱۱	سورة هود	۵۷۵	۱۲ - ۱۱
۱۲	سورة يوسف	۶۱۶	۱۳ - ۱۲
۱۳	سورة الرعد	۶۵۴	۱۳
۱۴	سورة إبراهيم	۶۷۲	۱۳
۱۵	سورة الحجر	۶۹۰	۱۴ - ۱۳
۱۶	سورة النحل	۷۰۶	۱۴
۱۷	سورة بني إسرائيل	۷۴۴	۱۵
۱۸	سورة الكهف	۷۷۷	۱۶ - ۱۵
۱۹	سورة مريم	۸۱۱	۱۶
۲۰	سورة طه	۸۳۲	۱۶
۲۱	سورة الأنبياء	۸۶۱	۱۷
۲۲	سورة الحج	۸۸۹	۱۷
۲۳	سورة المؤمنون	۹۱۸	۱۸
۲۴	سورة النور	۹۴۲	۱۸
۲۵	سورة الفرقان	۹۷۱	۱۹ - ۱۸
۲۶	سورة الشعراء	۹۹۲	۱۹
۲۷	سورة النمل	۱۰۲۴	۲۰ - ۱۹

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاره
۲۸	سورة القصص	۱۰۴۹	۲۰
۲۹	سورة العنكبوت	۱۰۸۰	۲۱ - ۲۰
۳۰	سورة الروم	۱۱۰۴	۲۱
۳۱	سورة لقمان	۱۱۲۳	۲۱
۳۲	سورة السجدة	۱۱۳۶	۲۱
۳۳	سورة الأحزاب	۱۱۴۵	۲۲ - ۲۱
۳۴	سورة سبا	۱۱۷۷	۲۲
۳۵	سورة فاطر	۱۱۹۷	۲۲
۳۶	سورة یس	۱۲۱۳	۲۳ - ۲۲
۳۷	سورة الصافات	۱۲۳۱	۲۳
۳۸	سورة ص	۱۲۵۴	۲۳
۳۹	سورة الزمر	۱۲۷۲	۲۴ - ۲۳
۴۰	سورة المؤمن	۱۲۹۷	۲۴
۴۱	سورة حَمَّ السجدة	۱۳۲۴	۲۵ - ۲۴
۴۲	سورة الشوری	۱۳۴۲	۲۵
۴۳	سورة الزخرف	۱۳۶۰	۲۵
۴۴	سورة الدخان	۱۳۷۹	۲۵
۴۵	سورة الجاثیة	۱۳۸۸	۲۵
۴۶	سورة الأحقاف	۱۳۹۸	۲۶
۴۷	سورة محمد	۱۴۱۲	۲۶
۴۸	سورة الفتح	۱۴۲۵	۲۶
۴۹	سورة الحجرات	۱۴۳۸	۲۶
۵۰	سورة ق	۱۴۴۶	۲۶
۵۱	سورة الذاریات	۱۴۵۶	۲۷ - ۲۶
۵۲	سورة الطور	۱۴۶۶	۲۷
۵۳	سورة النجم	۱۴۷۵	۲۷
۵۴	سورة القمر	۱۴۸۵	۲۷
۵۵	سورة الرحمن	۱۴۹۴	۲۷
۵۶	سورة الواقعة	۱۵۰۵	۲۷

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاره
۵۷	سورة الحديد	۱۵۱۶	۲۷
۵۸	سورة المجادلة	۱۵۲۸	۲۸
۵۹	سورة الحشر	۱۵۳۸	۲۸
۶۰	سورة الممتحنة	۱۵۴۸	۲۸
۶۱	سورة الصف	۱۵۵۶	۲۸
۶۲	سورة الجمعة	۱۵۶۱	۲۸
۶۳	سورة المنافقون	۱۵۶۵	۲۸
۶۴	سورة التغابن	۱۵۶۹	۲۸
۶۵	سورة الطلاق	۱۵۷۵	۲۸
۶۶	سورة التحريم	۱۵۸۲	۲۸
۶۷	سورة الملك	۱۵۸۸	۲۹
۶۸	سورة القلم	۱۵۹۶	۲۹
۶۹	سورة الحاقة	۱۶۰۵	۲۹
۷۰	سورة المعارج	۱۶۱۲	۲۹
۷۱	سورة نوح	۱۶۱۸	۲۹
۷۲	سورة الجن	۱۶۲۴	۲۹
۷۳	سورة المزمل	۱۶۳۱	۲۹
۷۴	سورة المدثر	۱۶۳۶	۲۹
۷۵	سورة القيامة	۱۶۴۳	۲۹
۷۶	سورة الدهر	۱۶۴۸	۲۹
۷۷	سورة المرسلات	۱۶۵۵	۲۹
۷۸	سورة النبأ	۱۶۶۱	۳۰
۷۹	سورة النازعات	۱۶۶۷	۳۰
۸۰	سورة عبس	۱۶۷۳	۳۰
۸۱	سورة التکویر	۱۶۷۸	۳۰
۸۲	سورة الانفطار	۱۶۸۲	۳۰
۸۳	سورة المطففين	۱۶۸۵	۳۰
۸۴	سورة الانشقاق	۱۶۹۰	۳۰
۸۵	سورة البروج	۱۶۹۴	۳۰

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاره
۸۶	سورة الطارق	۱۶۹۸	۳۰
۸۷	سورة الأعلى	۱۷۰۱	۳۰
۸۸	سورة الغاشية	۱۷۰۳	۳۰
۸۹	سورة الفجر	۱۷۰۷	۳۰
۹۰	سورة البلد	۱۷۱۲	۳۰
۹۱	سورة الشمس	۱۷۱۵	۳۰
۹۲	سورة الليل	۱۷۱۷	۳۰
۹۳	سورة الضحی	۱۷۲۰	۳۰
۹۴	سورة ألم نشرح	۱۷۲۲	۳۰
۹۵	سورة التین	۱۷۲۳	۳۰
۹۶	سورة العلق	۱۷۲۶	۳۰
۹۷	سورة القدر	۱۷۲۹	۳۰
۹۸	سورة البينة	۱۷۳۱	۳۰
۹۹	سورة الزلزال	۱۷۳۳	۳۰
۱۰۰	سورة العاديات	۱۷۳۶	۳۰
۱۰۱	سورة القارعة	۱۷۳۸	۳۰
۱۰۲	سورة التكاثر	۱۷۴۰	۳۰
۱۰۳	سورة العصر	۱۷۴۱	۳۰
۱۰۴	سورة الهزمة	۱۷۴۲	۳۰
۱۰۵	سورة الفيل	۱۷۴۳	۳۰
۱۰۶	سورة قريش	۱۷۴۶	۳۰
۱۰۷	سورة الماعون	۱۷۴۷	۳۰
۱۰۸	سورة الكوثر	۱۷۴۹	۳۰
۱۰۹	سورة الكافرون	۱۷۵۰	۳۰
۱۱۰	سورة النصر	۱۷۵۱	۳۰
۱۱۱	سورة تبت	۱۷۵۲	۳۰
۱۱۲	سورة الإخلاص	۱۷۵۳	۳۰
۱۱۳	سورة الفلق	۱۷۵۵	۳۰
۱۱۴	سورة الناس	۱۷۵۷	۳۰

لِنَ وَزَارَةِ الشُّؤُونِ الْإِسْلَامِيَّةِ وَاللَّحْوَةِ وَالْإِشْنَانِ

فِي الْمَلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُودِيَّةِ

الْمَشْرِفَةِ عَلَى

مَجْمَعِ الْمَلِكِ فَهْدٍ لَطِبَاعَةِ الْمُصْحَفِ الشَّرِيفِ

فِي الْمَدِينَةِ الْمُنَوَّرَةِ

إِذْ يُسْرُهَُا أَنْ يُصْدَرَ الْمَجْمَعُ هَذِهِ الطَّبْعَةَ مِنْ

تَرْجَمَةِ مَعَانِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ

إِلَى اللُّغَةِ الْأُرْدِيَّةِ

سَعَى اللَّهُ أَنْ يَنْفَعَ بِهَا النَّاسَ

وَأَنْ يَحْتَزِي

خَلَامَةُ الْحَرَمَيْنِ الشَّيْخَيْنِ الْمَلِكِ سَلْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ السُّعُودِي

أَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَلَى جُهُودِهِ الْعَظِيمَةِ فِي نَشْرِ كِتَابِ اللَّهِ الْكَرِيمِ

وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ

وزارت اسلامی امور، اور دعوت وارشاد

مملکت سعودی عرب

نگران

”شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ“

کے لیے باعث مسرت ہے کہ کمپلیکس

قرآن شریف کے مطالب کا

یہ اردو ترجمہ شائع کرے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اس کا نفع عام کرے

اور خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبد العزیز آل سعود

کو اشاعت قرآن کریم کے سلسلہ میں عظیم

کوششوں پر جزاء عطا فرمائے۔

اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

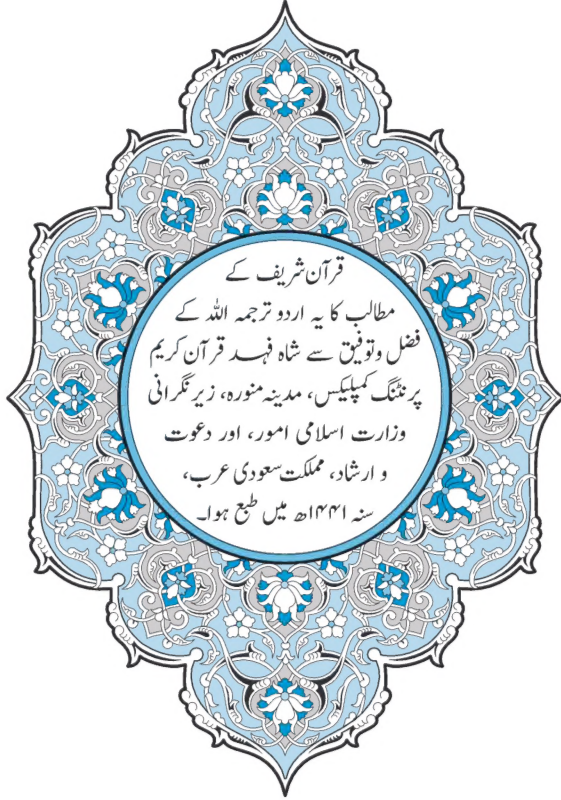


حَقُوقُ الظَّالِمِ مَحْفُوظَةٌ
لِجَمْعِ الْمَلِكِ هَدَا لَطِيبًا عَزِيزًا لِمُصْجِفِ الشَّيْءِ بِتِ الْمَدِينَةِ الْمُنَوَّرَةِ

ص. ب. ٦٢٦٢ - المدينة المنورة

www.qurancomplex.gov.sa

contact@qurancomplex.gov.sa



حقوق طبع بحق ناشر محفوظ ہیں
شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس

پوسٹ بکس نمبر ۶۲۶۲، مدینہ منورہ

www.qurancomplex.gov.sa
contact@qurancomplex.gov.sa

③ مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ، ١٤٤١هـ .

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف
ترجمة معاني القرآن الكريم إلى اللغة الأردية / مجمع الملك فهد
لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة ، ١٤٤١هـ

١٧٩٢ ص ؛ ٢١ × ١٤ سم

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٨١٨٧-٧٣-٩

١- القرآن - ترجمة - اللغة الأردية أ. العنوان

١٤٤٠/١١٦٩٧

ديوي ٢٢١،٤٩١٤٣٩

رقم الإيداع: ١٤٤٠/١١٦٩٧

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٨١٨٧-٧٣-٩

